فتاویٰ محمدیہ

منہج سلف صالحین کے مطابق

حضرۃ العلام مفتی محمد عبید اللہ خان عفیف حفظہ اللہ تعالیٰ

ترتیب

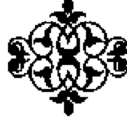
ابو الحسن مبشر احمد ربانی



مکتبہ قدوسیہ


فتاویٰ
محمدیہ

خوبصورت اور معیاری مطبوعات



کتاب وسنت کی نشر واشاعت کے لیے کوشاں

اشاعت ــــــ 2010

اہتمام طباعت

ابوبکر قدوسی

مکتبہ قدوسیہ

رحمان مارکیٹ • غزنی سٹریٹ • اردو بازار • لاہور پاکستان

Ph: 42-37351124 , 37230585
E-mail: *maktaba_quddusia@yahoo.com*
Website: www.quddusia.com

قدوسیہ اسلامک پریس

فتاوی محمدیہ

منہج سلف صالحینؒ کے مطابق

جلد اول

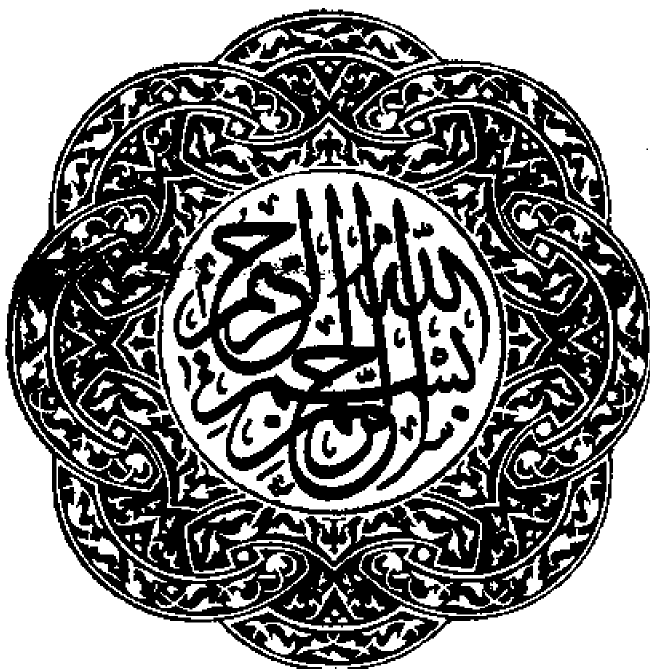
مفتی اعظم پاکستان حضرۃ العلام

مفتی محمد عبید اللہ خان عفیفؒ حفظہ اللہ تعالیٰ

ترتیب

ابو الحسن مبشر احمد ربانی

مکتبہ قدوسیہ


بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین

بدعات کا بیان

کتاب وسنت

کتاب الطھارۃ

کتاب المساجد

الاذان والاقامہ

تاب الصلوٰۃ

امامت کا بیان

صلوٰة التهجد والتراويح

کتاب الوتر

کتاب التقصیر

کتاب الجمعة

جمع بین الصلوتین

کتاب العیدین

کتاب الحج

کتاب الاضحیة

کتاب البیوع

کتاب النکاح

رضاعت کا بیان

کتاب الطلاق

لباس اور زینت کا بیان

حظر واباحت

كتاب الاقضية



بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَا یَنَامُ وَلَا یَنْبَغِیْ لَهُ اَنْ یَّنَامَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ الْاَنَامِ .))

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی راہنمائی کے لیے مختلف علاقوں اور مختلف قوموں کی طرف انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ اس سلسلے کی آخری کڑی نبی رحمت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اور آپ کی ذات مبارک پر سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا۔ آپ کے خاتم النبیین کا مطلب یہ ہے کہ آپ پوری انسانیت کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔ آیات قرآنی جو آپ پر وحی کی جاتی تھیں تو آپ انہیں لوگوں تک پہنچاتے اور ان آیات کے مفہوم و معانی بیان کرتے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کا ان الفاظ میں فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾ (الجمعہ: ۲)

"وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ یقیناً اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔"

یہ آیت اس بات کو واضح کر دیتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کتاب و حکمت کی تعلیم دینے کے لیے مبعوث ہوئے اور کتاب یعنی قرآن کریم کی تفسیر سنت رسول (حدیث) کے بغیر سمجھنا ناممکن ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی زندگی میں اسی اصول کو اختیار کیا۔ حضرات صحابہ پر ہی موقوف نہیں بلکہ ان کے بعد آنے والے اکابر کا منہج بھی اس آیت مبارکہ کی روشنی میں متعین تھا۔

﴿وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: ۷)

"جو کچھ تمہیں رسول دے اسے لے لو اور جس سے تمہیں روکے رک جاؤ۔"

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو زندگی میں کوئی مسئلہ پیش آتا تو وہ بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو کر آپ ﷺ سے دریافت فرمالیا کرتے تھے۔ نبی رحمت ﷺ وحی الٰہی کی روشنی میں ان کے مسائل حل فرماتے اور آپ کے یہ فیصلے دوٹوک اور واضح ہوا کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کے ان احکامات اور احادیث کی جمع و تدوین اور حفاظت کا سلسلہ آپ کی زندگی میں ہی شروع ہو چکا تھا جس میں روز بروز ترقی ہوتی گئی حتیٰ کہ وحی کے آغاز سے لے کر نبی کریم ﷺ کی وفات تک آپ کی زندگی کا ہر گوشہ، دین اسلام سے متعلق آپ کی زبان مبارک سے نکلنے والا ہر حکم اور انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں سے متعلق آپ کے احکامات اور ہدایات مکمل طور پر محفوظ کر لیے گئے۔ یہ سارا کام صحت و ثقاہت کے اس اعلیٰ معیار کا تھا جس پر انسانی عقل بھی حیران ہے۔

کتاب و سنت کی جمع و تدوین کے ساتھ ساتھ فقہ، تفسیر، اصول فقہ، اصول تفسیر وغیرہ علوم بھی مسلسل ترقی اور عروج کی منازل طے کرتے رہے اور علماء کرام طے شدہ اصولوں کی روشنی میں لوگوں کے مسائل کا حل بتاتے رہے۔ پھر علمائے امت کے ان فتاویٰ جات کو کتابی شکل میں مرتب کیا جانے لگا اور یوں فتویٰ نویسی کا عظیم الشان ادارہ معرض وجود میں آیا۔ ائمہ کرام کے فتاویٰ مرتب و مدون ہو کر

منصۂ شہود پر آئے۔ برصغیر میں افتاء کا ایک طویل تاریخی پس منظر ہے۔ مفتیان دین متین نے اپنی بھرپور صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے فتوے دیے۔ بعض نے خود اپنے فتاویٰ مرتب کیے اور اکثر کے تلامذہ نے یہ سعادت حاصل کی اور اپنے اپنے اساتذہ کی تحقیقات مرتب کیں۔ اس سلسلے کی ایک کڑی شیخ الحدیث حضرت مفتی عبید اللہ خاں ﷾ کے فتاوے کا یہ مجموعہ ہے۔ حضرت مفتی صاحب کا فتویٰ اہل علم کے ہاں نہایت اہمیت کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ وہ دریافت طلب مسئلے کے تمام پہلو اجاگر کرتے ہیں اور ان کی رائے بے لاگ اور دوٹوک ہوتی ہے۔ وہ براہ راست اپنی مطلوبہ کتب سے رجوع کرتے ہیں اور ثانوی مصادر پر بہت کم اعتماد کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بیان کردہ دلائل نہایت قوی اور قابل اعتماد ہوتے ہیں۔ مفتی صاحب عموماً سادہ زبان استعمال کرتے ہیں اور دلائل کے زور پر گفتگو کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن کسی وقت ان کا اشہب قلم سرپٹ بھاگتا ہوا حرف مدعا کے اظہار کے لیے مسجع ومقفع الفاظ کے انتخاب سے بھی گریز نہیں کرتا۔ الحمد للہ مکتبہ قدوسیہ کو حضرت مفتی صاحب کے فتاویٰ کے مجموعے کی پہلی جلد شائع کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

یہ مجموعہ خاصی تاخیر سے شائع ہو رہا ہے اور اس تاخیر کا بڑا سبب میری مشغولیت ہی رہی لیکن حضرت مفتی صاحب نے کمال صبر و تحمل سے اس کو برداشت کیا۔ اگر کبھی ناراض بھی ہوئے تو اسی مجلس میں مسکراتے ہوئے اٹھے۔ میرے والد محترم مولانا عبد الخالق قدوسی ﷫ کے ساتھ ان کا بڑا گہرا تعلق تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ دوستانہ تھا۔ اس تعلق کا انہوں نے ہمیشہ خیال رکھا اور کبھی اپنے دست شفقت سے ہمیں محروم نہ رکھا۔

حضرت مفتی صاحب کا مسجد چینیانوالی میں طویل عرصہ قیام رہا۔ حضرت علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید ﷫ کی شہادت کے بعد بھی کئی برس تک آپ وہیں خدمتِ حدیث میں مشغول رہے۔ میرے والد محترم نے لاہور میں قیام کا آغاز بھی مسجد چینیاوالی میں تدریس سے کیا تھا۔ میرے سن پیدائش میں حضرت علامہ شہید بھی لاہور تشریف لائے تھے اور مسجد چینیانوالی کی مسند خطابت سنبھال چکے تھے۔ جون ۱۹۶۸ء میں میرے عقیقے کی تقریب میں جو ثقات افراد موجود تھے ان میں مولانا محمد عطا اللہ حنیف ﷫، مولانا حنیف ندوی ﷫ اور علامہ شہید ﷫ موجود تھے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ اس کے ٹھیک ۱۸ سال بعد میری ہی خواہش و نگرانی میں قلعہ چھمن سنگھ میں ایک جلسہ ہوا اور میرے بازوؤں میں میرے والد محترم اور میری آنکھوں کے سامنے علامہ شہید شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے۔ مسجد چینیانوالی اور اس کے شب وروز اس کے یہ خوبصورت دن ایک خواب کی مانند ہیں۔ مفتی صاحب اگر ان ایام کے بارے میں اپنی یادیں بھی جمع کردیں تو یہ تاریخی اہمیت کا کام ہوگا۔

اس مجموعے کی طباعت کے تمام مراحل میں مکتبہ قدوسیہ کے جن احباب نے کام کیا وہ سب ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ خصوصاً محترم ابوالحسن مبشر احمد ربانی ﷾ جنھوں نے اپنی نگرانی میں اس کی ترتیب کا کام مکمل کیا جب کہ حافظ ثناء اللہ خاں اور سعید الرحمان نے پروف ریڈنگ کا کام بہت توجہ سے سرانجام دیا اور کمپوزنگ کا کام جناب رشید احمد سجانی اور محمد حسن بھائی نے نہایت محنت سے مکمل کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

ابوبکر قدوسی

۱۷ جنوری ۲۰۱۰ء

تقدیم

الحمد لله رب العلمين الرحمن الرحيم مالك يوم الدين والصلوٰة والسلام على اشرف المرسلين نبينا محمد بن عبد الله ورسوله وعلىٰ آله وصحبه وازواجه وعلى من باحسان الى يوم الدين . اما بعد .

فتویٰ جسے فُتویٰ اور فُتیا بھی کہتے ہیں اس کا معنی اظہار رائے اور وضاحت کرنے کے ہیں۔مگر شرعی اصطلاح میں شرعی مسائل میں ماہر شریعت کے فیصلہ کو فتویٰ کہا جاتا ہے، یا مفتی کا شرعی فیصلہ جو کسی بات کے جواز عدم جواز میں دیا جائے۔شرعی حکم لگانا یا پھر شرعی قانون کے مطابق فیصلہ دینا اور بعض کے نزدیک مشکل احکام کا جواب اور مذہبی حکم فتویٰ کہلاتا ہے۔[1]

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی چیز کی حلت و حرمت اور جواز عدم کا علم نہ ہوتا تو وہ اس کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع فرماتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی کے مطابق جواب بیان فرمادیتے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ﴾ (النساء:۱۲۷)

"اور لوگ آپ سے عورتوں کے باب میں فتویٰ دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجیے اللہ تعالیٰ تمہیں ان (سے نکاح) کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔"

﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ﴾ (النساء:۱۷۶)

"لوگ آپ سے فتویٰ دریافت کرتے ہیں کہہ دو اللہ تم کو کلالہ، باب میں فتویٰ دیتا ہے۔"

اسی طرح قرآن میں سوال و جواب کے اسلوب میں بکثرت فتاویٰ بیان فرمائے گئے ہیں، مثلاً:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ (البقرہ:۲۱۹)

"لوگ آپ سے شراب اور جوے کا مسئلہ پوچھتے ہیں۔آپ کہہ دیجیے ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو اس سے دنیاوی فائدہ بھی ہوتا ہے لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔"

﴿يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ﴾ (البقرہ:۲۱۹)

"آپ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں تو آپ کہہ دیجیے حاجت سے زائد چیز خرچ کریں۔"

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ﴾ (البقرہ:۲۲۰)

"اور تجھ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ ان کی خیر خواہی بہتر ہے۔"

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ﴾ (بنی اسرائیل:۸۵)

''اور یہ لوگ آپ سے روح کی بابت سوال کرتے ہیں آپ جواب دیجیے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے۔''

اوپر کی دونوں آیتوں میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فتویٰ کی نسبت اپنی ذات بابرکات کی طرف فرمائی ہے، لہٰذا اس نسبت سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ بھی مفتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے بعد رسول اللہ ﷺ منصب افتاء پر فائز تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے لیل ونہار اور اسوۂ حسنہ کے درخشاں نقوش سے اس حقیقت کا مکمل ادراک کر چکے تھے کہ دنیا وعقبیٰ کی سلامتی اور فلاح وفوز صرف اور صرف کتاب و سنت کی غیر مشروط پیروی سے وابستہ اور مشروط ہے۔ اس لیے وہ بھی کتاب وسنت میں سے پیش آنے والے مسائل اور اشکالات کا حل پیش کرتے رہے۔ غرضیکہ تیسری صدی ہجری کے اختتام تک سلف صالحین کا یہی معمول اور اصول رہا، یعنی نو پید مسائل کی توضیح وتشریح اور فتاویٰ کا مرکز ومحافظ کتاب وسنت یا پھر صحابہ کے آثار ہی تھے۔

جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ تصریح فرماتے ہیں:

"كان عندهم انهٗ اذا وجد في المسئلة قران ناطق فلا يجو التحول منه الى غيره واذا كان القران محتملا لوجوه فاالسنة قاضية عليه فاذا لم يجدوا فى كتاب الله اخذوا سنة رسول الله ﷺ...... ولم يجدوا فى المسئلة حديثا اخذوا باقوال جماعة من الصحابة والتابعين ولا يتقيدون بقوم دون قوم ولا بلد دون بلد كما كان يفعل قبلهم فان اتفق جمهور الخلفاء والفقهاء على شيء فهو المقنع." [1]

''ان سلف صالحین (اہل حدیث) کا مسلک یہ تھا کہ جب تک کسی مسئلہ کا حکم قرآن سے ثابت ہو تو کسی دوسری شے کی طرف توجہ نہ کرنا چاہیے اور اگر قرآن میں حکم مسئلہ کا مختلف الوجوہ ہو تو اس کا فیصلہ حدیث سے کرنا چاہیے اور جب قرآن میں ان کو کوئی حکم نہ ملتا تھا تو رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر عمل کرتے تھے، خواہ وہ حدیث مستفیض ہوتی جس پر فقہاء عمل درآمد کر چکے تھے یا کسی خاص شہر کے علماء یا کسی خاندان کے علماء سے یا کسی خاص طریقہ سے مروی ہوتی۔ خواہ صحابہ اور فقہاء نے اس پر عمل کیا ہوتا یا نہ عمل کیا ہوتا۔ کسی مسئلہ میں جب ان کو کوئی حدیث مل جاتی تھی تو اس کے بعد پھر اس کے مخالف کسی اثر یا کسی اجتہاد کا اتباع نہ کرتے تھے جب تلاش وبسیار اور تتبع کے بعد بھی اس مسئلہ میں حدیث نہیں ملتی تھی تو اس وقت صحابہ یا تابعین میں سے ایک جماعت کی اقتدا کرتے اور ان کے اقوال پر عمل کرلیا کرتے تھے۔ اس میں ان کو کسی قوم یا کسی شہر کی خصوصیت اور قید نہ تھی ان سے پہلے لوگوں کا طریقہ بھی یہی تھا۔ مسلک اہل حدیث اس طریقہ سے عبارت ہے۔''

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی اس حقیقت طراز تصریح سے یہ بات واضح ہوئی کہ تیسری صدی ہجری کے اختتام تک ملت اسلامیہ امت واحدہ کے قالب میں کتاب وسنت کے چشمہ صافی سے فیض یاب اور شادکام رہی بلکہ تقلید اور تعصب مذہبی کے حادثہ فاجعہ سے نا آشنا اور فرقہ بندی اور رجال پرستی کے فتنہ سے بھی محفوظ تھی۔ چوتھی صدی میں چار سیاسی جماعتیں اپنے حکمرانوں کی سرپرستی میں شدہ شدہ

---

[1] حجة الله البالغة ج۱، ص ۱۴۹.

چار اسلامی فرقوں میں ڈھل گئیں، کتاب وسنت کے علی الرغم ائمہ اربعہ کی تقلید کو اصل اسلام باور کرلیا گیا۔

الشیخ ابوطالب محمد بن علی مکی متوفی ۳۸۶ھ ارقام فرماتے ہیں: القول بمقالات الناس والفتيا بمذهب الواحد من الناس وانتحال قوله والحكاية له في كل شئي والتفقه على مذهب محدث لم يكن الناس قديما على ذالك...... ثم ظهرت بعد سنة مائتين وبعد تقضي ثلاثة قرون في القرآن الرابع المرفوض مصنفات الكلام وكتب المتكلمين بالراى والمعقول والقياس وذهب علم المتقين وغابت معرفة الموقنين. ❶

تیسری صدی کے اخیر اور چوتھی صدی کے آغاز میں علماء فقہاء کے اقوال پر مذہب سازی اور ایک ہی مذہب کے اقوال وآراء پر استوار فتاویٰ صادر کرے، اپنے مخصوص امام کے فقہی اقوال کی اشاعت اور ایک فقہ میں تفقہ حاصل کرنے کا عام رواج چل پڑا۔ جبکہ سلف صالحین کا یہ شیوہ ہرگز نہ تھا۔ اس صدی میں بخلاف کتاب وسنت علم کلام، عقلی افکار اور قیاسی آراء پر مبنی مقالات اور کتابوں کے مندرجات کو اسلام کی اصل تعبیر تسلیم کرلیا گیا اور یوں اہل تقویٰ کا علم جاتا رہا اور راسخ فی العلم علماء کی دینی معرفت دم توڑ گئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: اعلم ان الناس كانوا قبل المائة الرابعة غير مجمعين على التقليد الخالص لمذهب واحد بعينه. (حجة الله ج۱، ص ۱۵۲) یادرہے کہ چوتھی صدی سے قبل کے لوگ کسی معین فقہی مذہب کی کوری تقلید پر ہرگز جمع نہ تھے۔

شیخ الاسلام ابن قیمؒ نے ''اعلام الموقعین'' میں، الشیخ الفلانیؒ نے اپنی کتاب ''الایقاظ'' میں تقلید شخصی کی یہی چوتھی صدی ہی لکھی ہے۔ تقلید شخصی کے مہلک اور مکروہ جراثیم امت کی وحدت بالکل اسی طرح چاٹ گئے جس طرح گھن لکڑی کو کھا کر ہی بس کرتا ہے اور جس طرح گھن لکڑی کی شکل تبدیل کردیتا ہے بعینہٖ اسی طرح تقلیدی جراثیم نے اسلام کے حسین وجمیل اور بلور کی طرح صاف وشفاف چہرے کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ تقلید کے رسیا اور تعصب مذہبی خوگروں نے امت کی وحدت کا بٹوارہ کرتے ہوئے اہل سنت الجماعت کے حصے بخرے چار غیر معصوم ائمہ کو الاٹ کردیے اور ان ائمہ اربعہ کی تقلید کا سکہ جمانے کے لیے بیت اللہ الحرام کے چاروں کونوں چار مصلے بچھادیے تاکہ نماز کی ادائیگی بھی اپنے اپنے خود ساختہ مذہب کے مطابق ادا کی جائے۔ انا لله وانا اليه راجعون. ❷

یہ امت روایات میں کھوگئی
حقیقت خرافات میں کھوگئی

وہ مدارس اور مساجد جہاں چوتھی صدی سے قبل قال الله وقال الرسول کی ایمان پرور۔ حق نیوش تدریس وترویج ہورہی تھی اور سلف صالحین کے عقائد سلفیہ کی تعلیم دی جارہی تھی اور طلبہ اسلام کی کتاب وسنت کے فیوض سے فیض یاب ہورہے تھے، ان میں اپنی اپنی فقہ اور اپنے اپنے امام کے الٹے سیدھے اقوال اور استحسانات کے دفاع میں اگر چہ مگر چہ اور چونکہ چنانچہ کا سہارا لے کر اپنی خود ساختہ شریعت کی تبلیغ کی جانے لگی۔ رہے فتاویٰ تو وہ بھی اپنے ائمہ اور اصحاب ترجیح کے قیاسی اقوال وآراء کا ملغوبہ بن کر رہ گئے۔

ہندو پاک میں فقہ حنفی کے بے تحاشا شیوع کے پیش نظر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ جو کہ فقہ حنفی کتاب وسنت کا جوہر اور عطر ہے اس لیے اسے قبول عام حاصل ہوچکا ہے۔ مگر یہ دعویٰ تلخ مور کے برابر بھی اپنے اندر کوئی معقولیت نہیں رکھتا۔ داناؤں کا یہ مقولہ اہل علم کے

---

❶ قوت القلوب ج۱، ص ۱۵۹۔ ❷ یا کسی خاص طریقہ سے مروی ہوتی۔

ہاں دائر سائر ہے کہ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مَلُوْکِھِمْ کہ جیسا راجہ ویسی پرجا۔ اس لیے فقہ حنفی کی عام اشاعت اور قبولیت کی وجہ یہ ہے کہ احناف کی خوش قسمتی سے برصغیر ہند و پاک کے اولین مسلمان فرمانروا قطب الدین ایبک مرحوم سے لے کر سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار بادشاہ بہادر شاہ ظفر تک سلطان محمد تغلق کو چھوڑ کر تمام شاہان دہلی مرحوم حنفی المسلک تھے اور فقہ حنفی کی یہ بے تحاشا اشاعت ان بادشاہوں کی سرپرستی کی مرہون منت ہے۔ فتاویٰ عالمگیری ہمارے موقف کا شاہد عدل ہے۔

دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ عاقبت فراموش اور عیش کوش بادشاہوں، اہل کاروں، وڈیروں، سرمایہ داروں، شرابیوں اور زانیوں کی حمایت اور رعایت میں فقہ حنفی اپنے اندر بڑی وسعت رکھتی ہے۔ یقین نہ آئے تو راقم الحروف کی کتاب "فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر" پڑھ لیں۔ اس کے مطالعہ سے آپ کو یقین آ جائے گا کہ واقعی اس فقہ میں مرتکبین حدود درائیہ کو کس قدر بے دریغ تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔

اس دوسری وجہ سے معلوم ہوا کہ لوگوں نے اس فقہ کو اس لیے ہاتھوں ہاتھ نہیں لیا کہ یہ کتاب و سنت کا جوہر اور عطر ہے بلکہ اس لیے کہ یہ فقہ ان کی نفسانی خواہشات اور سفلی اغراض کی تکمیل کے لیے سند جواز مہیا کرتی ہے۔

حنفی علماء کرام کے طرز عمل سے لگتا ہے کہ انھوں نے اپنے تقلید مذہب کی حفاظت میں احادیث صحیحہ اور نصوص صریح کے ساتھ وہ سلوک روا رکھا ہے جو شجر ممنوعہ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

ایک اس لیے کہ انھوں نے کتاب و سنت کے شیدائی طلبہ پر اپنے مدارس کے دروازے بند کر رکھے تھے حتیٰ کہ اگر زیر تعلیم کسی منتہی طالب علم کے بارے میں یہ شبہ پڑ جاتا کہ وہ اہل حدیث ہے تو بلا تحقیق یک بنی دو گوش اسے خارج کر دیا جاتا تھا، جیسا کہ میرے دادا جی مولانا محمد اسمٰعیل بلوچ رحمہ اللہ الجلیل کو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم نے یہ کہہ کر خارج کر دیا کہ آپ نے مذہب حنفی کے علی الرغم حدیث پر عمل کرتے ہوئے اپنے گاؤں کوٹلی بلوچاں میں جمعہ پڑھانا شروع کر دیا ہے۔

دوسرا یہ کہ اگر اہل حدیث نماز پڑھنے کے لیے ان کی مسجد میں جانے کی غلطی کر بیٹھتا تو نہ اسے صرف زدوکوب کیا جاتا بلکہ مسجد کا فرش دھویا جاتا اور صفوں کو غسل دیا جاتا رہا۔

تقلید شخصی اور تعصب مذہبی میں فتاویٰ عالمگیری کے پانچ صد مفتیان کرام کو منصب افتاء کی عظمت اور جلالت قدر بھی یاد نہ رہی کہ مفتی کسے کہتے ہیں اور اس پر کون سے فرائض عائد ہوتے ہیں۔ امام ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ منصب افتاء کی جلالت قدر اور شرعی مفتی کا فرض منصبی واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اَلْمُفْتِیْ قَائِمٌ فِی الْاُمَّةِ مَقَامَ النَّبِیِّ ﷺ لِاَنَّ الْعُلَمَآءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَآءِ وَاَنَّ الْاَنْبِیَآءَ لَمْ یُوَرِّثُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْھَمًا وَاِنَّمَا وَرَّثُوا الْعِلْمَ." ❶

"مفتی امت کی راہنمائی کے سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کے قائم مقام ہوتا ہے کیونکہ علماء انبیاء کے (علم) کے وارث ہیں اور درہم و دینار کے بجائے انبیاء کا ترکہ محض علم ہے۔"

مفتی کی تعریف سے یہ حقیقت صاف جھلک رہی ہے کہ مفتی چونکہ نبی کریم ﷺ کے علم کا وارث ہے، اس لیے اس پر یہ بات شرعاً فرض ہے کہ وہ حتی الوسع پیش آمدہ مسائل کا جواب کتاب و سنت کے مطابق صادر کرنے میں کوشاں رہے اور یہ کام کوئی مشکل بھی نہیں

❶ الموافقات ج ۴، ص ۲۴۴

کیونکہ انقلابات زمانہ کے باوصف کتاب وسنت ضیا پاشیاں اور تابانیاں ہنوز جوں کی توں اپنے پورے جوبن پر ہیں۔ ان کے دلائل ساطعہ اور براہین قاطعہ آج بھی درخشاں اور درخشندہ ہیں جیسے آج سے ۱۴۳۰ برس قبل جلوہ گر تھیں۔

ایمان باللہ وبالرسول کا تقاضا تو یہ تھا کہ غیر معصوم ائمہ کرام کے اجتہادات اور اقوال الرجال کو کتاب وسنت کی کسوٹی پر جانچا جاتا مگر یا للعجب ویا للعقول الطائشہ الٹا کتاب وسنت کی نصوص صریحہ کو اپنے غیر معصوم آئمہ کے اقوال وآراء الرجال کی سان پر چڑھا دیا گیا اور نوبت ایں جا رسید کہ تقلید شخصی کے رسیا یار لوگوں نے اپنے تقلیدی مذہب کے تحفظ میں از خود ایسے اصول وضع کر لیے کہ جن کے ذریعے کہ جن کے سہارے قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ کو منسوخ قرار دے دیا گیا۔ آیئے جیسا کہ شیخ عبیداللہ الکرخی حنفی پوری شوخی سے لکھتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے رسالہ اصول کرخی:

۱: اَنَّ کل آیة تَجِیْءُ بِخَلَافِ اَصْحَابِنَا فَاِنَّهَا تُحْمَلُ عَلَى النَّسْخِ......الخ. (اصول کرخی نمبر ۲۸) کہ قرآن پاک کی ہر وہ آیت جو ہمارے اصحاب کے مذہب کے خلاف ہے اسے منسوخ سمجھا جائے گا یا پھر اس کی مفید مذہب تاویل کی جائے گی۔

۲: اَنَّ کُلَّ خَبَرٍ یَجِیْئُ بِخَلَافِ اَصْحَابِنَا فَاِنَّهٗ یُحْمَلَ عَلَى النَّسْخِ......الخ. اصول کرخی نمبر ۲۹. کہ ہر وہ حدیث (رسول ﷺ) جو ہمارے مذہب حنفی کے خلاف ہے وہ منسوخ ہے یا پھر اس کا معارض تلاش کیا جائے گا یا اس کی من مانی تاویل کی جائے گی۔ رہی ان کی کتب فتاویٰ تو وہ بھی ڈھاک کے وہی تین پات کا مصداق ہیں۔ یعنی ائمہ اور اصحاب ترجیح اور معتزلہ کے اقوال وآراء کی پلندہ ہیں، گویا کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا۔ بھان متی نے کنبہ جوڑا۔

ہمارے ان فقہاء اور مفتیان کرام نے پاک وہند کی سادہ لوح مسلم برادری کو کتاب وسنت کی برکات سے بیگانہ اور نا آشنا رکھنے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کورانہ تقلید کا خوگر بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیا اور کتاب وسنت کے ساتھ شجر ممنوعہ کا سا سلوک روا رکھا گیا۔ فتاویٰ بزازیہ، فتاویٰ قاضی خان اور ان کی کوکھ سے اخذ شدہ فتاویٰ عالمگیری اور اردو فتاویٰ ہمارے اس گلہ کے شاہد عدل ہیں۔ فقہ حنفی کی اس بے تحاشا تدریس واشاعت سے مسلمانان ہند میں تقلید شخصی اس قدر جڑ پکڑ گئی کہ اسلام کے اصلی سرچشمہ (کتاب وسنت) مصفا کے برعکس فقہ حنفی کو اصل اسلام سمجھنے۔ فهد نام زنگی کافور.

آج جو پاک وہند میں تقلید شخصی اور جمود پر مذہب حنفیہ کے حصار میں دراڑیں نظر آ رہی ہیں اس کا تمام تر کریڈیٹ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی ۱۱۷۶) اور ان کے نامور حفید سلطان وقت، اسکندر عزم اور صاحب سیف وقلم شاہ اسمٰعیل شہید متوفی ۱۲۴۶ھ رحمہ اللہ کو جاتا ہے۔ عمل بالکتاب والسنة کی تحریک کا مبارک پیراہن انہی کے مقدر میں تھا اور انہی کے زیب تن ہوا۔ ع این سعادت بزور بازو نیست۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ. جن کی مساعی جمیلہ سے برصغیر ہند وپاک کے مسلمانوں کو براہ راست کتاب وسنت پر عمل پیرا ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ دادے پوتے کی چلائی ہوئی اس تحریک کی مبارک گود سے دو عبقری شخصیتیں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں۔ جنھوں نے تقلید شخصی کے خلاف براہ راست عمل بالقرآن والحدیث کی دعوت کو اپنا اوڑھنا اور بچھانا بنا لیا اور تن من اور دھن کی بازی لگا کر اہل حدیث کے اصل منہج کتاب وسنت کے سلف صالحین کے ثابت شدہ اجماع پر مبنی درس قرآن وتدریس حدیث کا ان کی اشاعت وترویج کے لیے تصنیف وتالیف اور تبلیغ دین کا بیڑا اٹھایا اور کتاب وسنت کی نصوص

اور دلائل کے ساتھ مدلل فتاویٰ مرتب فرمائے۔ یہ تھے سیّد ین شریفین امام تقام مجدد علوم حدیث نواب صدیق بن حسن قنوجی ثم بھوپالی اور استاذ مشرق و مغرب شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ بھوپال اور دہلی کی درسگاہوں سے تربیت یافتہ، نابغہ روزگار اور اشاعت حدیث کے ایسے شیدائی تھے کہ جن کی تدریس وتحدیث کی شبانہ روز کاوشاں، کتب حدیث کی شروحات میں پیش قدمیاں۔ محدثین کے نہج پر تصنیف و تالیف کی سرگرمیاں اور دین اسلام کی بلاکم وکاست تبلیغی مساعی جمیلہ مینارہ نورحرا روشن قندیل راہ قرار پائیں۔ جس کی ضوءفشانیوں سے برصغیر پاک و ہند جگمگا اُٹھا۔ نیز ان کی مناظرہ ترکتازیوں سے تقلید شخصی کا سورج گہنا گیا۔ کتاب وسنت کے دلائل و براہین کی ایسی پرکیف اور زوردار بادنسیم چلی کی برصغیر کے مطالعے پر صدیوں سے قیل وقال کی چھائی ہوئی گنگھور گھٹا چھٹ گئی اور اتباع نبوی کے سپیدۂ سحر سے رجال پرستی کی شب دیجور اپنا ڈیرہ ڈنڈا اٹھا کر رفو چکر ہوئی۔ شرک و بدعت کے برعکس عقیدہ وتوحید اور اتباع سنت کے تقاضے اجاگر ہوئے، فتاویٰ بزازیہ، فتاویٰ قاضی خان اور فتاویٰ عالمگیری کے مقابلہ میں قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ کے دلائل سے مدلل فتاویٰ نویسی کی خو پیدا ہوئی۔ والحمد لله على ذلك .

یہ تھے میاں صاحب کے جانشیں مولانا محمد بشیر محدث سہسوانی، حضرت مولانا عبد الوہاب آروی، استاذ الاساتذہ حافظ عبد اللہ محدث غازی پوری، صاحب عون المعبود مولانا امام شمس الحق ڈیانوی، حافظ عبد الرحمان محدث مبارکپوری صاحب تحفۃ الاحوذی، شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ محدث پرتاپ گڑھی صاحب، حسن البیان حضرت مولانا عبد العزیز رحیم آبادی، صاحب الارشاد الی سبیل الرشاد مولانا محمد شاہ جہانپوری، مترجم صحاح ستہ ومحشی نواب وحید الزمان خاں، وکیل وسردار مذہب اہل حدیث حضرت مولانا محمد حسین بٹالوی، شیخ الاسلام سلطان المناظرین ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری اور ان کے رفقاء کرام رحمہم اللہ اور استاذ پنجاب حافظ عبد المنان محدث وزیر آبادی اور مصلح پنجاب حافظ محمد لکھوی رحمہ اللہ۔ شكر الله مساعيهم الجميلة وادخلهم جنة الفردوس .

اس مبارک تحریک کے اثرات، سیّد سلیمان ندوی رحمہ اللہ اس کی تحریک کی افادیت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اس تحریک کے جو اثرات پیدا ہوئے اور اس زمانہ سے آج تک دور اد بار کی ساکن سطح میں اس سے جو جنبش ہوئی وہ بھی ہمارے لیے بجائے خود مفید اور لائق شکریہ ہے۔ بہت سی بدعتوں کا استیصال ہوا۔ توحید کی حقیقت نکھاری گئی، قرآن پاک کی تعلیم وتفہیم کا آغاز ہوا، قرآن پاک سے براہ راست ہمارا رشتہ دوبارہ جوڑا گیا، حدیث نبوی کی تعلیم وتدریس اور تالیف واشاعت کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ساری دنیاءِ اسلام میں ہندوستان ہی کو صرف اس تحریک کی بدولت یہ دولت نصیب ہوئی (یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگوں سے غلطیاں بھی ہوئی ہیں) لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دلوں سے اتباع نبوی کا جو جذبہ گم ہوگیا تھا وہ سالہا سال تک کے لیے دوبارہ پیدا ہوگیا۔ علماء اہل حدیث کی تدریسی اور تصنیفی خدمت بھی قدر کے قابل ہے۔

اس تحریک کا ایک اور فائدہ یہ ہوا کہ ملت کا زنگ طبیعتوں سے دور ہوا اور یہ جو خیال ہوگیا تھا کہ اب تحقیق کا دروازہ بند اور نئے اجتہاد کا راستہ مسدود ہو چکا ہے رفع ہوگیا اور لوگ اب سرنو تحقیق کے عادی ہونے لگے۔ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے دلائل کی خو پیدا ہوئی اور قیل وقال کے مکدر گڑھوں کے بجائے ہدایت کے اصلی سرچشمہ مصفا کی طرف واپسی ہوئی۔ (تراجم علماء حدیث ہند)

میں کہتا ہوں کہ انصاف پسند علماء احناف پر اس تحریک کا یہ اثر کچھ کم ہے کہ فقہ حنفی کی گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دینے کے لیے ترجمان کتب دیوبند کو حیلہ ناجزہ نامی کتاب کی بیساکھیاں مہیا کرنی پڑیں۔ مفتی عتیق الرحمان عثمانی حنفی مولانا حسین علی دیوبندی اور

بریلوی کتب کے نامور عالم دین پیر کرم شاہ اظہری بھیروی کو اپنے مذہب کے خلاف رائے قائم کرنی پڑی۔ ملاحظہ ہو: مقالات علمیہ الفضل ما شهدت به الاعداء.

رند ختم ہوں زاہد کے بس کی بات نہیں
تمام شہر ہیں دو چار دس کی بات نہیں

دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ سارے عالم اسلام میں کسی مجتہد کی تقلید کے بغیر براہ راست عمل بالقرآن والحدیث کی دولت جن کے امین صرف اہل حدیث ہیں جو مقلدین کے مقابلہ میں صف آراء ہیں جو ان کی ستم رانیوں اور جارحیتوں کا سامنا کر رہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی "قَالَ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ امْرَاتُهُ وَهُمْ ظَاهِرُونَ." (صحیح بخاری: ج ۲، ص ۱۰۸۷) میری امت کی ایک جماعت (طائفہ منصورہ) قیامت کے قیام تک حق پر قائم اور حق کے مخالفین پر غالب رہیں گے...... کے مطابق یہ تحریک رہتی دنیا تک رواں دواں رہے گی اور ان کا یہ اٹھایا ہوا پر یرا اہل تقلید کی آنکھوں کو خیرہ کرتا رہے گا۔ ان شاء اللہ

دارورسن کی گود میں پالے ہوئے ہیں ہم سانچے میں ابتلا کے ڈھالے ہوئے ہیں ہم
وہ دولت جنوں جو زمانہ سے اٹھ گئی اس دولت جنوں کو سنبھالے ہوئے ہیں ہم

یہ مجموعہ فتاویٰ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ۳۵ سال سے زائد میری کاوش کا مرقع ہے۔ واضح رہے کہ ہفت روزہ الاعتصام کی وساطت سے میرے اس مجموعہ کی اشاعت کا سن آغاز ۱۹۶۵ء ہے۔ پھر شدہ شدہ تنظیم اہل حدیث، اہل حدیث، الاسلام، لاہور ہفت روزہ اہل حدیث دہلی، ترجمان اہل حدیث دہلی، ماہنامہ ترجمان الحدیث لاہور، ''ترجمان السنۃ''، ''مجلۃ الدعوۃ'' اور ''الاخوۃ'' تک پھیلتی چلی گئی۔ بعد ازاں ۱۹۶۹ء سے حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ کی وفات تک باقاعدہ الاعتصام اور علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کی شہادت تک ماہنامہ ترجمان الحدیث میں تسلسل کے ساتھ شائع ہوتے رہے۔ اب ۱۹۹۲ء سے ''تنظیم اہل حدیث'' میں اور گاہے بگاہے ''الاعتصام'' میں اور ''الاخوۃ'' میں شائع ہو رہے ہیں۔

میں اپنے قارئین کو یقین دلاتا ہوں کہ فتویٰ نویسی کی شرعی حیثیت اور اس سے برآمد ہونے والے دنیوی و اخروی نتائج و عواقب کی جو ذمہ داری مفتی پر شرعاً عائد ہوتی ہے اس کا مجھے پورا پورا احساس ہے۔ اس لیے میں نے یہ فتاویٰ اس کیفیت میں لکھے ہیں کہ میں اللہ علیم بالذات الصدور کی بے لاگ عدالت میں اپنے فتاویٰ کی جواب دہی کے لیے کھڑا ہوں اور میں نے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ کوئی فتویٰ کتاب و سنت کے چشمہ مصفا اور سلف صالحین کے منہج سے ہٹا ہوا نہ ہو۔ اسی طرح ہر سوال کا جواب مدلل اور مفصل اس کے مالہ وما علیہ کے تناظر میں لکھنے اہتمام کیا ہے۔ تاہم میں خام علم، کج فہم، کوتاہ بیں اور اناڑی مدرس ہوں۔ غلطی اور سہو و نسیان کی زد میں ہوں۔ من ما اخطء وله الصواب فقط۔ کسی غلطی پر متنبہ کرنے والے ہر بزرگ کی تنبیہ پر عمل کا وعدہ کرتا ہوں۔

بحمد اللہ سبحانہ وتعالیٰ میرے ان فتاویٰ کو اس صدی کے معروف شیوخ الحدیث، مفتیان جماعت، مفتی عالم اسلام پروفیسر حضرات، اعلیٰ افسروں اور حضرت مولانا مؤرخ اہل حدیث محمد اسحاق بھٹی نے بنظر استحسان دیکھا اور سراہا ہے۔

۱: شیخی و شیخ المشائخ واستاذ المحدثین حافظ محمد محدث گوندلوی رحمہ اللہ۔

۲: مفتی عالم اسلام فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز۔

۳: حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، شارح سنن النسائی۔

۴: شیخ الحدیث، مفتی جماعت محمد صدیق سرگودھوی مؤلف فتاویٰ روپڑیہ۔

۵: شیخ الحدیث ابوالبرکات احمد صاحب فتاویٰ برکاتیہ۔

۶: شیخ الحدیث مولانا علی محمد سعیدی، مرتب فتاویٰ علما حدیث۔

۷: علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید، بین الاقوامی مذہبی اور سیاسی لیڈر۔

۸: حضرت مولانا عبدالخالق قدوسی شہید، مؤرخ اہل حدیث۔

۹: شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف راجوالوی ﷾۔

۱۰: مناظر اسلام حافظ عبدالقادر روپڑی ؒ۔

۱۱: سابق سپرنٹنڈنٹ جامعہ سلفیہ مولانا ابوحفص عثمانی ﷾۔

۱۲: مؤرخ جماعت مولانا محمد اسحاق بھٹی، مؤرخ اہل حدیث ﷾۔

۱۳: حافظ صلاح الدین یوسف، مشیر شرعی عدالت ﷾۔

۱۴: مولانا سعید احمد حنیف سلفی ﷾۔

۱۵: پروفیسر حافظ ثناء اللہ خاں، گورنمنٹ کالج لاہور۔

۱۶: پروفیسر محمد اسلم نیازی، پرنسپل کالج میانوالی۔

۱۷: ڈپٹی کلکٹر محمد علی رضا، سرگودھا۔

۱۸: پروفیسر عبدالرحمان لدھیانوی وغیرہم۔

مجھے امید ہے کہ جس طرح ان اکابر اور معاصرین نے میرے ان فتاویٰ کو شرف قبول بخشا ہے، اس سے مجھے امید بندھتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ میری اس حقیر کاوش کو قبول فرمائے گا۔ میرے لیے، میرے والد، بہن بھائیوں اور اساتذہ کرام کے لیے ذریعہ نجات اور بلندی درجات کا ذریعہ بنائے گا۔ وما ذالك على الله بعزيز .

محمد عبیداللہ عفیف بن الشیخ محمد حسین بلوچ

غفر له ولوالديه

دار الافتاء المحمدية مسجد امة العزيز

(رحمت ٹاؤن، محمدی بلاک) فیصل آباد



مفتی عبید اللہ خاں عفیف

مشرقی پنجاب کے ضلع فیروز پور میں ایک گاؤں کا نام ''کٹی بلوچاں'' تھا۔ اس گاؤں میں ایک بزرگ میاں علی محمد سکونت پذیر تھے جو اہل حدیث مسلک سے وابستہ تھے۔ ان کی تبلیغ سے وہاں کے بلوچ خاندان کے ایک فرد محمد اسماعیل نے مسلک اہل حدیث اختیار کیا۔ پھر محمد اسماعیل کو حصول علم کا شوق پیدا ہوا تو وہ لکھو کے چلے گئے جو ضلع فیروز پور کا ایک مشہور تدریسی مرکز تھا اور بہت سے ممتاز علمائے کرام نے وہاں کے اساتذہ سے تحصیل علم کی تھی۔ وہ مرکز تدلیس قیام پاکستان کے بعد جامعہ محمدیہ کے نام سے اوکاڑہ میں منتقل ہوگیا تھا جو اللہ کی مہربانی سے کامیابی کے ساتھ اپنا تدریسی سفر طے کر رہا ہے۔

محمد اسماعیل خاں بلوچ نے لکھوی علمائے کرام سے استفادے کے بعد دیو بند کا رخ کیا اور وہاں کے دارالعلوم کے اصحاب علم سے فیض حاصل کرنے لگے۔ لیکن دارالعلوم دیو بند کے اساتذہ کو فریضہ کا جب یہ پتا چلا کہ محمد اسماعیل بلوچ اہل حدیث ہے اور اپنے گاؤں میں اس نے اقامت جمعہ کے فریضہ کا احیا کیا ہے تو انہوں نے ان کو دارالعلوم سے نکال دیا۔ اب وہ دہلی آگئے اور حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کے شاگرد رشید حضرت مولانا احمد اللہ محدث پرتاب گڑھی دہلوی کے حلقہ درس میں شریک ہو کر ان سے کتب حدیث اور صحیح بخاری کا درس لیا اور سند حاصل کی۔ پھر وہ اپنے گاؤں کٹی بلوچاں تشریف لائے اور بڑے بھائی میاں محمد ابراہیم خاں (متوفی ۱۹۵۴ء) کے تعاون سے مسلک اہل حدیث کی اشاعت میں سرگرم ہوئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گاؤں کے تمام لوگوں نے یہ مسلک اختیار کرلیا۔ اس وقت علمائے احناف دیہات میں جمعہ پڑھنے کی شدید مخالفت کر رہے تھے۔ اس فریضے کی مخالفت میں انہوں نے کتابیں بھی لکھیں اور تقریروں کا سلسلہ بھی زوروں پر رہا۔ اس شدید مخالفت کے باوجود مولانا محمد اسماعیل خاں بلوچ کی تبلیغ سے اس نواح کے گیارہ دیہات میں باقاعدہ نماز جمعہ پڑھی جانے لگی۔ اس بلوچ عالم دین کا انتقال ۱۹۶۸ء میں ہوا۔

مولانا محمد اسماعیل خاں بلوچ کے فرزند گرامی مولانا محمد حسین خاں تھے جو حضرت مولانا شرف الدین محدث دہلوی کے شاگرد اور سند یافتہ عالم دین تھے۔ انہوں نے بھی مسلک اہل حدیث کی بڑی تبلیغ کی۔ ان کا انتقال ۲۴ اپریل ۱۹۹۲ء کو ہوا۔ ہمارے فاضل دوست مفتی عبید اللہ عفیف انہی مولانا محمد اسماعیل خاں بلوچ کے پوتے اور مولانا محمد حسین خاں بلوچ کے فرزند دلبند ہیں جو ۱۹۳۹ء میں بمقام کٹی بلوچاں پیدا ہوئے۔

عبید اللہ کچھ بڑے ہوئے تو سرکاری سکول میں داخل کرادیے گئے۔ سکول میں چھ جماعتیں پاس کیں، جسے اس زمانے میں لوئر مڈل کہا جاتا تھا۔ پھر معاشی ناہمواری کی بنا پر سکول کی تعلیم چھوڑنا پڑی اور دینی تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ کیوں کہ اس تعلیم سے قابلیت بڑھتی ہے اور خرچ کچھ کم نہیں کرنا پڑتا۔ مفتی عبید اللہ عفیف نے مدرسہ نذیریہ میاں چنوں، مدرسہ خادم القرآن والحدیث جھوک دادو اور جامعہ سلفیہ جامع فیصل آباد میں دینی تعلیم پائی۔ جامعہ سلفیہ میں وہ اس وقت طلب علم کے لیے آئے تھے، جب اس کے چند کمرے تو تعمیر ہوگئے تھے لیکن ان کمروں کے دروازے نہ تھے، نہ چار دیواری کی دور بکا تھی، چاروں طرف سے گھر کھلا تھا جب آدمی کا

ریلہ آتا تھا تو بسا اوقات رات کو بھوکے سونا پڑتا تھا۔

گھر میں یا مذکورہ بالا مدارس میں عبید اللہ عفیف نے شروع سے آخر تک جن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: (۱) ان کے نانا میاں محمد ابراہیم خاں (۲) دادا مولانا محمد اسماعیل خاں (۳) والد محترم مولانا محمد حسین خاں (۴) میاں حمزہ بن میاں محمد باقر (۵) مولانا محمد حسین طور (۶) حافظ عبد اللطیف سمندری (۷) مولانا عبد القادر حلیم زیروی (۸) مولانا محمد یحییٰ میاں چنوں (۹) پروفیسر غلام احمد حریری (۱۰) مولانا عبد الغفار حسن (۱۱) حضرت حافظ محمد گوندلوی (۱۲) مولانا عبد الحی تلمیذ مولانا حسین علی (۱۳) مولانا محمد دین مردان (۱۴) مولانا شریف اللہ خاں سواتی۔ مؤخر الذکر تینوں استاذ (نمبر ۱۲، ۱۳ اور ۱۴) مسلکاً حنفی تھے۔

مدارس کی تعلیم کے علاوہ مفتی عبید اللہ عفیف نے پنجاب یونیورسٹی میں فاضل عربی کا امتحان دیا۔ پھر وفاق المدارس السلفیہ کے امتحان میں شامل ہوئے۔ ہر امتحان میں اول آئے۔

اب ان کی مختلف سرگرمیوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو حصول علم کے بعد جاری ہیں۔ پہلے تدریسی جدوجہد کی طرف آیئے۔

(۱)......۹ اپریل ۱۹۶۱ کو ضلع فیصل آباد کے ایک گاؤں چک نمبر ۸۰ گ ب کے مدرسہ دار القرآن والسنہ میں بطور نائب مدرس طلبا کو پڑھانا شروع کیا۔ پہلے سال ہی حدیث کی مشکوٰۃ شریف اور سنن نسائی، ادب عربی کی متنبی اور دیگر علوم کی کتابیں پڑھانے لگے۔ ۱۹۶۸ تک سات سال وہاں خدمت تدریس میں مشغول رہے۔

(۲)......۱۹۶۹ میں علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید اور مولانا عبد الخالق قدوسی شہید کی دعوت پر مسجد چینی والی لاہور کے مدرسے میں آگئے۔ دو سال وہاں قیام رہا۔ ۱۹۷۱ میں پہلی دفعہ اس مسجد میں صحیح بخاری پڑھانے کا شرف حاصل ہوا۔

(۳)......اسی سال یعنی ۱۹۷۱ میں اوکاڑہ کے مدرسہ دار الحدیث میں چلے گئے۔ وہاں ایک سال تدریس کی۔

(۴)......۱۹۷۲ کے تدریسی سال کے آغاز میں شیخ محمد اشرف (سیکرٹری مسجد چینی والی) کی دعوت پر پھر اس مسجد کے مدرسے میں آگئے۔ اب پانچ سال ۱۹۷۸ تک یہاں فریضہ تدریس انجام دیا۔

(۵)......۱۹۷۸ کے آخر میں دار الحدیث محمدیہ عام خاص باغ ملتان کے ناظم کی دعوت پر ملتان روانہ ہو گئے۔ وہاں یہ حادثہ پیش آیا کہ ۲۱ مارچ ۱۹۷۹ کو ایک مقام پر درس قرآن دینے کے بعد پروفیسر عبد الحمید کے ساتھ موٹر سائیکل پر واپس آرہے تھے کہ موٹر سائیکل بے قابو ہو گیا اور مولانا عبید اللہ عفیف نیچے گر گئے، اور بایاں کندھا اتر گیا۔ کندھے کی تکلیف ابھی رفع نہ ہوئی تھی کہ اس سے چار دن بعد ۲۵ مارچ کو ایک اور حادثے میں دایاں گھٹنا بری طرح ٹوٹ گیا۔ اب چلنے پھرنے بلکہ بیٹھنے اٹھنے سے بھی عاجز آگئے تھے اور چارپائی پر لیٹے لیٹے طلبا کو پڑھاتے تھے۔ مدرسے کے اصحاب انتظام نے اس عالم و فاضل مدرس کا علاج کرانے کے بجائے ان سے یہ سلوک فرمایا کہ تدریسی سال ختم ہونے پر ماہ جون ۱۹۷۹ میں ان کو ملازمت سے جواب دے دیا اور یہ اپنی تکلیفوں کا پلندہ سر پر اٹھائے گھر آگئے۔ غالباً ایک سال ان کا ملتان میں قیام رہا۔ مولانا عبد الخالق قدوسی اور اپنے شاگرد محمد خاں نجیب کی درخواست پر بیماری کی حالت میں مولانا عبید اللہ لاہور آگئے۔ لاہور میں علامہ احسان الٰہی ظہیر نے انہیں ایک پرائیویٹ ہسپتال میں داخل کرایا اور ایک ماہر ڈاکٹر سے اپنے خرچ سے ان کا علاج کرایا، اور اللہ نے صحت عطا فرمائی۔

(۶)...... جب چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو ۱۹۷۹ کے آخر میں تیسری دفعہ پھر مسجد چینی والی کے مدرسے میں سلسلۂ تدریس

شروع کردیا۔ اب کی مرتبہ ۱۹۹۳ تک یعنی تیرہ سال یہاں رہے۔ پھر سعودی عرب کے دارالافتاء والدعوہ کے رئیس شیخ عبدالعزیز بن باز کے حکم سے مفتی عبیداللہ کو مسجد چینی والی (لاہور) کے مدرسے میں مبعوث قرار کردیا گیا۔ کچھ عرصہ مبعوث کی حیثیت سے وہاں خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ۷ اپریل ۱۹۹۴ کو سعودی عرب کی وزارت اوقاف اور دعوت و ارشاد نے ان کا تبادلہ جامعہ قدس اہل حدیث (چوک دال گراں لاہور) میں کردیا۔ تادم تحریر وہ جامعہ قدس اہل حدیث میں بطور مبعوث سعودی عرب خدمتِ تدریس سرانجام دے رہے ہیں اور اس عہد کے ممتاز مدرسوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

اب تک ۳۷ مرتبہ طلبا کو صحیح بخاری پڑھا چکے ہیں۔ یہ بہت بڑا اعزاز ہے جو انہیں اللہ کی مہربانی سے حاصل ہوا۔

تدریس کے دوران انہیں دو مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوچکی ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان ہے۔

تدریس کے علاوہ خطابت سے بھی انہیں دلچسپی ہے اور وہ بہت اچھے خطیب ہیں۔ تقریباً تیس برس سے ان کا شغل خطابت جاری ہے۔ وہ مختلف اوقات میں جامع مسجد اہل حدیث جھنگ، جامع مسجد اہل حدیث رائے ونڈ، جامع مسجد اہل حدیث عام خاص باغ ملتان، جامع مسجد اہل حدیث لسوڑے والی لاہور اور فیصل آباد کی بعض مساجد میں خطبات جمعہ ارشاد فرماتے رہے۔ ۱۹۹۸ کے رمضان المبارک سے وہ مسجد امۃ العزیز اہل حدیث (رحمت ٹاؤن فیصل آباد) میں خطابت و تولیت کا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ یہ مسجد خود ان کی کوشش سے تعمیر ہوئی ہے۔

مولانا مفتی عبیداللہ عفیف تحریر و نگارش کا ذوق بھی رکھتے ہیں اور بہتر اسلوب اور خوب صورت الفاظ میں اپنے ما فی الضمیر کا اظہار کرتے ہیں۔ مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنف ہیں۔

(۱)...... پیارے نبی کی پیاری دعائیں: یہ کتاب ۱۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ (۲)...... فرہنگ قرأۃ رشید حصہ چہارم: یہ ایک درسی کتاب کا فرہنگ ہے۔ (۳)...... مروّجہ جشن عید میلاد النبی کی شرعی اور تاریخی حیثیت: یہ ساٹھ صفحات کی کتاب ہے جو کئی دفعہ چھپ چکی ہے۔ (۴)...... احکام جنازہ: ۹۶ صفحات کی اس کتاب میں جنازے کے احکام بیان کیے گئے ہیں اور بعض حضرات اس باب میں جن بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں، احناف مصنفین کی کتابوں سے ان کی تردید کی گئی ہے۔ (۵)...... فتاویٰ عالم گیری پر ایک نظر: یہ کتاب ۱۳۰ صفحات پر مشتمل ہے جو متعدد مرتبہ طبع ہوئی۔ مکہ مکرمہ اور دہلی میں یہ بعض اضافوں کے ساتھ چھپی۔ (۶)...... بیس رکعت تراویح کی اصلیت: یہ ایک کتابچہ ہے، جس کا مطلب اس کے نام سے ظاہر ہے۔ (۷)...... الاجوبة الصحيحة في ترديد مذهب الشيعة: یہ غیر مطبوعہ رسالہ ہے۔ (۸)...... فتاویٰ اہل حدیث: یہ مولانا مفتی عبیداللہ خاں عفیف کے ان فتوؤں کا مجموعہ ہے جو مختلف لوگوں کے استفتاء کے جواب میں متعدد اخبارات میں شائع ہوئے۔ یہ مجموعہ تین جلدوں پر مشتمل ہے۔

کچھ مدت سے اہل حدیث کے تمام رسائل و جرائد میں علمائے کرام کے فتوے شائع ہو رہے ہیں۔ میرے پاس پاکستان، ہندوستان اور دیگر ممالک سے شائع ہونے والے اہل حدیث کے تقریباً تمام ہفت روزے، پندرروزے اور ماہنامے اخبارات و رسائل آتے ہیں اور میں ان کے مضامین و مشمولات کا باقاعدگی سے مطالعہ کرتا ہوں۔ ایک یا دو صفحات کے فتوے سب رسائل میں چھپتے ہیں جو دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔ مبارک باد کے مستحق ہیں یہ مفتی حضرات جو اتنی محبت سے فتوے تحریر فرماتے ہیں اور لوگ ان سے استفادہ کرتے ہیں۔

ہر لائق احترام مفتی صاحب کا الگ الگ انداز نگارش اور نہج اظہار ہے اور بے حد موثر اور مبنی بر تحقیق ہے۔ مفتی عبیداللہ خاں عفیف کا بھی ایک طریق نگارش ہے جو ہمارے نزدیک قابل تعریف ہے۔ مفتی عبیداللہ عفیف کے فتاوے مختلف اوقات میں متعدد اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے جن میں ہفت روزہ الاعتصام، ہفت روزہ اہل حدیث، ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث، ماہنامہ ترجمان الحدیث، مجلۃ الدعوہ، الاخوہ، ماہنامہ صدائے ہوش شامل ہیں۔ دہلی کے اخبار ''اہل حدیث'' میں بھی ان کے بعض فتوے چھپ چکے ہیں۔ علاوہ ازیں مولانا محمد سعیدی نے اپنے مرتبہ ''فتاویٰ علمائے اہل حدیث'' میں ان کے بعض فتوے شائع کیے ہیں۔

مفتی عبیداللہ عفیف ہر سوال کا تفصیل سے جواب دیتے ہیں۔ ان کے انداز جواب کی تعریف حضرت حافظ صاحب گوندلوی، مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، مولانا ابوحفص عثمانی، مولانا ابوالبرکات احمد اور مولانا محمد یوسف (راجووال) نے کی ہے۔ میں نے سنا ہے کہ ان کے بعض فتووں کا عربی زبان میں بعض حضرات سے شیخ عبدالعزیز بن باز نے بھی مطلب پوچھا اور اس کی تصدیق فرمائی۔ بہرحال اس انتہائی اہم موضوع سے متعلق ان کا ایک انداز بیان ہے جو قابل تحسین ہے۔

مولانا عبیداللہ عفیف ۴۴۔۴۵ سال سے شعبہ تدریس سے وابستہ ہیں۔ اس اثنا میں سیکڑوں طلبا نے ان سے حصول علم کیا۔ کسی نے ان سے زیادہ کتابیں پڑھی ہوں گی، کسی نے کم۔ ان کے دائرۂ شاگردی میں بہرحال انھوں نے شرکت کی۔ فراغت کے بعد ان میں سے بعض نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا ہوگا اور بعض خطابت و امامت کی راہ پر قدم زن ہوئے ہوں گے۔ بعض نے تصنیف و خطابت اور امامت و تالیف دونوں راہوں کو اپنایا ہوگا۔ یہ فقیر ان سب کا قدر دان ہے اور سب کی مساعی کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ میرے پاس ان کے ان تلامذہ کی جنھوں نے صحیح بخاری پڑھ کر ان سے سند حاصل کی جو فہرست پہنچی ہے، وہ تیس بتیس حضرات کی ہے۔ جن میں پاکستانی بھی ہیں اور غیر پاکستانی بھی۔ ظاہر ہے یہ فہرست سیکڑوں تلامذہ سے کشید کی گئی ہے۔ اگر میں بھی اس میں سے کشید کرلوں تو کیا مضائقہ ہے۔ اب ان کے چند پاکستانی تلامذہ کے نام ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) شیخ الحدیث حافظ محمد اسماعیل ذبیح اللہ ﷫، استاذ جامعہ سلفیہ و شیخ الحدیث مدرسہ البنات رحمت آباد، فیصل آباد۔ (۲) شیخ الحدیث عبدالکریم بلوچ، مرکز توحید اہل حدیث، ڈیرہ غازی خان۔ (۳) شیخ الحدیث محمد حسین ظاہری، مدرسہ اسلامیہ مقام حیات، سرگودھا۔ (۴) شیخ الحدیث مولانا بلال احمد، مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ، لاہور (۵) مناظر اسلام و مفتی ابوالحسن مبشر احمد ربانی (۶) مولوی عمران ناصر، ناظم و بانی جامعہ رحمانیہ، ننکانہ (۷) مولوی محمد رمضان، ناظم مدرسہ نداء الاسلام، ملتان (۸) مولانا محمد یوسف ﷫، نائب مدرس دارالحدیث، اوکاڑہ (۹) الشیخ عبدالقہار، مفتی و مدرس، بدخشاں، افغانستان (۱۰) مولانا عبداللطیف، مدرس جامعہ اہل حدیث کلر والی، مظفر گڑھ (۱۱) محمد فاروق صدیقی، استاذ الحدیث مظفر آباد، کشمیر (۱۲) حافظ عبداللطیف مظفر گڑھی، استاذ جامعہ اہل حدیث، لاہور (۱۳) مولوی مولا بخش بلوچ، استاذ مدرسہ دارالقرآن والحدیث، میر پور ماتھیلو، سندھ (۱۴) مولوی عبدالسمیع بلوچ، استاذ مدرسہ نیو سعید آباد، سندھ (۱۵) حافظ امتیاز، استاد جامعہ اہل حدیث، لاہور (۱۶) مولوی عبدالغفار، قاضی تحصیل کوٹلی، کشمیر (۱۷) مولوی عبدالرشید بن عبدالرحمان، شقراء، مملکہ سعودیہ عربیہ (۱۸) الشیخ محمد عباس، فاضل مدینہ یونیورسٹی، خطیب خپلو بلتستان (۱۹) محمد عثمان ظہیر، لیکچرار، لاہور (۲۰) مولوی عبیداللہ، استاذ تعلیم الاسلام، ماموں کانجن (۲۱) مولوی محمد صدیق تیزیال، آزاد کشمیر (۲۲) قاری محمد ادریس عاصم، استاذ القراء، مسجد مدرسہ تجوید القرآن لاہور (۲۳) قاری عنایت اللہ، صدر مدرس شعبہ حفظ القرآن، مسجد مکرم گوجرانوالہ (۲۴) ماسٹر

مزمل حسین طاہر، ایم اے بی ایڈ، گورنمنٹ ہائی سکول (۲۵) ماسٹر عبدالستار، ایم اے بی ایڈ، گورنمنٹ ہائی بھٹی بھنگو، گوجرانوالہ (۲۶) محمد خاں نجیب شہید، سیالکوٹ (۲۷) حافظ عبد اللہ شیخوپوری رحمہ اللہ (۲۸) قاری فیاض استاذ جامعہ اہل حدیث لاہور (۲۹) مولوی خلیل الرحمان لکھوی، جامعہ ابی بکر۔ علاوہ ازیں ان کے بہت سے شاگرد لیکچرار اور خطیب اور قاری ہیں جو اپنے اپنے سفینہ میں کام کر رہے ہیں۔ والحمد للہ علی ذٰلك .

اب غیر پاکستانیوں کے نام ملاحظہ فرمایئے۔ (۱) مولانا سراج الدین بنگالی: یہ چٹاگانگ (بنگلہ دیش) کے ایک عربی مدرسے میں مدرس ہیں (۲) مولانا فضل الرحمٰن: یہ بھی چٹاگانگ کے ایک عربی مدرسے میں پڑھاتے ہیں۔ (۳) قاری روح الامین بنگالی: رکن قومی اسمبلی بنگلہ دیش (۴) مولانا عبدالرشید: مبلغ و مدرس شقراء۔ سعودی عرب (۵) مولانا محمد یحییٰ جیل: ملائیشیا (۶) مولانا ابوحنیفہ: ملائیشیا

مولانا عبیداللہ عفیف فرماتے ہیں کہ اگرچہ تحریر و تقریر سے بھی انہیں کچھ لگاؤ ہے، لیکن ان کا طبعی میلان تدریس حدیث اور افتا کی طرف ہے۔ اس سے آگے انہی کے الفاظ پڑھیے: ''مگر افسوس ہے کہ اپنی بے بضاعتی، خام علمی اور خاندانی جھمیلوں کی وجہ سے نہ خدمت حدیث کا حق ادا کر پاتا ہوں اور نہ ملک کے اطراف و اکناف سے اور بیرون ملک سے آنے والے سوالات کا بروقت جواب لکھ سکتا ہوں۔'' یہ ان کا انکسار ہے، ورنہ ماشاءاللہ وہ تدریس حدیث میں بھی سرگرم ہیں اور فتویٰ نویسی میں بھی ان کا قلم رواں دواں ہے۔ اب آئندہ سطور میں مفتی عبیداللہ عفیف کی دیگر سرگرمیوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۹۵۳ کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں تو وہ حصہ نہیں لے سکتے تھے، اس وقت ان کی عمر صرف چودہ برس تھی۔ ان دنوں وہ شاید سرکاری سکول میں یا دینیات کے بالکل ابتدائی درجوں میں پڑھتے ہوں گے۔ البتہ تحفظ ختم نبوت کی اس تحریک میں حصہ لیا جو اس سے اکیس برس بعد ۲۹ مئی ۱۹۷۴ کو شروع ہوئی۔ اس وقت وہ چونتیس پینتیس برس کے جوان تھے۔ مفتی صاحب ممدوح اس تحریک میں بہت پرجوش تھے۔ انہوں نے مختلف شہروں اور قصبوں میں جا کر مرزائیت کے خلاف تقریریں کیں۔ جھنگ اور میاں چنوں میں ان پر مقدمات بھی قائم ہوئے۔ مگر پولیس انہیں گرفتار نہیں کر سکی۔

۱۱ جولائی ۱۹۷۴ کو انھوں نے یکی دروازہ لاہور میں تھانے کے قریب مسجد غوثیہ میں تحفظ ختم نبوت کے موضوع پر زوردار تقریر کی۔ اس تقریر میں انھوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی کتاب کشتی نوح کے حوالے سے اس کی نسوانی حرکات اور اس کے حمل وغیرہ کا تذکرہ کیا اور اس تحریر کی روشنی میں اس کے مذکر اور مونث ہونے کے بارے میں گفتگو کی۔ اس پر انہیں دفعہ ۱۶ ایم پی او کے تحت گرفتار کر کے کیمپ جیل بھیج دیا گیا۔ پھر ان کی گرفتاری کے خلاف چینی والی مسجد میں احتجاجی جلسہ ہوا، جس میں نواب زادہ نصر اللہ خاں، علامہ احسان الٰہی ظہیر اور بعض دیگر حضرات نے تقریریں کیں۔ بعد ازاں انہیں ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔ یہ مقدمہ چھ مہینے چلتا رہا۔ بالآخر عبدالمجید مجسٹریٹ کی عدالت سے انہیں بری کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد انھوں نے مرزائیت کے خلاف جامع مسجد قدس اہل حدیث (چوک دال گراں لاہور) میں تقریر کی۔ اس تقریر کے نتیجے میں انہیں پھر زیر دفعہ ۱۶ ایم پی او گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن یہ مسجد سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ مقدمہ چلا اور کئی پیشیوں کے بعد عبدالمجید ہی مجسٹریٹ کی عدالت سے بری ہو گئے۔

۱۹۷۵ کے ماہ محرم کی ابتدائی دس تاریخوں میں ٹکسالی دروازے سے موچی دروازے تک اور بھاٹی دروازے سے یکی دروازے تک ہر مسجد میں لاؤڈ سپیکر پر درس کی ممانعت کر دی گئی تھی، لیکن چینی والی مسجد میں مفتی عبیداللہ عفیف ممانعت کے باوجود لاؤڈ سپیکر پر

درس دیتے تھے۔کسی نے حکومت سے شکایت کردی کہ عبیداللہ عفیف درس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کرتے ہیں، معاملہ علاقہ مجسٹریٹ ممتاز جویئہ کی عدالت میں گیا تو مفتی صاحب نے عدالت میں زوردار الفاظ میں اپنا دفاع کیا اور ان پر جو الزام لگایا گیا تھا اس کی تردید کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صحیح دلائل کے ساتھ خلیفہ راشد ثابت کیا۔تقریباً دو مہینے مقدمہ چلا۔ پھر اسی علاقہ مجسٹریٹ لاہور کی سفارش پر فیصل آباد کے ڈی سی نے ان کے تحفظ کی غرض سے ان کے لیے ریوالور کا لائسنس جاری کردیا۔

۱۹۷۷ میں مسلم لیگ، جماعت اسلامی، جمعیت علمائے اسلام، پی ڈی پی اور جمعیت علمائے پاکستان وغیرہ سیاسی اور نیم سیاسی جماعتوں نے جمہوریت کے خلاف تحریک شروع کی، جس میں بعض اہل حدیث حضرات بھی شامل ہوگئے۔اس تحریک کے نتیجے میں ضیاء الحق نے مارشل لاء نافذ کردیا اور وہ ڈکٹیٹر کی حیثیت سے ملک پر قابض ہوگیا۔ پھر اس نے جو حکومت بنائی، اس میں فوجی جرنیلوں کے علاوہ جماعت اسلامی، جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان پی ڈی پی اور مسلم لیگ کو بھی نمائندگی دی گئی اور ان جماعتوں میں سے دو دو تین تین آدمیوں کو وزیر بنالیا گیا، لیکن اہل حدیث کے حصے میں صرف ڈنڈے اور دھکے آئے۔وہ جماعتیں سیاست کے نشیب و فراز کو سمجھتی تھیں اور اقتدار میں آگئیں۔اہل حدیث چوں کہ سیاسی چالیں نہیں جانتے اس لیے ان کے ساتھ وہی کچھ ہوا جو ہونا چاہیے تھا۔

اس خلاف جمہوریت تحریک میں ہمارے ممدوح مولانا مفتی عبیداللہ خاں عفیف نے بھی حصہ لیا اور جیل گئے اور جو مار کھائی اور زخم سہے، اس کا علاج بھی اپنی گرہ سے کراتے رہے۔اس تحریک کا نام احمد شاہ نورانی نے نظام مصطفیٰ رکھا تھا، جس کا نہ کوئی نظام تھا اور نہ اس میں مصطفیٰ (ﷺ) کے عمل و فرمان کے ہم آہنگ کوئی بات تھی۔یہ محض جمہوری نظام کو ختم کرنے کی تحریک تھی، جس کی وجہ سے جاہ پسند ضیاء الحق نوے دن کے وعدے پر آیا، اور گیارہ سال لوگوں کی گردن پر سوار رہا۔

1981 (صفر ۱۴۰۲ھ) میں محمد خاں نجیب شہید نے مروّجہ میلادالنبی کے متعلق چند سوالات لکھ کر مفتی عبیداللہ خاں کی خدمت میں پیش کیے۔انھوں نے ان سوالات کے جو جواب دیے وہ اہل حدیث یوتھ فورس نے کتابی شکل میں شائع کردیے اور یہ چھوٹی سی کتاب حکومت کے تمام بڑے بڑے لوگوں کو بھیج دی۔یہ ضیاء الحق کا زمانہ تھا۔مفتی صاحب کے خلاف تھانہ یکی دروازہ میں زیر دفعہ ۱۵۰۵ اے ۱۵۳ مقدمہ درج ہوگیا۔اس موقع پر مفتی صاحب گرفتار تو نہ ہوئے لیکن کچھ عرصہ مقدمہ چلتا رہا جو بالآخر ختم ہوگیا۔

بے شبہ مولانا مفتی عبیداللہ خاں عفیف جید عالم، صاحب تحقیق مفتی، تجربہ کار مدارس اور اچھے مقرر ہیں۔تدریس و افتا کے سلسلے میں ان کی کاوشیں بالخصوص لائق تحسین ہیں۔بے شمار علما و طلبا نے ان کے خرمن علم سے خوشہ چینی کی ہے اور اللہ کے فضل سے ان کے فیض یافتہ علمائے کرام مختلف مقامات میں خدمت دین میں مشغول ہیں۔پھر آگے ان کے شاگردوں کے شاگرد بھی اشاعت دین میں مصروف ہیں۔دعا ہے اللہ تعالیٰ مفتی عبیداللہ خاں عفیف کو اور ان کے تلامذۂ کرام کو صحت و عافیت کے ساتھ کتاب و سنت کی خدمت کے زیادہ سے زیادہ مواقع عطا فرمائے۔مفتی صاحب کا اصل کام تدریس ہے اور تدریس سے انھیں بے حد دلچسپی ہے۔انھیں اس کام میں مشغول رہنا چاہیے۔حدیث کی تمام کتابوں پر ان کی گہری نظر ہے اور شروحِ حدیث سے بھی یہ خوب آگاہ ہیں۔قلم میں بھی اللہ نے صفائی اور زور عطا فرمایا ہے۔فتویٰ نہایت وضاحت سے تحریر فرماتے ہیں۔میرا ان سے برسہا برس سے تعلق ہے۔

اس عالم دین کا حلیہ یہ ہے: پورا قد، قدرے فربہ جسم، گول چہرہ، سارے چہرے پر پھیلی ہوئی سفید داڑھی، گندمی رنگ، کھنک دار آواز۔سادہ لباس۔ملنسار اور خوش گفتار۔دوستوں کے دوست۔

حرفِ چند

مولانا مفتی محمد عبیداللہ عفیف خاں صاحب ﷾ جماعت اہل حدیث کے ان چند برگزیدہ علماء میں سے ہیں جو علم و تحقیق کے میدان میں نمایاں اور ممتاز ہیں۔ ان کی زندگی اسی دشت کی سیاحی اور اسی بحر کی شناوری میں گزری ہے۔ وہ عرصۂ دراز سے مختلف مدارس میں شیخ الحدیث کے منصبِ جلیلہ پر فائز چلے آ رہے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ مسند افتاء کو بھی رونق بخشے ہوئے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ اس اعزاز سے بھی مشرف ہیں کہ وہ محدث عصر حضرت حافظ محمد گوندلوی ؒ کے فیض یافتہ اور ان کے تلمیذ رشید ہیں۔

ان کے فتاویٰ سالہا سال سے جماعتی رسائل و جرائد، مثلاً: ہفت روزہ ''الاعتصام' ہفت روزہ اہل'' الحدیث' ہفت روزہ ''تنظیم اہل حدیث'' اور دیگر جرائد میں شائع ہو رہے ہیں۔ اس اعتبار سے وہ عوام و خواص کے مرجع اور علم و تحقیق کی مشعل کو فروزاں کیے ہوئے ہیں۔ متعنا الله بطول حياته وبارك في جهوده ومساعيه۔

ان کے فتاوے کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مفصل ہوتے ہیں، یعنی ایک طرف وہ قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ، اسلاف کے آثار و اقوال پر مبنی ہوتے ہیں تو دوسری طرف ان میں ان کے معارض مذاہب و مسالک کے دلائل کا تجزیہ و محاکمہ بھی ہوتا ہے۔ بنابریں اکثر فتاوے تحقیق و تنقیح کے بہترین نمونے اور بعض تو علمی و تحقیقی مقالوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

لیکن علم و تحقیق کا یہ خزینہ اور احکام و مسائل کا یہ گنجینہ مذکورہ جرائد کے صفحات تک محدود تھا جن تک ہر شخص کی نہ رسائی ممکن ہے اور نہ ان سے استفادہ ہی آسان ہے۔

اللہ بھلا کرے عزیزانِ گرامی ابوبکر قدوسی اور عمر فاروق قدوسی سلمہما اللہ کا کہ انھوں نے اس کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا اور اس علمی امانت کو محفوظ کر کے عوام و خواص تک پہنچانے کا اہتمام اور اس کے دائرۂ افادیت کو وسیع کرنے کا سروسامان کیا۔ جزاهم الله احسن الجزاء وبارك في جهودهم ومساعيهم.

زیر نظر مجموعہ یہ پہلی جلد ہے، اس کے بعد اتنے اتنے صفحات ہی پر مشتمل دو جلدیں بھی عنقریب زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونے والی ہیں۔ ان شاء اللہ

امید ہے کہ مجموعہ ہائے فتاویٰ علمی حلقوں میں بھی پذیرائی حاصل کریں گے اور عند اللہ بھی شرفِ قبولیت پا کر فاضل مؤلف اور ناشرین کے لیے اجر و ثواب اور مغفرت و رحمت الٰہی کا باعث ہوں گے۔

حافظ صلاح الدین یوسف
مدیر: شعبہ تحقیق و تالیف دارالسلام

رجب المرجب ۱۴۳۰ھ
جولائی ۲۰۰۹ء

استاذِ محترم اور فتویٰ نویسی

استاذ محترم، مفتی اعظم پاکستان، نجم الملۃ والدین، ابرع المدققین فضیلۃ الاستاذ مفتی محمد عبید اللہ عفیف صاحب کے زیر نظر فتاویٰ پر چند حروف نوک قلم پر لانے سے قبل فتویٰ، مفتی اور افتاء کے آداب واحکام کے بارے میں تحریر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

حروف الفتویٰ: فتویٰ کے اصل حروف الفاء والتاء اور والیاء ہیں۔ لفظ فتویٰ کے دو معنی ہیں۔

۱: طراوۃ وتروتازگی۔ ۲: حکم بیان کرنا۔

۱: امام اللغۃ ابوالحسین بن فارس بن زکریا المتوفی ۳۹۵ھ رقمطراز ہیں:

الفتی: الطری من الإبل..... والأصل الآخر الفُتيا: يقال: أفتى الفقيه في المسألة اذابيّن حكمها واستغيث، اذا سألت عن الحكم قال الله تعالیٰ ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ (النساء:۱۷۶) ويقال منه فتوى وفتيا. ❶

"تروتازہ جوان اونٹ...... اور اس کی دوسری اصل فُتیا ہے، کہا جاتا ہے فقیہ نے اس مسئلہ میں فتویٰ دیا جب وہ اس کا حکم اچھی طرح بیان کردے۔ جب تو شرعی حکم کے بارے میں سوال کرے تو استغیث بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں کہہ دیجیے اللہ تمھیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔" اور اسی سے فتویٰ اور فتیا بھی کہا جاتا ہے۔"

۲: علامہ مجد الدین ابی السعادات المبارک بن محمد الجزری المعروف بابن الأثیر المتوفی ۶۰۶ھ راقم ہیں:

"يقال افتاه المسئلة يفتيه اذا اجابه والاسلم الفتوى." ❷

"جب سوال کا جواب دیا جائے تو افتی، یفتی بولا جاتا ہے اور اس کا اسم الفتویٰ ہے۔"

۳: علامہ ابوالفیض السید محمد مرتضیٰ الزبیدی نے لکھا ہے:

"أفتاه الفقيه في الأمر الذي سيشكل: أبانه له ويقال أفتيت فلا نافي رؤياراها اذا عبر تهاله. وأفتيته في المسألة اذا أحبيته عنها ومنه قوله تعالى ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ والفُتيا والفتوى بضمها وتفتح الأخيرة ما أفتى به الفقيه في المسألة. قال الراغب: هو الجواب عما يشل فيه من الأحكام." ❸

"فقیہ نے اسے مشکل امر کے بارے میں فتویٰ دیا، یعنی اس کے لیے اسے واضح کیا جب تم کسی کے خواب کی تعبیر بیان کرو تو کہا جاتا ہے تم نے فلاں شخص کو اس کے خواب کے بارے میں جو اس نے دیکھا ہے فتویٰ دیا ہے۔ جب کسی سوال کا

❶ معجم مقاييس اللغة ص ٨٠٦، ط: دار إحياء التراث العربي بيروت. ❷ النهاية في غريب الحديث والأثر ص ٣٤٢، ط. دارالمعرفة بيروت.
❸ تاج العروس من جواهر القاموس ٣٨/٢٠ ط. دارالفكر بيروت.

جواب دیں تو کہا جاتا ہے میں نے اسے فلاں مسئلہ میں فتویٰ دیا۔ اسی سے اللہ کا فرمان ہے: ''کہہ دیجیے اللہ تعالیٰ تمھیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔'' فتیا اور فتویٰ فاء کے ضمہ کے ساتھ دونوں کو پڑھا جاتا ہے اور آخر الذکر کو فتح کے ساتھ (فَتویٰ) بھی پڑھا جاتا ہے۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب فقیہ کسی مسئلہ میں فتویٰ دے۔ امام راغب اصفہانی نے کہا ہے۔ مشتبہ اور مشکوک احکام میں حکم کو کھول کر بیان کرنے اور جواب دینے کا نام فتویٰ ہے۔''

۴: علامہ ابن سیدہ المرسی الاندلسی المتوفی ۴۵۸ھ تحریر کرتے ہیں:

''والفتوى والفتيا: ما أفتى به الفقيه وقد حكيت الفتوى وهى قليلة .'' ❶

دوسری جگہ رقمطراز ہیں:

"افتيت فى الأمر: ابنته وهى الفتيا والفتوى والفتوى ." ❷

ایک اور مقام پر قلمبند کرتے ہیں:

"والفتيا والفتوى والفتوى: ما أفتى به الفقيه الفتح فى الفتوى لأهل المدينة ." (المحكم والمحيط الأعظم ۹/ ۵۲۴، ط: درالكتب الحلميه)

۵: ابوالفضل قاضی عیاض بن موسیٰ الیحصبی المتوفی ۵۴۴ھ فرماتے ہیں:

"الفتوى بفتح الفاء والواو واصله السؤال ثم سمى الجواب به قال الله ﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ﴾ (النساء:۱۷٦) وقال ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ أَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ﴾ (الصافات:۱٤۹) أي سلهم ." ❸

''الفتویٰ لفظ فاء اور واو کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس کا اصل سوال کرنا ہے، پھر سوال کے جواب کے لیے متعین کیا گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''آپ سے سوال پوچھتے ہیں کہہ دیں اللہ تمھیں جواب دیتا ہے'' اور مزید فرمایا: ''ان سے سوال کر کیا تیرے رب کے لیے بیٹیاں ہیں'' یعنی ان سے پوچھ۔''

۶: علامہ ابوعبید احمد بن الهروی المتوفی ۴۰۱ھ رقمطراز ہیں:

"قوله تعالى ﴿فَاسْتَفْتِهِمْ﴾ أي: سلهم ." ❹

''اللہ کے فرمان فَاسْتَفْتِهِمْ کا معنی ہے ان سے سوال کر۔''

۷: علامہ محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الرازی المتوفی ٦٦٠ھ تحریر کرتے ہیں:

"إستفتاه فى مسألة فأفتاه والإسم الفتيا والفتوى وتفاتوا إليه ارتفعوا إليه فى الفتيا ." ❺

۸: علامہ ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری المتوفی ۵۳۸ھ:

---

❶ المخصص ۷/ ۲۱٤، ط: دارالکتب العلمیة، بیروت.
❷ المخصص ۵/ ۸۰، ط: دارالکتب العلمیة، بیروت.
❸ مشارق الأنوار ۲/ ۱٤٤، ط: دارالکتب العلمیة، بیروت.
❹ الغریبین فی القرآن والحدیث ۵/ ۱٤۱۰، ط: المکتبة العصریة، بیروت.
❺ مختار الصحاح ص ۲۹۰، ط: داراحیاء التراث العربی، بیروت.

"وفلان من أهل الفتوى والفتيا. وتعالوا ففاتونا وتفاتوا إليه: تحاكموا." ❶

مذکورہ بالا ائمہ لغات کے حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مشتبہ، مشکل معاملہ میں عالم سے سوال کرنا اور عالم کا سوال کے جواب میں فتویٰ صادر کرنا اور مسئلے کی شرعی نوعیت کو کھول کر واضح کرنے کا نام فتویٰ ہے۔ اس کو فَتْوَی، فُتْوَی اور فُتْیَا بھی کہتے ہیں۔ اس کی جمع فتاوی اور فتاویٰ ہے اور فتویٰ جاری کرنے والے کو مفتی کہا جاتا ہے اور فتویٰ کا یہی معنی زیر بحث موضوع کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ لفظ ''مفتی'' اسم فاعل مفعل کے وزن پر الافتاء سے مشتق ہے اور الافتاء کا معنی حکم بیان کرنا ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ أفتاه في الامر۔ مفتی نے سائل کے سوال کا حکم بیان کیا۔ أفتى الفقيه في المسئلة۔ فقیہ نے مسئلہ کا حکم بیان کیا۔

شرعی تعریف:...... مفتی کی شرعی تعریف میں مختلف اقوال ہیں دو قول زیادہ مشہور ہیں۔ الاول: مفتی وہ مجتہد مطلق ہوتا ہے جو پیش آمدہ مسائل میں لوگوں کی شرعی راہنمائی کی ذمہ داری قبول کرتا ہے اور قرآن کے عموم وخصوص اور ناسخ ومنسوخ وغیرہ کا علم رکھتا ہو اور اس طرح حدیث میں بھی مہارت تامہ اور استنباط کے ملکہ کے ساتھ متصف ہو۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"لا يفتي الناس إلا ثلاثة: رجل قد عرف ناسخ القرآن ومنسوخه او أمير لا يجد بدأ او أحمق متكلف." ❷

''لوگوں کو صرف تین آدمی ہی فتویٰ دیتے ہیں۔ ایک وہ آدمی جو قرآن حکیم کے ناسخ ومنسوخ کو پہچانتا ہے یا امیر جو کوئی چارہ نہ پائے یا بے وقوف تکلف برتنے والا۔''

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"لا يحل لأحد يفتي في دين الله إلا رجلا عارفًا بكتاب الله بناسخه ومنسوخه وبمحكمه ومتشابهه وتاويله وتنزيله ومكيه ومدينه وما أريد به وفيما أنزل ثم يكون بعد ذلك بصيراً بحديث رسول الله ﷺ وبالناسخ والمنسوخ ويعرف من الحديث مثل ام عرف من القران ويكون بصيرا باللغة، بصيرا بالشعر وما يحتاج إليه لعلم والقرآن ويستعمل مع هذا الانصاف وقلة الكلام ويكون بعد هذا مشرفا على اختلاف أهل الأمصار." ❸

''اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں کسی شخص کے لیے اس وقت تک فتویٰ صادر کرنا حلال نہیں جب تک وہ قرآن حکیم اور اس کے ناسخ ومنسوخ، محکم ومتشابہ، تاویل وتنزیل، مکی ومدنی سورتوں اور ان کے معانی ومطالب اور اس کے بارے میں نازل کیا گیا کی پوری معرفت نہ رکھتا ہو، پھر اس کے بعد حدیث رسول ﷺ میں کمال بصیرت رکھنے والا ہو اور حدیث کے ناسخ ومنسوخ اور کتاب اللہ کی طرح حدیث کے بارے میں مکمل معرفت نہ رکھتا ہو اور لغت وشعر کا بھی اس قدر ماہر ہو جو

❶ أساس البلاغة ص ٣٣٤ ط: دارالمعرفة، بيروت.
❷ الفقيه والمتفقه ٢/ ٣٣١، ط: دارابن الجوزي ٢/ ١٥٦، ١٥٧، ط: المكتبة العلمية.
❸ الفقيه والمتفقه ٢/ ٣٣١،٣٣٢، ط: دارابن الجوزي: ٢/ ١٥٧، ط: المكتبة العلمية.

قرآن وسنت کے فہم کے لیے ضروری ہے۔اس کے ساتھ انصاف اور قلت کلام پر عامل ہو مزید برآں مختلف علاقوں کے اصحاب علم کے اختلاف سے بھی آگاہی رکھنے والا ہو۔"

حافظ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی المتوفی ۴۶۲ھ رقمطراز ہیں:

وہ مفتی جس کا فتویٰ قبول کرنے لازم آتا ہے اس کے اوصاف یہ ہوں:

۱: بالغ ہو اس لیے کہ بچے کے قول کا کوئی حکم نہیں۔

۲: پھر عاقل ہو۔اس لیے کہ مجنون سے عدم عقل کی وجہ سے قلم اٹھا دیا گیا ہے۔

۳: ثقہ عادل ہو۔اس لیے کہ احکام دین میں فاسق کے غیر مقبول الفتوی ہونے میں علماء کرام کا اختلاف نہیں ہے۔اگر چہ وہ اس کی بصیرت رکھنے والا ہو، خواہ وہ آزاد ہو یا غلام۔صحت فتویٰ میں آزادی شرط نہیں ہے۔

۴: احکام شرعیہ کا عالم ہو۔احکامات شرعیہ کے اصول وفروع کے بارے میں اس کا علم وسیع ہو اور شرع میں احکام کے اصول چار ہیں۔

۱: اللہ کی کتاب کا علم۔یعنی وہ قرآن کے محکم و متشابہ، عموم و خصوص، مجمل و مفسر اور ناسخ و منسوخ کا عالم ہو۔

۲: رسول اللہ ﷺ کی سنت و ثابتہ کا علم رکھنے والا ہو جو آپ کے اقوال و افعال پر مشتمل ہے اور تواتر و آحاد کے اعتبار سے اس کی اسانید اور صحت و فساد اور اس کے ورود کا سبب یا اطلاق جانتا ہو۔

۳: سلف صالحین کے اجماعی مسائل اور جن میں انہوں نے اختلاف کیا ہو ان کا علم رکھتا ہو تا کہ اجماع کی پیروی کرے اور اختلاف کی صورت میں اجتہاد سے کام لے سکے۔

۴: قیاس کا علم رکھتا ہو تا کہ وہ فروعی مسائل جن کے بارے نصوص شرعیہ میں سکوت ہے ان کو ایسے احکام پر لوٹا سکے جن کے بارے میں نص موجود ہے۔ ❶

الثانی: علامہ سبکی رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ مفتی کے لیے مجتہد ہونا کوئی ضروری نہیں، بلکہ اس کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ اپنے امام کے مذہب کا متبحر عالم اور اپنے امام کی بات کو سمجھنے والا ہو راجح مرجوح، مرجوع عنہ اور مرجوع الیہ کا علم رکھتا ہو، گو وہ استنباط احکام کے ملکہ سے محروم اور کتاب وسنت کا متبحر نہ: ہو اور ان کے مباحث و وجوہ میں کورا ہو ان علماء کا کہنا ہے کہ مفتی کے لیے اجتہاد مطلق کی شرط ایک ایسی شرط ہے جو بڑی نقصان دہ ہے اور لوگوں کو ان کی غیر شرعی خواہشات کے سپرد کرنے کے مترادف ہے، لہٰذا اگر مفتی اپنے مذہب کا ماہر ہے تو اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے اور عوام اس کے فتویٰ کو اللہ کا حکم سمجھ کر قبول کر لیں گے۔منصب قضاء ہر حال میں منصب افتاء سے اہم تر اور مرکزی منصب ہے۔لیکن اس میں باتفاق علماء قاضی کے لیے مجتہد ہونا ضروری نہیں سمجھا گیا تو پھر مفتی کے لیے اجتہاد کی شرط کو ضروری قرار دینا کوئی معقول وجہ نہیں۔شیخ تاج الدین سبکی کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ مفتی میں اجتہاد کی شرط کی ضرورت نہیں رہی اس کے لیے بس اپنے مذہب کا ماہر ہونا ہی کافی ہے۔

((قد انعقد الاجماع فی زماننا علی هذا النوع من انقیاد)) ❷

---

❶ ملخص از الفقیہ والمتفقہ ۲/۳۳۰، ۳۳۱۔ دار ابن الجوزی ۲/۱۵۹ط۔ المکتبۃ العلمیۃ۔ ❷ تعذیب الفروق ۲/۱۱۶۔

راقم کہتا ہے کہ الافتاء کے منصب جلیل پر فائز شخص میں تین امور کا تحقق ہونا ضروری ہے۔

۱: اس کے ہر شرعی نصوص کا علم علی وجہ الصواب ہو، یعنی جس طرح شارع سے وہ علم صادر ہوا اس نہج پر ہو اغلاط، اَوہام اور کذب سے پاک ہو اس لیے کہ نصوص شرعیہ کا علم فقہ اسلامی کا مادہ ہے تو ضروری ہے کہ اَغلاط، اَخلاط اور اَملاط سے صاف ستھرا اور محفوظ و مضمون ہو۔

اور ذخیرہ احادیث میں صحت و سقم کو پرکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو تا کہ فتویٰ دیتے ہوئے احادیث صحیحہ و حسنہ کو بطور احتجاج پیش کرے، ضعاف اور مناکیر وغیرہ سے اجتناب کرے۔

۲: فہم ثاقب رکھتا ہو۔ شرعی نصوص کو سمجھنے میں اس کی اصابت کی جانب خطا پر غالب ہو۔

پیغمبر علیہ السلام کے علاوہ معصوم من الخطاء تو کوئی نہیں ہوتا، تاہم اگر کوئی شخص سقیم الفہم ہو اور درستگی کے بجائے اغلاط اور کجی و کم فہمی عنصر غالب ہو تو وہ شرعی حکم کس طرح واضح اور مبرہن کر سکے گا۔

۳: مفتی صحیح الاعتقاد ہو۔ مبتدع، منافق اور مشرک نہ ہو۔ مستقیم السلوک ہو فاسق و فاجر نہ ہو۔ غلط عقیدے اور ہوائے نفسانی کا مارا ہوا شخص کتاب و سنت جو اصل الاصول ہیں۔ کی صحیح ترجمانی نہیں کرتا۔ جس شخص میں یہ امور ثلاثہ مجتمع ہوں وہ صحیح اسلامی مفتی اور فقیہ ہے ان تمام امور پر دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

((نضر الله امرأ سمع منا حديثا فبلغه غيره، فرب حامل فقه الى من هو افقه منه، و رب حامل فقه ليس بفقيه)) ❶

اللہ تعالیٰ اس آدمی کو ترو تازہ رکھے جس نے ہم سے حدیث سنی پھر اسے دوسرے لوگوں تک پہنچایا۔

پس ایسے بہت لوگ ہیں جو فقہ کو ایسے شخص کی طرف لے جانے والے ہوتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے اور ایسے بہت لوگ ہیں جو فقہ کے حامل ہوتے ہیں لیکن فقیہ نہیں ہوتے۔

اس نص صحیح میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی حدیث اور اس صحیح فہم کو فقہ سے تعبیر کیا ہے، لہٰذا صحیح فقیہ و مفتی وہ شخص ہے جسے نصوص شرعیہ کا علم اور صحیح فہم ہو، نصوص سے ناواقف اور فہم صحیح سے محروم شخص عہدہ افتاء کے لائق نہیں ہے۔

اسی طرح امام الانبیاء و المرسلین، قائد الغر المحجلین، سید الاولین والاخرین، شفیع المؤحدین امام اعظم محمد ﷺ کا ایک اور ارشاد ذی شان ہے۔

((من يرد الله به خيرا يفقه في الدين .)) ❷

❶ صحیح ابن حبان (۶۸۰) (۶۷) سنن ابی داؤد (۳۶۶۰) سنن الترمذی (۲۶۵۶) مسند احمد ۱۸۳/۵ طبع قدیم۔ ۴۶۷/۳۵ (۲۱۵۹۰) ط۔ مؤسسة الرسالة۔ المحدث الفاصل (۴،۳) السنة لابن ابی عاصم (۹۴) المعجم الكبير للطبراني (۴۸۹۰، ۴۸۹۱) شرف اصحاب الحديث (۲۴) كتاب الزهد للامام احمد (۱۸۱) صفحه ۵۸ الفقيه و المتفقه ۷۱/۲۔

❷ صحيح البخاری (۷۱) صحيح مسلم ۱۰۳۷/۹۸ سنن الترمذی (۲۶۴۵) سنن ابن ماجة (۲۲۰، ۲۲۱) مسند احمد ۳۰۶/۱ ط قدیم ۱۱/۵ (۲۸۹۰) مسند الدارمی (۳۳۵) ۲۳۱، ۲۳۲ المعجم الكبير للطبراني (۱۰۷۸۷) شرح السنة (۱۳۲) ۲۸۵/۱ الفوائد لابی القاسم تمام بن محمد الرازی (۱۲۳۳) ۹۶/۲ سلسلة الأحاديث الصحيحة (۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶)۔

''جس آدمی کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کر لیتا ہے اسے دین کی سمجھ نصیب فرما دیتا ہے۔''
یہ نص صحیح اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ارادہ خیر یہ تفقہ فی الدین ہے۔ از لائے شرع جو چیز باب العلم میں خیر نہیں ہے وہ شرعاً فقہ نہیں ہے اور دین میں تفقہ خیر اور فقہ اتنی دیر تک نہیں ہو سکتا جب تک اس کا مادہ صحیح شرعی نصوص نہ ہوں۔ موضوعات، واہیات، بدعات کے خرافات و ہفوات شر اور جہل کا مادہ ہے خیر و فقہ کا مادہ نہیں ہے۔

جب کسی شخص کو نصوص شرعیہ کی معرفت و پہچان ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ ان نصوص کے معانی و مفاہیم وہی مراد لے جن کا شارع نے قصد کیا ہے اور اس کے مصالح و اہداف اور مسائل پر حکم شارع کی مراد کے خلاف نہ ہو، اس لیے کہ جو شخص شرعی نصوص کے مطالب و مقاصد اور مراد و مرام شارع کی مراد کے خلاف لیتا ہے اسے مفتی و فقیہ کہلانے کا حق نہیں ہے بلکہ وہ شرع کی نظر میں سفیہ، ناوان اور کم عقل ہے، لہٰذا مفتی صحیح العقیدہ، نصوص شرعیہ کا ماہر اور مراد شارع سے باخبر اور صحیح و ضعیف اور غث و سمین کی اچھی طرح جانچ پڑتال کا مادہ رکھتا ہو۔ ورع و تقویٰ، زہد و پرہیز گاری میں معروف اور محلّٰی ہو۔ جن لوگوں کا اعتقاد و سلوک درست نہ ہو ان میں شرعاً خیریت کا مادہ نہیں ہوتا۔ اگر مبتدعین و اشرار اور فاسقین و ملحدین کو منصب افتاء سونپ دیا جائے تو وہ اسلامی عقائد اور فقہ اسلامی کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیں گے اور شرع کی منشا کے خلاف فتاوے صادر کر کے لوگوں کی ضلالت و گمراہی کا موجب ہوں گے اسی طرح محض جامد مقلدین جن کے فتاویٰ کا ملجاو ماویٰ قول امام کے سوا کچھ نہیں اور وہ اپنے مذعوم امام کی آراء پر تفریع در تفریع کے مرتکب ہوتے چلے جاتے ہیں، حتیٰ کہ انہیں اپنے امام کے قول کا ماخذ نہ بھی معلوم تو اپنے آپ کو اس کی تقلید کا پابند رکھتے ہیں۔ انہیں بھی مفتی کہلانے کا حق نہیں ہے۔ وہ شرعی مسائل میں اپنے آپ کو دلائل شرعیہ کا پابند نہیں سمجھتے۔

سید حسین احمد مدنی دیوبندی کہتے ہیں:

''امام صاحب سے متون تو منقول ہیں دلائل منقول نہیں ہیں، لہٰذا دلائل کا تسلیم کرنا ہم پر ضروری نہیں، اس سے مذہب حنفی پر کوئی زد نہیں آسکتی اور جو دلائل مذہب حنفیہ کے مطابق ہوں گے ہم ان کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔'' (تقریر ترمذی صفحہ ۷۲ مرتب عبدالقادر قاسمی کتب خانہ مجیدیہ ملتان) لہٰذا ایسے افراد جو دلائل کو مذہب حنفیہ کے مطابق بتانے والے ہوں اور صحیح شرعی ادلہ سے چشم پوشی کرتے ہوں ان سے فتویٰ نہیں لینا چاہیے کیونکہ وہ جادۂ مستقیم سے دور اور اصل ماٰ خذ سے کورا اور عاری ہے۔ علامہ سیوطی تو مقلدین پر علماء و فقہاء کا اطلاق کرنا جائز نہیں رکھتے

علامہ جلال الدین سیوطی رقم طراز ہیں:

((و معلوم ان لفظ الفقهاء و العلماء انما يطلق على المجتهدين وأما المقلد فلا يسمى فقيهاً ولا عالماً كما نص عليه اهل الفقه والاصول و امتناع اطلاق الفقيه والعالم على المقلد كامتناع اطلاق لفظ المسلم عل اليهودى والنصرانى.)) [1]

''اور یہ بات معلوم ہے کہ فقہاء اور علماء کا لفظ صرف مجتہدین پر بولا جاتا ہے۔ باقی رہا مقلد تو اس پر فقیہ اور عالم کا نام نہیں دیا جاتا جیسا کہ اس بات پر علمائے فقہ و اصول نے نص کی ہے مقلد پر فقیہ اور عالم کا لفظ استعمال کرنا اسی طرح منع ہے

[1] اتمام النعمه في اختصاص الاسلام بهذه الأمة۔ الحاوى للفتاوى ۲/۱۲۵ ط۔ دارالكتب العلمية بيروت)

جیسے یہودی اور نصرانی پر مسلم کے اطلاق کی ممانعت ہے، لہٰذا محض جامد مقلد مفتی کہلانے کا حق دار نہیں ہے۔"

مفتی کا مقام:

اس منصب کی جلالت قدر اور رفعت منزلت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ خود حق تعالیٰ اپنے بارے میں فرماتا ہے:

﴿وَ یَسْتَفْتُوْنَكَ فِی النِّسَآءِ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِیْهِنَّ﴾ (النساء: ۱۲۷)

"اور آپ سے خواتین کے بارے فتویٰ طلب کرتے ہیں آپ کہہ دیں۔ ان کے بارے اللہ تعالیٰ تمھیں فتویٰ دیتا ہے۔"

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿یَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ﴾ (النساء: ۱۷۶)

"آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں کہہ دیجئے کلالہ کے بارے اللہ تعالیٰ تمھیں فتوی دیتا ہے۔"

اشہب امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

((كان النبی صلی الله علیه وسلم یسأل فلایجیب حتیٰ ینزل علیه الوحی وذلك فی كتاب الله۔ قال الله تعالیٰ "یستفتونك قل الله یفتیكم فی الكلالة" "ویسئلونك عن الیتامیٰ" "یسئلونك عن الخمر والمیسر" "ویسئلونك عن الجبال" هذا فی كتاب الله سبحانه و تعالیٰ كثیر۔)) ❶

نبی کریم ﷺ سے سوال کیا جاتا تھا تو آپ اس وقت تک جواب نہیں دیتے تھے جب تک وحی کا نزول نہ ہو جاتا۔ اور یہ اللہ کی کتاب میں ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: "آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ تمھیں کلالہ کے بارے فتویٰ دیتا ہے۔ اور آپ سے یتیموں کے بارے سوال کرتے ہیں۔ اور آپ سے شراب اور جوے کے بارے سوال کرتے ہیں۔ اور آپ سے پہاڑوں کے بارے سوال کرتے ہیں۔ یہ انداز اللہ کے قرآن میں بہت زیادہ ہے۔"

امام ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں: امام مالک نے جو فرمایا ہے ہم نے اسے قرآن حکیم میں (۱۳) مقامات پر پایا ہے۔

۱: ﴿یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ﴾ (البقرة: ۲۱۷)

۲: ﴿یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ﴾ (البقرة: ۲۱۹)

۳: ﴿یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ﴾ (البقره: ۲۱۹)

۴: ﴿وَ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی﴾ (البقره: ۲۲۰)

۵: ﴿وَ یَسْتَفْتُوْنَكَ فِی النِّسَآءِ﴾ (النساء: ۱۲۷)

۶: ﴿یَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ كِتٰبًا﴾ (النساء: ۱۵۳)

۷: ﴿یَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِی الْكَلٰلَةِ﴾ (النساء: ۱۷۶)

۸: ﴿یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ﴾ (المائدہ: ٤)

❶ احكام القرآن از ابوبكر ابن العربی صفحه ۵۱۹ بتحقیق عبدالرزاق المهدی طبع دارالكتاب العربی

۹: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ﴾ (النازعات:٦٣)

۱۰: ﴿يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ﴾ (الاحزاب:٦٣)

۱۱: ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ﴾ (الانفال:١)

۱۲: ﴿وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ﴾ (الكهف:٨٣)

۱۳: ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ﴾ (طٰہٰ:١٠٥)

۱۴: ﴿وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ﴾ (البقرہ:٢٢٢)

یہ ۱۳ کے بجائے ۱۴ مقامات ہیں جہاں پر اللہ تعالیٰ نے ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ﴾ اور ﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ﴾ کا انداز اختیار کر کے بتا دیا ہے کہ لوگ محمد ﷺ سے سوال وفتویٰ طلب کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ آپ پر وحی نازل فرما کر اس سوال کا جواب اور فتویٰ دے دیتا۔

اس لیے فتویٰ دینے کا مقام بڑا رفیع، عالی شان اور بلند مرتبہ ہے کیونکہ مفتی لوگ کے لیے ان دینی امور کی وضاحت کرتا ہے جن کا انہیں علم نہیں اور ان صحیح راستوں کی طرف راہنمائی کرتا ہے جن پر چل کر وہ رشد و ہدایت، فوز وفلاح اور کامرانی و کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔

مفتی حضرات علوم شرعیہ کے وارث، اور اسے لوگوں تک پہنچانے والے اور جہلاء کو اس کی تعلیم دینے والے اور اس کی مخالفت سے ڈرانے والے ہوتے تھے۔ علماء و مفتیان رسول اللہ ﷺ کے ورثہ علم کے جانشین ہوتے ہیں۔ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ان العلماء ورثة الانبياء ان الانبياء لم يور ثوا ديناراً ولا درهما انما ورثوا العلم فمن أخذ به أخذ بحظ و افر .))❶

''یقیناً علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، بے شک انبیاء علیہم السلام نے انہیں دینار اور درہم کا وارث نہیں بنایا بلکہ علم شرعی کا وارث بنایا ہے جس نے اس علم کو لے لیا اس نے بہت زیادہ حصہ لے لیا۔''

لہٰذا مفتی شریعت اسلامیہ میں ایک عظیم منصب پر فائز ہے۔ کیونکہ وہ تبلیغ احکام، انذار و تبشیر میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے بھیجے ہوئے علم کا وارث اور جانشین ہے۔

شروط المفتی: اگرچہ مفتی کی شروط کے بارے پیچھے ہم نے مختصر طور پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ امام شافعی اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ کے حوالے سے کچھ باتیں تحریر کردی ہیں یہاں قدرے تفصیل سے لکھنا چاہتے ہیں۔

ا۔ اسلام:

منصب افتاء پر فائز ہونے کے لیے اولین شرط مفتی کا مسلمان ہونا ضروری ہے اور پھر ایسی ناگزیر شرط ہے جس پر علماء امت کا

❶ ترمذی (٢٦٨٢) مسند الدارمی (٣٤٩) ابوداؤد (٣٦٤١) ابن ماجه ٢٢٣) شرح مشكل الآثار (٩٨٢) صحيح ابن حبان (٨٨) مسند الشاميين (١٢٣) شرح السنة (١٢٩) تهذيب الكمال ٣٧٥/١٩ المسند الجامع ٣٨٦/١٤ مسند احمد ٤٦/٣٦ (٢١٧١٥) صحيح البخاری كتاب العلم باب العلم قبل القول و العمل)

اجماع ہے۔ ❶ اس لیے کہ مفتی نے علوم شریعہ کی وارثت کا حق ادا کرنا ہوتا ہے اور اللہ کے نبی ﷺ کی جانشینی کا حق ایک مسلم ہی ادا کر سکتا ہے غیر مسلم تو مسلم کا وارث نہیں ہو سکتا۔

۲۔ التکلیف:

الاعظم منصب کو سنبھالنے والا شریعت کا مکلف عاقل و بالغ ہو کیونکہ نابالغ اور پاگل کی بات کا کوئی شرعی حکم نہیں پاگل تو مرفوع القلم ہے اور نابالغ کی عقل وفکر پختہ نہیں ہوتی یہ شرط بھی اجماعی ہے۔

۳۔ العلم:

منصب افتاء پر فائز شخص کے لیے شرعی علم کا حاصل ہونا بھی اساسی شرط ہے کیونکہ وہ احکامات الٰہیہ کا مبلغ ہوتا ہے اور شرعی احکامات سے ناواقف اور نابلد تبلیغ کا ہرگز اہل نہیں ہوتا یہی وجہ ہے رسول اللہ ﷺ نے بغیر علم کے فتویٰ دینے پر بڑی وعیدیں ذکر کی ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((من تقوّل علی مالم اقل فلیتبوأ مقعده من النار و من استشاره اخوه المسلم فأشار الیه بغیر رشد فقد خانه و من أفتی فتیا بغیر ثبت فا ثمه علی من افتاه)) ❷

جس نے مجھ پر ایسی بات تراشی جو میں نے نہیں کہی وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنالے اور جس آدمی سے اس کے مسلم بھائی نے مشورہ طلب کیا اس نے اسے نادرست مشورہ دیا تو اس نے اس سے خیانت کی اور جس نے غیر ثابت فتویٰ دیا تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

((من أفتی بفتیا یعمی عنها باثمها علیه .)) ❸

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((من افتی بفتیا من غیر ثبت فانما اثمه علی من افتاه .)) ❹

''جس آدمی نے بغیر دلیل و برہان کے فتویٰ دیا تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہے۔''

۴۔ الصدالیۃ فی الاقوال والاعمال:

افتاء کے منصب پر فائز شخص کے لیے ضروری ہے کہ وہ حسن سیرت، صاحب مروت صدق مقال کا خوگر اور ورع وتقویٰ زہد و ثقاہت کا پیکر ہو۔ ہمیشہ سچ بولنے والا، حرام، مکروہ، کذب بیانی کو بالکلیہ خیر باد کہہ دینے والا اور ہر قسم کے شک وشبہ سے اجتناب کرنے

---

❶ صفة الفتوی والمفتی و المستفتی لابن حمدان صفحه ۱۳.

❷ الادب المفرد (۲۰۹) و قال الألبانی: صحیح لغیره.

❸ مسند الدارمی (۱٦۲) جامع بیان العلم و فضله (۱٦۲٦، ۱۸۹۲) الفقیه والمتفقه ۲/۳۲۸ھ۔ دار ابن الجوزی ۳/۱۰۵ط۔ المکتبة العلمیة الاحکام لابن حزم ٦/۱۰۲۱.

❹ مسند الدارمی (۱٦۱) ابوداؤد (۳٦۵۸) شرح مشکل الآثار ۱/۱۷۱۔ المستدرك للحاکم ۱/۱۲٦۔ السنن الکبریٰ بیهقی ۱۰/۱۱۲ اسناده حسن۔ نیل المقصود قلمی ۸۲٦ للشیخ زبیر علی زئی)

والا ہو۔ کیونکہ مفتی اسد کے احکامات کی خبر دیتا اور اسے لوگوں تک پہنچاتا ہے جو کہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے، لہٰذا اس کا اہل وہی ہو سکتا ہے جو صاحب عدالت ہو۔

عدالت از لائے لغۃ جور کی ضد ہے اور اصطلاح محدثین میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

((اهلية قبول الشهادة والرواية عن النبى صلى الله عليه وسلم وضابطها اجمالاً: ملكة تحمل صاحبها على التقوىٰ و اجتناب الادناس وما يخل بالمروة عند الناس.)) ●

عدالت سے مراد نبی کریم ﷺ سے روایت کرنے اور شہادت کی قبولیت کی اہلیت ہے اور اس کا اجمالی طور پر ضابطہ یہ ہے کہ عدالت ایسے ملکہ کو کہتے ہیں جو آدمی کو تقویٰ پر ابھارے اور عزت و اخلاق کے عیب دار ہونے اور لوگوں کے نزدیک آداب نفسانیہ میں مخل ہونے والی اشیاء سے اجتناب کرتا ہے۔

بعض اہل علم نے عدابت کی تعریف یہ کی ہے:

((العدالة هى ملكة تمنع عن اقتراف الكبائر والاصرار على الصغائر.)) ●

''عدالت ایسے ملکہ اور خوبی کو کہتے ہیں جو آدمی کو کبیرہ گناہ کے ارتکاب اور صغیرہ گناہ پر اصرار سے روکے۔''

خطیب بغدادی نے علمائے مسلمین کا اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ فاسق فاجر شخص کا فتویٰ احکام دین کے بارے میں غیر مقبول ہے۔ ●

۵۔ حسن الطریقۃ:

صاحب افتاء کو سلامت مسلک اور رضاء السیدۃ ہونا چاہیے۔ اگر صحیح العقیدہ مسلک سلف صالحین کا پاسدار اور منہج محدثین کا امین ہوگا تو کتاب وسنت کے موافق فتویٰ صادر کرنے کی جہد وسعی بلیغ کرے گا۔ اور پسندیدہ سیرت کے حامل شخص پر عوام الناس بے دریغ اعتماد کرتے اور اس کے فتویٰ پر وثوق کرتے ہوئے بلا جھجک قبول کرتے ہیں۔ جو مفتی صحیح العقیدہ اور اضاء السیرۃ والسلوک ہوگا اور ان اوصاف جمیلہ سے آراستہ ہوگا وہ عنداللہ اور عندالناس مقبول ہوگا۔ اور ان کمالات حمیدہ سے عاری اور غیر آراستہ مفتی، خواہ کتنا بڑا عالم ہو نظروں سے گر جاتا ہے اس کی بدعقیدگی، موشگافی دوانی اور شرانگیزی صحیح فتویٰ دینے میں رکاوٹ ہوتی ہے وہ احکامات الٰہیہ کو اپنی رائے فاسدہ، ہوائے کاسدہ اور تاویلات رکیکہ کی بھینٹ چڑھا دیتا ہے۔ اسے کتاب وسنت کے چشمہ صافی سے سیراب ہونے کی سعادت نصیب نہیں ہوتی۔ لہٰذا وہ منصب افتاء کا صحیح اہل اور قرآن وحدیث کے ورثہ کا امین نہیں ہو سکتا۔ ایسے شخص اس منصب جلیل پر فائز کرنا امانت ودیانت کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

۶۔ الورع والعفۃ:

مفتی صاحبان کے لیے ورع وتقویٰ، عفت مآبی اور خشیت الٰہی کا ستودہ صفات ہوگا اور خودغرضی وحرص جاہ وجلال، اور شیخ زرد اموال سے بے اعتنائی از حد ضروری ہے۔ خود دار اور اوصاف حمیدہ وصفات رشیدہ کا حامل ہونا حتمی ولازمی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ

● معجم الفاظ و عبارات الجرح و التعديل صفحه: ۱۰۴، ۱۰۳.

● توجيه النظر للجزائرى ۱/۹۴ ط۔ مكتب المطبوعات الاسلاميه بحلب، صفحه ۲٦ ط دار المعرفة بيروت.

● الفقيه والمتفقه ۲/۳۲۰ ط دار ابن الجوزى ۲/۱۵٦ ط المكتبة العلمية.

نافرمان لوگوں کو عذاب الٰہی اور اجر و توبیخ کی آیات مجیدہ سنانے اور پہنچانے میں بلا کا دلیر، بسیل اور شجاع ہو۔ الدہر اس عادت اور رزالت سے اجتناب کرے جو تقویٰ و پرہیز گاری، طہارت وعفت سے متصادم ہو۔

اور اوامر و نواہی، حلال و حرام کی پابندی اسلام کے پیش کردہ منہج کے مطابق ہونی چاہیے۔

ان مطلوب صفات سے کورا شخص توفیق الٰہی سے محروم رہتا ہے۔ جبکہ اس منصب جلیل کا حق تب ہی ادا ہوتا ہے جب توفیق الٰہی شامل حال ہو ورنہ اس ذمہ داری سے عہد برآ ہونا مشکل امر ہے۔ خطیب بغدادی رقم طراز ہیں۔

((وینبغي ان یکون في الاستنباط، جید الملاحظه، رصین الفکر، صحیح الاعتبار، صاحب أناة وتودة، وأخا استثبات، وترك عجلة، بصیرا بما فیه المصلحة، مستوقفا بالمشاورة، حافظًا لدینه، مشفقًا علی اهل ملته، مواظبًا علی مروء ته، حریصًا علی استطابة مأکله، فان ذلك اوّل اسباب التوفیق، متورعا عن الشبهات، صادفا عن فاسد التاویلات، صلیبا في الحق، دائم الاشتغال بمعاون الفتوی وطرق الاجتهاد ولا یکون ممن غلبت علیه الفضلة، واعتواه دوام السهر ولا موصوفا بقلة الضبط، منفوعا بنقص الفهم، معروفا بالاختلال، یجیب بمالا یسغ له ویفتي بما یخفی علیه.“ ❶

جو مفتی قلیل الطمع اور کثیر الورع ہوگا وہ اپنے مقصد و مرام اور مطلب و مراد کو جلد حاصل کر لے گا اور اس کی نظر جب لوگوں کے درہم و دینار، مال و متاع اور زر زمین پر ہونے کے بجائے اللہ کے تقویٰ، ورع، زہد اور پرہیز گاری پر ہوگی تو فتویٰ صادر کرنے میں لوگوں کی ہیبت مانع نہ ہوگی اور باکمال مفتی وہی ہوتا ہے جو فتویٰ صادر کرنے میں لوگوں کی جیبوں اور جاہ و جلال کو خاطر میں نہیں لاتا۔ ہر مفتی کے پیش نظر رسول رحمت، پیغمبر دو جہاں امام الانبیاء محمد ﷺ کا یہ فرمان ذی شان رہنا چاہیے۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”لا یمنعن احدکم هیبة الناس أن یقول في حق اذا رأه أو شهده أو سمعه.“ ❷

”تم میں سے کسی کو بھی حق کہنے میں لوگوں کی ہیبت ہرگز مانع نہ ہو جب وہ حق کو دیکھ لے یا مشاہدہ کر لے یا سن لے۔“

اسی طرح دوسری حدیث کے الفاظ ہیں:

”إن الله یسأل العبد یوم القیامة حتی إنه یسأله یقول: أي عبدي رأیت منکرا فلم تنکره واذا لقي الله عبدا حجته قال: یا رب وثقت بك وخفت الناس.“ ❸

”یقیناً اللہ تعالیٰ قیامت والے دن اپنے بندے سے سوال کرے گا۔ اے میرے بندے! تو نے منکر دیکھ کر اس کا انکار نہیں کیا؟ (بندے کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی) تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو اپنی حجت اور دلیل القاء کرے گا تو وہ کہے گا

---

❶ الفقیه والمتفقه ۲/۳۳، ط: دارابن الجوزی، ۲/۱۵۸، ط: المکتبة العلمیة۔

❷ مسند احمد ۳/۵، ط، قدیم: ۱۷/۶۱، رقم: (۱۱۰۷)، ط: مؤسسة الرسالة۔

❸ مسند احمد ۱/۲۶۲، مؤسسة الرسالة، مسند الحمیدی ۷۳۹، بیهقی ۱۰/۹۰، العزلة للخطابي ص ۱۱۰، سنن ابن ماجة ۱۷/۴، صحیح ابن حبان ۷۳۶۸، مسند ابی یعلی ۱۰۸۹، ۱۳۴۴، تهذیب الکمال ۳۰/۲۷، المفرد الجامع ۶/۴۴۷.

اے میرے پروردگار میں نے تجھ پر اعتماد کیا اور امید رکھی اور لوگوں سے ڈر گیا۔"

امام بوصیری فرماتے ہیں: هذا اسناد صحيح رواه الحاكم في المستدرك. ❶

علامہ سندھی رقمطراز ہیں:

"وفرقت من الناس" أي خفتهم فسامحت في حقك اعتماداً على انك كريم مرجو لكمال فضلك ولطفك بخلاف الناس فانهم من الشح بمكان. "❷

یعنی تیرے حق کے بارے میں لوگوں سے خائف ہوگیا اس پر اعتماد کرتے ہوئے کہ تو بلاشک وشبہ تیرے فضل ولطف کے کمال کے باعث تجھ سے امید رکھی جاتی ہے جب کہ لوگ تو انتہائی کنجوسی کے مقام پر ہوتے ہیں۔ اس لیے مفتی کو اپنے پروردگار کامل پر توکل اور اکمل بھروسہ ہونا چاہیے۔ لوگوں کی زر زمین اور مال ومتاع کو نظر انداز کرکے رب العالمین کی وسیع رحمت کا امیدوار ہونا چاہیے جب خودغرضی سے پاک ومبرا ہوگا تو فتویٰ تحریر کرنے میں امداد الٰہی اور توفیق ربانی شامل ہوگی۔

۷: تحقیق وتدقیق کی رفعتوں کا حامل ہو: مفتی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ صاحب بصیرت، قوی الاستنباط، جید الملاحظہ، رصین الفکر، صحیح الاعتبار، ثقاہت وثبت کا حامل، فتویٰ دینے میں عجلت وسرعت کا تارک، لوگوں کے صالح میں بصیر، دین کا محافظ ہو اور بحث وتمثیل، رطب ویابس، کھرے اور کھوٹے میں تمیز کرنے والا اور موضوعات ومناکیر، صفاف ومجاہیل، منقطع ومراسیل کی تحقیق وتدقیق کرنے میں ماہر اور استاد کامل ہو۔ علل وشذوذ سے واقف کار اور گہری بصیرت کا حامل ہو۔

ناقص الفہم، قلیل الضبط، معروف بالاختلال، نا آزموکار، نابلد، نا تجربہ کار اور اناڑی وانجان نہ ہو، ورنہ استنباط واجتہاد کے بحر ناپیدا کنار میں غوطہ زنی اس کے لیے ہلاکت وتباہی کا موجب ہوگی اور وہ ضال ومضل ہوکر اس کرۂ ارضی پر فتنہ وفساد کو رواج دے گا۔

ائمۂ حدیث وفقہ جو کتاب وسنت کے بحر ذخار میں غوطہ زن ہوکر دراری معنیہ ہموط ذہبیہ اور درہمیہ سے اپنی اور عوام الناس کی جھولیاں بھرتے تھے۔ وہ فتویٰ صادر کرنے میں انتہائی احتیاط کرتے اور تحقیق وتدقیق کی منازل رفیعہ کو طے کرتے تھے۔ تحقیق انیق کرنے اور غث وثمین میں فرق کرنے کے بعد فتویٰ صادر کرتے تھے۔

اپنے فتاویٰ جات میں ہر طرح کا رطب ویابس جمع کرنے سے احتیاط ازبس ضروری ہے تاکہ عوام الناس کے پاس خالص کتاب وسنت پر مبنی احکامات شرعیہ کا علم پہنچے اور وہ اس پر عمل پیرا ہوکر دین ودنیا کی کامیابیاں اور کامرانیاں حاصل کرسکیں۔

۸: متدین اہل سنت سے مشاورت: متدین اہل علم، حدیث وفقہ سے پیش آمدہ مسائل میں مشاورت ایک ایسی شرط ہے جس پر سلف صالحین عمل پیرا ہوتے چلے آئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مشورہ کرنے والے مومنوں کو سراہا ہے فرمایا: ﴿وامرهم شورى بينهم﴾ (الشوریٰ: ۳۸) "اور ان کا ہر کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے۔"

اس آیت سے مشاورت کی اہمیت وافادیت اور اس کی ضرورت ومشروعیت واضح ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا بھی ایک ارشاد

---

❶ شروح سنن ابن ماجة ۲/۱٤٦٦، ط: بيت الأفكار الدولية.

❷ شروح سنن ابن ماجة ۲/۱٤٦٦، ۱٤٦٧، ط: بيت الأفكار الدولية، سنن ابن ماجة مع حاشيه سندهى ۳، ۳٦٦، ط: دارالمعرفة بيروت، ۲/٤٨٨، ط: دارالجيل بيروت.

گرامی پیش خدمت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا اے اللہ کے رسول!

"إن نزل بنا أمر ليس فيه بيان أمر ولا نهي فما تأمرنا؟ قال: تشاورون الفقهاء والعابدين ولا تمضوا فيه رأي خاصة." [1]

"اگر ہمارے ہاں کوئی ایسا معاملہ پیش آ جائے جس میں کوئی واضح بیان امر یا نہی کا موجود نہ ہو تو آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم فقہاء اور عابدین سے مشورہ کرو اور اس بارے میں کسی مخصوص فرد کی رائے نافذ نہ کرو۔"

علامہ ہیثمی فرماتے ہیں:

"رواه الطبراني في الاوسط ورجاله موثقون من اهل الصحيح." [2]

علامہ علاء الدین المتقی الہندی رقمطراز ہیں:

"فالحديث عن هذه الطريق حسن صحيح."

امور مشکلہ میں اہل علم کی باہمی مشاورت کی افادیت و اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگا لیجیے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جیسا محدث، ملہم، سریع الفہم، صاحب بصیرت اور عبقری انسان حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مشورہ کر لیتا تھا حالانکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اہل علم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عمر میں چھوٹے تھے۔ [3]

مگر یہ بات یاد رہے کہ مشاورت امور مشکلہ مسائل غامضہ اور احکامات خفیہ میں ضرور کرنی چاہیے تاکہ فتویٰ میں کسی فرد کو کوئی بلاوجہ گزند نہ پہنچے یا کسی کی توہین وغیرہ کا خدشہ اور جانی و مالی معاملات میں فساد و بگاڑ کا اندیشہ نہ ہو۔ بصورت دیگر مشاورت نہ بھی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بہرحال مفتی کتاب و سنت کے دلائل ظاہرہ و باہرہ کو مدنظر رکھ کر فتویٰ صادر کر دے۔

۹: منصب کی اہلیت اور معاصرین اہل علم کی شہادت: مفتی کے لیے یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اس کے ہم عصر علماء و مشائخ اس کے متعلق گواہی دیں کہ وہ اس منصب جلیل کا واقعی اہل ہے اس سے عوام الناس میں اس کی مقبولیت بڑھے گی اور لوگ اپنے مسائل کے حل کے لیے اس کی طرف خوش دلی کے ساتھ رجوع کریں گے اور اسے پذیرائی حاصل ہوگی۔ جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے بارے میں ان کے اساتذہ و مشائخ اور تلامذہ کی شہادات فقاہت موجود ہیں۔ جیسے امام بخاری کے استاذ ابو مصعب احمد بن ابی بکر الزہری فرماتے ہیں:

"محمد بن اسماعيل افقه عندنا." [4]

---

[1] المعجم الاوسط للطبراني ۲/۳۶۸، ۱۶۴۱، ط: مكتبة المعارف الرياض، مجمع البحرين في زوائد المعجمين ۱/۲۲۵، ۲۴۱، باب المشورة في العلم، ط: مكتبة الرشد الرياض.

[2] مجمع الزوائد ۱/۱۸۳، باب في الاجماع ۱/۴۲۸، ۸۳۴، ط: دارالفكر بيروت.

[3] ملاحظہ ہو: (صحيح البخاري، كتاب التفسير رقم: ۴۹۷۰، وكتاب المناقب ۳۶۲۷، فتح الباري ۳/۳۴۹۰، ط: بيت الأفكار الدوليه، ۱۱/۱۳۶، ط: دارطيبه، ۸/۷۳۵، ط: دارالمعرفة بيروت، إرشاد الساري للقسطلاني ۱۱/۲۷۷، ۲۷۸، ط: دارالفكر، وغيرها من كتب الحديث والرجال والسير.

[4] تاريخ بغداد في نسخة ۲/۱۹، تهذيب الكمال ۶/۲۳۳، سير اعلام النبلاء، ۱۲/۴۲۰، تاريخ دمشق ۵۲،۸۶

امام محمد بن بشار فرماتے ہیں:

"هو افقه خلق الله في زماننا او سيد الفقهاء." ❶

امام نعیم بن حماد اور امام یعقوب بن ابراہیم الدورقی فرماتے ہیں:

"فقيه هذه الأمة." ❷

امام مالک بن انس فرماتے ہیں:

"ما أفتيت حتى شهد لي سبعون أني اهل لذلك." ❸

میں نے اس وقت تک فتویٰ نہیں دیا جب تک ستر بندوں نے یہ شہادت نہیں دی کہ میں فتویٰ جاری کرنے کا اہل ہوں۔ لہٰذا مفتی کے زمانے کے علماء وفقہاء کی شہادت اور گواہی بھی مفتی کی اہلیت کے لیے از بس ضروری ہے۔

۱۰: **سائل کے اصل مقصد کا شعور:** منصب افتاء کا بھی یہ تقاضا ہے کہ مفتی سائل کے حالات، اس کے طرز عمل اور سوال کے پس منظر کی گہرے شعور اور پوری بیدار مغزی کے ساتھ جانچ پڑتال کرے کیونکہ بعض دفعہ مستفتی مکر وفریب اور دھوکہ دہی سے کام لے کر من مانا فتویٰ لینے کی کوشش میں ہوتا ہے۔ یہ جانچ پڑتال اسی طرح ضروری ہے جیسے فتویٰ کے اصدار میں صراط مستقیم کی پابندی ناگزیر ہے۔ مفتی کے لیے ہرگز جائز نہیں کہ وہ مستفتی کو خوش کرنے کے لیے کسی شرعی واجب کو ساقط کردے یا حرام کو حلال بنا دے۔ کیونکہ یہ مکر وفریب اور حیلہ وخدعہ ہے۔ علمائے یہود وغیرہ کی یہ حرکات تھیں کہ وہ لوگوں کی خوشی اور دنیا بٹورنے کے لیے شرع اللہ میں کمی بیشی اور حیل اختیار کرکے فتویٰ صادر کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"لا ترتكبوا ما ارتكبت يهود فتستحلوا محارم الله بأدنى الحيل." ❹

ان چیزوں کا ارتکاب نہ کرو جن کا ارتکاب یہودیوں نے کیا کہ تم اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو ادنیٰ حیلوں سے حلال بنانے لگ جاؤ۔ لہٰذا حیلے بہانوں کو مدنظر رکھ کر فتویٰ دینے والے مفتی سے فتویٰ نہ لیا جائے بلکہ سائل کے مقصد اور مطلب کو سن کر اصل بات کی تہہ تک جانے والے اور کتاب وسنت کی روشنی میں فتویٰ صادر کرنے والے مفتیان کی طرف رجوع کیا جائے۔

۱۱: **تحفظ اور احتیاط:** مفتی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جب پیش نظر ایسا سوال ہو جس میں متعدد صورتیں محتمل ہوں تو اس وقت اگر مفتی سائل کی مقصود صورت کا عالم نہ ہو تو سوال کا جواب تحریر نہ کرے اور اگر جانتا ہو تو اختلافی صورتوں میں سے محتاط اور محفوظ شکل اختیار کرے اور دیگر محتمل صورتوں کا بھی جواب دے دے، اگر مقصود کے ضیاع کا خطرہ نہ ہو۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں کتاب الصلوٰۃ

---

❶ تهذيب الكمال ٦/٢٣٢، ٢٣٥.

❷ تاريخ مدينة السلام ٢/٣٤٤، ٣٤٢، تهذيب الكمال ٦/٢٣٤، سير اعلام النبلاء ١٢/٤١٩، ٤٢٤، تاريخ دمشق ٨٤٥٢.

❸ الفقيه والمتفقه ٢/١٥٤، ط: المكتبة العلمية ٢/٣٢٢٥، ط: دار ابن الجوزي حلية الأولياء ٦/٣٤٥، ٣٣٨٥١، ط: دار الكتب العلمية بيروت وفي نسخه ٦/٣١٦.

❹ إبطال الحيل لابن بطه ص ١١٢، رقم ٥٦، إرواء الغليل ٥/٣٧٥، آداب الزفاف ١٩٤، اغاثة اللهفان لابن القيم ١/٥١٣، ٥٢٢، ٥٥٨، وقال: هذا اسناد جيد لصحيح مثله الترمذي إقامة الدليل لابن تيميه ص ٣٣، وقال: هذا اسناد جيد صحيح مثله الترمذي تفسير ابن كثير ١/٢٦١، تحت آية ٦٦ من سورة البقره وقال: هذا اسناد جيد و ٣/٢٢٣، تحت آية ١٦٣ من سورة الاعراف وقال مرة اخرى: هذا اسناد جيد.

باب ما يذكر في الفخذ میں نقل کیا ہے۔

"ويروى عن ابن عباس وجرهد ومحمد بن جحش عن النبي ﷺ "الفخذ عورة" وقال انس حسر النبي ﷺ عن فخذه. وحديث انس أسند وحديث جرهد احوط حتى يخرج من اختلافهم." ❶

''عبداللہ بن عباس، جرہد اور محمد بن جحش ؓ نے نبی کریم ﷺ سے بیان کیا ہے کہ ران شرمگاہ ہے اور انس ؓ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے (جنگ خیبر پر جاتے ہوئے) اپنی ران کھولی ہوئی تھی۔''

امام بخاری فرماتے ہیں: حضرت انس ؓ کی حدیث سند کے لحاظ سے زیادہ معتبر ہے اور جرہد ؓ کی حدیث زیادہ احتیاط والی ہے اس طرح ہم اہل علم کے باہمی اختلاف سے نکل جاتے ہیں۔

عبداللہ بن عباس جرہد اور محمد بن جحش سے مروی حدیث پر حافظ ابن حجر نے "تغليق التعليق على صحيح البخاري" ۲/ ۲۰۷، ۲۱۳ میں مفصل بحث کی ہے۔ ❷

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک ران شرمگاہ میں داخل ہے، اس لیے اسے چھپانا واجب ہے۔ امام احمد، امام مالک، امام داؤد ظاہر اور امام ابن ابی ذئب کے نزدیک ران شرمگاہ میں داخل نہیں ہے۔

امام ابن حزم اپنی کتاب المحلی میں فرماتے ہیں کہ اگر ران شرمگاہ میں داخل ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کی ران نہ کھولتا آپ تو معصوم ہیں۔ ❸

امام بخاری رحمہ اللہ نے احتیاطاً ران کے ڈھانپنے والا موقف اپنایا اور اسے احوط قرار دیا ہے۔ لہٰذا مفتی کو چاہیے کہ وہ اختلافی مسائل میں سے مبنی بر دلائل اور محتاط موقف اپنائے۔ بالخصوص حلال و حرام کے مسائل میں۔

۱۲: فہم سلف صالحین کو مدنظر رکھنا: مفتی حضرات کو چاہیے کہ وہ کتاب و سنت کی نصوص سے استنباط و استخراج کرتے ہوئے سلف صالحین کے فہم کو بھی مدنظر رکھے آئمہ اسلاف منہج افتاء کی جس رفعت اور بلندی پر قائم تھے اس کا کچھ حصہ اختصاراً پیش خدمت ہے۔

ا: کتاب و سنت کے ساتھ تمسک:

خطیب بغدادی نے الفقيه والمتفقه میں ایک باب یوں باندھا ہے: "اعتماد المفتي على الكتاب والسنة" مفتی کو کتاب و سنت پر اعتماد کرنا چاہیے۔

پھر اس کے ضمن میں یہ روایت لائے ہیں کہ ابونضرہ کہتے ہیں ابوسلمہ بن عبدالرحمن بصرہ تشریف لائے تو ابوبشیر کے گھر اترے۔ میں حسن بصری کے پاس آیا۔ میں نے کہا یقیناً ابوسلمہ تشریف لائے ہیں اور وہ قاضی مدینہ اور ان کے فقیہ ہیں ہمارے ساتھ ان کی طرف چلیے تو ہم ان کے پاس آئے جب انھوں نے حسن بصری کو دیکھا کہا آپ کون ہیں؟ کہنے لگے حسن بن ابی الحسن ہوں۔ کہنے

---

❶ صحيح البخاري مع الفتح ۲/ ۸۳، ط: دارطيبة، ۱/ ٤٧٨، ط: دارالكتب العلمية.

❷ نیز ملاحظہ ہو: الإمتاع بالأربعين المتباينة بشرط السماع رقم ۳۵، ص ۲۳۹۔ ۲٤۳، ط: الدار السلفية بكويت.

❸ ملاحظہ ہو: شرح صحيح البخاري ۱/ ٤٤٥، از مولانا داؤد راز صاحب محدث دهلوی رحمہ اللہ

لگے: میری ملاقات کرنے والے لوگوں میں سے اس شہر میں تم سے زیادہ محبوب کوئی نہیں اور مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم لوگوں کو فتوے دیتے ہو۔

"فاتق الله یاحسن وافت الناس بما اقول لك: افتهم بشيء من القرآن قد علمته او سنة ماضية قد سنها الصالحون والخلفاء وانظر رأيك الذى هو رأيك فالقه ."❶

"اے حسن اللہ سے ڈر اور جو میں کہتا ہوں اس کے مطابق لوگوں کو فتویٰ دے۔ انہیں قرآن پاک میں سے ایسی چیز کے ساتھ فتویٰ دے جسے تو جانتا ہو یا سنۃ ماضیہ کے ساتھ فتویٰ دے۔ جسے سلف صالحین اور خلفاء نے جاری رکھا اور اپنی رائے کو دیکھ اور اسے پھینک دے۔"

دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

"فلا تفت برأيك إلا أن تكون سنة عن رسول الله ﷺ او كتاب منزل ."❷

"تم اپنی رائے کے مطابق فتویٰ نہ دیا کرو مگر نبی کریم ﷺ کی سنت یا منزل شدہ کتاب کی رو سے فتویٰ دیا کرو۔"

جابر بن زید ابوالشعثاء بیان کرتے ہیں کہ انہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما طواف کرتے ہوئے ملے تو کہنے لگے:

"يا ابا الشعثاء إنك من فقهاء البصرة فلا تفت إلا بقرآن ناطق او سنة ماقية فانك ان فعلت غير ذلك هلكت وأهلكت ."❸

لہٰذا فتویٰ صادر کرنے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلاف کا منہج کتاب وسنت تھا، یہی دین اسلام کی اساس ہے۔

۲: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقابلہ میں کسی کا قول نہیں لیتے تھے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا تمنعوا نساءكم المساجد بالليل ."

"اپنی عورتوں کو رات کے وقت مساجد سے نہ روکو۔"

تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے نے کہا:

"لا ندعهن يتخذنه دغلا ."

"ہم ان کو نہیں چھوڑیں گے وہ اسے دھوکہ دہی بنالیں گے۔"

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کے بیٹے پر تھپڑ رسید کیا اور کہا:

---

❶ الفقيه والمتفقه ٢/٣٤٤، ٣٤٥، ط: دارابن الجوزى ز٢/١٦٣، ط: المكتبه العلمية. ❷ مسند الدارمي ١٦٥.

❸ مسند الدارمي، ١٦٦، ط: دارابن حزم الفقيه والمتفقه ٢/٣٤٤ (١٠٧٠، ط: دارابن الجوزى ٢/١٦٣، ط: المكتبة العلمية، حلية الأولياء ٣/٨٦، وفي نسخة ٣/١٠٢، ٤ ٣٣٢، ط: دارالكتب العلمية التاريخ الكبير ٢/١٨٧، تحت ترجمة جابر بن زيد ط: دارالكتب العلمية ٢/٢٠٤، ط: قديم.

"احدثك عن رسول الله ﷺ وتقول هذا."❶

"میں تمھیں رسول اللہ ﷺ سے حدیث بیان کرتا ہوں اور تو یہ بات کہتا ہے۔"

ایک روایت میں ہے:

"فما كلمه عبد الله حتى مات."❷

"عبداللہ بن عمر نے مرتے دم تک اپنے بیٹے سے کلام نہ کیا۔"

قتادہ کہتے ہیں:

"حدث ابن سيرين رجلا بحديث عن النبى ﷺ فقال رجل: قال فلان كذا وكذا فقال إبن سيرين: أحدثك عن النبى ﷺ وتقول: قال فلان وفلان كذا وكذا لا اكلمك ابدا."❸

"محمد بن سیرین نے ایک آدمی کو نبی کریم ﷺ کی حدیث بیان کی تو اس آدمی نے کہا: فلاں شخص نے اس، اس طرح کہا ہے، ابن سیرین نے کہا: میں تمھیں نبی کریم ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو کہتا ہے فلاں اور فلاں نے اس طرح کہا ہے میں تجھ سے کبھی بھی کلام نہیں کروں گا۔"

امام مجاہد بن جبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ليس أحد بعد رسول الله ﷺ إلا وأنت آخذ من قوله وتارك."❹

"نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے مگر تو اس کے قول کو لینے والا بھی ہے اور ترک کرنے والا بھی۔"

مذکورہ بالا قول کی نسبت متاخرین کے ہاں امام مالک کی طرف مشہور ہے اور امام ابن عبدالہادی نے اسے إرشاد السالك ۱/ ۲۲۷ میں امام مالک سے صحیح قرار دیا ہے اور امام ابن عبد البرؒ نے جامع بيان العلم وفضله میں اور امام ابن حزم نے الاحکام في اصول الأحكام ۲/ ۱۴۵، ۱۷۹ ناشر جامعہ ابی بکر الاسلامیہ کراچی تحقیق شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ، مجاہد اور الحکم بن عتیبہ سے اسے روایت کیا ہے۔

امام ابوداود فرماتے ہیں:

"سمعت احمد يقول: ليس أحد إلا ويؤخذ من رأيه ويترك يعنى ماخلا النبى ﷺ."❺

"میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا وہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے سوا ہر شخص کی بات کو لیا بھی جاسکتا ہے اور چھوڑا بھی جاسکتا ہے۔"

---

❶ مسند احمد ۹/۶۲، ۹/۴۵۷، ط: مؤسسة الرسالة بيهقى ۲/۱۳۲، المعجم الكبير للطبرانى ۱۲/۳۰۵، ۱۳۴۷۲، مسند طيالسى (۲۰۰۶)، ۲/۴۱۹، ط: دارالكتب العلمية وطبعة اخرى (۱۸۹۴)، مسند ابى عوانة ۱/۳۹۶، ۱۴۴۰، ط: دارالمعرفة، ۲/۶۲، ۶۳، حيدر آباد دكن)

❷ مسند احمد ۸/۵۲۷، ۴۹۳۳، ط: مؤسسة الرسالة. ❸ مسند الدارمى ۴۵۵.

❹ الفقيه والمتفقه ۱/۱۴۴، ۴۶۴، ط: دار ابن الجوزى، جامع بيان العلم وفضله ۲/۹۱، ط: دارالكتب العلمية بيروت، ۲/۱۸۲، بتحقيق ابى عبد الرحمن فواز احمد زمرلى، ط: دار ابن حزم، ص ۳۵۹، بتحقيق ابى الاشبال الزهرى ناشر، مكتبة ابن تيمية القاهرة)

❺ مسائل الامام احمد برواية ابى داؤد ص ۳۶۸، رقم: ۱۷۸۶، ط: مكتبة ابن تيمية بتحقيق أبى معاذ طارق بن عوض الله بن محمد.

امام ابوالحسن تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی امام کے پیچھے مقتدی کے لیے سورۂ فاتحہ پڑھنے کو واجب قرار دیتے ہیں اور سنت رسول ﷺ کے حوالے سے کئی ادلہ اس پر پیش کرتے ہیں اور سری اور جہری نمازوں میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے بارے میں فرماتے ہیں سری و جہری نمازوں میں قرأۃ خلف الامام کے بارے میں بہت سارے آثار صحابہ کرام اور تابعین عظام رحمہم اللہ اجمعین سے مروی ہیں اور سری و جہری نمازوں میں قرآن کے ترک پر تھوڑے سے آثار مروی ہیں جو شخص اس کے بارے میں آثار صحابہ و تابعین ملاحظہ کرنا چاہے وہ امام بخاری کی کتاب جزء القرأۃ کا مطالعہ کرلے اور اگر ہم ان آثار کا صحیح ہونا تسلیم بھی کرلیں تو یہ دیگر آثار صحابہ کے معارض ہیں۔ پھر لکھتے ہیں:

"وحينئذ نرجع الى رسول الله ﷺ الذي كان كلامه كله شفاء وهدى بأبي هو وأمي فما أحسن ما قال ابن عباس رضي الله عنهما "ليس أحد بعد النبي ﷺ إلا ويؤخذ من قول ويتدل إلا النبي ﷺ واخذ هذه الكلمة من ابن عباس مجاهد واخذ منهما مالك رحمه الله واشتهرت عنه." ❶

اس صورت میں ہم رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کریں گے جن کا کلام سارے کا سارا شفاء اور ہدایت ہے، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کس قدر اچھا کلام ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی کریم ﷺ کے بعد ہر شخص کا قول لیا بھی جاسکتا ہے اور چھوڑا بھی جاسکتا ہے۔ یہ کلمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مجاہد رحمہ اللہ نے حاصل کیا اور ان دونوں سے امام مالک نے اور پھر کلام امام سائل رحمہ اللہ سے مشہور ہوگیا۔ ❷

لہٰذا سلف صالحین نبی کریم ﷺ کی حدیث وسنت کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے شخص کے قول اور رائے کو نہیں لیتے تھے۔

۳: حصول علم کے لیے جدوجہد کرتے اور صرف ثقہ وقابل اعتماد رواۃ سے ہی دین لیتے تھے۔

۴: جس مسئلہ کے بارے کتاب وسنت میں خاموش ہوتی اس کا جواب دینے سے بچتے تھے۔

۵: عام طور پر فتویٰ صادر کرنے سے حتی الوسع گریز کرتے تھے۔

۶: صرف مفید اور عمدہ سوالات ہی پوچھا کرتے تھے لایعنی گفتگو سے اجتناب فرماتے تھے۔

۷: غیر پیش آمدہ مسائل کے بارے سوالات کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔

۸: کلمہ "لا ادری" سلف کے ہاں نصف علم کے مساوی تھا۔

۹: محض رائے زنی سے اجتناب کرتے تھے۔ قرآن وحدیث کے مقابلے میں آراء کو لینے والے لوگوں کو آئمہ مضلین قرار دیتے تھے۔

۱۰: اہل بدعت سے اجتناب کرتے تھے۔ اِلا عوام الناس کو بھی بچانے کی کوشش فرماتے تھے۔

۱۱: اتباع قرآن وحدیث سے محبت کرتے اور بدعات وہوائے نفسانیہ سے بغض رکھتے تھے۔

---

❶ فتاوى السبكي ١٣٨/١، ط: دار المعرفة، بيروت.

❷ اسی معنی کا قول امام ابن خزیمہ سے امام حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث صفحہ ۶۸۔ دار الکتب العلمیہ بیروت صفحہ ۱۴۰ ط۔ دار احیاء العلوم بیروت، صفحہ ۲۸۶ رقم ۱۹۰ ط۔ دار ابن حزم اور حاکم سے بیہقی نے المدخل الی السنن ۳۸/۱ (۲۹) ط اخوان سلف صفحہ ۶۲۔ ۲۹ ط دار الخلفاء الکتاب الاسلامی اور عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ "لا رأی احد مع سنة سنها رسول الله ﷺ" (الفقيه والمتفقه ٥٠٨ (٥٥٦) ط۔ دار ابن الجوزي ٢٠٨/١٢ ط۔ المكتبة العلمية.

۱۲: جب حدیث رسول مل جاتی تو آرائے انسانیہ کو ترک کر دیتے اور حدیث کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ان تمام نکات کے دلائل کے لیے راقم کی کتاب "آپ کے مسائل اور ان کا حل" جلد سوم ملاحظہ فرمائیں۔

تاریخ فتویٰ:

فتویٰ پوچھنے اور فتویٰ دینے کا سلسلہ تو نزول وحی کے وقت سے ہی جاری و ساری ہے جس کا تذکرہ اجمالاً ﴿یَسْتَفْتُوْنَكَ وَ یَسْتَفْتُوْنَكَ﴾ والی آیت میں موجود ہے، جنہیں پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور لوگ اپنے پیش آمدہ مسائل اور مشکل احکامات کے بارے میں شروع سے ہی فتویٰ طلب کرتے آئے ہیں اور رسول مکرم ﷺ وحی الٰہی کی روشنی میں انہیں جواب دیتے رہے اور پوری امانت دو دیانت کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے اللہ کی وحی کو لوگوں تک پہنچایا۔

آپ نے مختلف اوقات میں جو فتاویٰ صادر فرمائے وہ کتب احادیث میں مختلف مقامات پر بکھرے پڑے ہیں اور ان کا معتدبہ حصہ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین عن رب العالمین ٤/٢٦٦۔ ٤١٤۔ وفي نسخه ٩٣٣۔ ١٠٤٠ بتحقيق رائد بن صبري بن أبي علفة ط۔ دارطيبة میں ذکر فرمایا ہے اور یہ فتاویٰ جات ((فتاویٰ رسول اللہ ﷺ)) کے نام سے خلیل مامون پیچا کہ تحقیق کے ساتھ دارالمعرفۃ بیروت سے بھی طبع ہو کر منظر عام پر آ چکے ہیں۔ اور یہ کتاب اردو کے قالب میں بھی ڈھل چکی ہے۔ حدیبیہ پبلی کیشنز رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور سے مولانا جونا گڑھی رحمہ اللہ کے ترجمہ اور مولانا ابو یحییٰ محمد زکریا زاہد صاحب حفظہ اللہ کی تصحیح و اضافہ اور راقم کی تقدیم کے ساتھ طبع ہو چکی ہے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ سے پوچھے گئے سوالات کے جوابات ((موسوعة فتاوى النبي صلى الله عليه وسلم ودلائلها الصحيحة من السنة الشريفة)) کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں دارالکتب العلمیہ بیروت سے بھی طبع ہو چکے ہیں۔

نبی مکرم ﷺ کے عہد مبارک کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بہت سارے مشکل مسائل کے بارے فتاویٰ صادر فرمائے اور تابعین عظام بھی اس کا خیر سے پیچھے نہ رہے۔

((امام ابن حزم الاندلسی المتوفی ۴۵۶ھ نے ایک کتاب بعنوان اصحاب الفتیا من الصحابة والتابعين و من بعد هم على مراتبهم في كثرة الفتيا)) مرتب کی جو سید کسروی حسن کی تحقیق کے ساتھ دارالکتب العلمیہ بیروت نے طبع کی جس میں ۱۴۵۲ مفتیان کرام صحابہ و تابعین وغیرہم کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

امام ابن حزم فرماتے ہیں:

((ولقد تقصينا من روى عنه فتيا في مسألة واحدة فأكثر فلم نجد هم الا مأمة ثلاثة وخمسين بين رجل وامرأة فقط مع شدة طلبنا في ذلك و تهممنا و ليس منهم مكثرون الا سبقه فقط و هم)) عمر وابنه عبدالله، و علي و ابن عباس و ابن مسعود وام المومنين عائشة، وزيد بن ثابت و لامتوسطون فهم ثلاثة ثمر فقط يمكن ان يوجد في فتيا كل واحد منهم جزء صغير فهولاء عشرون فقط والباقون مقلون جداً فيهم من لم يروعنه الافتيا في مسئلة واحدة فقط، و منهم في مسئلتين و اكثر من ذلك يجتمع من فتيا جميعهم جزء واحد.)) ❶

❶ الاحكام في اصول الاحكام ٤/١٧٦۔

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک یا زیادہ مسائل میں فتویٰ روایت کیے گئے ہیں ہم نے ان کا اچھی طرح سروے کیا ہے ہمیں صرف ۱۵۳ مرد اور خواتین کا ذکر ملا ہے۔ باوجود اس کے کہ اس کے بارے ہمیں شدید طلب اور تلاش تھی۔ اور ان میں صرف سات صحابہ کرام ایسے ہیں جن سے کثیر تعداد میں فتاویٰ مروی ہیں اور وہ یہ ہیں۔ (۱) عمر (۲) عبداللہ بن عمر (۳) علی (۴) عبداللہ بن عباس (۵) عبداللہ بن مسعود (۶) ام المومنین عائشہ (۷) زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔

اور متوسط ۱۳ ہیں ممکن ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا مجموعہ فتاویٰ ایک چھوٹے سے جزء پر مشتمل ہو۔ تو یہ کل ۲۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوئے اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت کم فتویٰ دینے والے تھے۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جن سے صرف ایک مسئلہ میں فتویٰ روایت کیا گیا اور بعض سے دو یا اس سے زیادہ فتویٰ بیان کیے گئے ہیں۔ ان سب کے فتاویٰ جات کا ایک جزء میں مجموعہ تیار ہو سکتا ہے۔ عصر حاضر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی فتاویٰ جات کی مرتب کیا جا رہا ہے۔ اور دکتور محمد رواس قلعہ جی نے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ جات کو الگ الگ کتب میں اکٹھا کیا ہے جن کے تراجم ادارہ معارف اسلامی منصورہ سے طبع ہو چکے ہیں۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے رواعلام الموقعین (۱) کے شروع میں ہی فقہائے مدینہ، مکہ، بصرہ، کوفہ، شام، مصر، قیروان، اندلس، یمن اور بغداد کا تذکرہ کیا ہے۔ اور ان کی یہ تفصیل امام حزم رحمہ اللہ کی فراہم کردہ معلومات سے ہی ماخوذ ہے۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ دوسری صدی ہجری میں اصول وضوابط کے اختلاف کے پیش نظر فقہاء کے دو گروہ بن گئے ایک اہل حدیث کا گروہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیش نظر رکھ کر فتویٰ صادر کرتے تھے اور جب تک کسی حادثے یا واقع کا وقوع نہ ہوتا فتویٰ صادر نہیں کرتے تھے اور دوسرا گروہ اہل الرائے کا پیدا ہو گیا جن میں عراق کے لوگوں کو غالب اکثریت تھی ان کا احادیث رسول ﷺ کے ساتھ شغف کم تھا اور یہ غیر پیش آمدہ مسائل بلکہ محال اور غیر ممکن الوقوع مسائل فرض کر کے اپنی آراء کا اظہار کرتے تھے۔ جس کی تفصیل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ اس گروہ نے اپنی کتب میں بے شمار ایسے مسائل جمع کر دیے جو محض آراء وقیاسات پر ہی مبنی ہیں اور ان کی پشت پر دلائل قرآن وسنت نہیں ہیں۔ ان کی فقہی کتب کا اللہ یہ حال ہے کہ اپنے مفروضہ مسائل کے حل کے لیے موضوعات وغیرہ سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ اور ہر طرح کی رطب و یابس اور غبار آلود باتیں جمع کرتے چلے جاتے ہیں دلائل صحیحہ سے انہیں سروکار نہیں۔ مولوی حسین احمد مدنی سالار دیوبندی اپنی تقریر ترمذی میں فرماتے ہیں ''امام صاحب سے متون تو منقول ہیں دلائل منقول نہیں ہیں، لہٰذا دلائل کا تسلیم کرنا ہم پر ضروری نہیں اس سے مذہب حنفی پر کوئی زد نہیں آسکتی اور جو دلائل مذہب حنفیہ کے مطابق ہوں گے ہم ان کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔'' ❶

لہٰذا ان اصحاب الرائے کو دلائل سے غرض نہیں یہ فتاویٰ جات میں بھی اپنے امام سے منقول روایات فقیہہ کو رواج دیتے اور لکھتے ہیں۔ جبکہ اہل الحدیث کا طرز نگارش فتویٰ مرتب کرنے میں ان سے جدا اور الگ ہے۔ اہل الحدیث مفتی حتی الوسع فتویٰ مرتب کرنے میں قرآن حکیم اور احادیث وسنن رسول کو مدنظر رکھتا ہے اور اپنے فتویٰ میں قرآن وسنت کے دلائل و براہین کا اندراج کرتا ہے۔ اور سلف صالحین کا یہی طریقہ کار رہا ہے جیسا کہ کچھ اولہ ہم نے اس کے بارے اس تحریر میں درج کر دیے ہیں اہل حدیث علماء کے فتاویٰ جات کا پر مختصرا تبصرہ پڑھنے کے لیے حافظ صلاح الدین یوسف ﷾ کا مضمون ''مجموعہ ہائے فتویٰ علمائے اہل حدیث'' ملاحظہ کیجیے جو کہ

---

❶ تقریر ترمذی اردو صفحہ ۷۲ ناشر کتب خانہ مجیدیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

ہفت روزہ الاعتصام کی جلد نمبر ۶۱ شمارہ نمبر ۲۳، ۲۴، ۲۰۰۹ء میں دو قسطوں میں طبع ہوا ہے۔

سلف صالحین کی اس روش کو برقرار رکھتے ہوئے ہمارے استاذ محترم، مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد عبیداللہ عفیف حفظه الله الحفيظ وصانه من كل تهلف و تأسف و شر كل شرير۔ نے فتاویٰ جات کا سلسلہ کئی سالوں سے جاری وساری رکھا ہوا ہے جو مختلف جماعتی رسائل و جرائد، ماہ ناموں اور ہفت روزں کی زینت بنتا رہتا ہے۔

استاذ مکرم، مشفق ومحترم اپنے آباء اجداد کی سیرت وکردار کا آئینہ اور اسلاف کی پاکیزہ زندگیوں کا نمونہ ہیں اور اپنے تبحر علمی اور کمال فنی کے باعث فن فتویٰ کے آوابد وشوارد سے کما حقہٗ آگاہ اور احوال زمانہ ومآل دھر کے سر مجوب ہیں۔

اور عصر حاضر کے افضل المدرسين، عمدة المحققين، زبدة المدققين، ابرع المتفحصين اور نجم الملة والدين ہیں۔

استغنائے نفس اور پاکیزگی سیرت کی دل آویزیوں میں اتنے پرکشش ہیں کہ ان کی خوبی وزیبائی پر نگاہیں جم کر رہ جاتی ہیں، حمیت وخود داری، بلند نظری وعالی ظرفی میں موجودہ دور کے زندہ ستارے ہیں، عزت نفس اور احساس رفعت نے جوانی ہی میں سہارا دے کر وقار عظمت کی اس بلندی پر پہنچا دیا جو عمر طویل اور اس پیرانہ سالی میں بھی جذولا ینفک ہے۔

علم وفضل میں یگانہ روزگار ہونے کے باوصف ایک بہترین اور عمدہ انشاء پرداز اور بلند پایہ سخن طراز بھی ہیں۔ اور لوح ادب و شعری پر بیش بہا موتی بکھیرتے چلے جاتے ہیں اور آپ کا اکثر شعری حصہ پنجابی زبان پر مشتمل ہے۔

انہوں نے عمدہ طرز نگارش میں کئی ایک تحقیقی وعلمی نقش آرائیاں بھی کی ہیں اور جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا ہے قارئین اسے پڑھ کر ورطۂ حیرت میں گم اور استعجاب کی عمیق وادیوں میں غوطہ زن ہو جاتے ہیں، ان کی تحریریں پڑھ کر الفاظ ومعانی کی مجسم تعبیریں نگاہوں کے سامنے گردش کرنے لگتی ہیں۔ اور سالہا سال سے درس بخاری ارشاد فرما رہے ہیں اور درس بخاری کے دوران طلباء کا راتوں کا مطالعہ ایک منٹ میں کافور ہو جاتا ہے۔ اور احادیث کی تطبیق، الفاظ کی تعلیق، معانی ومفاہم کا ابہام، اشکالات واعتراضات کا غموض واخفاء بڑے احسن پیرائے میں حل فرماتے ہیں، اور ذہین وفطین طلباء کی تسلی وتشفی بڑے آرام سے کر دیتے ہیں، ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہزاروں طلباء وطالبات ان کے علوم ومعارف کو سموئے ہوئے ہیں۔ راقم الحروف کو صحیح البخاری وغیرہ کا درس حضرت استاذ سے حاصل کرنے کا شرف عظیم ملا ہے۔ اور ان کا دیت وشفقت، غصہ وغضب پر شفقت لیے ہوئے ہے راقم کے ساتھ اگرچہ بعض اوقات بعد ملاقات کی وجہ سے ناراضگی کا اظہار فرماتے ہیں لیکن اللہ شاہد ہے استاذ محترم کا غصہ اپنے لیے عنبر وکستوری سے بھی زیادہ قیمتی اور سبق آموز پاتا ہوں۔ ملک کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی دعوتی، تحریری، تقریری اور تدریسی ذمہ داریاں ملاقات میں آڑے آتی رہتی ہیں ورنہ ان سے بعد اور دوری میرے لیے نا قابل برداشت ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھ آثم وگناہ کو معاف فرما کر اپنے روحانی والد کی کما حقہ خدمت کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

ان کا زیر نظر فتاویٰ ان کی سنجیدگی فکر اور عمیق نظروں کا گنجینہ، اسرار ومعارف کا دفینہ، غوامض مبہمہ کے کشف کا آئینہ، رفع اشکالات وحل تعارضات کا خزینہ اور علوم کتاب وسنت کا نگینہ اور علم وآگہی کا زریں زرینہ ہے۔

اگرچہ بعقل ذہنی کی زد سے باری تعالیٰ کے سوا کوئی محفوظ نہیں لیکن یہ فتاویٰ کئی لحاظ سے دیگر پر ممتاز وفائق ہے۔ اللہ مالک

الملک راقم الحروف کو ان کے ازھار متناثرہ، علم و معرفت کے مہابط کاثرہ، نظر و فکر کے ینابیع عاذبۃ، فقہ و فتاویٰ کے چشمہ صافیہ سے بہرہ مند ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور دیگر اصحاب و تلامذہ طالبات کو بھی ان کی طرح دین اسلام کی خدمت کرنے کی توفیق عنایت فرمائے آمین۔

اور استاذ محترم کے فتاویٰ جات کو اللہ تعالیٰ ہر خاص و عام کی رشد و ہدایت، فوز و فلاح، اور کامیابی و کامرانی کا ذریعہ بنائے اور مؤلف کے لیے توشۂ آخرت اور فردوس اعلیٰ کا وسیلہ و کفیلہ ثابت کرے۔ آمین

ابوالحسن مبشر احمد ربانی
رئیس مرکز الحسن سبزہ زار و المرکز الاسلامی
لاہور



بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

ان دو جلیل القدر، نمونہ سلف اور رحیم وشفیق ہستیوں کے نام

ایک وہ کہ جنھوں نے اپنے علمی اور تدریسی تجربہ کے مطابق مجھے بچپن سے کھیل وکود سے بیگانہ رکھ کر اپنی دینی، تعلیمی اور اخلاقی و روحانی تربیت سے علم ومطالعہ کا خوگر بنادیا۔ جن کے صائب مشورے میری زندگی کے ہر مرحلہ مینارۂ نور ثابت ہوئے اور جن کی مخلصانہ دعاؤں کے اثر سے یہ علمی ورثہ منصۂ شہود پر لانے کی مجھے من جانب اللہ توفیق ملی۔ یہ تھے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد حسین جتوئی فیروز پوری المتوفی ۱۹۹۲ادخله الله جنة الفردوس۔ آمین

دوسری صابرہ شاکرہ، پیکر عفت وعصمت، خوگر قناعت وشکیبائی، شب زندہ دار اور تلاء القرآن خاتون میری والدہ محترمہ رحمہا اللہ۔ جنھوں نے گھر معاشی ناہمواری کے باوصف تنخواہ کا کبھی مطالبہ نہ کیا تھا اور جن کی بکرۂ وّ اصیلاً مسلسل مخلصانہ دعاؤں اور شب خیزی کی سسکیوں کو اللہ تعالیٰ نے اتنی پذیرائی بخشی کہ منجملہ خدام حدیث نبوی میرا نام بھی لیا جانے لگا اور ایک محتاط اندازے کے مطابق چالیس دفعہ صحیح البخاری پڑھ چکا ہوں۔ والحمد لله على ذالك وما توفيقى الا بالله۔

مگر افسوس کہ درس وتدریس کے سلسلے میں گھر سے باہر رہا ہوں، اس لیے میں ان کی کماحقهما خدمت سے عہدہ برآ نہ ہوسکا۔ تاہم بتوفیق اللہ جو کچھ مجھ سے ہوسکا عمداً اس میں کوتاہی نہیں کی۔

رب ارحمهما كما ربياني صغيرا۔ اللهم اغفرلهما وارحمهما وادخلهما جنة الفردوس برحمتك يا ارحم الراحمين . آمين

بگیر ایں ہمہ سرمایہ بہار از من
کہ گل بدست تو از شاخ تازہ ترماند

محمد عبیداللہ خاں عفیف

بن الشيخ محمد حسين غفرله ولوالديه ولاخيه يونس

۱۴۳۰/۸/۲۳ھ



مولانا مفتی عبید اللہ عفیف حفظہ اللہ

واجب الاکرام مولانا عبید اللہ عفیف
اپنے آبا کی مکرم عظمتوں کی یادگار
صورت وا اطوار و سیرت میں ہمہ پہلو حنیف
یعنی وہ ابن شریف، ابن شریف ابن شریف

حامل صدق و صفا وہ صاحب فکر و نظر
دین و دنیا کے مسائل پر نگورس کی بلند
مفتی نکتہ طراز و فاضل حکمت نگر
اس کے فتوے دلکشا، تحقیق اس کی پُر اثر

خوش نہاد و خوش خصال مقال و خوش ادا
صاحبان علم کی محفل میں مردِ خوش کلام
پاک زاد وا پاک ذات و پیکر صدق و صفا
دلکش انداز تکلم، جاں فزا نطق و نوا

مسلک حق کا مبلغ اور سلف کا مدح خواں
ایک دقیقہ رس خطیب و عالم رمز آشنا
حق پسند و حق شناس و حق نگار و حق بیاں
سنت و قرآن کے علم و عمل کا نکتہ داں

ہم نشینوں کے لیے ہے اک رفیق دل رُبا
اس کی فطرت میں ہمیشہ سے وقار و تمکنت
آشنائے پرخلوص و رہنمائے بے ریا
اور تملق سے ہمیشہ بے نیازی کی ادا

مسئلے اس کے قلم کی نوک پر نور آفریں
نغز گوئی اس کی ہوتی ہے دلوں میں غوطہ زن
شاعری پنجاب کی اس کی زباں پر دل نشیں
اس کا پیرائے سخن ہے مظہر انوار دیں

یہ سوادت ہے جو کرلوں مدحت رجل رشید
میں نے جیسا اس کو پایا لکھ دیا ہے جوں کا توں
میں بھی شاید اس کی نسبت سے بنوں مرد سعید
اس گرامی قدر کی تمکین ہے دل میں شدید

علیم ناصری
۵ مارچ ۹۴ء

کتاب التاریخ

ایک عالم دین باعمل اور مبلغ وداعی حضرت مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ: میانہ قد' سرخ وسپید رنگ' کشادہ جبیں' خوبصورت ناک' سیاہ آنکھیں' جن میں شب زندہ داری کے سرخ سرخ ڈورے پڑے ہوئے' متناسب اعضا' گٹھا ہوا جسم' قبضہ سے فرواں حنائی ڈاڑھی' سیدھی مانگ والے پٹے دار سرخ بال' اجلا سفید لباس' تہبند ٹخنوں سے اٹھا ہوا' سفید عمامہ' آواز میں حلاوت' گفتار میں رزانت' چال میں متانت' اور باوقار شخصیت ۔ یہ تھے جماعت اہل حدیث ضلع فیروز پور کے عالم باعمل اور مسلک اہل حدیث کی داعی مولانا محمد اسماعیل خاں بلوچ صاحب جن کا انتقال آج سے ۲۵ برس پیشتر ۱۹۶۸ء کو ہوا۔

مقام ولادت: موضع کٹی بلوچاں علاقہ منڈی گرو ہرسائے ضلع فیروز پور مشرقی پنجاب تاریخ ولادت نامعلوم ۔

والد کا نام اور خاندان کے دوسرے بزرگ: والدگرامی کا نام میاں محمد امین خاں بن پنوں خاں بن میاں محمد عظیم خاں بن رستم خاں جتوئی رحمہم اللہ ۔ آپ کا خاندان میر جلال خاں بلوچ کے منجھلے صاحبزادے میر جاتن کی اولاد ہونے کے ناطے جتوئی بلوچ کہلاتا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار میاں محمد امین خاں رحمہ اللہ اگرچہ بڑے عالم دین تو نہ تھے مگر متشرع' متورع عابد و زاہد' شب زندہ دار اور تالی للقرآن انسان تھے۔اس طرح آپ کے پردادا جناب میاں محمد عظیم خاں رحمہ اللہ مستجاب الدعوات' باکمال اور مرجع خلائق بزرگ تھے ۔

مسلک اہل حدیث: اس خاندان میں سب سے پہلے مسلک اہل حدیث کو اپنانے والے میاں علی محمد خاں رحمہ اللہ تھے، پھر ان کی تحریک وتسویق پر اہل حدیث مسلک قبول کرنے والے راقم کے نانا اور مولانا محمد اسماعیل کے برادر بزرگ میاں محمد ابراہیم خاں رحمہ اللہ ہیں۔

آپ بڑے متبع سنت' متورع اور ذاکر وشاکر ہونے کے علاوہ شب زندہ دار بارعب و باوقار شخصیت تھے، اگرچہ آپ مستند عالم تو نہ تھے، تاہم مترجم قرآن مجید' سلسلہ کتب اسلام مولانا رحیم بخش لاہوری' تفسیر محمدی زینت الاسلام' احوال الآخرۃ، تصنیفات حافظ محمد لکھوی کے مطالعہ سے دین کی بہت کچھ واقفیت حاصل کر لی تھی ۔ بعدازاں تو اتنا پڑھ لکھ لیا تھا کہ عربی مشکوٰۃ سے مطلوبہ مسئلہ دیکھ لیتے تھے۔ ناظرہ قرآن مجید' احوال الآخرۃ زینت الاسلام اور تفسیر محمدی تا دم واپسیں برابر لوجہ اللہ پڑھاتے رہے ،چند ایک افراد کے علاوہ گاؤں کے تمام مرد اور عورتیں آپ ہی کے شاگرد ہیں ۔فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بجا لانے میں اتنے جسور اور غیور واقع ہوئے کہ آپ کے دور سیادت میں گاؤں میں کبھی ڈھول تک نہ بجے ،سوائے کبڈی اور کشتی اور گولہ پھینکنے کے تمام غیر شرعی کھیلوں پر مکمل قدغن تھی ۔غرضیکہ شرائع اسلام کی پابندی کے لحاظ سے پورے علاقہ میں ہمارا گاؤں ایک مثالی گاؤں سمجھا جاتا تھا۔مگر افسوس کہ تقسیم ملک کے بعد بوجوہ یہ حالت قائم نہ رہ سکی۔ آپ کا انتقال پرملال غالباً ۱۹۵۳ء میں ہوا "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ الْفِرْدَوْسِ" آمین ثم آمین ۔

تعلیم: ناظرہ قرآن مجید گھر پر ہی پڑھا۔ جب قرآن مجید پڑھ چکے تو میاں محمد ابراہیم نے اپنے اس ہونہار بھائی کو مولانا محمد

یوسف رحمہ اللہ بگھیلوی کی خدمت میں بھیج دیا۔ ان سے کسب فیض کے بعد آپ نے سہارنپور، دیوبند اور مدرسہ نذیریہ دہلی میں تعلیم کی تکمیل فرمائی۔

اساتذہ: اساتذہ میں مولانا احمد اللہ محدث دہلوی، مفتی محمد یوسف بگھیلوی اور مولانا عبدالرحمٰن محدث پنجابی کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

احیائے سنت پر دارالعلوم دیوبند سے اخراج: ہمارے گاؤں سمیت علاقہ بھر کے جملہ مسلمان حنفی مسلک تھے اور تقلید جامد کے ناطے سے اس نواح کے دیہات میں کہیں بھی جمعہ پڑھنے کا رواج نہ تھا۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد اسماعیل جب علم مشکوۃ نبوت (حدیث) سے روشناس ہوئے تو انہوں نے بلاکسی تاخیر کے دوران تعلیم ہی دیہات میں اقامت جمعہ کی سنت کا احیاء کرتے ہوئے اپنے گاؤں میں نماز جمعہ کی طرح ڈال دی۔ جب چھٹی پر گھر آتے تو خود جمعہ پڑھاتے اور چھٹی ختم ہونے پر جمعہ پڑھانے کی ذمہ داری اپنے برادر بزرگ میاں محمد ابراہیم اور میاں علی محمد پر ڈال جاتے۔ والد بزرگوار حضرت مولانا محمد حسین رحمہ اللہ کے مطابق منڈی گروہرسائے کے تقلید و جمود کے مریض مولوی محمد اکرم دیوبندی حنفی نے دارالعلوم دیوبند کے ناظم کو لکھا کہ مولوی اسماعیل بلوچ فیروز پوری نے اپنے گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنے کا آغاز کر کے مذہب حنفی کے خلاف محاذ کھول دیا ہے۔ اس کی اطلاع جب دارالعلوم کے غالی اساتذہ کو پہنچی جہاں آپ زیر تعلیم تھے تو اس سنت کے احیاء کے جرم کی پاداش میں آپ کو دارالعلوم سے نکال دیا گیا۔ دارالعلوم دیوبند میں اطلاع دینے والا مولوی اکرم دیوبندی تھا جو کہ منڈی گروہرسائے کا خطیب اور امام مسجد تھا۔

تدریس اور دعوتی خدمات: دہلی سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ اپنے گاؤں موضع گٹی بلوچاں ضلع فیروزپور مراجعت فرما ہوئے۔ آپ کا یہ گاؤں جس علاقہ میں واقع تھا وہ شرک و بدعت کے ساتھ ساتھ جہالت اور خرافات کا بھی مرکز تھا۔ تقلید شخصی اور جمود مذہبی نے لوگوں کو کتاب و سنت سے اتنا بیگانہ کر رکھا تھا کہ ان پر عمل کرنا تو بہت دور کی بات اکثریت ان دونوں کے نام سے بھی ناآشنا تھی۔ یہ علاقہ اپنی فکری کج روی اور عملی پراگندگی کے لحاظ سے نہ جانے کب سے کسی عالم کی اصلاحی اور دعوتی سرگرمیوں کا منتظر چلا آ رہا تھا۔ چونکہ قسام ازلی نے یہ سعادت عظمیٰ مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ کے حصے میں لکھ رکھی تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنے ریگستانی گاؤں میں بیٹھ کر کتاب و سنت کی دعوت کا آغاز کر دیا، چونکہ آپ کی تبلیغ خالص لوجہ اللہ تھی۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں گاؤں کی دینی حالت میں خوشگوار عملی انقلاب آ گیا۔ عقائد کی اصلاح ہوئی۔ شرک و بدعت کی جگہ توحید و سنت کے چرچے ہونے لگے۔ تقلید و جمود کی خزاں کی جگہ عمل بالکتاب والسنہ کی ایمان افروز باد بہاری چلنے لگی۔ متعدد غیر مسلم افراد آپ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام بھی ہوئے ان میں ایک نو مسلم کو میں نے خود بھی دیکھا ہے کہ آپ نے ان کا نام عبداللہ رکھا تھا اور وہ مسجد میں ہی رہا کرتا تھا۔ جن دنوں یہ صاحب مسلمان ہوئے تھے میں ان دنوں چھوٹی عمر میں تھا، سنا ہے کہ وہ مجھے اٹھا کر خوب لوریاں دیا کرتے تھے۔ لمبے اور طویل القامت گورے رنگ کے جوان رعنا تھے۔

جب وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ پر عمل ہو چکا اور پورا گاؤں اہل حدیث بن چکا تو آپ نے دعوت و تبلیغ کے دائرے کو وسعت دیتے ہوئے قرب و جوار کے دیہات کے باسیوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح کا کام شروع کر دیا۔ جس کے نتائج بڑے حوصلہ افزا نکلے۔ یعنی آپ کی تبلیغ اور مساعی جمیلہ سے ضلع فیروزپور کے متعدد دیہات میں پابندی کے ساتھ نماز جمعہ پڑھی جانے لگی۔ جن میں چک ندھانہ، لوہکے، موٹھانوالا، شریہہ والا، موضع تلے والی، موضع ارائیاں والا، موضع مہلت، جھگیاں سروپ سنگھ اور موضع جھب لٹی شامل

ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صاحب کو لحن داؤدی سے خوب نوازا تھا۔ وعظ کی زبان بھی پنجابی ہوتی تھی، اس لئے مسلمانوں کے علاوہ علاقہ کی سکھ قوم بھی آپ کا وعظ بڑے شوق سے سنتی تھی۔ بلکہ وہ کبھی کبھار اپنے ہاں بلا بھی لیتے تھے' اور کھاتے پیتے گھرانوں کے تین سکھ آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام بھی ہو گئے تھے۔ تبلیغ وارشاد کے ساتھ ساتھ درس وتدریس کا نیک شغل بھی عمر بھر جاری رکھا۔ اگرچہ آپ نے کسی بڑے مدرسہ کی تو طرح نہیں ڈالی تھی۔ تاہم کچھ طالب علم آ جاتے تھے تو آپ ان کو ان کی طلب اور استعداد کے مطابق اسباق شروع کرا دیتے تھے۔

زیادہ تر سنن اربعہ مشکوٰۃ المصابیح، بلوغ المرام اور ترجمۃ القرآن معہ تفسیر آخر دم تک پڑھاتے رہے، تاہم صحیح بخاری بھی ایک دفعہ پڑھا چکے تھے، سوالات کا جواب بھی لکھتے تھے۔ اور علاقہ بھر میں آپ کے فتاویٰ سند مانے جاتے تھے۔ مگر افسوس! ان کا ریکارڈ موجود نہیں۔ (ریکارڈ تو موجود تھا پارٹیشن کے موقع پر معہ قیمتی لائبریری فیروز پور (مشرقی پنجاب) اپنے گاؤں کئی بلوچاں چھوڑ آئے تھے۔

حدود اللہ کا نفاذ: آپ نہ صرف سوالات کے جواب لکھتے تھے بلکہ شراب اور زنا کے مرتکبین کی خواہش پر انہیں حدیں بھی لگاتے تھے۔ کئی ایک شرابی وغیرہ پاک ہونے کے لئے آتے یا لائے جاتے تو ہمارے دادا جی ان پر حدیں جاری کرتے تھے۔ ایسا کئی بار ہوا۔

تلامذہ: مولانا فقیر اللہ بن صوفی کمال الدین ڈوگر آف جھنیانوالی، مولوی خوشی محمد' مولوی محمد علی انصاری' مولوی غلام رسول اور مدرسہ جھوک دادو وطور کے بانی اور پنجاب کے مشہور عالم دین جناب میاں محمد باقر طور رحمہ اللہ اور راقم کے والد محترم مولانا محمد حسین رحمہ اللہ اور گاؤں کے بیسیوں اشخاص۔

ہجرت: تشکیل پاکستان پر آپ ہجرت کر کے چک نمبر ۵۳۱ گ ب ضلع فیصل آباد آ کر آباد ہو گئے، اس گاؤں میں کوئی مسجد نہ تھی کہ پورا گاؤں سکھوں کا تھا، آپ نے آتے ہی جامع مسجد اہل حدیث کی بنیاد رکھی۔ مرض الموت تک آپ برابر اس مسجد کے خطیب اور امام رہے۔

نماز اور ڈاڑھی کی اہمیت: یوں تو آپ رسول اللہ ﷺ کی تمام سنن ثابتہ پر عمل کرنے کی دعوت میں عمر بھر مصروف رہے، تاہم بالخصوص نماز پنج گانہ اور ڈاڑھی بڑھانے کی تو بہت ہی تاکید فرماتے تھے۔ بلکہ جمعہ اور عیدین کے اجتماعات میں نماز قائم کرنے اور مسنون ڈاڑھی رکھنے کی بیعت بھی لیتے تھے اور یہ سلسلہ اتنا مفید اور بارآور ہوا کہ بدوی نہاد بلوچ بارلیش نمازی بن گئے۔ ڈاڑھی منڈوں سے سخت نفرت کرتے تھے۔

ذوق عبادت: فرائض وسنن کے پابند تو تھے ہی قیام اللیل (شب خیزی) اور نماز اشراق کا بھی عمر بھر التزام رکھا۔ نماز باجماعت اور وقت کی پابندی کے ساتھ ادا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے حتیٰ کہ اگر آپ کبھی کھیت یا سفر میں اکیلے ہوتے اور نماز کا وقت آ جاتا' تو اذان پڑھ کر اکیلے ہی جماعت کرا لیتے اور نماز صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِيْ أُصَلِّي کی مکمل طور پر آئینہ دار ہوتی۔ یعنی تعدیل ارکان' فرائض' سنن اور خشوع وخضوع کی پوری پابندی کے ساتھ لمبی قراءت والی نماز پڑھنے کے خوگر تھے۔ میرا بارہا کا مشاہدہ ہے کہ آپ پیرانہ سالی کے باوصف نماز فجر کی دونوں رکعتوں میں سورۂ یٰسین' سورۂ واقعہ' سورۂ مریم ایسی دو سورتیں اکثر پڑھا کرتے تھے۔

آپ کی قراءت اگرچہ سادہ ہوتی تھی، تاہم مخارج حروف کا بھی حتی الوسع خیال رکھتے تھے۔ چونکہ آپ بلا کے خوش آواز اور پھر آپ کی لے بھی پرسوز ہوتی تھی۔ اس لئے تمام مقتدی گوش برآواز رہنے کی وجہ سے طوالت قراءت کا شکوہ نہیں کرتے تھے۔ وقت پر نماز ادا کرنا تو گویا آپ کی روح کی غذا بن چکی تھی۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ آپ تقریباً دو برس صاحب فراش رہے اس کے باوجود آپ کی

صرف ایک نماز قضا ہوئی جبکہ آپ بیمار تھے۔ اور دیکھ بھال پر آپ کی بھتیجی (راقم کی والدہ ماجدہ ﷫) نے اس رات کو فجر کی نماز کے لئے اٹھانا مناسب نہ سمجھا' جب بیدار ہوئے تو نماز فجر فوت ہو جانے پر آپ دیر تک زار وقطار روتے رہے۔ تلاوت قرآن مجید سے بھی بے پناہ شغف اور لگاؤ تھا۔ نماز فجر کے بعد معمول کی تلاوت سے آپ کی زبان تر رہتی تھی، قرآن کا اکثر حصہ یاد تھا، جب فالج کی وجہ سے آپ کی زبان بند ہوگئی تھی جس کی وجہ سے آپ دو سال صاحب فراش رہے تو یہ قرآن مجید سے والہانہ تعلق خاطر ہی کی برکت تھی کہ جب نماز پڑھنے لگتے تو قرآن اور تسبیحات کے لئے زبان چل پڑتی اور جونہی نماز سے فارغ ہوتے تو زبان پھر بند ہو جاتی۔

بالآخر ۲۶ اکتوبر ۱۹۶۸ کو آپ انتقال فرما گئے، نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحب زادہ (راقم کے والد محترم) مولانا محمد حسین ﷫ نے پڑھائی۔

ذریعہ معاش: والد بزرگوار ﷫ کی چھوڑی ہوئی تھوڑی سی زرعی اراضی کے مالک تھے۔ اور دونوں بھائی اکٹھے تھے، تاہم کھیتی باڑی کا کام زیادہ تر آپ کے بڑے بھائی میاں محمد ابراہیم (راقم کے نانا جی) ہی کرتے تھے۔ چنانچہ اس سے جو آمدنی حاصل ہوتی تھی بس اس پر گزر بسر کرتے تھے، کبھی کبھار مویشیوں کا بیوپار بھی کر لیتے تھے۔

سیرت و کردار: طبیعت کے نہایت ہی خوددار تھے، علم کو کبھی جلب مال کا ذریعہ نہیں بنایا، ساری عمر کچے مکان میں روکھی سوکھی کھا کر گزار دی، قلیل الوسائل ہونے کے باوجود دل کے غنی اور بڑے مہمان نواز تھے، زبان کبھی بدگوئی اور گالی گلوچ سے آلودہ نہیں ہوئی۔ شہرت سے بھی ہمیشہ گریزاں رہے۔ آخری عمر میں خشیت الٰہی کا بڑا غلبہ ہو گیا تھا۔ تلاوت قرآن کے وقت ہچکیاں بندھ جاتی تھیں اور خطبات جمعہ میں بھی فکر آخرت اور دنیا کی بے ثباتی بیان فرماتے۔ بہرحال ان کی موت موت العالِم موت العالَم کے مصداق تھی۔ جو صرف اہل خاندان ہی کے لئے نہیں بلکہ پوری جماعت کے لئے ایک علمی حادثہ تھا۔ غَفَرَاللّٰهُ لَهٗ وَ نور مَضْجَعَهٗ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ الْفِرْدَوْسِ! آمِيْنَ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

حالات زندگی والد بزرگوار مولانا محمد حسین بلوچ رحمہ اللہ

چوکھٹا، میانہ قد، گندمی رنگت، کشادہ پیشانی، خوبصورت ناک، موٹی موٹی سیاہ آنکھیں جن میں شب زندہ داری کے سرخ سرخ ڈورے پڑے ہوئے۔ سیدھی مانگ والے سیاہ وسپید بال۔ لمبا اور ڈھیلا ڈھالا سفید لباس مگر تہبند ٹخنوں سے اٹھا ہوا۔ کپڑے کی ٹوپی پر سفید دستار' گفتار میں حلاوت۔ لہجہ میں رزانت، آواز میں دھیما پن۔ مزاج کے لحاظ سے بے تکلف اور بیباک' سادا بود و باش اور نہج کف صالحین کی چلتی پھرتی تصویر۔ یہ تھے ہند و پاکستان کی جماعت اہلحدیث کے ایک گوشہ نشین عالم دین اور راقم السطور کے والد بزرگوار مولانا محمد حسین بلوچ رحمہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ۔

مقام ولادت: آپ موضع کوٹی بلوچاں علاقہ منڈی گرو ہرسائے، تحصیل مکتسر ضلع فیروز پور مشرقی پنجاب اور ان کی اپنی لکھی ہوئی تحریر کے مطابق تاریخ ولادت ۱۹۱۰ء واللہ اعلم۔

خاندان اور آباء و اجداد: محمد حسین بن مولانا الحاج محمد اسمٰعیل بن میاں محمد امین خان بن پتو خان بن میاں محمد عظیم خان بن رستم خان بن غریب نواز خاں۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

آپ کا خاندان میر جلال خاں بلوچ رحمہ اللہ کے کھلے صاحب زادے میر جاتن خان رحمہ اللہ کی اولاد ہونے کے ناطے سے جتوئی بلوچ کہلاتا ہے۔ آپ کے والد گرامی مولانا محمد اسماعیل خان جماعت اہلحدیث مشرقی پنجاب کے جید اور مقتدر عالم دین اور سہارن پور اور دھلی کے مشہور مدارس دینیہ سے فارغ التحصیل تھے۔ شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ محدث پرتاپ گڑھی ثم دھلوی سے سند اجازت رکھتے تھے۔ ضلع فیروز پور مشرقی پنجاب کی بلوچ برادری انہی کی تبلیغ اور مساعی جمیلہ سے سلفی العقائد بنی تھی۔ آپ کے دادا میاں محمد امین خاں اگرچہ معروف اصطلاح کے مطابق کوئی بڑے عالم دین تو نہ تھے تاہم بڑے خوش اخلاق' کم گفتار، سلفی العقیدہ، متبع سنت' زہد وورع کے پیکر' شب زندہ دار اور فنا فی اللہ بزرگ تھے۔ تلاوت قرآن مجید تو ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ حتیٰ کہ ہل چلاتے اور دوسرے کام کاج کرتے وقت تلاوت قرآن سے رطب اللسان رہتے تھے۔ گویا

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام اپنے ہی کام سے
تیرے ذکر سے تیرے فکر سے تیری یاد سے تیرے نام سے

اسی طرح آپ کے تیسرے دادا میاں محمد عظیم خاں بھی مستجاب الدعوات اور مرجع الخلائق حنفی العقیدہ بزرگ تھے۔

تعلیم و تربیت: گھر میں پہلے سے علمی ماحول موجود تھا۔ اس لئے آپ نے مکتبی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ پہلے اپنے دادا میاں محمد امین خاں سے ناظرہ قرآن مجید پڑھا۔ پھر کریما، نام حق، شیخ عطار، تحفۃ النصائح، گلستان سعدی، بوستان، فقہ محمدیہ وغیرہ کتابیں والد بزرگوار مولانا محمد اسماعیل خاں سے پڑھیں۔ چونکہ والد بزرگوار وعظ وتبلیغ اور نجی کام کاج کی وجہ سے غیر حاضر رہنے لگے تھے اور یوں تعلیم کا سلسلہ قائم نہ رہتا تھا۔ اس لئے آپ حافظ عبدالمنان آف ساہیوال کے والد محترم حضرت مولانا عبداللہ شہید موضع کھپیانوالی ضلع

فیروز پور کے مدرسہ نصرۃ الاسلام میں جا کر داخل ہو گئے۔ وہاں پوری صرف و نحو شافیہ، کافیہ، بلوغ المرام، مشکوٰۃ المصابیح اور سنن ابن ماجہ حضرت مولانا عبداللہ شہید سے۔ سکندر نامہ، زلیخا، قدوری، کنز الدقائق ان کے چھوٹے بھائی مولانا محمد صاحب سے پڑھیں۔ ازاں بعد حصول علم کے لئے دھلی چلے آئے اور شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین محدث دھلوی رحمہ اللہ کے مشہور مدرسہ نذیریہ میں داخلہ لے لیا۔ وہاں مولانا تاج دین بریلویؒ حنفی سے کتب منطق، علم بلاغت کی کتاب مختصر المعانی اور سراجی کا درس لیا اور مولوی رؤوف الحسنؒ دیوبندی سے شرح وقایہ، ھدایہ اور نور الانوار پڑھیں۔ اس وقت یہ دونوں بزرگ مدرسہ نذیریہ میں مدرس تھے، جامع الترمذی، سنن ابی داؤد، صحیح مسلم۔ شرح جامی اور جلالین نصف اول مولانا محمد یونس دھلوی ثم کراچوی سے پڑھیں اور جلالین نصف آخر مولانا احمد اللہ محدث پرتاپ گڑھی ثم دھلوی سے پڑھ کر ان سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ پھر جماعت اہل حدیث ہندو پاک کے مفتی محدث شہیر جناب ابوسعید شرف الدین محدث دھلوی رحمہ اللہ سے صحیح البخاری پڑھ کر سند اجازت حاصل کی۔ صحیح بخاری کا امتحان حضرت حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ نے لیا تھا اور اچھے نمبروں میں پاس ہونے کی بنا پر مدرسہ کی جانب سے کتاب تقریب التہذیب۔ کتاب الوسیلہ وغیرہ بطور انعام حاصل کیں۔

تقلید شخصی اور خانما بربادی: نہ جانے تقلید شخصی کے بندھنوں کی وجہ سے کتنے ہنستے کھیلتے آباد گھر برباد اور اجڑ چکے ہیں۔ ان کا صحیح علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اس طرح کا ایک واقعہ اباجی بیان فرمایا کرتے تھے کہ میں جن دنوں مدرسہ نذیریہ دھلی میں زیر تعلیم تھا۔ تو میرے استاذ محترم مولوی تاجدین بریلوی نے گھریلو ناچاقی اور عدم موافقت کی وجہ سے تنگ آ کر اپنی بیوی کو یکجائی تین طلاقیں دے ڈالیں۔ غصہ فرو ہونے کے بعد کف افسوس ملنے لگے۔ مولانا رؤوف الحسن دیوبندی اور میں نے ان کو حدیث رسول ﷺ پر عمل کرنے کا مشورہ دیا کہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۷ میں مروی ابن عباس کی مشہور حدیث کے مطابق ایک رجعی طلاق واقع ہوئی ہے آپ شرعاً رجوع کر سکتے ہیں۔ مگر ان کے دماغ میں خم تقلید کی مستی سما چکی تھی۔ فرمانے لگے کہ بھائی حنفی مقلد ہوں۔ لہٰذا اب تو میرے لئے حلالہ کے بغیر کوئی چارہ باقی نہیں رہا۔ بالآخر انہوں نے ایک اہلحدیث طالب علم کے ساتھ اپنی یکجائی مطلقہ ثلاثہ بیوی کا نکاح اس شرط سے کر دیا کہ چند دنوں کے بعد وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے گا۔ تاکہ مولوی صاحب اس سے دوبارہ نکاح کر سکیں۔ تخلیہ اور زن شوئی کے لئے اس جوڑے کو اپنے گھر کی چابیاں بھی سنبھال دیں۔ اور خود میرے حجرے میں قیام کرنے لگے۔ اس نئے جوڑے کی آپس میں بطور میاں بیوی اتنی گاڑھی چھنی کہ وہ اپنی بیوی کے اجبار پر نہ صرف راولپنڈی چلا آیا بلکہ جاتے وقت یہ جوڑا مولوی صاحب کے گھر کا تمام اثاثہ، زیور اور مبلغ ڈیڑھ ہزار روپے بھی لے گیا اور مولوی صاحب منہ سر پیٹ کر رہ گئے۔

فراغت کے بعد: حصول تعلیم سے فراغت کے بعد شہر لدھیانہ میں میاں غفور علی کے مدرسہ رحمانیہ میں مدرس اور خطیب مقرر ہو گئے۔ وہاں صرف و نحو کی کتب متداولہ کے علاوہ مشکوٰۃ المصابیح سنن ابن ماجہ، جامع الترمذی پڑھاتے رہے۔

پھر حافظ محمد موسیٰ اوڈ رحمہ اللہ کی ترغیب پر چک 99/R-5 متصل شہر ہارون آباد چلے آئے۔ یہ گاؤں اوڈ برادری نے نیا نیا آباد کیا تھا۔ وہاں نہ صرف جماعت اہل حدیث نہ تھی بلکہ اس میں کچی مسجد بھی نہ تھی۔ اللہ کا نام لے کر دعوت و ارشاد کا کام شروع کر دیا۔ اور تھوڑے وقت میں مسجد اہل حدیث پختہ تعمیر کرا دی اور اللہ کے فضل سے علاقہ میں مسلک اہل حدیث کا چرچا بھی پھیل گیا۔ وہاں پورے دو برس دعوت و تبلیغ کا کام کرنے کے بعد پھر اپنے گاؤں واپس آ گئے اور والد مرحوم کے چھوٹے سے مدرسہ میں تدریس میں مشغول ہو گئے اور روزگار کے لئے ایک چھوٹی سی دکان کھول لی اور کئی برس درس نظامی کی تدریس میں مصروف رہے۔ ازاں بعد موضع بڈی والا کی

مجھ برادری کی دعوت پر ان کے ہاں چلے آئے۔ اور وہاں دو برس تک امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو تشکیل پاکستان پر ہجرت کر کے چک 531 گ ب ضلع فیصل آباد (لائلپور) آ کر آباد ہو گئے۔ اور والد گرامی کے ساتھ مل کر مسجد اہلحدیث تعمیر کی اور وہاں دینی کتابوں کی تدریس شروع کر دی۔ بعدازاں ایک اور مسجد اہلحدیث کی ضرورت پڑنے پر گاؤں کے جنوب میں مسجد محمدی تعمیر کر کے وہاں امامت وخطابت اور مکتبی تعلیم کے نیک شغل میں تاحیات مستعار لوجہ اللہ مصروف رہا کیے۔

سیرت و کردار: اپنے گاؤں میں قیام کے دوران اپنے والد گرامی قدر مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ کے معاون بن کر مسلک اہل حدیث کی تبلیغ واشاعت میں مقدور بھر کوشاں رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت سے منڈی گرو ہرسائے اور جلال آباد کے درمیانی خطے میں شرک و بدعت اور تقلید وجمود کے بندھن ٹوٹ ٹوٹ گئے اور مسلک اہل حدیث خوب پروان چڑھا۔ اللہ کی توفیق سے موضع موٹھانوالہ۔ موضع رنجیت گڑھ۔ ندھانہ موضع مہنت، موضع تلے والی، موضع آرائیانوالی۔ جگیاں سروپ سنگھ۔ موضع جھب لٹی اور منڈ گرو ہرسائے وغیرہ بہت سے دیہات میں از سرنو نماز جمعہ پڑھی جانے لگی۔ جبکہ اس سے پہلے ان دیہات میں نماز جمعہ پڑھی نہ جاتی تھی کیونکہ اس خطہ کی مسلم برادری حنفی مقلد تھی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی توفیق اور میرے جد امجد اور والد گرامی کے اخلاص کا نیک ثمرہ ہے۔ تقبل الله مساعیهما الجمیلہ۔ آمین

مسئلہ آٹھ رکعت تراویح اور شان دار فتح: جن دنوں آپ شہر لدھیانہ میں خطیب اور مدرس تھے تو آپ نے رمضان المبارک کے خطبہ جمعہ میں مسئلہ تراویح پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ نماز تراویح کی مسنون رکعات صرف گیارہ ہیں، بیس رکعات تراویح کو مسنون کہنا کسی طرح صحیح نہیں، دلیل کے لحاظ سے احناف کا موقف سخت کمزور اور مخدوش ہے۔ اس وقت شہر لدھیانہ میں مولانا محمد امین دیوبندی حنفی شیخ الحدیث اور شہر کے خطیب اعظم تھے۔ انہوں نے میرے اس وعظ کا بہت برا منایا۔ ایک دن سرراہ ان سے ملاقات ہوگئی تو انہوں نے مجھے کہا کہ مولوی صاحب بیس رکعات تراویح ہی مسنون ہیں، آٹھ رکعت تراویح کے مسنون ہونے میں آپ کا موقف درست نہیں، تو میں نے جواب دیا کہ حضرت بیس رکعت تراویح کے مسنون ہونے کے بارے میں مجھے شبہ ہے، میرے ناقص علم و مطالعہ کے مطابق بیس رکعات صحیح اسناد کے ساتھ ثابت نہیں، تو انہوں نے کہا کہ اب تو میں مصروف ہوں کل آپ کا شبہ دور کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اگلے دن سویرے سویرے مولوی محمد امین صاحب نے مجھے بلا بھیجا، میں ان کے پاس چلا آیا، مسئلہ تراویح پر گفتگو شروع کرتے ہوئے مولوی موصوف نے مؤطا امام مالکؒ سے بیس رکعت پر مشتمل جناب یزید بن رومان تابعی کا اثر پیش کیا۔ میں نے جواب میں کہا کہ جناب مولانا صاحب یزید بن رومان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا، لہٰذا یہ منقطع ہونے کی وجہ سے حجت نہیں ہو سکتا، آپ اپنے موقف کے اثبات میں کوئی صحیح مرفوع متصل حدیث پیش فرمائیں تو مولوی صاحب میری اس جرح کا کوئی جواب نہ دے سکے اور سکوت کی وادیوں میں کھو کر رہ گئے۔ تب میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسی مؤطا امام مالکؒ سے آٹھ رکعات تراویح کے ثبوت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ حکم بھی سامعین کو پڑھ کر سنا دیا، جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو وتر سمیت گیارہ رکعت پڑھانے کا حکم دیا تھا اور مزید براں اس مؤطا سے بیس رکعات سے زائد رکعات پر مشتمل آثار بھی میں نے سامعین کو سنا دیے۔ حنفی شیخ الحدیث صاحب نے مجبور ہو کر کہا کہ گیارہ رکعت تراویح جائز تو ہیں لیکن ان کا ترک اولیٰ ہے۔

مولوی صاحب کا یہ اعتراف سن کر سامعین میں سے بہت سے حنفی افراد گیارہ رکعت مع وتر کے مسنون ہونے کے قائل اور عامل بن گئے! والحمد للہ علی ذالک۔

دینی غیرت کا ایک قابل رشک واقعہ: ضلع فیروز پور کے ایک مشہور اہل حدیث واعظ مولوی جان محمد صاحب کے مواعظ حسنہ سے متاثر ہو کر ہمارے علاقے کا ایک جاگیردار سکھ کلد یپ سنگھ اور اس کے دولڑکے مسلمان ہو گئے تھے، مگر بعدازاں سکھ قوم کے دباؤ سے تینوں مرتد ہو گئے تھے۔ والد محترم نے اس شخص سے تیرہ ایکڑ اراضی مزارعت پر لے کر گندم کاشت کر لی، اس دوران اس سکھ نے ایک دیوث مسلمان کے ذریعے بدکاری کے لئے ایک نام کی مسلمان فاحشہ عورت فراہم کر لی۔ علاقہ کے مسلمانوں نے اس سکھ کو اس حرکت سے باز رہنے کی تلقین کی مگر اس سکھ نے ان غریب مسلمانوں کی ایک نہ سنی، وقت گزرتا رہا تا آنکہ ادھر ہماری گندم پک کر تیار ہو چکی تھی، ادھر وہ فاحشہ عورت جنون میں مبتلا ہو گئی۔

وہ سکھ سردار ہمارے ابا جی کے پاس آیا اور چل کر دم جھاڑ کی فرمائش کی، ابا جی صاحب نے اس کو کھری کھری سنائیں اور دم جھاڑ کرنے سے صاف صاف جواب دے دیا۔

اس نے سیخ پا ہو کر کہا: اب آپ میری اراضی میں داخل ہونے کی کوشش نہ کریں، ورنہ اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا، مگر ابا جی نے اس کی دھمکی کا کوئی اثر نہ لیا جب کہ غربت اور مصلحت کا تقاضہ تھا کہ جا کر اس فاحشہ کو ایک آدھ پھونک ماردی جائے۔ مگر غیرت کا مشورہ تھا کہ گندم کی فصل چھوڑ دی جائے۔ ابا جی نے اس دوسری بات کو ترجیح دی اور دم جھاڑ کے لئے نہ گئے۔ جب گندم پک گئی تو آپ نے بہت سے ساتھی اکٹھے کر کے رات کے سمے میں گندم کاٹ کر کھلیان لگا دیا۔ بعدازاں جرأت کر کے گندم کو بھوسے سے صاف کر لیا اور اس سکھ سردار کو کہلا بھیجا کہ بوہل تیار ہے، لہٰذا آ کر گندم تقسیم کر دو اور اپنا حصہ لے جاؤ! اس نے بوہل تقسیم کرنے سے انکار کر دیا تو آپ نے اس کو قانونی چارہ جوئی کی دھمکی دے دی اور یہ بات پورے علاقے میں پھیل گئی، لہٰذا بعض بااثر افراد عبداللہ بھٹی رحمہ اللہ وغیرہ نے جا کر اس سکھ کو سمجھایا کہ مولوی محمد حسین اگرچہ غریب آدمی ہے مگر اپنی ہٹ کا بڑا پکا ہے، وہ آپ سے قطعاً دبنے کا نہیں، اس طرح اگر بات طول پکڑ گئی تو اس نواح کے وہ غیور مسلمان اس کے ساتھ ہوں گے جو پہلے ہی اس فاحشہ عورت کی وجہ سے آپ پر ناراض چلے آ رہے ہیں۔ تب اس سکھ کو اپنی حماقت کا احساس ہو گیا اور اپنے حواریوں کے ساتھ گندم کا بوہل تقسیم کرنے کے لئے چلا آیا۔ جب گندم تقسیم کر چکا تو اس نے اپنے حصہ کی گندم سے نو من گندم اٹھا کر میرے حصہ کے ڈھیر میں ڈال دی اور حاضرین کو مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ تم سب لوگ بے ضمیر نظر آتے ہو، مگر یہ مولوی سچا مسلمان ہے۔ میں اس مرد قلندر کی اسلامی غیرت اور مذہبی اہمیت کو سلام کہتا ہوں میں نے اپنی زندگی میں مذہبی استقامت کا ایسا شاندار مظاہرہ کبھی نہیں دیکھا۔ یہ نو من گندم اس کی اس استقامت کا ایک ادنیٰ انعام ہے، پھر وہ تین بار سلام سلام کہہ کر چل دیا۔

نصف گاؤں اہل حدیث بن گیا: تقسیم ملک کے بعد آپ کچھ وقت کے لئے بطور خطیب چک نمبر ۲۴ گ ب لوپوکی میں تشریف لے گئے، جہاں ضلع امرتسر کی مہاجر کمبوہ برادری آباد تھی، آپ نے وہاں مثبت انداز میں مسلک اہل حدیث کی تبلیغ شروع کر دی، جس کی وجہ سے تھوڑے ہی عرصہ میں وہاں کی نصف آبادی سلفی العقیدہ اہل حدیث بن گئی اور اہل حدیث مسجد بھی تعمیر کرا دی، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس وقت سے لے کر آج تک وہ مسجد آباد ہے۔

اب بیس برس سے آپ اپنے گاؤں ہی میں ایک مسجد اہل حدیث کے متولی اور خطیب ہیں، بلکہ امامت کے فرائض بھی خود ہی

انجام دیتے ہیں اور لوجہ اللہ مسلک اہل حدیث کی خدمت میں مصروف کار ہیں۔ اللہ تعالی قبول فرمائے۔

عقیدہ اور نظر و فکر: آپ نہ صرف سلفی العقیدہ اور مسلک اہل حدیث کے حامل ہیں بلکہ اس عقیدہ اور مسلک کے بڑے مگر بے لچک خاموش مبلغ بھی ہیں۔ ہمارے دادا جی مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ اگرچہ عملاً اہل حدیث عالم دین ہی تھے، تاہم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی فکر سے بہت متاثر تھے، اس لئے وہ متنازعہ فیہ مسائل رفع الیدین وغیرہ میں سختی کے قائل نہ تھے، جب کہ آپ اس اعتدال کے کچھ کم ہی قائل ہیں۔ قرآن اور صحیح احادیث سے ثابت شدہ عقائد و مسائل کے خلاف کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے قول و فعل کو قطعاً خاطر میں نہیں لاتے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آپ کو اپنے والد بزرگوارؒ کے اس مسلک اعتدال سے نہ صرف اتفاق نہ تھا بلکہ بعض مسائل میں بحث و تکرار بھی رہتی۔

توحید و سنت سے شغف اور شرک و بدعت سے نفرت کا تو یہ عالم ہے کہ آپ کے بیشتر خطبات اور مواعظ انہی چاروں عناوین کے گرد گھومتے ہیں۔ صفات باری تعالیٰ میں کسی تحریف و تاویل کے قائل نہیں۔ ایک دفعہ میں اپنی چھوٹی ہمشیرہ امۃ العزیز حفظہا اللہ کے ایک سوال کے جواب میں کہہ بیٹھا کہ سحری کے وقت آسمان دنیا پر خود اللہ تعالیٰ نزول نہیں فرماتا بلکہ اس کی رحمت کا نزول ہوتا ہے تو آپ نے اعتراض کرتے ہوئے مجھ سے دریافت فرمایا کہ اللہ کے مُسْتَوِی عَلَی الْعَرْشِ ہونے کے بارے کیا کہو گے؟ تو میں نے جواب میں عرض کیا کہ اَلِاسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ وَ الْکَیْفُ مَجْهُوْلٌ وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ وَالْاِیْمَانُ بِهٖ وَاجِبٌ تو فرمانے لگے میری طرف سے نزول باری تعالیٰ کے لئے یہی جواب قبول کر لو۔

چنانچہ میں اپنا سا منہ لے کر خاموش ہو گیا۔ میں نے اسی وقت سے اپنی رائے کی سقافت تسلیم کر لی اور پھر تاویل کرنا چھوڑ دی۔ اس طرح فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بجا لانے میں بھی بڑے جسور اور غیور واقع ہوئے ہیں، جس بات کو حق سمجھتے ہیں اسے برملا کہتے ہیں، دین کے معاملہ میں مصلحت نام کی کوئی چیز میں نے ان میں نہیں دیکھی۔

ذوقِ عبادت: نماز پنج گانہ باجماعت کا عمر بھر التزام چلا آ رہا ہے، اسی طرح نمازِ تہجد بھی بلاناغہ پڑھتے ہیں۔ سینتیس برس سے ان کی نماز تہجد ایک دفعہ بھی قضا نہیں ہوئی۔ چنانچہ نمازِ تہجد کے اہتمام اور حفاظت کے پیش نظر عشاء کی نماز کے بعد بہت جلد سو جاتے ہیں اور نصف شب کے بعد بیدار ہو جاتے ہیں۔ وضو کر کے نمازِ تہجد کے لئے مسجد چلے آتے ہیں، پھر فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد اپنے مصلی پر بیٹھے مسنون وظائف اور ''اوراد'' پڑھنے میں مشغول رہتے ہیں، طلوع شمس کے بعد ایک گھنٹہ تک لڑکوں اور لڑکیوں کو تعلیم دیتے ہیں، پھر گھر آ کر ناشتہ کر کے تلاوت قرآن میں مشغول و مصروف ہو جاتے ہیں، دوپہر کو قیلولہ کر کے پھر نماز ظہر کے لئے مسجد میں واپس آ جاتے ہیں۔ نماز کے بعد پھر تلاوت قرآن مجید میں لگ جاتے ہیں اور عصر تک تلاوت کرتے ہیں پھر گھر چلے آتے ہیں۔ اسی طرح نمازِ مغرب کے بعد بچوں کو ادعیۂ مسنونہ یاد کراتے ہیں اور نماز عشاء ادا کر کے گھر تشریف لے آتے ہیں۔ ۱۹۶۴ء سے ان کا یہی معمول چلا آ رہا ہے۔ اللّٰھم زد فزد

تصنیفات: ❶ عقیدہ اہل سنت اور بریلوی افکار ❷ عقیدہ مومن ❸ سیرت محمدیؐ ❹ مجموعۃ الاحادیث عربی۔ یہ چاروں رسالے قلمی ہیں۔

اولاد و احفاد: آپ اس وقت بحمد اللہ حیات مستعار کی غالباً ستر بہاریں گذار چکے ہیں۔ اس وقت آپ کے پانچ بیٹے، تین بیٹیاں، دس پوتے، سات پوتیاں، تین نواسے اور دو نواسیاں ماشاء اللہ زندہ ہیں۔ جن میں سے دو بیٹے راقم اور میرے برادر صغیر مولوی سعید احمد

حنیف سلفی آف جھنگ شہر جامعہ سلفیہ فیصل آباد سے فارغ التحصیل ہیں اور بِفَضْلِهٖ تَعَالٰی وَحُسْنِ تَوْفِيْقِهٖ سے مسلک اہل حدیث کی تبلیغ و ترویج میں لگے ہوئے ہیں ۔اللہ تعالیٰ مزید توفیق عطا فرمائے۔آمین وَالْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ وَبِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ اٰلِهٖ وَعِبَادِاللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اِلٰی يَوْمِ الدِّيْنِ ۔

وفات حسرت آیات: یہ علم و عمل کے حسین پیکر اور نمونہ سلف مورخہ ۲۴-۲-۱۹۹۲ء کو بروز جمعۃ المبارک قبل نماز جمعہ اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَدْخِلْهُ جَنَّةَ الْفِرْدَوْسِ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِیْ عِبَادِ الصّٰلِحِيْنَ اللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ آمِيْنَ ثُمَّ آمِيْنَ ۔

العبد الضعيف محمد عبید الله خان عفیف سلمه الله اللطیف

دارالافتا مسجد لمۃ العزیز اہل حدیث۔(رحمت ٹاؤن فیصل آباد)



مختصر حالات:

میاں محمد ابراہیم خاں بلوچ رحمہ اللہ

حلیہ: سروقد' چھریرا اور ستا ہوا جسم' متناسب اعضا، سرخ سپید رنگ' خوبصورت تیکھی ناک' موٹی سیاہ آنکھیں جن میں شب زندہ داری کے لال لال ڈورے پڑے ہوئے۔ سیدھی مانگ والے پٹے دار بال' کشادہ جبیں' قبضہ سے فروں سفید ریش' لمبا اور سفید لباس مگر تہبند ٹخنوں سے اٹھا ہوا' سفید دستار' مزاج میں لطافت گفتار میں حلاوت' لہجہ میں رزانت' چال میں متانت' آواز میں گھن گرج' پروقار اور بارعب شخصیت، یہ تھے جماعت اہل حدیث ضلع فیروز پور مشرقی پنجاب کے ایک گم نام باخدا بزرگ اور راقم السطور کے نانا جی میاں محمد ابراہیم خان بلوچ رحمہ اللہ جن کا انتقال آج سے ساڑھے ۵۲ برس پیشتر غالباً دسمبر ۱۹۵۲ء کو ہوا۔

مقام ولادت اور آباؤ اجداد: آپ موضع کوئی بلوچاں علاقہ منڈی گرو ہرسائے ضلع فیروز پور (مشرقی پنجاب ہند) میں پیدا ہوئے۔ تاریخ ولادت نامعلوم۔ والد گرامی کا نام میاں محمد امین بن پنوں خاں بن میاں محمد عظیم خاں بن رستم خاں بن میاں غریب نواز خاں جتوئی رحمہم اللہ۔ آپ کا یہ خاندان میر چاکر خاں بلوچ کے منجھلے صاحبزادے میر جاتن خاںؒ کی اولاد ہونے کے ناطے جتوئی بلوچ کہلاتا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار جناب میاں محمد امین خاں اگرچہ کوئی بڑے پڑھے لکھے عالم دین تو نہ تھے، تاہم بڑے سلفی العقیدہ، متبع سنت' خوش اخلاق کم گو عابد و زاہد' تہجد گزار اور تلاء للقرآن بزرگ تھے۔ تلاوت قرآن آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ حتیٰ کہ ہل چلاتے اور دوسرے کام کاج کرتے وقت بھی تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کے ساتھ رطب اللسان رہتے تھے، اس طرح آپ کے پردادا میاں محمد اعظم خاں بھی مستجاب الدعوات اور صاحب کرامت اور مرجع خلائق بزرگ تھے۔ رحمہم اللہ

مسلک اہل حدیث سے گرویدگی: یہ خاندان پہلے حنفی المسلک تھا۔ اس خاندان میں سے سب سے پہلے جس شخصیت نے مسلک اہل حدیث اختیار فرمایا اس کا اسم گرامی میاں علی محمد خاںؒ تھا۔ اور انہی کی مخلصانہ کاوشوں سے راقم کے نانا میاں محمد ابراہیم اور میاں محمد امین خاں دونوں باپ بیٹا اہل حدیث ہوئے۔

بچپن اور تعلیم و تربیت: تعلیم و ترقی' ذرائع مواصلات اور دوسری شہری سہولتوں کے لحاظ سے ضلع فیروز پور بالعموم اور ہمارا علاقہ ریگ زار ہونے کی وجہ سے بالخصوص بہت پیچھے تھا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے علاقے بھر میں صرف ایک پرائمری اور ایک مڈل سکول تھا۔ چنانچہ آپ جب اپنے والد بزرگوار میاں محمد امین خاں سے ناظرہ قرآن مجید پڑھ چکے تو اس پرائمری سکول میں داخل ہو گئے۔ ذہانت اور ذکاوت کا یہ عالم تھا کہ دو سالوں میں پرائمری پاس کر لی۔ مگر افسوس کہ معاشی ناہمواریوں کی وجہ سے مزید تعلیم کا سلسلہ شروع نہ رکھ سکے اور فکر معاش میں کھو کر رہ گئے۔ اس دور میں کبڈی اور کشتی دیہاتی جوانوں کے پسندیدہ کھیل ہوتے تھے۔ آپ کو بھی اس کا بڑا شوق تھا۔ اور پورے علاقہ میں کبڈی کا کوئی بھی کھلاڑی آپ کے دھول دھپے کی تاب نہ رکھتا تھا۔ پھول دار جانگیا اور گھنگھروں والی

ممل کمر میں باندھ کر کبڈی کھیلنے کے عادی تھے۔

توبہ اور رجوع الی اللہ: اس بے کار مشغلہ میں انہماک کے باوصف آپ اپنے چھوٹے بھائی اور راقم کے جدامجد مولانا محمد اسماعیل خاں بلوچ رحمہ اللہ فیروز پوری کی تعلیم پر پوری توجہ دیتے رہے۔ چنانچہ جب میرے دادا سہارنپور' دیوبند اور دہلی کے مشہور مدارس دینیہ سے فارغ التحصیل ہو کر گھر تشریف لائے تو ان کی فرمائش پر آپ نے اس بکھیڑے سے سچی اور پکی توبہ کر لی، ڈاڑھی رکھ کر وقت کی پابندی کے ساتھ پنجگانہ نمازی بن گئے۔ کام کاج سے فراغت کے وہ اوقات جو پہلے مذکورہ بکھیڑوں میں کھپتے تھے اب وہ کتاب وسنت پر مشتمل اردو لٹریچر کے مطالعہ میں کام آنے لگے۔ چنانچہ آپ بڑے ذہین اور فطین تھے اور مزید برآں چھوٹے بھائی کا تعاون بھی میسر تھا۔ لہٰذا آپ نے تھوڑے ہی عرصہ میں ضروریات دین' عقائد سلفیہ' عبادات اور معاملات کے مسائل کا فہم حاصل کر لیا۔ اگرچہ آپ اس طرح معروف اصطلاح کے مطابق روایتی عالم دین تو نہ بن سکے، تاہم تراجم قرآن مجید شاہ رفیع الدین' شاہ عبدالقادر مکمل سلسلہ کتب اسلامیہ، یہ سلسلہ کتب صحیح عقائد عبادات' معاملات اور اسلامی تاریخ پر مشتمل چودہ جلدوں میں پھیلا ہوا علمی فقہی اور اصلاحی اسلامی تاریخ کا گنجینہ ہے، مولانا رحیم بخش لاہوری کی تصنیف اگر یہ دوبارہ شائع ہو جائے تو بہت بڑی جماعتی خدمت ہو گی) جمائل غزنویہ، تصانیف حافظ محمد لکھوی، ریاض الصالحین مترجم وغیرہ کے شب و روز پیہم مطالعہ سے دین اسلام کی بہت کچھ واقفیت حاصل کر لی تھی۔ بعد میں تو اتنا پڑھ لکھ لیا تھا کہ عربی مشکوٰۃ المصابیح سے مطلوبہ مسئلہ خود دیکھ لیتے تھے۔

ذریعہ معاش: والد بزرگوار کی تھوڑی سی زرعی اراضی تھی۔ دونوں بھائیوں کی اسی اراضی کی آمدنی پر گذر بسر تھی، جو کہ پورے کنبہ کے لئے قُوت لَا یَمُوت کا حکم رکھتی تھی، اس لئے بعض اوقات آپ اونٹ پر باربرداری کا کام بھی کر لیتے تھے۔ کچھ عرصہ نہر گوگیرہ برانچ کے ہیڈ ترکھانی کی پنسال پر ملازم بھی رہے اور ہلکی پھلکی جراحت وطبابت بھی کرتے تھے۔

سیرت اور کردار: صدق مقال اور اکل حلال کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ چنانچہ جب آج سے کوئی ۱۲۵ سال پہلے فیروز پور میں قحط پڑا تھا، تو بڑے بڑوں نے سود پر غلہ لینا شروع کر دیا تھا۔ ہمارے گاؤں میں صرف ان دونوں بھائیوں نے سخت احتیاج کے باوجود سودی غلہ نہیں لیا تھا۔ اسی طرح آپ جب ضلع فیصل آباد (لائل پور) میں نہر گوگیرہ برانچ کے ہیڈ ترکھانی کی پنسال پر ملازم تھے تو آپ کے حلقہ پنسال میں نہر میں شگاف پڑ گیا، اس علاقہ کے زمیندار اور کسان اکٹھے ہو کر آپ کے پاس آئے اور نہری تاوان سے بچنے کے لئے آپ کو رشوت پیش کی۔ تو آپ نے ان کو کہا کہ میں رشوت کو حرام سمجھتا ہوں، اس لئے میں تو اپنی حلال روزی میں حرام کی آمیزش نہیں کر سکتا، لہٰذا میں تو وہی کچھ کروں گا جو میرے علم اور واقعہ کے مطابق ہو گا۔ آپ کے اس کھرے اور صحیح جواب سے وہ لوگ بگڑ گئے اور آپ کے خلاف ہیڈ ترکھانی کے بڑے آفیسر کے پاس شکایت کر دی، اس آفیسر نے آپ کو بلا کر کہا کہ میاں صاحب! ایسا باشریعت اور متورع شخص پنسال پر کام نہیں کر سکتا، لہٰذا آپ گھر چلے جائیں۔ تو آپ اپنی نوکری چھوڑ کر واپس گھر آ گئے اور باقی عمر پوری قناعت کے ساتھ گھر پر ہی بسر کی، اگرچہ آپ کی زرعی زمین گزر بسر کے لئے ناکافی تھی۔ تاہم تادم صحت لوجہ اللہ گاؤں کی مسجد میں امامت کے فرائض ادا کرتے رہے۔

جناب مولانا محمد اسماعیل ؒ کی غیر موجودگی میں جمعہ کا خطبہ بھی دے دیتے تھے۔ خطبہ جمعہ پوری تمکنت اور رعب کے ساتھ ارشاد فرماتے تھے، اگرچہ ہمارے گاؤں کو تقلید جامد کے حصار سے نکال کر عمل بالحدیث کی شاہراہ پر گامزن کرنے والے میاں علی محمد خاں ہی

ہیں، مگر یہ اصلاحی تحریک ابھی ابتدائی مراحل میں تھی اور ابتدا میں جوش کے علی الرغم ہوش کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، ویسے بھی میاں علی محمد صاحب جمالی طبیعت کے مالک تھے کہ کسی سختی کے قائل نہ تھے، اس لئے گاؤں کے ایک دوسرے قبیلے میں پیر پرستی اور بدعی رسومات ختم نہ ہوسکیں، جبکہ میاں محمد ابراہیم خاں کو پہلے سے تیار شدہ ماحول میسر آیا تھا۔ مزید یہ کہ آپ کو آپ کے چھوٹے بھائی مولانا محمد اسماعیل خاں کا تعاون بھی حاصل تھا۔ ویسے بھی آپ قوتِ بازو کے ساتھ ساتھ جلالی طبیعت کے حامل تھے، اس لئے جب آپ کا دور سیادت آیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ان تینوں نعمتوں سے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ وہ قوت بازو جو کبڈی کے حریف کھلاڑیوں کو لتاڑنے اور پچھاڑنے میں ضائع ہوتی چلی آ رہی تھی، اب وہ اللہ کے فضل وکرم اور اللہ کی توفیق سے شریعت کے نافرمانوں اور شرک و بدعت کے رسیا افراد کے سدھارنے میں کام آنے لگی۔ آپ نے گاؤں میں جعلی پیروں کا داخلہ بند کر دیا اور اس قبیلے کو بھی آہستہ آہستہ مسلکِ اہل حدیث کے قریب لے آئے۔

آپ فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بجا لانے میں اتنے غیور اور جسور تھے کہ آپ کے دورِ سیادت میں ہمارے گاؤں میں کبھی ڈگڈگی اور ڈھول تک نہ بجے، حالانکہ شادی بیاہ کے موقع پر ڈھول بجانا اور کھمبر ڈالنا بلوچ برادری میں ضروری سمجھا جاتا ہے۔ سوائے کبڈی' کشتی اور گولہ پھینکنے کے دوسرے تمام کھیلوں اور تماشوں پر مکمل قدغن تھی۔ نکاح کی تقریبات میں کھیل تماشا' گانا سہرا وغیرہ۔ میت کی تجہیز وتکفین سے لے کر دفن کے بعد کی تمام بدعی رسومات، یعنی اسقاط سوم اور چہلم وغیرہ ختم کر دی تھیں۔ غرضیکہ شرائع اسلام کی پابندی کے لحاظ سے پورے علاقے میں ہمارا گاؤں ایک مثالی گاؤں سمجھا جاتا تھا۔ دوتین لاابالی جوانوں کو چھوڑ کر تمام مرد نمازی اور باریش تھے اور عورتیں اسلامی پردہ کی پوری پابند تھیں۔ مگر افسوس کہ تقسیم ملک کے بعد دوسری برادریوں کے اختلاط کی وجہ سے یہ خوشگوار اور ایمان افروز حالت قائم نہ رہ سکی۔ عمر کے آخری حصے میں اونٹنی سے گر پڑے تھے اور اتنی شدید چوٹیں آئیں تھیں کہ جسم کے کئی اعضا اکھڑ گئے تھے۔ علاج کے باوجود آپ کی صحت بحال نہ ہوسکی اور بلا سہارا مسجد میں آنا جانا مشکل ہو گیا، لیکن پھر بھی باجماعت نماز پڑھنے کا معمول کافی حد تک قائم رکھا۔

بالآخر زندگی کے آخری چار برس تو چارپائی پر ہی بسر ہوئے اور ساری مدت آپ اپنی بڑی بیٹی (راقم کی والدہ رحمہا اللہ) کے ہاں قیام پذیر رہے۔ اتنے طویل اور شدید مرض میں بڑے بڑے جغادری بھی جی ہار بیٹھتے ہیں، مگر میرا یہ مشاہدہ ہے کہ آپ نے اس قدر طویل علالت اور شدید تکلیف کے کچوکے اتنے صبر وشکر اور ضبط وثابت قدمی کے ساتھ برداشت کئے کہ ہم نے آپ کی زبان سے کبھی ہائے وائے نہ سنی تھی، حالانکہ کئی کئی راتیں تکلیف میں شدت کی وجہ سے بیداری میں کٹتی تھیں، اس مرض کی وجہ سے اب مسجد میں جا کر لڑکوں اور لڑکیوں کو پڑھانا مشکل ہو گیا تھا، لیکن پھر بھی آپ نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس نیک شغل خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ میں کوئی فترت نہیں آنے دی، یعنی اب آپ نے گھر پر پڑھانا شروع کر دیا۔ چنانچہ نماز اشراق سے فارغ ہو کر تین گھنٹے لڑکوں اور لڑکیوں کو ناظرہ قرآن مجید، تفسیر محمدی منظوم، احوال الآخرۃ' زینت الاسلام ہر دو حصہ اور سلسلہ کتب اسلام مولانا رحیم بخش لاہوری تادم واپسیں برابر چالیس برس لوجہ اللہ پڑھاتے رہے۔ چنانچہ چند ایک بے فکرے افراد کو چھوڑ کر پورے گاؤں کے تمام مرد اور عورتیں آپ ہی کی فیض یافتہ اور شاگرد ہیں۔

معمولات: جس طرح آپ نماز پنجگانہ کے سختی کے ساتھ پابند تھے، اسی طرح قیام اللیل اور صلوٰۃ الضحٰی کے بھی عادی تھی، اس لئے نماز عشاء کے بعد فرمان نبوی کے مطابق جلدی سو جاتے تھے۔ پچھلی رات مسجد میں چلے آتے تھے، نماز تہجد کے بعد دعا و استغفار میں

لگ جاتے، پھر نماز فجر کے بعد اپنے مصلی پر مسنون اوراد و وظائف میں طلوع شمس تک مصروف رہتے، پھر نماز اشراق ادا کر کے بچوں کو تعلیم دیتے، پھر فکر معاش کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ آخر میں جب شدت مرض کی وجہ سے مسجد میں آنا جانا مشکل ہو گیا تو پھر گھر پر ہی یہ معمول جاری رکھا۔ اب کہ طریق کار یہ تھا کہ نماز اشراق کے بعد لڑکوں اور لڑکیوں کو تعلیم دیتے پھر کھانا کھا کر قیلولہ کرتے۔ ظہر کی نماز کے بعد نماز عصر تک تلاوت قرآن میں مصروف رہتے اور نماز عصر کے بعد مشکوٰۃ المصابیح کھول کر ڈیوڑھی کے باہر بیٹھ جاتے، مطالعہ کرتے اور آنے جانے والوں کو مسائل دینیہ سناتے اور نماز پنجگانہ کی تاکید فرماتے، موت اور مابعد الموت کی سختیوں سے ڈرتے، عذاب قبر اور دوزخ کے عذابوں کا ذکر چھیڑ کر خود بھی روتے اور سننے والوں کو بھی رلاتے، خصوصاً پنجابی کا یہ مصرعہ پڑھ کر سناتے ؎

تیرے نالوں ڈنگر چنگے جیڑے چکدے نے جنگلاں چوں کنڈے

اور یہ شعر تو اکثر سنایا کرتے تھے ؎

اک دن تینوں ملے شکاری اس بارے دیا ہرنا
سدا نہ ساوے تلے اتھے سدا نہ ہاریں چرنا

وفات: طویل علالت کی وجہ سے آپ کی صحت گرتی چلی گئی، ہاتھ پاؤں تو اوٹنی سے گر جانے کی وجہ سے عرصہ دس سال سے سوتے چلے آ رہے تھے، اب پیچش اور بخار آنا بھی شروع ہو گیا اور یہ عارضہ اتنا شدید تھا کہ آپ اس سے جانبر نہ ہو سکے۔ بالآخر دین کی تبلیغ و تدریس میں چالیس برس لوجہ اللہ مشغول رہنے کے بعد ستر برس سے زائد عمر پا کر دین اسلام کا یہ سپوت اور غیور سپاہی بروز سوموار قبل دوپہر ۲۴ دسمبر غالباً ۱۹۵۳ء یا ۱۹۵۴ء کو ہمیشہ کے لئے اپنے حقیقی مالک سے جا ملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نمازِ جنازہ: بعد از نماز ظہر آپ کا جنازہ اٹھایا گیا، نماز جنازہ آپ کے چھوٹے بھائی اور راقم کے دادا حضرت مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ نے پڑھائی۔ نماز جنازہ میں شرکت کرنے والوں کی اتنی کثرت تھی کہ دیہاتی ماحول میں اتنی بڑی کثرت میں نے اپنے گاؤں میں کسی اور جنازے پر کبھی نہیں دیکھی تھی، چونکہ دادا جی مرحوم نے قراءت بالجہر کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی تھی اور دورانِ نماز مغفرت کی دعائیں مانگتے ہوئے آپ کی آواز بھر آئی تھی، جس کی وجہ سے شرکائے جنازہ کی آنکھیں بھی چھلک چھلک گئیں۔

اولاد و احفاد: اس وقت آپ کا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں صاحب اولاد ہیں۔ مگر افسوس کہ آپ کے چار پوتوں میں سے ایک بھی دینی سدھ بدھ سے بہرہ ور نہیں، کیونکہ ان کے والد مولوی ولی محمد صاحب نے انہیں دینی تعلیم دلوانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں فرمائی۔ تاہم آپ کے تین نواسے یعنی ایک یہ ہیچ میرز میرے چھوٹے بھائی مولانا سعید احمد حنیف سلفی خطیب مرکزی جامع مسجد اہل حدیث جھنگ شہر، اور مولوی محمد دین جامعہ سلفیہ سے فارغ التحصیل ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنی اپنی بساط کے مطابق آپ کی جلائی ہوئی شمع کو روشن رکھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مزید توفیق عطا فرمائے۔

وَبِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمَ



والدہ مرحومہ کی یاد میں

ایک مثالی اور تالیۃً للقرآن خاتونؒ

ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب دینے دفتر کو
ورق جب اس کا اڑا لے گئی ہوا ایک ایک

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ: یوں تو اس عالم رنگ وبو کی ہر ایک چیز میں اختلاف پایا جاتا ہے۔حتی کہ عقل گزیدہ فلاسفہ اور دورِ حاضر کے کمیونسٹوں نے خالقِ کائنات اور مالکِ ارض وسماء کی ہستی میں بھی اختلاف کیا ہے، مگر موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس کا انکار آج تک کسی سے بن نہیں آیا کہ خالقِ کائنات کی ہستی کے منکرین بھی بحث واتفاق کی اصطلاح کے پردے میں موت کے وجود پر اس طرح یقین رکھتے ہیں جس طرح خالقِ کائنات کے قائلین اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

صَدَقَ اللّٰهُ الْخَالِقُ كُلَّ شَيْءٍ

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ إِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ (آل عمران: ۸۵)

﴿ أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ﴾ (النساء ۷۸)

﴿ وَكُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ﴾ (العنکبوت ۵۷)

ان تینوں آیات میں اس حقیقتِ واقعہ کو موعظت وعبرت' ایمان افروز اور یقین انگیز پیرایہ اسلوب میں بیان کیا گیا ہے ؎

کلبہ افلاس میں دولت کے کاشانے میں موت
دشت و در میں' شہر میں' گلشن میں' ویرانے میں موت
موت ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موت کی آغوش میں
دچھڑگیاں تے قید ہویاں دی دل توں تاہنگ نہ جاندی
ہتھیں دفن جہاں نوں کریے لتھی آس تنہاں دی

بہر حال موت ایک تقدیر مبرم ہے جو ٹالے نہیں ٹل سکتی۔تاہم موت موت میں تفاوت ضرور ہے۔بعض موتیں نہایت حزن وملال کا باعث اور پسماندگان کے لئے ہمیشہ کے لیے رستا ہوا ناسور اور گھاؤ واقع ہوتی ہیں۔کیونکہ مرنے والے کی زندگی اپنے تدین' تقویٰ' خیر وبرکت اور مومنانہ سیرت کی وجہ سے لوگوں کے لئے ایک اچھا نمونہ اور قابل رشک ہوتی ہے۔اور ایسے ہی لوگوں کی حسنات واعمال کو زندہ رکھنے کے لئے ہمیں ہدایت فرمائی گئی ہے۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ((اُذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ))

(رواہ أبو داؤد باسنادِ ضعیف).

تعارف: آج ایک ایسی ہی مثالی خاتون رحمہا اللہ کے مختصر حالات زندگی پیش کر رہے ہیں جو بڑی موحدہ، سلفی العقیدہ متبعہ سنت متشرعہ متوزعہ اور تَـالِیَۃً لِلْقُرْآنِ تھیں، جو پاک نہاد' نیک افتاد' راست باز اور بڑی مہمان نواز تھیں، جو عفت وعصمت کا پیکر اور شب زندہ داری کی بڑی خوگر تھیں۔ وہ جسے مستجاب الدعوات اور مرجع خلائق بزرگ میاں محمد عظیم خاں بلوچ رحمہ اللہ کی پڑپوتی' عاشق قرآن میاں محمد امین خاں رحمہ اللہ کی پوتی' شرائع اسلامی کی حمایت میں غیور و جسور میاں محمد ابراہیم خاں رحمہ اللہ کی بیٹی ہونے کا فخر حاصل تھا اور وہ کہ جسے مشرقی پنجاب کی بلوچ برادری کے مصلح اور جماعت اہلِ حدیث کے مشہور عالم دین الحاج مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ کی بھتیجی اور بہو ہونے کا شرف حاصل تھا اور وہ کہ جس کے رشتہ کا انتخاب حضرت مولانا احمد اللہ صاحب محدث دہلوی نے راقم کے والد اور مولانا شرف الدین صاحب محدث دہلوی کے شاگرد مولانا محمد حسین رحمہ اللہ کے لئے فرمایا تھا۔ یہ تھیں میری حنونہ عطوفہ والدہ ماجدہ جن کی وفات حسرت آیات آج سے اٹھارہ برس قبل مورخہ ۱۴۱۰-۱۱-۱۶ھ الموافق ۱۹۹۰-۶-۱۰ میں تقریباً چھہتر برس کی عمر میں بعد نمازِ فجر بروز اتوار ہوئی۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهَا وَارْحَمْهَا وَعَافِهَا وَاعْفُ عَنْهَا وَأَدْخِلْهَا جَنَّةَ الْفِرْدَوْسِ وَأَعِذْهَا مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ۔

والدہ مرحومہ کے جملہ اوصافِ جلیلہ' اخلاق جمیلہ' خصائل حمیدہ اور اعمال حسنہ کی تفصیل کا یہ موقع نہیں کہ اوراق کی تنگ دامانی اس کی متحمل نہیں، اس لئے ہم ان کی سیرت مرضیہ کے چند درخور رشک اور سبق آموز قابلِ تقلید درخشاں گوشے زیب قرطاس کرنے پر اکتفا کریں گے۔

اسلامی تعلیم وتربیت: آپ کے والد بزرگوار میاں محمد ابراہیم رحمہ اللہ المتوفی ۱۹۵۳ء چونکہ خود اسلامی تعلیم سے آراستہ، بڑے راسخ العقیدہ' متبع سنت اور اسلامی اخلاق کے پیکر تھے، لہٰذا انہوں نے اپنی اس بیٹی کی اسلامی تعلیم وتربیت پر اپنی توجہ مرکوز فرمادی، قرآن مجید ناظرہ کے علاوہ اردو اور پنجابی زبان میں اسلامی لٹریچر کے ذریعہ سے ضروریات دین' اسلامی عقائد واعمال اور احکام واخلاق کی تعلیم مکمل کرادی۔ (تفسیر محمدی، احوال الآخرہ، زینت الاسلام وغیرہ کے کئی مقامات سے کافی اشعار زبانی یاد تھے)

قرآن مجید سے محبت: یہ اسی اسلامی تعلیم وتربیت کا ہی نتیجہ تھا کہ قرآن مجید کی تلاوت ان کی طبیعت کا حصہ بن گئی، رمضان المبارک کے علاوہ سال کے عام مہینوں میں ہر چھٹے روز قرآن مجید ختم کرتی تھیں اور جب تک تلاوت کا یہ ہدف پورا نہ کرلیتیں چائے کی پیالی تک نوش نہ کرتیں۔ اور رمضان المبارک میں شَدَّ مِيْزَرَهُ (الحدیث) پر عمل کرتے ہوئے ہر تیسرے روز قرآن مجید ختم کرنے کا معمول رہا۔

زبانی تلاوت اس کے علاوہ تھی، سورۂ یٰسین کی تلاوت اور اس سے محبت تو ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔

مسلک اہل حدیث کی تدریس وترویج: جیسا کہ اوپر لکھا جاچکا ہے کہ والدہ رحمہا اللہ کی ولادت وتربیت ہمارے موروثی دینی اور علمی گھرانے میں ہوئی تھی اور کتاب وسنت کی تعلیم وترویج کا شوق ان کو گھٹی میں ملا تھا، اس لئے عقیدہ وعمل میں نہ صرف خود سخت قسم کی اہل حدیث خاتون تھیں بلکہ بڑ وشعور ہی سے گاؤں کی لڑکیوں اور عورتوں کو قرآن مجید ناظرہ' سلسلہ کتب اسلامی مولانا رحیم بخش اور تصنیفات مصلح پنجاب حافظ محمد لکھوی رحمہ اللہ برابر لوجہ اللہ پڑھاتی رہیں اور یہ سلسلہ مرض موت تک جاری رہا۔

قابل تقلید سچا واقعہ: خالص کتاب وسنت کی تبلیغ وتدریس کا جذبہ اس قدر فراواں تھا کہ جب تشکیلِ پاکستان کے بعد ہم لوگ ضلع

فیروزپور سے ہجرت کر کے پاکستان کے ضلع فیصل آباد (لائل پور) میں آ کر نئے نئے آباد ہوئے تو اس وقت گھر میں آسودہ حالی کا نام تک نہ تھا۔ اس معاشی ناہمواری کی وجہ سے ظروف واحوال کا تقاضا تھا کہ روزی کمانے کی فکر کی جاتی، مگر ہمارے والدین نے مجھے اور میرے چھوٹے بھائی مولانا سعید احمد حنیف سلفی رحمہ اللہ کو سکول کی ابتدائی تعلیم دلوا کر دینی تعلیم کے لئے وقف کر دیا۔ جب راقم السطور فروری ۱۹۶۱ء میں جامعہ سلفیہ سے سند فراغت حاصل کر چکا تو جامعہ سلفیہ کے ناظم حضرت مولانا محمد اسحاق چیمہ رحمہ اللہ نے مجھے اپریل ۱۹۶۱ء میں پچاس روپے ماہانہ تنخواہ پر مدرسہ دارالقرآن والسنہ چک نمبر ۸۰ گ ب میں بحیثیت نائب مدرس تدریس کے لئے بٹھا دیا۔ مشکوٰۃ جلد ثانی، سنن نسائی، دیوان حماسی اور ان جیسے دوسرے آٹھ اسباق مجھے دیئے گئے۔ اگلے سال ان سے بھی بڑے اسباق جامع الترمذی، جلالین وغیرہ میرے ذمے لگا دیئے مگر تنخواہ پینتالیس روپے کر دی اور اس طرح مولانا قدرت اللہ فوق رحمہ اللہ کی تنخواہ بھی بجائے سو روپے کے اسی روپے کر دی گئی۔

غالباً اسی سال ماسٹر عزیز الرحمان حال مصری شاہ لاہور میرے پاس پڑھنے کے لئے آئے اور مجھ سے الفیہ ابن مالک پڑھنے لگے، اسی سال جب وہ فاضل عربی کر چکے تو چیچہ وطنی کے کسی گاؤں میں عربی ٹیچر لگ گئے کہ اس وقت اوٹی کرنا ضروری نہ تھا۔

چونکہ میں نے بھی فاضل عربی کا امتحان پاس کیا ہوا تھا۔ چنانچہ ماسٹر صاحب نے مجھ سے مشورہ کئے بغیر اسی علاقے کے ایک دوسرے سکول میں میری تقرری کا انتظام کر کے مجھے چٹھی بھیج دی کہ چپکے سے چلے آؤ کہ اہل مدرسہ آپ کی حوصلہ افزائی نہیں کر رہے۔ میری یہ عادت رہی ہے کہ والدین کے مشورے کے بغیر میں نے کبھی کوئی کام نہ کیا۔ اپنی اسی عادت کے مطابق میں نے اس کے بارے میں والدین کا مشورہ لینا ضروری سمجھا، چنانچہ میں والدین سے مشورہ اور اجازت لینے کے لئے گھر پہنچا۔ اتفاق سے والدہ مرحومہ گھر میں اکیلی تھیں، مجھے گلے ملیں چوما اور پیار کیا، پھر میرے لئے چائے پکانے میں مصروف ہو گئیں، میں بھی ان کے پاس جا بیٹھا اور عرض کیا کہ اماں جی مجھے ایک چٹھی ملی ہے۔ میں آپ کو وہ چٹھی سنانے حاضر ہوا ہوں۔ یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ میں نے اس چٹھی سے قبل فاضل عربی ہوتے ہوئے کسی سرکاری اسکول میں عربی ٹیچر لگ جانے کی والدہ مرحومہ سے کبھی بات تک نہ کی تھی۔ میں نے جب ان کے پاس اس چٹھی کا ذکر کیا تو واللہ! انہوں نے اس کا مطلب پوچھے بغیر فرمایا: بیٹا اگر یہ چٹھی اسکول ماسٹری کی ہے تو چولھے میں یہ آگ جل رہی ہے۔ اس چٹھی کو اس آگ میں پھینک دو۔ اگر اس کے علاوہ کوئی اور چٹھی ہے تو مجھے دے دو میں خود پڑھ لوں گی اور ساتھ ہی فرمایا کہ ہم نے تو خود بھوکے رہ کر آپ کو کتاب وسنت کی تبلیغ وتدریس کے لئے دینی تعلیم دلوائی ہے۔ کیا تم اتنے کمزور مدرس ہو؟ کہ کوئی دینی مدرسہ آپ کو صرف دو وقت کی روٹی پر مدرس رکھنے کے لئے تیار نہیں۔ تنخواہ کی بات چھوڑو۔ بس پڑھانے کے لئے وقف رہو۔ تمہارا کام قرآن وحدیث کی تعلیم اور ترویج ہے اور بس۔ ہماری غربت وافلاس کی فکر نہ کرو۔ رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ وہ اپنے دین کے خدمت گاروں کو نوازنا جانتا ہے۔

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ

ڈٹھے لوک توکل والے باجھ وسیلوں پلدے
باغاں نالوں سروے ڈٹھے تازے رکھ جنگلدے

اس واقعہ کے بعد وہ کم از کم اٹھائیس برس بقید حیات رہیں۔ مگر انہوں نے اپنی وفات تک اس چٹھی کے متعلق مجھ سے کبھی بات تک نہ کی۔ اللہ اللہ اب ایسے لوگ کہاں؟

تِلْكَ آثَارُنَا تَدُلُّ عَلَيْنَا
فَانْظُرُوْا بَعْدَنَا اِلَى الْاٰثَارِ

تمہارے بعد کہاں وہ وفا کے ہنگامے
کوئی کہاں سے تمہارا جواب لائے گا

آج الحمدللہ والدہ مرحومہ کی اس مخلصانہ نصیحت اور ان کی مشفقانہ بکرۃ واصیلا دعاؤں کی برکت سے مالا مال ہوں تقریباً چالیس دفعہ صحیح بخاری پڑھا چکا ہوں۔ اور میرے سینکڑوں شاگرد ملک اور بیرون ملک اسلامی مدارس' اسکولوں اور مساجد میں بحیثیت استاذ اور خطیب مسلک کی خدمت اور اشاعت میں سرگرم عمل ہیں۔ اور ۱۹۶۳ء سے ملک اور بیرون ملک سے آمدہ علمی سوالات کا جماعتی جرائد میں جواب لکھ رہا ہوں۔ کئی ایک تحقیقی رسائل شائع کر چکا ہوں اور کچھ زیر طبع ہیں۔ اور اٹھارہ برس ریاسۃ البحوث الاسلامیہ والافتاء والدعوۃ والارشاد۔ الریاض کی طرف سے پاکستان میں مبعوث رہ کر ریٹائر ہو چکا ہوں۔ اور اسی طرح میرے چھوٹے بھائی مولانا سعید احمد حنیف سلفی جھنگ شہر کی مرکزی مسجد اہل حدیث میں دین کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ

جو کچھ ہوا ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہو گا تیرے کرم سے ہو گا

اسلامی غیرت وحمیت: والد بزرگوار مولانا محمد حسین المتوفی ۲۴۔۴۔۱۹۹۲ء بیان کرتے ہیں کہ تقسیم ملک سے پہلے جب ہم نے اپنے علاقہ کے ایک جاگیردار سکھ سردار کلدیپ سنگھ سے مزارعت پر ۱۳ ایکڑ اراضی لے کر گندم کاشت کی ہوئی تھی۔ اس دوران میں اس سکھ نے ایک دیوث مسلمان کے تعاون سے ایک فاحشہ عورت مسماۃ سرفراز داشتہ رکھ لی۔ کچھ مدت کے بعد وہ فاحشہ بیمار ہو گئی کسی کے بتلانے پر وہ سکھ میرے پاس آیا اور چل کر دم جھاڑ کرنے کی فرمائش کی، جب آپ کی والدہ کو اس کا علم ہوا تو مجھے کہا کہ اس فاحشہ کو دم جھاڑ کرنا غیرت اسلامی کے خلاف ہے اور ہم اپنی اسلامی غیرت کا سودا نہیں کر سکتے، لہٰذا اس انکار پر وہ بڑا برافروختہ ہو کر کہنے لگا کہ آج کے بعد میری اراضی میں داخل ہونے کی جراءت نہ کرنا ورنہ نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ اگر تیرہ ایکڑ گندم کی ضرورت ہے تو دم کرنا ہو گا۔ تو آپ کی والدہ نے مجھے کہا: پرواہ نہیں، فصل جاتی ہے تو جائے مگر حمیت اسلام نہ جائے ہم کو ایسی اراضی کی ضرورت ہے اور نہ تیرہ ایکڑ گندم کی۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

لہٰذا میں نے آپ کی غیور والدہ کی اس استقامت اور صائب مشورہ کو تائید الٰہی سمجھا اور دم جھاڑ کرنے سے صاف صاف جواب دے دیا۔

ایثار و ہمدردی: برادری اور گاؤں کے یتیم اور دوسرے فقیر اور نادار افراد کے ساتھ بڑے ایثار کے ساتھ پیش آتیں اور ہمیشہ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ پر عمل پیرا رہیں۔ میرا بیسیوں دفعہ کا مشاہدہ ہے کہ اپنی روٹی بھوکے بچوں اور فقیروں کو کھلا دیتیں اور خود بھوکی رات بسر کر لیتیں۔ خود بھوکا رہنا ان کے لئے آسان تھا، مگر کسی انسان کو بھوکا دیکھنا برداشت نہ تھا۔ مختصر یہ کہ عسر اور تنگی میں اسم بامسماۃ تھیں، صابرہ، قانعہ' یسر و فراوانی میں شاکرہ اور منفقہ، مصیبت اور تکلیف میں صبر و رضا کی پیکر' اکل و شرب

میں اکل حلال اور گفتگو میں صدق مقال کی خوگر تھیں اور مصیبت زدہ اور بیماروں کی حتی الوسع غمگسار خاتون تھیں۔

اسلامی پردہ اور سفید لباس: باطنی طہارت کے ساتھ ساتھ ظاہری لباس میں بھی نظافت شعار تھیں۔ ہر چند کہ بحکم

﴿ أَوَمَنْ يُنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ﴾ (الزخرف: ۱۸)

صنف نازک کے مزاج کے مطابق شریعت نے اسے زیور، ریشم، رنگین اور پھول دار مگر باپردہ لباس زیب تن کرنے کی اجازت دے رکھی ہے، مگر ہماری والدہ مرحومہ کو ایسے لباس سے قطعاً کوئی دلچسپی نہ تھی۔

میں نے اپنی پینتالیس سالہ شعوری زندگی میں ان کو کبھی شوخ اور پھول دار لباس پہنے نہیں دیکھا، ہمیشہ پرانی اور دیہاتی وضع کا ڈھیلا ڈھالا موٹا اور پورے پورے جسم کو محیط سفید مگر اجلا لباس ہی پہنے دیکھا ہے۔ غالباً اس کی وجہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد پیش نظر تھا:

((الْبَسُوا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ ---الحديث)) ❶

''سفید لباس پہنا کرو کہ وہ بہترین لباس ہے۔''

جب ہم کہتے ہیں کہ ماں جی سفید لباس جلد میلا ہو جاتا ہے اور رنگین لباس ویسے بھی عورت کے لئے جائز ہے، لہٰذا آپ سفید لباس پہننا چھوڑ دیں تو فرماتیں: اگرچہ رنگین لباس عورت کے لئے جائز ہے مگر میری طبیعت نہیں مانتی، مجھے سفید لباس ہی سے سکون ملتا ہے۔ شرعی پردہ کا التزام تو اس قدر تھا کہ چھہتر برس کی عمر میں جب کہ کینسر کا روگ ان کی صحت کو چاٹ چکا تھا بڑھاپے اور مرض کی وجہ سے پردہ کی پابندی شرعاً ساقط ہو چکی تھی، لیکن پھر بھی یہ پابندی بدستور جاری رہی۔ حتی کہ مرض کی شدت اور سخت تکلیف میں ڈاکٹر کو اپنا چہرہ دکھلانا گوارا نہ کیا۔ جب ڈاکٹر دیکھنے کے لئے آتا تو اپنا چہرہ اور جسم پوری طرح ڈھانپ لیتیں۔

چنانچہ جب زندگی کے آخری ایام میں ہسپتال میں زیر علاج تھیں تو ڈاکٹر نے چہرے کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے کپڑا اٹھا دیا تو اس کے چلے جانے کے بعد مجھے فرمایا کہ ڈاکٹر لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ ان کا یہ طریقہ مجھے سخت ناگوار گزرتا ہے، آپ ان کو کہہ دیں کہ وہ آئندہ میرا چہرہ دیکھنے کی کوشش نہ کریں۔ الغرض اسلامی پردہ کی یہ پابندی تادم واپسیں برابر قائم رہی۔

﴿وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ﴾

ذوق عبادت اور خشیت الٰہی: نماز پنجگانہ اول وقت اور وہ بھی قراءت طویلہ کے ساتھ پڑھنے کا اہتمام رہا، بالخصوص عشاء اور فجر کی نمازوں میں قرأت خاصی طویل ہوتی تھی۔ مرحومہ شرعی رخصتوں کی بجائے ہمیشہ عزائم پر عمل پیرا رہیں۔ چنانچہ سابق وضو قائم ہوتے ہوئے بھی ہر نماز کے لئے نیا وضو ضرور کرتیں۔ نئے وضو کا اہتمام اس قدر تھا کہ مرض موت میں نقاہت بہت زیادہ تھی سخت سردی میں بھی نئے وضو ہی کے ساتھ نماز پڑھتی رہیں، جب ہم تیمم کا مشورہ دیتے تو فرماتیں کہ اب تیمم میرے لئے بلاشبہ جائز ہے مگر وضو کرنا افضل ہے، اس لیے طبیعت نہیں مانتی۔ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر چارپائی پر قبلہ رخ بیٹھ کر سورۂ الٓمّٓ السجدہ، سورۂ یٰسین، سورۂ واقعہ اور سورۃ الملک کی تلاوت کے بعد علی الاقل ایک گھنٹہ تک تسبیح، تہلیل، استغفار اور دو سو دفعہ درود ابراہیمی کا مقررہ ہدف پورا کر کے نیند لیتیں۔ فرض نمازوں کی پابندی کے ساتھ ساتھ نماز تہجد کی بھی رسیا تھیں۔ نماز تہجد ادا فرما کر بڑے خشوع اور حضور قلب کے ساتھ بڑی لمبی دعائیں مانگتیں۔ خشیتِ الٰہی اور حشر نشر کی سختیوں کے خوف سے ہچکیاں بندھ جاتیں، بعض دفعہ تو بے ساختہ چیخیں نکل جاتیں۔ جب ہم ان کی چیخیں سن کر بیدار ہو جاتے تو جبراً اپنی چیخیں روک لیتیں۔ فجر کی اذان کے بعد اولین وقت میں نماز فجر ادا کر کے

❶ تحفة الاحوذي: جلد نمبر ۲ ص ۱۳۲۔

مسنون وظائف واذکار کے بعد طلوع شمس تک تسبیح وتہلیل، استغفار اور درود شریف کا وظیفہ کرتیں۔ سورج طلوع ہونے پر تلاوت قرآن میں مشغول ہو جاتیں اور جب تک پانچ پاروں کی تلاوت کا ہدف پورا نہ کر لیتیں چائے کی پیالی تک پینا پسند نہ کرتیں۔ اللہ اکبر۔

تِلْكَ اٰثَارُنَا تَدُلُّ عَلَيْنَا
فَانْظُرُوْا بَعْدَنَا اِلَى الْاٰثَارِ

میرے ابا جی کی شہادت: میرے والد بزرگوار مولانا محمد حسین التوفی رحمہ اللہ ۱۹۹۲-۴-۲۴ء نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل مجھے اپنی ایک تحریر پیش فرمائی جس میں والدہ مرحومہ میں پائی جانے والی درج ذیل یہ پانچ خوبیاں لکھی ہوئی تھیں:

① مشہور حدیث سَاقِیُ الْقَوْمِ آخِرُهُمْ کے مطابق ہمیشہ سب سے آخر میں بچا کھچا کھانا کھاتی تھیں۔

② نماز تہجد کی بڑی پابند تھیں۔

③ صحت ومرض میں باوضو نماز پڑھنے کی استمراری عادت۔

④ صحابیات کی پیروی میں دین میں استقامت۔

⑤ مسلک اہل حدیث کی تبلیغ میں حتی المقدور تعاون (ہمارے گاؤں کی سالانہ کانفرنسیں اور جلسے اس پر شاہد ہیں، مہمانوں کا کھانا اپنی طرف سے اور اپنی نگرانی میں تیار کرواتیں۔) اور حرام چیزوں سے مکمل اجتناب اور مشتبہ اشیاء سے مکمل پرہیز۔

نیز فرمایا کہ میں نے اپنے چھپن سالہ مشاہدہ کی روشنی میں جب آپ کی والدہ مرحومہ کی مومنانہ سیرت کی جھلک قرآن مجید میں تلاش کی تو یہ آیت ان پر صادق آتی ہے:

﴿ إِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقَاتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرَاتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصّٰٓئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ (الاحزاب: ۳۵)

ان دس اوصاف فاضلہ سے متصف مردوں اور عورتوں کو مغفرت اور جنت کی خوش خبری ہے، میرے چھپن سالہ علم ومشاہدہ کے مطابق آپ کی والدہ ماجدہؒ میں یہ سارے اوصاف موجود تھے اور مجھے قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اپنا یہ وعدہ ضرور پورا کرے گا، لہٰذا دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کا حشر انہی لوگوں کے ساتھ فرمائے۔

اَللّٰهُمَّ اَدْخِلْ وَالِدَةَ الْعَفِيْفِ جَنَّةَ الْفِرْدَوْسِ وَارْفَعْ دَرَجَتَهَا فِي الْمُحَدِّثِيْنَ وَاخْلُفْهَا فِي عَقِبِهَا فِي الْغَابِرِيْنَ وَاغْفِرْلَنَا وَلَهَا يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ وَافْسَحْ لَهَا فِيْ قَبْرِهَا وَنَوِّرْ لَهَا فِيْهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ آمین۔ (حررہ محمد حسین تغمدہ اللہ برحمتہ)

وفات حسرت آیات: سلامت فکر سلفی العقیدہ، کتاب وسنت کی شیدائی، عابدہ، زاہدہ، قوامہ، مہمان نواز، شب زندہ دار، غرباء ومساکین کے ساتھ ہمدردی رکھنے والی۔

یہ مثالی خاتون بروز اتوار بعد نماز فجر چھہتر برس کی عمر میں ۱۴۱۰-۱۱-۱۷ھ میں وفات پا گئیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهَا وَارْحَمْهَا وَاَدْخِلْهَا جَنَّةَ الْفِرْدَوْسِ۔

جن کی وفات سے جہاں تقویٰ وطہارت کا ایک باب ختم ہو گیا وہاں ہمارے غریب خانہ کی ساری رونقیں، برکتیں، سعادتیں اور

عورتوں میں کتاب و سنت کی خاموش تبلیغ بھی کی جاتی ہے ؎

کوئی نالاں کوئی گریاں کوئی نیم بسمل ہو گیا
ان کے اٹھتے ہی دگرگوں رنگ محفل ہو گیا

اولاد و احفاد: وفات کے وقت آپ کے ۵ بیٹے' ۳ بیٹیاں' ۱۴ پوتے' ۸ پوتیاں' ۳ نواسے' ۲ نواسیاں اور ایک پڑپوتی ماشاء اللہ بقید حیات ہیں، یوں تو آپ کی ساری اولاد کو ضروریات دین اور شرعی مسائل کی خاص واقفیت حاصل ہے، مگر آپ کے دو بیٹے راقم الحروف اور مولوی سعید احمد حنیف سلفی جھنگ شہر جامعہ سلفیہ کے فارغ التحصیل ہیں اور خدمت دین میں مصروف ہیں۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ آمِیْنَ!



کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے داماد تھے؟

شیعہ سنی متنازعہ فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ کیا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی دامادی کا شرف و اعزاز حاصل ہے؟ علمائے اہلِ سنت کے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ شرف یقیناً حاصل ہے جبکہ آج کے شیعہ علماء اس شرف و قرابت کے قائل نہیں، حالانکہ اکابر شیعہ علمائے کرام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس شرف و قرابت کو بہر نوع تسلیم کر چکے ہیں۔ پیشِ نظر مقالہ میں اسی مختلف فیہ مسئلہ کا حل فریقین کی صحیح اور معتبر کتب کے حوالہ جات کے ساتھ قارئین کرام کی خدمت میں محض اس لیے پیش کر رہا ہوں تا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس شرف و قرابت کو تسلیم نہ کرنے والے حضرات اپنے رویہ پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور فرمائیں اور جدل و مخاصمت کی مچلتی ہوئی ہوا میں قدرے ٹھہراؤ پیدا ہو سکے۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُرِيْدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ

حضرت ام کلثوم (زینب صغریٰ) بنت علی رضی اللہ عنہ جو کہ سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں بلاشبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں اور یہ ایسی حقیقت واقعیہ ہے کہ سنی محدثین کرام کے علاوہ خود شیعہ محدثین اور مؤرخین کو بھی اس حقیقت کا اقرار اور اعتراف ہے۔

سنی کتب اور نکاح ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ "ثعلبہ بن ابی مالک کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کی عورتوں میں چادریں تقسیم کیں۔ ایک عمدہ چادر بچ رہی۔ ان کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک نے کہا کہ حضرت! آپ یہ چادر رسول اللہ ﷺ کی نواسی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو عنایت فرما دیجیے جو آپ کی بیوی ہیں۔ الفاظ یہ ہیں: يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَعْطِ هٰذَا بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الَّتِيْ عِنْدَكَ. امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری بیوی ام کلثوم کے مقابلہ میں بی بی ام سلیط اس چادر کی زیادہ مستحق ہیں۔ وہ انصاری عورت تھیں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تھی۔ امیر المومنین کہنے لگے: یہ بی بی ام سلیط رضی اللہ عنہا جنگ اُحد میں پانی کی مشکیں اپنی کمر پر لاد لاد کر ہمارے لیے لاتی تھیں۔"[1]

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں اس حقیقت کو یوں بیان فرماتے ہیں: كَانَ عُمَرُ قَدْ تَزَوَّجَ أُمَّ كُلْثُوْمٍ بِنْتَ عَلِيٍّ وَ أُمُّهَا فَاطِمَةُ وَلِهٰذَا قَالُوْا لَهَا بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَكَانَتْ قَدْ

[1] بخاری: باب حمل النساء القرب الی الناس فی الغزو، ج۱، ص ۴۰۳ و ج۲، ص ۵۸۲، باب ذکر سلیط رضی اللہ عنہا۔

وَلَدَتْ فِيْ حَيَاتِهٖ وَهِيَ أَصْغَرُ بَنَاتِ فَاطِمَةَ. ❶

کہ حضرت ام کلثوم امیر المومنین جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، ان کی والدہ محترمہ کا نام فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اسی لیے لوگوں نے ان کو بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا، بی بی کلثوم رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں پیدا ہوئی تھیں اور یہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔

نواب وحید الزمان خانؒ اس حدیث کی شرح میں رقم طراز ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ چادر حضرت ام کلثوم کو اس خیال سے نہ دی کہ ان کی بیوی تھیں اور غیر عورت کو جس کا حق زیادہ تھا! مقدم رکھا۔ سبحان اللہ! رضی اللہ عنہ۔ ❷

علامہ کرمانی صحیح بخاری کی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ''ام کلثوم فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں پیدا ہوئی تھیں۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس محترمہ کا رشتہ طلب کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر آپ کو میری یہ بیٹی پسند ہے تو میں نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا۔ ❸

امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی اس صحیح حدیث کے بعد ہم کسی اور سنی کتاب کی تصریح اور حوالہ کی مزید ضرورت محسوس نہیں کرتے اور پھر مزید برآں شیخ الاسلام امام ابن حجر عسقلانی اور علامہ کرمانی کی صراحت کے بعد کسی قسم کی کوئی تشنگی باقی نہیں رہ جاتی۔ تاہم اتمام حجت کے لیے اکابر شیعہ علماء کی کتب معتبرہ سے ایسے گیارہ دلائل پیش کیے دیتے ہیں جن میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا داماد تسلیم کیا گیا ہے۔ لیجیے پڑھیے!

شیعہ محدثین اور مورخین کی کتب معتبرہ اور صحاح اربعہ

دلیل اول (از فروع کافی):

اس کتاب کے مولف اور شیعہ کے ثقۃ الاسلام ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی الرازی المتوفی ۳۲۸ یا ۳۲۹ھ اپنی اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ میں نے اپنی اس کتاب کو امام غائب مہدی المنتظر پر پیش کیا تو انہوں نے فرمایا: هذا كاف لشيعتنا یعنی اس پر مہر تصدیق ثبت فرمائی اور کہا کہ یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے دوسری کتاب کی حاجت نہیں۔

ملا خلیل شارح کافی اپنی کتاب الصافی شرح اصول کافی میں لکھتے ہیں: ''ہمارے علماء کی ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ آثار صحیح اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جو حدیث بھی کافی (اصول و فروع) میں مروی ہے بالکل صحیح ہے۔'' (الصافی: ص ۳۶) ان دونوں وضاحتوں سے ثابت ہوا کہ شیعہ دنیا میں کافی (اصول و فروع) کو صحیح اور مستند کتاب اور اس کی احادیث کا انکار گویا امام کو

---

❶ فتح الباری شرح صحیح البخاری: باب حمل النساء القرب الی الناس فی الغزوج ص ۵۹ کتاب الجهاد، صحیح بخاری، کتاب المغازی باب ذکر ام سلیط، ج ۲ ص ۵۸۲۔ ❷ تیسیر الباری ج ۳ ص ۱۰۸۔

❸ کرمانی شرح البخاری حاشیہ صحیح البخاری، ص ۴۰۳۔

جھٹلانے کے مترادف ہے، اور سنیوں کی صحیح البخاری کے پائے کی کتاب سمجھی جاتی ہے، اس لیے ہم نے اس کتاب کے حوالہ جات کو مقدم رکھا ہے۔ اب حوالہ جات ملاحظہ فرمائیے!

۱- عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ فِي تَزْوِيجِ أُمِّ كَلْثُومٍ فَقَالَ إِنَّ ذٰلِكَ فَرْجٌ غُصِبْنَاهُ. ●

امام جعفر صادقؒ سے جب بی بی ام کلثوم زینب صغریٰ بنت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح کے متعلق پوچھا گیا (کہ اس کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیسے ہو گیا؟ تو فرمانے لگے کہ یہ ایک رشتہ ہم سے چھین لیا گیا تھا۔

دلیل ثانی:

جناب جعفر صادقؒ کا بیان ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما کا رشتہ طلب فرمایا تو آپ نے جواب میں فرمایا: وہ ابھی جوان نہیں ہوئی تو اس جواب کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے ملاقات کی اور دریافت کیا کہ کیا میں بیمار ہوں؟ تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیوں کیا بات ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے آپ کے بھتیجے (علی رضی اللہ عنہ) سے ان کی بیٹی ام کلثوم کا رشتہ طلب کیا ہے انہوں نے انکار کر دیا ہے۔ یاد رکھیے! اگر اس نے میری فرمائش پوری نہ کی تو میں تم سے آب زمزم کی انتظامی سربراہی واپس لے لوں گا اور تمہاری ایک ایک بزرگی ختم کر دوں گا اور علی رضی اللہ عنہ پر چوری کے دو گواہ قائم کر کے چوری کی حد میں اس کا داہنا ہاتھ کاٹ دوں گا تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جذبات کی اطلاع کرتے ہوئے کہا کہ آپ اپنی دختر اُم کلثوم کے نکاح کا معاملہ میرے سپرد کر دو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ معاملہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ ●

دلیل ثالث:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سِنَانٍ وَ مُعَاوِيَةَ بْنِ عَمَّارٍ عَنْ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ قَالَ سَأَلْتُهُ عَنِ الْمَرْأَةِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا اَيْنَ تَعْتَدُّ فِي بَيْتِهَا اَوْ حَيْثُ شَاءَتْ قَالَ بَلْ حَيْثُ شَاءَتْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ عَلِيًّا صَلَوٰاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ لَمَّا مَاتَ عُمَرُ اَتٰى اُمَّ كَلْثُوْمٍ فَاَخَذَ بِيَدِهَا فَانْطَلَقَ بِهَا اِلٰى بَيْتِهٖ۔ ●

”عبداللہ بن سنان اور معاویہ بن عمار سے روایت ہے کہ ہم نے امام جعفر صادق سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ جب کسی عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو وہ عدتِ وفات کہاں گزارے؟ اپنے شوہر کے گھر بیٹھے یا جہاں چاہے گزارے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ جہاں چاہے بیٹھے۔ کیونکہ جب داماد علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر شہید ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی ام کلثوم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے تھے۔

● فروع کافی باب تزویج ام کلثوم کتاب النکاح ج ۵ ص ۳٤٦.

● فروع کافی: ۳٤٦/٥ طبع دار الکتب الاسلامیہ۔طهران.

● کتاب فروع کافی باب المتوفی عنها زوجها المدخول بها این تعتد وما يجب عليها، کتاب الطلاق ج٦ ص ۱۱٥.

دلیل رابع:

سلیمان بن خالد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جعفر صادقؒ سے پوچھا کہ بیوہ عورت عدت وفات کہاں پوری کرے؟ اپنے شوہر کے گھر عدت پوری کرے یا جہاں چاہے بیٹھ سکتی ہے؟ آپ نے میرے جواب میں کہا: جہاں چاہے اپنی عدت پوری کرے اور اپنی اس رائے کو مدلل کرتے ہوئے فرمایا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی دختر ام کلثوم (زوجہ عمر رضی اللہ عنہ) کے پاس تشریف لائے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے تھے۔ ❶

تبصرہ: قارئین کرام! اسے تعصب مذہبی کہیے گا یا سبائی ہاتھ کی صفائی کہ جب نکاح ام کلثوم کا دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ کی وجہ سے انکار نہ کر سکے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے غیور اور جسور انسان کو بے بس اور مجبور محض ظاہر کر دیا، گویا حضرت علی رضی اللہ عنہ جن کے بارے شیعہ حضرات لَافَتٰی إِلَّا عَلِیٌّ وَلَا سَیْفَ إِلَّا ذُوالْفِقَارِ اور مولیٰ مشکل کشا کہتے نہیں تھکتے نے بصورت اکراہ و مجبوری اس نکاح کا معاملہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سونپ کر اپنی جان چھڑائی تھی۔ سبائی حضرات اس حقیقت واضحہ کی کوئی بھی تاویل کریں مگر یہ حقیقت اپنی جگہ بہر حال اور بہر نوع قائم اور دائم ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے داماد اور بی بی ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ کے شوہر نامدار تھے۔ مزید پڑھیے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم دلائل اور براہین قاہرہ کی برکھا برسائے دیتے ہیں ؎

حجت تمام کرتے ہیں آسمان سے ہم

دلیل خامس:

شیخ الطائفہ ابوجعفر محمد بن جعفر طوسی متوفی ۴۶۰ھ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''تہذیب الاحکام'' میں غیر مبہم الفاظ میں اعتراف کیا ہے کہ بی بی ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہ جو سیدہ فاطمہ الزہراء کے بطن سے تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سِنَانٍ وَ مُعَاوِیَةَ بْنِ عَمَّارِ بْنِ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ سَأَلْتُهٗ عَنِ الْمَرْأَةِ الْمُتَوَفّٰی عَنْهَا زَوْجُهَا أَیْنَ تَعْتَدُّ؟ فِیْ بَیْتِ زَوْجِهَا أَوْ حَیْثُ شَاءَتْ قَالَ بَلْ حَیْثُ شَاءَتْ إِنَّ عَلِیًّا لَمَّا تُوُفِّیَ عُمَرُ أَتٰی أُمَّ کَلْثُوْمٍ فَانْطَلَقَ بِهَا إِلٰی بَیْتِهٖ. ❷

عبداللہ بن سنان اور معاویہ بن عمار سے روایت ہے کہ ہم نے امام جعفر صادق سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ جب کسی عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو وہ عدت وفات کہاں گزارے؟ اپنے شوہر کے گھر بیٹھے یا جہاں چاہے گزارے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ جہاں چاہے بیٹھے۔ کیونکہ جب داماد علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر شہید ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی ام کلثوم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے تھے۔

---

❶ فروع کافی: کتاب الطلاق ۱۱۶/۶۔

❷ تہذیب الاحکام: کتاب الطلاق مطبوعه عراق، ج۹، ص ۲۶۲.

دلیل سادس:

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ خَالِدٍ قَالَ سَأَلْتُ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ عَنِ امْرَأَةٍ مُتَوَفًّى عَنْهَا زَوْجُهَا أَيْنَ تَعْتَدُّ؟ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا أَوْ حَيْثُ شَاءَتْ قَالَ بَلْ حَيْثُ شَاءَتْ ثُمَّ قَالَ إِنَّ عَلِيًّا لَمَّا تُوُفِّيَ عُمَرُ أَتَى أُمَّ كَلْثُومٍ فَأَخَذَ بِيَدِهَا فَانْطَلَقَ بِهَا إِلَى بَيْتِهِ۔ ❶

''سلیمان بن خالد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جعفر صادق سے پوچھا کہ بیوہ عورت عدت وفات کہاں پوری کرے؟ اپنے شوہر کے گھر عدت پوری کرے یا جہاں چاہے بیٹھ سکتی ہے؟ آپ نے میرے جواب میں کہا: جہاں چاہے اپنی عدت پوری کرے اور اپنی اس رائے کو مدلل کرتے ہوئے فرمایا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی دختر ام کلثوم (زوجہ عمر رضی اللہ عنہ) کے پاس تشریف لائے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے تھے۔''

ان دونوں روایتوں کا درجہ استناد: فروع کافی کی روایات نمبر ۳ و نمبر ۴ کو ہم نے شیعہ کی صحاح اربعہ میں شامل کتاب ''تہذیب الاحکام'' سے دوبارہ اس لیے نقل کیا ہے تا کہ قارئین کو ان روایتوں کے پائے کا علم ہو جائے کہ شیعی محدثین نے ان روایات کو صرف قبول ہی نہیں کیا بلکہ ان سے مسائل فقہیہ کا استخراج بھی کیا ہے تا کہ کسی شخص کو ان روایتوں کو کمزور یا ضعیف کہنے کی جرات ہی نہ ہو' کیونکہ محدث اس روایت سے ہی مسئلہ اخذ کرتا ہے جس کو وہ صحیح سمجھتا ہے، ضعیف اور کمزور روایت سے استدلال کی کوئی تک ہی نہیں ہوتی۔ جب اصل اور مستدل ہی کمزور ہو تو فرع اور استدلال لامحالہ تارِ عنکبوت ہی ہوگا۔

دلیل سابع:

حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ اپنے والد حضرت باقر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما اور اس کا بیٹا زید بن عمر بن خطاب دونوں ماں بیٹا ایک ہی وقت میں فوت ہوئے اور یہ علم نہ ہو سکا کہ ان دونوں میں سے کون پہلے فوت ہوا! اور ان دونوں میں سے کوئی دوسرے کا وارث نہ بن سکا اور ان دونوں کی نماز جنازہ بھی اکٹھی پڑھی گئی۔ ❷

دیکھیے! کتنے صاف اور کھلے الفاظ میں اقرار کیا گیا ہے کہ حضرت کلثوم بنت علی نہ صرف عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں بلکہ ان کے بطن سے ایک بیٹا بھی تولد ہوا جس کا نام زید بن عمر رضی اللہ عنہ تھا۔

دو روایتیں (یعنی نمبر ۳ و نمبر ۴) جناب ابوجعفر محمد بن حسن طوسی المتوفی ۴۶۰ھ اپنی دوسری کتاب ''استبصار فیما اختلف من الاخبار'' میں بھی لائے ہیں، یہ کتاب شیعہ کی صحاح اربعہ میں شمار ہوتی ہے۔ مولف کے اس طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں روایتیں ان کے نزدیک غایت درجہ کی صحیح ہیں، ورنہ وہ ان کو بار بار نقل نہ کرتے۔

---

❶ تهذيب الاحكام: حواله مذكور.

❷ تهذيب الاحكام۔ ٩/٢٦٢، ٢٦٣.

دلیل ثامن:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سِنَانَ وَ مُعَاوِيَةَ بْنِ عَمَّارٍ عَنْ أَبِىْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ سَأَلْتُهٗ عَنِ الْمَرْأَةِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا تَعْتَدُّ فِىْ بَيْتِهَا أَوْ حَيْثُ شَاءَ تْ؟ قَالَ بَلْ حَيْثُ شَاءَ تْ قَالَ إِنَّ عَلِيًّا لَمَّا تُوُفِّىَ عُمَرُ أَتٰى إِلٰى أُمِّ كَلْثُوْمٍ فَانْطَلَقَ بِهَا إِلٰى بَيْتِهٖ۔ ❶

عبداللہ بن سنان اور معاویہ بن عمار کہتے ہیں کہ ہم نے امام جعفر صادق سے دریافت کیا کہ بیوہ عورت اپنی عدت کہاں پوری کرے؟ کیا ضروری ہے کہ وہ اپنے شوہر ہی کے گھر عدت پوری کرے؟ کہا: جہاں چاہے عدت پوری کر سکتی ہے کیونکہ عمر بن خطاب کی وفات پر حضرت علی اپنی بیٹی ام کلثوم کو حضرت عمر کے گھر سے اپنے گھر لے آئے تھے۔

دلیل تاسع:

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ خَالِدٍ قَالَ سَأَلْتُ اَبَا عَبْدِاللّٰهِ عَنِ امْرَأَةٍ تُوُفِّىَ عَنْهَا زَوْجُهَا أَيْنَ تَعْتَدُّ فِىْ بَيْتِ زَوْجِهَا أَوْ حَيْثُ شَاءَ تْ قَالَ بَلْ حَيْثُ شَاءَ تْ ثُمَّ قَالَ إِنَّ عَلِيًّا لَمَّا مَاتَ عُمَرُ أَتٰى أُمَّ كَلْثُوْمٍ فَأَخَذَ بِيَدِهَا فَانْطَلَقَ بِهَا إِلٰى بَيْتِهٖ. ❷

سلمان بن خالد کہتے ہیں کہ ہم نے امام جعفر صادق سے دریافت کیا کہ بیوہ عورت اپنی عدت کہاں پوری کرے؟ کیا ضروری ہے کہ وہ اپنے شوہر ہی کے گھر عدت پوری کرے؟ کہا: جہاں چاہے عدت پوری کر سکتی ہے کیونکہ عمر بن خطاب کی وفات پر حضرت علی اپنی بیٹی ام کلثوم کو حضرت عمر کے گھر سے اپنے گھر لے آئے تھے۔

دلیل عاشر:

قاضی نور اللہ شوستری شہید ثالث جو کہ گیارہویں صدی کے مشہور شیعہ مجتہد ہیں اپنی مایہ ناز کتاب مجالس المؤمنین میں فروع کافی کی دوسری روایت کو فارسی زبان میں یوں لکھتے ہیں:

در کتاب استغاثہ وغیر آں مسطور است کہ چوں عمر بن خطاب جہت ترویج خلافت فاسدہ خود داعیہ تزویج ام کلثوم دختر حضرت امیر نمود و آں حضرت جہت اقامت حجج مکرر اظہار با د امتناع نمود آخر عمر رضی اللہ عنہ عباس رضی اللہ عنہ را خود طلبید و سوگند خوردہ گفت کہ اگر علی را بداما دی من راضی نمیسازی آنچہ در دفع او ممکن باشد خواہم کرد و منصب سقایت حج و زمزم را از تو خواہم گرفت عباس ملاحظہ نمود کہ اگر ایں نسبت واقع نشود آں فظ و غلیظ مرتکب چناں امر ناصواب خواہد شد از امیر علیہ السلام التماس والحاح نمود کہ نکاح آں مطہرہ مظلومہ را با و تفویض نماید و چوں مبالغہ عباس در آں باب از حد گزشت آنحضرت از روئے اکراہ ساکت شدند تا آنکہ عباس از خود ارتکاب ترویج او نمود و جہت

❶ کتاب الاستبصار: باب المتوفیٰ عنها زوجها ان تبیت عن منزلها ام لا۔ (ج۳ ص۲۰۲۔ طبع دار الکتب الاسلامیہ تہران۔

❷ کتاب استبصار: باب المتوفیٰ عنها زوجها...... ۳/۲، ۳۵۲ طبع تہران۔

اطفاء نائرہ فتنہ اوراباں منافق ظاہر الاسلام عقد فرمود۔ ❶

''کتاب استغاثہ وغیرہ میں منقول ہے کہ جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کو ترویج دینے کے لیے حضرت علی المرتضیٰ کی بیٹی ام کلثوم کا رشتہ طلب کیا تو آپ نے دوبارہ حجت قائم کرنے کے لیے اس سے انکار کر دیا۔ آخر کار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بلایا اور قسم کھا کر کہا کہ اگر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجھے اپنا داماد بنانے پر تیار نہ کیا تو مجھ سے جو کچھ ہو سکا کروں گا اور سقایہ حج اور زمزم کا منصب تجھ سے واپس لے لوں گا۔ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ معلوم کر لیا کہ یہ سخت آدمی اس ناروا معاملہ کو اسی طرح کرے گا، جیسا کہ وہ کہہ کر رہا ہے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چمٹ کر التماس کی کہ اس مطہرہ مظلومہ کے نکاح کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دے دیں۔ جب حضرت اس بارے میں حد سے گزر گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بصورت اکراہ خاموشی اختیار کر لی یہاں تک کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ پھر اپنے آپ اس نکاح کے مرتکب ہوئے اور بھڑ کنے والے فتنہ کی آگ کو بجھانے کی خاطر اس منافق ظاہر اسلام (عمر رضی اللہ عنہ) کے ساتھ عقد کر دیا۔

قارئین کرام! اندازہ فرمایئے قاضی نور اللہ شیعہ مجتہد نے کتنے زہریلے الفاظ میں اس نکاح کا اقرار کیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رضا مندی کو کتنی چابکدستی سے غتربود کرنے کی کوشش کی ہے اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر کتنا ناپاک حملہ کیا ہے ایک طرف تو انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دامادی کا شرف حاصل ہو رہا ہے اور دوسری طرف ان پر منافقت کا فتویٰ لگا کر فتنہ سبائیت کو ہوا دی جا رہی ہے اور تیسری طرف ام کلثوم کو مظلومہ اور مجبورہ ثابت کر کے حضرت عمر فاورق رضی اللہ عنہ سے نفرت دلائی جا رہی ہے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اگر آپ تھوڑا سا بھی غور فرمائیں گے تو آپ پر یہ راز کھل جائے گا کہ حبّ اہل بیت کا لبادہ اوڑھ کر اہل بیت سے کس قدر دشمنی کی جا رہی ہے اور ان کی غیرت کا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ (العیاذ باللہ) وہ اتنے کمزور تھے کہ وہ اپنی بیٹیوں کی عزت کی حفاظت نہ کر سکتے تھے۔ جبکہ شیعی عقیدہ کے مطابق حضرت علی مولیٰ مشکل کشا ہیں اور چودہ سو سال کے بعد ان کی مدد کر سکتے ہیں اور یا علی مدد ان کا ورد بن چکا ہے جس کا آغاز عبداللہ بن سباء نے کیا تھا۔

خزاں کے ہاتھ سے گلشن میں خار تک نہ رہا
بہار کیسی نشان بہار تک نہ رہا

دلیل احد عشر:

لیجئے! ہم آپ کی خدمت میں پیش کیے دیتے ہیں ایک ایسی روایت جو شیعہ کی معتبر تاریخ کتاب ناسخ التواریخ میں درج ہے جو نہ صرف قاضی نور اللہ کی اس دوہری پالیسی کی تردید کر رہی ہے بلکہ اس رشتہ کے معاملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مکمل رضا مندی کا بھی کھلا ثبوت ہے۔ وہ روایت حسب ذیل ہے:

❶ مجالس المومنین ج۱ ص ۱۸۲۔۲٫۷٤ ج۱ کشف الاسرار ص ۳۹۔ از مناظر اسلام مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ بلوچ فیصل آبادی.

"حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح بڑی خوشی سے خود کیا' مہر وصول کیا اور بیٹی کو اپنے شوہر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اتباع کی وصیت فرمائی۔" ❶

مزید برآں یہ کہ خود قاضی صاحب موصوف اپنی اس کتاب "مجالس المومنین" میں ایک دوسرے مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس مجبوری کا خود بھی ذکر نہیں کرتے۔ فرماتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی عثمان رضی اللہ عنہ کو دی اور علی رضی اللہ عنہ ولی نے اپنی بیٹی عمر رضی اللہ عنہ کو دی۔ ❷

مناظر اسلام مولانا محمد صدیق بلوچ کا قول فیصل:

فرماتے ہیں چوتھی صدی کا محدث اعظم محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینی رازی اپنی مایہ ناز کتاب "کافی" میں دو مقام پر چار سندوں کے ساتھ اس واقعہ کو بیان کرے اور پانچویں صدی کا شیعی محدث علامہ ابوجعفر محمد بن حسن بن علی طوسی جس کو شیعی دنیا میں امام مسلم کا رتبہ حاصل ہے، اپنی دونوں تصنیفوں میں اس روایت کو متعدد طرق سے نقل کرے۔ اس بنا پر اس روایت کو درجہ تواتر کیوں نہ حاصل ہوگا؟ حالانکہ شیعی اصول حدیث کی کتابوں میں اس سے کم درجہ کی اخبار کو درجہ تواتر میں شمار کیا گیا ہے۔ دیکھئے "معالم الاصول" میں منقول ہے:

(ترجمہ) "تواتر معنوی کا بیان۔ بہت سی جنگوں کے واقعات کثرت سے آتے ہیں اور مختلف ہوتے ہیں، لیکن ہر ایک خبر ان سے التزامی اور تضمنی کے اعتبار سے ایک ہی معنی پر منتج ہوتی ہے اور ان سے ایک قدر مشترک کا علم حاصل ہو جاتا ہے اور ایسی خبر کا نام "متواتر من جہت المعنی" رکھا جاتا ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر المومنین کے جنگی واقعات ہیں کہ آپ نے فلاں شخص کو غزوہ بدر میں اس طرح قتل کیا اور فلاں کے ساتھ اُحد میں یہ سلوک کیا وغیرہ وغیرہ۔ پس یہ خبریں التزامی طور پر آپ کی شجاعت پر دلالت کرتی ہیں اگر چہ ان جزئیات سے کوئی شے بھی قطعی علم کے درجہ کو نہیں پہنچتی۔" ❸

جب جنگی خبروں کو تواتر کا درجہ دیا جا رہا ہے تو اس حدیث کو کیوں نہ درجہ تواتر حاصل ہوگا؟ اور خبر متواتر سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے اور اس کا انکار ناممکن ہے، اسی لیے تو کتاب "مرآة العقول شرح فروع و اُصول" کے مصنف نے اس روایت کے منکرین پر تعجب کا اظہار کیا ہے، فرماتے ہیں:

تِلْكَ الْاَخْبَارُ وَمَا سَيَأْتِي بِأَسَانِيدَ أَنَّ عَلِيًّا لَمَّا تُوُفِّيَ عُمَرُ أَتَى أُمَّ كَلْثُوم فَانْطَلَقَ بِهَا إِلٰى بَيْتِهِ وَغَيْرُ ذٰلِكَ بِهَا أَوْرَدْتُهُ فِي كِتَابِ بِحَارِ الْأَنْوَارِ أَنْكَارُ ذٰلِكَ عَجِيبٌ. ❹

یہ تمام حدیثیں اور جو بعد میں باسناد ذکر کی جائیں گی کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ام کلثوم کے پاس آئے اور ان کو اپنے گھر لے گئے اس کے سوا جن روایات کو میں نے اپنی کتاب "بحار الانوار" میں ذکر کیا ہے

---

❶ ناسخ التواریخ: ص ۲۹۶ ج۲۔ ❷ مجالس المومنین: ج۱ ص۲۰٤۔
❸ معالم الاصول۔ المطلب السادس فی الاخبار ص/۱۷۲ طبع عراق۔ ❹ مرآة العقول: ٤٤٨۔

ان کا انکار کرنا عجیب بات ہے۔

حدیثِ متواتر سے انکار ناممکن ہے:

تکثیر اسناد کے ساتھ روایت کے بیان ہونے کے بعد اس سے انکار مشکل نہیں ناممکن ہوتا ہے، کیونکہ متواتر کے سچے ہونے اور واقع ہونے میں کوئی شک ہوتا ہی نہیں جیسا کہ ''معالم الاصول'' میں متواتر کی تعریف میں لکھا ہے:

فَالْمُتَوَاتِرُ هُوَ خَبَرُ جَمَاعَةٍ يُفِيْدُ بِنَفْسِهِ الْعِلْمَ بِصِدْقِهِ وَلَا رَيْبَ فِيْ إِمْكَانِهِ وَ وُقُوْعِهِ. (ص ۱۶۹)

یعنی متواتر وہ روایت ہے جسے ایک جماعت بیان کرے اور وہ بذات خود فائدہ علم یقینی کا دیتی ہے بلحاظ اپنے سچے ہونے کے، اس کے وقوع اور امکان میں کسی قسم کے شک کی بھی گنجائش نہیں ہوتی۔

کتاب ''معالم الاصول'' شیعہ کے نزدیک اصول حدیث و فقہ کی یکتا کتاب ہے۔ ان مذکورہ حدیثوں کی روشنی میں جو تعداد اسناد کے اعتبار سے حد تواتر کو پہنچ چکی ہیں انکار کرنا گویا شیعہ مذہب سے انکار کے مترادف ہے۔

آپ متعجب ہوں گے کہ جب اتنی روایات صحیح موجود ہیں تو پھر شیعہ حضرات اس رشتہ کا انکار کیوں کرتے ہیں؟ اصل بات وہی ہے جو ہم ابتدا میں ذکر کر آئے ہیں کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دامادی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا شرف حاصل ہو جاتا ہے تو پھر تمام شیعی اعتراضات جو خلیفہ ثانی عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر کیے جاتے ہیں ان کی حقیقت هَبَاءً مَّنْثُوْرًا کی سی رہ جاتی ہے اور تمام شیعی مذہب کا تار و پود بکھر کر رہ جاتا ہے، اس لیے وہ اتنی بیّن روایات کے ہوتے ہوئے بھی اپنے بوسیدہ اعتراضات اور ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے اور میں نہ مانوں کی رٹ لگائے جاتے ہیں، حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا کا داماد تسلیم کر لینے سے شیعہ سنی اختلاف کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ جب دونوں اکابرین باہم اس قدر گہرے مراسم رکھتے اور یوں آپس میں شیر و شکر تھے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو پکا مسلمان سمجھتے تھے۔ ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک منافق، ظاہر الاسلام اور کافر سے اپنی صاحبزادی کا نکاح کیوں کرتے؟ اگر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حقوق کے غاصب ہیں تو انہوں نے بایں قوت و حشمت اپنے بدترین دشمن کو شرف دامادی کیوں عطا کیا؟ دراصل بات یہ ہے کہ حضرت عمر کو سبائی پروپیگنڈے کا ہدف بنایا گیا ہے، ورنہ ان کے مخلص مسلمان ہونے اور اسلام کی خدمات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا اہل بیت کو کسی قسم کا انکار یا شک و شبہ نہ تھا۔

ایک تاویل اور اس کا جواب:

شیعہ حضرات حضرت عمر فاروق کی دشمنی میں اس رشتہ کا انکار کرتے ہوئے اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کیا تھا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک جن عورت کو اپنی بیٹی اُمّ کلثوم کی صورت میں ڈھال کر عمر رضی اللہ عنہ سے بیاہ دیا تھا۔

جواب: اہل علم و تحقیق شیعہ علماء خود ایسی پوچ تاویلوں کو مسترد کرتے ہوئے اس حقیقی واقعہ کو کھلے دل اور شرح صدر کے ساتھ تسلیم کر چکے ہیں۔ جیسا کہ ''فروع کافی'' کے محشی علامہ علی اکبر غفاری دلیل اول کے حاشیہ میں اس رشتہ کا اعتراف کرتے

ہوئے لکھتے ہیں:

أُمُّ كَلْثُومٍ هٰذِهٖ هِيَ بِنْتُ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَدْ خَطَبَهَا إِلَيْهِ عُمَرُ فِيْ زَمَنِ خَلَافَتِهٖ. ❶

"یہ بی بی ام کلثوم امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی دختر ہیں اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں اسی بی بی کا رشتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے طلب کیا تھا۔"

لیجئے جناب! اس پوچ تاویل کا بھانڈا بیچ چوراہے کے پھوٹ گیا۔

ہوا مدعی کا میرے حق میں فیصلہ اچھا
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا

ایک اور تاویل اور اس کا جواب:

ام کلثوم نامی عورت جس کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوا وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھی۔

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دختر کا نام بھی ام کلثوم تھا، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز صحیح نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا نام ام کلثوم نہ تھا اور پھر "تہذیب الاحکام" کی وہ روایت جو پیش نظر مقالہ کی دلیل نمبر۲ میں عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ مَاتَتْ أُمُّ كَلْثُوْمٍ بِنْتِ عَلِيٍّ وَابْنُهَا زَيْدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ سَاعَةٍ وَاحِدَةٍ لَا يُدْرٰى أَيُّهُمَا هَلَكَ......الخ کی کیا تاویل کرو گے؟ ❷

خلاصہ کلام یہ کہ سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا جو کہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں اور رسول اللہ ﷺ کی نواسی تھیں، بلاشبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بلا جبر و اکراہ بیاہی گئی تھیں اور ان کے بطن سے ایک لڑکا زید بن عمر رضی اللہ عنہما پیدا ہوا تھا اور اس رشتہ کی روایت خود شیعہ علمائے اصول کے نزدیک متواتر ہے اور متواتر روایت کا انکار بہت بڑی جسارت ہے اور مذہب شیعہ سے انکار کے مترادف ہے۔



❶ حاشیہ فروع کافی: ج ٥ ص ٤٣٦.

❷ ملاحظہ فرمایئے تہذیب الاحکام، کتاب المیراث ج ۹ ص ٢٦٢-٢٦٣.

کتاب العقائد

لڑکی کو کفر سے بچانے کے لئے بامر مجبوری وقتی طور پر مرزائی سے نکاح

سوال: لڑکا بھی مسلمان ہے اور لڑکی بھی مسلمان ہے۔ ان دونوں کے اہل خانہ بھی مسلمان ہیں، لیکن لڑکی کا والد قادیانی ہے، لڑکا اور لڑکی کا رشتہ طے پایا ہے۔ لیکن لڑکی کا والد جو قادیانی ہے اس نے شرط یہ لگائی ہے کہ نکاح بھی ہمارا آدمی ربوہ سے آ کر پڑھائے گا اور ہمارا ایک فارم ہے وہ بھی لڑکے نے پُر کرنا ہوگا، لیکن لڑکا اور اس کے والدین کہتے ہیں کہ وقتی طور پر فارم بھی پر کر لیتے ہیں اور نکاح بھی کر لیتے ہیں لیکن گھر واپس آ کر شریعت محمدی ﷺ کے مطابق دوبارہ نکاح کر لیں گے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو وہ مسلمان لڑکی ایک قادیانی کے نکاح میں چلی جائے گی۔ کیا لڑکے کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

(سائل حافظ نیک عالم، کھاریاں ضلع گجرات)

الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال لڑکی اور لڑکا مسلمان ہیں اور قادیانیوں کو کافر سمجھتے ہوئے عقیدہ ختم نبوت پر ایمان محکم رکھتے ہیں یعنی مرزائیوں کی تینوں پارٹیوں (قادیانی، لاہوری اور ربوی) کے کافر ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور پھر دوبارہ نکاح بھی اسلامی طریقے پر پڑھ لیں گے، یعنی سب کچھ محض اس لئے کر رہے ہیں کہ ایک مسلمان لڑکی قادیانی کافروں کے چنگل سے بچالی جائے تو اس مجبوری کے پیش نظر وقتی طور پر لڑکی کے قادیانی والد کی شرط مان لینے کی گنجائش ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيْمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (النحل:١٠٦)

"جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو مگر جو کوئی کھلے دل سے کفر کرے تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔"

امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَلِهٰذَا اِتَّفَقَ الْعُلَمَآءُ عَلٰى أَنَّ الْمُكْرَهَ عَلَى الْكُفْرِ يَجُوْزُ لَهٗ أَنْ يُّوَالِيَ إِبْقَاءً لِمُهْجَتِهٖ. [1]

"اہلِ علم کا اس رائے پر اتفاق ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے تو وہ جان بچانے کے لئے کفر کے ساتھ وقتی طور پر دوستی کر لے۔"

امام قرطبی لکھتے ہیں کہ اہلِ علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے اور وہ جان بچانے کے لئے

[1] تفسیر ابن کثیر: ج۲ ص ۶۰۶

قولاً یا فعلاً کفر کا ارتکاب کرلے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو کافر نہیں ہوگا، نہ اس کی بیوی اس سے جدا ہوگی اور نہ اس پر دیگر احکام کفر لاگو ہوں گے۔ ●

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جان بچانے کے لیے کلمہ کفر کہہ دینا چاہیے، بلکہ یہ محض رخصت ہے اگر ایمان دل میں رکھتے ہوئے آدمی مجبوراً ایسا کہہ دے یا کرلے تو مواخذہ نہ ہوگا، ورنہ مقام عزیمت یہی ہے کہ خواہ آدمی کا جسم تکہ بوٹی کر ڈالا جائے بہر حال وہ کلمہ حق ہی کا اعلان کرتا رہے۔ جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی نظیر ہمارے سامنے ہے۔

بہر حال میں اس لڑکی کو کفر سے بچانے کے لئے بامر مجبوری وقتی طور پر مرزائی سے نکاح پڑھوا لیں اور ان کے رجسٹر پر لڑکا دستخط کردے، بعد ازاں تجدید نکاح شرعاً ضروری ہے کیونکہ قادیانی کافر ہیں اور کافر والد مسلمان بچی کا شرعاً ولی نہیں ہوتا اور ولی کی اجازت کے بغیر شرعاً نکاح منعقد نہیں، لہٰذا لڑکی اس فرضی کاروائی کے بعد کسی مسلمان رشتہ دار مرد کو اپنا ولی مقرر کر کے نکاح پڑھوا لے۔ ھذا ما عندی و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

شیعہ کیا ہیں کیا نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے پیش امام اور خطیب مولانا دلپذیر صاحب ۲۷۔۲۸ سال سے ہمارے گاؤں میں فرائض امامت و خطابت سرانجام دے رہے ہیں، اس عرصہ میں وہ مولانا صاحب ہمیں ہر قسم کے مسائل بتاتے ہوئے اور یہ بھی بتاتے رہے کہ شیعہ رافضی کافر ہیں، ان سے نکاح، ان کے ساتھ قربانی میں شریک ہونا، ان کی جنازہ میں شریک ہونا ناجائز اور حرام ہے، ایک دفعہ ایک شیعہ رافضی کے جنازہ میں بعض مسلمانوں کے شریک ہونے پر ان کے نکاح ٹوٹنے کا فتویٰ بھی دیا، پھر ان لوگوں کا نکاح دوبارہ پڑھا گیا، شیعوں نے مکان سوزی کے جعلی مقدمہ میں مولوی صاحب مذکورہ اور چند دوسرے افراد کو ملوث کر دیا۔ جس سے مولوی صاحب انتہائی درجہ گھبرا گئے اور اس نے پنچائت میں تحریری طور پر معافی نامہ دے کر صلح کر لی۔ معافی نامہ میں یہ دائر کیا کہ شیعہ پکے مسلمان ہیں، مجھ سے غلطی ہوئی ہے، میں معافی چاہتا ہوں۔

ہم نے ان کو نماز پڑھانے سے منع کر دیا، ایک دوسری پارٹی اس کو امام رکھنے پر مصر ہے۔ سوال طلب امر یہ ہے کہ آیا اس امام کے پیچھے نماز جمعہ وعیدین وغیرہ جائز ہے یا ناجائز؟ (ابوالحسن مبشر احمد ربانی، میاں تحصیل پھالیہ ضلع منڈی بہاؤالدین)

الجواب بعون الوھاب: بشرط صحت سوال' شیعہ اثناء عشریہ اپنے حسب ذیل پانچ خصوصی عقائد و افکار کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں سے علیحدہ گروہ ہے اور وہ عقائد و افکار یہ ہیں:

❶ ...... اکثر صحابہ مرتد ہو گئے تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین باستثناء چند افراد معاذ اللہ منافق اور مرتد ہیں بالخصوص حضرات شیخین یعنی سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما۔ نہ صرف یہ کہ کافر' منافق' غاصب اور ظالم تھے بلکہ رسوائے زمانہ نمرود' فرعون' ابوجہل حتیٰ کہ ابلیس لعین سے بھی بڑے کافر تھے، جیسے کہ ان کی بنیادی اور مستند کتابوں میں لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو شیعی

● كتاب احسن البيان: ص ٣٦٤.

ثقۃ الاسلام ابوجعفر محمد بن یعقوب کلینی کی اصول کافی "باب فیه نكت و نتف من التنزيل فی الولاية (ج ١ ص ٤٢٠، ٤٢٩) اور باب إن الأئمة نور من الله (ج ٥ ص ١١٩) اور حق اليقين ملا باقر مجلسی (باب اثبات رجعت ص ٣٤٢)

بطور نمونہ کے دو حوالے ملاحظہ فرمایئے:

① شیعہ کے درجہ اول کے محدث ملا محمد بن یعقوب اپنے پانچویں امام محمد بن علی الباقر کے نام سے یہ عقیدہ پیش کرتے ہیں:

كَانَ النَّاسُ أَهْلَ رِدَّةٍ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ وَآلِهِ إِلَّا ثَلَاثَةٍ وَسَئَلْتُ وَمَنِ الثَّلَاثَةُ؟ فَقَالَ الْمِقْدَادُ بْنُ الْأَسْوَدِ وَ أَبُو ذَرِّ الْغِفَارِيُّ وَ سَلْمَانُ فَارَسِيُّ رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمْ وَ بَرَكَاتُهُ. ❶

''کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سب لوگ (صحابہ) سوائے حضرت مقدادؓ حضرت ابو ذر اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کے مرتد ہو گئے تھے۔''

② قرآن کے اندر جو فرعون اور ہامان کا ذکر ہوا ہے یہ دونوں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ (اصول کافی اور کتاب حق الیقین) اور اسی کتاب حق اليقين میں یہ تک لکھا ہے کہ صحابہ کا دوست بھی کافر ہے۔ (ص:۵۲۲) اور جہنم میں سب سے پہلے زیادہ سے زیادہ عذاب انہی دونوں کو ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ (كتاب حق اليقين ص ٥٠٩، ٥١٠) یہ تو ہے شیعہ کا عقیدہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں۔ اب قرآن مجید کے بارے میں ان کا عقیدہ فاسدہ پڑھیے۔

◆ ..... قرآن تحریف شدہ ہے

مسلمانوں کے ہاتھوں میں متداول اور موجودہ قرآن مجید اپنی اصل شکل میں نہیں بلکہ معاذ اللہ یہ قرآن محرف ہے اور اس میں پانچ قسم کی تحریف کی گئی ہے (۱) کمی (۲) اضافہ (۳) تبدل حروف (۴) تبدل الفاظ (۵) سورتوں، آیتوں اور کلمات قرآن میں تبدیلی۔ (اصول كافي باب فيه ذكر الصحيفة و الجامعة و مصحف فاطمه ج ١ ص۔ ٢٣٩ تا ٢٤٢)

ملا حسن بن محمد تقی نوری طبرسی کی کتاب فصل الخطاب في اثبات تحريف كتاب رب الارباب جو ۲۹۸ صفحات پر مشتمل ہے، قرآن میں تحریف ثابت کرنے کے لئے لکھی گئی ہے۔

عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ قَالَ إِنَّ الْقُرْآنَ الَّذِي جَاءَ بِهِ جِبْرِيلُ سَبْعَةَ عَشَرَ أَلْفَ آيَةٍ. ❷

اصل قرآن وہ ہے جو جبریل رسول اللہؐ کے پاس لایا تھا اس کی ۱۷ ہزار آیات تھیں۔ جبکہ مسلمانوں کے پاس قرآن مجید جو مکمل ہے اس کی ٦٦٦٦ آیات ہیں۔

موجودہ قرآن کو مکمل اور محفوظ کہنے والا کذاب ہے۔ (اصول كافي كتاب الحجة ج ١ ص ٢٢٨) اور اسی کتاب کے باب النوادر میں ہے کہ شیعوں کا ایک قرآن الجامعہ ستر ہاتھ لمبا ہے۔ اصول كافي باب فيه الصحيحة و الجفر و الجامعه و مصحف فاطمه ج ١ ص ٢٣٩ تا ٢٤٢ کے مطابق قرآن مجید ایک نہیں چار ہیں۔ اور پھر ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ جبکہ قرآن مجید کی متعدد نصوص صریحہ کے مطابق صرف ایک قرآن نازل ہوا تھا اور وہ اپنی اصل شکل میں محفوظ اور متداول ہے۔ صدق الله تعالىٰ:

❶ فروع كافي: باب توبة ولد يعقوب۔ ج ٨ صل ٢٤٩. ❷ اصول كافي كتاب فضل القرآن ج ٢ ص ٦٣٤.

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ (الحجر: ۹)

﴿وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾

(حم السجدة: ٤١، ٤٢)

◆.....ائمہ بے پناہ اختیار کے مالک ہیں

ان کے مزعومہ ۱۲ امام مامور من اللہ، مفترض الطاعۃ اور بے پناہ اختیارات کے مالک ہیں۔ ان کے ۱۲ اماموں پر بندوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔ (أصول کافي: باب عرض الأعمال على النبي والائمة ج ۱ ص ۲۱) ان کے اماموں کے پاس انبیاء ﷺ کے معجزے بھی تھے۔ (أصول کافي: في الباب ما عند الائمة من ايات الانبياء ۔ ج ۱ ص ۲۳۱، ۲۳۲) ان ائمہ کے پاس تورات، زبور اور انجیل کا مفصل علم بھی محفوظ ہے۔ (أصول کافي: باب أن الائمة عندهم جميع الكتب التي نزلت من عندالله ج ۱ ص ۲۲۵ تا ۲۲۷) ان ائمہ کو ہر جمعرات معراج کرائی جاتی ہے حتی کہ وہ عرشِ الٰہی کا طواف بھی کرتے ہیں۔ (اصول کافي ج ۱ ص ۲٤٥) مزید تفصیل کے لئے اسی کتاب کے درج ذیل ابواب بھی پڑھئے:

باب أَنَّ الْأَئِمَّةَ يَعْلَمُوْنَ جَمِيعَ الْعُلُوْمِ الَّتِيْ خَرَجَتْ إِلَى الْمَلٰئِكَةِ وَالْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ وَبَابُ أَنَّ الْأَئِمَّةَ يَعْلَمُوْنَ مَتٰى يَمُوْتُوْنَ وَأَنَّهُمْ لَا يَمُوْتُوْنَ إِلَّا بِاِخْتِيَارِهِمْ وَبَابُ أَنَّ الْأَئِمَّةَ يَعْلَمُوْنَ عِلْمَ مَاكَانَ وَأَنَّهُ لَايَخْفٰى عَلَيْهِمْ شَيْءٌ وَغَيْرَهَا.

مزید یہ کہ ان کے مزعومہ ۱۲ امام حضرات انبیاء ﷺ کی طرح معصوم عن الخطاء بلکہ انبیاء ﷺ سے بھی افضل ہیں، جیسا کہ ملا باقر مجلسی کی کتاب ''حیات القلوب ج ۳'' میں لکھا ہے ''امامت بالاتر از پیغمبری است'' (ص ۱۰) کہ ان کے علم کلام کے مطابق ان کی مفروضہ اور محترمہ امامت منصب نبوت سے بڑھ کر ہے جو آگے چل کر ختم نبوت کی نفی پر منتج ہوتی ہے، گویا ان کے نزدیک ان کا ہر ایک امام نبی ہے۔

◆.....کتمان علم

ان کا چوتھا اساسی اور اصولی اہمیت کا عقیدہ کتمان علم ہے جو ان کے زعم کے مطابق عزت و برتری کا قوی ترین ذریعہ ہے کہ جو ان کے دین کو چھپائے، عزت پائے گا اور جو اس کی اشاعت کرے گا ذلت کا منہ دیکھے گا۔ چنانچہ ان کے چھٹے امام جعفر صادق اپنے ایک مرید اور شاگرد سلیمان کو یوں نصیحت فرماتے ہیں: يَا سُلَيْمَانُ إِنَّكُمْ عَلٰى دِيْنٍ مَنْ كَتَمَهُ أَعَزَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ أَذَاعَهُ أَذَلَّهُ اللّٰهُ۔ ❶

◆.....تقیہ (خلاف ضمیر عمل)

اسی طرح ان کا بنیادی اور اصولی اہمیت کا ایک پانچواں عقیدہ تقیہ ہے اور یہ عقیدہ اتنا ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص تقیہ

❶ اصول کافي، باب کتمان العلم.

جھوٹ نہیں بولتا اور متضاد باتیں نہیں کرتا وہ لادین اور بے ایمان ہے۔ جیسا کہ ان کے پانچویں امام جناب ابوجعفر باقر فرماتے ہیں: اَلتَّقِيَّةُ مِنْ دِيْنِيْ وَ دِيْنِ آبَائِيْ وَلاَ إِيْمَانَ لِمَنْ لاَ تَقِيَّةَ لَهٗ۔ (أصول کافی: ج ۲ باب التقیة ص ۲۱۸، ۲۱۹) شیعہ اثناء عشریہ کے پانچوں عقائد اور اسی طرح دوسرے عقائد باطلہ مثلاً الوہیت علی رضی اللہ عنہ، نبوت علی رضی اللہ عنہ وکفر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی تہمت وغیرہ، چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ ٹھیٹھ اسلام، یعنی کتاب وسنت کی نصوص صریحہ، جلیہ، متواترہ سے ازمفرق تا کعب سراسر متصادم ہیں۔ اس لئے ان کے ان عقائد کفریہ کی بنا پر فقہا، محدثین اور علمائے مذہب اربعہ شروع ہی سے اس فرقہ کو غیر مسلم کہتے چلے آئے ہیں۔ بطور مشتے از خروارے متقدمین اور متاخرین فقہاء، محدثین اور محققین علمائے امت اور ماہرین شریعت کی چند تصریحات زیب قرطاس ہیں۔

۱۔ امام مالک متوفی ۱۷۹ھ کا فتویٰ:

سورۂ فتح کی آخری آیت کے ایک ٹکڑے لیغیظ بھم الکفار کی تفسیر میں امام ابن کثیرؒ رقم فرماتے ہیں:

وَمِنْ هٰذِهِ الْآيَةِ إِنْتَزَعَ الْإِمَامُ مَالِكٌ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فِيْ رِوَايَةٍ عَنْهُ بِتَكْفِيْرِ الرَّوَافِضِ الَّذِيْنَ يَبْغَضُوْنَ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ إِنَّهُمْ يَغِيْظُوْنَ وَمَنْ غَاظَ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ فَهُوَ كَافِرٌ لِهٰذِهِ الْآيَةِ وَوَافَقَهُ طَائِفَةٌ مِّنَ الْعُلَمَاءِ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ عَلٰى ذٰلِكَ وَالْأَحَادِيْثُ فِيْ فَضْلِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَالنَّهْيُ عَنِ التَّعَرُّضِ بِمَسَاوِيْهِمْ كَثِيْرَةٌ وَيَكْفِيْهِمْ ثَنَاءُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَ رَضَا عَنْهُمْ ●

"امام مالک نے سورۂ فتح کی اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہوئے ان رافضیوں پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض وحسد رکھتے ہیں۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقام رفیع کو دیکھ کر جلتے ہیں اور جو شخص صحابہ سے جلتا ہے وہ اس آیت شریفہ کی رو سے کافر ہے اور امام مالک کے فتویٰ سے علماء کی ایک جماعت نے موافقت کی ہے اگر چہ صحابہ کے فضائل ومناقب میں اور ان کی بدگوئی کی ممانعت میں احادیث کثیرہ مروی ہیں تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو تعریف وثنا اور ان سے اپنی رضا کی جو آیات نازل فرمائی ہیں ان کو وہی کافی ہیں۔ مزید کسی تزکیہ کی حاجت نہیں۔"

۲۔ امام شافعیؒ متوفی ۲۰۴ھ کا فتویٰ:

وَوَافَقَهُ الشَّافِعِيُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فِيْ قَوْلِهٖ ﴿بِكُفْرِهِمْ﴾ وَوَافَقَهُ أَيْضًا جَمَاعَةٌ مِنَ الْأَئِمَّةِ۔ ●

"رافضیوں پر کفر کے فتویٰ میں امام شافعی اور ائمہ اہل سنت کی ایک جماعت نے امام مالک سے موافقت فرمائی ہے۔"

● تفسیر ابن کثیر: ج ٤ ص ٢٠۔ والاعتصام للشاطبی: ج ٢ ص ٢٦١.

● الصواعق المحرقة: ص ٢١٠.

۳۔امام ابوحنیفہؒ متوفی ۱۵۰ھ کا فتویٰ:

فَمَذْهَبُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ أَنَّ مَنْ أَنْكَرَ خِلَافَةَ الصِّدِّيقِ وَ عُمَرَ فَهُوَ كَافِرٌ عَلٰى خِلَافِ مَا حَكَاهُ بَعْضُهُمْ وَقَالَ الصَّحِيحُ إِنَّهُ كَافِرٌ۔ ❶

''امام ابوحنیفہ کے نزدیک شیخین کی خلافت کا منکر کافر ہے، اگرچہ اس مسئلہ میں بعض نے ان سے اس فتویٰ کے خلاف نقل کیا ہے مگر امام ابوحنیفہ کے صحیح مذہب میں شیخین کی خلافت کا منکر کافر ہے۔''

فتاویٰ بیجیہ میں بھی یہی فتویٰ منقول ہے۔شرح عقیدہ طحاویہ میں ہے:

حُبُّهُمْ (الصَّحَابَةُ) دِينٌ وَ إِيمَانٌ وَ إِحْسَانٌ وَبُغْضُهُمْ كُفْرٌ وَّ نِفَاقٌ وَّ طُغْيَانٌ . ❷

''صحابہ رضی اللہ عنہم سے قلبی محبت دین، ایمان اور احسان کی شناخت ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر، نفاق اور اسلام سے سرکشی کی دلیل ہے۔''

۴۔امام ابویعلی الحنبلی متوفی ۳۰۷ھ کا فتویٰ:

وَقَالَ أَبُو يَعْلَى الْحَنْبَلِيُّ الَّذِي عَلَيْهِ الْفُقَهَاءُ فِي سَبِّ الصَّحَابَةِ إِنْ كَانَ مُسْتَحِلاً كَفَرَ۔ ❸

کہ اگر کوئی بدقسمت صحابہ کو گالی دینا حلال سمجھتا ہے تو وہ فقہائے امت کے نزدیک کافر ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کے فتاویٰ بھی آگے چل کر لکھے جائیں گے۔

امام ابوزرعہ رازی متوفی ۲۰۷ کا فتویٰ:

إِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ يَنْتَقِصُ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَاعْلَمْ أَنَّهُ زِنْدِيقٌ لِأَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَنَا حَقٌّ وَّالْقُرْاٰنُ حَقٌّ أَنَّمَا أَدّٰى إِلَيْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَالسُّنَنَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَإِنَّمَا يُرِيدُونَ أَنْ يَجْرَحُوا شُهُودَنَا لِيُبْطِلُوا الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَالْجَرْحُ بِهِمْ أَوْلٰى فَهُمْ زَنَادِقَةٌ۔ ❹

''جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو کہ جو کسی ایک صحابی کی تنقیص (بدگوئی) کر رہا ہو تو جان لو کہ وہ زندیق ہے کیونکہ ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید دونوں حق ہیں۔قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی تمام سنتیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی نے ہم تک پہنچائی ہیں۔گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمارے دین اسلام کے اولین گواہ ہیں۔لہٰذا ان کی بدگوئی کرنے والے دراصل ہمارے گواہوں پر جرح کر کے کتاب وسنت کو باطل کرنا چاہتے ہیں حالانکہ یہ جرح کرنے والے خود جرح کے بالاولیٰ مستحق ہیں اور زندیق ہیں۔''

❶ الصواعق المحرقة: ص ۲۵۷.

❷ ص ۵۲۸، ۵۳۳.

❸ الصواعق المحرقة: ص ۲۵۸.

❹ الصواعق المحرقة و مقدمة فضائل الصحابة للامام أحمد بن حنبل و مقدمة العواصم من القواصم از علامہ محب الدین الخطیب ص ۳٤.

امام ابن حزمؒ متوفی ۴۵۶ھ کا فتویٰ:

أَنَّ الرَّوَافِضَ لَيْسُوا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ إِنَّمَا هِيَ فِرَقٌ حَدَثَ أَوَّلُهَا بَعْدَ مَوْتِ النَّبِيِّ ﷺ بِخَمْسٍ وَ عِشْرِيْنَ سَنَةً، وَهِيَ طَائِفَةٌ تَجْرِي مَجْرَى الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى فِي الْكِذْبِ وَالْكُفْرِ وَ طَوَائِفُ أَشَدُّهُمْ غُلُوًّا يَقُوْلُوْنَ بِالْوهِيَّةِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ وَالْوهِيَّةِ جَمَاعَةٍ مَعَهُ۔ ●

''رافضی لوگ مسلمان نہیں۔ ان کا پہلا گروہ حضرت نبی ﷺ کی وفات سے کوئی پچیس سال بعد پیدا ہوا، یہ لوگ کذب بیانی اور اپنے کفر میں یہود و نصاریٰ کی راہ پر چلتے ہیں۔ شیعوں کے دوسرے فرقوں کی نسبت یہ فرقہ اس قدر غالی واقع ہوا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت کو الٰہ مانتا ہے۔''

نیز ارقام فرماتے ہیں:

وَكُلُّ هٰذَا كُفْرٌ صَرِيْحٌ لَا خَفَاءَ فِيْهِ ۔ وَأَمَّا الْغَالِيَةُ مِنَ الشِّيْعَةِ فَهُمْ قِسْمَانِ: اَلْقِسْمُ الْأَوَّلُ أَوْجَبَتِ النُّبُوَّةَ بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ لِغَيْرِهِ وَالْقِسْمُ الثَّانِيْ أَوْجَبُوْا الْإِلٰهِيَّةَ لِغَيْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَلَحِقُوْا بِالنَّصَارٰى وَالْيَهُوْدِ وَ كَفَرُوْا أَشَدَّ الْكُفْرِ۔ ●

''شیعہ کی یہ تمام ہفوات کھلا اور ننگا کفر ہیں۔ غالی شیعوں کے دو گروہ ہیں: ایک گروہ حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ کو نبی مانتا ہے اور دوسرا گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الٰہ کہتا ہے۔ اس طرح یہ دونوں گروہ اپنے ان باطل معتقدات کی وجہ سے یہود و نصاریٰ کے ساتھ مل چکے ہیں اور بدترین کافر ہیں۔

امام موصوف نیز رقم طراز ہیں:

اَلْقَوْلُ بِأَنَّ بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ تَبْدِيْلًا كُفْرٌ صَرِيْحٌ وَ تَكْذِيْبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔ ●

''شیعہ کا یہ عقیدہ کہ دونوں لوحوں کے درمیان موجود قرآن مجید محرف اور تبدیل شدہ ہے، کفر صریح اور تکذیب رسولؐ پر مبنی ہے۔ نعوذ باللہ من تلك الهفوات۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ المتوفی ۷۲۸ھ کا فتویٰ:

أَمَّا مَنِ اقْتَرَنَ بِسَبِّهِ دَعْوٰى أَنَّ عَلِيًّا إِلٰهٌ أَوْ أَنَّهُ كَانَ هُوَ النَّبِيُّ وَإِنَّمَا غَلَطَ جِبْرِيْلُ فِي الرِّسَالَةِ فَهٰذَا لَا شَكَّ فِي كُفْرِهِ بَلْ لَا شَكَّ فِي كُفْرِ مَنْ تَوَقَّفَ فِي تَكْفِيْرِهِ۔ ●

''جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالیاں بکنے کے ساتھ ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الٰہ مانتا ہو یا یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ نبی تو دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، جبریل نے غلطی سے محمد ﷺ بن عبداللہ کو رسول بنا دیا تو ایسے شخص کے کفر میں

● الفيصل: ج ۲ ص ۷۸.
● الفيصل: ج ٤ ص ۱۸۳.
● كتاب الفيصل: ج ٤ ص ۱۸۲.
● الصارم المسلول: ص ٥٩١.

قطعاً کوئی شک نہیں، بلکہ ایسے بدبخت کے کفر میں توقف کرنے والا بھی بلاشبہ کافر ہے۔

الشیخ موصوف مزید رقم طراز ہیں:

وَكَذٰلِكَ مَنْ زَعَمَ مِنْهُمْ أَنَّ الْقُرْاٰنَ نَقَصَ مِنْهُ اٰيَاتٌ وَكُتِمَتْ أَوْزَعَمَ أَنَّ لَهٗ تَأْوِيلَاتٌ بَاطِنَةٌ لِسُقُوطِ الْأَعْمَالِ الْمَشْرُوْعَةِ وَهٰؤُلَاءِ يُسَمُّوْنَ الْقَرَامِطَةَ وَالْبَاطِنِيَّةَ وَمِنْهُمُ التَّنَاسِخِيَّةُ وَهٰؤُلَاءِ لَاخِلَافَ فِيْ كُفْرِهِمْ. ●

"اسی طرح جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ موجودہ قرآن ناقص ہے اور اس کا کچھ حصہ چھپا لیا گیا ہے، یا وہ اعمال مشروعہ کے ابطال کے لئے باطنی تاویلات کو جائز جانتا ہو، جیسا کہ قرامطۂ باطنیہ اور تناسخیہ وغیرہ شیعی فرقوں کے عقائد ہیں تو ان کے کفر میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔"

یعنی یہ فرقے بالاتفاق اہلسنّت والجماعۃ کافر ہیں۔ الشیخ ممدوح ایک اور مقام پر صحابہ کرام کے ایمان میں شک کرنے والوں کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں:

وَأَمَّامَنْ جَاوَزَذٰلِكَ الْبَيَانَ زَعَمَ أَنَّهُمْ اِرْتَدُّوْا بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ إِلَّانَفَرًا قَلِيْلًا لَايَبْلُغُوْنَ بِضْعَةَ عَشَرَ نَفْسًا أَوْأَنَّهُمْ فَسَقُوْا فَهٰذَا لَارَيْبَ أَيْضًا فِيْ كُفْرِهٖ لِأَنَّهٗ مُكَذِّبٌ لِمَا نَصَّهُ الْقُرْاٰنُ فِيْ غَيْرِ مَوْضِعٍ مِّنَ الرِّضَا وَالثَّنَاءِ عَلَيْهِمْ بَلْ مَنْ يَّشُكُّ فِيْ كُفْرِ مِثْلِ هٰذَا فَإِنَّ كُفْرَهٗ مُتَعَيِّنٌ۔ ●

"جو شخص تفضیل علی رضی اللہ عنہ یا سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے آگے بڑھ کر یہ عقیدہ بھی رکھے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ماسوائے دس پندرہ افراد کے دوسرے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم معاذ اللہ مرتد یا فاسق ہو گئے تھے تو ایسے شخص کے کفر میں قطعاً کوئی شبہ نہیں کہ وہ قرآن مجید کی ایسی بیش از بیش آیاتِ صریحہ کو جھٹلا رہا ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان و اخلاص اور ان کی جہادی کاوشوں کو خراجِ تحسین پیش فرمایا ہے اور ان کی مدح و ثنا کرتے ہوئے ان کو اپنی رضا کا سرٹیفیکیٹ جاری فرمایا ہے، لہٰذا جو شخص ایسے بدبخت کے کفر میں شک کرتا ہے وہ بھی کافر ہے۔"

شیخ الاسلام امام محمد رحمہ اللہ بن عبدالوہاب متوفی ۱۲۰۶ کا فتویٰ:

آپ نے رافضیوں کی قباحتوں کی تردید میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے جس میں آپ نے تصریح فرمائی ہے کہ جو شخص موجودہ قرآن مجید کے خلاف عقیدہ رکھے وہ کافر ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل کے اثبات میں منقول احادیث' اجماع صحابہ اور جمہور امت کے حق پر ہونے کے دلائل اتنی کثرت کے ساتھ موجود ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے۔ جو شخص جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کو (معاذ اللہ) ظالم، فاسق قرار دے اور ان کے اجماع کو باطل قرار دے یا باور کرے وہ دراصل رسول اللہ ﷺ کی تنقیص کرتا ہے اور آپ کی تنقیص کفر ہے۔

● الصارم المسلول: ص ۵۹۱۔ ● الصارم المسلول: ص ۵۹۲۔

مجدد العلوم النبویہ سید نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۰۷ کا فتویٰ:

وَأَبْعَدُهُمُ الْإِمَامِيَّةُ وَأَمَّا الْغَالِيَةُ فَلَيْسُوا بِمُسْلِمِينَ وَلٰكِنَّهُمْ أَهْلُ رِدَّةٍ وَ شِرْكٍ . ❶

''دوسرے شیعی فرقوں کی نسبت امامیہ فرقہ اہل سنت سے بہت ہی دور ہے۔ رہے غالی شیعہ تو یہ لوگ مسلمان ہرگز نہیں بلکہ مرتد اور مشرک ہیں۔''

وَمَنْ جَحَدَ شَيْئًا مِنَ الْقُرْاٰنِ وَفَارَقَ الْإِجْمَاعَ مِنَ الْعَجَارِدِهِ وَغَيْرِهِمْ فَكَافِرٌ بِإِجْمَاعِ الْأُمَّةِ .

''جو شخص موجود اور متداول قرآن مجید کے محفوظ اور مکمل ہونے کا انکار کرے اور اجماع امت سے الگ راہ اختیار کرے جیسے کہ فرقہ عجاردہ وغیرہ تو یہ شخص بالاجماع امت کافر ہے۔'' ❷

وَمِنْ قَوْلِ الْكَيْسَانِيَّةِ أَنَّ الْبَدَاءَ جَائِزٌ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ كُفْرٌ صَرِيحٌ . ❸

''شیعہ کے فرقہ کیسانیہ کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ کو بداءٔ ہوتا ہے کفر صریح ہے۔''

قاضی عبدالاحد خانپوری رحمہ اللہ متوفی ۱۳۴۷ کا فتویٰ:

آپ ایک استفتاء کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں:

مطلق روافض کی تکفیر میں فقہاء رحمہم اللہ کا نزاع اور تفصیل ہے۔ جو رافضی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ رسول ﷺ کی صحبت سے منکر ہو، جو قرآن سے ثابت ہے، یا ان کی بیٹی عائشہ صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ عنہا، ام المومنین حبیبہ رضی اللہ عنہا، رسول اللہ ﷺ المبراۃ من فوق سبع السموات کو تہمت زنا کی دے اور رسول اللہ ﷺ کو معاذ اللہ زانیہ و فاحشہ کا زوج قرار دے۔ کیونکہ یہ امور قرآن مجید سے ثابت ہیں۔ یا کسی ایسی بات کا انکار کرے جو بالتواتر ثابت ہے۔ یا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ میں غلو کرے اور اعتقاد الوہیت کا ان میں رکھے۔ یا نسبت غلطی کی جبریل علیہ السلام کی طرف کرے پیغمبری پہنچانے میں کہ بجائے علی رضی اللہ عنہ کے محمد ﷺ کو دے دی، یا قرآن شریف کی حفاظت کا منکر ہو کہ قرآن چالیس پارہ تھا۔ دس پارہ جو علی رضی اللہ عنہ کی مدح میں تھا وہ مسلمانوں نے چھپا لیا، یا کسی اور بات کا انکار کرے جو ضروری الثبوت ہو ضرورت دین سے وہ بالاتفاق کافر ہے اور اکثر فقہاء کے نزدیک ساب شیخین رضی اللہ عنہما (گالی دینے والا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا) کافر ہے۔

حضرت قاضی صاحب کا یہ جواب سات صفحات پر مطبوع ہے اور اس کے آخر میں آپ کے ۲۶ نامور معاصرین علمائے کرام کی تصدیقات و تصویبات درج ہیں، اور ان کا راولپنڈی اور اس کے نواح کے ساتھ تعلق ہے۔ اس رسالہ کی فوٹو اسٹیٹ ہمارے پاس محفوظ اور موجود ہے۔ (رسالہ رد رفض)

مولانا شرف الدین محدث دہلوی رحمہ اللہ متوفی ۱۳۸۱ھ کا فتویٰ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم بھی مہاجر ہیں۔ اور یہ امر بدیہی ہے اور تواتر سے ثابت ہے بسبب ارشاد باری تعالیٰ:

---

❶ حبیبۃ الاکوان: ص ۱۰۔ ❷ حبیبۃ الاکوان: ص ۱۰۔ ❸ حبیبۃ الاکوان: ص ۳۱۔

﴿وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾

(التوبہ:۱۰۰)

اس آیتِ شریفہ سے روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ خلفائے ثلاثہ وغیرہم صحابہ مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کو کافر' منافق کہنا' ان کو دائمی دوزخی بتانا قرآن شریف کی تکذیب ہے اور یہ کہنا کہ وہ حضور ﷺ کے انتقال کے بعد مرتد ہو گئے تھے یا پہلے سے منافق تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو جنتی بتا کر ان کو بشارت بھی دی۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے رسول ﷺ کو اس پر مطلع نہ کیا تو پھر آپ ﷺ معصوم کیسے رہے؟ اور اگر اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم نہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تجہیل معاذ اللہ ہے۔ بہر حال خلفائے ثلاثہ (حضرت صدیق رضی اللہ عنہ' فاروق رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ) کے بارے میں ایسے ناپاک خیالات صراحتاً کفر ہیں۔ ❶

مفتی اعظم حافظ عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ متوفی ۱۳۸۷ھ کا فتویٰ:

ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: ان فرق کے زندیق' ملحد' بدعتی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ البتہ کافر ہونے میں تفصیل ہے۔ مرزائیہ' چکڑالویہ تو بے شک کافر ہیں۔ معتزلہ' جہمیہ ' قدریہ' جبریہ بھی تقریباً ایسے ہی ہیں۔ لیکن صاف کافر کہنا مشکل ہے۔ رافضیہ میں سے غالی قطعاً کافر ہیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وغیرہ کو مرتد کہتے ہیں، زیدیہ کافر نہیں۔ ❷

مولانا عبدالسلام سلفی بستوی دہلوی رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۹۴ھ کا فتویٰ:

علامہ نووی شارح صحیح مسلم تحریر فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینا حرام ہے، بلکہ بعض بزرگوں کے نزدیک صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالی دینے والا کافر ہے، واجب القتل ہے۔ ❸

مشہور زمانہ اہل حدیث سکالر علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمہ اللہ ۱۴۰۷ھ کا فتویٰ:

أَنَّ الْقَوْمَ یَدِیْنُوْنَ بِدِیْنٍ هُوَ غَیْرُ دِیْنِ اللّٰهِ الَّذِیْ جَاءَ بِهٖ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ نَبِیُّ اللّٰهِ وَ صَفِیُّهٗ صَلَوٰةُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهٗ عَلَیْهِ وَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْقُرْاٰنِ غَیْرَ الْقُرْاٰنِ الْمَوْجُوْدِ فِیْ أَیْدِی النَّاسِ وَالْمُنَزَّلِ مِنَ اللّٰهِ عَلٰی قَلْبِ الْمُصْطَفٰی نَزَلَ بِهٖ رُوْحُ الْاَمِیْنُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِمَا وَسَلَّمَ وَلَهُمْ عَقَائِدُ وَ مُعْتَقَدَاتٌ لَاتَمُتُّ إِلَی الْإِسْلَامِ بِصِلَةٍ وَّالْإِسْلَامُ مِنْهَا بَرِیْءٌ. ❹

''شیعہ حضرات ایسے دین پر عمل پیرا ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نبی اور اس کے برگزیدہ رسول محمد بن عبداللہ ﷺ کا لایا ہوا دین ہرگز نہیں، اور وہ ایسے قرآن پر ایمان رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ روح الامین حضرت محمد ﷺ کے قلب شریف پر نازل ہونے والے متداول اور موجودہ قرآن کے علاوہ کوئی اور ہی قرآن ہے اور وہ ایسے عقائد اور نظریات اختیار کیے ہوئے ہیں جن کا اسلام کے ساتھ کسی بھی درجہ میں قطعاً کوئی تعلق نہیں اور اسلام

❶ فتاویٰ ثنائیہ: کتاب الایمان ج ۱ ص ۱۹۰، ۱۹۱۔ ❷ فتاویٰ اہل حدیث (روپڑیہ) کتاب الایمان ج ۱ ص ۱۔
❸ فتاویٰ عبدالسلام سلفی بستوی: ص ۲۳۵، ۲۳۶۔ ❹ الشیعه وأهل البيت: ص ۴۰۳۔

ان کے ایسے عقائد ونظریات سے بری اور بیزار ہے۔

حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف محشی سنن نسائی رحمہ اللہ متوفی ۱۴۰۷ھ کا فتویٰ:

واقعی شیعہ شیعی مسلمات کی رو سے اسلام سے علیحدہ قوم قرار پائی ہے۔

خلاصہ:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شیعہ اثناءعشریہ اپنے مذکورہ بالا عقائد باطلہ اور نظریات فاسدہ کی وجہ سے کافر اور اسلام سے علیحدہ قوم ہے۔لہٰذا ان کے ساتھ میل جول' مناکحت' ان کی عیادت' جنازہ میں شرکت، ان کی مجالس میں حاضری اور تعزیہ کے جلوس وغیرہ بدعات وخرافات میں شمولیت ہرگز جائز نہیں۔اور مولوی دلپذیر صاحب کی رائے اہل سنت والجماعت کے عقائد صحیحہ کے سراسر خلاف اور غلط ہے ان کو اپنے غلط رویہ سے توبہ کر لینی چاہیے ورنہ ان کی امامت جائز نہیں، یعنی اس کی اقتدا میں نماز' عیدین وغیرہ ہرگز جائز نہیں کیونکہ وہ باطل اور خلاف اسلام عقائد لوگوں کو پکے مسلمان قرار دے کر صراط مستقیم سے بھٹک کر گمراہ ہو چکا ہے۔اس کی حامی پارٹی کو بھی بشرطیکہ وہ عقیدہ اور عمل میں اہل سنت ہیں اس قسم کے مولوی کی امامت قائم رکھنے پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ھذا ما عندی واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔یہ جواب شرط صحت سوال تحریر کیا گیا ہے۔



ایک شیعہ بھائی کے چند سوال اوران کے جواب

تمسک بہ قرآن وعترت

روایات کتب شیعہ کی حیثیت استناد

ایک شیعہ بھائی کے چند سوال ہیں جو مع جواب درج ذیل ہیں:

(۱) ایک حدیث میں ہے: اِنِّی تَرَکْتُ فِیکُمْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا كِتَابُ اللّٰهِ وَعِتْرَتِی (مشکوٰۃ) یعنی ''کتاب اللہ اور میرے اہل بیت سے تمسک کیے رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے۔''

(۲) دوسری ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے: اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا۔ علاوہ ازیں اہل بیت پاک بے مثال ہیں کیونکہ آیت تطہیر صرف انہی کے حق میں اتری ہے۔ اہلِ بیت کے ان فضائل کے ہوتے ہوئے آپ لوگ اہل بیت کی تفسیر، احادیث فقہ کو چھوڑ کر امام ابوحنیفہ اور بخاری، مسلم کی احادیث کو کیوں لیتے ہیں؟ (سائل محمد بشیر غوری بنگلہ گوگیرہ)

جواب: ذکر کردہ حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اہل بیت سے محبت رکھی جائے، ان کی سیرت کو اختیار اور ارشادات پر عمل کیا جائے تاہم اس میں یہ لحاظ رکھا جائے کہ وہ کتاب وسنت سے متصادم ہوں نہ ہوں جیسا کہ شارحین حدیث نے لکھا ہے۔ قَالَ اَلسَّيِّدُ جَمَالُ الدِّيْنِ اِذَا لَمْ يَكُنْ مُخَالِفًا لِلدِّيْنِ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۶۰۰ ج۵) یعنی اہل بیت کے اقوال سے تمسک کے لیے ضروری ہے کہ وہ شریعت کے مخالف نہ ہوں۔ قال ابن الملك: التمسك بالكتاب عَمِلَ بِمَا فِيْهِ وَهُوَ الْاِئْتِمَارُ بِاَوَامِرِ اللّٰهِ وَالْاِنْتِهَاءُ بِنَهْيِهِمْ وَسِيْرَتِهِمْ (مرقاۃ ایضاً) یعنی تمسک بالکتاب یہ ہے کہ قرآن کے تمام اوامر پر عمل کیا جائے اور نواہی سے اجتناب کیا جائے اور اہلِ بیت کے تمسک کا مطلب یہ ہے کہ ان کی سیرت اور طریقہ کو اختیار کیا جائے۔ ''الحمدللہ اہل سنت والجماعۃ ان دونوں کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔ قرآن مجید کے کسی بھی امر یا نہی کو چیلنج کرنا ہمارے نزدیک کفر ہے اور اہل بیت کے ساتھ ادنیٰ گستاخی بھی گناہ کبیرہ جانتے ہیں ؎

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن آئین! آئیں ما است سینہ چوں آئینہ داشتن!

قرآن کے بارے میں شیعوں کا عقیدہ:

البتہ شیعہ حضرات دونوں باتوں کے مخالف ہیں۔ قرآن مجید سے اس طرح کہ وہ موجودہ قرآن کو وہ قرآن ہی نہیں مانتے (معاذ اللہ) جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا تھا اور کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) یہ محرف ہے۔ چنانچہ احتجاج طبری میں ہے: وَلَوْ شُرِحَتْ لَكَ كُلُّ مَا اَسْقَطَ وَحرف و بدل مِمَّا يَجْرِیْ هٰذَا الْمَجْرٰی لَطَالَ وَظَهَرَ مَا حَظَرَهُ التَّقِيَّةُ اِظْهَارِهٖ (ص ۱۲۸ مطبوعہ ایران) ''اگر میں سب کچھ تفصیل سے بتاؤں جو آیتیں قرآن سے خارج کر دی گئی ہیں یا جن میں

تحریف اور تبدیلی کر دی گئی ہے تو بات طویل ہو جائے گی اور جس راز کے افشا کرنے سے تقیہ مانع ہے وہ ظاہر ہو جائے گا۔

قرآن میں کمی بیشی:

عَنْ هِشَامِ بْنِ سَالِمٍ عَنْ أَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ ؑ قَالَ إِنَّ الْقُرْآنَ الَّذِيْ جَآءَ بِهِ جِبْرِيْلُ ؑ سَبْعَةَ عَشَرَ أَلْفَ آيَةٍ۔ ❶

''حضرت جعفر کہتے ہیں کہ جو قرآن حضرت جبرئیل جناب نبی کریم ﷺ پر لائے تھے وہ سترہ ہزار آیات پر مشتمل تھا۔''

جبکہ موجودہ قرآن ۶۶۶۶ آیات پر مشتمل ہے۔ ''فصل الخطاب ص ۳۰'' میں ہے کہ ''شیعی علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تحریف قرآن پر دلالت کرنے والی روایات متواتر ہیں۔'' اور تفسیر صافی کے مقدمہ میں شیعی مفسر جناب کاشی لکھتے ہیں کہ ''قرآن کچھ وہی ہے کچھ بدلا ہوا ہے اور کچھ حذف کر دیا گیا ہے۔'' گویا اللہ تعالیٰ نے جو ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ﴾ کے ذریعے اس کی حفاظت کا اعلان فرمایا تھا' وہ غلط تھا یا وقت نے اسے غلط ثابت کر دیا۔ نعوذ باللہ من ذالك

اہل بیت کے بارے میں شیعوں کا طرز عمل:

یہی حال شیعوں کا اہل بیت کے ساتھ بھی ہے' گو ان کی محبت وعقیدت کا وہ دم بھرتے بلکہ ٹھیکیدار بنے پھرتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ قرآن کے ساتھ ساتھ ان کو بھی نہیں مانتے اور ان کی توہین کرتے ہیں، جیسا کہ یہ حضرات' حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت اُمّ کلثوم اور حضرت زینب رضی اللہ عنہن کو دختران رسولؐ نہیں مانتے۔ اس سے زیادہ توہین اور ہتک عترت رسول ﷺ اور کیا ہو سکتی ہے۔ ان حضرات کی کتابوں میں تو یہ تک لکھا ہے: إِنَّ عَلِيًّا ؑ قَالَ عَلٰى مِنْبَرِ كُوْفَةَ يَآ أَيُّهَا النَّاسُ سَتُدْعَوْنَ إِلٰى شَيْءٍ فَسُبُّوْنِيْ (اصول کافی ص ٤٨٤) یعنی ''حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگو تمہیں میری دشنام طرازی کی دعوت دی جائے گی، پس تم گالی گلوچ دے لینا۔'' شاباش!

کیا جو جھوٹ کا شکوہ تو یہ جواب ملا تقیہ ہم نے کیا تھا ہمیں ثواب ملا

شیخ کشی نے بہ سند معتبر حضرت محمد باقر سے روایت کی ہے کہ ''ایک روز حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے تھے، ناگاہ ایک شیعی سوار آیا کہ اسے سفیان بن ابی لیلی کہتے تھے اس نے کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُذِلَّ الْمُؤْمِنِيْنَ ''مومنوں کو ذلیل کرنے والے تجھے سلام۔'' (جلال العیون ص ۲۲۷) بلکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل بھی شیعہ ہی تھے ''بیس ہزار مرد عراقی نے امام حسین رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اور جنہوں نے بیعت کی تھی انہوں نے ہی شمشیر امام حسین رضی اللہ عنہ پر کھینچی اور ہنوز بیعت ہائے امام حسین رضی اللہ عنہ ان کی گردنوں میں تھی کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ ❷

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاتل بھی شیعہ تھا۔ جلاء العیون میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن ملجم قاتل حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شیعہ تھا۔ (ص ۱۹۹ ج ۱)

---

❶ اصول کافی ص ٦٧١ باب النوادر۔ ❷ جلاء العیون اردو ص ۲۷۹ ج ۱۔

بدنام خارجی تو ہیں بغض عناد میں — پر بڑھ گئے ہیں رافضی شر وفساد میں!

توہین حضرت بتول رضی اللہ عنہا:

’’پس جب ارادہ تزویج فاطمہ رضی اللہ عنہا ہمراہ علی رضی اللہ عنہ ہوا، جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پنہاں حضرت نے بیان کیا، جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میرا آپ کو اختیار ہے، لیکن زنان قریش کہتی ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ بزرگ شکم اور بلند دست ہے اور بند ہائے استخوان پراگندہ ہیں، آگے سر کے بال نہیں آنکھیں بڑی اور ہمیشہ خندہ دہاں اور مفلس ہیں۔ ● سوچنے کی بات ہے کیا واقعی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایسی بازاری گفتگو کی خوگر تھیں حاشاو حاشا کیا اس سے بڑھ کر بھی حضرت بتول رضی اللہ عنہا کی توہین ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایسی نام نہاد محبت سے خدا کی پناہ

ترا اژدہا گر بود یار غار — ازاں بہ کہ جاہل بود و غم گسار

یہ ہے آپ کے دعوے کی حقیقت کہ ہم لوگ یعنی شیعہ ثقلین (قرآن اور اہل بیت رسول) کو ماننے والے۔

شیعی تفسیر قرآن:

رہا اہل بیت کی تفسیر۔ احادیث اور فقہ پر اعتماد کرنے کا سوال تو گذارش ہے کہ اگر ان بزرگوں کی تفسیر احادیث اور فقہ صحیح اسناد کے ساتھ ہم تک پہنچ گئی ہوتیں تو ہمارے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی تھی؟ مگر معاف کیا جائے اس گذارش کرنے پر کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض نے ’’راویانِ اہل بیت‘‘ کو کچھ اس طرح گرمایا کہ انہوں نے فضائل اصحاب ثلاثہ اور مناقب دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا انکار کرنے کے لیے قرآن پاک ہی کو غیر مکمل محرف اور مبدل قرار دے دیا تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ جیسا کہ ’’اصول کافی، فصل الخطاب‘‘۔ احتجاج طبرسی تفسیر صافی سے ہم چار حوالے پہلے تحریر کر چکے ہیں۔ جب قرآن ہی آپ کے نزدیک غیر محفوظ ہے تو پھر اس کی تفسیر کے موجود ہونے کا دعویٰ کیسا؟

احادیث شیعہ:

شیعی کتب حدیث کو جب دیکھا جاتا ہے تو..... ان کتب کے اندر تناقضات اور تضادات کے علاوہ ان کے راویان حضرات بھی ماشاء اللہ تقریباً سب ہی مناکیر، مجاہیل، کذاب، وضاع ہی دیکھنے میں آتے ہیں، جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی بحوالہ کتب شیعہ ضعفاء اور مجاہیل شیعی راویوں کے ناموں کی کھیپ بیان کرکے فرماتے ہیں:

فَهٰؤُلَاءِ كُلُّهُمْ مَجَاهِيلُ مَعَ جَمَاعَةٍ أُخْرٰى لَا تَكَادُ تُحْصٰى وَقَدْ رَوٰى عَنْهُمْ شُيُوْخُهُمْ كَعَلِيِّ بْنِ إِبْرَاهِيمَ وَ أَبِيْهِ إِبْرَاهِيمَ وَ مُحَمَّدِ بْنِ يَعْقُوْبَ الْكُلَيْنِيِّ وَ اِبْنِ بَابَوَيْهِ وَ ابْنِ جَعْفَرٍ الطُّوْسِيِّ وَشَيْخِهٖ أَبِيْ عَبْدِاللّٰهِ الْمُلَقَّبِ بِالْمُفِيْدِ فِيْ صِحَاحِهِمُ الَّتِيْ أَوْجَبَ الْعَمَلَ بِمَا فِيْهَا مُجْتَهِدُوْهُمْ وَزَعَمُوْا أَنَّهَا تُوْجِبُ الْعِلْمَ الْقَطْعِيَّ نَصَّ عَلٰى ذٰلِكَ الْمُرْتَضٰى وَالطُّوْسِيُّ وَالْحِلِّيُّ اهـ ●

● ملاحظہ ہو جلاء العیون ص ۱۳۰ ج ۱۔

● تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۲۳ باب چہارم در اقسام اخبار شیعہ۔

حاصل ترجمہ یہ کہ تمام راوی مع اپنے ساتھیوں کے جو بے شمار ہیں' سب کے سب مجہول ہیں، لیکن ابو جعفر طوسی اور مفید ایسے شیعی مصنفوں نے اپنی ان صحاح میں جن پر شیعہ مجتہدین کے نزدیک عمل کرنا واجب ہے کئی راویوں کی احادیث کو جمع کیا ہے جیسا کہ مرتضیٰ اور طوسی وغیرہ نے تصریح کی ہے۔''

ائمہ اہل بیت حرام، حلال میں مختار:

دو روایتیں بطور نمونہ ملاحظہ فرمائی جائیں علامہ حسین قمی نوادر میں ایک حدیث لائے ہیں:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَنَانٍ عَنْ جَعْفَرٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَهُ فَاجْرَيْتُ اِخْتِلَافُ الشِّيْعَةِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَمْ يَزَلْ مُتَفَرِّدًا بِالْوَحْدَانِيَّةِ ثُمَّ خَلَقَ مُحَمَّدًا وَ عَلِيًّا وَ فَاطِمَةَ وَالْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فَمَكَثُوْا اَلْفَ دَهْرٍ فَخَلَقَ الْاَشْيَاءَ وَاَشْهَدَهُمْ خَلْقَهَا اَجْرٰى طَاعَتَهُمْ عَلَيْهَا وَفَوَّضَ اُمُوْرَهُمْ اِلَيْهِمْ يَحِلُّوْنَ مَا يَشَآءُوْنَ وَيُحَرِّمُوْنَ مَايَشَاءُوْنَ۔ ❶

''پہلے اللہ تعالیٰ واحد تھا، پھر حضرت محمد (ﷺ)، علی رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا، حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کو پیدا فرمایا، پھر ایک ہزار زمانہ توقف کیا پھر ان کے سامنے دوسری چیزوں کو پیدا فرمایا اور ان لوگوں پر ان کی اطاعت فرض فرمائی اور مخلوق کے کام ان کے سپرد کر دیئے جو چاہیں ان پر حلال کریں اور جو چاہیں حرام کریں۔''

غور کے قابل:

یہ بات ہے کہ اس کو حدیث کہا جا سکتا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ ائمہ اہل بیت کی طرف اس کو منسوب کرنا حد درجہ نادانی ہے، کیونکہ حلال و حرام کا اختیار تو از خود صاحب وحی رسول اللہ ﷺ کو حاصل نہیں ہے، چہ جائیکہ کسی امتی کو یہ اختیار سونپ دیا جائے۔ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (سورۃ التحریم) میں اسی قانون کو بیان فرمایا گیا ہے۔ کیا ایسی حدیثیں بھی قابل اخذ و تمسک ہو سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔

شیعان علی کا معراج!

اِنَّ عَلِيًّا كَانَ عَلٰى نَاقَةٍ مِنْ نُوْقِ الْجَنَّةِ وَبِيَدِهٖ لِوَآءُ الْحَمْدِ وَحَوْلَهٗ شِيْعَتُهٗ۔ ❷

''سفر معراج میں حضرت علی رضی اللہ عنہ جنت کی ایک اونٹنی پر سوار تھے اور ان کے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا تھا اور ان کے شیعہ بھی ان کے ہمراہ تھے۔''

سوال پیدا ہوتا ہے اگر تمام شیعوں کو معراج کی سعادت حاصل ہوئی تھی تو پھر حضرت نبی ﷺ کی کیا خصوصیت ہوئی؟

فقہ اہل بیت:

ساتھ ہی فقہ اہل بیت کا بھی ایک نمونہ دیکھتے چلیں تاکہ خوب اندازہ ہو سکے۔

❶ تحفہ اثنا عشریہ ص۳۳۸ باب نبوت۔ ❷ تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۴۰۔

عَنْ اَبِی عَبْدِاللّٰهِ ﷺ قَالَ النَّظْرُ اِلٰی عَوْرَةِ مِنْ کیس علم مثل نظر الی عورة الحمار: ●

"امام صادقؒ نے فرمایا کہ غیر مسلم مرد یا عورت کی شرم گاہ کی طرف دیکھنا ایسا ہے جیسا کہ گدھے کی شرم گاہ کی طرف دیکھ لیا۔"

حالت حیض میں وطی دبر، منکوحہ و مملوکہ اور چھوکری عاریتی، وقف اور امانت عورت متعہ سب کے ساتھ جائز ہے۔ ●

(۳) متعہ دوریہ جائز ہے۔ محقق ان کے کہتے ہیں کہ ہماری کتابوں سے ثابت ہے۔ لا یجوز الکارہ صورت اس وجہ کی ہے کہ ایک گروہ ایک عورت سے متعہ کریں اور دوسرے کی باری ٹھہرائیں اور ہر ایک اس سے جماع کرے۔ ●

سبحان اللہ کیسی پاکیزہ فقہ ہے؟ شیعی فقہ اس قسم کے "لطیفوں" سے بھری پڑی ہے۔ حوالہ جات عندالطلب پیش کر دیئے جا سکتے ہیں۔

تحقیق حدیث مدینۃ العلم:

رہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اعلم ہونے پر حدیث اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُهَا سے استدلال! تو جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جلالت علمی کا تعلق ہے وہ مسلم ہے، لیکن اس حدیث سے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم پر بلڈوزر پھیرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ علاوہ ازیں یہ روایت بجائے خود کسی کام کی نہیں، اتنی سخت ضعیف ہے کہ حافظ ابن الجوزیؒ وغیرہ نے اس کو موضوع لکھا ہے۔ ●

امام بخاری کہتے ہیں: انه منكر وليس له وجه صحيح (یہ کسی طریقے سے بھی صحیح ثابت نہیں) یحییٰ بن معین کہتے ہیں: لا اصل له (اس کی کوئی اصل نہیں ہے) ابن دقیق العید کہتے ہیں هذا الحديث لم يثبتوه (اہل حدیث کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں) امام نوویؒ، امام ذہبیؒ اور شمس الدین جزریؒ نے بھی اس کے موضوع ہونے کی صراحت کی ہے (تحفه اثنا عشريه ص ۲۱۲ باب امامت) حضرت امام ابن تیمیہؒ نے بھی اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے (منہاج السنہ)

"قَالَ الْبُخَارِیُّ اِنَّهُ مُنْكَرٌ، وَقَالَ التِّرْمَذِیُّ اَنَّهُ مُنْكَرٌ غَرِیْبٌ، وَقَالَ الشَّیْخُ مُحْیِ الدِّیْنِ النَّوَوِیُّ وَالْحَافِظُ شَمْسُ الدِّیْنِ الذَّهَبِیُّ وَشَمْسُ الدِّیْنِ الْجَزَرِیُّ اَنَّهُ مَوْضُوْعٌ ذَكَرَهُ اِبْنُ الْجَوْزِیِّ فِی الْمَوْضُوْعَاتِ." ● بلکہ شاہ عبدالعزیز نے اس کے برعکس یہ ایک صحیح حدیث حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اعلم ہونے کے بارے میں نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

● فروع کافی جلد ۲۔
● تحفة اثنا عشريه ص ۵۳۰۔
● تحفة اثنا عشريه، ص ۴۳۱ و ۴۳۲۔
● تحفة اثنا عشريه ص ۵۲۹ باب مسائل نکاح
● منهاج السنه ص ۱۲۸، ج ۴۔

مَا صَبَّ اللّٰهُ شَيْئًا فِي صَدْرِي اِلَّا وَقَدْصَبَبْتُهُ فِي صَدْرِ اَبِي بَكْرٍ رضی اللہ عنہ. ❶

''اللہ تعالیٰ نے میرے سینے میں جو چیز بھی ڈالی وہ میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سینے میں ڈال دی۔''

علاوہ ازیں یہ بات ہے کہ نبی اپنی امت میں سب سے بڑا عالم ہوتا ہے اس لحاظ سے حضرت عمر اعلم امت ہیں نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ. اگر میرے بعد نبوت جاری ہوتی تو عمر نبی ہوتے۔ تاہم اگر اس حدیث کو کسی درجے میں قابل استدلال ٹھہرا بھی لیا جائے تو اسے اس معنی میں تو لیا جا سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی علم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہیں۔ اس کے یہ معنی لینا کہ صرف وہی واحد دروازہ ہیں' یکسر غلط اور واقعات کے سراسر خلاف ہے۔ اس طرح تو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی احکام و مسائل پر خطِ نسخ پھر جاتا ہے جو صحیح سندوں سے ثابت ہیں جب کہ زیر بحث روایت سند کے لحاظ سے قابل التفات ہی نہیں۔

اہلِ بیت امہات المومنین ہیں:

آیت تطہیر میں اہل البیت سے مراد صرف آنحضرتؐ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ کو مراد لینا بالکل غلط ہے کیونکہ آیتِ تطہیر کا سیاق وسباق صاف بتلا رہا ہے کہ یہ آیت ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے یہ الفاظ اِنْ كُنْتُنَّ' تُرِدْنَ' فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ' اُسَرِّحْكُنَّ' يَّاْتِ مِنْكُنَّ' يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ، يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ' اِنِ اتَّقَيْتُنَّ. فَلَا تَخْضَعْنَ' قَرْنَ' وَلَا تَبَرَّجْنَ وَاَطِعْنَ۔ یہ تیرہ خطابات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو ہیں' جیسا کہ يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ اور قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ سے روشن اور عیاں ہے اور پھر اس کے بعد ان احکامات کی وجہ بیان فرما دی لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ ''(پیغمبر) گھر والو اللہ تعالیٰ اور کچھ نہیں یہ چاہتا ہے تم سے (ہر طرح کی) گندگی وناپاکی دور کرے۔ یہاں ازواجِ مطہرات کو اہلِ بیت سے تعبیر فرمایا اور پھر اس کے بعد والی آیت میں بغیر کسی نئے خطاب کے ان کو یوں ارشاد فرمایا وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ.

جواب نمبر ۲: اہل بیت سے بیویوں کو خارج کرنا محاورے کے بھی خلاف ہے کیونکہ عربی میں بیوی کو اہل بیت اور فارسی میں اہلِ خانہ اور اردو میں گھر والے کہا جاتا ہے۔

هُمْ نِسَاءُ النَّبِيِّ ﷺ لِاَنَّهُنَّ فِي بَيْتِهِ وَهُوَ رِوَايَةُ سَعِيْدِ بْنِ مُسَيِّبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَهُوَ قَوْلُ عِكْرَمَةَ وَمُقَاتِلٍ. ❷

''اہل بیت سے مراد نبی ﷺ کی بیویاں ہیں کیونکہ وہی آپؐ کی اہل خانہ ہیں۔''

یہی سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے عکرمہ اور مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔

وَالظَّاهِرُ اَنَّ الْمُرَادَ بِهِ بَيْتَ الطِّيْنِ وَالْخَشَبِ لَابَيْتَ الْقَرَابَةِ وَالنَّسَبِ. ❸

---

❶ تحفه اثنا عشریه ایضًا، ص ۴۳۲۔ ❷ تفسیر خازن، ص ۲۱۳۔ ج۵۔

❸ تفسیر روح المعانی، ص۱۳ ج۲۲۔

"ظاہر ہے کہ اس سے مٹی اور لکڑیوں والا گھر مراد ہے قرابت اور نسب والا گھر نہیں۔"

اس کی تائید قرآن پاک کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے جو شیعہ سنی کتب خصوصاً تفسیر صافی کے مطابق حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے تعجب کے جواب میں اتری ہے:

﴿اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ﴾ (هود:٧٣)

"فرشتے کہنے لگے: کیا تو اللہ کی قدرت پر تعجب کرتی ہے؟ اے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمت اور برکت ہے۔"

اور مسلم شریف میں یہ صراحت بھی موجود ہے۔

فَقَالَ لَهٗ حُصَیْنٌ وَ مَنْ اَهْلُ بَیْتِهٖ یَازَیْدُ؟ اَلَیْسَ نِسَآءُهٗ مِنْ اَهْلِ بَیْتِهٖ؟ قَالَ نِسَآءُهٗ مِنْ اَهْلِ بَیْتِهٖ. ❶

یعنی ازواج مطہرات اہل بیت ہیں۔

ملحوظہ: جن روایات میں ازواج النبی کے اہل بیت نہ ہونے کا شبہ ہوتا ہے ان کا مطلب صرف یہ ہے کہ ازواجِ مطہرات پر صدقہ حلال ہے اور بس۔ علاوہ ازیں حضرت عباس رضی اللہ عنہما اور ان کی اولاد کے لیے بھی لفظ اہل بیتی حدیث میں موجود ہے۔

اَشْتُمَلَ عَلَیْهِمْ بِمَلَاءَتِهٖ ثُمَّ قَالَ یَارَبِّ هٰذَا عَمِّیْ وَ صِنْوُاَبِیْ وَهٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَیْتِیْ۔ ❷

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا، حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ کو بالتبع اہل بیت میں شامل کیا ہے کہ اصالتاً ورنہ تحصیل حاصل لازم آئے گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ذات والاصفات سے ایسا کلام ممکن نہیں ہے۔ پھر اگر تطہیر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کی "عصمت" ثابت کرنے کا شوق ہے تو چشم ما روشن دل ماشاد ضرور کی جائے مگر ان کی "عصمت" کے ساتھ ساتھ اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور اہل بدر رضی اللہ عنہم کی عصمت پر ایمان لانا ہوگا۔ کیونکہ اس آیت سے زیادہ مفصل آیت ان قدسیوں کے حق میں نازل ہو چکی ہے پڑھیے اور ایمان تازہ کیجئے۔

لاکھوں چھپایا رازِ محبت نہ چھپ سکا آنکھوں نے رو کر یار سے اظہار کر دیا

سوال دوم: بخاری، مسلم اور ترمذی میں الفاظ ہیں:

لَایَزَالُ هٰذَا الدِّیْنُ قَائِمًا عَزِیْزًا حَتّٰی یَكُوْنَ فِیْهِمْ اثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَةً اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ۔

اس حدیث سے ہمارے بارہ امام ہی مراد ہیں کیونکہ آپ لوگ بارہ خلفاء کی تعداد میں یزید کو بھی شامل کر لیتے ہیں جو کہ خلیفہ نہیں اور معاویہ بھی خلیفہ نہیں کیونکہ آپ کی کتابوں میں ہے اَلْخَلَافَةُ بَعْدِیْ ثَلَاثُوْنَ عَامًا ثُمَّ یَصِیْرُ مَلْكًا عَضُوْضًا، یہ حدیث اوپر کی حدیث کے منافی ہے۔ اس لیے کہ آپ جن خلفاء کو پہلی حدیث کا مصداق بناتے ہیں۔ ان کی مدت تیس سال سے زائد ہے۔

﴿جواب﴾: پہلی حدیث میں نقل کردہ الفاظ باوجود تلاش کثیر مجھے اس وقت تک نہیں مل سکے۔ تاہم اس سے ملتے جلتے الفاظ موجود ہیں:

---

❶ مسلم شریف، ص ۲۷۹ ج۲۔ ❷ بروایت ابی اُسَیْد سَاعِدِیْ۔ بیهقی، ابن ماجه از تحفه اثنا عشریه ص ۴۱۰۔

۱:..... عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَزَالُ هٰذَا الدِّيْنُ قَائِمًا حَتّٰى يَكُوْنَ عَلَيْكُمْ اثْنَا عَشَرَ خَلِيْفَةً كُلُّهُمْ تَجْتَمِعُ عَلَيْهِ الْأُمَّةُ۔ ❶

۲:..... لَا يَزَالُ الدِّيْنُ قَائِمًا حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ. ❷

۳:..... يَكُوْنُ مِنْ بَعْدِيْ اِثْنَا عَشَرَ اَمِيْرًا. ❸

ان روایات کا مفاد یہ ہے کہ قیامت تک ۱۲ خلفاء اور امراء ہوں گے، یعنی صاحب اقتدار اور صاحب امر ہوں گے جیسے کہ "لَا يَزَالُ الدِّيْنُ قَائِمًا" کے الفاظ سے واضح ہے اور شیعہ سنی دونوں کے مطابق خلیفہ اور حاکم میں یہ اوصاف ہونے ضروری ہیں:

(۱) مومن خالص اور نیک سیرت ہونا۔ (۲) دین کی حفاظت وصیانت کرنا۔ (۳) امن قائم کرنا۔ (۴) اقامتِ نماز (۵) زکوٰۃ اور بیت المال کا انتظام کرنا۔ (۶) امر بالمعروف (۷) نہی عن المنکر (۸) جہاد جاری رکھنا۔ (۹) ہادی ہونا۔ (۱۰) صبر و عزیمت کا حامل ہونا۔ چنانچہ پہلے تین اوصاف کا وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا والی آیت (سورۂ نور پ ۱۸) میں ذکر ہے اور ۴ سے لے کر ۷ تک اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ الآية (سورۂ حج:۴۱) کی آیت میں بیان ہے اور وصف نمبر ۸۔ اِبْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. سورۂ بقرہ آیت ۲۴ میں مذکور ہے اور وصف ۹ '۱۰۔ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا (سورۂ سجدہ:۲۴) میں موجود ہے۔ ان اوصاف اور شروط کے علاوہ اور بھی کافی شروط ہیں جن کی تفصیل بڑی کتابوں میں آ گئی ہے۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نہج البلاغۃ کے خطبہ ۴۰ میں فرماتے ہیں:

اَنَّهٗ لَا بُدَّ النَّاسِ مِنْ اَمِيْرٍ بَرٍّ اَوْ فَاجِرٍ يَاْمَنُ فِيْ اِمْرَتِهِ الْمُؤْمِنُ وَيَسْتَمْتِعُ فِيْهَا الْكَافِرُ وَيبلغ اللّٰه الاجلَ وَيَجْمَعُ بِهِ الْفَيْءَ وَيُقَاتَلُ بِهِ الْعَدُوَّ وَتَاْمَنُ بِهِ السُّبُلُ وَيُؤْخَذُ بِهِ لِلضَّعِيْفِ مِنَ الْقَوِيِّ حَتّٰى يَسْتَرِيْحَ بَرٌّ وَيُسْتَرَاحَ مِنْ فَاجِرٍ۔ ❹

• یعنی لوگوں کے لیے اچھے یا برے امیر کا ہونا لازم ہے تاکہ اس کے دورِ حکومت میں مومن اطمینان سے اللہ کی عبادت میں لگا رہے اور کافر بھی فائدہ اٹھائے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کو فتنہ وفساد سے محفوظ رکھے، ان کی طبعی عمروں تک پہنچائے۔ خراج اور واجبات وصول کیے جائیں اور جہاد کا سلسلہ جاری رکھا جائے اور راستے پر امن ہوں اور طاقت والے سے ضعیف کا حق واگذار کیا جائے تاکہ نیکوکار آرام حاصل کرے اور بدکار سے نجات حاصل ہو۔"

ان تصریحات کے بعد اس ازراہِ نوازش شیعہ حضرات کے پسندیدہ اور تجویز کردہ ائمہ کرام میں سے کسی ایسے ایک ہی امام کا نام بتایا جائے جو تجتمع علیه الامه اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ مذکورہ بالا شروط واوصاف کا حامل گزرا ہو بلکہ شیعہ ذاکرین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام نامی اور اسم گرامی بھی پیش نہیں کر سکتے۔ گو ہمارے نزدیک آپ برحق خلیفہ و راشد ہیں۔ "هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔"

❶ سنن ابی داؤد ص۵۸۸ ج۲) لا یزال الدین قائما حتی تقوم الساعة. ❷ صحیح مسلم ص۱۱۹ ج۲) یکون من بعدی اثنا عشرا میرا۔
❸ جامع ترمذی. ❹ نهجة البلاغة ج ص.

اس سلسلے میں اہل علم کے دو مسلمہ قاعدے ذہن میں رکھے جائیں۔ "اَلشَّيءُ إِذَا خَلَا عَنْ مَقْصُوْدِهٖ لَغَا" جو چیز اپنے مقصود سے خالی ہوتی ہے لغو ہوتی ہے۔ اَلشَّيءُ إِذَا ثَبَتَ ثَبَتَ بِلَوَازِمِهٖ۔ ہر چیز جب ثابت ہوتی ہے تو وہ اپنے تمام لوازمات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔

بنابریں سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اثنا عشری حضرات کے بارہ اماموں کے دورِ اقتدار کی پوری حکومتی تفصیلات...... یعنی طرز حکومت، فتوحات' اصلاحات وغیرہ لوازمات حکومت کے ساتھ بتایا جائے کہ ان خلفائے کے زمانوں میں اقامت صلوٰۃ' وصولی زکوٰۃ' انفاذ حدود' قصاص' احتساب' جنایات' جہاد اور ایسے دوسرے اہم مسائل پر مکمل عمل درآمد ہوتا رہا یا نہیں۔

بارہ خلفاء:

بجوائے حدیث كُلُّهُمْ تَجْتَمِعُ عَلَيْهِ الْأُمَّةُ (ابوداؤد ص ۵۸۸ ج۲) اور بارہ خلفاء یہ ہیں (۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ (۵) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (۶) یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ (۷) عبدالملک بن مروان (۸) ولید بن عبدالملک (۹) سلیمان بن عبدالملک (۱۰) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۱۱) یزید بن عبدالملک (۱۲) ہشام بن عبدالملک۔ ❶

تاریخ شاہد ہے کہ یہ بارہ خلفاء اپنے اپنے دور خلافت میں پوری اسلامی دنیا کے واحد خلیفہ اور بلاشرکت غیرے امیر المومنین تھے۔

اور یزید بن ولید کے قتل کے بعد آج تک کوئی بھی ان جیسا خلیفہ یا حکمران نہیں گزرا جس کا اقتدار پوری اسلامی دنیا کو محیط ہو۔ أُولَٰئِكَ آبَائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ إِذْ جَمَعَتْنَا يَا جَرِيرُ الْمَجَامِعِ ۔

شیعی بارہ امام اس حدیث کا مصداق نہیں ہیں:

رہا یہ خیال کہ حدیث اثناء عشر امیراً سے مراد شیعہ حضرات کے بارہ امام مراد ہیں تو یہ ہرگز درست نہیں، چنانچہ حضرت امام ابن کثیر آیت وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا کے ذیل فرماتے ہیں۔ وَلَيْسَ الْمُرَادُ بِهٰؤُلَاءِ الْخُلَفَاءُ الْإِثْنَى عَشَرَ الْأَئِمَّةَ الَّذِيْنَ يَعْتَقِدُ فِيْهِمِ الْإِثْنَا عَشَرِيَّةَ مِنَ الرَّوَافِضِ لِجَهْلِهِمْ وَقِلَّةِ عَقْلِهِمْ ❷ کہ "ان بارہ خلفاء سے مراد وہ بارہ امام نہیں جن کا اپنی بے علمی اور کم عقلی کی وجہ سے شیعہ حضرات اعتقاد رکھتے ہیں۔

سوال نمبر۳: باغ فدک سے محرومی پر حضرت فاطمۃ الزہراء تادم مرگ ناراض رہیں۔ فغضبت حتى توفيت (بخاری) فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي مَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِيْ (بخاری) چنانچہ صغریٰ کبریٰ سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی

---

❶ فتح الباری ص ٦٣ ج٦ طبع دهلی و منهاج السنه ص ٢٠٦ ج٢.

❷ تفسیر ابن کثیر ص ١٠٤ ج٣ طبع المنار.

ناراضی بھی ثابت ہوتی ہے ایسے میں اصحاب ثلاثہ بہشتی اور مغفور کیوں کر قرار پائے؟ یاللعجب' نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عباس رضی اللہ عنہ شیخین کے حق میں کہتے تھے کَاذِبًا خَائِنًا خَاوِرًا۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود اعتراف بھی کر لیا تھا (صحیح بخاری) لہٰذا آپ کے پاس کوئی صحیح جواب ہو تو تحریر کریں۔

جواب: اولاً یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناراضی والی حدیث تو حضرت علی کے بارے میں ہے۔ فَاطِمَةُ بُضْعَةٌ مِنِّي فَمَنْ اَغْضَبَهَا فَقَدْ اَغْضَبَنِي (ص۵۳۲ بخاری) پھر آپ کے درج شدہ الفاظ صحیح نہیں ہیں آپ نے فَغَضِبَتْ حَتّٰى تُوُفِّيَتْ کو فَمَنْ اَغْضَبَهَا فَقَدْ غَضَبَنِيْ کے ساتھ ملا کر غضب کر دیا۔ آخری الفاظ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ہیں۔ ● پھر اس سے صغریٰ کبریٰ نکالتے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو (معاذ اللہ اس کا مصداق قرار دیا ہے جو کہ سراسر ظلم ہے ثانیاً بخاری شریف میں فَغَضِبَتْ حَتّٰى تُوُفِّيَتْ کے ساتھ دوسرے الفاظ بھی ہیں جو یہ ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ فَقَالَ لَهُمَا اَبُوْبَكْرٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ اَنَّمَا يَاْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ مِنْ هٰذَا الْمَالِ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ وَاللّٰهِ لَا اَمْرًا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَصْنَعُهُ فِيْمَا لَا صَنَعْتُه فَهَجَرَتْه فَاطِمَةُ فَلَمْ تَكَلَّمْ حَتّٰى مَاتَتْ. ●

اس روایت میں حضرت ابوبکر کی معذرت اور اس کی دلیل جس کے بعد حضرت فاطمہ کا دوبارہ مطالبہ نہ کرنا صاف طور پر ذکر ہے اور ہجرت کا معنی یہ ہے کہ پھر جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فدک کے معاملے میں ملاقات نہیں کی اور پھر چھ ماہ کے بعد اپنے ابا جی صلی اللہ علیہ وسلم کو جا ملیں اور بخاری کی دوسری حدیث میں وجدت کا لفظ بھی آیا ہے۔ جس کا معنی ندمت اور حزنت ہے اس لیے اب معنی یوں ہوگا کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے آپ نے جب معقول جواب سنا تو اپنے دعوے پر نادم ہوئیں اور غضبت کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انھیں اپنے آپ پر غصہ آیا۔

جواب۲:۔ اِغْضَاب اور غضب میں نمایاں فرق ہے۔ اغضاب کا معنی بلاوجہ ناراض کرنا ہوتا ہے لیکن حضرت ابوبکر تو حدیث "لَا نُوْرِثُ مَاتَرَكْنَا صَدَقَةٌ" کی وجہ سے مجبوری کا اظہار فرما رہے ہیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ راست فیصلہ وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ کے عین مطابق تھا

بجرم عشق تو میکشند وغوغائیست   تو نیز سر بام آ کہ خوش تماشا لیست

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی یہ ناراضی اور رنجیدگی محض غلط فہمی کی بناء پر تھی اور اہل اللہ کی ایسی رنجیدگی جس کی بنیاد غلط فہمی پر ہو اس سے کوئی نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہوتا۔ ورنہ حضرت ہارونؑ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام ناراض ہو گئے تھے' تو کیا حضرت ہارون علیہ السلام مغضوب علیہ قرار پائیں گے؟ ہرگز ہرگز نہیں۔

جواب۳:۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صلح ہو گئی تھی جیسا کہ بیہقی نے نقل کیا ہے:

● ملاحظہ ہو بخاری ص ۵۳۲ ج۱ مسلم ص ۲۹۰ ج۲ ترمذی ص ۵۴۹ ج۲ اور جلاء العیون ص ۱۳۷ اردو۔

● بخاری شریف ص ۹۹۵' ۹۹۶ ج۲۔

رَوَی الْبَیْھَقِیُّ مِنْ طَرِیْقِ الشَّعْبِی اَنَّ اَبَابَکْرٍ عَادَ فَاطِمَۃَ فَقَالَ لَھَا عَلِیٌّ ھٰذَا اَبُوْبَکْرٍ یَسْتَأْذِنُ عَلَیْكِ قَالَتْ اَتُحِبُّ اَنْ آذَنَ لَہٗ قَالَ نَعَمْ فَاَذِنَتْ لَہٗ فَدَخَلَ عَلَیْھَا فَیُرْضِیْھَا فَرَضِیَتْ۔ ❶

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو راضی کرلیا اور وہ راضی ہوگئیں۔''

علاوہ ازیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بقول شیعہ مصنف کے فدک بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا۔ (ملاحظہ ہو: اصول کافی ص ۳۵۵) اور شیخ ابن مطہر حلی نے بھی منہاج الکرامہ میں اعتراف کیا ہے:

لَمَّا وَعَظَتْ فَاطِمَۃُ اَبَابَکْرٍ فِیْ فِدْكٍ۔ کَتَبَ لَھَا کِتَابًا وَرَدُّھَا عَلَیْھَا اور حجاج السالکین میں ہے: فَقَالَتْ: وَاللّٰہِ تَفْعَلَنَّ فَقَالَ وَاللّٰہِ لَأَفْعَلَنَّ فَقَالَتْ اَللّٰھُمَّ اَشْھَدُ فَرَضِیَتْ بِذَالِكَ وَأَخَذَتِ الْعَھْدَ عَلَیْہِ۔ ❷

زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک کی تحریر لکھ دی۔ ❸

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ناراضگی:

جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے اس کے برعکس مَنْ اَغْضَبَھَا فَقَدْ اَغْضَبَنِیْ کے الفاظ لفاظ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں وارد ہیں۔ جیسا کہ خود شیعہ لٹریچر میں موجود ہے۔ جلاء العیون ص ۱۳۷۔ اور ص ۶۲، ۶۳ مترجم اردو کو ملاحظہ کرلیا جائے۔ حضرت امام صادق سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی (جمیلہ رضی اللہ عنہا) سے نکاح کرنا چاہا۔ جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا ناراض ہوکر میکے چلی آئیں، حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب امیر کو کہا کہ جاؤ ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کو بلا لاؤ، پس جناب امیر گئے۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو بلا لائے، جب نزدیک رسول خدا ہوئے تب آپؐ نے ارشاد فرمایا: یا علی! تم نہیں جانتے کہ فاطمہ میری پارۂ تن ہے اور میں فاطمہ رضی اللہ عنہا سے جس نے اسے ایذاء دیا اس نے مجھے ایذاء دیا الخ۔ اور بالکل یہی واقعہ ہماری کتب احادیث میں بھی موجود ہے چنانچہ ترمذی شریف میں ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ الزُّبَیْرِ اَنَّ عَلِیًّا ذَکَرَ بِنْتَ اَبِیْ جَھْلٍ فَبَلَغَ ذَالِكَ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ اِنَّمَا فَاطِمَۃُ بِضْعَۃٌ مِنِّیْ یُؤْذِیْنِیْ مَا اٰذَاھَا وَیَنْصِبُنِیْ مَا اَنْصَبَھَا۔ (ص ۵۴۹ ج ۲)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا تو جب آنحضرتؐ کو اطلاع پہنچی تو فرمایا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میرا گوشہ جگر ہے، جو چیز فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تکلیف دہ ہے وہ مجھے بھی تکلیف دہ ہے، جو چیز اس کے لیے بوجھ کا سبب ہے وہ میرے لیے بھی ہے۔ ❹

اسی طرح شیعہ اصول کے مطابق تو صغریٰ کبریٰ جوڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی وہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے جو نتیجہ

❶ حاشیہ بخاری شریف ص ۵۳۲ ج ۱۔ ❷ تحفہ اثنا عشریہ فارسی ص ۲۷۹۔
❸ ملاحظہ جلاء العیون اردو ص ۱۵۱ اور اصول کافی ص ۳۵۵ وغیرہ۔ ❹ مسلم شریف ص ۲۹۰ ج ۲۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نکالنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے۔ فرمایئے کیا آپ کے اصول کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ مغضوب علیہ ہو گئے۔ یاللعجب۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے۔ بحمد اللہ ہمارے نزدیک لاریب حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے پیشروؤں کی طرح جنتی ہیں چوتھے درجہ پر اور چوتھے خلیفہ برحق تھے۔

خلفائے ثلاثہ مغفور اور جنتی ہیں:

خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے پر دلائل یہ ہیں، چند آیات ملاحظہ ہوں:

﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ ○﴾

(التوبہ:۲۰تا۲۱)

”جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں مالوں کے ساتھ اور جانوں کے ساتھ، یہی لوگ اللہ کے ہاں درجے میں بڑے ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔ ان کا رب ان کو اپنی رحمت' رضامندی اور جنت کی نوید سناتا ہے اور ان کے لیے اس جنت میں دائمی نعمتیں ہیں۔“

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ (التوبہ:۱۱۱)

”اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کی جانوں اور مالوں کو اپنی جنت کے عوض خرید لیا ہے۔“

﴿اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَیُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○﴾

(المجادلۃ:۲۲)

”یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے جن کے دلوں کی تختیوں میں ایمان کندہ کر دیا ہے اور ان کی غیب سے تائید فرمائی ہے اور انھیں ایسی جنت میں داخل فرمائے گا جس کے نیچے نہریں چلتی ہیں اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہو گیا اور وہ اللہ پر خوش ہو گئے یہی اللہ کی جماعت ہے اور خبردار اللہ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے۔“

﴿وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○﴾ (التوبۃ:۱۰۰)

﴿لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَیْرٰتُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○﴾ (التوبہ:۸۸)

اور بھی ایسی بے شمار آیات قرآنیہ ہیں جن میں ان قدسیوں کے محامد و محاسن اور مناقب و فضائل کے تذکرے موجود ہیں۔ بلکہ خود شیعہ کی کتابیں بھی خلفائے ثلاثہ کے فضائل سے بھری پڑی ہیں چند حوالے نگارش کئے دیتا ہوں، فروع کافی ص ۱۴۲ ج ۳۔ تفسیر حسن عسکری ص ۲۴۱ تفسیر آیت غار تفسیر قمی ص ۱۵۷ تفسیر آیت غار۔ کشف الغمہ ص ۲۲۰ مطبوعہ ایران احتجاج

طبرسی۔ مجمع البیان ۲۸ آیۃ الذی جاء بالصدق وغیرہ۔

آخری بات اور اس کا جواب:

آخر میں جو یہ لکھا ہے کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ شیخین کو کاذب، آثم، خائن اور غادر سمجھتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا اعتراف بھی کر لیا تھا۔''

اس کے جواب میں گذارش ہے کہ یہ بھی کم علمی کی دلیل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعتراف نہیں کیا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عباس رضی اللہ عنہ کو بطور تنبیہ ایسا فرما رہے ہیں کہ جو فیصلہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل ماترکنا صدقة میں صادر فرمایا اور میں نے اس کو بحال رکھا، کیا تم لوگ مجھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تعمیل ارشاد نبویؐ میں کاذب، آثم، غادر اور خائن سمجھتے ہو حالانکہ خدا جانتا ہے کہ میں اپنے اس موقف میں صادق 'بار' راشد اور متبع حق ہوں اصل الفاظ یہ ہیں۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَنِّیْ الصَّادِقُ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ (صحیح مسلم ص ۹۱ ج۲) یہ تو روزمرہ کا محاورہ ہے کہ جب کسی شریف آدمی کو ناکردہ گناہ میں دھر لیا جاتا ہے تو وہ بطور استفہام اور استعجاب کے ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ جیسے کسی کو چوری کا الزام دیا جائے تو وہ کہے گا کہ کیا تم مجھے چور سمجھتے ہو؟ اس کے کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ اعتراف جرم کر رہا ہے بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ میں ایسا نہیں ہوں تو میرے متعلق تمہیں اس کا شبہ کیوں گزرتا ہے؟ فَافْهَمْ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُعَانِدِيْنَ، جناب والا اسی مسلم شریف میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ٹھوس جواب دے کر مطمئن کر دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمام رنجش اور خلش بھلا کر بیعت کر لی تھی اصل الفاظ یہ ہیں۔

ثُمَّ قَامَ عَلِیٌّ فَعَظَّمَ مِنْ حَقِّ اَبِیْ بَكْرٍ وَ ذَكَرَ فَضِيْلَتَهٗ وَسَابِقَتَهٗ ثُمَّ مَضٰى اِلٰى اَبِیْ بَكْرٍ فَبَايَعَهٗ. ❶

''کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کاذب، آثم اور غادر خائن کی بیعت کی تھی؟ جب وہ مل بیٹھے تھے تو آپ لوگوں کو کیوں اعتراض ہے؟ علاوہ ازیں۔ مسلم شریف ج۲ ص ۹۰ پر یہی الفاظ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مذکور ہیں جن کا ہدف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عدالت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ دونوں پیش ہوتے ہیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان القاب کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف دعویٰ دائر کرتے ہیں

فَقَالَ عَبَّاسٌ يَااَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! اَقْضِ بَيْنِیْ وَبَيْنَ هٰذَا الْكَاذِبِ الْاٰثِمِ الْغَادِرِ الْخَائِنِ. ❷

اب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے جو جواب ہو گا ہماری طرف سے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی قبول فرمالیا جائے۔ هٰذَا آخِرُ مَا اَرَدْنَا فِیْ هٰذِهِ السَّاعَةِ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔

---

❶ مسلم ص ۹۲ ج۲۔

❷ مسلم ص ۹۰ ج۲ بروایت مالک بن انس۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایمان کیسے لائے؟

سوال: مولوی صاحب خطبے میں ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک بت تھا لوگ اس کے قریب جمع تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی وہاں پہنچ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر اس بت نے کلمہ پڑھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی جگہ مسلمان ہو گئے۔ مفتی صاحب قرآن و حدیث سے اس واقعہ کی وضاحت کریں۔

علاقہ کی دوسری مساجد، مثلاً: بریلوی و دیوبندی وغیرہ کے لوگ ایسے واقعات سن کر ان کی تشہیر کرتے ہیں کہ دیکھو اہل حدیث کے اسٹیج سے ایسی باتیں ہو رہی ہیں۔ ایسے مولوی صاحب کے لیے آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے بارے میں میری نظر سے یہ واقعہ نہیں گزرا۔ مجھے جہاں تک علم ہے اور جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کے نتیجہ میں مشرف باسلام ہوئے تھے، اور وہ دعا یہ ہے: اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعَمْرِو بْنِ ھِشَامٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اور تاریخ الخلفاء سیوطی میں صرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی کا نام ہے اور الفاظ یہ ہیں اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ خَاصَّةً اَوْ کَمَا قَالَ۔

لہٰذا مولوی صاحب کا بیان کردہ واقعہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے حق اور مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ دو سگے بھائی ہیں، ان میں سے ایک بھائی فوت ہو گیا ہے دوسرے بھائی کی بیوی فوت ہو گئی ہے، اب جو بھائی فوت ہو گیا ہے اس کی بیوی سے دوسرے بھائی نے شادی کر لی ہے۔ اب ایک بھائی جو فوت ہو گیا اس کا بیٹا ہے اور دوسرے کی بیٹی ہے۔ کیا ان دونوں کی آپس میں شادی ہو سکتی ہے؟ (سائل: قاری محمد یحییٰ شاہدرہ لاہور)

جواب: چونکہ یہ لڑکا اور لڑکی آپس میں غیر محرم ہیں اور حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ......الآیۃ میں حرام رشتوں میں شامل نہیں۔ لہٰذا وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ......الآیۃ کے مطابق ان کا آپس میں نکاح بلاشبہ صحیح اور شرعی نکاح ہو گا۔ منع کی کوئی دلیل نہیں۔

سوال: کلمہ سبحان اللہ تنزیہہ کے لیے ہے، لیکن آج کل قاریوں کی تلاوت اور صاحب ترنم واعظوں کے قرآن پڑھنے پر سبحان اللہ سبحان اللہ کے ڈونگرے برسائے جاتے ہیں۔ کیا قاری اور مولوی کی تلاوت پر اس کلمہ تنزیہہ کا استعمال قرآن و حدیث اور تعامل سلف صالحین سے ثابت ہے، بینوا توجروا۔ (آپ کا خادم مولوی عبداللہ نثار گوجرانوالہ شہر)

جواب: ہر چند کہ کلمہ تسبیح (سبحان اللہ) باری تعالیٰ کی تنزیہہ کے لیے ہے، لیکن یہ تنزیہہ کے لیے مخصوص نہیں بلکہ تعجب وغیرہ کے مواقع پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا استعمال ثابت ہے جیسا کہ کتب حدیث میں حائضہ عورت کو آپ نے شلوار یا تہبند کے نیچے لنگوٹی باندھنے کا حکم دیا تو اس عورت نے سوال کیا لنگوٹی کیسے باندھوں؟ تو آپ نے فرمایا: سبحان اللہ لنگوٹی باندھو۔ تب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے اپنی طرف کھینچ کر لنگوٹی باندھنے کا طریقہ سمجھا دیا۔ ❶

❶ ملاحظہ ہو صحیح البخاری ج ۱ باب دلك المرأة نفسها اذا تطهرت من المحيض و كيف تغتسل الخ ص ٤٥۔

رسول اللہ اور صحابہ کے دور میں یہ رواج ہرگز نہ تھا، لہٰذا یہ بدعت ہے اور اس سے اجتناب ضروری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قادیانی کی نابالغ اولاد کا جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں ایک شخص جو کہ قادیانی ہے، آج سے چند دن قبل اس قادیانی کا دس بارہ دن کا بچہ مر گیا تھا۔ اس کی نماز جنازہ ایک مسلمان نے پڑھائی ہے اور مسلمانوں نے پڑھی ہے، جو شخص امامت کرا رہا ہے اس کو معلوم ہے کہ میں قادیانی کا جنازہ پڑھا رہا ہوں اور مقتدیوں کو بھی معلوم ہے کہ ہم قادیانی بچے کا جنازہ پڑھ رہے ہیں۔ ان حضرات کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟ (المستفتی سرور شعیب)

الجواب بعون الوهاب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں واضح باشد کہ قادیانی' لاہوری اور ربوی مرزائی تینوں گروہ کافر اور اسلام سے خارج ہیں، اور اس عقیدہ پر اجماع ہے اور یہی حکم ان کی اولاد کا ہے۔ لہٰذا جس طرح کسی بالغ قادیانی مرد کا جنازہ پڑھنا کفر ہے اور اسی طرح نابالغ قادیانی کا جنازہ پڑھنا بھی کفر ہے۔ کیونکہ دنیا میں اولاد والدین کے تابع ہے لہٰذا جو حکم بلحاظ اسلام اور کفر والدین کا ہے وہی حکم ان کی نابالغ اولاد پر بھی لاگو ہوگا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے دوٹوک الفاظ میں فرمایا:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۝﴾ (الاحزاب: ٤٠)

"محمد ﷺ تم میں کسی مرد کا باپ نہیں ہے۔ البتہ وہ اللہ کا پیغمبر ہے اور پیغمبروں کا ختم کرنے والا، اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا۔"

اس آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے البتہ وہ اللہ کا رسول ہے اور نبیوں کا ختم کرنے والا۔ اس سے قطعی طور پر معلوم ہوا کہ محمد ﷺ رہتی دنیا تک اللہ کے نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔

مندرجہ ذیل احادیث صحیحہ میں بھی یہی معنی بیان کیا گیا ہے:

(ا) عَنِ الطُّفَيْلِ بْنِ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مَثَلِيْ فِي النَّبِيِّيْنَ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا فَاَحْسَنَهَا وَاَكْمَلَهَا وَتَرَكَ فِيْهَا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ لَمْ يَضَعْهَا فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوْفُوْنَ بِالْبُنْيَانِ وَيَعْجَبُوْنَ مِنْهُ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْتَمَّ مَوْضِعُ هٰذِهِ لَبِنَةٍ؟ فَاَنَا فِي النَّبِيِّيْنَ مَوْضِعُ تِلْكَ اللَّبِنَةِ. اَخْرَجَهُ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ وَاللَّفْظُ لَهُ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَسَنٌ صَحِيْحٌ. ●

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دوسرے نبیوں میں میری مثال ایک ایسے مکان کی ہے جو ہر طرح سے کامل مکمل اور

● تفسیر ابن کثیر ج۳ ص۵۰۹۔

خوب صورت ہو مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی ہو، فرمایا: میں وہ آخری اینٹ ہوں جس کے بعد مکان نبوت ہر طرح سے کامل مکمل ہو گیا ہے اور اب اس میں کوئی رخنہ باقی نہیں رہا۔"

(۲) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷛ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ۔ مسند احمد و رواه الترمذی وقال صحیح غریب۔ ❷

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "رسالت اور نبوت کا سلسلہ بند ہو چکا ہے، پس میرے بعد کوئی رسول ہوگا اور نہ نبی۔"

(۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ﷛ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَآءِ بِسِتٍّ اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَ طَهُوْرًا وَاُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَ خُتِمَ بِیَ النَّبِيُّوْنَ۔ ❸

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے دوسرے انبیاء علیہم السلام پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی ہے، مجھے جامع کلمات مرحمت کیے گئے ہیں اور میری رعب کے ساتھ مدد فرمائی گئی ہے۔ غنیمتیں حلال کی گئی ہیں اور زمین کو میرے لیے مسجد اور اس کی مٹی سے تیمم کی اجازت دی گئی ہے اور مجھے قیامت تک کے لیے تمام انسانوں اور جنوں کی طرف بھیجا گیا ہے اور میرے ساتھ نبیوں کی آمد ختم کر دی گئی ہے۔"

(۴) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ ﷛ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلِیْ وَ مَثَلُ الْاَنْبِيَاءِ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى دَارًا فَاَكْمَلَهَا وَاَحْسَنَهَا اِلَّا مَوْضِعَ اللَّبِنَةِ فَكَانَ مَنْ دَخَلَهَا فَنَظَرَ اِلَيْهَا قَالَ مَا اَحْسَنَهَا اِلَّا مَوْضِعُ هٰذِهِ اللَّبِنَةِ فَاَنَا مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ فَاَنَا مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ خُتِمَ بِیَ الْاَنْبِيَآءُ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔ ❹

(۵) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ لِیْ اَسْمَآءَ اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِیْ الَّذِیْ يَمْحُوْ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهِ الْكُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِیْ وَاَنَا الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَيْسَ بَعْدَهٗ نَبِیٌّ۔ ❺

"حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پانچ نام ہیں میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ میری وجہ سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹا دے گا۔ میرا نام حاشر ہے کہ میرے بعد لوگوں کا حشر

---

❶ تفسیر ابن کثیر ج۳ ص۵۰۹۔

❷ رواہ مسلم ج۲ ص مشکوٰۃ جلد ۲ ص۵۱۲۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۵۱۰۔

❸ رواہ البخاری و مسلم والترمذی۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص۵۰۹ ترجمہ گزر چکا)

❹ اخرجاہ فی الصحیحین، تفسیر ابن کثیر ج۳، ص ۵۱۰ وصحیح البخاری ج۱، ص ۵۰۱ وفیہ رسول اللہ ﷺ لی خمسة اسماء۔

ہوگا۔ میں وہ عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔"

ان احادیث صحیحہ اور ان جیسی دوسری متعدد احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت ہے کہ ہر طرح کی نئی نبوت رسول اللہ ﷺ کے بعد ختم ہو چکی ہے، اب آپ کے بعد کوئی ظلی' بروزی' تشریعی' غیر تشریعی مستقل یا تابع نبی ہرگز نہیں آئے گا اور جو شخص اجراء نبوت کا قائل ہے، وہ اسلام سے خارج اور کافر ہے اور اس کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر ہے اور اس مسئلہ پر سلف وخلف، دورِ حاضر کے اکابر علماء' فقہاء' مفتیانِ کرام کے علاوہ دورِ حاضر کے کئی اسلامی ملکوں کی عدالتہائے عظمٰی یعنی سپریم کورٹ نے ایسے عقیدہ کے حامل کو کافر اور خارج از اسلام قرار دے دیا ہے۔

امام ابن کثیر تصریح فرماتے ہیں:

وَقَدْ اَخْبَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِیْ كِتَابِهٖ وَرَسُوْلِهٖ فِی السُّنَّةِ الْمُتَوَاتِرَةِ عَنْهُ اَنَّهٗ لَانَبِیَّ بَعْدَهٗ لِيَعْلَمُوْا اَنَّ كُلَّ مَنِ ادَّعٰى هٰذَا الْمَقَامَ بَعْدَهٗ فَهُوَ كَذَّابٌ اَفَّاكٌ دَجَّالٌ ضَالٌّ مُضِلٌّ......الخ . ❶

کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عزیز میں اور رسول اللہ ﷺ نے متواترہ احادیث میں یہ وضاحت فرما دی ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اور جو نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کذاب، مفتری' دجال (فریب کار) خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہوگا۔

شیخ الحدیث مولانا محمد عبدہٗ الفلاح حفظہ اللہ فرماتے ہیں: اور پھر احادیث صحیحہ میں اس خاتم النّبیین کی تشریح کر دی گئی ہے جس کے بعد کسی التباس کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول عقیدہ ختم نبوت کے منافی نہیں ہے کیونکہ وہ آپ ہی کی شریعت پر چلیں گے۔ آج تک پوری امت کا یہ عقیدہ چلا آیا ہے پس ختم نبوت کا منکر قطعی کافر اور ملت اسلام سے خارج ہے۔

شیخ الاسلام مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں: اس میں شک نہیں کہ مرزائی گروہ عربی اسلام سے بالکل الگ ہے۔ ان کی روش سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے اقوال وافعال کو سند مانتے ہیں بلکہ احادیث سے بھی مقدم سمجھتے ہیں اور اس لیے ایسے گروہ کے ساتھ کوئی معاملہ بحیثیت مسلمان کے نہیں کرنا چاہیے۔ ❷

شیخ الکل فی الکل السید نذیر حسین محدث کا فتویٰ:

مذکورہ بالا احادیث لکھنے کے بعد فرماتے ہیں: جو شخص رسول اللہ ﷺ کی بزرگی اور خاتم الانبیاء ہونے کا اور قیامت کے دن شفاعت کرنے کا منکر ہو تو بموجب آیت مَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ گمراہ' کافر خالد مخلد دوزخ کا کندہ بن کر رہے گا۔
المجیب ابوالبرکات محمد عبدالحی تقی عرف صدر الدین حیدر آبادی۔ الجواب صحیح وال ای نجیح ومنکرها مردود کافر حرره السید نذیر حسین عفی عنه. ❸

❶ تفسیر القرآن العظیم جلد ۳ ص ۵۱۰۔ ❷ فتاویٰ ثنائیہ ج۱ ص ۳۷۵۔
❸ فتاویٰ نذیریہ ج۱ ص ۱۲۔

خلاصہ کلام یہ کہ قادیانی' لاہوری اور ربوی تمام مرزائی کافر اور اسلام سے خارج ہیں اور اس پر قرن اولیٰ خلافت صدیقی سے لے کر آج تک تمام اسلامی فرقوں کا اجماع ہے۔ لہٰذا ان کے کفر میں شک کرنے والا، ان کی شادی غمی میں شرکت کرنے والا، ان کا جنازہ پڑھانے والا اور پڑھنے والا بھی انہی کے حکم میں ہے۔ (ان کے نکاح بھی ٹوٹ چکے ہیں) جب تک یہ جنازہ پڑھانے اور پڑھنے والے توبہ نہ کریں۔ اس وقت تک ان کا مکمل بائیکاٹ کرنا شرعاً فرض ہے۔ اور ان کو مسلمان گمان کرنا بھی جائز نہیں، ایسے لوگوں کے ساتھ کھانا' پینا' رشتہ داری کرنا اور ان کی تقریبات میں شرکت ہرگز جائز نہیں۔

هذا ما قصدناه واردنا ايراده في هذا الفتوى والله تعالىٰ اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب في يوم الحساب۔

قادیانی کا نماز جنازہ پڑھنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال: محلّہ جوہر ٹاؤن میں ایک قادیانی عورت انتقال کر گئی۔ محلّہ کے کچھ مسلمانوں نے اس کی نماز جنازہ میں شرکت کی، بعد میں کسی قریبی عالم دین سے انہوں نے فتویٰ پوچھا تو انہوں نے فرمایا: وہ شرکاء اپنے نکاح کی تجدید کروائیں۔

(۱) کیا واقعی ان کو اسلام میں دوبارہ داخلہ کے لیے تجدید ایمان کرنا ضروری ہے؟

(۲) کیا نکاح کی تجدید ضروری ہے؟

(۳) یا قلبی توبہ اور استغفار سے کفارہ نہیں ہو سکے گا۔

برائے کرم ہماری کتاب وسنت کی روشنی میں راہنمائی فرما کر ممنون ہوں تاکہ ہمارا دین ایمان بچ جائے۔ جزاکم اللہ خیراً

سوال نمبر۱: اگر کسی مسلمان نے کسی مرزائی کی شادی میں شرکت کی اور گواہ بن گیا تو اس کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

(سید وحید الدین ۳۔ ریواز گارڈن لاہور)

جواب:

باسم الملک الوهاب ومنه الصدق والصواب بشرط صحت سوال:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ (الاحزاب: ۴۰)

مشہور ومعروف اور زبان زد خواص وعوام صحیح حدیث لا نبی بعدی کے مطابق قادیانی لاہوری اور ربوی مرزائی تینوں گروہ دائرہ اسلام سے خارج اور ان کے کفر پر امت کا اتفاق ہے۔ اور یہ بھی متفق علیہ امر ہے کہ کسی کافر کو مسلمان سمجھنے والا شخص کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے، لہٰذا جن لوگوں نے اس قادیانی عورت کو مسلمان سمجھ کر اس کی نام نہاد نماز جنازہ میں شرکت کی ہے اور دعائے استغفار پڑھی ہے، وہ بلاشبہ دائرہ اسلام سے خارج ہو کر شرعاً کافر ہو گئے ہیں یعنی وہ مرتد ہیں اور ان کی بیویاں ان کے حبالہ عقد سے آزاد ہو چکی ہیں، جب تک وہ خالص توبہ کر کے دوبارہ مسلمان نہ ہوں اور تجدید نکاح نہ کریں ان کی بیویاں ان پر حرام رہیں گی۔

اگر ان لوگوں نے اپنی جہالت بے علمی یا اس عورت کو مسلمان سمجھ کر نہیں بلکہ کافر سمجھ کر اور پڑوسی اور محلہ دار جان کر نماز جنازہ پڑھا ہے تو پھر کافر تو نہیں ہوئے اور نہ اس صورت میں تجدید نکاح کی ضرورت ہے، تاہم وہ فاسق، فاجر، مداہن اور بہت بڑے گناہ اور سنگین قباحت کے مرتکب ہوئے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وہ صمیم قلب اور سوداء فواد سے توبہ نصوح کریں اور اعتراف جرم کے ساتھ بصد الحاح وتضرع اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے معافی مانگیں اور آئندہ کسی بھی غیر مسلم کی آخری رسومات میں شرکت نہ کرنے کا عہد کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ (التوبہ:۸٤)

''ان (کافروں منافقوں) میں سے کوئی مر جائے تو اس کے جنازہ کی ہرگز نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہونا۔ کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہو گئے اور مرتے دم تک بدکار بے اطاعت رہے۔''

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ وَ لَوْ كَانُوْۤا اُولِیْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ۝﴾ (التوبہ:۱۱۳)

''نبی کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں اگر چہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔''

بنابریں سرعام علی رؤس الاشہاد ان لوگوں پر توبہ کرنی از حد ضروری اور ناگزیر ہے ورنہ انجام بخیر نہ ہوگا۔ اگر چہ آپ کے دریافت فرمودہ سوالوں کا یکجائی جواب ہو چکا ہے تاہم فرداً فرداً بھی پڑھ لیجئے۔

(۱) اگر ان لوگوں نے اس قادیانی عورت کو دل سے کافرہ سمجھ کر اور دائرہ اسلام سے خارج جان کر اس کے جنازہ میں شرکت کی ہے تو اس صورت میں تجدید ایمان کی ضرورت نہیں، البتہ خالص توبہ برسر میدان ضروری ہے اور اگر اس قادیانی عورت کو مسلمان سمجھ کر اس کی نماز جنازہ پڑھی ہے تو پھر تجدید ایمان کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں، کیونکہ کافرہ عورت کو مسلمان عورت سمجھنا بلا ریب کفر ہے۔

(۲) اگر جنازہ پڑھنے والوں نے اس عورت کو کافر سمجھتے ہوئے نماز جنازہ پڑھی ہے تو پھر تجدید نکاح کی ضرورت نہیں اور بصورت دیگر ان کے نکاح ٹوٹ چکے ہیں، لہٰذا تجدید ایمان کے ساتھ ساتھ نکاح تجدید بھی از بس ضروری ہے ورنہ محض حرام کاری کا ارتکاب ہوگا۔

(۳) بلاشبہ قلبی توبہ اور استغفار کافی ہے بشرطیکہ جنازہ پڑھنے والوں کے اعتقاد میں وہ عورت کافرہ تھی۔

هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب اليه المرجع والماب في يوم الحساب۔

﴿جواب﴾ نمبر۲: کسی مرزائی کو مسلمان سمجھ کر اس کی شادی میں شرکت کرنا کفر صریح ہے اور ایسے مسلمان کے لیے تجدید ایمان اور تجدید نکاح کے بغیر کوئی چارہ نہیں ورنہ کافر اور مرتد مرے گا، اور اگر کسی مرزائی کو کافر سمجھ کر اس کی شادی میں شریک ہوا تو

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ کا مرتکب ہے، بنابریں برسر میدان قلبی توبہ اور استغفار فرض ہے۔

نبی کریم ﷺ کا سایہ

سوال: محترم جناب محمد عبیداللہ خان عفیف...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ...... خیریت مطلوب

بھائی صاحب پچھلے دنوں ہماری ایک حنفی مکتب فکر کے آدمی سے بحث وتکرار ہوگئی تھی کہ نبی اکرم ﷺ کا سایہ تھا۔ لیکن بریلوی آدمی کہنے لگا کہ نبی مکرم ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ نبی اکرم ﷺ کے سایہ کے ثبوت میں کوئی معقول سی دلیل مل جائے لیکن ہم ناکام رہے۔ امید ہے کہ آپ ان شاء اللہ ہمیں قرآن وحدیث کی روشنی میں نبی کریم ﷺ کے سایہ کا ثبوت فراہم فرمادیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور آپ سے زیادہ دین اسلام کی خدمت لے آمین۔ اخوکم فی اللہ: (عبدالباسط عبدالستار مدرسہ جامعہ کمالیہ۔ راجووال ضلع اوکاڑہ)

الجواب بعون الوھاب: رسول اللہ ﷺ آپ اپنی تمام رفعت شان' جلالت قدر' امام الرسل اور خاتم النبیین ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی اور انسان تھے۔ ابولہب جیسے بدترین مشرک کے بھتیجے' عبدالمطلب کے پوتے خدیجہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما کے شوہر نامدار اور زینب' رقیہ' ام کلثوم اور فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہن کے والد بزرگوار تھے۔ غرضیکہ ہر اعتبار سے آپ خیر البشر اور انسان اکمل تھے اور انسان ہونے کے ناطے سے یہ بات بڑی واضح ہے کہ انسان کا سایہ ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں سورۃ النحل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَ هُمْ دٰخِرُوْنَ۝﴾ (النحل:٤٨)

کیا انہوں نے اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھا؟ کہ اس کے سائے دائیں بائیں جھک کر اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہیں اور عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اور اس کی جلالت شان کا یہ عالم ہے کہ ہر چیز اس کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔ جمادات و نباتات ہو یا حیوانات، یعنی جن، انسان اور ملائکہ سب کا سایہ ہے اور ان کا سایہ دائیں بائیں جھکتا ہے اور صبح وشام اپنے سایہ کے ساتھ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَ لِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ۝﴾ (الرعد:١٥)

اللہ ہی کے لیے زمین وآسمان کی سب مخلوق خوشی اور ناخوشی سجدہ کرتی ہے اور ان کے سائے بھی صبح وشام۔

ان دونوں آیات مقدسہ سے ثابت ہوا کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ نے جتنی اور جتنی اقسام کی مخلوق پیدا فرمائی

ہے ان کا سایہ بھی ہے اور رسول اللہ ﷺ بھی تو بہر حال اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ لہٰذا دوسری تمام مخلوق کی طرح لامحالہ آپ کا بھی سایہ تھا۔ قرآن مجید کی ان آیات مقدسہ کی طرح متعدد احادیث شریفہ میں بھی آپ ﷺ کے سایہ کا ثبوت موجود ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی اور عین نماز کے دوران آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اچانک آگے بڑھایا، پھر جلد ہی پیچھے ہٹا لیا۔ ہم نے آپ ﷺ سے آپ کے اس خلاف معمول نماز میں جدید عمل کے اضافہ کی وجہ دریافت کی تو ہمارے اس سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میرے سامنے ابھی ابھی جنت لائی گئی۔ میں نے اس میں بڑے اچھے پھل دیکھے تو میں نے چاہا کہ اس میں سے کوئی گچھا توڑ لوں۔ مگر معاً حکم ملا کہ پیچھے ہٹ جاؤ۔ میں پیچھے پلٹ گیا۔ پھر اسی طرح جہنم بھی دکھائی گئی۔ حَتّٰی رَأَیْتُ ظِلِّی وَظِلَّکُمْ میں نے اس کی روشنی میں اپنا اور آپ لوگوں کا سایہ دیکھا۔ دیکھتے ہی میں نے تمہاری طرف اشارہ کیا کہ پیچھے ہٹ جاؤ۔ ❶

حافظ ذہبیؒ نے مستدرک کی تلخیص میں اس حدیث کے بارے میں کہا ہے:

هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ ۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ اس حدیث میں کس قدر وضاحت کے ساتھ آپ ﷺ نے ظلی میرا سایہ و ظلکم اور تمہارا سایہ کا بیان فرمایا ہے۔

حضرت صفیہ بنت حیی فرماتی ہیں کہ ہم حج کی سعادت حاصل کر کے واپس آ رہے تھے کہ میری سواری بہک گئی جب کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس ایک اونٹ زائد تھا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے فرمایا: افقری اختك صفیة جَمَلَكِ۔ آپ اپنا اونٹ سواری کے لیے عاریتاً صفیہ کو دے دو۔ تو حضرت زینب بنت جحش نے کہا کہ میں اپنا اونٹ یہودیہ عورت کو کیوں دوں؟ اس تلخ بات پر رسول اللہ ﷺ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے ناراض ہو گئے اور تین ماہ تک ان کے گھر بھی تشریف نہ لائے حضرت زینب فرماتی ہیں:

فَلَمَّا كَانَ شَهْرُ رَبِيْعِ الْاَوَّلِ دَخَلَ عَلَيْهَا فَرَأَتْ ظِلَّهٗ دَخَلَ عَلَيْهَا فَرَأَتْ ظِلَّهٗ فَقَالَتْ اِنَّ هٰذَا لَظِلّ رجلٍ وَمَا يَدْخُلُ وَمَا يَدْخُلُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَدَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ . ❷

سیدہ زینب فرماتی ہیں کہ جب ناراضگی میں محرم اور صفر گزر گئے اور ربیع الاول کا مہینہ آ پہنچا تو رسول اللہ ﷺ میرے ہاں تشریف لائے ہوا یوں کہ میں نے آپ سے پہلے آپ کا سایہ دیکھا تو میں نے کہا کہ یہ تو انسانی سایہ ہے جو میرے گھر میں گھس رہا ہے۔

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں:

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ فِيْهِ سمَيَّةُ رَوَى لَهَا اَبُوْدَاوٗدَ وَغَيْرُهٗ وَلَمْ يضعّفها اَحَدٌ وَبِقِيَّةُ رِجَالِهٖ ثِقَاتٌ . ❸

کہ اس حدیث میں ایک سمیہ نامی عورت راویہ ہے ابوداؤد وغیرہ نے اس سے روایت کی ہے اور کسی نقاد حدیث نے اس بی بی کو ضعیف نہیں کہا اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

---

❶ مستدرك حاكم ج٤ ص ٤٥٦۔ ❷ مجمع الزوائد ج٤ ص ٣٢٤۔ ❸ مجمع الزوائد ج٤ ص ٣٢٤۔

اس حدیث سے بھی رسول اللہ ﷺ کا سایہ ثابت ہوتا ہے اور کسی صحیح حدیث میں آپ کے سایہ کی نفی نہیں آتی۔ رہی یہ بات کہ آپ چونکہ نور تھے لہٰذا نوریوں کا سایہ نہیں ہوتا تو یہ بات بھی ایک مفروضہ سے زیادہ کچھ نہیں۔ کیونکہ فرشتے بالاتفاق نوری مخلوق ہیں اور ان کا سایہ صحیح حدیث سے ثابت ہے، جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد بزرگوار حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ جنگ احد میں شہادت پا گئے تو ان کے اہل وخیال ان کے پاس اکٹھے ہو کر رونے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَازَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تُظِلُّهُ بِاَجْنِحَتِهَا حَتّٰى دَفَعْتُمُوْهَا. (بخاری کتاب الجنائز)

جب تک تم لوگ اس کو یہاں سے اٹھا نہیں لیتے اس وقت تک فرشتے اس پر اپنے پروں کا سایہ کرتے رہیں گے۔"

اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ نوریوں کا بھی سایہ ہوتا ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے سایہ کا انکار قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ کا انکار ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔

مرزائیوں سے دوستی اور قرابتداری قطعاً حرام ہے

سوال: کہتے تو ہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن رشتہ داریاں مرزائیوں سے کرتے ہیں۔ ایک لڑکے اور لڑکی کا نکاح ربوہ میں پڑھا اور ایک کا نکاح مولانا شوق کی مسجد نور پارک میں پڑھا، اب لڑکے کی شادی مرزائیوں کے گھر کر رہے ہیں تو کیا ہمارا برات کے ساتھ جانا، کھانا پینا جائز ہے یا نہیں (مین بازار عبداللہ پور مسجد نور پارک فیصل آباد)

جواب: واضح ہو کہ مرزائی خواہ قادیانی ہوں یا لاہوری دونوں گروہ کافر ہیں اور ان کا کفر محتاج بیان نہیں رہا کہ علمائے کرام تو تقسیم ملک سے پہلے بھی ان کے کفر پر مہر تصدیق ثبت کر چکے تھے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام حضرت ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے رسالہ فسخ نکاح مرزائیاں سے ظاہر ہے۔ اس رسالہ ہدایت مقالہ میں ہندوستان بھر کے تمام اہل حدیث' حنفی' دیوبندی اور بریلوی وغیرہ گروہوں کے تمام سربرآوردہ اہل علم کی مہر تصدیق ثبت ہے اور اس رسالہ میں دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ نہ تو کسی مسلمان عورت کا کسی مرزائی سے نکاح ہو سکتا ہے اور نہ کسی مسلمان کو کسی مرزائی عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے، اور اسی طرح اگر کوئی آدمی مرزائی ہو جائے اور اس کی بیوی مرزائی نہ ہو تو پہلا نکاح ازخود فسخ ہو جاتا ہے۔ وعكس ذالك

(مولانا امرتسری کے اس رسالے سے پہلے مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے مرزائیوں کے کفر پر ایک متفقہ فتویٰ اپنے اخبار ''اشاعۃ السنۃ'' میں شائع کیا تھا' جس میں تمام مکاتب فکر کے علماء کے فتاوے شامل تھے، یہ سب سے پہلا فتویٰ تھا جو مولانا بٹالوی کی سعی و اہتمام سے مرتب اور شائع ہوا تھا (ص۔ی)

اس کے علاوہ بہاولپور کے جج اور راولپنڈی کے جج محمد اکبر صاحبان بھی تقسیم ملک سے پہلے اور بعد مرزائیوں کو کافر قرار دے چکے ہیں۔ اور ان کے فیصلے کتابی شکل میں طبع ہو چکے ہیں اور پھر مزید برآں یہ کہ پاکستان کی قومی اسمبلی بھی ستمبر ۱۹۷۴ء میں مرزائیوں کی دونوں شاخوں کو کافر اور غیر مسلم قرار دے چکی ہے اور عالم اسلام نے بھی ان کو کافر قرار دے دیا ہے، لہٰذا

اندریں حالات مرزائیوں کے کسی گروہ کے کفر کے دلائل پیش کرنا تضیع اوقات کے سوا کچھ نہیں۔ مختصر یہ کہ مرزائیوں کے دونوں ٹولے شرعاً اور قانوناً کافر اور مرتدوں کی اولاد ہیں، اب نہ تو ان کے ساتھ مناکحت جائز ہے اور نہ ان کے ساتھ معاشرت اور خلا ملا جائز ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ (الممتحنة: ١٠) یعنی "کافرہ عورتوں کو نکاح میں نہ رکھو۔" اسی طرح یہ بھی حکم ہے کہ کافر شخص کو مسلمان عورت کا رشتہ نہ دو۔ چنانچہ ارشاد ہے وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ (البقرہ: ٢٢١) یعنی "مشرک (کافر) مردوں کو نکاح نہ دو۔"

ان دونوں آیات شریفہ سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ مرزائیوں کے ساتھ مناکحت قطعاً جائز نہیں اور جو شخص ان کے ساتھ مناکحت (رشتہ داری) کرتا ہے۔ وہ بہرحال کافر ہے، اس کے دعویٰ اسلام کا قطعاً اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ اپنے عمل سے قرآن مجید کی نصوص صریحہ کی تکذیب کر رہا ہے۔

اب رہا یہ کہ ایسے مرزائی کے لڑکے کی برات میں شرکت کرنا اور کھانا پینا تو واضح ہو کہ ان کی برات میں شرکت کرنا قطعاً جائز نہیں کہ یہ بھی ان کی حوصلہ افزائی میں شامل ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں متعدد نصوص صریحہ میں کافروں، یہودیوں اور عیسائیوں سے دوستی کرنے سے سختی کے ساتھ روک دیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (المائدہ: ٥١)

کہ "اے ایماندارو نہ دوستی اختیار کرو یہود اور نصاریٰ کے ساتھ وہ تو ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کی پینگ بڑھائے گا تو وہ انہی میں سے ہو جائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

امام شوکانی اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ

اَلظَّاهِرُ أَنَّهُ خِطَابٌ لِلْمُؤْمِنِينَ حَقِيقَةً ......

پھر مزید لکھتے ہیں:

وَوَجْهِ تَعْلِيلِ النَّهْيِ بِهٰذِهِ الْجُمْلَةِ (بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءَ بَعْضٍ) إِنَّهَا تَقْتَضِيُ إِنَّ هٰذِهِ الْمُوَالَاةِ هِيَ شَأْنُ هَؤُلَاءِ الْكُفَّارِ لَا شَأْنُكُمْ فَلَا تَفْعَلُوا مَاهُوَ مِنْ فِعْلِهِمْ فَتَكُونُوا مِثْلَهُمْ وَلِهٰذَا عَقَّبَ هٰذِهِ الْجُمْلَةِ التَّعْلِيلِيَّةِ بِمَا هُوَ كَا لِنَّتِيجَةِ لَهَا فَقَالَ (وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ) أَيْ فَإِنَّهُ مِنْ جُمْلَتِهِمْ وَفِيْ أَعْدَادِهِمْ وَهُوَ وَعِيدٌ شَدِيدٌ. ●

کہ "اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو کافروں کی دوستی سے روک دیا ہے اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ کافروں کے ساتھ دوستی کرنا کسی کافر کا کام ہے نہ کہ کسی مسلمان کا۔ لہٰذا تم ان کے ساتھ دوستی اور ربط ضبط مت رکھو ورنہ تم بھی انہی کے

● فتح القدیر ج۲، ص۴۹۔

حکم میں شامل ہو جاؤ گے۔"

اور یہ دوستی ایسا کبیرہ گناہ ہے جو کہ کفر کی مستلزم ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (التوبہ:۲۳)

"اے اہل ایمان! نہ دوست رکھو تم اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو اگر وہ کفر کو ایمان کے مقابلے میں پسند کریں اور تم میں جو شخص ان کو دوست رکھے گا تو ایسے لوگ ظالم ہیں۔"

(۴) منافقین کے بارے میں فرمایا:

﴿فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ﴾ (التوبہ:۹۵)

"پس تم ان سے منہ پھیر لو کہ وہ گندے اور پلید لوگ ہیں۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔"

امام محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قَالَ لَمَّا رَدَّ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ لَا تُكَلِّمُوْهُمْ وَلَا تُجَالِسُوْهُمْ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ كَمَا اَمَرَ اللّٰهُ. ❶

سدی کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس لوٹے تو منافقین جھوٹے عذر پیش کرنے لگے تو آپؐ نے مومنوں کو حکم دیا کہ تم ان منافقوں سے نہ بات کرو اور نہ ان کے ساتھ بیٹھو اٹھو بلکہ ان سے منہ پھیر لو۔"

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ﴾ (التوبہ:۹۶)

"پس بے شک اللہ تعالیٰ ان فاسقوں (منافقوں) سے راضی نہیں ہوگا۔"

مشہور مفسر سید معین الدین محمد بن عبدالرحمن شافعی المتوفی ۸۶۴ء لکھتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما كَانُوْا ثَمَانِيْنَ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ اَمَرَنَا حِيْنَ قَدِمْنَا الْمَدِيْنَةَ بِاَنَّ لَا نُكَلِّمُهُمْ وَلَا نُجَالِسُهُمْ. ❷

کہ جنگ تبوک میں پیچھے رہ جانے والے منافقین کی تعداد اسی افراد پر مشتمل تھی۔ جب ہم مدینہ میں پہنچے تو ہم کو حکم دیا گیا کہ ہم ان کے ساتھ گفتگو اور بیٹھنا اٹھنا بند کر دیں۔

(۵) امام ابن کثیر سورۂ آل عمران کی آیت ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ﴾ (آل عمران:۷) کی تفسیر میں لکھتے ہیں: عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هٰذِهِ الْاٰيَةَ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ فِيْهِ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ﴾ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاِذَا

❶ تفسیر فتح القدیر ج۲ ص۹۷۔ ❷ جامع البیان ۲۸۳۔

رَأَيْتُمُوا الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ فَأُلَئِكَ الَّذِيْنَ سَمَّاهُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ. ❶

''حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرما کر فرمایا کہ جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیات کا پیچھا کرتے ہوں تو یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جن کی مذمت کی ہے۔لہٰذا تم ان کی مجلسوں سے بچو۔''

مشہور اور نامور مفسر امام شوکانی لکھتے ہیں: ولفظ ابن جریر وغیرہ فهم الذين عنى الله فلا تجالسوهم ❷ کہ متشابہ آیات پر بحث کرنے والے ہی اللہ نے اس آیت میں مراد لئے ہیں۔لہٰذا تم ان گمراہوں کے ساتھ میل ملاپ اور بیٹھنا اٹھنا نہ رکھو۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ مرزائیوں کے دونوں گروہوں سے رشتہ داری کرنا، میل ملاپ رکھنا' ان کی تقریبات میں شمولیت کرنا اور ان کی اقتدا میں نماز پڑھنا وغیرہ قطعاً جائز نہیں۔ورنہ عذاب الٰہی کا خطرہ خارج از امکان نہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس خطرہ کا الارم بھی دے رکھا ہے۔ملاحظہ ہو آیت ﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ (التوبة: ٢٤) لہٰذا ان لوگوں کی برات میں شمولیت سے باز رہنا ضروری اور ناگزیر امر ہے۔اللہ سبحانہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

مرزائیوں سے بائیکاٹ

سوال: کہتے تو ہیں کہ ہم مسلمان ہیں لیکن رشتے داریاں مرزائیوں سے کرتے ہیں۔ایک لڑکے اور لڑکی کا نکاح ربوہ میں پڑھا اور ایک کا نکاح مولانا شوق کی مسجد نور پارک میں پڑھا۔اب لڑکے کی شادی مرزائیوں کے گھر کر رہے ہیں۔تو کیا ہمارا برات کے ساتھ جانا کھانا پینا جائز ہے یا نہیں۔(مین بازار عبداللہ پور نور پارک)

الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال واضح ہو کہ مرزائی خواہ قادیانی ہوں یا لاہوری ہوں دونوں گروہ کافر ہیں اور ان کا کفر اب محتاج بیان نہیں رہا کہ علماء کرام تو تقسیم ملک سے پہلے بھی ان کے کفر پر مہر تصدیق ثبت کر چکے تھے جیسا کہ شیخ الاسلام حضرت ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے رسالہ فسخ نکاح مرزائیاں سے ہویدا اور ظاہر ہے۔اس رسالہ ہدایت مقالہ میں ہندوستان بھر کے تمام اہل حدیث' حنفی' دیوبندی اور بریلوی وغیرہ گروہوں کے تمام سربرآوردہ اہل علم کی مہر تصدیق ثبت ہے اور اس رسالہ میں دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ نہ تو کسی مسلمان عورت کا کسی مرزائی سے نکاح ہو سکتا ہے اور نہ کسی مسلمان کو کسی مرزائی عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اور اسی طرح اگر کوئی آدمی مرزائی ہو جائے اور اس کی بیوی مرزائی نہ ہو تو پہلا نکاح از خود فسخ ہو جاتا ہے۔وعکس ذالك

❶ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۴۵ و ۳۴۶۔ ❷ فتح القدیر ج ۱ ص ۳۱۸' ۳۱۹۔

اس کے علاوہ بہاولپوری اور راولپنڈی کے جج صاحبان بھی تقسیم ملک سے پہلے اور بعد مرزائیوں کو کافر قرار دے چکے ہیں اور ان کے فیصلے کتابی شکل میں طبع ہو چکے ہیں اور پھر مزید برآں یہ کہ پاکستان کی قومی اسمبلی بھی ۱۹۷۴ء میں مرزائیوں کی دونوں شاخوں کو کافر اور غیر مسلم قرار دے چکی ہے اور عالم اسلام نے بھی ان کو کافر قرار دے دیا ہے لہٰذا اندریں صورت مرزائیوں کے کسی گروہ کے کفر پر دلائل دینا تضییع اوقات کے سوا کچھ نہیں۔ مختصر یہ کہ مرزائیوں کے دونوں ٹولے شرعاً اور قانوناً کافر اور مرتد ہیں۔ اب نہ تو ان کے ساتھ مناکحت جائز ہے اور نہ ان کے ساتھ معاشرت اور خلا ملا جائز ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ کافر عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو۔ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ. یعنی کافرہ عورتوں کو نکاح میں نہ رکھو۔ اسی طرح یہ بھی حکم ہے کہ کافر شخص کو مسلمان عورت کا رشتہ نہ دو۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ ولا تنكحوا المشركين. یعنی مشرک (کافر) مردوں کو نکاح نہ دو۔

ان دونوں آیاتِ شریفہ سے روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوا کہ مرزائیوں کے ساتھ مناکحت قطعاً جائز نہیں اور جو شخص ان کے ساتھ مناکحت (رشتہ داری) کرتا ہے وہ بہر حال کافر ہے۔ اس کے دعوئ اسلام کا قطعاً اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ اپنے عمل سے قرآن مجید کی نصوص صریحہ کی تکذیب کر رہا ہے۔

اب رہا یہ کہ ایسے مرزائی کے لڑکے کی برات میں شرکت کرنا اور کھانا پینا تو واضح ہو کہ ان کی برات میں شرکت کرنا قطعاً جائز نہیں کہ یہ بھی ان کی حوصلہ افزائی میں شامل ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں متعدد نصوص صریحہ میں کافروں؛ یہودیوں اور عیسائیوں سے دوستی کرنے سے سختی کے ساتھ روک دیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰٓ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (المائدہ:۵۱)

کہ "اے ایماندارو نہ دوستانہ اختیار کرو یہود اور نصاریٰ کے ساتھ وہ تو ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کی پینگ بڑھائے گا تو وہ انہی میں کا ہو جائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

امام محمد بن علی شوکانی اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ اَلظَّاهِرُ اَنَّهُ خِطَابٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ حَقِيْقَةً ...... پھر مزید لکھتے ہیں:

وَوَجْهُ تَعْلِيْلِ النَّهْيِ بِهٰذِهِ الْجُمْلَةِ (بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ) اِنَّهَا تَقْتَضِيْ اِنَّ هٰذِهِ الْمُوَالَاةَ هِيَ شَانُ هٰؤُلَاءِ الْكُفَّارِ لَاشَانُكُمْ فَلَا تَفْعَلُوْا مَاهُوَ مَنْ فَعَلَهُمْ فَتَكُوْنُوْا مِثْلَهُمْ وَلِهٰذَا عَقَبَ هٰذِهِ الْجُمْلَةِ التَّعْلِيْلِيَّةِ بِمَا هُوَ كَالَّذِيْ لَهَا فَقَالَ (وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ) اَيْ فَاِنَّهُ مِنْ جُمْلَتِهِمْ وَفِيْ اَعْدَادِهِمْ وَهُوَ وَعِيْدٌ شَدِيْدٌ. ●

● فتح القدیر ج ۲ ص ۴۹، ۵۰۔

کہ"اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو کافروں کی دوستی سے روک دیا ہے اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ کافر کے ساتھ دوستی کرنا کسی کافر کا کام ہے نہ کہ کسی مسلمان کا۔ لہٰذا تم ان کے ساتھ دوستی اور ربط ضبط مت رکھو ورنہ تم بھی انہی کے حکم میں شامل ہو جاؤ گے اور یہ دوستی ایسا کبیرہ گناہ ہے جو کہ کفر کو مستلزم ہے۔

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (التوبہ:۲۳)

"اے اہل ایمان نہ دوست رکھو تم اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو اگر وہ کفر کو ایمان کے مقابلہ میں پسند کریں اور تم میں جو شخص ان کو دوست رکھے گا تو ایسے لوگ ظالم ہیں۔"

(۳) منافقین کے بارے میں فرمایا:

﴿فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ إِنَّهُمْ رِجْسٌ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ﴾ (التوبہ:۹۵)

"پس تم ان سے منہ پھیر لو۔ کیونکہ وہ گندے اور پلید لوگ ہیں۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔"

امام محمد بن علی شوکانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قَالَ لَمَّا رَدَّ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ لِلْمُؤْمِنِينَ لَا تُكَلِّمُوهُمْ وَلَا تُجَالِسُوهُمْ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ كَمَا أَمَرَ اللّٰهُ. ❶

سدی کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس لوٹے تو منافقین جھوٹے عذر پیش کرنے لگے تو آپ ﷺ نے مومنوں کو حکم دیا کہ تم ان منافقوں سے نہ بات کرو اور نہ ان کے ساتھ بیٹھو اٹھو بلکہ ان سے منہ پھیر لو۔

﴿فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَى عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾ (التوبہ:۹۶)

"پس بے شک اللہ تعالیٰ ان فاسقوں (منافقوں) سے راضی نہیں ہوگا۔"

مشہور مفسر سید معین الدین محمد بن عبدالرحمٰن شافعی المتوفی ۸۹۴ھ لکھتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ كَانُوا ثَمَانِينَ مِنَ الْمُنَافِقِينَ أُمِرْنَا حِينَ قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ بِأَنْ لَا نُكَلِّمَهُمْ وَلَا نُجَالِسَهُمْ. (جامع البیان ۲۸۳)

"کہ جنگ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے منافقین کی تعداد اسی افراد پر مشتمل تھی۔ جب ہم مدینہ میں پہنچے تو ہم کو حکم دیا گیا کہ ہم ان کے ساتھ گفتگو اور بیٹھنا اٹھنا بند کر دیں۔"

(۵) امام ابن کثیر سورۃ آل عمران کی آیت هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ اور اِبْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ عَنْ عَائِشَةَ ﷺ قَالَتْ تَلَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ هٰذِهِ الْآيَةَ قَالَتْ

❶ تفسیر فتح القدیر ج۲ ص ۱۷۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَاِذَا رَأَیْتُمُوا الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ فَاُولٰئِكَ الَّذِیْنَ سَمَّاھُمُ اللّٰہُ فَاحْذَرُوْھُمْ. ❶

کہ ''حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرما کر فرمایا کہ جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیات کا پیچھا کرتے ہوں تو یہی وہ لوگ ہیں اللہ تعالیٰ نے جن کی مذمت کی ہے۔ لہٰذا تم ان کی مجلسوں سے بچو۔''

مشہور اور نامور مفسر امام شوکانی لکھتے ہیں:

وَلَفْظُ ابْنِ جَرِیْرٍ وَغَیْرِہٖ فَھُمُ الَّذِیْنَ عَنَی اللّٰہُ فَلَا تُجَالِسُوْھُمْ. ❷

کہ ''متشابہ آیات پر بحث کرنے والے ہی اللہ نے اس آیت میں مراد لیے ہیں لہٰذا تم ان گمراہوں کے ساتھ میل ملاپ اور بیٹھنا اٹھنا نہ رکھو۔''

ان تصریحات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ مرزائیوں کے دونوں گروہوں سے رشتہ داری کرنا۔ میل ملاپ رکھنا' ان کی تقریبات میں شمولیت کرنا اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا وغیرہ قطعاً جائز نہیں۔ ورنہ عذابِ الٰہی کا خطرہ خارج از امکان نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس خطرے کا الارم بھی کر رکھا ہے۔ ملاحظہ ہو آیت

﴿قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَ اَبْنَآؤُکُمْ وَ اِخْوَانُکُمْ وَ اَزْوَاجُکُمْ وَ عَشِیْرَتُکُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَ تِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَ مَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ جِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ وَ اللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۝﴾ (التوبہ: ۲٤)

لہٰذا ان لوگوں کی برات میں شمولیت کرنے سے باز رہنا ضروری اور ناگزیر امر ہے واللہ سبحانہ تعالیٰ ہم کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

رسول اللہ ﷺ مختار کل نہ تھے

ائمہؒ کی شان میں گستاخی ممنوع ہے

مصنوعی قبر یا متبرک جگہ کے پاس مسجد میں نماز کا حکم

سوال ۱: حضور اکرم ﷺ مختار کل تھے یا نہیں؟

سوال ۲: ایک شخص نے دورانِ گفتگو یہ کہا کہ امام ابوحنیفہؒ کی کتاب میں گپ بازی ہے کیا ایسا کہنا درست ہے؟

سوال ۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت مسئلہ میں ایک مقتول کے جائے قتل پر یعنی جہاں قتل کیا گیا ہو۔ ایک مصنوعی قبر بنائی جائے پھر اس قبر پر جھنڈے پتھر' جھاڑو اور تبرک کے لیے پانی کا تالاب بھی موجود ہو، نیز اس قبر کے ساتھ

---

❶ تفسیر ابن کثیر ج۲ ص ۳٤۵' ۳٤٦۔ ❷ فتح القدیر ج۱ ص ۳۱۸' ۳۱۹۔

ایک مسجد برائے عبادات الٰہی بنائی جائے تو کیا اس مسجد میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر صرف اس قبر کو ختم کیا جائے اور باقی اشیاء تبرک موجود ہوں تو پھر اس مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

لیکن اگر قبر کو بھی ختم کیا جائے اور یہ باقی اشیاء تبرک کو بھی ختم کیا جائے۔ جس کا کوئی نشان باقی نہ رہ جائے اور اس قبر والی جگہ کو بھی مسجد میں شامل کیا جائے کہ قبر کا کوئی نشان نہ رہے تو پھر نماز پڑھنا اس مسجد میں درست ہے یا نادرست؟

جواب ۱: رسول اللہ ﷺ مختار نہیں تھے، قرآن مجید میں بیسیوں مقامات پر اس شرکیہ عقیدہ کی تردید موجود ہے۔ چند آیات قرآن مع ترجمہ پیش خدمت ہیں:

﴿قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ (یونس:۱۵)

یعنی کہتے ہیں وہ لوگ جو نہیں امید رکھتے ہم سے ملاقات کی لے آ کوئی قرآن اس کے سوا یا اس کو بدل ڈال۔ تو (آپ) کہہ دیجئے کہ میرا کام نہیں کہ اس کو بدل ڈالوں اپنی طرف سے۔ میں تابعداری کرتا ہوں اسی کی جو حکم آئے میری طرف۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی بڑے دن کے عذاب سے۔"

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ (آل عمران:۱۲۸)

"میرا اختیار کچھ نہیں یا ان کو توبہ دیوے رب تعالیٰ یا ان کو عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہیں۔"

یہ آیت غزوۂ احد کی وقتی ہزیمت کے ایک واقعہ کے سلسلے میں نازل ہوئی تھی، نیز جنگ اُحد کے کافر قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینے پر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں عتاب فرمایا:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ﴾ (الانفال:۶۷)

"نبی کو نہیں چاہیے کہ اپنے ہاں رکھے قیدیوں کو جب تک خوب خونریزی نہ کرلے ملک میں۔"

پھر فرمایا:

﴿لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (الانفال:۶۸)

یعنی "اگر نہ ہوتی ایک بات جس کو لکھ چکا اللہ پہلے تو تم کو پہنچتا اس لیے میں بڑا عذاب۔"

﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ (یونس:۴۹)

"اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر میں اپنی جان کے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں۔"

﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ﴾ (یونس:۱۰۷)

یعنی اگر اللہ تعالیٰ آپ کو کسی مصیبت میں مبتلا کردے تو اس کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر وہ اچھائی دینا چاہے تو اس کے فضل کو بھی کوئی روکنے والا نہیں ہے۔"

(۷) ایک بار جناب نبی کریم ﷺ کسی وجہ سے شہد کو حرام کر بیٹھے، اللہ تعالیٰ نے فوراً نوٹس لیا۔

﴿ يَآيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاةَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (التحریم: ۱)

یعنی اے نبی! تو کیوں حرام کرتا ہے جو حلال کیا اللہ نے تجھ پر؟ چاہتا ہے تو رضا مندی اپنی عورتوں کی۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اسی طرح کی اور بیسیوں آیات مقدسہ ہیں جو اس بارے میں بالکل صاف اور واضح ہیں کہ ہمارے پیغمبر ﷺ ہوں یا کوئی نبی ولی کوئی بھی مختار کل نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر ایک مجبور محض اور بے بس ہے۔ کسی کی قسمت بدلنا، کسی کی حاجت برآری کرنا یا کسی کے نفع و نقصان کا مالک ہونا اللہ تعالیٰ کا ہی خاصا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی والدہ کے حق میں بخشش مانگنے کی اجازت مانگی تھی، اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی تھی۔ ایسی صورت میں کسی پیغمبر کو مختار کل کہنا نہ صرف ناقابل فہم بات ہے بلکہ قرآن عزیز کی نصوص کا بھی انکار ہے۔ آپ ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ لَامَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ . الخ

کہ "اے اللہ! جو تو دے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور جو تو روک لے اسے کوئی دینے والا نہیں۔"

جواب : ۲: یہ اس شخص کی گستاخانہ بات ہے جس سے اس کو توبہ کرنی چاہیے۔ ائمہ کرامؒ کے بارے میں غلط تاثر پیدا کرنے والی گفتگو سخت جرم ہے۔ جہاں تک حضرت امام ابوحنیفہؒ کی کسی تالیف کا تعلق ہے اس کے بارے میں مشہور مورخ مولانا شبلی نعمانی حنفی مرحوم نے سیرت النعمان میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نعمان بن ثابتؒ کی طرف کسی بھی کتاب کی نسبت صحیح نہیں، اور اگر کوئی انہوں نے تحریر فرمائی تھی تو وہ معدوم ہے، پھر انہوں نے اس کی تفصیل لکھی ہے جو مطالعہ کے لائق ہے۔

جواب : ۳: واضح ہو کہ قبر اصلی ہو یا مصنوعی اور نقلی وہ بہرحال قبر ہی معلوم ہوتی ہے خصوصاً جب اس پر جھنڈے چڑھ جھاڑ و اور پانی کے تالاب کا اہتمام موجود ہو تو دیکھنے والا اسے بظاہر قبر ہی تصور کرے گا، اور قبر کے اوپر یا قبر کے پاس نماز پڑھنا از روئے احادیث صحیحہ منع اور ناجائز ہے۔ چنانچہ حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُصَلُّوْا اِلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تَجْلِسُوْا عَلَيْهَا . ❶

یعنی "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہ قبروں کی طرف نماز پڑھو اور نہ اوپر بیٹھو۔"

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ الْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ اِلَّا الْمَقْبَرَةَ وَالْحَمَّامَ۔ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ اِلَّا النَّسَائِيَّ . ❷

یعنی "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زمین تمام کی تمام مسجد ہے مگر قبرستان اور حمام مسجد نہیں ہے۔"

اور قبروں کے پاس بیٹھ کر عبادت کرنا یہودیوں اور عیسائیوں کا طریقہ ہے جس سے سخت انداز میں ممانعت فرمائی گئی ہے:

عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْبَجَلِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتَ بِخَمْسٍ وَهُوَ

---

❶ رواه الجماعة الا البخاری و ابن ماجه نیل الاوطار ص ۱۵۰ ج۲۔ ❷ نیل الاوطار ص ۱۴۸ ج۲۔

يَقُوْلُ اَلَا اِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّيْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذَالِكَ . ●
یعنی حضرت جندب بن عبداللہ بجلی کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پانچ روز پہلے سنا، آپ فرماتے تھے: اگلے لوگ اپنے انبیاء اور بزرگوں کی قبروں کو مسجدیں بناتے تھے۔ خبردار! تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا میں تمہیں اس کام سے منع کرتا ہوں۔"

ان تینوں صحیح احادیث سے معلوم ہوا کہ قبرستان اور قبرستان کے پاس بنائی گئی مسجد میں نماز نہیں ہوتی۔ اگر مصنوعی قبر کو اکھاڑ دیا جائے اور باقی خرافات کو قائم رکھا جائے تو پھر بھی اس مسجد میں نماز جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ صورت "تھان" بن چکی ہے اور تھانوں میں عبادت منع ہے۔ ہاں اگر اس مصنوعی قبر اور متعلقہ تمام خرافات یعنی جھنڈا، جھاڑ و اور نام نہاد تبرک کے تمام اثرات اکھاڑ دیئے جائیں اور مسجد کو باقی رکھا جائے تو پھر اس میں نماز بلاشبہ جائز ہوگی۔ واللہ اعلم

غیر مسلموں کو اسلامی شعائر و اصطلاحات کے استعمال کا حق نہیں ہے

سوال: پاکستان میں عرصہ ۱۵ سال سے قومی اسمبلی کے فیصلے کے مطابق قادیانی غیر مسلم قرار دیئے جاچکے ہیں اور ۱۹۸۴ء میں قادیانی آرڈیننس بھی نافذ ہو چکا ہے لیکن اس کے باوجود مرزائی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں اور کلمہ شریف کا استعمال کر رہے ہیں۔ اور تمام شعائر اسلامی اور دوسری اسلامی اصطلاحیں، مثلاً: السلام علیکم، بسم اللہ، اذان، نماز، روزہ، حج، قربانی، علیہ السلام، رضی اللہ، امیر المومنین اور اپنی عبادت گاہ کا نام مسجد رکھنا وغیرہ کا کثرت سے استعمال کر رہے ہیں۔ کیا قرآن وسنت اور اسلامی لٹریچر کی روشنی میں کسی غیر مسلم کو ان اسلامی اصطلاحوں کے استعمال کا حق حاصل ہے یا نہیں۔ جواب دے کر مشکور فرمائیں۔ (سائل: اللہ دتہ مجاہد نیا بازار قصور)

الجواب بعون الوہاب ومنہ الصدق والصواب۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيّٖنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظَّالِمِيْنَ وَبَعْدُ:

صورت مسئولہ میں واضح باشد کہ غیر مسلم قادیانی وغیرہ کو اسلامی اصطلاحوں کے استعمال کا شرعاً ہرگز ہرگز حق حاصل نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو وہ کتاب وسنت، اجماع امت اور آئین پاکستان کی خلاف ورزی کے مرتکب اور مستوجب سزا ہیں۔ چنانچہ جب ابو عامر منافق کے کہنے پر مدینہ منورہ کے منافقین نے مسجد ضرار تعمیر کر ڈالی جس کی بنیاد محض ضد، کفر و نفاق، عداوت اسلام اور مخالفت خدا اور رسول ﷺ پر رکھی گئی تھی، جو بظاہر مسجد تھی مگر درحقیقت مسجد کی شکل میں اسلام دشمن کارستانیوں اور سازشوں کا مرکز تھی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور ان منافقین کے ناپاک عزائم اور اسلام دشمن اغراض پر مطلع کر کے مسجد ضرار کا پول کھول دیا۔

● صحیح مسلم ص ۲۰۱ ج ۱۔ ونیل الاوطار۔

فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ o لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ﴾

(التوبہ: ۱۰۷۔ ۱۰۸)

''اور جنہوں نے دکھ دینے کو اور اللہ سے کفر کرنے کو اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو اور اس شخص (ابو عامر نصرانی منافق) کو پناہ دینے کی نیت سے جو خدا اور اس کے رسول ﷺ سے پہلے کئی دفعہ لڑ چکا ہے (ان ظالموں نے ایک) مسجد بنائی ہے، حلف اٹھا جائیں گے کہ ہمارا ارادہ صرف نیکی کا ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ تو اس مسجد میں کبھی بھی کھڑا نہ ہوجیو۔'' (ترجمہ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ)

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے اس مسجد کو مسجد ضرار قرار دینے کے چار ناپاک مقاصد بیان فرمائے ہیں:

۱۔ ضرارا: یعنی قبا کے مخلص مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں کیونکہ مسجد قبا کی وجہ سے اس کے نمازیوں کو ایک خاص عزت حاصل ہوگئی تھی۔ جیسے فرمایا:

﴿ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴾ (التوبہ: ۱۰۸)

۲۔ دوسرا ناپاک مقصد یہ کہ کفر و نفاق کی اشاعت اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کے لئے اڈا قائم کرنا۔ اس عمارت کو مسجد ضرار قرار دینے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نیک کاموں کا نیک ہونا مقصد و نیت پر موقوف ہے۔ ورنہ مسجد بنانے جیسا نیک کام بھی کفر کی اشاعت اور اسلام کو نیچا دکھانے کے لئے ہوسکتا ہے۔ جیسے قادیانیوں کا اپنے مراکز کا نام بیت الذکر وغیرہ رکھنا۔

۳۔ تیسرا ناپاک مقصد یہ کہ وَتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالا جائے۔ کیونکہ قبا کی تمام آبادی ایک ہی مسجد میں نماز پڑھتی تھی۔

۴۔ چوتھا یہ کہ اللہ و رسول ﷺ کے باغی اور منافق ابو عامر نصرانی راہب کے لئے پناہ گاہ مہیا کرنا تا کہ وہ یہاں بیٹھ کر مدینہ کے منافقوں کو اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف پالیسی اور تراکیب سمجھائے وغیرہ وغیرہ۔

اور ان چاروں مقاصد پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ سب کچھ اسلام کے خلاف بغاوت اور عداوت ہی ہے، لہٰذا قادیانیوں کو یہ حق قطعاً حاصل نہیں کہ وہ اپنی عبادت گاہ کا نام مسجد رکھیں اور نہ ان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی عبادت گاہ کا نقشہ اور طرز تعمیر ہماری مساجد کے مطابق تیار کریں کہ اس سے ہماری مساجد کی توہین اور مسلمانوں کو دھوکا دینا مقصود ہے۔ کیونکہ مسجد من جملہ شعائر اسلامی میں سے ایک شعار ہے۔ لہٰذا قادیانیوں کو اس کی اجازت دینا اس شعار کی واضح توہین اور استخفاف ہے۔ جسے برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔

۲۔ ﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾ (التوبہ: ۲۹)

"جو لوگ اللہ پر اور پچھلے دن یعنی دوسری زندگی پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ اللہ اور رسول ﷺ کی محرمات کو حرام جانتے ہیں اور نہ دین حق کو تسلیم کلاتے ہیں (یعنی اہلِ کتاب)۔ ان سب سے لڑو، جب تک وہ ماتحت ہو کر جزیہ دینا منظور نہ کریں۔" (یعنی جب محکوم رعیت بن جائیں تو ان سے جہاد کرنا ترک کر دو)

اس آیتِ کریمہ سے روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ عیسائیوں، یہودیوں، مرزائیوں، قادیانیوں، ربویوں، لاہوریوں اور دوسرے کافروں کو اسلامی ریاست میں اپنے باطل مذہب کی کھلے بندوں پرچار کرنے کی اجازت نہیں تاوقتیکہ وہ اسلام کی برتری تسلیم کر کے اس کی ماتحتی قبول کرتے ہوئے اپنی ماتحتی کا پورا پورا اعتراف کرتے ہوئے اور جزیہ دیتے ہوئے ذمی بن کر رہنا قبول نہ کر لیں ان سے جہاد کیا جائے۔ ایسے میں قادیانیوں کو اسلامی طرز تعمیر کے مطابق مسجد بنانے کی اجازت کیوں کر دی جا سکتی ہے؟ اور وہ اپنے عبادت خانہ کو مسجد کا نام کیونکر دے سکتے ہیں؟

حضرت امام ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق کتاب "تفسیر قرآن العظیم" میں ﴿حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ﴾ کی تفسیر میں رقم فرماتے ہیں:

(وَهُمْ صَاغِرُوْنَ) اَیْ ذَلِيْلُوْنَ حَقِيْرُوْنَ وَمَهَانُوْنَ فَلِهٰذَا لاَ يَجُوْزُ اِعْزَازُ اَهْلِ الذِّمَّةِ وَلاَ رَفْعُهُمْ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ بَلْ هُمْ اَذِلاَّءُ صَغِرَةٌ اَشْقِيَاءُ كَمَا جَاءَ فِيْ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لاَ تَبْدَءُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى بِالسَّلاَمِ وَاِذَا لَقِيْتُمْ اَحَدَهُمْ فِيْ طَرِيْقٍ فَاضْطَرُّوْهُمْ اِلٰى اَضْيَقِهٖ. ❶

"وھم صاغرون" کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں (غیر مسلم مسیحیوں، یہودیوں، قادیانیوں) کو خوب ذلیل و رسوا اور حقیر جانو! ان کو معزز جاننا شرعاً جائز نہیں۔ اور نہ ان کو مسلمانوں پر ترجیح دینا جائز ہے کہ کمینے، حقیر اور بدنصیب لوگ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث کے مطابق ان کو سلام کرنے میں پہل کرنی بھی جائز نہیں بلکہ ان کو تنگ راستے سے گزرنے پر مجبور کرنا چاہیے۔

وھم صاغرون ایسا فصیح و بلیغ اور جامع جملہ ہے گویا کوزے میں دریا بند کا مصداق ہے۔ یہ جملہ کیا ہے، گویا ذمی لوگوں یعنی غیر مسلم رعیت اور اقلیتوں کے لئے ایک ایسی جامع قانونی دستاویز ہے جس میں ان کی عبادت اور پوجا پاٹ کی حدود اور اس کا طریقہ کار، مذہبی آزادی اور اس کی تبلیغ کا دائرہ کار، عبادت خانوں کے نام، ان کی تعمیر و تجدید کے احکام، مذہبی تہوار، قربانی، لباس، خوشی اور غمی کے اظہار کی تمام حدود متعین کر دی گئی ہیں۔ اس دستاویز کی پوری پوری تفصیل آج بھی ان معاہدات میں موجود ہے جو خلفائے راشدین کے مثالی دور میں ان کے عمال اور سپہ سالاروں کے تحت اس دور کی غیر مسلم اقلیتوں، یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں اور کفار سے طے پائے تھے۔ ان معاہدوں کی روشنی میں ہمارے قابلِ فخر فقہا، محدثین، مفسرین، ائمہ مجتہدین اور اسلامی قوانین کے غواص علمائے اسلام نے درج ذیل قوانین مستنبط فرمائے ہیں۔ وَلِهٰذَا اِشْتَرَطَ

---

❶ تفسیر ابن کثیر: ج ۲ ص ۳٤۷.

عَلَيهِم۔ اَمِيرُ الْمُؤمِنِينَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ تِلْكَ الشُّرُوطُ الْمَعْرُوفَةُ فِي اَذْلَالِهِمْ وَتَصْغِيرِهِمْ وَتَحْقِيرِهِمْ وَذَالِكَ بِمَا رَوَوْا الْاَئِمَّةُ الْحُفَاظُ مِنْ رِوَايَةِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنَمَ الْاَشْعَرِيِّ قَالَ كَتَبْتُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ حُسَيْنُ صَالِحُ نَصَارٰى مِنْ اَهْلِ الشَّامِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذَا كِتَابٌ نَعْبُدُ اللّٰهُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَمِيرُ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ نَصَارٰى مَدِينَةِ كَذَا وَكَذَا لَكُمْ لِمَا قَدَّمْتُمْ عَلَيْنَا سَاَلْنَاكُمْ الْاَمَانَ لِاَ نْفُسِنَا وَذَرَارِيْنَا وَاَمْوَالِنَا وَاَهْلِ مِلَّتِنَا شَرَطْنَا لَكُمْ عَلٰى اَنْفُسِنَا اَنْ لَّا نُحَدِّثَ فِي مَدِيْنَتِنَا وَلَا فِيْمَا حَوْلَهَا دِيْرًا وَلَا كَنِيْسَةً وَلَا قِلَايَةً وَلَا صَوْمَعَةَ رَاهِبٍ وَلَا نُجَدِّدُ مَاخَرَّبَ مِنْهَا وَلَا نُحْيِ مِنْهَا مَا كَانَ خَطَطًا لِلْمُسْلِمِيْنَ وَاَنْ لَّانَمْنَعَ كَنَائِسَنَا اَنْ يَنْزِلَهَا اَحَدٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فِي لَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ وَاَنْ نُوَسِعَ اَبْوَابَهَا لِلْمَارَّةِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَاَنْ نَّنْزِلَ مَنْ مَرَّبِنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ نُطْعِمُهُمْ وَلَا نُؤْوِیْ فِي كَنَائِسِنَا وَلَا مَنَازِلِنَا جَاسُوسًا وَلَا نَكْتُمُ غِشًّا لِلْمُسْلِمِيْنَ وَلَا نَعْلَمُ اَوْلَادَنَا الْقُرْاٰنَ وَلَا نَظْهَرُ شِرْكًا وَلَا نَدْعُوْ اِلَيْهِ اَحَدًا وَلَا نَمْنَعُ اَحَدًا مِنْ ذِي قَرَابَتِنَا الدُّخُوْلَ فِي الْاِسْلَامِ۔ الخ۔ ❶

اس آیت کی روشنی میں حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے ملک شام کے نصاریٰ نے اپنے لئے، اپنی اولاد اور مال کے لیے امان طلب کرتے ہوا پنے اوپر یہ شرطیں عائد کی تھیں، جیسا کہ ائمہ حفاظ نے عبدالرحمٰن بن (کاتب عمرؓ) کے حوالہ سے بیان فرمائی ہیں، اور وہ یہ ہیں کہ آج کے بعد ہم اپنے شہر اور اس کے گردونواح میں عبادت خانہ، کنیسہ، گرجے اور راھب کی جھونپڑی از سرنو تعمیر میں کریں گے۔ اور خراب شدہ گرجوں کو مرمت نہیں کریں گے، اسی طرح وہ گرجے جو مسلم آبادی میں ہوں گے ان کو دوبارہ نہیں بنائیں گے۔ ہم اپنے گرجا گھروں کو مسلمانوں کے لئے رات دن کھلا رکھیں گے۔ اسی طرح گزرنے والوں اور مسافروں کے لئے گرجاؤں کے دروازے وسیع یعنی کھلا رکھیں گے تاکہ ان میں آرام کرسکیں اور ہم مسلم مہمانوں کی تین دن تک مہمانی کریں گے، نہ ہم ان گرجا گھروں اور اپنے رہائشی گھروں میں کسی جاسوس کو ٹھہرائیں گے۔ مسلمانوں سے دھوکا نہیں کریں گے، نہ اپنے بچوں کو قرآن کی تعلیم دیں گے، ہم کھلے عام شرک نہیں کریں اور نہ کسی کو شرک کی دعوت دیں گے، ہم کسی قرابتدار کو اسلام قبول کرنے سے نہیں روکیں گے اگر وہ حلقہ بگوش ہونے کا ارادہ کریں گے، ہم مسلمانوں کی تعظیم کرتے رہیں گے، ہم ان کو بٹھانے کے لئے اپنی جگہیں چھوڑ دیا کریں گے اگر وہ بیٹھنا چاہیں گے۔ ہم ان کے لباس جیسا لباس، ان کے جوتوں جیسے جوتے، ان کی ٹوپیوں جیسی ٹوپیاں اور ان کے عماموں جیسے عمامے نہیں پہنیں گے وغیرہ۔ ❷

ذمی رعیت نیا عبادت خانہ تعمیر نہیں کرسکتی:

(۱) قاضی ابو یوسف تصریح فرماتے ہیں:

وَيُمْنَعُوْا مِنْ اَنْ يُحْدِثُوْا بِنَاءَ بِيْعَةٍ اَوْ كَنِيْسَةٍ فِي الْمَدِيْنَةِ اِلَّا مَاكَانُوْا صُوْلِحُوْا عَلَيْهِ وَصَارُوْا

❶ تفسیر ابن کثیر ج۲ ص ۳۵۵ آیت ۲۹ سورۃ التوبۃ۔ ❷ تفسیر ابن کثیر ج۲ ص ۳۴۷۔

ذِمَّةٌ وَهِيَ بِيْعَةٌ لَّهُمْ اَوْ كَنِيْسَةٌ فَمَا كَانَ كَذَالِكَ تُرِكَتْ لَهُمْ وَلَمْ تُهْدَمْ . ❶

کہ ''عیسائیوں کو نیا صومعہ اور گرجا تعمیر کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔البتہ جو معاہدہ کے وقت گرجا موجود ہوگا اس کو گرایا نہ جائے گا۔وَمَا اَحْدَثَ مِنْ بِنَاءِ بِيْعَةٍ اقوه كَنِيْسَةٍ فَاِنَّ ذَالِكَ يُهْدَمُ ❷ نیا بیعہ اور کنیسہ گرا دیا جائے۔

(۲) امام ابوالحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ رقم فرماتے ہیں:

وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يُحدِثُوْا فِي دَارِالْاِسْلَامِ بِيْعَةً وَلَا كَنِيْسَةً فَاِنْ اَحْدَثُوْهَا هُدِمَتْ عَلَيْهِمْ . ❸

کہ ''اہل ذمہ کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ دارالاسلام میں نیا بیعہ یا کنیسہ تعمیر کریں۔اس کی ان کو شرعاً اجازت نہیں۔اگر وہ کوئی نیا بیعہ یا کنیسہ تعمیر کریں گے تو اس کو گرا دیا جائے گا۔''

(۳) امام ابوزکریا محی الدین یحییٰ بن شرف النووی شافعی۔المتوفی ۶۷۶ھ تصریح فرماتے ہیں:

ويمنعون من احداث الكنائس والبيع والصوامع فى بلاد المسلمين لما روى عن ابن عباس انه قال ايما مصر مصرته العرب فليس للعجم أن يبنوا فيه كنيسة . ❹

''مسلمانوں کے شہروں میں ذمیوں کو کنائس' بیع اور صومعے بنانے کی اجازت نہیں کیونکہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس شہر کو نئے سرے سے مسلمان آباد کریں اس میں غیر مسلم اقلیتوں کو گرجا وغیرہ بنانے کا حق نہیں۔''

(۴) قاضی ابویعلی حنبلی المتوفی ۴۵۸ھ رقم فرماتے ہیں:

ولا يجوز ان يحدثوا فى دارالاسلام بيعة وكنيسة فان احدثوها هدمت عليهم . ❺

اس کا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے۔

(۵) امام محمد بن قدامہؒ حنبلی لکھتے ہیں:

لانحدث فى مدينتنا كنيسة ولا فيما حولها ديرا ولا قلاية ولا صومعة راهب ولا نجدد ماخرب من كنائسنا ولا ماكان منها فى خطط المسلمين ولا نمنع كنائسنا من المسلمين ان ينزلوها فى الليل والنهار وان نوسع ابوابها للمارة وابن السبيل ولا نؤدى فيها ولا فى منازلنا جاسوسا . ❻

''جزیرہ کے ذمیوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ سے جو معاہدہ کیا تھا اس میں یہ شرط بھی تھی کہ آج کے بعد

❶ کتاب الخراج لابی یوسف ص ۲۷۔
❷ کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۵۹۔
❸ الاحکام السلطانیہ ص ۱۴۶۔
❹ شرح المهذب جلد ۱۹ ص ۴۱۲۔ طبع دارالفکر۔
❺ الاحکام السلطانیہ ص ۱۴۲۔
❻ المغنی لابن قدامۃ ج ۹ ص ۲۸۲۔

ہم اپنے شہر میں نہ تو کوئی کنیسہ تعمیر کریں گے اور نہ دیر، نہ قلایہ اور نہ کسی راہب کے لیے نیا صومعہ بنائیں گے۔ اور ان میں سے جو گر جائے گا اس کو دوبارہ تعمیر نہیں کریں گے، اس طرح جو گرجا وغیرہ مسلم آبادی میں ہوگا اس کو بھی دوبارہ نہیں بنائیں گے۔ ہم اپنے گرجاؤں کو مسلمانوں کے لیے رات دن کھلے رکھیں گے اور اسی طرح گزرنے والوں اور مسافروں کے لیے ان کے دروازے وسیع رکھیں گے تا کہ وہ ان میں آرام کر سکیں۔ نہ ہم ان گرجاؤں اور اپنے گھروں میں کسی جاسوس کو ٹھہرائیں گے۔"

(٦) امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عامل حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ سے جزیرہ کے عیسائیوں نے ازخود جو معاہدہ کیا تھا اس میں یہ بھی تھا۔

إِنَّ شَرَطْنَا لَكَ عَلٰى أَنْفُسِنَا أَنْ لَّا نُحْدِثَ فِيْ مَدِيْنَتِنَا كَنِيْسَةً وَّلَا فِيْمَا حَوْلَهَا دَيْرًا وَّلَا قَلَايَةً وَّلَا صَوْمَعَةَ رَاهِبٍ وَّلَا نُجَدِّدُ مَاخَرِبَ مِنْ كَنَائِسِنَا. ❶

"ہم اسلام کا غلبہ تسلیم کرتے ہوئے آپ کے لیے اپنی جانوں پر یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ ہم اپنے شہر میں کوئی نیا گرجا اور علاقہ میں عابدوں کی خانقاہیں تعمیر کریں گے اور نہ کسی راہب کی کٹیا کھڑی کریں گے۔ نیز ہم اپنے پرانے گرجاؤں کی مرمت بھی نہیں کریں گے۔" ❷

ان ائمہ کرام اور ماہرینِ قوانین اسلام کی ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ عیسائیوں اور یہودیوں کو جب کہ وہ اہلِ کتاب بھی ہیں۔ کسی مسلم ممالک میں نئے گرجے اور عبادت خانے تعمیر کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا اور جو گر جائے اس کی تجدید بھی جائز نہیں جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لَمَّا رَوٰى كَثِيْرُ بْنُ مُرَّةَ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تُبْنَى الْكَنِيْسَةُ فِيْ دَارِالْإِسْلَامِ وَلَا يُجَدَّدُ مَاخَرِبَ مِنْهَا. ❸

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دارالاسلام میں گرجا وغیرہ بنانا جائز نہیں اور اسی طرح اگر پہلے کا بنا ہوا گرجا وغیرہ گر جائے تو اس کی تجدید بھی جائز نہیں۔ جب اہلِ کتاب عیسائیوں اور یہودیوں کے لیے رسول اللہ ﷺ نے دارالاسلام میں گرجے اور صومعے تعمیر کرنے کی اجازت نہیں دی حالانکہ وہ اہلِ کتاب ہیں تو پھر قادیانی مرتدوں اور کافروں کو دارالاسلام اور مسلمان ملک میں مسجد کے نام سے عبادت خانہ بنانے کی اجازت کیونکر دی جا سکتی ہے؟ اور وہ اپنے مذہبی مرکز کو مسجد کے نام سے کیونکر پکار سکتے ہیں؟

---

❶ حقوق اهل الذمه ج ٢ ص ٦٥٩ و ٦٦٠ ـ تحقيق الدكتور صبيحي صالح ـ طبع دمشق.

❷ تفسير ابن كثير ج ٢، ص ٣٤٨.

❸ شرح المهذب ـ ١٩ ص ٤١٢.

مسلمانوں کی طرح عید اور قربانی کی اجازت نہیں:

(۱) قَالَ الْحَنَابِلَةُ يَمْنَعُوْنَ ...... مِنْ اِظْهَارِ الْمُنْكَرِ وَالْعِيْدِ وَالصَّلِيْبِ. ❶

کہ "ذمیوں یعنی عیسائیوں' یہودیوں (اور آج کے قادیانیوں) کو منکر (خلاف اسلام کوئی کام) اور عید منانے اور صلیب پہن کر بازار میں نکلنے سے روک دیا ہو گا۔"

(۲) شوافع کا مذہب بھی یہی کہ

يَمْنَعُوْنَ مِنْ اِظْهَارِ الْخَمرِ وَالْخِنْزِيْرِ وَ...... وَاظْهَارَ الصَّلِيْبِ وَاِظْهَارِ اَعْيَادِهِمْ وَرَفْعِ الصَّوْتِ عَلٰى مَوْتَاهُمْ. ❷

کہ "غیر مسلم اقلیتوں کو کھلم کھلا شراب پینے، بازار میں خنزیر لے کر نکلنے' صلیب پہن کر بازار میں آنے اور عیدوں کو برملا منانے سے اور اپنے مردوں پر ماتم کرنے سے روک دیا جائے۔"

کیونکہ حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ کے معاہدہ میں ان چیزوں پر پابندی لگائی گئی ہے۔ یاد رہے یہ وہ پابندی ہے جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق لگائی گئی تھی۔ جیسا کہ ابن کثیر کی تفسیر ج ۲ ص ۳۴۷ پر اس کی صراحت موجود ہے۔

(۳) امام ابن قیم لکھتے ہیں:

وَاَنْ لَّا نَخْرُجَ بَاعُوْثًا قَالَ وَالْبَاعُوْثُ يَجْتَمِعُوْنَ كَمَا يَخْرُجُ الْمُسْلِمُوْنَ يَوْمَ الْاَضْحٰى وَالْفِطْرِ. ❸

کہ "اس معاہدہ میں یہ بھی تھا کہ ہم ذمی لوگ باعوث (ان کی عید کا نام) کے لیے کھلے میدان میں نہیں نکلیں گے جیسے مسلمان عید قربان اور عید الفطر پڑھنے کے لیے کھلے میدان میں آتے ہیں۔"

جس سے شوکت اسلام کا اظہار مقصود ہے۔

(۴) امام نووی لکھتے ہیں:

وَلَا نُخْرِجُ شَعَانِيْنَ وَلَا بُعُوْثًا. ❹

کہ "جزیرہ کے عیسائی ذمیوں نے یہ شرط بھی تسلیم کر لی تھی کہ ہم اپنی دونوں عیدوں شعانین اور بعوث کو نہیں نکالیں گے۔"

اللہ تعالیٰ' قرآن' دین اسلام اور رسول ﷺ کی گستاخی نہیں کریں گے:

جزیرہ کے نصاریٰ نے اپنے عہد ذمہ میں یہ پابندی بھی قبول کی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ، قرآن مجید' دین اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے حق میں کوئی گستاخی یا توہین آمیز کلمہ اور استخفاف پر مبنی کوئی بات نہیں کریں گے ورنہ ہمارے حقوق از خود ختم متصور

❶ شرح المهذب ج۱۹ ص ٤١١. ❷ شرح المهذب ج۱۹ ص ٤١١.
❸ كتاب حقوق اهل الذمه ج۲ ص ٦٦١. ❹ شرح المهذب ج۱۹ ص ٣١٠.

ہوں گے اور اہم سزا کے مستوجب ہوں گے۔

(۱) امام ابوالحسن الماوردی لکھتے ہیں:

اَحَدُھَا اَنْ لَّایَذْکُرُوْا کِتَابَ اللّٰہِ تَعَالٰی بِطَعْنٍ فِیْہِ وَلَا تَحْرِیْفَ لَہٗ وَالثَّانِیْ اَنْ لَا یَذْکُرُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ بِتَکْذِیْبٍ لَہٗ وَلَا اَزْدِرَاءٍ وَالثَّالِثُ اَنْ لَّایَذْکُرُوْا دِیْنَ الْاِسْلَامِ بِذَمٍّ لَہٗ وَلَاقَدْحٍ فِیْہِ. ❶

کہ ''وہ چھ شرطیں جن کی پابندی ہر ایک ذمی شخص، خواہ وہ کوئی بھی غیر مسلم ہو، پر واجب ہے۔ ان میں پہلی شرط یہ ہے کہ وہ قرآن مجید پر طعن نہیں کرے گا نہ اس میں تحریف کا دعویٰ۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب نہیں کرے گا اور نہ آپ کے حق میں توہین آمیز بات کرے گا اور تیسری شرط یہ کہ وہ دین اسلام کی مذمت نہیں کرے گا اور نہ اس میں مین میکھ نکالے گا۔''

مرزائی قرآن میں تحریف کا دعویٰ تو نہیں کرتے، لیکن اس میں تحریف کا ارتکاب کرتے ہیں کہ وہ خاتم النبیین کی ایسی توجیہ و تاویل کرتے ہیں جو قرآن مجید کی بیسیوں نصوص و آیات اور اسی طرح احادیث رسولؐ، اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم اور اجماع امت کے سراسر خلاف ہے۔ اس سے بڑی تحریف اور کیا ہو سکتی ہے؟ اور اسی طرح وہ رسول اللہ ﷺ کی توہین کے مرتکب ہیں کہ آپ کا ایک وصف اور شرف خاتم النبیین ہونا ہے اور قادیانی آپ کے اس وصف کا اپنے عقیدہ اور عمل کے ساتھ انکار کر رہے ہیں، اور اس انکار کی نشر و اشاعت میں ان کا مالدار پریس شبانہ روز سرگرم عمل ہے اور اجرائے نبوت کے مزعومہ عقیدہ کے اثبات کے لیے لٹریچر چھاپ کر پاکستان کے بے علم اور سادہ لوح مسلمانوں کو خصوصاً اور دنیا بھر کے نئے مسلمان ہونے والوں کو عموماً گمراہ کرنے پر تلا ہوا ہے مگر تعجب ہے کہ پاکستان کی حکومت رواداری اور مداہنت سے کام لے رہی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی ملک میں غیر مسلم اقلیتوں کو اپنے باطل مذاہب کی تبلیغ کی اجازت ہے؟

غیر مسلم اقلیتوں کو اپنے مذاہب باطلہ کی تبلیغ کی اجازت نہیں:

تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اسلامی ملک میں کسی بھی غیر مسلم ذمی رعیت اور اقلیت کو اپنے مذہب اور عقیدہ کی پابندی کرنے کی تو اسلام اجازت دیتا ہے مگر اس کی تبلیغ اور اشاعت کی اجازت ہرگز نہیں دیتا۔

(۱) امام ابوالحسن الماوردی رقم فرماتے ہیں:

وَالثَّالِثُ اَنْ لَّا یُسْمِعُوْھُمْ اَصْوَاتَ نَوَاقِیْسِھِمْ وَلَا تِلَاوَۃَ کُتُبِھِمْ وَلَا قَوْلِھِمْ فِیْ عُزَیْرٍ وَالْمَسِیْحِ وَالرَّابِعُ لَایُجَاھِرُوْھُمْ بِشُرْبِ خُمُوْرِھِمْ وَلَا بِاِظْھَارِ صُلْبَانِھِمْ وَخَنَازِیْرِھِمْ وَالْخَامِسُ اَنْ یُّخْفُوْا دَفْنَ مَوْتَاھُمْ وَلَا یُجَاھِرُوْنَ بِنَدْبٍ عَلَیْھِمْ وَلَانِیَاحَۃٍ. ❷

ذمیوں پر تیسری شرط جس کی پابندی ان پر لازم ہے یہ ہے کہ وہ اپنے ناقوس کی آوازیں مسلمانوں کو نہیں سنائیں گے

❶ الاحکام السلطانیہ ص ۱٤٥۔ ❷ الاحکام السلطانیہ ص ۱٤٥۔

اور نہ بآواز بلند اپنی کسی کتاب کی تلاوت کریں گے اور نہ حضرت عزیر اور حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں اپنے عقیدہ کا برملا اظہار کریں گے اور چوتھی شرط لازم یہ ہے کہ وہ اعلانیہ طور پر نہ شراب پئیں گے اور نہ بازاروں میں صلیب لٹکا کر نکلیں گے اور نہ بازاروں میں خنزیروں کو لے کر آئیں گے۔ اور پانچویں لازمی شرط یہ بھی ہے کہ وہ اپنے مردوں کو چپکے سے دفن کریں گے اوران پر نہ تو آواز کے ساتھ واویلا کریں گے اور نہ نوحہ۔

(۲) امام محی الدین یحییٰ بن شرف النووی وضاحت فرماتے ہیں:

وَيُمْنَعُوْنَ مِنْ اِظْهَارِ الْخمرِ وَالْخِنْزِيْرِ وَضَرْبِ النَّاقُوْسِ وَالْجَهْرِ بِالتَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَاِظْهَارِ الصَّلِيْبِ وَاِظْهَارِ اَعْيَادِهِمْ وَرَفْعِ الصَّوْتِ عَلٰى مَوْتَاهُمْ لِمَا رَوٰى عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ غَنْمٍ رضی اللہ عنہ فِيْ كِتَابِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ عَلٰى نَصَارٰى الشَّامِ شَرَطْنَا اَنْ لَّانَبِيْعَ الْخُمُوْرَ وَلَا نَظْهَرَ صَلْبَانَنَا وَلَا كُتُبَنَا فِيْ شَيْءٍ مِنْ طُرُقِ الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا اَسْوَاقِهِمْ وَلَا نَضْرِبُ نَوَاقِيْسَنَا اِلَّا ضَرْبًا خَفِيًا وَلَا نَرْفَعُ اَصْوَاتَنَا بِالْقِرَاءَةِ فِيْ كَنَائِسِنَا فِيْ شَيْءٍ مِنْ حَضْرةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا نَخْرُجُ شَعَانِيْنَا وَلَا بَاعُوْثَنَا وَلَا نَرْفَعُ اَصْوَاتَنَا عَلٰى مَوْتَانَا . [1]

”ذمیوں کو بازاروں میں شراب اور خنزیر کی خرید وفروخت کا حق نہ ہوگا ناقوس بجانے تورات اور انجیل کی اعلانیہ تلاوت کرنے اور صلیب پہن کر بازاروں میں چلنے کا حق نہ ہوگا۔ نہ وہ اپنی عیدیں پڑھنے کے لیے کھلے میدان یا کسی گراؤنڈ میں جاسکیں گے، اور نہ اپنے مردوں پر بلند آواز سے نوحہ کرسکیں گی۔ جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس معاہدہ کے مندرجات کا حوالہ دیا ہے جو آپ نے شام کے نصاریٰ کے ساتھ کیا تھا۔ ان میں ان تمام پابندیوں کی تفصیل موجود ہے۔

(۳) حضرت امام ابن کثیر تصریح فرماتے ہیں:

وَاَنْ لَّا نُظْهِرُ الصَّلِيْبَ عَلٰى كَنَائِسِنَا اَنْ لَّا نَظْهَرَ صَلْبَنَا وَلَا كُتُبَنَا فِيْ شَيْءٍ مِنْ طُرُقِ الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا اَسْوَاقِهِمِ وَلَا نَضْرِبُ نَوَاقِيْسَنَا فِيْ كَنَائِسِنَا اِلَّاضَرْبًا خَفِيْفًا وَاَنْ لَا نَرْفَعَ اَصْوَاتَنَا بِالْقِرَاءَةِ فِيْ كَنَائِسِنَا فِيْ شَيْءٍ مِنْ حَضْرَةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا نَخْرُجَ شَعَانِيْنَ وَلَا بَعُوْثًا وَلَا نَرْفَعِ اَصْوَاتَنَا مَعِ مَوْتَانَا وَلَا نظهر النِّيْرَانَ مَعَهُمْ فِيْ شَيْءٍ مِنْ طُرُقِ الْمُسْلِمِيْنَ وَلَا اَسْوَاقِهِمْ وَلَا نُجَاوِرُهُمْ بِمَوْتَانَا ...... فَاِنْ نَحْنُ خَالَفْنَا فِيْ شَيْءٍ مِمَّا شَرَطْنَاهُ لَكُمْ وظفنا عَلٰى اَنْفُسِنَا فَلَا ذِمَّةَ لَنَا وَقَدْ حَلَّ لَكُمْ مِنَّا مَا يَحِلُّ مِنْ اَهْلِ الْمُعَانَدَةِ وَالشِّقَاقِ . [2]

(۱) ”ہم اپنے گرجاؤں کے فلک بوس میناروں پر صلیب بلند نہیں کریں گے۔ (۲) ہم اپنی صلیبوں اور کتابوں کو مسلمانوں کے راستوں اور منڈیوں میں نہیں لائیں گے یعنی ان کے سرعام سٹال نہیں لگائیں گے۔ (۳) ہم اپنے

[1] شرح المهذب ج۱۹ ص٤١٢۔ [2] تفسير ابن كثير ج۲ ص٣٤٨۔

گرجوں کے اندر بھی اونچی آواز سے ناقوس نہ بجائیں گے۔ (۴) ہم اپنے گرجوں کے اندر بھی اونچی آواز سے اپنی کتاب کی قراءت نہ کریں گے (۵) اپنی عیدیں (شعانین اور بعوث) پڑھنے کے لیے کسی کھلے گراؤنڈ میں نہ نکلیں گے (۶) ہم اپنے مردوں پر بلند آواز سے نہیں روئیں گے اور نہ اپنے مردوں کے ساتھ آگ لے کر چلیں گے (۷) اپنے مردوں کو مسلمانوں کے قبرستان کے قریب دفن نہیں کریں گے۔ اگر ہم ان تمام شرطوں کو جن کو ہم نے ازخود اپنے لئے تجویز کیا ہے ان میں سے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی کریں گے تو عہد ذمہ ختم ہوگا اور مسلمانوں کو ہمارے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہوگا جس طرح ان باغی کافروں کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

(۴) امام ابن قیم رقم طراز ہیں:

أَلَّا نَضْرِبَ نَوَاقِيْسَنَا إِلَّا ضَرْبًا خُفْيًا فِيْ جَوْفِ كَنَائِسِنَا وَلَا نَظْهَرَ عَلَيْهَا صَلِيْبًا وَلَا نَرْفَعُ أَصْوَاتَنَا فِيْ صَلَوَاتِنَا وَلَا الْقِرَاءَةِ فِيْ كَنَائِسِنَا وَأَنْ لَّا نُخْرِجَ صَلِيْبًا وَلَا كِتَابًا فِيْ سُوْقِ الْمُسْلِمِيْنَ وَأَلَّا نُخْرِجَ بَاعُوْثَ قَالَ وَالْبَاعُوْثُ يَجْتَمِعُوْنَ كَمَا يَخْرُجُ الْمُسْلِمُوْنَ يَوْمَ الْأَضْحٰى وَالْفِطْرِ وَلَا نُظْهِرُ شِرْكًا وَلَا نَرْغَبُ فِيْ دِيْنِنَا وَلَا نَدْعُوْا إِلَيْهِ أَحَدًا. [1]

"ذمیوں نے حسب ذیل شرطیں قبول کرتے ہوئے ان پر دستخط کیے کہ (۱) ہم اپنے گرجاؤں میں بآواز بلند ناقوس نہیں بجائیں گے (۲) ان کے اوپر اونچی کر کے صلیب کھڑی نہیں کریں گے (۳) ہم اپنے گرجاؤں کے اندر بھی بلند آواز کے ساتھ دعا نہ مانگیں گے (۴) نہ ان کے اندر اونچی آواز کے ساتھ اپنی کتاب پڑھیں گے (۵) مسلمانوں کے بازاروں میں صلیب نہیں نکالیں گے (۶) عید کے لیے کھلے میدان میں نہیں جائیں گے جیسے مسلمان اپنی عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی ادائیگی کے لیے کھلے گراؤنڈ میں جاتے ہیں (۷) کھلے عام شرک نہیں کریں گے۔ (۸) ہم اپنے دین کی کسی کو ترغیب نہیں دیں گے اور (۹) نہ کسی کو اپنے دین کی دعوت دیں گے۔"

ان تصریحات کا خلاصہ یہ ہے کہ ازروئے اسلام مسلم ممالک کے ذمیوں اور اقلیتوں کو اپنے باطل مذاہب کی تبلیغ و اشاعت کی ہرگز اجازت نہیں۔ نہ تقریر میں اور نہ تحریر میں اور نہ مناظروں کے ذریعہ سے اور نہ مناقشوں کے ساتھ۔ غرضیکہ وہ اپنے مذہب کی کسی طرح اور کسی بھی انداز میں تبلیغ نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی مسلمان حکمران کسی وجہ سے اس کی اجازت دیتا ہے تو یہ اجازت کالعدم اور حکمران شرعاً مجرم ہوگا۔ کیوں کہ اس میں اسلام کی حقانیت کو بٹہ لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ، رسول اللہؐ اور کتاب اللہ قرآن مجید کی تکذیب لازم آتی ہے اور اسلام کی توہین اور سبکی ہوتی ہے۔ قاضی ابو یعلی محمد بن حسین الفراء حنبلی رقمطراز ہیں:

كَذَالِكَ يَلْزَمُ تَرْكُ مَا فِيْهِ غَضَاضَةٌ وَنَقْصٌ عَلَى الْإِسْلَامِ وَهِيَ ثَلَاثَةٌ ذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَكِتَابُهُ وَدِيْنُهُ وَرَسُوْلُهُ بِمَا لَا يَنْبَغِيْ فَهٰذِهِ الْأَشْيَاءُ يَلْزَمُهُمْ تَرْكُهَا سَوَاءٌ شَرَطَ ذَالِكَ الْإِمَامُ عَلَيْهِمْ

[1] كتاب حقوق اهل الذمة ج۲ ص۶۵۹، ۶۶۰.

أَوْلَمْ يَشْتَرِطْ . ❶

"جب یہود و نصاریٰ کو مسلم ملک میں اپنے مذہب کی تبلیغ و اشاعت' اپنے لٹریچر کو سرِ عام بازار میں لانے، صلیب لٹکا کر چلنے' گرجا کے منارے پر صلیب گاڑنے اور گرجا کے اندر بلند آواز سے دعا کرنے اور انجیل پڑھنے کی اجازت اور از سرِ نو گرجا تعمیر کرنے یا گرے ہوئے گرجا کی مرمت کرنے کی اجازت نہیں اور اِن کو اپنے تہوار کھلے گراؤں میں منانے کی اجازت نہیں۔"

حالانکہ وہ اہل کتاب ہیں یعنی کسی وقت وہ سچے دین و مذہب پر رہ چکے ہیں تو پھر سلطنت خداداد پاکستان میں قادیانیوں کو جو مرتدین کی اولاً، شرعاً اور قانوناً خارج از اسلام اور کافر ہیں' کو اپنے عبادت خانے تعمیر کرنے اور ان کو مساجد کے نام سے موسوم کرنے اور بلانے کی اجازت کیونکر ہو سکتی ہے؟ ان کو پاکستان میں ایک کذاب اور مفتری علی اللہ (غلام احمد قادیانی) کے باطل نظریات اور ہذیانات کی کھلے عام نشر و اشاعت اور تبلیغ و دعوت کی اجازت اسلام سے بغاوت اور رسول اللہ ﷺ کی سراسر توہین ہے۔ نہ جانے پاکستان کے مسلمانوں کی غیرت کہاں سو چکی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ذمی لوگوں کو مسلمانوں کے ناموں جیسے نام رکھنے کی اجازت نہیں:

ذمی لوگوں کو مسلم ملک میں نہ صرف اپنے دین اور مذہب کی تبلیغ و ترویج کی اجازت نہیں، بلکہ ان کو مسلمانوں کے ناموں پر اپنے نام رکھنے حتیٰ کہ مسلمانوں کا سا لباس پہننے کی اجازت نہیں تاکہ اسلامی تشخص کجلا نہ جائے جیسا کہ اسلامی دفاتر میں اس کی وضاحت و صراحت موجود ہے۔

امام ابن کثیر تصریح فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وَلَا نُعَلِّمِ اَوْلَادَنَا الْقُرْآنَ وَلَا نُظْهِرُ شِرْكًا وَلَا نَدْعُوَ اِلَيْهِ اَحَدًا وَلَا نَمْنَعُ اَحَدًا مِنْ ذَوِي قَرَابَتِنَا الدُّخُوْلَ فِي الْاِسْلَامِ اِنْ اَرَادُوْهُ ...... وَلَا نَتَشَبَّهُ بِهِمْ فِي شَيْءٍ مِنْ مَلَابِسِهِمْ فِي قَلَنْسُوَةٍ وَلَا عِمَامَةٍ وَلَا نَعْلَيْنِ وَلَا فَرْقِ شَعْرٍ وَلَا نَتَكَلَّمُ بِكَلَامِهِمْ وَلَا نَكْتَنِيْ بِكِنَاهُمْ وَلَا نَرْكَبُ السُّرُوْجَ وَلَا نَتَقَلَّدُ السُّيُوْفَ وَلَا نَتَّخِذُ شَيْئًا مِنَ السِّلَاحِ وَلَا نَحْمِلُهُ مَعَنَا وَلَا نَنْقُشُ خَوَاتِيْمَنَا بِالْعَرَبِيَّةِ . ❷

شام کے نصاریٰ نے یہ شرطیں بھی قبول کی تھیں (۱) ہم اپنے بچوں کو قرآن نہیں پڑھائیں گے (۲) ہم اپنے شرکیہ کام کھلم کھلا نہیں کریں گے (۳) اور نہ اپنے شرک کی دعوت دیں گے (۴) ہم اپنے کسی قرابت دار کو اسلام قبول کرنے سے منع نہیں کریں گے۔ (۵) ہم مسلمانوں جیسا لباس بھی نہیں پہنیں گے' نہ مسلمانوں کی ٹوپی جیسی ٹوپی' نہ عمامہ جیسا عمامہ اور نہ جوتے جیسا جوتا پہنیں گے (۶) نہ ہم سر کے بالوں کی سیدھی مانگ نکالیں گے (۷) نہ ان کی زبان بولیں گے (۸) نہ ان کی کنیتوں جیسی کنیت رکھیں گے۔ (۹) اور نہ اپنی سواریوں پر زین سجائیں گے

❶ الاحکام السلطانیۃ ص ۱۴۲.
❷ تفسیر ابن کثیر ج۲ ص۳۴۷' ۳۴۸.

(۱۰) اور نہ تلوار لٹکائیں گے (یادرہے تلوار اس زمانہ میں مسلمانوں کا علامتی ہتھیار اور شعار (شناختی نشان) سمجھا جاتا تھا) (۱۱) اور نہ ہم اپنے گھروں میں اسلحہ رکھیں گے (۱۲) اور نہ کسی قسم کا اسلحہ اٹھا کر چلیں گے (۱۳) اور نہ اپنی انگوٹھیوں پر عربی زبان میں کچھ نقش کریں گے اور آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر ہم ان جملہ شرائط میں سے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی کریں گے تو مستوجب سزا ہوں گے۔

امام ماوردیؒ یہ بھی لکھتے ہیں:

وَالْخَامِسُ اَنْ لَّا یَفْتِنُوْا مُسْلِمًا عَنْ دِیْنِهٖ . ❶

پانچویں شرط لازمی یہ بھی ہے کہ ذمی لوگ اور کوئی اقلیت کسی مسلمان کو اس کے دین کے معاملہ میں کسی آزمائش اور فتنہ میں مبتلا کرنے کی ہرگز مجاز نہ ہوگی۔ نہ دھونس کی صورت میں' نہ مال کی تحریص کے ساتھ' نہ رشتہ کی ترغیب کے ساتھ اور نہ کسی قسم کے لالچ کے ساتھ، اگر وہ ایسا کرے گی تو قانون حرکت میں آ کر اس کو کیفر کردار تک پہنچا کر رہے گا۔

خلاصۃ المرام یہ کہ کسی غیر مسلم عیسائی' یہودی' مجوسی' صابی' ہندو' سکھ' پارسی' بہائی' بابی' قادیانی' لاہوری اور ربوی مرزائیوں کو شعائر اسلام یعنی کلمہ' توحید' رسول' قبلہ' صلوٰۃ' درود' مسجد' قربانی' عید وغیرہ مقدس اصطلاحوں کو استعمال کرنے کی از روئے شرع اسلام قطعاً اجازت نہیں اور نہ ان مذکورہ باطل گروہوں اور خارج از اسلام فرقوں کو اپنے باطل عقائد و افکار اور اعمال اور رسومات کا برملا پرچار کرنے کی اجازت ہے، اور نہ ان کو اپنے ان باطل اور خلاف اسلام عقائد و افکار اور اعمال و رسومات کی نشر و ترویج اور دعوت اور تبلیغ کی اجازت ہے اور مسلمان حکمران اور مسلم اکثریت پر شرعاً واجب ہے کہ وہ اپنے ملک میں بسنے والی غیر مسلم اقلیتوں کو ان شرائط کا پابند بنائے کہ یہ مسلمانوں کا شرعی فریضہ ہے۔ تفصیل آپ کے سامنے ہے۔

هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب

سول جج چوہدری محمد نسیم کا فیصلہ

مسلمانوں کی آبادیوں قادیانی عبادت گاہیں تعمیر نہیں کر سکتے۔ سول جج کا فیصلہ قادیانی غیر مسلم فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ مدعا علیہان کے وکیل کا اعتراف

رحیم یار خاں۔ ۹ فرور (۱۹۷۴ء) ایڈمنسٹریٹر جج رحیم یار خاں چوہدری محمد نسیم نے ایک مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے کہا ہے کہ مسلمانوں کی آبادیوں میں قادیانی اذان۔ نماز۔ تبلیغ اور عبادت گاہ تعمیر نہیں کر سکتے۔ انھوں نے محلہ قاضیاں میں ایک متنازعہ مکان کے مقدمہ کا فیصلہ دیتے ہوئے احمدیوں کے خلاف حکم امتناعی دوامی جاری کر دیا ہے۔ مدعا علیہان کے وکیل مسٹر پرویز احمد باجوہ نے مدعیان کے حق میں ڈگری جاری کیے جانے پر رضا مندی کا اظہار کر دیا ہے اور اپنے تحریری بیان میں عدالت کے روبرو تسلیم کیا ہے کہ وہ ایک غیر مسلم فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ فاضل جج نے مولوی عبد الرشید لدھیانوی وغیرہ کی

❶ الاحکام السلطانیہ ص ۱۴۵۔

درخواست پر یہ حکم دیا ہے۔ جس میں کہا گیا تھا کہ مسلمانوں کے محلّہ قاضیاں کے ایک مکان میں احمدیوں نے نوتعمیر شدہ مکان کو اپنی عبادت گاہ بنا دیا ہے۔ حالانکہ اس محلّہ میں ان کی آبادی نہیں ہے، قریب ہی مسلمانوں کی مسجد ہے، جس سے اشتعال پیدا ہونے اور امن وامان کو خطرہ ہے۔ مدعیان کی جانب سے مقامی بار ایسوسی ایشن کے سینئر رکن شیخ عبدالعزیز اختر چوہدری بشیر احمد اور قاضی محمد اقبال نے پیروی کی۔ نوائے وقت ۲۰ فروری ۱۹۷۲ء۔ بحوالہ ہفت روزہ الاعتصام، بحریہ ۲۵ فروری ۱۹۷۲ء

محمد عفیف اللہ خان

۲۰۰۹/۳/۲

۹ محرم الحرام ۱۳۹۲ھ

توبہ واستغفار اور گناہ سے متعلق ایک وضاحت

کیا آغازِ وضو میں بسم اللہ پوری پڑھی جائے؟

سوال: (ا): ہفت روزہ اہل حدیث یکم جمادی الاول ۱۴۰۲ھ شمارہ ۹ کے صفحہ ۵ پر علامہ عزیز زبیدی صاحب مدظلہ ایک سوال کہ ''ایک آدمی توبہ کرتا ہے کسی گناہ سے' کچھ عرصہ بعد وہی گناہ اس سے پھر ہو جاتا ہے تو اب سابقہ گناہ بھی لوٹ آئے گا یا صرف وہی گناہ ہوگا جو دوسری بار اس سے ہوگیا'' اس کے جواب میں علامہ جواب تحریر فرماتے ہیں کہ (صفحہ گیارہ) ''توبہ کے بعد جو گناہ سرزد ہو جاتا ہے اس کی بنا پر پہلے گناہ عود نہیں کرتے کیونکہ توبہ کے بعد وہ گناہ باقی نہیں رہتے۔ التائب من الذنب کمن لاذنب له.

جب گناہ رہا ہی نہیں تو اس کے لوٹ آنے کا احتمال نہ رہا۔'' براہ کرم تحریر فرمائیں کہ علامہ محترم کی بات کیا درست ہے؟

جواب: علامہ موصوف مدظلہ العالی کی یہ بات بالکل درست اور صواب ہے۔ شارحین نے اس حدیث کے معنی میں لکھا ہے گناہ نہ کرنے کا ایک مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس گناہ پر مؤاخذہ نہیں کرے گا چنانچہ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهٗ اَیْ فِیْ عَدَمِ الْمُؤَاخَذَةِ بَلْ قَدْ یَزِیْدُ عَلَیْهِ بِاَنَّ ذُنُوْبَ التَّائِبِ تُبَدَّلُ حَسَنَاتٍ ❶ کہ ''سچی توبہ کرنے پر اس گناہ کا مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ نہ صرف اس پرانے گناہ پر مؤاخذہ نہیں ہوگا بلکہ سچی توبہ کرنے پر اس گناہ کے عوض تائب کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا﴾ (الفرقان: ۷۰)

''مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور کیا کام اچھا پس یہ لوگ بدل ڈالتا ہے اللہ ان کی برائیوں کو بھلائیوں سے اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔''

امام ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: دوسرا قول یہ ہے سچی توبہ کرنے والے کے نامۂ اعمال سے برائیوں کو مٹا کر

❶ مشکوٰۃ المصابیح حاشیہ نمبر ۱۰۔ص ۲۰۶۔

ان کی جگہ نیکیاں لکھ دی جائیں گی۔ یہ مطلب صحیح حدیث سے بھی ثابت ہے اور بہت سے صحابہ کا قول بھی یہی ہے۔ جیسا کہ تفسیر ابن کثیر ۳ ص ۳۲۷) میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے بحوالہ صحیح مسلم ایک لمبی حدیث تحریر ہے کہ آخری جنتی سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھے تیری ہر برائی کی جگہ نیکی عطا کی گئی ہے۔ فیقال فان لك بكل سيئة حسنة. [1]

علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توبہ اور استغفار کو گناہوں کی صیقل (ریتی) قرار دیا ہے، یعنی جس طرح ریتی لوہے کے زنگار کو ختم کر دیتی ہے اسی طرح توبہ گناہوں کا وجود مٹا دیتی ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءَ فِيْ قَلْبِهٖ فَاِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صَيْقَلَ قَلْبُهٗ. [2]

خلاصہ یہ کہ توبہ کے بعد گناہ بالکلیہ معدوم ہو جاتا ہے دوبارہ کرنے سے سابقہ گناہ عود نہیں کرتا۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال (۲): وضو کرنے سے پہلے کیا صرف "بسم الله" کہنا کافی ہے یا پوری بسم الله الرحمن الرحيم پڑھنا ضروری ہے؟ نیز یہ فرض ہے یا سنت؟ (محمد اکرم قصور)

جواب: واضح ہو کہ اس مسئلے میں توسع ہے، یعنی اگر کوئی پوری بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے تو بھی جائز ہے اور اگر کوئی صرف بسم اللہ پر اکتفا کرے تو بھی جائز ہے۔ تاہم بسم اللہ اور بسم اللہ والحمد للہ پڑھنا زیادہ مناسب ہے۔ [3]

امام احمد سے ایک روایت میں بسم اللہ پڑھنا فرض ہے احناف کے نزدیک سنت ہے۔ تاہم علامہ کمال الدین ابن ہمام کے نزدیک واجب ہے اور شاہ ولی اللہ کے نزدیک وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا وضو کا رکن یا شرط ہے، مگر ہمارے نزدیک فرض ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

سماع موتی کی تحقیق

قبر میں نبوت محمدی کے متعلق سوال کی نوعیت:

سوال: کیا مردے سلام اور دعائے مسنون سن سکتے ہیں نیز اس دعا کا کیا مطلب ہے یا اهل القبور يغفر الله لنا ولكم. یہاں پر "یا" سے کیا مراد ہے؟ نیز جب قبر میں تیسرا سوال کیا جاتا ہے کہ اس شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے تو کیا قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاضر کیا جاتا ہے؟ اس حدیث کی پوری تشریح کر دیں۔ (سید نادر شاہ۔ جنگل خیل کوہاٹ)

جواب: واضح ہو کہ قرآن و حدیث کے نصوص صریحہ صحیحہ سے جو ثابت ہے وہ یہ ہے کہ مردے نہیں سنتے اور سماع اموات کا مروجہ عقیدہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے دلائل یہ ہیں:

---

[1] تفسیر ابن کثیر ص ۳۲۷ ج ۳.

[2] رواه احمد والترمذی و ابن ماجه و قال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح مشکوٰة ص ۲۰۴.

[3] مزید تفصیل مرعاة المفاتیح ج ۱ ص ۲۷۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔

﴿اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْ﴾ (البقرہ:۲۵۹)

اس شخص کی طرح جو ایک ایسی بستی پر گزرا جو اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی تو اس نے کہا اس بستی کے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اسے کیسے زندہ کرے گا؟ تو اللہ تعالیٰ نے سو سال تک اس کو موت کی نیند سلا دیا پھر اس کو زندہ کیا اور پوچھا تم کتنی مدت ٹھہرے ہو؟ انہوں نے جواب میں عرض کیا۔ ایک پورا دن یا دن کا کچھ حصہ تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ تم تو ایک سو سال ٹھہرے رہے۔ اب اپنے کھانے اور پانی کو دیکھو جو ابھی تک بدبودار نہیں ہوا۔''

تفسیروں کے مطابق آیت شریفہ میں عزیر علیہ السلام کی واردات کا بیان ہے۔ وہ سو برس مرے رہے۔ سو برس کے اندر دھوپ' سردی پڑی، بادل گرجے' بجلیاں کوندیں' آدمی چلتے پھرتے رہے مگر ان کو کسی بات کی خبر نہ ہوئی۔ اگر مردہ میں زندوں کا کلام اور فریاد سننے کی طاقت ہوتی تو بادل کا گرجنا ضرور سنتے' انقلابات زمانہ سے باخبر ہوتے' مردوں کے نہ سننے کے متعلق یہ سب سے بڑی دلیل ہے کہ عزیر علیہ السلام کو نہ کچھ سنائی دیا اور نہ دکھائی دیا۔

﴿وَ مَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ﴾ (الفاطر:۲۲)

یعنی ''نہیں ہے تو سنانے والا ان لوگوں کو جو قبروں میں مرے پڑے ہیں۔''

﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی﴾ (النمل:۲)

یعنی ''بے شک تو نہیں سنا سکتا مردوں کو۔''

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ﴾ (الاحقاف:۵)

''اور اس شخص سے زیادہ کون گمراہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا ایسے شخص کو بلاتا ہے جو قیامت تک اس کی ندا فریاد کا جواب نہیں دے سکتا اور مردے ان کی دعا و پکار سے بے خبر ہیں۔''

﴿اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا یَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَ لَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَ لَا یُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِیْرٍ٠﴾ (الفاطر:۱۴)

یعنی ''اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے اور اگر سن بھی لیں تو تمہیں جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کریں گے اور باخبر کی طرح تجھے کوئی خبر نہ دے سکے گا۔''

یہ پانچ نصوص قرآنیہ دلیل ہیں اس بات کی کہ مردوں میں سننے اور جواب دینے کی سرے سے اہلیت نہیں۔

احادیث: بہت سی احادیث کی رو سے بھی سماع موتیٰ کی نفی ہوتی ہے۔

شبہات کا جواب:

السلام علیکم یا اھل القبور میں حرف ''یا'' ندا اور خطاب کے معروف معنی میں نہیں کہا جاتا بلکہ اس بنا پر کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قبرستان جا کر ایسا کہو اس سے خطاب سے استدلال کرنا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ مردے سنتے ہیں صحیح نہیں ہے، حدیث صحیح میں ہے نَمْ کَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ (مشکوٰۃ ص: فصل ثانی ص ۲۵) یعنی ''فرشتے مسلمان میت کو کہتے ہیں کہ تو چونکہ مسلمان ہے اور ٹھیک جواب دے چکا ہے، لہٰذا نئی نویلی دلہن کی طرح سو جا'' اور ظاہر ہے سوئے ہوئے کو کچھ سنائی نہیں دیتا۔ کیونکہ نیند اور سماع دو متضاد چیزیں ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ بذات خود مردے میں سننے کی سرے سے اہلیت نہیں ہوتی ہاں جب اللہ تعالیٰ چاہے تو کسی خاص وقت یا خاص موقع پر کوئی خاص بات ان کو سنانا چاہتا ہے تو وہ سنوا دیتا ہے۔ تفسیر فتح البیان تالیف نواب صدیق حسن خانؒ میں ہے:

> وَظَاهِرُ نَفْيِ سَمَاعِ الْمَوْتٰى لِلْعُمُوْمِ فَلَا يُخَصُّ مِنْهُ اِلَّامَا وَرَدَ بِدَلِيْلٍ كَمَا ثَبَتَ فِي الصَّحِيْحِ اَنَّهُ ﷺ خَاطَبَ الْقَتْلٰى فِيْ قُلَيْبِ بَدْرٍ فَقِيْلَ لَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا تكَلِّمِ اَجْسَادًا لَا اَرْوَاحَ لَهَا وَكَذَا مَاوَرَدَ مِنْ اَنَّ الْمَيِّتَ يَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِ الْمُشَيِّعِيْنَ لَهُ اِذَا انْصَرَفُوْا. ❶

اسی طرح فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے:

> قَالَ اِبْنُ التِّيْنِ لَا مُعَارَضَةَ بَيْنَ حَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ وَالْاٰيَةِ لِاَنَّ الْمَوْتٰى لَا يَسْمَعُوْنَ بِلَاشَكٍّ لٰكِنَّ اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ اِسْمَاعَ مَالَيْسَ مِنْ شَاْنِهِ السَّمَاعِ لَمْ يَمْتَنِعْ كَقَوْلِهِ تَعَالٰى اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ (الآية) وَقَوْلِهِ تَعَالٰى فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا وَكَرْهًا۔ (فتح الباری)

یعنی ابن تین کہتے ہیں کہ حدیث ابن عمر اور آیت انك لا تسمع الموتی میں کوئی تعارض اور اختلاف نہیں ہے۔ مردے بلاشبہ نہیں سنتے مگر جب اللہ تعالیٰ سنانا چاہے تو جمادات اور غیر ذی عقل کو بھی سنا سکتا ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پر بار امانت پیش کیا تھا حالانکہ زمین و آسمان میں اس کی سرے سے اہلیت نہ تھی اور پھر ان کو تکوینی طور پر بلایا تو وہ بلا چون و چرا بارگاہِ صمدی میں حاضر ہو گئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ چاہے تو مردوں کو بھی سنا سکتا ہے، مگر مردوں میں اپنے طور پر کچھ بھی سننے کی اہلیت اور سکت نہیں ہوتی۔

(ب) واضح ہو کہ مَاتَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ میں کلمہ هذا اسم اشارہ ہے جو موجود اور حاضر چیز کے متعلق خواہ مشار الیہ خارج میں موجود ہو، خواہ متکلم کے ذہن کے اندر ہو بولا جاتا ہے، چونکہ رسول اللہ ﷺ کی بلند مرتبت ہستی شہرت و ناموری کے لحاظ سے جانی پہچانی ہے اور کوئی دوسرا پیغمبر اس ناموری میں آپ کا شریک و سہیم نہیں ہے، لہٰذا آپ کو نہ لایا جاتا ہے نہ پردے اٹھائے جاتے ہیں بلکہ آپؐ کے متعلق سوال کیا جاتا ہے کہ جس پیغمبر آخر الزمان کا دور ہے اور جس کی امت کروڑوں کی تعداد

❶ فتح البیان ص ۸۵ ج۷۔

میں دنیا میں موجود ہے کیا تم اس کو نبی مانتے ہو؟

چنانچہ صحیح بخاری میں ہے

عَنْ اَنَسٍ مَا تَقُوْلُ فِی هٰذَا الرَّجُلِ لِمُحَمَّدٍ؟ ❶

''تو اس شخص کے متعلق یعنی محمد ''ﷺ'' کے متعلق کیا کہتا ہے؟(اس کو نبی مانتا ہے) صحیح بخاری کے حاشیہ میں ہے:

قِیْلَ یُکْشَفُ لِلْمَیِّتِ حَتّٰی یَرَی النَّبِیَّ ﷺ وَهِیَ بُشْرٰی عَظِیْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِ اِنْ صَحَّ ذَالِكَ وَلَا نَعْلَمُ حَدِیْثًا صَحِیْحًا مَرْوِیًّا فِیْ ذَالِكَ وَالْقَائِلُ بِهٖ اِنَّمَا اسْتَنَدَ لِمُجَرَّدِ اِنَّ الْاِشَارَةَ لَاتَکُوْنُ اِلَّا لِلْحَاضِرِ لٰکِنْ یَّحْتَمِلُ اَنْ تَکُوْنَ الْاِشَارَةُ لِمَا فِی الذِّهْنِ فَیَکُوْنَ مَجَازًا قَالَهٗ. ❷

یعنی ''بعض کا خیال ہے کہ بطور انکشاف رسول اللہ ﷺ سامنے ہوتے ہیں، لیکن اس کا ثبوت مل سکے تو مسلمان کے لیے یہ بہت بڑی خوش خبری ہے، مگر یہ کسی صحیح حدیث میں مروی نہیں۔

یہ روایت جس نے ذکر کی ہے اس کو اسم اشارہ سے مغالطہ ہوا ہے کہ ''ھذا'' موجود فی الخارج کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے حالانکہ لفظ ''ھذا'' موجود فی الذہن کے لیے بھی بولا جاتا ہے اور یعنی مجاز کے طور پر بھی۔ چنانچہ صحیح بخاری کی حدیث ابوسفیان میں ہے کہ روم کے بادشاہ ہرقل نے اپنے دربار میں عربوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا اور جب ابوسفیان اور ان کے ساتھی مسلمان نہ تھے ہرقل کے دربار میں پیش کیے گئے۔ ہرقل نے کہا: میرے پاس اس آدمی کی چٹھی آئی ہے اور پھر کہا:

اَیُّکُمْ اَقْرَبُ نَسَبًا بِهٰذَا الرَّجُلِ الَّذِیْ یَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِیٌّ؟ ❸

یعنی ''تم میں سے کون شخص نسب کے لحاظ سے اس شخص کے زیادہ قریب ہے جو کہتا ہے کہ وہ اللہ کا نبی ہے؟''

غور فرمایئے کہ ہرقل حمص (شام کے علاقہ میں) اور رسول اللہ ﷺ مدینہ میں درمیان میں سینکڑوں میلوں کا فاصلہ ہے۔ اس دوری اور بعد کے باوجود ہرقل حمص میں غیر موجود محمدؐ پر لفظ ''ھذا'' بول رہا ہے۔ اس کے اور بھی بہت نظائر مل جائیں گے۔ ❹

لہٰذا صحیح بات یہی ہے کہ موجود فی الذہن پر کلمہ ھذا مجازاً بول دیا جاتا ہے۔ ہر قبر میں جناب رسول اللہ ﷺ کا حاضر ہونا بالکل بے دلیل اور کچی بات ہے۔ رہا حافظ عبداللہ روپڑیؒ کا موقف تو وہ صرف کسی صحیح حدیث پر مبنی نہیں بلکہ جمہور اہل الحدیث اور سلف و خلف کے سراسر متصادم ہے لہٰذا درخور اعتناء ہرگز نہیں۔ وھذا ما عندی واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب فی یوم الحساب.

---

❶ صحیح البخاری، باب ماجاء فی عذاب القبر، ج ۱، ص ۱۷۸.

❷ العسقلانی ص ۱۸٤ ج ۱.

❸ صحیح بخاری ص ٤ ج ۱.

❹ ملاحظہ ہو: صحیح البخاری ص ۱۸ و ۳۹ و ۱۲٦ و ۱٤٤ و ۳۷۳ و ٤۱۲ و ٥٤٤ و ٦۱٥ و ٦۳۳ و ٦٥۳ و ۱۰٥۳ و ۱۱۰٤.

قبر نبویؐ کے پاس درود کی بحث

انبیاء کی حیات برزخی کی نوعیت:

سوال: اگر حضور ﷺ کی قبر مبارک کے نزدیک درود اور سلام پڑھا جائے تو کیا آنحضرت ﷺ سن سکتے ہیں؟ کیا آنحضرت ﷺ اس شخص کے سلام کا جواب دیتے ہیں؟ کیا انبیاء علیہم السلام کو قبر میں "رزق" دیا جاتا ہے؟ کیا انبیاء کرام اپنی قبروں میں عبادت کرتے ہیں؟ نیز کیا دور دراز جگہ سے اگر کوئی شخص درود اور سلام پڑھے تو کیا حضور ﷺ کو پہنچ جاتا ہے؟

نوٹ: میں نے سنا ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطی اور امام بیہقی رحمہما اللہ نے حیاۃ النبیؐ پر باقاعدہ رسالے لکھے ہیں کہ آنحضرت ﷺ زندہ ہیں تو کیا یہ بات صحیح ہے؟ (سید نادر شاہ مکان نمبر ۱۵ نزد جامع مسجد اہل حدیث جنگل خیل کوہاٹ)

جواب: ہاں اس قسم کی روایتیں کتابوں میں موجود ہیں لیکن وہ سند کے اعتبار سے سخت مخدوش ہیں جو دلیل بننے کے قابل نہیں، مثلاً: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف ایک منسوب یہ روایت ہے۔

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا اُبْلِغْتُهُ. [1]

کہ "جو میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے تو میں سن لیتا ہوں اور جو دور سے پڑھے تو وہ مجھ کو پہنچا دیا جاتا ہے۔"

لیکن یہ روایت سخت کمزور ہے وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں دو راوی علاء ابن عمرو الحنفی اور محمد بن مروان سدی (استاد و شاگرد) جھوٹے شمار کیے گئے ہیں، استاد محمد بن مروان سدی حدیث گھڑنے میں اور جھوٹی حدیثیں روایت کرنے میں شہرت رکھتا ہے۔

مُحَمَّدُ بْنُ مَرْوَانَ سُدِّی بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اِسْمَاعِیْلَ السُّدِّیُ الْكُوْفِیُّ مُتَّهَمٌ بِالْكِذْبِ. [2]

حافظ محمد بن عبدالہادی مقدسی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِیْثُ مَوْضُوْعٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِهٖ اَبُوْهُرَیْرَةَ وَلَا اَبُوْصَالِحٍ وَلَا الْاَعْمَشُ وَمُحَمَّدُ بْنُ مَرْوَانَ السُّدِّیُ مُتَّهَمٌ بِالْكِذْبِ وَالْوَضْعِ. [3]

دوسرے راوی علاء بن عمرو کے بارے میں امام ابن حبان لکھتے ہیں لا یجوز الاحتجاج به بحال [4] یہ قول حافظ ذہبیؒ نے المغنی فی الضعفاء میں بھی نقل کیا ہے (۴۴۰ ج ۲) مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ میں اس روایت کے سلسلے میں بہت عمدہ فیصلہ دیا ہے۔

وَبِالْجُمْلَةِ حَدِیْثُ اَبِیْ هُرَیْرَةَ هٰذَا ضَعِیْفٌ غَایَةُ الضُّعْفِ وَاهٍ سَاقِطٌ بَلْ لَوِادَّعٰی اَحَدُكُمْ

[1] رواه البیهقی فی شعب الایمان، مشکوٰة، ص ۸۷. [2] تقریب ص ۳۱۸.

[3] الصارم المنکی ص ۱۹۰.

[4] کتاب المجروحین ص ۱۷۳ ج ۲.

كَوْنُهُ مَوْضُوعًا لَايَكُوْنُ فِيهِ شَيْءٌ مِنَ الْمُبَالَغَةِ وَالْعَجَبِ مِنَ الْمُصَنِّفِ أَنَّهُ أَوْرَدَ هٰذَا الْحَدِيْثَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّذْكَرَ مَا فِيهِ مِنَ الْكَلَامِ الْمُوْجَبِ سَقُوْطُهُ عَنِ الْاِحْتِجَاجِ وَالْاِسْتِشْهَادِ وَالْاِعْتِبَارِ . ❶

یعنی "حاصل یہ ہے کہ یہ روایت سخت ضعیف، واہی اور ساقط ہے، اگر کوئی اسے موضوع کہہ دے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ خطیب تبریزی پر تعجب ہے کہ انھوں نے اس حدیث کو بلا جرح ذکر کر دیا ہے کیونکہ کسی طرح بھی یہ روایت دلیل استشہاد اور اعتبار کے قابل نہیں۔"

میں کہتا ہوں لطیفے کی بات یہ ہے کہ اس روایت کے بعض الفاظ میں "سَمِعْتُہُ" کا لفظ ہے ہی نہیں جیسا کہ صاحب الصارم المنکی نے ذکر کیا ہے، اور وہ یہ ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ عَبْدٍ يُسَلِّمُ عَلَى عِنْدَ قَبْرِیْ اِلَّا وَكَلَ اللّٰهُ بِهٖ مَلَكًا يُبَلِّغُنِیْ وَ كَفٰى اَمْرَ اٰخِرَتِهٖ وَدُنْيَاهُ وَكُنْتُ لَهٗ شَهِيْدًا وَشَفِيْعًا . ❷

یعنی "جو میری قبر کے پاس مجھ پر صلوٰۃ پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو درود کو مجھ تک پہنچا دیتا ہے، درود پڑھنے والے کے اخروی اور دنیوی کام ٹھیک کر دیے جاتے ہیں۔ میں اس کا گواہ اور سفارشی بنوں گا۔"

راوی اس روایت کا بھی وہی سدی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ روایت یہ بھی خود ساختہ اور جعلی ہے۔ علاوہ ازیں یہ روایت کئی دوسری حدیثوں کے خلاف ہے جو اکثر حسن درجے کی ہیں اور سنن مسانید اور معاجم میں مروی ہیں، چنانچہ سنن ابی داؤد کی یہ مشہور حدیث ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيَّ رُوْحِیْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔ ❸

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر جو شخص بھی سلام پڑھتا ہے تو میری روح واپس کی جاتی ہے اور میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ (اس حدیث کو متشابہات سے سمجھنا چاہیے۔ع'ح)

اِنَّمَا هُوَ حَدِيْثٌ اَسْنَادُهٗ مَقَارِبٌ وَصَالِحٌ اَنْ يَّكُوْنَ مُتَابِعًا لِغَيْرِهٖ وَعَاضِدًا لَهٗ (مرعاۃ)

دیکھیے اس روایت میں دور نزدیک قبر اور غیر قبر کا کوئی فرق بیان نہیں ہوا۔

دوسری حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِيْدًا وَ صَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِیْ حَيْثُ كُنْتُمْ . ❹

---

❶ مرعاۃ ص ۶۹۹ ج ۱ طبع لاہور۔ ❷ الصارم المنکی ص ۱۸۰ طبع جدید۔

❸ مشکوۃ مع مرعاۃ ص ۶۸۸ ج ۱۔ ❹ رواہ ابوداؤد و اسنادہ حسن۔

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ لوگو! اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ اور میری قبر کو عید نہ ٹھہرانا اور مجھ پر درود پڑھنا، بے شک تمہارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے تم خواہ کہیں بھی ہو۔"

اس حدیث میں بھی دور یا نزدیک کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔ اس طرح کی حدیثیں حضرت حسین رضی اللہ عنہ بن علی اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے محدث ضیاء مقدسی نے اور بھی نقل کی ہیں۔

شیخ محمد بن عبدالہادی مقدسی لکھتے ہیں:

فَهٰذِهِ الْاَحَادِيْثُ الْمَعْرُوْفَةُ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ الَّتِيْ جَاءَتْ مِنْ وُجُوْهٍ حِسَانٍ تَصَدَّقَ بَعْضُهَا بَعْضًا فَهِيَ مُتَّفِقَةٌ عَلَى اَنَّ مَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اُمَّتِهٖ فَاِنَّ ذَالِكَ يُعْرَضُ عَلَيْهِ وَيَبْلُغُهُ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) تَسْلِيْمًا. ❶

"درود وسلام کے متعلق اہل علم کے ہاں جو حدیثیں مشہور ہیں وہ بحیثیت مجموعی اتنی قوی ہیں کہ وہ حسن بن جاتی ہیں، ان میں صرف نبی ﷺ تک درود پہنچا دینے کا ذکر ہے ان میں سے کسی میں یہ ہرگز نہیں آتا کہ آپ براہِ راست سن لیتے ہیں۔"

(ب) انبیائے کرام برزخی زندگی گذار رہے ہیں اور ان کو رزق بھی برزخی ملتا ہے۔ دنیوی زندگی یا دنیوی رزق دیا جانا کہیں ثابت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں قبر میں رزق دیئے جانے کی روایت سنن ابن ماجہ میں بایں سند وارد ہے۔

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ سَوَّادٍ الْمِصْرِيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ اَبِيْ هِلَالٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَيْمَنَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ نُسَيٍّ عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاِنَّهٗ مَشْهُوْدٌ تَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ وَاِنَّ اَحَدًا لَنْ يُّصَلِّيَ عَلَيَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلٰوتُهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهَا قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ وَبَعْدَ الْمَوْتِ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُّرْزَقُ. ❷

کہ "جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ اس درود پر رحمت کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور درود پڑھنے والے کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ ابودرداء رضی اللہ عنہ نے پوچھا: آپؐ کے مرنے کے بعد درود آپؐ پر پیش کیا جاتا رہے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں، موت کے بعد بھی۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کو حرام قرار دیا ہے۔ اللہ کا نبی زندہ ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔"

لیکن یہ سند دلیل اس لیے نہیں ہوسکتی کہ یہ ضعیف ہے کیونکہ دو جگہ اس میں انقطاع ہے۔ حضرت ابودرداء سے عبادہ بن نسي کا سماع اور عبادہ سے زید بن ایمن کا سماع ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا نا قابل حجت ہے۔ علامہ سندھی لکھتے ہیں:

---

❶ الصارم المنكى فى الرد على السبكى ص ١٥٤) نیز دیکھئے مرعاۃ ص ٦٩٢ و ٦٩٩ جلد اول.

❷ سنن ابن ماجه حاشيه سندهي ص ٥٠٠ ج ١.

هٰذَا الْحَدِيْثُ صَحِيْحٌ اِلَّا اَنَّهٗ مُنْقَطِعٌ فِيْ مَوْضِعَيْنِ لِاَنَّ عُبَادَةَ بْنَ نُسَيٍّ رِوَايَتُهٗ عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ مُرْسَلَةٌ قَالَهُ الْعَلَاءُ وَ زَيْدُ بْنُ اَيْمَنَ عَنْ عُبَادَةَ مُرْسَلَةٌ قَالَهُ الْبُخَارِيُّ . ❶

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔

رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ لٰكِنْ قَالَ الْبُخَارِيُّ زَيْدُ بْنُ اَيْمَنَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ نُسَيٍّ مُرْسَلٌ ❷ زَيْدُ بْنُ اَيْمَنَ مَقْبُوْلٌ مِنَ السَّادِسَةِ وَالسَّادِسَةُ طَبَقَةٌ عَاصِرٌ وَالْخَامِسَةُ لٰكِنْ لَمْ يَثْبُتْ لَهُمْ لِقَاءُ اَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ كَابْنِ جُرَيْجٍ . ❸

بہر حال انبیاء، اولیا، شہداء اور مومنین کو برزخی زندگی حاصل ہے۔ شہداء کی برزخی زندگی عام مومنین کی زندگی سے اعلیٰ ہے اور انبیاء کی برزخی زندگی شہداء کی برزخی زندگی سے اعلیٰ اور قوی ہے، لیکن اس برزخی زندگی کو دنیا کی زندگی قرار دینا نصوص صریحہ کا صریح انکار ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ﴾ (زمر: ۳۰)

''بے شک آپ مرنے والے ہیں اور وہ بھی مرنے والے ہیں۔''

جب فرطِ عقیدت اور وفورِ غم سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرتﷺ کی موت پر یقین نہ کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ اللہ کی حمد وثناء کے بعد خطبہ پڑھا:

الا من كان يعبد محمدا فان محمدا قدمات ومن كان يعبد الله فان الله حي لا يموت وقال ﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ﴾ وقال ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾ . ❹

''سن لو کہ جو شخص محمدﷺ کو پوجتا تھا تو محمدﷺ فوت ہو گئے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کو پوجا کرتا ہے اسے معلوم رہے کہ اس کا اللہ تعالیٰ زندہ جاوید ہے، اسے کبھی موت نہیں، پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی یہ دو آیتیں پڑھیں ''اے محمد(ﷺ) تم کو بھی موت آنی ہے اور یہ لوگ بھی مر کر ہی رہیں گے۔'' (سورۃ زمر) ''محمد(ﷺ) اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس وہ ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بھی رسول ہو گزرے ہیں۔ پس کیا اگر وہ مر جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو اُلٹے پاؤں پھر جائے گا تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں دے گا اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نیک جزا دے گا۔''

---

❶ حاشيه سندهي على سنن ابن ماجه ص ۵۰۱ ج ۱۔ ❷ تهذيب التهذيب ص ۳۹۸ ج ۳۔ ❸ تقريب ص ۱۱۰ و ۱۱۲۔

❹ صحيح بخاري وباب الدخول على الميت بعد الموت ج ۱، ص ۱۱۶، باب فضل ابي بكر بعد النبي ص ۵۱۷ و ۵۱۸ ج ۱، باب الدخول على الميت بعد الموت۔

آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد تجہیز و تکفین' لحد' جنازہ' ازاں بعد خلافت کا انعقاد' حضرت فاطمہ' علی اور عباس رضی اللہ عنہم کا ترکے کا مطالبہ کرنا بجائے خود وفات رسول ﷺ پر شاہد عدل ہیں۔

(ج) قبروں میں انبیاء کی زندگی' عبادت اور نماز کے متعلق اس حدیث سے بھی استدلال کیا جاتا ہے:

اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِی قُبُوْرِهِمْ یُصَلُّوْنَ۔ (بیهقی)

کہ "انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔"

اولاً یہ حدیث بھی صحیح نہیں اس کا راوی حسن بن قتیبہ خزاعی ہے جس کو امام ذہبی نے ہالک، دار قطنی نے متروک الحدیث، ابوحاتم نے ضعیف' ازدی نے لین الحدیث اور عقیلی نے کثیر الوہم کہا ہے ❶ شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسے ضعیف لکھا ہے ❷ ثانیاً اس روایت سے بھی حیات برزخی ہی کا ثبوت مہیا ہوسکتا ہے جس سے کسی کو انکار نہیں۔ اس حیات دنیوی کا ثبوت اس سے نہیں نکلتا جس کے مبتدعین قائل ہیں۔

(د) یہ ٹھیک کہ حافظ بیہقیؒ اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ کے دو رسالے اس موضوع پر ہیں، لیکن ان میں جو روایات ذکر کی گئی ہیں۔ ان کا حال عجالہ نافعہ از شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے معلوم ہوسکتا ہے۔ جس کی عبارت یہ ہے۔ صحیح وحسن وضعیف بلکہ متہم بالکذب نیز درآں کتب یافتہ ے شود و رجال آں کتب بعضے موصوف بالعدالت اند بعضے مستور و بعضے مجہول و اکثر آں احادیث معمول بہ نزد فقہاء نہ شدہ اند بلکہ اجماع برخلاف آنہا منعقد گشتہ وآں کتب ایں است مسند شافعی، سنن ابن ماجہ' مسند دارمی' مسند ابی یعلیٰ' کتب بیہقی' کتب طحاوی' تصانیف طبرانی عجالہ نافعہ ص ۷۔ بقول شاہ عبدالعزیز تیسرے طبقے کی کتب میں کچھ حدیثیں صحیح، کچھ ضعیف' کچھ مستور' کچھ مجہول اور کچھ جعلی ہوتی ہیں۔ اور اکثر حدیثیں اس طبقے کی فقہاء کے نزدیک قابل عمل نہیں بلکہ عمل نہ کرنے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے، وہ کتابیں یہ ہیں: مسند شافعی، کتب بیہقی وغیرہ۔ کتب سیوطی پر یوں تبصرہ کرتے ہیں: مایہ تصانیف شیخ جلال الدین سیوطی و رسائل ونوادر خود ہمیں کتابہا ہست و اشتغال باحادیث ایں کتب و استنباط احکام ازانہا لا طائل ہیمنا یند' (عجالہ نافعہ ص۸) شیخ جلال الدین سیوطی نے اپنی تصانیف میں اسی تیسرے طبقے کی کتب سے روایات اخذ کی ہیں۔ ان حدیث میں مشغول ہونا اوران ۔ استنباط احکام ناجائز ہے۔

(ہ) جہاں تک حضرت موسیٰ کی نماز کا تعلق ہے تو وہ معراج کی رات کا واقعہ ہے اور وہ پوری کی پوری رات معجزہ تھی۔ لہٰذا اس سے استدلال بالاتفاق اہل علم صحیح نہیں۔

بت پرستی اور قبر پرستی کی ابتداء

سوال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! بعدہ سوال ہے کہ دنیا میں بت پرستی پھر بعد ازاں قبر پرستی کب اور کیسے شروع ہوئی۔ جواب محقق اور مدلل تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔ سائل: سیف اللہ' استاذ جامعہ اہل حدیث لاہور

جواب: الجواب بعون الوهاب:

سب سے پہلے اس فتنہ کا آغاز قوم نوح سے ہوا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں عقیدۂ توحید کی اشاعت و ترویج کے لیے

❶ میزان الاعتدال ص ۵۲۱ ج۱۔ ❷ لسان المیزان ص۲۲۶ ج۲۔

حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغی کاوشوں اور مجاہدانہ سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ۝ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ۝ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝﴾ (نوح: ۲۱ تا ۲۳)

حضرت نوحؑ نے کہا: اے میرے رب! میری قوم نے میری نافرمانی کی اور اس شخص کی اتباع کی جس کو اس کے مال اور اولاد نے سوائے خسارے کے کچھ فائدہ نہیں پہنچایا۔ (یعنی اپنے مالداروں کا کہا مانا) اور انہوں نے بڑے مکروفریب سے کام لیا اور کہا کہ ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ ہی ودٗ سواعٗ یغوثٗ یعوق اور نسر کو چھوڑنا۔''

صحیح البخاری' تفسیر ابن کثیر اور فتح القدیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین سے روایت ہے کہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے پنج تن پاک کے نام ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ ان بزرگوں کو اتنی شہرت ملی کہ عرب میں بھی ان کی پوجا ہوتی رہی۔ چنانچہ بابا ود دومۃ الجندل میں قبیلہ بنوکلب کا معبود تھا۔ بابا سواع سمندر کے ساحل پر آباد قبیلہ ہذیل کا بت تھا۔ بابا یغوث بلقیس کے شہر سبا کے پاس جوف کے مقام پر بنومراد اور بنوغطیف کا معبود تھا۔ بابا یعوق ہمدان قبیلہ کا اور بابا نسر حمیر قوم کے قبیلہ ذوالکلاع کا بت تھا۔ ❶

غرضیکہ جب یہ نیک بخت باپے فوت ہوگئے تو ابلیس نے ان کے عقیدت مندوں سے کہا کہ ان بزرگوں کی مورتیاں اور تصویریں بنا کر اپنے گھروں میں نصب کرلو تا کہ ان کی یاد تازہ رہے، اور ان کے تصور کی طفیل تم بھی ان کی طرح نیک عمل کر سکو۔ جب یہ مورتیاں اور تصویریں بنا کر رکھنے والی قوم مرچکی تو ابلیس نے ان کی نسلوں کو یہ کہہ کر ان تصویروں اور مورتیوں کی عبادت پر لگا دیا کہ تمہارے آباؤ اجداد تو ان کی پوجا کرتے تھے، جن کی تصویریں اور مورتیاں تمہارے گھروں اور دکانوں میں نصب ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان کی عبادت شروع کردی۔ ❷

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

قَالَتْ لَمَّا اشْتَكَى النَّبِيُّ ﷺ ذَكَرَ بَعْضُ نِسَائِهِ كَنِيسَةً رَأَيْنَهَا بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ يُقَالُ لَهَا مَارِيَةُ وَكَانَتْ أُمُّ سَلَمَةَ وَأُمُّ حَبِيبَةَ أَتَتَا أَرْضَ الْحَبَشَةِ فَذَكَرَتَا عَنْ حُسْنِهَا وَ تَصَاوِيرَ فِيهَا فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ أُولَئِكَ إِذَا مَاتَ مِنْهُمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا ثُمَّ صَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ أُولَئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللَّهِ وَفِي رِوَايَةِ مُسْلِمٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. ❸

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مرض الموت میں بیمار ہوئے تو آپ ﷺ کی بعض بیویوں (ام سلمہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہما) نے آپ کے پاس ایک گرجا کا ذکر کیا جس کا نام ماریہ تھا جو انہوں نے حبشہ کے ملک میں دیکھا تھا۔ یہ دونوں بیبیاں ہجرت کی غرض سے حبشہ کے ملک گئی تھیں۔ انہوں نے اس گرجا کی

❶ صحیح البخاری تفسیر سورۃ نوح ج۲ ص ۷۳۲' تفسیر ابن کثیر ج۴ اور تفسیر فتح القدیر ج۵ سورۃ نوح۔

❷ صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ نوح ج۲ ص ۷۳۲۔

❸ صحیح البخاری باب بناء المسجد علی القبر ج۱ ص ۱۷۹ و صحیح مسلم ج۱ ص ۲۰۱۔

خوبصورتی اور اس میں رکھی ہوئی تصویروں کا حال بیان کیا۔ آپ ﷺ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا: ان لوگوں کا قاعدہ تھا کہ جب ان میں کوئی صالح شخص فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد تعمیر کرتے اور اس کی تصویر اس مسجد میں رکھتے۔ یہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے۔"

صحیح مسلم میں حضرت جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپؐ نے فرمایا:

اَلَا وَاِنَّ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ کَانُوْا یَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِیَآئِهِمْ وَصَالِحِیْهِمْ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوْا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّیْ اَنْهَاکُمْ عَنْ ذَالِكَ . ❶

خبردار! تم سے پہلی قوموں نے اپنے انبیاء اور صلحاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تھا۔ تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا، میں تم کو سختی کے ساتھ اس شرکیہ کام سے منع کرتا ہوں۔

ان احادیثِ صحیحہ اور تفسیری تصریحات سے یہ حقیقت کھلی کہ پہلے پہل قبر پرستی (بت پرستی) کی ابتدا قوم نوح علیہ السلام کے پنجتن پاک (ودّ سواع یغوث یعوق اور نسر) کی وفات کے بعد بتدریج شروع ہوئی۔ شیطان کی فہمائش پر پہلے ان بزرگوں کی مورتیاں اور تصویریں گھڑی گئیں اور یادگار کے طور پر گھروں میں نصب اور دکانوں میں آویزاں کی گئیں جب یہ مورتیاں اور تصویریں بنانے والے مر گئے تو ان کی نسل نے ان کی پوجا شروع کر دی۔ اور آج یہ فتنہ خانقاہی نظام کی منزلیں طے کرتے کرتے ملنگوں تلنگوں اور بدحرام مجاوروں کا معاشی نظام اور عیاشی اور فحاشی کے اڈے بن چکا ہے۔ والی اللہ المشتکی۔

یارب عطا کر دے بصارت بھی بصیرت بھی مسلماں جا کے لٹتا ہے سوادِ خانقاہی میں

صحیح حدیث پر رائے کو مقدم کرنے والا گمراہ ہے

سوال: سنت ثابتہ (صحیح حدیث) پر رائے کو مقدم کرنے والا آپ کے نزدیک کیسا مسلمان ہے؟ کتاب و سنت کی رو سے فتویٰ درکار ہے۔ (سائل: محمد صدیق انصاری غلام محمد آباد شہر فیصل آباد)

جواب: یہ چیز نصف النہار کی طرح روشن ہے کہ حدیث قرآن کی تشریح، تفسیر اور اس کا مصدر ثانی ہے، اور یہ بھی متفق علیہ ہے کہ نص پر اعتماد کیا جائے اور نص (واضح حکم) کو ہر اس چیز پر ترجیح دی جائے اور مقدم رکھا جائے جو اس کے سوا ہے، پس جب کسی مسئلہ کے بارے میں نص موجود ہو تو اس سے تمسک کرنا شرعاً واجب ہے اور تمسک نہ کرنے والا حدودِ شرعیہ کو پھلانگ جانے والا ہوگا۔

امام شافعی کا دوٹوک فیصلہ:

اِذَا کَانَ لِلّٰهِ فِی الْوَاقِعَةِ حکمٌ فَعَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ اِتِّبَاعُهٗ . ❷

❶ صحیح مسلم باب النهی عن بناء المسجد علی القبور و اتخاذ الصور فیها ج۱ ص ۲۰۱.

❷ ثمینة مفتاح الجنة ص ۲۰۵.

جب حتمی طور پر حکم اللہ کا ہی ہے تو پھر اس کی اتباع بھی ہر ایک مسلمان پر واجب ہے۔
قرآن کی نصوص' احادیثِ رسولؐ اور سلف صالحین کے آثار و اقوال بھی اسی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المائدہ:٤٤)

جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلہ نہ کریں وہ پورے اور پکے کافر ہیں۔

﴿وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (المائدہ:٤٥)

اور جو شخص اللہ کے نازل کئے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی لوگ ظالم ہیں۔

﴿وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (المائدہ:٤٥)

اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ سے ہی فیصلہ نہ کریں وہ بدکار فاسق ہیں۔

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۝﴾

(الحجرات:١)

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔''

تشریح:

جب اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے کسی بات کو دین کا حصہ قرار نہیں دیا تو تم اس کو دین کا جز کیوں ٹھہراتے ہیں؟ جب ان دونوں نے کسی چیز کا حکم صادر نہیں فرمایا تو تم اسے کیوں صادر کرتے ہو؟ جب اللہ اور رسولؐ نے کوئی فتویٰ نہیں دیا تو آپ کیوں دیتے ہو؟ جب اللہ اور رسولؐ نے کسی چیز کو نہیں توڑا تو تم اسے کیوں توڑتے ہو؟

سنت کی روشنی میں:

(۱)......عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَأْیِهٖ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ قَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ ۔ ❶

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس آدمی نے قرآن کے بارے میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی تو چاہیے کہ وہ اپنا گھر جہنم میں بنالے۔''

(۲)......عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَأْیِهٖ فَاَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ ۔ ❷

---

❶ جامع الترمذی' مشکوٰۃ، ص ٣٥۔

❷ عون المعبود ج ۔ مشکوٰۃ کتاب العلم، ص ٣٥۔

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کی کتاب کے متعلق کوئی بات اپنی رائے سے کہی اگر چہ وہ صحیح ہو تب بھی اس نے غلطی کی۔"

(۳)......عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَمْ يَزَلْ أَمْرُ بَنِي إِسْرَائِيلَ مُعْتَدِلًا حَتّٰى فِيهِمْ أَبْنَاءُ سَبَايَا الْأُمَمِ فَأَفْتَوْا بِالرَّأْيِ فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا۔ قَالَ يَحْيَى بْنُ الْقَطَّانِ أَسْنَادُهُ حَسَنٌ۔ (مجمع الزوائد)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بنی اسرائیل کی دینی شیرازہ بندی اس وقت تک قائم رہی جب تک ان میں امت کی لونڈیوں کے بیٹوں نے جنم نہیں لیا۔ لہٰذا جب وہ پیدا ہوئے تو انہوں نے اپنی رائے سے فتوے جاری کیے تو وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کر ڈالا۔"

(۴)......عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ أَفْتٰى بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهُ عَلٰى مَنْ أَفْتَاهُ۔ ❶

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کہ جو کوئی فتویٰ بغیر علم کے دیا گیا تو اس فتویٰ کا گناہ اس مفتی پر ہوگا جس نے اس کو فتویٰ دیا۔"

(۵)......عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ علم کا اٹھالیا جانا اس طرح ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لٰكِنْ يُقْبَضُ الْعِلْمُ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰى إِذَا لَمْ يَبْقَ عَالِمًا اتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا جُهَّالًا فَسُئِلُوْا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَأَضَلُّوْا۔ ❷

لیکن اللہ تعالیٰ علماء کی موت سے علم کو قبض فرمائے گا۔ یہاں تک کہ جب کسی عالم کو باقی نہیں رکھے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار پکڑیں گے، پس ان سے مسائل پوچھے جائیں گے وہ بے علمی سے فتوے دیں گے، پس خود گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(۶) ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے گمراہ ہونے کے جو اسباب ہیں وہ دین میں بدعات کی ایجاد ہے، اور سبب نص صریح کے مقابلہ میں اپنی رائے کو ترجیح دینا ہے۔ امام ابوبکر ابن العربی مالکی نے اپنی کتاب "العواصم من القواصم" میں اسی سبب کی طرف اشارہ کیا ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حسب ذیل حدیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: تَعْمَلُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ بُرْهَةً بِكِتَابِ اللّٰهِ ثُمَّ تَعْمَلُ بُرْهَةً بِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ثُمَّ تَعْمَلُ بُرْهَةً بَعْدَ ذٰلِكَ بِالرَّأْيِ فَإِذَا عَمِلُوْا بِالرَّأْيِ فَقَدْ ضَلُّوْا۔ ❸

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ امت کچھ عرصہ تو کتاب اللہ پر عمل پیرا رہے گی بعد ازاں کچھ وقت رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرے گی، پھر اس کے بعد اپنی رائے کی پیروی کرے گی۔ جب اس نے اپنی رائے پر عمل کیا تو

---

❶ الحدیث رواہ ابوداؤد مشکوٰۃ، ص ۳۵۔ ❷ متفق علیہ۔ مشکوٰۃ کتاب العلم فصل اول۔

❸ مفتاح الجنۃ ص ۲۰۸۔

پھر یقیناً گمراہ ہو جائے گی۔"

اقوال صحابہ کی روشنی میں:

(۱) جناب میمون بن مہران تابعی کا بیان ہے:

كَانَ اَبُوْبَكْرٍ اِذَا وَرَدَ عَلَيْهِ الْخَصْمُ نَظَرَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ وَجَدَ فِيْهِ مَا يَقْضِي بَيْنَهُمْ قَضٰى بِهٖ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِي الْكِتَابِ وَعَلِمَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ سُنَّةً قَضٰى بِهٖ فَاِنْ اَعْيَاهُ خَرَجَ يَسْئَلُ الْمُسْلِمِيْنَ فَرُبَّمَا اِجْتَمَعَ عَلَيْهِ النَّفَرُ كُلُّهُمْ بِذِكْرٍ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْهِ قَضَآءً فَيَقُوْلُ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِيْنَا مَنْ يَحْفَظُ عَلٰى نَبِيِّنَا فَاِنْ اَعْيَاهُ اَنْ يَجِدَ فِيْهِ سُنَّةً مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ جَمَعَ رَؤُسَ النَّاسِ وَ خِيَارَهُمْ فَاسْتَشَارَهُمْ فَاِذَا اجْتَمَعَ رَائُيُهُمْ عَلٰى اَمْرٍ قَضٰى بِهٖ . ❶

جب حضرت ابوبکر ﷛ کے پاس جب کوئی مقدمہ آتا تو پہلے وہ اس کا حل قرآن میں تلاش فرماتے، اگر اس میں پاتے تو قرآن ہی سے اس کا فیصلہ کرتے ورنہ رسول اللہ ﷺ کی راہنمائی کی تلاش کرتے۔ اگر اس میں کامیابی نہ ہوتی تو پھر صحابہ کا اجلاس بلاتے اور فرماتے کہ میں فلاں مسئلہ میں الجھ گیا ہوں، لہٰذا اگر تم اس میں میری کوئی راہنمائی کر سکتے ہو تو ضرور کرو۔ اور مجھے رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث بتلاؤ تاکہ میں اس کے مطابق فیصلہ کر سکوں۔ اگر کسی کے پاس کوئی حدیث ہوتی تو وہ بتا دیتا، بصورت دیگر ان سے مشورہ کرنے کے بعد جس رائے پر تمام صحابہ کا اتفاق ہوتا اس کے مطابق فیصلہ صادر فرماتے۔

(۲) فاروق اعظم ﷛ جب منبر پر جلوہ آرا ہوتے تو برملا فرماتے:

اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ الرَّأْيَ اِنَّمَا كَانَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَحْيًا لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُرِيْهِ وَاِنَّمَا هُوَ مِنَّا الظَّنُّ وَالتَّكَلُّفُ . ❷

حضرات! جو اللہ کے رسول ﷺ کی رائے ہے وہ تو یقیناً وحی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کو دکھا دیتا تھا۔ لیکن ہماری جو رائے ہے وہ محض ظن اور تکلف ہے۔

(۳) ان کا دوسرا قول یہ بھی ہے:

اِيَّاكُمْ وَاَصْحَابَ الرَّأْيِ فَاِنَّهُمْ اَعْدَاءُ السُّنَنِ اَعْيَتْهُمُ الْاَحَادِيْثُ اَنْ يَحْفَظُوْهَا فَقَالُوْا بِالرَّأْيِ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا . ❸

آپ لوگ اصحاب الرای سے ضرور بچ کر رہیں کیونکہ وہ سنتوں کے دشمن ہیں۔ ان کو احادیث رسول ﷺ نے تھکا

❶ سنن دارمی۔ الانصاف شاہ ولی اللہ ص۳۸۔
❷ اعلام الموقعین و مفتاح الجنۃ۔
❸ الرسالہ بحوالہ مفتاح السنۃ ص ۲۰۹۔

دیا۔ تو انہوں نے اپنی رائے پر عمل کیا، پس خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔

(۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصریح:

لَوْ كَانَ الدِّيْنُ بِالرَّأْيِ فَكَانَ اَسْفَلُ الْخُفِّ اَوْلٰى بِالْمَسْحِ مِنْ اَعْلَاهُ. ❶

''اگر دین کی اساس رائے ہوتی تو موزوں پر مسح اوپر کے بجائے نیچے کرنا بہتر ہوتا۔''

(۵) امام شافعی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے انگوٹھے کی دیت کے پندرہ اونٹ مقرر کیے، جو اس کے ساتھ ملی ہے اس کے دس، وسطیٰ کے دس اور جو چھنگلی کے ساتھ والی ہے اس کے نو اور چھنگلی کے چھ۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ اس کا سبب یہ ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سمجھنے میں سہو ہو گیا تھا کیونکہ پھر جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے جناب عمرو بن حزم کی کتاب دیکھی جو یقیناً رسول اللہ ﷺ کی لکھوائی ہوئی تھی تو اس میں لکھا تھا کہ ہر ایک انگلی کی دیت دس دس اونٹ ہے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی طرف رجوع کرتے ہوئے اپنی رائے واپس لے لی۔ دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہاتھ کی دیت پچاس اونٹ مقرر فرمائی ہے، اور ہاتھ بھی اصل میں وہ ہے کہ جس کی پانچ انگلیاں فرق فرق پر ہوں ورنہ دیت میں بھی فرق آئے گا۔

امام محمد بن مسلم بن شہاب زہری کا بیان ہے:

دَعُوا السُّنَّةَ تَمْضِي لَا تَعَرَّضُوا لَهَا بِالرَّأْيِ.

سنت رسول ﷺ کو اپنے حال پر چھوڑ دو کہ جاری رہے اور اس کے مقابلہ میں کسی کی رائے مت پیش کرو۔

حضرت ایوب سختیانی سے کسی نے سوال کیا کہ آپ رائے سے گریزاں کیوں ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا:

قِيْلَ لِلْحِمَارِ لَا تَجْتَرُّ قَالَ اَكْرَهُ مُضْغَ الْبَاطِلِ.

گدھے کو کہا گیا کہ تو جگالی کیوں نہیں کرتا تو اس نے جواب دیا کہ میں باطل کو چبانا پسند نہیں کرتا۔

حاصل مطلب یہ کہ بدعت اسی وقت جنم لیتی ہے جب کہ آدمی نص کے مقابلہ میں اپنی یا کسی دوسرے کی رائے کو سامنے لاتا ہے، اور پھر جس طرح رائے عام ہوتی جاتی ہے، بدعت کا حدود اربعہ بھی وسیع ہوتا چلا جاتا ہے اور نوبت بایں جا رسید کہ لوگ سنتوں سے بدکتے ہیں اور بدعات کو گلے لگانے لگ جاتے ہیں' جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔

اور یہ بھی یاد رہے کہ ہم اس رائے کی مذمت کر رہے ہیں جو قرآن کی نصوص اور احادیث صحیحہ ثابتہ پر مقدم سمجھی جاتی ہے۔

گستاخ رسول ﷺ فی الفور واجب القتل ہے

سوال (۱): میں نے اصغر مسیحی بن باغ مسیحی کے ساتھ اسلام کی حقانیت کے حوالہ سے بات کی اور اس کو قبولِ اسلام کی دعوت دی، اس نے مجھے کہا: جس کی نبوت کو تسلیم کرنے کی دعوت دے رہے ہو وہ بھی کوئی نبی ہے؟ جس کی لاش بغیر جنازہ

❶ مفتاح السنة ۲۰۹.

تین دن پڑی رہی، اس کے بعد اس کو بانسوں دھکیل کر گڑھے کے اندر دبا دیا گیا۔ (نعوذ باللہ من ذلك) مذکورہ شخص کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا، اب عیسائی پادریوں کے وفود اس شرط پر اس کی معافی کے لیے آ رہے ہیں کہ وہ یہ گاؤں ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے گا۔ کیا ہم قرآن وسنت کی روشنی میں مذکورہ شرط پر اصغر مسیحی کو معافی دے سکتے ہیں یا نہیں؟

نوٹ: اس موقعہ پر مندرجہ ذیل آدمی بھی موجود تھے، نصیر احمد ولد حاجی محمد شریف' عبدالغفور ولد سراج الدین' احمد طارق ولد محمد صادق فوجی' محمد منشا ولد محمد علی' محمد حسین ولد محمد علی (سائل: محمد انور ولد جان محمد ضلع قصور)

بعون الوهاب الجواب ومنه الصدق والصواب اقول وبالله التوفيق و بيده ازمة التحقيق:

بشرط صحت سوال واضح ہو کہ جو شخص چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر، حربی ہو یا ذمی، رسول اللہ ﷺ کو گالی دیتا ہے یا آپ کی تنقیص کرتا ہے، آپ کی جلالت قدر کی تحقیر کرتا ہے، آپ کی شان کا مذاق اڑاتا ہے، آپ کی شان ذی شان کی گستاخی کرتا ہے یا آپ کی سیرت طیبہ کے کسی گوشے کو ہدف تنقید ٹھہراتا ہے، غرضیکہ آپ کے بارے میں توہین آمیز رویہ اختیار کرتا ہے اور ہرزہ سرائی کا مرتکب ہوتا ہے تو ایسا بدبخت انسان ننگا چٹا کافر' مرتد اور زندیق اور توبہ کی مہلت دیئے بغیر واجب القتل ہے اور اسلامی حکومت کا اولین فرض ہے کہ فی الفور اس کا سر قلم کر دے، جمہور علماء امت اور ماہرین شریعت کا اس پر اجماع ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تصریح فرماتے ہیں:

اَنَّ مَنْ سَبَّ النَّبِیَّ ﷺ مِنْ مُسْلِمٍ اَوْ کَافِرٍ فَاِنَّهٗ یَجِبُ قَتْلُهٗ هٰذَا مَذْهَبُ عَامَّةِ اَهْلِ الْعِلْمِ قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ اَجْمَعَ عَوَامُّ اَهْلِ الْعِلْمِ عَلٰی اَنَّ حَدَّ مَنْ سَبَّ النَّبِیَّ ﷺ اَلْقَتْلُ وَمِمَّنْ قَالَهٗ مَالِكٌ وَاللَّیْثُ وَاَحْمَدُ وَ اِسْحَاقُ وَ هُوَ مَذْهَبُ الشَّافِعِیِّ وَ حَکٰی اَبُوْبَکْرٍ الْفَاسِیُّ مِنْ اَصْحَابِ الشَّافِعِیِّ اِجْمَاعُ الْمُسْلِمِیْنَ عَلٰی اَنَّ حَدَّ مَنْ سَبَّ النَّبِیَّ ﷺ اَلْقَتْلُ وَقَالَ مُحَمَّدُ ابْنُ سَحِنُوْنَ الْمِصْرِیُّ اَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰی اَنَّ شَاتِمَ النَّبِیِّ ﷺ وَالْمُتَنَقِّصَ لَهٗ کَافِرٌ وَ الْوَعِیْدُ جَاءَ عَلَیْهِ بِعَذَابِ اللّٰهِ لَهٗ وَحُکْمُهٗ عِنْدَ الْاُمَّةِ الْقَتْلُ وَمَنْ شَكَّ فِیْ کُفْرِهٖ وَعَذَابِهٖ کُفْرٌ ۔ ❶

تمام اہل علم کا مذہب اور فتویٰ ہے کہ جو شخص خواہ وہ مسلمان ہو یا ذمی (جیسے عیسائی' یہودی اور مجوسی وغیرہ) ہو رسول اللہ ﷺ کو گالی بکتا ہے اس کو (توبہ کی مہلت دیئے بغیر) قتل کر دینا شرعاً واجب ہے۔ امام ابن منذر فرماتے ہیں کہ تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کو سب وشتم کرتا ہے اس کی حد قتل کرنا ہی ہے، امام مالک' امام لیث' امام احمد اور امام اسحٰق رحمہم اللہ نے بھی اسی بات کو اختیار کیا ہے اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔

ابوبکر فاسی (جن کا شمار ائمہ شوافع میں ہے) نے اپنی کتاب ''الاجماع'' میں نقل کیا ہے کہ شاتم رسول اللہ ﷺ کی حد بیان کرتے ہوئے الشیخ محمد بن سحنون مصری نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ علمائے اسلام کا اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو گالی

❶ الصارم المسلول ص ٤ وتوہین رسالت کی شرعی سزا ص ١٤۔

دینے والے کے لیے شریعت میں سخت ترین سزا کی وعید وارد ہے، امتِ مسلمہ کے نزدیک اس کا شرعی حکم قتل ہی ہے، جو آدمی ایسے بدنصیب کے کفر اور اس کے لیے عذاب میں شک وشبہ کا اظہار کرے وہ بھی کافر ہے۔

امام احمد بن حنبل توضیح فرماتے ہیں:

كُلُّ مَنْ شَتَمَ النَّبِيَّ ﷺ اَوْ تَنَقَّصَهُ مُسْلِمًا كَانَ اَوْ كَافِرًا فَعَلَيْهِ الْقَتْلُ وَاَرَى اَنْ يُقْتَلَ وَلَا يُسْتَتَابَ. ❶

کہ جو آدمی چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر، اگر وہ نبی ﷺ کو گالی دیتا ہے یا ان کی تنقیص کرتا ہے، اس کا سر قلم کر دینا واجب ہے اور میری (احمد کی) رائے تو یہ ہے کہ اس کو توبہ کا موقع نہ دیا جائے بلکہ فی الفور اس کی گردن اڑا دی جائے۔

علامہ شامی حنفی رقمطراز ہیں:

كُلُّ مُسْلِمٍ اِرْتَدَّ فَتَوْبَتُهُ مَقْبُوْلَةٌ اِلَّا جَمَاعَةٌ مَنْ تَكَرَّرَ رِدَّتُهُ عَلٰى مَا مَرَّ وَالْكَافِرُ لِسَبِّ نَبِيٍّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ فَاِنَّهُ يُقْتَلُ حَدًّا وَلَا تُقْبَلُ تَوْبَتُهُ مُطْلَقًا. ❷

ہر وہ مسلمان جو مرتد ہو جاتا ہے تو اس کی توبہ قبول ہوتی ہے، مگر وہ ٹولہ جن کا ارتداد مکرر (بار بار) ہو ان کی توبہ قبول نہیں ہوتی، اور جو آدمی انبیاء میں سے کسی ایک نبی کو گالی دینے کی وجہ سے کافر ہو جائے اس کا سر قلم کر دیا جائے گا اور کسی حالت میں بھی اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، امام احمد بن حنبل، ابن نجیم مصری اور علامہ شامی حنفی جیسے فقہائے اسلام کی ان تصریحات سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دینا اور آپ ﷺ کی توہین و تنقیص کرنا اور آپ کا مذاق اڑانا اور آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے کسی گوشہ کو ہدف تنقید بنانا وغیرہ اور آپ کی نعش مبارک کے متعلق گستاخی آمیز جملے بکنا وغیرہ اتنا سنگین جرم ہے اگر بالغرض کوئی نشئی شخص بھی رسول اللہ ﷺ کو گالی دے گا یا آپ ﷺ کی توہین یا آپ کو حقیر سمجھے گا تو اس کا بھی سر قلم کر دیا جائے گا جیسا کہ فقیہ شامی لکھتے ہیں: وفي الاشباه والنظائر لَا تَصِحُّ رِدَّةُ السُّكْرَانِ اِلَّا الرِّدَّةَ لِسَبِّ النَّبِيِّ ﷺ فَاِنَّهُ يُقْتَلُ وَلَا يُعْفٰى عَنْهُ. ❸

اشباہ میں ہے کہ نشہ میں دھت آدمی کے ارتداد کا اعتبار نہیں تاہم اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے کی وجہ سے مرتد ہو جاتا ہے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کے جرم کو معاف نہیں کیا جائے گا۔

محقق العصر السید محمد سابق المصری ارقام فرماتے ہیں:

يُنْقَضُ عَهْدَ الذِّمَّةِ بِالْاِمْتِنَاعِ عَنِ الْجِزْيَةِ ...... اَوْ ذَكَرَ اللّٰهَ اَوْ رَسُوْلَهُ اَوْ كِتَابَهُ اَوْ دِيْنَهُ بِسُوْءٍ

---

❶ الصارم المسلول ص ٥.
❷ رد المحتار ج٤ ص ٢٢١.
❸ ردالمحتار ج٤ ص ٢٢٤.

فَإِنَّ هٰذَا ضَرَرٌ يَعُمُّ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ أَنْفُسِهِمْ وَأَعْرَاضِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ وَأَخْلَاقِهِمْ وَ دِيْنِهِمْ . ❶

ذمی آدمی (جیسے یہ مسیحی) جزیہ دینے سے رک جائے یا قاضی اسلام کے حکم کی پابندی نہ کرے یا کسی مسلمان کو قتل کر دے یا اس کو دینی فتنہ میں مبتلا کر دے یا مسلمان عورت سے زنا کرے یا اس کے ساتھ نکاح کر لے یا لواطت کا مرتکب ہو جائے یا ڈاکہ ڈالے یا مسلمانوں کی جاسوسی کرے یا کسی جاسوس کو پناہ دے یا اللہ کو یا اس کے رسول ﷺ کو قرآن مجید کو یا دین اسلام کو بُرے الفاظ کے ساتھ یاد کرے تو ان صورتوں میں اس کا عہد ذمہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ ان تمام جرائم کا عمومی نقصان تمام مسلمانوں کے مال و جان و آبرو اخلاق اور دین کو پہنچتا ہے۔

الشیخ موصوف لکھتے ہیں:

قِيْلَ لِابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَاهِبًا يَشْتُمُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ لَوْ سَمِعْتُهُ لَقَتَلْتُهُ إِنَّا لَمْ نُعْطِهِ الْأَمَانَ عَلٰى هٰذَا . ❷

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ اطلاع دی گئی کہ فلاں راہب رسول اللہ ﷺ کو گالی دیتا ہے تو آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر میں اس کو گالی دیتے ہوئے سن لیتا تو میں اس کی گردن مار دیتا کہ ہم نے اس کو رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کرنے کے لیے پناہ نہیں دی۔

الشیخ موصوف ایسے بدبخت کا حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَإِذَا انْتَقَضَ عَهْدُهٗ كَانَ حُكْمُهٗ حُكْمَ الْأَسِيْرِ فَإِنْ أَسْلَمَ حَرُمَ قَتْلُهٗ لِأَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا قَبْلَهٗ۔ ❸

جب ذمی کا عہد ذمہ ٹوٹ جائے تو یہ ذمی قیدی کے حکم میں ہوگا، اگر وہ اپنے جرم کی تلافی کے لیے مسلمان ہو جائے تو اس کو قتل کرنا حرام ہے، کیونکہ اسلام ماقبل کے گناہوں اور جرائم کو ختم کر دیتا ہے ورنہ اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کو توبہ کی مہلت نہیں دی جائے گی۔

اس طویل بحث و کرید کے مطابق یہ مسیحی شخص تو مہلت دیے بغیر واجب القتل ہے، الا یہ کہ وہ اسلام قبول کر لے مگر آپ یہ خوب جانتے ہیں کہ جنرل پرویز مشرف صاحب کی سوچ اور فکر و نظر کی بیٹری امریکہ اور برطانیہ سے چارج ہوتی ہے اور اس کی اسلام گریز پالیسیوں کی وجہ سے اس مسلمان ملک میں طاغوتی قوانین نافذ ہیں، لہٰذا ہماری عدالتیں ایسے گستاخ رسول ﷺ کو سزائے موت تو سنا سکتی ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرا سکتیں، اس لیے اس گستاخ رسول کو اپنے گاؤں سے ہمیشہ کے لیے نکال دیں اور اس کی سزا کا مسئلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں کیونکہ جس گستاخ رسول ﷺ کو کیفر کردار تک پہنچانے سے مسلمان قاصر ہوں تو اللہ تعالیٰ اس سے خود انتقام لے لیتا ہے اور اپنے رسول کی نصرت و یاوری فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ کی یہی سنت چلی آ رہی ہے جیسا کہ فرمایا:

---

❶ فقه السنة ج۳ ص۷۳۔ ❷ فقه السنة ج۳ ص۷۳۔ ❸ فقه السنة ج۳ ص۷۳۔

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ۝﴾ (الحجر: ۹۴ تا ۹۵)
پس آپ اس حکم کو جو آپ کو کیا جا رہا ہے کھول کر سنا دیجئے اور مشرکوں سے منہ پھیر لیجئے! آپ سے جو لوگ مسخرہ پن کرتے ہیں ان کی سزا کے لیے ہم کافی ہیں۔

حدیث قدسی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ عَادٰلِی وَلِیًّا فَقَدْ بَارَزَنِی بِالْمُحَارَبَةِ . ❶

کہ جس شخص نے میرے ولی سے عداوت رکھی اس نے میرے ساتھ اعلان جنگ کیا۔

اور گستاخان انبیاء کی ہلاکتوں اور بربادیوں کے عبرت آموز واقعات قرآن مجید میں بکثرت موجود اور وارد ہیں، تفصیل کی اب مزید حاجت ہے اور نہ گنجائش۔

فیصلہ:

یہ اصغر نامی مسیحی شخص اگر واقعی گستاخی رسول کا مرتکب ہوا ہے تو اس کی شرعی سزا توبہ کی مہلت دیئے بغیر قتل ہی ہے اور اس پر فقہاء مذاہب اربعہ اور تمام محدثین کا اجماع اور اتفاق ہے۔

هذا ما عندي والله تعالى اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب في يوم الحساب۔

گستاخ رسول ﷺ کی شرعی سزا کے متعلق چند سوال اور جواب

﴿سوال﴾: ڈنمارک اور ناروے کے حکمرانوں نے کہا ہے کہ قرآن قتل انسانی سے منع کرتا ہے اور لہٰذا گستاخانہ خاکوں کے کارٹونسٹوں کے قتل کا مطالبہ قرآن کے احکام سے مطابقت نہیں رکھتا۔ کیا ان حکمرانوں کا یہ موقف صحیح ہے؟

﴿سوال﴾: کیا رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے کسی گستاخ رسول کو قتل کروایا ہے؟

﴿سوال﴾: مسلمانانِ عالم تحریک تحفظ ناموس رسالتمآب ﷺ کے سلسلہ میں جو مختلف انداز میں سراپا احتجاج ہیں کیا یہ مظاہرے، دھرنے، جلوس، شرعاً جائز ہیں؟

﴿سوال﴾: آپ کے نزدیک اس نازک اور شرعی مسئلہ کا کامیاب حل کیا ہے۔ (سائل: عبدالرحمٰن چک ۴۳۴ گ ب سمندری)

﴿جواب﴾ بعون الله والوهاب و منه الصدق و الصواب:

ڈنمارک اور ناروے کے ان حکمرانوں کا یہ موقف از سر تا پا غلط ہیں، قرآن بلاشبہ ناحق قتل انسانی سے نہ صرف سخت منع کرتا ہے بلکہ اس کی روک تھام کے لیے قصاص کا قانون بھی پیش کرتا ہے۔ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ کا مژدہ بھی سناتا ہے۔ مگر یہ حکم اور قانون علی الاطلاق نہیں بلکہ مشروط ہے، یعنی جب کوئی فرد قرآن کی توہین کرتا ہے یا حامل قرآن کی گستاخی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ایذا پہنچاتا ہے یا دین اسلام پر طعنہ زنی کرتا ہے تو وہ قرآن کے احکام اور نصوص کے مطابق واجب قتل ہے۔ جیسا کہ ائمہ کفر، سرکش معاندین اسلام، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے گستاخ

❶ الصارم المسلول ص ۱۶۱۔

انسانوں کو قرآن واجب القتل اور مباح الدم قرار دیتا ہے، تفصیل کا یہ موقع ہے اور نہ فرصت۔ سرِ دست صرف دو آیات بطورِ نمونہ مشتے از خروارے پیشِ خدمت ہیں:

﴿وَإِنْ نَّكَثُوْا أَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِي دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ (التوبہ:۱۲)

اور اگر عہد کر کے یہ لوگ اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور تمہارے دین (اسلام) پر طعنہ زنی کریں (اسلام کی توہین یا قرآن یا رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کریں) تو کفر کے ان پیشواؤں سے جنگ لڑو۔"

امام المفسرین ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں:

أَيْ عَابُوْهُ اِنْتَقَصُوْهُ وَمِنْ هٰهُنَا أُخِذَ قَتْلُ مَنْ سَبَّ الرَّسُوْلَ ﷺ أَوْ مَنْ طَعَنَ فِيْ دِيْنِ الْإِسْلَامِ أَوْ ذَكَرَهُ بِنَقْصٍ . ❶

کہ جب کفر کے لیڈر اسلام میں عیب چینی کریں اور تنقیص کے مرتکب ہوں تو ان سے جنگ کرو۔

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جو بدباطن رسول اللہ ﷺ کو گالی دے یا اسلام پر طعن کرے یا اس میں نقص نکالے تو وہ نام نہاد مسلمان ہو یا کافر، مرد ہو یا عورت، مغربی ہو یا مشرقی، جنوبی ہو یا شمالی، لیڈر ہو یا حکمران بش ہو یا اس کے چیلے چانٹے واجب القتل مباح الدم اور اس کا قتل ہدر اور رائیگاں ہے۔

﴿فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ (التوبہ:۵)

"پھر جب امان کے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور پکڑو، ان کو ان کا گھیراؤ کرو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو۔ بالفاظِ دیگر ان کا جینا دوبھر کر دو۔"

امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

أَيْ مِنَ الْأَرْضِ وَهٰذَا عَامُ الْمَشْهُوْرِ تَخْصِيْصُهُ بِتَحْرِيْمِ الْقِتَالِ فِي الْحَرَمِ . ❷

کہ امان کے مہینوں کے بعد مشرکوں کو جہاں بھی پاؤ قتل کرنے میں دریغ نہ کرو، مگر مسجد حرام کے پاس جب تک وہ مسجد حرام کے پاس تم سے جنگ نہ کریں۔ ورنہ بصورتِ دیگر وہاں بھی ان کو تہہ تیغ کرو۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ ان مشرکوں سے صرف میدانِ جنگ میں لڑنا ہی کافی نہیں بلکہ جس طریقہ سے تم ان پر قابو پا کر انہیں قتل کر سکتے ہو قتل کرو۔ (تفسیر کبیر) قرآنِ مجید کی پہلی آیت سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ اگر کوئی ذمی شخص دینِ اسلام میں طعنہ زنی کا مرتکب ہوگا تو اس کا عہد ذمہ کالعدم ہو جاتا ہے اور اس سے جنگ لڑنے کا ہمیں حکم ہے، اور یہ امر ہر قسم کے شک وشبہ سے کہیں بالاتر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے سے بڑھ کر دینِ اسلام میں کوئی طعن نہیں۔ کیونکہ اس سے شریعت کی توہین اور اسلام کی ہتک ہوتی ہے۔

صاحبِ سیف وقلم امام ابن تیمیہ حرانی رقم طراز ہیں:

❶ تفسیر ابن کثیر سورۂ توبہ: ۱۲ ص ۳۴۶۔ ❷ تفسیر ابن کثیر ج ۲ آیت: ۵ ص ۳۴۳۔

إِنَّ الذِّمِّيَّ إِذَا سَبَّ الرَّسُوْلَ أَوْ سَبَّ اللّٰهَ أَوْ عَابَ الْإِسْلَامَ عَلَانِيَةً فَقَدْ نَكَثَ يَمِيْنَه وَطَعَنَ فِي دِيْنِنَا لَا خِلَافَ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ أَنَّهُ يُعَاقَبُ عَلٰى ذَالِكَ وَيُؤَدَّبُ عَلَيْهِ. ❶

اگر کوئی ذمی شخص اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کو گالی دے، یا علانیہ اسلام میں عیب نکالے تو اس نے اپنی قسم کو توڑ دیا اور ہمارے دین میں طعنہ زنی کا مرتکب ٹھہرا تو اس کو بلا کسی اختلاف اور نزاع کے سزا دی جائے گی اور اس کی تادیب کی جائے گی۔''

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ مزید رقم طراز ہیں:

وَأَمَّا الشَّافِعِيُّ فَالْمَنْصُوْصُ عَنْهُ نَفْسُهُ أَنَّ عَهْدَهُ يَنْتَقِضُ بِسَبِّ النَّبِيِّ ﷺ وَأَنَّهُ يُقْتَلُ. ❷

امام شافعی کے نزدیک نبی ﷺ کو گالی دینے سے معاہدہ ٹوٹ جاتا ہے، لہٰذا اگر ذمی رسول اللہ ﷺ کو گالی دے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔

امام ابن قیم ایک مقام پر بحث کرتے ہوئے تصریح فرماتے ہیں:

فِيْهَا تَعْيِيْنُ قَتْلِ السَّابِّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَإِنَّ قَتْلَهُ حَدٌّ لَا بُدَّ مِنِ اسْتِيْفَائِهِ فَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يُؤْمِنْ مَقِيْسَ بْنَ صَبَابَةَ وَابْنَ خَطَلٍ وَهَاتَيْنِ الْجَارِيَتَيْنِ وَأَهْدَرَ دَمَ أُمِّ وَلَدِ الْأَعْمٰى لَمَّا قَتَلَهَا سَيِّدُهَا لِأَجْلِ سَبِّهَا النَّبِيَّ ﷺ أَخْرَجَهُ أَبُوْدَاوٗدَ فِي الْحُدُوْدِ وَالنَّسَائِيُّ فِيْ تَحْرِيْمِ الدَّمِ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ سَنَدُهُ قَوِيٌّ. ❸

یہ طے اور معین ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے والے کی سزا قتل ہی ہے اور یہ تعزیر نہیں بلکہ حد ہے جس پر عمل کرنا فرض اور ضروری ہے کیونکہ نبی ﷺ نے مقیس بن ضبابہ، ابن خطل اور ان دو لونڈیوں کو جو رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرتی تھیں کو قتل کرا دیا (حالانکہ شریک جنگ کافروں کی عورتوں کو قتل کرنے کی شرعاً اجازت نہیں جیسے کہ بچوں کو قتل نہیں کیا جاتا)''

آخر میں ایک حدیث صحیح بھی پڑھتے چلیے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَيُقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ. ❹

کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کہ مجھے حکم ہوا کہ میں لوگوں سے اس وقت تک برسر پیکار اور معرکہ آراء رہا ہوں جب تک وہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی صدق دل سے گواہی نہ دیں اور نماز نہ پڑھیں اور زکوۃ دینے نہ لگ جائیں۔''

---

❶ الصارم المسلول ص ١٦. ❷ الصارم المسلول

❸ زاد المعاد ج٣ ص ٤٣٩ و ٤٤٠ وقال ابن حجر في بلوغ المرام رجاله ثقات.

❹ صحيح بخارى ج ١ ص ٨.

خلفائے راشدین اور صحابہ کا اجماع:

اس بات پر خلفائے راشدین اور تمام صحابہ کا اجماع ہے کہ گستاخ رسول واجب القتل اور مباح الدم اور اس کا قتل ہدر اور رائیگاں ہے، یعنی اس کے قصاص میں قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا چنانچہ امام ابن قیم رقم طراز ہیں:

هٰذَا اِجْمَاعٌ مِّنْ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ وَلَا يُعْلَمُ لَهُمْ فِي الصَّحَابَةِ مُخَالِف . ❶

ائمہ اربعہ کا فتویٰ:

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اپنی کتاب ''الصارم المسلول'' میں ارقام فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی ذات والا صفات کا گستاخ اور آپ لتے لینے والا اور گالی بکنے والا اگر چہ مسلمان ہو یا کافر بالاتفاق علمائے اسلام قتل کیا جائے گا اس میں کوئی بھی مخالف نہیں، ائمہ اربعہ مالک ابوحنیفہ' شافعی' احمد بن حنبل اور دوسرے ائمہ کا یہی مذہب اور فتویٰ ہے۔

قرآن مجید کی مذکورہ بالا دونوں آیات' حدیث رسول' خلفائے راشدین' تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین ائمہ اربعہ' اور سلف و خلف کی تفسیر اور توضیح سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے والا، دینِ اسلام میں عیب نکالنے والا اور قرآن کی توہین کرنے والا رسول اللہ ﷺ کے توہین آمیز خاکے چھاپنے والا کسے باشد مسلمان ہو یا کافر، مرد ہو یا عورت' واجب القتل اور مباح الدم ہے شیخ الاسلام امام تیمیہ وغیرہ محققین اور اسلامی قوانین کے غواص ایسے بدنصیب کو توبہ کی مہلت دینے کے بھی قائل نہیں۔ لہٰذا ڈنمارک' ناروے وغیرہ ملکوں کے حکمرانوں کے اس ادعاء میں قطعاً کوئی صداقت نہیں کہ قرآن مطلق انسانی قتل کے خلاف ہے۔ اگر انہوں نے اسلامی قوانین اور حدود کا مطالعہ کیا ہوتا تو اس مغالطے کا شکار نہ ہوتے۔ هذا ما عندي والله تعالى اعلم بالصواب

جواب سوال نمبر (۲): جی ہاں عبداللہ بن خطل اور اس کی ۲ لونڈیوں کو قتل کرا دیا تھا کہ وہ اپنے گیتوں میں رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرتی تھیں۔ اسی طرح حویرث بن نقید کو بھی آپ نے قتل کروا دیا تھا کہ وہ آپ کی ہجو کا مرتکب تھا۔ ❷ اسی طرح کعب بن اشرف یہودی کو قتل کرا دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کو ایذا دیتا تھا اور ہجو کرتا تھا ❸ اور ابورافع عبداللہ بن ابی الحقیق کو قتل کروا دیا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں بکتا اور آپ کے دشمنوں کا تعاون کرتا تھا۔ اسی طرح مقیس بن ضبابہ کو بھی آپ کے حکم سے قتل کیا گیا وغیرہ، غرضیکہ ایسے اور بھی بہت سے بدنصیب ہیں کہ جنہیں رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے کی پاداش میں قتل کر دیا گیا اور یہ عمل آج تک پیہم چلا آ رہا ہے۔

جواب سوال نمبر ۳: تحفظ ناموس رسالت کے لیے موجود جلوس' دھرنے' ہڑتالیں اور مظاہرے موجود جمہوری اور معروضی حالات میں شرعاً جائز لگتے ہیں مشہور عام صحیح حدیث ہے سے جواز کی حد تک ممکن لگتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ رَاٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَذَالِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَان . ❹

❶ زادالمعاد ج۳ ص۴۴۰.

❷ صحيح بخاری حاشيه نمبر۸ ص٦١٤.

❸ صحيح بخاری ج۲ ص٥٧٦.

❹ رواه مسلم عن أبي سعيد الخدري مشكوة ص ٤٣٦.

کہ تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے تو اس کو زور بازو کے ساتھ ختم کرے، اگر اس کے بازو میں اتنی طاقت نہ تو زبان کے ساتھ اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے، اور اگر صدائے احتجاج کی طاقت اور اجازت نہ ہو تو دل سے اس برائی کے ساتھ سمجھوتہ نہ کرے اور یہ کمزور ترین ایمان کی علامت ہے۔

اور یہ بات عیاں راچہ بیاں کی مکمل مصداق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات برکات کے انکار کے بعد رسول اللہ ﷺ کی ذات والاصفات کی گستاخی' اسلام اور قرآن کی توہین اور گستاخی اکبرالمکفرات اور تمام برائیوں سے بڑی برائی ہے۔

لہٰذا اس برائی کے خلاف مسلمانوں کا یہ احتجاج اور اشتعال و ہیجان ان کی قومی غیرت کا اظہار نہ صرف فطری اور طبعی امر ہے بلکہ روشن ضمیر مسلمانوں کے ایمان کی شناخت اور پہچان بھی ہے، اور یہ توہین آمیز خاکوں اور قرآن کی بے ادبی کے واقعات کوئی اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ یہ اس طے شدہ پالان کا حصہ ہیں جس کے ذریعہ اہل توحید کی اسلامی غیرت اور ملی جذبات کا جائزہ لینے کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ تاکہ بعدازاں اسلام اور مسلمانوں پر کاری ضرب لگا کر ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ یعنی یہ فری میسن اور صیہونی تحریک کی ابتدائی کاروائی لگتی ہے۔ لہٰذا ان توہین آمیز خاکوں کے خلاف اہل توحید' غیور مسلمانوں اور رسالت کے پروانوں کے یہ جلوس، دھرنے، ہڑتالیں اور مظاہرے چونکہ جمہوری دور میں صدائے احتجاج کے مختلف انداز اور مظاہر ہیں، اس لیے یہ نہ صرف شرعاً جائز ہیں بلکہ مسلمانوں کا ملی' شرعی' آئینی' قانونی اور اخلاقی فریضہ ہے اور بقائے باہمی کے اصولوں کے عین مطابق ہے مگر توڑ پھوڑ کے ہم حامی نہیں۔ یہ ملکی املاک کا اتلاف ہے جس کی تائید نہیں کی جا سکتی۔

جواب سوال نمبر۴: جیسا کہ ہم سوال نمبر۳ کے جواب میں لکھ چکے ہیں کہ امریکہ میں توہین قرآن کے دلدوز واقعات اور ڈنمارک اور دوسرے مغربی ممالک کی طرف سے بے لگام صحافت اور آزادیٔ اظہار رائے کے بہانہ رسول اللہ ﷺ کی توہین پر مبنی روح فرسا خاکے کوئی اتفاقی حادثہ نہیں۔ بلکہ امت مسلمہ کی اسلامی حمیت' دینی عصبیت' قومی غیرت اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت اور عقیدت شیفتگی وابستگی اور قرآن مجید کی صداقت اس کی تلاوت اور اس کے جہادی احکام کے ساتھ گرویدگی اور وارفتگی کی بنیادوں کی مضبوطی اور گہرائی کا جائزہ لینا مقصود ہے۔ اگر یہ بنیادیں کھوکھلی اور ناپائیدار ثابت ہوں تو مناسب وقت پر اپنی حربی قوتوں کو یکجا کر کے مسلمانوں پر کاری ضرب لگا کر اسلام اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے اوجھل اور نابود کر دیا جائے، یا پھر علی الاقل اسلام کے دونوں مرکزوں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ حفظہما اللہ پر قبضہ کر کے عالم اسلام اور دوسرے مسلم ملکوں کو اپنی نو آبادیات بنا لیا جائے۔ فری میسن اور صیہونی تحریکیں مسلمانوں کی بیخ کنی جیسے غیر انسانی اور ناپاک مقاصد کے حصول کے لیے انڈر گراؤنڈ سازشوں کا تانا بانا تیار کرنے میں شبانہ روز مصروف چلی آ رہی ہیں۔ اس تناظر میں یہ ہڑتالیں' دھرنے اور مظاہرے اپنی تمام تر افادیت کے باوجود اس ملی شرعی اور قومی مسئلہ کے مستقل اور پائیدار حل نہیں۔ اس لیے ہمارے نزدیک مستقل اور پائیدار حل کے لیے یکے بعد دیگر حسب ضرورت مندرجہ ذیل اقدامات اٹھانے لازمی اور ناگزیر ہیں۔

(۱)..... سب سے پہلے اقوام متحدہ کے تمام مسلمان ارکان اس قدر منظم اور بھرپور مطالبہ کریں کہ وہ اسلام سمیت رائج مذاہب' ان کی کتابوں کو ان کے انبیاء کے ناموس کے تحفظ کے لیے بین الاقوامی تعزیری قانون سازی پر مجبور ہو جائے۔

(۲)..... اگر اقوام متحدہ اس پر تیار نہ ہو تو سلامتی کونسل اور دوسرے بین الاقوامی اداروں پر دستک دی جائے، اگر وہاں بھی کامیابی نہ ہو تو پھر نہ صرف ان تمام اداروں کا بائیکاٹ کر کے امریکہ' ڈنمارک' ناروے اور ان کے حامی ملکوں کے سفارت خانے بند کر دیے جائیں اور اپنے سفیر واپس بلا کر ان سے کیے گئے تمام سیاسی' اقتصادی معاہدے کالعدم قرار دے کر اپنا الگ اسلامی بلاک اور تجارتی منڈی قائم کی جائے۔

(۳)..... ان ملکوں کو تیل کی سپلائی بند کر دی جائے اور عرب کے سرمایہ دار شیوخ اور دوسرے تمام مسلمان سرمایہ دار مغربی ملکوں کے بینکوں سے اپنا سرمایہ نکال کر اپنا بین الاقوامی اسلامی بنک قائم کر کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کریں۔ اللہ کا دیا ہمارے ہاں سب کچھ موجود ہے۔ یہ کوئی انہونا کام نہیں ضرورت صرف اسلامی عصبیت' دینی حمیت اور قومی غیرت اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غیر مشروط مگر مخلصانہ محبت اور توکل علی اللہ کی ہے۔ اللہ کے فضل سے دولت ہمارے پاس موجود' ڈاکٹر عبدالقدیر جیسے کہنہ مشق ایٹمی سائنسدان موجود بین الاقوامی شہرت کے مالک وکلاء' جج' سفراء اور دانشور' صحافی اور پالیسی ساز اور کہنہ مشق جنرل اور لاکھوں کی تعداد میں مسلم مسلح افواج' ایٹم بم اور میزائل موجود اور مزید تیار کرنے کی صلاحیت موجود۔ لہٰذا اقوام متحدہ کے مقابلہ میں مسلم امہ کے روشن مستقبل کے لیے مالی' جانی قربانی سے دریغ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر امت مسلمہ ایسا نہیں کرتی تو پھر مسلمان حکمران' فرمانروا' لیڈر جنرل اور سرمایہ دار یہ یاد رکھیں کہ ان کی ہوس اقتدار ان کی عیش وعشرت ان کو دنیا میں ذلت وخواری سے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ہرگز بچا نہ سکیں گی۔

کیونکہ اسلام کا فروغ استحکام ناموس رسول کے تحفظ کا کامیاب حل صرف جہاد فی سبیل میں مضمر ہے اور جہاد کے لیے اتحاد اور اسلامی بلاک کا قیام بعجلت تام از بس ضروری اور ناگزیر ہے۔ لہٰذا اسلامی بلاک بنا کر اپنے تمام مالی' سیاسی اور ایٹمی وسائل جمع کر کے جہاد فی سبیل اللہ کا اعلان کر دینا چاہیے۔ پھر دیکھیے اللہ کی نصرتیں اور مدد کس طرح غازیان فی سبیل اللہ کا استقبال اور قدم بوسی کرتی ہیں۔ إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ۔ ڈاکٹر اقبال بھی مسلمانان عالم سے یہی مطالبہ کرتے کرتے اللہ کو پیارے ہو گئے ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے کشمیر کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

اللهم اعز الاسلام والمسلمین حیثما کانوا مشارق الارض ومغاربها

ایں دعا از من و جملہ جہاں آباد (عفیف)

وادیم نشاں زگنج مقصود ترا ما گر نہ رسیدیم تو شاید برسی

اسلام اور قرآن مجید کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے

جناب فضیلۃ الشیخ مفتی عبیداللہ خان صاحب عفیف شیخ الحدیث جامعہ اہلحدیث چوک دالگراں لاہور

سوال : کیا فرماتے ہیں مفتیان دین اس مسئلہ میں کہ پروفیسر مسٹر محمد رفیق و مسز ثریا گورنمنٹ کالج لاہور نے طلباء کے لیے ایک کتابی نصابی طور پر لکھی ہے جس میں درج ذیل مسائل پر قرآن وحدیث کی صریحا مخالفت کی ہے (۱) نمازوں میں

اب بھی کی ہو سکتی ہے۔(۲) رسول اللہ ﷺ کا نظام اب فرسودہ ہو چکا ہے نئے نظامِ حیات کو اپنانا ہو گا۔(۳) نبی کریم ﷺ کو موسیقی وغیرہ پسند تھی۔(۴) قرآنی تعلیمات اصلی نہیں ہیں۔(۵) احادیث نبویہ ﷺ کو عمومی حیثیت دینا غلط ہے (۶) روزہ آج کے دور میں ضروری نہیں ہے۔(۷) من مرضی کے اجتہاد کی اجازت ہے۔(۸) دنیا آزمائش گاہ نہیں (۹) سور اتنے پلید نہیں جتنے سمجھے جاتے ہیں۔ہم کس کو خنزیر کہتے ہیں تو لوگ اچھے معانی نہیں لیتے۔سور کا گوشت عمدہ ترین غذا اور کئی بیماریوں کا علاج ہے (۱۰) سوروں کے بارے میں یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ وہ عام جانوروں سے چالاک، پھرتیلے اور بہادر ہوتے ہیں۔ان وجوہات کی بنا پر اگر کسی آدمی کی تعریف کرنا مقصود ہو تو اس کو سور کہنا ٹھیک ہے۔(۱۱) لوگوں کو شادی کے لیے تین سال کا معاہدہ کرنا چاہیے۔لڑکیوں اور لڑکوں کا اختلاط کسی خطرے کا موجب نہیں بلکہ قابل استحسان بات ہے۔کیا ایسے نظریات کا حامل انسان مسلمان ہو سکتا ہے یا نہیں؟ شریعتِ میں ایسے انسان کا کیا حکم ہے کہ مرتد ہے واجب القتل ہے اور اگر اپنے عقائد باطلہ سے رجوع کر لے تو کیا ان کی توبہ قبول ہو گی یا نہیں۔شرعی فتوئی صادر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(عبدالقیوم ظہیر شہزاد میڈیکل سٹور اوچ شریف تحصیل احمد پور شرقیہ ضلع بہاولپور)

جواب بعون الوهاب:

بشرط صحت سوال ایسا عقیدہ رکھنے والا بلا شبہ بوجوہ دائرہ اسلام سے خارج اور ان کی یہ الحاد بکنار کتاب جلا دینی چاہیے۔

(ا) اس لیے کہ پانچ نمازیں اللہ عزوجل کی مقرر کردہ فرض ہیں جیسا کہ صحیح البخاری باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء

(۱) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث میں ہے:

فَقَالَ هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُوْنَ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ . (ج ۱ ص ۵۱)

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پڑھنے میں تو یہ پانچ ہیں مگر ثواب پچاس نمازوں کا ملے گا اور میرا فیصلہ کسی تبدل وتغیر کو قبول نہیں کرتا۔''

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

فَقَالَ اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ أَللّٰهُ اَمَرَكَ اَنْ تُصَلِّيَ الصَّلَوَاتِ الْخمس فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ قَالَ اَللّٰهُمَّ نَعَمْ . [1]

کہ حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے سوالات کا سلسلہ شروع رکھتے ہوئے کہا کہ میں آپ کو اللہ عزوجل کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو رات دن میں پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں واقعی حکم دیا ہے۔''

اس مضمون کی اور بھی متعدد احادیث اہل السنن نے روایت فرمائی ہیں۔ان احادیث صحیحہ صریحہ مرفوعہ متصلہ غیر مخللہ ولا شاذ سے کثیر وز ثابت ہوا کہ روزمرہ کی پانچ نمازیں خود اللہ عزوجل کی فرض اور مقرر کردہ ہیں۔لہٰذا ان کے بارے میں یہ

[1] صحیح البخاری باب القرأة والعرض علی المحدث ج۱ ص ۱۵۔

کہنا کہ ان میں اب بھی کمی ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قطعی فیصلہ کا انکار کرنا ہے اور انکار بلاشبہ کفر ہے۔ فافھم ولا تکن من القاصرین الجاحدین.

ثانی: اس لیے کہ ان کا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کا نظام اب فرسودہ ہو چکا ہے نئے نظام حیات کو اپنانا ہوگا۔ محض غلط و باطل ہے اور سراسر الحاد اور زندقہ ہے۔ کیونکہ اسلام کا نظام حیات وہ ابدی نظام حیات ہے جو کبھی فرسودہ نہیں ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ وَ مَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۝﴾ (آل عمران:۱۹)

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین (نظام حیات) اسلام ہی ہے اور اہل کتاب نے اپنے پاس علم آ جانے کے بعد آپس کی سرکشی اور حسد کی بنا پر ہی اختلاف کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ جو بھی کفر کرے اللہ تعالیٰ اس کا جلد حساب لینے والا ہے۔

﴿وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝﴾ (آل عمران:۸۵)

جو شخص اسلام کے سوا اور دین (نظام حیات) تلاش کرے اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔

﴿أَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ۝﴾ (آل عمران:۸۳)

کیا وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا اور دین کی تلاش میں غلطان ہیں؟ حالانکہ تمام آسمانوں والے اور سب زمین والے اللہ تعالیٰ ہی کے فرمانبردار ہیں خوشی سے ہوں تو اور جبراً ہو تو سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

﴿يُرِيْدُوْنَ أَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا إِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ أُمِرُوْٓا أَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ﴾ (النساء:۶۰)

وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ شیطان کے ساتھ کفر کریں۔

﴿وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ (المائدہ:۴۴)

اور جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ پورے اور پکے کافر ہیں۔

﴿وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ (المائدہ:۴۵)

اور جو شخص اللہ کے نازل کیے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ کرے وہی لوگ ظالم ہیں۔

﴿وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (المائدہ:۴۷)

اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق ہی فیصلہ نہ کریں وہ بدکار فاسق ہیں۔

پہلی تین آیات سے جہاں یہ حقیقت واضح ہے کہ اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا نظامِ حیات اللہ تعالیٰ کو قبول نہیں وہاں چوتھی

آیت میں طاغوت، یعنی غیر اسلامی نظامِ نظامِ حیات کے ساتھ کفر کرنے اور اس کو مسترد کر دینے کو ضروری اور لازمی قرار دیا گیا اور پھر آیت نمبر ۵۔۶۔۷ میں ایسے لوگوں کو جو اسلام کے نظامِ حیات کو فرسودہ قرار دے کر غیر اسلامی نظامِ زندگی کو اختیار کرنے والوں کو دوٹوک اور غیر مبہم الفاظ میں پکے کافر' ظالم' بدکار اور فاسق کہا گیا ہے۔

ثالث: اس لیے کہ یہ کہنا کہ نبی کریم ﷺ کو موسیقی پسند تھی۔ یہ نبی ﷺ پر بہتان اور افترا ہے کیونکہ آپ ﷺ مبعوث ہی اس لیے ہوئے تھے کہ آلاتِ موسیقی' گانا بجانا اور لھوالحدیث کی تمام متعلقات کو مٹایا جائے جیسا کہ سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

بُعِثْتُ لِمَحْقِ الْمَزَامِيْرِ وَالْمَعَازِفِ . (مشکوٰۃ)

میں باجا گاجا اور کھیل کود کو مٹانے کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔

اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ۝﴾ (لقمان:٦)

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو لغو باتوں کو مول لیتے ہیں کہ بے علمی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بہکائیں اور اسے ہنسی بنائیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار ہے۔

حضرت حسن لہوالحدیث کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

كُلُّ مَا شَغَلَكَ عَنْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَذِكْرِه مِنَ السَّمَرِ وَالْاَضَاحِيْكِ وَالْخُرَافَاتِ وَالْغِنَا وَ نَحْوِهَا . (روح المعانی)

یعنی لھوالحدیث ہر وہ چیز ہے جو اللہ عزوجل کی عبادت سے، اور اس کی یاد سے ہٹانے والی ہو، جیسا کہ فضول قصہ گوئی' ہنسی ٹھٹھول کی باتیں' واہیات مشغلے اور گانا بجانا وغیرہ۔

امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں:

لَمَّا ذَكَرَهٗ تَعَالٰى حَالَ السُّعَدَاءِ هُمُ الَّذِيْنَ يَهْتَدُوْنَ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَيَنْتَفِعُوْنَ بِسِمَاعِهٖ ...... عَطَفُ بِذِكْرِ حَالِ الْاَشْقِيَاءِ الَّذِيْنَ اَعْرَضُوْا عَنِ الْاِنْتِفَاعِ بِسِمَاعِ كَلَامِ اللّٰهِ وَاَقْبَلُوْا عَلٰى اسْتِمَاعِ الْمَزَامِيْرِ وَالْغِنَاءِ بِالْحَانِ وَاٰلَاتِ الطَّرَبِ كَمَا قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رضي الله عنه فِيْ قَوْلِهٖ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ هُوَ وَاللّٰهُ الْغِنَاءُ ...... الخ . [1]

یعنی سعداء اور مفلحین کے مقابلہ میں ان اشقیاء کا حال بیان کیا گیا ہے جو اپنی جہالت' اسلام دشمنی اور ناعاقبت اندیشی سے قرآن مجید کو چھوڑ کر ناچ، رنگ، کھیل تماشے یا دوسری واہیات وخرافات میں مستغرق ہیں اور چاہتے

[1] تفسیر ابن کثیر ج۳ ص ٤٥٧.

ہیں کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی ان غیر شرعی مشاغل وتفریحات میں لگا کر اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے ذکر سے برگشتہ کردیں اور دین کی باتوں کا خوب مذاق اڑائیں جیسے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ لھو الحدیث سے مراد موسیقی اور آلات طرب اور گانا بجانا مراد ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت جابر' عکرمہ' سعید بن جبیر' مجاہد' مکحول عمرو بن شعیب' علی بن بذیمہ' حسن بصری جیسے اساطین علم وفضل کا بھی یہی قول ہے۔ ❶

اس میں قصے کہانیاں' افسانے' ڈرامے' ناول' جنسی اور سنسنی خیز لٹریچر' رسالے اور بے حیائی کے پرچارک اخبارات سب ہی آجاتے ہیں اور جدید ترین ایجادات ریڈیو' ٹی وی' وی سی آر' ویڈیو فلمیں وغیرہ بھی۔ عہد رسالت میں بعض لوگوں نے گانے بجانے والی رنڈیاں بھی اسی مقصد کے لیے خریدی تھیں کہ وہ لوگوں کا دل گانے سنا کر بہلاتی رہیں تا کہ قرآن واسلام سے دور رہیں۔ اس اعتبار سے اس میں گلوکارائیں بھی آجاتی ہیں جو آج کل فنکار' فلمی ستارے اور ثقافتی سفیر اور پتہ نہیں کیسے کیسے مہذب' خوش نما اور دلفریب ناموں سے پکاری جاتی ہیں اور ان کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کرنے والے ارباب حکومت' ادارے' اخبارات کے مالکان' اہل قلم اور فیچر نگار بھی اسی عذاب مبین کے مستحق ہوں گے۔ ❷

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو موسیقی ہرگز پسند نہیں تھی۔ لہٰذا ان نالائق مصنفین کا یہ لکھنا کہ رسول اللہ ﷺ کو موسیقی پسند تھی یہ آپ کی ذات اقدس پر نرا بہتان اور سراسر افتراء ہے اور رسول اللہ ﷺ پر بہتان اور افتراء کرنے والا کافر اور جہنمی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے بدبختوں کا انجام بد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

قال النبي ﷺ لَا تَكْذِبُوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ. ❸

(۲) حضرت زبیر بن عوام سے روایت ہے' آپ نے فرمایا:

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (حوالہ ایضاً)

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (حوالہ ایضاً)

ان تینوں احادیث صحیحہ کا ترجمہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جان بوجھ کو مجھ پر جھوٹ بولے اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لیا۔

(۴) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ مَنْ يَقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. ❹

---

❶ تفسیر ابن کثیر ج۳ ص۴۵۷۔
❷ احسن البیان ص ۵۳۸و ۵۳۹۔
❸ صحیح بخاری باب اثم من کذب علی النبی ج۱ ص۲۱۔
❹ صحیح بخاری حوالہ مذکور۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے جو شخص مجھ پر ایسی بات کہے جو میں نے نہیں کہی تو اس نے اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالیا۔

یہ حدیث لفظاً ومعناً متواتر ہے صحیح وحسن اسناد کے ساتھ ۳۰ صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ شیخ ابو محمد جوینی اور شیخ ابن منیر نے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنے والے کو کافر کہا ہے اور واقعی ایسا بدبخت کافر ہے۔ ❶

رابع: اس لیے کہ قرآن کی تعلیمات کو اصلی تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ان نالائق لوگوں نے نہ صرف رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کو بھی جھوٹا قرار دیا ہے اللہ تعالیٰ تو فرمایا ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىo اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰىo﴾ (النجم:۳تا۴)

نبی (ﷺ) اپنی خواہش سے نہیں بولتا وہ تو صرف اللہ کی وحی ہوتی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗo فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗo ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗo﴾ (النجم:۱۷تا۱۹)

''اس (قرآن) کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے ہم جب اسے پڑھیں تو آپ اس کے پڑھنے کے درپے رہیں، پھر اس کا واضح کر دینا ہمارے ذمہ ہے۔''

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں: یعنی اس کے مشکل مقامات کی تشریح اور حلال وحرام کی توضیح یہ بھی ہمارے ذمے ہے۔

اس کا صاف مطلب ہے یہ کہ نبی ﷺ نے قرآن کے مجملات کی جو تفصیل، مبہمات کی توضیح اور اس کے عمومات کی جو تخصیص بیان فرمائی ہے جسے حدیث کہا جاتا ہے یہ بھی اللہ کی طرف سے ہی الہام اور سوجھائی ہوئی باتیں ہیں۔ اس لیے ان کو بھی قرآن کی طرح ماننا ضروری ہے۔ (احسن البیان)

یعنی اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو یہ یقین دہانی کرا رہا ہے کہ اس قرآن کا آپ کو یاد کرانا اور اس کے علوم ومعارف کا آپ پر کھولنا اور آپ کی زبان سے دوسروں تک پہنچانا ان سب باتوں کے ہم ذمہ دار ہیں۔

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر:۹)

''ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔''

یعنی اللہ تعالیٰ ایسے شریر اور احمق لوگوں کو للکار رہا ہے جو قرآن اور اس کی تعلیمات کو غیر اصلی کہتے اور اس کا مذاق اڑانے کی ناکام کوششیں کرتے ہیں کہ اس قرآن کو اتارنے والے ہم ہیں اور ہم ہی نے اس کی ہر قسم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور قیامت تک اس کو ہر طرح کی تحریف لفظی اور معنوی سے محفوظ و مامون رکھنے کا ہم نے فیصلہ کر رکھا ہے۔ زمانہ کتنا ہی بدل جائے مگر اس کے اصول واحکام کبھی تبدیل نہ ہوں گے۔ حفاظت قرآن کے متعلق یہ عظیم الشان وعدۂ الٰہی ایسی صفائی اور حیرت

---

❶ فتح الباری جلد ۱ ص ۱۶٤ و ارشاد الساری جلد ۱ ص ۲۰۲.

انگیز طریقہ سے پورا ہوکر رہا کہ جسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصب' مغرور غیر مسلم اہل قلم اور سکالروں کے سر نیچے ہو گئے۔ قرآن کی تعلیم کو غیر اصلی کہنے والوں پر اتمام حجت کے لیے غیر سکالروں کے چند اقتباسات حسب ذیل ہیں:

(۱) لارڈ میور جیسا متعصب انگریز کہتا ہے: جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو قرآن کی طرح بارہ (اور اب چودہ) صدیوں تک ہر قسم کی تحریف (لفظی اور معنوی) سے پاک رہی ہو۔

(۲) ڈاکٹر گبن: اپنی تاریخ میں لکھتا ہے: قرآن کی نسبت بحر اطلانتک سے لے کر دریائے گنگا تک نے مان لیا ہے کہ وہ شریعت ہے اور ایسے دانشمندانہ اصول اور عظیم الشان قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے کہ سارے جہان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔

(۳) مسٹر مارماڈیوک پکھتال نے اسلام اور ماڈرن ازم پر لندن میں تقریر کرتے ہوئے بیان کیا:

وہ قوانین جو قرآن میں درج ہیں اور جو پیغمبر اسلام (ﷺ) نے سکھلائے وہی اخلاق قوانین کا کام دے سکتے ہیں۔ اس کتاب کی سی کوئی اور کتاب صفحہ عالم پر موجود نہیں۔ گذشتہ چند سالوں میں مسلمانوں نے کسی شیخ الاسلام یا مجتہد کے فتوے کی اندھی تقلید میں قرآن کے اصلی مدعا کو خبط کر دیا ہے حالانکہ اس قسم کے تمامی امور کو قرآن نے بہت مذموم قرار دیا ہے۔

نوٹ...... قرآن کی تعلیمات کو غیر اصلی کہنے والے اور مقلدین حضرات غور فرمائیں۔ دیکھیں کہ کہتی ہے تجھے خلق خدا غائبانہ کیا؟

(۴) موسیو سیدلو فرانسیسی خلاصہ تاریخ عرب میں لکھتے ہیں: اسلام بے شمار خوبیوں کا مجموعہ ہے، اسلام کو جو وحشیانہ مذہب کہتے ہیں' ان کو تاریک ضمیر بتلاتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، ہم بزور دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن میں تمام آداب و اصول حکمت فلسفہ موجود ہیں۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج۱) صدق الله تعالى اَنْزَلَهُ بِالْحَقِّ وَنَزَلَ .

یاللعجب: یہ بات کتنی حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے کہ مسٹر میور جیسے متعصب مستشرقین اور اسلام کے ازلی مخالفین تو اسلام کے پیش کردہ اخلاقی' تمدنی' عدالتی اور سیاسی نظام کو سراہتے اور خراج تحسین پیش کرتے نہیں تھکتے۔ قرآن کو ہر قسم کی تحریف لفظی اور معنوی سے پاک قرار دیتے ہیں اور اسلامی شریعت کو دانشمندانہ اصول اور عظیم الشان قانونی انداز پر مرتب تسلیم کرتے ہیں مگر ہمارے نام نہاد مسلم دانشور اور مغرب گزیدہ مصنفین اسلامی نظام کو فرسودہ اور قرآنی تعلیمات کو غیر اصلی کہتے ہوئے شرم نہیں کرتے۔ یاللعجب' یا للعقول الطائشه

انتباہ: یہ بھی یاد رہے کہ توحید' رسالت' نماز اور روزہ کا تارک نہ صرف کافر اور مرتد ہے بلکہ وہ مباح الدم بھی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ وَلَا اَعْلَمُهُ اِلَّا قَدْ رَفَعَهُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَالَ عَرَى الْاِسْلَامِ وَقَوَاعِدُ الدِّيْنِ ثَلَاثَةٌ عَلَيْهِنَّ اُسِسَ الْاِسْلَامُ مَنْ تَرَكَ وَاحِدَةً مِّنْهُنَّ فَهُوَ بِهَا كَافِرٌ حَلَالُ الدَّمِ شَهَادَةُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَالصَّلٰوةُ الْمَكْتُوْبَةُ وَصَوْمُ رَمَضَانَ . ●

● رواه ابو يعلى باسناد حسن الترغيب والترهيب ج۲ ص ۱۱۰.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام کی مرکزی جڑ اور دین کی بنیادیں تین چیزیں ہیں جن پر اسلام کی بنیاد ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑ دینے والا حلال الدم کافر ہو گیا۔ ایک اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی شہادت دوسری فرض نماز اور تیسرے رمضان کے روزے۔

لہٰذا مذکورہ عقائد کا حامل نہ صرف کافر اور مرتد ہے بلکہ توبہ نہ کرنے کی وجہ سے مباح الدم بھی ہے، مگر یہ کام حکومت کی صوابدید پر موقوف ہے، یعنی سزا کی ذمہ داری حکومت وقت پر عائد ہوتی ہے وہ جانے اور اس کا کام۔ مگر

ہم کو شاہوں سے عدالت کی توقع تو نہیں　　آپ کہتے ہیں تو زنجیر ہلا دیتے ہیں

سابع: اسی طرح دنیا کو آزمائش گاہ تسلیم نہ کرنا بھی کفر کو مستلزم ہے۔ کیونکہ قرآن میں دنیا کو آزمائش گاہ کہا گیا ہے اور قرآن کا انکار کفر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ﴾ (البقرہ:۱۵۵)

اور ہم کسی نہ کسی طرح تمہاری آزمائش ضرور کریں گے دشمن کے ڈر سے، بھوک پیاس سے، مال و جان اور پھلوں کی کمی سے۔

﴿وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً﴾ (الانبیاء: ۳)

ہم بطریق امتحان تم میں سے ہر ایک کو برائی بھلائی میں مبتلا کرتے ہیں۔

﴿الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الملک:۲)

وہ اللہ جس نے موت اور حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے۔

﴿فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۵ فَيَقُوْلُ رَبِّيْ اَكْرَمَنِ ٥ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْ اَهَانَنِ ٥﴾ (الفجر:۱۵ تا ۱۶)

انسان کا یہ حال ہے جب اسے اس کا رب آزماتا ہے اور عزت و نعمت دیتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے: میرے رب نے میرا اکرام کیا، اور جب وہ اس کا امتحان لیتے ہوئے اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے میرے رب نے میری اہانت کی اور ذلیل کیا۔

ان چاروں آیات میں دنیا کی آزمائش گاہ ہونے کا ایسا کھلا ثبوت ہے کہ عیاں راچہ بیاں کا مصداق ہے۔ لہٰذا اس کا انکار بھی کفر ہے۔

ثامن: ایسے شخص کو دائرہ اسلام سے خارج ہونے کی آٹھویں وجہ خنزیر کے گوشت کی تعریف کرنا اور اس کو عمدہ ترین کہنا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے خنزیر کو نجس اور خاص کر اس کے گوشت کو قرآن میں چار مقامات پر بڑے کھلے اور دوٹوک الفاظ میں

حرام کہا:

(۱)...... ﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَ مَآ أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ (البقرہ:۱۷۳)

تم پر مردہ اور (بہا ہوا) خون اور سور کا گوشت اور وہ چیز جو اللہ کے سوا دوسروں کے نام پر مشہور کی جائے حرام ہے۔

(۲)...... ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَ الدَّمُ وَ لَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَ مَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ﴾ (المائدہ:۳)

تم پر حرام کیا گیا مردار اور خنزیر کا گوشت اور جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کے نام مشہور کیا گیا ہو۔

(۳)...... ﴿قُلْ لَّآ أَجِدُ فِيْ مَآ أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ إِلَّآ أَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَإِنَّهٗ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ﴾ (الانعام:۱٤٥)

آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ احکام بذریعہ وحی میرے پاس آئے ان میں تو میں کوئی حرام نہیں پاتا کسی کھانے والے کے لیے جو اس کو کھائے مگر یہ کہ مردار ہو یا کہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا جو شرک کا ذریعہ ہو کہ غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا گیا ہے۔

﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَ مَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ﴾ (النحل:۱۱٥)

تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا دوسرے کا نام پکارا جائے حرام ہیں۔

ان چاروں نصوص صریحہ میں خنزیر کے گوشت کو حرام قرار دیا گیا ہے اور بالخصوص آیت نمبر ۳ میں نہ صرف اس کے گوشت کو حرام قرار دیا بلکہ اس کو پرلے درجہ کا پلید اور گندا جانور بھی کہا گیا ہے۔ لہٰذا ایسے گندے اور حرام جانور کے گوشت کی تعریف و تحسین بلاشبہ کفر بواح ہے۔

انتباہ: خنزیر کو صرف قرآن کریم ہی نے حرام قرار نہیں دیا بائبل اور ہندوؤں کی مشہور کتاب منوسمرتی میں بھی اس کی حرمت بیان ہو چکی ہے۔

شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسریؒ ایک سوال کے جواب میں لحم خنزیر کی حرمت کی وجہ بیان کرتے ہوئے تصریح فرماتے ہیں:

خنزیر کا گوشت اخلاق میں مضر ہے، اس کی صراحت بائبل اور منوسمرتی میں بھی ہے۔ ❶

علامہ یوسف قرضاوی قطر' عرب کے ممتاز مصنف اور محقق اور عالم اسلام کی مشہور شخصیت ہیں۔ سور کے گوشت پر تبصرہ کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

تیسری (حرام) چیز سور کا گوشت ہے جو طبع سلیم کے نزدیک نجس ہے اور اس سے اسے نفرت ہے کیونکہ سور کی مرغوب غذا نجاست اور کوڑا کرکٹ ہے۔ طب جدید کی رو سے اس کا کھانا ہر خطہ میں اور خاص کر گرم ممالک میں سخت مضر ہے اور سائنسی تجربات نے ثابت کیا کہ سور کا گوشت کھانے سے خاص قسم کے کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں جو بڑے مہلک ہوتے ہیں اور معلوم

---

❶ ملاحظہ ہو: کتاب احبار باب ۱۱ فقرہ ۷' منوسمرتی باب ٥ فقرہ ۱۹۔ فتاویٰ ثنائیہ ج۱ ص ۲۳۷

نہیں مزید کیا کیا اسرار منکشف ہوں گے۔ محققین یہ بھی کہتے ہیں کہ سور کا گوشت ہمیشہ کھاتے رہنے سے غیرت کم ہو جاتی ہے۔ ❶

اس سلسلہ میں اور بھی حوالہ جات پیش کیے جا سکتے ہیں جن میں غیر مسلم اور مخالفین اسلام نے قرآن کی تعلیمات کی توہین کا ارتکاب کیا ہے اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور قرآن کا انکار سراسر کفر بواح ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں بیسیوں مقامات پر قرآن اور اس کی تعلیمات کو غیر اصلی کہنے والوں کو کافر قرار دیا ہے۔ ایک مقام پر فرمایا:

﴿وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا﴾ (النساء:١٣٦)

جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں سے اور اس کی کتابوں سے اور اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

﴿وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ِافْتَرٰىهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا﴾ (الفرقان:٤)

کافروں نے کہا یہ تو بس خود ہی اسی کا گھڑا گھڑایا جھوٹ ہے جس پر اور لوگوں نے بھی اس کی ہمت افزائی کی ہے۔

﴿وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ﴾ (الحج:٢)

جب ان کے سامنے ہمارے کلام کی کھلی ہوئی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو کافروں کے چہروں پر ناخوشی کے صاف آثار پہچان لیتے ہیں۔

ان آیات سے صاف ثابت ہوا کہ قرآن کی تعلیمات کو غیر اصلی کہنے والا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور یہ مسئلہ اتفاقی اور اجماعی ہے۔

شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں یہ تصریح فرماتے ہیں: قرآن کا منکر دو طرح سے ہوتا ہے' ایک اس کو منزل من اللہ نہ جاننے والا دوسرا اپنے حق میں واجب العمل نہ جاننے والا یہ دونوں کافر ہیں۔ ❷

خامس: اس وجہ سے بھی ایسا آدمی اسلام سے خارج ہے کہ اس نے احادیث نبویہ ﷺ کی عمومی حیثیت کا انکار کر کے دراصل حجیت حدیث کا انکار کیا ہے جب کہ حدیث کا حجت شرعی ہونا متعدد آیات بینات سے ثابت ہے۔ چند ایک آیات اتمام حجت کے طور پر پیش خدمت ہیں۔

﴿اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾ (النساء:١٠٥)

یقیناً ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تم لوگوں میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کرو جس سے اللہ نے تم کو شناسا کیا ہے۔

---

❶ الحلال والحرام فی الاسلام، ص ٦٠۔ ❷ فتاویٰ ثنائیہ ج١ ص ١٦٠۔

﴿وَ اَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ﴾ (النحل:٤٤)

یہ یاد اور کتاب ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے آپ اسے کھول کر بیان کر دیں۔

﴿وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی٥ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی٥﴾ (النجم:٣تا٤)

اور (محمدؐ) نہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔

ان تینوں آیات سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمودات وارشادات (احادیث نبویہؐ) بھی وحی الٰہی پر مبنی ہیں اور قرآن کی تفسیر وتوضیح ہیں۔ لہٰذا حجیت حدیث کا انکار دراصل وحی الٰہی کا انکار ہے اور وحیٔ الٰہی کا انکار کفر والحاد اور زندقہ ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ احادیث رسول کی عمومی حیثیت کا انکار کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

سادس: ان نالائق اور بدقسمت لوگوں کے دائرہ اسلام سے خارج ہونے کی وجہ روزہ کی فرضیت کا انکار بھی ہے جو کہ دراصل قرآن کا انکار ہے کیونکہ روزہ بنص قرآن فرض ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرہ:١٨٣)

''اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔''

اور یہ طے شدہ بات ہے جس میں کسی بھی مسلمان کو شک ہے اور نہ اختلاف کہ جس طرح پورے قرآن کا انکار کفر ہے اسی طرح اس کی ایک آیت بلکہ ایک جملہ اور حرف اور کسی ایک حکم کا انکار بھی کفر ہے۔

تاسع: ان لوگوں کے کفر کی نوویں وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ازدواجی قوانین کے خلاف نکاح کے لیے تین سال کے معاہدہ کی بات کر رہے ہیں جو کہ اللہ کے بنائے ہوئے قانون میں مداخلت بے جا ہے:

﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ﴾ (الشوریٰ:٢١)

کیا ان کے ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کے وہ طریقے مقرر کیے ہیں جن کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ تحلیل وتحریم کا حق اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور کسی کو اللہ تعالیٰ کے بنائے قوانین میں مداخلت کا کوئی حق نہیں اور اللہ کے احکام کے خلاف فیصلہ دینا کفر ہے جیسا کہ اوپر گزرا۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر یہ نالائق مصنف دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں۔ ہاں توبہ خالص کے ذریعہ دوبارہ اسلام میں داخل ہو سکتے ہیں ورنہ مرتد ہی رہیں گے۔ توفیق دینے والا اللہ عزوجل ہے۔

هذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

علم غیب اور دست شناسی

سوال: بعض لوگ دست شناسی کے جواز کے قائل ہیں۔قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

جواب: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔دست شناسی کو جائز قرار دینا کتاب وسنت کی نصوص صریحہ کے سراسر منافی ہے۔کیونکہ اس کا تعلق علم غیب کے ساتھ ہے علم غیب اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ﴾ (الانعام:۵۹)

اللہ ہی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں جانتا۔

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾ (النمل:٦٥)

کہہ دیجئے! آسمان والوں میں سے اور زمین والوں میں سے سوائے اللہ کے کوئی غیب نہیں جانتا۔انہیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ کب اٹھا کھڑے کیے جائیں گے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَ مَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ (لقمان:٣٤)

بے شک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے وہی بارش نازل فرماتا ہے اور ماں کے پیٹ میں جو ہے اسے جانتا ہے کوئی (بھی) نہیں جانتا کہ کل کیا (کچھ) کرے گا۔نہ کس زمین میں مرے گا (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ ہی پورے علم والا اور صحیح خبروں والا ہے۔"

﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ﴾ (الاعراف:١٨٧)

یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا،آپ فرما دیجئے کہ اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے۔اس کے وقت پر اسے اللہ کے سوا اور ظاہر نہ کرے گا۔"

﴿قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَ مَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ (الاعراف:١٨٨)

آپ فرما دیجئے کہ میں اپنی ذات خاص کے لیے کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ کسی ضرر کا مگر اتنا کہ جتنا اللہ نے چاہا اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو میں بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی نقصان مجھ کو نہ پہنچتا میں تو محض ڈرانے والا بشارت دینے والا ہوں اور ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

تشریح: پہلی آیت کی مزید تفسیر تیسری آیت میں کر دی گئی کہ مفاتح الغیب سے مراد یہ پانچ چیزیں ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کو مفاتح الغیب قرار دیا ہے،جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔[1]

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۃ لقمان حدیث نمبر٤٧٧٨ ج٢ ص ٧٠٤ اور کتاب الاستسقاء باب لایدری متی یجییٔ المطر الا الله، ج١، ص ١٤١۔

(۱) قیامت کب آئے گی؟...... قرب قیامت کی علامات تو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں لیکن قیامت کے وقوع کا قطعی اور یقینی علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں کسی فرشتے کو نہ کسی نبی مرسل کو۔

(۲) بارش کب برسے گی؟...... بارش کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے آثار وعلائم سے تخمینہ تو لگایا جاتا اور لگایا جا سکتا ہے لیکن یہ بات ہر شخص کے مشاہدہ اور تجربہ میں آ چکی ہے کہ یہ تخمینے کبھی صحیح نکلتے ہیں اور کبھی غلط، یہاں تک کہ محکمہ موسمیات کے اعلانات کے باوجود بارش کی ایک بوند بھی نہیں برستی جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ بارش کا قطعی اور یقینی علم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علاوہ کسی کو نہیں۔

(۳) ماؤں کے رحموں میں کیا ہے، کیا نہیں؟...... آج کے مشینی آلات سے رحم مادر میں مذکر ومونث کا ناقص اندازہ تو شاید ممکن ہے کہ بچہ ہے یا بچی؟ مگر یہ بچہ زندہ پیدا ہوگا یا مردہ' طویل عمر کا ہوگا یا مختصر عمر پائے گا۔ ناقص ہوگا یا کامل' خوب رو ہوگا یا بدصورت' خوش بخت ہوگا یا بدبخت امیر ہوگا یا قلاش' صاحب اولاد ہوگا یا بے اولاد' مومن ہوگا یا کافر' عالم ہوگا یا جاہل وغیرہ باتوں کا علم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(۴) انسان کل کیا کرے گا؟...... وہ دین کا معاملہ ہو یا دنیا کا' کتنے نکاح کرے گا یا مجرد ہی رہے گا کیا پائے گا اور کیا کھوئے گا۔ اس کی دنیوی تگ وتاز کا کیا انجام ہوگا۔ کسی دست شناس اور فٹ پاتھ پر بیٹھے علم نجوم کے نام نہاد پروفیسروں و آنے والے کل کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں۔ سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستارے تین مقاصد کے لیے بنائے ہیں۔ آسمان کی زینت' راہنمائی کا ذریعہ اور ابلیس کو گولہ مارنے کے لیے' لیکن اللہ کے احکام سے ان جاہل نجومیوں اور نام نہاد دست شناسوں نے ان سے غیب کا علم حاصل کرنے (کہانت) کا ڈھونگ رچا رکھا ہے مثلاً کہتے ہیں کہ فلاں ستارہ سعد ہیں فلاں نحس ہے' فلاں ستارے کے طلوع پر جو بچہ پیدا ہوگا وہ خوش نصیب ہوگا' فلاں ستارے کے وقت پیدا ہونے والا بدنصیب ہوگا وغیرہ' یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ ان کے ان قیاسات کے خلاف اکثر ہوتا رہتا ہے۔ ستاروں' پرندوں اور جانوروں سے علم غیب آخر کس طرح حاصل ہو سکتا ہے؟ جب کہ اللہ تعالیٰ کا سورۃ النمل کی آیت ۵ میں فیصلہ تو یہ ہے کہ آسمان وزمین میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا خود ان علم نجوم کے ٹھیکیداروں اور دست شناسی کے مدعیوں کو یہ تک علم نہیں کہ آنے والا کل ان کی زندگی میں آئے گا بھی یا نہیں، اور اگر آئے گا تو وہ کیا کریں گے؟ کیا پائیں گے اور کیا کھوئیں گے؟

(۵) موت کہاں اور کیسی آئے گی؟...... گھر میں آئے گی یا گھر سے باہر دیس میں آئے گی یا پردیس میں' حسرتوں کے حصول کے بعد آئے گی یا حسرتیں ناکام لئے مریں گے اور سورۂ اعراف کی آیت نمبر ۱۸۸ اس بات میں کتنی صاف اور واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ عالم الغیب نہیں۔ عالم الغیب اللہ کے سوا کوئی اور نہیں مگر ظلم اور جہالت کی انتہا ہے کہ شرک و بدعت کے رسیا لوگ رسول اللہ ﷺ کو عالم غیب باور کراتے پھرتے ہیں کیا یہ حقیقت نہیں کہ ''غزوۂ احد میں آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگی اور آپ اس وجہ سے پورا مہینا پریشان رہے۔ زینب نامی یہودیہ عورت نے آپ ﷺ کو اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو زہر ملا کر کھانا کھلا دیا تھا جس کی تکلیف آپ ﷺ عمر بھر محسوس فرماتے رہے اور ایک صحابی اس

زہریلے کھانے کی وجہ سے موت کی آغوش میں بھی چلے گئے۔ اور اس قسم کے کئی اور واقعات بھی احادیث وسیر کی کتابوں میں مرقوم ہیں جن سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ یہ تکلیفیں اور نقصانات عدم علم کی وجہ سے اٹھانے پڑے، اور قرآن کی بیان کردہ اس حقیقت کا اثبات ہوتا ہے کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سے منافع اپنے دامن میں سمیٹ لیتا اور کوئی نقصان مجھے نہ پہنچتا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا وضاحتی بیان:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ رَأَى رَبَّه فَقَدْ كَذَبَ وَهُوَ يَقُوْلُ (لَاتُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ) وَمَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ فَقَدْ كَذَبَ وَهُوَ يَقُوْلُ لا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ. ❶

کہ جو شخص آپ سے یہ کہے کہ محمد ﷺ نے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے تو اس نے جھوٹ بولا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آنکھیں اس کو نہیں پاتیں اور اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ آپ ﷺ غیب جانتے تھے تو اس نے جھوٹ بولا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ کے سوا غیب کوئی نہیں جانتا۔

حنفی فقیہ اور مفتی کردری کا فتویٰ: نجومیوں دست شناسوں اور رسول اللہ ﷺ کو غیب داں باور کرانے والے کی اطلاع کے لیے امام محمد بن محمد المعروف ابن البزار الکردی المتوفی ۸۲۷ھ کا فتویٰ زیب قرطاس ہے۔

ان تَزَوَّجَهَا بِشَهَادَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى جَلَّ جَلَالُهُ وَرَسُوْلِه ﷺ لَا يَنْعَقِدُ وَيَخَافُ عَلَيْهِ الْكُفْرُ لِأَنَّهُ يُوْهِمُ أَنَّهُ ﷺ يَعْلَمُ الْغَيْبَ ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ﴾ ...... الاية. الانعام:۵۹ وَمَا أَعْلَمَ اللّٰهُ تَعَالٰى الْخِيَارَ عِبَادِه بِالْوَحْيِ أَوِ الْأَلْهَامِ الْحَقِّ لَمْ يَبْقَ بَعْدَ الْإِعْلَامِ غَيْبًا فَخَرَجَ عَنِ الْحَصْرِيْنَ الْمُسْتَفَادِيْنَ مِنْ تَقْدِيْمِ الْمُسْنَدِ وَالْحَصْرِ بِإِلَّا. ❷

کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو گواہ بنا کر نکاح کرے گا تو ایسا نکاح منعقد نہیں ہوگا اور ڈر ہے کہ یہ شخص عنداللہ کافر ہو جائے گا، کیونکہ اس طرح وہ باور کرا رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ غیب جانتے تھے جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: غیب کی چابیاں اللہ ہی کے پاس ہیں انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جو کچھ وحی یا سچے الہام کے ساتھ اپنے پسندیدہ بندوں کو جتلا دیا ہے وہ بتلا دینے کے بعد علم غیب کی تعریف میں داخل نہیں کیونکہ مسند کو مقدم لانے اور کلمہ حصر الا کی وجہ سے علم غیب کی تعریف سے خارج ہے۔

قرآن مجید کی ان پانچوں نصوص صریحہ اور احادیث صریحہ وصحیحہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں غیب دانی کا عقیدہ رکھنے والے اہلِ بدعت، نجومی اور دست شناس کذاب اور مفتری ہیں اور حنفی فقیہ علامہ کردری کے مطابق یہ

---

❶ صحیح بخاری حدیث رقم ۷۳۸۰ باب قوله: الله عالم الغيب فلا يظهر على غيبه احدا صحيح البخاری ص۱۵۴۷ و حدیث رقم ۴۸۵۵.

❷ كتاب النكاح فصل سادس فى الشهود حاشيه فتاوى عالمگيرى ج۴ ص۱۱۹ طبع مكتبه ماجديه كوئٹه.

ڈر ہے کہ وہ اس عقیدہ کی وجہ سے کافر عند اللہ کافر قرار پائے اور آخر میں نجومیوں، کاہنوں اور دست شناسوں کی تصدیق کرنے والے خوب یاد رکھیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱) عَنْ حَفْصَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَتٰى عَرَّافًا فَسَأَلَه عَنْ شَیْءٍ لَمْ يُقْبَلْ لَهٗ صَلٰوةُ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً. ❶

کہ جو شخص کاہن اور نجومی کے پاس گیا اور اس سے آئندہ کے بارے میں کچھ پوچھا اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی۔

(۲) صلح حدیبیہ کے موقع پر جب بارش برسی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

هَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اَصْبَحَ مِنْ عِبَادِیْ مُؤْمِنٌ بِیْ وَكَافِرٌ فَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهٖ فَذَالِكَ مُؤْمِنٌ بِیْ وَكَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ وَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا فَذَالِكَ كَافِرٌ بِیْ وَمُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ۔ ❷

کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا: اللہ نے کہ میرے کچھ بندے مجھ پر ایمان لانے والے ہیں اور کچھ کفر کرنے والے ہیں۔ جس نے یہ کہا کہ ہم پر اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بارش برسی ہے، میرے اوپر ایمان لانے والا اور ستارے کے ساتھ کفر کرنے والا ہے، اور جس نے یہ کہا کہ ہم پر فلاں فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ہوئی ہے وہ میرے ساتھ کفر کرنے اور ستارہ پر ایمان رکھنے والا ہے۔

(۳) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ اَتٰى كَاهِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا يَقُوْلُ...... فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ. ❸

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کاہن، دست شناس اور نجومی وغیرہ کے پاس گیا اور اس کی بات کی تصدیق کی تو وہ اس شریعت سے بیزار ہو چکا ہے جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہیں۔

یہ ہے کاہنوں، نجومیوں اور دست شناسوں کی حقیقت اور ان کے پاس جانے والوں کا انجام بد۔ اللہ تعالیٰ ایسے عقائد باطلہ اور افکار کاسدہ اور اعمال فاسدہ سے تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھے آمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب



❶ رواہ مسلم باب الکهانة ص ۲۳۳ و مشکوٰۃ ص ۳۹۳۔ ❷ متفق علیه مشکوٰۃ ۳۹۳۔

❸ رواہ احمد و ابوداؤد مشکوٰۃ ص ۳۹۳۔

دیوبندی اور بریلوی ہم عقیدہ ہیں

سوال: سائل مسلک دیوبند سے تعلق رکھتا ہے اور سائل نے احسن الفتاویٰ کا مطالعہ کیا ہے، اس میں لکھا ہے کہ بریلوی مسلک کا آدمی قربانی کے حصہ میں شامل نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ مشرک ہے اور ان کے عقائد یہ ہیں کہ وہ حضور پاک ﷺ کو نور اور حاضر ناظر مانتے ہیں اور مختارِ کل علم غیب اور نذر و غیرہ مانتے ہیں، اور ایک بریلوی مسلک کے آدمی سے حصے میں شامل ہونے کی وجہ سے گفتگو ہوئی اور اس نے یہ کہا کہ ہم حضور پاک کی ہر چیز عطائی مانتے ہیں، حضور پاک ﷺ کے نور کو اللہ تعالیٰ کے حسن کی پہلی تجلی مانتے ہیں اور اختیار عطائی مانتے ہیں اور روحانی طور پر ہر جگہ حاضر ناظر مانتے ہیں، جسمانی طور پر اگر چاہیں تو متعدد مقامات پر تشریف لے جاسکتے ہیں، علم ما کان و ما یکون کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر اتنا بھی نہیں ہے کہ ایک سمندر میں سے ایک قطرے کا کروڑواں حصہ ایسے عقائد رکھنے والا بریلوی مشرک کہلائے گا یا صحیح العقیدہ کہلائے گا، اور نذر کے بارے میں پوچھا تو یہ جواب دیا کہ ہم جو نذر کہتے ہیں اس میں ہمارا عقیدہ اور نظریہ یہ ہوتا ہے کہ یا اللہ! ہمارا یہ کام پورا فرما دے ہم آپ کے نام پر ایک دیگ پکا کر خیرات کریں گے اور اس کا ثواب فلاں بزرگ کو پہنچائیں گے۔ (سائل: چوہدری محمد جہانگیر، کھکھ چاہ پیر بخش تلمبہ دیہات تحصیل میاں چنوں ضلع خانیوال)

جواب: بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لولیه والصلوٰة والسلام الاتمان الاکملان علی نبیه محمد.

الجواب بعون اللہ الوھاب و منه الصدق والصواب.

مذکورہ نظریات نہ صرف کتاب وسنت اور سلف صالحین کے عقائد سے میل نہیں کھاتے بلکہ فقہائے احناف کی کتب معتبرہ و مذکورہ متداولہ جیسے شرح عقیدہ طحاویہ للامام ابن العز حنفی اور فتاویٰ بزازیہ اور دوسری کتب عقائد و فتاویٰ سے متصادم ہیں۔ مگر چونکہ رسول اللہ ﷺ کی محبت وعقیدت میں غیر شرعی غلو میں تاویلات فاسدہ پر مبنی ہیں، لہٰذا من قبیل شرک اور بدعت ہیں۔ تاہم راقم کے نزدیک ایسے عقائد کے حاملین گوں ناگوں مشرک اور بدعتی ہیں، لیکن پھر بھی مسلمان ہیں جس طرح دیوبندی حضرات تقلید شخصی کو واجب قرار دیتے ہوئے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد جامد ہیں، اسی طرح بعینہٖ بریلوی حضرات بھی امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں اور اس قدر جامد مقلد ہیں کہ تقلید شخصی کے خمار میں قرآن حکیم کی نصوص صریحہ، احادیث صریحہ کو منسوخ قرار دینے کے لیے ایسے ایسے فرضی اور خانہ ساز اُصول گھڑ رکھے ہیں، جن کی اوٹ میں پوری بے باکی کے ساتھ قرآن حکیم کی نصوص جلیہ اور احادیث صحیحہ مرفوعہ غیر معللہ ولا شاذہ کو منسوخ قرار دے کر مسترد کر دیتے ہیں، جیسا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے ان کے حسب ذیل یہ نو اُصول ذکر کیے ہیں:

۱۔ خاص: خاص کے بارے میں حکم ہے کہ وہ صاف طور پر بیان کیا ہوا ہے تو اس کے معنی کے سوا دوسرا کوئی معنی نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ زیادت کتاب پر بمنزلہ نسخ کے ہے تو یہ زیادت نہ ہوگی مگر آیت صریح یا حدیث مشہور صریح سے۔

۳۔ حدیث مرسل (جو کہ ضعیف ہوتی ہے) مانند حدیث مسند کے ہے۔
۴۔ ترجیح نہ ہوگی کسی حدیث کو بسبب کثرت راویوں کے بلکہ ترجیح بسبب فقہ راوی کے ہوگی۔
۵۔ جرح قبول نہ ہوگی مگر جب اس کی تفسیر کی جائے۔
۶۔ امام ابن ہمام نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ جس روایت کو امام بخاری اور مسلم نے اور لوگوں نے جو ان کے مانند ہیں صحیح کہا ہو تو ہم لوگوں پر واجب نہیں کہ ہم اس کو قبول کریں۔ (اللہ رے تیری لن ترانیاں)
۷۔ کہا بعض اصحاب فتاویٰ نے کہ جب کسی مسئلہ میں قول امام ابو حنیفہ اور صاحبین ہو اور اس میں کوئی حدیث بھی ہو اور اس حدیث کے بارے میں حکم صحت دیا گیا ہو تو واجب ہے کہ امام ابو حنیفہ اور صاحبین کی اتباع کی جائے نہ کہ حدیث (صحیح) کی۔ (استغفر الله من ذلك الجرأة)
۸۔ جس روایت کو راوی غیر فقیہ نے روایت کیا ہو اور وہ ایسی روایت ہو کہ اس میں رائے کو دخل ہو سکے تو اس کو قبول کرنا واجب نہیں۔
۹۔ عام قطعی ہے مانند خاص کے تو تخصیص نہیں ہوسکتی، عام میں خاص کے ذریعے۔ ❶

یقین نہ آئے تو شیخ ابو حسین کرخی کے یہ تین اُصول ملاحظہ فرمالیجیے:

الاصل نمبر ۲۸، اِنَّ كُلَّ آيَةٍ تُخَالِفُ قَوْلَ اَصْحَابِنَا فَاِنَّهَا تُحْمَلُ عَلَى النَّسْخِ اَوْ عَلَى التَّرْجِيْحِ ...... الخ، کہ ہر وہ آیت جو ہمارے اصحاب کے قول کے خلاف پڑتی ہے وہ منسوخ ہے۔

الاصل نمبر ۲۹: اِنَّ كُلَّ خَبَرٍ يَجِيْءُ بِخَلَافِ قَوْلِ اَصْحَابِنَا فَاِنَّهُ يُحْمَلُ عَلَى النَّسْخِ ...... الخ، ❷ ہر وہ حدیث صحیح جو ہمارے فقہاء کے قول کے خلاف ہو تو وہ منسوخ سمجھی جائے گی۔

اصول کرخی اصول نمبر ۳۰ میں فرماتے ہیں:

اَ لْاَصْلُ اَنَّ الْحَدِيْثَ اِذَا وَرَدَ عَنِ الصَّحَابِىِّ مُخَالِفًا بِقَوْلِ اَصْحَابِنَا فَاِنْ كَانَ لَا يَصِحُّ فِىْ الْاَصْلِ كَفَيْنَا مُؤْنَةَ جَوَابِهِ وَاِنْ كَانَ صَحِيْحًا فِىْ مَوْرِدِهِ فَقَدْ سَبَقَ ذِكْرُ اَقْسَامِهِ اِلَّا اَنَّ اَحْسَنَ الْوُجُوْهِ وَاَبْعَدَهَا عَنِ الشُّبْهِ اِنَّهُ اِذَا وَرَدَ حَدِيْثُ الصَّحَابِىِّ فِىْ غَيْرِ مَوْضُوْعِ الْاِجْمَاعِ اَنْ يُّحْمَلَ عَلَى التَّاوِيْلِ اَوِ الْمُعَارَضَةِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اَصْحَابِىِّ مِثْلَهُ ❸ کسی صحابی کی کوئی حدیث اگر حنفی علماء کے قول کے خلاف ہو تو اگر حدیث صحیح نہیں تو اس کے جواب کی ضرورت نہیں، اگر صحیح ہو تو اس کے رد کرنے کی اقسام (صورتیں) گزر چکی ہیں، یعنی یا تو اس کی تاویل کی جائے گی (یعنی مذہب کی حمایت میں اس کا معنی اپنی مرضی سے کیا جائے گا) یا اسے منسوخ کہا جائے گا یا اس کا معارض تلاش کیا جائے گا۔

احادیث صحیحہ کے بارے احناف کا یہ طرز عمل صحابہ و تابعین کے طرز عمل کے سراسر خلاف ہے۔ کیونکہ ان کے دور

---

❶ فتاویٰ عزیزیہ، ص ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱۔ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔ ❷ اصول کرخی، ص: ۱۱۔
❸ اُصول کرخی نمبر ۳۰، ص ۱۲، ۱۳۔

حدیث میں رسول کے مقابلہ میں کسی فقیہ کے قول یا مفتی کے فتویٰ کی کوئی اہمیت نہ ہوتی تھی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ارقام فرماتے ہیں: قَدْ تَوَاتَرَ عَنِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ اَنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا بَلَغَهُمُ الْحَدِيْثُ يَعْمَلُوْنَ بِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّلَاحَظُوْا شَرْطًا (الانصاف ص ۶۰) صحابہ کرام و تابعین سے یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ جب ان کو حدیث پہنچتی تو اس پر عمل کرائے بغیر اس کے کہ کسی شرط کی رعایت کریں۔ ❶

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حدیث رسول کے مقابلہ میں کسی مجتہد یا فقیہ کے قول کو ترجیح دینے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما اَمَا تَخَافُوْنَ اَنْ تُعَذَّبُوْا اَوْ يُخْسَفَ بِكُمْ اَنْ تَقُوْلُوْا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَقَالَ فُلَانٌ. ❷ یعنی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تم ڈرتے نہیں کہ عذاب کیے جاؤ یا زمین غرق کر دیے جاؤ، اس بات پر کہ تم کہتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور فلاں نے کہا، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل فلاں (فقیہ یا مفتی) کا ذکر کرتے ہو۔

راقم کے نزدیک جس طرح دیوبندی مسلمان ہیں، اسی طرح بریلوی بھی مسلمان ہیں اور دونوں ہم عقیدہ اور الغلو فی الدین کے مرتکب ہیں، اس فقیر کے نزدیک دونوں خانقاہی نظام سے وابستہ ہیں، یعنی بریلوی دوستوں کی طرح دیو بندی حضرات بھی تصرف اولیاء کے قائل یعنی استمداد از فوت شدگان کے قائل ہیں اور بریلوی حضرات کی طرح دیو بندی بھی وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر اور حیات کے قائل ہیں۔ اور قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیو بند فرماتے ہیں کہ ہمارے اور بریلوی بھائیوں کے عقائد ایک ہیں، جو کچھ وہ کرتے ہیں وہی کچھ ہم کرتے ہیں، نا معلوم پھر بھی وہ ہم سے ناراض کیوں ہیں؟ اور راقم کے نزدیک ان دونوں گروہوں کی باہمی لڑائی صرف پیٹ اور پلیٹ تک محدود ہے۔ ورنہ دونوں دو گروہ کہلانے کے باوجود اُصولاً اور فروعاً یک جان، دو قالب کے مصداق ہیں۔ جس کا واقعی اور مضبوط ترین ثبوت یہ ہے کہ سلفی العقیدہ جماعت حقہ کے مقابلہ میں دونوں اکٹھے ہوتے ہیں اور ان دونوں کا یہ تقلیدہ اتحاد آئے دن جلوہ گر ہوتا رہتا ہے اور عیاں راچہ بیاں کا مصداق ہے، لہٰذا جب دونوں گروہ ایک ہی امام کے مقلد اور ہم پیالہ و ہم نوالہ ہیں اور یک جان دو قالب کے مصداق ہیں اور دونوں گروہ اصولاً وفروعاً امام ابوحنیفہ کے مقلد جامد اور تقلید شخصی کے وجوب کے قائل ہیں۔ اس تناظر میں احسن الفتاویٰ کا یہ فتویٰ اعجوبہ من الاعظم الاعاجیب ہے۔ اور بے جا گروہی تعصب ہے تاکہ دیو بندی تشخص کا نام نہاد بھرم محفوظ رہے اور ناروا تنگ ظفری کا مظہر ہے۔ مختصر یہ کہ ہمارے نزدیک بریلوی اور دیو بندی حضرات برابر کے مقلد اور بدعات کے خوگر ہیں تاہم دونوں مسلمان ہیں، جب دونوں مسلمان ہیں۔ لہٰذا احسن الفتاویٰ کا مذکورہ بالا فتویٰ بہر حال غلط اور فرقہ واریت کا آئینہ دار ہے۔ لہٰذا سبحانك هذا تعصب عظيم و نستغفر الله من التعصب المذهبي ونسئل الله سبحانه و تعالیٰ و توفيق العمل بالكتاب والسنة بكرة واصيلا

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ برجاں مسلم داشتن

کسی کا ہو رہے کوئی نبی کے ہو رہے ہیں ہم

❶ فتاویٰ اہل حدیث ج ۱، ص: ۶۵۔ ❷ سنن دارمی ، ص: ۴۴۔

الاستفتاء

شق صدر

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آنحضرت ﷺ کا شق صدر کس کس مقام پر اور کتنی مرتبہ ہوا؟ احادیث نبویہ کی روشنی میں واضح فرمائیں۔ (سائل محمد اسحاق نائب امیر جمعیت اہل حدیث، لاہور شہر)

جواب: اقول وباللہ التوفیق! شق صدر کے متعلق احادیث اور روایات کے تتبع اور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر شق صدر کی کیفیت کوئی پانچ مرتبہ گزری ہے۔ چنانچہ ان احادیث کو محدثین اور سیرت نگاروں نے مع جرح وتعدیل اپنی اپنی تالیفات میں نقل فرمادیا ہے۔ چنانچہ طالب تفصیل کو مواہب، زرقانی، مسند احمد، ابوداؤد، طیالسی، دارمی، دلائل ابونعیم، دلائل بیہقی، ابن عساکر، سنن دارمی، مجمع الزوائد، زاد المعاد، فتح الباری، طبقات ابن سعد، سیرت ابن ہشام، روض الانف، کنز العمال کی طرف مراجعت کرنی ہوگی۔ اُردو خواں حضرات سیرت النبیؐ از سید سلیمان ندوی جلد ۳ کا مطالعہ کریں۔ تاہم قدرے تفصیل پیش خدمت ہے:

۱۔ پہلی مرتبہ آپ کا شق صدر اس وقت ہوا جب آپ کی عمر شریف پانچ سال کی تھی اور آپ مائی حلیمہ سعدیہ کے ہاں پرورش پا رہے تھے۔
۲۔ دوسری بار جب آپ کی عمر شریف دس برس کی تھی۔
۳۔ جب آپ بیس سال کے تھے۔
۴۔ آغازِ نبوت کے زمانہ میں۔
۵۔ جب آپ کو معراج کرائی گئی۔ [1]

دوسری، تیسری اور چوتھی دفعہ والی احادیث انتہائی کمزور ہیں اور اربابِ جرح وتعدیل نے ان پر تنقید فرمائی ہے۔

بہرحال دس سال میں شق صدر والی روایت یہ ہے:

((عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ حَرِيْصًا عَلٰى اَنْ يَسْأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ اَشْيَاءَ لَا يَسْأَلُهُ عَنْهَا غَيْرُهُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَوَّلَ مَا رَاَيْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ اَنِّيْ لَفِيْ صَحْرَاءَ اِبْنُ عَشْرِ سِنِيْنَ اَشْهُرٍ وَاِذَا بِكَلَامٍ فَوْقَ رَأْسِيْ وَاِذَا بِرَجُلٍ يَقُوْلُ لِرَجُلٍ اَهُوَ هُوَ قَالَ نَعَمْ فَاسْتَقْبَلَانِيْ بِوُجُوْهٍ لَمْ اَرَهَا لِخَلْقٍ قَطُّ وَ اَرْوَاحٍ لَمْ اَجِدْهَا مِنْ خَلْقٍ قَطُّ وَثِيَابٌ لَمْ اَرَهَا عَلٰى اَحَدٍ قَطُّ فَاَقْبَلَا اِلَيَّ يَمْشِيَانِ حَتّٰى اَخَذَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِعَضُدِيْ لَا اَجِدُ لِاَخْذِهِمَا لِصَاحِبِهِ اَفْلَقَ صَدْرَهُ فَهَوَى اَحَدُهُمَا اِلٰى صَدْرِيْ فَفَلَقَهَا فِيْمَا اَرٰى بِلَادَمٍ وَلَا وَجَعٍ فَقَالَ لَهُ اَخْرِجِ الْغِلَّ

[1] فتح الباری، ص:۲۲۸، باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء، پ:۲۔

وَالْحَسَدَ فَاَخْرَجَ شَيْئًا كَهَيْئَةِ الْعَلَقَةِ ثُمَّ نَبَذَهَا فَطَرَحَهَا فَقَالَ لَهُ اَدْخِلِ الرَّحْمَةَ وَالرَّاْفَةَ فَاِذَا مِثْلُ الَّذِیْ اَخْرَجَ شَبِيْهُ الْفِضَّةِ ثُمَّ هٰذَا اِبْهَامُ رِجْلِی الْيُمْنٰی فَقَالَ اغْدُوْا سَلِّمْ فَرَجَعْتُ بِهَا اَغْدُوْ بِهَا رِقَّةً عَلَی الصَّغِيْرِ وَرَحْمَةً عَلَی الْكَبِيْرِ رَوَاهُ عَبْدُاللّٰهِ وَ رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ وَثَّقَهُمُ ابْنُ حِبَّانَ . ❶

''حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبوت کے ابتدائی نشان کے متعلق آنحضرت ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے جواب میں فرمایا تھا کہ دس برس اور چند مہینوں کا تھا کہ میدان میں دو فرشتے میرے سر پر آئے، ایک کہنے لگا یہی ہمارا مطلوب ہیں؟ دوسرے نے کہا: ہاں! وہ دونوں بڑے خوش شکل، بڑے معطر اور خوش لباس تھے، اور پھر انہوں نے اس طرح میرے ہاتھ پکڑے کہ مجھے پتا بھی نہیں چلا، پھر انہوں نے بلا تشدد مجھے زمین پر لٹا دیا اور میرا سینہ چاک کیا کہ نہ خون نکلا اور نہ ہی تکلیف محسوس ہوئی۔ ایک نے اپنے ساتھ سے کہا کہ سینہ سے حسد اور کینہ نکال لیجیے تو اس نے خون کا سا لوتھڑا نکال کر پھینک دیا تو دوسرے ساتھی نے کہا کہ حسد اور کینہ کی جگہ آپ کے سینہ مبارک میں رحمت اور شفقت رکھ دیجیے۔ چنانچہ اس نے کوئی نقرئی چیز میرے سینہ پر چھڑک دی۔''

اس روایت کی سند کو ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے۔ سید سلیمان فرماتے ہیں، زوائد مسند احمد، ابن حبان، حاکم، ابن عساکر اور ابو نعیم میں بھی یہ حدیث موجود ہے، لیکن ان کتابوں کی مرکزی سند یہ ہے: معاذ بن محمد بن معاذ بن محمد بن ابی بن کعب عن ابیه محمد عن جده معاذ بن محمد عن ابی بن کعب۔ کنز الاعمال ص: ۹۲، ج ۶، باب اعلام النبوت ...... یہ سند سخت ضعیف اور مجہول راویوں پر مشتمل ہے۔ چنانچہ محدث علی بن مدینی کتاب العلل میں فرماتے ہیں: ''حَدِيْثٌ مَدَنِیٌّ وَ اَسْنَادُهٗ مَجْهُوْلٌ كُلُّهٗ لَا نَعْرِفُ مُعَاذًا وَلَا اَبَاهُ وَلَا جَدَّه''
کہ ''یہ مدنی حدیث ہے اور اس کی پوری حدیث مجہول راویوں پر مشتمل ہے، نہ تو ہمیں معاذ کا علم ہے کہ وہ کون ہے؟ نہ اس کے باپ محمد کو اور نہ اس کے دادا معاذ کو ہم جانتے ہیں۔

اور ابو نعیم نے لکھا ہے: هذا الحديث تفرد به معاذ بن محمد و تفرد بذكر السند الذى شق فيه عن قلبه ''❷ کہ ''معاذ بن محمد اس حدیث میں منفرد ہے۔ اس کے سوا دس سال میں شق صدر کو کسی نے بیان نہیں کیا۔'' اور کنز الاعمال میں بھی اس حدیث کو ضعیف لکھا گیا ہے لہٰذا یہ صحیح ثابت نہ ہوسکا۔

۲۔ بیس سال کی عمر میں شقِ صدر کا واقعہ جن روایات میں مذکور ہے وہ ضعیف ہیں اور ان کی مرکزی سند بھی معاذ بن محمد بن معاذ ہی ہے جیسے کنزل الاعمال میں یہ سند مذکور ہے۔ اور سید سلیمان فرماتے ہیں کہ بیس برس کی عمر میں شق صدر کی روایت محدثین اور ارباب سیر کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

❶ مجمع الزوائد ص ۲۲۲، ۲۲۳، باب فی اوّل امره وشرح صدره، صلى الله عليه وسلم.
❷ تهذيب التهذيب ص: ۱۹٤، ج: ۱۰، میزان الاعتدال ص: ٤٤، ج: ٤.
❸ دلائل النبوة ص: ۷۱.

۳۔ آغازِ وحی کے موقع پر شقِ صدر کی حقیقت:

دلائل ابونعیم، دلائل بیہقی، مسند حارث اور مسند طیالسی میں کچھ روایات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہیں، جن میں آغازِ وحی کے موقع پر بھی شقِ صدر کا واقعہ مذکور ہے مگر یہ روایتیں بوجوہ قابل قبول نہیں:

۱۔ آغازِ وحی والی حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد بن حنبل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سب سے زیادہ مفصل، صحیح اور محفوظ بیان ہوئی ہیں۔ مگر ان میں آغازِ وحی اور غارِ حرا میں جبرئیل امین کی پہلی آمد پر شقِ صدر کا کچھ ذکر نہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مفصل اور اصح حدیث میں شقِ صدر کا مذکور نہ ہونا اس واقعہ کی بے اعتباری ثابت کرتا ہے۔

۲۔ ان روایات کے عدمِ قبول کی وجہ ثانی یہ ہے کہ ابو داؤد طیالسی، مسند حارث، دلائل نبوت، بیہقی، دلائل ابونعیم کی مرکزی سند ابوعمران الجونی ہے اور وہ سخت ضعیف ہے۔ پوری سند یہ ہے: اَبُوْ دَاوٗدَ قَالَ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْ عِمْرَانَ الْجَوْنِیّ عَنْ رِجَالٍ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِعْتَكَفَ هُوَ وَخَدِيْجَةُ شَهْرًا بِحَرَاءٍ فَوَافَقَ شَهْرُ رَمَضَانَ...... نَحْبِطُ جِبْرِيْلُ اِلَى الْاَرْضِ وَبَقِيَ مِيْكَائِيْلُ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ قَالَ فَاَخَذَنِيْ جِبْرِيْلُ فَصَلَّقَنِيْ عَلَاوَةَ الْقَفَاشِقِ عَنْ بَطْنِيْ فَاَخْرَجَ مِنْهُ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ غَسَلَهٗ فِيْ طَسْتٍ مِّنْ ذَهَبٍ ثُمَّ كَفَانِيْ كَمَا يُكْفَأُ الْاِنَاءُ ثُمَّ خَتَمَ فِيْ ظَهْرِيْ حَتّٰى وَجَدْتُّ مَسَّ الْخَاتَمِ۔ "[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اور بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک مہینہ غار میں بطورِ اعتکاف ٹھہرے کہ رمضان آ گیا...... حضرت جبرئیل زمین پر تشریف لائے جب کہ حضرت میکائیل فضا میں رہے۔ چنانچہ جبرئیل آئے مجھے گردن کے بل لٹایا اور میرا سینہ چاک کیا، کوئی چیز باہر نکالی اور اس کو سونے کی طشتری میں دھویا اور پھر میری پشت پر ختمِ نبوت کی مہر کندہ کی جسے میں نے محسوس کیا۔"

آپ نے ملاحظہ فرمایا، اس سند میں ایک راوی ابوعمران الجونی ہے جس کے شیخ کا کچھ پتا نہیں کہ وہ کون ہیں؟ تاہم ابو داؤد طیالسی اور ابونعیم کے مطابق ابوعمران الجونی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان والا شخص یزید بن بانیوس ہے۔ مسند ابو داؤد طیالسی ص ۲۱۷ اور دلائل ابونعیم ص ۶۹ پر مذکور ہے، اگر یہ راوی یزید بن بانیوس نہیں ہے تو پھر یہ سند منقطع ہے جو قابل حجت نہیں ہوتی۔ اور اگر یہ راوی وہی ہے تو سخت شیعہ اور قاتل حضرت علی رضی اللہ عنہ ہے۔ میزان الاعتدال میں ہے: مَا حَدَّثَ عَنْهُ سِوَى اَبِيْ عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ قَالَ الدُّوْلَابِيُّ وَهُوَ مِنَ الشِّيْعَةِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْا عَلِيًّا وَنَقَلَ ابْنُ الْقَطَّانِ هٰذَا الْقَوْلَ عَنِ الْبُخَارِيِّ فِيْهِ قَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ كَانَ شِيْعِيًّا قَالَ ابْنُ عَدِيٍّ اَحَادِيْثُهٗ مَشَاهِيْرُ وَقَالَ الدَّارَ قُطْنِيُّ لَا بَأْسَ بِهٖ۔ "[2] "یعنی یزید بن بانیوس سے روایت کرنے میں ابوعمران الجونی متفرد ہے۔ علامہ دولابی کہتے ہیں کہ یہ یزید ان شیعوں میں سے ہے جنھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔ امام یحییٰ بن القطان نے اس

[1] طیالسی ص: ۲۱۵، ۲۱٦، مرویات عائشہ۔ [2] دلائل النبوۃ ص: ۷۱۔

کے متعلق یہ قول امام بخاریؒ سے بھی نقل کیا ہے۔ امام ابو داؤد نے بھی اس کو شیعہ قرار دیا ہے تاہم دارقطنی نے اس کی قدرے توثیق کی ہے، مگر تعدیل پر جرح مقدم ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ شق صدر کا یہ واقعہ بھی صحیح نہیں۔

۴۔ حضرت حلیمہ کے ہاں عہد طفولیت میں شق صدر:

اب رہ گئیں وہ روایات و احادیث جن میں حلیمہ سعدیہ کے ہاں قیام کے زمانہ میں شق صدر کا ذکر خیر ہے۔ اس سلسلہ میں آٹھ سندیں مختلف طریقوں سے صحابہ کرام تک جا پہنچتی ہیں ان میں صرف دو سندیں صحیح ہیں اور باقی ضعیف ہیں۔

الف: پہلی سند اور اس کی حقیقت: یہ سند اس طرح ہے: جہم بن ابی جہم عبداللہ بن جعفر سے اور وہ خود حلیمہ سے راوی ہیں۔ یہ حدیث سند ابن اسحاق اور دلائل ابونعیم میں ہے۔ جہم بن ابی جہم مجہول ہے اور عبداللہ بن جعفر کی حلیمہ سعدیہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے اور ابن اسحاق جہم بن ابی جہم کا شک ظاہر کرتا ہے۔ اس نے کہا: عبداللہ بن جعفر نے خود مجھ سے کہا یا ان سے سن کر کسی اور نے مجھ سے کہا۔ ابونعیم میں گو یہ شک مذکور نہیں ہے بلکہ وہ تصریحاً عبداللہ بن جعفر کا نام لیتا ہے، مگر اس میں اس کے نیچے کے راوی مجروح ہیں۔ ❶

ا:......سند یہ ہے: قَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنِي جَهْمُ بْنُ أَبِي جَهْمٍ مَوْلًى لِامْرَأَةٍ بَنِي نُعَيْمٍ كَانَتْ عِنْدَ الْحَارِثِ بْنِ حَاطِبٍ قَالَ حَدَّثَنِي مَنْ سَمِعَ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ جَعْفَرٍ قَالَ حُدِّثْتُ عَنْ حَلِيْمَةَ۔"

ب:......دوسری سند واقدی کی ہے۔ ابن سعد نے اس کی سند کو یوں بیان کیا ہے: اخبرنا محمد بن عمر عن اصحابه مكث عنهم سنقين حتى فطم وكانه ابن اربع سنين" ❷

یہ سند بھی ضعیف ہے اور اس کی دو وجہیں ہیں:

وجہ اوّل:......محمد بن عمر واقدی ضعیف بلکہ بقول بعض کذاب ہے: قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ هُوَ كَذَّابٌ يُقَلِّبُ الْأَحَادِيْثَ قَالَ ابْنُ مَعِيْنٍ لَيْسَ بِثِقَةٍ وَقَالَ مَرَّةً لَا يُكْتَبُ حَدِيْثُهُ قَالَ الْبُخَارِيُّ وَ أَبُوْحَاتِمٍ مَتْرُوْكٌ وَقَالَ أَبُوْ حَاتِمٍ أَيْضًا وَالنَّسَائِيُّ يَضَعُ الْحَدِيْثَ" ❸

"بقول امام احمد واقدی کذاب ہے، یحییٰ بن معین نے ضعیف کہا ہے۔ امام بخاری اور ابو حاتم نے اس کو متروک قرار دیا ہے۔ ابو حاتم اور نسائی نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ حدیثیں تیار کیا کرتا تھا۔" تاہم بعض نے اس کی توثیق بھی کی ہے لیکن جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے۔ امام احمد، بخاری، ابو حاتم، یحییٰ بن معین اور نسائی ایسے ماہرین علم حدیث اور کاملین فن جرح و تعدیل کی یہ جرحیں یوں بے وزن نہیں بنائی جا سکتیں۔

وجہ دوم:......اگر واقدی پر جرح نہ بھی ہوتی تب بھی یہ سند منقطع ہے۔ مورخ واقدی نے "عن اصحابه" کہہ کر اپنے سے اوپر کی سند کو یوں ہی گول کر دیا ہے۔

❶ سیرت النبی سید سلیمان ندوی ص: ۳۳۴، ج۳، البدایه والنهایة، ج: ۲، ص: ۲۷۳، سیرت ابن هشام، ص: ۱۶٤.
❷ طبقات ابن سعد، ص: ۷۰، ج: ۱.
❸ میزان الاعتدال ج: ۳، ص: ٦٦٣، تحفة الاحوذی.

ج:...... ابونعیم نے ایک اور سلسلہ کے اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ جو یہ ہے عبدالصمد بن محمد السعدی اپنے باپ سے اور وہ اپنے باپ سے اور وہ ایک شخص سے جو حضرت حلیمہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا بیان کرتے ہیں، یعنی یہ تمام سند مجہول ہے۔ ❶

د:...... ابن عساکر اور بیہقی نے ایک اور سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ واقعہ نقل کیا ہے، مگر اس سند میں محمد بن زکریا الغلابی جھوٹا اور وضاع راوی ہے۔ اس کا شمار قصہ گویوں میں ہے۔ ❷

ہ:...... ابن عساکر نے شداد بن اوس صحابی کے واسطے سے ایک نہایت طویل داستان بیان کی ہے۔

البدایہ والنہایہ ص:۲۷۶، ج:۲ میں اس داستان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس میں مذکور ہے کہ قبیلہ بنی عامر کے ایک پیر مرد نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر آپ ؐ سے ابتدائی حالات پوچھے۔ آپ نے پورا پورا حال بیان کر دیا۔ منجملہ اکے ایک واقعہ پر اپنے بچپن کا شق صدر کا بھی بیان کیا۔ امام ابن عساکر اس کو غریب یعنی ثقات راویوں کے خلاف کہتے ہیں۔

علاوہ ازیں اس سلسلہ سند میں ایک بے نام راوی ہے۔ اس سے اوپر ایک اور راوی ابو العجفاء قابل اعتراض ہے جو شداد بن اوس صحابی سے اس قصہ کا سننا بیان کرتا ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں:

"اِبْنُ سِیْرِیْنَ عَنْ اَبِی الْعَجْفَاءِ عَنْ اَبِیْهِ فِی حَدِیْثِهٖ نَظَرٌ." ❸

"ابو عجفاء کا نام ہرم ہے۔ ابو احمد حاکم نے کہا ہے کہ اس کی حدیث ٹھیک نہیں ہے۔ ابو یعلیٰ اور ابن عساکر نے مکحول شامی کے واسطہ سے حضرت شداد بن اوسؓ سے بعینہ اس واقعہ کو ایک اور سند کے ساتھ بیان کیا ہے جس میں کوئی مجہول راوی نہیں ہے۔ تاہم مکحول اور شداد کے درمیان ایک راوی ساقط ہے۔"

یعنی یہ سند منقطع ہے کیونکہ مکحول نے حضرت شداد رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔ مکحول تدلیس میں بدنام تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مکحول اور شداد کے درمیان یہی ابو عجفاء تھا۔ مکحول نے اس کو ضعیف جان کر بیچ سے نکال باہر کیا۔ ❹

"عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَتَاهُ جِبْرِیْلُ وَهُوَ یَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَاَخَذَهٗ فَصَرَعَهٗ، فَشَقَّ عَنْ قَلْبِهٖ فَاسْتَخْرَجَ الْقَلْبَ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ عَلَقَةً فَقَالَ هٰذَا حَظُّ الشَّیْطَانِ مِنْكَ ثُمَّ غَسَلَهٗ فِیْ طَسْتٍ مِّنْ ذَهَبٍ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ لَأَمَهٗ ثُمَّ اَعَادَهٗ فِیْ مَكَانِهٖ وَجَاءَ الْغِلْمَانُ یَسْعَوْنَ اِلٰی اُمِّهٖ یَعْنِیْ ظِئْرَهٗ فَقَالُوْا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ فَاسْتَقْبَلُوْهُ وَهُوَ مُنْتَقِعُ اللَّوْنِ قَالَ اَنَسٌ وَقَدْ كُنْتُ اَرٰی اَثَرَ ذٰلِكَ الْمَخِیْطِ فِیْ صَدْرِهٖ." ❺

---

❶ سیرت النبی، ص: ۲۳۴، ج: ۳۔ ❷ سیرت النبی ص: ۲۳۲، ج: ۳۔

❸ تاریخ صغیر امام بخاری ص: ۱۳، طبع الہ آباد۔ میزان الاعتدال ص ۵۵، ج ۴، ابو العجفاء السلمی یقال اسمه الهرم قال ابو احمد الحاکم لیس حدیثه بالقائم، میزان الاعتدال ص ۵۵، ج ۴۔" ❹ سیرت النبی، ص: ۲۳۵، ج: ۳۔

❺ صحیح مسلم، ص: ۹۲، باب الاسراء برسول اللہ، ج: ۱۔

"حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بچپنے میں جب بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے تو جبریل امین نے آ کر آپ کو زمین پر چت لٹایا اور سینہ چاک کر کے آپ کا دل مبارک باہر نکالا اور پھر اس کے اندر سے جما ہوا کچھ خون نکالا اور کہا یہ آپ کے دل میں شیطان کا حصہ ہے۔ پھر ایک طلائی طشتری میں آبِ زمزم سے آپ کے قلب مبارک کو غسل دیا اور پھر اس کو شگاف سے ملا دیا اور اس کی اصلی جگہ پر اسے رکھ دیا۔ اتنے میں دو سرے بچوں نے دوڑ کر آپ کی رضائی والدہ کو اطلاع دی کہ محمد کو قتل کر دیا گیا ہے تو انہوں نے آ کر آپ کا اڑا ہوا رنگ دیکھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کے سینہ مبارک پر ٹانکوں کے نشان دیکھے ہیں۔"

اس حدیث میں شق صدر کا ذکر ہے مگر شق صدر کی حکمت بیان نہیں کی گئی کہ شق صدر کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ چنانچہ اس کی حکمت حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے صحیح بخاری کی ذیل کی حدیث میں منقول ہے:

"عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ اَبُوْ ذَرٍّ يُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فُرِجَ عَنْ سَقْفِ بَيْتِىْ وَاَنَا بِمَكَّةَ فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَفَرَجَ صَدْرِىْ ثُمَّ غَسَلَهُ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِّنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِیءٍ حِكْمَةً وَاِيْمَانًا فَاَفْرَغَهُ فِىْ صَدْرِىْ ثُمَّ اَطْبَقَهُ...... الخ." [1]

"حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ایک رات مکہ مکرمہ میں اپنے گھر محو خواب تھا کہ جبریل امین میرے گھر کی چھت پھاڑ کر میرے پاس تشریف لائے اور میرا سینہ چاک کیا، آبِ زمزم سے دھویا اور پھر ایمان و حکمت سے بھری ہوئی ایک طلائی طشتری میرے سینہ میں انڈیل دی اور پھر اسے بند کر دیا۔"

حدیث اور سیرت کے دفاتر کو سرسری نظر سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ پر شق صدر کی کیفیت کوئی پانچ مرتبہ گزری ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ آپ کا شق صدر صرف دو مرتبہ ہوا ہے۔ ایک دفعہ مائی حلیمہ سعدیہ کے پاس بچپن میں اور دوسری بار معراج کے موقع پر۔ باقی مواقع پر شق صدر والی روایات اُصولِ روایت کے معیار پر پوری نہیں اُترتیں۔

ہم نے شق صدر سے متعلق قدرے تفصیل اس لیے لکھی ہے کہ قارئین کرام کو بھی پیش نگاہ رکھیں اور منکرین حدیث کے زاویہ فکر کی بھی پیمائش کریں تا کہ معلوم ہو کہ انکارِ حدیث کے پس منظر میں قرآن عزیز کی کون سی خدمت یہ لوگ کر رہے ہیں؟

اب منکرین حدیث کے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر شق صدر پر اعتراضات مع جواب ملاحظہ فرمایئے:

اعتراضِ اوّل:...... جب بچپن میں حضور ﷺ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کہاں تھے؟ آپ ایک ایسے واقعہ کے عینی شاہد بنے ہوئے ہیں جو آپ کی پیدائش سے قریباً چھتیس برس پہلے ہوا تھا۔" (دو اسلام ص: ۷۵)

جوابِ اوّل:...... بچپن میں شق صدر کی روایات حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت ابن عباس، شداد بن اوس، عتبہ بن عبد سلمی وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔ جیسے کہ سنن دارمی، البدایہ والنہایہ، مجمع الزوائد، ابو یعلیٰ، ابن

[1] صحیح بخاری ص ۵۰ باب کیف فرض الصلوٰۃ فی الاسراء۔

عساکر اور دوسری کتب میں منقول ہیں۔ اگرچہ یہ روایات علی حدہ کچھ کمزور ہیں مگر جب ان کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس صحیح حدیث کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو ان میں ایک گونہ قوت پیدا ہو جاتی ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

جوابِ ثانی:......معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعتراض صرف سرسری نظر کی پیداوار ہے۔ اگر حدیث انس رضی اللہ عنہ کو بہ نظرِ امعان دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ صرف بچپنے میں شق صدر کا واقعہ بیان کر رہے ہیں نہ کہ یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ شق صدر کے اس موقع پر میں بھی آپ کے پاس موجود تھا۔ یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ دعویٰ ہرگز نہیں ہے کہ میں اس واقعہ کا چشم دید گواہ ہوں۔ اور جس چیز کے عینی گواہ ہونے کا دعویٰ ہے وہ صرف یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سینہ مبارک پر شق صدر کے ٹانکوں کے نشان دیکھے ہیں اور بس!......اور ٹانکوں کے نشان دیکھنے کے لیے یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ شق صدر کے موقع پر بھی موجود ہوں۔ رہا یہ سوال کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ واقعہ کس شخص سے روایت کرتے ہیں تو اس کا سیدھا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے رسول اللہ ﷺ نے بعد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بہ نفس نفیس بیان فرما دیا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کسی دوسرے صحابی سے سنا ہو اور اس کا نام بغرضِ اختصار حذف کر دیا ہو۔ اُصولِ حدیث میں ایسی حدیث کو "مرسل صحابی" کہتے ہیں اور حدیث مرسل صحابی بالاتفاق علماء (اُصولِ حدیث کے لحاظ سے) حجت ہوتی ہے۔ ❶

اعتراضِ ثانی:......دل کے دو حصے ہیں...... دل ایک پمپ ہے...... یہ صرف گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جو ہاتھ اور پاؤں کی طرح لذت و الم کا احساس نہیں کرتا۔ نہ ہی وہ خیر و شر کا محرک ہے۔ تمام افکار، جذبات، خیالات اور تصورات کا مرکز دماغ ہے، خیر و شر کی تحریک یہیں پیدا ہوتی ہے اور ارادے یہیں بندھتے ہیں۔ اگر جبرئیل علیہ السلام کا مقصد منبع شر کو مٹانا تھا تو دماغ کو چیرتا نہ کہ دل کو......اور دماغ کا مسکن کھوپڑی ہے نہ کہ سینہ۔" (دو اسلام، ص: ۷۵، ۷۶)

جواب:......دل انسانی جسم میں سرمایۂ حیات ہے۔ اگر کسی چوٹ کی وجہ سے دل کی حرکت بند ہو جائے تو فوراً موت واقع ہو جاتی ہے۔ ❷

آئے دن اخبارات میں یہ خبریں آتی رہتی ہیں کہ فلاں صاحب حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے وفات پا گئے۔ ایسا بھی نہیں ہوسکتا نہ ہوا ہے کہ حرکت قلب تو بند ہو گئی ہو، لیکن دماغ مسلسل مصروف کار رہا ہو اور بدستور رنج و الم، راحت و سرور اور غصہ و گھبراہٹ کا احساس کرتا رہے۔ اور یہ بھی آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ دماغ فیل ہو چکا ہوتا ہے لیکن دل اپنے کام جاری رکھتا ہے۔

نام نہاد اہل قرآن اگر قرآن عزیز میں تدبر کرتے تو بات ان کی سمجھ میں آجاتی۔ قرآنِ کریم میں بیسیوں مقامات پر یہ تصریح ہے کہ وحی الٰہی کا مہبط قلب ہے نہ کہ دماغ۔ چنانچہ سنئے اور غور فرمائیے:

﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (البقرة:٩٧)

---

❶ ملاحظہ فرمائیے: نزھۃ النظر، تدریب الراوی، الفیہ عراقی، کفایۃ بغدادی اور مقدمہ ابن الصلاح۔

❷ علم الابدان ص ۱۹۲، بحوالہ تفہیم الاسلام مولانا مسعود احمد کراچی۔

''جو جبرئیل کا دشمن ہے (وہ بے انصاف ہے) کیونکہ جبرئیل تو وہ ہے جس نے قرآن پاک آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل کیا ہے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام افکار و خیالات اور جذبات کا مرکز دل ہے نہ کہ دماغ۔ اگر دماغ ہوتا تو قرآن کا نزول دل پر نہ ہوتا بلکہ دماغ پر ہوتا۔ جب دل میں لذت و سرور اور رنج و الم کا احساس ہی نہیں تو قرآن کا اس پر نزول چہ معنی دارد؟...... معترض صاحب کو اعتراضِ حدیث کے بجائے قرآن پر غور کرنا چاہیے تھا۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾

''اللہ تعالیٰ سینوں میں دبی باتوں کا جاننے والا ہے۔''

اور یہ ایسی آیت ہے کہ اس میں کوئی تاویل بھی نہیں ہو سکتی۔

﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُوْنَ بِهَا﴾ (الاعراف: ۱۸۰)

''ان کے پہلو میں دل ہیں لیکن وہ ان کے ذریعے سمجھتے نہیں۔''

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ افکار و جذبات اور جذبات و احساسات کا مرکز دل ہے دماغ نہیں ہے اور پھر اس دل کی جگہ بھی قرآن مجید نے بیان کر دی ہے:

﴿اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ﴾ (الحج: ۴۶)

''کیا انہوں نے سیر نہیں کی ملک کی، جو ان کے دل ہوتے جن سے سمجھتے یا کان ہوتے جن سے سنتے، سو کچھ آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتیں لیکن دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔''

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ غور و فکر، لذت و راحت اور خیالات و جذبات کا مرکز دل ہے جو سینے میں ہوتا ہے...... یعنی ان تباہ شدہ مکانات کے کھنڈر دیکھ کر کبھی انہوں نے غور و فکر نہ کیا نہ کچی بات ان کو کچھ آئی...... آنکھوں سے دیکھ کر دل سے غور نہ کیا تو وہ نہ دیکھنے کے برابر ہے۔ گو ظاہری آنکھیں کھلی ہوں لیکن دل کی آنکھیں اندھی ہیں تو گویا کچھ بھی نہ دیکھا کہ سب سے زیادہ خطرناک اندھا پن وہی ہے جس میں دل اندھے ہو جائیں۔

وضاحت:...... پہلی آیت میں قلب بمعنی دماغ تاویل کی جا سکتی تھی، مگر آخری تین آیات میں خصوصاً آخری میں اس کی تاویل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بہر حال ان آیات بینات سے معلوم ہوا کہ وحی الٰہی کا مہبط و مرکز انسان کا دل ہے، جو اس کے پہلو میں ہے نہ کہ دماغ جو اس کی کھوپڑی میں ہے، لہٰذا دل کا آپریشن ہی ضروری تھا، دماغ کو چیرنے کی ضرورت نہ تھی۔

ناصحا، اتنا تو سمجھ دل میں اپنے کہ ہم
لاکھ ناداں ہونگے تو کیا تجھ سے بھی ناداں ہونگے

ہر کسی کو والد کے نام سے پکارا جائے گا

گزشتہ شمارہ میں ایک استفتاء کے جواب میں لکھا گیا تھا کہ قیامت کے روز ہر بچہ کو اس کے والد کے نام سے پکارا جائے گا، شمارہ ہذا میں مسئلہ مذکور مزید وضاحت سے پیش خدمت ہے۔

جن علماء کا موقف یہ ہے کہ قیامت کے روز ہر بچہ کو ماں کے نام سے پکارا جائے گا، اپنے دعویٰ کے ثبوت میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں:

۱: طبرانی میں ہے:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ اللّٰهَ يَدْعُوا النَّاسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِاُمَّهَاتِهِمْ سَتْرًا سَنَه عَلٰى عِبَادِهٖ." ●

''کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی ماؤں کے نام سے بلائے گا تاکہ ولدالزنا لوگوں کی پردہ پوشی ہو سکے۔''

مگر اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث سخت ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"سَنَدُهٗ ضَعِيْفٌ جِدًّا." ●

''اس حدیث کی سند سخت ضعیف ہے۔''

محقق علامہ حافظ ابن القیم نے سنن ابی داؤد کے حاشیہ پر اس حدیث کو ضعیف لکھا ہے۔ جناب ملا علی قاری حنفی نے بھی اس حدیث کو باطل محض لکھا ہے۔ عبارت یہ ہے:

"وَمِنْ ذَالِكَ حَدِيْثُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَدْعُوْنَ بِاُمَّهٰتِهِمْ لَا بِاٰبَائِهِمْ هُوَ بَاطِلٌ." ●

''منجملہ موضوع احادیث میں سے یہ حدیث بھی موضوع ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کو ان کی ماؤں کے نام پر آواز دی جائے گی۔ یہ حدیث باطل ہے۔''

جواب نمبر ۲:...... یہ ان صحیح احادیث کے خلاف ہے جو ابھی آگے بیان ہوں گی۔

جواب نمبر ۳:...... اس حدیث میں "امہاتھم" کے الفاظ محفوظ نہیں ہیں۔ محمد بن کعب نے "بامھاتھم" کی جگہ "یا مامھم" نقل کیا ہے۔ بہر حال یہ حدیث اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ لوگوں کو قیامت کے دن ان کی ماؤں کے نام پر لایا جائے گا۔

دلیل نمبر ۲:...... حضرت عیسیٰ چونکہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، لہٰذا قیامت کے روز ان کا لحاظ رکھتے ہوئے ہر کسی کو ماں کے نام پر آواز دی جائے گی۔

اس دلیل کا جواب گزشتہ اشاعت میں دیا جا چکا ہے۔

دلیل نمبر ۳:...... امام بغوی رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں تیسری دلیل یہ لکھی ہے: "لشرف الحسن والحسین"

● عون المعبود ص ۴۴۲، ج ۴، فتح الباری ص ۴۶۴، ج ۱۰۔ ● فتح الباری، ص: ۴۶۴، ج: ۱۰۔

● موضوعات کبیر ۱۷۵۔

کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی شرافت نسبی کے لحاظ کو مدنظر رکھ کر ہر آدمی کو قیامت کے دن اس کی ماں کے نام پر بلایا جائے گا۔ کیونکہ حضرت حسین کی شرافت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی مرہونِ منت ہے۔

جواب نمبر ۱:...... یہ بات بالکل من گھڑت ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شرافت محض حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی مرہونِ منت ہے۔ حسین رضی اللہ عنہ کی منقبت وعظمت میں جہاں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حصہ ہے وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پدرانہ نسبت برابر کی شریک ہے۔ علاوہ ازیں خود ان کے تقویٰ وطہارت کو نظر انداز کرنا بھی کچھ درست نہیں۔

جواب نمبر ۲:...... امام بغوی کی یہ دلیل خود ان کی اپنی تجویز کردہ ہے جو سراسر عقیدت کی آئینہ دار ہے اور کسی بھی صحیح یا ضعیف حدیث سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

جواب نمبر ۳:...... مزید برآں یہ بات صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی صحیح حدیث کے خلاف ہے جو آگے آرہی ہے۔

دلیل نمبر ۴: ...... اس مؤقف کی تائید میں آخری بات یہ کہی جاتی ہے کہ والدہ کے نام پر لوگوں کو اس لیے آواز دی جائے گی تاکہ حرامی بچے ذلت ورسوائی سے محفوظ رہ سکیں۔ (معالم التنزیل)

جواب:...... زنا سے پیدا ہونے والے بچوں کی فضیحت اور رسوائی مطلوب نہیں بلکہ ان لوگوں کی تعریف اور امتیاز مطلوب ہے اور ظاہر بات ہے کہ آدمی کی حقیقی پہچان اس کے والد کے نام کے ذریعہ ہوتی ہے، اپنی ماں کے ذریعہ ہرگز نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں باپوں کے نام پر بلانے پر اگر فضیحت اور ذلت ہوگی تو زانی اور مزنیہ کی ہوگی، جنہوں نے یہ نابکاری کی ہوگی۔ اس نابکاری کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچوں کا کیا قصور ہے کہ انہیں مورد فضیحت والزام گردانا جائے؟ اور پھر یہ بات "اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ" کہ بچہ اس کا ہوتا ہے جس کے فراش پر پیدا ہو، اور زانی کے لیے پتھر ہے۔" کے بھی خلاف ہے۔

جواب نمبر ۲:...... یہ بات بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی صریح حدیث کے خلاف ہے کہ قیامت کے دن ہر کسی کو اس کے باپ کے نام پر پکارا جائے گا۔ اور اپنے اندر اتنا دم خم بھی نہیں رکھتی کہ اسے متنازعہ مسئلہ میں دلیل ٹھہرایا جا سکے۔

صحیح مؤقف اور اس کے دلائل:

ازروئے صحیح احادیث صحیح یہ ہے کہ ہر بچے کو اس کے باپ کے نام پر بلایا جائے گا، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

"عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِنَّ الْغَادِرِ يُرْفَعُ لَهُ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُقَالُ لَهُ هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ." [1]

"آنحضرت ﷺ نے فرمایا، بدعہد اور بے وفا آدمی کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری اور بدعہدی ہے۔"

[1] صحیح بخاری، باب یدعی الناس بآباء ھم، ص: ۹۱۲، ج۲.

کہ ''اس کے لیے جھنڈا کھڑا کیا جائے گا۔''

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر آدمی کو اس کے باپ کے نام پر پکارا جائے گا کہ دنیا میں وہ جس طرف منسوب تھا کیونکہ اس حدیث میں ''فلاں بن فلاں'' ہے، ''فلاں بن فلانۃ'' نہیں۔ اور ''فلاں'' مذکور ہے اور اس کی مؤنث ''فلانۃ'' ہوتی ہے۔

چنانچہ محدث ابن بطال فرماتے ہیں:

''فِیْ ھٰذَا الْحَدِیْثِ رَدٌّ لِقَوْلِ مَنْ زَعَمَ اَنَّھُمْ لَا یُدْعَوْنَ اِلَّا بِاُمَّھٰتِھِمْ سَتْرًا عَلٰی آبَائِھِمْ.'' ❶

''اس حدیث میں ان لوگوں کی تردید ہے جو یہ کہتے ہیں کہ باپوں کی ستر پوشی کے مد نظر لوگوں کو قیامت کے روز ان کی ماؤں کے نام پر آواز دی جائے گی۔''

اور باپ کے نام پر بہ نسبت ماں کے نام پر بلانے کی زیادہ تمیز اور پہچان ہوتی ہے۔ چنانچہ محدث ابن بطال لکھتے ہیں:

''وَالدُّعَاءِ بِالْآبَاءِ اَشَدُّ فِی التَّعْرِیْفِ ، وَاَبْلَغُ فِی التَّمِیْزِ وَفِی الْحَدِیْثِ جَوَازُ الْحُکْمِ بِظَھْرِ الْاُمُوْرِ'' ❷

کیونکہ ندا سے مراد تعریف اور تمیز مراد ہے اور بہ نسبت ماؤں کے، باپوں کے نام پر بلایا جانا پہچان اور تمیز کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شریعت میں باطن پر نہیں، بلکہ کسی کی ظاہری حالت میں حکم لگانا جائز ہے۔

حدیث نمبر ۲:

''عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّکُمْ تُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِاَسْمَائِکُمْ وَاَسْمَاءِ اٰبَاءِ کُمْ فَاَحْسِنُوْا بِاَسْمَاءِ کُمْ وَقَالَ اَبُوْ دَاوٗدَ بْنُ اَبِیْ زَکَرِیَّا لَمْ یُدْرِكْ اَبَا الدَّرْدَاءِ.'' ❸

''حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روز تم سب کو تمہارے اور تمہارے باپوں کے نام پر پکارا جائے گا، اس لیے اپنے اچھے اچھے نام رکھا کرو۔''

امام ابوداؤد اور حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو منقطع قرار دیا ہے۔ تاہم حافظ ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو: فتح الباری ص: ۴۷۶، ج: ۱۰۔ اخرجه ابو داؤد و صححه ابن حبان۔ کہ ''اس حدیث کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔''

بہر حال ان احادیث صحیحہ کے پیش نظر صحیح یہ ہے کہ ہر کسی کو قیامت کے دن اس کے باپ کے نام پر آواز دی جائے گی اور ماں کے نام پر بلائے جانے والی حدیث منکر، ضعیف بلکہ بقول ملا علی قاری حنفی موضوع ہے۔ علامہ علقمی وغیرہ نے

❶ فتح الباری، ص: ٤٦٤، ج: ١٠.

❷ فتح الباری، ص: ٤٦٤، ج: ١٠.

❸ عون المعبود شرح ابی داؤد، ص: ٤٤٢، ج: ٤، فتح الباری، ص: ٤٧٦، ج: ١٠.

ان حدیثوں میں تطبیق دینے کی کوشش بھی کی یہ کہ بعض کو ماں کے نام پر اور بعض کو ان کے باپوں کے نام پر آواز دی جائے گی۔ بہر حال حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ صحیح حدیث اور حافظ ابن قیم کی تحقیق کے مطابق ہمارے نزدیک یہی صحیح ہے کہ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باقی سب کو ان کے باپوں کے نام پر بلایا جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب فی یوم الحساب!

عقیدہ حاضر ناظر

سوال: وزیر آباد سے جناب محمد اسماعیل مشہدی لکھتے ہیں:

جناب مولانا صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مولوی ابوداؤد محمد صادق حنفی بریلوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ناظر ہونے کے ثبوت میں ایک اشتہار لکھا ہے، جس کے کالم نمبر۲ میں لکھا ہے: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسِهِمْ" (۲۳/۲، ۱۷ رکوع)

اس آیت مبارکہ میں مومنین کے ساتھ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے قرب اور نزدیکی کا بیان ہے کہ جس سے زیادہ قریب و نزدیکی نہیں ہو سکتی۔ جب آپ مومنوں کی جانوں سے بھی ان کے اتنے قریب و نزدیک ہیں تو پھر آپ کے حاضر و ناظر ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟ تفسیر معالم خازن، مظہری وغیرہ میں اس آیت کے تحت سرکار کا اپنا ارشاد منقول ہے کہ "نہیں کوئی مومن مگر یہ کہ دنیا و آخرت میں سب لوگوں سے بڑھ کر اس کے قریب ہوں۔ اگر چاہو تو یہ آیت "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسِهِمْ" پڑھو۔

مزید فرمایا: "اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ کَانُوْا وَحَیْثُ کَانُوْا۔" مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۶۳ ...... آپ اس اقتباس کا محققانہ طریق سے جواب دیں اور "ترجمان الحدیث" میں شائع فرمائیں۔ جزاکم اللہ!

الجواب:...... اقول و باللہ التوفیق:

جواب: واضح ہو کہ باطل مکاتب فکر اور شرک کے رسیا حضرات کی ایک خاص تکنیک اور مخصوص ذہنیت ہوتی ہے، جو ان کی تحریروں میں صاف نظر آتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ دلائل و براہین کے نام سے جعل سازی، خدع، عیاری اور فریب کاری، بس یہی ان کا مبلغ علم اور سرمایۂ تحقیق ہوتا ہے۔ چنانچہ یہی ذہنیت یہاں بھی کارفرما ہے۔ اگر فرصت ہوتی تو میں اس اقتباس پر مفصل تبصرہ کرتا، تاہم تعمیل ارشاد میں مظہری اور مرقات شرح مشکوٰۃ کی پوری عبارت پیش خدمت ہے۔ آپ اس عبارت سے مولوی ابوداؤد صاحب بریلوی کی دیانت داری کا اندازہ کر سکیں گے۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مرحوم اپنی تفسیر مظہری میں رقم طراز ہیں:

"اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ یَعْنِیْ مِنْ بَعْضِهِمْ لِبَعْضٍ فِیْ نُفُوْذِ الْحُکْمِ عَلَیْهِمْ وَوُجُوْبُ طَاعَتِهٖ عَلَیْهِمْ فَلَا یَجُوْزُ اِطَاعَةُ الْاٰبَاءِ وَالْاُمَّهَاتِ فِیْ مُخَالَفَةِ اَمْرِ النَّبِیِّ صَلَّی

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ اَوْلٰی بِھِمْ فِی الْحَمْلِ عَلٰی مَا کَانَتْ طَاعَتُھُمْ لِلنَّبِیِّ اَوْلٰی بِھِمْ مِنْ طَاعَتِھِمْ لِاَنْفُسِھِمْ وَذَالِکَ لِاَنَّہٗ عَالِمٌ بِمَصَالِحِھِمْ وَنَجَاحِھِمْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ بِخَلَافِ اَنْفُسِھِمْ فَاِنَّھَا اِمَارَۃٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَنْ رَحِمَ اللّٰہُ وَھُوَ ظَلُوْمٌ وَجَھُوْلٌ فَیَجِبُ عَلَیْھِمْ اَنْ یَکُوْنَ الرَّسُوْلُ اَحَبُّ اِلَیْھِمْ مِنْ اَنْفُسِھِمْ فَاَمَرَہٗ اَنْفَذَ عَلَیْھِمْ مِنْ اَمْرِھَا وَ شَفَقَتَہٗ اَوْفَرُ مِنْ شَفَقَتِھَا عَلَیْھَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ مِنْ حَدِیْثِ اَنَسٍ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مَنْ مِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَاَنَا اَوْلٰی بِہٖ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ اِقْرَؤُا اِنْ شِئْتُمْ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ فَاَیُّمَا مُؤْمِنٍ مَاتَ وَ تَرَکَ مَالًا فَلْیَرِثْہُ عُصْبَتُہٗ مَنْ کَانُوْا وَمَنْ تَرَکَ دَیْنًا اَوْضِیَاعًا فَلْیَاْتِنِیْ فَاَنَا مَوْلَاہٗ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ، تفسیر مظھری ص ۳۰۸، ج:۷، سورۃ احزاب ، اَنْظُرْ اَیُّھَا الْقَارِیُ الْمُحْتَرَمِ کَیْفَ صدرح صاحب المظھری القاضی ثناء اللہ الحنفی الفانی فتی معنی اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ ۔"

"خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ جنگ تبوک کے وقت آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا تو بعض صحابہ نے کہا کہ ہم اپنے والدین سے اجازت طلب کریں گے۔ اگر اجازت مل گئی تو جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ والدین کی اطاعت پر نبی ﷺ کی اطاعت مقدم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے مطابق رسول اکرم ﷺ مومن کے مصالح اور مفاسد کے متعلق زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کا یہی مطلب ہے کہ اپنے نفسوں اور خواہشات پر نبی اکرم ﷺ کی محبت غالب ہونی چاہیے۔"

مشکوٰۃ کے حوالہ سے لکھی گئی حدیث ص ۲۶۳ پر نہیں بلکہ ص ۴۴۶ پر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے براہ راست مشکوٰۃ سے حدیث نہیں لکھی بلکہ کسی رسالہ سے نقل کی ہے ورنہ وہ صفحہ نمبر غلط نہ لکھتے۔

بہر حال اس حدیث کا مطلب ملا علی قاری حنفی مرحوم کی مرقات شرح مشکوٰۃ سے نقل کیے دیتا ہوں۔ واضح رہے کہ ملا علی قاری کی مرقات پر حنفی حضرات بڑا ناز کرتے ہیں اور فخر سے کہتے ہیں کہ مشکوٰۃ کی شرح میں مرقات سب سے آخری شرح ہے۔ حضرت قاری لکھتے ہیں:

"اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیْ اَیْ بِشِفَاعَتِیْ وَاَقْرَبُ النَّاسِ اِلٰی مَنْزِلَتِیْ اَلْمُتَّقُوْنَ مَنْ کَانُوْا جَمْعَ بِاِعْتِبَارِ مَعْنًی مِن وَالْمَعْنٰی کَائِنًا مَنْ کَانَ عَرَبِیًّا کَانَ اَوْ عَجَمِیًّا اَبْیَضَ اَوْ اَسْوَدَ شَرِیْفًا اَوْ

وَضِيعًا حَيْثُ كَانُوا سَوَاءٌ كَانُوا بِمَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ أَوْ بِالْيَمَنِ وَالْكُوفَةِ وَالْبَصْرَةِ فَسَوَاءٌ أَنْظُرُ إِلَى رُتْبَةِ أُوَيْسَ الْقَرْنِيِّ عَلَى كَمَالِ التَّقْوَى وَحَالَتِ جَمَاعَةٌ مِنْ أَكَابِرِ الْحَرَمَيْنِ الشَّرِيفَيْنِ مَعَ حُرمانِ الْمَنْزِلَةِ بَلْ مِنْ إِيصَالِ ضَرَرِهِ إِلَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى مِنْ بَعْضِ ذَوِي الْقُرْبَى وَحَاصِلُهُ أَنَّهُ لَا يَضُرُّكَ بُعْدُكَ الصُّورِيُّ عَنِّي مَعَ وُجُودِ قُرْبِكَ الْمَعْنَوِيِّ بِي فَإِنَّ الْعِبْرَةَ بِالتَّقْوَى كَمَا يُسْتَفَادُ مِنْ إِطْلَاقِ قَوْلِهِ تَعَالَى إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ مِنْ غَيْرِ اخْتِصَاصٍ بِمَكَانٍ أَوْ زَمَانٍ أَوْ نَوْعِ إِنْسَانٍ فَفِيهِ تَحْرِيضٌ عَلَى مُرَاعَاةِ التَّقْوَى الْمُنَاسَبَةِ لِلْوَصِيَّةِ عِنْدَ الْمُفَارَقَةِ الصُّغْرَى وَالْكُبْرَى وَقَدْ قَالَ تَعَالَى وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ إِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللَّهَ مَعَ مَا فِيهِ مِنَ التَّسْلِيَةِ لِبَقِيَّةِ الْأُمَّةِ الَّذِينَ لَمْ يُدْرِكُوا زَمَنَ الْحَضْرَةِ وَمَكَانَ الْخِدْمَةِ هٰذَا الَّذِي سَنَحَ لِي فِي هٰذَا الْمَكَانِ مِنْ حَلِّ الْكَلَامِ عَلَى ظُهُورِ الْمَرَامِ وَقَالَ الطِّيبِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ لَعَلَّ الْإِلْتِفَاتَ كَانَ تَسْلِيًا لِمُعَاذٍ بَعْدَ مَا نَعَى نَفْسَهُ إِلَيْهِ يَعْنِي إِذَا رَجَعْتَ إِلَى الْمَدِينَةِ بَعْدِي فَاقْتَدِ بِأَوْلَى النَّاسِ وَهُمُ الْمُتَّقُونَ وَكَنَّى بِهِ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ وَنَحْوِهِ" ❶

اس عبارت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی آخری وصیت کر کے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف بھیجتے ہوئے فرمایا کہ آئندہ شاید تم میری قبر ہی دیکھو گے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرطِ جذبات سے پھوٹ پھوٹ کر رو دیے۔ اس پر آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ بھئی رونے کی کیا بات ہے، کیونکہ آپ سمیت تمام عربی، عجمی، مکی، مدنی، کوفی، بصری اور یمنی تمام پرہیز گار بہ نسبت اوروں کے میری شفاعت کے زیادہ مستحق ہوں گے۔ یا وہ میرے نزدیکی اور پڑوسی ہوں گے۔ قرب اور بعد کی مسافت کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ یہی صحیح ہے کیونکہ اویس قرنی باوجود دور ہونے کے تقویٰ کی وجہ سے بہ نسبت میرے کافر رشتہ داروں اور منافقین مدینہ کے میرے زیادہ قریب ہیں۔ اور میری شفاعت کے لیے قرب اور بعد کا اعتبار نہیں بلکہ قابل اعتبار تقویٰ اور پرہیز گاری ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ.

گویا اس وصیت میں آپؐ نے تقویٰ اور پرہیز گاری کی رغبت دلائی ہے۔ جیسے کہ "وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ" میں مفارقت صغریٰ (سفر) اور مفارقت کبریٰ (موت) میں تقویٰ کی وصیت فرمائی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں بعد میں آنے والی اُمت کو بھی تسلی دی گئی ہے اگر چہ وہ آنحضرت ﷺ کی مجلس کے فیوض اور دیدار سے محروم ہیں تاہم وہ بھی تقویٰ کے لحاظ سے میرے قریب ہوں گے۔ اور علامہ طیبی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اے معاذ! جب تم میری موت کے بعد مدینہ واپس آؤ تو بہترین لوگوں یعنی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر

❶ مرقاة شرح مشكاة ص: ۵۱، ۵۲ ج: ۵ مطبع البابي مصر.

فاروق رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں کی اقتدا کرتا۔"

اب بتایئے کہ اس حدیث میں حاضر ناظر ہونے کی کون سی بات ہے؟ اگر آپ ﷺ بعد از وصال بھی حاضر ناظر ہوتے تو آپ حضرت معاذؓ کو فرما دیتے کہ میں دنیا سے جانے کے بعد بھی آپ کے پاس رہوں گا، قبر کا نام لینے اور تقویٰ کی وصیت کرنے کی کیا ضرورت تھی، اور شفاعت کی تسلی دینے کا کیا مطلب تھا؟ اور بقول علامہ طیبی ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ایسے پرہیزگار لوگوں کی اقتدا کا حکم چہ معنی دارد؟

بالفرض اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آیت کا یہی معنی ہے کہ آپ حاضر ناظر ہیں، تو پھر تمام فوت شدہ مسلمان اور زندہ بھی حاضر ناظر ہیں۔ کیونکہ آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں:

﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ﴾ (الاحزاب:٦)

گویا ہم سبھی ہر جگہ حاضر ناظر ہوئے۔ تو پھر آپ کی خصوصیت کیا رہی؟ علاوہ ازیں مولیٰ بمعنی "ذمہ دار" بھی آتا ہے۔ جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ "مقروض مرنے والے اور بے سہارا بچوں کا میں ذمہ دار ہوں۔" چنانچہ صحیح بخاری کے حاشیہ پر امام ابن جوزی نے مولیٰ کے معنی "ولی" کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو: صحیح بخاری، ص: ۳۲۳، ج:۱، باب الصلوٰۃ علی من ترک دیناً! اصل الفاظ حاشیہ میں یہ ہیں:

"انا مولاہ ای ولیہ"

"یعنی (آنحضرت ﷺ نے فرمایا) میں مقروض کے قرضہ کا ضامن ہوں۔"

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"مَنْ تَرَكَ كَلًّا فَاِلَيْنَا." ●

لہٰذا معلوم ہوا کہ "اولیٰ بالمؤمنین" کا معنی حاضر ناظر ٹھہرانا قطعاً صحیح نہیں بلکہ یہ تحریف قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس جرم عظیم سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

تعویذ گنڈے

سوال: مکرمی ومحترمی جناب مولانا صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مہربانی فرما کر مندرجہ سوالات کے جوابات قرآن وسنت کی روشنی میں دے کر مشکور فرمائیں۔ سوالات یہ ہیں:

(۱) یہ جو آج کل اپنے آپ کو لوگ عامل کہلاتے ہیں۔ جنات کے ذریعے غیب کی چیزوں کا پتہ چلانا تعویذ دینا اور اس قسم کے کاروبار کرنا دین میں شامل کر رکھے ہیں ان کا دین میں کہاں تک وجود ہے؟

(۲) مومن کو ناراضگی اپنے چھوٹے بڑے سے کتنی دیر تک رکھنی چاہیے؟

● بخاری ص:۳۲۳، ج:۱۔

(۳) کیا جو اپنی ساری باتیں ختم کر کے جس کے گھر چلا ئے وہ جا کر کہے کہ میں تو آ گیا ہوں آپ کی شفقت کی ضرورت ہے۔ ان کو کیا کرنا چاہیے؟

(سائل (۱) عبدالمالک (پرنیومر) گوڑھا محلہ منڈی بہاؤ الدین)

(۲) عبدالحفیظ سبزواری جمعیت شبان اہل حدیث بہاؤلدین منڈی

الجواب بعون الوھاب :

جواب: ۱:...... واضح ہو کہ ایسے لوگ محض جعلساز مکار دغاباز اور جھوٹے ہیں کیونکہ غیب کا علم نہ تو کسی نبی مرسل کو ہوتا ہے اور نہ ملک مقرب کو اور نہ کسی جن کو۔ جب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی انسان اور جن کو علم غیب ہی نہیں تو جنات کے ذریعہ جو باتیں بھی بتائی جائیں گی وہ محض جھوٹ اور افتراء کے سوا کچھ نہیں ہوگا چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ﴾ (النمل ٦٥)

''یعنی اے پیغمبر! کہہ دو جتنے لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں آدمی ہوں یا جن یا فرشتے کسی کو علم غیب نہیں بجز خدا کے اور ان کو یہ خبر بھی نہیں کہ وہ کب جی کر اٹھیں گے۔''

۲. ﴿قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ (الانعام:٥٠)

''کہہ دے میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور یہ بھی کہہ دے میں غیب نہیں جانتا۔''

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی علم غیب نہیں تھا۔ تو بتایئے جب سید الرسل کو علم غیب نہ تھا تو پھر کوئی پیر شہید مجذوب سالک عابد کاہن نجومی اور یہ نام نہاد عامل جنات کس شمار وقطار میں ہیں۔ اور خود جنوں کو بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ وہ بھی علم غیب نہیں رکھتے، چنانچہ جنات مکان کی تعمیر میں لگے ہوئے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام ان کی نگرانی فرما رہے تھے۔ عصا پر سہارا تھا اسی عالم میں حضرت سلیمان علیہ السلام وفات پا گئے۔ مگر لاٹھی کے سہارے لمبی مدت تک زندوں کی طرح کھڑے رہے پھر ایک مدت کے بعد جب گھن نے لکڑی کو کھا لیا تو ان کا جسد مبارک زمین پر گر پڑا تو پھر کہیں جا کر جنات کو ان کی وفات کا علم ہوا۔ اور جنوں کو یہ ماننا پڑا کہ ہم غیب دانی کے دعویٰ میں جھوٹے ہیں چنانچہ سورہ سبا میں ہے۔

﴿فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ﴾ (السباء:١٤)

''یعنی پھر ہم نے جب (حضرت سلیمان) پر موت کا حکم دیا اس کی موت جنوں کو کسی نے نہ بتلائی مگر زمین کی دیمک نے جو اس کی لکڑی کھاتی رہی جب وہ لکڑی کھوکھلی ہو گئی تو سلیمان گر پڑا۔ اس وقت جنوں کو معلوم ہوا اگر وہ غیب کی باتیں جانتے ہوتے تو مدت تک ذلت کی محنت میں نہ پڑے رہتے۔''

ان تینوں آیات مقدسہ سے معلوم ہوا کہ نبیوں فرشتوں اور جنوں کو غیب کی باتوں کا کچھ پتہ نہیں، بتایئے ایسی صورت میں ان نام نہاد نجومیوں رمالوں پانڈوں کاہنوں اور عاملوں کے زٹلیات کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے، یہ سب جھوٹے

اور افترا پرداز اور جعل ساز لوگ ہیں ان لوگوں کے پاس جانا اپنے ایمان کا ستیاناس کرتا ہے، جہاں تک قرآن وحدیث پر مشتمل آیات کے تعویذوں کا تعلق ہے تو ان کا نہ لٹکانا ہی افضل ہے، جیسا کہ نواب صدیق الحسن نے لکھا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے تعویز لکھنا ثابت نہیں۔ البتہ آیات واحادیث پڑھ کر پھونکنا بلاشبہ جائز ہے۔ تاہم غیر شرعی تعویز گنڈے بہر حال ناپاک دھندے ہیں اس سے حد لازم ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے جو کاہن کی تصدیق کرتا ہے تو اس نے شریعت کے ساتھ کفر کیا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ.

۲۔ زیادہ سے زیادہ تین روز تک ناراض رہ سکتا ہے تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے ناراض رہنا اور گفتگو بند رکھنا شرعاً جائز نہیں۔ سنن ابی داوٗد میں ہے

"عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا يَكُوْنُ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَهْجُرَ مُسْلِمًا فَوْقَ ثَلَاثَةٍ فَإِذَا لَقِيَهُ سَلَّمَ عَلَيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ كُلُّ ذَالِكَ لَا يَرُدُّ عَلَيْهِ فَقَدْ بَاءَ بِإِثْمِهِ."

سیدہ عائشہ کا بیان ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان سے تین دن سے زیادہ مقاطعہ (بائیکاٹ) رکھے پس جب اس کو ملے تو تین بار السلام علیکم کہے اگر وہ اس کا جواب نہ دے۔ (صلح نہ کرے) تو اس طرح بائیکاٹ کا سارا گناہ جواب نہ دینے والے پر ہوگا۔ ہاں اگر اس پر ظلم ہوا ہو تو اس کی تلافی بھی کرے اور اگر بائیکاٹ کا سبب دینی امر ہو تو اس کا حکم دوسرا ہے۔

۳۔ ان لوگوں کو چاہیے کہ صلح اور سلام کی پیش رفت کرنے والے کا خیر مقدم کریں اور اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اس کی آمد کی قدر کریں۔ ورنہ سخت گناہ گار ہوں گے۔ جیسا کہ اوپر کی حدیث میں گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

اللہ تعالیٰ کی گستاخی کفر اور ارتداد ہے مگر توبہ قبول ہو سکتی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اگر ایک شخص بہت اچھا مسلمان اور نہایت ہی سمجھدار آدمی ہو تو اللہ رب العزت اسے ایک ایسا بچہ عطا فرما دیں کہ وہ جسمانی لحاظ سے معذور ہو، پھر جب یہ شخص اپنے معذور بچے کی طرف دیکھتا ہے تو اسے بہت دکھ اور افسوس ہوتا ہے۔ بہر حال یہ شخص بدستور اللہ تعالیٰ سے اپنے بچے کی صحت یابی کے لیے دعا کرتا رہتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے بچے کا علاج معالجہ بھی کرواتا ہے لیکن بچے کی حالت بجائے ٹھیک ہونے کے خراب سے خراب تر ہوتی جاتی ہے۔ اپنے بچے کی حالت نہایت ہی خراب دیکھ کر یہ شخص اتنا سخت بے قرار سا ہو جاتا ہے کہ اللہ پاک کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تو نے ہمارے باقی سب رشتہ داروں کو تو تندرست اولاد دی ہے آخر مجھ سے تجھے کیا دشمنی تھی کہ جو تو نے میرے بچے کو معذور پیدا کیا اس کے علاوہ بھی یہ شخص اللہ پاک کی شان میں کئی گستاخانہ جملے استعمال کرتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو گالیاں بھی نکال دیتا ہے۔ پھر یہ شخص اسلام کے بارے میں بدظنی کا شکار ہو جاتا ہے اور اپنی زبان سے کہتا ہے مجھے ایسے اسلام کی کوئی ضرورت نہیں کہ جسے اختیار کرنے کی وجہ سے اتنے

سخت دُکھ اُٹھانے پڑیں۔ لہٰذا میں اسلام کو چھوڑتا ہوں اور کفر کو قبول کرتا ہوں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد جب اس شخص کا غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے تو اسے کچھ احساس ہوتا ہے کہ ایسے کلمات کہنے کی وجہ سے شائد یہ کافر نہ ہوگیا ہو، لہٰذا اپنے دل کو تسلی دینے کی خاطر یہ شخص کلمہ طیبہ پڑھ لیتا ہے۔ تین چار دن کے بعد اس کے بچے کی حالت پھر بہت خراب ہو جاتی ہے، لہٰذا ایک دفعہ پھر یہ شخص غصے میں لال پیلا ہو جاتا ہے اور پہلے کی طرح پھر اللہ رب العزت کی جی بھر کر بے ادبی کرتا ہے اور پھر اسلام کا انکار کر کے کفر کو اختیار کر لیتا ہے۔ اس دفعہ بھی غصہ ٹھنڈا ہونے کے بعد یہ شخص زبان سے کلمہ طیبہ کا اقرار کر لیتا ہے۔ بس اب یہ سلسلہ یونہی چلتا رہتا ہے حتی کہ پانچ چھ مہینے کے اندر اندر متعدد مرتبہ یہ شخص اللہ پاک کی توہین کرتا ہے اور اسلام کو الوداع کہہ کر کفر کو اختیار کرنے کا اقرار کرتا ہے اور بعد میں غصہ ٹھنڈا ہونے پر فوراً کلمہ طیبہ پڑھ لینا اس شخص کا معمول بن چکا ہے۔

آخر کار بعد میں ایک دن یہ شخص اللہ پاک سے عرض کرتا ہے کہ "یا اللہ! تو میرے بچے کو ہر صورت تندرستی عطا کر دے، چاہے مجھے جو مرضی سزا دینا اور بے شک مجھے جہنم میں پھینک دینا لیکن میرا بچہ ہر صورت میں تندرست ہو جانا چاہیے۔" وہ شخص اس نوعیت کی دعا چار پانچ روز مسلسل کرتا رہتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اپنے بچے کا علاج معالجہ بھی جاری رکھتا ہے۔ آخر رفتہ رفتہ اس کا بچہ صحت یاب ہونا شروع ہو جاتا ہے حتی کہ اس دعا کے کرنے کے بعد کوئی دو سال کے اندر اندر اس کا بچہ مکمل طور پر صحت یاب ہو جاتا ہے۔ اب وہ شخص اپنے بچے کو اس طرح تندرست دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے، اور اس خوشی میں اپنے گھر میں اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی دعوت کرتا ہے۔ دعوت والے دن باتوں ہی باتوں میں وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ اس بات کا تذکرہ کرتا ہے کہ میرا یہ بچہ بہت سخت معذور تھا تو میں نے تنگ آ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ چاہے مجھے جہنم میں جانا پڑے یا کوئی اور سخت سے سخت سزا ملے لیکن یا اللہ! تو میرے بچے کو ہر صورت تندرستی عطا فرما دے۔ تو پھر اس کا دوست اسے کہتا ہے کہ یہ تو نے بڑی سخت بات کہی، اب تیرا بچہ چونکہ تندرست ہو گیا ہے، اس لیے اب یہی اُمید ہے کہ تو مرنے کے بعد جہنم میں جائے گا۔

خیر وقت یونہی گزرتا جاتا ہے اور پھر کچھ مدت گزرنے کے بعد اس شخص پر فالج کا ایسا سخت حملہ ہوتا ہے کہ جس سے اس کا ایک بازو بالکل بے کار ہو جاتا ہے۔ اب یہ شخص بہت گھبراتا ہے اور سوچتا ہے کہ میں نے چونکہ اللہ تعالیٰ کی بہت ہی زیادہ توہین کی تھی اور اسلام کا مذاق اُڑایا تھا، اس لیے کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ پاک کا غضب مجھ پر نازل ہوا ہو، اور کہیں سچ مجھے مرنے کے بعد جہنم میں نہ جانا پڑ جائے۔ پھر وہ شخص دن میں کئی مرتبہ صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کا اقرار کرتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس بات کی وجہ سے بہت پریشان ہے کہ اب آخرت میں میرا کیا بنے گا اور کیا اب اللہ رب العزت کے ہاں میرا اسلام لانا معتبر بھی ہے یا نہیں۔

تو اسی سلسلے میں آپ سے کچھ سوالات پوچھنا درکار تھے۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ ان سوالوں کے جوابات قرآن وسنت کے حوالہ سے ارشاد فرما دیں۔

۱: کیا واقعتاً وہ شخص بار بار اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنے اور اسلام کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہو گیا؟

۲: اگر کافر ہو گیا ہے تو آیا اب بھی اس شخص کے لیے اسلام کے دروازے کھلے ہیں یا نہیں؟

۳: اگر اب بھی اس شخص کے لیے اسلام کے اندر داخلے کی گنجائش موجود ہے تو یہ شخص کس طریقے سے اسلام میں داخل ہو سکتا ہے؟

۴: کیا اب اس شخص پر جہنم واجب ہو چکی ہے؟

۵: اگر واقعتاً جہنم واجب ہو چکی ہے تو پھر اس شخص کے لیے اب جہنم سے بچنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

(شمس الحق، راجہ بازار، راولپنڈی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامد و مصلیا! جواب سوال نمبر ا:......واقعی یہ شخص بار بار اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنے اور اسلام کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر بلکہ مرتد ہو چکا، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا﴾ (النساء: ۱۳۶/۵) جو کوئی اس کا انکار کرے اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور قیامت کے دن کا تو وہ شخص بڑی دُور کی گمراہی میں جا پڑا۔"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تصریح فرماتے ہیں:

"اِنْ تَضَمَّنَ تَرْكَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِالْاِيْمَانِ بِهٖ مِثْلُ الْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ فَاِنَّهٗ يَكْفُرُ بِهٖ وَكَذٰلِكَ يَكْفُرُ بِعَدَمِ اِعْتِقَادِ وُجُوْبِ الْوَاجِبَاتِ الظَّاهِرَةِ الْمُتَوَاتِرَةِ وَعَدَمِ تَحْرِيْمِ الْمُحَرَّمَاتِ الظَّاهِرَةِ. ❶

جو شخص اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور بعث بعد الموت (یعنی مرنے کے بعد جی اُٹھنے) پر ایمان نہ رکھے تو اس کی تکفیر کی جائے گی، یعنی بالاتفاق اہل السنۃ والجماعۃ اس کو کافر گردانا جائے گا۔ اور اسی طرح وہ شخص بھی کافر ہے جو واجبات ظاہرہ اور متواترہ کے وجوب کا معتقد نہ ہو اور اسی طرح محرمات ظاہرہ اور متواترہ کی حرمت کا عقیدہ نہ رکھے وہ بھی کافر ہے۔

جواب نمبر ۲:...... ہاں ایسے کافر اور مرتد پر اسلام کے دروازے کھلے ہیں، بشرطیکہ ہو پوری نیک نیتی اور مکمل اخلاص کے ساتھ اپنے کفر اور ارتداد سے تائب ہو کر اسلام قبول کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی اس کو بے پایاں رحمت اس اپنی لپیٹ میں لے لی، گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ۝﴾

(الانفال: ۳۸/۸)

"کافروں سے کہہ دو کہ اگر وہ باز آ جائیں تو جو کچھ کفر و ارتداد گزر چکا وہ انہیں معاف کر دیا جائے گا اور اگر وہ (کفر کی طرف) لوٹیں گے تو پہلے کافروں کے لیے قانون نافذ ہو چکا۔"

اس شخص کی طرح جو کوئی ایمان کے بعد بلا کسی جبر و اکراہ کے از خود اس کے ساتھ کفر کرے یا اس کی گستاخیاں کرے تو ایسا شخص مرتد ہے جیسا کہ سورۃ النحل میں فرمایا:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ (النحل: ۱۰۶)

❶ المتواترہ۔ احکام عصاۃ المؤمنین ٦٦، ٦٧.

''ایسے شخص کی بھی اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرما کر اس کے لیے اپنی رحمت کا دروازہ کھول دیتا ہے۔''

فرمایا:

﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (النحل: ۱۱۰)

''کہہ دو! اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اس کی رحمت سے مایوس نہ ہوں، بے شک اللہ سب گناہ بخش دے گا، وہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تصریح فرماتے ہیں:

"اَمَّا جِنْسُ الذَّنْبِ فَاِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُهُ فِي الْجُمْلَةِ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ وَغَيْرِهِمَا يَغْفِرُهَا لِمَنْ تَابَ مِنْهَا لَيْسَ فِي الْوُجُوْدِ ذَنْبٌ لَا يَغْفِرُهُ الرَّبَّ تَعَالٰى مَا مِنْ ذَنْبٍ اِلَّا وَاللّٰهُ تَعَالٰى يَغْفِرُهُ فِي الْجُمْلَةِ (اَحْكَامِ عَصَاةُ الْمُؤْمِنِيْنَ، ص: ۲۵، ۲۶)

''ہر وہ بات جو گناہ کی جنس میں شامل ہے خواہ کفر اور شرک وغیرہ کیوں نہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو بخش دیتا ہے جو سچی توبہ کرے۔''

کوئی ایسا گناہ موجود نہیں جسے رب تعالیٰ نہیں بخشتا۔ بلکہ ہر قسم کا چھوٹا بڑا گناہ اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے۔ لہٰذا سائل کو اللہ تعالیٰ کی وسیع ترین رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے، اگر وہ سچی اور کھری کھری توبہ کر کے ایمان پر استقامت کا مظاہرہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے اسلام کو قبول فرما لے گا۔ وما ذالك على الله بعزيزويريد الله ان يتوب عليكم. مزید براں حقیقت ہے۔ واللہ الموفق

اللہ تعالیٰ تو ایسا غفور رحیم رحمان الدنیا و لآخرۃ واحیهما ہے کہ اس نے تو کفر کے داعیوں اور کفر کی حمایت میں برسوں لڑنے والا دالوں ابوسفیان بن حرب بن ہشام، سہیل بن عمرو، صفوان بن امیہ، عکرمہ بن جہل وغیرہم کی توبہ قبول فرمائی تھی۔ بعد ازاں وہ بہترین اور مخلص ترین مسلمان ثابت ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا۔ وہ عمرو بن عاص جو کفر کا سب سے بڑا داعی اور مسلمانوں کو سب سے زیادہ ایذا دینے والا تھا جب وہ مشرف بہ اسلام ہوا تو اس کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: یا عمروا اما علمت ان الاسلام يجب ما كان قبله وفي رواية الاسلام يهدم ما كان قبله ۔ ❶ ''اسلام سابقہ گناہ اور جرموں کو ختم کر دیتا ہے۔''

جواب نمبر ۳:...... اگر سائل اللہ تعالیٰ کی گستاخیوں اور اسلام کے انکار سے سچی توبہ کر کے تلافی مافات پر کمر بستہ ہو جائے، اللہ کو مضبوط پکڑ لے اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر لے تو ان شاء اللہ الرحمٰن مسلمانوں کی صف میں شامل گنا جائے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ سَوْفَ

❶ صحيح مسلم باب كون الاسلام يهدم ما كانه قبله، كتاب الايمان.

يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا۝﴾ (النساء:١٤٦)

''مگر جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کی اور اللہ کو مضبوط پکڑا اور اپنے دین کو خالص اللہ ہی کے لیے کیا تو وہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہیں، اللہ جلد ہی ایمان والوں کو بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۝﴾ (البقرہ:١٦٠)

''مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کر لی اور اصلاح کر لی اور ظاہر کر دیا۔ پس یہی لوگ ہیں کہ میں ان کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بڑا توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہوں۔''

پس سائل ان آیات میں مذکور طریقہ کے ساتھ توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمالے گا۔

جواب نمبر ۴:...... اگر سائل نے مذکورہ بالا دونوں آیات میں مذکور طریقہ کے مطابق توبہ نہیں کی اور اسی حالت میں مرے گا تو بحکم قرآن اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔قرآن کا فیصلہ یہ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا۝﴾ (النساء:١٤٠)

''اللہ اکٹھا کرے گا منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ۔''

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ۝﴾ (الانفال:٣٦)

''اور کافر ہیں وہ وہ دوزخ کی طرف ہانکیں جائیں گے۔''

جواب نمبر ۵:......اس سوال کا جواب اگرچہ اوپر لکھا جا چکا ہے، تاہم مزید ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص سچی توبہ کرلے اور ایمان لے آئے اور نیک عمل کو اپنے اوپر لازم کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کے عذاب سے دُور رکھے گا۔اور اس کی سیئات کو حسنات میں بدل دے گا۔وہ آیت یہ ہے:

﴿اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَّكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۝﴾ (الفرقان:٧٠)

''مگر جس نے توبہ کر لی اور ایمان لایا اور صالح عمل کیے، سو اللہ ان کی برائیوں کو بھلائیوں میں بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

جہنم کے عذاب سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کوئی اور طریقہ نہیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو جہنم کے عذاب سے محفوظ فرمائے۔آمین

آسمانی بجلی کی حقیقت

بخدمت جناب مولوی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف بخیر

﴿سوال﴾: اب جو آسمانی بجلی کڑک رہی ہے یہ کہاں سے آتی ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟ کیا قرآن وحدیث میں اس

کے بارے میں کوئی راہنمائی ملتی ہے؟ (سائل: آپ کا چھوٹا بھائی محمد اسماعیل ولد مولوی محمد حسین چک ۵۳۱ گ ب ضلع فیصل آباد)

جواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: آسمانی بجلی دراصل بادلوں کو ہانکنے والے رعد فرشتہ کے کوڑے سے نکلنے والی آگ اور کڑک کا نام ہے، جیسا کہ سورۃ الرعد میں ہے:

﴿وَ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ وَ يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَ هُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ وَ هُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ٥﴾ (الرعد:۱۳)

سورۃ الصافات میں ہے:

﴿فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا٥﴾

''قسم ہے ان فرشتوں کی جو بادلوں کو ڈانٹتے اور ہانکتے ہیں۔''

ان دونوں آیات میں اسی رعد فرشتے اور اس کے ماتحت کام کرنے والے فرشتوں کا ذکر ہے۔ سورۃ الرعد کی آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَقْبَلَتْ يَهُوْدُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالُوْا يَا اَبَا الْقَاسِمِ اَخْبِرْنَا عَنِ الرَّعْدِ مَا هُوَ؟ قَالَ مَلَكٌ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُوَكَّلٌ بِالسَّحَابِ مَعَهُ مَخَارِيْقُ مِّنْ نَّارٍ يَسُوْقُ بِهَا السَّحَابَ حَيْثُ شَاءَ اللّٰهُ فَقَالُوْا مَا هٰذَا الصَّوْتُ الَّذِيْ نَسْمَعُ قَالَ زَجْرَةٌ بِالسَّحَابِ اِذَا زَجَرَهُ حَتّٰى يَنْتَهِيَ اِلٰى حَيْثُ اَمَرَ قَالُوْا صَدَقْتَ...... الحديث" هٰذَا حَدِيْثٌ حسنٌ صحيحٌ غريبٌ۔ ●

''ایک روز یہود رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور چند باتیں دریافت کرنے لگے کہ اے ابو القاسم! رعد کون ہے؟ اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: رعد اس فرشتے کا نام ہے جو بادلوں کو چلانے پر مقرر ہے، اور کڑک اس فرشتے کی آواز ہے جو بادلوں کو ہانکنے کے وقت اس فرشتے کے منہ سے نکلتی ہے۔ اس فرشتے کے پاس آگ کے کوڑے ہیں جن سے وہ بادلوں کو ہانکتا ہے۔ یہ چمک (بجلی) اسی کی آواز ہے۔''

یہ جواب چونکہ تورات کے بیان کے مطابق تھا اس واسطے یہود نے آپ کے اس جواب باصواب کی تصدیق کی۔ یہ روایت مسند احمد اور سنن نسائی میں بھی ہے۔ جامع ترمذی ج ۲، ص:۱۴۰ تفسیر سورۃ الرعد۔ ان آیات اور حدیث سے رعد اور برق (بجلی) کی حقیقت واضح ہوگئی کہ رعد فرشتے کا نام ہے اور برق اس کے کوڑے کی آواز ہے۔ روشنی ہے جو آگ سے نکلتی ہے اور گرج اس کی یا اس کے کوڑے کی آواز ہے، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوڑے کی آگ نکل کر بجلی بن کر کسی جگہ پر گرتی ہے، وہ بھی گرج بن سکتی ہے۔ شیخ والدی حضرت مولانا شرف الدین محدث دہلوی کی بھی یہی رائے ہے۔

هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب

● تحفة الاحوذي تفسير سورة الرعد ج ٤، ص:١٢٩۔

دیگر مذاہب کی کتابوں کا مطالعہ جائز ہے؟

سوال: کیا اسلام میں دیگر مذاہب کی کتابوں کے مطالعے کی اجازت ہے۔ مثلاً: تورات، زبور، انجیل وغیرہ؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔ (ایک سائل از ضلع سیالکوٹ)

جواب: جائز ہے کیونکہ زبانوں کا اختلاف آیات اللہ میں شامل ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ﴾

(الروم:۲۲)

''اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کا بنانا ہے۔ اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا الگ الگ ہونا ہے''۔

اور احادیث میں ہے:

(۱) عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ اَتَعَلَّمَ لَهٗ كَلِمَاتٌ مِنْ كِتَابِ یَهُوْدٍ وَقَالَ اِنِّیْ وَاللّٰهِ مَا مِنْ یَهُوْدٍ عَلٰی كِتَابِیْ قَالَ فَمَا مَرَّبِیْ نِصْفُ شَهْرٍ حَتّٰی تَعَلَّمْتُهٗ لَهٗ ...... ❶

''زید بن ثابت کہتے ہیں کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میں آپ کے لیے یہود کی کتاب کی تعلیم حاصل کروں اور فرمایا کہ میں یہود کی طرف سے خط و کتابت کے سلسلے میں مطمئن نہیں ہوں۔ حضرت زید فرماتے ہیں کہ میں نے صرف نصف مہینے میں ان کی کتاب میں مہارت حاصل کر لی''۔

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری لکھتے ہیں:

لَا یُعْرَفُ فِی الشَّرْعِ تَحْرِیْمُ تَعَلُّمِ لُغَةٍ مِنَ اللُّغَاتِ سَرْیَانَةٌ اَوْعِبْرَانِیَّةٌ هِنْدِیَّةٌ اَوْ تُرْكِیَّةٌ اَوْ فَارِسِیَّةٌ وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ بَلْ هُوَ مُبَاحٌ مِنْ جُمْلَةِ الْمُبَاحَاتِ نَعَمْ مَا یُعَدُّ مِنَ اللَّغْوِ وَمِمَّا لَا یَعْنِیْ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ عِنْدَ اَرْبَابِ الْكَمَالِ۔ ❷

یعنی شریعت میں سریانی اور دوسری زبانیں سیکھنے پر کوئی پابندی نہیں۔ ہاں بے مقصد اور لغویات کی تعلیم حاصل کرنا مذموم ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَةً وَحَدِّثُوْا عَنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ وَلَا حَرَجَ وَمَنْ كَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔ ❸

---

❶ هذا حدیث حسن صحیح قال الحافظ ذكره البخاری فی صحیحه معلقا وقد وصله مطولا فی كتاب التاریخ قال واخرجه ابو داؤد۔ تحفة الاحوذی باب تعلیم السریانیة ص ۳۹۲ جلد ۳۔

❷ تحفة الاحوذی ص ۳۹۲ ج ۳۔

❸ هذا حدیث حسن صحیح۔ تحفة الاحوذی باب ما جاء فی الحدیث عن بنی اسرائیل ص ۳۷٦ ج ۳۔

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دین کی تبلیغ کرو اگر چہ تمہارے پاس ایک آیت ہی ہو۔ بنی اسرائیل کے واقعات بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں جس نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹی بات نقل کی وہ جہنمی ہوگیا''۔

ان دونوں صحیح احادیث سے معلوم ہوا کہ نہ صرف دوسری زبانیں سیکھنا جائز ہے بلکہ دوسرے باطل اور منسوخ مذاہب کی کتابوں کا مطالعہ ہر اس مسلمان کے لیے جائز ہے جس میں درج ذیل شرطیں موجود ہوں۔

(۱) اول یہ کہ اسلام کے تمام بنیادی عقائد و احکام اور ضروریات میں نہ صرف کامل دستگاہ کا حامل ہو، بلکہ راسخ العقیدہ مسلمان ہو۔ جاہل اور نام کا مسلمان نہ ہو (۲) دین اسلام کو ہر لحاظ یعنی عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے کامل مکمل ضابطہ حیات (دین قیم) سمجھتا ہو (۳) اسلام کے مقابلے میں دنیا کے تمام مذاہب کو مبدل منسوخ اور باطل سمجھتا ہو (۴) ان کتابوں کو محرف اور منسوخ جانتا ہو (۵) مطالعہ سے اسلام کی برتری مقصود ہو۔ مداہنت مقصود نہ ہو (۶) اور ان مذاہب والوں کی حوصلہ افزائی بھی مقصود نہ ہو (۷) صرف پندو نصائح پر مشتمل ہو ورنہ غیر مذاہب کی کتب کا مطالعہ ہرگز جائز نہیں۔ چنانچہ یہی مطلب ہے ابو ہریرہؓ کی اس مشہور حدیث کا کہ جب حضرت فاروق اعظمؓ نے یہود کی چند حکایات اور مواعظ لکھ لینے کی اجازت طلب فرمائی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے سخت برہمی کا اظہار فرمایا تھا۔

چنانچہ تحفۃ الاحوذی میں ہے:

قَالَ السَّيِّدُ جَمَالُ الدِّيْنِ وَوَجْهُ التَّوْفِيْقِ بَيْنَ النَّهْيِ عَنِ الْاِشْتِغَالِ بِمَا جَاءَ عَنْهُمْ وَبَيْنَ التَّرْخِيْصِ الْمَفْهُوْمِ مِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ أَنَّ الْمُرَادَ بِالتَّحَدُّثِ هٰهُنَا اَلتَّحَدُّثُ مِنَ الْاٰيَاتِ الْعَجِيْبَةِ كَحِكَايَةِ عِوَجِ بْنِ عُنُقٍ وَقَتَلَ بَنِىْ إِسْرَائِيْلَ اَنْفُسَهُمْ فِيْ تَوْبَتِهِمْ مِنْ عِبَادَةِ الْعِجْلِ وَتَفْصِيْلِ الْقِصَصِ الْمَذْكُوْرَةِ فِي الْقُرْاٰنِ لِاَنَّ ذٰلِكَ طُهْرَةٌ وَمَوْعِظَةٌ لِاُوْلِي الْاَلْبَابِ وَاَنَّ الْمُرَادَ بِالنَّهْيِ هُنَاكَ النَّهْيِ عَنْ نَقْلِ اَحْكَامِ كُتُبِهِمْ لِاَنَّ جَمِيْعَ الشَّرَائِعِ وَالْاَدْيَانَ مَنْسُوْخَةٌ بِشَرِيْعَةِ نَبِيِّنَا ﷺ وَحِكَايَةُ عِوَجِ بْنِ عُنُقٍ كِذْبٌ مِحْضٌ لَا اَصْلَ لَهَا. (ص ۳۷۶)

خلاصہ کلام یہ کہ مذاہب باطلہ اور منسوخہ لٹریچر کا مطالعہ مذکورہ شرائط کے ساتھ جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب!

قضیہ باغ فدک اغضاب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

جواب: باغ فدک سے محرومی پر حضرت فاطمۃ الزہرا تا دم مرگ ناراض ہیں۔ غَضِبَتْ حَتّٰى تُوُفِّيَتْ (بخاری شریف) فَاطِمَةُ بُضْعَةٌ مِنِّىْ مَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِىْ (بخاری) چنانچہ صغریٰ کبریٰ سے اللہ اور اس کے رسول کی ناراضی ثابت ہوئی۔ ایسے میں اصحاب ثلاثہؓ بہشتی اور مغفور کیونکہ قرار پائے۔ یاللعجب۔ نیز حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے شیخین کے حق میں کاذباً خائناً غادراً کہا ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے اس کا اعتراف بھی کر لیا تھا (بخاری) لہٰذا آپ کے پاس کوئی صحیح جواب ہو تو تحریر کریں۔ (بشیر احمد غوری بنگلہ گرگیرہ ضلع ساہیوال)

جواب: اوّلاً: یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی ناراضی والی حدیث تو حضرت علیؓ کے بارے میں ہے۔ فَاطِمَةُ بُضْعَةٌ مِنِّىْ

فَمَنْ اَغْضَبَهَا فَقَدْ اَغْضَبَنِیْ ❶ پھر آپ کے درج شدہ الفاظ صحیح نہیں ہیں۔ آپ نے فَغَضِبَتْ حَتّٰی تُوُفِّیَتْ کو فَمَنْ اَغْضَبَهَا فَقَدْ اَغْضَبَنِیْ کے ساتھ ملا کر غضب کر دیا۔ آخری الفاظ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ہیں۔ ❷

پھر اس سے صغریٰ کبریٰ نکالتے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو (معاذ اللہ) اس کا مصداق قرار دیا جو کہ سراسر ظلم ہے۔

ثانیاً بخاری شریف میں فَغَضِبَتْ حَتّٰی تُوُفِّیَتْ کے ساتھ دوسرے الفاظ بھی ہیں جو یہ ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا فَقَالَ لَهُمَا اَبُوْبَكْرٍ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ اِنَّمَا يَاْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ مِنْ هٰذَا الْمَالِ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ وَاللّٰهِ لَا اَدَعُ اَمْرًا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَصْنَعُهُ اِلَّا صَنَعْتُهُ فَهَجَرَتْهُ فَاطِمَةُ فَلَمْ تُكَلِّمْهُ حَتّٰی مَاتَتْ. ❸

اس روایت میں حضرت ابوبکرؓ کی معذرت اور اس کی دلیل جس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دوبارہ مطالبہ نہ کرنا صاف طور پر ذکر ہے اور فهجرت کا معنی یہ ہے کہ پھر جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فدک کے مطالبہ کے لیے ملاقات نہیں کی اور پھر چھ ماہ کے بعد اپنے ابا جی ﷺ کو جا ملیں۔ اور بخاری کی دوسری حدیث میں وجدت کا لفظ بھی آیا ہے جس کا معنی ندامت اور حزنت ہے، اس لئے اب معنی یوں ہوگا کہ جناب صدیق رضی اللہ عنہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب معقول جواب سنا تو اپنے دعوے پر نادم ہوئیں۔ اور غضبت کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے، انہیں اپنے آپ پر غصہ آیا۔

ثالثاً: اغضاب اور غضب میں نمایاں فرق ہے۔ اغضاب کا معنی بلاوجہ ناراض کرنا ہوتا ہے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو حدیث لا نورث ما ترکنا فهو صدقة کی وجہ سے اپنی مجبوری کا اظہار فرما رہے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ راست فیصلہ وما آتاکم الرسول فخذوه کے عین مطابق تھا۔

بجرم عشق تو میکشند وغو غائیست!
تو نیز سر بام آ کہ خوش تماشائیست

رابعاً: حضرت فاطمہؓ کی یہ ناراضی اور رنجیدگی محض غلط فہمی کی بنا پر تھی اور اہل اللہ کی ایسی رنجیدگی جس کی بنیاد غلط فہمی پر ہو اس سے کوئی نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہوتا ورنہ حضرت ہارون علیہ السلام نبی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ناراض ہو گئے تھے تو کیا حضرت ہارون علیہ السلام مغضوب علیہ قرار پائیں گے؟ ہرگز ہرگز نہیں۔

خامساً: حضرت فاطمہؓ اور حضرت صدیق کی صلح ہو گئی تھی، جیسا کہ امام بیہقی نے نقل کیا ہے۔

رَوَی الْبَيْهَقِیُّ مِنْ طَرِيْقِ الشَّعْبِیِّ اَنَّ اَبَابَكْرٍ عَادَ فَاطِمَةَ فَقَالَ لَهَا عَلِیٌّ هٰذَا اَبُوْبَكْرٍ يَسْتَاْذِنُ عَلَيْكِ قَالَتْ اَتُحِبُّ اَنْ اٰذَنَ لَهُ قَالَ نَعَمْ فَاَذِنَتْ فَدَخَلَ عَلَيْهَا فَتَرَضَّاهَا فَرَضِيَتْ۔ ❹

---

❶ بخاری شریف ص ۵۳۲ ج ۱/

❷ ملاحظہ ہو: بخاری شریف ص ۵۳۲ ج ۱، مسلم شریف ص ۲۹۰ ج ۲، ترمذی شریف ص ۵۴۹ ج ۲ اور جلاء العیون اردو ص ۱۳۷۔

❸ بخاری شریف ص ۹۹۵ ج ۲ و ص ۹۹۶ ج ۲۔

❹ حاشیہ بخاری شریف ص ۵۳۲، ج ۱۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاطمہ ؓ کو راضی کر لیا اور وہ راضی ہو گئیں......''!

علاوہ ازیں حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے بقول شیعہ مصنف کے باغ فدک حضرت فاطمہؓ کو دے دیا تھا۔ ملاحظہ ہو اصول کافی ص ۳۵۵ اور شیخ ابن مطہر حلی نے بھی منہاج الکرامۃ میں اعتراف کیا ہے۔

مَا وَعَظَتْ فَاطِمَةُ اَبَابَكْرٍ فِى فَدَكٍ كُتِبَ لَهَا كِتَابًا وَرَدَّهَا عَلَيْهَا .

درۂ نجفیہ ان اسامین میں ہے:

فَقَالَتْ وَاللّٰهِ لَتَفْعَلَنَّ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَافْعَلَنَّ فَقَالَتْ اَللّٰهُمَّ اَشْهَدُ فَرَضِيَتْ بِذَالِكَ وَاَخَذَتْ الْعَهْدَ عَلَيْهِ . ❶

ہوا ہے مدعی کا میرے حق میں فیصلہ اچھا
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعان کا

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاطمہؓ کو فدک کی تحریر لکھ دی ملاحظہ ہو جلاء العیون ص ۱۵۱۔ اردو۔ اور اصولی کافی ص ۳۵۵ وغیرہ۔

بادہ خواری کا کیا قبر مغاں پہ جلسہ
اس بار ہم نے بڑے زور سے توڑی توبہ

حضرت علیؓ پر ناراضگی:

جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے اس کے برعکس من اغضبھا فقد اغضبنی کے الفاظ تو حضرت علیؓ کے حق میں وارد ہیں، جیسا کہ خود شیعہ کے لٹریچر میں موجود ہے، چنانچہ جلاء العیون اردو ص ۱۲۷ وص ۹۲ وص ۹۳ ملاحظہ کریں، حضرت امام صادقؒ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا جناب فاطمہؓ ناراض ہو کر میکے چلی آئیں۔ نبی ﷺ نے جناب امیر کو کہا کہ جاؤ ابوبکرؓ اور عمرؓ کو بلا لاؤ۔ پس جناب امیر گئے ابوبکر و عمر ؓ کو بلا لائے جب نزدیک رسول خدا ہوئے تب آپؐ نے فرمایا یا علیؓ تم نہیں جانتے کہ فاطمہؓ میری پارہ تن ہے اور میں فاطمہؓ سے ہوں، جس نے اسے آزار دیا اس نے مجھے آزار دیا الخ اور بالکل یہی واقعہ ہماری کتب حدیث میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ تحفۃ الاحوذی میں ہے:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّ عَلِيًّا ذَكَرَ بِنْتَ اَبِىْ جَهْلٍ فَبَلَغَ ذَالِكَ النَّبِىُّ ﷺ فَقَالَ اِنَّمَا فَاطِمَةُ بُضْعَةٌ مِنِّىْ يُؤْذِيْنِىْ مَا اٰذَاهَا وَيَنْصِبُنِىْ مَا اَنْصَبَهَا . (ج ٤، ص ٣٦١)

از حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا جب اس کی نبی ﷺ کو اطلاع پہنچی تو فرمایا کہ فاطمہؓ میرا گوشہ جگر ہے جو چیز فاطمہؓ کو تکلیف دیتی ہے وہ مجھے بھی تکلیف دیتی ہے جو چیز اس کے لیے بوجھ کا سبب ہے وہ میرے لئے بھی ہے۔ ❷

❶ تحفہ اثنا عشریہ فارسی ص ۲۷۹

❷ مسلم شریف ص ۲۹۰ ج ۲۔

چونکہ آپ صغریٰ کبریٰ نکالنے کے کچھ زیادہ ہی خوگر ہیں، امید ہے کہ شیعہ اصول کے مطابق آپ صغریٰ کبریٰ جوڑ کر حضرت علیؓ کے حق میں بھی وہی نتیجہ اخذ فرمائیں گے جو نتیجہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حق میں نکالنے کے ناکام کوشش کی ہے۔ فرمایئے۔ کیا آپ کے اصول کے مطابق حضرت علیؓ مغفور ہوں گے۔ یا للعجب۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

بات وہ کہی جو بنائے نہ بنے
بوجھ وہ سر لیا جو اٹھائے نہ اٹھے

بحمد اللہ! ہمارے نزدیک لاریب حضرت علیؓ اپنے پیش روؤں کی طرف جنتی ہیں، چوتھے درجے پر اور چوتھے خلیفہ برحق تھے۔

خلفاء ثلاثہ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم مغفور اور جنتی ہیں:

خلفائے ثلاثہ اور دیگر صحابہ کرام کے جنتی ہونے پر درج ذیل قرآنی آیت شاہد عدل ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ٥ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ٥﴾

(التوبہ: ۲۱ تا ۲۲)

''کہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں مالوں کے ساتھ اور جانوں کے ساتھ، یہی لوگ اللہ کے ہاں درجے میں بڑے ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں ان کا رب ان کو اپنی رحمت، رضامندی اور جنت کی نوید سناتا ہے اور ان کے لیے اس جنت میں دائمی نعمتیں ہیں۔''

بنا کر دند خوش رسمے بخون خاک غلطیدن
خدا رحمت کنداین عاشقان پاک طینت را

لا دینی۔ این۔ جی۔ اوز سے مالی امداد کی شرعی حیثیت؟

سوال: شمالی علاقہ جات اور چترال میں آغا خانیت کے پیروکار آغا خان فاؤنڈیشن اور آغا خان سپورٹ پروگرام وغیرہ کا آغاز کر کے غریب ونادار لوگوں کو رفاہ عامہ کے نام سے مالی تعاون کے بدلے اپنی تنظیم کی رکنیت دیتے ہیں اور خطیر رقم خرچ کرتے ہیں کیا قرآن وسنت کی رو سے ان تنظیموں کی رکنیت اختیار کر کے اس طرح فنڈ حاصل کیے جاسکتے ہیں کہ نہیں؟

(ایک سائل: محمد یعقوب غواڑی بلتستان)

الجواب بعون الوہاب:

جواب: انسانی زندگی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمت ہے اس کی قدر کرتے ہوئے اسلامی اصولوں اور ضابطوں کے مطابق زندگی گزارنی چاہیے، اگر یہی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں بسر ہو تو پھر یہ انسان کے لئے وبال جان بن جاتی ہے، اس لئے کوشش کرنی چاہیے کہ یہ اسلام کے سنہری ضابطوں کے مطابق بسر ہو تاکہ دنیا اور آخرت میں کامیابیوں سے ہمکنار ہو سکے۔ ان

ضابطوں میں سے ایک ضابطہ اللہ تعالیٰ نے یہ مقرر کیا ہے کہ نیکی کے کاموں پر آپس میں تعاون اور برائی کی مخالفت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (پ ٦)

''تم نیکی میں تعاون کرو اور برائی پر تعاون نہ کرو۔''

جب اس سنہری ضابطہ اور اصول کے مطابق ہم فی نفسہ مسئلہ پر غور کرتے ہیں تو پھر یہ بات روز روشن کی طرف عیاں ہوتی ہے کہ ہمیشہ لادینی طاقتوں نے رفاہ عامہ کے نام مسلمانوں پر خرچ کر کے ان کو بے راہ روی پر چلانے اور ان کے درمیان باطل عقائد کی ترویج کی ہے۔

ماضی کی طرح اب بھی شمالی علاقہ جات میں لوگوں کی غربت اور بنیادی سہولتوں سے محرومی دیکھ کر آغا خانی تنظیم کی سرگرمیاں بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہیں، کیونکہ یہ تنظیم رفائی کاموں پر خرچ کر کے مسلمانوں کی اپنی تنظیم کا رکن بناتی اور اہل اسلام کے اندر اپنے باطل نظریات کی ترویج کرتی ہے اس طرح سے اس تنظیم کا کارکن بننا اور مالی تعاون لینا یہ برائی پر تعاون اور اس کے برے مقاصد کی تکمیل ہے جو کہ شرعاً کسی طرح بھی جائز نہیں، بلکہ منع اور حرام ہے اس کے علاوہ جب ایک چیز کے فوائد بھی ہوں اور نقصانات بھی لیکن نقصانات زیادہ ہوں۔ تو اس سے فوائد لینا جائز نہیں ہوتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوا کے بارے میں فرمایا ہے ﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا﴾ کہ ان دونوں میں فوائد بھی ہیں لیکن مفاسد فوائد سے زیادہ ہیں اس لئے ان کے منافع اور فوائد کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جب کسی چیز میں دو احتمال ہوں، یعنی اچھائی اور برائی تو پھر احتیاط والی جانب کو اختیار کرنا چاہیے، جیسا کہ مشکوٰۃ باب اللعان میں ہے کہ آپ ﷺ نے سودہ بنت زمعہ کو ان کے بھائی سے بطور احتیاط پردہ کا حکم دیا تھا۔

صورت مسئولہ میں آغا خان کی امداد لینے میں اگر چہ ظاہری فوائد ہیں، لیکن اس کے نقصانات زیادہ ہیں کیونکہ اس امداد کے عوض وہ اپنے غلط نظریات اور مذموم مقاصد حاصل کرتے ہیں، اس لئے اس قسم کی تنظیموں سے امداد لینا یہ برائی اور غلط نظریات کی ترویج پر تعاون ہے جو کہ شرعاً حرام ہے۔ اہل اسلام پر ان سے بچنا ضروری ہے اور حکومت کو بھی چاہیے، وہ ان کی اسلام دشمن سرگرمیوں کو روکے تاکہ سادہ لوح مسلمان بے راہ روی کا شکار ہونے سے بچ سکیں۔ فقط حافظ عبدالوہاب روپڑی

الجواب صحيح ورائي المجيب نجيح (محمد عبیداللہ عفیف خاں)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گالی دینا

سوال: کیا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی صحابی کو گالی دینے سے انسان کافر ہو جاتا ہے؟ جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔ آپ کا شاگرد (عبدالرشید)

الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب:

جواب: واضح ہو کہ کسی چھوٹے سے چھوٹے صحابی کے اسلام اور مناقب ومحاسن اور اس کی اسلامی مساعی کا انکار نہ صرف

اکبرالکبائر گناہ ہے بلکہ سنی اور شیعہ مجتہدین کے مطابق صحابہ کو سب وشتم کرنا کبیرہ گناہ اور موجب لعنت ہے۔ پہلے چند ایک سنی احادیث اور اقوال پیش خدمت ہیں:

(۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَابَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَانَصِیْفَهٗ. ❶

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگو! میرے صحابہ کو گالی نہ دینا (کہ ان کا مقام تو اتنا بلند ہے کہ) اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کرے تو صحابہ کے آدھے مد کے برابر بھی نہ ہوگا۔''

صحابہ کے ساتھ بغض رکھنا دراصل اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بغض کی فرع ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِیْ وَمَنْ آذَانِیْ فَقَدْ آذَی اللّٰهَ وَمَنْ آذَی اللّٰهَ فَیُوْشِكُ اَنْ یَّاْخُذَهُمْ. ❷

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''میرے بعد صحابہ کو اپنی تنقید کا نشانہ نہ بنانا' جو ان سے محبت کرتا ہے تو اس لئے کرتا ہے کہ اسے مجھ سے محبت ہے جو ان سے بغض رکھتا ہے تو اس لئے کہ اس کو میری ذات کے ساتھ بغض ہے' جس نے صحابہ کو ایذا پہنچائی تو اس نے مجھے ایذا دی' جس نے مجھے ایذا دی تو اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچائی اور جس نے اللہ کو تکلیف دی تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے نپٹ لے۔''

صحابہ کو گالی دینا باعث لعنت ہے:

عَنْ عَطَاءٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَاتَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَمَنْ سَبَّهُمْ فَعَلَیْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ. هٰذَا مُرْسَلٌ وَرِجَالُهٗ ثِقَاتٌ. ❸

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ کو گالی مت دو اور جس کسی نے ان کو گالی دی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔''

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ صرف افضل امت ہیں بلکہ اللہ علیم وخبیر نے اپنے نبی ﷺ کی صحبت ونصرت کے لیے ان کا خود انتخاب فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابہ کے شرف اور مناقب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

❶ مناقب ابی بکر الصدیق ج ۱ ص ۵۱۸ وفضائل صحابہ لاحمد بن حنبل ج ۱ ص ۵۱۔

❷ فضائل صحابہ ص ۴۹۔

❸ فضائل صحابہ للامام احمد بن حنبل ص ۵۵۔

مَنْ كَانَ مِنكُمْ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ فَإِنَّ الْحَيَّ لَا يُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةِ أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ كَانُوا أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبَرَّهَا قُلُوبًا وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا إِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ وَلِإِقَامَةِ دِينِهِ فَاعْرِفُوا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوهُمْ عَلٰى أَثَرِهِمْ وَتَمَسَّكُوا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ أَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيمِ ❶

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ صحابہ سے بعد آنے والوں کو وصیت فرماتے ہیں کہ تم کو فوت شدہ صحابہ کی سنت اور طریقہ کی اقتدا کرنی چاہیے' کیونکہ کوئی زندہ انسان فتنہ کی زد سے باہر نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ساری امت سے افضل لوگ تھے جن کے دل ایمان واخلاص اور تقویٰ سے معمور تھے۔ علم وعمل کی گہرائی میں سب سے آگے تھے اور تکلف نام کی چیز سے نا آشنا تھے۔ یہ وہ مبارک شخصیات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی نصرت اور اقامت دین کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ پس آپ ان کی فضیلت کو پہچانو اور ان کے علم وعمل کی اتباع کرو اور ممکن حد تک ان کے اخلاق عالیہ اور پاکیزہ سیرتوں کو اپناؤ' کیونکہ وہ ہر صورت رسول اللہ ﷺ کے سچے اور کھرے پیروکار تھے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا گستاخ زندیق ہے:

امام ابوزرعہ رازی تصریح فرماتے ہیں:

إِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ يَنْتَقِصُ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ ﷺ فَاعْلَمْ أَنَّهُ زِنْدِيقٌ وَذٰلِكَ أَنَّ الرَّسُولَ عِنْدَنَا حَقٌّ وَالْقُرْآنَ حَقٌّ وَإِنَّمَا أَدّٰى إِلَيْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ وَالسُّنَنَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَإِنَّمَا يُرِيدُونَ أَنْ يُجَرِّحُوا شُهُودَنَا لِيُبْطِلُوا الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَالْجَرْحُ بِهِمْ أَوْلٰى وَهُمْ زَنَادِقَةٌ ❷

کہ جب آپ کسی شخص کو کسی ایک صحابی رسول کی تنقیص (اعتراض اور توہین) کرتے ہوئے دیکھے تو آپ یقین کر لیں کہ وہ بد بخت زندیق (بے دین) ہے کیونکہ ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ حق ہیں اور قرآن بھی حق ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی نے قرآن وسنت کو ہم تک پہنچایا ہے (اور صحابہ ہی ان دونوں کے شاہد عدل ہیں) اور یہ زندیق لوگ اپنے ناپاک ارادوں سے ہمارے گواہوں (صحابہ) پر جرح کر کے کتاب وسنت کو باطل ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود جرح کے بالا ولیٰ مستحق ہیں' یہ لوگ بلاشبہ زندیق (بے ایمان) ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی توقیر اور تعظیم فرض ہے:

وَكُلُّهُمْ عَدْلٌ إِمَامٌ فَاضِلٌ رَضِيٌّ فَرَضَ عَلَيْنَا تَوْقِيرُهُمْ وَتَعْظِيمُهُمْ وَأَنْ نَسْتَغْفِرَ لَهُمْ

❶ رواه رزين۔ مشكوٰة ص ۳۲۔

❷ الكفاية للخطيب البغدادی ص ۹۷ وفضائل الصحابة لاحمد بن حنبل ج ۱ ص ٦۔

وَنُجِبُهُم وَتَمْرَةٌ يَتَصَدَّقُ بِهَا اَحَدُهُمْ اَفْضَل مِنْ صَدَقَةِ اَحَدِنَا دَهْرَهُ كُلَّهُ . ❶

ہر ایک صحابی عادل (سچا اور متبع سنت) امت کا امام صاحب فضیلت اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ تھا، ہم پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی توقیر اور تعظیم فرض ہے اور یہ بھی فرض ہے کہ ہم ان کے لیے استغفار کریں اور ان کے ساتھ محبت رکھیں' ان میں سے کسی ایک صحابی کی ایک صدقہ کی کھجور ہم میں سے کسی ایک کی عمر بھی کی سخاوت سے افضل ہے۔

ان احادیث شریفہ سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق دل میں کدورت اور بغض وعناد رکھنا اکبر الکبائر گناہ' پرلے درجہ کی بدنصیبی اور اکتساب لعنت ہے۔ یہ تو عام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظمت' شان اور جلالت قدر کا بیان ہے' رہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو ان کی عظمت وجلالت کا تو عالم اس سے بھی کہیں زیادہ بالاتر ہے' حتی کہ ان سے محبت وعقیدت مومن کے ایمان کا ثبوت اور ان سے بغض وعناد ایمان کا فقدان ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ تصریح فرماتے ہیں:

خَيْرَ النَّاسِ بَعْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ أَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرَ لَا يَجْتَمِعُ حُبِّيْ وَبُغْضِ اَبِيْ بَكْر وَعُمَرَ فِي قَلْبِ مُؤْمِنٍ . ❷

''کہ میری محبت اور ابوبکر اور عمر سے دشمنی ایک ساتھ کسی ایماندار کے دل میں جمع نہیں ہو سکتی' یعنی ابوبکر اور عمر کے ساتھ دشمنی بے ایمان ہونے کا واضح ثبوت ہے۔''

عَنْ اَنَسٍ مَرْفُوْعًا حُبُّ اَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ إِيْمَانٌ وَبُغْضِهِمَا كُفْرٌ . ❸

''کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی محبت عین ایمان اور ان کے ساتھ بغض وعداوت سراسر کفر ہے۔''

قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ لَوْقَالَ قَائِلٌ اِنَّ جَمِيْعَ الصَّحَابَةِ مَاعَدَا اَبَابَكْرٍ لَيْسَتْ لَهُمْ صحبة لَمْ يَكْفُرْ وَلَوْ قَالَ اِنَّ اَبَابَكْرٍ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَفَرَ فَاِنَّ الْقُرآنَ الْعَزِيْزَ نَطَقَ اَنَّهُ صَاحِبُهُ . ❹

بعض علمائے اسلام نے یہ کہا ہے کہ اگر کوئی شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر دوسرے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے شرف صحبت کا انکار کرے تو وہ کافر نہیں ہوگا' اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ ابوبکر صاحب رسول ﷺ نہیں' تو یہ شخص کافر ہوگا کیونکہ قرآن عزیز نے واشگاف الفاظ میں ان کو صاحب رسول ﷺ کہا ہے، جیسا کہ سورۃ التوبہ میں نص جلی ہے:

﴿إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ [آیت: ٤٠]

---

❶ الاحكام في اصول الاحكام ص ٨٦٦ وفضائل الصحابة احمد بن حنبل ج ١ ص ١٠.

❷ اخرجه الطبراني في الاوسط' تاريخ الخلفاء سيوطي ص ٥١.

❸ اخرجه ابن عساكر' تاريخ الخلفاء سيوطي ص٤٧.

❹ اسد الغابة ج ٣ ص٢٠٩.

"جب وہ (رسول اللہ ﷺ) اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا تو غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

چوں میگفت پیغمبر یار خودرا
اندوہ مخوران اللہ معنا ❶

(۴) طبقات ابن سعد حصہ ۳ میں مسلم بن بطین یوں گنگناتے ہیں:

انا لعاتب لا ابالك عصبة
علقوا الفری وبرؤا من الصديق

اے پدر مردہ ہم اس جماعت کو ملامت کرتے ہیں جنہوں نے کذب وافتراء کو دل میں جگہ دی اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے بیزار ہو گئے۔

(۵) جناب جعفر صادق تصریح فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ جَعْفَرٍ اَنَّهُ قَالَ حُبُّ اَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ اِيْمَانٌ وَ بغْضِهِمَا كُفْرٌ . ❷

یعنی ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی محبت ایمان اور ان کے متعلق دل میں بغض رکھنا کفر ہے' نیز یہ حوالہ بستان صحابہ ص ۲۸ پر بھی موجود ہے۔

(۶) جناب جعفر صادق فرماتے ہیں کہ جو شخص ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت کا منکر ہے' اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ ❸

(۷) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کسی نے حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے بغض رکھا وہ منافق ہے۔ ❹

گستاخ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انجام بد:

ایک بدنصیب حضرات شیخین کو گالیاں بکتا تھا اور لوگوں کے منع کرنے کے باوجود وہ جب باز نہ آیا تو وہ رفع حاجت کے لیے نکلا تو بھڑوں نے اس کو گھیر لیا' اس نے امداد کے لیے پکارا، لوگ جب اس کی مدد کو نکلے تو بھڑوں نے امداد کرنے والوں پر بھی حملہ کر دیا۔ لہٰذا لوگوں نے اس کی مدد ترک کر دی اور بھڑوں نے اس کو کاٹ کھایا۔ ❺

خلاصہ یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بغض وعداوت رکھنے والا پر لے درجہ کا بدنصیب اور ایمان سے محروم اور اپنے اس باطل عقیدہ کی بنا پر اسلام سے خارج اور بدانجام ہے۔

وحی اور اس کی حقیقت

سوال: مفتی محمد عبید اللہ عفیف صاحب' وحی کی ضرورت اور اس کی اقسام کتنی ہیں اور کیا کیا ہیں؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔ (سائل: نوید احمد بھٹی' ساکن میر محمد' قصور)

---

❶ عمدة البيان طبرسي. ❷ رجال کشی بحواله کشف الاسرار ص ٣٤.
❸ اسد الغابة ج٣ ص ٢٠٩' بستان صحابه، ص ٢٩. ❹ کنز العمال ج١٣ ص ١٠ بحواله بستان صحابه ص ٢٧.
❺ فضائل صحابه امام احمد بن حنبل ج ١ ص ٣٣٣' مگر یہ روایت ضعیف ہے۔

الجواب بعون الوهاب:

جواب: قرآن کریم چونکہ سرور کائنات حضرت محمد ﷺ پر وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے۔ اس لیے سب سے پہلے وحی کے بارے میں چند باتیں ضرور سمجھ لینی چاہیں۔

وحی کی ضرورت:

ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش کے لیے بھیجا ہے اور اس کے ذمہ کچھ فرائض عائد کر کے پوری کائنات کو اس کی خدمت میں لگا دیا ہے۔ لہٰذا دنیا میں آنے کے بعد انسان کے لیے دو کام ناگزیر ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اس کائنات سے اور اس میں پیدا کی ہوئی اشیاء سے ٹھیک ٹھاک کام لے اور دوسرے یہ کہ اس کائنات کو استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکام کو مدنظر رکھے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو۔ ان دونوں کاموں کے لیے انسان کو علم کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی کون سی چیز کے خواص کیا ہیں، ان سے کس طرح فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے؟ اس وقت تک وہ دنیا کی کوئی بھی چیز اپنے فائدے کے لیے استعمال نہیں کر سکتا' نیز جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کیا ہے؟ وہ کون سے کاموں کو پسند اور کن کو ناپسند فرماتا ہے۔ اس وقت تک اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ممکن نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تین چیزیں ایسی مہیا کیں ہیں' جن کے ذریعہ سے اسے مذکورہ باتوں کا علم ہوتا ہے۔ ایک انسان کے حواس، یعنی آنکھ' کان' منہ اور ہاتھ' پاؤں دوسرے عقل اور تیسرے وحی' چنانچہ انسان کو بہت سی باتیں' اپنے حواس کے ذریعہ معلوم ہوتی ہیں، بہت سی عقل کے ذریعہ اور جو باتیں ان دونوں ذرائع سے معلوم نہیں ہو سکتیں' ان کا علم وحی کے ذریعے عطا کیا جاتا ہے۔

علم کے ان تینوں ذرائع میں ترتیب کچھ ایسی ہے کہ ہر ایک کی خاص حد اور مخصوص دائرہ کار ہے، جس کے آگے وہ کام نہیں دیتا۔ چنانچہ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس سے معلوم ہو جاتیں ہیں' ان کا علم نری عقل سے نہیں ہو سکتا۔ مثلاً: ایک دیوار کو آنکھ سے دیکھ کر آپ کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ اس کا رنگ سفید ہے' لیکن اگر آپ اپنی آنکھوں کو بند کر کے صرف عقل کی مدد سے اس دیوار کا رنگ معلوم کرنا چاہیں تو یہ ناممکن ہے۔ اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے وہ صرف حواس سے معلوم نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً: آپ صرف آنکھوں سے دیکھ کر یا ہاتھوں سے چھو کر یہ پتہ نہیں لگا سکتے کہ اس دیوار کو کسی انسان نے بنایا ہے' بلکہ اس نتیجہ تک پہنچنے کے لیے عقل کی ضرورت ہے۔ غرض جہاں تک حواس خمسہ کام دیتے ہیں وہاں تک عقل کوئی راہنمائی نہیں کرتی اور جہاں حواس خمسہ جواب دے دیتے ہیں۔ وہیں سے عقل کا کام شروع ہو جاتا ہے' لیکن اس عقل کی راہنمائی بھی غیر محدود نہیں ہے۔ یہ بھی ایک حد پر جا کر رک جاتی ہے اور بہت سی باتیں ایسی ہیں' جن کا علم نہ حواس کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے اور نہ عقل کے ذریعے' مثلاً: ایسی دیوار کے بارے میں معلوم کرنا کہ اس کو کس طرح استعمال کرنے سے اللہ راضی اور کس طرح استعمال کرنے سے ناراض ہوگا۔ یہ نہ حواس کے ذریعہ ممکن ہے نہ عقل کے ذریعے۔ اس قسم کے سوالات کا جواب انسان کو دینے کے لیے جو ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اس کا نام ہے وحی' اور اس کا طریقہ یہ

ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو منتخب فرما کر اسے اپنا پیغمبر قرار دیتا ہے، اور اس پر اپنا کلام نازل فرماتا ہے' اس کلام کو "وحی الٰہی" کہا جاتا ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ وحی انسان کے لیے وہ اعلیٰ ترین ذریعہ علم ہے جو اسے اس کی زندگی سے متعلق ان سوالات کا جواب مہیا کرتا ہے' جو عقل اور حواس کے ذریعہ سے حل نہیں ہو سکتے۔ لیکن ان کا علم حاصل کرنا اس کے لیے ضروری ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صرف عقل اور مشاہدہ انسان کی راہنمائی کے لیے کافی نہیں' بلکہ اس کی ہدایت کے لیے وحی الٰہی ایک ناگزیر ضرورت ہے اور چونکہ بنیادی طور پر وحی کی ضرورت پیش ہی اسی جگہ آتی ہے۔ جہاں عقل کام نہیں دیتی۔ اس لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وحی کی ہر بات کا ادراک عقل سے ہی ہو جائے' بلکہ جس طرح کسی چیز کا رنگ معلوم کرنا عقل کا کام نہیں' بلکہ حواس کا کام ہے۔ اسی طرح بہت سے دینی عقائد کا علم حاصل کرنا بھی عقل کے بجائے وحی کا منصب ہے اور ان کے ادراک کے لئے نری عقل پر بھروسا کرنا درست نہیں' جو شخص (معاذ اللہ) اللہ کے وجود ہی کا قائل نہ ہو اس سے تو وحی کے مسئلہ پر بات کرنا بالکل بے سود ہے' لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت کاملہ پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے وحی کی عقلی ضرورت اس کے امکان اور حقیقی وجود کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں' اگر آپ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ کائنات ایک قادر مطلق نے پیدا کی ہے' وہی اس کے مربوط اور مستحکم نظام کو اپنی حکمت بالغہ سے چلا رہا ہے' اور اسی نے انسان کو کسی خاص مقصد کے تحت یہاں بھیجا ہے' تو پھر یہ کیسے ممکن ہو کہ اس نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اسے بالکل اندھیرے میں چھوڑ دیا ہو اور اسے یہ تک نہ بتایا ہو کہ وہ کیوں اس دنیا میں آیا ہے؟ یہاں اس کے ذمہ کیا فرائض ہیں؟ اس کی منزل مقصود کیا ہے اور کس طرح اپنے مقصد زندگی کو حاصل کر سکتا ہے؟ کیا کوئی شخص جس کے ہوش و حواس سلامت ہوں ایسا کر سکتا ہے کہ اپنے کسی نوکر کو ایک خاص مقصد کے تحت کسی سفر پر بھیج دے اور اسے نہ چلتے وقت سفر کا مقصد بتائے اور نہ بعد میں کسی پیغام کے ذریعہ سے اس پر واضح کرے کہ اسے کس کام کے لیے بھیجا گیا ہے؟ اور سفر کے دوران اس کی ڈیوٹی کیا ہو گی؟ جب ایک معمولی عقل کا انسان بھی ایسی حرکت نہیں کرتا تو آخر اس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں یہ تصور کیسے ہو سکتا ہے؟ جس کی حکمت بالغہ سے کائنات کا یہ سارا نظام چل رہا ہے۔ آخر کیسے ممکن ہے کہ جس ذات نے چاند' سورج' زمین' ستاروں اور سیاروں کا ایسا محیر العقول نظام پیدا کیا ہو' وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا کوئی ایسا نظام بھی نہ کر سکے' جس کے ذریعہ انسانوں کو ان کے مقصد زندگی سے متعلق ہدایت دی جا سکیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر ایمان ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس نے اپنے بندوں کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا' بلکہ ان کی راہنمائی کے لیے کوئی باقاعدہ نظام ضرور بنایا ہے' بس راہنمائی کے اسی باقاعدہ نظام کا نام وحی و رسالت ہے۔ اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ وحی محض ایک دینی اعتقاد ہی نہیں، بلکہ ایک عقلی ضرورت ہے' جس کا انکار درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا انکار ہے۔

وحی رسالت کا یہ مقدس سلسلہ سرکار دو عالم ﷺ پر ختم ہو گیا، اب کسی انسان پر نہ وحی نازل ہو گی اور نہ اس کی ضرورت ہے۔ آنحضرت ﷺ پر مختلف طریقوں سے وحی نازل ہوتی ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کبھی تو مجھے گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے اور وحی کی یہ صورت میرے لیے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے، پھر جب یہ سلسلہ

ختم ہوتا ہے تو جو کچھ اس آواز نے کہا ہوتا ہے وہ مجھے یاد ہو چکا ہوتا ہے اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک مرد کی صورت میں آ جاتا ہے۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے وحی کی آواز کو گھنٹیوں کی آواز سے جو تشبیہ دی ہے شیخ محی الدین ابن عربی نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ایک تو وحی کی آواز گھنٹی کی طرح مسلسل ہوتی ہے اور بیچ میں ٹوٹتی نہیں' دوسرے گھنٹی جب مسلسل بجتی ہے تو عموماً سننے والے کو اس کی آواز کی سمت متعین کرنا مشکل ہوتا ہے، کیونکہ اس کی آواز ہر جہت سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور کلام الٰہی کی بھی یہی خصوصیت ہے کہ اس کی کوئی ایک سمت نہیں ہوتی بلکہ ہر جہت سے آواز سنائی دیتی ہے۔ اس کیفیت کا صحیح ادراک تو بغیر مشاہدہ کے ممکن نہیں' لیکن اس بات کو عام ذہنوں سے قریب کرنے کے لیے آپ ﷺ نے اسے گھنٹیوں سے تشبیہ دی ہے۔ (فیض الباری)

جب اس طریقہ سے آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ پر بہت زیادہ بوجھ پڑتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی حدیث کے آخر میں فرماتی ہیں کہ میں نے سخت جاڑوں کے دن میں آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھی ہے، ایسی سردی میں بھی جب وحی کا سلسلہ ختم ہوتا' تو آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پسینہ سے شرابور ہو چکی ہوتی تھی۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ کا سانس رکنے لگتا' چہرۂ انور متغیر ہو کر کھجور کی شاخ کی طرح زرد پڑ جاتا' سامنے کے دانت سردی سے کپکپانے لگتے اور آپ ﷺ کو اتنا پسینہ آتا کہ اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ (الاتقان ۱/۴۶)

وحی کی اس کیفیت میں بعض اوقات اتنی شدت پیدا ہوتی کہ آپ ﷺ جس جانور پر اس وقت سوار ہوتے' وہ آپ کے بوجھ سے دب کر بیٹھ جاتا اور ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اپنا سر اقدس حضرت زید بن ثابت کی ران پر رکھا ہوا تھا کہ اسی حالت میں وحی نازل ہونا شروع ہو گئی' اس سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ وہ ٹوٹنے لگی۔ (زاد المعاد ۱/۱۸)

بعض اوقات اس وحی کی ہلکی ہلکی آواز دوسروں کو بھی محسوس ہوتی تھی' حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ کے چہرۂ انور کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سنائی دیتی تھی۔ ❷

❀...... وحی کی دوسری صورت یہ تھی کہ فرشتہ کسی انسانی شکل میں آپ ﷺ کی خدمت میں آ کر اللہ کا پیغام پہنچا دیتا تھا۔ ایسے مواقع پر عموماً حضرت جبرئیل علیہ السلام مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے' البتہ بعض اوقات کسی دوسری صورت میں بھی تشریف لائے ہیں' بہر کیف جب حضرت جبرئیل انسانی شکل میں وحی لے کر آتے تو نزول وحی کی یہ صورت آپ ﷺ کے لیے سب سے آسان ہوتی تھی۔ (الاتقان ۱/۴۶)

❀...... وحی کی تیسری صورت یہ تھی کہ حضرت جبرئیل کسی انسان کی شکل اختیار کیے بغیر اپنی اصلی صورت میں دکھائی دیتے تھے' لیکن ایسا آپ ﷺ کی تمام عمر میں صرف تین مرتبہ ہوا ہے۔ ایک مرتبہ اس وقت جب آپ ﷺ نے خود حضرت

---

❶ صحیح بخاری، ج۱، ص۱۔ ❷ تبویب مسند احمد کتاب السیرۃ النبویہ ۲۰/۲۱۲۔

جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھنے کی خواہش ظاہر کی' دوسری مرتبہ معراج میں اور تیسری بار نبوت کے بالکل ابتدائی زمانے میں مکہ مکرمہ کے مقام اجیاد پر پہلے دو واقعات تو صحیح سند سے ثابت ہیں' البتہ آخری واقعہ سنداً کمزور ہونے کی وجہ سے مشکوک ہے۔(فتح الباری ۱/۱۹'۱۸)

❀...... چوتھی صورت براہِ راست اور بلاواسطہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کی ہے۔ یہ شرف آنحضرت ﷺ کو بیداری کی حالت میں صرف ایک بار، یعنی معراج کے وقت حاصل ہوا ہے، البتہ ایک مرتبہ خواب میں بھی آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے۔ (الاتقان ۱/۴۶)

❀...... وحی کی پانچویں صورت یہ تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی بھی صورت میں سامنے آئے بغیر آپ ﷺ کے قلب مبارک میں کوئی بات القاء فرما دیتے تھے۔اسے اصطلاح میں نفث فی الروع کہتے ہیں۔

لفظ صاحب' مولیٰ اور حضرت کا معنی اور مفہوم

سوال : جناب مولانا صاحب درج ذیل چار سوالوں کے جوابات مطلوب ہیں:۱۔لفظ صاحب کا لغوی اور اصطلاحی معنی کیا ہے؟ ۲۔ لفظ مولانا کا لغوی اور اصطلاحی معنی کیا ہے؟ ۳۔ لفظ حضرت کا لغوی اور اصطلاحی معنی کیا ہے؟ ۴۔ بوقت ذبح حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر کتنی تھی؟

الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب:

جواب : سوال نمبر (۱) لفظ صاحب اسم فاعل باب صحب یصحب سے ہے۔ مادہ صحب ہے۔اس کا معنی ساتھی' ساتھ زندگی گزارنے والا' مالک' گورنر' وزیر ہے۔اس کی جمع صحب ہے اور اصحاب۔تو گویا صاحب کا معنی جناب اور محترم' آقا اور مالک کے معنی میں آتا ہے۔جس طرح لفظ محترم اور آقا کا شرعاً استعمال جائز ہے اور اسی طرح لفظ صاحب کا استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بطور لاحقہ اور سابقہ دونوں طرح استعمال میں متعارف ہے۔ جیسے بطور سابقہ صاحب المعالی۔ صاحب السمو۔ آج کل اس کا استعمال عام مروج ہے اور بطور لاحقہ الشیخ صاحب' استاد صاحب وغیرہ عام متعارف ہے۔

اس کا استعمال بطور آقا اور با اختیار شخصیت کے معنی میں صحیح البخاری میں دو مقام پر موجود ہے: ۱۔ قال رسول اللہ ﷺ صلوا علی صاحبکم۔ ❶ یہاں ساتھی اور دوست اور دینی بھائی کے معنی میں۔

۲۔جب عمرۃ القضا میں مکہ مکرمہ میں مدت اقامت تین دن پوری ہو گئی تو مشرکین مکہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: قل لصاحبك اخرج عنا الحدیث۔ ❷ اس مقام پر لفظ صاحب آقا اور با اختیار شخصیت' گورنر' قائد اور سالار کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ❸

لفظ مولانا میں لفظ مولیٰ مضاف اور نا ضمیر متکلم جمع مع الغیر مضاف الیہ۔بمعنی مرکب اضافی ہے اور مولیٰ کا لفظ متعدد معانی

---

❶ باب سنة الصلوة على الجنازة الجامع الصحيح للامام البخاري ج ۱ ص ۱۷۶۔ ❷ باب عمرة القضا ج ۲ ص ۶۱۰۔

❸ نیز دیکھیے المنجد اردو ص ۵۵۶ ومصباح اللغات ص ۴۶۰۔

کا حامل ہے۔ جیسے مولیٰ یعنی مالک' آقا' سردار' آزاد کرنے والا' آزاد شدہ' انعام دینے والا' وہ جس کو انعام دیا جائے' محبت کرنے والا' ساتھی' حلیف' پڑوسی' مہمان' شریک' بیٹا' چچا کا بیٹا' بھانجا' داماد' رشتہ دار' ولی اور تابع۔ ملاحظہ ہو کتب لغات قاموس' تحفۃ الاحوذی اور تنقیح الرواۃ' مشکوٰۃ وغیرہ اور اس کا استعمال بلاشبہ درست اور صحیح ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: انت اخونا ومولنا. ❶

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں حدیث: من كنت مولاه فعلي مولاه۔ زبان زد عام ہے۔ لہٰذا مشکوٰۃ ملاحظہ فرمائیں نیز جامع ترمذی۔ پس اس کا اطلاق صاحب علم وفضل' ذی وقار شخصیت پر بلاشبہ جائز ہے۔

سوال نمبر۲: حضرت کا معنی: موجودگی' نزدیکی اور حضرت کا لفظ اس ذی مرتبہ آدمی کے لیے مستعمل ہوتا ہے جو مرجع خلائق ہو۔ مثلاً کہتے ہیں: الحضرة العالي تامر بكذا۔ حضرت عالی ایسا حکم دیتے ہیں۔ [المنجد ص۲۱۷] اور مصباح اللغات میں ہے' لفظ حضرت کا اطلاق ایسے بڑے آدمی پر ہوتا ہے جس کے پاس لوگ جمع ہوتے ہیں' جیسے الحضرة العالية تامر بكذا۔ کہ جناب عالی فلاں فلاں کام کا حکم دیتے ہیں۔ ❷ ان دونوں لغوی حوالہ جات سے متبادر الی الذہن مفہوم یہ ہے کہ حضرت عالی اور جناب عالی مترادف المعنی ہیں، لہٰذا ادب واحترام کے اظہار کے لیے اس کا استعمال روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے اس کے استعمال میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اس کا معنی حاضر ناظر کا لیا جائے یا اس اعتقادی معنی کا استدلال کیا جائے جیسا کہ قبوریین کا عقیدہ ہے تو پھر ہرگز جائز نہیں۔

سوال نمبر۳۔ قرآن میں ہے: فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ...... الآیۃ۔

اس کی تفسیر میں مفسر جلال الدین المحلی' الشیخ ابوبکر الجزائری جیسے نامور مفسر دونوں بیک زبان لکھتے ہیں کہ بوقت ذبح حضرت اسماعيل عليه وعليه نبينا الصلوٰة والسلام کی عمر سات برس یا زیادہ سے زیادہ ۱۳ برس تھی۔ ملاحظہ ہو اصل عبارت: اَیْ بَلَغَ مِنَ الْعُمُرِ مَا اَصْبَحَ يَقْدِرُ فِيهِ عَلَى الْعَمَلِ كَسَبْعِ سِنِيْنَ فَاَكْثَر. ❸

اور تفسیر جلالین میں ہے: اَیْ اَنْ يَّسْعٰى مَعَهُ اَیْ يُعِيْنُهُ قِيْلَ بَلَغَ سَبْعَ سِنِيْنَ وَقِيْلَ ثَلَاثَةَ عَشَرَ سَنَةً۔ [ص۳۷۷]

سوال نمبر۴۔ سورۃ الصّٰفّٰت اور بیت اللہ شریف کی تعمیر یا تجدید کے وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر شریف ۴۰ برس کے لگ بھگ تھی۔ ملاحظہ ہو کتاب تاریخ بیت اللہ ص ۸۸' بحوالہ اخبار مکہ۔ تفسیر روح المعانی میں بالجزم بوقت ذبح حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی قربانی تعمیر کعبہ سے سات برس' مگر جلال محلی اور محمود آلوسی کے مطابق ۱۳ برس پہلے وقوف پذیر ہو چکی تھی۔ بالفاظ دیگر تعمیر کعبۃ اللہ سے قبل حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کے شرف سے متشرف ہو چکے تھے۔ اس مختصر سے جواب ہی کو سردست کافی سمجھیں کیونکہ سیرۃ انبیاء علیہم السلام پر لکھنے والوں نے ان غیر ضروری سوالات پر اپنی عمروں کے قیمتی لمحات کو ضائع کرنا زیادہ مناسب خیال نہیں کیا یا پھر راقم الحروف اپنی علمی فرومائیگی اور مطالعہ وتحقیق کے میدان میں کم نظری کی وجہ سے تلاش وبسیار

---

❶ كتاب المناقب صحيح البخاري ج۱ ص۵۲۸۔ ❷ مصباح اللغات ص ۱٦٠ بحث حضر۔

❸ تفسير ايسر التفاسير ج٤ ص٤١٨۔

کے باوصف ایسی کسی کتاب تک رسائی حاصل نہ کر سکا' جس میں اس موضوع پر مفصل اور مدلل قطعی داد تحقیق دی گئی ہو۔

احترام رسول کی نیت کے ساتھ لفظ یا رسول اللہ پر دائرہ کھینچنا گستاخی رسول نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک عالم دین خطیب' امام اور راسخ العقیدہ مسلمان اور ساتھ ٹیچر بھی ہوں' سکول ٹائم میں دوران پریڈ زراعت کی کاپی پر بار بار ہر صفحہ کے اوپر کی سطح پر ''یا رسول اللہ ﷺ'' لکھا ہوا تھا میں نے بطور استاد سمجھاتے ہوئے اس طالبعلم کو یہ کہا کہ بیٹا یہ الفاظ ان کاپیوں پر نہیں لکھنے چاہیے۔ کیونکہ یہ کاپی کسی دن ردی میں چلی جائے گی اور رسول اللہ ﷺ کے اسم مبارک کی توہین ہو گی اور ساتھ ہی میں نے یا رسول اللہ ﷺ کے حروف کے گرد دائرہ بھی لگایا اور میں بحیثیت مسلمان حلفاً کہتا ہوں کہ دائرہ لگاتے وقت میری نیت میں توہین رسالت مقصود نہ تھی اور نہ ہتک رسول ﷺ میرے حاشیہ خیال میں تھی۔ اللہ علیم وخبیر جانتا ہے کہ میں نے رسول ﷺ کے حروف پر محض محبت رسول ﷺ اور ان کے احترام اور اکرام کے نیک جذبہ سے سرشار ہو کر یہ دائرہ لگایا تھا کیونکہ میں سلفی العقیدہ اہل حدیث ہوں اور اس پر سختی سے کاربند ہوں اور مسلک اہلحدیث میں رسول اللہ ﷺ کی شان رفیع اور جلالت قدر میں گستاخی کا تصور بھی کفر بواح اور ارتداد ہے۔ بعض حضرات میرے اس عمل پر معترض ہیں۔ لہٰذا آپ اس بارے میں قرآن وحدیث کے مطابق وضاحت فرمائیں کہ کیا میرے اس عمل میں شرعاً گستاخی کا شائبہ پایا جاتا ہے؟

(سائل: محمد یحییٰ صابر' بمقام بازید پور تحصیل وضلع قصور)

جواب: الجواب بعون اللہ الفتاح الوھاب: بشرط صحت سوال اگر واقعی سائل نے اس طالبعلم کو رسول اللہ ﷺ کی تعظیم وتکریم کے تقاضے سمجھانے کے لیے لفظ ''یارسول اللہ'' پر دائرہ لگایا یا کراس لگایا ہے تو اس کو توہین رسالت پر محمول کرنا شرعاً ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ یہ اس نے احترام رسول کے نیک جذبہ سے سرشار ہو کر دائرہ لگایا ہے تاکہ یہ کاپی کل کلاں ردی کی ٹوکری میں پھینک دی جائے گی اور یوں اس لفظ کی بے ادبی ہو گی۔ لہٰذا اس کی نیت پر حملہ کرنا اور اس کی اس بات کو اچھالنا کسی طرح صحیح نہیں۔

واضح رہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شفاف قلوب واذہان میں رسول اللہ ﷺ کی جو بے پناہ والہانہ سچی محبت تھی، وہ کوئی محتاج بیان نہیں۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا؟ کی مصداق ہے اور جس قدر عشق رسول اللہ ﷺ ان کی رگ وپے میں خون کی طرح موجزن تھا' قلم کو اتنا یارا نہیں کہ ان کے اس عشق کو الفاظ کے سانچے میں ڈھال سکے۔ بایں ہمہ مصلحت دینی کی بنیاد پر بعض صحابہ سے ایسی باتیں سرزد ہوئیں ہیں جو بادی النظر میں گستاخی لگتی ہیں۔ جیسے مثلاً:

(۱) صلح حدیبیہ کے صلح نامہ تحریر کرتے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد رسول اللہ ﷺ لکھ دیا۔ مشرکین نے اس پر اعتراض کیا کہ اگر ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو آپ سے جنگیں کیوں لڑتے؟ تو آپ ﷺ نے وقت کی نزاکت کے پیش نظر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ لفظ رسول اللہ کو مٹا دو۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھلے الفاظ میں اس لفظ کو مٹانے سے انکار کر دیا۔ جو ظاہر بین کے نزدیک گستاخی ہے۔ مگر درحقیقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حکم عدولی ان کی ایمانی غیرت' تصدیق رسالت اور محبت رسول کا منہ بولتا ثبوت تھا جو ان کی لوح قلب پر کندہ ہو چکا تھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس انکار کو گستاخی پر

محمول نہ کرتے ہوئے اس لفظ کو اپنے ہاتھ مبارک سے مٹا دیا اور کوئی سرزنش بھی نہیں کی۔ حالانکہ اس انکار میں بظاہر گستاخی جھلکتی ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

كَتَبَ عَلِيٌّ بَيْنَهُمْ كِتَابًا فَكَتَبَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ الْمُشْرِكُوْنَ لَا تَكْتُبْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ لَوْ كُنْتَ رَسُوْلًا لَمْ نُقَاتِلْكَ فَقَالَ لِعَلِيٍّ اِمْحَهُ قَالَ عَلِيٌّ مَا اَنَا بِالَّذِيْ اَمْحَاهُ. ❶

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ کعب بن اشرف یہودی کو قتل کرانا چاہتے ہیں تو آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اس کو شیشہ میں اتارنے کے لیے آپ کے خلاف کوئی بات کہہ سکوں تا کہ میں اس کے قتل کی کوئی تدبیر سوچ لوں۔ آپ نے فرمایا: اجازت ہے۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب سے جا کر کہا کہ اس شخص (رسول اللہ) نے تو ہمیں مشقت میں ڈال کر تھکا دیا ہے۔ ہم سے صدقہ کا تقاضا کرتا ہے۔ تو کعب نے کہا: یہ رسول آپ کو مزید پریشان کرے گا۔ کعب نے اس مشقت کو دنیوی مشقت باور کیا جبکہ حضرت مسلمہ کی نیت میں ترویج اسلام کے لیے جانی اور مالی قربانی اور عملی جدوجہد تھی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

فَقَامَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَتُحِبُّ اَنْ اَقْتُلَهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاْذَنْ لِيْ اَنْ اَقُوْلَ شَيْئًا قَالَ قُلْ فَاَتَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَقَالَ اِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ قَدْ سَئَلَنَا الصَّدَقَةَ وَاِنَّهُ قَدْ عَنَانَا. الحديث ❷

آپ غور فرمائیں کہ کیا حضرت علی اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی یہ دونوں باتیں گستاخی ہیں؟ کیا رسول اللہ ﷺ نے یا کسی مفتی نے ان باتوں کو گستاخی رسول قرار دیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ حالانکہ بظاہر ان میں گستاخی جھلکتی ہے۔ ان دونوں واقعات سے یہ ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف وہی قول وفعل گستاخی قرار پاتا ہے۔ جس کی بنیاد بدنیتی اور عناد رسول ﷺ ہوگا۔ نیک نیتی اور مصلحت دینی کے پیش نظر ایسی ہلکی پھلکی بات کو گستاخی قرار دینا شرعاً ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ صحت اعمال اور ثواب اعمال سب کے سب نیت پر موقوف ہیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں ایک تبویب یہ ہے:

بَابُ مَا جَاءَ اَنَّ الْاَعْمَالَ بِالنِّيَّةِ وَالْحِسْبَةِ وَلِكُلِّ امْرِئٍ مَانَوٰى فَدَخَلَ فِيْهِ الْاِيْمَانُ وَالْوُضُوْءُ وَالصَّلٰوةُ وَالزَّكٰوةُ وَالْحَجُّ وَالصَّوْمُ وَالْاَحْكَامُ ...... الخ.

اس بات کا بیان کہ اعمال بغیر نیت اور خلوص کے صحیح نہیں اور ہر آدمی کو وہی کچھ ملے گا جو نیت کرے۔ تو عمل میں ایمان، وضو، نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ اور احکام آگئے۔ پھر امام بخاری اس ترجمۃ الباب کی موافقت میں یہ حدیث لاتے ہیں:

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ لِكُلِّ امْرِئٍ مَانَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ فَهِجْرَتُهُ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِلدُّنْيَا

❶ صحيح البخاري باب كيف يكتب هذا ماصالح فلان بن فلان ج ١ ص ٣٧١.

❷ صحيح البخاري باب قتل كعب بن اشرف ج ٢ ص ٥٧٦.

يُصِيبُهَا اَوْ اَمْرَاَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ . ❶

یعنی یہ حدیث ان احادیث میں سے ایک ہے جن پر اسلام کا مدار ہے' امام شافعی اور امام احمد بن حنبل جیسے اکابر امت نے اس ایک ہی حدیث کو علم دین کا تہائی یا نصف حصہ قرار دیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اعمال نیت ہی سے صحیح ہوتے ہیں یا نیت ہی کے مطابق ان کا بدلہ ملتا ہے ہر کسی کو وہی کچھ ملے گا جس کی وہ نیت کرے' جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرے گا، یعنی ان کی رضا کے لیے ہجرت کرے گا تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہوگی اور جو دنیا کے حصول یا کسی عورت سے نکاح کرنے لیے ہجرت کرے گا تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہوگی جس کی وہ نیت کرے۔

لہٰذا جب سائل بحیثیت مسلمان اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر کہتا ہے کہ میں نے صرف طالبعلم کو ادب رسول کے تقاضے سمجھانے کے لیے لفظ یا رسول اللہ پر دائرہ لگایا تھا تو پھر اس کے خلاف اشتعال پیدا کرنا اور اس پر گستاخی رسول اور کفر کا فتویٰ لگانا شرعاً ہرگز جائز نہیں۔ جیسا کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی میں 99% کفر کی باتیں ہوں اور ایک 1% ایمان ہو تو ایسے آدمی کو کافر قرار دینا جائز نہیں۔ اس کو مسلمان سمجھنا چاہیے۔ امام مالکؒ کے الفاظ یہ ہیں:

مَنْ صَدَرَ عَنْهُ مَا يَحْتَمِلُ الْكُفْرَ مِنْ تِسْعَةٍ وَتِسْعِيْنَ وَجْهًا وَيَحْتَمِلُ الْاِيْمَانُ مِنْ وَجْهٍ حُمِلَ اَمْرُهُ عَلَى الْاِيْمَانِ . ❷

هٰذَا مَا عِنْدِيْ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَاِلَيْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآبُ فِيْ يَوْمِ الْحِسَابِ .

پانسوں سے قسمت معلوم کرنا جائز نہیں

سوال: پانسوں کے ذریعہ سے قسمت معلوم کرنا شریعت کے اعتبار سے کیسا ہے اور ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ عزوجل اور شارع علیہ السلام کا کیا فرمان ہے وضاحت فرمائیں۔ (سائل: ابوبکر سعید جامع مسجد لمة العزیز رحمت ٹاؤن فیصل آباد)

جواب: سائل مذکور نے پانسوں کے متعلق سوال کیا ہے پانسے، یعنی وہ تیر جن کو اہل عرب زمانہ جاہلیت میں قسمت کا حال معلوم کرنے کی غرض سے استعمال کرتے تھے ایک تیر پر یہ عبارت کندہ ہوتی۔"

میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے" اور دوسرے پر ہوتی میرے رب نے مجھے منع کیا ہے" اور تیرے پر کچھ نہ لکھتے وہ سادہ

---

❶ صحیح البخاری ج۱ ص۱۳' واخرجه المولف فی الایمان والعتق والهجرة والنكاح والایمان والنذور والحیل ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجة والدار قطنی وابن حبان والبیهقی وقال القسطلانی وهذا الحدیث احد الاحادیث التی علیها مدار الاسلام' وقال الشافعی واحمد انه یدخل فیه ثلث العلم] ارشاد الساری ج۱ ص ٥٦.

❷ فقه السنه ص ۳۸٤ ج۲.

ہوتا تھا' جب سفر یا شادی وغیرہ کا ارادہ کر لیتے تو بتوں کے پاس جا کر پانسوں کے ذریعہ قسمت کا لکھا معلوم کرنا چاہتے اگر حکم دینے والا تیر نکل آتا تو اس کام کے لئے۔قدم اٹھاتے اور اگر ممانعت والا تیر نکل آتا تو رک جاتے اور اگر سادہ تیر نکل آتا تو پھر سے قرعہ ڈالتے اس قرعہ اندازی کے ذریعہ سے امر یا نہی والا تیر نکل آتا۔

ہماری سوسائٹی میں اس سے ملتی جلتی چیزیں یہ ہیں:۔ رمل' کوڑیاں' کتاب کھول کر فال نکالنا، تاش کے پتے اور فنجان پڑھنا اس قسم کی تمام چیزیں اسلام میں حرام اور منکر ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ (المائدہ۔۳) اور یہ کہ تم پانسوں کے ذریعہ قسمت معلوم کرو یہ فسق ہے اور حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:۔

لَا يَنَالُ الدَّرَجَاتِ اَعْلٰى مَنْ تَكَهَّنَ اَوِ اسْتَقْسَمَ اَوْ رَجَعَ مِنْ سَفَرٍ تَطَيُّرًا۔ (النسائی)

''وہ شخص بلند درجات کو نہیں پہنچ سکتا جو کہانت کرے یا پانسوں کے ذریعہ قسمت کا حال معلوم کرے یا بدشگونی کی وجہ سے سفر سے واپس لوٹ آئے۔''

لہٰذا اس شرکیہ عقیدہ سے باز آ جانا ضروری ہے ورنہ جہنم کی وعید اپنی جگہ قائم ہے۔(محمد عبید اللہ خاں عفیف)

کاہنوں کی باتوں کی تصدیق کفر ہے

سوال: علمائے دین کیا فرماتے ہیں، اس مسئلہ کے بارے میں کہ کاہنوں کی تصدیق کرنا اسلام میں کفر ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت کریں؟ (سائل: ابوبکر سعید جامع مسجد امۃ العزیز اہلحدیث رحمت ٹاؤن فیصل آباد)

جواب: اسلام نے کاہنوں اور دجالوں کی مخالفت پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان لوگوں کو بھی گناہ میں شریک ٹھہرایا ہے جو ان کے پاس جا کر سوالات کرتے ہیں اور ان کے اوہام اور گمراہ کن باتوں کی تصدیق کرتے ہیں ارشاد نبوی ہے:

قَالَ مَنْ اَتٰى عَرَّافًا فَسَاَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلٰوةُ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً۔ [1]

جو شخص نجومی کے پاس گیا اور سوالات کئے پھر اس کی باتوں کی تصدیق کی اس کی نماز چالیس دن تک قبول نہ ہوگی، ایک اور دوسرے مقام پر آپ نے فرمایا:

مَنْ اَتٰى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا قَالَ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ۔ (بحوالہ بزار)

''جو شخص کاہن کے پاس گیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کی اس نے محمد ﷺ پر نازل شدہ ہدایت سے کفر کیا۔''

کفر اس وجہ سے کہ نبی ﷺ پر ہدایت نازل کی گئی ہے کہ علم غیب اللہ وحدہ کے لئے ہے اور محمد ﷺ کو غیب کا علم نہیں ہے اور کسی اور کو تو بدرجہ اولیٰ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے: قُلْ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ: کہو میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں نہ میں غیب

---

[1] صحیح مسلم، ج۲ ص ۲۳۳.

کا علم رکھتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اس وحی کی اتباع کرتا ہو جو مجھ پر نازل ہوتی ہے۔ (انعام:۵۰)

قرآن کی اس صریح اور واضح ترین بات کو جاننے کے باوجود اگر ایک مسلمان اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ بعض لوگ پردہ ہٹا کر تقدیر کو دیکھ سکتے ہیں اور غیب کے راز ہائے سربستہ معلوم کر سکتے ہیں تو وہ اس ہدایت کے ساتھ کفر کرتا ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی، لہٰذا ان بین دلائل کے پیش نظر ان امور کا ارتکاب کرنا کفر اور شرک ہے اور کفر موجب خلود فی النار ہے۔ لہٰذا ایسے ''کفریہ عقیدہ سے فی الفور توبہ کرنی چاہیے۔''

بدشگونی سراسر وہم اور گناہ کبیرہ بلکہ شرک ہے

سوال: علمائے دین وشرع متین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ کے بارے بعض حضرات اپنے لئے بدشگونی پکڑتے ہیں قال اللہ وقال الرسول ﷺ کا ہمارے لئے کیا فرمان ہے فی ضوء الکتاب وسنہ راہنمائی فرمائیں۔

(سائل: ابوبکر سعید جامع مسجد امۃ العزیز اہلحدیث رحمت ٹاؤن فیصل آباد)

جواب: بدشگونی' جگہ' وقت' مکان اور اشخاص وغیرہ سے لی جاتی ہے، یہ ان اوہام میں سے ہے جن کا تعلق رواج قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا تھا:

﴿اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ﴾ (النمل ٤٧)

''ہمارے خیال میں تو تم اور تمہارے ساتھی شگون بد ہیں''

اسی طرح ذکر ہے کہ جب فرعون اور اس کی قوم پر جب کوئی مصیبت آتی تو حضرت موسیٰ علیہ سلام اور اس کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے''

﴿يَطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ﴾ (الاعراف:١٣١)

اکثر کفار جو گمراہی میں مبتلا رہے ہیں کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے تو یہی کہتے رہے ہیں کہ اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ (یس ١٨) ''ہم تمہیں اپنے لئے شگون بد سمجھتے ہیں۔'' اور اس کا جواب انبیاء یہ دیتے رہے ہیں کہ: طَائِرُكُم مَّعَكُمْ (یس ١٩) ''تمہاری بدشگونی تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہے۔'' یعنی تمہاری مصیبت تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہے اس کا سبب تمہارا کفر وعناد اور سرکشی ہے بدشگونی کے بارے میں زمانہ جاہلیت میں عربوں کے عقائد مختلف تھے لیکن اسلام نے ان سب کو باطل کر قرار دیا ہے اور لوگوں کو عقلیت کی راہ پر لگایا ہے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ اَوْ تُطُيِّرَ لَهٗ اَوْ تَكَهَّنَ لَهٗ اَوْ سَحَرَ اَوْ سُحِرَ لَهٗ ۔ (طبرانی)

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو براشگون لے یا جس کے لئے براشگون لیا جائے یا جس کے لئے کہانت کی جائے یا جو آدمی جادو کرے یا جادو کروائے۔'' نیز آپ ﷺ نے فرمایا ہے: اَلْعِيَافَةُ وَالطِّيَرَةُ وَالطَّرْقُ مِنَ الْجِبْتِ (ابوداؤد' والنسائی' وابن حبان) رمل' پرندہ سے براشگون لینا اور کنکریاں مار کر براشگون لینا جبت (وہم پرستی ہے) یہ اس کی قبیل سے ہے۔

یہ بدشگونی نہ علم کی بنیاد پر ہوتی ہے اور نہ واقعات کی بنیاد پر، بلکہ محض ضعف اعتقاد اور وہم پرستی کا نتیجہ ہوتی ہے ورنہ اس کے کیا معنی کہ ایک عقل مند آدمی سچ مچ یہ خیال کرنے لگے فلاں شخص یا فلاں جگہ منحوس ہے یا وہ کسی پرندے کی آواز سن کر یا آنکھوں کی حرکت دیکھ کر یا کوئی کلمہ سن کر گھبراہٹ محسوس کرنے لگے، اصل بات یہ ہے کہ اگر انسان کی طبیعت میں کمزوری ہو تو وہ بدشگونی پر آمادہ کرتی ہے لہٰذا انسان کو اس کمزوری کے آگے سپر نہیں ڈالنا چاہیے اور اس کو فوراً جھٹک دینا چاہیے۔

مولانا قاسم نانوتوی لا کچھ خاندان اور نانوتہ کے حنفی سید شیعہ ہو گئے

تقلید شخصی ہدایت کی ضامن نہیں

سوال: جناب عنایت اللہ شاہ بخاری حنفی آف گجرات نے تقلید شخصی اور جمود مذہبی کے خمار میں یکم ستمبر ۱۹۷۸ء کو رمضان کے جمعہ کے خطبہ میں فرمایا: بیس رکعت تراویح پر صحابہؓ ائمہ اربعہ اور امت کا اجماع ہے اور ایسے اجماع کے مخالف پر رب دی پھٹکار پیندی اے۔ رحمت نہیں ہندی اور سلسلہ کلام شروع رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ غیر مقلدوں کو ''دوجے بنے دی چھ جلدی لگ جاندی اے''۔ چنانچہ مرزا قادیانی اور پرویز (مشہور منکر حدیث) پہلے غیر مقلد تھے۔ یعنی ان دونوں کی گمراہی کا سبب عدم تقلید تھا۔ اگر وہ مقلد ہوتے تو ہرگز گمراہ نہ ہوتے وغیرہ وغیرہ؟

جواب: نہ نہ چھیڑ اے نکہت باد بہاری راہ لگ اپنی تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

گستاخی معاف! آپ کا یہ ادعاء قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ اور پھر تاریخی حقائق سے ناواقفیت کا مظہر اتم ہے۔ اگر آپ نے قرآن وحدیث کے پیش کردہ فلسفہ ہدایت کا ادراک کیا ہوتا تو آپ یہ ڈینگ مارنے سے محفوظ رہتے۔

ادنیٰ سدھ بدھ رکھنے والا ایسا کونسا طالب علم ہوگا جو یہ تک نہ جانتا ہو کہ ہدایت اور آخرت کی رستگاری اور فلاح وفوز اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے اور اس کی مشیت کی مرہون منت ہوتی ہے، یعنی اس کی عطا کردہ توفیق خاص اور کرم گستری ہی سے کسی خوش نصیب کے نصیبہ میں ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى﴾ (البقرہ: ۱۲۰)

''تو کہہ دے ہدایت تو اصل وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ہو (نہ کہ تمہاری زٹلیات)

(ترجمہ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری)

۲۔ ﴿وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى﴾ (الانعام: ۳۵) ''اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔''

۳۔ ﴿ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ (الانعام ۸۹) ''یہ اللہ کی راہنمائی تھی۔ اللہ اپنے بندوں (میں سے) جسے چاہے اس روش کی ہدایت کر دیتا ہے۔ جس میں غیر مقلدیت کو کوئی دخل ہے اور نہ مقلدیت کو۔

ع ایں سعادت بزور بازو نیست

تعجب ہے کہ اہل حدیث دشمنی میں آپ کو مشہور وظیفہ نبوی یا مقلب القلوب ثبت قلبي على دينك اور لا حول ولا قوة الا بالله کے معانی بھی یاد نہیں رہے۔

اسی طرح جب کسی ازلی بدنصیب کے برے دن آتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی اس توفیق خاص سے محروم ہو جاتا ہے اور مشیت الٰہی کے مطابق گمراہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا ۙ وَّ یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا ؕ وَ مَا یُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ﴾ (البقرہ:۲٦)

''اس (مثال) کے ذریعہ بہتوں کو (ان کی بے جانکتہ چینی کی وجہ سے) گمراہ کر دیتا ہے اور بہت سے (صاف باطن) لوگوں کو ہدایت (بھی) کرتا ہے اور سوائے فاسقوں کے کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔''

نیز فرمایا:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ﴾ (القصص:٥٦)

''تو (اے نبی!) جس کو چاہے ہدایت نہیں کر سکتا۔ لیکن اللہ ہی جس کو چاہے ہدایت پر لائے وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔''

لہٰذا جب کوئی حرماں نصیب اپنی ازلی شقاوت کی وجہ سے اس توفیق خاص سے محروم ہو جانے کی وجہ سے مشیت الٰہی کے مطابق گمراہ ہونے لگتا ہے۔ تو پھر نہ غیر مقلدیت اس کو اس گمراہی سے بچا سکتی ہے اور نہ مقلدیت حفاظتی بند کا کام دیتی ہے۔ فرمایا:

﴿وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ﴾ (الرعد:۱۱)

''اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حق میں برائی چاہتا ہے تو وہ کسی طرح نہیں ٹلتی (اس کو کوئی ٹلانے والا نہیں) اور نہ اللہ کے سوا ان کا کوئی والی ہے۔

﴿وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ﴾ (الرعد:۳۳)

''اور جس کو اللہ گمراہ کرے اس کے لیے کوئی بھی ہادی نہیں ہو سکتا''۔ (ترجمہ از شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسریؒ)

مختصر یہ کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی ایک دین اور اس کا عطیہ ہے جو کسی خوش نصیب کے حصہ میں آتا ہے اور گمراہی بھی اللہ کے نظام عدل اور اس کی مشیت کا فیصلہ ہے جو کسی ازلی بدبخت کا مقدر ہوتی ہے اور اللہ کا یہ قانون ہمیشہ سے چلتا آیا ہے۔ چل رہا ہے اور چلتا رہے گا۔ ﴿وَ رَبُّكَ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَ یَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ﴾ (القصص: ٦٨) ''تیرا رب جو چاہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہے چن لیتا ہے۔ ان کو کسی طرح کا اختیار نہیں۔ لہٰذا ہمیں اعتراف ہے کہ حافظ عنایت اللہ گجراتی وغیرہ یقیناً غیر مقلد تھے۔ بعد ازاں سلف محدثین کی راہ سے ہٹ کر تاویل بلکہ گمراہی کی گرداب میں دھنس کر رہ گئے تھے۔ تاہم یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ یہ بیماری اہلحدیث (کثر اللہ سوادھم) میں اتنی نہیں جتنی امام ابوحنیفہؒ کے مقلدین میں پائی گئی ہے۔ آپ ذرا غور فرمائیں۔

علامہ ابوالفضل علامہ فیضی اور ان کے والد شیخ الاسلام ملا مبارک جنہوں نے ''دین الٰہی'' کی طرح ڈالی اور اکبر بادشاہ کا مذہبی بیڑا غرق کر دیا تھا۔ کیا یہ تینوں باپ بیٹے حنفی مقلد نہ تھے؟

(تاریخ دعوت وعزیمت از مولانا ابوالحسن علی ندوی ج ۴۔ ص ۹۴ تا ۹۹)

(۴) سید محمد جونپوری جنہوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا کون تھے؟ حنفی مقلد تھے۔ (تاریخ دعوت وعزیمت از مولانا ابوالحسن علی ندوی ج ۴۔ص ۵۵'۵۶)

(۵) دیو بندی مراکز شیعت کی لپیٹ میں مشہور دیوبندی عالم مولانا سید مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں: ''حضرت میر شاہ خاں اپنی طرف منسوب کتاب ''امین الروایات'' میں فرماتے ہیں۔ الدھن۔ میرٹھ' ہاپوڑ۔ گلاوٹھی' بلند شہر کا حال تو مجھے معلوم ہے کہ یہاں کے لوگ سب تفضیلی بلکہ شیعہ تھے۔'' پھر فرماتے ہیں:۔ اور سنا ہے کہ دیو بند میں بھی سب تفضیلی تھے۔''
(سوانح قاسمی از مناظر احسن گیلانی۔ ج ۱۔ص ۶۱)

مولانا محمد قاسم نانوتوی کی تائید:

اپنے ایک خط میں ارقام فرماتے ہیں کہ پس ازاں عرض کردم کہ بنواحی کہ زادہ بوم احقر است شیعان وسنیان چناں مخلوط اند کہ رشتہ ورابطہ قرابت طرفین رابہ طرفین محکم و مستحکم است۔ (فیوض قاسمیہ ص ۵) بعد اس کے میں نے (مولوی حامد حسین مجتہد شیعہ) سے عرض کیا کہ جس علاقہ (نانوتہ ودیو بند وغیرہ) میں احقر کا وطن ہے۔ وہاں شیعہ اور سنی دونوں فرقے باہم ایک دوسرے کے ساتھ کچھ اس طرح گھلے ملے ہوئے ہیں کہ دونوں فرقوں میں رشتہ داریوں کے تعلقات بھی مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں۔ (سوانح قاسمی ج ۱ص ۶۱۔۶۲)

(۶) شیخ تفضّل حسین شیعہ ہو گئے:

سوانح قدیم کے مصنف امام نے بیان کیا ہے کہ نانوتہ کے قاسمی' صدیقی برادری کے ایک رکن جن کا نام شیخ تفضل حسین تھا اور خاندانی جائیداد میں ان کی شراکت تھی۔ وہی شیخ تفضل حسین (نانوتوی) شیعہ مذہب ہو گئے تھے، جو اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ سنیت (حنفیت) کے موروثی عقیدہ کو ترک کر کے شیعہ عقائد کے اختیار کرنے والے قصبہ نانوتہ میں بھی پائے جاتے تھے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ جیسے الدھن۔ ہاپوڑ۔ گلاوٹھی' دیو بند وغیرہ قصبات میں تفضیل اور تفضیل سے آگے بڑھ کر رفض (شیعیت) کے جراثیم پھیل گئے تھے۔ نانوتہ بھی اس اثر سے محفوظ نظر نہیں آتا۔ (سوانح قاسمی ج ۱ص ۶۱۔۶۲)

شیخ تفضل حسین کی مولانا قاسم سے قرابت داری:

یہ شیخ تفضل حسین کون تھے، اور مولانا قاسم کے کیا لگتے تھے؟ تو گزارش ہے کہ دیو بندیوں کے نامور محقق اور نہایت ثقہ مؤرخ پروفیسر ایوب قادری کی تحقیق کے مطابق یہ شیخ تفضل حسین رشتہ میں مولانا قاسم کے دادا لگتے ہیں۔ یعنی شیخ تفضل حسین کے والد شیخ علی محمد بن شیخ محمد عاقل اور مولانا قاسم نانوتی کے حقیقی پردادا شیخ محمد بخش آپس میں حقیقی چچیرے بھائی تھے۔ ملاحظہ ہو کتاب ''مولانا محمد احسن نانوتوی'' (از ایوب قادری۔ص ۱۸ وسوانح قاسمی ج ۱ص ۱۷۱)

۷۔ حضرت نانوتوی کا کچھ خاندان شیعہ ہو گیا:

اگرچہ مولانا گیلانی موصوف نے حضرت قاسم نانوتوی کے صرف ایک بزرگ شیخ تفضل حسین کے متعلق لکھا ہے کہ وہ

شیعہ ہو گئے تھے۔ مگر پروفیسر ایوب قادری کے مطابق حضرت نانوتویؒ کے خاندان کی پوری ایک شاخ شیعہ ہو گئی تھی۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ''محمد عاقل کی اولاد دولت و امارت کے اعتبار سے خاندان میں ممتاز تھی۔ مگر اس شاخ نے شیعیت اختیار کر لی تھی۔ اور وہ شیخ تفضل حسین بن شیخ علی محمد تھے جو بعد میں بعض خاندانی نزاعات کی وجہ سے مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ماموں فصیح الدین ولد وجیہہ الدین کے ہاتھوں قتل ہوئے۔'' (مولانا محمد احسن نانوتوی۔ ص۱۶)

۸۔ نانوتہ کے حنفی سید شیعہ ہو گئے تھے:

بیاض یعقوبی میں ہے (نانوتہ کے) سید صاحبان کے تین گروہ ہیں۔ بخاری۔ ترمذی، سبزواری، پیشتر یہ سب اہل تسنن (حنفی مقلد) تھے۔ زمانہ شاہ فرخ سیر سے شیعہ ہونے شروع ہوئے۔ اس کے جملہ (سید) صاحبان شیعہ ہیں۔ بیاض یعقوبی (ناشر مولوی محمد رضی عثمانی۔ کراچی ص۱۸)

۹۔ سادات امروھہ اور نوابان رامپور نے نوابان لکھنو کے اثر سے امامی مذہب اختیار کر لیا۔ (حاشیہ کتاب مولانا محمد احسن نانوتوی از ایوب قادری۔ ص۱۶)

۱۰۔ بدایوں میں حمیدی خاندان کے ایک حصہ نے شیعیت اختیار کر لی۔ ایضاً کتاب مذکور۔

آپ ذرا غور فرمائیں اور موت اور قبر کو ذہن میں رکھ کر فرمائیں کہ کیا شیعہ مذہب اختیار کرنے والے مذکورہ بالا اہالیان دیوبند و نانوتہ، امروہہ، میرٹھ، ہاپوڑ، الدھن، بلند شہر، گلاؤٹھی، نوابان رامپور، بدایوں اور بالخصوص شیخ تفضل حسین کیا غیر مقلد تھے؟ حنفی مقلد نہ تھے؟ یا ان کی مقلدیت ان کو شیعہ ہونے سے روک سکی؟ ہرگز نہیں، امید ہے تسلی ہو گئی ہو گی۔ نہیں تو اور سنیے:

۱۱۔ سر سید کون تھے؟ ایک مقلد خانوادے کے چشم و چراغ۔

۱۲۔ ادارہ تحقیقات اسلامی (اسلام آباد) کے سابق سربراہ فضل الرحمٰن، جس نے ایوب خاں کے دور حکومت میں قرآن وحدیث کے خلاف ژاژخائی اور بیہودہ سرائی کی تھی کون ہے؟ ایک مشہور دیوبندی عالم دین مولانا شہاب الدین لاہوری کے صاحبزادہ گرامی قدر ہیں۔

۱۳۔ مولوی عمر احمد عثمانی (کراچی) کون ہے؟ جو اس وقت فتنہ انکار حدیث کا سب سے بڑا مبلغ بنا پھرتا ہے۔ جس پر اس کی سخت گمراہ کن کتاب ''فقہ القرآن'' شاہد ہے۔ یہ جناب مشہور دیوبندی عالم اور مولانا اشرف علی تھانویؒ کے قریبی عزیز اور ان کے تربیت یافتہ مولانا ظفر احمد عثمانی کے فرزند ارجمند ہیں۔

۱۴۔ مشہور شیعی مناظر مولوی اسماعیل دیوبندی گوجروی کون تھے؟ جو بڑے فخر اور مباہات کے ساتھ اپنے نام کے ساتھ دیوبندی کا لاحقہ لکھا اور لکھوایا کرتے تھے۔ کیا وہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور پہلے حنفی مقلد نہ تھے۔

۱۵۔ ایران کا ایک بادشاہ جس کا نام خدا بندہ تھا، جو ساتویں یا آٹھویں صدی کا آدمی ہے۔ کیا وہ پہلے حنفی العقیدہ مقلد نہ تھا۔ جس نے طلاق ثلاثہ کے حنفی مسئلہ سے دل برداشتہ ہو کر ایک شیعی عالم سے فتویٰ لے کر اپنی بیوی سے رجوع کر لیا تھا اور شیعہ ہو گیا تھا؟

۱۶۔ لگے ہاتھوں یہ بھی بتلایئے کہ یہ بریلوی حضرات کون ہیں؟ اور ان کے اہل علم حنفی مقلد ہیں یا غیر مقلد۔ جنہوں نے اپنے قول وفعل سے دین اسلام کو شرک اور خرافات کا عجیب وغریب ملغوبہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ کیا یہ بھی مقلد نہیں؟ بلکہ مقلد فقہ حنفیہ ہی نہیں؟

غرض کہاں تک لکھوں۔ بات طویل سے طویل تر ہو جائے گی اور مقالہ کے صفحات اس طوالت کے متحمل نہیں۔ اس لیے حضرت احسان دانش کے اس شعر پر اکتفا کرتا ہوں ؎

ایک دو کی بات کیا احسان بزمِ حسن میں
سب کے سب...... ہیں کس کس کو مسلمان کیجئے

۱۷۔ مرزا قادیانی پہلے بھی حنفی تھا:

رہا آپ کا یہ ادعاء کہ مرزا قادیانی اور مشہور منکر حدیث پرویز پہلے غیر مقلد تھے، اس لیے ان کو ان کی عدم تقلید نے گمراہ کر کے چھوڑا۔

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ تقلید غور وفکر اور تدبر کی صلاحیت ہی کو ختم کر دیتی ہے۔ اس کی مثال اس شخص سے بھی زیادہ بری ہے جس کو روشنی حاصل کرنے کے لئے چراغ مہیا کیا گیا لیکن اس نے اسے بجھا دیا اور تاریکی میں چل پڑا۔ بالکل یہی مثال ہے آپ کی کہ آپ اس علم وآگاہی کے دور میں بھی تقلید نا سدید کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ ورنہ کون نہیں جانتا کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور غلام احمد پرویز آنجہانی دونوں نہ صرف حنفی مقلد تھے۔ جیسا کہ ان دونوں بدبختوں کی تحریروں اور وضاحتوں سے یہ حقیقت الم نشرح ہو چکی ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ دونوں اس تقلید کے ناطے سے حدیث دشمنی میں غیر مقلدوں (اہلحدیثوں) کو ستانے اور ملاحیاں سنانے میں کسی مخلص مقلد حنفی سے کہیں پیچھے نہیں رہے۔ (انصاف پسند بزرگانِ احناف ہماری گفتگو کا ہدف ہرگز نہیں وہ ہمارے لئے قابل صد احترام ہیں اور ان سے ہمیں کوئی گلہ ہے نہ شکوہ) ان دونوں کی دشنام طرازیوں کی تفصیل کا تو یہ موقعہ نہیں کہ بات اور طویل ہو جائے گی۔ لہٰذا یہ داستاں خونچکاں کسی دوسری فرصت کے لئے اٹھا رکھتے ہیں

نہیں معلوم تم کو ماجرائے دل کی کیفیت
سنائیں گے تمہیں ہم ایک دن یہ داستاں پھر بھی

سر دست ان دونوں بدبختوں کی مقلدیت اور حنفیت کا ٹھوس اور مسکت ثبوت پیش خدمت کیا جاتا ہے۔ پڑھیے اور اپنا ریکارڈ درست فرما لیجئے۔ مرزا غلام احمد قادیانی اول آخر غالی حنفی تھا۔

مرزا غلام احمد قادیانی اول آخر حنفی مقلد تھا:

پہلے مرزا قادیانی کو لیجئے۔ حضرت مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ (مشہور اہل حدیث عالم دین اور مولوی عبداللہ چکڑالوی حنفی (مشہور منکر حدیث) کے درمیان حجیت حدیث کے موضوع پر ایک مباحثہ ہوا تھا۔ مرزا قادیانی نے اپنے طور پر اس مباحثہ

پر بطور تبصرہ کے ایک رسالہ بنام ''مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی'' اور مولوی عبداللہ چکڑالوی کے مباحثہ پر مسیح موعود حکم ربانی کا ریویو(   ) لکھا تھا۔ مرزا صاحب نے اس رسالہ میں حدیث رسول کے متعلق وہی زبان اور وہی انداز اختیار کیا ہے جو آج سے صدیوں پہلے اس وقت کے سب سے بڑے حنفی فقیہ ابوالحسن عبید اللہ الکرخی نے اپنے رسالہ اصول کرخی ص ۳۷۳ میں اختیار فرمایا تھا۔ بہر کیف مرزا صاحب حدیث اور اہل حدیث پر برستے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) غرض یہ فرقہ اہل حدیث اس بات میں افراط کی راہ پر قدم مار رہا ہے کہ قرآنی شہادت پر حدیث کو مقدم سمجھتے ہیں۔ اور اگر وہ انصاف اور خداترسی سے کام لیتے تو ایسی حدیثوں کی تطبیق قرآن شریف سے کر سکتے تھے۔ مگر وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ خدا کے قطعی اور یقینی کلام کو بطور متروک اور مہجور کے قرار دیں۔ اور اس بات پر راضی نہ ہوئے کہ ایسی حدیثوں کو جن کے بیانات کتاب اللہ سے مخالف ہیں یا تو چھوڑ دیں اور یا ان کی کتاب اللہ سے تطبیق کریں۔ پس یہ وہ افراط کی راہ ہے جو مولوی محمد حسین نے اختیار کر رکھی ہے۔ (رسالہ مذکور ص ۲)

(۲) حدیث کو عجمی سازش قرار دیتے ہوئے مزید لکھتا ہے: ''جب کہ حدیثیں سوڈیڑھ سو برس آنحضرت ﷺ کے بعد جمع کی گئی ہیں اور انسانی ہاتھوں کے مس سے وہ خالی نہیں ہیں۔ اور بایں ہمہ وہ احاد کا ذخیرہ اور ظنی ہیں۔ اور پھر وہی قرآن شریف پر قاضی بھی ہیں' تو اس سے لازم آتا ہے کہ تمام دین اسلام ظنیات کا ایک تودہ اور انبار ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ظن کوئی چیز نہیں۔ اور جو شخص محض ظن کو پنجہ مارتا ہے وہ مقام بلند سے بہت نیچے گرا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا یعنی محض ظن حق الیقین کے مقابلہ پر کچھ چیز نہیں۔ پس قرآن شریف تو یوں ہاتھ سے گیا کہ وہ بغیر قاضی صاحب کے فتووں کے واجب العمل نہیں اور متروک و مہجور ہے۔ اور قاضی صاحب یعنی احادیث صرف ظن کے میلے کچیلے کپڑے زیب تن رکھتے ہیں۔ جن سے احتمال کذب کسی طرح مرتفع نہیں۔ کیونکہ ظن کی تعریف یہی ہے کہ وہ دروغ کے احتمال سے خالی نہیں۔ پس اس صورت میں نہ تو قرآن ہمارے ہاتھ میں رہا اور نہ حدیث۔ اس لائق کہ اس پر بھروسا ہو سکے۔ (ص:۳)

(۳) نیز لکھتے ہیں: اس جگہ ہم اہلحدیث کی اصطلاحات سے الگ ہو کر بات کرتے ہیں، یعنی ہم حدیث اور سنت کو ایک چیز قرار نہیں دیتے، جیسا کہ رسمی محدثین کا طریق ہے (ص:۴)

(۴) حضرت مسیح کے مقابل پر بھی وہی فرقہ یہودیوں کا تھا' جو ''عامل بالحدیث'' کہلاتا تھا۔

(۵) اس لئے یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ان حدیثوں کا دنیا میں اگر وجود بھی نہ ہوتا جو مدت دراز کے بعد جمع کی گئیں تو اسلام کی اصل تعلیم کا کچھ بھی حرج نہیں۔

(۶) پس مذہب اسلام یہی ہے کہ نہ تو اس زمانہ کے اہل حدیث کی طرح حدیثوں کی نسبت یہ اعتقاد رکھا جائے کہ قرآن پر وہ مقدم ہیں۔

(۷) چلئے اور سنئے اور اپنی صدری بیاض کا ریکارڈ درست فرمایئے۔

اگر حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے اور نہ سنت میں اور نہ قرآن میں مل سکے تو اس صورت میں فقہ حنفی پر عمل کر لیں۔ کیونکہ

اس فرقہ کی کثرت خدا کے ارادہ پر دلالت کرتی ہے۔ص ۶۔ وجید داعظم مصنفہ ڈاکٹر بشارت۔ج ۳ ص ۹۸و۹۹۔

خط کشیدہ الفاظ کو ایک بار پھر پڑھیں اور بتلائیں کہ مرزا صاحب کے حنفی مقلد ہونے میں اب بھی کوئی ابہام باقی رہ گیا ہے؟

بخکم ۔ تیری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا

آپ کی مزید تسکین کے لئے آپ کو مرزا بشیر احمد قادیانی کی سیرۃ المھدی کی سیر کرائے دیتے ہیں۔ پڑھیے اور اپنے مؤقف کا جائزہ لیجئے۔

(۸) مرزا بشیر لکھتا ہے۔ اصولاً آپ (مرزا غلام احمد قادیانی) ہمیشہ اپنے آپ کو حنفی ظاہر فرماتے تھے۔ اور آپ نے اپنے لئے کسی زمانہ میں بھی اہل حدیث کا نام پسند نہیں فرمایا۔ ❶

(۹) ہم کوئی حنفیوں کے خلاف نہیں کہ آپ بار بار اپنے آپ کو حنفی ہونے کا اظہار کرتے ہیں..... پھر آپ نے فرمایا کہ ہر شخص اس بات کی اہلیت نہیں رکھتا کہ دینی امور میں اجتہاد کرے۔ ❷

(۱۰) خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعودیوں تو سارے اماموں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، مگر امام ابوحنیفہ صاحب کو خصوصیت کے ساتھ علم ومعرفت میں بڑھا ہوا سمجھتے تھے اور ان کی قوت استدلال کی بہت تعریف کرتے تھے۔ ❸

(۱۱) باپ اور بیٹے کے اقبالی بیانات کے بعد اب مرزا قادیانی کے دستِ راست اور خلیفہ اول نور دین بھیروی کی دو شہادتیں بھی پڑھ لیجئے۔ وہ مرزا قادیانی کا عقیدہ بتاتے ہوئے لکھتا ہے۔ مرزا صاحب اہل سنت والجماعت خاص کر حنفی المذہب تھے اور اسی طائفہ ظاہرین علی الحق میں سے تھے۔ ❹

(۱۲) اگر قرآن وحدیث سے نہ ملے تو فقہ حنفیہ پر عمل کرتے ہیں۔ ❺

(۱۳) خلیفہ نور دین اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ چشم سوزم در فرقت یا محمد۔ ❻

مرزا صاحب! اپنی پہلی تحریر میں اہل حدیثوں کو اس جرم میں کہ وہ بے چارے حجیت حدیث کے قائل ہیں بے جا افراط' بے انصافی اور خدا ناترسی کا طعنہ دے رہا ہے اور دوسری تحریر میں تدوین حدیث کو دوسری صدی کے نصف آخر کے مسلمانوں کے کھاتے میں ڈال کر کھلے الفاظ میں کہہ رہا ہے چونکہ ان میں کذب کا احتمال بہرحال موجود ہے اور حدیثیں ظن کے میلے کچیلے کپڑے ہیں جیسے گھٹیا الفاظ میں حجیت حدیث کا برملا انکار کر رہا ہے، جیسا کہ مخطوطہ جملے اس پر شاعد عدل ہیں۔ اور پھر تیسری تحریر میں اپنے ناپاک مقاصد کے پیش نظر اہل حدیث کے مسلمہ اصولوں کے مقابلہ میں خود غرضانہ قاعدہ پیش کر رہا ہے۔ اور اپنی چوتھی تحریر میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے خلاف سازش کرنے والے یہودیوں کو عامل بالحدیث ٹھہرا رہا ہے۔ جب کہ پانچویں تحریر میں احادیث رسول کو سرے سے غیر ضروری بک رہا ہے۔ اور پھر چھٹی تحریر میں اہل حدیث کے منہج اور طرز عمل کو مذہب اسلام کے منافی قرار دے رہا ہے۔

ان مذکورہ بالا چھ تحریروں پر ایک بار پھر نظر ڈال کر للہ انصاف اور دیانت داری کے ساتھ فرمائیے' کیا ایسا ملحد اور دشمن

❶ سیرۃ المھدی ج ۲۔ص ۴۹۔ ❷ سیرۃ المھدی۔ ج ۲۔ص ۴۹۔
❸ سیرۃ المھدی ج ۲۔ص ۴۹۔ ❹ ملفوظات نور از خلیفہ نور دین بھیروی۔ ص ۵۴۔
❺ مرقات الیقین از خلیفہ نور دین۔ ص ۳۲۔ ❻ ملفوظات نور۔ ص ۲۶۔

حدیث کبھی اہل حدیث ہوسکتا ہے یا کوئی خدا پرست انسان ایسے مفتری اور فتنہ گر آدمی کو اہلحدیث باور کرسکتا ہے، ایمان سے بتلایئے کیا آپ نے اپنی ستراسی سالہ عمر میں کوئی ایسا غیر مقلد اہل حدیث کبھی دیکھا ہے یا سنا ہے جو حدیث رسول کے بارے میں ایسے ہفوات اور ہذیانات بکتا ہو۔ اور طائفہ منصورہ (اہلحدیث) ایسے بد بخت اور بے ایمان شخص کو اپنی جماعت کا فرد و رکن سمجھتا ہو۔ اگر اہلحدیث کو مطعون کرنا ہی ٹھہرا تھا تو کیا اور کوئی گالی دینا میں نہ تھی۔ افسوس کہ آپ نے بو العجبی کی انتہا کرتے ہوئے اپنی موت کو بھی فراموش کردیا۔ شاہ صاحب یہ مت بھولئے:

قریب ہے یارو روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبان خنجر تو لہو پکارے گا آستیں کا

دیکھئے صاحب!

مرزا صاحب اپنی ساتویں تحریر میں اپنے حنفی مقلد ہونے کا کتنے غیر مبہم الفاظ میں اعلان کر رہے ہیں اور پھر اپنے مریدوں کو بھی مذہب حنفی کی پابندی کی وصیت کر رہے ہیں۔ آپ کی سہولت کے پیش نظر ہم نے مرزا صاحب کے فیصلہ کن جملہ پر خط کھینچ دیا ہے۔ لہٰذا انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر بتلایئے کہ مرزا صاحب کے حنفی مقلد ہونے میں اب کوئی ابہام رہ گیا ہے؟

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

اس سلسلہ کی آٹھویں شہادت، یعنی مرزا بشیر الدین احمد بن مرزا قادیانی کی وضاحت ذرا تکلیف کر کے اگر دوبارہ ملاحظہ فرمالیں تو ان شاء اللہ چودہ طبق روشن نظر آئیں گے۔ الفاظ یہ ہیں: اصولاً آپ (مرزا قادیانی) ہمیشہ اپنے آپ کو حنفی ظاہر فرماتے تھے۔ اور آپ نے اپنے لئے کسی زمانہ میں بھی اہل حدیث کا نام پسند نہیں فرمایا۔ [1]

مرزا بشیر احمد کی اس شہادت نے فیصلہ کر دیا ہے کہ مرزا قادیانی اپنے بچپن سے حنفی مقلد تھا بلکہ جب وہ استعارہ کی صورت میں دس مہینوں تک حمل اٹھائے پھر رہا تھا اور پھر دسویں مہینہ کے تمام پر دردزہ کی تکلیف کے مزے لوٹ رہا تھا۔ تو اس وقت بھی حنفی تھا۔ جب اس نے مسیح موعود بننے کے لئے پینترا بدلا تھا تو اس وقت بھی حنفی مقلد تھا۔ بعدازاں ترقی کر کے جب اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا تو اس وقت بھی مقلد مذہب حنفی تھا۔ اسی طرح جب اس نے شیخ الاسلام وکیل اسلامیان ہند سردار جماعت اہل حدیث ہند، پاکستان، فاتح قادیان حضرت ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے (تابڑ توڑ گرفتوں اور علمی اور اصولی حملوں سے تنگ آ کر از خود یک طرفہ بددعا جھوٹے کے لئے جاری کر دی تھی چونکہ خدا کی مرضی کے مطابق تھی) ساتھ آخری مباہلہ کیا تھا۔ تو اس وقت بھی حنفی مقلد تھا۔ اور پھر جب اس (پھر اپنی اس بددعا کے نتیجہ ہیں) مباہلہ کے منطقی نتیجہ میں ۱۹۰۸ء میں برانڈ رتھ روڈ کی احمدیہ بلڈنگ کے ٹٹی خانہ میں ذلت کی موت مرا تھا تو اس وقت بھی حنفی مقلد تھا۔ معاف رکھیے گا یہ شہادت کسی غیر مقلد اہل قلم کی نہیں، بلکہ مرزا قادیانی کے ایسے فرزند دلبند کی گواہی ہے جسے اصولاً چیلنج نہیں کیا جا سکتا کہ وہ وفادار

[1] سیرۃ المھدی ج۲ ص۴۹۔

بیٹا ہونے کے علاوہ اپنے باپ کے ناپاک مشن کا خیر سے ترجمان اور وکیل بھی ہے گویا ؎

مدعی! لاکھوں پہ بھاری ہے شہادت تیری
لہٰذا شاہ صاحب بتلایئے
کس کی ملت میں گنوں تجھ کو بتا دے اے شیخ
تو کہے گبر مجھے گبر مسلماں مجھ کو

حسب سابق شہادیت ۹ تا ۱۲ بھی اپنے مضمون میں بڑی واضح ہے۔ خاص کر شہادت نمبر ۱۱ یعنی خلیفہ نورد ین کا یہ کہنا کہ مرزا صاحب خاص کر حنفی المذہب تھے۔ مرزا قادیانی کی اپنی تحروں کے بعد یہ بیان اس بحث میں فیصلہ کن ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے مرزا قادیانی کو حنفی مقلد ثابت کرنے کے لئے مزید کسی اندرونی یا بیرونی شہادت کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ خلیفہ نوردین وہ آدمی ہے جو نہ صرف شروع سے ہی مرزا قادیانی کا ہمراز تھا بلکہ وہ اس جنس شریف کے تمام سیاسی نشیب وفراز اور اس کے بناؤ وبگاڑ میں شریک اور اس کی زندگی کے ہر موڑ میں اس کا وفادار صلاح کار رہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مرزا صاحب کی وفات کے بعد اسی شخص کو خلیفہ بنایا گیا تھا۔ اس لئے خلیفہ نوردین کے اس فیصلہ کن بیان کے بعد ہم مزید کسی ثبوت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

شاہ صاحب! کسی مدعی کے بارے میں یہ جاننے کے لئے کہ وہ کیسی عقیدہ وقماش کا آدمی تھا؟

اولاً:

اہل تحقیق کے نزدیک اندرونی شہادتوں میں سے جو شہادت سب سے زیادہ معتبر اور حرف آخر سمجھی جاتی ہے وہ اس کی اپنی تحریریں اور اقبالی بیانات ہوتے ہیں۔ جو اس نے اپنا اور اپنی دعوت کا تعارف کرانے کے لئے جاری کئے ہوتے ہیں۔

ثانیاً:

اگر یہ بیانات میسر نہ ہوں تو پھر اس کی اولاد واخلاف کے توضیحی بیانات فیصلہ کن تسلیم کئے جاتے ہیں۔

ثالثاً:

اگر یہ بھی میسر نہ ہوں تو پھر اس کے قائم مکاموں اور مخلص کارپردازوں کی شہادتوں کی روشنی میں فیصلہ کیا جات ہے کہ وہ عقیدہ ومذہب کے لحاظ سے کیسا اور کیا کچھ تھا؟ سو ہم نے بحمد اللہ تعالیٰ وبحسن توفیقہ ہر سہ اقسام کی ایک دو نہیں بلکہ پوری ایک درجن مستند مفصل اور ناقابل تردید شہادتوں کے ذریعہ ثابت کر دیا ہے کہ مرزا قادیانی مہد سے لے کر لحد تک، یعنی بچپن سے لے کر اپنی جوانی مستانی تک امتی سے ترقی کر کے متنبی بننے تک' پھر متنبی بن کر ٹٹی خانہ میں ذلت کی موت مرنے تک حنفی مقلد تھا۔ لہٰذا ان شہادتوں کے بعد مرزا قادیانی کو غیر مقلد تصور کرنا نادانی نہیں تو اور کیا ہے؟

جامی! چہ لاف مے زنی از پاک دامنی
بردامن تو ایں ہمہ داغ شراب چیست

کیا حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟

سوال : بخدمت جناب بھائی محمد عبیداللہ عفیف صاحب یہ جو زبان زدِ عام اور مشہور عقیدہ چلا آ رہا ہے کہ حضرت الیاس اور حضرت خضر آج بھی زندہ ہیں یہ عقیدہ کہاں تک درست ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل اور مفصل جواب تحریر فرمائیں۔(سعید احمد حنیف السلفی مدرس جامعہ اہلحدیث جھنگ شہر)

جواب : الجواب بعون الوھاب:

ان دونوں والا تبار ہستیوں کی حیات کا عقیدہ قرآن وحدیث کی واضح نصوص اور عقلی براہین کے سراسر خلاف ہے۔ محدثین کرام ائمہ اسلام اور محققین علماء امت نے اس عقیدہ کے خلاف اتنا کچھ لکھ دیا ہے۔ کہ اب اس برخود غلط عقیدہ کی تغلیط وتردید کے لیے مزید کچھ لکھنے کی حاجت نہیں۔ تاہم احقاق حق اور ابطال باطل کے مقدس فریضہ کی ادائیگی کے لیے جواب حاضر ہے۔ مگر جواب سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ حضرت الیاس کی زندگی کے ثبوت میں اتنا زور نہیں دیا جاتا جتنا کہ حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی پر زور دیا جاتا ہے،اس لیے اس مقالہ کا محور جناب خضر ہی ہیں،مگر ساتھ حضرت الیاس کی حیات کا بھی جواب ہو جاتا ہے،یعنی جن دلائل وبراہین سے حضرت خضر کی وفات ثابت کی ہے ان دلائل وبراہین کے عموم میں حضرت الیاس کے نام کی عدم صراحت سے یہ مطلب اخذ کرنا ہرگز درست نہ ہوگا کہ حضرت الیاس اب بھی زندہ ہیں۔

جس طرح حضرت خضر کی نبوت میں اختلاف ہے،اسی طرح آپ کی زندگی میں بھی اختلاف ہے۔ایک بڑی جماعت کا عقیدہ ہے کہ وہ اب زندہ نہیں ہیں۔

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ سے حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا وہ زندہ ہیں؟ انہوں نے فرمایا: یہ کیسے درست ہوسکتا ہے جبکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا: فَاِنَّ رَأْسَ مَائَةِ سَنَةٍ مِنهَا لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ عَلَى ظَهْرِ الْاَرْضِ اَحَدٌ. یعنی روئے زمین پر جو لوگ آج موجود ہیں وہ سو سال تک زندہ نہیں رہیں گے۔ [1]

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے فرمایا: مَا مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوْسَةٍ يَاْتِىْ عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ وَهِىَ يَوْمَئِذٍ حَيَّةٌ. یعنی''آج دنیا میں جو لوگ زندہ ہیں سو سال تک ان میں سے کوئی زندہ نہیں رہے گا''۔اس ارشادِ نبوی کی کوئی تاویل ممکن نہیں ہے۔

یہ مسئلہ ایک دوسرے امام صاحب سے پوچھا گیا تو انہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ دی۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ۔(الانبیاء :۳٤) ہم نے آپ سے قبل کسی بشر کے لیے ہیشگی نہیں رکھی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے حضرت خضر علیہ السلام کے زندہ رہنے کا مسئلہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: اگر خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان پر واجب تھا کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔آپ سے علم حاصل کرتے اور آپ کی معیت میں جہاد کرتے۔ نبی کریم ﷺ نے غزوہ بدر میں عرض کی تھی۔ اَللّٰهُمَّ اِنْ تَهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ لَا تُعْبَدْ

[1] صحیح بخاری ص ١١٦ و١٢٣۔

فِی الْاَرْضِ . اے اللہ! اگر یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر تیری عبادت نہیں ہوگی۔ یہ جماعت تین سو تیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل تھی۔ ان کے ناموں کی مع باپ وقبیلہ فہرست موجود ومعروف ہے۔ مگر اس میں حضرت خضر علیہ السلام کا نام تک نہیں، لہٰذا بتایا جائے۔ اس وقت حضرت خضر علیہ السلام کہاں تھے۔

ابراہیم حربی رحمہ اللہ سے حضرت خضر کی زندگی کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: جس نے کسی میت کا حوالہ دیا اس نے انصاف سے کام نہیں لیا۔ یہ وسوسہ اندازی شیطان کی طرف سے ہے۔

''بحر'' (ایک کتاب) میں شرف الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوالفضل المرسی سے حضرت خضر کی موت منقول ہے۔ ابن جوزی نے علی بن موسیٰ الرضا سے اور ابراہیم بن اسحاق حربی سے یہی قول کیا ہے۔ حضرت خضر کی زندگی کو کیسے صحیح مانا جا سکتا ہے۔ جبکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمعہ و جماعت میں شامل نہیں ہوئے۔ اور آپ کے اس ارشاد کے باوجود آپ کے ساتھ جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْکَانَ مُوْسٰی حَیًّا مَا وَسِعَہٗ اِلَّا اَنْ یَّتَّبِعَنِیْ۔

''اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو میری اتباع کے بغیر چارہ کار نہ ہوتا۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ﴾ (آل عمران:۸۱)

''جب اللہ تعالیٰ وسبحان نے نبیوں سے عہد لیا کہ میں نے تم کو کتاب وحکمت دی ہے۔ پھر تمہارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں آ جائیں جو تمہاری کتاب کی تصدیق کریں تو اس پر ضرور ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا ذمہ لیا؟ انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا، فرمایا: تم گواہ رہو۔ میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔''

اس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین پر نازل ہوں گے تو اس امت کے امام کی اقتدا میں نماز پڑھیں گے اور اس سے آگے نہیں بڑھیں گے۔ حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی کو ثابت کرنے والے کتنے بے وقوف ہیں وہ نہیں سمجھتے اس سے حضرت خضر کو زندہ مان لینے کے بعد شریعت محمدی سے اعراض کا کتنا بڑا الزام آتا ہے۔

حضرت خضر کی موت کے عقلی ثبوت:

ثبوت اول……: جو شخص آپ کی زندگی کا قائل ہے وہ آپ کو حضرت آدم علیہ السلام کا حقیقی اور صلبی بیٹا سمجھتا ہے۔ اس کے فاسد ہونے کی دو وجوہ ہیں۔

ا۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ آپ کی عمر چھ ہزار سال سے زائد ہو۔ کسی بشر کے لیے اتنی طویل عمر عام حالات میں عقل سے بعید ہے۔

۲۔ اگر حضرت خضر حضرت آدم علیہ السلام کے حقیقی اور صلبی بیٹے یا چوتھے بیٹے ہوتے (جیسا کہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ذوالقرنین کا وزیر تھا) تو ان کی ڈیل ڈول بڑی ہیبت ناک ہوتی۔ اور ان کا طول وعرض بھی عام انسانوں سے کہیں زیادہ ہوتا۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: خَلَقَ اٰدَمَ طُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فَلَمْ يَزَلِ الْخَلْقَ يَنْقُصُ بَعْدَهٗ. (صحیح بخاری) کہ جب آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے ان کا قد ساٹھ ہاتھ لمبا تھا قریباً ڈیڑھ فٹ ہوتا ہے، ان کے بعد انسانوں کے قدوں میں کمی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ جن لوگوں نے حضرت خضر کی زیارت کا دعویٰ کیا انہوں نے آپ کی بڑی جسامت بیان نہیں کی۔ حالانکہ سب سے پہلے لوگوں میں ہونے کے باعث ان کا قد حضرت آدم علیہ السلام کے لگ بھگ ہونا چاہیے تھا۔

ثبوت ثانی......: اگر وہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے زندہ ہوتے تو وہ ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہوتے مگر یہ کسی نے نقل نہیں کیا۔

ثبوت ثالث......: علماء اس پر متفق ہیں کہ جب نوح علیہ السلام کشتی سے نکلے تو آپ کے ساتھ جتنے لوگ تھے وہ سب فوت ہو گئے اور آپ کے سوا کسی کی نسل نہیں چلی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ﴾ (الصّٰفّٰت:۷۷) ہم نے صرف نوح ہی کی اولاد کو باقی رکھا۔

ثبوت رابع......: اگر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت قائم ہونے تک کسی انسان کا زندہ رہنا درست ہوتا تو یہ ایک عظیم اور عظیم تر نشانی ہوتی۔ اور اس کا حوالہ قرآن عزیز متعدد مقام پر مذکور ہوتا۔ کیونکہ وہ ربوبیت کا بہت بڑا نشان ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس اولوالعزم ہستی کا ذکر فرمایا جس کو ساڑھے نوسو برس زندہ رکھا۔ اور اس کو نشانی بنایا تو پھر اس کا ذکر کیوں نہ ہوتا جسے اللہ تعالیٰ نے اس سے کئی سوگناہ لمبی زندگی عطا فرمائی۔

ثبوت خامس......: حضرت خضر کے زندہ رہنے کی خبر اللہ تعالیٰ پر قول بلا علم ہے اور وہ قرآن مجید کی نص سے حرام ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے، لہٰذا دوسرا مقدمہ تو ظاہر ہے اور پہلا مقدمہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اگر حضرت خضر کی زندگی ثابت ہوتی تو اس کی خبر قرآن مجید میں یا سنت یا اجماع امت سے ملتی۔ یہ کتاب اللہ موجود ہے اور اس میں حیات خضر کا ذکر کہاں ہے اور یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس میں اس کا اشارہ تک نہیں۔ اور علماء امت نے کب ان کی حیات پر اجماع کیا ہے۔

ثبوت سادس......: زیادہ سے زیادہ حضرت خضر کی زندگی کی جو دلیل پیش کی جاتی ہے۔ وہ کچھ حکایات اور کہانیاں ہیں کہ فلاں شخص نے خبر دی ہے کہ اس نے حضرت خضر کو دیکھا تھا۔ یہ بڑی حیران کن بات ہے کیا حضرت خضر کی کوئی علامت ہے، جس سے اس نے آپ کو پہچانا ہو؟ بیان کرنے والوں نے اس بات سے دھوکا کھایا کہ جس کو انہوں نے دیکھا تھا وہ کہتا تھا کہ میں خضر ہوں"۔ یہ واضح بات ہے کہ قائل کی تصدیق الٰہی دلیل کے بغیر نہیں کی جا سکتی۔ دیکھنے والوں کو کہاں پتہ چلا کہ یہ کہنے والا کہ میں خضر ہوں۔ سچا ہے یا جھوٹا ہے۔

ثبوت سابع......: حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ کلیم اللہ سے جدا ہوئے اور ان کے ساتھ نہ رہے اور کہا کہ "هٰذَا

فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ. (الکھف)

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ موسیٰ کلیم اللہ سے تو مفارقت کریں۔ اور ان کی شریعت کے نافرمان جاہل صوفیوں کے ساتھ رہیں۔ جو جمعہ جماعت کے تارک ہیں اور مجلس علم سے بے بہرہ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کہتا ہے مجھے حضرت خضر نے فرمایا: ''میرے پاس حضرت خضر تشریف لائے تھے، مجھے حضرت خضر نے وصیت کی ہے۔'' تعجب ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو چھوڑا اور ان جاہلوں کی محبت اختیار کی۔ یہ حضرت خضر نہیں ہوسکتے۔ یہ حضرت خضر پر بہتان عظیم ہے۔ یہ شیطان کی کارستانی ہے۔

ثبوت ثامن......: امت کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص کہتا ہے کہ میں ''خضر ہوں'' وہ اگر کہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ یہ فرماتے تھے اس کی بات میں کوئی وزن نہیں اور دین میں اس کا یہ کہنا حجت نہیں' حضرت خضر کی زندگی کے قائل کو بھی اس سے انکار نہیں الا یہ کہ وہ کہے کہ حضرت خضر نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ سولم کی خدمت میں حاضر ہوئے' نہ آپ سے بیعت کی' یا وہ کہے کہ آپ ان کی طرف نہیں بھیجے گئے'' یہ صریح کفر ہے۔

ثبوت تاسع......: اگر حضرت خضر زندہ ہوتے تو ان کا جنگلوں' بیابانوں اور جنگلی جانوروں میں رہنے کے بجائے کفار سے جہاد کرنا اور فی سبیل اللہ چوکیداری کرنا اور جہاد کی صف میں ایک گھڑی کھڑے ہونا' جمعہ و جماعت میں شریک ہونا اور جاہلوں کو راہ ہدایت دکھانا کہیں افضل تھا۔

دلائل قائلین حیات خضر:

بعض کہتے ہیں کہ حضرت علیہ السلام ہمارے درمیان زندہ ہیں۔ نووی کے قول کے مطابق صوفیہ کے نزدیک یہ متفق علیہ عقیدہ ہے۔ مفسر ثعلبی سے منقول ہے کہ وہ طویل عمر کے نبی ہیں اور اکثر لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ امام ابن الصلاح نے کہا: بعض اہلحدیث نے حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کا انکار کیا ہے، مگر وہ حیات ہیں۔ اس کی دلیل متعدد احادیث سے ملتی ہے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱)......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت خضر حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے ہیں۔ ان کی عمر کو دراز کردیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ دجال کی تکذیب کریں گے۔ یہ بات اپنی رائے سے نہیں کہی جاسکتی۔ (لامحالہ یہ مرفوع حدیث کے حکم میں)

(۲)......ابن عساکر نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا ہمارے اصحاب نے حدیث بیان کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی وفات سے کچھ وقت پہلے اپنے تمام بیٹوں کو جمع کیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ اہل زمین پر عذاب نازل کرنے والا ہے۔ میرا جسم غار میں تمہارے پاس ہونا چاہیے۔ جب تم غار سے باہر نکل آؤ تو میری نعش کو شام لے جانا اور وہیں مجھے سپرد خاک کردینا۔ لہٰذا وصیت کے مطابق حضرت آدم کی نعش ان کے پاس ہی رہی۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو انہوں نے یہ نعش اپنے پاس رکھی۔ قوم کی نافرمانی پر اللہ تعالیٰ نے اہل زمین پر پانی کا طوفان بھیجا تو وہ ایک عرصہ تک ڈوبی رہی۔ حضرت نوح علیہ السلام بابل شہر میں اترے اور اپنے تینوں بیٹوں (حام۔ سام اور یافث) کو وصیت فرمائی کہ آپ کی نعش کو وہاں لے جاؤ جہاں دفن کرنے کا حضرت آدم علیہ السلام نے حکم فرمایا تھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ طوفان کی وجہ

سے زمین ویران ہو چکی ہے۔ نہ اس میں کوئی انیس ہے اور نہ ہمیں راستے کا کچھ علم ہے۔ زمین کے آباد ہونے تک آپ دفن کا پروگرام ملتوی فرما دیں۔ نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ جو مجھے دفن کرے اس کی عمر قیامت تک دراز ہو جائے آدم علیہ السلام کا جسد اطہر پڑا رہا حتیٰ کہ جناب خضر تولد ہوئے۔ انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو دفن کیا۔ حضرت آدم کی دعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرما کر حضرت خضر کی عمر دراز فرما دی۔ اب حضرت خضر علیہ السلام اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا بقید حیات رہیں گے۔ اس حدیث میں حضرت خضر کی درازی عمر کا سبب بیان کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ سبب بعید ہے۔ ورنہ مشہور بات یہ ہے کہ انہوں نے حضرت ذوالقرنین کے ساتھ آب حیات اس وقت نوش فرمایا تھا۔ جب ظالموں نے ہجوم کر لیا تھا۔ آپ ذوالقرنین کے ہراول دستے کے کمانڈر تھے۔

(۳)...... خطیب بغدادی اور ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فوت ہوئے تھے ہم آپ کی تجہیز و تکفین کے لیے تیار ہوئے۔ لوگ باہر نکل گئے اور جگہ خالی ہوگئی۔ جب میں آپ کو غسل دینے لگا تو گھر کے ایک گوشہ سے ایک غیبی آواز بلند ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کی ضرورت نہیں، آپ طاہر اور مطہر ہیں۔ میں سوچ میں کھو گیا۔ میں نے دریافت کیا آپ کون ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دو۔ پہلی غیبی آواز ابلیس ملعون کی تھی' اس نے از راہ حسد کہا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دے کر دفن نہ کر دیا جائے۔ میں نے کہا جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا آپ نے واضح کر دیا کہ یہ ابلیس ملعون تھا۔ مگر آپ کون ہیں؟ اس نے کہا میں خضر ہوں۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازے میں شرکت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

(۴)...... حضرت علی سے یہ بھی مروی ہے کہ میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ کعبۃ اللہ کے غلاف کو پکڑ کر کہہ رہا تھا۔ اے وہ ذات' جس کو متعدد انسانوں کی باتیں ایک ساتھ سننے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی! اے وہ ذات جس کو مسائل کے حل میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اے وہ ذات جو الحاح وزاری کرنے والوں سے زچ نہیں ہوتا۔ مجھے اپنی معافی کی ٹھنڈک عطا فرما اور اپنی رحمت کی حلاوت سے شاد کام فرما۔ میں نے کہا: اے اللہ کے بندے اپنی اس دعا کو دہراؤ۔ انہوں نے سوال کیا کہ آپ نے یہ دعا سن لی ہے؟ میں نے کہا ہاں، انہوں نے کہا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں خضر کی جان ہے! جو شخص اس دعا کو فرض نماز کے بعد پڑھے گا۔ اس کے گناہ خواہ ریت کے ذروں' درختوں کے پتوں اور بارش کے قطروں کے برابر ہوں تو بخش دیے جائیں گے۔

(۵)...... امام حاکم نے مستدرک میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور صحابہ رضی اللہ عنہم جمع ہوئے تو ایک آدمی وارد ہوا جس کی سیاہ سفید ڈاڑھی، خوب صورت بھاری بھرکم جسم تھا۔ وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آگے بڑھا اور رو پڑا۔ پھر اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا اور کہا: ہر مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر۔ ہر ہاتھ سے نکل جانے والی چیز کا بدلہ اور ہر ہلاک ہونے والے کا جانشین ہوتا ہے۔ تم سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرو اور اسی کی طرف رغبت رکھو۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ مصیبت اور آزمائش میں تمہاری طرف ہے۔ تم بھی غور کرو مصیبت زدہ وہ

ہے جس کی تلافی نہ ہو سکے۔ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے کہا یہ بات کرنے والے حضرت خضر علیہ السلام ہیں، ایسے ہی اور دلائل ہیں۔ جن سے ان کی زندگی کا ثبوت ملتا ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے وہ نبی اکرم ﷺ کی زندگی مبارک میں بھی زندہ تھے۔

ان احادیث کا جواب:

جو لوگ حضرت خضر علیہ السلام کے زندہ ہونے کے قائل نہیں، وہ ان احادیث کا جواب یہ دیتے ہیں کہ جن احادیث میں حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی کا ذکر ہے وہ سب جھوٹی ہیں۔ آپ کی زندگی سے متعلق ایک بھی صحیح حدیث نہیں۔ جو شخص اس کا دعویٰ کرے تو اس کا ثبوت مہیا کرنا اس کے ذمہ فرض ہے۔ وَمَنْ يَدَّعِيُ ذَالِكَ فَعَلَيْهِ الْبُرْهَانُ .

پھر مشائخ حضرت خضر علیہ السلام کے زندہ ہونے پر متفق نہیں۔ شیخ صدرالدین اسحاق القونوی نے اپنی کتاب ''تبصرۃ المبتدی وتذکرۃ المنتہی'' میں نقل کیا ہے کہ حضرت خضر کا وجود عالم مثال میں ہے۔ شیخ عبدالرزاق کاشی کا خیال ہے۔ خضر سے مراد ''بسطہ'' اور الیاس سے مراد ''قبض'' ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ خضریت ایک منصب ہے۔ جس پر بعض صالحین فائز ہوتے ہیں۔ روح المعانی میں بہت سے اقوال مذکور ہیں۔ اس میں حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی پر جو تبصرہ ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی احادیث صحیحہ اور مقابلۃً صحیح عقلی مقدمات حضرت خضر علیہ السلام کی وفات کے قائلین کی پوری پوری تائید و تصدیق کرتے ہیں۔ [1]

اس طویل گفتگو اور بحث سے ثابت ہوا کہ جناب خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام وفات پا چکے ہیں۔ ان کی حیات کا عقیدہ قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ صحیح مرفوعہ متصلہ اور عقلی دلائل کے لحاظ سے سراسر بدعی اور غیر شرعی اور باطل عقیدہ ہے۔

حیات خضر کے دلائل کا تجزیہ:

ہفت روزہ تنظیم اہلحدیث لاہور کے شمارہ نمبر ۱۔۲ جلد ۴۲ مئی ۱۹۹۸ء میں مفتی پاکستان حضرت العلام شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ خان عفیف کا حیات خضر و الیاس پر بڑا تفصیلی اور معلوماتی فتویٰ طبع ہوا۔ فتویٰ کیا ایک پورا مضمون ہے۔ جس میں انہوں نے حیات خضر کے نظریہ کا نقلی اور عقلی دلائل سے رد کیا ہے اور آخر میں ان دلائل کو بھی پیش کر کے جن سے حیات خضر کی دلیل لی جاتی ہے ان کا رد فرمایا ہے۔ مگر یہ رد اجمالی ہے جس میں ان دلائل کے غلط اور باطل ہونے کی کوئی وجہ بیان نہیں فرمائی۔ صرف اتنا فرمایا ہے کہ جن احادیث میں حضرت خضر کی زندگی کا ذکر ہے وہ سب جھوٹی ہیں آپ کی زندگی سے متعلق ایک بھی صحیح حدیث نہیں۔ (شمارہ نمبر ۲ ص ۶)

گوجرانوالہ سے ایک سلفی بھائی نے راقم الحروف سے ایک ملاقات میں اس فتوے کا ذکر کیا اور اسے بہت سراہا مگر جب تک ہم ان دلائل کے غلط ہونے کی وجوہ کو نہ جانتے ہوں تو دوسروں کو مطمئن کرنا تو دوسری بات ہے ہم خود بھی مطمئن نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا آپ حضرت مفتی صاحب کے پیش کردہ دلائل پر تفصیلی جرح کر کے ہمیں بھیج دیں تاکہ اس غلط نظریہ کے بارہ میں لوگوں کو بتا سکیں کہ حیات خضر کا خیال محض تصوراتی ہے جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ راقم نے اس متدین نوجوان کے جذبہ کی قدر کے پیش نظر ان دلائل پر خالص علمی اصولوں پر تجزیہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اس ضمن میں چند اور دلائل

[1] انوار رحمانی ج ص ۶۵۰ تا ۶۵۶۔

بھی جو قائلین حیات پیش کرتے ہیں کو ذکر کیا ہے تاکہ سارے دلائل کی حقیقت واضح ہو جائے۔ وباللہ التوفیق (ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی)

کیا خضر آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے تھے؟

ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت خضر حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے تھے۔ ان کی عمر کو دراز کر دیا گیا یہاں تک کہ وہ دجال کی تکذیب کریں گے۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: دارقطنی نے اس کو رواد بن جراح عن مقاتل بن سلیمان عن الضحاک کے طریق سے روایت کیا ہے۔ رواد ضعیف ہے مقاتل متروک ہے ضحاک نے ابن عباس سے کچھ نہیں سنا۔ ●

یعنی روایت ضعیف ہونے کے ساتھ منقطع بھی ہے اگر اس کے راوی ثقہ بھی ہوتے تو اس کے ضعیف کے لیے صرف ضحاک کا انقطاع ہی کافی تھا، مگر اس روایت کا ضعف کچھ معمولی نہیں بلکہ سنگین قسم کا ہے۔ رواد کو ابن معین نے ثقہ کہا ہے ابو حاتم کہتے ہیں: صدوق تھا مگر حافظہ متغیر ہو گیا تھا۔ ابن عدی فرماتے ہیں: اس کی عام روایات پر لوگ متابعت نہیں کرتے۔ دارقطنی فرماتے ہیں: متروک ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں: مختلط ہو گیا تھا۔ ●

مقاتل بن سلیمان کے بارہ میں امام بخاریؒ فرماتے ہیں: محدثین نے اس سے سکوت اختیار کیا ہے۔ (قابل اعتبار نہیں سمجھا) ابن معین فرماتے ہیں: اس کی حدیث کوئی شے نہیں۔ امام وکیع اسے کذاب کہتے تھے۔ امام نسائی بھی فرماتے تھے: جھوٹ بولتا تھا۔ ابن حبان نے تو وضاحت فرما دی کہ حدیث میں جھوٹ بولتا تھا۔ ●

معلوم ہوا کہ یہ حدیث ضعیف ہی نہیں بلکہ مقاتل کی وجہ سے بے اصل اور باطل بھی ہے۔

مدفن آدم علیہ السلام:

دوسری روایت جو حضرت مفتی صاحب نے ابن عساکر کے حوالہ سے محمد بن اسحاق سے ذکر فرمائی ہے جو بڑی دلچسپ اور طویل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم نے فوت ہوتے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت فرمائی تھی کہ میرا جسم تمہارے پاس ایک غار میں محفوظ رہنا چاہیے۔ جب تم غار سے نکلو تم میری نعش کو شام لے جانا۔ اور وہیں مجھے سپرد خاک کر دینا۔ اس روایت کے آخر میں ہے۔ آدم علیہ السلام نے دعا کی تھی جو مجھے دفن کرے اس کی عمر قیامت تک دراز ہو۔ آدم کا جسد اطہر پڑا رہا، حتی کہ خضر متولد ہوئے انہوں نے آدم کو دفن کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کی دعا کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے خضر کی عمر دراز فرما دی۔

مذکورہ روایت امام محمد بن اسحاق نے نہ رسول اللہ سے مرفوع بیان کی ہے اور نہ کسی صحابی سے موقوف۔ بلکہ ان کے کسی ساتھی کا قول ہے جسے انہوں نے حکایہ بیان کر دیا ہے ظاہر ہے، ایسی روایت قابل قبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ نہ صریحاً منقول ہے اور نہ اس کی کوئی سند معلوم ہے اور عقلاً بھی محال اور ناممکن ہے جس سے اس واقعہ کا بے اصل ہونا ظاہر ہے۔

● الاصابہ ص ۴۲۹ ج۱۔
● میزان الاعتدال ص ۵۵ و ص ۵۶ ج ۲۔
● میزان الاعتدال ج ۴ ص ۱۷۳۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کو غسل دینا:

تیسری روایت حضرت علی سے نقل فرمائی ہے کہ میں جب رسول اللہ ﷺ کو غسل دینے لگا ایک غیبی آواز آئی کہ رسول اللہ کو غسل دینے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ آپ طاہر اور مطاہر ہیں۔ الحدیث

راقم کو اس روایت کی سند معلوم نہیں ہو سکی کوشش جاری ہے کہ اس کی اصل اور سند معلوم ہو جائے۔ اگر کسی صاحب علم کو اس روایت کی سند معلوم ہو تو وہ راقم الحروف کو ضرور اطلاع کر دے تا کہ اس پر تفصیلی بحث ہو سکے۔

حضرت علیؓ سے ملاقات:

چوتھی روایت بھی حضرت علیؓ کی طرف منسوب ہے کہ میں نے بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے ایک شخص کو دیکھا جو کعبہ کا غلاف پکڑے ہوئے کہہ رہا تھا: يَا مَنْ لَا يَشْغَلُهُ سَمِعٌ عَنْ سَمِعٍ ۔ اس روایت کے آخر میں ہے وہ کہہ رہا تھا جس کے ہاتھ میں خضر کی جان ہے۔

امام ابن جوزیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس کا ایک راوی محمد بن ہروی مجہول ہے دوسرا راوی عبداللہ بن محرز یا محرر متروک ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں: لوگوں نے اس کی حدیث چھوڑ دی تھی۔ ابن منادیؒ کہتے ہیں میری اس سے ملاقات ہوئی ہے میرے نزدیک اس سے تو بکری کی مینگنی زیادہ محبوب ہے۔ ❶

دارقطنی اور محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک متروک ہے۔ جوزجانی فرماتے ہیں ہالک ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں نیک تھا جھوٹ بولتا تھا مگر جانتا نہیں تھا کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ حدیثوں کو الٹ پلٹ کر دیتا تھا، مگر اسے معلوم نہیں ہوتا تھا۔ (غیر شعوری طور پر ایسے کرتا تھا) ❷

رسول اللہ ﷺ کی وفات پر خضر کی تعزیت:

حضرت مفتی صاحب نے اپنے فتویٰ میں پانچویں روایت مستدرک حاکم کے حوالہ سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جب وفات ہوئی تو صحابہ جمع تھے۔ ایک خوبرو سفید ڈاڑھی والا آدمی داخل ہوا۔ اس روایت کے آخر میں ہے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ شخص خضر ہے۔

یہ روایت مستدرک ص ۵۵ ج ۳ میں حضرت جابرؓ کے بجائے حضرت انسؓ کی مسند سے ہے۔ حضرت جابر والی روایت اس روایت سے متصل ہی پہلے ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَزَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَسْمَعُونَ الْحِسَّ لَا يَرَوْنَ الشَّخْصَ فَقَالَتْ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه اِنَّ فِي اللّٰهِ عَزَاءً مِنْ كُلِّ مُصِيبَةٍ وَخَلَفًا مِنْ كُلِّ فَائِتٍ فَبِاللّٰهِ فَثِقُوا وَاِيَّاهُ فَارْجُوا فَاِنَّمَا الْمَحْرُومُ مَنْ حُرِمَ الثَّوَابَ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ

❶ كتاب الموضوعات ص ١٤٠ ج١.

❷ ميزان الاعتدال ص ٥٠٠ ج٢۔

وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ. ❶

جب رسول اللہ فوت ہوئے تو فرشتوں نے صحابہ سے تعزیت کی صحابہ حس محسوس کرتے تھے، لیکن کسی شخص کو نہیں دیکھتے تھے۔ انہوں نے کہا اہل بیت تم پر سلامتی۔ رحمت اور برکتیں ہوں یہ مصیبت میں اللہ کے لیے تسلی ہے اور ہر فوت ہونے والا کا نائب ہے، پس تم اللہ پر اعتماد اور بھروسہ رکھو محروم وہ ہے جو ثواب سے محروم ہوگیا۔

اس روایت میں خضر کا کہیں ذکر نہیں بلکہ فرشتوں کا ذکر ہے جس روایت میں خضر کا ذکر ہے وہ حضرت انس کی روایت ہے جس کا اشارتاً اوپر ذکر ہوا ہے اور اس کے الفاظ وہی ہیں جو حضرت مفتی صاحب نے نقل فرمائے ہیں۔

معلوم ایسے ہوتا ہے کہ موصوف نے مذکورہ روایت اصل ماخذ کے بغیر کسی اور جگہ سے نقل کر دی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ دونوں روایتوں میں متن اور سند کے لحاظ سے بہت فرق ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے خضر کی کوئی نسبت نہیں، حضرت انس کی روایت میں خضر کا تذکرہ موجود ہے مگر وہ بے اصل اور باطل ہے۔ حضرت انس سے روایت کرنے والا راوی عباد بن عبدالصمد ہے۔

ذہبیؒ فرماتے ہیں یہ ''واہ'' یعنی سخت ضعیف ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں: منکر الحدیث ہے۔ ابو حاتم فرماتے ہیں: سخت ضعیف ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں: ضعیف اور غالی شیعہ تھا۔ ابن حبان فرماتے ہیں: سخت کمزور ہے اس نے حضرت انسؓ سے ایک نسخہ روایت کیا ہے جس میں اکثر روایتیں من گھڑت ہیں۔ ❷

مذکورہ روایت بھی اس نے حضرت انس سے روایت کی ہے۔

یہ جملہ روایات تھیں جو فتویٰ میں تھیں ان میں سوائے ایک کے باقی تمام کی حقیقت مصرحاً آپ کے سامنے ہے کہ یہ تمام بے اصل ہیں اور جس کی تفصیل آپ کے سامنے نہیں آئی اس کی راقم کو سند معلوم نہیں ہوسکی۔ ان کے علاوہ چند اور روایات بھی ہیں جن کو حضرت خضر کی حیات کے قائلین اپنے موقف میں پیش کرتے ہیں ان کی تفصیل بھی ملاحظہ فرماتے جائیں تاکہ مضمون میں تشنگی باقی نہ رہے۔

رسول اللہ ﷺ کی فضیلت:

عبداللہ بن نافع نے کثیر بن عبداللہ عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے، انہوں نے اپنے پیچھے سے ایک کہنے والے کو سنا جو اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى مَا يُنْجِيْنِيْ مِمَّا فَوَّفْتَنِيْ کہہ رہا تھا۔

رسول اللہؐ نے فرمایا: اس کے ساتھ دوسرے کلمے بھی ملا لے تو اس نے اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَوْقَ الصَّالِحِيْنَ اِلٰى مَا شَوَّقْتَهُمْ کلمہ بھی کہہ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے انسؓ سے فرمایا: جاؤ اور اس شخص کو استغفار کرو۔ انس اس کے پاس پہنچے تو اس نے کہا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو انبیاء پر ایسے فضیلت دی ہے، جیسا کہ رمضان کو دوسرے مہینوں پر فضیلت دی ہے۔ اور آپ کی امت کو دوسری امتوں پر ایسے فضیلت دی ہے، جیسا کہ جمعہ کے دن کی باقی دنوں پر فضیلت ہے۔ وہ اس کے پاس گئے دیکھا

❶ مستدرك ص۵۸ ج ۳.   ❷ ميزان الاعتدال ص ۳۶۹ ج۲.

تو وہ خضر ہیں۔

ابن جوزیؒ فرماتے ہیں یہ روایت باطل ہے عبد اللہ بن نافع کوئی شے نہیں۔ (ابن معین) منکر حدیثیں روایت کرتا تھا۔ (علی بن المدینی) متروک الحدیث ہے۔ (نسائی) دوسرا راوی اس سند میں اس کا استاذ کثیر بن عبد اللہ کے بارہ میں امام احمد فرماتے ہیں۔ کسی شے کے برابر نہیں۔ ابن معین کہتے ہیں۔ کوئی شے نہیں اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ نسائی اور دار قطنی فرماتے ہیں۔ متروک الحدیث ہے۔ شافعیؒ فرماتے ہیں۔ جھوٹ کا رکن تھا۔ ابن حبان فرماتے ہیں: اس نے اپنے باپ دادا سے من گھڑت نسخہ روایت کیا ہے۔ ❶

حضرت انس سے یہی واقعہ ایک اور سند سے قدرے مفصل بھی مروی ہے، جسے امام ابن جوزیؒ نے وضاع بن عباد کوفی سے عاصم بن سلیمان قال حدثنی انس کے طریق سے ذکر کیا ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں۔ میں ایک رات رسول اللہ کے ساتھ نکلا میں رسول اللہؐ کے لیے وضو کا پانی اٹھائے ہوئے تھا۔ آپؐ نے کسی آواز دینے والے کو سنا آپؐ نے فرمایا: انس خاموشی اختیار کرو۔ میں خاموش ہو گیا تو وہ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی مَا یُنْجِیْنِیْ مِمَّا فَوَّفْتَنِیْ مِنْهُ کہہ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا اگر یہ اس کے ساتھ دوسرا جملہ بھی ملا لے گویا کہ آپ نے اس کو لقمہ دیا ہے۔ تو اس نے وارزقنی شوق الصادقین الی ماشوقتھم کلمہ بھی کہہ دیا۔ آپؐ نے فرمایا: پانی کا برتن یہی رکھو اور اس کے پاس پہنچو اور اس سے کہو رسول اللہ ﷺ کے لیے دعا کرے کہ اللہ ان کی مدد فرمائے جس پر وہ مبعوث ہوئے ہیں۔ اور امت کے لیے بھی دعا کرے کہ ان کے نبی نے جو ان کو حق پہنچایا ہے وہ اس پر عمل کریں۔ اس کے آخر میں ہے۔ وہ انس کو کہنے لگا: اللہ کے رسول کو کہنا خضر آپ کو سلام کہتا ہے۔ اور آپ کے فضیلت انبیاء پر ایسے ہے جیسا کہ رمضان کی فضیلت دوسرے مہینوں پر ہے اور آپ کی امت کی فضیلت دوسری امتوں پر ایسے ہے، جیسا کہ جمعہ کے دن کی دوسرے دنوں پر فضیلت ہے۔ انس فرماتے ہیں۔ جب میں واپس مڑا تو وہ کہہ رہا تھا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الْمُرْشَدَةِ الْمَرْحُوْمَةِ الْمَتُوْبِ عَلَیْهَا. اے اللہ مجھے اس ہدایت یافتہ رحمت والی جس کی توبہ قبول کی گئی ہے امت میں سے کر دے۔

ابن جوزی فرماتے ہیں یہ روایت بھی باطل ہے وضاح راوی سخت ضعیف ہے یہ روایت منکر الاسناد بیمار متن والی ہے۔ ❷

ابن شاہین نے اس واقعہ کو محمد بن عبد اللہ انصاری کی سند سے قدرے مختلف الفاظ سے روایت کیا ہے۔ اس واقعہ میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ وہ انس کو کہنے لگا آپ رسول اللہ ﷺ کو کہہ دیں خضر آپ کو سلام کہتا ہے اور میں آپ کے پاس آنے کا زیادہ حق رکھتا تھا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں راوی محمد بن عبد اللہ انصاری امام بخاری کا استاذ نہیں وہ تو ثقہ ہیں اس سند میں جو ہے یہ واہی الحدیث ہے۔ ❸

یہ محمد بن عبد اللہ انصاری ابو سلمہ بصری ہے۔ عقیلی فرماتے ہیں: منکر الحدیث ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں: سخت منکر

---

❶ کتاب الموضوعات ص ۱۳۹ ج ۱۔ ❷ کتاب الموضوعات ص ۱۴۰ ج ۱۔

❸ الاصابة ص ۴۳۸ ج ۱۔

الحدیث ہے۔ ابن طاہر کہتے ہیں: کذاب ہے۔ ●

ابن عساکر نے اس واقعہ کو ابو داؤد عن انس سے روایت کیا ہے۔

ابو داؤد سے مراد نفیع بن حارث نخعی کوفی ہے۔ عقیلی فرماتے ہیں: رفض میں غلو کرتا تھا۔ بخاری فرماتے ہیں: محدثین نے اس کے بارہ میں کلام کیا ہے۔ ابن معین کہتے ہیں: کوئی شے نہیں۔ نسائی کہتے ہیں: متروک ہے۔ دارقطنی فرماتے ہیں: متروک الحدیث ہے۔ قتادہ نے اس کی تکذیب کی ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں۔ اس سے روایت لینی جائز نہیں۔ ●

رہائش گاہ خضر:

حضرت انسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

خضر سمندر میں اور یسع خشکی میں رہتے ہیں یہ رات کو ذوالقرنین کی تعمیر کردہ دیوار جو اس نے عام لوگوں اور یاجوج اور ماجوج کے درمیان بنائی تھی کے پاس اکٹھے ہوتے ہیں۔ اور ہر سال حج اور عمرہ کرتے ہیں اور آب زمزم پیتے ہیں جو ان کے لیے ایک سال کے واسطے کافی ہوتا ہے۔

یہ روایت باطل ہے اس کی سند میں دو راوی عبدالرحیم اور ابان دونوں متروک ہیں۔ ●

کعب فرماتے ہیں خضر اوپر والے سمندر اور نچلے سمندر کے درمیان نور کے منبر پر رہائش پذیر ہیں، سمندر کے تمام حیوانوں کو ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے اور اس پر صبح و شام روحیں پیش کی جاتی ہیں...... بے اصل ہے اس کا راوی عبداللہ بن مغیرہ بے اصل حدیثیں روایتیں کرتا تھا۔ ابن یونس کہتے ہیں: منکر الحدیث ہے۔ ●

جبرئیل امین سے ملاقات:

حضرت علی کی طرف منسوب روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور خضر ہر سال عرفہ کے دن جمع ہوتے ہیں۔ جبرئیل کہتا ہے مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ تو میکائیل ان کے جواب میں مَا شَاءَ اللّٰهُ مِنْ كُلِّ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ کہتے ہیں اور اسرافیل مَاشَاءَ اللّٰهُ اَلْخَيْرَ كُلَّهُ بِيَدِ اللّٰهِ سے جواب لوٹاتے ہیں۔ خضر مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا يُصَرِّفُ السُّوْءَ إِلَّا اللّٰهُ سے جواب دیتے ہیں اس کے بعد وہ جدا جدا ہو جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

جو ان چار کلموں کو نیند سے بیدار ہوتے وقت پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کے لیے چار فرشتے مقرر کر دیتا ہے۔ (الحدیث)

یہ طویل روایت کا ایک ٹکڑا ہے۔ امام ابن جوزی فرماتے ہیں: باطل ہے اس کی سند میں بہت سے مجہول راوی ہیں۔ ●

حافظ سیوطی فرماتے ہیں: اس روایت کو ابن جوزی نے واہیات میں عبید بن اسحٰق کے طریق سے ذکر کیا ہے، اور عبید متروک ہے۔ ●

● میزان الاعتدال ص۵۹۸ ج۳۔
● میزان الاعتدال ص۲۷۲ ج٤۔
● الاصابہ ص۴۳۲ ج۔
● ضعفاء الکبیر عقیلی ص۳۰۱ ج۲ والاصابۃ ص۴۳۲ ج۱۔
● کتاب الموضوعات ص۱٤۰ ج۱۔
● اللآلی المصنوعہ ص۱٦۸ ج۱۔

حضرت الیاس وخضر کی ملاقات:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس ہر سال ملاقات کرتے ہیں اور اس کلمہ بِسْمِ اللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ پر جدا ہو جاتے ہیں۔ ابن عباس فرماتے ہیں: جو ہر روز صبح وشام اس کلمے کو تین بار پڑھتا ہے وہ ڈوبنے، جل جانے اور چوری چکاری سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ راوی کا خیال ہے کہ وہ شیطان، سانپ اور بچھو سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے۔

اس روایت کو حافظ ابن عدی نے حسن بن رزین عن ابن جریج کے طریق سے روایت کیا ہے۔ اور فرماتے ہیں: میرے علم میں نہیں کہ اس روایت کو ابن جریج سے اس سند کے ساتھ سوائے حسن بن رزین کے کسی اور نے روایت کیا ہو۔ حسن معروف نہیں اور یہ حدیث اس سند کے ساتھ منکر ہے۔ نیز یہ ابن جریج سے ایسی روایتیں لاتا ہے جو غیر محفوظ ہوتی ہیں۔ ❶

حافظ عقیلی نے بھی اس روایت کو حسن بن رزین کے ترجمہ میں ذکر کیا ہے اور فرماتے ہیں: حسن روایت میں مجہول ہے۔ اس نے یہ روایت ابن عباس سے موقوف بھی روایت کی ہے اس کی متابعت نہ مرفوع روایت پر ہے اور نہ موقوف روایت پر۔ ❷

امام دارقطنی فرماتے ہیں: اس کو ابن جریج سے صرف حسن بن رزین نے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: یہ روایت حسن کی سند کے علاوہ بھی آتی ہے مگر وہ سند سخت کمزور ہے، جس کو ابن جوزی نے احمد بن عمار قَالَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا مَهْدِيُّ بْنُ هِلَالٍ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ کی سند سے روایت کیا ہے جس کے یہ الفاظ ہیں:

خشکی والا اور سمندر والا الیاس اور خضر ہر سال مکہ میں اکٹھے ہوتے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کا سر مونڈتے ہیں۔

ابن جوزی فرماتے ہیں: احمد بن عمار دارقطنی کے نزدیک متروک ہے اور مہدی بن ہلال بھی اس کی مثل ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں: مہدی بن ہلال من گھڑت حدیثیں روایت کرتا تھا۔ ❸

حافظ ابن حبان کی مفصل جرح اس طرح ہے فرماتے ہیں: ثقہ راویوں کے نام سے من گھڑت اور معضل حدیثیں روایت کرتا تھا اس سے کسی بھی حالت میں حجت پکڑنی جائز نہیں۔ امام یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں: کذاب ہے۔ ❹

اسی طرح عبدالعزیز بن ابی رواد کی روایت کہ خضر اور الیاس ہر سال رمضان میں بیت المقدس جمع ہوتے ہیں، وہاں کرفس سے روزے افطار کرتے ہیں اور ہر سال حج کے موقعہ پر بھی ملاقات کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر اور حافظ سخاوی فرماتے ہیں: یہ روایت ضعیف ہے۔ ❺

اسی طرح عبدالرحیم بن حبیب کی سند سے جعفر بن محمد عن آباہ عن علی کے طریق سے بہت لمبی حدیث ہے جس کے آخر میں ہے الیسا اور یسع دونوں ہر سال حج کے موقع پر جمع ہوتے ہیں اور آب زمزم پیتے ہیں جو ان کے لیے ایک سال کے لیے کافی ہوتا ہے ان کا کھانا کماۃ (کھنب) اور کرفس ہوتا ہے۔ مقاتل کہتے ہیں: یسع سے مراد خضر ہیں۔ ❻

---

❶ الكامل ص ٧٤٠ ج٢. ❷ الضعفاء الكبير ص٢٢٥ ج١.
❸ الاصابه ص٤٣٨ ج١. ❹ كتاب المجروحين ص ٣٠ ج٣.
❺ الاصابة ص ٤٣٩ ج١ والمقاصد الحسنة ص١٢٢. ❻ الاصابة ص٤٣٩ ج١.

بلاشبہ یہ روایت من گھڑت ہے۔ عبدالرحیم بن حبیب فریابی کے بارہ میں حافظ ابن حبان فرماتے ہیں: كَانَ يَضَعُ الْحَدِيْثَ عَلَى الثِّقَاتِ وَضْعًا لَا تَحِلُّ الرِّوَايَةُ عَنْهُ وَلَعَلَّ هٰذَا الشَّيْخُ قَدْ وَضَعَ اَكْثَرَ مِنْ خَمْسِمِائَةِ حَدِيْثٍ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَوَاهَا عَنِ الثِّقَاتِ. ❶

یہ ثقہ راویوں کے نام سے حدیثیں گھڑتا تھا اس سے روایت لینی حلال نہیں ہے۔ اس نے پانچ سو سے زائد رسول اللہ کے نام پر حدیثیں خود گھڑی ہیں، جن کو اس نے ثقہ راویوں کے نام سے روایت کیا ہے۔

حافظ ابن جوزی فرماتے ہیں:

لَا شَكَّ فِيْ اَنَّ هٰذَا الْحَدِيْثَ مَوْضُوْعٌ وَالْمُتَّهِمُ بِهِ عَبْدُ الرَّحِيْمِ بْنُ حَبِيْبٍ. ❷

اس حدیث کے من گھڑت ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں ہے اور اس کے گھڑنے کا الزام عبدالرحیم بن حبیب پر ہے۔

حضرت عمرؓ سے ملاقات:

ابن شاہین نے کتاب الجنائز میں ابن وهب عمن حدثه عن محمد بن عجلان عن محمد بن المنكدر کے طریق سے روایت ذکر کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر نماز جنازہ پڑھانے لگے تو پیچھے سے آواز آئی ٹھہریے۔ نماز جنازہ میں ہم سے سبقت نہ لے جائیں۔ حضرت عمر اس کے انتظار میں ٹھہر گئے جب وہ صف میں شامل ہو گیا تو حضرت عمر نے تکبیر کہی۔ وہ آدمی تکبیر تحریمہ کے بعد کہنے لگا: اِنْ تُعَذِّبْهُ فَقَدْ عَصَاكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهٗ فَاِنَّهٗ فَقِيْرٌ اِلٰى رَحْمَتِكَ. حضرت عمر اور دیگر لوگوں نے اس کی طرف دیکھا میت کو جب قبر میں اتارا گیا اور مٹی برابر کر دی گئی تو وہ کہنے لگا: اے مرنے والے تجھے مبارک ہو تو چوہدری نہ تھا خائن اور خازن بھی نہ تھا۔ سیکرٹری اور پولیس کا آدمی بھی نہ تھا۔ حضرت عمر نے فرمایا: اسے میرے پاس پیش کرو۔ مگر وہ آدمی چلے گیا اس کے پاؤں کے نشانات کو دیکھا گیا تو وہ بازو کے برابر تھے۔ حضرت عمر فرمانے لگے یہ خضر تھے، جن کے بارہ میں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خبر دی تھی۔

یہ روایت نا قابل حجت ہے اس میں کئی ایک علتیں ہیں ایک تو ابن وہب کا استاذ مجہول اور نا معلوم ہے، دوسری علت ابن المنکدر اور حضرت عمر کے درمیان انقطاع ہے۔ ❸

تیسری علت محمد بن عجلان سیئ الحفظ ہے۔ (الکاشف) اور چوتھی علت ابن عجلان طبقہ ثالثہ کا مدلس ہے، جس کی روایت سماع کی تصریح کے بغیر قابل قبول نہیں ہے۔ ❹

حضرت حذیفہ اور انس سے ملاقات:

ابن شاہین نے بقية عن الاوزاعي عن مكحول سمعت واثلة کے طریق سے ایک لمبی حدیث جو تقریباً چار

❶ كتاب المجروحين ص ١٦٣ ج ٢۔ ❷ الاصابة ص ٤٣٩ ج ١۔
❸ الاصابة ص ٤٤٤ ج ١۔ ❹ طبقات المدلسين ص ١٠۔

صفحوں کے برابر ہے روایت کی ہے واثلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ جب ہم جذام کے علاقہ میں پہنچے تو ہمیں سخت پیاس محسوس ہوئی۔ ہم کو وہاں کچھ بارش کے آثار نظر آئے ابھی ہم نے ایک میل سفر ہی طے کیا تھا کہ ایک بہت بڑا تالاب نظر آیا اس وقت ایک تہائی رات گزر چکی تھی۔ اس جگہ ایک آدمی کو پایا جو بڑی غمگین آواز سے کہہ رہا تھا:

اے اللہ! مجھے امت محمدیہ مرحوم اور مغفورہ سے کر دے جن کی دعا قبول ہوتی ہے اور ان پر رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے۔

رسول اللہ نے حضرت حذیفہ اور انس رضی اللہ عنہما کو حکم فرمایا کہ تم اس کھائی میں داخل ہو کر اس آواز کی تحقیق کرو۔ جب ہم وہاں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں برف سے بھی زیادہ سفید لباس لیے ہوئے ایک آدمی ہے جس کا چہرہ اور ڈاڑھی بھی نہایت درجہ سفید تھے اور اس کا جسم ہم سے دو تین ہاتھ دراز تھا ہم نے اس پر سلام کہا اس نے سلام کا جواب لوٹاتے ہوئے مرحبا کہا اور فرمایا تم دونوں رسول اللہ ﷺ کے سفیر ہو۔ ہم نے کہا ہاں ٹھیک ہے مگر بتاؤ تم کون ہو؟ کہنے لگا: میں الیاس ہوں۔ اس روایت کے آخر میں ہے۔ ہم نے اس سے پوچھا آپ کی جناب خضر سے کب کی ملاقات ہوئی ہے فرمانے لگے پچھلے حج کے موقع پر ملاقات ہوئی تھی اور آئندہ حج کے موقع پر پھر ملاقات ہوگی۔

ناقابل ثبوت ہے۔ امام ابن جوزی فرماتے ہیں ہوسکتا ہے کہ بقیہ نے اس روایت کو کسی کذاب راوی سے سن کر اوزاعی سے تدلیس کر لی ہو۔ ❶

بقیہ ضعیف اور مشہور مدلس ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کو طبقہ ثالثہ کے مدلسین میں ذکر فرمایا ہے اور اس کے بارہ میں تصریح فرمائی ہے۔ کہ ضعفاء اور مجہول راویوں سے بکثرت تدلیس کرتا تھا۔ ❷

اس روایت کی سند میں قابل تشویش بات یہ ہے کہ مکحول فرماتے ہیں: میں نے واثلہ سے سنا۔ حالانکہ مکحول کا حضرت واثلہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ جیسا کہ محدثین نے اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ امام ابومسہر فرماتے ہیں: مکحول کا صرف حضرت انس سے سماع ہے کسی اور صحابی سے ان کا سماع نہیں ہے۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں: مکحول نے واثلہ سے کچھ بھی نہیں سنا، صرف ان کے پاس گئے تھے۔ ❸

معلوم ہوتا ہے کہ بقیہ نے جس راوی سے اس روایت کو سنا تھا اس نے حضرت مکحول کی طرف یہ منسوب کر دیا کہ انہوں نے حضرت واثلہ سے سنا ہے، حالانکہ سننے کا یہ دعویٰ غلط ہے۔

اس روایت کی سند بقیہ کے علاوہ بھی اوزاعی سے ایک اور طریق سے ہے وہ یزید بن یزید موصلی تیمی۔ حَدَّثَنَا اَبُو اِسْحَاقَ الْجُرَشِيُّ عَنِ الْاَوْزَاعِيِّ عَنْ مَكْحُوْلٍ عَنْ اَنَسٍ ہے۔

مگر یہ بھی باطل ہے۔ امام ابن جوزی فرماتے ہیں یہ حدیث من گھڑت ہے اس کا کچھ اصل نہیں۔ یزید موصلی اور ابواسحاق دونوں نامعلوم ہیں۔ ❹

❶ الاصابة ص ٤٤٠ ج١۔ ❷ طبقات المدلسين ص ١٢١۔
❸ كتاب المراسيل ص ٢١١۔ ❹ كتاب الموضوعات ١٤٢ ج١۔

بیہقی فرماتے ہیں: یہ حدیث ضعیف ہے۔ ❶ ذہبیؒ فرماتے ہیں باطل ہے۔ ❷ اور من گھڑت ہے۔ ❸

نوٹ: اس دوسری سند والی روایت میں صرف الیاس کا ذکر ہے خضر کا نہیں، اس لیے یہ پہلی روایت کی شاہد نہیں بن سکتی۔

ابن عمرؓ سے ملاقات:

ابو عمرو بن سماک نے اپنے فوائد میں یحییٰ بن ابی طالب عن علی بن عاصم عن عبد اللہ بن عبید اللہ کی سند سے روایت ذکر کی ہے کہ ابن عمر لیٹے ہوئے تھے۔ ایک آدمی نے اپنا سامان فروخت کی غرض سے رکھا ہوا تھا اور اس سامان کے بارہ میں بار بار قسمیں اٹھا رہا تھا، اس کے پاس سے ایک آدمی گزرا اور کہنے لگا: اللہ سے ڈرو اور جھوٹی قسم نہ اٹھاؤ۔ تجھ پر سچائی لازم ہے، خواہ تجھے نقصان اٹھانا پڑے۔ اور جھوٹ سے بچو، خواہ تجھے فائدہ پہنچے۔ ابن عمر ایک شخص سے کہنے لگے اس شخص کے پاس جاؤ اور اس سے کہو یہ کلمات مجھے لکھ دے مگر وہ آدمی نہ مل سکا۔ ابن عمر فرمانے لگے یہ خضر تھا۔ مختصراً

امام ابن جوزی فرماتے ہیں: علی بن عاصم ضعیف سیّئ الحفظ تھا۔ اس کا ارادہ عمر بن محمد بن منکدر کہنے کا تھا، مگر اس نے ابن عمر کہہ دیا۔ اس روایت کو احمد بن محمد بن مصعب نے مجہول راویوں کی اک جماعت سے عن عطاء عن ابن عمر کے طریق سے بھی روایت کیا ہے اور یہ احمد بن محمد کذاب ہے۔ ❹ حافظ ابن حبان احمد بن محمد کے بارہ میں فرماتے ہیں: متن اپنی طرف سے گھڑ لیتا اور سند الٹ پلٹ کر دیتا تھا۔ دار قطنی فرماتے ہیں: حدیث وضع کرتا تھا۔ ❺

یہ حدیث حجاج بن فرافصۃ نے بھی ابن عمر سے روایت کی ہے اس روایت کے آخر میں ہے اس شخص نے ایک پاؤں مسجد میں رکھا مجھے معلوم نہیں کہ اس کے پاؤں کے نیچے زمین تھی یا آسمان تھا۔ وہ اس شخص کو خضر یا الیاس خیال کرتے تھے۔

اولاً:...... حجاج کو بعض ائمہ نے ضعیف کہا ہے ابو زرعہ فرماتے ہیں: قوی نہیں۔ ❻

ابن عدی فرماتے ہیں: عَامَّةُ مَايَرْوِيهِ لَا يُتَابَعَ عَلَيْهِ۔ ❼

اس کی عام روایات پر متابعت نہیں ہے۔

ثانیاً:...... حجاج کا ابن عمرؓ سے انقطاع ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے ان کو طبقہ سادسہ میں شمار کیا ہے اور اس طبقہ کے بارہ میں فرماتے ہیں:

لَمْ يَثْبُتْ لَهُمْ لِقَاءُ أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ. (تقریب: ص ۱۰)

اس طبقہ کے راوی وہ ہیں جن کی کسی صحابی سے ملاقات ثابت نہ ہو۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: اس کی سند غیر جید ہے۔ ❽

---

❶ دلائل النبوة ص ٤٢٢ ج٥.
❷ ميزان ص ٤١١، ج ٤.
❸ تلخيص المستدرك ص ٦١٧ ج٢.
❹ الاصابة ص ٤٤٤ ج١.
❺ ميزان ص ١٤٩ جلد ١.
❻ المغنى فى الضعفاء ص ١٥٠ ج١ للذهبى.
❼ سلسله احاديث ضعيفه ص ٦٢ ج٤.
❽ الاصابه ص ٤٤٥ ج١.

تعزیت کی دوسری روایت:

تعزیت کی ایک روایت اس سے پہلے گزر چکی ہے، اس بارہ میں حضرت علیؓ سے ہی منسوب ایک اور روایت بھی ملاحظہ فرماتے جائیں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں جب نبی ﷺ فوت ہوئے اور تعزیت کرنے والے آئے صحابہ کے پاس ایک شخص آیا جس کے آنے کی وہ حس محسوس کرتے تھے مگر اس کے وجود کو نہیں دیکھ رہے تھے۔ اس نے السلام علیکم اہل البیت ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا اور یہ آیت کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ تلاوت کی، پھر کہنے لگا: اللہ تعالیٰ کی خاطر ہر مصیبت میں تسلی ہے اور ہر فوت ہونے والے کا نائب ہے۔ اس روایت کے آخر میں ہے۔

جعفر فرماتے ہیں مجھے میرے باپ نے خبر دی کہ حضرت علیؓ فرمانے لگے۔ تمہیں معلوم ہے یہ کون ہے؟ یہ خضر ہے۔ اس روایت کو ابن ابی حاتم نے محمد بن علی بن حسین سے روایت کیا ہے۔ محمد بن علی کی روایت اپنے پردادا علی بن ابی طالب سے معضل ہے۔

امام ابوذرعہ فرماتے ہیں: محمد اور اس کے والد علی بن حسین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ ❶

محمد بن علی ابوجعفر باقر س ۵۶ کو یعنی حضرت علی کی شہادت کے سولہ سال بعد پیدا ہوئے اور ۱۱۸ میں فوت ہوئے۔ ❷

علاوہ ازیں اس سند میں ایک راوی علی بن علی ہاشمی ہے جس کا تذکرہ حافظ ذہبی نے علی بن ابی علی لہبی کے نام سے کیا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں: اس کی روایات منکر ہیں۔ ابوحاتم اور نسائی فرماتے ہیں: متروک ہے۔ ابن معین فرماتے ہیں: کوئی شے نہیں۔ ❸ عقیلی فرماتے ہیں: متروک ہے۔ بخاری فرماتے ہیں: ضعیف منکر الحدیث ہے۔ نسائی فرماتے ہیں: ثقہ نہیں۔ بغوی فرماتے ہیں: ضعیف الحدیث ہے۔ ابن عدی فرماتے ہیں: اس کی تمام روایات غیر محفوظ ہیں: حاکم فرماتے ہیں: ابن المنکدر سے من گھڑت حدیثیں روایت کرتا تھا۔ نقاش' ابن جارود' ساجی' خطیب' ابن سمعانی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ امام احمد بھی اس سے راضی نہ تھے۔ ❹

یہی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جس کو طبرانی (ص ۱۲۹ ج ۳) نے عبداللہ بن میمون القداح کے طریق سے عن جعفر بن محمد روایت کیا ہے۔ ہیثمی فرماتے ہیں: عبداللہ بن میمون القداح ذاہب الحدیث ہے۔ ❺ ابوحاتم فرماتے ہیں: متروک ہے۔ بخاری فرماتے ہیں: ذاہب الحدیث ہے۔ ❻ ابن حبان فرماتے ہیں: یہ جعفر بن محمد اور اہل عراق اور اہل حجاز سے مقلوب حدیثیں روایت کرتا تھا جب منفرد ہو تو قابل حجت نہیں ہے۔ ❼

---

❶ کتاب المراسیل ص ۱۸٦۔
❷ الکاشف ص ۷۱ ج ۳۔
❸ میزان الاعتدال ص ۱٤۷ ج ۲۔
❹ لسان المیزان ص ۲٤٦ ج ٤۔
❺ مجمع ص ۳۵ ج ۹۔
❻ میزان الاعتدال ص ۵۱۲ ج ۲۔
❼ کتاب المجروحین ص ۲۱ ج ۲۔

عبداللہ بن میمون کی متابعت محمد بن جعفر نے کی ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: محمد بن جعفر موسیٰ کاظم کا بھائی تھا جس کو معتصم نے گرفتار کیا تھا اور اس نے برسر منبر اقرار کیا تھا کہ اے لوگو! میں تم سے جو حدیثیں روایت کرتا تھا وہ میری ہی گھڑی ہوئی تھیں جس پر لوگوں نے اس سے جتنی روایات لکھی تھیں سب کو پھاڑ دیا۔ ❶

حافظ خطیب بغدادی نے اس کے گرفتاری کے واقعہ کے بعد لکھا ہے کہ پھر سے سیاہ چادر اوڑھ کر منبر پر بٹھا دیا گیا ہے اور کہا گیا کہ جو تو لوگوں میں ان کا دین خراب کرنے کے لیے روایتیں بیان کرتا تھا ان کی تکذیب کر۔ چنانچہ اس نے خطبہ کے بعد اقرار کیا کہ لوگو! میں تم میں جو حدیثیں روایت کرتا تھا وہ میری گھڑی ہوئی ہیں۔ ❷

یہ روایت مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۴۹ میں جعفر بن محمد عن ابیه کے طریق سے بحوالہ دلائل النبوۃ بیہقی ص ۲۶۷ ج ۷) مفصل ذکر ہوئی ہے۔

اولاً:..... تو یہ روایت مرسل ہے جو قابل حجت نہیں ہے۔

ثانیاً:..... اس کی سند میں قاسم بن عبداللہ بن عمر بن حفص راوی متروک ہے۔ امام احمد نے اس کی تکذیب کی ہے۔ (تقریب ص ۲۷۹) اور فرماتے ہیں: کوئی شئی نہیں جھوٹ بولتا اور حدیثیں وضع کرتا تھا۔ ابن معین فرماتے ہیں: کذاب ہے۔ ❸

حیات خضر کے بارہ میں یہ جملہ روایات ہیں جو راقم الحروف کو دستیاب ہوسکی ہیں، آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے ان میں ایک روایت بھی قبولیت کے معیار پر پوری نہیں اترتی بلکہ تمام کی تمام بے اصل اور نا قابل اعتبار ہیں۔ ہم نے اس بارہ میں مکمل تفصیل اپنی کتاب ''ضعیف اور موضوع روایات'' میں دی ہے والحمد لله علی ذالك۔

سید احمد سرہندی کا مراقبہ:

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے شیخ احمد سرہندی سے نقل فرمایا ہے کہ حضرت مجدد صاحب سے جب حضرت خضر کے زندہ یا مردہ ہونے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے اللہ کی طرف توجہ کی اور بارگاہ اقدس سے اس کا جواب ملنے کی دعا کی۔ چنانچہ عالم مراقبہ میں آپ نے دیکھا کہ خضر سامنے آ گئے ہیں، حضرت مجدد صاحب نے حضرت خضر سے خود ان کی حالت دریافت کی۔ حضرت خضر نے فرمایا میں اور الیاس دونوں زندہ نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو ایسی طاقت عطا فرما دی ہے کہ ہم جسم کا لباس پہن کر بھٹکے ہوؤں کو راستہ بتاتے اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں۔ اگر اللہ چاہتا ہے (بعض لوگوں کو) علم لدنی بھی تعلیم کرتے ہیں اور نسبت بھی عطا کرتے ہیں ہم کو اللہ تعالیٰ نے قطب مدار کا مددگار بنایا ہے قطب مدار کو اللہ تعالیٰ نے مدار عالم بنایا ہے، انہیں کی برکت سے یہ عالم قائم ہے ہم ان کی مدد کرتے ہیں اس زمانہ میں ان کا مسکن ملک یمن ہے وہ فقہ شافعی کے پیروکار ہیں ہم بھی قطب مدار کے ساتھ شافعی فقہ کے موافق نماز پڑھتے ہیں۔ ❹

اس بارہ میں اولاً کہتے ہیں صوفیہ حضرات کے مراقبہ کا کوئی شرعی وجود نہیں، یہ خالص انہی حضرات کی اختراع ہے ان کا

---

❶ الاصابه ص ۴۴۳ ج ۱۔ ❷ تاریخ بغداد ص ۱۱۰ ج ۲۔
❸ میزان الاعتدال ص ۳۷۲ ج ۳۔ ❹ تفسیر مظهری مترجم بلفظه ص ۲۶۱ ج ۷۔

مراقبہ اور مکاشفہ معاذ اللہ انبیاء علیہم السلام کی وحی سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ وہ اس لیے کہ وحی تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جب چاہتا تھا اپنے رسولوں کی طرف وحی کرتا تھا اس میں انبیاء اور رسولوں کی مرضی کو کچھ دخل نہ ہوتا تھا بلکہ بسا اوقات وہ وحی کے محتاج بھی ہوتے تھے اور خواہش بھی کرتے تھے کہ فلاں مسئلہ کے بارہ میں جلدی وحی نازل ہو، مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ابھی کچھ تاخیر ہوتی تھی ایسے ہی بسا اوقات حالات خود حضرت خاتم الانبیاء کو بھی پیش آتے۔ آپ نے جبرئیل امین سے دریافت بھی فرمایا کہ تم کو ہمارے پاس بکثرت آنے سے کونسی چیز مانع ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے آیت وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ. (مریم: ٦٤) ہم تو تیرے رب کے حکم پر ہی آتے ہیں۔ ❶

مگر صوفیہ کا مراقبہ اور مکاشفہ ان کے اپنے اختیار میں ہے جب چاہا ذرا گردن جھکائی اور اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے اور جب آنکھیں بند کیں تو اللہ اور ان کے درمیان حائل تمام پردے رفع ہو گئے اور مغیبات پر اطلاع پالی۔ یہ مراقبہ بھی کچھ اسی قسم کا ہے۔ یہ کتاب وسنت سے مسئلہ کا حل دریافت کرنے کے بجائے براہ راست مراقبہ اور مکاشفہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے حل کروا لیتے ہیں کتاب وسنت کی چنداں ضرورت نہیں۔ جس کی روشن مثال مذکورہ مراقبہ ہے کہ جو کتاب وسنت سے فیصلہ نہ ہوسکا۔ مراقبہ نے ایک لمحہ میں کر دیا کہ خضر مرنے کے بعد بھی حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔

پھر سرسری نگاہ سے دیکھا جائے تو اس مراقبہ میں بہت سی چیزیں زیر نظر ہیں:

اولاً: مراقبہ میں حضرت خضر کا مجدد صاحب سے براہ راست ہم کلام ہونا جب کہ وہ فوت بھی ہو چکے تھے۔

ثانیاً: مرنے کے ان کی روح کو ایسی طاقت کا عطا ہو جانا کہ وہ مصیبت زدوں کی حاجت روائی کریں۔

ثالثاً: علم لدنی کی تعلیم دینا۔

رابعاً: قطب مدار کا وجود اور اس کے ذریعے عالم اور جہان کا قائم رہنا۔

یہ تمام چیزیں کتاب وسنت سے بعید بلکہ صریحاً خلاف ہیں قرآن کریم کی رو سے ایسے اختیارات تو کسی کو دنیاوی زندگی میں حاصل نہیں ہوتے چہ جائے کہ مرنے کے بعد حاصل ہوں۔

پھر حضرت خضر کا مرنے کے بعد فقہ شافعی کے مذہب کے مطابق نماز پڑھنا، حالانکہ صحیح حدیث میں ہے کہ ''جب آدمی فوت ہو جاتا ہے اس کے عمل منقطع ہو جاتے ہیں۔'' (مسلم)

پھر حیات خضر کے قائلین کے لیے ضروری ہے کہ وہ حنفی مذہب کو ترک کر کے شافعی مذہب کو اپنائیں کیونکہ اس مراقبہ کی رو سے قطب مدار اور خضر کا مذہب حنفی نہیں بلکہ شافعی ہے۔ ہاں، ایک بات یہ بھی کھٹکتی ہے کہ جب شافعی مذہب موجود نہیں تھا تو کیا خضر اور قطب مدار اس وقت موجود تھے یا کہ نہیں؟ اگر وہ موجود نہ تھے تو پھر شافعی مذہب کی تدوین کے بعد وہ کیسے وجود میں آ گئے، اگر موجود تھے تو وہ کس مذہب پر تھے، کیا وہ اس وقت میں حق پر تھے یا کہ نہیں؟ الغرض! یہ سب مراقبہ کی باتیں ہیں جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

---

❶ بخاری كتاب التفسير سورة مريم حديث نمبر ٤٧٢١.

صوفیا کا خضر:

جس خضر کا قرآن اور احادیث صحیحہ میں ذکر موجود ہے، وہ تو اپنی طبعی عمر پا کر فوت ہو گئے تھے مگر جس کو صوفیاء حضرات خضر کہتے ہیں وہ حقیقت میں خضر نہیں بلکہ کوئی اور ہی ہے جو صوفیاء کے پاس اچھی شکل و شباہت کے ساتھ آتا ہے اور صوفی اس کی شکل سے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ اس مصنوعی خضر کی حقیقت سے پردہ چاک کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جن لوگوں کا خیال ہے کہ خضر اولیاء کے نقیب اور تمام سے واقف ہیں یہ بالکل بے بنیاد ہے۔'' محققین کے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ وہ اسلام سے پہلے وفات پا چکے تھے اگر وہ عہد رسالت تک زندہ ہوتے تو ان پر ضروری تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لاتے اور کفار کے خلاف جہاد کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جہاد فرض کر دیا تھا۔

ایک صفحہ آگے چل کر فرماتے ہیں: اگر خضر کو حیات جاوید حاصل ہے تو کیا وجہ ہے کہ رسول اللہ نے اس کا ذکر تک نہیں کیا نہ ہی امت اور خلفاء راشدین کو اس اہم امر کی خبر دی جو یہ کہتے ہیں خضر اولیاء کے نقیب ہیں ان سے پوچھنا چاہیے اس کو نقیب کس نے بنایا، حالانکہ اصحاب رسول بہترین اولیاء ہیں اور خضر کا شمار ان میں نہیں ہے خضر کے متعلق جتنی روایات (جیسا کہ آپ دیکھ چکے ہیں) اور حکایات ہیں وہ کذب اور جھوٹ ہیں اور بعض صرف گمان کی حد تک ہیں کسی نے دور سے کسی شخص کو دیکھا اور اسے یقین کر لیا کہ یہ خضر ہے پھر اس بات کو لوگوں سے بیان کر دیا کہ میری ملاقات خضر سے ہوئی ہے...... امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

مَنْ اَحَالَكَ عَلٰى غَائِبٍ فَمَا اَنْصَفَكَ وَمَا اَلْقَى هٰذَا عَلَى الْاَلْسِنَةِ النَّاسِ اِلَّا الشَّيْطَانُ .

جس نے تجھے غیب کا حوالہ دیا اس نے تجھ سے انصاف نہیں کیا اور خضر کا جو لوگوں کی زبانوں پر ذکر ہے وہ شیطان کے وسوسے ہیں۔ ❶

بس صوفیہ حضرات کے خضر کی اتنی ہی حقیقت ہے کہ شیطان تمثل میں پارسائی شکل اختیار کر لیتا ہے اور دیکھنے والے اس کو خضر سمجھ لیتے ہیں جو لوگوں کے ایمانوں کو برباد کرتا ہے اور عقیدہ توحید سے منحرف کرتا ہے۔

خضر کا کردار:

جس کی ایک ادنیٰ سی مثال آپ کے پیش خدمت ہے ۱۸۵۷ء کا معرکہ جب انگریز برصغیر پر پوری طرح مسلط ہو گیا، مسلمانوں نے انگریز کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اور بیش بہا قربانیوں کے نذرانے پیش کیے جن میں خصوصاً علماء اہل حدیث کی ایک جماعت بھی دین و وطن پر قربان ہو گئی مگر حیات خضر کے قائلین کا اس معرکہ میں کردار ملاحظہ ہو۔

معروف دیوبندی عالم مولانا مناظر احسن گیلانی فرماتے ہیں انگریزوں کے مقابلہ میں جو لوگ لڑ رہے ہیں ان میں حضرت شاہ فضل الرحمان گنج مراد آبادی بھی تھے اچانک ایک دن مولانا کو دیکھا کہ وہ خود بھاگے جا رہے ہیں اور کسی چودھری کا نام لے کر جو باغیوں کی فوج (مسلم فوج) کی افسری کر رہے تھے کہتے جاتے تھے لڑنے کا کیا فائدہ خضر کو تو میں انگریزوں کی صف میں پا رہا ہوں۔ ❷

❶ تلبیس تصوف ص ۷۱۔ ❷ سوانح قاسمی ص ۱۰۳ ج ۱۔

یہ ہے صوفیاء حضرات کا خضر جو اسلامی حکومت کو مستحکم اور مضبوط کرنے کے بجائے اس کے خاتمے کا سبب بنا اسلام کے بجائے کفر کی حمایت کی۔ مسلمانوں کے قتل و غارت گری میں کفر کا ساتھ دیا۔ اللہ کے نبی حضرت خضر ایسا کردار ادا کر سکتے تھے۔ معاذ اللہ شیخ الحدیث شارح جامع الترمذی (ابوانس محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ)

جادو واقعی حقیقت ہے؟

رسول اللہ ﷺ پر جادو کا اثر ہوا تھا؟

شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد عبید اللہ خاں عفیف

﴿سوال﴾ متعدد احادیث کے مطابق مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کا اثر ہو گیا تھا۔ اگر ان احادیث کو قبول کر لیا جائے تو پھر آیت ﴿يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ [المائدة: ٦٦]

میں حفاظت کا وعدہ کیا ہوا؟ علاوہ ازیں ان احادیث کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس سے منصب رسالت کی توہین لازم آتی ہے اور شریعت کے جملہ احکام پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اور پھر یہ بھی خارج از امکان نہیں ہوتا کہ کوئی آیت ذہن سے اتر گئی ہو یا کسی خود ساختہ کلام کو کلامِ الٰہی فرض کر لیا گیا ہو اور پیش کردہ شرعی قانون اللہ تعالیٰ کا فرمودہ نہ ہو۔ بلکہ سحر کی فسوں کاری کا کرشمہ ہو۔ یہ وہ خدشات ہیں جن کی بنیاد پر دورِ قدیم کے عقل گزیدہ معتزلہ اور عصرِ حاضر کے منکرینِ حدیث کہتے ہیں کہ احادیث قرآن سے متصادم ہیں۔ قرآن میں کفار کا یہ الزام بیان کیا گیا ہے کہ نبی ایک سحر زدہ آدمی ہے۔ ﴿يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا﴾ [بنی اسرائیل: ٤٧] مگر جادو والی احادیث اس الزام کی تصدیق کرتی ہیں کہ واقعی رسول اللہ ﷺ پر جادو کا اثر ہو گیا تھا۔ از راہِ مہربانی اس سوال کا کافی اور شافی جواب تحریر فرمائیں۔ جَزَاكُمُ اللّٰهُ جَزِيْلَ الْجَزَاءِ [سائلان: ا (مولوی) سعید احمد حنیف، جھنگ۔ ۲ حاجی ارجمند محمود، لاہور]

﴿جواب﴾ جہاں تک ان احادیث صحیحہ کی کثرت اور تاریخ حیثیت کا تعلق ہے اور رسول اللہ ﷺ پر سحر کا اثر ہونے کا واقعہ ہے تو یہ واقعہ قطعی طور پر ثابت ہے۔ مگر ان نازک علمی سوال کا جواب رقم کرنے سے پہلے جادو کی حقیقت پر گفتگو نامناسب نہ ہوگی، اس لیے پہلے جادو کی تعریف اور متاثر ہونے نہ ہونے پر گفتگو کرنا چاہوں گا۔

ا: جادو کی تعریف: جادو کو عربی میں "السحر" کہا جاتا ہے۔ القاموس الوسیط میں سحر کے ذیل میں اس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

اَلسِّحْرُ كُلُّ اَمْرٍ يُخْفِي سَبَبُهٗ وَيَتَخَيَّلُ عَلٰى غَيْرِ حَقِيْقَةٍ وَيَجْرِيْ مَجْرَى التَّمْوِيْهِ وَالْخِدَاعِ. ❶

۲۔ ہر وہ چیز جس کے حصول میں شیطانی ذرائع سے مدد لی جائے جس کا ماخذ انتہائی لطیف و دقیق ہو۔ جادو، ٹونا، نظر بندی (کسی چیز کا خلافِ حقیقت نظر آنا) (۳) دھوکہ، ملمع سازی، (۴) دل کشی، سحر انگیزی اس کی جمع اسحار اور سحور ہیں۔ ❷

❶ القاموس الوسیط، ج: ١، ص: ٤١٩۔ ❷ القاموس الوحید، ص: ٧٥٠۔

۳۔..... المنجد میں ہے سَحَرَ یَسْحَرُ سِحْرًا ۔ السحر مصدر ہے۔ وہ چیز جس کا ماخذ لطیف و باریک ہو۔ جھوٹ کو سچ بنا کر دکھانا، حیلہ بازی، فساد، ہر وہ چیز جس کے حصول میں شیطانی تقریب سے مدد لی جائے۔
اسحار وسحوز ۔ السحر الکلامی کلام کی رنگین بیانی جو دلوں پر گہرا اثر ڈال کر خیالات میں انقلاب پیدا کر دے اور جادو کا اثر دکھائے۔ ❺

عرب کے قدیم شاعر بھی سحر کا معنی دھوکہ اور ساحر کو دھوکہ باز کہتے ہیں۔ جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے ۔

اِنْ تَسْئَلِيْنَا فِيْمَا نَحْنُ فَاِنَّنَا عَصَافِيْرُ مِنْ هٰذَا الْاَنَامِ الْمُسْحَرِ ۔ [لسان العرب]

''اگر تو ہم سے پوچھے کہ ہم کس حال میں ہیں تو ہم دھوکہ دی گئی مخلوق کی چڑیا ہیں۔''

امام ابن کثیر سحر کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اِنَّ السِّحْرَ فِي اللُّغَةِ عِبَارَةٌ عَمَّا لَطُفَ وَخَفِيَ سَبَبُهُ ۔ ❷

''سحر یعنی جادو ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو بہت لطیف اور باریک ہو اور ظاہر میں انسان کی نگاہوں سے اس کے اسباب پوشیدہ ہوں۔''

جادو ایک حقیقت ہے:

۱۔..... ابو عبداللہ القرطبیؒ فرماتے ہیں:

عِنْدَنَا اَنَّ السِّحْرَ حَقٌّ وَلَهُ حَقِيْقَةٌ يَخْلُقُ اللّٰهُ عِنْدَهُ مَا يَشَآءُ خِلَافًا لِلْمُعْتَزِلَةِ ۔ ❸

جادو حق ہے اور وہ ایک حقیقی ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ جب اللہ کو منظور ہوتا ہے وہ جادو کے وقت جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے۔ گو معتزلہ اور ابو اسحاق الاسفرائینی اس کے قائل نہیں۔

۲۔..... الشیخ ابو مظفر یحییٰ بن محمد بن ہبیرہ فرماتے ہیں:

اَجْمَعُوْا عَلٰى اَنَّ السِّحْرَ لَهُ حَقِيْقَةٌ اِلَّا اَبَا حَنِيْفَةَ ۔ ❶

''علمائے اسلام کا اجماع ہے کہ جادو کی حقیقت ہے لیکن ابو حنیفہؒ اس کے قائل نہیں۔''

۳۔..... امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

حَكَى اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ الرَّازِيُّ فِيْ تَفْسِيْرِهٖ عَنِ الْمُعْتَزِلَةِ اَنَّهُمْ اَنْكَرُوْا وُجُوْدَ السِّحْرِ، قَالَ وَرُبَّمَا كَفَّرُوْا مَنِ اعْتَقَدَ وُجُوْدَهُ، قَالَ اَمَّا اَهْلُ السُّنَّةِ فَقَدْ جَوَّزُوْا اِنَّ قَدَرَ السَّاحِرِ اَنْ يَّطِيْرَ فِي الْهَوَاءِ وَيُقَلِّبُ الْاِنْسَانَ حِمَارًا وَالْحِمَارَ اِنْسَانًا اِلَّا اَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ يَخْلُقُ الْاَشْيَآءَ عِنْدَ مَا يَقُوْلُ السَّاحِرُ تِلْكَ الرُّقٰى ۔ ❹

---

❶ تفسیر ابن کثیر، ج: ۱، ص: ۱۴۷۔
❷ تفسیر ابن کثیر، ج: ۱، ص: ۱۴۷۔
❸ تفسیر ابن کثیر، ج: ۱، ص: ۱۴۷۔
❹ ابن کثیر، ج: ۱، ص: ۱۴۴۔
❺ المنجد، س، ح، ر، ص: ۴۶۰۔

معتزلہ جادو کے وجود کے قائل نہیں بلکہ ان سے بعض لوگ بعض دفعہ اتنا آگے بڑھ جاتے ہیں کہ جو شخص جادو کا وجود مانتا ہے اس کو کافر کہتے ہیں۔ مگر اہل سنت جادو کے وجود کے قائل ہیں یہ مانتے ہیں کہ جادوگر اپنے جادو کے زور سے ہوا پر اڑ سکتے ہیں۔ اور انسان کو بظاہر گدھا اور گدھے کو بظاہر انسان بنا ڈالتے ہیں۔ مگر کلمات اور منتر کے وقت ان چیزوں کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ آسمان اور تاروں کو اہل سنت مؤثر نہیں مانتے۔

۴......الشیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی قرآن کی آیت ﴿مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

وَفِيْ هٰذَا دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ السِّحْرَ لَهٗ حَقِيْقَةٌ وَاَنَّهٗ يَضُرُّ بِاِذْنِ اللّٰهِ اَىْ بِاِرَادَةِ اللّٰهِ . ❶

کہ یہ آیت دلیل ہے کہ جادو ایک حقیقت ہے اور جادو اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہی نقصان پہنچاتا ہے بذاتِ خود نہیں۔ ❷

۵......امام نووی فرماتے ہیں:

وَالصَّحِيْحُ اَنَّ لَهٗ حَقِيْقَةً وَبِهٖ قَطَعَ الْجَمْهُوْرِ وَعَلَيْهِ عَامَّةُ الْعُلَمَاءِ وَيَدُلُّ عَلَيْهِ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ الصَّحِيْحَةُ الْمَشْهُوْرَةُ . [شرح مسلم]

''صحیح یہ ہے کہ جادو ایک حقیقت ہے۔ جمہور کا یہی فیصلہ ہے۔ عام علمائے اسلام اس کے قائل ہیں۔ قرآنِ مجید اور احادیث صحیحہ اور مشہورہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔''

۶......امام شوکانی رقم طراز ہیں:

مَذْهَبُ اَهْلِ السُّنَّةِ وَجَمْهُوْرِ عُلَمَاءِ الْاُمَّةِ اِثْبَاتُ السِّحْرِ وَاَنَّ لَهٗ حَقِيْقَةً كَحَقِيْقَةِ غَيْرِهٖ مِنَ الْاَشْيَاءِ خِلَافًا لِمَنْ اَنْكَرَ ذٰلِكَ...... وَقَدْ ذَكَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِىْ كِتَابِهٖ . ❸

''اہل سنت اور جمہور علمائے امت کے مذہب کے مطابق جادو کا اثبات ہے اور جس طرح دوسری اشیاء کی حقیقت ہے، اسی طرح جادو کی حقیقت بھی مسلم ہے۔''

۷......قاضی علی بن ابی العز فرماتے ہیں:

قَدْ تَنَازَعَ الْعُلَمَاءُ فِىْ حَقِيْقَةِ السِّحْرِ وَاَنْوَاعِهٖ وَالْاَكْثَرُوْنَ يَقُوْلُوْنَ اَنَّهٗ قَدْ يُؤَثِّرُ فِىْ مَوْتِ الْمَسْحُوْرِ وَمَرَضِهٖ مِنْ غَيْرِ وُصُوْلِ شَيْءٍ ظَاهِرٍ اِلَيْهِ . ❹

''جادو اور اس کی اقسام علماء کے ہاں متنازعہ فیہ ہیں تاہم اکثر علمائے اسلام کہتے ہیں کہ کبھی کبھار جادو مسحور (سحر زدہ) کی موت اور اس کی مرض کا باعث بن جاتا ہے بغیر کسی ظاہر چیز کے جو اس تک پہنچ جاتی ہے۔''

جادو اور قرآن:

۱......قرآنِ مجید کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ جادو کا عمل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے حضرت صالح علیہ السلام کے عہد میں بھی

❶ تيسير الكريم الرحمن، ج: ١، ص: ٥٧. ❷ تفسير الكريم الرحمن، ج: ٤.
❸ نيل الاوطار، ج: ٧، باب ما جاء في حد الساحر، ص: ١٨٨. ❹ شرح عقيده طحاوية، ص: ٧٦٤.

جاری تھا۔ جیسا کہ سورۃ الشعراء میں ہے کہ حضرت صالح کی تبلیغ کے جواب میں قوم نے کہا:

﴿قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ﴾

"کہنے لگے تم پر تو کسی نے جادو کیا ہے۔"

۲...... ﴿قَالَ اَلْقُوْا فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ﴾ [الاعراف: ۱۱٦]

"(حضرتِ موسیٰ) نے کہا تم ڈالو۔ پس جب (جادوگروں نے) ڈالا تو لوگوں کی نظر بندی کر دی اور انہیں ڈرا دیا اور ایک طرح کا بڑا جادو لائے۔"

۳...... ﴿قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى﴾ [طٰهٰ: ۵۷]

"فرعون نے کہا: اے موسیٰ! کیا تو ہمیں اپنے جادو سے ہمارے ملک سے نکالنے کے لئے آیا ہے۔"

۴...... ﴿فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ﴾ [طٰهٰ: ۵۸]

"سو ہم بھی تیرے مقابلہ میں ایک ایسا ہی جادو لائیں گے۔"

۵...... حضرت سلیمان کے عہد میں جادو کا ثبوت:

﴿وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾ [البقرة: ۱۰۲]

"اور سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت میں شیطان جو پڑھا کرتے تھے اس کی پیروی کرنے لگے حالاں کہ سلیمان کافر نہ تھے۔ البتہ یہ شیطان کافر تھے جو لوگوں کو جادو سکھلاتے تھے۔"

٦...... اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی دل پذیر وعظ اور رنگین بیانی کو سحر کے ساتھ تشبیہ دی ہے، فرمایا:

اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا. ●

قرآن مجید کی آیاتِ کریمہ، صحیح البخاری، اکابر مفسرین، شارحین اور علماء عقائد کی مذکورہ بالا تصریحات سے ثابت ہوا کہ جادو ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ جس کا انکار ہرگز صحیح نہیں، تاہم اس کی تاثیر مشیتِ الٰہی کے ساتھ مشروط ہے بذاتِ خود مؤثر نہیں۔

سوالِ ثانی: رہا یہ سوال کہ کیا واقعی رسول اللہ ﷺ پر جادو چل گیا تھا۔ تو جہاں تک رسول اللہ ﷺ پر جادو کے ذکر پر احادیث صحیحہ کی کثرت، ثبوت اور اس واقعہ کی تاریخی حیثیت کا تعلق ہے تو یہ واقعہ قطعی طور پر ثابت ہے اور بقول مولانا مودودیؒ علمی تنقید سے اس کو اگر غلط ثابت کیا جا سکتا ہو تو پھر دنیا کا کوئی تاریخی واقعہ بھی صحیح ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

غرض راقم السطور کے مطالعہ اور تصفح کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت زید بن ارقم اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے صحیح البخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند احمد، مسند عبد الرزاق، مسند حمیدی، سنن بیہقی، طبرانی، ابن سعد، ابن مردویہ، مصنف ابن ابی شیبہ، حاکم، عبد بن حمید وغیرہم محدثین نے اتنی مختلف اور کثیر تعداد سند اسناد نقل فرمائی ہیں کہ

● صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۷٦۷.

اس کا نفسِ مضمون تواتر کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔

ان کتب احادیث کے علاوہ تفسیر ابن کثیر، ج:۴سورۃ الفلق، ص:۶۱۲۔تفسیر احسن التفاسیر، ج:۷،ص:۳۳۲۔تفسیر روح المعانی، ج:۵،ص:۳۰،ص:۳۲۵و۳۲۶۔تیسیر الکریم الرحمٰن، ج:۱،ص:۵۷۔تفہیم القرآن، ضیاء القرآن، توضیح البیان، ص:۸۲۸ اور شرح العقیدۃ الطحاویہ، ص:۶۴۷ وغیرہ میں نہ صرف یہ واقعہ مفصل منقول ہے بلکہ دورِ قدیم وجدید کے معتزلہ اور دور ماضی اور حاضر کے منکرین حدیث کے جملہ اعتراضات باردہ اور خدشات کا شافی، کافی اور مدلل جواب بھی موجود ہے۔

مولانا مودودی نے اس کی تمام تفصیلات جو فتح الباری، شرح صحیح البخاری بَابُ السِّحْرِ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ، ج:۱۰، ص:۲۲۱و ۲۲۵ تا ۲۲۸ وَبَابُ هَلْ يَسْتَخْرِجُ السِّحْرُ، ج:۱۰، ص:۲۳۲ میں آئی ہیں۔ان کو مجموعی طور پر مرتب کر کے ایک واقعہ کی صورت اچھوتے اسلوب میں بڑی خوبی کے ساتھ یوں پیش فرمایا ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب نبی ﷺ مدینہ واپس تشریف لائے۔تو محرم ۷ھ میں یہودیوں کا ایک وفد مدینہ آیا اور ایک مشہور جادوگر لبید بن اعصم سے جو قبیلہ بنی زریق سے تعلق رکھتا تھا، کہا کہ محمد (ﷺ) نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ تمہیں معلوم ہے۔ہم نے ان پر بہت جادو کرنے کی کوشش کی مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔اب تمہارے پاس آئے ہیں کیونکہ تم ہم سے بڑے جادوگر ہو اور یہ تین اشرفیاں حاضر ہیں۔انہیں قبول کرلو اور محمد (ﷺ) پر ایک زور کا جادو کردو۔ ❶

اس زمانہ میں حضور ﷺ کے ہاں ایک یہودی لڑکا خدمت گار تھا۔ ❷ اس سے ساز باز کر کے ان لوگوں نے حضور ﷺ کی کنگھی کا ایک ٹکڑا حاصل کرلیا جس میں آپ کے موئے مبارک تھے۔انہیں بالوں اور کنگھی کے دندانوں پر جادو کیا گیا۔بعض روایات میں یہ ہے کہ لبید بن اعصم نے خود جادو کیا تھا۔اور بعض میں یہ ہے کہ اس کی بہنیں اس سے زیادہ جادوگرنیاں تھیں۔ [تفسیر احسن التفاسیر میں بہنوں کی بجائے بیٹیوں کا ذکر ہے۔ج:۷،ص:۳۳۲] بہر حال ان دونوں صورتوں میں جو صورت بھی ہو عمل میں لایا گیا۔

اس جادو کو ایک نر کھجور کے خوشے کے غلاف میں رکھ کر لبید نے بنی زریق کے کنوئیں ذروان یا ذی اروان نامی کی تہہ میں ایک پتھر کے نیچے دبا دیا۔اس جادو کا اثر نبی ﷺ پر ہوتے ہوتے ایک سال لگ گیا۔دوسری ششماہی میں کچھ تغیر مزاج محسوس ہونا شروع ہوا۔آخر چالیس ❸ دن سخت اور تین دن زیادہ سخت گزرے مگر اس کا زیادہ اثر جو حضور ﷺ پر ہوا وہ بس یہ تھا کہ آپ گھلتے جارہے تھے۔ ❹ کسی کام کے متعلق خیال فرماتے کہ وہ کرلیا ہے مگر نہیں کیا ہوتا تھا۔اپنی ازواج کے متعلق خیال فرماتے کہ آپ ان کے پاس گئے ہیں مگر نہیں گئے ہوتے تھے۔ ❺ اور بعض دفعہ آپ کو اپنی نظر پر شبہ ہوتا تھا کہ کسی چیز کو دیکھا ہے مگر نہیں دیکھا ہوتا تھا۔

یہ تمام اثرات آپ کی ذات تک محدود رہے حتی کہ دوسرے لوگوں کو یہ معلوم نہ ہوسکا کہ آپ ﷺ پر کیا گزر رہی ہے۔ آپ کے نبی ہونے کی حیثیت سے آپ کے فرائض کے اندر کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔ ❻

❶ فتح الباری، ج: ۱۰، ص: ۲۲۶۔
❷ تفسیر ابن کثیر، ج: ٤ ص: ٦١٢۔
❸ فتح الباری، ج: ۱۰، ص: ۲۲۶۔
❹ بیهقی وفتح الباری، ج: ۱۰، ص: ۲۲۷۔
❺ فتح الباری، ج: ۱۰، ص: ۲۳۲۔
❻ فتح الباری، ج: ۱۰، ص: ۲۲۷۔

کسی روایت میں یہ نہیں ہے کہ اس زمانہ میں آپ کوئی آیت بھول گئے ہوں یا کوئی آیت غلط پڑھ ڈالی ہو یا آپ کی صحبتوں میں اور اپنے وعظوں اور خطبوں میں آپ کی تعلیمات کے اندر کوئی فرق واقع ہو گیا ہو۔ یا کوئی ایسا کلام آپ نے وحی کی حیثیت سے پیش کر دیا ہو جو فی الواقع نازل نہ ہوا ہو۔ یا کوئی نماز آپ سے چھوٹ گئی ہو اور اس کے متعلق آپ نے سمجھ لیا ہو کہ پڑھ لی ہے مگر نہ پڑھی ہو۔

قَالَ الْحَافِظُ يُؤَيِّدُ جَمِيعَ مَاتَقَدَّمَ اَنَّهُ لَم يَنقُلُ عَنْهُ فِيُ خَبَرٍ مِّنَ الْاَخُبَارِ اَنَّهٗ قَالَ قَوْلًا وَكَانَ بِخِلَافِ مَا اُخْبِرَ بِهٖ. ❶

حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں کہ کسی روایت میں یہ منقول نہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے کسی فرمان کے خلاف کوئی بات فرمائی ہو۔

ایسی کوئی بات معاذ اللہ پیش آ جاتی تو دھوم مچ جاتی اور پورا ملک عرب اس سے واقف ہو جاتا کہ جس نبی کو کوئی طاقت چت نہ کر سکی تھی اسے ایک جادوگر نے چت کر دیا۔ لیکن آپ ﷺ کی حیثیت نبوت اس سے بالکل غیر متاثر رہی۔ اور صرف اپنی ذاتی زندگی میں آپ ﷺ اپنے طور پر اسے محسوس کر کے پریشان ہوتے رہے۔ آخر کار ایک روز آپ ﷺ حضرت عائشہ کے ہاں تھے آپ نے بار بار اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اسی حالت میں نیند آ گئی یا غنودگی طاری ہوگئی اور پھر بیدار ہو کر آپ نے حضرت عائشہ سے کہا کہ میں نے جو بات اپنے رب سے پوچھی تھی وہ اس نے مجھے بتا دی ہے۔ حضرت عائشہ ؓ نے عرض کیا وہ کیا بات ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا دو (فرشتے) دو آدمیوں کی صورت میں میرے پاس آئے۔ ایک سرہانے کی طرف تھا اور دوسرا پائنتی کی طرف۔ ایک نے پوچھا انہیں کیا ہوا؟ دوسرے نے جواب دیا: ان پر جادو ہوا ہے۔ اس نے پوچھا کس نے کیا ہے؟ جواب دیا لبید بن اعصم نے۔ اس نے پوچھا کس چیز میں کیا ہے؟ جواب دیا کنگھی اور بالوں میں ایک نر کھجور کے خوشے کے غلاف کے اندر۔ پوچھا وہ کہاں ہیں؟ جواب دیا بنوزریق کے کنوئیں ذی اروان یا ذروان کی تہہ کے پتھر کے نیچے ہے۔ ❷ پوچھا اب اس کے لیے کیا کیا جائے؟ جواب دیا کہ کنویں کا پانی سونت لیا جائے۔ پھر پتھر کے نیچے سے اس کو نکالا جائے۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے حضرت علی، حضرت عمار بن یاسر اور حضرت زبیر ؓ کو بھیجا۔ ❸ ان کے ساتھ جبیر بن عیاض زرقی اور قیس بن محصن زرقی (یعنی بنوزریق کے دو اصحاب) بھی شامل ہو گئے۔ بعد میں خود نبی ﷺ چند اصحاب کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ پانی نکالا گیا اور وہ غلاف برآمد کر لیا گیا۔ اس کنگھی اور بالوں کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گرہیں پڑی ہوئی تھیں۔ ❹ اور موم کا پتلا تھا جس میں سوئیاں چبھوئی ہوئی تھیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے آ کر بتایا کہ آپ معوذتین پڑھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ ایک ایک

---

❶ فتح الباری، ج: ١٠، ص: ٢٢٧.
❷ صحیح البخاری، ج: ٧، ص: ٣٠ و فتح الباری، ج: ١٠، ص: ٢٣٦.
❸ قاله ابن سعد فتح الباری، ج: ١٠، ص: ٢٢٥.
❹ اخرجه البیهقی کذا فی الفتح الباری، ج: ١٠، ص: ٢٢٥.

آیت پڑھتے جاتے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک گرہ کھولی جاتی اور پتلے سے ایک ایک سوئی نکالی جاتی۔ خاتمہ تک پہنچتے ہی ساری گرہیں کھل گئیں۔ ساری سوئیاں نکل گئیں اور آپ جادو کے اثر سے نکل کر بالکل ایسے ہو گئے جیسے کوئی شخص بندھا ہوا پھر کھل گیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے لبید کو بلا کر باز پرس کی۔ اس نے اپنے قصور کا اعتراف کر لیا اور آپ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا۔ کیونکہ اپنی ذات کے لیے آپ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ نے اس معاملہ کا چرچا کرنے سے بھی یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مجھے اللہ نے شفا دے دی ہے، اب میں نہیں چاہتا کہ کسی کے خلاف لوگوں کو بھڑکاؤں۔ یہ ہے سارا قصہ اس جادو کا۔ اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جو آپ کے منصب نبوت میں قادح ہو۔ ❶

۱...... شیخ الاسلام حافظ ابن حجر اس قصہ پر واردشدہ اعتراضات کے جواب میں لکھتے ہیں:

فَظَهَرَ بِهٰذَا اَنَّ السِّحْرَ اَنَّمَا تُسَلِّطُ عَلٰى جَسَدِهٖ وَظَوَاهِرِ جَوَارِحِهٖ لَا عَلٰى تَمِيْزِهٖ وَمُعْتَقَدِهٖ . ❷

یعنی صحیح بخاری میں جادو سے متعلق احادیث پر تفصیلی، علمی اور عقلی گفتگو کے بعد فرماتے ہیں کہ اس بحث سے ظاہر ہوا کہ اس جادو کا اثر جتنا کچھ ہوا وہ صرف رسول اللہ ﷺ کے بدن مبارک اور اعضا تک محدود تھا اور آپ کی عقل، تمیز اور معتقد پر ہرگز نہ تھا۔ یعنی ذات محمد ﷺ پر تھا نبوت محمد ﷺ اس سے بالکل غیر متاثر اور محفوظ رہی۔

نیز فرماتے ہیں کہ جادو کا اثر صرف آپ کی بینائی پر پڑا تھا۔ آپ کی عقل، قلب اور اعتقاد اس سے بالکل غیر متاثر اور محفوظ رہے۔ جیسا کہ یحییٰ بن یعمر اور سعید بن مسیب کی مرسل روایات میں اس کی تصریح موجود ہے۔

عَنْ يَحْيَى بْنِ يَعْمَرَ عَنْ عَائِشَةَ سُحِرَ النَّبِيُّ ﷺ حَتّٰى اَنْكَرَ بَصَرَهٗ وَفِيْ مُرْسَلِ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ حَتّٰى كَادَ يُنْكِرُ بَصَرَهٗ . ❸

کہ جادو سے صرف آپ کی بینائی کچھ متاثر ہوئی تھی۔

۲...... قاضی عیاض اس اعتراض کے جواب میں رقم فرماتے:

وَقَدْ جَاءَتْ رِوَايَاتُ هٰذَا الْحَدِيْثِ مُبَيِّنَةٌ اَنَّ السِّحْرَ اِنَّمَا تُسَلِّطُ عَلٰى جَسَدِهٖ وَظَوَاهِرِ جَوَارِحِهٖ لَا عَلٰى عَقْلِهٖ وَقَلْبِهٖ وَاعْتِقَادِهٖ...... وَكُلُّ مَا جَاءَ فِي الرِّوَايَاتِ مِنْ اَنَّهٗ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ شَيْئًا وَلَمْ يَفْعَلْهُ وَنَحْوُهٗ فَمَحْمُوْلٌ عَلَى التَّخَيُّلِ بِالْبَصَرِ وَلَا يُخَلِّلُ تَطَرُّقُ اِلَى الْعَقْلِ وَلَيْسَ فِيْ ذٰلِكَ لُبْسًا عَلَى الرِّسَالَةِ وَلَا طَعْنًا لِاَهْلِ الضَّلَالَةِ . ❹

''جادو کی تمام روایات سے یہی واضح ہوتا ہے کہ جادو کا اثر جو کچھ بھی تھا، وہ صرف آپ کے بدن مبارک ظاہر جوارح پر ہی تھا آپ کی عقل، قلب اور اعتقاد بالکل محفوظ رہے۔ تمام روایت میں صرف یہ آتا ہے کہ آپ کسی کام

---

❶ تفهيم القرآن، ج: ٦ تفسير سورة الفلق.
❷ فتح الباري، ج: ١٠، ص: ٢٢٧.
❸ فتح الباري، ج: ١٠، ص: ٢٢٧.
❹ فتح الباري، ج: ١٠، ص: ٢٢٧۔ ونيل الاوطار، ج: ٧، ص: ١٨٩.

کے متعلق خیال فرماتے کہ کرلیا ہے، مگر نہیں کیا ہوتا تھا (اسی طرح اپنی ازواج کے متعلق خیال فرماتے کہ آپ ان کے پاس گئے ہیں) وغیرہ تو یہ سب بینائی کے متاثر ہونے پر محمول ہے، اس کا اثر آپ کی عقل تک ہرگز نہیں پہنچا۔ اتنے سے اس معمولی اثر سے آپ کے منصب رسالت پر کوئی شبہ وارد نہیں ہوتا اور نہ کسی گمراہ ٹولے کے لئے منصب رسالت پر کسی قسم کے طعن کی ادنیٰ سی گنجائش نکلتی ہے۔"

۳.....علامہ مازری کا جواب:

هٰذَا كُلُّهُ مَرْدُوْدٌ لِاَنَّ الدَّلِيْلَ قَدْ قَامَ عَلٰى صِدْقِ النَّبِيِّ فِيْمَا يُبَلِّغُهُ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَعَلٰى عِصْمَتِهٖ فِي التَّبْلِيْغِ وَالْمُعْجِزَاتِ شَاهِدَاتٌ بِتَصْدِيْقِهٖ فَتَجْوِيْزُ مَا قَامَ الدَّلِيْلُ عَلٰى خِلَافِهٖ بَاطِلٌ وَاَمَّا مَا يَتَعَلَّقُ بِبَعْضِ اُمُوْرِ الدُّنْيَا الَّتِيْ لَمْ يُبْعَثْ لَا جَهْلًا وَلَا كَانَتِ الرِّسَالَةُ مِنْ اَجْلِهَا فَهُوَ فِيْ ذَالِكَ عَرْضَةٌ لِمَا يَعْتَرِضُ الْبَشَرَ كَالْاَمْرَاضِ فَغَيْرُ بَعِيْدٍ اَنْ يُّخَيَّلَ اِلَيْهِ فِيْ اَمْرٍ مِنْ اُمُوْرِ الدُّنْيَا مَا لَا حَقِيْقَةَ لَهٗ مَعَ عِصْمَتِهٖ) عَنْ مِثْلِ ذَالِكَ فِيْ اُمُوْرِ الدُّنْيَا ۔ ❶

۴.....شیخ الاسلام ابن القیم جواب دیتے ہیں:

قَدْ اَنْكَرَ هٰذَا طَائِفَةٌ مِنَ النَّاسِ وَقَالُوْا لَا يَجُوْزُ هٰذَا عَلَيْهِ وَظَنُّوْهُ نَقَاصًا وَعَيْبًا وَلَيْسَ الْاَمْرُ كَمَا زَعَمُوْا بَلْ هُوَ مِنْ جِنْسِ مَا كَانَ يَعْتَرِيْهِ مِنَ الْاَسْقَامِ وَالْاَوْجَاعِ وَهُوَ مَرَضٌ مِنَ الْاَمْرَاضِ وَاَصَابَتُهٗ بِهٖ كَاَصَابَتِهٖ بِالسَّمِّ وَلَا فَرْقَ بَيْنَهُمَا وَقَالَ الْقَاضِيْ عِيَاضٌ وَالسِّحْرُ مَرَضٌ مِنَ الْاَمْرَاضِ وَعَارِضٌ مِّنَ الْعِلَلِ يَجُوْزُ عَلَيْهِ كَاَنْوَاعِ الْاَمْرَاضِ مِمَّا لَا يُنْكَرُ وَلَا يُقْدَحُ فِيْ نُبُوَّتِهٖ وَاَمَّا كَوْنُهٗ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ اِنَّهٗ فَعَلَ الشَّيْءَ وَلَمْ يَفْعَلْهُ فَلَيْسَ هٰذَا مَا يَدْخُلُ عَلَيْهِ دَاخِلَةٌ فِيْ شَيْءٍ مِنْ صِدْقِهٖ لِقِيَامِ الدَّلِيْلِ وَالْاِجْمَاعِ عَلٰى عِصْمَتِهٖ مِنْ هٰذَا وَاِنَّمَا هٰذَا فِيْ مَا يَجُوْزُ طَرَوْهُ عَلَيْهِ فِيْ اَمْرِ دُنْيَاهُ الَّتِيْ لَمْ يُبْعَثْ لِسَبَبِهَا وَلَا فَضْلَ مِنْ اَجْلِهَا وَهُوَ فِيْهَا عِرْضَةٌ لِلْآفَاتِ كَسَائِرِ الْبَشَرِ فَغَيْرُ بَعِيْدٍ اِنْ يُّخَيِّلَ اللّٰهُ مِنْ اُمُوْرِهَا مَا لَا حَقِيْقَةَ لَهٗ ثُمَّ يَنْجَلِيْ عَنْهُ كَمَا كَانَ ۔ ❷

کچھ لوگ (معتزلہ اور منکرین حدیث) منصب نبوت کے حق میں نقص اور عیب سمجھتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے نبی ﷺ پر جادو چل جانے کا انکار کیا ہے۔ مگر ان کا یہ زعم صحیح نہیں، کیوں کہ جادو ایک مرض ہے۔ جس طرح آپ کو بحیثیت بشر دوسری امراض اور عوارض لاحق ہوتے رہے اسی طرح آپ جادو کی مرض کی لپیٹ میں آ گئے تھے۔ یعنی جس طرح آپ پر زہر اثر کر گیا تھا اسی طرح آپ جادو کی زد میں آ گئے اور جس طرح بخار اور دوسرے امراض بقول قاضی عیاض منصب نبوت کے منافی نہیں، اسی طرح جادو بھی قادح نہیں۔ رہا آپ کا کسی کام کے لئے یہ فرمانا کہ میں یہ کام کر چکا ہوں مگر نہیں کیا ہوتا تھا تو یہ خیال

❶ فتح الباری، ج: ۱۰، ص: ۲۲۷۔ ❷ زاد المعاد، ج: ٤، ص: ١٢٤۔ وروح المعانی، ج: ۱۵، ص: ۳۲٦ و ۳۲۷۔

منصب نبوت میں کسی خلل کا باعث ہرگز نہیں۔ کیونکہ میں آپ کی نبوت اور صداقت نہ صرف نا قابل تردید بکثرت دلائل قائم ہیں بلکہ اس پہلو سے آپ کی عصمت پر اجماع ہو چکا ہے۔اور یہ چیز ان اُمور میں سے ہے جو دنیوی امور میں آپ پر واقع ہو سکتے ہیں، کیوں کہ آپ ان کی وجہ سے مبعوث نہیں ہوئے اور نہ آپ کا فضل وکمال ان اسباب کا مرہونِ منت ہے۔ چوں کہ آپ بحیثیت بشر دوسرے انسانوں کی طرح آفات کی زد میں ہیں۔ لہٰذا یہ کوئی بعید از عقل بات نہیں کہ آپ کو کوئی ایسا خیال آجائے جس کی کوئی حقیقت نہ ہو بعدازاں وہ خیال ختم بھی ہو جائے۔

۵......سید احمد حسن محدث دہلوی فرماتے ہیں:

اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ جادو کا اثر حقیقی طور پر دنیا میں ہوتا ہے۔فرقہ معتزلہ اس کا مخالف کیونکہ اس اثر کو خیالی بتاتے ہیں، مگر اہل سنت نے اپنے مذہب کو بہت سی آیتوں اور حدیثوں سے ثابت کیا ہے۔ ❶

۶......حضرت الاستاذ عبد الرشید ﷾ ارقام فرماتے ہیں: شان نزول کی روایات میں ہے کہ لبید بن اعصم اور بعض یہودی عورتوں نے کچھ منتر پڑھ کر سحر کر دیا تھا۔ اس پر یہ آیات (سورۃ الفلق) نازل ہوئیں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ آیات پڑھ کر اس سحر کو باطل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کا سحر سے جو مادیات ہی کی ایک سفلی قسم ہے، متاثر ہو جانا بالکل ایسے ہی بات ہے جیسے ذات الجنب، ملیریا یا درد اعصاب سے متاثر ہو جاتا ہے اور نبوت کے منافی ہونے کا کوئی ادنیٰ پہلو بھی اس میں نہیں۔ کیوں کہ اسباب طبعی سے اہل باطل کا اثر اہل حق پر بھی پڑ سکتا ہے اور ایسی تاثیرات حق وباطل کا معیار ہرگز نہیں بن سکتیں۔ ❷

نوٹ: یہ تفسیر راقم الحروف کی تصحیح شدہ ہے اور بڑی ہی مفید ہے۔

۷......علامہ شبیر احمد عثمانی رقم طراز ہیں:

اس سحر کے علاج کے واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ دو سورتیں الفلق والناس نازل فرمائیں اور ان کی تاثیر سے وہ باذن اللہ زائل ہو گیا۔ واضح رہے کہ یہ واقعہ صحیحین میں موجود ہے۔ جس پر آج تک کسی محدث نے جرح نہیں کی اور اس طرح کی کیفیت منصب رسالت کے قطعاً منافی نہیں۔ جیسے آپ ﷺ کبھی کبھی بیمار ہوتے۔ بعض اوقات غشی طاری ہو گئی۔ یا کئی مرتبہ نماز میں سہو ہو گیا۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اَنْسٰی كَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِيْ .

''میں بھی ایک بشر ہی ہوں جیسے کہ تم بھولتے ہو میں بھی بھولتا ہوں میں بھول جاؤں تو یاد دلا دیا کرو۔'' کیا اس غشی کی کیفیت اور سہو ونسیان کو پڑھ کر کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اب وحی پر اور آپ کی دوسری باتوں پر کیسے یقین کریں؟ ممکن ہے ان میں بھی سہو ونسیان اور بھول چوک ہو گئی ہو۔ اگر وہاں سہو ونسیان کے ثبوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وحی الٰہی اور فرائض تبلیغ میں شکوک وشبہات پیدا کرنے لگیں تو اتنی بات سے کہ احیاناً آپ ایک کام کر چکے ہوں اور خیال گزرے کے نہیں کیا۔ کس

---

❶ تفسير احسن التفاسير، ج: ۷، ص: ۳۳۳.

❷ تفسير توضيح القرآن، ص: ۸٤۸.

طرح لازم آیا کہ آپ کی تمام تعلیمات اور فرائض بعثت سے اعتبار اٹھ جائے۔ یاد رکھئے! سہو ونسیان مرض اور غشی وغیرہ عوارض خواص بشریت سے ہیں۔ اگر انبیاء بشر ہیں تو ان خواص کا پایا جانا ان کے رتبہ کو کم نہیں کرتا یہ ضرور ہے کہ جب ایک شخص کی نسبت دلائل قطعیہ اور براہین نیرہ سے ثابت ہو کہ وہ یقیناً اللہ کا سچا رسول ہے تو ماننا پڑے گا کہ اللہ نے اس کی عصمت کا تکفل کیا ہے۔ اور وہی اس کو اپنی وحی کے یاد کرانے، سمجھانے اور پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ ناممکن ہے کہ اس کے فرائض، دعوت وتبلیغ کی انجام دہی میں کوئی طاقت خلل ڈال سکے۔ نفس یا شیطان، مرض ہو یا جادو کوئی چیز ان امور میں رخنہ اندازی نہیں کر سکتی۔ جو مقصد بعثت کے متعلق ہیں۔ کفار جو انبیاء کو مسحور کہتے تھے چوں کہ ان کا مطلب نبوت کا ابطال اور یہ ظاہر کرنا تھا کہ جادو کے اثر سے ان کی ہوش ٹھکانے نہیں رہی۔ گویا مسحور کے معنی مجنون کے لیتے تھے اور وحی الٰہی کو جوش جنون قرار دیتے تھے۔ العیاذ باللہ! اس لیے قرآن میں ان کی تکذیب وتردید ضروری ہوئی۔ [مترجم قرآن، ص:۸۰۹]

۸......مولانا مودودی صاحب اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ ہے سارا قصہ اس جادو کا۔ اس میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو آپ کے منصب نبوت میں قادح ہو۔ ذاتی حیثیت سے اگر آپ کو زخمی کیا جا سکتا تھا جیسا کہ جنگ احد میں ہوا۔ اگر گھوڑے سے گر کر چوٹ کھا سکتے تھے، جیسا کہ جنگ احد میں ہوا۔ اگر گھوڑے سے گر کر چوٹ کھا سکتے تھے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ اگر آپ ﷺ کو بچھو کاٹ سکتا تھا، جیسا کہ کچھ اور احادیث میں وارد ہوا ہے اور ان میں سے کوئی چیز بھی امن وتحفظ (عصمت) کے منافی نہیں ہے جس کا نبی ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ کیا تھا تو آپ ﷺ پر اپنی ذاتی حیثیت میں جادو کے اثر سے بیمار بھی ہو سکتے تھے۔ نبی پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے۔ یہ بات تو قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ سورۂ اعراف میں فرعون کے جادوگروں کے متعلق بیان ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جب وہ آئے تو انہوں نے ہزارہا آدمیوں کے اس پورے مجمع کی نگاہوں پر جادو کر دیا جو وہاں دونوں کا مقابلہ دیکھنے کے لئے جمع ہوئے تھے۔

﴿سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ﴾ [آیت: ۱۱۶]

اور سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ جو لاٹھیاں اور رسیاں انہوں نے پھینکیں تھیں، ان کے متعلق بیان ہوا کہ عام لوگوں نے ہی نہیں بلکہ حضرت موسیٰ نے بھی یہی سمجھا کہ وہ ان کی طرف سانپوں کی طرح دوڑی چلی آ رہی ہیں۔ اور اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام خوف زدہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل کی خوف نہ کرو تم ہی غالب رہو گے ذرا اپنا عصا پھینکو۔

﴿فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ○ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ○ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ○ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ﴾ [طٰہٰ: ۶۶ تا ۶۹]

''یکا یک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کے زور سے موسیٰ کو دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں اور موسیٰ اپنے دل میں ڈر گئے۔ ہم نے کہا مت ڈرو، تو ہی غالب رہے گا۔ پھینک جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے ابھی ان کی ساری بناوٹی چیزوں کو نگلنے لگ جاتا ہے۔''

رہا یہ اعتراض کہ یہ تو کفار مکہ کے اس الزام کی تصدیق ہوگئی کہ نبی ﷺ کو سحر زدہ آدمی کہتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کفار آپ کو سحر زدہ آدمی اس معنی میں نہیں کہتے تھے کہ آپ کسی جادوگر کے اثر سے بیمار ہو گئے ہیں۔ بلکہ اس معنی میں کہتے تھے کہ کسی جادوگر نے معاذ اللہ آپ کو پاگل کر دیا ہے۔ اور اسی پاگل پن میں آپ نبوت کا دعویٰ کر بیٹھے ہیں اور جنت و دوزخ کے افسانے سنا رہے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ یہ اعتراض ایسے معاملہ پر سرے سے چسپاں ہی نہیں ہوتا جس کے متعلق تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ جادو کا اثر صرف ذاتِ محمد ﷺ پر تھا، نبوت محمد ﷺ اس سے بالکل غیر متاثر رہی۔ تفہیم القرآن پیر کرم شاہ صاحب معترضین کے جواب میں فرماتے ہیں۔

ان کے اعتراضات اور شکوک کے بارے میں اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک حیثیت نبوت اور دوسری حیثیت بشریت۔ عوارض بشری کا ورود ذات اقدس پر ہوتا رہتا تھا۔ بخار، درد، چوٹ کا لگنا، دندانِ مبارک کا شہید ہونا، طائف میں پنڈلیوں کا لہولہان ہونا اور احد میں جبین سعادت کا زخمی ہونا۔ یہ سب واقعات تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں۔ یہ لوگ (معترضین) بھی ان سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتے اور ان عوارض سے حضور کی شانِ رسالت اور حیثیت نبوت پر قطعاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح یہاں بھی جادوگر کا اثر حضور کی جسمانی صحت تک محدود تھا رسالت کا کوئی پہلو اس سے متاثر نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا کہ اس جادو سے حضور کوئی آیت بھول جاتے یا الفاظ میں تقدیم و تاخیر کر دیتے یا قرآن میں اپنی طرف سے کوئی جملہ بڑھا دیتے یا ارکان نماز میں ردّ و بدل ہو جاتا تو اسلام کے بدخواہ اتنا شور و غل مچاتے کہ الامان والحفیظ۔ بطلان رسالت کے لیے یہی مہلک ہتھیار کافی تھا۔ انہیں دعوت اسلامی کو ناکام کرنے کے لیے مزید کسی ہتھیار کی ضرورت نہ رہتی۔ لیکن اس قسم کا کوئی واقعہ کسی حدیث اور تاریخ کی کتاب میں موجود نہیں۔ دشمنانِ اسلام نے آج تک جتنی کتابیں پیغمبر اسلام علیہ السلام کے بارہ میں لکھی ہیں ان میں بھی اس قسم کا کوئی واقعہ درج نہیں۔ ●

خلاصہ کلام:

ائمہ لغت قرآنِ مجید، احادیث صحیحہ، فقہائے مذاہب، ائمہ محدثین اور جمہور علمائے اسلام کی تصریحات کے مطابق جادو ایک ٹھوس حقیقت ہے اور دیگر امراض وادوجاع کی طرح ایک مرض مگر بذاتِ خود مؤثر نہیں، بلکہ مشیت الٰہی کے ساتھ مشروط ہے۔ اہل سنت کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک حیثیت بشریت اور دوسری حیثیت نبوت۔ عوارض بشری بخار وغیرہ کا ورود ذاتِ اقدس ﷺ پر ہوتا رہتا تھا۔ منکرین جادو بھی ذاتِ اقدس پر عوارض بشری کے ورود کے قائل ہیں۔ اور ان عوارض سے رسول اللہ ﷺ کی شانِ رسالت اور حیثیت نبوت پر قطعاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہاں بھی جادو کا اثر رسول اللہ ﷺ کی جسمانی صحت تک محدود رہا۔ آپ کی عقل، قلب اور اعتقاد وغیرہ رسالت کا کوئی پہلو اس سے متاثر نہ تھا۔ بالفاظ دیگر اس جادو کا اثر ذاتِ محمد ﷺ پر تھا۔ نبوت محمد ﷺ اس سے بالکل غیر متاثر رہی، یعنی آپ کی عقل، تمیز، قلب اور اعتقاد بالکل محفوظ رہے۔

الحمد لولیہ وبنعمتہ تتم الصٰلحٰت وصلی اللہ علی محمد

● ضیاء القرآن، ۵، ص: ۷۲۵۔

بدعات کا بیان

سنت اور بدعت کے بیان پر فائدہ مند گفتگو:

بدعت کی تعریف سے قبل' مناسب ہے کہ سنت کی بھی تعریف کر دی جائے کیونکہ سنت کا تعلق افعال کے باب سے ہے۔ اور بدعت کا باب متروک ہے اور کسی چیز کا بجا لانا' کسی چیز کے ترک کرنے پر مقدم ہے، بلکہ سنن کی تعریف سے خود بخود بدعت کی تعریف بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔

اب سنت کیا ٹھہری؟ یعنی سنت کیا ہے؟

لغت عرب میں سنت اس (نشان زدہ) راستے کو کہتے ہیں جس پر چلا جا سکے اور اس کی جمع سنن ہے۔

اور شرعاً سنت اس عمل کو کہتے ہیں جسے حضور اکرم ﷺ نے اللہ کے حکم سے اپنی امت کے لئے مشروع قرار دیا ہو تا کہ وہ آداب و فضائل کے عمدہ ترین اعمال کو اپنا کر خیر اور نیکی کے راستوں کے ذریعے تکمیل و سعادت حاصل کر سکے۔

اگر آنحضرت ﷺ نے اس عمل کے التزام اور قیام کا حکم دیا ہو تو وہ ''سنت واجبہ'' کہلائے گی، جسے ترک کرنا مسلمان کے لئے مفید نہ ہوگا۔ اگر آپؐ نے قیام و التزام کا حکم نہ دیا ہو تو وہ ''سنت' مستحب'' کہلائے گی، جس کے کرنے والے کو ثواب اور چھوڑنے والے کو عذاب نہیں ہوگا۔

قارئین کرام! جس طرح آنحضرت ﷺ نے اپنے فرمان سے کئی سنتیں شروع فرمائیں اس طرح اپنے فعل اور تقریر سے بھی مشروع فرمائی ہیں۔

جب حضرت نبی مکرم ﷺ نے کوئی عمل کیا ہو اور اس پر پابندی کی ہو تو وہ امت کے لئے سنت بن جائے گا۔ ہاں، اگر کوئی دلیل قائم ہو جائے کہ وہ آپ کی خصوصیات سے ہے تو پھر نہیں جیسے پے در پے روزے رکھنا اور رات کو بھی افطار نہ کرنا، اسے موالاۃ الصیام کہتے ہیں۔

اگر آپ نے کوئی چیز سنی یا صحابہ کے درمیان دیکھی اور وہ مسلسل رونما ہو رہی ہو اور آپ نے منع نہ کیا ہو تو وہ آپ کی تقریری سنت کہلائے گی۔ اور اگر آپ کا کوئی فعل یا رویت یا سماعت مسلسل نہ ہو تو وہ سنت نہیں کیونکہ لفظ سنت' تکرار سے مشتق ہے کہ وہ سن السکین سے ہو جب چھری کو پتھر کی سل پر مسلسل رگڑا جائے اور وہ تیز ہو جائے تو وہ اجسام پر نافذ ہو کر اسے کاٹ دیتی ہے۔

اس کام کی مثال جو آپ نے ایک مرتبہ کیا ہو، پھر دوبارہ اسے کبھی نہ کیا ہو اور وہ سنت نہ بن سکا۔ آپ کا بغیر سفر مرض' مطر اور خوف کے مدینہ میں ظہر اور عصر' مغرب اور عشاء کا جمع (امام شوکانی کی تحقیق کے مطابق صوری) کرنا ہے کیونکہ آپ کا یہ

عمل تمام مسلمانوں کے ہاں سنت متبعہ نہیں ہے۔

اور اس عمل یا کام کی مثال جس پر آپ نے خاموشی اختیار کی ہو اور اسے ایک مرتبہ برقرار رکھا ہو اور وہ عمل ایسی سنت نہ بن سکا جس پر مسلمانوں نے عمل کیا ہو وہ یہ ہے کہ ایک عورت نے نذر مانی کہ اگر اللہ نے رسول ﷺ کو سفر (جنگ) صحیح سلامت لوٹایا تو وہ اظہار فرحت کے لئے آپ کی سر کے اوپر دف بجائے گی۔ (ترمذی، ابو داؤد) تو اس عورت کا ایسا کرنا اور آنحضرت ﷺ کا اسے نہ روکنا اور برقرار رکھنا اور ایسے فعل کا پھر کبھی نہ رونما ہونا اس فعل کو سنت نہ بنا سکا کیونکہ اس میں تکرار موجود نہیں۔

اور اس عمل کی مثال جسے آپ نے اپنی زندگی میں کئی مرتبہ کیا ہو اور وہ ایسی سنت بن گیا کہ تمام مسلمان بلا اختلاف اس پر عمل کرتے ہیں۔ آپؐ کا فرض نماز سے سلام پھیرنے کے بعد لوگوں کے سامنے رخ کر کے بیٹھنا ہے، سو آپ نے اس طرح بیٹھنے کا حکم تو نہیں دیا، لیکن آپ کا سینکڑوں مرتبہ ایسے کرنا ان سب کے لیے سنت بن گیا جو لوگوں کو جماعت کرواتے ہیں۔

اور اس کام کی مثال جو آپؐ نے کئی مرتبہ دیکھا اور سنا لیکن برقرار رکھا تو وہ سنت بن گیا۔ جنازہ کے آگے اور پیچھے چلنا ہے کیونکہ آپؐ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کئی مرتبہ جنازہ کے آگے پیچھے چلتے دیکھا تو آپ نے ان کا چلنا برقرار رکھا اور یہ دیکھ کر خاموشی اختیار کی اور منع بھی نہ کیا تو جنازہ کے پیچھے یا آگے چلنا ایسی سنت بن گیا جس میں کوئی اختلاف نہیں۔

اے میرے مسلمان برادر! اسے ہمیشہ یاد رکھ کیونکہ اس جیسے اعمال کو سنت کہا جائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ ذکر کرتا چلوں کہ خلفائے راشدین میں سے کسی کا بھی جاری کیا ہوا طریقہ سنت کہلائے گا جیسے حضرت ابوبکرؓ، عمر فاروقؓ، عثمان ذوالنورینؓ، علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے فرامین) کیونکہ آنحضرت ﷺ کا ان کی متعلق ارشاد ہے:

((عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِيْ عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ)) ●

''تم پر میری اور میرے بعد آنے والے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے، اسے مضبوطی سے تھام لو۔''

ثواب اور بدعت کی پہچان حاصل کریں:

بدعت، سنت کے برعکس ہے اور وہ ابتداع الشیء سے مشتق ہے، جب اسے ایسے طور پر ایجاد کیا جائے جس کی پہلے کوئی مثال نہ ہو اور وہ شرع شریف کے عرف میں ایسی عبادت، ایسا عمل وعقیدہ ہے جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں مشروع نہیں کیا اور نہ ہی اپنے رسول کی زبان سے اس کے اجراء کا حکم دیا۔

آسان لفظوں میں اس کی تعریف یہ ہے کہ:

''ہر قسم کا اعتقاد یا قول یا عمل جو تقرب الٰہی کی خاطر انجام دیا جائے، لیکن اس کا وجود عہد نبوت یا عہد صحابہ میں نہ ملتا ہو تو وہ بدعت ہے، خواہ اس پر قدوسیت کا خول چڑھایا جائے اور اس پر تقرب اور اطاعت کی علامات لگا دی جائیں۔''

● ترمذی، أبوداؤد وقال صحیح۔

اور لیجیے یہ مثالیں ہیں ہر قسم کے اعتقاد اور قول اور عمل کی جس سے ہم تعلیم اور تحذیر کی خاطر بدعت کی حقیقت بیان کریں گے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے اسے صراط مستقیم کی راہ دکھاتا ہے۔

اعتقادی بدعت کی مثال یہ ہے کہ بہت سے (اجڈ اور عقل سے پیدل) مسلمان اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس کائنات میں بزرگوں کی خفیہ حکومت ہوتی ہے، جہاں سے منصب ولایت پر فائز کرنے اور معزول کرنے یا کچھ دینے اور روکنے اور کسی کو نفع دینے یا تکلیف پہنچانے کے احکامات صادر ہوتے ہیں اور ان روحانی بزرگوں کو ''قطب و ابدال'' کہتے ہیں اور ہم نے کتنوں کو سنا ہے، جو ان سے استغاثہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ یَارِجَالَ الدِّیْوَانِ اے روحانی حکومت کے کار پردازو اور یَا اَھْلَ التَّصْرِیْفِ مِنْ حُرٍّ وَّ وَصِیْفٍ اے آزاد اور غلاموں کے متصرف الامور صاحبان۔

اور اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ اولیائے کرام کی روحیں اپنی قبروں پر زیارت کے لیے آنے والوں کی سفارش اور حاجت روائی کرتی ہیں اس اعتقاد کے پیش نظر وہ اپنے مریضوں کو طلب شفاء کے لیے وہاں لے جاتے ہیں اور کہتے ہیں: مَنْ أَعْيَتْهُ الْأُمُوْرُ فَعَلَيْهِ بِأَصْحَابِ الْقُبُوْرِ ۔ ''جس کسی کو مشکلات گھیر لیں وہ قبروں والے بزرگوں کا دامن تھام لے'' اور یہ اعتقاد رکھنا کہ اولیاء غیب جانتے ہیں اور لوح محفوظ دیکھ لیتے ہیں اور وہ زندہ ہوں خواہ مردہ۔ لیکن مختلف قسم کے تصرفات کی طاقت ضرور رکھتے ہیں، اس لیے وہ خاص رسومات کی ادائیگی کے لیے ان کے عرس کا اہتمام کرتے ہیں اور ان کے نام پر قربانیاں دیتے ہیں، اور وہاں محافل سماع برپا کرتے ہیں۔ اولیاء کرام کے خفیہ دربار کا اعتقاد رکھنا اور ان سے استغاثہ کرنا شرک اکبر ہے۔

یہ اور اس قسم کی دیگر اعتقادی بدعات نہ تو عہد نبوت میں موجود تھیں، نہ عہد صحابہ میں اور نہ ہی ان کا ثبوت خیر القرون کے سنہری دور میں ملتا ہے، حالانکہ ان پہلی تینوں صدیوں کے مسلمانوں کی درستگی کی شہادت قول رسول مقبول سے ملتی ہے۔

فرمان نبوی ہے:

((خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ۔)) (متفق علیہ)

قولی بدعت کی مثال یہ ہے کہ اللہ سے کسی کی جاہ وحشمت اور حق کے حوالے سے دعا کی جائے اور یہ بات لوگوں میں عام ہے اور اس معاملے میں چھوٹے بڑوں کی اور بعد والے پہلوں کی اور جاہل اپنے عالموں کی تقلید کرتے ہیں اور اسے اتنا عظیم اور افضل وسیلہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کی ہاں سے جتنا اس طرح کہنے سے ملے گا اتنا کسی اور سے نہیں۔

مزید افسوسناک بات یہ ہے کہ اس (بدعی) وسیلہ کے انکار کرنے والے کو دین سے خارج اور اولیاء وصلحاء کا گستاخ کہا جاتا ہے، حالانکہ اس قولی بدعت' جسے انہوں نے وسیلہ کا نام دے رکھا ہے اس کا وجود نہ عہد رسالت میں تھا اور نہ عہد سلف الصالحین الکرام میں اور نہ ہی اس کے متعلق کتاب اللہ میں دلیل ہے نہ سنت رسول میں اور قرین صواب بات یہ ہے کہ اسے رواج دینے والے غالی باطنی زندیق ہیں جن کا مقصد فقط یہی تھا کہ مسلمانوں کو نفع دینے والے ایسے وسائل سے پھیر دیا جائے جن سے واقعتاً ان کی مشکلات زائل اور ضروریات پوری ہوتی تھیں۔

جیسے نماز (جس کے متعلق قرآن میں اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ) صدقات' روزے' مسنون ذکر اذکار اور قولی

بدعات میں سے ایک بدعت جو عموماً صوفیوں کی محافل ذکر میں پائی جاتی ہے وہ ہے گھنٹہ یا دو گھنٹے با آواز بلند ھو، ھو، اللہ ھو کی رٹ لگاتے ہیں، حتیٰ کہ ان پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے اور ان میں کوئی نامناسب کلمات (صریحاً مشرکانہ کلمات) کہتے ہیں اور بسا اوقات اس عالم بے ہوشی میں اپنے بھائی کو قتل بھی کر دیتے ہیں۔

اور قولی بدعات کے ضمن میں وہ شعری قصیدے بھی ہیں جو محفل قوالی ڈاڑھی منڈے یا نوعمر بچوں سے طبلے کی تھاپ پر سنے جاتے ہیں وھلم جرا یعنی ایسی مزید سینکڑوں بدعات میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان کا وجود نہ عہد رسالت میں تھا اور نہ عہد صحابہ میں بلکہ یہ زندیقوں اور دشمنان اسلام کی کارستانی سے اہل اسلام میں گھس آئی ہیں تاکہ وہ امت مسلمہ کو نفع مند اعمال سے ہٹا کر نقصان دہ اعمال میں مگن رکھیں اور انہیں سعی جہد اور عمل پیہم سے ہٹا کر لہو ولعب اور فضولیات میں الجھا دیں۔ (اس تلخ حقیقت کے اعتراف سے کوئی چارہ نہیں کہ وہ ملعون اس میں کامیاب ہو چکے)

مروجہ صلوٰۃ وسلام بدعت ہے

سوال: بریلوی حضرات جو صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں، کیا یہ احادیث سے ثابت ہے؟ اور اس کا پڑھنا صحیح ہے؟
(سائل: محمد اسحاق فاروقی راولپنڈی)

جواب: علامہ عزیز زبیدی رحمہ اللہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''زمانہ رسالت میں تین شہروں میں جو اذانیں ہوتی تھیں۔ ان میں مؤذن یہ تھے: مدینہ منورہ کی مسجد نبوی میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ، مکہ مکرمہ میں ابو محذورہ اور قبا میں حضرت سعد قرظی رضی اللہ عنہ۔ اور یہ تینوں حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ صحابی تھے، مگر ان میں سے کسی سے بھی بریلوی دوستوں کے درود شریف کا کہیں بھی اتا پتا نہیں ملتا۔ حالانکہ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے محب تھے۔

بریلوی دوستوں کا درود:

بریلوی دوستوں نے جو درود شریف ایجاد کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے۔ اگر یہ درود خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا ہے تو بسر وچشم ورنہ خدا حافظ۔

درود گاتے ہیں پڑھتے نہیں:

ویسے بھی یہ دوست درود پڑھتے بھی نہیں ہیں بلکہ درود گاتے ہیں اور انہوں نے گانے کے لیے درود کی ایک ایسی ترکیب وضع کی ہے جو گانے کی دھنوں کے لیے موزوں ہو سکتی ہے۔ ہم نبوی درود پڑھنے کو ثواب سمجھتے ہیں لیکن دوسرے کو نہیں۔

یہ درود نہیں فرقہ واریت کا اعلان ہے:

بریلوی دوستوں کا یہ درود، درود نبوی کے تحت نہیں آتا بلکہ اس سے ان کی غرض بریلوی ذہنیت اور عقیدہ کا اعلان اور

اشتہار ہے۔ جو ہمارے نزدیک اور بھی شرعی مستقبل کے لیے فال بد ہے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ زمانہ مشہود لھا بالخیر یعنی آنحضرت ﷺ کے عہد زریں سے لے کر خلفائے راشدین مہدیین، عہد معاویہ رضی اللہ عنہ، تابعین، تبع تابعین اور پھر زمانہ ائمہ مجتہدین میں اس بریلوی صلوٰۃ سلام کو نہ صرف اذان سے پہلے اور بعد میں پڑھنے کا ثبوت نہیں ملتا ہے بلکہ کسی صحابی یا تابعی اور کسی امام سے اس صلوٰۃ وسلام کی ترکیب بھی مذکور ومنقول نہیں، حالانکہ وہ علم وعمل اور محبت رسول میں ہم سے بہت آگے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے ایک اشارہ ابرو پر جانیں قربان کر دیتے تھے۔ رضی اللہ عنهم وارضاهم اجمعين۔

اور ظاہر ہے کہ ہر وہ کام جس کا ثبوت زمانہ مشہود لھا بالخیر میں نہ ملے جب کہ اس کی ضرورت بھی ہو اور پھر مانع بھی موجود نہ ہو اس کے بدعت اور غیر شرعی ہونے میں شک ہی کیا رہ جاتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحْدَثَ فِيْ أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَرَدٌّ. ❶

''آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہمارے دین میں ایسی چیز ایجاد کرے جو دین میں سے نہ ہو تو وہ قابل قبول نہیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَرَدٌّ)) ❷

اور سنن ابی داؤد مع عون المعبود میں مَنْ صَنَعَ أَمْرًا عَلَى غَيْرِ أَمْرِنَا فَهُوَرَدٌّ کے الفاظ ہیں، یعنی جس نے ایسا عمل اور کام کیا جو ہمارا معمول نہیں یا جس پر ہماری طرف سے کوئی سند نہیں وہ مردود ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں:

مَنِ ابْتَدَعَ فِي الْإِسْلَامِ بِدْعَةً وَيَرَاهَا حَسَنَةً فَقَدْ زَعَمَ أَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَانَ الرِّسَالَةَ لِأَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ...... الآية﴾ فَمَالَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ دِيْنًا لَا يَكُوْنُ الْيَوْمَ دِيْنًا۔ كُلُّ عِبَادَةٍ لَّمْ يَتَعَبَّدْ هَا أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا تَعَبَّدُوْهَا فَإِنَّ الْأَوَّلَ لَمْ يَدَعْ لِلْآخِرِ مَقَالاً فَاتَّقُوا اللّٰهَ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ وَخُذُوْا بِطَرِيْقِ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ. ❸

''کہ جو شخص اسلام میں بدعت ایجاد کرتا اور اس کو ثواب جانتا ہے، وہ گویا رسول اللہ ﷺ کو خائن سمجھتا ہے کہ

---

❶ باب اذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود ص ۳۷۱ ج ۱۔
❷ صحيح بخاری: ص ۱۰۹۳ ج ۲، صحيح مسلم: ص ۷۷ ج ۲۔
❸ الاعتصام للشاطبی ص ۲۸ ج ۱ و ص ۱۵۰ ج ۲۔

انہوں نے پوری بات نہیں بتائی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو دین پورا کر دیا ہے لہٰذا جو کام زمانہ رسالت اور عہد صحابہ میں دین میں شامل نہ ہو وہ آج بھی دین نہیں کہلا سکتا، اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو کام صحابہ نے نہیں کیا وہ عبادت نہیں ہو سکتا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پچھلوں کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی جس کو یہ پورا کریں، پس اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور صحابہ کے طریقے کو اختیار کرو۔"

خلاصۂ کلام یہ کہ اذان سے پہلے یا بعد میں پڑھا جانے والا مروجہ صلوٰۃ و سلام چونکہ رسول اللہ ﷺ خلفائے راشدین، صحابہ کرام اور آنحضرت ﷺ کے مؤذنین سے ہرگز ثابت نہیں، لہٰذا یہ بدعت ہے، جیسا کہ اوپر کی صحیح احادیث اور تصریحات مذکورہ سے واضح ہے۔ اور ہاں اذان کے بعد دعائے وسیلہ کے ساتھ درود ابراہیمی پڑھنا سنت ہے۔

مروجہ صلوٰۃ کی دلیل اور اس کا جواب:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان فجر سے پہلے یہ دعا پڑھتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَحْمَدُكَ وَاَسْتَعِیْنُكَ عَلٰی قُرَیْشٍ اَنْ یُقِیْمُوْا دِیْنَكَ ثُمَّ یُؤَذِّنُ.)) [1]

"اے اللہ! میں تیری تعریف کرتا ہوں اور قریش پر تجھ سے مدد مانگتا ہوں تاکہ وہ تیرے دین کو قائم کریں، پھر اذان پڑھتے۔"

اس روایت سے اذان سے قبل مروجہ صلوٰۃ کا جواز اخذ کرنا بدووجہ صحیح نہیں۔

اول......: اس لیے کہ اس روایت کی سند میں احمد بن محمد بن ایوب راوی ہے جو نہ تو محدثین میں شامل اور نہ کوئی ثقہ راوی ہے بلکہ کذاب ہے۔ یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں: لیس من اصحاب الحدیث وانما کان وراقا اور ابواحمد حاکم کہتے ہیں: لیس بالقوی عندھم. [2]

امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: هُوَ كَذَّابٌ۔ [3] ایک دوسرا راوی محمد بن اسحاق ہے۔ جن کے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: امام المغازی صدوق یدلس و رمی بالتشیع والقدر [4] اور عن سے روایت کرتا ہے، اصول حدیث کے مطابق مدلس راوی کی معنعن روایت ضعیف ہوتی ہے تاوقتیکہ سماع کی صراحت نہ ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ بعض نے احمد بن محمد ثقہ بھی کہا ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ جرح مفسر ہے اور مطلق توثیق پر جرح مفسر مقدم ہوتی ہے۔ لہٰذا ان جرحوں کی وجہ سے اس روایت سے مروجہ صلوٰۃ کا استدلال درست نہیں۔

ثانی......: اس لیے کہ اس میں اذان سے قبل درود کا سرے سے تذکرہ تک نہیں نہ مسنون درود ابراہیمی کا اور بریلوی صلوٰۃ وسلام کا۔ پس بریلوی دوستوں کا اس ضعیف روایت سے یہ استدلال ہرگز درست نہیں۔

---

[1] ابو داؤد باب الاذان فوق المنارۃ، ج۱، ص

[2] تہذیب التہذیب ج۱، ص ۷۱۔

[3] میزان الاعتدال ج۱، ص ۱۳۳۔

[4] تقریب التہذیب ص ۲۹۰۔

بعداز جماعت اجتماعی دعا

سوال: ہمارے امام ہر صلوٰۃ المکتوبہ کے بعد دعا اجتماعی فرماتے ہیں اور کبھی ترک نہیں کرتے۔ کیا امام صاحب کا یہ عمل ازروئے قرآن وحدیث درست ہے بینوا توجروا۔ (سائل: محمد نذیر حنیف)

جواب: فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کا مسئلہ خاصا متنازعہ فیہ بن چکا ہے۔ قائلین اور نافین ایک ایک حد پر گامزن ہیں اور یوں یہ مسئلہ افراط اور تفریط کی زد میں آچکا ہے۔ قائلین اجتماعی دعا اس دعا کو نماز کا حصہ اور جز سمجھے بیٹھے ہیں، اور نافین اس دعا کو شجر ممنوعہ قرار دینے پر مصر ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں باتیں صحیح نہیں۔ ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ کبھی کبھی مانگ لی جائے اور کبھی یہ اجتماعی دعا چھوڑ دی جائے تاکہ اِلْتِزَامُ مَالَا یَلْزِمُ کا قبح پیدا نہ ہو۔ ہر چند کہ اجتماعی دعا کے ثبوت میں پیش کی جانے والی احادیث ضعیف ہیں۔ مگر نہ اس قدر ضعیف ہیں کہ اس دعا کو بدعت کے کھاتے میں ڈال دیا جائے۔ بہر حال ناغہ کے ساتھ یہ دعا جائز ہے دوام اور استمرار جائز نہیں کہ اِلْتِزَامُ مَالَا یَلْزِمُ لازم آتا ہے۔ علاوہ ازیں فتاویٰ نذیریہ اور فتاویٰ ثنائیہ میں اس اجتماعی دعا کے جواز میں مفصل فتاویٰ موجود ہیں اور اس مسئلہ پر فقیر کا ایک مفصل فتویٰ ہفت روزہ الاعتصام میں شائع ہو چکا ہے۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب!

بتیاں بجھا کر دعا کرنا

سوال: بعض مساجد کے خطیب صاحب وتر پڑھانے کے بعد مسجد کی تمام بتیاں بجھا کر بڑی گریہ زاری کے ساتھ چیخیں مار مار کر روتے اور چلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعائیں کرتے ہیں، نیز مساجد میں حاضرین کے لیے سحری کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ مجلس صبح صادق کے قریب برخاست ہوتی ہے۔

جواب: وتروں کے بعد یا ختم قرآن کے موقع پر بتیاں بجھا کر گریہ زاری کرنا اور چیخیں مار مار کر اجتماعی طور پر دعا مانگنا رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعین سے ہرگز ثابت نہیں، بلکہ ائمہ سلف نے نہ صرف اس قسم کی دعا سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے بلکہ اس کو بدعت لکھا ہے، جیسا کہ امام مالکؒ، امام طرطوشیؒ، امام ابو شامہ اور علامہ امیر الحاج کے حوالہ سے اوپر لکھا ہے۔ مزید پڑھئے:

عَنِ ابْنِ الْقَاسِمِ قَالَ سُئِلَ مَالِكٌ عَنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَيَخْتِمُهُ ثُمَّ يَدْعُو قَالَ مَا سَمِعْتُ أَنَّهُ يُدْعٰى عِنْدَ خَتْمِ الْقُرْآنِ وَمَا هُوَ مِنْ عَمَلِ النَّاسِ۔ [1]

"امام مالک سے ایسے آدمی کے بارے میں فتویٰ پوچھا گیا جو قرآن مجید کے ختم پر (اجتماعی) دعا مانگتا ہے تو امام مالکؒ نے فرمایا کہ میں نے نہیں سنا کہ ختم قرآن پر اجتماعی دعا بھی مانگی جاتی ہے اور نہ اس پر اہل علم کا عمل

[1] کتاب الحوادث والبدع: ص ۹۹، المدخل ج ۲ ص ۳۰۸۔

ثابت ہے۔"

وَرَوَى ابْنُ الْقَاسِمِ أَيْضاً عَنْ مَالِكٍ أَنَّ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ رَأَى رَجُلاً يَدْعُو رَافِعاً يَدَيْهِ فَأَنْكَرَ ذٰلِكَ وَقَالَ لَا تُقَلِّصُوا تَقْلِيصَ الْيَهُوْدِ. قَالَ مَالِكٌ اَلتَّقْلِيصُ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالدُّعَاءِ وَرَفْعُ الْيَدَيْنِ: ❶

"حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے ایک آدمی کو دیکھا کہ کھڑا ہوکر ہاتھ اونچے اٹھا کر بلند آواز کے ساتھ دعا کر رہا تھا۔ تو کہا کہ تم یہودیوں کی طرح بلند آواز کے ساتھ اور "تموں سے زیادہ اونچے ہاتھ اٹھا کر دعا نہ مانگو۔"

موصوف مزید لکھتے ہیں:

يَنْبَغِيْ لَهُ أَنْ يَتَجَنَّبَ مَاأَحْدَثُوْهُ بَعْدَ خَتْمِ الْقُرْآنِ مِنَ الدُّعَاءِ بِرَفْعِ الْأَصْوَاتِ وَالزَّعَقَاتِ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مُحْكَمِ كِتَابِهِ الْعَزِيْزِ ﴿ أُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّخُفْيَةً﴾ وَ بَعْضُ هٰؤُلَاءِ يُعْرِضُوْنَ عَنِ التَّضَرُّعِ وَالْخُفْيَةِ بِالدُّعَاءِ وَالزَّعَقَاتُ مُخَالِفٌ لِلسُّنَّةِ الْمُطَهَّرَةِ. ❷

"سائل کو مناسب ہے کہ لوگوں نے ختم قرآن پر بلند آواز اور شور وغوغا اور چیخ و پکار کے ساتھ دعا مانگنے کی جو بدعت نکال رکھی ہے اس سے الگ تھلگ رہے کیونکہ یہ بدعت ﴿ أُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّخُفْيَةً﴾ (الأعراف:٥٥) کے خلاف ہے۔ بعض لوگ دعا میں اس آیت کے حکم سے اعراض کر کے سنت کی مخالفت کرتے ہیں۔"

امام شاطبی اجتماعی دعا پر نکیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَعَنْ أَبِيْ مُوْسٰى قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَجْهَرُوْنَ بِالتَّكْبِيْرِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِرْبَعُوْا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ إِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ أَصَمَّ وَّلَا غَائِباً إِنَّكُمْ تَدْعُوْنَ سَمِيْعاً قَرِيْباً هُوَ مَعَكُمْ. وَهٰذَا الْحَدِيْثُ مِنْ تَمَامِ تَفْسِيْرِ الْآيَةِ ﴿أُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ (الأعراف:٥٥) وَقَدْ جَاءَ عَنِ السَّلَفِ أَيْضاً النَّهْيُ عَنِ الْاِجْتِمَاعِ عَلَى الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ بِالْهَيْئَةِ الَّتِيْ يَجْتَمِعُ عَلَيْهَا هٰؤُلَاءِ الْمُبْتَدِعُوْنَ. ❸

"ایک سفر میں صحابہ کرام اونچی اونچی تکبیر کہنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا سکون اختیار کرو۔ تم سمیع اور قریب خدا کا ذکر کر رہے ہو۔ اور سلف نے اکٹھے ہوکر ذکر کرنے سے اور خاص ہیئت کے ساتھ اجتماعی طور پر مبتدعین کی طرح دعا مانگنے سے منع کر دیا ہے۔"

امام امیر الحاج نے تو یہاں تک لکھا ہے، اگر کوئی آدمی ایسی بدعات کو روکنے پر قادر نہ ہو تو اس کو اپنے گھر میں نماز پڑھ لینی چاہیے اور مسجد میں جانا چھوڑ دے۔

---

❶ المدخل: ۳۰۸ ج ۲۔ ❷ المدخل: ج ۲ ص ۳۰۴۔

❸ الإعتصام للشاطبي: ج ۱ ص ۲۱۷۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ختم قرآن پر بتیاں بجھا کر چیخ و پکار اور بلند آواز کے ساتھ دعا مانگنی بدعت ہے۔ اس سے اجتناب لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

قضا عمری بدعت ہے؟

سوال ایک آدمی اپنی دس سالہ عمر سے ۳۵ سالہ عمر تک بے نماز رہا، اب اس نے باقاعدہ پابندی کے ساتھ نماز پڑھنی شروع کر دی ہے۔ اب وہ اپنی ۲۵ سالہ قضا شدہ نمازوں کے لیے کیا کرے۔ (سائل: محمد نوید لاہور)

جواب اسلام میں قضا کا کوئی تصور اور ثبوت نہیں۔ ان نمازوں کی تلافی کی واحد صورت یہ ہے کہ خالص توبہ کر کے استغفار کیا جائے اور جہاں تک ممکن ہو بکثرت نوافل پڑھے جائیں تا کہ جرم ہلکا ہو جائے۔ قرآن مجید اور احادیث سے بھی ثابت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا﴾ (مريم: ٥٩، ٦٠)

''پھر ان (انبیاء اور صالحین) کے بعد ایسے نالائق جانشین ہوئے کہ انہوں نے نماز کو ضائع کیا اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ گئے۔ پس اس کی پاداش اٹھائیں گے۔ لیکن (ان میں سے) جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ذرہ بھر بھی ان پر ظلم نہ ہو گا۔''

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری ان آیات کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں:

''مگر یہ کیفیت اور کمال ان (انبیاء اور صالحین) کی زندگی ہی تک رہا، پھر ان کے بعد ایسے نالائق جانشین ہوئے، جن میں پہلی برائی تو یہ تھی کہ انہوں نے احکام شرعیہ سے روگردانی کی اور نماز جیسے ضروری حکم کو ضائع کیا اور نفسانی شہوات کے پیچھے پڑ گئے، پس اس کی پاداش اٹھائیں گے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق سے بڑی محبت ہے ایسی کہ ماں کو بیٹے سے بھی نہ ہو، اس لیے جو لوگ توبہ کر کے ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو پہلی زندگی میں ان سے غلطیاں بھی ہو چکی ہوں، وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ذرہ بھر بھی ان پر ظلم نہ ہو گا۔'' [1]

ان آیات سے معلوم ہوا کہ توبہ کا دروازہ ان مجرموں کے لیے بھی بند نہیں جو گناہ گار سچے دل سے توبہ کر کے ایمان و عمل صالح کا راستہ اختیار کر لیں اور اپنا چال چلن درست رکھیں، جنت کے دروازے اس کے لیے بھی کھلے ہیں۔ توبہ کے بعد جو عمل کرے گا سابق جرائم کی بنا پر اس کے اجر میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ نہ کسی قسم کا حق ضائع ہو گا۔ حدیث میں ہے اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ ''گناہ سے سچی توبہ کرنے والا ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا''۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

---

[1] تفسیر ثنائی: سورة مريم آيات ٥٩، ٦٠۔

تَارِكُ الصَّلوٰةِ عَمَداً لاَ يُشْرَعُ لَهُ قَضَاءُهَا وَلاَ تَصِحُّ مِنْهُ بَلْ يُكْثِرُ مِنَ التَّطَوُّعِ. ❶

''جان بوجھ کر نماز چھوڑنے والے کو یہ جائز ہی نہیں کہ وہ اس نماز کو بعداز وقت پڑھے، اگر پڑھے گا تو وہ صحیح نہ ہوگی بلکہ بے وقت نماز کے بجائے بکثرت نفل پڑھے۔''

امام ابن حزم ارقام فرماتے ہیں:

وَأَمَّا مَنْ تَعَمَّدَ تَرْكَ الصَّلوٰةِ حَتّٰى خَرَجَ وَقْتُهَا هٰذَا لَا يَقْدِرُ عَلٰى قَضَاءِ هَا أَبَداً، فَلْيُكْثِرْ مِنْ فِعْلِ الْخَيْرِ وَ صَلاَةِ التَّطَوُّعِ لِيَثْقُلَ مِيْزَانُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلْيَتُبْ وَلْيَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ. ❷

''جو شخص جان بوجھ کر نماز نہ پڑھے اور اس نماز کا وقت چلا جائے تو یہ شخص اس نماز کی قضا پر کبھی قادر نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اس کو اب نیک عمل اور نماز نفل بکثرت پڑھنے چاہئیں تاکہ قیامت کے دن اس کا نیکیوں والا ترازو بھاری ہوجائے۔ اسے توبہ اور استغفار کرنا چاہیے اور یہی حل ہے اس گناہ کا''

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ﴾(آل عمران:۱۳۵)

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهُ﴾ (زلزال:۷۔۸)

﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا﴾ (الانبیا:۴۷)

وَأَجْمَعَتِ الْأُمَّةُ وَبِهِ وَرَدَتِ النُّصُوْصُ كُلُّهَا عَلٰى أَنَّ لِلتَّطَوُّعِ جَزَاءً مِّنَ الْخَيْرِ اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِقَدْرِهِ وَلِلْفَرِيْضَةِ أَيْضاً جُزْءٌ مِّنَ الْخَيْرِ اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِقَدْرِهِ فَلاَ بُدَّ ضَرُوْرَةً مِنْ أَنْ يَجْتَمِعَ مِنْ جُزْءِ التَّطَوُّعِ إِذَا كَثُرَ مَا يُوَازِي جُزْءَ الْفَرِيْضَةِ وَيَزِيْدُ عَلَيْهِ وَقَدْ أَخْبَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى أَنَّهُ لاَ يُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ وَأَنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ. ❸

''اور اس بات پر امت کا اجماع ہے اور نصوص بھی اس کے بارے میں وارد ہوئی ہیں کہ نوافل بھی نیک عمل کا حصہ ہیں، جس کی مقدار اللہ ہی جانتا ہے اور فرائض بھی نیک عمل کا جز ہیں اور اس جزء کی مقدار کا علم بھی اللہ عزوجل ہی کو ہے، پس یہ کوئی بعید نہیں کہ جب نوافل بکثرت پڑھے جائیں تو وہ جمع ہوکر فرائض کے حصے کے برابر ہوجائیں بلکہ بڑھ جائیں اور اللہ تعالیٰ یہ بھی خبر دے چکا ہے کہ وہ کسی کے نیک عمل کو ضائع نہیں جانے دے گا اور نیکیاں برائیوں کو کھا جاتی ہیں۔''

پس ان نصوص کے پیش نظر قضا عمری کی کھکھیڑ میں پڑنے کے بجائے توبہ و استغفار، کارہائے خیر اور نوافل بکثرت پڑھتے رہنا چاہیے۔ سلامتی اور نجات کی راہ یہی ہے اور بس۔

❶ فقه السنة: ج۱ ص۲۳۲۔ ❷ فقه السنة: ج۱ ص۲۳۲۔ ❸ فقه السنة: ج۱ ص۲۳۴۔

قضا عمری کے دلائل اور ان کا جائزہ:

قضا عمری کے ثبوت میں حسب ذیل روایات پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے نماز چھوڑ رکھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جتنی نمازیں تو نے چھوڑی ہیں ان کی قضا کرو۔ اس نے عرض کیا وہ کیسے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہر نماز کی ساتھ ایک اور نماز ادا کرو۔ اس نے کہا: پہلے یا بعد میں؟ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ پہلے۔

یہ روایت بے اصل اور من گھڑت ہے۔ امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس کو موضوعات (ج ۲ ص ۱۰۲) میں روایت کیا ہے اور اس کو موضوع کہا ہے۔ لہٰذا اس سے حجت پکڑنا کسی طرح جائز نہیں۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ طائف سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور نمازیں بھی چھوڑے رکھی ہیں۔ اب میرا کیا بنے گا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے توبہ کر لی ہے اور تجھے اپنے کئے پر شرمندگی بھی ہے۔ اب ایسا کرو کہ جمعرات کو آٹھ رکعت نماز پڑھو اور ہر رکعت میں ایک دفعہ سورۂ فاتحہ اور پچیس مرتبہ سورۂ اخلاص ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھو اور نماز سے فارغ ہو کر ہزار بار صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ کا وظیفہ کرو۔ یہ آپ کی قضا شدہ نمازوں کا کفارہ ہوگا۔ خواہ تم نے دو سو برس کی نمازیں ہی کیوں نہ ضائع کی ہوں۔

حسب سابق یہ روایت بھی جھوٹی اور موضوع ہے۔ امام ابن جوزیؒ نے اس کو موضوع اور جعلی قرار دیا ہے۔ [1]

۳۔ نہایہ شرح ہدایہ میں ایک بے اصل اور باطل روایت یہ بھی ہے:

جو شخص رمضان کے آخری جمعہ کو کسی فرض نماز کی قضا کرے گا تو یہ ستر برس کی قضا شدہ نمازوں کی تلافی کر دے گی۔

مولانا عبدالحی لکھتے ہیں:

> قَالَ عَلِيٌّ الْقَارِيُّ فِيْ تَذْكِرَةِ الْمَوْضُوْعَاتِ عِنْدَ حَدِيْثِ مَنْ قَضٰى صَلٰوةً مِّنَ الْفَرَائِضِ فِيْ آخِرِ جُمُعَةٍ مِنْ رَمَضَانَ كَانَ جَابِرًا لِّكُلِّ فَائِتَةٍ فِيْ عُمُرِهٖ إِلٰى سَبْعِيْنَ سَنَةً بَعْدَ الْحُكْمِ بِأَنَّهٗ بَاطِلٌ لَا أَصْلَ لَهٗ. [2]

یہ روایت بھی سراسر جھوٹی اور موضوع ہے۔ جناب ملا علی قاری حنفی نے اس کو اپنی کتاب ''الموضوعات الکبریٰ'' میں روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ روایت باطل، یعنی من گھڑت اور جھوٹی ہے۔ مزید یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ روایت اس اجماع امت کے خلاف ہے کہ عبادات میں کوئی عبادت بھی کئی برس کی قضا شدہ عبادت کے نقصان کو پورا نہیں کر سکتی۔

(شبہ) رہی یہ بات کہ اگر کوئی یہ کہے کہ ہدایہ کے شارحین صاحب نہایہ وغیرہ بڑے فاضل اور فقیہ تھے، کیا ان کو ان روایتوں کے موضوع اور جھوٹی ہونے کا علم ہی نہ تھا۔ اگر یہ روایات موضوع اور باطل ہوتیں تو یہ نامور فقیہ ان روایات ہدایہ

---

[1] کتاب موضوعات: ج ۲ ص ۱۳۵، ۱۳۶۔

[2] مقدمة عمدة الرعاية: ج ۱ ص ۱۳۔

جیسی نامی گرامی کتاب کی شروحات میں ہرگز درج نہ فرماتے۔

اس تحدی کا جواب یہ ہے کہ صاحب نہایہ اور ہدایہ کے دوسرے شارحین بلاشبہ بہت بڑے فقیہ اور دنیائے احناف کی بڑی قدآور شخصیات ہیں، وہ سب کچھ تھے مگر وہ علم حدیث میں طفل مکتب بھی نہ تھے، یہ ہمارا ہی کہنا نہیں، بلکہ محقق علمائے احناف کا کہنا ہے۔ ملاعلی قاری نہایہ شرح ہدایہ کی اس روایت کو باطل لاأصل له کہنے کے بعد یہ تصریح فرماتے ہیں:

ثُمَّ لَاعِبْرَةَ بِنَقْلِ صَاحِبِ النِّهَايَةِ وَلَا بَقِيَّةِ شُرَّاحِ الْهِدَايَةِ فَإِنَّهُمْ لَيْسُوْا مِنَ الْمُحَدِّثِيْنَ وَلَا أَسْنَدُوا الْحَدِيْثَ إِلٰى أَحَدٍ مِّنَ الْمُخَرِّجِيْنَ. ❶

''صاحب نہایہ اور ہدایہ کے دوسرے شارحین کی نقل کردہ احادیث کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ ایک تو وہ محدث نہ تھے اور دوسرے یہ کہ انہوں نے ان احادیث کو ان کے مخرجین کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔''

ابوالحسنات عبدالحی حنفی تصریح فرماتے ہیں:

وَهٰذَا الْكَلَامُ مِنَ الْقَارِيْ أَفَادَ فَائِدَةً حَسَنَةً وَهِيَ أَنَّ الْكُتُبَ الْفِقْهِيَّةَ وَإِنْ كَانَتْ مُعْتَبَرَةً فِيْ أَنْفُسِهَا بِحَسْبِ الْمَسَائِلِ الْفَرْعِيَّةِ وَكَانَ مُصَنِّفُوْهَا أَيْضاً مِّنَ الْمُعْتَبَرِيْنَ وَالْفُقَهَاءِ الْكَامِلِيْنَ لَا يُعْتَمَدُ عَلَى الْأَحَادِيْثِ الْمَنْقُوْلَةِ فِيْهَا إِعْتِمَاداً كُلِّياً وَلَا يُجْزَمُ بِوُرُوْدِهَا وَثُبُوْتِهَا بِمُجَرَّدِ وُقُوْعِهَا فِيْهَا فَكَمْ مِّنْ أَحَادِيْثَ ذُكِرَتْ فِي الْكُتُبِ الْمُعْتَبَرَةِ وَهِيَ مَوْضُوْعَةٌ وَمُخْتَلَقَةٌ كَحَدِيْثِ لِسَانُ أَهْلِ الْجَنَّةِ الْعَرَبِيَّةُ أَوِالْفَارِسِيَّةُ. ❷

''قاری کی یہ کلام بڑی مفید ہے کیونکہ اگرچہ ہماری فقہی کتابیں فروعی مسائل کے لحاظ سے اپنی حد تک معتبر ہیں اور ان کے مصنف بھی قابل اعتبار اور کامل فقہاء تھے، لیکن پھر بھی ان کتب میں مندرجہ احادیث پر اعتماد کلی نہیں کیا جاسکتا اور ان کتابوں میں ان احادیث کے محض درج ہو جانے سے ان کی صحت کا یقین نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ کتنی ایسی احادیث ہماری ان معتبر کتابوں میں درج ہیں جو موضوع، بے اصل اور مختلف فیہا ہیں جیسے یہ حدیث کہ جنتیوں کی زبان عربی اور فارسی ہوگی۔ یا جیسے یہ حدیث متقی عالم کی اقتدا میں نماز پڑھنا ایسا ہے جیسے کہ نبی کی اقتدا میں نماز پڑھی جائے۔ یا جیسے یہ حدیث میری امت کے علماء اسرائیلی انبیاء جیسے ہیں وغیرہ وغیرہ۔''

خلاصہ یہ کہ قضا عمری کے ثبوت میں نہ تو کوئی آیت موجود ہے اور نہ کوئی صحیح بلکہ ضعیف حدیث بھی موجود نہیں اور جو روایات پیش کی جاتی ہیں وہ محض جھوٹی اور بے اصل ہیں۔ یہ بدعت ہے اور بدعت سے اجتناب واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ سنت ثابتہ صحیحہ پر عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب

---

❶ عمدة الرعاية مقدمه شرح الوقاية: ص ۱۳.

❷ عمدة الرعاية مقدمة شرح الوقاية: ص ۱۳.

نماز جمعہ کے بعد احتیاطی تدابیر

سوال: جمعۃ المبارک کے ساتھ اکثر لوگ احتیاطاً ظہر بھی پڑھتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟ جمعۃ المبارک کی اصل نماز (رکعتیں) کیا ہیں؟

جواب: نماز احتیاطی بدعت ہے۔ کتاب وسنت میں اس کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں۔ حنفیوں کے مفتی اعظم مولانا محمد شفیع کراچوی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ احتیاطی نماز کا شریعت میں کوئی ثبوت موجود نہیں۔ یہ بعض بزرگوں کی سوچ ہے، مگر مفتی کا یہ کہنا کہ البتہ بعض بزرگوں نے اس کو پسند کیا ہے صحیح نہیں کیونکہ دین صرف وہ ہے جو قرآن مجید اور احادیث رسول میں مذکور ہے۔ لہٰذا یہ احتیاطی بدعت سیہ ہے، اس کو ترک کرنا نہایت ضروری ہے۔ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ وَكُلُّ ضَلاَلَةٍ فِي النَّارِ۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب

رہی بات رکعات کی تو نماز جمعہ کی کم از کم آٹھ رکعتیں ہیں۔ دو نفل خطبہ سے پہلے، دو رکعت فرض اور بعد از فرض نماز چار سنتیں۔ دو دو رکعت کی صورت میں۔ اگر موقع ملے اور طبیعت میں نشاط ہو تو خطبہ سے پہلے دو نفلوں سے زیادہ چار نفل یا آٹھ نفل بھی پڑھ سکتے ہیں۔ مگر ظہر کی طرح خطبہ سے پہلے خطبہ کی سنتیں نہیں ہوتیں۔ عون المعبود ج ا ص هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب

خطبہ جمعہ میں خطیب کا سامعین کو سبحان اللہ کہنے پر اکسانا

سوال: آج کل بعض علمائے کرام اپنی تقریر کے دوران جب قرآن حکیم فرقان حمید کی تلاوت کرتے ہیں تو سامعین کو کہتے ہیں کہ آپ بالکل خاموش بیٹھے ہوئے ہیں، سبحان اللہ کیوں نہیں کہتے، سبحان اللہ کی بڑی فضیلت ہے۔ معاملہ یہیں نہیں ختم ہوتا بلکہ یہ تو جمعۃ المبارک کے خطبہ میں بھی کہنے لگے ہیں کہ صمٌ بکمٌ نہ بیٹھا کرو سبحان اللہ کہا کرو۔

نبی اکرم ﷺ کی ۲۳ سالہ نبوت کی زندگی کا ہر لحہ تقریباً تبلیغ میں گزرا ہے۔ کیا نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سبحان اللہ کہنے کا حکم دیا کرتے تھے یا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے وعظ حسنہ سن کر سبحان اللہ کہا کرتے تھے؟

جواب: تقریروں اور خطبات جمعہ کے دوران سامعین کو سبحان اللہ کہنے پر اکسانا اور ان کو سبحان اللہ، سبحان اللہ کہنے پر مجبور کرنا زمانہ مشہود لھا بالخیر میں ہرگز معہود نہ تھا۔ یعنی نہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو ایسا کرنے کی تلقین فرمائی اور نہ صحابہ نے کبھی ایسا کیا۔ لہٰذا یہ رواج کتاب وسنت سے ثابت نہیں، خصوصاً جمعہ کے خطبہ میں سامعین کو سبحان اللہ کہنے پر مجبور کرنا آیت ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ کے عموم اور اطلاق کے صریحاً خلاف ہے بلکہ ایک قول کے مطابق یہ آیت خطبہ جمعہ ہی کے استماع اور انصات کے لئے نازل ہوئی تھی، جیسا کہ امام رازی نے تفسیر کبیر میں حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے۔ اور ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی میں بھی یہی کچھ لکھا ہے۔ مزید یہ کہ جمعہ کا خطبہ اگرچہ عین نماز نہیں، تاہم نماز کی طرح

یکسوئی اور خاموشی کا متقاضی ہے۔ لہٰذا جس طرح امام کی قراءت سن کر سبحان اللہ کہنا جائز نہیں، اس طرح خطبہ میں خطیب کا سامعین کو سبحان اللہ کہنے پر اکسانا اور مجبور کرنا جائز نہیں۔ ہاں، اگر کسی مقتدی کے منہ سے بے ساختہ سبحان اللہ کا کلمہ نکل جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

نمازِ تسبیح باجماعت کی شرعی حیثیت

سوال: کیا نمازِ تسبیح باجماعت پڑھنا سنت نبوی ﷺ اور تعامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے؟ اگر ثابت نہیں تو کیا یہ بدعت ہے؟ ایک مولوی صاحب کے نزدیک جس طرح تراویح کا باجماعت پڑھنا صحیح ہے، اسی طرح نمازِ تسبیح بھی باجماعت جائز و مستحب ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ (سائل: حافظ محمد اقبال ربانی سیالکوٹ)

جواب: واضح ہو کہ حدیث صلوٰۃ تسبیح کی اسنادی حیثیت میں ہی سخت اختلاف ہے۔ نہ صرف اس کی صحت وضعف میں بلکہ بعض ائمہ نے اس حدیث کو موضوع تک بھی کہا ہے۔

امام عقیلی، ابوبکر بن العربی، نووی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن الہادی امام مزی اور حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور امام ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا راوی موسیٰ بن عبدالعزیز مجہول ہے۔ اور خطیب بغدادی ابن صلاح، سبکی، سراج الدین بلقینی، حافظ ابن مندہ، منذری، ابوموسیٰ، مدینی، زرکشی، نووی (تہذیب الاسماء و الصفات میں) ابوسعید سمعانی، حافظ ابن حجر (خصال المکفرہ میں) ابومنصور، بیہقی اور امام دارقطنی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے (مرعاۃ، ج ۲ ص ۲۵۳، تحفۃ الاحوذی، ج ۱ ص ۳۵۰) معلوم ہوا کہ اس حدیث کی اسنادی حیثیت سخت مخدوش ہے۔

تاہم ہمارے نزدیک تعدد طرق کی وجہ سے یہ حدیث قابل عمل ہے اور نمازِ تسبیح پڑھ لینا گناہوں کی مغفرت اور بلندی درجات وحسنات کا ایک اچھا ذریعہ ہے۔ لیکن اس کا اہتمام کرنا اور لوگوں کو اکٹھا کر کے مسجد میں باجماعت نمازِ تسبیح پڑھنا کم از کم شائبہ بدعت سے خالی نہیں۔

اول اس لئے کہ یہ ضروری نہیں کہ کوئی چیز اصل ہی میں بری ہو تو بدعت ہو گی، بلکہ وہ عبادات اور اہم طاعات بھی جن کو شریعت نے مطلق چھوڑا ہے ان کو اپنی طرف سے مقید کرنا یا ان کی منقول کیفیت کو تبدیل کرنا یا اپنی طرف سے ان کو خاص اوقات کے ساتھ معین اور موقّت کر دینا وغیرہ شرعاً بدعت ہی ہو گی اور شریعت اسلامی اس کو برداشت نہیں کرے گی۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا تَخُصُّوا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بَيْنَ اللَّيَالِي وَلَا تَخُصُّوا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ الْأَيَّامِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي صَوْمٍ يَصُومُهُ أَحَدُكُمْ۔ [1]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت نبی ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کی رات کو دوسری راتوں کے علی الرغم نماز

[1] باب کراهية إفراد يوم الجمعة بصوم لا يوافق عادته: ج ۱ ص ۳٦١.

اور قیام کے لئے خاص نہ کرو اور جمعہ کے دن کو دوسرے دنوں کے مقابلہ میں نفلی روزہ کے لئے خاص نہ کرو۔ مگر ہاں اگر کوئی شخص روزے رکھتا ہے اور جمعہ کا دن بھی اس میں آ جائے تو پھر کوئی حرج نہیں۔"

اس صحیح حدیث سے واضح ہوا کہ جمعہ کی بزرگی نماز جمعہ کی وجہ سے ہے۔ محض اس بزرگی کے سبب جمعہ کی رات کو نوافل کے لئے اور دن کو روزے کے لئے خاص کرنا درست نہیں۔

۲۔ امام ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ شاطبی غرناطی بدعات کی تعیین اور ان کا رد کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وَمِنْهَا اِلْتِزَامُ الْكَيْفِيَّاتِ وَالْهَيْئَاتِ الْمُعَيَّنَةِ كَالذِّكْرِ بِهَيْئَةِ الْإِجْتِمَاعِ عَلٰى صَوْتٍ وَّاحِدٍ وَّاتِّخَاذِ يَوْمِ وِلَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِيداً وَّمَا أَشْبَهَ ذَالِكَ وَ مِنْهَا اِلْتِزَامُ الْعِبَادَاتِ الْمُعَيَّنَةِ فِيْ أَوْقَاتٍ مُعَيَّنَةٍ لَمْ يُوجَدْ لَهَا ذٰلِكَ التَّعْيِيْنُ فِي الشَّرِيْعَةِ كَالْتِزَامِ صِيَامِ يَوْمِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَ قِيَامِ لَيْلَتِهِ. ❶

"انہی بدعات میں سے کیفیات مخصوصہ اور ہیئات معینہ کا التزام ہے۔ جیسا کہ ہیئت اجتماع کے ساتھ ایک آواز پر ذکر کرنا اور حضرت نبی ﷺ کے یوم ولادت کو عید منانا وغیرہ اور انہی بدعات میں سے اوقات خاص کے اندر ایسی عبادات معینہ کا التزام کر لینا بھی شامل ہے، جن کے لئے شریعت اسلامی نے وہ اوقات معین نہیں کئے، جیسے پندرہ شعبان کا روزہ اور اس کی پندرھویں رات کی عبادت کا التزام کرنا ہے۔"

موصوف دوسرے مقام پر مزید لکھتے ہیں:

فَإِذَا نَدَبَ الشَّرْعُ مَثَلًا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ فَالْتَزَمَ قَوْمٌ الْإِجْتِمَاعَ عَلَيْهِ عَلٰى لِسَانٍ وَّاحِدٍ وَّ بِصَوْتٍ أَوْ فِيْ وَقْتٍ مَعْلُوْمٍ مَخْصُوْصٍ عَنْ سَائِرِ الْأَوْقَاتِ لَمْ يَكُنْ فِيْ نَدْبِ الشَّرْعِ مَا يَدُلُّ عَلٰى هٰذَا التَّخْصِيْصِ الْمُلْتَزَمِ بَلْ فِيْهِ مَا يَدُلُّ عَلٰى خِلَافِهِ لِأَنَّ اِلْتِزَامَ الْأُمُوْرِ غَيْرِ اللَّازِمَةِ شَرْعاً شَأْنُهَا أَنْ تُفْهِمَ التَّشْرِيْعَ وَ خُصُوْصاً مَعَ مَنْ يُّقْتَدٰى بِهٖ فِيْ مَجْمَعِ النَّاسِ كَالْمَسَاجِدِ فَإِنَّهَا إِذَا ظَهَرَتْ هٰذَا الْأَظْهَارُ وَ وُضِعَتْ فِي الْمَسَاجِدِ كَسَائِرِ الشَّعَائِرِ الَّتِيْ وَضَعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسَاجِدِ وَمَا أَشْبَهَهَا كَالْأَذَانِ وَصَلَاةِ الْعِيْدَيْنِ۔ فَهُمَ مِنْهَا بِلَاشَكٍّ أَنَّهَا سُنَنٌ إِذْ لَمْ تُفْهَمْ مِنْهَا الْفَرْضِيَّةُ۔ فَصَارَتْ مِنْ هٰذِهِ الْجِهَةِ بِدَعًا مُحْدَثَةً بِذٰلِكَ. ❷

"جب شریعت نے کسی چیز کو مندوب قرار دیا ہو، مثلاً: اللہ کا ذکر، سو اگر ایک قوم اس کا التزام کر لے کہ ایک زبان ہو کر ایک ہی آواز سے ذکر کرنے لگ جاتی ہے یا دیگر اوقات کے علاوہ کسی معلوم اور مخصوص وقت کی پابندی کے ساتھ وہ ذکر کرتی ہے تو شریعت کی ترغیب اس میں تخصیص اور التزام پر ہرگز دلیل نہیں ہوگی بلکہ شریعت اس کے

❶ الأعتصام للشاطبي: ج ۱ ص ۲۰۔ ❷ الإعتصام: ج ۱ ص ۲۰۰۔

خلاف ہوگی کیونکہ جو امور شرعاً لازمہ نہیں ان کا التزام کرنا دراصل شریعت سازی کا حکم رکھتا ہے۔ بالخصوص جب کہ ان غیر لازم امور کا التزام مساجد کے نامی گرامی ائمہ کرام اپنی مساجد میں شروع کردیں تو وہ امور عوام میں کم از کم سنت کا درجہ ضرور حاصل کرلیں گے لہٰذا اس جہت سے یہ امور بلاشبہ بدعت ہیں۔"

امام ابن دقیق العید لکھتے ہیں:

أَنَّ هٰذِهِ الْخُصُوصِيَّاتِ بِالْوَقْتِ أَوْ بِالْحَالِ وَالْهَيْئَةِ وَالْفِعْلِ الْمَخْصُوصِ يَحْتَاجُ إِلٰى دَلِيْلٍ خَاصٍّ يَقْتَضِي إِسْتِحْبَابَهُ بِخُصُوصِهِ وَهٰذَا أَقْرَبُ.

"یہ خصوصیات وقت یا حال اور ہیئت اور فعل مخصوص کے ساتھ کسی خاص دلیل کی محتاج ہیں۔"

پھر روافض کی عید غدیر کی تردید کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وَقَرِيبٌ مِنْ ذٰلِكَ أَنْ تَكُونَ الْعِبَادَةُ مِنْ جِهَةِ الشَّرْعِ مُرَتَّبَةً عَلٰى وَجْهٍ مَخْصُوصٍ فَيُرِيدُ بَعْضُ النَّاسِ أَنْ يُحْدِثَ فِيهَا أَمْراً آخَرَ لَمْ يَرِدْ بِهِ الشَّرْعُ زَاعِماً أَنَّهُ يَدْرُجُهُ تَحْتَ عُمُومٍ فَهٰذَا لَا يَسْتَقِيمُ لِأَنَّ الْغَالِبَ عَلَى الْعِبَادَاتِ التَّعَبُّدُ وَمَا كَذَاهَا التَّوْقِيفُ. ●

"اسی کے قریب یہ بات بھی ہے کہ کوئی عبادت شریعت میں کسی خاص طریقہ پر ثابت ہو اور بعض لوگ اس میں کچھ تبدیلی کردیں اور خیال کریں کہ یہ بھی عموم کے نیچے داخل ہے تو ان کا ایسا خیال درست اور صحیح نہ ہوگا کیونکہ عبادات کے اندر تعبدی طریقہ غالب ہے اور اس کا ماخذ (رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے) اطلاع پائے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔"

مجدد وقت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:

وَمِنْهَا التَّشَدُّدُ وَحَقِيقَتُهُ إِخْتِيَارَاتُ عِبَادَاتٍ شَاقَّةٍ لَمْ يَأْمُرْ بِهَا الشَّارِعُ كَدَوَامِ الصِّيَامِ وَالْقِيَامِ وَالتَّبَتُّلِ وَ تَرْكِ التَّزَوُّجِ وَأَنْ يَلْتَزِمَ السُّنَنَ وَالْآدَابَ كَالْتِزَامِ الْوَاجِبَاتِ. فَإِذَا كَانَ هٰذَا الْمُتَعَمِّقُ وَالْمُتَشَدِّدُ مُعَلِّمَ قَوْمٍ وَ رَئِيْسُهُمْ ظَنُّوا أَنَّ هٰذَا أَمْرُ الشَّارِعِ وَ رِضَاهُ وَهٰذَا دَاءُ رُهْبَانَ الْيَهُوْدِ وَ النَّصَارٰى. ●

"تحریف دین کے من جملہ اسباب کے ایک یہ سبب ہے کہ دین میں تشدد اختیار کیا جائے اور اس تشدد کی حقیقت یہ ہے کہ ایسی مشکل عبادات کو اختیار کیا جائے جن کے متعلق شارع نے کوئی حکم نہیں دیا۔ مثلاً: کوئی دوامی طور پر روزہ رکھے، قیام کرے، تخلیہ میں بیٹھا رہے اور نکاح کرنے سے گریز کرے۔ اور مثلاً: یہ کہ سنتوں اور مستحبات کا ایسا التزام کرے، جیسا کہ واجبات کے لئے کیا جاتا ہے۔ پھر فرمایا جب کوئی ایسا احمق یا متشدد کسی قوم کا معلم یا سردار بن جاتا ہے تو قوم یہ خیال کرلیتی ہے کہ اس کا یہ عمل شرع کا حکم اور اس کا پسندیدہ امر ہے اور یہی بیماری تھی

● أحكام الأحكام: ج ١ ص ١٧٢. ● حجة الله: باب أحكام الدين من التحريف، ج ١ ص ١٢٠.

یہودیوں اور نصاریٰ کے صوفیوں میں۔"

امام ابو اسحاق شاطبی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مذکورہ بالا تصریحات سے واضح ہوا کہ شریعت نے جن عبادات اور طاعات کو مطلق چھوڑا ہے، ان میں اپنی طرف سے قیود لگانا یا ان کی کیفیت اور ہیئت کو بدل دینا یا ان کو اوقات معینہ کے ساتھ متعین کرنا گویا دین کو بدل دینا ہے اور اسی کا نام تحریف دین ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قانون الٰہی نے انسانوں کو ان کی اپنی مرضی پر نہیں چھوڑا۔ عبادات و معاملات یہاں تک کہ حکومت اور سلطنت کے احکام میں بھی پابند کر دیا ہے تا کہ وہ اپنی اھواء وخواہشات کے حصول میں دین کا چوکھٹا نہ بگاڑ بیٹھیں۔

علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون متوفی ۸۰۸ھ ماہر فلسفہ تاریخ و امور سیاست اس حقیقت کا یوں اظہار کرتے ہیں:

فَجَاءَ تِ الشَّرَائِعُ بِحَمْلِهِمْ عَلٰى ذٰلِكَ فِيْ جَمِيْعِ أَحْوَالِهِمْ عَنْ عِبَادَةٍ أَوْ مُعَامَلَةٍ حَتّٰى فِي الْمُلْكِ الَّذِيْ هُوَ الطَّبِيْعِيُّ لِلْإِجْتِمَاعِ الْإِنْسَانِيِّ فَلَجَرَتْهُ عَلٰى مِنْهَاجِ الدِّيْنِ لِيَكُوْنَ الْكُلُّ مَحُوْطاً بِنَظَرِ الشَّارِعِ. ❶

"شرائع اسلامیہ اسی لئے تو آئی ہیں، کہ لوگوں کو تمام احوال میں خواہ وہ عبادات ہوں یا معاملات حتیٰ کہ ملکی انتظام جو لوگوں کے اجتماع کا ایک طبعی امر ہے۔ دین پر ہی قائم رہنے کی تلقین کریں تا کہ یہ تمام معاملات شارع کی نگرانی میں ہوں۔"

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ثابت شدہ مطلق عبادات اور طاعات میں اپنی طرف سے قیود عائد کرنے اور ان کی ہیئت کو تبدیل کرنے کو بدعت قرار دیتے تھے۔ معلوم ہے کہ نماز چاشت (صلوٰۃ الضحیٰ) صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی صلوٰۃ ضحیٰ پڑھا کرتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس کی پابندی کی وصیت بھی فرمائی تھی۔ ❷ لیکن اس کے باوجود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ صلوٰۃ الضحیٰ با جماعت کو بدعت کہتے ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ میں اور عروہ بن الزبیر دونوں مسجد میں داخل ہوئے۔

فَإِذَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ جَالِسٌ إِلٰى حُجْرَةِ عَائِشَةَ وَإِذَا النَّاسُ يُصَلُّوْنَ فِيْ الْمَسْجِدِ صَلٰوةَ الضُّحٰى قَالَ فَسَأَلْنَاهُ عَنْ صَلٰوتِهِمْ فَقَالَ بِدْعَةٌ. ❸

"تو اس وقت جناب عبداللہ بن عمر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے پاس تشریف فرما تھے اور کچھ لوگ مسجد میں نماز چاشت پڑھ رہے تھے۔ ہم نے حضرت عبداللہ سے ان کی اس نماز کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ بدعت ہے۔"

جب کہ یہ نماز متعدد صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہے، جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو بدعت کہا؟

---

❶ مقدمہ ابن خلدون: ۱۹۰ و منہاج الواضح: ص ۱۲۱۔

❷ صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۷۔

❸ باب کم اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ج ۱ ص ۲۳۸ ۔ والصحیح لمسلم مع النووی: ج ۱ ص ۴۰۹۔

بدعت اس لئے کہ کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اس نماز کو باجماعت ادا کرنے کا رواج نہ تھا جب کہ یہ لوگ باجماعت ادا کر رہے تھے۔ چنانچہ امام نووی لکھتے ہیں:

مُرَادُهُ أَنَّ إِظْهَارَهَا فِي الْمَسْجِدِ وَالْاِجْتِمَاعَ لَهَا هُوَ بِدْعَةٌ لَا أَنَّ صَلٰوةَ الضُّحٰى بِدْعَةٌ ۔ ❶

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مراد یہ ہے کہ چاشت کی نماز کو مسجد میں ظاہر کر کے پڑھنا اور اس کے لئے اجتماع اور اہتمام کرنا یہ بدعت ہے نہ یہ کہ نماز چاشت ہی سرے سے بدعت ہے۔''

امام ابوبکر محمد بن ولید الطرطوشی لکھتے ہیں:

وَمَحْمَلُهُ عِنْدِي عَلٰى اَحَدِ وَجْهَيْنِ أَمَّا أَنَّهُمْ كَانُوْا يُصَلُّوْنَهَا جَمَاعَةً وَأَمَّا أَنَّهُمْ كَانُوْا يُصَلُّوْنَهَا مَعاً أَفْذَاذاً عَلٰى هَيْئَةِ النَّوَافِلِ فِي أَعْقَابِ الْفَرَائِضِ ۔ ❷

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے یا تو اس لئے بدعت کہا کہ وہ باجماعت چاشت پڑھ رہے تھے، یا اکیلے اکیلے پڑھ رہے تھے، مگر اس طرح جیسے فرائض کے بعد ایک ہی وقت میں نمازی حضرات سنن رواتب پڑھتے ہیں۔''

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ بھی بڑا مشہور ہے، جسے امام دارمی نے نقل کیا ہے کہ کچھ لوگ کوفہ کی مسجد میں سحری کے وقت حلقہ بنا کر کنکریوں پر سبحان اللہ، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ سو سو مرتبہ پڑھ رہے تھے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے انہیں ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا تھا:

فَقَالَ فَعُدُّوْا مِنْ سَيِّاٰتِكُمْ فَأَنَا ضَامِنٌ أَنْ لَا يَضِيعَ مِنْ حَسَنَاتِكُمْ شَيْءٌ وَيْحَكُمْ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَسْرَعَ هَلَكَتَكُمْ هٰؤُلَاءِ الصَّحَابَةُ بَيْنَكُمْ مُتَوَافِرُوْنَ وَهٰذَا ثِيَابُهُ لَمْ تَبْلَ وَاٰنِيَتُهُ لَمْ تُكْسَرْ۔ أَوْمُفْتَحِي بَابِ ضَلَالَةٍ ۔ ❸

''تم اپنی ان کنکریوں پر اپنے گناہ شمار کرو۔ میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری نیکیاں ضائع نہیں ہوں گی۔ افسوس ہے تم پر اے امت محمد تم کتنی جلدی ہلاکت میں مبتلا ہو گئے ہو۔ ابھی تو تم میں صحابہ کرامؓ بکثرت حیات ہیں، ابھی تو رسول اللہ ﷺ کے کپڑے بھی پرانے نہیں ہوئے اور ان کے برتن بھی نہیں ٹوٹے کیا تم ایسا کر کے گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔''

اور اسی طرح کے اور بھی بہت سے واقعات محفوظ ہیں۔ لعل فيه كفاية لمن له ادنى دراية۔

اس ساری گفتگو سے ثابت ہوا کہ جو عبادت اور اطاعت شرع میں جس طرح منقول ہوا اس کو اسی طرح ادا کرنا چاہیے۔ یعنی اس کو اس کی حقیقت پر ہی قائم رکھنا چاہیے اگر اس مطلق عبادت اور اطاعت کو مقید کیا جائے گا یا اس غیر مؤقت کو مؤقت بنایا جائے گا یا اس غیر معین کو معین کر لیا جائے گا تو وہ بدعت بن جائے گی۔ لہٰذا نماز تسبیح چونکہ رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرامؓ اور

---

❶ نووی: ج ۱ ص ۴۹۰۔ ❷ كتاب الحوادث والبدع: ص ۴۰۔

❸ مسند دارمی: ص ۳۸۔

تابعین عظام سے باجماعت پڑھنا ثابت نہیں، نہ مسجد میں، نہ گھروں میں نہ رمضان میں اور نہ غیر رمضان میں، لہٰذا اس کو باجماعت پڑھنا لوگوں کو حیلے بہانوں سے اکٹھا کرنا اور اس کا اہتمام کرنا بدعت کے شائبہ سے خالی نہیں، اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس نماز کو انفرادی طور پر ہی پڑھا جائے۔

ثانی یہ کہ اس نماز میں جو تسبیحات پڑھی جاتی ہیں ان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس نماز کو اکیلے ہی پڑھا جائے، ورنہ ان کی گنتی میں کمی بیشی ضرور ہو جائے گی کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ امام اور مقتدیوں کی رفتار ہم آہنگ اور مساوی ہو کیونکہ کوئی تیز پڑھنے والا ہوتا ہے اور کوئی ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا ہے۔ کسی کی زبان تیز چلتی ہے اور کسی کی آہستہ۔ اور امام تسبیحات کو بالجہر بھی نہیں پڑھ سکتا کیونکہ مسنون طریقہ تسبیحات کا بالاخفا ہے۔ اگر بالفرض امام سنت کے خلاف تسبیحات بالجہر بھی پڑھے تب بھی پچھلی صفوں کے لوگوں کو امام کی آواز کا پہنچنا مشکل ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس نماز میں جماعت کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

بلاشبہ نماز تسبیح نفل نماز ہے اور نوافل کی جماعت احادیث سے ثابت ہے۔ مگر اتفاقی ہے، مثلاً: ایک آدمی نفل کی نماز پڑھ رہا ہے اور ایک دوسرا شخص دیکھتا ہے کہ مولوی صاحب یا حافظ صاحب نماز نفل پڑھ رہے ہیں، وہ بھی شامل ہو جاتا ہے تو یہ درست ہے لیکن اس کا اہتمام کرنا اور اعلانات اور دوسری ترغیبات کے ذریعہ سے مردوں اور عورتوں کو اکٹھا کر کے مسجدوں میں نماز تسبیح باجماعت ادا کرنا بہرحال بدعت ہی معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نماز چاشت کی جماعت کو اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حلقہ بنا کر سبحان اللہ اور لا الٰہ الا اللہ کے ذکر کو بدعت اور گمراہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام ابو اسحاق شاطبی مزید لکھتے ہیں:

فَإِذَا اجْتُمِعَ فِي النَّافِلَةِ أَنْ تُلْتَزَمَ إِلْتِزَامَ وَجْهٍ مَّحْدُوْدٍ وَّ أُقِيْمَتْ فِي الْجَمَاعَةِ فِي الْمَسَاجِدِ الَّتِي تُقَامُ فِيْهَا الْفَرَائِضُ أَوِالْمَوَاضِعِ الَّتِي تُقَامُ فِيْهَا السُّنَنُ الرَّوَاتِبُ فَذٰلِكَ ابْتِدَاعٌ وَالدَّلِيْلُ عَلَيْهِ أَنَّهُ لَمْ يَأْتِ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا عَنْ أَصْحَابِهٖ وَلَا عَنِ التَّابِعِيْنَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ فِعْلُ هٰذَا الْمَجْمُوْعِ هٰكَذَا مَجْمُوْعاً وَّإِنْ أَتٰى مُطْلَقاً مِّنْ غَيْرِ تِلْكَ التَّقْيِيْدِ أَنَّ فِي الْمُطْلَقِ الَّتِي لَمْ يَثْبُتْ بِدَلِيْلِ الشَّرْعِ تَقْيِيْدُهَا رَأْيٌ فِي التَّشْرِيْعِ فَكَيْفَ إِذَا عَارَضَهُ الدَّلِيْلُ وَهُوَالْأَمْرُ بِإِخْفَاءِ النَّوَافِلِ مَثَلًا ۔ [1]

”جب کوئی نفل نماز سنن رواتب کے التزام کے ساتھ خاص طریقہ کے ساتھ ہمیشہ کے لئے یا محدود اوقات میں ان مساجد اور مقامات میں باجماعت پڑھی جائے گی جہاں فرائض اور سنن رواتب (سنن موکدہ) ادا کی جاتی ہیں، تو یہ نماز بدعت ہے۔ نہ صحابہ سے اور نہ تابعین سے منقول ہے اور مطلق عبادات میں اپنی طرف سے قیود لگانا دراصل از خود شریعت سازی کے مترادف ہے۔ بالخصوص جب کہ رسول اللہ ﷺ نے نوافل میں اخفاء کا حکم دے رکھا ہے۔“

ثالث یہ کہ نماز تسبیح باجماعت اس لئے بھی جائز نہیں کہ اگر اس کو مساجد میں باجماعت پڑھنا شروع کر دیا جائے تو عوام اسے

[1] الاعتصام للشاطبی: ج ۱ ص ۲۸٤۔

سنت سمجھ لیں گے اور اس کو دین کا شعار تصور کرنے لگ جائیں گے، جیسا کہ امام شاطبی کے حوالہ سے اوپر لکھا جا چکا ہے اور اس کو نوافل کی جماعت کے عموم میں داخل سمجھنا مناسب نہیں۔ جیسا کہ امام ابن دقیق العید کے حوالہ سے اوپر لکھا جا چکا ہے۔ اور فتنہ کے خطرہ سے سلف نے بہت سی طاعات کو بعض دفعہ چھوڑا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان اسی لئے سفر میں پوری نماز پڑھا کرتے تھے تاکہ عوام یہ نہ سمجھ لیں کہ فرض صرف دو رکعت ہی ہیں۔ کتاب الحوادث والبدع میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ (ص ۳۹)

رابع یہ کہ اولیٰ یہ ہے کہ نماز تسبیح دن کے وقت زوال کے بعد پڑھی جائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عمرؓ کو زوال کے بعد پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ ❶

لہٰذا ان وجوہات کی رو سے عشاء کے بعد باجماعت نماز تسبیح پڑھنے سے گریز بہتر ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ نماز تسبیح باجماعت مساجد میں ادا کرنا رمضان اور غیر رمضان دونوں میں بدعت ہے، اس سے احتراز لازم ہے اور نفل نماز کی جماعت کے عموم سے استدلال کرنا یا تراویح کی نماز پر قیاس کرنا درست نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال: نماز تسبیح کا ثبوت ہے یا نہیں، اگر ثبوت ہے تو جماعت کرائی جا سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: نماز تسبیح کا ثبوت (بحیثیت مجموعہ روایات) موجود ہے، جیسا کہ جامع ترمذی میں حضرت ابو رافع اور ابو داؤد، سنن ابن ماجہ، دعوات کبیر بیہقی، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان اور مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اور پھر سنن ابی داؤد میں عبداللہ بن عمر بن عاص رضی اللہ عنہما وغیرہ سے روایات ہیں۔ امام عبدالرحمان مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قَدْ وَقَعَ إِخْتِلَافُ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي أَنَّ حَدِيْثَ صَلٰوةِ التَّسْبِيْحِ هَلْ هُوَ صَحِيْحٌ أَمْ حَسَنٌ أَمْ ضَعِيْفٌ أَمْ مَوْضُوْعٌ وَّالظَّاهِرُ عِنْدِيْ أَنَّهُ لَا يَنْحَطُّ عَنْ دَرَجَةِ الْحَسَنِ. ❷

"نماز تسبیح کی حدیث کے صحیح، حسن، ضعیف یا موضوع ہونے کے متعلق اہل علم میں اختلاف ہے۔ لیکن میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔"

شیخ الاسلام ابن حجر بھی "الخصال المکفرہ" میں اس کے حسن ہونے کی طرف مائل ہیں (تحفۃ: ص ۳۵۰ ج ۱)

حافظ عبدالعظیم منذری لکھتے ہیں:

وَقَدْ رُوِيَ هٰذَا الْحَدِيْثُ مِنْ طُرُقٍ كَثِيْرَةٍ وَّ عَنْ جَمَاعَةٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَمِثَالُهَا حَدِيْثُ عِكْرِمَةَ هٰذَا وَقَدْ صَحَّحَهُ جَمَاعَةٌ مِّنْهُمُ الْحَافِظُ أَبُوْبَكْرٍ الْآجُرِيُّ وَ شَيْخُنَا أَبُوْ مُحَمَّدٍ عَبْدُالرَّحِيْمِ الْمِصْرِيُّ وَ شَيْخُنَا الْحَافِظُ أَبُو الْحَسَنِ الْمَقْدَسِيُّ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَ قَالَ أَبُوْبَكْرِ بْنُ أَبِيْ دَاوٗدَ سَمِعْتُ أَبِيْ يَقُوْلُ لَيْسَ فِيْ صَلٰوةِ التَّسْبِيْحِ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ غَيْرَ هٰذَا وَقَالَ مُسْلِمُ بْنُ الْحَجَّاجِ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لَا يُرْوٰى فِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ إِسْنَادٌ أَحْسَنَ مِنْ هٰذَا وَقَالَ الْحَاكِمُ قَدْ صَحَّتِ الرِّوَايَةُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلَّمَ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ. ❸

❶ عون المعبود: ج ۱ ص ۱۰۵، تحفۃ الاحوذی: ج ۱ ص ۳۵۱۔ ❷ تحفۃ الأحوذی: ص ۳۵۱ ج ۱۔
❸ الترغیب والترھیب: ص ۴۶۸ ج ۱۔

خلاصہ یہ ہے کہ متعدد جلیل القدر محدثین نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ جہاں تک نماز تسبیح با جماعت پڑھنے کا سوال ہے تو جہاں تک میری نظر ہے اس کا خیر القرون میں ثبوت نہیں ملتا۔ اور جس طرح ہمارے ہاں رواج چل نکلا ہے کہ رمضان شریف کی راتوں میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے اس سے عملاً بدعات کی ترویج کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے واللہ اعلم

مکان یا دکان کے افتتاح پر قرآن خوانی

سوال: ہمارے ہاں اکثر یہ رواج ہے کہ اگر کوئی صاحب نیا مکان بنائے یا فیکٹری چالو کرے تو وہاں پر دینی مدارس کے طلبا کو بلا کر قرآن خوانی کرائی جاتی ہے، نیز آیت کریمہ کا وظیفہ جو سوا لاکھ مرتبہ کھجوروں کی گٹھلیوں پر پڑھایا جاتا ہے۔ اس کا ورد ہوتا ہے اور بعد میں پڑھنے والے طلباء کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ بعض دفعہ اس کام کے ٹھیکیدار یہ بھی طے کر لیتے ہیں کہ ہم آپ سے اس کام کا معاوضہ بالکل نہیں لیں گے بس چار ہزار یا آٹھ ہزار وغیرہ وغیرہ کی رقم ہمارے مدرسہ کو چندہ دے دینا۔
کیا یہ ساری کارکردگی سنت رسول اللہ ﷺ ہے یا بدعت کے ذیل میں آتی ہے؟ ایسا کرنے کرانے والے کو ثواب ملے گا یا گناہ؟ ایسی مجالس میں شمولیت کیسی ہے؟

جواب: قرآن خوانی نہ تو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نہ سلف صالحین رحمہم اللہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

حالانکہ مکانات اور دکانیں اس وقت بھی تعمیر ہوتی تھیں اور پھر صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ اس کی برکات کے حصول میں ہم سے کہیں زیادہ مشتاق تھے، یعنی مقتضی اور داعیہ اس وقت بھی موجود تھا لیکن بایں ہمہ اس طرح کی قرآن خوانی کی دعوتوں کا اہتمام قطعاً ثابت نہیں۔ لہٰذا یہ بھی بدعت ہے۔ اہل حدیث کو ان بدعات سے ضرور اجتناب کرنا چاہیے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تو گٹھلیوں پر لا الٰہ اِلاّ اللہ کے وظیفہ کو بھی بدعت قرار دیا تھا' جیسا کہ سنن دارمی میں یہ مسئلہ مفصل مرقوم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا

سوال: قرآن کے درس اور فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کا شرعی حکم تحریر فرمائیں۔ سائلہ: عاصمہ محمد علی، غازی آباد لاہور

جواب: کسی مرفوع متصل صحیح حدیث میں اس اجتماعی دعا کا کچھ ثبوت نہیں ملتا اور نہ صحابہ اور تابعین کے عہد میں اس دعا کا رواج تھا۔ تاہم دو ایک ضعیف احادیث میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ مگر دوام اور التزام کے لئے ایسی کمزور اور ضعیف حدیثیں کفایت نہیں کرتیں۔ ہاں بلا التزام، یعنی ناغہ کے ساتھ کبھی مانگ لی جائے اور کبھی نہ مانگی تو اس کی گنجائش ہے، مگر اس اجتماعی دعا کو نماز کا جز قرار دینا کہ جب تک مانگی نہ جائے نماز کو نامکمل تصور کرنا تو پھر یہ دعا بلاشبہ بدعت اور دین میں اضافہ کے مترادف ہوگی جو کسی طرح بھی جائز نہیں۔ ھذا ما عندي واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

کتاب و سنت

قرآن پاک کھول کر درس سننا اور بوقت خطبہ خطیب کے سامنے اسٹینڈ کا حکم

سوال نمبر۱: بعد نماز فجر جب علمائے کرام درس قرآن مجید ارشاد فرماتے ہیں تو اس وقت اگر کوئی شخص تفہیم وتعلیم کی غرض سے قرآن مجید کھول کر بیٹھ جائے تو اس کا یہ فعل بدعت کے زمرے میں تو نہیں آتا؟

نمبر۲: جمعہ کے دن خطیب جب منبر پر کھڑا ہوتا ہے تو بعض مساجد میں لکڑی کا ایک اسٹینڈ رکھ دیا جاتا ہے تاکہ خطیب صاحب اس پر قرآن مجید یا کوئی کتاب رکھ لیں اور بسا اوقات اس کا سہارا بھی لے لیتا ہے، کیا یہ اسٹینڈ رکھنا جائز ہے؟

(سائل: قاری محمد ایوب فیروز پوریؒ)

جواب از مولانا عطاء اللہ حنیف:

انتظامی قسم کی بات ہے، بدعت کے ذیل میں نہیں آتی۔ (۲) اس کی ممانعت کی بھی کوئی وجہ معقول معلوم نہیں ہوتی، نہ اس پر کوئی دلیل ہے۔ لہذا جائز ہے:

لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ (مشکوۃ) هذا ما عندی والله اعلم .

۲۔ مولانا ابوالبرکات احمد صاحب گوجرانوالہ:

(۱) قرآن مجید سامنے رکھ کر درس سننے میں کوئی حرج نہیں ہے: کیونکہ اس طرح کرنے سے سامعین کو زیادہ فائدہ ہوتا ہے، یوں بھی قرآن کو دیکھنا اور اس پر غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا بھی عبادت ہے: جیسا کہ اس کی تفصیل امام سیوطیؒ وغیرہم علماء نے کی ہے، تفصیل کے لئے ''الاتقان'' اور ''آداب الشرعیۃ'' (لابن مفلح) وغیرہ کا مطالعہ کیجئے۔

(۲) کوئی اسٹینڈ رکھنے والا اس لئے نہیں رکھتا کہ اس سے ثواب حاصل ہوتا ہے یا کوئی دینی کام ہے بلکہ یہ اس لئے رکھتے ہیں کہ قرآن مجید دیکھنے میں سہولت ہو، جیسا کہ اسپیکر ہے، لوگ اسے اس لئے نہیں استعمال کرتے کہ یہ کوئی شرعی امر ہے بلکہ آواز دور تک پہنچانے کے لئے یہ ایک ذریعہ ہے جس سے بولنے والے کو سہولت حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اسٹینڈ سے اس کے رکھنے سے مصحف شریف پکڑنے کی تکلیف نہیں کرنا پڑتی، اس سہولت کے لئے اسے استعمال کرتے ہیں۔ لہذا اس کو بدعت کہنا ٹھیک نہیں ہے۔ ہاں، اسٹینڈ کا سہارا لینے کے بجائے عصا کا سہارا لینا خطبہ میں سنت ہے۔ لہذا خطیبوں کو چاہیے کہ خطبہ کے وقت عصا استعمال کریں۔ لیکن آج کل وہ بھی فیشن ایبل مولویوں کی نذر ہو گیا ہے۔ کئی مولویوں کو دیکھتے ہیں کہ جمعہ کے وقت خطبہ میں عصا استعمال نہیں کرتے حالانکہ نبی ﷺ عصا استعمال فرماتے تھے اور خلفائے راشدین ان کے بعد دیگر علماء و

خطباء بھی استعمال کرتے آئے ہیں مگر آج کل بعض خطیب حضرات سستی کی بنا پر یا کسی اور وجہ سے استعمال نہیں کرتے، اسٹینڈ کو عصا نہیں کہہ سکتے۔ لہٰذا اس کا سہارا لینا عصا کے قائم مقام نہیں ہے۔

۳۔مولانا پیر محمد یعقوب صاحب قریشی ماموں کانجن:

(۱) قرآن مجید کا استماع ضروری ہے۔ مذکورہ صورت میں فہم وتعلم کی غرض سے قرآن کو کھول کر بیٹھنے میں کون سا حرج ہے؟ نیز استماع میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لہٰذا بدعت کیسے؟

(۲) قرآن مجید لیٹ، بیٹھ اور کھڑے ہو کر پڑھا جا سکتا ہے، اگر بیٹھا ہوا انسان سامنے تختی پر قرآن مجید رکھ کر پڑھ سکتا ہے تو کھڑا انسان اسٹینڈ پر رکھ کر کیوں نہیں پڑھ سکتا؟ نیز اگر عصا (لاٹھی) کا سہارا لیا جا سکتا ہے تو پھر اسٹینڈ کا کیوں نہیں لیا جا سکتا؟ کوئی حرج نہیں۔

۴۔راقم الحروف:

(۱) تعلیم وتعلم میں ہر اس طریقہ اور سہولت سے استفادہ جائز ہے جو طریقہ اور سہولت شرعی حکم کے خلاف نہ ہو اور یہ استفادہ بدعت نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس سے غرض احداث فی الدین نہیں، بلکہ حصول دین اور اس کی تفہیم و اخذ مراد ہے۔ لہٰذا بلاشبہ مدرس کے سامنے مصاحف کھول کر بیٹھنا جائز ہے۔ قرآن مجید میں لفظ لیتفقهوا کے عموم سے بھی اس کا جواز جھلک رہا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے غلام ذکوان کی اقتدا میں نماز پڑھ لیا کرتی تھیں اور حضرت ذکوان مصحف شریف سے دیکھ کر قراءت کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری:

وَكَانَتْ عَائِشَةُ يَؤُمُّهَا عَبْدُهَا ذَكْوَانُ مِنَ الْمُصْحَفِ .[1]

حضرت ابن ابی داؤد اس اثر کو اپنی کتاب ''المصاحف'' میں موصولاً لائے ہیں۔[2]

اس اثر کے علاوہ امام محمد بن نصر مروزی نے اور بھی آثار نقل کیے ہیں چند ایک یہ ہیں:

سُئِلَ ابْنُ شِهَابٍ عَنِ الرَّجُلِ يَؤُمُّ النَّاسَ فِي مُصْحَفٍ قَالَ مَازَا لُوا يَفْعَلُوْنَ ذٰلِكَ مُنْذُ كَانَ الْإِسْلَامُ كَانَ خِيَارُنَا يَقْرَؤُنَ فِي الْمَصَاحِفِ (قیام اللیل مروزی)

''امام ابن شہاب زہری تابعی سے سوال ہوا کہ قرآن مجید دیکھ کر امامت کا کیا حکم ہے؟ تو فرمایا: جب سے اسلام شروع ہوا ہمیشہ علماء کا قرآن مجید دیکھ کر امامت پر عمل رہا ہے۔ ہمارے بہتر لوگ امامت میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھتے تھے۔''

إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُهُ أَنْ يَقُوْمَ بِأَهْلِهِ فِي رَمَضَانَ وَيَأْمُرُهُ أَنْ يَقْرَءَ لَهُمْ فِي الْمُصْحَفِ وَيَقُوْلُ أَسْمِعْنِي صَوْتَكَ . (قیام اللیل مروزی)

[1] ص ۹٦ ج ۱ باب إمامة العبد والمولى۔

[2] فتح الباری: ج ۲، ص ۱۸٤، نیل الاوطار، ج ۳ ص ۱۸٤۔

''ابراہیم بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اس کو حکم دیتے کہ اپنے اہل کو لے کر ماہ رمضان میں قیام کرے اور حکم دیتے کہ قرآن مجید دیکھ کر پڑھے اور فرماتے کہ اتنا بلند آواز سے پڑھ کہ مجھے تیری آواز سنائی دے۔''

ان آثار سے معلوم ہوا کہ نماز ایسی مہتم بالشان عبادت میں امام بھی مصحف سے دیکھ کر، یعنی قرآن مجید سامنے رکھ کر قراءت کر سکتا ہے تو پھر خارج از نماز درس قرآن مجید میں مدرس کے سامنے قرآن کھول کر بیٹھنا کیوں جائز نہیں؟ اگرچہ ان آثار کو زیر نظر مسئلہ سے براہ راست تعلق نہ ہو، تاہم ادنیٰ مناسبت ضرور ہے۔ بہرحال میرے ناقص علم میں ایسی کوئی نقل موجود نہیں ہے کہ جس سے مدرس کے سامنے قرآن کھول کر بیٹھنا بدعت کے زمرے میں آتا ہو اور پھر علمائے سلف اور خلف کا اس پر تعامل مزید برآں ہے۔

(۲) خطبہ جمعہ کا ہو یا عید کا، خطیب کے لئے اپنی جسمانی راحت کے لئے کسی چیز کا سہارا لینا جائز بلکہ سنت ہے۔ اور مندرجہ ذیل احادیث میں اس کا ثبوت ملاحظہ فرمائیں:

عَنِ الْبَرَاءِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُوِوِلَ يَوْمَ الْعِيْدِ قَوْساً فَخَطَبَ عَلَيْهِ . ❶

''حضرت براء سے مروی ہے کہ عید کے دن رسول اللہ ﷺ کو کمان پکڑائی گئی اور آپ نے اس کے سہارے خطبہ عید ارشاد فرمایا۔''

۲- عَنْ جَابِرٍ قَالَ شَهِدْتُ الصَّلٰوةَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ فَبَدَأَ بِالصَّلٰوةِ قَامَ مُتَّكِئاً عَلٰى بِلَالٍ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ الخ . ❷

''جناب رسول اللہ ﷺ نے بغیر اذان اور اقامت کے خطبہ سے پہلے نماز عید پڑھائی اور پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر ٹیک لگا کر خطبہ عید ارشاد فرمایا۔''

۳- عَنْ عَطَاءٍ مُرْسَلاً أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَطَبَ يَعْتَمِدُ عَلٰى عَنَزَتِهِ إِعْتِمَاداً . ❸

''جناب عطاء تابعی سے مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دیتے وقت اپنے برچھے پر اعتماد، یعنی ٹیک لگایا کرتے تھے۔''

ان تینوں روایات سے معلوم ہوا کہ خطیب خطبہ پڑھتے وقت کسی چیز کا سہارا لے سکتا ہے اور اصل علت سہارا لینا ہے، کمان برچھی وغیرہ کی حیثیت ثانوی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ خطبہ دیتے وقت اسٹینڈ پر ٹیک لگانا اور اس پر کتابیں رکھنا جائز ہے۔ بدعت ہونے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ بشرطیکہ اسٹینڈ پر تکلف، فریب نظر اور دلآویز نہ ہو کہ بجائے خطیب کی طرف توجہ دینے کے لوگوں کی نگاہیں اس اسٹینڈ پر لگی رہیں۔ تاہم کمان اور چھڑی پر ٹیک لگانا سنت اور افضل ہے، اسٹینڈ پر محض جواز ہے۔ واللہ اعلم۔

❶ سنن أبي داؤد بحواله مشكوة، باب صلوة العيدين، ص ١٢٦ . ❷ رواه النسائي مشكوة: ص ١٢٦ .

❸ رواه الشافعي مشكوة ص ١٢٦ .

سوشہید والی حدیث پر عمل کیوں نہیں؟

سوال: اس مردہ سنت پر عمل کر کے سو شہید کا ثواب حاصل کیوں نہ کیا جائے۔ (محمد علی ملتان و ایک سائل لاہور)

جواب: یہ حدیث کہ کسی مردہ سنت کو زندہ کرنے سے سو شہید کا ثواب ملتا ہے یہ حدیث ضعیف ہے اس حدیث کی سند میں حسن بن قتیبہ خزاعی المدائنی ہے اگرچہ ابن عدی نے اس کو لَا بَاسَ بِہٖ کہا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے اس کو ہالک، دارقطنی نے متروک الحدیث اور ابو حاتم نے ضعیف اور رازی نے واہی الحدیث اور عقیلی نے کثیر الوہم قرار دیا ہے۔ [1] اور امام طبرانی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے باسناد لاباس کے ساتھ حدیث نقل کی ہے۔ مگر اس سند میں مائۃ شھید کے بجائے فلہ اجر شہید کے لفظ ہیں کہ مردہ سنت زندہ کرنے والے کو ایک شہید کا ثواب ملتا ہے۔ واللہ اعلم!

سورۂ ممتحنہ کا خاصہ

سوال: سورۂ ممتحنہ پڑھنے کا فائدہ کیا ہے؟ تحریر فرمادیں۔

جواب: دوسری سورتوں کی طرح یہ بھی قرآن مجید کی ایک سورت ہے اور کلام الٰہی ہے۔ مگر اس کی کوئی خاص فضیلت باوجود تلاش کے نہیں ملی، علاوہ ازیں عام طور پر جو بعض سورتوں کی فضیلتیں کتب تفسیر میں ملتی ہیں ان میں سے اکثر ضعیف روایات پر مشتمل ہوتی ہیں۔ سوائے چند ایک سورتوں کے۔ واللہ تعالیٰ و اعلم بالصواب

کیا ہر ایک مسلمان تبلیغ کر سکتا ہے؟

سوال: کیا ہر مسلمان پر تبلیغ کرنا فرض ہے؟ اسلام نے اس کے لئے کیا شرائط رکھی ہیں؟

جواب: امت محمدیہ کا ہر ایک فرد نہ صرف تبلیغ کا شرعاً مجاز ہے، بلکہ اسے اس کا مکلف بنایا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

۱۔ ﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ﴾ (سورة يوسف: ۱۰۸)

ترجمہ: یہ میرا طریق ہے کہ میں بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر (یعنی حجت و برہان اور بصیرت و وجدان کے ساتھ) میں بھی (لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں) اور میرے پیرو بھی۔

اس آیت شریفہ سے نصف النہار کی طرح ثابت ہوا کہ امت محمدیہ کا ہر فرد بشرطیکہ اسے متعلقہ موضوع سے آگاہی ہو۔ تبلیغ کرنے کا مجاز ہے۔ وبلا کسی شرط وقید کے ہر جگہ، ہر ملک اور ہر حالت میں تبلیغ کر سکتا ہے۔

۲۔ ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾

(آل عمران: ۱۱۰)

---

[1] لسان الميزان ص ۲٤٦ ج ۲، مرعاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح.

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ نیک کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

اس آیت کریمہ پر بار بار نظر ڈالئے اور غور کیجئے کہ کیا اس میں کوئی ایسی قید اور شرط دکھائی دیتی ہے جس میں کوئی ایسی استثناء پائی جاتی ہو کہ فلاں فلاں تبلیغ نہیں کرسکتا اور فلاں تبلیغ کرسکتا۔ بلکہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایک ایسا فریضہ ہے کہ اس میں سرد مہری کی وجہ سے بنی اسرائیل کا ایک گروہ لعنتی بن چکا ہے۔ فرمایا:

۳-﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْ اِسْرَاءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ. لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ (المائدة: ۷۸، ۷۹)

"کہ بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا تھا ان پر داؤد اور مسیح بن مریم کی زبانی لعنت پڑی تھی (اول اس لئے) کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔" (دوئم اس لئے) کہ جس برائی کے خود مرتکب ہوتے اس سے لوگوں کو بھی نہیں روکتے تھے، بہت برا کرتے تھے۔"

۴. ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (البقرة: ۱٤۳)

"اسی طرح ہم نے تم کو میانہ روش (افراط و تفریط سے محفوظ) امت بنایا تاکہ تم (تمام دنیا کے) لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ ہو جائیں۔"

اور اسی شہادت کے لئے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں حق و عدل کا علمبردار بن جانے کا یہ حکم درج ذیل آیات میں یوں دیا گیا ہے:

۵. ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ﴾ (سورة النساء: ۱۳۵)

٦. ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ﴾ (سورة المائدة ۸)

اور اسی حق و عدل کی شہادت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ پر ثابت قدم رہنے اور ثابت قدمی کی تاکید فرماتے ہوئے ارشاد ہوا۔

۷. ﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾

"قسم ہے زمانہ کی تحقیق انسان نقصان میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور ایک دوسرے کو سچے دین کی تلقین کرتے رہے اور صبر کی وصیت کرتے رہے۔"

اس عظیم القدر سورت کے مضمون سے واضح ہوا اور یہ حقیقت ابھر کر سامنے آئی کہ آخرت کے نقصان سے بچنے کے لئے جس طرح ہر انسان کے لیے ایمان باللہ اور عمل صالح کی راہ اختیار کرنا ازبس ضروری ہے، اسی طرح ہر اس شخص پر جو ایمان باللہ کی صراط مستقیم پر گامزن ہو یہ فریضہ بھی عائد ہوتا ہے کہ دوسروں کو بھی حق اور حق پر ثابت قدمی کی نصیحت کرے اور اس

فریضہ کی ادائیگی کا یہ حکم جس طرح بیان کیا گیا ہے، اس میں اضطرار اور معذوری کے علاوہ کسی شرط وقید اور استثناء کا کوئی ہلکا سا اشارہ تک موجود نہیں۔ لہٰذا بلا ریب دعوت وتبلیغ دین کی یہ ذمہ داری ہر مسلمان پر حسب استطاعت ولیاقت فرض ہے۔ خواہ وہ مسلمان دنیا کے کسی بھی ملک میں رہتا ہو۔ اب احادیث ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ مَنْ رَّأٰی مِنْکُمْ مُنْکَرً فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ. عن ابی سعید الخدری. ❶

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص تم میں برائی دیکھے اسے چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھ سے بدل ڈالے۔ سو اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے اس کے خلاف آواز اٹھائے اگر زبان سے بھی اس کی مذمت نہ کر سکتا تو پھر دل سے اس کو برا جانے اور یہ ایمان کمزور ترین ایمان ہے۔''

مشہور حدیث۔ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَةً۔ بھی ذہن میں رکھئے۔

۳۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ بَلِّغُوْا عَنِ اللّٰہِ فَمَنْ بَلَغَتْہُ اٰیَةٌ مِّنْ كِتَابِ اللّٰہِ فَقَدْ بَلَغَہٗ اَمْرُ اللّٰہِ. ❷

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی آیتیں دوسروں تک پہنچاؤ، جس کو کتاب اللہ کی کوئی آیت پہنچ گئی تو خدا کا حکم اس کو پہنچ گیا۔''

۴۔ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ کے آخر میں فرمایا تھا: لِیُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ۔ ❸ ''کہ موجود اور حاضر شخص غیر حاضر شخص تک میرا یہ خطبہ پہنچا دے۔''

غور فرمائیے ان احادیث اور ان جیسی دوسری احادیث میں بھی ہر مسلمان کو حسب قابلیت لیاقت اور استطاعت تبلیغ دین کی تلقین فرمائی گئی ہے، بلکہ تاکید کی گئی ہے۔ پس ان آیات اور احادیث کے مطابق نہ صرف ہر مسلمان مبلغ بن سکتا ہے بلکہ حسب استطاعت اور لیاقت تبلیغ دین ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

الاستفتاء

سوال: ۱۔ جو شخص قرآن عزیز غلط پڑھتا ہے، شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟

۲۔ جاہل اور بے علم امام کے پیچھے عالم شخص کی نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

۳۔ ایک امام قرآن مجید کے اعراب وغیرہ کا کوئی خیال نہیں کرتا، اس کے متعلق حکم شرعی کیا ہے؟

جواب: اقول باللہ التوفیق ۱۔ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر قرآن مجید غلط پڑھتا ہے تو ایسا آدمی سخت مجرم، گناہ گار اور واجب التعزیر ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ قرآن عزیز ایسے شخص پر لعنت کرتا ہے کیونکہ ایسا شخص تحریف لفظی کا

❶ مشکوۃ ص ٤٣٦. ❷ رواہ الطبرانی (بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج ٢ ص ١٤٢) ❸ صحیح البخاری ج ١ ص ١٦.

مرتکب ہوتا ہے اور تحریف لفظی کفر کے مترادف ہے۔ ایسے آدمی کو توبہ کرنی چاہیے۔ اگر جان بوجھ کر نہیں بلکہ کوئی اور وجہ ہے، مثلاً: لکنت وغیرہ، تو پھر ایسا شخص مجبور ہے۔ تاہم اسے بھی اپنی بساط تک صحیح پڑھنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ اگر وہ اس کوشش میں لگا رہے گا تو ان شاء اللہ اسے دگنا ثواب ملے گا، خدا توفیق ارزانی فرمائے۔

حدیث صحیح میں ہے:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَأْذَنِ اللهُ لِنَبِيِّ مَاأَذِنَ لِنَبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَغَنَّى بِالْقُرْآنِ وَقَالَ صَاحِبٌ لَّهُ يُرِيْدُ يَجْهَرُبِهِ. ●

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اتنا متوجہ ہو کر کسی چیز کو نہیں سنتا جتنا قرآن کی طرف متوجہ ہو کر سنتا ہے۔ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس کو خوش آوازی سے پڑھتے ہیں۔‘‘

ابوسلمہ راوی حدیث کو ایک دوست عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کہتا تھا۔ اس حدیث میں یتغنی بالقرآن سے یہ مراد ہے کہ پکار کر اس کو پڑھے۔ علمائے حدیث نے لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ کے تین مطلب بیان کئے ہیں:

۱۔ قرآن مجید کو ہی کافی سمجھنا چاہیے، دوسرے مذاہب کی کتب کا مطالعہ غیر ضروری سمجھنا چاہیے۔

۲۔ دوسری جماعت کا خیال ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو قرآن کو نعمت عظمیٰ سمجھ کر اس کی وجہ سے غنی اور بے پروانہ رہے بلکہ دنیاداروں کی خوشامد کرے اور ان سے اپنی احتیاج بیان کرے، ایسا شخص مسلمان نہیں ہے۔

۳۔ اہل علم کی تیسری جماعت کا خیال ہے کہ جو شخص قرآن مجید کو خوش آوازی سے نہ پڑھے وہ گناہ گار ہے۔ بہرحال اس حدیث کا جو بھی مفہوم ہو، یہ بات واضح ہے کہ قرآن مجید کو صحت کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کے ذیل لکھتے ہیں:

أَمَّا تَحْسِيْنُ الصَّوْتِ وَتَقْدِيْمُ حُسْنِ الصَّوْتِ عَلٰى غَيْرِهٖ فَلَا نِزَاعَ فِيْ ذٰلِكَ. ●

’’قرآن مجید کو خوش آوازی سے پڑھنا اور خوش آواز قاری کو امام بنانے میں کوئی نزاع نہیں ہے‘‘

وَأَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلَى إِسْتِحْبَابِ تَحْسِيْنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ مَا لَمْ يَخْرُجْ عَنْ حَدِّ الْقِرَاءَةِ بِالتَّمْطِيْطِ بِأَنْ خَرَجَ حَتّٰى زَادَحَرْفًا أَوْ اَخْفَاهُ حَرَامٌ۔ ●

’’قرآن مجید کو خوش آوازی سے پڑھنا بالا جماع مستحب ہے۔ بشرطیکہ وہ قراءت معروفہ کی حد سے متجاوز نہ ہو اور کوئی حرف چھوڑ دینا یا کسی حرف کا اضافہ کرنا حرام ہے۔‘‘

بہرحال خوش آوازی جبھی مستحب ہوگی جب وہ صحت الفاظ کے ساتھ ہو، ورنہ نہیں۔ واللہ اعلم

● صحیح بخاری: ص ۷۵۱ ج ۲ باب من لم یتغن بالقرآن.

● فتح الباری: ص ٦٤ ج ۹ طبع مصر.

● فتح الباری ص ٦٤ ج ۹.

۲۔ جاہل امام کے پیچھے نماز:

جاہل کے پیچھے عالم کی نماز اگرچہ ہو جاتی ہے، تاہم عالم آدمی کو چھوڑ کر جاہل کو امام بنانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ امامت کے لیے ایسا آدمی ہونا چاہیے جو عالم اور ماہر قرآن ہو۔

عَنِ ابْنِ أَبِی مَسْعُوْدٍ عُقْبَةَ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَأُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ ۔۔۔ اَلْحَدِيْثَ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ مُسْلِمٌ۔ قَالَ الْقَاضِیُّ الشَّوْكَانِیُّ فِی النَّيْلِ قَدِ اخْتُلِفَ فِی الْمُرَادِ مِنْ قَوْلِهٖ يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَأُهُمْ فَقِيْلَ الْمُرَادُ اَحْسَنُهُمْ قِرَاءَةً وَإِنْ كَانَ أَقَلَّهُمْ حِفْظاً وَ قِيْلَ أَكْثَرُهُمْ حِفْظًا لِّلْقُرْاٰنِ وَيَدُلُّ عَلٰى ذٰلِكَ مَارَوَاهُ الطَّبْرَانِیُّ فِی الْكَبِيْرِ وَرِجَالُهٗ رِجَالُ الصَّحِيْحِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سَلَمَةَ أَنَّهٗ قَالَ إِنْطَلَقْتُ مَعَ أَبِی إِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِسْلَامِ قَوْمِهٖ فَكَانَ فِيْمَا أَوْصَانَا لِيَؤُمَّكُمْ أَكْثَرُكُمْ قُرْآنًا فَكُنْتُ أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا فَقَدَّمُوْنِیْ . ❶

''یعنی قوم کی امامت اللہ کی کتاب (قرآن مجید) زیادہ پڑھنے والا کرے۔ امام محمد علی شوکانی نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ محدثین نے اقرأہم (زیادہ پڑھنے والا) کے متعدد معنی لکھے ہیں، بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جو بہترین طریقہ سے پڑھنے والا ہو۔ اگرچہ قرآن مجید کم ہی یاد ہو۔ اور بعض کے مطابق اس سے وہ شخص مراد ہے جو زیادہ قرآن کا حافظ ہو۔ اس مطلب کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو طبرانی کبیر میں ثقہ راویوں سے مروی ہے۔ عمرو بن سلمہ سے روایت ہے کہ جب میرے والد اپنی قوم کے اسلام لانے کی خبر لے کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں بھی اپنے والد کے ساتھ گیا تھا۔ آپ نے ہمیں کچھ وصیتیں فرمائی تھیں۔ منجملہ ایک وصیت یہ تھی کہ زیادہ قرآن والا امامت کرے، میں زیادہ قرآن جاننے والا تھا، انہوں نے مجھ کو امام بنالیا۔''

عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَؤُمَّنَّ إِمْرَأَةٌ رَجُلاً وَّلَا أَعْرَابِیٌّ مُّهَاجِرًا وَّلَا يَؤُمَّنَّ فَاجِرٌ مُّؤْمِناً إِلَّا أَنْ يَّقْهَرَ بِسُلْطَانٍ يَّخَافُ سَوْطَهٗ وَسَيْفَهٗ۔ ❷

''یعنی حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت مرد کی امامت نہ کرائے اور اعرابی مہاجر کی امامت نہ کرائے اور نہ فاجر مومن کی، مگر یہ کہ جبراً امام بن جائے، اپنے کوڑے اور تلوار کے بل بوتے پر، تو ایسی صورت میں مومن کو فاجر کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔''

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عالم کی موجودگی میں جاہل کو منصب امامت چھوڑ دینا چاہیے۔ کیونکہ وہ اس منصب کا اہل نہیں ہے۔

---

❶ اخرجه ايضا البخاری، ابوداؤد والنسائی۔

❷ رواہ ابن ماجه.

۳-اعراب کا خیال نہ کرنے والے کے متعلق شرعی حکم:

ایسا شخص سخت نافرمان ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شد، مد اور اعراب کا خاص خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

قَالَ قَتَادَةُ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ كَانَ يَمُدُّ مَدًّا۔ ❶

''جناب قتادہؒ تابعی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی قراءت کیسی ہوتی تھی؟ تو انہوں نے بتایا: مد کے ساتھ یعنی جس حرف کو لمبا کرنا چاہیے اس کو لمبا کرتے تھے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعراب، زبر، زیر، پیش، مد وغیرہ کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ورنہ معانی میں التباس اور خلل کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا ایسا امام جو اعراب کا خیال نہیں رکھتا، ایسے امام کو امامت کے منصب سے رضا کارانہ سبکدوش ہو جانا چاہیے۔ بصورت دیگر اسے امامت سے ہٹا دینا چاہیے، تاہم اگر کسی فتنہ کا خطرہ ہو تو مجبوری ہے۔



❶ باب مد القراءة، ج۱، ص۷۵٤.

کتاب الطهارة

جنبیہ عورت دودھ پلاسکتی ہے

سوال: کیا عورت غسل جنابت سے پہلے اپنے بیٹے کو دودھ پلاسکتی ہے؟

جواب: پلاسکتی ہے۔ جائز ہے۔ بلکہ کھانا پکاسکتی ہے۔ روزہ رکھ سکتی ہے۔ ہاں، جب تک جسم ٹھنڈا نہ ہو جائے دودھ پلانا مناسب نہیں، کیونکہ جماع کے فوراً بعد بدن گرم ہو جاتا ہے، لہٰذا جب تک پسینہ خشک نہ ہو جائے دودھ نہ پلایا جائے تاکہ بچے کی صحت خراب نہ ہو۔

کیا عورت ماہواری کے ایام میں درس وتدریس کرسکتی ہے؟

سوال: کیا کوئی عورت ماہواری کے دنوں میں مسجد میں آ کر درس وتدریس کرسکتی ہے؟

جواب: ۱۔ ماہواری کے ایام میں عورت کے لیے مسجد میں ٹھہرنا اور درس و تدریس کرنا جائز نہیں ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

قَالَتْ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَوُجُوْهُ بُيُوْتِ أَصْحَابِهٖ شَارِعَةٌ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ وَجِّهُوْا هٰذِهِ الْبُيُوْتَ عَنِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَصْنَعِ الْقَوْمُ شَيْئاً رِجَاءَ أَنْ يَنْزِلَ فِيْهِمْ رُخْصَةٌ فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ وَجِّهُوْا هٰذِهِ الْبُيُوْتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَإِنِّي لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَّلَا لِجُنُبٍ. ❶

''صحابہ کے گھروں کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے۔ آپ نے فرمایا: ان دروازوں کو مسجد سے پھیر لو۔ مگر صحابہؓ نے رخصت کی امید پر اس حکم پر عمل نہ کیا، پھر آپ نے دوبارہ فرمایا کہ اپنے گھروں کے دروازوں کو رخ پھیر لو، میں مسجد کو حائضہ عورت اور جنبی مرد کے لیے حلال نہیں کرسکتا، یعنی ماہواری والی عورت اور جنبی مرد کو مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رضي الله عنها قَالَتْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَرْحَةَ هٰذَا الْمَسْجِدِ فَنَادٰى بِأَعْلٰى صَوْتِهٖ أَنَّ الْمَسْجِدَ لَا يَحِلُّ لِحَائِضٍ وَّلَا لِجُنُبٍ. ❷

''رسول اللہ ﷺ مسجد کے آنگن میں تشریف لائے اور آواز بلند فرمایا کہ مسجد میں حائضہ اور جنبی کا قیام

---

❶ رواه أبو داؤد ۔ بحواله فقه السنة ج ۱ ص ۵۹۔ ❷ رواه ابن ماجة و الطبراني ۔ حواله أيضا.

حرام ہے۔ ہاں، گزر جائز ہے۔"

محقق عصر حاضر الشیخ السید محمد سابق مصری ارقام فرماتے ہیں:

وَالْحَدِيْثَانِ يَدُلَّانِ عَلَى عَدَمِ حِلِّ اللُّبْثِ فِي الْمَسْجِدِ وَ الْمَكْثِ فِيْهِ لِلْحَائِضِ وَالْجُنُبِ لٰكِنْ يُرَخَّصُ لَهُمَا فِي اجْتِيَازِهِ ۔يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا﴾ (سورۃ النساء: ۴۳)

"یہ دونوں احادیث اس کی دلیل ہیں کہ ماہواری والی عورت اور جنبی کے لیے مسجد میں قیام کرنا اور ٹھہرنا جائز نہیں۔ ہاں وہ دونوں مسجد میں سے گزر سکتے ہیں۔"

لہٰذا ان دونوں احادیث سے ثابت ہوا کہ حائضہ عورت کے لیے مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک حائضہ عورت اپنے گھر میں تلاوت نہیں کر سکتی۔ چہ جائیکہ وہ مسجد میں بیٹھ کر درس و تدریس کرے۔ واللہ اعلم



كتاب المساجد

قبلہ عین کعبہ یا جہت کعبہ؟

سوال: ہمارے گاؤں کی مسجدوں کا قبلہ کمپاس کے مطابق ۱۰۵ اور ۹۵ درجے کا ہے۔ جب کہ کمپاس پر ہمارے علاقہ کا درجہ ۱۲۰ پر ہے۔اس طرح ہماری مسجد کا قبلہ مغرب اور جنوب کے درمیان دکھائی دیتا ہے۔ ہمیں بتایا جائے کہ ہم موجودہ مساجد کے مطابق قبلہ رخ رکھ لیں یا ۱۲۰ درجہ پر رکھیں؟ (سائل: گاؤں کمرانہ تحصیل کھاریاں ضلع گجرات)

جواب: واضح ہو کہ قبلہ کی سمت متعین کرنے میں اہل مکہ اور غیر اہل مکہ کے حکم میں قدرے اختلاف ہے، یعنی تھوڑا سا حکم مختلف ہے۔ بیت اللہ کے مطابق اور اس کے گرد مسجد میں نماز پڑھنے والوں کے لیے وقت نماز عین کعبہ کی طرف نماز پڑھنا ممکن ہے، اس لیے ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ بالکل کعبہ کی صحیح سمت ہو کر نماز پڑھیں۔ مگر غیر اہل مکہ کے لیے خاص خانہ کعبہ کی طرف نماز میں رخ کرنا چونکہ ناممکن ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے غیر اہل مکہ کی سہولت کے پیش نظر کعبہ کے رخ میں فراخی کر کے ساری سمت کو قبلہ بنا دیا ہے۔ بالفاظ دیگر جن نمازی حضرات کو کعبہ شریف دکھائی دیتا ہو تو ان کے لیے بوقت نماز عین کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے مگر جن لوگوں کو کعبہ دکھائی نہ دیتا ہو ان کے لیے عین کعبہ کی طرف رخ کرنا مشکل ترین مسئلہ ہے، لہٰذا ان کے لیے یہی کافی ہے کہ بوقت نماز ان کا رخ جہت کعبہ کی طرف ہو۔ جمہور علماء سلف و خلف اور ائمہ اربعہ کا یہی مذہب اور فتویٰ ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾ (البقرة: ١٤٤)

''تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لے اور تم جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی طرف پھیرا کرو۔''

امام ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں یہ تصریح فرماتے ہیں کہ اگرچہ امام شافعی اور بعض دوسرے اہل علم کا موقف یہ ہے کہ عین کعبہ کی طرف رخ کرنا مقصود ہے۔ امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ قبلہ کی جہت کافی ہے، جیسا کہ امام حاکم نے روایت کی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شطر المسجد الحرام سے مراد مسجد کی طرف ہے عین کعبہ نہیں۔ [1]

سید احمد حسن محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں شطر کے معنی جہت قبلہ ہے۔ [2]

مفسر ابوبکر جابر الجزائری اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وُجُوْبُ إِسْتِقْبَالِ الْقِبْلَةِ فِي الصَّلٰوةِ وَ فِيْ أَيِّ مَكَانٍ كَانَ الْمُصَلِّيْ عَلَيْهِ أَنْ يَتَّجِهَ إِلٰى جِهَةِ

[1] تفسير ابن كثير: ج ١ ص ٢٠٠.
[2] تفسير احسن التفاسير: ج ١ ص ١٢٩.

مَكَّةَ. ●

''بوقت نماز قبلہ کی طرف منہ کرنا واجب ہے، لہٰذا نمازی جہاں بھی ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ نماز پڑھتے وقت مکہ کی طرف منہ کرے۔''

قرآن مجید کی اس آیت اور مفسرین کی تفسیر کے مطابق ثابت ہوا کہ مکہ سے دور بسنے والے نمازیوں پر بوقت نماز عین کعبہ کی طرف رخ کرنا فرض نہیں۔ان کے لیے جہت کعبہ ہی کفایت کرتی ہے۔احادیث رسول میں بھی یہی راہنمائی ملتی ہے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ۔ ●

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔''

وضاحت:

رسول اللہ ﷺ نے یہ مدینہ والوں کو فرمایا کیونکہ ان کا قبلہ جنوب کو پڑتا ہے تو مشرق اور مغرب کے درمیان جنوب ہوگا۔ اسی طرح ہم پاکستانیوں کا قبلہ مغرب کی طرف ہے تو یہ شمال اور جنوب کے درمیان پڑے گا۔مطلب یہ ہے کہ خاص خانہ کعبہ کی طرف نماز میں منہ کرنا چونکہ ناممکن ہے،اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس میں فراخی کر کے ساری سمت کو قبلہ بنا دیا۔

(افادات اسماعیل سلفی رحمہ اللہ)

امام شوکانی اس حدیث کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جو لوگ کعبہ شریف سے دور بستے ہیں ان کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ بوقت نماز اپنا منہ کعبہ کی طرف کر لیں۔عین کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض نہیں۔ ●

حضرت ابو ایوب الانصاریؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی بول و براز کرنے لگے تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرے اور نہ پیٹھ بلکہ وہ مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرے۔ ●

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح میں تصریح فرماتے ہیں کہ حدیث شَرِّقُوْا أَوْ غَرِّبُوْا یہ حکم اہل مدینہ کے لیے ہے کیونکہ اہل مدینہ کا قبلہ چونکہ جانب مشرق اور مغرب کے درمیان بجانب جنوب واقع ہے، لہٰذا بول و براز کے وقت ان کو مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اور اس حدیث کے مطابق اہل مشرق کا قبلہ چونکہ مغرب کی طرف پڑتا ہے، لہٰذا بول و براز کے وقت ان کو شمال یا جنوب کی طرف منہ کر کے بیٹھنا چاہیے۔فرماتے ہیں:

أَمَّا مَنْ كَانَ فِي الشَّرْقِ فَقِبْلَتُهُ فِيْ جِهَةِ الْمَغْرِبِ وَكَذٰلِكَ عَكْسُهُ. ●

---

❶ أيسر التفاسير: ج ۱ ص ۱۲۹۔

❷ ابن ماجه: باب القبلة ص ۲۱ و قال الترمذی هذا حديث (عن سعيد المقبری عن أبی هريرة) حسن صحيح۔ جامع الترمذی باب ما بين المشرق و المغرب قبلة ج ۱ ص ۴۵، ۴۶) رواه الحاكم ايضا و صححه الذهبی۔

❸ نيل الاوطار :باب حجة من رای فرض البعيد اصابة الجهة لا العين ج ۳ ص ۱۶۹ ۔

❹ صحيح البخاری: باب لا تستقبل القبلة الخ ج ۱ ص ۲۶۔

❺ فتح الباری شرح صحيح البخاری: ج ۱ ص ۳۹۶۔

کہ اہل مشرق کا قبلہ مغرب کی جہت میں ہے اور اہل مغرب کا قبلہ مشرق کی جہت میں ہے۔ اس صحیح حدیث یہ سے بھی ثابت ہوا کہ ہم پاکستانیوں کے لیے نماز کے وقت مغرب کی طرف رخ کرنا کافی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بیت اللہ قبلہ ہے مسجد حرام والوں کا اور مسجد حرام قبلہ اہل حرم کا اور حرم قبلہ ہے روئے زمین پر بسنے والے تمام مسلمانوں کا، خواہ وہ مشرق میں ہوں یا مغرب میں میری تمام امت کا قبلہ یہی ہے۔ ❶

سید احمد حسن دہلوی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں شطر کے معنی جہت کے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت ہے جس کا ماحاصل یہ ہے کہ خاص کعبہ مسجد حرام میں نماز پڑھنے والوں کا قبلہ ہے اور حد حرم کے اندر رہنے والوں کا قبلہ المسجد الحرام ہے اور جہت حرم سب روئے زمین کے رہنے والوں کا قبلہ ہے۔ بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس حدیث کی سند کو عمر بن حفص راوی کی وجہ سے ضعیف بتلایا ہے۔ لیکن یہ حدیث کئی سندوں سے روایت کی گئی ہے جس سے ایک سند کو دوسری سند سے قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لیے تین اماموں ابوحنیفہ، مالک اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے اپنے مذہب کا مدار اس حدیث پر رکھا ہے۔ ❷

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ روئے زمین کے مشرقی، مغربی، شمالی اور جنوبی مسلمانوں کے لیے حرم کی جہت ہی قبلہ ہے۔ عین کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری نہیں۔

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ایک باب یوں قائم فرمایا ہے:

بَابُ التَّوَجُّهِ إِلَى الْقِبْلَةِ حَيْثُ قَالَ أَبُوهُرَيْرَةَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَكَبِّرْ. ❸

''ہر مقام اور ہر ملک میں آدمی جہاں رہے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کعبہ کی طرف منہ کر اور تکبیر کہو۔''

علامہ وحید الزمانؒ اس حدیث کی شرح میں رقم طراز ہیں: امام احمد بن حنبل، امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا یہ قول ہے کہ جہت کعبہ کی طرف منہ کرنا کافی ہے۔ کیونکہ عین کعبہ کی طرف منہ کرنا دوسرے ملک والوں کے لیے بہت مشکل ہے، البتہ جن لوگوں کو کعبہ دکھائی دیتا ہے ان کو عین کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔ ❹

مسلک سلف وخلف:

امام ترمذی اپنی الجامع میں ارقام فرماتے ہیں کہ متعدد صحابہ جن میں حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں سے روایت ہے کہ مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے جن میں حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم

❶ رواه البيهقي و قال تفرد به عمر بن حفص وهو ضعيف، نيل الاوطار ج ٢ ص ١٦٩ و تفسير ابن كثير ج ١ ص ٢٠٦.

❷ احسن التفاسير: ج ١ ص ١٢٩.
❸ صحيح البخاري: ج ١ ص ٥٧.

❹ تيسير الباري: ج ١ ص ٢٩٨.

بھی شامل ہیں۔ ❶

امام ابن کثیر کے مطابق جناب ابو عالیہ، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، قتادہ اور ربیع بن انس وغیرہ تابعین کا بھی یہی قول ہے۔ ❷

امام ابن عبدالبر تصریح فرماتے ہیں:

وَهٰذَا صَحِيْحٌ لَا مَدْفَعَ لَهٗ وَلَا خِلَافَ بَيْنَ اَهْلِ الْعِلْمِ فِيْهِ. ❸

کہ قبلہ کی طرف رخ کرنے میں توسع ہے اور یہ ایسی صائب رائے ہے کہ اس کی تردید ممکن نہیں اور علماء کا اس میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں۔

ائمہ اربعہ کا مسلک:

اگرچہ اوپر ضمناً ائمہ اربعہ کا مسلک ذکر ہو چکا ہے۔ اب ذیل میں خود ان کے مذاہب کی مستند کتابوں کے حوالہ جات مع صفحات پیش کیے دیتا ہوں تا کہ کسی کو ہمارا مؤقف سمجھنے میں کسی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

فقہائے احناف کا مسلک:

فقیہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں کہ جو مسلمان شہر مکہ سے دور رہتا ہے تو نماز کے لیے اس پر صرف جہت کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے، عین قبلہ کی طرف نہیں اور یہی بات صحیح ہے۔ کیونکہ شرعی تکلیف (ذمہ داری) ہر شخص کی وسعت کے مطابق ہے۔ ❹

امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے، جب بیت اللہ کی طرف رخ کر لیا جائے۔ (مؤطا، باب القبلۃ) مگر یہ اہل مدینہ کے لیے ہے کیونکہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جنوب میں پڑتا ہے۔ لہٰذا اس فرمان کے مطابق اہل مشرق کا قبلہ شمال اور جنوب کے درمیان پڑے گا۔ مشرق والوں کا قبلہ مغرب میں اور مغرب والوں کا مشرق کی جہت میں پڑے گا۔ چنانچہ علامہ باجی مالکی تصریح فرماتے ہیں۔

وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ مَّكَّةَ فِي الْمَشْرِقِ أَوْ فِي الْمَغْرِبِ فَإِنَّ قِبْلَتَهُمْ مَا بَيْنَ الْجُنُوْبِ وَالشِّمَالِ. ❺

امام احمدؒ اور حنابلہ کا فیصلہ:

جو نمازی مکہ مکرمہ سے دور ہو اس کے لیے جہت کعبہ ہی کافی ہے، اس پر عین کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض نہیں۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ اگر اس کا رخ کعبہ سے تھوڑا سا ٹیڑھا بھی ہو جائے تو وہ نماز کا اعادہ نہ کرے۔ تاہم کعبہ کو اپنے وسط میں رکھنے کی

---

❶ جامع الترمذی: ج ۱ ص ٤٦۔ ❷ تفسیر ابن کثیر: ج ۱ ص ۲۰٦۔
❸ نیل الاوطار: ج ۲ ص ۱٦۹۔ ❹ ھدایہ اولین: ج ۱ ص ۹۷۔
❺ حاشیہ موطا: ص ۱۸۳۔

کوشش ضرور کرے۔امام ابوحنیفہؒ یہی فرماتے ہیں اور امام شافعیؒ کا ایک قول بھی ہمارے قول کے موافق ہے۔(مغنی : ۱/ ٤٥٧)

الشیخ سید محمد سابق مصری تصریح فرماتے ہیں :

اَلْمُشَاهِدُ لِلْكَعْبَةِ يَجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يَسْتَقْبِلَ عَيْنَهَا وَالَّذِيْ لَا يَسْتَطِيْعُ مُشَاهَدَتَهَا يَجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يَسْتَقْبِلَ جِهَتَهَا لِأَنَّ هٰذَا هُوَ الْمَقْدُوْرُ عَلَيْهِ وَلَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ إِلَّا وُسْعَهَا.

'' جو نمازی کعبہ کے سامنے ہو اس پر واجب ہے کہ وہ عین کعبہ کی طرف منہ کرے۔اور جسے کو کعبہ نظر نہ آ رہا ہو تو اس پر جہت کعبہ کی طرف منہ کرنا واجب ہے کیونکہ وہ عین کعبہ کی طرف منہ کرنے پر قادر نہیں اور اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔(فقه السنة : ١/ ١٠٩)

حضرت عبیداللہ رحمانی مبارک پوریؒ حدیث بین المشرق و المغرب قبلة کو حجت قاطع قرار دیتے ہوئے فیصلہ یوں کرتے ہیں:

فَالْحَدِيْثُ دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّ مَا بَيْنَ الْجِهَتَيْنِ قِبْلَةٌ وَأَنَّ الْجِهَةَ كَافِيَةٌ فِي الْاِسْتِقْبَالِ وَقَوْلُهُ تَعَالٰى ﴿حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ (البقرة:۱۴۴) يَدُلُّ عَلٰى كِفَايَةِ الْجِهَةِ إِذَا الْعَيْنُ فِيْ كُلِّ مَحَلٍّ تَتَعَذَّرُ عَلٰى كُلِّ مُصَلٍّ فَالْحَقُّ أَنَّ الْجِهَةَ كَافِيَةٌ لِمَنْ تَعَذَّرَ عَلَيْهِ الْعَيْنُ.[1]

'' یہ حدیث اس مسئلہ میں حجت اور دلیل ہے کہ دونوں جہتوں مشرق اور مغرب یا پھر جنوب و شمال کے درمیان قبلہ ہے اور استقبال قبلہ کے لیے جہت قبلہ ہی کافی ہے۔اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ''تم جہاں بھی ہو پھیر لو اپنے مونہوں کو قبلہ کی جہت'' جہت کے کافی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ہر ایک جگہ پر ہر ایک نمازی کے لیے عین قبلہ کی طرف منہ کرنا بڑا مشکل ہے۔پس حق بات یہی ہے کہ جس آدمی کے لیے عین کعبہ کی طرف منہ کرنا مشکل ہو تو اس کے لیے سمت قبلہ ہی کافی ہے۔''

قبلہ کی سمت متعین کرنے کا پرانا دیسی طریقہ

ہمارے شیخ حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ نے قبلہ کی سمت متعین کرنے کا طریقہ یہ بتلایا تھا کہ قطب ستارہ کے رخ پر دائیں سے بائیں طرف سو فٹ خط بنا لیجئے، پھر اس خط کے قطبی سرے سے دس فٹ خط اوپر کو کھینچ لیجئے۔ازاں بعد نیچے والے سو فٹ لمبے خط کے جنوبی سرے سے خط کھینچ کر اس خط کو جو دس فٹ کا خط ہے اس کے اوپر کے سرے سے ملا دیں۔اب اس میں ترچھے خط کی سمت قبلہ رخ ہو گی۔نقشہ یہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حرم مکہ سے باہر دور دراز کے ممالک کے مسلمانوں کے لیے چونکہ نماز میں عین قبلہ کی طرف منہ کرنا ناممکن اور مشکل ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس میں فراخی کر کے ساری سمت قبلہ بنا دیا ہے۔ان مذکورہ بالا آیات، احادیث صحیحہ،

---

[1] مرعاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح :باب المساجد فصل ثاني ص ٤٢٢ .

صحابہ وتابعین، فقہاء محدثین، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور ایک قول کے مطابق امام شافعی کی مذکورہ بالا تصریحات کے تحت ہمارے لیے مکہ مکرمہ کی طرف صرف رخ کر لینا ہی کافی ہے، خاص خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنا ضروری نہیں۔ لہٰذا آپ موجودہ مساجد کے مطابق اپنی مسجد کا رخ رکھ سکتے ہیں۔ یعنی ١٠٥ اور ١١٠ درجے کے درمیان کوئی ایک درجہ اختیار کر لیں۔ احتیاط اسی میں ہے۔ هذا ما عندي والله تعالیٰ اعلم بالصواب

منقش اور شیشہ کا محراب

سوال: مسجد کے محراب میں شیشے کے نقش و نگار بنے ہوئے ہیں، ان میں عکس دکھائی دیتے ہیں، وہاں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو شیشے اکھاڑنے چاہئیں یا لگے رہنے دیں؟

(سائل: محمد شاہ نواز کاہنہ نو، کاچھا روڈ محلہ وھپ سڑی فاروق آباد لاہور)

جواب: مسجد کی دیوار یا اس کے محراب میں شیشے نگاری اور مسجد کی دیواروں پر گلکاری اور پچکاری کرنا یا دیواروں پر منقش پردہ یا کپڑا لٹکانا جائز نہیں۔ کیونکہ تمام چیزیں نمازی کے خشوع وخضوع اور توجہ الی اللہ میں بہر حال خلل انداز ہوتی ہیں اور ایسے میں نماز اگرچہ ہو جائے گی مگر اس کی روح نکل جائے گی۔ اس لیے مسجد کی دیواریں اور محراب سادہ ہونے چاہئیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے دیوار پر لٹکے تصویر دار کپڑے کو اتروا دیا تھا اور فرمایا تھا کہ اس نے مجھے نماز میں غافل کر دیا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری باب إذا صلى في ثوب له أعلام و نظر إليها میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلّٰى فِيْ خَمِيْصَةٍ لَّهَا أَعْلَامٌ فنظرَ إِلٰى أَعْلَامِهَا نَظْرَةً فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ إِذْهَبُوْا بِخَمِيْصَتِيْ هٰذِهِ إِلٰى أَبِيْ جَهْمٍ وَأْتُوْنِيْ بِأَنْبِجَانِيَّةِ أَبِيْ جَهْمٍ فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِيْ اٰنِفاً عَنْ صَلٰوتِيْ۔ قَالَ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنْتُ أَنْظُرُ إِلٰى عَلَمِهَا وَأَنَا فِي الصَّلٰوةِ فَأَخَافُ أَنْ تَفْتِنَنِيْ. [1]

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک لوئی میں نماز پڑھی جس کو حاشیہ لگا ہوا تھا۔ آپ نے اس کے حاشیہ (کنی) پر ایک نظر ڈالی۔ جب نماز ادا فرما چکے تو فرمایا: یہ لوئی جا کر ابوجہم کو واپس کر دو اور ان کی سادہ لوئی (کڑھائی والی کنی کے بغیر) لے آؤ۔ اس کڑھائی والی لوئی نے ابھی مجھ کو نماز سے غافل کر دیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نماز میں اس کی بیل دیکھ رہا تھا۔ میں ڈرتا ہوں کہیں وہ نماز میں خرابی نہ ڈالے۔“

٢۔ عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه قَالَ كَانَ قِرَامٌ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا سَتَرَتْ بِهٖ جَانِبَ بَيْتِهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ أَمِيْطِيْ عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا فَإِنَّهٗ لَا تَزَالُ تَصَاوِيْرُهٗ تَعْرِضُ فِيْ صَلٰوتِيْ. [2]

---

[1] صحيح البخاري: ج١ ص٥٤.

[2] صحيح البخاري: باب إن صلى في ثوب مصلب أو تصاوير هل تفسد صلوته وما ينهى عن ذلك ج ١ ص ٥٤.

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک پردہ تھا جو انہوں نے اپنے گھر کی دیوار پر لٹکایا ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ نے (وہ پردہ دیکھ کر) فرمایا: یہ پردہ ہم سے دور کر دو (یعنی دیوار سے اتار دو) اس کی تصویریں برابر نماز میں میرے سامنے پھرتی رہتی ہیں۔

ان دونوں احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ نقش و نگار والے کپڑوں کو پہننا، گھر اور مسجد کی دیواروں کے ساتھ چپکانا اور لٹکانا جائز نہیں اور اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ مسجد کی دیواروں پر شیشے کے نقش و نگار بنانا اور گلکاری اور پچکاری کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ بیل بوٹے اور نقش و نگار نماز میں خلل انداز ہوتے ہیں اور نماز میں مطلوبہ خشوع و خضوع متاثر ہوتا ہے اور تعلق باللہ اور توجہ الی اللہ قائم نہیں رہتی: تاہم نماز فاسد نہیں ہوگی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی اس نماز کا اعادہ نہیں فرمایا اور نہ توڑا۔ اس سے ثابت ہوا کہ نماز تو ہوگئی مگر توجہ بٹ گئی، اس لیے بہتر یہ ہے کہ شیشے کے ان بیل بوٹوں اور نقش و نگار کو اکھاڑ دیا جائے، تقویٰ اور سلامتی اسی میں ہے۔ بصورت دیگر ان کو ڈھانپ دینا ضروری ہے ورنہ نماز کی روح متاثر ہوتی رہے گی۔ اور گناہ گاری بڑھتی رہے گی، اسی طرح ان سجادوں (جائے نمازوں) پر نماز پڑھنے سے گریز کرنا ضروری ہے جن پر بیت اللہ شریف اور روضہ رسول کے نقشے اور تصویریں بنادی گئی ہیں۔ یعنی ان مصلوں پر نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے۔ کیونکہ نقشے اور تصویریں بھی نماز میں خلل انداز ہوتی ہیں اور ان کی بے ادبی مزید براں ہے۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب

ایک مسجد میں دوبارہ جماعت کرانا جائز ہے

سوال: جب ایک مسجد میں نماز باجماعت پڑھی جا چکی ہو تو کیا اس مسجد میں وہ نماز دوبارہ باجماعت پڑھنی جائز ہے؟ یعنی اس مسجد میں اسی نماز کی دوبارہ جماعت جائز ہے؟ حدیث شریف میں سے ثبوت پیش کیا جانا چاہیے؟

(سائل: محمد شاہین سوہا بازار لاہور)

جواب: بلاشبہ دوبارہ جماعت جائز ہے۔ اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں، بلکہ آپ ﷺ نے اس کی ترغیب دلائی ہے۔ جامع ترمذی میں ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ وَقَدْ صَلَّى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَيُّكُمْ يَتَّجِرُ عَلَى هٰذَا فَقَامَ رَجُلٌ وَصَلَّى مَعَهُ۔ وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ وَأَبِي مُوْسٰى وَالْحَكَمِ ابْنِ عُمَيْرٍ قَالَ أَبُوْ عِيْسٰى وَ حَدِيْثُ أَبِي سَعِيْدٍ خُدَرِيِّ حَسَنٌ وَّهُوَقَوْلُ غَيْرِ وَاحِدٍ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ مِّنَ التَّابِعِيْنَ قَالُوْا لَا بَأْسَ أَنْ يُّصَلِّيَ الْقَوْمُ جَمَاعَةً فِي مَسْجِدٍ قَدْ صُلِّيَ فِيْهِ وَبِهٖ يَقُوْلُ أَحْمَدُ وَ إِسْحَاقُ۔ [1]

[1] جامع الترمذي مع تحفة الاحوذي باب ماجاء في الجماعة في مسجد قدصلى فيه مرة ج ١ ص ١٨٩، ١٩٠۔ ورواه ابوداؤد ج ١ ص ٢٢٤۔ و نيل الاوطار.

’’حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جماعت سے فراغت کے بعد ایک شخص مسجد میں داخل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون شخص اس کے لیے تجارت کرتا ہے کہ اس کے ساتھ نماز پڑھے۔ پس ایک شخص (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) اٹھے اور اس کے ساتھ باجماعت نماز پڑھی۔ ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں:

۲۔ عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدَرِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَصَرَ رَجُلًا يُصَلِّي وَحْدَهُ فَقَالَ أَلَا رَجُلٌ يَتَصَدَّقُ عَلٰى هٰذَا فَيُصَلِّيَ مَعَهُ. ❷

’’رسول اللہ ﷺ نے نماز باجماعت سے فراغت کے بعد ایک آدمی کو اکیلے نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ کوئی اس پر صدقہ کرتا ہے کہ اس کے ساتھ نماز پڑھ کر اس کے ثواب کو بڑھائے۔‘‘

حافظ عبدالرحمان محدث مبارک پوری اس حدیث کی تحسین وتوثیق کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

وَأَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَ أَبُوْدَاؤُدَ وَسَكَتَ عَنْهُ وَنَقَلَ الْمُنْذَرِيُّ تَحْسِيْنَ التِّرْمِذِيِّ وَ أَقَرَّهُ وَأَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ وَقَالَ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ مُسْلِمٍ وَأَخْرَجَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ فِيْ صَحِيْحَيْهِمَا وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ رِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيْحِ. ❷

’’اس حدیث کو امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس پر سکوت کیا ہے۔ امام احمد نے بھی اس کو روایت کیا ہے اور امام منذری نے امام کی تحسین کو تسلیم کیا ہے۔ امام حاکم نے اس کو صحیح علی شرط مسلم کہا ہے، امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان دونوں نے اس حدیث کو اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ حدیث حسن یعنی حجت اور دلیل ہے کہ جب مسجد میں ایک دفعہ جماعت ہو چکی ہو تو اسی مسجد میں اسی نماز کی جماعت دوبارہ کرانا جائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت انس رضی اللہ عنہ وغیرہ کبار صحابہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔ امام احمد، امام اسحاق جیسے فقہاء کا یہی قول ہے۔ منع کے لیے کوئی صحیح یا حسن حدیث مروی نہیں۔

وَمَنْ يَدَّعِي فَعَلَيْهِ الْبَيَانُ بِالْبُرْهَانِ ـ لَعَلَّ فِيْهِ الْكِفَايَةَ لِمَنْ لَهُ اَدْنٰى الدِّرَايَةِ۔ والله تعالىٰ اعلم بالصواب

مسجد کی بالائی منزل پر لڑکیوں کا مدرسہ

سوال: کیا مسجد کی بالائی منزل پر لڑکیوں کا مدرسہ قائم کیا جا سکتا ہے جبکہ اس منزل پر جمعہ کی نماز بھی ادا ہوتی ہے؟

جواب: مسجد کی بالائی منزل بھی مسجد کے حکم میں ہے، لہٰذا جس طرح مسجد کی نچلی اور پہلی منزل میں لڑکیوں کا مدرسہ قائم کرنا جائز نہیں، اسی طرح مسجد کی بالائی منزل پر بھی لڑکیوں کا مدرسہ بنانا جائز نہیں۔ بالائی منزل کے مسجد ہونے کی دلیل یہ ہے:

وَصَلّٰى أَبُوْ هُرَيْرَةَ عَلٰى ظَهْرِ الْمَسْجِدِ بِصَلٰوةِ الْإِمَامِ۔ ❸

---

❶ عون المعبود: باب في الجمع في المسجد مرتين ج ١ ص ٢٢٤۔ ❷ تحفة الاحوذي: ج ١ ص ١٩٠۔

❸ أخرجه ابن أبي شيبة وسعيد بن منصور وذكره البخاري تعليقا۔ صحيح البخاري: باب الصلوة في السطوح والمنبر ج ١ ص ٥٤، ٥٥۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مسجد کی چھت پر نماز پڑھی امام کی اقتدا جب کہ امام نچلی منزل میں نماز پڑھا رہا تھا۔"
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد کی بالائی منزل بھی مسجد ہی ہے۔ لہٰذا لڑکیوں کے مدرسہ کے لیے اس کو استعمال کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب!

مرکزی مسجد کے مقابلہ میں ایک نئی مسجد کا حکم

سوال: گاؤں میں ایک مرکزی مسجد ہے جس میں عرصہ دراز سے پورے گاؤں والے جمعہ و جماعت پڑھتے چلے آ رہے ہیں، اب برادری کے اختلاف کی وجہ سے نئی مسجد تعمیر ہو گئی ہے، کیا اس میں جمعہ و جماعت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟
نوٹ: مرکزی مسجد کے سامنے سے گزر کر نئی مسجد میں جاتے ہیں نئی مسجد تقریباً ۱۰۰ گز کے فاصلے پر ہے۔
سائل: حکیم حافظ خبیب حسن بھٹی الحافظ دواخانہ پل بازار منڈی احمد آباد)
جواب: دوسری مسجد اگر شرعی ضرورت کے بغیر محض ضد اور برادری کے اختلاف کے پیش نظر تعمیر کی گئی ہے یا پہلی مرکزی مسجد کی رونق ختم کرنے کی غرض بنائی گئی ہے تو اس میں نماز پڑھنی جائز نہیں۔ لہٰذا اس مسجد کو دینی مدرسہ میں تبدیل کر دینا چاہیے۔ یہی احوط اور اسلم امر ہے۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب!

نمازی مسجد میں جوتا کہاں رکھے؟

سوال: نمازی مسجد میں جوتا کہاں رکھے؟ (سائل۔ ارشد شاہ نبی پور ضلع شیخوپورہ)
جواب: نمازی اپنی بائیں جانب جوتا رکھ سکتا ہے، بشرطیکہ اس کی بائیں جانب کوئی دوسرا آدمی شریک نماز نہ ہو۔ اسی طرح اپنے قبلہ کی جانب بھی جوتا رکھنا جائز نہیں۔ ہاں، اگر جوتا نیا اور بالکل پاک اور ستھرا ہو تو آگے رکھ لینے میں کوئی قباحت بھی معلوم نہیں ہوتی۔

۱۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى يَوْمَ الْفَتْحِ فَجَعَلَ نَعْلَيْهِ عَنْ يَسَارِهِ.

"رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن نماز پڑھتے وقت اپنا جوتا اپنی بائیں جانب رکھا تھا۔" [1]

۲۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْزِمْ نَعْلَيْكَ قَدَمَيْكَ فَإِنْ خَلَعْتَ فَاجْعَلْهُمَا بَيْنَ رِجْلَيْكَ وَلاَ تَجْعَلْهُمَا عَنْ يَمِيْنِكَ وَلَا عَنْ يَمِيْنِ صَاحِبِكَ وَلاَ وَرَائِكَ فَتُؤْذِيَ مَنْ خَلْفَكَ. [2]

---

[1] سنن ابن ماجه منتقى ۴۳۷۔ [2] سنن ابن ماجه باب ماجاء أين توضع النعل إذا خلعت في صلاتك ص ۴۳۷۔

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنا جوتا اپنے پاؤں میں رکھو اگر اتارو تو اپنے قدموں کے درمیان رکھو۔ اپنی اور اپنے ساتھی کے دائیں جانب نہ رکھو اور اپنے پیچھے بھی نہ رکھو کیونکہ اس طرح پچھلے آدمی کو تکلیف ہوگی۔''

مدرسہ کی چھت پر رہائش گاہ کا حکم

سوال: اگر کوئی شخص نیچے مدرسہ اور اوپر اپنی رہائش گاہ بنانا چاہے تو کیا وہ ایسا کرسکتا ہے؟ (ع،م غازی آباد لاہور)

جواب: اگر مدرسہ کی جگہ اس کی اپنی ملکیت ہے اور وقف للہ نہیں تو پھر وہ مدرسہ کے اوپر اپنی رہائش رکھ سکتا ہے۔ کیونکہ مسجد اور مدرسہ کا حکم جدا جدا ہے۔ مسجد نیچے سے اوپر پوری خلا تک، یعنی آسمان دنیا تک مسجد ہے، لہٰذا مسجد کے اوپر رہائش رکھنی ہرگز جائز نہیں۔ مزید برآں اگر مدرسہ کے پلاٹ میں یا مدرسہ کی عمارت کے اوپر اساتذہ اور ناظم مدرسہ کی رہائش کے لیے مکانات تعمیر کیے گئے ہوں تو ان میں رہائش جائز ہے۔

کیا مدرسہ کا مدرس یا ناظم مدرسہ کی کوئی چیز اپنے استعمال میں لاسکتا ہے؟

سوال: اگر مدرسہ کی کوئی چیز ہے تو مدرسہ کا کام کرنے والا مدرسے کی اس چیز کو اپنے استعمال میں لاسکتا ہے؟
(ع،م مدرسہ للبنات غازی آباد لاہور)

جواب: مدرسہ کا کام کرنے والا بوقت ضرورت مدرسہ کی مد سے تنخواہ لے سکتا ہے اور اس تنخواہ کا اس کو مدرسہ کے حساب و کتاب کے رجسٹر میں باقاعدہ پوری دیانت کے ساتھ اندراج کرنا چاہیے۔ ایسے مدرسے کی کوئی چیز اس کو اپنے تصرف میں لانا شرعاً جائز نہیں۔ کیونکہ وہ وقف للہ مال ہوتا ہے۔ جس میں خیانت کرنا ہرگز جائز نہیں، اس چیز کے استعمال پر اس کا پورا کرایہ یا قیمت مدرسہ میں جمع کرانی چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مسجد میں جھگڑا کرنا اور دنیاوی باتیں باآواز بلند کرنا

سوال: مسجد میں جھگڑا کرنا اور دنیاوی باتیں باآواز بلند کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب: مسجد میں شور وغوغا کرنا اور باآواز بلند دنیوی باتیں کرنا اور اسی طرح گم شدہ کا اعلان کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث مروی ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَمِعَ رَجُلاً يَنْشِدُ ضَالَّةً فِيْ الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا. [1]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی ایسے آدمی کو سنے جو مسجد میں گم شدہ چیزوں کا اعلان کر رہا ہے تو اس کے

---

[1] باب النهي عن نشد الضالة في المسجد ص ۲۱۰ ج ۱۔

جواب میں کہے کہ اللہ تجھ پر تیری چیز نہ لوٹائے (یعنی اللہ کرے نہ ملے) کیونکہ مسجدیں گم شدہ چیزوں کی تلاش کے لیے نہیں بنائی گئیں۔"

دوسری حدیث میں ہے:

لَا وَجَدْتَهُ إِنَّمَا بُنِيَتِ الْمَسَاجِدُ لِمَا بُنِيَتْ لَهُ .

"تو یہ چیز نہ پائے، مسجدیں جن فوائد کے لیے بنائی گئی ہیں انہی کے لیے ہیں۔"

امام نووی اس حدیث کی شرح میں تصریح فرماتے ہیں:

إِنَّمَا بُنِيَتِ الْمَسَاجِدُ لِمَا بُنِيَتْ لَهُ کا معنی یہ ہے کہ مسجدیں تو اللہ تعالیٰ کا ذکر، نماز، مذاکرہ علمیہ اور خیر کے کاموں کے لیے بنائی گئی ہیں۔ (نووی: ج۱ ص ۲۱۰)

امام مالکؒ اور علماء کی جماعت کے نزدیک علم کی بات بھی بلند آواز سے کرنا مکروہ ہے۔ جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمد بن مسلمہ مالکیؒ کے نزدیک مسجد میں علم کی بات اور اسی طرح دنیا کی ضروری بات بلند آواز سے کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (نووی ج ۱ ص ۲۱۰)

حضرت سائب کہتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا کسی نے مجھے کنکری ماری، دیکھا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے اور فرمایا ان دونوں آدمیوں کو میرے پاس لاؤ، میں ان دونوں کو لے آیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے پوچھا کہ کہاں کے رہنے والے ہو؟ تو انہوں نے کہا ہم طائف کے باشندے ہیں، فرمایا: اگر تم مدینہ منورہ کے شہری ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا کہ تم مسجد رسول ﷺ میں باآواز بلند بول رہے تھے۔ [1]

سید احمد حسن محدث دہلوی اس حدیث کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں کہ امام بخاری بَابُ رَفْعِ الصَّوْتِ فِي الْمَسْجِدِ میں اس حدیث کے بعد دوسرے مقام پر بَاب تَقَاضِی الدَّيْنِ وَرَفْعِ الْأَصْوَاتِ فِي الْمَسَاجِدِ میں حدیث لائے ہیں جس میں عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ نے قرض کی واپسی کا مطالبہ کیا جس پر دونوں اونچا بولنے لگ گئے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو منع نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں باآواز بلند بات کرنا جائز ہے: جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ممانعت پر مبنی ہے۔ امام بخاریؒ کے اس طرز عمل میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسجد میں بے کار اور فضول باتوں میں باآواز بلند بات کرنا منع ہے مگر خیر اور منفعت بخش بات میں آواز بلند ہو تو اس کی گنجائش ہے۔ بہر حال مسجد میں بے کار دنیوی باتیں کرنا شور ڈالنا' خطبات اور وعظوں میں نعرہ بازی کرنا خطباء کی خوشامد میں زندہ باد زندہ باد جیسے غیر شرعی جملے کہنا' تصویریں اتارنا، جیسا کہ رواج چل نکلا ہے بہر حال منع' ناجائز اور بدعت سیئہ ہے۔ واللہ الهادی و بیدہ التوفیق .

مال زکوٰۃ سے خرید شدہ پلاٹ پر مسجد کی جگہ مکان نہیں بنایا جا سکتا

سوال: پلاٹ رقبہ اس غرض سے خریدا تھا کہ یہاں مدرسہ بنے گا' یہاں بچے تعلیم حاصل کریں گے اور ضرورت پڑنے پر

[1] رواہ البخاری' مشکوۃ مع تنقیح الرواۃ: ج ۱ ص ۱۳۳.

عید بھی پڑھی جائے گی اور جلسہ وغیرہ بھی ہو جائے گا، یہ پلاٹ زکوٰۃ کی رقم سے خریدا تھا جو اس پر عمارت تعمیر ہوئی وہ کثرت سے زکوٰۃ کی رقم سے بنی۔ قربانی کے مویشیوں کو فروخت کر کے وہ رقم بھی اس پر لگی۔ کیا اب اس کو گرا کر مسجد تعمیر ہو سکتی ہے؟ اس کا فیصلہ قرآن وسنت کی رو سے وضاحت سے کریں۔ یہ مدرسہ یا جگہ پاکستان میں ہو یا بیرون ملک کیا سب کے لیے یکساں مسئلہ ہے؟ (سائل مہتمم حاجی محمد ابراہیم)

جواب: مذکورہ پلاٹ چونکہ مال زکوٰۃ وغیرہ سے خرید کیا گیا اور اس کی تعمیر بھی اسی مد سے ہوئی اس لیے یہاں مسجد تعمیر نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ مسجد سے تو اغنیاء بھی مستفید ہوتے ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق نہیں، اگرچہ بعض اہل علم مسجد کو فی سبیل اللہ کے تحت داخل کر کے جواز کے قائل ہیں۔ لیکن یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی فی سبیل اللہ کا مفہوم اگر اتنا عام ہوتا تو اس میں دیگر مصارف بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ سنن ابوداؤد وغیرہ میں مروی روایات کی بنا پر علماء کے ایک گروہ نے صرف فی سبیل اللہ کو جہاد اور حج عمرہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ ہاں، البتہ اگر اس مقام پر مسجد بنانی ناگزیر ہو تو اس عمارت کی قیمت لگا کر اس قیمت سے مدرسہ کسی دوسری جگہ تعمیر کیا جائے اور اس جگہ پر مسجد تعمیر کر لی جائے یا اس رقم کو مستحقین زکوٰۃ پر تقسیم کر جائے۔ یہ عمارت اندرون ملک ہو یا بیرون ملک، سب کا حکم ایک جیسا ہے کیونکہ مکان وزمان کی تبدیلی سے شریعت میں نسخ نہیں ہوتا۔

قربانی کی کھالوں سے مسجد کا لاؤڈ اسپیکر خریدنا جائز نہیں

سوال: احوال آنکہ ہمارے گاؤں کی مسجد میں لاؤڈ سپیکر نہیں تھا۔ امام مسجد صاحب نے تجویز پیش کی کہ قربانی کھالیں جمع کر کے اور ان کو فروخت کر کے لاؤڈ سپیکر مسجد کے لئے خرید لیا جائے۔

مقتدیوں نے جواباً عرض کیا اس مسئلہ کے بارے میں تحقیق کرائی جائے کہ آیا قربانی کی کھالیں مسجد پر یا مسجد کے کسی دوسرے کام پر لگائی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ امام مسجد صاحب نے فرمایا کہ میں نے اس مسئلے کے متعلق فتویٰ حاصل کیا ہے۔ قربانی کی کھالیں جمع کر لی گئیں اور ان کا نیلام عام کیا گیا جو رقم موصول ہوئی اس سے مسجد کے لئے لاؤڈ سپیکر خرید لیا گیا اور بقیہ رقم بھی مسجد کے تصرف میں لگائی گئی۔ مندرجہ بالا تحریر کی بنا پر جناب والا اس مسئلہ کے بارے میں کتاب وسنت کی روشنی میں مدلل اور وضاحت سے تحریر فرمائیں۔ ضروری گزارش ہے۔ (سائل محمد یوسف)

جواب: واضح ہو کہ قربانی کے چمڑے بوجوہ مسجد کی تعمیر اور اس کے متعلقہ سامان کی فراہمی میں نہیں لگ سکتے۔ اول یہ کہ یہ خاص مساکین یتامیٰ اور دراصل دوسرے نادار لوگوں کا حق ہے، یعنی قربانی کے چمڑوں کا مصرف صرف یہی لوگ ہیں۔ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَهُ اَنْ يَّقُوْمَ عَلٰى بُدْنِهٖ وَاَمَرَهُ اَنْ يَّقْسِمَ بُدْنَهٗ كُلَّهَا لُحُوْمَهَا وَجُلُوْدَهَا وَجِلَالَهَا فِي الْمَسَاكِيْنَ وَلَا يُعْطِيْ فِيْ جِزَارَتِهَا مِنْهَا شَيْئًا۔ ❶

❶ متفق صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۳۲ علیه.

''حضرت علی کہتے ہیں کہ مجھے نبی ﷺ نے حکم دیا کہ میں آپ ﷺ کے قربانی کے اونٹوں کی حفاظت کروں' ان کا گوشت' ان کی کھالیں اور ان کے جھول پالان مسکینوں میں تقسیم کردوں اور قصابوں کو اس میں اجرت نہ دوں۔

قَالَ فِیْ سُبُلِ السَّلَامِ دَلَّ الْحَدِیْثُ عَلٰی اَنَّهٗ یَتَصَدَّقُ بِالْجُلُوْدِ وَالْجِلَالِ الخ . ❶

اس حدیث میں دلیل ہے کہ قربانی کے جانور کا چمڑا جھول وغیرہ بھی صدقہ کر دیا جائے۔

نووی لکھتے ہیں:

وَفِیْ هٰذَا الْحَدِیْثِ فَوَائِدُ کَثِیْرَةٌ مِنْهَا اَنَّهٗ یَتَصَدَّقُ بِلُحُوْمِهَا وَجُلُوْدِهَا وَجِلَالِهَا اَنْ لَّا یُعْطِی الْجَزَّارُ مِنْهَا لِاَنَّ عَطِیَّةَ عِوَضٌ عَنْ عَمَلِهٖ فَیَکُوْنُ مَعْنٰی بَیْعِ جُزْءٍ مِنْهَا وَذَالِكَ لَایَجُوْزُ . (ص ٤٢٣)

اس حدیث میں بہت سے فوائد ہیں: ایک یہ ہے کہ قربانیوں کے گوشت' چمڑے اور پالان صدقہ کر دیے جائیں اور قربانی کا کوئی حصہ جزارت میں نہ دیا جائے کیوں کہ یہ قربانی کی بیع کے حکم میں ہے جو کہ جائز نہیں۔

ثانی یہ کہ قربانی کی کھال بیچنا منع ہے بلکہ حکم یہ ہے کہ چمڑا ہی مستحق کو دے دیا جائے۔ چنانچہ یہی امر نص حدیث ثابت ہے۔ مسند احمد میں ہے: وَاسْتَمْتِعُوْا بِجُلُوْدِهَا وَلَا تَبِیْعُوْهَا ''یعنی اس کے چمڑے سے خود فائدہ تو اٹھا سکتے ہو، مگر بیچ نہیں سکتے۔''

سنن الکبریٰ للبیہقی میں ہے آپ نے فرمایا مَنْ بَاعَ جِلْدَ اَضْحِیَتِهٖ فلا اُضْحِیَةَ له . (فتاویٰ نذیریہ ص) ''جس نے قربانی کا چمڑا بیچا اس کی قربانی نہیں ہوئی۔'' ❷

صاحب السبل کہتے ہیں:

حُکْمُ الْاَضْحِیَةِ حُکْمُ الْهَدْیِ فِیْ اَنَّهٗ لَا یُبَاعُ لَحْمُهَا وَلَا جِلْدُهَا وَاَنَّهٗ لَا یُعْطَی الْجَزَّارُ مِنْهَا شَیْئًا اُجْرَةً . ❸

''یعنی اضحیہ کا حکم ہدی کا سا ہے کہ ان کا گوشت اور چمڑے بیچے نہیں جا سکتے اور نہ ہی قصاب کو مزدوری میں دیے جا سکتے ہیں۔''

ان احادیث سے معلوم ہوا: مسجد یا اس کا متعلقہ سامان لاؤڈ سپیکر وغیرہ قربانی کی کھالوں کا مصرف ہرگز نہیں ہیں' قربانی کی کھالیں صرف فقراء' یتامیٰ اور دوسرے مستحقین کا حق ہے۔ بہتر تو یہی ہے کھال ہی مستحقین کے سپرد کر دی جائے، تاہم فقراء و مساکین کی بہتری کے پیش نظر کھالیں فروخت کر کے ان کی قیمت فقراء' مساکین میں تقسیم کی جا سکتی ہے، مگر پیسے وہی ہوں' تبدیل نہ کیے جائیں۔ فتاویٰ روپڑیہ (ص ۴۳۵ ج ۲) کے مطابق حضرت محدث روپڑی اور فتاوی ثنائیہ (ص ۲۶ے ج ۱ اور ص ۲۲ے ج ۱) کے مطابق شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری اور فتاویٰ نذیریہ (ص ۲۴۱ ج ۳) کے مطابق حضرت شیخ الکل میاں نذیر

❶ سبیل السلام ج ۳ ص ۹۵ . ❷ فتاوی نذیریہ ص ۲٤۱ ج۳. ❸ سبیل السلام ج ۳ ص ۹۵.

حسین کا بھی یہی فتویٰ ہے اور اس ہیچ مرد کی رائے بھی یہی ہے۔ لہٰذا ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ کے پیش نظر لاؤڈ سپیکر کو فروخت کر کے اس کی قیمت اور مسجد کو دی گئی بقایا رقم، یعنی کھالوں کی ساری رقم فقراء میں تقسیم کر دینا ضروری امر ہے ورنہ قربانیاں اکارت جائیں گی۔ واللہ اعلم

راجح مصلحت کے تحت مسجد کی جگہ تبدیل کرنا جائز ہے

﴿سوال﴾: کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ ایک آدمی نے کچھ جگہ مسجد کے لیے وقف کر دی، لیکن اس جگہ پر آبادی نہیں ہے اور نہ ہی جلدی آبادی ہونے کی توقع ہے۔ وہ اس جگہ پر مسجد بنانے کو موجود حالت میں مناسب نہیں سمجھتے۔ کیا وہ وقف شدہ جگہ فروخت کر کے کسی آبادی والی جگہ جہاں پر مسجد کی ضرورت ہے ''وہاں جگہ خرید سکتے ہیں یا مسجد کی تعمیر پر لگا سکتے ہیں۔ قرآن وسنت کی روشنی میں دلائل کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں۔ (سائل: محمد طارق جاوید رچنا ٹاؤن فیروز والا)

﴿جواب﴾: اگر واقعی صورت حال وہی ہے جو سوال نامہ میں مرقوم ہے تو اس وقف میں مفید تبدیلی کی شرعاً اجازت اور گنجائش ہے۔ ورنہ کسی قسم کی تبدیلی ہرگز جائز نہیں، کیونکہ مسجد وقف کی قسم ہے اور وقف عقد لازم ہے۔ یہ تبدیل نہیں ہوسکتا حدیث میں ہے أَنَّهُ لَايُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ وَلَا يُورَثُ یعنی وقف نہ فروخت کیا جا سکتا ہے، نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے اور نہ وراثت میں لیا جاسکتا ہے، اس بنا پر مسجد کے لیے وقف پلاٹ مسجد ہی کے لیے رہے گا۔ لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ اس پلاٹ سے فائدہ اٹھانے کی صورت کیا ہے، اگر یہاں مسجد بنائی جاسکتی ہے تو مسجد ہی تعمیر کرنی ہوگی۔ ہاں اگر وہاں مسجد بنانے کی کوئی صورت نہیں۔ یا یہاں مسجد کی ضرورت ہی نہیں یا وہاں نماز ہی نہیں اور نماز کے لیے دوسری مسجد موجود ہے یا کوئی اور شرعی وجہ ہے تو اس مسجد کو کسی اور وقف میں تبدیل کیا جاسکتا ہے جس سے دوسری مسجد کو فائدہ پہنچے، مثلاً: یہ جگہ کرایہ پر یا ٹھیکہ پر دے دی جائے یا اس میں کھیتی باڑی کی جائے یا پھر فروخت کر کے اس کی قیمت سے کسی ایسی جگہ مسجد تعمیر کر دی جائے جہاں مسجد کی ضرورت ہو یا درس وتدریس وغیرہ کسی نیک مصرف پر صرف کر دی جائے۔ بہرصورت جو چیز للہ وقف ہو چکی حتی الوسع جیسے بھی ممکن ہو اس کو اسی راہ میں صرف کرنا چاہیے۔ ضائع نہ ہونے پائے بالآخر وہاں قبرستان بھی بنایا جاسکتا ہے۔ یہ بھی مسلمانوں کے عام فائدہ کی چیز ہے۔ صحیح مسلم ونیل الاوطار میں ہے:

عن عائشة انها قالت سمعت رسول الله ﷺ يقول لولا ان قومك حديث عهد بجاهلية او قاص بكفر لانفقت كنز الكعبة في سبيل الله ولجعلت بابها بالارض ولا دخلت فيها من الحجر. ❶

ام المومنین عائشہ صدیقہ ؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا آپ نے فرمایا کہ اگر تمہاری قوم نئی نئی جاہلیت کو نہ چھوڑے ہوتی یا کفر کو تو میں کعبہ کا خزانہ اللہ کی راہ میں صرف کر دیتا (یعنی جہاد میں) اور اس کا دروازہ زمین کی سطح کے برابر بنا دیتا اور حطیم کو کعبہ میں شامل کر دیتا۔

❶ صحيح مسلم باب لنقض الكعبة ج١ ص ٤٢٩ و نيل الاوطار ج٦ ص ٣١.

بیت اللہ کے خزانے سے وہ مال مراد ہے جو لوگ بیت اللہ کی خاطر نذر کرتے تھے۔ جیسے مسجد میں لوگ دیتے ہیں۔ یہ خزانہ بیت اللہ میں یوں ہی مدفون پڑا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب دیکھا کہ یہ بیت اللہ کی ضرورت سے فاضل ہے تو اس کو فی سبیل اللہ خرچ کر دینا مناسب سمجھا لیکن اہل مکہ چونکہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ بدظن نہ ہو جائیں۔ اس لیے اسے جوں کا توں چھوڑ دیا۔ آپ کے اس ارادہ سے ثابت ہوا کہ جب کوئی وقف ضائع ہوتا نظر آئے تو اس کی کوئی ایسی صورت بنا لینی چاہیے جس سے وہ ضائع نہ ہو پائے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ تصریح فرماتے ہیں:

وَالْمَسْجِدُ اِذَا خَخْرِبَ مَا حَوْلَهُ فَيَنْتَقِلُ اِلٰى مَكَانٍ آخَرَ اَوْ يُبَاعُ وَيُشْتَرٰى بِثَمَنِهٖ مَا يَقُوْمُ مَقَامَهٗ۔ ❶

"جب مسجد کے اردگرد ویرانہ ہو جائے تو اسے دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے گا یا وہ بیچ دیا جائے گی اور اس کی قیمت سے اس کے قائم مقام کچھ اور خرید لیا جائے گا۔"

مزید لکھتے ہیں:

وَاحْتَجَّ اَحْمَدُ بِاَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ نَقَلَ مَسْجِدَ الْكُوْفَةِ الْقَدِيْمِ اِلٰى مَكَانٍ آخَرَ وَصَارَ الْاَوَّلُ سُوْقًا لِلتَّمَارِيْنَ فَهٰذَا اَبْدَالُ لِعَرْصَةِ الْمَسْجِدِ وَاَمَّا اِبْدَالُ بَنَائِهٖ بِبِنَاءٍ آخَرَ فَاِنَّ عُمَرَ وَعُثْمَانَ رضی اللہ عنہما بَنَيَا مَسْجِدَ النَّبِيِّ ﷺ عَلٰى بَنَاءِ الْاَوَّلِ. ❷

"احمد نے استدلال کیا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے قدیم مسجد کوفہ دوسری جگہ منتقل کی اور پہلی جگہ کھجور منڈی بن گئی یہ (مثال) مسجد کی زمین بدلنے کی ہے اور مسجد کی عمارت بدلنے کی مثال یہ ہے کہ عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما نے مسجد نبوی کی عمارت تبدیل کی قدیم بنیادوں پر۔"

وَلَوْ خَرِبَ الْمَسْجِدُ وَمَا حَوْلَهٗ وَ تَفَرَّقَ النَّاسُ لَا يَعُوْدُ اِلَى الْمِلْكِ وَالْوَاقِفَ عِنْدَ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَاَبِيْ يُوْسُفَ فَيُبَاعُ بِاِذْنِ الْقَاضِ وَيُصَرَّفُ ثَمَنُهٗ اِلٰى بَعْضِ الْمَسْجِدِ. ❸

"اگر مسجد اور اردگرد ویران ہو جائے اور لوگ منتشر ہو جائیں تو ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک وقف کرنے والے کی ملکیت نہیں بن جائے گی بلکہ قاضی کی اجازت سے بیچ دی جائے گی اور دیگر مساجد پر اس کی قیمت خرچ کر دی جائے گی۔"

خلاصۂ بحث یہ کہ مذکورہ بالا حدیث اور فقہی فتاویٰ کی روشنی میں مسئولہ وقف شدہ پلاٹ فروخت کر کے اس کی قیمت سے دوسری ضرورت والی جگہ میں مسجد تعمیر کر لینی بلاشبہ شرعاً جائز ہے یا پھر اس کی قیمت کو کسی دوسری ضرورت مند مسجد پر صرف کر سکتے ہیں اور وقف خواہ ذنی ہو یا قانونی ہو دونوں قسم کا وقف، شرعاً وقف ہی ہے کیونکہ اصل نیت ہے اور مقصود رضا الٰہی ہے۔

هذا ما عندي والله تعالیٰ اعلم بالصواب

❶ فقه السنة ج٣ ص٣٨٦۔ ❷ فقه السنة ج٣ ص٣٨٦۔ ❸ رد المحتار ج٣ ص٣٨٣۔

کتاب الاذان والاقامه

سوال: کیا مؤذن لمبی اذان کہہ سکتا ہے؟(سائل: محمد ندیم عاصم چک 58/4-R تحصیل ہارون آباد)

جواب: مناسب مقدار میں تکبیر کے مقابلہ میں لمبی اذان کہنے کی اجازت ہے مگر بے تحاشا لمبی اذان بھی مناسب نہیں، اس سے اذان کا جواب دینے والے اکتا کر جواب دینا چھوڑ دیتے ہیں اور اذان کے ثواب سے محروم رہ جاتے ہیں، جس کی ذمہ داری ایسے متکلف مؤذن پر عائد ہوتی ہے جو بلاوجہ اذان پر پانچ سے دس منٹ تک لگا دیتے ہیں۔ دوسری بات کہ اذان کے کلمات کے حروف بدل جاتے ہیں جس کی وجہ سے الفاظ میں تحریف لفظی واقع ہو جاتی ہے جو کہ بجائے خود ایک خلاف شرح جسارت ہے۔ ہاں مناسب طوالت بلاشبہ جائز ہے۔ حدیث میں ہے:

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِبِلَالٍ يَا بِلَالُ إِذَا أَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ فِيْ أَذَانِكَ وَ إِذَا أَقَمْتَ فَاحْدِرْ. (جامع الترمذی)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے بلال جب تو اذان پڑھے تو ہر ایک کلمہ الگ الگ کہو اور آہستہ آہستہ کہو اور نماز کے لیے اقامت پڑھے تو جلدی جلدی پڑھو۔"

مگر یہ حدیث ضعیف ہے، رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِالْمُنْعِمِ وَ هُوَ إِسْنَادٌ مَجْهُوْلٌ اور ایک دوسرا راوی عمرو بن واقد بھی ضعیف ہے۔

قَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ هُوَ مَتْرُوْكٌ وَ قَالَ ابْنُ عَدِيٍّ يَكْتُبُ حَدِيْثَهُ مَعَ ضُعْفِهِ وَلَهُ شَاهِدٌ مِّنْ حَدِيْثِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عِنْدَ أَبِي الشَّيْخِ وَ مِنْ حَدِيْثِ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ عِنْدَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَحْمَدَ وَ كُلُّهَا وَاهِيَةٌ إِلَّا أَنَّهُ يُقَوِّيْهَا الْمَعْنَى الَّذِيْ شَرَحَ لَهُ الْأَذَانَ فَإِنَّهُ نِدَاءٌ لِغَيْرِ الْحَاضِرِيْنَ فَلَا بُدَّ مِنْ تَقْدِيْرِ وَقْتٍ يَتَّسِعُ لِلذَّاهِبِ لِلصَّلٰوةِ وَلِهٰذَا الْمَعْنٰى مَالَ الْحَاكِمُ إِلٰى تَصْحِيْحِ الْحَدِيْثِ. [1]

اس ضعیف حدیث کے دو شاہد بھی ہیں، مگر وہ بھی کمزور ہیں مگر جس مقصد کے لیے اذان کہی جاتی ہے وہ مقصد اس کو قوی بنا دیتا ہے، یعنی چونکہ اذان غیر حاضر نمازیوں کو نماز کے وقت کی اطلاع دینے کے لیے پڑھی جاتی ہے اور اس کے لیے اذان کے کلموں کو الگ الگ اور ٹھہر ٹھہر کر کہنا چاہیے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کے کانوں میں سنائی دے جبکہ تکبیر (اقامت) مسجد میں موجود نمازیوں کو نماز کی جماعت کھڑی ہونے کے لیے پڑھی جاتی ہے، لہٰذا اس کو

[1] تنقیح الرواۃ شرح المشکوۃ: ج ۱ ص ۱۱۴۔

لمبی کرنے کی ضرورت نہیں، تاہم طوالت مناسب ہونی چاہیے ورنہ ریا کاری اور کلمات اذان میں تحریف کا خدشہ ہے۔ھذا ما عندی و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

دوہری اذان کا کیا حکم ہے؟

سوال: دوہری اذان کا کیا حکم ہے۔کیا پانچوں اذانیں دوہری کہی جا سکتی ہیں؟

جواب: دوہری اذان سنت ہے، جیسا کہ ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

• عَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ قَالَ أَلْقَى عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ التَّأْذِيْنَ هُوَ بِنَفْسِهِ فَقَالَ قُلْ أَللّٰهُ أَكْبَرُ أَللّٰهُ أَكْبَرُ أَللّٰهُ أَكْبَرُ أَللّٰهُ أَكْبَرُ أَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ أَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ تَعُوْدُ فَتَقُوْلُ أَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ أَشْهَدُ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ الحديث. [1]

اس صحیح حدیث میں واضح طور پر شہادت کے کلمات آٹھ دفعہ خود رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائے ہیں اور اس دوہری اذان کو ترجیع کہا جاتا ہے اور اس ترجیع کو ابوداؤد کی حدیث میں بڑی صراحت کے ساتھ سنت کہا گیا ہے، ابومحذورہ کے الفاظ یہ ہیں: قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِيْ سُنَّةَ الْأَذَانِ قَالَ فَمَسَحَ مُقَدَّمَ رَأْسِهِ پھر فرمایا چار دفعہ اللہ اکبر کہو اور پھر پست آواز کے ساتھ دو دفعہ اشهدان لا اله الا اللہ اور دو دفعہ اشهدان محمد رسول اللہ کہو، پھر بلند آواز کے ساتھ شہادتین کے کلمات کو دو دو دفعہ دہراؤ اور پھر باقی اذان مکمل کرو۔اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ دوہری اذان مسنون اذان ہے۔

حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے ایک تیسری روایت یوں ہے:

عَنْ أَبِي مَحْذُورَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَلْأَذَانُ تِسْعَ عَشَرَةَ كَلِمَةً وَّ الْإِقَامَةُ سَبْعَ عَشَرَةَ كَلِمَةً. [2]

امام بیہقی نے اگرچہ بوجوہ اس حدیث کی تضعیف کی ہے، مگر امام ابن دقیق العید نے بیہقی کے کلام کو رد کرتے ہوئے حدیث کو صحیح کہا ہے اور اذان کا انیس کلمات پر مشتمل ہونا تب ہی صحیح ہوتا ہے جب اذان میں شہادتین کے کلمات آٹھ دفعہ کہے جائیں ورنہ اذان پندرہ کلمات میں محدود رہ جائے گی اور یوں اس صحیح حدیث کا انکار لازم آتا ہے اور مزید براں زیادہ الثقہ مقبول کی بھی خلاف ورزی لازم آتی ہے جو کہ کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ان احادیث صحیحہ اور حسنہ کے اطلاق اور عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ دوہری اذان سنت اور پانچوں نمازوں کے لیے کہی جا سکتی ہے اور باوجود تلاش کے مجھے تا حال منع کی کوئی حدیث نہیں ملی۔

---

[1] رواه مسلم، تنقیح الرواة: ج ۱ ص ۱۱۳.

[2] رواه أحمد والترمذي و أبوداؤد والنسائي والدارمي وابن ماجه و قال الترمذي هذا حديث حسن صحيح۔

اقامت کے جواب میں أَقَامَهَا اللّٰهُ وَأَدَامَهَا کہنا کیسا ہے؟

سوال : اب تک ہم لوگ تکبیر میں قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ کے جواب میں أَقَامَهَا اللّٰهُ وَأَدَامَهَا کہتے چلے آئے ہیں۔ مگر اب سننے میں آ رہا ہے کہ یہ صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو پھر قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوة کے جواب میں کیا کہا جائے؟ (سائل: عبدالرشید برف خانہ چوک فلیمنگ روڈ لاہور)

جواب : واقعی یہ حدیث ضعیف ہے۔ امام شوکانی فرماتے ہیں:

اَلْحَدِیْثُ فِیْ أَسْنَادِهٖ رَجُلٌ مَّجْهُوْلٌ وَّشَهْرُ بْنُ حَوْشَبٍ تَكَلَّمَ فِیْهِ غَیْرُ وَاحِدٍ وَّوَثَّقَهٗ یَحْیٰی بْنُ مَعِیْنٍ وَّأَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ . ❶

’’اس کا راوی ایک مجہول راوی ہے اور شہر بن حوشب کو بہت سے ائمہ جرح و تعدیل نے ضعیف راوی لکھا ہے، تاہم امام یحیٰی بن معین اور امام احمد بن حنبل نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔‘‘

لہٰذا قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ میں أَقَامَهَا اللّٰهُ وَأَدَامَهَا کہا جا سکتا ہے۔ تاہم بہتر یہی ہے کہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةِ کے جواب میں قد قامت الصلوۃ ہی کہا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کیا مؤذن غیر اقامت کہہ سکتا ہے؟

سوال : کیا غیر مؤذن اقامت کہہ سکتا ہے؟

جواب : اگر عبداللہ بن زید بن عبدربہ (یہ وہ عبداللہ ہیں جن کو خواب میں اذان کے کلمے سکھائے گئے تھے) کی حدیث کے مطابق غیر مؤذن بھی اقامت کہہ سکتا ہے۔ تاہم اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ مؤذن ہی اقامت کہے۔ جیسا کہ زیاد بن حارث الصدائی نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق اذان پڑھی۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ وضو بنا کر نماز پڑھانے کے لیے اٹھے تو حضرت بلالؓ نے اقامت کہنی چاہی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اقامت بھی زیاد بن حارث ہی پڑھے گا۔ یہ دونوں حدیثیں اگرچہ ضعیف ہیں، تاہم اہل علم کی اکثریت نے زیاد بن حارث کی حدیث کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ عبداللہ بن زید کا واقعہ پہلے کا ہے اور زیاد بن حارث کی حدیث بعد کی ہے۔ حافظ حازمی اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں لکھتے ہیں:

اقامت کے بارے میں مؤذن اور غیر مؤذن دونوں برابر ہیں اور مسئلہ میں وسعت ہے۔ امام مالک، امام امام ابوثور، اہل حجاز اور اہل کوفہ کی اکثریت اسی طرف گئی ہے۔ مگر ہادویہ اور امام شوکانی کے مطابق اقامت پڑھنے کا :: مؤذن ہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

---

❶ نیل الاوطار: ج ۲ ص ٥٤.

اذان اور اقامت کے درمیان کتنا وقفہ ہونا چاہیے؟

سوال: اذان اور اقامت کے درمیان کتنا وقفہ ہونا چاہیے؟

جواب: احادیث سے اذان اور اقامت کے درمیانی وقفہ کی کوئی معین مقدار مذکور نہیں۔ حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((بَیْنَ کُلِّ أَذَانَیْنِ صَلٰوۃٌ)) ❶

''ہر اذان اور اقامت کے درمیان نماز ہے۔''

ایسا آپ ﷺ نے تین دفعہ فرمایا۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

کَانَ بِلَالٌ یُؤَذِّنُ ثُمَّ یَمْهَلُ فَإِذَا رَأَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَدْ خَرَجَ أَقَامَ الصَّلٰوۃَ. ❷

''حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کے بعد ٹھہر جایا کرتے تھے اور اس وقت تک اقامت نہ کہتے جب تک رسول اللہ ﷺ کو حجرہ سے باہر آتے نہ دیکھ لیتے، جب دیکھ لیتے تو اقامت پڑھتے۔''

ان دونوں صحیح احادیث سے اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ ہر اذان اور اقامت کے درمیان اتنا وقفہ ضرور ہونا چاہیے کہ نمازی استنجا اور وضو وغیرہ سے فارغ ہو جائے۔

تکبیر کب کہی جائے گی؟

سوال: تکبیر کب کہی جائے؟ (سائل: عبدالرشید فلیمنگ روڈ لاہور)

جواب: اس سوال کا جواب سوال نمبر۲ کے جواب میں آچکا ہے کہ جابر بن سمرہ کہتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان پڑھ کر کچھ دیر ٹھہر جاتے، جب رسول اللہ ﷺ کو آتے ہوئے دیکھتے تو اقامت کہنا شروع کرتے۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

تکبیر اکہری افضل ہے یا دوہری

سوال: تکبیر اکہری افضل ہے یا دوہری؟ حدیث صحیح کے ساتھ جواب دیں۔ (سائل: عبدالرشید عراقی۔ فلیمنگ روڈ لاہور)

جواب: اگرچہ دوہری تکبیر جائز ہے اور اس کے جواز میں قطعاً کوئی شبہ نہیں مگر زیادہ صحیح اور افضل یہ ہے کہ اکہری تکبیر کہی جائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

فَأُمِرَ بِلَالٌ أَنْ یَّشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ یُّوْتِرَ الْإِقَامَةَ. (صحیح البخاری)

''حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دو دو دفعہ کہیں اور تکبیر کے کلمات ایک ایک دفعہ کہیں سوائے قد قامت الصلوٰۃ۔'' یعنی قد قامت الصلوٰۃ کو دو دفعہ کہا جائے۔

---

❶ رواہ الجماعة، نیل الاوطار: ج ۲ ص ۷.
❷ عون المعبود: ج ۱ ص ۲۱۱.

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِلالاًأَنْ يُشْفِعَ الْأَذَانَ وَيُوْتِرَالْإِقَامَةَ. ❶

''حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بلال ؓ کو حکم دیا کہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ کہیں اور تکبیر کے کلمات ایک ایک مرتبہ کہیں۔''

ان دونوں صحیح احادیث سے ثابت ہوا کہ دوہری اذان اور اکہری تکبیر ہی زیادہ صحیح اور افضل ہے۔ اس لحاظ سے تکبیر گیارہ کلمات پر مشتمل ہے۔ امام سلیمان خطابی رقم طراز ہیں:

مَذْهَبُ جُمْهُوْرِ الْعُلَمَاءِ وَالَّذِىْ جَرٰى بِهِ الْعَمَلُ فِي الْحَرَمَيْنِ وَالْحِجَازِ وَ الشَّامِ وَالْيَمَنِ وَمِصْرَ وَالْمَغْرِبِ إِلٰى أَقْصَى الْإِسْلَامِ أَنَّ الْإِقَامَةَ فُرَادٰى. ❶

''جمہور علماء کا یہی مذہب ہے کہ تکبیر اکہری کہی جائے۔ حرمین شریفین، حجاز، شام، یمن، مصر، مغرب اور دور دراز تک تمام ممالک اسلامیہ میں یہی معمول ہے کہ تکبیر اکہری کہی جاتی ہے۔''

قَالَ ابْنُ سَيِّدِ النَّاسِ وَقَدْ ذَهَبَ إِلَى الْقَوْلِ بِأَنَّ الْإِقَامَةَ إِحْدٰى عَشَرَةَ كَلِمَةً عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَ ابْنُهٗ وَ أَنَسٌ وَّالْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ وَ الزُّهْرِيُّ وَالْأَوْزَاعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ وَ أَبُوْ ثَوْرٍ وَ يَحْيٰى بْنُ يَحْيٰى وَ دَاوٗدُ وَابْنُ الْمُنْذِرِ الخ. ❷

''حضرت عمر فاروق، عبداللہ بن عمر، حضرت انس ؓ، حسن بصری، زہری، اوزاعی، احمد، اسحاق، ابو ثور، سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، محمد بن سیرین، عمر بن عبدالعزیز ؒ اکہری تکبیر کے قائل ہیں اور اکثر علمائے اسلام کا بھی یہی قول ہے۔

اکہری تکبیر کے کلمات اس طرح مروی ہیں:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ ، اَللّٰهُ اَكْبَر	اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے،
اَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ	میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں،
اَشْهَدُاَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ	میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔
حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ	آؤ نماز کی طرف۔
حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ	آؤ نجات کی طرف
قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ	تحقیق نماز کھڑی ہوگئی
قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ	تحقیق نماز کھڑی ہوگئی
اَللّٰهُ اَكْبَرُ	اللہ سب سے بڑا ہے
اَللّٰهُ اَكْبَرُ	اللہ سب سے بڑا ہے
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه	اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

❶ رواه البيهقي بالسند الصحيح، نيل الاوطار: ج ٢ ص ٤٠.
❷ نيل الاوطار: ج ٢ ص ٤١.

❶ نيل الاوطار: ج ٢ ص ٤٠.

کتاب الصلوٰۃ

مسئلہ رفع الیدین اور آمین بالجہر

سوال: ۱- کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ آمین بالجہر اور رفع الیدین کے بغیر نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں علمائے الحدیث کا کیا مسلک ہے؟ وہ اگر اس بارے میں متفق نہیں تو قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

۲- اگر کوئی اہلحدیث جوان مذکورہ دونوں مسائل کا قائل و فاعل ہے، زندگی میں دو چار بار حالات کی مجبوری سے ان پر عمل نہ کر سکا تو کیا اس کی وہ نمازیں ہو گئیں یا نہیں؟ اگر وہ اس حال میں فوت ہو گیا تو جنتی ہو گا یا جہنمی؟

۳- ہمارے بعض اہل حدیث علماء دیہاتوں میں دعوت وتبلیغ کے لیے جاتے ہیں، اگر وہ اس موقع پر یہ دونوں مسائل ترک کر دیں تو وہاں تبلیغ قرآن وسنت ممکن ہو جاتی ہے، ورنہ نہیں۔ ایسے حالات میں ایسے الحدیث مبلغین جو کٹر اہلحدیث ہیں جو نمازیں دونوں مسائل مذکورہ کے بغیر ادا کرتے ہیں اور بعد میں اللہ سے معافی بھی مانگ لیتے ہیں۔ کیا ان کی نمازیں ہو گئیں یا نہیں؟

۴- چند افراد نے مذکورہ مسائل کو موضوع بنا کر مذکورہ علماء کے خلاف ایک پروپیگنڈہ شروع کر کے لوگوں کو دو ذہنوں میں تقسیم کرنے کی ایک مہم شروع کر رکھی ہے، شرعاً ان کا کیا حکم ہے؟

۵- جس گاؤں میں علماء کے خلاف یہ مہم شروع کی جا رہی ہے وہاں اکثر شادیوں میں بینڈ باجے بجائے جاتے ہیں اور بریلویوں کو مشرک جان کر ان کو رشتے دیے اور لیے جاتے ہیں۔ شرعاً ایسے الحدیث کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ فبینوا توجروا۔ (سائل عبدالرحمٰن سوہدرہ)

محترم علمائے کرام درج بالا سوالات کے جوابات دینے سے قبل اگر ان سوالات کے پیدا ہونے کا اصل پس منظر جان لیا جائے تو ان شاء اللہ جوابات تحریر کرنے میں بہت آسانی ہو گی۔ وہ یہ ہے:

۱- مبلغین مذکورہ اکثر تبلیغ کے لیے بریلوی مساجد میں جاتے ہیں اور مساجد کے مولوی اور عوام میں بعض لوگ ان مبلغین کے الحدیث ہونے سے بخوبی واقف ہیں۔ کیا اس طرح ان کے ترک رفع الیدین اور آمین بالجہر سے بریلوی مزاج کے لیے ضروری دعوت وتبلیغ (خالص توحید) ممکن ہے؟ اور کیا یہ طریقہ تبلیغ مسنون ہے؟

۲- ان مبلغین کے ترک رفع الیدین اور ترک آمین بالجہر سے نئے اہلحدیث ہونے والے نوجوانوں میں اضطراب اور بے چینی نے اس وقت شدت اختیار کی جب ان کی ملاقات ان بریلوی لوگوں سے ہوئی جہاں یہ مبلغین اپنا تبلیغی پروگرام انجام

دے کرآئے تھے اور انہوں (بریلوی افراد) نے بطور طعنہ مبلغین کے عمل کو پیش کیا۔

۳- جیسا کہ اوپر سوال نمبر ۵ میں اشارہ کیا ہے اور مزید وہ گاؤں مشہور تو اہلحدیث ہے لیکن اعمال کے اعتبار سے بریلوی رسم و رواج ان میں نفوذ کر چکے ہیں اور خوشی اور غمی کے اوقات میں اکثر غیر شرعی افعال انجام دیتے ہیں۔کیا اپنے ایسے بے عمل اہلحدیث بھائیوں کی دعوت وتبلیغ کے ذریعے اصلاح کرنا ضروری ہے یا کہ اپنے امتیازی مسائل سے دست بردار ہو کر بریلوی مساجد میں بریلوی رنگ اختیار کر کے بریلویوں کو تبلیغ کرنا ضروری ہے؟

۴- افسوس کی بات یہ ہے کہ اپنے گردنواح کے بعض بریلوی دیہات میں ان مبلغین کے ترک رفع الیدین اور ترک آمین بالجہر کے باوجود انہیں اپنے تبلیغی مشن میں ناکامی ہوئی اور بریلوی علماء نے ان کو اپنی مساجد میں پروگرام کرنے سے منع کر دیا ہے۔ برائے مہربانی ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے درج بالا سوالات کے جوابات قرآن وحدیث کی روشنی میں تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ (حافظ عظمت اللہ تلواڑہ سوہدرہ)

الجواب بعون الوھاب: جواب سوال ۲ تا ۳: سائل نے سوال نامہ میں غیب کی باتوں کے متعلق فیصلہ طلب فرمایا ہے یعنی بامر مجبوری زندگی میں دو چار دفعہ آمین اور رفع الیدین چھوڑنے والے کی نمازیں قبول ہوں گی یا نہیں اور رفع الیدین چھوڑنے والا جنتی ہو گا یا نہیں۔ظاہر ہے کہ ایسے سوالوں کا جواب کوئی غیب دان ہی دے سکتا ہے۔رہا یہ سوال کہ آمین اور رفع الیدین کا شرعی حکم اور ان کی اہمیت۔تو گزارش ہے کہ یہ دونوں سنت مؤکدہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سمیت تمام صحابہ ان دونوں پر عمر بھر عمل پیرا رہے۔کوئی صحیح مرفوع متصل غیر معلل ولا شاذ حدیث رسول ﷺ یا اثر میرے علم میں نہیں جس میں یہ تصریح ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے یا کسی صحابی نے اپنی فلاں نماز میں رفع الیدین نہیں کی تھی یا آمین بالجہر کو ترک کیا ہو۔وَمَنْ يَدَّعِي لَهُ فَعَلَيْهِ الْبَيَانُ بِالْبُرْهَانِ رفع الیدین کی احادیث متواتر ہیں۔جیسا کہ علامہ مجدالدین فیروز آبادی نے تصریح فرمائی ہے:

کثرت ایں معنی بہ تواتر ماندہ است و چہار صد اثر وخبر دریں باب صحیح شدہ وعشرہ مبشرہ روایت کردہ اند لا یزال بریں کیفیت بود تا ازیں جہاں رحلت کردہ غیر ازیں چیزے ثابت نشدہ۔ ❶

”کثرت روایات کی وجہ سے (تین مواقع پر ثابت شدہ رفع الیدین) متواتر حدیث ہے،اس مسئلہ میں چار سو احادیث اور آثار صحابہ وارد ہیں،عشرہ مبشرہ نے ان کو روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رفع الیدین کے ساتھ نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

ذَكَرَ الْحَاكِمُ وَ أَبُو الْقَاسِمِ بْنُ مَنْدَةَ مِمَّنْ رَوَاهُ الْعَشَرَةُ الْمُبَشَّرَةُ وَذَكَرَ شَيْخُنَا أَبُو الْفَضْلِ الْحَافِظُ أَنَّهُ تَتَبَّعَ مَنْ رَوَاهُ مِنَ الصَّحَابَةِ تَبْلُغُوا يَبْلُغُوْنَ خَمْسِيْنَ رَجُلًا مِّنَ الصَّحَابَةِ۔ ❷

❶ کتاب سفر السعادۃ: ص ۱۸۔ ❷ فتح الباری شرح صحیح البخاری: ج ۲ ص ۱۷۵ باب رفع الیدین إذا کبر وإذا رکع وإذا رفع۔

رفع الیدین کی احادیث کو امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں' امام سیوطیؒ نے الازھار المتناثرہ میں' حافظ حازمی نے کتاب الاعتبار میں اور حضرت انور شاہ حنفی کشمیری نے عرف الشذی میں متواتر قرار دیا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ائمہ کرام کی ایک جماعت کے نزدیک رفع الیدین واجب ہے اور بغیر رفع الیدین کے پڑھی جانے والی نماز ان کے نزدیک باطل۔

علامہ تقی السبکی المتوفی ۷۵۶ لکھتے ہیں:

وَذَهَبَ الْأَوْزَاعِيُّ وَالْحُمَيْدِيُّ وَجَمَاعَةٌ غَيْرُهُمَا إِلَى أَنَّهُ وَاجِبٌ وَأَنَّهُ يَفْسُدُ الصَّلٰوةُ بِتَرْكِهِ وَمِنَ الدَّلِيلِ لِوُجُوبِهِ أَنَّ مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ رَضِيَ اللّٰهِ عَنْهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يَفْعَلُهُ فِي الصَّلٰوةِ وَقَالَ لَهُ وَلِأَصْحَابِهِ صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي۔ وَالْأَمْرُ لِلْوُجُوبِ. ❶

"امام اوزاعی اور امام حمیدی اور ان کے سوا علماء کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ رفع الیدین واجب ہے اور اس کے چھوڑ دینے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور اس کے وجوب پر ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو نماز میں رفع الیدین کرتے دیکھا اور آپؐ نے مالک اور ان کے ساتھیوں کو فرمایا: اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا، اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وَمِمَّنْ قَالَ بِالْوُجُوبِ أَيْضاً الْأَوْزَاعِيُّ وَالْحُمَيْدِيُّ شَيْخُ الْبُخَارِيِّ وَ ابْنُ خُزَيْمَةَ مِنْ أَصْحَابِنَا۔ وَقَالَ ابْنُ عَبْدِالْبِرِّ كُلُّ مَنْ نُقِلَ عَنْهُ الْإِيْجَابُ لَايَبْطُلُ الصَّلٰوةُ بِتَرْكِهِ إِلاَّ فِي رِوَايَةِ الْأَوْزَاعِيِّ وَالْحُمَيْدِيِّ. ❷

امام اوزاعی' امام حمیدی اور امام ابن خزیمہ کے نزدیک رفع الیدین واجب ہے: تاہم امام اوزاعی اور امام بخاری کے استاد امام حمیدی کے نزدیک رفع الیدین کے ترک سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔

امام بخاریؒ کے استاد امام علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بنا پر مسلمانوں پر رفع الیدین کرنا ضروری ہے۔ ❸

امام بخاری کے استاذ امام محمد بن یحییٰ ذہلی کا بھی یہی قول ہے کہ رفع الیدین نہ کرنے والے شخص کی نماز ناقص ہوگی۔ ❹

رفع الیدین نہ کرنے کی سزا

كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا إِذَا رَأَى رَجُلًا لاَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ رَمَاهُ بِالْحَصٰى. ❺

---

❶ جزء رفع اليدين للسبكي: ص ١٥. ❷ فتح البارى: ج ٢ باب رفع اليدين فى التكبيرة الأولى ص ١٧٤.
❸ جزء رفع اليدين امام بخارى.
❹ صحيح ابن خزيمه: ج ١ ص ٢٩٨ و صلوة الرسول مع تحقيق عبدالرؤف بن عبدالحنان: ص ٤٢١.
❺ جزء رفع اليدين للسبكي: ص ١٥ و فتح البارى: ج ٢ ص ١٧٥.

’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب کسی شخص کو دیکھتے کہ وہ رفع الیدین نہیں کرتا تو اسے کنکریاں مارتے۔‘‘

غرضیکہ ان ائمہ کرام کے مطابق رفع الیدین نہ کرنے سے نماز فاسد یا باطل ہو جاتی ہے۔ تاہم آمین بالجہر کی یہ حیثیت نہیں۔ مگر ہم اس تشدد کے قائل نہیں۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں بڑی محکم اور سنت ثابتہ ہیں اور نماز وہی صحیح ہوتی ہے جو سنت ثابتہ کے مطابق پڑھی جائے۔ رہی یہ بات کہ ان کے بغیر نماز قبول ہوتی ہے یا نہیں اور ان کو چھوڑنے والا جنتی ہے یا نہیں تو اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ ہاں ان دونوں کا یا کسی بھی سنت ثابتہ کا استخفاف اور توہین سخت کبیرہ گناہ ہے، حتیٰ کہ کفر کا خطرہ ہے۔ تاہم سنت کو بنظر حقارت دیکھنے والے اور بلاوجہ شرعی عذر کے اس کو ترک کرنے والے اور اس کا مذاق اڑانے والے شخص کو گمراہ کہا جا سکتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا فتویٰ لَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ۔ ❶ نہایت قابل غور ہے۔

دین ہاتھ سے دے کر گر آزاد ہو ملت
ہے ایسی تجارت سے مسلمان کو خسارہ

اس لیے ایسے مبلغین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ فرصت کے لمحات میں سورۃ قُلْ يٰأَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ کی تفسیر اور شان نزول کا مطالعہ ضرور کریں۔

جواب نمبر۴: ایسے لوگوں کو بھی اپنی غلط روش سے باز آ جانا چاہیے۔ کیونکہ معاشرہ میں انارکی اور سر پھٹول پیدا کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ اور يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ کا مصداق ہے۔

جواب :نمبر۵: بریلوی مشرک ہیں اور مشرک آدمی موحدہ لڑکی کا کفو نہیں ہوتا: ﴿اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِناً كَمَنْ كَانَ فَاسِقاً﴾ لہٰذا ان کے ساتھ مناکحت خلاف شریعت اور کبیرہ گناہ ہے۔ اس حرکت بد سے فوراً باز آ جانا چاہیے ورنہ پیدا ہونے والی اولاد کے مشرک اور بدعقیدہ ہونے کی ذمہ داری مناکحت کرنے والوں پر عائد ہوگی۔

سینہ پر ہاتھ باندھنا کس حدیث سے ثابت ہے؟

سوال :مؤدبانہ گزارش ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنا اور رفع الیدین کس صحیح حدیث سے ثابت ہے؟ اگر حدیث بھی لکھ دیں تو نوازش ہوگی۔ والسلام (محمد حبیب بن ابراہیم' چاند بی بی روڈ' کراچی)

جواب : سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث درج ذیل ہیں:

۱۔ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى صَدْرِهٖ. ❷

اور یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ خود حنفیہ کو بھی اس حدیث کی صحت تسلیم ہے۔ صاحب بحرالرائق' علامہ امیر الحاج'

❶ مشكوة :باب الجماعة و فضلها جلد ۱ ص ۹۷.

❷ أخرجه ابن خزيمة' نووى شرح مسلم (ص ۱۷۳ ج۱) تحفة الأحوذى (ص ۲۱۵ ج ۱) وعون المعبود شرح أبى داؤد (ص ۲۷۵ ج۱.

علامہ محمد قائم سندھی علامہ محمد حیات سندھی اور دوسرے حنفی بزرگ اس حدیث کو صحیح مان چکے ہیں۔ ترجمہ یہ ہے:
''حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر ہاتھ باندھے۔''

۲۔ عَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ هلب عَنْ أَبِيْهِ (هلب) قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِيْنِهِ وَ عَنْ يَسَارِهِ وَرَأَيْتُهُ يَضَعُ هٰذِهِ عَلٰى صَدْرِهِ وَوَصَفَ يَحْيٰى اَلْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فَوْقَ الْمَفْصَلِ۔ ❶

''حضرت قبیصہ اپنے والد حضرت ہلب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے (ہلب نے) دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ نماز سے فارغ ہو کر کبھی دائیں جانب سے اور کبھی بائیں جانب پھرتے تھے اور یہ بھی دیکھا کہ آپ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینہ پر باندھتے تھے۔''

۳۔ عَنْ طَاؤسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى ثُمَّ يَشُدُّ بَيْنَهُمَا عَلٰى صَدْرِهِ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ۔ ❷

''طاؤس تابعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھتے تھے۔''
یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے، تاہم امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مرسل حدیث حجت (دلیل) ہوتی ہے۔

رفع الیدین کی حدیثیں

۱۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ فِي الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى تَكُوْنَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَكَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ حِيْنَ يُكَبِّرُ لِلرُّكُوْعِ وَيَفْعَلُ ذٰلِكَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ وَيَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ۔ ❸

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریمہ کہتے وقت، نیز رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت کندھوں کے برابر تک رفع الیدین کرتے تھے۔'' (یہ حدیث سنن اربعہ میں بھی موجود ہے)

۲۔ عَنْ أَبِيْ قِلَابَةَ أَنَّهُ رَأٰى مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ إِذَا صَلّٰى كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَحَدَّثَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ هٰكَذَا۔ ❹

''حضرت ابوقلابہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مالک بن الحویرث تکبیر تحریمہ کے وقت، رکوع جاتے وقت اور رکوع سے

❶ أخرجه أحمد في مسنده رواة هذا الحديث كلهم ثقات۔ عون المعبود: ص ۲۷۶، ج ۱۔
❷ مراسيل أبي داؤد: ص ٦، عون المعبود: ص ۲۷۵، ج ۱، باب وضع اليمنى على اليسرى۔
❸ صحيح بخاري: ص ۱۰۲، باب رفع اليدين إذا كبر وإذا ركع وإذا رفع، صحيح مسلم: ص ۱٦۸، ج ۱۔
❹ صحيح بخاري: ص ۱۰۲، ج ۱، صحيح مسلم: ص ۱٦۸، ج ۱۔

اٹھتے وقت رفع الیدین کرتے۔ آپ بیان کرتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ بھی ان مواقع پر رفع الیدین کیا کرتے تھے۔''(لعل فیه کفایة لمن له درایة) والله اعلم بالصواب ۔

کیا نماز میں کندھوں تک ہاتھ اٹھنا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے

سوال: کیا نماز میں کندھوں تک ہاتھ اٹھانا نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے؟

جواب: کندھوں تک ہاتھ اٹھانا نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:

قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ إِذَا قَامَ فِي الصَّلاَةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى تَكُوْنَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَكَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ حِيْنَ يُكَبِّرُ لِلرُّكُوْعِ وَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ وَ يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ وَلاَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُوْدِ . [1]

'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ جب کھڑے ہوتے نماز کے لیے ہاتھ بلند کرتے کندھوں تک اور اسی طرح کرتے جب رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے تو ہاتھ بلند کرتے (یعنی رفع الیدین کرتے) اور سجدوں میں رفع الیدین نہیں کرتے تھے۔ اور بخاری کی ایک اور روایت سے دو رکعتوں سے کھڑے ہوتے وقت بھی رفع الیدین ثابت ہے۔

کیا رسول اللہ ﷺ نے زندگی میں کبھی رفع الیدین کے بغیر نماز پڑھی تھی؟

سوال: حضور ﷺ کی ۲۳ سالہ حیات نبوت میں جب سے نماز فرض ہوئی، اس وقت سے لے کر آخری نماز تک کیا کوئی نماز ایسی ہے جو رفع الیدین کے بغیر ہو؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہماری راہنمائی فرمائیں۔

جواب: (صرف کتاب وسنت کی روشنی میں) میرے ناقص علم اور مطالعہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری حیات بابرکات میں فرض یا نفل کوئی ایک نماز بھی بغیر رفع الیدین کے نہیں پڑھی اور جن دو ایک روایات میں رفع الیدین نہ کرنے کا ذکر ملتا ہے وہ روایات ضعیف اور ناقابل حجت ہیں یعنی وہ دلیل نہیں بن سکتیں۔ چنانچہ صحیح البخاری میں ہے:

۱۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ إِذَا قَامَ فِي الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى تَكُوْنَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَكَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ وَيَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ وَلاَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي السُّجُوْدِ . [2]

---

[1] بخاری: ج ۱ صفحہ ۱۰۲.

[2] صحیح البخاری :باب رفع الیدین إذا کبر وإذا رکع وإذا رفع ج ۱ ص ۱۰۲.

''حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھاتے اور اسی طرح آپ جب رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے تو اسی طرح رفع الیدین کرتے اور رکوع سے اٹھتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور سجدوں میں رفع الیدین نہ کرتے۔''

۲۔ حضرت ابوحمید ساعدی نے دس صحابہ ﷺ کے سامنے دعوی کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی نماز تم سے بہتر جانتا ہوں، پھر ان کے کہنے پر انہوں نے نماز بتلائی تو تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے' رکوع کرتے ہوئے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے تینوں وقتوں میں رفع الیدین کی۔ اور دس صحابہ کرام ﷺ نے تصدیق کی کہ بے شک رسول اللہ ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔ (صحیح بخاری)

۳۔ عَنْ أَبِي قِلَابَةَ أَنَّهُ رَأَى مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ إِذَا صَلَّى كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَحَدَّثَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ هٰكَذَا۔ ❶

''ابوقلابہ کہتے ہیں کہ میں نے مالک بن حویرث ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا کہ انہوں نے تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کی اور پھر جب رکوع کرنے کا ارادہ کیا تو رفع الیدین کی اور اسی طرح رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کی اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح رفع الیدین کرتے تھے۔''

۴۔ حضرت وائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے نماز شروع کرتے وقت رفع الیدین کی پھر آپ نے رکوع جاتے وقت رفع الیدین کی پھر جب آپ نے سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو پھر آپ ﷺ نے رفع الیدین کی۔ (احمد)

یہ چار صحیح احادیث پیش خدمت ہیں۔ جن میں رکوع جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کا ثبوت موجود ہے۔ ویسے رفع الیدین کی حدیث چالیس صحابہ ﷺ سے ثابت ہے۔ اور عشرہ مبشرہ سے بھی رفع الیدین کی حدیث مروی ہے۔ سوائے حضرت ابن مسعود ﷺ کے کسی بھی صحابی سے ترک رفع الیدین ثابت نہیں اور ابن مسعود ﷺ کی روایت امام ابوداؤد' امام ابن مبارک' امام بخاری' علی بن مدینی ودیگر ائمہ فن کے نزدیک ضعیف ہے۔

وضاحت:

رفع الیدین کی سنت متواتر ہے اور رفع الیدین کرنے کی احادیث تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور سنداً بھی زیادہ صحیح اور ارجح ہیں اور بیہقی کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ آخر دم تک رفع الیدین کرتے رہے اور آپ نے اپنی پوری عمر شریف میں کوئی نماز بغیر رفع الیدین کے نہیں پڑھی۔ اور رفع الیدین کے متواتر معنوی ہونے کا علامہ انور شاہ جیسے دیو بندی حنفی کو بھی اعتراف ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور علامہ عبدالحی حنفی لکھنوی نے رفع الیدین کی حدیثوں کو ارجح، اصح اور ارفع قرار دیا ہے۔ ھٰذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

❶ متفق علیہ ، نیل الاوطار: ص ۲۰۵ ج ۲۔

سینے پر ہاتھ باندھنا

سوال: نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟ بعض لوگ تحت السرۃ والی روایت پیش کر کے کہتے ہیں کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے چاہئیں، جب کہ دوسری احادیث میں نبی ﷺ کا معمول علی الصدر، یعنی سینے پر ہاتھ باندھنا مذکور ہے۔ اس مسئلے کے متعلق قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت کر کے شکر گزار فرمائیں۔ (سائل: شفیق الرحمن شاکر سیالکوٹ)

جواب: اس مسئلے میں مستند احادیث کی رو سے صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سینے پر ہاتھ باندھتے تھے۔ احادیث درج ذیل ہیں:

عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى صَدْرِهِ۔ ❶

"وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ پس آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر اپنے سینے پر رکھا۔"

اس حدیث کو علامہ ابن سید الناسؒ، شیخ محمد قائم سندھی حنفیؒ، محقق ابن امیر الحاج حنفی صاحب بحر الرائق اور علامہ محمد حیات سندھی حنفی نے صحیح کہا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اور امام شوکانیؒ نے بھی اس حدیث کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: فتح الغفور اور تحفۃ الاحوذی۔

۲۔ عَنْ هُلْبِ الطَّائِيِّ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ وَرَأَيْتُهٗ يَضَعُ هٰذِهٖ عَلٰى صَدْرِهٖ. وَوَصَفَ يَحْيٰى الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فَوْقَ الْمَفْصَلِ۔ ❷

"جناب ہلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا وہ سلام کے بعد دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب سے نمازیوں کی طرف رخ انور موڑتے، نیز میں نے دیکھا کہ آپ بائیں ہاتھ کے جوڑ کے اوپر دایاں ہاتھ رکھتے اور سینے پر ہاتھ باندھتے۔"

۳۔ عَنْ طَاؤُسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى ثُمَّ يَشُدُّ بِهِمَا عَلٰى صَدْرِهٖ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ۔ ❸

یعنی رسول اللہ ﷺ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینے پر باندھا کرتے تھے۔ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے، تاہم امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مرسل حجت ہوتی ہے۔

---

❶ أخرجه ابن خزيمة في صحيحه، بلوغ المرام: ص ٢٩۔ نووي: ص ١٧٣، تحفة الاحوذي: ص ٢١٥ ج ١۔

❷ رواه أحمد في مسنده و رواة هذا الحديث كلهم ثقات و أسناده متصل، تحفة الاحوذي: ج ١ ص ٢١٦؛ نيل الاوطار: ص ٢٠٨ ج ٢۔

❸ مراسيل أبي داؤد: ص ٦۔

ان تینوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے چاہئیں۔ رہی وہ روایتیں جن میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا ذکر ملتا ہے، جیسا کہ جناب سائل نے لکھا ہے تو گزارش ہے اس قسم کی جو دو ایک روایتیں ہیں وہ سنداً مخدوش ہیں۔ مثلاً:

۱۔ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ يَمِيْنَهُ عَلٰى شِمَالِهِ تَحْتَ السُّرَّةِ ․

''میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ناف کے نیچے ہاتھ باندھے تھے۔''

یہ سند کے لحاظ سے اگرچہ صحیح ہے، تاہم متن کے لحاظ سے یہ حدیث صحیح نہیں۔ یہ روایت دراصل مصنف ابن ابی شیبہ کی ہے اور اس حدیث کے نیچے ابراہیم نخعی کا قول ہے جس میں تحت السرہ کا جملہ موجود ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے غلطی کے ساتھ اس صحیح سند کے ساتھ ابراہیم نخعی کا یہ جملہ ملا دیا ہے۔ ورنہ یہ جملہ وائل کی حدیث میں موجود نہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ماہرین علم حدیث اور قائلین مذہب نے بھی اس حدیث سے استدلال نہیں کیا، جن میں حافظ ابن حجرؒ اور حافظ ابو عمرو بن عبدالبر کے علاوہ حافظ بدرالدین عینی حنفی شارح بخاری ابن ترکمانی حنفی شیخ محمد فاخر الٰہ آبادی شیخ محمد حیات سندھی حنفی اور ابن امیر الحاج حنفی وغیرہ افاضل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی خاص قابل غور ہے کہ مسند احمد میں یہ حدیث بالکل اسی سند کے ساتھ مروی ہے، مگر اس میں تحت السرہ کا جملہ موجود نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس حدیث میں جملہ (تحت السرہ) محفوظ نہیں ہے، لہٰذا اس سے استدلال صحیح نہیں۔

۲۔ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ إِنَّ مِنَ السُّنَّةِ فِي الصَّلٰوةِ وَضْعُ الْاَكُفِّ عَلَى الْاَكُفِّ تَحْتَ السُّرَّةِ ․ ❶

یعنی نماز میں سنت یہ ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھے جائیں۔

لیکن یہ روایت اس لیے قابل استدلال نہیں ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن اسحاق واسطی ہے اور وہ سخت ضعیف ہے جیسا کہ حافظ زیلعی نصب الرأیہ میں لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل اور ابو حاتم نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے۔ امام یحییٰ بن معین نے اسے لیس بشیئ قرار دیا ہے۔

امام بخاری نے فیہ نظر اور بیہقی نے متروک کہا ہے۔ امام نووی نے اسے بالاتفاق ضعیف کہا ہے:

هُوَ حَدِيْثٌ مُتَّفَقٌ عَلٰى تَضْعِيْفِهِ فَإِنَّ عَبْدَالرَّحْمَانِ بْنَ إِسْحَاقَ ضَعِيْفٌ بِالْإِتِّفَاقِ ․ ❷

لہٰذا یہ حدیث بھی قابل استدلال نہیں ہے۔

دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی بتائی جاتی ہے جس میں أَخْذُ الْاَكُفِّ عَلَى الْاَكُفِّ تَحْتَ السُّرَّةِ کے الفاظ ملتے ہیں، جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے مگر یہ حدیث بھی اسی عبدالرحمان بن اسحاق واسطی سے مروی ہے جو کہ سخت ضعیف ہے۔

❶ رواہ أحمد و أبو داؤد، نیل الاوطار: ص ۲۱۰ ج ۲۔
❷ نووی: ص ۱۷۳ ج ۱۔ تحفۃ الاحوذی: ص ۲۱۵ ج ۱۔

حدیث نمبر۳: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ثَلٰثٌ مِّنْ أَخْلَاقِ النُّبُوَّةِ تَعْجِيلُ الْإِفْطَارِ وَ تَأْخِيرُ السُّحُوْرِ وَوَضْعُ الْيَدِ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فِي الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ. ❶

''امور نبوت میں تین باتیں بھی شامل ہیں۔(۱) روزہ جلد افطار کرنا (۲) دیر سے سحری کھانا (۳) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا۔''

مگر اس حدیث کو ہمارے حنفی بھائی اپنی کتابوں میں ضرور ذکر کرتے ہیں: مگر اس کی سند بیان نہیں کرتے۔ایسی صورت میں اس حدیث سے استدلال کرنا محض دل بہلاوا ہے اور بس۔ملاحظہ ہو (تحفۃ الاحوذی ص ۲۱۵ ج ۱)

بہر حال مسنون صرف یہ ہے کہ نماز میں سینہ کے اوپر ہاتھ باندھے جائیں،ناف کے اوپر یا ناف کے نیچے کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہیں۔اسی طرح جو لوگ سرے سے ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کے قائل ہیں وہ بھی صحیح نہیں۔بہر حال ہمارے نزدیک صحیح صرف یہ ہے کہ سینہ کے اوپر ہاتھ باندھے جائیں: جیسا کہ احادیث صحیحہ آپ کے سامنے ہیں۔واللہ اعلم و علمہ اتم و حکمہ احکم۔

نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا

یاد رہے ان دو بزرگوں کا جنھوں نے نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی سنت کا مذاق اڑایا اور اس کو ہدف تنقید بنایا وہ فقہ حنفی سے تعلق رکھتے تھے۔ان کی فقہ میں جو مسائل ہیں جن کے متعلق مشہور کر رکھا ہے یہ کتاب وسنت کا عطر ونچوڑ ہیں لیکن اس میں بعض ایسے مسائل ہیں جن کا کتاب وسنت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

اب وہ روایات نقل کی جاتی ہے جو نماز کی حالت قیام میں قبل از رکوع سینہ پر ہاتھ باندھنے کے ثبوت میں ہیں۔

۱۔ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے صحیح ابن خزیمہ کی روایت:

عَنْ وَائِلِ بْنُ حَجَرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى صَدْرِهِ. ❷

''وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ ﷺ نے (قیام کی حالت میں قبل از رکوع) اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر سینہ پر رکھا (باندھا)۔''

صحیح ابن خزیمہ کی یہ روایت مفسر قرآن شیخ الحدیث امام ابو محمد عبدالستار محدث دہلویؒ نے بخاری کی شرح نصرۃ الباری (ص ۱۶۳ پ ۳) میں، امام نووی نے شرح مسلم میں (ص ۱۷۳، ج ۱) شارح حدیث شیخ الحدیث علامہ ابو محمد عبدالرحمٰن محدث مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں (ص ۲۱۳' ۲۱۵ ج ۱) محدث شہیر ابو طیب شمس الحق عظیم آبادی نے عون المعبود شرح ابو داؤد میں (ص ۲۷۶ ج ۱) مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ نے التعلیقات السلفیہ علی النسائی میں (ص ۱۰۵، ج ۱)

❶ ذكره ابن حزم في المحلى تعليقا.   ❷ صحيح ابن خزيمة: صفحه ٢٤٣ جلد ١.

مولانا محمد تھانوی نے حاشیہ نسائی میں (ص ۱۳۱، ج ا مطبوعہ کراچی) محمد بن عبداللہ علوی نے مفتاح الحاجہ شرح ابن ماجہ میں (ص ۱۵۹) التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی (ص ۲۸۵، ج ۱) نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار (ص ۱۹۵، جلد ۲) مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح (طبع جدید سرگودھا ص ۶۰، ج ۳) مشکوۃ شریف مترجم ترجمہ از مولانا شیخ الحدیث محمد اسماعیل سلفی (حاشیہ صفحہ ۵۲۷ جلد ۱) تلخیص الحبیر (ص ۲۲۴، جلد ۱) بلوغ المرام مع سبل السلام (مطبوعہ ریاض ج ص ۳۹۳، جلد ۱) دین الحق (ص ۲۱۶) میں بھی ہے۔ یاد رہے: غزنوی ترجمہ کے مولف اور مولانا شیخ الحدیث محمد اسماعیل سلفی اس روایت کے متعلق علامہ ابن حجر کی رائے اس طرح نقل کرتے ہیں: علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح ہے۔

۲۔ مسند احمد کی روایت:

مسند احمد میں قبیصہ بن ہلب کی روایت اس طرح ہے:

عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَنْصَرِفُ عَنْ يَّمِينِهِ وَ عَنْ يَّسَارِهِ وَرَأَيْتُهُ يَضَعُ هٰذِهِ عَلٰى صَدْرِهِ. ❶

"قبیصہ بن ہلب نے اپنے والد سے روایت کی انہوں نے کہا کہ میں نے نبی ﷺ کو (نماز سے سلام پھیرنے کے بعد) کبھی دائیں اور کبھی بائیں طرف پھرتے دیکھا اور (نماز میں قیام کی حالت میں قبل از رکوع) میں نے آپ ﷺ کو سینہ پر ہاتھ باندھتے دیکھا۔"

مسند احمد کی یہ روایت تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی (ص ۲۱۶، جلد ۱) عون المعبود شرح ابوداؤد (ص ۲۷۶، جلد ۱) التعلیقات السلفیہ علی النسائی (ص ۱۰۵، جلد ۱) التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی (ص ۲۸۵ جلد ۱) حاشیہ مشکوۃ شریف مترجم غزنوی (ترجمہ ص ۲۷۴ جلد ۱) دین الحق فی تقید جاء الحق (ص ۲۱۷) میں بھی ہے۔

۳۔ بیہقی کی وائل بن حجرؓ کی روایت:

بَابُ وَضْعِ الْيَدَيْنِ عَلَى الصَّدْرِ فِي الصَّلٰوةِ مِنَ السُّنَّةِ۔ باب نماز میں ہاتھ سینے پر باندھنا سنت ہے۔ غور فرمائیں کہ امام بیہقیؒ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کے بارے میں باقاعدہ باب باندھا ہے۔ اس باب میں وائل بن حجرؓ کی جو روایت ہے وہ اس طرح ہے:

عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ حَضَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَوْ حِيْنَ نَهَضَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ الْمِحْرَابَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ بِالتَّكْبِيرِ ثُمَّ وَضَعَ يَمِينَهُ عَلٰى يَسَارِهِ عَلٰى صَدْرِهِ. ❷

"وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا (جب کے لیے اذا یا حین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے) جب آپ ﷺ مسجد کی طرف کھڑے ہوئے تو آپ محراب میں داخل ہوئے (نماز شروع کی تو) آپ ﷺ نے تکبیر (اولیٰ) کے ساتھ دونوں ہاتھ بلند کیے، پھر آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ

❶ مسند أحمد مطبوعہ گوجرانوالہ ص ۲۱٤ ج ۵۔ ❷ بیہقی: ص ۳۰ ج ۲۔

پر سینے پر باندھا۔"
بیہقی کی یہ روایت التعلیق المغنی علی سنن الدار قطنی (ص ۲۸۵، ج ۱) میں بھی ذکر کی گئی ہے۔

۴۔بیہقی کی دوسری روایت بالفاظ دیگر:

عَنْ وَائِلٍ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ وَضَعَ يَمِينَهُ عَلٰى شِمَالِهٖ ثُمَّ وَضَعَهُمَا عَلٰى صَدْرِهٖ۔ ❶
"وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو (نماز میں قیام کی حالت میں) دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا، پھر ان دونوں کو اپنے سینے پر باندھا۔"
بیہقی کی یہ روایت التعلیق المغنی علی سنن الدار قطنی (ص ۲۸۵، ج ۱) میں مذکور ہے۔

۵۔مسند بزار کی روایت:

مسند بزار کی جو روایت تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں ہے، وہ اس طرح ہے: عند صدره (تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی: ۲۱۶/۲ جلد ۱) صفحہ ۱۴ سینے کے پاس (یعنی سینے پر) ہاتھ باندھتے تھے۔ مسند بزار کی یہ روایت نصرۃ الباری ترجمہ و شرح صحیح البخاری صفحہ ۱۶۳ پ ۳ اور التعلیقات السلفیہ علی النسائی (ص ۱۰۵) میں بھی ہے۔

۶۔مراسیل ابوداؤد کی روایت:

عَنْ طَاؤُسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى ثُمَّ يَشُدُّهُمَا عَلٰى صَدْرِهٖ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ. ❷
"طاؤس نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے اور (قیام کی حالت میں) پھر ان کو اپنے سینے پر باندھتے نماز میں۔"
مراسیل کی یہ روایت تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی (ص ۲۱۶، جلد ۱) التعلیقات السلفیہ علی النسائی (ص ۱۰۵، جلد ۱) مفتاح الحاجہ شرح ترمذی (ص ۵۹) نیل الاوطار (ص ۱۹۵، ج ۲) دین الحق فی تنقید جاء الحق (ص ۲۱۸) میں بھی ہے۔

صحابہ کے آثار:

بیہقی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر اس طرح ہے:
قَالَ إِنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ فِيْ هٰذِهِ الْآيَةِ ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ قَالَ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى وَسْطِ يَدِهِ الْيُسْرٰى ثُمَّ وَضَعَهُمَا عَلٰى صَدْرِهٖ. ❸
"حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آیت (فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ) کی تفسیر میں فرمایا کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے درمیان (یعنی

---

❶ بیهقی: ص ۳۰، ج ۲.
❷ عون المعبود شرح أبي داؤد و حاشیه صفحه ۲۷۵ جلد ۱ و مراسیل أبي داؤد صفحه ٦ مطبوعه کراچی.
❸ بیهقی: صفحه ۳۰ جلد ۲ باب وضع الیدین علی الصدر في الصلوة من السنة.

بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر) رکھ کر سینے پر باندھا۔"
بیہقی کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر تفسیر ابن جریر طبری (ص ۲۱۰، پارہ ۳۰، جلد ۱۲) احکام القرآن للجصاص حنفی (ص ۴۱۹ جلد ۳) حاشیہ مشکوٰۃ شریف مترجم غزنوی (ترجمہ صفحہ ۱۷۴) تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی (ص ۲۱۵، جلد ۱) التعلیقات السلفیہ علی النسائی (صفحہ ۱۰۵ جلد نمبر ۱) میں بھی ہے۔

حضرت انس کا اثر:

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مِثْلَہٗ ۔ ❶
حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول اس جیسا (یعنی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول جیسا) ہے فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ کی تفسیر میں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول:

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیہقی میں اس طرح مروی ہے:
عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا فِیْ قَوْلِ اللّٰہِ عَزَّ وَ جَلَّ ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ قَالَ وَضَعَ الْیَمِیْنَ عَلَی الشِّمَالِ فِی الصَّلٰوۃِ عِنْدَ النَّحْرِ ۔ ❷
"ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے فرمان (فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ) کی تفسیر میں مروی ہے کہ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر نحر کے پاس (یعنی سینے پر) دونوں ہاتھ باندھے۔"
بیہقی کا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ اثر نیل الاوطار (ص ۱۹۵، ج ۲) میں بھی ہے۔

مولانا مودودی:

مولانا مودودی اس آیت فَصَلِّ لِرَبِّكَ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
اسی طرح وانحر یعنی نحر کرو سے مراد بعض جلیل القدر بزرگوں سے یہ منقول ہے کہ نماز میں بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر اپنے سینے پر باندھنا ہے: الخ (تفہیم القرآن :ص ٤٩٦ جلد ٦)
مزید کچھ کتب کے حوالے دیے جاتے ہیں ان سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ ان کتب میں بھی یہ مضمون کسی میں تو کافی تفصیل اور کسی میں بالکل مختصر ہے بہر حال فائدہ سے خالی نہیں ہے۔ کتب مندرجہ ذیل ہیں۔ حاشیہ مشکوٰۃ شریف مترجم (ص ۳۵۲، ۳۵۳ ج ۱) بلوغ المرام مترجم از مولانا عبدالتواب ملتانی (حاشیہ صفحہ ۱۱۴ جلد ۱) اتحاف الکرام اردو شرح بلوغ المرام از مولانا صفی الرحمٰن صاحب مبارکپوری (ص ۱۹۱، جلد ۱) فتاویٰ نذیریہ (ص ۴۵ ج ۱) از سید نذیر حسین دہلوی) فتاویٰ اہل حدیث از حضرت العلام حافظ عبداللہ روپڑی (ص ۴۶۱) فتاویٰ علمائے اہلحدیث (ص ۹۱ تا ۹۵، ج ۳ ۔ مرتبہ مولانا علی محمد سعیدی) فتاویٰ برکاتیہ (ص ۱۳۸ از علامہ ابوالبرکات احمد) مکمل نماز از مولانا عبدالوہاب محدث دہلوی (حاشیہ نمبر ۲ صفحہ ۲۱۵) تعلیم الصلوٰۃ

---

❶ بیهقي: صفحه ۳۰، ۳۱ جلد ۲.
❷ بیهقي: صفحه ۳۱ جلد ۲.

(ص ۲۶ ' ۳ا۱۰ از حضرت العلام حافظ محمد عبداللہ روپڑی) اہلحدیث کے امتیازی مسائل (ص ۷۷) راہ سنت (ص ۱۰۰ از حضرت مولانا ابو السلام محمد صدیق) صلوٰۃ الرسول مع تخریج تسہیل الوصول (ص ۱۹۹ تا ۲۰۳ از مولانا محمد صادق سیالکوٹی) اہلحدیث کا مذہب (صفحہ ۷۶ از مولانا ثناءاللہ امرتسریؒ) صلوٰۃ المصطفیٰ (ص ۲۵۳ از شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز) نماز کے مسائل (ص ۳۷ محمد اقبال کیلانی صاحب) صلوٰۃ النبی (ص ۴۳ از مختار احمد ندوی) ' حدیث نماز (ص ۵۳ از مولانا حافظ عبدالمتین صاحب جونا گڑھی) نماز نبوی (ص ۱۴۴ از ڈاکٹر سید شفیق الرحمٰن صاحب)

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو کتاب وسنت کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

سوال ا: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء یعنی سبحانك اللهم کا پڑھنا فرض ہے، واجب ہے، سنت یا مستحب ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔

۲: کیا ہر رکعت کے شروع میں ثناء پڑھنی چاہیے۔(سائل: مولوی عبدالرشید جوڑے ضلع قصور)

جواب: اس مسئلہ میں اختلاف ہے، بعض علماء تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء کے وجوب کے قائل ہیں اور وہ حدیث مسیئ الصلوۃ کے ان الفاظ سے استدلال کرتے ہیں:

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ لَا تَتِمُّ صَلٰوةٌ لِأَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ زفَيْحْسِنُ الْوُضُوْءَ يَعْنِي مَوَاضِعَهُ ثُمَّ يُكَبِّرُ وَيَحْمَدُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَ يُثْنِيْ عَلَيْهِ۔۔ الحديث . ❶

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی شخص کی نماز اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک وہ شرعی وضو کر کے تکبیر تحریمہ کے بعد اللہ عزوجل کی حمد وثناء نہ کرے۔''

شارح ابی داؤد حضرت مولانا شمس الحق محدث ڈیانوی اور محدث دور حاضر الشیخ محمد ناصر الدین رحمہ اللہ کے نزدیک حمد وثناء واجب ہے۔ چنانچہ عون المعبود شرح ابی داؤد میں ہے:

وَفِيْهِ وُجُوْبُ الْحَمْدِ وَ الثَّنَاءِ بَعْدَ تَكْبِيْرِ التَّحْرِيْمَةِ۔ (ج ۱ ص ۳۲۰)

''یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد قراءت سے پہلے حمد وثناء واجب ہے۔''

نیز دیکھیے علامہ محمد ناصر الدین کی کتاب صفۃ صلاۃ النبی (ص ۴۷) گویا ان کے نزدیک لا تتم صلاۃ لأحد میں لا نفی الصحۃ ہے، تاہم اکثر علمائے اسلام کے نزدیک تکبیر تحریمہ کی بعد والی حمد وثناء سنت ہے، واجب نہیں اور وہ اس لا کو لانفی کمال قرار دیتے ہیں۔ امام ابن قدامۃ حنبلی لکھتے ہیں:

وَجُمْلَةُ ذٰلِكَ أَنَّ الْاِسْتِفْتَاحَ (سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَغَيْرِهِ) مِنْ سُنَنِ الصَّلٰوةِ فِيْ قَوْلِ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ وَكَانَ مَالِكٌ لَا يَرَاهُ . ❷

❶ عون المعبود: باب صلاة من لا يقيم صلبه في الركوع والسجود ج ۱ ص ۳۲۰۔

❷ كتاب المغني مع شرح الكبير، فصل الاستفتاح ج ۱ ص ۵۱۵۔

خلاصہ یہ کہ اکثر علمائے امت کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے بعد والی حمد وثناء نماز کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے۔ مگر امام مالک سرے سے اس کے قائل ہی نہیں۔

امام شوکانی، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی توجیہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث ثناء کی شرح میں لکھتے ہیں:

وَالْحَدِيثَانِ وَمَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ مِنَ الْأَثَارِ تَدُلُّ عَلَى مَشْرُوعِيَّةِ الْإِسْتِفْتَاحِ بِهٰذِهِ الْكَلِمَاتِ. ❶

''یہ دونوں حدیثیں اور دوسرے آثار ثناء کے سنت اور مشروع عمل ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔''

سید محمد سابق مصری بھی حمد وثناء کو مندوب، یعنی مشروع عمل ہی قرار دیتے ہیں جیسا کہ لکھتے ہیں:

يَنْدُبُ لِلْمُصَلِّيْ أَنْ يَّأْتِيَ بِأَيِّ دُعَاءٍ مِّنَ الْأَدْعِيَةِ الَّتِيْ كَانَ يَدْعُوبِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَسْتَفْتِحُ بِهَا الصَّلٰوةَ. ❷

اس احقر الناس کے نزدیک بھی اکثر علماء ہی کا قول راجح ہے۔ لہٰذا اگر آدمی ثناء پڑھنی بھول جائے یا سورۂ فاتحہ کے فوت ہو جانے کے ڈر سے جان بوجھ کر ثناء اور تعوذ چھوڑ کر امام کی اقتداء میں سورۂ فاتحہ پڑھ لے تو اس کی یہ رکعت بلاشبہ ہو جائے گی۔

امام ابن قدامہ المقدسی تصریح فرماتے ہیں:

وَإِذَا نَسِيَ الْإِسْتِفْتَاحَ أَوْتَرَكَهُ عَمَدًا حَتّٰى شَرَعَ فِي الْإِسْتِفَادَةِ لَمْ يُعِدْ إِلَيْهَا لِأَنَّهُ سُنَّةٌ فَاتَ مَحَلُّهَا وَكَذٰلِكَ إِنْ نَسِيَ التَّعَوُّذَ حَتّٰى شَرَعَ فِي الْقِرَاءَةِ لَمْ يُعِدْ إِلَيْهِ لِذٰلِكَ. ❸

مفتی جماعت اہل حدیث مولانا ابوالبرکات المدراسی کا فتویٰ:

اگر امام صاحب اونچی آواز میں قراءۃ کر رہے ہوں تو سبحانك اللهم پڑھنا درست نہیں۔ صرف سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہیے جس طرح احادیث سے ثابت ہے۔ تصدیق محدث زماں استاذی المکرم حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ۔

(فتاوی برکاتیہ: ص ۵۶، ۵۷)

جہری نمازوں میں بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھی جائے یا آہستہ پڑھی جائے؟

سوال: جہری نمازوں میں جو قراءت کی جاتی ہے۔ اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اونچی آواز سے پڑھی جائے یا آہستہ؟

جواب: اس میں علماء کا اختلاف ہے اور علماء دونوں ہی باتوں کے قائل ہیں۔ تاہم ہمارے نزدیک بسم اللہ آہستہ پڑھنا راجح ہے اور محققین اہل حدیث کا یہی مسلک ہے، چنانچہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری مرحوم ترمذی کی شرح میں لکھتے ہیں:

---

❶ نيل الأوطار: باب ذكر الإستفتاح بين التكبير والقراءة ج ٢ ص ١٩٢ تا ٢٩٦.

❷ فقه السنة: باب سنن الصلوة ج ١ ص ١٢١ و ١٢٤.

❸ المغني مع شرح الكبير: ج ١ ص ٥١٨.

قُلْتُ قَدْ ثَبَتَ قِرَاءَةُ الْبَسْمَلَةِ فِي الصَّلٰوةِ بِأَحَادِيْثِ صَحِيْحَةٍ وَهِيَ حُجَّةٌ عَلَى الْإِمَامِ مَالِكٍ وَالْإِسْرَارُ بِهَا أَحَبُّ مِنَ الْجَهْرِ بِهَا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ ❶

یعنی حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے علی الرغم نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے البتہ جہر کے مقابلے میں اسرار (آہستہ پڑھنا) زیادہ پسندیدہ ہے۔ واللہ اعلم

ام القرآن کا ہر رکعت میں پڑھنا فرض ہے

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِذَا كُنْتَ مَعَ الْإِمَامِ فَاقْرَاءْ بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ قَبْلَهٗ إِذَا سكت۔ ❷

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تو امام کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے پیچھے سکتہ میں یہی سورۂ فاتحہ پڑھ لیا کر۔''

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَتَقْرَؤُنَ فِي صَلٰوتِكُمْ خَلْفَ الْإِمَامِ وَالْإِمَامُ يَقْرَاءُ فَلَا تَفْعَلُوْا وَلْيَقْرَاءْ أَحَدُكُمْ بِفَاتِحَةِ الْكِتٰبِ فِي نَفْسِهٖ۔ ❸

''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مقتدیوں (صحابہ رضی اللہ عنہم) کو مخاطب ہو کر) فرمایا: جب امام پڑھتا ہے تو کیا تم اپنی نماز میں امام کے پیچھے پڑھتے ہو؟ ایسا مت کیا کرو، تم میں سے ہر ایک صرف سورۂ فاتحہ آہستہ پڑھ لیا کرے۔''

سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز غیر مکمل ہے

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ قَالَ مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً لَمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ فَهِيَ خِدَاجٌ غَيْرُ تَمَامٍ۔ ❹

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی۔ وہ نماز ناقص ہے (مردہ ہے) مکمل نہیں ہے۔

فاتحہ کے علاوہ کوئی قراءت مقتدی پر واجب نہیں

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ أَبِيْ قَتَادَةَ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَقْرَؤُنَ خَلْفِيْ؟ قُلْنَا

---

❶ تحفة الاحوذی: ص ٢٠٤ ج ١ باب ماجاء في ترك الجهر ببسم الله الرحمن الرحيم۔

❷ كتاب القراءة: ص ٥٤۔

❸ منتخب كنزالعمال برحاشيه مسند أحمد: جلد ٣ ص ١٨٦۔

❹ كتاب القراءة: ص ٣٣۔

نَعَمْ قَالَ فَلَا تَفْعَلُوْا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ۔ ❶

''حضرت عبداللہ اپنے باپ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے پیچھے پڑھتے ہو؟ ہم نے کہاں ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورۂ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو۔''

امام الانبیاء کا فرمان اور فرضیت فاتحہ:

عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ قَالَ أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَقْرَاءَ فَاتِحَةَ الْكِتٰبِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ ۔ ❷

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھا کریں۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع اور فرضیت فاتحہ:

عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ أَمَرَنَا نَبِيُّنَا ﷺ أَنْ نَقْرَأَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَا تَيَسَّرَ ۔ ❸

''ابونضرہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم (صحابہ رضی اللہ عنہم) سورۃ فاتحہ اور جو میسر ہو پڑھا کریں۔''

سورۂ فاتحہ کی شان اور تارک کا نقصان:

قَالَ سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ لَّمْ يَقْرَاءْ خَلْفَ الْإِمَامِ فَصَلٰوتُهٗ خِدَاجٌ ۔ ❹

''حضرت ابوامامہ کے خادم ابوعنبسہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز ناقص (مردہ) ہے۔''

فرض تو صرف سورۃ فاتحہ ہی ہے:

عن عِكْرَمَةَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ لَمْ يَقْرَأْ فِيْهِمَا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتٰبِ ۔ ❺

---

❶ كتاب القراء ت، ص ۵۲.
❷ مسلك الختام شرح بلوغ المرام: ج ۱ ص ۲۱۸، شرح مهذب: ج ۳ ص ۳۱۳.
❸ مسند أحمد: ج ۳ ص ۳ ـ أبو داؤد: ج ۱ ص ۱۱۸ـ كتاب القراءة: ص ۱۲.
❹ كتاب القراءة: ۵۳، طبع دهلي.
❺ كتاب القراءة: ص ۸، فتح الباري: جز ۳ ص ۴۱۵ دهلي.

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کھڑے ہوئے، پس پڑھیں آپ نے دو رکعتیں ان میں سوائے سورۂ فاتحہ کی قراءت نہ کی۔''

امام ومقتدی دونوں پر فاتحہ پڑھنا واجب ہے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ تَقْرَؤُنَ خَلْفِي؟ قَالُوْا نَعَمْ إِنَّا لَنَهُذُّ هَذًّا قَالَ فَلاَ تَفْعَلُوْا إِلاَّ بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ . ❷

''فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ میرے پیچھے پڑھتے ہو؟ لوگوں نے کہا ہاں، ہم لوگ جلدی جلدی پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: نہ پڑھو مگر سورۂ فاتحہ۔''

ترک فاتحہ سے ہر نماز بے کار ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لاَ صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَاءْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ . ❸

''ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی۔ اس کی نماز نہیں ہے۔''

سورۂ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز مقبول نہیں:

قَالَ سَمِعْتُ مُحَمَّداً ﷺ يَقُوْلُ كُلُّ صَلٰوةٍ لاَ يُقْرَاءُ فِيهَا فَاتِحَةُ الْكِتَابِ فَهِيَ خِدَاجٌ لَّمْ يُقْبَلْ . ❸

ہر نمازی کے لیے ہر نماز میں فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے:

جواب سوال نمبر۲: سورۂ فاتحہ نماز کے ارکان میں سے ایک رکن اور فرائض میں سے ایک فرض ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ نماز خواہ نفلی ہو یا فرضی، پڑھنے والا مقامی ہو یا مسافر، امام ہو یا مقتدی، یعنی ہر نمازی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھے ورنہ اس کی نماز نہیں ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ مجتہد مطلق امام بخاری رحمۃ اللہ نے اپنی صحیح میں یوں باب باندھا ہے:

بَابُ وُجُوْبِ قِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُوْمِ فِي الصَّلٰوةِ كُلِّهَا فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ وَأَمْ يُجْهَرُ فِيهَا وَمَا يُخَافَتُ . ❹

''امام اور مقتدی کے لیے تمام حضری اور سفری نمازوں میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔ چاہے جہری قراءت

❶ رواه البخاري: جزء القراءة، ص۸ طبع دهلي: كتاب القرأة بيهقي ص ٥٤۔

❷ كتاب القرائة: ص ٣٣، طبع دهلي۔

❸ كتاب القراءت: ص ٥٣، طبع دهلي۔

❹ صحيح بخاري: ص ١٠٤ ج ١۔

والی نماز ہو یا سری قراءت والی۔"

اور پھر یہ حدیث لاتے ہیں:

(۱) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَاءُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ. ❶

"یعنی نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی۔ خواہ امام ہو یا مقتدی ہو، نماز نفل ہو یا فرض، سفری ہو یا حضری۔

یہی حدیث انہی الفاظ میں صحیح مسلم (ص ۱۶۹ ج ۱ بَابُ وجُوْبِ قِرَاءَةِ الْفَاتِحَةِ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ وَأَنَّهُ إِذَا لَمْ يُحْسِنِ الْفَاتِحَةَ۔ الخ) ابوداؤد (ص ۱۱۸ بَابُ مَنْ تَرَكَ الْقِرَاءَةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ) نسائی (ص ۹۳ ج ۱ بَابُ إِيْجَابُ قِرَاءَةِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ فِي الصَّلٰوةِ) ابن ماجہ (ص ۶۰ ج ۱ بَابُ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْإِمَامِ) میں موجود ہے۔

(۲) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ قِرَاءَةٌ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ إِنِّيْ أَرَاكُمْ تَقْرَؤُنَ وَرَاءَ إِمَامِكُمْ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَيْ وَاللّٰهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوْا إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ فَإِنَّهُ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِهَا. ❷

"یعنی آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ صبح کی نماز پڑھانے کے بعد فرمایا کہ میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو، تو ہم نے کہا ہاں، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ امام کے پیچھے کچھ نہ پڑھا کرو سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے اور بغیر فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم

احناف کے ایک استدلال کا جواب:

قارئین کرام! غور فرمائیے کہ اگر علمائے اسلام بالخصوص علمائے احناف، آیت ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾ میں وارد تمام مسلمانوں پر جمعہ کی فرضیت کے عام حکم میں سے ازروئے حدیث غلام، عورت، مسافر اور مریض وغیرہ اور احناف کے ایک گروہ علمائے بریلویہ کے نزدیک، عورت، بچہ، غلام، بیمار، مسافر، دیہاتی، نابینا اور لنگڑا پر سے جمعہ کی فرضیت کو مستثنیٰ قرار دے لیں اور پھر اس استثنا کو صحیح قرار دیں تو پھر وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کے عام حکم سے ازروئے احادیث صحیحہ کثیرہ، امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے استثنا کو کیوں صحیح اور درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

پس جس طرح مذکورہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ کے عام حکم سے ازروئے حدیث (اور وہ بھی ضعیف حدیث کے) غلام، مریض، عورت، مسافر وغیرہ پر جمعہ کی عدم فرضیت کی استثنا درست

❶ صحیح بخاری: ص ۱۰۴ ج ۱۔ ❷ تحفة الأحوذي: ص ۲۵۳ ج ۱ باب ماجاء في القراءة خلف الامام.

اور صحیح ہے، اسی طرح وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ کے عام حکم سے ازروئے احادیث صحیحہ کثیرہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی استثنا درست اور صحیح ہے۔ فَمَا جَوَابُكُم فَهُوَ جَوَابُنَا۔

پس ثابت ہوا کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لیے بھی سورت فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے۔ البتہ مقتدی امام کی قراءت کے وقت صرف سورت فاتحہ ہی پڑھے، سورت فاتحہ سے آگے مزید قرآن نہ پڑھے اور سورت فاتحہ آہستہ طور پر پڑھے۔

الحاصل! امام، مقتدی، منفرد ہر نماز کی ہر رکعت میں سورت فاتحہ ضرور پڑھے۔ جو نمازی اپنی نماز میں سورت فاتحہ نہ پڑھے گا اس کی وہ نماز نہیں ہوگی۔

اگر کوئی ضدی متعصب حنفی ان مذکورہ قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ کے دلائل و براہین ہونے کے باوجود اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر مصر رہے کہ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ والی آیت کی وجہ سے امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے سے آیت کے معنی میں تعارض وتخالف پیدا ہوتا ہے، کیونکہ آیت کے الفاظ کی معنویت کا تقاضا ہے کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اس کو سنا جائے اور خاموش رہا جائے۔ تو ہم اس کی خدمت میں گزارش کریں گے کہ یہ تعارض وتخالف تو جب ہوگا اگر مقتدی بھی امام کی طرح اونچی آواز میں سورت فاتحہ پڑھے، جیسا کہ نبی علیہ السلام کی امامت میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس مسئلہ کی لاعلمی سے آپ کے پیچھے اونچی آواز سے قرات کی تھی۔ جس کی وجہ سے آپ کو پڑھنے میں دشواری پیش آ گئی تھی تو نماز سے فراغت کے بعد آپ نے ان کو فرمایا:

لَعَلَّكُمْ تَقْرَؤُنَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ؟ قُلْنَا نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوْا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِهَا.

''شاید تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو؟ ہم نے کہا، ہاں (ہم آپ کے پیچھے پڑھتے ہیں) اے اللہ کے رسول۔ تو آپ نے فرمایا: تم (ایسا) نہ کرو۔ (یعنی تم نہ پڑھا کرو) مگر سورت فاتحہ (پڑھا کرو)۔ کیونکہ اس کی کوئی نماز نہیں جس نے اس کو نہ پڑھا۔ ❶

حدیث ہذا سے ثابت ہوا کہ نبی ﷺ نے نماز میں اپنے پیچھے اونچی آواز سے قراءت کرنے والوں کو اونچی آواز سے قراءت کرنے سے منع کر دیا تھا اور آپ نے ان کو حکم فرما دیا تھا کہ آہستہ آواز سے سورت فاتحہ پڑھا کرو۔ سورت فاتحہ سے مزید قراءت نہ کیا کرو۔ (اس کی صراحت و وضاحت سابقہ تفصیل سے گذر چکی ہے) غور کیجئے۔ جب مقتدی امام کی قراءت کو سنے بھی اور خاموش بھی رہے اور سورت فاتحہ کو آہستہ طور پر پڑھے کہ دوسرا آدمی اس کے فاتحہ پڑھنے کو سن سکے تو پھر اس آیت کے معنی میں تعارض وتخالف کیسے پیدا ہوسکتا ہے؟ اسی لیے تو کئی صحیح احادیث میں مقتدی کو اِقْرَأْ بِهَا فِيْ نَفْسِكَ (تو اس (سورت فاتحہ) کو آہستہ پڑھا کر) سے پابند کیا گیا ہے کہ مقتدی جہری نمازوں میں بھی سورت فاتحہ پڑھے، لیکن آہستہ آواز سے پڑھے۔ جیسا کہ اس معنی ومفہوم کی کئی احادیث کا سابقاً ذکر ہو چکا ہے۔ میں حیران ہوں کہ علمائے احناف ذیل کی صورتوں

❶ ابو داؤد، ترمذی، وللنسائی معناہ بحوالہ مشکوۃ ج ۱ کتاب الصلوۃ باب القراءۃ فی الصلوۃ فصل دوم.

میں حکم عام میں سے ذیل والی چیزوں کے پڑھنے کی استثنا کی ممانعت ومخالفت پر اصرار کر رہے ہیں۔ آخر ایسا کیوں؟

(۱) وَاِذَا قُرِءَ الْقُرْاٰنُ آیت کے مطابق قراءت قرآن کے وقت سامع کو سننے اور خاموش رہنے کے حکم عام ہونے کے باوجود امام کی قرات کے وقت احباب احناف مقتدی کو دعا وثناء (سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ) کا پڑھنا عین جائز قرار دے رہے ہیں۔ ❶

(۲) نماز فجر باجماعت ہونے کی حالت میں امام کی قراءت کے وقت صفوں کے پیچھے مسجد کے کسی ستون کے پاس کھڑے ہو کر فجر کی دوسنتیں پڑھ لینا جائز ہے۔ (رد المحتار ص ۴۸۱)

(۳) جمعہ کا خطبہ سننا فرض ہے، لیکن اگر کسی کو دوران سماعت خطبہ یاد آگیا کہ اس نے فجر کی نماز نہیں پڑھی ہے تو عام علمائے احناف کے نزدیک خطبہ جمعہ کے وقت اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک نماز جمعہ ہونے کی حالت میں بھی فجر کی نماز پڑھنی چاہیے۔ اگر فجر کی نماز پڑھنے کے دوران ہی نماز جمعہ ختم ہوگئی تو اب اس کو نماز ظہر پڑھنی چاہیے۔ (رد المحتار)

مذہب حنفیہ بھی کیا خوب ہے۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کے حکم عام کی وجہ سے احادیث صحیحہ کثیرہ ہونے کے باوجود امام کے پیچھے مقتدی کو آہستہ طور پر سورت فاتحہ پڑھنے کو علماء احناف ممنوع قرار دیں، لیکن جمعہ کے خطبہ کا سننا جو فرض ہے، خطبہ جمعہ کے وقت خاموش رہنا فرض ہے، جمعہ کی نماز میں شامل ہونا فرض ہے، لیکن ان تینوں عام حکموں کی فرضیت کا قائل ہونے کے باوجود نماز فجر پڑھنے کے استثنا کو جائز قرار دینا حتی کہ نماز فجر پڑھتے پڑھتے اگر نماز جمعہ ختم ہو جائے تو نماز فجر پڑھنے والے کو نماز ظہر پڑھ لینے کو صحیح قرار دینا صرف علماء حنفیہ کا ہی کارنامہ ہے۔

(۴) جمعہ کا خطبہ سننا فرض ہے، دوران خطبہ اگر خطیب ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ آیت پڑھے تو عند الحنفیہ سامعین کو آہستہ آواز میں آپ پر درود سلام پڑھنا چاہیے۔ ❷

قارئین کرام! غور کیجیے کہ جب علماء احناف کے نزدیک:

(۱) امام کے پیچھے اس کے مطلق قراءت کے وقت یا صرف قراءت بالسیر کے وقت دعا وثناء پڑھنا جائز ہے اور یہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ والی آیت سے ممنوع و ناجائز نہیں ہے تو پھر امام کے پیچھے جہری وسری نمازوں میں مقتدی کے لیے آہستہ طور پر سورت فاتحہ کا پڑھنا کیوں حرام، ناجائز اور ممنوع ہوا؟ جو جواب دعا وثناء کے جواز کا ہوگا وہی جواب ہمارا ہوگا۔

(۲) جب فجر کی نماز میں امام کی قراءت کے وقت علماء احناف فجر کی مکمل دوسنتوں کو مسجد کے کسی ستون وغیرہ کے قریب پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں اور امام کی قراءت کے وقت مقتدی کا ان دونوں رکعتوں کا پڑھنا آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ سے ممنوع وحرام نہیں تو پھر امام کی قراءت کے وقت مقتدی کا صرف سورت فاتحہ پڑھنا کیوں ممنوع و ناجائز ہے؟ جو علماء احناف کا جواب سنت فجر کا ہوگا وہی جواب سورت فاتحہ کا ہوگا۔

❶ فتاوی عالمگیری: ج ۱ ص ۱۲۳، منیۃ ص ۸۳.

❷ شرح وقایہ ص ۷۵، کفایہ ص ۶۴، رمزالحقائق شرح کنز الدقائق ص ۴۵.

(۳) اگر خطبہ جمعہ اور نماز جمعہ کے وقت فجر کی نماز (دوسنت، دوفرض رکعات) کی قضا پڑھنے کو جائز قرار دیں اور آیت وإذا قرئ القران سے ممنوع نہ سمجھیں تو پھر امام کے پیچھے صرف سورت فاتحہ پڑھنے کو کیوں ممنوع و ناجائز سمجھیں۔ جو جواب فجر کی نماز پڑھنے کا ہے وہی جواب امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے کا ہے۔

(۴) اگر خطبہ جمعہ کے وقت خطیب کے ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ پڑھنے پر سامع (سننے والا) آہستہ سے آپ پر درود سلام پڑھ لے اور آیت وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ کا خلاف نہ ہوا اور خطبہ جمعہ کے سننے کی فرضیت کا خلاف نہ ہوتو امام کے پیچھے مقتدی کے آہستہ آواز میں سورت فاتحہ کا پڑھ لینا کیسے ممنوع و ناجائز ہوگا؟ خطبہ جمعہ کے وقت آپ پر درود و سلام پڑھنے کا جو جواب ہوگا وہی جواب امام کے پیچھے مقتدی کے لیے سورت فاتحہ پڑھنے کا ہوگا۔

قرآن و حدیث کے ان دلائل و براہین سے ثابت ہوا کہ سورت فاتحہ اگرچہ قرآن مجید کی ایک سورت ہے۔ لیکن شان و عظمت کے اعتبار سے اسے باقی قرآن پر ایک گونہ امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ یہ قرآن مجید کی سب سے پہلی سات آیتوں والی سورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام سبع مثانی اور قرآن عظیم رکھا ہے۔ بالیقین یہی ایک سورت ہے جو دنیائے جہاں کے ہر مسلمان نمازی کو اس کی ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہی وہ عظیم الشان عظیم المرتبت سورت ہے جس کے پڑھے بغیر نہ کوئی نماز ہوتی ہے: اور نہ کوئی رکعت۔ چونکہ یہ سورت فاتحہ ہر نمازی کی ہر نماز کی ہر رکعت میں بار بار دہرائی جاتی ہے اس لیے یہ سورت سبع مثانی اور قرآن عظیم نام سے عین اسم بامسمی ہوئی۔ یہی وہ عظیم الشان سورت ہے جو نماز میں اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان مناجات و مکالمہ کا سبب بنتی ہے اور نمازی اس کے پڑھنے سے مناجات الٰہی کے شرف سے مشرف ہوتا ہے۔ یہی وہ صورت ہے جو پورے قرآن مجید کے مفصل مضامین کا مجموعہ، خلاصہ اور لب لباب ہے۔

احناف کے اپنے گھر کی شہادت:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ﴾ کے شان نزول اور اس سے لیے جانے والے ہمارے مذکورہ معنی و مفہوم اور موقف کی تائید و توضیح حنفیہ کے اپنے گھر کی شہادت سے بھی ہو رہی ہے۔ چنانچہ مشہور دیوبندی مفسر مولانا عبدالماجد دریا آبادی۔ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ کے شان نزول کے متعلق یوں لکھتے ہیں:

حکم کے مخاطب ظاہر ہے کہ کفار و مشرکین ہیں اور مقصود اصلی یہ ہے کہ جب قرآن بہ غرض تبلیغ وغیرہ پڑھ کر تم کو سنایا جائے تو تم اسے توجہ و خاموشی کے ساتھ سنو۔ تاکہ اس کا معجزہ ہونا اور اس کی تعلیمات کی خوبیاں تمہاری سمجھ میں آ جائیں اور تم ایمان لا کر مستحق رحمت ہو جاؤ۔ اصل حکم تو اسی قدر تھا لیکن علمائے حنفیہ اس کے مفہوم میں توسیع پیدا کر کے اس سے حالت نماز میں مقتدی کے لیے قرآنی سورت فاتحہ کی ممانعت بھی نکالی ہے۔ صیغہ امر کو استحباب کے لیے سمجھا جائے۔ [1]

کیوں جناب! جب دیوبندی حنفی مفسرین اس آیت کے حکم کو عام تبلیغ پر محمول کرتے ہیں اور اس آیت کا یہی مقصود اصلی سمجھتے ہیں اور صیغہ امر کو استحباب پر محمول کرتے ہیں تو پھر دیگر متعصب علماء احناف اس آیت سے مقتدی کے لیے امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے کو کیوں ممنوع و ناجائز قرار دیتے ہیں؟

[1] تفسیر ماجدی: ص ۳۷۳ حاشیہ ۲۹۹.

مزید براں دیگر کتب فقہ حنفیہ میں بھی یہ صراحت موجود ہے کہ وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ سے نماز میں سورت فاتحہ نہ پڑھنے کا ثبوت پیش کرنا لغواور ساقط الاحتجاج ہے۔جیسا کہ صاحب نورالانوار نے آیت وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ ......الخ۔ سے عدم قرأت فاتحہ پر دلیل پکڑنے کو آیت فَاقْرَؤُا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ......الخ کے معارض قرار دے کر ساقط الاحتجاج والاعتبار ٹھہرایا ہے۔ لکھتے ہیں:

لِاَنَّ الْاٰ یَتَیْنِ اِذَا تَعَارَضَتَا تَسَاقَطَتَا ۔ ❶

''دوآیتیں جب باہم متعارض ہوں تو ان میں (کسی ایک) سے استدلال کرنا باطل ہو جاتا ہے۔''

اسی طرح فقہ حنفیہ کی کتاب تلویح (ص ۴۱۵ باب المعارضۃ والترجیح) میں لکھا ہے کہ یہ دونوں آیتیں ﴿وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ. الخ فَاقْرَؤُا مَا تَیَسَّرَ مِنْ الْقُرانُ. الخ﴾ ایک دوسرے کی معارض ہونے کی وجہ سے ساقط الاحتجاج ہیں۔(تلویح: ص ٤١٥)

پس جب حنفیہ کے اپنے گھر کی ان شہادتوں سے فَاقْرَؤُا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰن کی وجہ سے وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ والی آیت کا حکم ساقط الاحتجاج ٹھہرا ہے تو پھر وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ والی آیت کے حکم کو امام کے پیچھے سورت فاتحہ نہ پڑھنے پر ہرگز محمول نہیں کیا جا سکتا۔

چونکہ وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ والی آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے نماز میں مقتدی کے لیے سورت فاتحہ کا حکم دیا ہے۔اس لیے مقتدی کو ہر رکعت میں سورت فاتحہ کا پڑھنا نہایت ضروری ہے۔نماز میں سورت فاتحہ پڑھنے اور اس کے بغیر نماز نہ ہونے کی صراحت و وضاحت اور تائید و توضیح کے لیے کتب صحاح ستہ اور امام بیہقی کی کتاب ''کتاب القرأۃ'' اور امام بخاری کی کتاب ''جزء القرأۃ'' میں بہت سی صحیح احادیث موجود ہیں۔جن سے اظہر من الشمس واضح ہے کہ ہر نماز کی ہر رکعت میں امام، مقتدی، منفرد سب کے لیے سورت فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے۔سورت فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی ہے۔ ھٰذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب.

کیا عورتیں نماز میں مردوں کی طرح اونچی آواز میں آمین کہہ سکتی ہیں؟

سوال: کیا نماز جمعہ یا نماز عیدین میں مردوں کی طرح عورتوں کو بھی اونچی آواز سے آمین خلف الامام کہنی چاہیے؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب: واضح ہو کہ آمین بالجہر اگر چہ بہت سی صحیح احادیث سے ثابت ہے اور بقول امام عطاء بن ابی رباح دوصد صحابہ امام کے پیچھے آمین بالجہر کے قائل ہیں۔تاہم تتبع اور تلاش کے باوجود مجھے کوئی ایسی روایت نہیں ملی جس میں یہ صراحت ہو کہ عورت کو بھی امام کی اقتدا میں اونچی آواز سے آمین کہنی چاہیے اور قیاس یہ چاہتا ہے کہ عورت اونچی آواز سے آمین نہ کہے۔ کیونکہ عورت کی آواز میں احتمال فتنہ ہے: چنانچہ امام کی بھول پر عورت کو سبحان اللہ کہنے کے بجائے امام کو متنبہ کرنے کے لیے تالی بجانا چاہیے۔صحیح بخاری میں ہے:

---

❶ نورالانوار: ص ۱۹۱.

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اَلتَّسْبِيحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ. ❷

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نبی ﷺ نے فرمایا کہ امام کو اس کی بھول کے وقت مردوں کو سبحان اللہ کہنا چاہیے اور عورتوں کو تالی بجانی چاہیے۔''

فتح الباری میں ہے:

كَانَ مُنِعَ النِّسَاء مِنَ التَّسْبِيحِ لِأَنَّهَا مَأْمُورَةٌ بِخَفْضِ صَوْتِهَا فِي الصَّلٰوةِ مُطْلَقاً لِمَا يُخْشٰى مِنَ الْافْتِتَانِ وَمُنِعَ الرِّجَالُ مِنَ التَّصْفِيقِ لِأَنَّهُ مِنْ شَانِ النِّسَاءِ. ❶

''عورتوں کو امام کی اقتدا میں تسبیح سے اس لیے روک دیا گیا ہے کہ ان کو نماز میں نیچی آواز کا حکم دیا گیا ہے کہ فتنہ کا خدشہ ہے اور مردوں کو تالی سے اس لیے روکا گیا کہ تالی عورتوں کا کام ہے۔''

بنا بریں مردوں کے ساتھ نماز پڑھنے والی عورت اونچی آواز سے آمین نہ کہے۔ کیونکہ جس طرح تسبیح سے کسی فتنہ کا اندیشہ ہوتا ہے وہی اندیشہ آمین میں بھی پایا جاتا ہے۔ لہٰذا جمعہ اور عیدین وغیرہ کی جماعتوں میں مستورات اونچی آواز سے آمین نہ کہیں۔ ہاں اگر عورت ہی امام ہو تو پھر عورتیں بلند آواز سے آمین کہہ سکتی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

امام اگر کوئی آیت بھول جائے تو کیا اس پر سجدہ سہو ہوگا یا نہیں؟

سوال: قراءت کے دوران اگر امام سے کوئی آیت یا لفظ غلطی سے رہ گیا ہو تو کیا ایسی صورت میں سجدہ سہو کرنا ہوگا یا نہیں؟

جواب: نماز میں قراءت کرتے وقت اگر کوئی آیت بھول جائے یا غلطی سے کسی آیت کا کوئی لفظ رہ جائے تو اس صورت میں سجدہ سہو نہیں پڑتا۔ سجدہ سہو تو نماز میں کمی بیشی پر پڑتا ہے ورنہ نہیں۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال: جہری نماز کی قراءت میں مقتدی رسول اللہ ﷺ کا نام سن کر صلی اللہ علیہ وسلم کہہ سکتا ہے یا نہیں؟

(سائل: محمد اسحاق ولد ثناء اللہ چک ۱۵۳ گ ب حال ورکشاپ سال انڈسٹری ڈجکوٹ)

جواب: اگرچہ ایسے موقع پر ﷺ کہنے کے متعلق میرے علم کے مطابق کوئی خاص حدیث موجود نہیں، البتہ عام دلائل کی بنیاد پر ﷺ کہنا جائز ہے۔

سجدہ کرتے ہوئے زمین پر ہاتھ پہلے رکھے جائیں یا گھٹنے؟

سوال: سجدہ کرتے ہوئے زمین پر پہلے ہاتھ رکھے جائیں یا گھٹنے؟ بینوا توجروا۔ (ایک سائل از کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ)

جواب: اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، ابراہیم نخعی، مسلم بن یسار، سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب، امام ابن المنذر، امام ابن القیم اور جمہور علماء رحمہم اللہ کے نزدیک زمین پر

---

❶ فتح الباری: ص ٦٢ ج ٣.	❷ صحيح بخاری: باب التصفيق للنساء ص ١٦٠ ج ١.

پہلے گھٹنے رکھنے چاہئیں۔ مگر امام اوزاعی، امام مالک، امام ابن حزم، محدثین کرام اور دوسرے علماء کے نزدیک زمین پر پہلے ہاتھ رکھنے زیادہ صحیح ہیں۔

پہلے مذہب کی دلیل:

عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ. ❶

''حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ اپنے ہاتھوں سے پہلے اپنے گھٹنے زمین پر رکھتے تھے۔''

اس حدیث کو اگرچہ امام خطابی وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر ترجیح دی ہے اور اثبت کہا ہے تاہم یہ حدیث ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

أَخْرَجَهُ أَصْحَابُ السُّنَنِ الْأَرْبَعَةِ وَ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ ابْنُ السَّكَنِ فِيْ صِحَاحِهِمْ مِنْ طَرِيْقِ شَرِيْكٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْهُ، قَالَ الْبُخَارِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ تَفَرَّدَ بِهِ شَرِيْكٌ، وَقَالَ الْبَيْهَقِيُّ وَإِنَّمَا تَابَعَهُ هَمَّامٌ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِيْهِ مُرْسَلاً وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ رَوَاهُ هَمَّامٌ عَنْ عَاصِمٍ مُرْسَلاً وَقَالَ الْحَازِمِيُّ رِوَايَةُ مَنْ أَرْسَلَ أَصَحُّ وَقَدْ تَعَقَّبَ قَوْلَ التِّرْمِذِيِّ بِأَنَّ هَمَّامًا إِنَّمَا رَوَاهُ عَنْ شَقِيْقٍ يَعْنِي ابْنَ اللَّيْثِ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِيْهِ مُرْسَلاً وَ رَوَاهُ هَمَّامٌ أَيْضاً عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَجَارَةَ عَنْ عَبْدِالْجَبَّارِ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيْهِ مَوْصُوْلاً وَ هٰذِهِ الطَّرِيْقُ فِيْ سُنَنِ أَبِيْ دَاوُدَ إِلاَّ أَنَّ عَبْدَالْجَبَّارِ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِيْهِ وَلَهُ شَاهِدٌ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ وَرَوَى الدَّارَقُطْنِيُّ وَالْحَاكِمُ وَالْبَيْهَقِيُّ مِنْ طَرِيْقِ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ عَنْ عَاصِمٍ الْأَحْوَلِ عَنْ أَنَسٍ فِيْ حَدِيْثٍ فِيْهِ ثُمَّ انْحَطَّ بِالتَّكْبِيْرِ فَسَبَقَتْ رُكْبَتَاهُ يَدَيْهِ، قَالَ الْبَيْهَقِيُّ تَفَرَّدَبِهِ الْعَلاَءُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ الْعَطَّارُ وَهُوَ مَجْهُوْلٌ. ❷

عصر حاضر کے محدث محمد ناصر الدین البانی نے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو موضوع تک کہہ دیا ہے، تاہم ہمارے نزدیک یہ حدیث موضوع تو نہیں ضعیف ضرور ہے۔

مختصر یہ کہ وائل بن حجر کی یہ حدیث مع متابعات ضعیف ہے۔ مزید تفصیل نیل الاوطار (ص ۲۸۳ ج ۲) دارقطنی (ص ۳۴۶) تحفۃ الاحوذی (ص ۲۲۸، ص ۲۳۰ جلد ۱) اور عون المعبود ج ۱، ص ۳۱۱ میں ملاحظہ فرمایئے۔

دوسرے مذہب کی دلیل:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ للّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ أَحَدُكُمْ فَلاَ يَبْرُكْ كَمَا

❶ رواه الخمسة إلا أحمد، نيل الاوطار: ص ٢٨٢ ج ٢، تحفة الاحوذى: ص ٢٢٨ ج ١. ❷ تلخيص الحبير: ص ٢٥٤ ج ١.

يَبْرُكُ الْبَعِيرُ وَلْيَضَعْ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ . ❶

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی آدمی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے بلکہ وہ اپنے گھٹنوں سے پہلے اپنے ہاتھوں کو زمین پر رکھے۔''

اور یہ حدیث وائل کی حدیث سے زیادہ قوی ہے اور اس کا شاہد بھی موجود ہے۔اس حدیث کا شاہد یہ ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يَضَعُ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ وَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ . ❷

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گھٹنوں سے پہلے اپنے ہاتھ زمین پر رکھتے تھے۔انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔''

ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی اس حدیث پر لکھتے ہیں:

إِسْنَادُهُ صَحِيْحٌ وَ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَ وَافَقَهُ الذَّهَبِيُّ وَرَجَّحَهُ الْحَافِظُ عَلٰى حَدِيْثِ وَائِلٍ وَّ عَلَّقَهُ الْبُخَارِيُّ . ❸

''اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔امام حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔حافظ ذہبی نے بھی امام حاکم سے اتفاق کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو وائل بن حجر کی حدیث پر ترجیح دی ہے۔

وَقَالَ الْحَافِظُ سَيِّدُ النَّاسِ أَحَادِيْثُ وَضْعِ الْيَدَيْنِ قَبْلَ الرُّكْبَتَيْنِ أَرْجَحُ وَقَالَ يَنْبَغِي أَنْ يَكُوْنَ حَدِيْثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ دَاخِلاً فِي الْحَسَنِ عَلٰى رَسْمِ التِّرْمَذِيِّ لِسَلَامَةِ رُوَاتِهِ عَنِ الْجَرْحِ . ❹

''حافظ سید الناس کہتے ہیں کہ بوقت سجدہ زمین پر ہاتھوں کو رکھنا زیادہ راجح ہے۔امام ترمذی کے اصول کے مطابق ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حسن کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس کے رواۃ جرح سے محفوظ ہیں۔''

وَقَالَ ابْنُ التُّرْكُمَانِي فِي الْجَوْهَرِ النَّقِيِّ وَالْحَدِيْثُ الْمَذْكُوْرُ أَوَّلاً يَعْنِيْ وَلْيَضَعْ يَدَيْهِ ثُمَّ رُكْبَتَيْهِ دَلَالَةٌ قَوْلِيَّةٌ وَقَدْ تَأَيَّدَ بِحَدِيْثِ ابْنِ عُمَرَ فَيُمْكِنُ تَرْجِيْحُهُ عَلٰى حَدِيْثِ وَائِلٍ لِأَنَّ دَلَالَتَهُ فِعْلِيَّةٌ عَلٰى مَاهُوَ الْأَرْجَحُ عِنْدَ الْأُصُوْلِيِّيْنَ . ❺

❶ عون المعبود شرح أبي داؤد :باب كيف يضع كبتيه قبل يديه ص ۳۱۱ جلد ۱۔ اخرجه الثلاثة وهو أقوى من حديث وائل بن حجر، المذكور في دليل المذهب الأول فإن للأول شاهدا من حديث ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه صححه ابن خزيمة و ذكره البخاري معلقا، بلوغ المرام: ص ۳۲۔

❷ صحیح ابن خزیمة۔ باب ذكر خبر روى عن النبى ﷺ فى بدیه بوضع اليدين قبل الركبتين ص ۳۱۸ جلد ۱.

❸ تعلق ابن خزیمة :ص ۳۱۸ جلد ۱۔

❹ نيل الاوطار: باب هيئات السجود و كيف الهوى إليه ص ۲۸٤ جلد ۲.

❺ تحفة الاحوذی: ص ۲۲۹ ج ۱۔

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث قوی ہے اور اس کی تائید میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی موجود ہے، لہٰذا اس حدیث کو وائل بن حجر کی حدیث پر ترجیح ہے کیونکہ قولی دلیل فعلی دلیل کی نسبت راجح اور قوی ہوتی ہے۔"

وَمِنَ الْمُرَجِّحَاتِ لِحَدِيْثِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّهُ قَوْلٌ وَحَدِيْثُ وَائِلٍ حِكَايَةُ فِعْلٍ وَالْقَوْلُ أَرْجَحُ مَعَ أَنَّهُ قَدْ تَقَرَّرَ فِي الْأُصُوْلِ أَنَّ فِعْلَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُعَارِضُ قَوْلَهُ الْخَاصَّ بِالْأُمَّةِ وَمَحَلُّ النِّزَاعِ مِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ. ❶

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کی من جملہ ترجیحات میں سے ایک ترجیح یہ بھی ہے کہ وہ قولی حدیث ہے اور وائل کی حدیث آپ کے فعل کی حکایت ہے اور قول فعل سے راجح ہوتا ہے اور یہ بات بھی علم اصول میں طے شدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل آپ کے اس قول کے معارض نہیں ہوتا جو امت کے لیے خاص ہوتا ہے اور یہ محل نزاع بھی اسی قبیل سے ہے۔"

وَرَجَّحَ الْقَاضِيْ أَبُوْبَكْرِ بْنُ الْعَرَبِيِّ فِيْ عَارِضَةِ الْاَحْوَذِيِّ حَدِيْثَ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَلٰى حَدِيْثِ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ فَقَالَ الْهَيْئَةُ الَّتِيْ رَأٰى مَالِكٌ (وَهِيَ الْهَيْئَةُ الَّتِيْ مَرْوِيَّةٌ فِيْ حَدِيْثِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ) مَنْقُوْلَةٌ فِيْ صَلٰوةِ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ فَتَرَجَّحَتْ بِذٰلِكَ عَلٰى غَيْرِهٖ. ❷

"اور قاضی ابوبکر بن العربی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو وائل کی حدیث پر اس وجہ سے بھی ترجیح دی ہے کہ اہل مدینہ سے سجدہ کرنے کی وہی ہیئت کذائی منقول ہے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بیان ہوئی ہے، یعنی سجدہ کرتے وقت گھٹنوں سے پہلے ہاتھوں کو زمین پر رکھنا۔"

بہرحال ہاتھ پہلے رکھے جائیں یا گھٹنے؟ دونوں طرح جائز ہے، تاہم راقم کے نزدیک ہاتھوں کو پہلے رکھنا زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کیا سجدے میں ناک جائے سجدہ پر لگانا ضروری ہے؟

سوال: کیا کسی حدیث میں یہ آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہو کہ سجدہ کرتے وقت ناک کو بھی زمین پر لگایا جائے، جب کہ احادیث میں تو سات اعضا پر سجدہ کرنے کا حکم ہے جب کہ ناک پر سجدہ کرنے سے اعضا آٹھ بن جاتے ہیں۔ بینوا توجروا۔(سائل: مولوی عبدالرحمان مسجد رحمانیہ جامع کلاتھ مارکیٹ کراچی)

جواب: مشہور احادیث کے مطابق سات اعضا پر سجدہ کرنے کا حکم ہے اور ان سات اعضا (ہڈیوں) میں ایک پیشانی بھی ہے اور ناک پیشانی ہی کا حصہ ہے، لہٰذا اگرچہ بظاہر ناک پر سجدہ کرنے سے آٹھ جوڑ قرار پاتے ہیں، ورنہ درحقیقت سات ہی جوڑ ہیں۔ اب احادیث صحیحہ ملاحظہ فرمایئے:

---

❶ نیل الاوطار: ص ۲۸٤ جلد ۲۔

❷ تحفة الاحوذی: ص ۲۲۹ جلد ۱۔

۱۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ أَعْضَاءٍ وَّلاَ يَكُفُّ شَعْرًا وَّلاَ ثَوْبًا اَلْجَبْهَةَ وَالْيَدَيْنِ والرُّكْبَتَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ. ❶

''حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو سات اعضا پر سجدہ کرنے کا حکم ملا ہے، اسی طرح بال اور کپڑے نہ سمیٹنے کا بھی حکم ہوا ہے۔ وہ سات اعضا یہ ہیں: پیشانی اور دونوں ہاتھ' دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں ہیں۔''

اس روایت میں ناک کا ذکر صراحت کے ساتھ مذکور نہیں، گو پیشانی کے ضمن میں ناک بھی آ جاتی ہے، تاہم ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دوسری مفصل حدیث میں ناک کی تصریح بھی موجود ہے۔

۲۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ عَلَى الْجَبْهَةِ وَأَشَارَ بِيَدِهٖ عَلٰى أَنْفِهٖ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ وَلَانَكْفِتَ الثِّيَابَ وَالشَّعْرَ. ❷

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم ملا ہے، پیشانی پر اور آپ نے (پیشانی سے لے کر) ناک تک ہاتھ پھیرا اور دونوں ہاتھوں' دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں پر۔ اور یہ بھی حکم ہوا ہے کہ ہم (سجدہ) میں کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹیں۔''

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ناک پیشانی ہی میں داخل ہے۔ لیکن پیشانی زمین پر رکھنا ضروری ہے، صرف ناک پر سجدہ کرنا کافی نہیں۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک ناک اور پیشانی دونوں زمین پر لگانا واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف ناک پر بھی سجدہ کرنا کافی ہے۔

نسائی میں اس کی صراحت ہے کہ ہاتھ پیشانی پر رکھا اور ناک تک پھیرا۔ وہ حدیث یہ ہے:

۳۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ طَاؤُسٍ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى جَبْهَتِهٖ وَأَمَرَّهَا عَلٰى أَنْفِهٖ قَالَ هٰذَا وَاحِدٌ. ❸

''عبداللہ بن طاؤس کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ پیشانی پر رکھے اور پھر آپ نے اپنا ہاتھ پیشانی پر پھیرا اور کہا کہ پیشانی اور ناک ایک ہی عضو ہیں۔''

۴۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ اَلْجَبْهَةِ وَأَشَارَ بِيَدِهٖ عَلٰى أَنْفِهٖ وَالْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ وَلاَ نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَلاَ الشَّعْرَ. ❹

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم ہوا

---

❶ صحيح البخاري: باب السجود على سبعة أعظم ج ١ ص.
❷ صحيح البخاري: باب السجود على الأنف ج ١ ص ١١٢.
❸ سنن النسائي: باب السجود على الركبتين ج ١ ص ١٢٠.
❹ صحيح مسلم: باب أعضاء السجود ج ١ ص ١٩٣.

ہے پیشانی پر اور اشارہ کیا آپ نے اپنے ہاتھ سے اپنی ناک پر، دونوں ہاتھوں پر، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں کی انگلیوں پر۔ اور حکم ہوا کپڑے اور بال نہ سمیٹنے کا۔"

ان احادیث سے دوسرا مسئلہ یہ بھی ثابت ہوا کہ سجدہ کرتے وقت گرد وغبار سے بچانے کی غرض سے بال اور کپڑوں کو سمیٹنا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ بھی سجدہ کرتے ہیں، یعنی قمیض کی کفوں وغیرہ کو چڑھانا جائز نہیں۔

۵- امام بخاری کی تبویب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ناک کو سجدہ میں زمین پر لگانا واجب ہے اور آپ کی تبویب یہ ہے بَابُ السُّجُوْدِ عَلَى الْاَنْفِ فِي الطِّيْنِ. "کیچڑ میں بھی ناک زمین پر لگانا"۔ پھر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی قدرے طویل حدیث لائے ہیں جس کے آخر میں ہے

حَتّٰى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّيْنِ وَالْمَاءِ عَلٰى جَبْهَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وارنبته . ❶

"ابوسعید خدری اعتکاف والی حدیث کے آخر میں فرماتے ہیں کہ میں نے کیچڑ پانی کا نشان آپ کی پیشانی اور ناک کی نوک پر دیکھا۔"

یعنی امام بخاری کی اس تبویب اور حدیث روایت کرنے سے غرض یہ ہے کہ سجدے میں ناک زمین پر لگانا واجب ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے زمین گیلی ہونے کے باوجود ناک اس گیلی زمین پر لگائی اور کیچڑ کی کچھ پروا نہیں کی۔

ان احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ سجدہ پیشانی اور ناک دونوں پر کرنا چاہیے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں میں سے ایک کا لگانا کافی ہے۔ امام احمدؒ امام بخاری اور ابن حبیبؒ کے نزدیک ظاہر حدیث کے مطابق دونوں کا زمین پر لگانا واجب ہے اور اکثر علماء نے کہا ہے کہ ظاہر حدیث کے بموجب ناک اور پیشانی ایک عضو کے حکم میں ہے اور یہی صحیح ہے۔ ورنہ سجدہ کے اعضا آٹھ ہو جائیں گے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

سجدہ کرتے وقت ایڑیوں کو ملانا

سوال: بعض لوگ سجدہ میں دونوں ایڑیاں ملا کر رکھتے ہیں۔ اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کیا ہے۔؟ بینوا توجروا۔ (سائل رانا امان اللہ قلعہ گوجر سنگھ لاہور)

جواب: یہ عمل سنت ہے اور حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ يَقُوْلُ قَالَتْ عَائِشَةُ زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ مَعِيَ عَلٰى فِرَاشِي فَوَجَدْتُهُ سَاجِداً رَاصاً عَقِبَيْهِ مُسْتَقْبِلاً بِأَطْرَافِ أَصَابِعِهِ الْقِبْلَةَ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ أَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِعَفْوِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَبِكَ مِنْكَ أُثْنِيْ عَلَيْكَ لَا أَبْلُغُ كُلَّ مَا فِيْكَ...... الحديث . ❷

---

❶ صحيح بخاری: ج ۱ ص ۔ ❷ سنن البيهقي: باب ماجاء في ضم العقبين في السجود ج ۱، ص ۱۱۶.

''عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ میرے بستر پر میرے ساتھ آرام فرمارہے تھے، میں نے دیکھا تو آپ موجود نہ تھے تو میں نے آپ کو اس حال میں سجدہ میں پایا کہ آپ اپنی دونوں ایڑیوں کو ملائے ہوئے اور اپنی انگلیوں کے پوروں کو قبلہ رخ کئے ہوئے تھے اور مشہور دعا اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِرَضَاكَ...... الخ پڑھ رہے تھے۔''

یہ حدیث صحیح ابن خزیمۃ (ص ۶۵۴) ابن منذر (۱۷۲/۳) ابن حبان (۳۶۰/۵) حاکم (۲۲۸/۱) نے بھی روایت کی ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے اور اس کو امام ابن خزیمہ، ابن حبان اور حافظ ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے۔ صلوٰۃ الرسول مع تحقیق وتخریج از عبدالرؤف بن عبدالحنان (ص ۲۲۸)

اس حدیث صحیح سے ثابت ہوا کہ سجدے میں دونوں ایڑیوں کو ملانا بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے آمین۔ ھذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب

سجدے کی حالت میں پیشانی ڈھکی ہوئی ہو تو........؟

سوال: اگر نماز کی حالت میں کسی کی پیشانی (ماتھا) کپڑے، رومال یا کسی اور چیز سے ڈھکی ہوئی ہو تو اس سے اس کی نماز میں کوئی حرج تو واقع نہیں ہوگا؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے مطلع فرمائیں۔ (سائل: حافظ محمد مصطفیٰ، کمالیہ)

جواب: یہ اختلافی مسئلہ ہے۔ اس میں دو قول مشہور ہیں:

قول اول: امام ابن ابی شیبہ کے مطابق امام عبدالرحمان بن زید، سعید بن مسیب، حسن بصری، ابوبکر مزنی، مکحول اور زہری جیسے ائمہ وفقہاء کے نزدیک پگڑی وغیرہ کے پیچ پر سجدہ جائز ہے۔ [1]

امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ (نیل الاوطار)

قول ثانی: حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، امام ابراہیم نخعیؒ، محمد بن سیرینؒ، میمون بن مہرانؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ اور جعدہ بن سبیرؒ جیسے صحابہ کرام اور فقہاء کے نزدیک براہ راست بلا کسی حائل کے پیشانی پر سجدہ کرنا چاہیے۔ [2]

ہمارے نزدیک دونوں صورتوں میں سجدہ جائز اور صحیح ہے۔ تاہم بغیر کسی حائل کے پیشانی پر سجدہ کرنا زیادہ افضل ہے۔ اگر مزید تشریح مطلوب ہو تو پھر سبل السلام (ص ۱۸۲ ج ۱) زادالمعاد (ص ۵۹ ج ۱) نیل الاوطار (ص ۲۹۰ ج ۲) فتح الباری (ص ۲۴۵ ج ۱) صحیح بخاری (ص ۵۳ ج ۱) مسلم مع نووی (ص ۲۲۵ ج ۱) ملاحظہ فرمائیں۔ والله اعلم بالصواب.

---

[1] نیل الاوطار: ص ۲۹۰، ج ۲ باب المصلي يسجد على ما يحمله ولا يباشر مصلاه بأعضاه.

[2] نیل الاوطار: ص ۲۹۰ ج ۲.

تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا

قعدہ میں تشہد میں شروع سے لے کر نماز سے فراغت پانے تک انگشت شہادت سے اشارہ کرتے رہنا رسول اللہ ﷺ کی بڑی بابرکت اور عظیم الشان سنت ثابت ہے اور یہ ایسی متفق علیہ سنت ہے کہ ائمہ اربعہ بھی اس کے قائل ہیں اور سلف صالحین میں سے کسی کا بھی اس میں اختلاف ثابت نہیں۔ کیونکہ احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ غیر معللہ ولا شاذہ سے ثابت ہے اور وہ احادیث یہ ہیں:

۱۔ عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا قَعَدَ فِي الصَّلٰوةِ جَعَلَ قَدَمَه الْيُسْرٰى بَيْنَ فَخِذِهٖ وَسَاقِهٖ وَ فَرَشَ قَدَمَهُ الْيُمْنٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهٖ. ❶

”حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں (تشہد کے لیے) بیٹھتے تو بائیں پاؤں کو ران اور پنڈلی کے بیچ میں کر لیتے اور داہنا پاؤں بچھاتے اور بائیں گھٹنے پر بایاں ہاتھ رکھتے اور داہنا ہاتھ داہنی ران پر رکھتے اور اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے۔“

۲۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَعَدَ يَدْعُوْ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ وَوَضَعَ إِبْهَامَهُ عَلٰى إِصْبَعِهِ الْوُسْطٰى وَيَلْقِمُ كَفَّهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهٖ. ❷

”عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تشہد پڑھنے کے لیے بیٹھتے تو دایاں ہاتھ دائیں ران پر رکھتے اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے اور اپنا انگوٹھا درمیان والی انگلی پر رکھتے اور بائیں ہتھیلی کو بایاں گھٹنا دیتے۔“

۳۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَرَفَعَ إِصْبَعَهُ الْيُمْنَى الَّتِيْ تَلِيَ الْإِبْهَامَ فَدَعَا بِهَا وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهٖ بَاسِطُهَا عَلَيْهَا۔(حواله أيضاً)

”عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں (تشہد کے لیے) بیٹھتے تو دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے اور دائیں ہاتھ کی انگلی (کلمہ کی انگلی) کو اٹھاتے۔ اس کو حرکت دیتے اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر بچھا کر رکھ دیتے۔“

۴۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْهُ كَانَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ وَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى

---

❶ صحيح مسلم: باب صفة الجلوس في الصلوة و كيفية وضع اليدين على الفخذين ج ١ ص ٢١٦.

❷ صحيح مسلم صفحه مذكور.

وَقَبَضَ أَصَابِعَهُ كُلَّهَا وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ الَّتِيْ تَلِي الْاِبْهَامَ وَضَعَ كَفَّهُ الْيُسْرىٰ عَلىٰ فَخِذِهِ الْيُسْرىٰ. ❶

''رسول اللہ ﷺ جب تشہد کے لیے بیٹھتے تو اپنی داہنی ہتھیلی داہنی ران پر رکھتے اور تمام انگلیوں کو بند کر لیتے اور انگوٹھے کے ساتھ والی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے۔''

اس حدیث کو النسائی، ابوعوانہ، ترمذی، ابن ماجہ، عبدالرزاق (ج ۲ ص ۲۴۸) واحمد (ج ۲ ص ۱۴۷) ابن خزیمہ (۷۱۷) اور بیہقی نے (ج ۲ ص ۱۳۰) نے ذکر کیا۔

وَفِيْ لَفْظٍ إِذَا قَعَدَ فِي التَّشَهُّدِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرىٰ عَلىٰ رُكْبَتِهِ الْيُسْرىٰ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنىٰ عَلىٰ رُكْبَتِهِ الْيُمْنىٰ وَ عَقَدَ ثَلاثاً وَّخَمْسِيْنَ وَأَشَارَبِالسَّبَابَةِ. ❷

''جب تشہد میں بیٹھتے تو بایاں ہاتھ اپنے بائیں گھٹنے پر رکھتے اور دایاں ہاتھ اپنی دائیں ران پر اور ترپن کی گرہ لگاتے اور کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرتے۔''

ترپن کا عدد یہ ہے کہ انگوٹھے کو ساتھ والی سبابہ انگلی کی جڑ پر رکھے اور باقی تینوں انگلیوں کو بند رکھے۔

۵۔ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ أَخْبَرَنِيْ أَبِيْ أَنَّ وَائِلَ بْنَ حُجْرٍ الْحَضْرَمِيَّ أَخْبَرَهُ قَالَ قُلْتُ لَأَنْظُرَنَّ إِلىٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ يُصَلِّيْ فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ قَامَ فَكَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى حَاذَتَا أُذُنَيْهِ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنىٰ عَلىٰ ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرىٰ وَالرُّسْغِ وَالسَّاعِدِ ثُمَّ قَالَ لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَّرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ مِثْلَهَا وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلىٰ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَرَفَعَ يَدَيْهِ مِثْلَهَا ثُمَّ سَجَدَ فَجَعَلَ كَفَّيْهِ بِحَذَاءِ أُذُنَيْهِ ثُمَّ قَعَدَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهِ الْيُسْرىٰ فَوَضَعَ كَفَّهُ الْيُسْرىٰ عَلىٰ فَخِذِهِ وَ رُكْبَتِهِ الْيُسْرىٰ وَجَعَلَ حَدَّ مِرْفَقِهِ الْأَيْمَنِ عَلىٰ فَخِذِهِ الْيُمْنىٰ ثُمَّ قَبَضَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ فَحَلَّقَ حَلْقَةً ثُمَّ رَفَعَ إِصْبَعَهُ فَرَأَيْتُ يُحَرِّكُهَا يَدْعُوْ بِهَا. ❸

''حضرت وائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بغور دیکھا جب آپ دو رکعت پڑھ کر بیٹھے اور بایاں پاؤں پھیلایا اور بایاں ہاتھ اپنی بائیں ران پر رکھا اور دائیں کہنی کا کنارہ دائیں ران پر دو انگلیوں کو قبض کر لیا اور تیسری انگلی سے حلقہ بنایا پھر انگلی کو اٹھایا۔ میں نے دیکھا آپ اسے ہلاتے اور اشارہ کرتے۔ ان احادیث صحیحہ سے نیم روز کی طرح ثابت ہوا کہ

❶ رواهما أحمد والنسائي و مسلم وأخرج نحوه الطبراني، نيل الاوطار: باب الإشارة بالسبابة ج ٢ ص ٢٨٤.

❷ صحيح مسلم صفحه مذكور.

❸ رواه أحمد (ج ٤ ص ٣١٨)، أبوداؤد (٧٤٧) والنسائي (ج١ ص ١٤١) والدارمي (ج ١ ص ٣١٤) وابن الجارود (ص ١١٠، ١١١) والبيهقي (ج٢ ص٢٧، ٢٨، ١٣٢) من طرق عن زائدة عنه به قال الألباني وهذا إسناد صحيح على شرط مسلم وصححه ابن خزيمة كما في الفتح (ج٢ ص٣٦٦) وابن حبان كمافي خلاصة البدر المنير (دق ج ١ ص ٢٣) وكذا صححه النووي في المجموع و ابن القيم في زاد المعاد (ج ١ ص٨٥)

تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا بڑی بابرکت اور پرعظمت سنت ثابتہ ہے اور یہ ایسی متفق علیہ سنت ہے کہ ائمہ اربعہ کو بھی اس میں اختلاف نہیں۔ تمام اہل حدیث کا اس سنت پر عمل رہا۔

امام نووی فرماتے ہیں:

أَمَّا الْإِشَارَةُ بِالْمُسَبِّحَةِ الْيُمْنٰى لَاغَيْرَ فَلَوْ كَانَتْ مَقْطُوعَةً أَوْ عَلِيلَةً لَمْ يُشِرْ بِغَيْرِهَا لَا مِنْ أَصَابِعَ الْيُمْنٰى وَلَا الْيُسْرٰى . ❶

کہ ہم شوافع کے نزدیک تشہد میں شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ کرنا احادیث صحیحہ کی رو سے مستحب ہے۔

ہمارے اصحاب کا کہنا ہے کہ نمازی الا اللہ کہتے وقت اشارہ کرے۔

اور اشارہ صرف دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت ہی سے کرنا ہے۔ اگر یہ انگلی کٹی ہوئی ہو یا بیمار ہونے کی وجہ سے اشارہ نہ کر سکے تو اس صورت میں دونوں ہاتھوں کی کسی دوسری انگلی سے اشارہ کرنا جائز نہیں ہوگا۔ امام محمد بن حسن شیبانی شاگرد امام ابوحنیفہ اپنی مؤطا رفع سبابہ کی احادیث میں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قَالَ مُحَمَّدٌ وَبِصَنِيعِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ نَأْخُذُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ . ❷

''امام محمد کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل پر عمل پیرا ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔''

شیخ کمال ابن ہمام فرماتے ہیں:

لَاشَكَّ أَنَّ وَضْعَ الْكَفِّ مَعَ قَبْضِ الْأَصَابِعِ لَا يَتَحَقَّقُ حَقِيقَةً فَالْمُرَادُ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ وَضْعَ الْكَفِّ ثُمَّ قَبْضَ الْأَصَابِعَ بَعْدَ ذٰلِكَ عِنْدَ الْإِشَارَةِ وَهُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ مُحَمَّدٍ فِي كَيْفِيَّةِ الْإِشَارَةِ . وَكَذَا عَنْ أَبِي يُوسُفَ فِي الْأَمَالِي وَهٰذَا فَرْعُ تَصْحِيحِ الْإِشَارَةِ . ❸

یہ تو ظاہر ہے کہ ہاتھ کی انگلیاں بند کر کے ہتھیلی ران پر نہیں رکھی جا سکتی۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے ران پر رکھے، پھر اشارہ کرتے وقت انگلیاں بند کرے، امام محمد نے اشارہ کی کیفیت اس طرح بیان کی ہے کہ دونوں آخری انگلیوں کو بند رکھے، انگوٹھے اور بڑی انگلی کا حلقہ بنائے اور سبابہ سے اشارہ کرے اور امالی میں بھی اسی طرح مروی ہے اور یہ ہے اشارہ کرنے کی صحیح شکل۔ اسی طرح ملا علی قاری تزئین العبارۃ فی تحسین الاشارۃ میں اور شیخ ولی اللہ المحدث مسوی شرح موطا میں اور حجۃ اللہ البالغہ میں اور محمد بن عبداللہ الزرقانی مالکی شرح موطا میں اور شیخ عبدالحق حنفی دہلوی شرح مشکوۃ وشرح سفر السعادت میں اور علاء الدین حصکفی درمختار میں اور ابن عابدین شامی رد المختار میں فرماتے ہیں۔ ❹

ابوالحسنات عبدالحی حنفی لکھنوی تصریح فرماتے ہیں:

---

❶ نووی شرح مسلم: ج ١ ص ٢١٦.

❷ موطا إمام محمد بحواله فتاوى نذيريه: ج ١ ص ٥٠٤ و عمدة الرعاية حاشيه شرح الوقايه: ج ١ ص ١٧٠.

❸ فتاوىٰ نذيريه: ج ١ ص ٥٠٤۔ عمدة الرعاية حاشيه شرح الوقاية: ج ١ ص ١٧٠۔

❹ فتاوى نذيريه: ج ص ٥٠٤.

قَدْ ثَبَتَ الْإِشَارَةُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرِوَايَاتٍ كَثِيْرَةٍ أَكْثَرُهَا صَرِيْحَةٌ صَحِيْحَةٌ لَامَرَدَّلَهَا مُخْرَجَةٌ فِي الْكُتُبِ الشَّهِيْرَةِ كَالسُّنَنِ الْأَرْبَعَةِ وَ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ وَ سُنَنِ الْبَيْهَقِيِّ وَ مُسْنَدِ أَحْمَدَ وَ مُوَطَّا مَالِكٍ وَ شَرْحِ مَعَانِي الْآثَارِ لِلطَّحَاوِيِّ وَ مَعَاجِمِ الطَّبْرَانِيِّ وَ سُنَنِ سَعِيْدِ بْنِ مَنْصُوْرٍ وَ مُصَنَّفِ عَبْدِالرَّزَّاقِ وَ ابْنِ أَبِي شَيْبَةَ وَ غَيْرِهَا كَمَا بَسَطَهُ عَلِي الْقَارِيُّ فِي رِسَالَةِ تَزْيِيْنِ الْعِبَارَةِ وَرِسَالَةٍ أُخْرَى اَلتَّدْهِيْنُ لِلتَّزْيِيْنِ . ❶

''تشہد میں شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا رسول اللہ ﷺ کی ایسی احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے جن کے انکار کی گنجائش نہیں اور یہ احادیث کتب معتبرہ میں مروی ہیں، جیسے صحیح مسلم، سنن اربعہ، مسند احمد، موطا امام مالک، بیہقی وغیرہ۔ جیسا کہ ملا علی قاری نے اپنے رسالہ تزئین العبارۃ میں بالتفصیل لکھا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی موطا میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا حدیث روایت فرمائی ہے، لہٰذا امام مالک بھی اشارہ کے بلاشبہ قائل ہیں۔

حنابلہ کا مسلک:

ثُمَّ يَبْسُطُ كَفَّهُ الْيُسْرَى عَلَى فَخِذِهِ الْيُسْرَى وَيَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى فَخِذِهِ الْيُمْنَى وَيُحَلِّقُ الْإِبْهَامَ مَعَ الْوُسْطَى وَ يُشِيْرُ بِالسَّبَّابَةِ لِمَارَوَى وَائِلُ بْنُ حجرٍ وَ قَدْ رُوِيَ عَنْ أَبِي عَبْدِاللّٰهِ أَنَّهُ يَجْمَعُ أَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ وَ يَعْقِدُ الْإِبْهَامَ كَعُقْدَةِ الْخَمْسِيْنَ لِمَا رَوَى ابْنُ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَدَ ثَلَاثًا وَّخَمْسِيْنَ وَأَشَارَبِالسَّبَّابَةِ . ❷

رفع سبابہ میں قطعاً اختلاف نہیں:

ان احادیث صحیحہ صریحہ سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ رفع سبابہ سنت صحیحہ ثابتہ اور محکمہ ہے اور بقول علامہ محمد عابد حنفی سندھی ثم مدنی یہ سنت ستائیس صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اور یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں، تمام محدثین، فقہائے اسلام، ائمہ اربعہ اور علمائے مقلدین سب مذاہب متفق ہیں۔ قطعاً کوئی اختلاف نہیں اور منع رفع سبابہ میں کسی ایک صحابی کا کوئی قول مذکور و منقول نہیں۔

اعتراض: فتاویٰ ظہیریہ، عتابیہ، فتاویٰ بزازیہ، فتاویٰ تاتارخانیہ اور جامع المضمرات کے حنفی مؤلفین نے اشارہ بالسبابہ کو مکروہ لکھا ہے، اور کیدانی حنفی نے اپنے خلاصہ کیلانی میں اس کو حرام لکھا ہے اور کہا ہے کہ اشارہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ مسئلہ متفق علیہ کیسے ہوسکتا ہے؟

جواب: علامہ ابوالحسنات عبدالحی حنفی لکھنوی فرماتے ہیں:

وَالْعَجَبُ كُلَّ الْعَجَبِ مِنْ بَعْضِ مَشَائِخِنَا كَصَاحِبِ الظَّهِيْرِيَّةِ وَالْخُلَاصَةِ وَالْعَتَابِيَّةِ

❶ عمدۃ الرعایۃ: حاشیہ نمبر ۱۱ ص ۱۶۹۔ ❷ المغنی مع شرح الکبیر ج۱ ص ۵۷۲، ۵۷۳۔

وَالْبَزَازِيَّةِ وَالتَّاتَارِخَانِيَّهْ وَجَامِعِ الْمُضْمَرَاتِ وَغَيْرُهُمْ أَنَّهُمْ إِفْتَوْا بِعَدَمِ اسْتِنَانِ الْإِشَارَةِ بَلْ وَكَرَاهَتِهَا وَزَادَ عَلَيْهِمُ الْكَيْدَانِيُّ فِي خُلاَصَتِهِ فِي الطُّنْبُوْرِ فَعَدَهَا مِنَ الْمُحَرَّمَاتِ مَعَ أَنَّهُ لاَدَلِيْلَ عِنْدَهُمْ عَلٰى مَاذَكَرُوْهُ وَلاَ سَنَدَلَهُمْ لاَ رِوَايَةً وَّلاَ دِرَايَةً وَّهُوَ مَعَ كَوْنِهِ مُخَالِفاً لِلْأَحَادِيْثِ الصَّحِيْحَةِ الصَّرِيْحَةِ مُخَالِفاً لِأَئِمَّتِنَا أَيْضاً وَبِالْجُمْلَةِ فَتَقْلِيْدُ الْمَشَائِخِ الَّذِيْنَ أَفْتَوْا بِالْكَرَاهَةِ مُخَالِفاً لِفِعْلِ نَبِيِّنَا وَلِأَقْوَالِ إِمَامِنَا وَتَلاَمِيْذِهِم لاَسِيَمَا بَعْدَ وُضُوْحِ الْحَقِّ وَسُطُوْحِ الصِّدْقِ لاَ يَلِيْقُ بِشَانِفِ مُسْلِمٍ فَضْلاً عَنْ عَالِمٍ فَلْيَتَنَبَّهْ . ❶

’’یہ بڑے تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ فتاویٰ ظہیریہ، تاتارخانیہ اور بزازیہ کے مفتیان احناف نے رفع سبابہ کو سنت نہ مانتے ہوئے اس کو مکروہ لکھ دیا ہے اور کیدانی نے اندھا دھند نہلے پر دہلہ مارتے ہوئے اس کو حرام اور مفسد صلوٰۃ کہہ دیا ہے، حالانکہ ان کے پاس نہ کوئی دلیل ہے اور نہ سند، نہ نقلی اور نہ عقلی۔ ان کی یہ ہفوات متعدد احادیث صحیحہ صریحہ کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارے ائمہ کے اقوال کے بھی خلاف ہیں۔ ان مشائخ کی تقلید کرنا عالم کو تو جانے دیجئے کسی عامی مسلمان کو بھی جائز نہیں۔ خصوصا جب کہ ان نام کے مشائخ کا یہ فتویٰ رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل اور ہمارے امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ کے بھی خلاف ہے۔‘‘

ملاعلی قاری حنفی اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

اس مسئلہ (رفع سبابہ) میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علمائے سلف میں ہرگز کوئی اختلاف نہیں، امام ابوحنیفہ اور صاحبین (ابو یوسف اور محمد) کا بھی یہی قول ہے۔ ہمارے متقدمین اور متاخرین مشائخ حنفیہ نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔ ماوراء النہر، خراسان، عراق اور بلاد ہند کی اکثریت جس پر تقلید سوار ہے تحقیق اور قول سدید کی تائید سے بعید ہے، ان کا اس سنت کو ترک کر دینا حجت نہیں۔ جناب ملاعلی قاری قاری حنفی کیدانی کی ہفوات کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ اس سے خطائے عظیم اور جرم جسیم سرزد ہوا ہے جس کا منشا قواعد اصول اور مراتب فروع سے جہالت کے سوا کچھ نہیں۔ اگر اس کے بارے میں حسن ظن سے کام نہ لیا جائے اور اس کی اس ہفوات کی تاویل نہ کی جائے تو اس کا کفر واضح اور ارتداد (مرتد ہونا) صریح ہے۔ ❷

علامہ الصغانی فرماتے ہیں کہ کیا کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ چیز کو حرام کہے اور ایسی چیز کے کرنے سے منع کرے جس پر عامۃ العلماء پشت در پشت چلے آ رہے ہوں۔ ❸

خلاصہ کیلانی کا عربی محشی لکھتا ہے۔

’’تشہد کی وقت مسبحہ (شہادت کی انگلی) سے اشارہ کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ بات اس شخص پر مخفی نہیں، جسے

---

❶ عمدة الرعاية: حاشيه تمبر ۲ ص ۱۷۰۔

❷ تزئين العبارة فى تحسين الاشارة.

❸ ارشاد المنقاد للصغانى ج ۱ ص ۲۹)۔ (كذافى كتاب تحقيق صلوة الرسول للفاضل المعاصر الشيخ عبد الرؤف بن عبدالحنان ص ۴۵۳)۔

علم حدیث سے ادنیٰ سی واقفیت ہے اور اس میں شک وہی کرسکتا ہے جو حدیث نبوی میں جہالت تام رکھتا ہو یعنی پرلے درجے کا جاہل ہو۔ (حوالہ ایضاً)

شیخ الکل فی الکل السید نذیر حسین المحدث الدہلویؒ اس سوال کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں:

''ملا علی قاری، ملا عابد سندھی وامین الدین شامی نے ستائیس صحابہ سے روایت کی ہے اور رفع سبابہ میں ائمہ اربعہ و علمائے مقلدین اہل مذاہب کے سب متفق ہیں۔ اس میں اور ائمہ اربعہ وغیرہ کا اختلاف نہیں اور منع رفع سبابہ میں کوئی قول صحابی مذکور اور منقول نہیں تو اس کا اٹھانا مستحب، آکد اور موجب ثواب کثیر ہے اور خلاصہ کیدانی والے سے یا اور علماء سے اس باب میں خطا واقع ہوئی ہے، اس کے حرام مکروہ لکھنے میں تو قول مانعین کا اور حرام ومکروہ کہنے والے کا ازروئے دلائل شرعیہ کے محض باطل ہے نزدیک علمائے محققین حنفیہ کے اور جو شخص بعد مطلع ہونے کے روایات فقیہ اور احادیث نبویہ کے حرام کہے اور منع کرے وہ مردود اور گمراہ ہے اور خوف کفر کا ہے اس پر ازروئے اہانت اور حقارت کے۔ ❶

شیخ مشائخنا المحدث الدہلوی مزید لکھتے ہیں

فَإِنْ قِيلَ أَلَيْسَ عَدَّهُ الْكَيْدَانِيُّ فِي الْغَرَائِبِ وَغَيْرِهَا مِنَ الْمُحَرَّمَاتِ قُلْنَا قَوْلُهُمْ فِي مُقَابَلَةِ النَّصِّ وَأَقْوَالِ الْأَئِمَّةِ مَرْدُودٌ لاَ يُعْبَاءُ بِهِ الخ۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیدانی حنفی نے غرائب نامی کتاب میں اس اشارہ کو افعال محرمہ سے شمار کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ نص اور اقوال ائمہ کے برخلاف ان کا قول مردود ہے۔ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے قول کے برخلاف ان کے قول کی کیا حقیقت ہے۔ درمختار کی شرح طوالع الانوار میں ہے کہ تشہد میں انگلی اٹھانے کے متعلق ستائیں صحابہ سے روایات منقول ہیں۔ ملا علی قاری حنفی نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ ❷

مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ ارقام فرماتے ہیں:

خلاصہ کیدانی والے نے رفع سبابہ (انگلی اٹھانے) کا انکار کیا ہے لیکن خلاصہ کیدانی کے حاشیہ پر جس طرح اس کی تردید کی گئی ہے، وہ دیکھنے اور سننے کے لائق ہے، اس مختصر حاشیہ میں اس کی گنجائش نہیں۔ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ جس انداز سے خلاصہ کیدانی والے نے اس سنت کا انکار کیا ہے اور جس طرح صحیح احادیث کی توہین کی ہے، مجھے اس کے کفر کا خطرہ ہے اور کیدانی کے حاشیہ پر احادیث اور قول فقہاء اور کتب کی عبارتیں درج کرکے اس کا خوب رد کردیا گیا ہے۔ ❸

صرف ایک انگلی کو حرکت دے:

ایک ہی انگلی سے اشارہ کرنا چاہیے، دو انگلیوں سے اشارہ کرنا منع ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ إِنَّ رَجُلاً كَانَ يَدْعُوْ بِإِصْبَعَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

---

❶ فتاوی نذیریہ: ج ۱ ص ۵۰۶۔ ❷ فتاوی نذیریہ: ج ۱ ص ۵۰۵۔

❸ حاشیہ مشکوٰۃ مترجم: ص ۵۹۶ ج ۱۔

أَحِّدْ أَحِّدْ . ❶

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی دو انگلیوں سے اشارہ کرتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ فرمایا ایک انگلی سے اشارہ کرو۔“

یہ آدمی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔ فقہ السنہ میں ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَعْدٍ وَّهُوَ يَدْعُوْ بِإِصْبَعَيْنِ فَقَالَ أَحِّدْ أَحِّدْ . ❷

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور وہ دو انگلیوں سے اشارہ کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ فرمایا کہ ایک انگلی سے اشارہ کیجئے۔“

تنبیہ:

حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں دونوں سجدوں کے درمیان اشارہ کرنے کا ذکر آتا ہے۔ اس کو عبدالرزاق نے (ج ۲ ص ۶۸، ۶۹ میں) ذکر کیا ہے، ان سے احمد (ج ۴ ص ۳۱۷) اور طبرانی (ج ۲۲ ص ۳۴، ۳۵) نے بھی روایت کیا ہے۔ مگر یہ ایک راوی کی غلطی ہے۔ تفصیل کے لیے الشیخ البانی کی کتاب تمام المنہ (ص ۲۱۴ تا ۲۱۶) دیکھیں۔ (حاشیہ صلوٰۃ الرسول ص ۴۵۲)

کیا انگلی کو حرکت دے:

انگلی کو حرکت دیتے رہنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے:

عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ثُمَّ جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَحَدَّ مِرْفَقَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَ قَبَضَ ثِنْتَيْنِ وَحَلَقَ حَلْقَةً ثُمَّ رَفَعَ إِصْبَعَهُ فَرَأَيْتُهُ يُحَرِّكُهَا يَدْعُوْبِهَا . ❸

”وائل بن حجر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے سجدے سے فارغ ہو کر بیٹھے اور بایاں پاؤں پھیلایا اور بایاں ہاتھ اپنی بائیں ران پر رکھا اور دائیں کہنی کا کنارہ دائیں ران پر رکھا۔ دو انگلیوں کو قبض کر لیا اور تیسری انگلی سے حلقہ بنایا پھر انگلی اٹھائی۔ میں نے دیکھا آپ اسے ہلاتے اور اشارہ کرتے جاتے۔“ اس حدیث کو نسائی نے بھی روایت کیا ہے اور حدیث صحیح ہے لا کلام فی صحته.

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ انگلی کو حرکت دیتے رہنا چاہیے۔

سوال یا تعارض:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشِيْرُبِإِصْبَعِهِ إِذَا دَعَا وَلَا

❶ رواه الترمذي والنسائي و البيهقي في الدعوات الكبير۔ مشكوة. ❷ رواه أحمد و أبوداؤد و النسائي والحاكم. فقه السنة: ج ١ ص ١٤٤.
❸ رواه أبو داؤد والدارمي والنسائي مشكوة ـ الفصل الثاني.

يُحَرِّكُهَا. ❶

''عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب دعا (تشہد) پڑھتے تو اپنی انگلی سے اشارہ فرماتے تھے، ہلاتے نہیں تھے۔'' اندریں صورت یہ دونوں احادیث باہم متعارض ہیں۔

اس تعارض کا حل: حافظ ابن قیم فرماتے ہیں: شہادت کی انگلی کو ہلانا ثابت ہے اور ابن زبیر کی روایت میں جو یہ زیادتی ہے، کہ آپ انگشت شہادت کو حرکت نہیں دیتے تھے، اس زیادتی کی صحت میں محدثین کو تامل ہے اور صحیح مسلم میں یہ زیادتی بالکل ذکر نہیں۔ اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو اصول کا مسئلہ ہے کہ مثبت منفی مقدم ہوتا ہے۔ پس وائل بن حجرؓ کی حدیث کو ابن زبیرؓ کی حدیث پر ترجیح ہے کہ وائل کی حدیث مثبت ہے جب کہ زبیر کی حدیث نافی ہے۔ (کذا فی زاد المعاد: ص ۲۳۸، ۲۳۹)

شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ لَا يُحَرِّكُهَا کے الفاظ میرے نزدیک شاذ یا منکر ہیں۔ کیونکہ محمد بن عجلان اس پر ثابت نہیں رہے۔ انہوں نے کبھی اس اضافہ کو بیان کیا ہے اور کبھی نہیں اور یہی عدم ذکر درست ہے۔ اس حدیث کو محمد بن عجلان کی طرح دوسرے راویوں نے بھی روایت کیا ہے مگر انہوں نے لَا يُحَرِّكُهَا کے الفاظ کا ذکر نہیں کیا۔ پس اس حدیث کو وائل بن حجرؓ کی حدیث کے مقابلہ میں پیش کرنا روا نہیں۔ تحقیق المشکوٰۃ (ج ۱ ص ۲۸۷) وتمام المنۃ (ص ۲۱۷، ۲۱۸) وتحقیق صلوٰۃ الرسول (ص ۳۵۲)

ملحوظہ: حدیث وائل پر بعض اہل علم نے قدرے کلام کیا ہے۔ اس کے رد کے لیے بھی تمام المنۃ (ص ۲۱۸و۲۲۲) ملاحظہ فرمائیں۔

حرکت دینے کی کیفیت اور وقت:

شوافع کے نزدیک أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کے إِلَّا اللّٰهُ پر حرکت دینی چاہیے اور بس اور اس کو وہ سنت گردانتے ہیں۔

امام نووی لکھتے ہیں:

وَالسُّنَّةُ أَنْ لَا يُجَاوِزَ بَصَرَهٗ إِشَارَتَهٗ وَفِيهِ حَدِيثٌ صَحِيحٌ فِي سُنَنِ أَبِي دَاوُدَ" وَيُشِيرُ بِهَا مُوَجِّهَةً إِلَى الْقِبْلَةِ وَيَنْوِي بِالْإِشَارَةِ التَّوْحِيدَ وَالْإِخْلَاصَ۔" ❷

وَرَأَى الشَّافِعِيَّةُ أَنْ يُشِيرَ بِالْأَصْبَعِ مَرَّةً وَاحِدَةً عِنْدَ قَوْلِهٖ إِلَّا اللّٰهُ. ❸

''نظر انگلی کے اشارہ سے تجاوز نہ کرے اور انگلی قبلہ کی جانب ہو اور الا اللہ پر صرف ایک بار حرکت دے اور بس۔ اور اشارہ کے وقت توحید اور اخلاص کی نیت ہو۔''

علامہ صنعانی کا میلان بھی اسی طرف ہے کہ اشارے کا مقام لا الٰہ الا اللہ کہنے کے وقت ہے، جیسا کہ بیہقی نے رسول اللہ ﷺ کا فعل مبارک نقل کیا ہے اور اشارے سے توحید و اخلاص کی نیت ہونی چاہیے۔

---

❶ رواه أبو داؤد والنسائي وزاد أبو داؤد ولا يجاوز بصره إشارته. عون المعبود: ج ١ ص ٣٧٥.

❷ شرح مسلم: ج ١ ص ٢١٦.　❸ فقه السنة: ج ١ ص ١٤٤.

مگر اس حدیث سے دو وجوہ کی بنا پر استدلال درست نہیں۔ (۱) یہ حدیث ضعیف ہے (۲) اس میں ہرگز یہ صراحت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ لا الٰہ الا اللہ کہنے پر اشارہ کرتے تھے۔

احناف کہتے ہیں کہ لا الٰہ کے لا پر انگلی اٹھائی جائے اور الا اللہ کہنے پر رکھ دی جائے۔

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لا الٰہ الا اللہ کہنے پر انگلی اٹھانا اور الا اللہ پر انگلی کو رکھ دینا اس کی کوئی اصل نہیں، حتی کہ اس کے ثبوت میں کوئی موضوع روایت بھی موجود نہیں۔ (تحقیق المشکوۃ ج ۱ ص ۲۸۵) اور صفۃ صلوۃ النبی ﷺ میں لکھتے ہیں:

وَأَمَّا وَضْعُ الْإِصْبَعِ بَعْدَ الْإِشَارَةِ أَوْ تَقْيِيدُهَا بِوَقْتِ النَّفْيِ وَالْإِثْبَاتِ فَكُلُّ ذٰلِكَ مِمَّا لَا أَصْلَ لَهُ فِي السُّنَّةِ بَلْ هُوَ مُخَالِفٌ لَهَا بِدَلَالَةِ هٰذَا الْحَدِيْثِ أَيْ حَدِيْثِ وَائِلٍ۔ ❶

"اشارہ کے بعد انگلی کو رکھ دینا یا نفی (لا) کہتے وقت انگلی کو اٹھانا اور اثبات (الا اللہ) پر انگلی کو رکھ دینا یہ تمام باتیں بے اصل ہیں حتی کہ اس کے ثبوت میں کوئی من گھڑت روایت بھی موجود نہیں۔ لہٰذا حضرت وائل کی حدیث کے مطابق التحیات شروع کرتے وقت انگلی کو حرکت دینا اور سلام پھرنے تک انگلی کو ہلاتے رہنا ہی صحیح سنت ہے۔"

صرف وائل ہی کی حدیث سے نہیں بلکہ اشارے کے اثبات میں جتنی احادیث آتی ہیں سب سے یہی ثابت ہوتا ہے اور یہی صحیح ہے۔

شیخ الکل السید نذیر حسین المحدث الدہلوی تصریح فرماتے ہیں:

إِنَّ الْمُصَلِّيَ يَسْتَمِرُّ إِلَى الرَّفْعِ إِلٰى آخِرِ الدُّعَاءِ بَعْدَ التَّشَهُّدِ وَقَدْ نَقَلَ صَاحِبُ غَايَةِ الْمَقْصُوْدِ فَتْوَاهُ بِتَمَامِهٖ۔ ❷

"نمازی کو التحیات کے آغاز سے لے کر تشہد کے بعد کی آخری دعا پڑھنے تک اشارہ کرتے رہنا چاہیے۔"

حضرت شیخ الکل کا مفصل فتویٰ حسب ذیل ہے:

واضح ہو کہ اٹھانا سبابہ کا آخر تشہد تک کتب احادیث سے ثابت ہے، جیسا کہ محلی شرح مؤطا میں مرقوم ہے:

وَنُقِلَ عَنْ بَعْضِ أَئِمَّةِ الشَّافِعِيَّةِ وَالْمَالِكِيَّةِ أَنَّهُ يَرِيْمُ رَفْعًا إِلٰى آخِرِ التَّشَهُّدِ وَاسْتَدَلَّ لَهُ بِمَا فِيْ أَبِيْ دَاوٗدَ أَنَّهُ رَفَعَ إِصْبَعَهُ فَرَأَيْنَاهُ يُحَرِّكُهَا وَيَدْعُوْ وَفِيْهِ تَحْرِيْكُهَا دَائِمًا إِذَا الدُّعَاءُ بَعْدَ التَّشَهُّدِ قَالَ ابْنُ حَجَرٍ (الْهَيْتَمِيُّ) وَيُسَنُّ أَنْ يَسْتَمِرَّ الرَّفْعَ إِلٰى اٰخِرِ التَّشَهُّدِ كَمَا قَالَهُ بَعْضُ أَئِمَّتِنَا وَإِنِ اعْتَرَضَهُ جَمْعٌ بِأَنَّ الْأَوْلٰى عِنْدَ الْفَرَاغِ إِعَادَتُهَا وَقَالَ ابْنُ حَجَرٍ الْهَيْتَمِيُّ أَيْضًا أَنَّهُ لَيُسَنُّ رَفْعُهَا مَعَ انْحِنَائِهَا قَلِيْلًا مُخْبِرٌ صَحِيْحٌ فِيْهِ إِلٰى جِهَةِ الْقِبْلَةِ۔ ❸

---

❶ صفۃ الصلوۃ: ص ۱۴۹۔ ❷ عون المعبود: ج ۱ ص ۳۷۸۔

❸ کذا فی المحلّٰی شرح مؤطا لمولانا سلام اللہ الحنفیؒ فتاوی نذیریہ: ج ۱ ص ۰۲، ۳۰۵، ۰۵۔

شافعی اور مالکی بعض ائمہ سے منقول ہے کہ تشہد کے آخر تک پھر انگلی اٹھائے رکھے۔ اور ابوداؤد کے حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انگلی کو اٹھایا تو پھر اس کو حرکت دیتے رہے اور دعا کرتے رہے۔ ابن حجر مکی کہتے ہیں کہ مسنون ہے کہ تشہد کے آخر تک انگلی کو اٹھائے رکھے، جیسا کہ ہمارے بعض ائمہ سے منقول ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اٹھانے کے بعد پھر اس کو نیچا کرے۔ ابن حجر یہ بھی کہتے ہیں انگلی اٹھائے تو کچھ جھکا کر (منحنی) قبلہ رخ رکھے۔ نیز یہ فتویٰ التعلیقات السلفیہ میں بھی موجود ہے۔

اشارہ شیطان کو زخم لگاتا ہے:

عَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ عَبْدُاللهِ بْنُ عُمَرَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهٖ وَاَتْبَعَهَا بَصَرَهٗ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهِيَ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْحَدِيْدِ۔ ❶

''عبداللہ بن عمر جب تشہد میں بیٹھتے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے اور انگلی سے اشارہ فرماتے اور اپنی نظر وہیں تک محدود فرما لیتے پھر کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ انگلی مسبحہ شیطان کو لوہے (کے برچھے) سے سخت محسوس ہوتی ہے۔''

اس حدیث کو بزار نے بھی روایت کیا ہے۔ اس کا ایک راوی کثیر بن زید متکلم فیہ ہے، بعض محدثین نے اس کو ثقہ اور بعض نے ضعیف قرار دیا ہے۔ حضرت اسماعیل سلفیؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ تشہد میں انگلی کے اشارے سے توحید کی شہادت کی تائید اور تصدیق کرنا شیطان کو برچھے سے بھی زیادہ تکلیف پہنچاتا ہے کیونکہ مومن دل سے تو پہلے ہی توحید کا یقین رکھتا ہے اور اب زبان اور انگلی کے اشارہ سے اس کی تائید بھی کر رہا ہے تو اس وقت شیطان اس سے بالکل مایوس ہو جاتا ہے کہ اب یہ میرے قابو میں نہیں آئے گا اور اس اشارے کی اس کو اتنی تکلیف ہوتی ہے کہ اگر اس کو برچھا بھی لگ جاتا تو اس کو اتنی تکلیف نہ ہوتی۔ مومنوں کو چاہیے کہ تشہد میں انگلی ضرور اٹھایا کریں تاکہ شیطان کو تکلیف ہو۔''

انگلی ہلانے کا فلسفہ:

انگلی ہلانے کا فلسفہ یہ ہے کہ جب انگلی کو اٹھایا تو اس نے توحید کی گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے، فرد ہے، یکتا ہے اور بے ہمتا ہے۔ پھر جب انگلی کا بار بار حرکت دینا شروع کیا تو اس نے بار بار ایک، ایک ہونے کے اعلان کا عملی مظاہرہ کیا۔ مثلاً: تشہد کے دوران اگر انگلی کو نو، دس یا اس سے بھی زیادہ دفعہ ہلایا تو اتنی دفعہ ہی انگلی نے توحید کے اعلان کا عملی مظاہرہ کیا۔ بالفاظ دیگر انگلی کھڑی ہوئی زبان حال سے بول بول کر اللہ احد اللہ احد کا پرچار کرتی رہی اور نمازی کے کیف وحضور کا یہ عالم ہونا چاہیے کہ نظر انگلی کے رفع اور حرکت پر محدود رکھے، دماغ وحدانیت کی قطقط دل پر گرائے اور اس آب حیات سے دل اپنی

❶ رواه أحمد، مشكوة.

پیاس بجھا تا ہے۔

سوال: نماز کے دوسجدوں کی درمیان دعا کے وقت شہادت کی انگلی ہلانا ثابت ہے کہ نہیں؟

جواب: مابین السجدین رفع سبابہ کا ذکر مسند احمد کی روایت میں ہے۔لیکن بعض محققین نے اس کو شاذ قرار دیا ہے۔

پہلے تشہد میں درود

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ،مفتیان دین شرح متین کہ چار رکعت نماز، یعنی ظہر وعصر وغیرہ میں دو رکعت کے بعد قعدہ میں صرف تشہد ہی پڑھنا ہوتا ہے یا درود اور دعا وغیرہ بھی؟ جیسا کہ آخری قعدہ میں پڑھا جاتا ہے۔بینوا وتو جروا
(سائل: مجیب الرحمٰن منگوئی۔گوجرانوالہ)

جواب: احادیث صحیحہ مرفوعہ کے عموم واطلاق کے مطابق پہلے قعدہ میں درود پڑھنا جائز ہے۔وہ احادیث یہ ہیں:

۱- حضرت کعب بن عجرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا کہ ہمیں آپ پر سلام پڑھنے کا طریقہ تو معلوم ہے، پس ہم آپ پر درود کیسے پڑھیں؟ تو آپ نے فرمایا: کہو

أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ . الحديث ❶

۲- حضرت ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْلُوْا أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّأَزْوَاجِهِ وَ ذُرِّيَّتِهٖ. الحديث ❷

''صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم آپ پر درود کیسے پڑھیں؟ فرمایا: کہو اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّتِهٖ۔

وَزَادَ ابْنُ خُزَيْمَةَ فَكَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ إِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا عَلَيْكَ فِيْ صَلَاتِنَا وَهٰذِهِ الزِّيَادَةُ رَوَاهَا ابْنُ حِبَّانَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالْحَاكِمُ وَأَخْرَجَهَا أَبُوْ حَاتِمٍ وَ ابْنُ خُزَيْمَةَ فِيْ صَحِيْحَيْهِمَا . ❸

امام ابن خزیمہ نے مزید یہ بھی روایت کیا ہے کہ جب ہم نماز میں آپ پر درود پڑھیں تو کون سے الفاظ استعمال کریں،تو آپ نے فرمایا یوں کہا کر: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ الحديث،

امام محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی ارقام فرماتے ہیں:

اَلْحَدِيْثُ دَلِيْلٌ عَلٰى وُجُوْبِ الصَّلَاةِ عَلَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ بِظَاهِرِ الْأَمْرِ (أَعْنِيْ قُوْلُوْا) وَإِلٰى هٰذَا ذَهَبَ جَمَاعَةٌ مِّنَ السَّلَفِ وَالْأَئِمَّةُ وَالشَّافِعِيُّ وَإِسْحَاقُ وَ دَلِيْلُهُمُ الْحَدِيْثُ مَعَ الزِّيَادَةِ الثَّابِتَةِ . ❹

---

❶ صحيح مسلم: باب الصلوة على النبي ﷺ ج ١ ص ١٧٥.
❷ صحيح البخاري: ج ١ ص ٤٧٧.
❸ سبل السلام: ج ١ ص ١٩٣ والنووي: ج ١ ص ١٧٥.
❹ سبل السلام: ج ١ ص ١٩٣.

''یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنا واجب ہے کہ قُوْلُوْا (صیغہ جمع مذکر امر حاضر معروف) کا ظاہر اسی کا متقضی ہے۔ صحابہ کی ایک جماعت اور ائمہ اسلام اور امام شافعی، امام اسحاق بن راہویہ کا یہی مذہب ہے۔''

امام نووی فرماتے ہیں:

وَذَهَبَ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ إِلٰى أَنَّهَا وَاجِبَةٌ لَوْ تُرِكَتْ لَمْ تَصِحَّ الصَّلٰوةُ وَهُوَ مَرْوِيٌّ عَنْ عُمَرَ وَابْنِهِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا وَهُوَ قَوْلُ الشَّعْبِيِّ ۔ ❶

''(اگرچہ احناف اور جمہور کے نزدیک نماز میں درود پڑھنا سنت ہے تاہم) امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک واجب ہے ان کا کہنا یہ کہ اگر درود چھوڑ دیا جائے تو نماز صحیح نہ ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہی کچھ مروی ہے اور امام شعبی کا بھی یہی قول ہے۔''

امام شوکانی رحمہ اللہ وضاحت فرماتے ہیں کہ قولوا کے صیغہ سے استدلال کیا گیا ہے کہ نماز میں تشہد کے بعد درود پڑھنا واجب ہے۔ حضرت ابن عمر، ابن مسعود رضی اللہ عنہم، جابر بن زید، شعبی، محمد بن کعب ابوجعفر باقر، معادی و قاسم، الشافعی، احمد بن حنبل و اسحٰق اور ابن مواز اسی طرف گئے ہیں اور ابوبکر ابن العربی مالکی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ ❷

ان احادیث سے بہرحال اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں تشہد کے بعد درود ضرور پڑھنا چاہیے۔ رہی یہ بات کہ آخری تشہد کے بعد پڑھنا اور پہلے تشہد میں نہ پڑھنا تو گزارش ہے کہ اس تقسیم اور تخصیص کا ذکر کسی صحیح اور مرفوع حدیث میں موجود نہیں۔

امام شوکانی رحمہ اللہ اگرچہ نماز میں درود کے وجوب کے قائل نہیں تاہم وہ اس تقسیم اور تخصیص کی تردید میں فرماتے ہیں کہ درود کو آخری تشہد کے ساتھ مخصوص کر دینا اتنا کمزور موقف ہے کہ اس پر نہ کوئی صحیح حدیث دلالت کرتی ہے اور نہ ضعیف حدیث اور وہ تمام احادیث جن سے قائلین وجوب نے دلیل پکڑی ہے وہ بھی درود کے لیے آخری تشہد کی تخصیص نہیں کرتیں۔ ❸

محدث عصر الشیخ البانی رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں:

''یعنی نبی اکرم ﷺ نے درود شریف کے لیے دونوں تشہدوں میں سے کسی ایک کو خاص نہیں کیا۔ لہٰذا یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے تشہد میں بھی درود پڑھنا جائز ہے۔ امام شافعی کا یہی مذہب ہے جیسا کہ ان کی کتاب ''الام'' میں اس کی تصریح موجود ہے اور امام شافعی کے اصحاب کے نزدیک بھی یہی مسلک صحیح ہے، جیسا کہ امام نووی نے ''المجموع'' میں اس کی وضاحت کی ہے۔ مزید براں بہت ساری احادیث میں تشہد میں رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنے کا حکم ہے مگر اس مشار الیہ تخصیص کا اشارہ تک نہیں ملتا۔ بلکہ وہ عام اور ہر ایک تشہد کو شامل ہیں اور مانعین کے پاس حجت کے قابل کوئی دلیل موجود نہیں۔ ❹

---

❶ نووی ج ۱ ص ۱۸۵۔
❷ نیل الاوطار: ج۲، ص ۳۱۸۔
❸ نیل الاوطار: ج ۲ ص ۱۸۔
❹ صفة الصلوة للشيخ الالباني: ص ۱۳۲، ۱۴۳۔

اسی طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تشہد کے الفاظ کے بعد ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ أَحَدُكُمْ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ فَلْيَدْعُ بِهِ رَبَّهُ عَزَّوَجَلَّ کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ ❶ کہ اشھدان محمد اعبدہ و رسولہ کے بعد اپنی پسندیدہ دعا اپنے رب تعالیٰ سے مانگتا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ پہلے تشہد میں درود نہ پڑھنے والوں کے پاس کوئی صحیح مرفوع حدیث موجود نہیں۔ لہٰذا مذکورہ بالا احادیث کے عموم کے مطابق پہلے تشہد میں درود پڑھنا بلاشبہ جائز اور مشروع عمل ہے اور مانعین کے پاس صرف عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی دو روایتیں ہیں۔ ایک ضعیف ہے، اور دوسری موقوف ہے یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے۔ مرفوع حدیث نہیں۔ ❷ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم۔

کیا آدمی نماز کی حالت میں سلام کا جواب دے سکتا ہے؟

سوال: اگر دو آدمی اکٹھے نماز پڑھ رہے ہوں (یعنی اپنی اپنی) اور ان میں سے ایک آدمی پہلے سلام پھیر دے، نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکلتے وقت وہ السلام علیکم کہے اور دوسرا آدمی جو اس کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا اگر وہ نماز کی حالت میں ہو تو کیا وہ اس کے سلام کا جواب دے سکتا ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں واضح فرمائیں۔ (سائل: شیخ عمر فاروق، فاروق آباد)

جواب: صورت مسئولہ میں نماز پڑھنے والا سلام کا جواب دے سکتا ہے مگر الفاظ میں نہ دے بلکہ ہاتھ کے اشارے کے ساتھ جواب دے کیونکہ نماز کی حالت میں کلام کرنا منع ہے جبکہ وعلیکم السلام کہنا کلام اور گفتگو ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

قُلْتُ لِبِلَالٍ كَيْفَ رَأَيْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرُدُّهُ عَلَيْهِمْ حِيْنَ يُسَلِّمُوْنَ عَلَيْهِ وَهُوَ يُصَلِّيْ؟ قَالَ يَقُوْلُ هٰكَذَا وَبَسَطَ كَفَّهُ، وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ يُشِيْرُ بِيَدِهِ۔ ❸

''میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی حالت میں جب صحابہ کرام سلام کرتے تو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کو جواب دیتے ہوئے کیسے دیکھا؟ تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا آپ ایسے کہتے تھے اور اپنی ہتھیلی کو پھیلایا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ہاتھ سے اشارہ فرماتے یعنی زبان سے وعلیکم السلام نہ کہتے۔''

امام شوکانی اس حدیث کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں کہ اس باب میں حضرت بلال کے علاوہ حضرت ام سلمہ، حضرت عائشہ، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت انس، حضرت بریدہ اسلمی، ابن مسعود، معاذ بن جبل، مغیرہ بن شعبہ، ابوسعید، حضرت اسماء رضی اللہ عنہم سے احادیث مروی ہیں۔

---

❶ نیل الاوطار: باب الأمر بالتشهد الأول وسقوطه بالسهو ج ۲ ص ۲۷۱۔

❷ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: عون المعبود ج ۱، ص ۳۷۰ تا ۳۷۳۔

❸ رواه الخمسة إلا أن في رواية النسائي و ابن ماجة صهيبا مكان بلال۔ نيل الاوطار: ج ۲ ص ۳۳۱ و سبل السلام: ج ۱ ص ۱۴۰۔

صاحب منتقی الاخبار تصریح فرماتے ہیں:

وَقَدْ صَحَّتِ الْإِشَارَةُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حَدِيْثِ عَائِشَةَ وَ جَابِرٍ وَّمِنْ رِوَايَةِ أُمِّ سَلَمَةَ۔

''حضرت ام سلمہ، عائشہ اور جابر رضی اللہ عنہم کی احادیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں اشارہ کرنا صحیح طور پر ثابت ہے۔''

امام شوکانی تصریح فرماتے ہیں:

وَالْأَحَادِيْثُ الْمَذْكُوْرَةُ تَدُلُّ عَلٰى أَنَّهُ لَا بَأْسَ أَنْ يُّسَلِّمَ غَيْرُ الْمُصَلِّيْ عَلَى الْمُصَلِّيْ لِتَقْرِيْرِهِ ﷺ عَلٰى ذٰلِكَ وَ جَوَازُ الرَّدِّ بِالْإِشَارَةِ ۔ ❶

''یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ غیر نمازی، نمازی پر سلام کہہ سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کہنے والے کو منع نہیں فرمایا۔ اگر سلام کرنا جائز نہ ہوتا تو آپ اس کو ضرور منع فرما دیتے۔''

اور اسی طرح ان احادیث صحیحہ حسنہ کے مطابق نماز کی حالت میں اشارہ کے ساتھ سلام کا جواب دینا جائز ہے۔ کچھ اہل علم اس کو منع سمجھتے ہیں اور وہ بھی کچھ احادیث پیش کرتے ہیں۔ مگر امام شوکانی فرماتے ہیں ان احادیث سے اشارہ سے ممانعت سے مراد الفاظ کے ساتھ جواب دینے کے بارے میں ہے اشارہ کی نفی مراد نہیں۔ من شاء التفصیل فلیراجع الی نیل الاوطار۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب ۔

سوال: نماز کی حالت میں سلام کا جواب دینے کا کیا حکم ہے؟ نیز اگر مسجد میں جماعت کھڑی ہو تو کیا السلام علیکم کہا جا سکتا ہے؟

جواب: نماز پڑھتے وقت سلام کہنے والے کا جواب ہاتھ کے اشارے کے ساتھ دینا جائز ہے، زبان سے وعلیکم السلام کہنا جائز نہیں اور اشارہ بھی ایک انگلی کے ساتھ کرنا چاہیے: جیسا کہ سنن نسائی میں ہے:

عَنْ صُهَيْبٍ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَرَرْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَرَدَّ عَلَيَّ إِشَارَةً وَّلَا أَعْلَمُ إِلَّا أَنَّهُ قَالَ بِإِصْبَعِهِ ۔ ❷

''حضرت صہیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا، آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے، میں نے آپ کو السلام علیکم کہا تو آپ نے انگلی کے اشارے کے ساتھ میرے سلام کا جواب لوٹایا۔''

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نمازی نماز کی حالت میں ہاتھ کی ایک انگلی کے اشارے کے ساتھ سلام کا جواب دے سکتا ہے۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

❶ نيل الاوطار: باب الإشارة في الصلاة لرد السلام أو حاجة تعرض ج ٢ ص ٣٣١، ٣٣٢۔

❷ سنن نسائي :باب رد السلام بالإشارة في الصلوة ج ١ ص ١٤٠۔

نماز میں چھینک آنے پر الحمد للہ کہنا جائز ہے

سوال: نماز میں اگر چھینک آ جائے تو کیا الحمد للہ کہا جا سکتا ہے؟ (سائلہ: عاصمہ بنت محمد علی)

جواب: کہہ ہی نہیں سکتا بلکہ کہنا چاہیے، جیسا کہ جامع ترمذی کتاب الصلوٰۃ میں واضح طور پر حدیث موجود ہے۔ البتہ دوسرے نمازی کو نماز کی حالت میں یرحمک اللہ کہنا نہ چاہیے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ نماز فجر میں ہمیشہ دعائے قنوت رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہے؟

جواب: یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ اس میں دو قول مشہور ہیں: امام مالک اور امام شافعی نماز فجر کے دوسرے رکوع کے بعد دعاء قنوت کی مشروعیت کے قائل ہیں اور دوسرا فقہاء کا ایک گروہ نماز فجر کے دوسرے رکوع کے دعائے قنوت کی مشروعیت کا قائل نہیں اور الشیخ ابوالحسن عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق دوسرا قول راجح ہے۔ ممدوح فریقین کے دلائل کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے تصریح فرماتے ہیں:

اَلرَّاجِحُ عِنْدِیْ مَاذَهَبَ إِلَيْهِ اَبُوْحَنِيْفَةَ وَأَحْمَدُ اَنَّهُ لَايَسُنُّ الْقُنُوْتُ فِيْ غَيْرِ الْوِتْرِ مِنْ غَيْرِ سَبَبٍ لَافِيْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ وَلَافِيْ غَيْرِهَا مِنَ الصَّلَوَاتِ وَاِنَّهُ مُخْتَصٌّ بِالنَّوَازِلِ لِأَنَّهُ لَمْ يَرِدْ فِيْ ثُبُوْتِهِ فِيْ غَيْرِ الْوِتْرِ مِنْ غَيْرِ سَبَبٍ حَدِيْثٌ مَرْفُوْعٌ صَحِيْحٌ خَالٍ عَنِ الْكَلَامِ صَرِيْحٌ فِي الدَّلَالَةِ عَلٰى مَاذَهَبَ إِلَيْهِ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ بَلْ قَدْصَحَّ عَنْهُ ﷺ مَايَدُلُّ عَلٰى خِلَافِ مَا قَالَا بِهِ. [1]

''میرے نزدیک امام ابوحنیفہ اور امام احمد کا قول راجح ہے کیونکہ وتر نماز کے سوا بغیر کسی سبب کے نماز فجر میں اور نہ کسی دوسری نماز میں دعائے قنوت کا پڑھنا مسنون نہیں اور دعائے قنوت نوازل (وباء قحط اور دشمن کے خوف) کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ اس کے ثبوت میں نماز وتر کے سوا بغیر کسی سبب کے کوئی ایسی مرفوع صحیح حدیث وارد نہیں جو جرح سے خالی ہو اور امام مالک اور امام شافعی کے قول کی دلیل بن سکے۔ بلکہ ان کے موقف کے خلاف رسول اللہ ﷺ سے صحیح حدیث ثابت ہے۔ ھذا ما عندی و اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

سجدہ سہو کا ایک اصولی قاعدہ

سوال: سجدہ سہو کے لیے ایک اصول تحریر فرما دیں۔ نیز ثناء سے لے کر سلام تک جن مقامات کے ترک سے سجدہ لازم آتا ہے وہ تحریر فرمائیں۔

جواب: نماز میں اگر کوئی چیز کرنے کو چھوٹ جائے یا نماز میں اضافہ ہو جائے تو اس پر سجدہ سہو لازم ہو جاتا ہے، مثلاً: پہلا

[1] مرعاۃ المفاتیح: ج ۲ ص ۲۲۔

تشہد رہ جائے یا کوئی فعل مسنون چھوٹ جائے یا قراءت جہری کے بجائے قراءت سری کرے یا چار کے بجائے پانچ یا تین پڑھنے کا شبہ ہو تو گمان غالب پر عمل کرے اور سجدہ سہو کرے۔ حنفیہ کے نزدیک نماز میں خواہ کمی ہو یا زیادتی، سجدہ بہرحال بعد سلام کے ہے۔ اور شافعیہ کے نزدیک بہرحال سلام سے پہلے ہے۔ مگر صحیح مسلک یہ ہے کہ اگر نماز میں کمی کا شبہ ہو تو سلام سے پہلے کرنا چاہیے اور اگر نماز میں زیادتی کا شبہ ہو تو سلام کے بعد سجدہ کرنا چاہیے۔ اور سہو کے سجدوں کے بعد التحیات پڑھنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم! ❶

نماز میں بھول جائے تو؟

سوال: ایک امام نماز پڑھاتے ہوئے ایک رکعت میں رکوع کرنا بھول جاتا ہے اور اپنے طور پر نماز مکمل کر کے سلام پھیر دیتا ہے، بعدازاں نمازیوں کی یاد دہانی پر اسے اپنی غلطی کا پتہ چلتا ہے۔ اب کیا وہ پوری نماز دوبارہ پڑھائے یا پھر کیا کیا جائے؟ جواب مطلوب ہے۔ (سائل: قاری محمد افتخار مدرسہ تجوید القرآن اہل حدیث فلیمنگ روڈ لاہور)

جواب: اب وہ ایک رکعت پڑھائے اور پھر تشہد پڑھ لینے کے بعد سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کرے، پھر سلام پھیر دے۔ اب اس کی نماز مکمل ہوگئی۔ پوری نماز دوبارہ پڑھانے کی ضرورت نہیں۔ ذوالیدین کی مشہور حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے باقی ماندہ دو رکعت پڑھائی تھیں نہ کہ پوری نماز دوبارہ پڑھائی تھی۔ ❷ هذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مقتدی دوسری تیسری رکعت میں شامل ہو تو اس کی کون سی رکعت شمار ہوگی؟

سوال: مقتدی دوسری یا تیسری رکعت میں شریک ہو تو وہ کون سی رکعت شمار ہوگی، اول یا آخری؟ اور کیا ثنا پڑھنا ہوگا؟

جواب: مقتدی امام کی جس رکعت میں بھی شامل ہوگا وہ اس کی پہلی رکعت ہی شمار ہوگی۔ اگر نماز سری ہو اور مقتدی یہ سمجھتا ہو کہ میں ثنا اور الحمد دونوں پڑھ سکتا ہوں تو پھر ثنا اور الحمد پڑھے۔ ورنہ ثنا کو چھوڑ کر الحمد ہی پڑھے۔ کیونکہ الحمد شریف کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ یعنی نماز فرضی ہو یا نفلی، اکیلا پڑھے یا باجماعت، ہر ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنی ضروری اور فرض ہے، ورنہ نماز نہیں ہوگی، ثنا فرض نہیں۔ اگر نماز جہری ہو اور امام بلند آواز سے قراءت کر رہا ہو تو پھر صرف الحمد پڑھے کیونکہ جہری قراءت کے وقت صرف الحمد پڑھنے کی اجازت ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

((مَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا)) ❸

''تم امام کے ساتھ جو ملے پڑھ لو، اور جو رہ جائے اس کو مکمل کر لو۔''

اور اتمام باقی ماندہ کا ہوتا ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی جس رکعت میں شامل ہوگا وہ اس کی پہلی رکعت ہی ہوگی۔

---

❶ تحفة الاحوذی ج۱، ص ۳۰۳. ❷ بخاری، ترمذی، تحفة الاحوذی ج۱، ص ۳۰۷.

❸ صحیح البخاری، باب ما ادرکتم فصلوا و ما فاتکم فاتموا، ج۱، ص ۸۸

فرضوں کے بعد مروجہ طریق دعا کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ایک امام صاحب ہر فرض نماز کے بعد حسب رواج ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے سے گریز کرتے اور اسے بدعت تصور کرتے ہیں۔ آپ سے سوال ہے کہ کون سا طریقہ حدیث نبوی کے مطابق ہے ہمیشہ مروجہ دعا نہ مانگنا، یا ہمیشہ مانگنا یا کبھی مانگ لینا اور کبھی چھوڑ دینا؟ جواب باصواب سے آگاہ فرمائیں۔ نیز یہ کہ آنحضرت ﷺ کا نماز کے بعد کیا طریق تھا؟ (سائل: عبدالرزاق بہاولنگر)

جواب: ہمارے زمانے کے علمائے اہل حدیث اس بارے میں مختلف ہیں، بعض کہتے ہیں کہ چونکہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کسی فرضی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہو اور صحابہ کرام ﷢ نے اس پر آمین کہی ہو، جیسا کہ آج کل عام رواج ہے۔ لہٰذا ان علمائے کرام کے نزدیک فرضوں کے بعد مروجہ دعا کا طریق بدعت ہے، جیسا کہ امام ابن القیمؒ نے بھی لکھا ہے:

أَمَّا الدُّعَاءُ بَعْدَالسَّلَامِ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ أَوِ الْمَامُوْمِينَ فَلَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ مِنْ هَدْيِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْلاً وَّلاَ رُوِيَ عَنْهُ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ وَّلاَ حَسَنٍ وَّعَامَّةُ الْأَدْعِيَةِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِالصَّلٰوةِ إِنَّمَا فَعَلَهَا وَأَمَرَ بِهَا فِيهَا وَهٰذَا هُوَا للاَئِقُ بِحَالِ الْمُصَلِّيْ فَإِنَّهُ مُقْبِلٌ عَلٰى رَبِّهٖ يُنَاجِيهِ مَادَامَ فِي الصَّلٰوةِ. ❶

”فرضوں کے بعد قبلہ رخ ہو کر یا نمازیوں کی طرف منہ کر کے دعا مانگنا آنحضرت ﷺ سے بالکل ثابت نہیں ہے۔ صحیح حدیث کے ساتھ اور نہ حسن حدیث کے ساتھ۔ کیونکہ اکثر متعدد دعائیں آپؐ نے نماز کے اندر ہی مانگی ہیں اور نماز کے اندر ہی ان دعاؤں کے مانگنے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے کہ نمازی نماز کی حالت میں اللہ کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اور اپنے اللہ سے مناجات کرتا ہے۔

لیکن دوسرے علماء اس دعا کے جواز کے قائل ہیں اور مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں:

(ا) عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ بَسَطَ كَفَّيْهِ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ إِلٰهِي وَإِلٰهَ إِبْرَاهِيْمَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَإِلٰهَ جِبْرَئِيْلَ وَ مِيكَائِيْلَ وَ إِسْرَافِيْلَ اَسْئَلُكَ أَنْ تَسْتَجِيبَ دَعْوَتِيْ فَإِنِّيْ مُضْطَرٌّ وَّ تَعْصِمُنِيْ فِيْ دِيْنِيْ فَإِنِّيْ مُبْتَلًى وَتَنَالَنِيْ بِرَحْمَتِكَ فَإِنِّيْ مُذْنِبٌ وَ تَنْفِيَ عَنِّي الْفَقْرَ فَإِنِّيْ مُتَمَسْكِنٌ إِلاَّ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ لَّا يَرُدَّ يَدَيْهِ خَائِبَيْنَ۔ أَخْرَجَهُ الْحَافِظُ وَاللَّيْلٰى قُلْتُ فِيْ سَنَدِهٖ عَبْدُالْعَزِيْزِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْقُرَشِيُّ قَالَ فِي الْمِيزَانِ إِتَّهَمَهُ أَحْمَدُ وَقَالَ النَّسَائِيُّ وَغَيْرُهُ لَيْسَ بِثِقَةٍ. ❷

---

❶ إنتهى ملخصا من زاد المعاد ص ۲۵۷ ج ۱ بحث الدعاء بعد السلام من الصلوة۔ ❷ تحفة الاحوذي: ص ۲۴۶ ج ۱ باب ما يقول اذا سلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد ہاتھ پھیلا کر یہ دعا پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں کو ناکام نہیں لوٹاتا۔ اس حدیث کا ایک راوی عبدالعزیز بن عبدالرحمان جو سخت مجروح ہے، مولانا مبارک پوریؒ نے میزان الاعتدال سے بہت سے ائمہ حدیث کی اس پر سب جرحیں نقل فرمائی ہیں کسی ایک نے بھی توثیق نہیں کی ہے۔ علاوہ اس کے کہ ایسے مجروح راوی کی روایت کسی درجے میں بھی قبول نہیں کی جا سکتی۔ سوال میں مذکور طریق کا اس میں بھی ذکر نہیں۔ (ع، ح)

(۲) عَنْ مُحَمَّدِ يَحْيَى السُّلَمِيِّ (تقریب اور تہذیب میں اسلمی ہے۔ ع، ح) قَالَ رَأَيْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ رَأَى رَجُلاً رَافِعًا يَدَيْهِ قَبْلَ أَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهِ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْهَا قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهِ.

ذَكَرَهُ الْحَافِظُ الْهَيْثَمِيُّ فِيْ مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ قَالَ وَرَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ وَ تَرْجَمَ لَهُ فَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى السُّلَمِيُّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ۔ ❷

''محمد بن یحییٰ اسلمی کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایک آدمی کو نماز میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہوئے دیکھا جب وہ فارغ ہوا تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا کہ بھائی آنحضرت ﷺ تو نماز سے فارغ ہو کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تھے۔''

۳۔ عَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَلُوا اللّٰهَ بِبُطُوْنِ أَكُفِّكُمْ وَلَا تَسْئَلُوْهُ بِظُهُوْرِهَا. ●

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے سیدھے ہاتھوں کے ساتھ دعا مانگا کرو اور الٹے ہاتھوں سے نہ مانگو۔''

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ امام اور مقتدی فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ سکتے ہیں اور اس کو بدعت کہنا صحیح معلوم نہیں ہوتا ہے۔ تاہم اس کا التزام اور اس پر ہمیشگی بدعت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے اس دعا کا التزام ضعیف حدیث سے بھی ثابت نہیں۔ مذکورہ احادیث بھی چونکہ کچھ ضعیف ہی ہیں، اس لیے ان سے استحباب ثابت ہوتا ہے۔ جیسے کہ ملا علی قاری فرماتے ہیں۔ اَلْاِسْتِحْبَابُ يَثْبُتُ بِالضَّعِيْفِ لَا بِالْمَوْضُوْعِ۔ ہمارے حنفی بھائی اس دعا کو لازم سمجھے بیٹھے ہیں حالانکہ خود امام ابوحنیفہؒ اور حنفی فقہاء کے نزدیک فرضوں کے بعد مروجہ دعا مانگنا کوئی ضروری نہیں۔ جیسے البحر الرائق میں ہے:

وَلَمْ يَذْكُرِ الْمُصَنِّفُ مَا يُفْعَلُ بَعْدَ السَّلَامِ وَقَدْ قَالُوْا إِنْ كَانَ إِمَامًا وَكَانَتْ صَلٰوةٌ يُتَنَفَّلُ بَعْدَهَا فَإِنَّهُ يَقُوْمُ وَيَتَحَوَّلُ مِنْ مَكَانِهِ يَمِيْنِهِ أَوْ يَسَارِهِ أَوْ خَلْفِهِ وَالْجُلُوْسُ مُسْتَقْبِلاً بِدْعَةٌ ❸

---

❶ تحفة الاحوذی: ص ۲٤٥ ج ۱.

❷ رواه الطبراني في الكبير ورجاله رجال الصحيح غير عماد بن خالد الواسطي وهو ثقة۔ (مجمع الزوائد: ص ۱۶۹ ج ۱۰) کنز العمال: ص ۱۷۵ ج

❸ تحفة الأحوذی: ص ۲٤۷ ج ۱.

''اور نہیں ذکر کیا مصنف نے کہ امام سلام کے بعد کیا کرے۔ تاہم فقہاء کا خیال ہے جس نماز کے بعد نفل ہوں ان میں امام کھڑا ہو جائے اور دائیں بائیں پھر جائے اور قبلہ رخ بیٹھ رہنا بدعت ہے۔''

رہی یہ بات کہ سلام کے بعد کیا کچھ کیا جائے تو اس سلسلے میں آمدہ روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز سے فارغ ہو کر ایک مرتبہ اللہ اکبر، تین مرتبہ استغفراللہ، آیت الکرسی اور تسبیح فاطمہ یعنی ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر وغیرہ پڑھا جائے۔

افسوس ہے ان اذکار مسنونہ کی پابندی پر تو توجہ نہیں دی جاتی اور تمام زور صرف مروجہ دعا پر ہی لگا دیا جاتا ہے۔ یہ بات صحیح نہیں، دعا اگر مانگنی ہو تو ان اذکار مسنونہ کے بعد مانگنی چاہیے۔

سنن موکدہ کتنی ہیں

سوال نمبر۱: ایک آدمی اپنی دکان پر اکیلا ہے ادھر جماعت کا وقت ہے وہ کسی نہ کسی طرح، یعنی کسی آدمی کو دکان پر کھڑا کر کے فرض تو جماعت کے ساتھ پڑھ لیتا ہے اور سنتیں بعد میں پڑھتا ہوں گی، یعنی کیا وہ فراغت کے وقت سنتیں پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: بہتر اور سنت تو یہی ہے کہ وہ سنن رواتب نماز کے ساتھ فرضوں سے پہلے کی فرضوں سے پہلے اور بعد والی بعد میں پڑھے، اگر بالفرض کسی سخت مجبوری کی وجہ سے سنن رواتب وقت پر نہیں پڑھ سکا تو عندالفراغت پڑھ لے۔ دکان میں پڑھ لیا کرے۔ چھوڑنا اور چھوڑ دینے کو معمول بنا لینا ہرگز جائز نہیں۔ سنت کا استخفاف پرلے درجے کی حرماں نصیبی ہے۔

وفد عبدالقیس کی آمد پر رسول اللہ ﷺ کی ظہر کی پچھلی دو سنتیں رہ گئی تھیں، وہ آپ نے نماز عصر کے بعد ادا فرمائی تھیں۔ لہٰذا سنتوں کی قضا بعد از وقت بھی جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال نمبر۲: سنن موکدہ (سنن رواتب) کتنی ہیں؟ تفصیل سے تحریر فرمائیے۔ (سائل: رحمت اللہ دکاندار فلیمنگ روڈ لاہور)

جواب: موکدہ سنتیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے مطابق دس رکعات ہیں:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهما قَالَ حَفِظْتُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشَرَ رَكْعَاتٍ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِيْ بَيْتِهِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَالْعِشَاءِ فِيْ بَيْتِهِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ...... الحديث. ●

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی دس سنتیں یاد ہیں، آپ ﷺ دو رکعتیں نماز ظہر سے پہلے، دو رکعتیں نماز ظہر کے بعد، دو رکعتیں نماز مغرب کے بعد اپنے گھر میں، دو رکعتیں نماز عشاء کے بعد اپنے گھر میں اور دو رکعتیں نماز فجر سے پہلے پڑھا کرتے تھے۔''

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَايَدَعُ أَرْبَعاً قَبْلَ الظُّهْرِ وَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ

● صحيح البخاري: باب الركعتين قبل الظهر: ج ۱ ص ۱۵۷.

الْغَدَاةِ. (حوالہ مذکور)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نماز ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور دو رکعتیں فجر کی نماز سے پہلے کبھی نہ چھوڑتے۔''

امام طبری رحمہ اللہ ان دونوں احادیث صحیحہ کی تطبیق میں فرماتے ہیں کہ عام حالات میں آپ نماز ظہر سے پہلے چار اور سنتیں پڑھا کرتے تھے اور کبھی کبھار دو سنتوں پر بھی اکتفا فرما لیتے تھے۔گویا کہ چار رکعتیں آپ کا اکثری عمل تھا۔

ظہر کے فرضوں کے بعد چار سنتیں بھی منقول ہیں۔ابوداؤد میں ہے:

عَنْ عَنْبَسَةَ بْنِ أَبِی سُفْیَانَ قَالَ قَالَتْ أُمُّ حَبِیْبَةَ زَوْجُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَافَظَ عَلٰی أَرْبَعِ رَکَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَأَرْبَعٍ بَعْدَهَا حُرِّمَ عَلَی النَّارِ.

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ظہر کے فرضوں سے پہلے چار رکعتوں پر اور اسی طرح فرضوں کے بعد چار رکعتوں پر ہیشگی کرے گا تو اس کو جہنم پر حرام کر دیا جائے گا۔''

مگر یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ مکحول کا عنبسہ سے سماع ثابت نہیں۔ظہر کے بعد کی چار سنتوں میں سے پہلی دو موکدہ ہیں اور باقی دو غیر موکدہ ہیں۔لہٰذا دو دو کر کے پڑھنی چاہئیں۔

عصر کے فرضوں سے پہلے چار سنتیں بھی منقول ہیں:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً صَلّٰی قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعاً. ❶

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اس آدمی پر جو نماز عصر کے فرضوں سے پہلے چار رکعات پڑھتا ہے۔'' اگرچہ عون المعبود میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عصر کے فرضوں سے پہلے دو رکعت بھی مروی ہیں مگر افضل یہ ہے کہ چار رکعات پڑھی جائیں۔

۱-(مسئلہ) مغرب سے پہلے دو نفل

مغرب کے فرضوں سے پہلے دو رکعت نفل بھی ثابت ہیں:

عَبْدُاللّٰهِ الْمُزَنِیُّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلُّوْا قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ قَالَ فِی الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ کَرَاهِیَةَ أَنْ یَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً. ❷

''حضرت عبداللہ مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز مغرب سے پہلے دو نفل پڑھا کرو۔ آپ نے یہ دو بار ارشاد فرمایا تیسری دفعہ فرمایا جو چاہے پڑھے، جو چاہے نہ پڑھے۔'' (یعنی یہ نوافل اختیاری ہیں)

❶ عون المعبود شرح أبی داؤد ج۱ ص ٤٩١.

❷ صحیح البخاری: باب الصلوة قبل المغرب ج ۱ ص ۱۵۷.

۲۔(مسئلہ) مغرب کی سنتوں کے بعد چار نفل

نماز مغرب کے دو موکدہ سنتوں کے علاوہ مزید چار غیر موکدہ سنتیں بھی مروی ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ لَمْ يَتَكَلَّمْ فِيمَا بَيْنَهُنَّ بِسُوْءٍ عُدِلْنَ لَهُ بِعِبَادَةِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً.

قَالَ أَبُوْ عِيسٰى حَدِيْثُ أَبِي هُرَيْرَةَ غَرِيْبٌ لَا نعرفه إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ زَيْدِ ابْنِ الْحَبَابِ عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي خَثْعَمٍ قَالَ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ يَقُوْلُ عُمَرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِي خَثْعَمٍ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ وَ ضَعَّفَهُ جِداً۔ ❶

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز مغرب کے بعد دو موکدہ سنتوں سمیت چھ رکعات پڑھے اور ان میں کوئی غلط بات نہ کرے تو اس کو بارہ برس کی عبادت کے برابر ثواب ملے گا۔''

مگر یہ حدیث سخت ضعیف ہے۔ کیونکہ بقول امام بخاری عمر بن عبداللہ بن ابی خثعم منکر الحدیث ہے۔ اور منکر الحدیث سے روایت لینا حلال نہیں۔ ان چھ رکعتوں میں مغرب کی دو موکدہ سنتیں بھی شامل ہیں۔

۳۔(مسئلہ) اٹھارہ نفل رکعت

مغرب کی دو موکدہ سنتوں سمیت بیس رکعات نوافل بھی مروی ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰى بَعْدَالْمَغْرِبِ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتاً فِي الْجَنَّةِ.

أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَةَ مِنْ رِوَايَةِ يَعْقُوْبَ بْنِ الْوَلِيْدِ الْمَدَائِنِيِّ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ الْمُنْذَرِيُّ وَيَعْقُوْبُ كَذَّبَهُ أَحْمَدُ وَغَيْرُهُ. ❷ قَالَ الذَّهَبِيُّ فِي الْمِيْزَانِ قَالَ أَحْمَدُ حَدَّقْنَا حَدِيْثَهُ، وَ كَذَّبَهُ أَبُوْحَاتِمٍ وَيَحْيٰى وَقَالَ أَحْمَدُ أَيْضاً كَانَ مِنَ الْكَذَّابِيْنَ الْكِبَارِ يَضَعُ الْحَدِيْثَ. ❸

یہ حدیث موضوع اور من گھڑت ہے کیونکہ اس کا راوی یعقوب بڑا کذاب ہے۔ امام یحییٰ بن معین نے یعقوب مدائنی کو کذاب اور امام نسائی نے اس کو متروک الحدیث قرار دیا ہے۔ تاہم مغرب اور عشاء کے درمیان بکثرت نوافل پڑھنے کے بارے میں اتنی کثرت کے ساتھ احادیث ضعیفہ مروی ہیں کہ مجموعی طور قابل اخذ ہیں بالخصوص فضائل اعمال میں۔ (مرعاۃ المفاتیح ج ۲ ص ۱۵۲)

❶ ترمذی مع تحفة الأحوذی: باب ما جاء فی فضل التطوع ست ركعات بعد المغرب ج ۱ ص ۳۲۰۔

❷ الترغیب والترهیب: جلد ۱ ص ۴۰۲۔ ❸ تحفة الأحوذی: ج ۱ ص ۳۳۰۔

۴۔ (مسئلہ) عشاء کے بعد نوافل

عَنْ شُرَيْحِ ابْنِ هَانِئٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَ سَأَلْتُهَا عَنْ صَلاَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ مَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْعِشَاءَ فَدَخَلَ عَلَيَّ إِلاَّ صَلّٰى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ أَوْسِتَّ رَكَعَاتٍ۔ ❶

شریح بن ہانی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی نفلی نماز کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز ادا فرما کر میرے ہاں تشریف لاتے تو عشاء کے فرضوں اور سنتوں کے بعد چار یا چھ نفل پڑھتے۔

۵۔ (مسئلہ): سنتوں اور نفلوں کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورۃ بھی پڑھے۔ (ابن حبان)

۶۔ (مسئلہ): صبح کی سنتوں کے بعد دائیں کروٹ لیٹنا سنت ہے۔ (بخاری، ج ۱ ص ۱۵۵)

۷۔ (مسئلہ): صبح کی سنتوں کے بعد لیٹ کر یہ دعا پڑھنی چاہیے:

أَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْراً وَّفِيْ بَصَرِيْ نُوْراً وَّ فِيْ سَمْعِيْ نُوْراً وَّ عَنْ يَّمِيْنِيْ نُوْراً وَّ عَنْ يَّسَارِيْ نُوْراً وَّ فَوْقِيْ نُوْراً وَّ تَحْتِيْ نُوْراً وَّاَمَامِيْ نُوْراً وَّ خَلْفِيْ نُوْراً وَّاجْعَلْ لِّيْ نُوْراً وَّفِيْ لِسَانِيْ نُوْراً وَّ عَصَبِيْ نُوْراً وَّلَحْمِيْ نُوْراً وَّدَمِيْ نُوْراً وَّشَعْرِيْ نُوْراً وَّ بَشَرِيْ نُوْراً وَّاجْعَلْ فِيْ نَفْسِيْ نُوْراً وَّ اَعْظِمْ لِيْ نُوْراً وَّاَعْطِنِيْ نُوْراً. ❷

اذان فجر کے بعد تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد کا حکم

سوال: بعد از اذان صبح، تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد کے نوافل پڑھے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض کہتے کہ اذان صبح کے بعد سوائے فجر کی سنتوں کے کوئی نفل پڑھنا جائز نہیں۔

جواب: اس میں سلف کا اختلاف ہے، جیسا کہ امام ابن منذر اور دوسرے اہل علم نے لکھا ہے۔ اذان فجر کے بعد وتر پڑھ سکتا ہے۔ امام محمد بن نصر مروزی نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث کی ہے۔ (قیام اللیل) مگر راجح مذہب یہ ہے کہ فجر کی اذان کے بعد سوائے فجر کی دو سنتوں کے تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو اور دوسری نفلی نماز جائز نہیں۔ چنانچہ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی (ص ۳۲۱ ج ۱) میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لاَ صَلٰوةَ بَعْدَ الْفَجْرِ إِلَّا رَكْعَتَيْنِ

''جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پو پھٹنے کے بعد سوائے دو سنتوں کے کوئی نفل نماز نہیں ہے۔''

---

❶ عون المعبود: باب الصلاة بعد العشاء ج ۱ ص ۵۰۲.

❷ متفق عليه: مشكوة، ص ۱۰۶.

حضرت امام عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ لکھتے ہیں: قُلْتُ الرَّاجِحُ عِنْدِیْ هُوَ قَوْلُ مَنْ قَالَ بِالْكَرَاهَةِ لِأَنَّ أَحَادِيْثَ الْبَابِ عَلَيْهِ صَرَاحَةً . یعنی میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ طلوع فجر کے بعد سوائے دوسنتوں کے دوسری نماز مکروہ ہے کیوں کہ احادیث الباب صراحتاً اس پر دلالت کر رہی ہیں۔ حضرت حافظ عبداللہ صاحب روپڑی رحمہ اللہ نے بھی فجر کے بعد تحیۃ المسجد وغیرہ نفلی نماز کو مکروہ لکھا ہے۔ ● راقم کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ تاہم بعض کے نزدیک پڑھ سکتا ہے۔ واللہ اعلم

ننگے سر نماز کا مسئلہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرح متین کہ آج کل نمازی حضرات عموماً عمامہ، ٹوپی اور رومال اتار کر ایک جانب رکھ دیتے ہیں اور ننگے سر نماز پڑھتے ہیں اور اس عادت کو سنت سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے؟

جواب: نماز میں ستر مغلظ (شرم گاہ) کا ڈھانپنا بالاتفاق ضروری ہے۔ ان میں سے اگر کوئی حصہ برہنہ ہوگا تو نماز نہیں ہوگی کہ ان اعضا کا برہنہ رکھنا شرعاً حرام ہے۔ حضرت بہز بن حکیم سے روایت ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِحْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلاَّ مِنْ زَوْجَتِكَ أَوْمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ . ●

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی بیوی اور لونڈی کے سوا کسی کو اپنے اعضائے ستر (شرم گاہ) کو دیکھنے کا موقع نہ دے۔"

امام محمد بن علی الشوکانی ارقام فرماتے ہیں:

وَالْحَقُّ وُجُوْبُ سَتْرِالْعَوْرَةِ فِيْ جَمِيْعِ الْأَوْقَاتِ إِلاَّ قَضَاءِ الْحَاجَةِ وَإِفْضَاءِ الرَّجُلِ إِلٰى أَهْلِهِ . ●

"حق بات یہ ہے کہ سوائے قضائے حاجت اور بیوی کے ساتھ ملاپ کے وقت کے باقی تمام اوقات میں شرم گاہ کو ڈھانپنا فرض ہے۔"

ایک روایت کے مطابق امام احمد اور امام مالک کے نزدیک اَلْعَوْرَةُ الْقُبُلُ وَالدُّبُرُ. ● کہ اعضائے ستر صرف قبل اور دبر ہے۔ غرضیکہ ستر کی جو حد بھی ہو اگر اس کو برہنہ رکھا جائے تو نماز نہ ہوگی۔ اعضائے ستر کو ویسے بھی کھلا رکھنا درست نہیں، نماز میں تو قطعاً ناجائز اور حرام ہے۔ سر چونکہ بالاتفاق اعضائے ستر میں شامل نہیں۔ اس لیے اگر کسی وقت ننگے سر نماز پڑھی جائے تو بالاتفاق جائز ہوگی۔ جس طرح کسی شخص کی پنڈلی، پیٹ اور پشت وغیرہ برہنہ ہوں تو اس حالت میں اس کی نماز جائز ہے، اسی طرح ننگے سر بھی نماز بلاشبہ درست ہے۔ تاہم اس عادت کو سنت سمجھنے والے درج ذیل احادیث سے استدلال کرتے ہیں:

۱- عَنْ عُمَرَ بْنِ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلّٰى فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ قَدْ خَالَفَ بَيْنَ طَرَفَيْهِ . ●

"حضرت عمر بن سلمہ ؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی ﷺ نے ایک ہی کپڑے میں اس طرح نماز پڑھی کہ

● رواہ الخمسة إلا النسائي۔ نيل الاوطار: ج ۲ ص ۶۸ . ● فتاوی اہل حدیث: ص ۷۶ ج ۲.
● نيل الأوطار: ج۲ ص۶۸. ● نيل الاوطار: ج ۲ ص ۷۰ . ● صحيح البخاری: ج۱ ص ۵۲.

چادر کا دایاں کنارہ بائیں کندھے پر اور بایاں کنارہ دائیں کندھے پر تھا۔"

اس مضمون کی احادیث حضرت جابر، سلمہ بن اکوع، انس، عمرو بن اسید، ابوسعید خدری، کیسان، ابن عباس، عائشہ، ام ہانی، عمار بن یاسر، طلق بن علی، ابو ہریرہ اور عبادہ بن صامت انصاری وغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، ترمذی، مسند احمد، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ میں بکثرت مروی ہیں۔ ❶

بعض اہل علم کو اس قسم کی احادیث سے دھوکہ لگا ہے کہ اگر ایک کپڑے میں نماز پڑھی جائے تو سر بہر حال ننگا رہے گا۔ مگر ان کا یہ موقف بدو وجہ درست نہیں، اول اس لیے کہ ایک کپڑے کو اگر اچھی طرح جسم پر لپیٹا جائے تو سر بہر حال ڈھانپا جا سکتا ہے۔ ثانی اس لیے کہ حدیث کے طالب علم پر یہ بات کوئی مخفی نہیں کہ یہ صورت حال کپڑوں کی کمیابی اور قلت کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((أَوَ لِكُلِّكُمْ ثَوْبَانِ؟)) ❷ "کیا تم میں سے ہر ایک کو دو کپڑے میسر ہیں۔" اور طلق بن علی کی حدیث میں ہے ((أَوَكُلُّكُمْ يَجِدُ ثَوْبَيْنِ؟)) ❸ "کیا تم میں سے ہر ایک دو کپڑوں کی وسعت رکھتا ہے؟" اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ الرِّجَالَ عَاقِدِيْ أُزُرِهِمْ فِيْ أَعْنَاقِهِمْ مِنْ ضَيْقِ الْأُزُرِ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ كَأَمْثَالِ الصِّبْيَانِ. ❹

"حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ چادروں کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے گلیاں باندھ کر رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے۔"

یہ تینوں احادیث بتلا رہی ہیں کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنے والی بات اس دور سے تعلق رکھتی ہے جب صحابہ تنگدستی کی وجہ سے ایک سے زائد کپڑوں کی وسعت نہ رکھتے تھے۔ تاہم یہ اباحت اور جواز آج بھی اسی طرح قائم ہے جس طرح اس تنگدستی کے عالم میں تھا۔

علامہ الشیخ عبیداللہ محدث مبارکپوری تصریح فرماتے ہیں:

وَأَمَّا صَلٰوةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ فَفِيْ وَقْتٍ كَانَ بِعَدَمِ ثَوْبٍ اٰخَرَ وَفِيْ وَقْتٍ كَانَ مَعَ وُجُوْدِهِ لِبَيَانِ الْجَوَازِ. ❺

"نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک کپڑے میں نماز پڑھنا بعض وقت تو دوسرا کپڑا نہ ہونے کی وجہ سے تھا اور بعض وقت دوسرا کپڑا ہوتے ہوئے بھی ایک کپڑے میں نماز پڑھنا اظہار جواز کے لیے تھا۔"

اندریں صورت ان احادیث سے ننگے سر نماز کا جواز یا اباحت تو ثابت ہو سکتی ہے۔ سنت یا استحباب اور عادت ثابت نہیں ہو سکتی۔

❶ تحفة الاحوذي شرح ترمذي (ج ١ ص ٢٧٧)، نيل الاوطار، ج٢. ❷ بخاري: ج ١ ص ٥٢.
❸ عون المعبود شرح ابي داؤد: ج ١ ص ٢٤. ❹ عون المعبود: ج١ ص ٢٤١.
❺ مرعاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ج١ ص ٥٠٥.

سوال ننگے سر نماز پڑھنی افضل ہے یا سر ڈھانپ کر افضل ہے؟ جواب کتاب وسنت کی روشنی میں صادر فرمایا جائے۔
(شیخ ثناء اللہ صاحب محلہ رضا آباد فیصل آباد)

جواب : اسی طرح ننگے سر نماز کو سنت باور کرانے والے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو اپنے موقف کے اثبات میں بڑے دھڑلے کے ساتھ پیش کرتے ہیں:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ صَلّٰى جَابِرٌ فِيْ إِزَارٍ قَدْ عَقَدَهُ مِنْ قِبَلِ قِفَاهُ وَثِيَابُهُ مَوْضُوعَةٌ عَلَى الْمِشْجَبِ فَقَالَ لَهُ قَائِلٌ تُصَلِّيْ فِيْ إِزَارٍ وَّاحِدٍ فَقَالَ إِنَّمَا صَنَعْتُ ذٰلِكَ لِيَرَانِيْ أَحْمَقُ مِثْلُكَ وَأَيُّنَا كَانَ لَهُ ثَوْبَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . [1]

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک تہبند میں گدی پر گرہ باندھ کر نماز پڑھی جب کہ ان کے شانوں والی چادر تپائی پر ڈالی ہوئی تھی۔ تو ایک آدمی نے ان کے اس انداز پر اعتراض کیا کہ آپ نے یوں ایک کپڑے میں نماز کیوں پڑھی؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ایسا اس لیے کیا کہ تا کہ آپ جیسا نادان دیکھ لے۔ بتلاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم میں سے کسی کے پاس دو کپڑے ہوتے تھے۔''

اس حدیث سے ننگے سر نماز کا جواز یا اباحت تو ثابت ہوتی ہے۔ مگر اس سے کثرت عمل اور آپ کی سنت اور عادت مستمرہ کا استدلال ناقابل فہم ہے۔ ورنہ حضرت جابر معترض کے جواب میں أَيُّنَا كَانَ لَهُ ثَوْبَانَ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہہ کر ماضی کی یاد نہ دلاتے۔

الشیخ عبیداللہ محدث مبارکپوری اس حدیث کی شرح میں رقم طراز ہیں:

وَالْمَعْنٰى كَانَ أَكْثَرُنَا فِيْ عَهْدِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْلِكُ إِلاَّ الثَّوْبُ مَعَ ذٰلِكَ فَلَمْ يُكَلِّفْ تَحْصِيْلَ ثَوْبٍ ثَانٍ لِّيُصَلِّيَ فِيْهِ عَلَى الْجَوَازِ وَالْحَدِيْثُ فِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى جَوَازِ الصَّلٰوةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَنْ يَقْدِرَ عَلٰى أَكْثَرِهِمْ وَهُوَ قَوْلُ عَامَّةِ الْفُقَهَاءِ رُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ خِلَافُ ذٰلِكَ وَكَذَا مِنَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ . [2]

''اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ حضرت جابر دراصل یہ واضح کرنا چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اکثر صحابہ کے پاس ایک سے زائد کپڑے نہ ہوتے تھے۔ اس کے باوجود آپ نے نماز پڑھنے کے لیے کسی صحابی کو دوسرا کپڑا مہیا کرنے کی تکلیف نہ دی۔ پس آپ کا دوسرے کپڑے کا حکم نہ دینا ایک کپڑے میں نماز کے جواز کی دلیل ہے اور اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ ایک سے زائد کپڑے ہوتے ہوئے بھی ایک کپڑے میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ عام فقہاء کا یہی قول ہے تاہم حضرت ابن عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما اس کے خلاف ہیں۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا سنت اور افضل نہیں، ورنہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ یہ وضاحت نہ فرماتے

[1] صحيح البخاري: ج١ ص ٥١.
[2] مرعاة المفاتيح: ج١ ص٥٠٦.

کہ عہد رسالت میں اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس دو دو کپڑے نہ ہوتے تھے۔

۳۔ اسی طرح ننگے سر نماز کو سنت قرار دینے والے حضرات ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں:

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ الصَّلٰوةُ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ سُنَّةٌ. ❶

''سر ننگے نماز پڑھنا سنت ہے۔''

یہ روایت مسند احمد کی نہیں بلکہ الحاقی ہے اور ضعیف ہے۔حافظ ہیثمی تصریح فرماتے ہیں:

رَوَاهُ عَبْدُاللّٰهِ مِنْ زِيَادَاتِهِ وَالطَّبْرَانِيُّ وَفِيْهِ أَبُوْ نَضْرَةَ بْنُ بَقِيَّةَ وَأَبُوْ نَضْرَةَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أُبَيِّ وَّلاَ مِنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ. (مرعاة ج۱ ص ۵۰۶)

یہ روایت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے اور اس کے راوی ابونضرہ کا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں لہٰذا یہ روایت موقوف ہونے کے علاوہ منقطع اور ضعیف ہے۔لہٰذا یہ حجت نہیں۔

۴۔حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الزُّهْرِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ قَالَ رَأَيْتُ شَرِيْكاً صَلّٰى بِنَا الْعَصْرَ فَوَضَعَ قَلَنْسُوَتَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ يَعْنِيْ فِيْ فَرِيْضَةٍ. ❷

''جناب سفیان بن عیینہؒ کہتے ہیں کہ شریک نامی آدمی نے ہم کو عصر کی فرض نماز ٹوپی اتار کر پڑھائی اور ٹوپی اپنے سامنے رکھی۔''

اولاً تو یہ مرفوع حدیث ہے اور نہ کسی صحابی کا اثر۔

ثانی یہ کہ معلوم نہیں کہ یہ شریک کون بزرگ ہیں؟ شریک بن عبداللہ بن ابی نمر ہیں یا شریک بن عبداللہ نخعی تبع تابعی ہیں۔مولانا خلیل احمد سہارنپوری لکھتے ہیں:

وَلَمْ يَتَعَيَّنْ أَنَّ شَرِيْكاً هٰذَا مَنْ هُوَ فَلَعَلَّهُ شَرِيْكُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِيْ نَمِرٍ أَوْ شَرِيْكُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ النَّخَعِيّ. ❸

اور صاحب عون المعبود نے بھی یہی لکھا ہے گویا وہ ان کا پتہ نہیں چلا سکے۔ یہ شریک بن عبداللہ تابعی ہیں یا تبع تابعی ہیں۔

ثالث یہ کہ یہ دونوں ضعف سے محفوظ نہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

شَرِيْكُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِيْ نَمِرٍ صُدُوْقٌ يُخْطِئُ مِنَ الْخَامِسَةِ. ❹

اور اسی طرح شریک نخعی کا بھی آخر میں حافظہ بگڑ گیا تھا۔

---

❶ رواه أحمد، مشكوة ومرعاة المفاتيح: ج۱ ص ۵۰٦.

❷ بذل المجهود باب الخط إذا لم يجد عصا۔ ج۱ ص ۳٦۷ وعون المعبود: ج۱ ص ۲۵٦.

❸ بذل المجهود: ج۱ ص ۳٦۷.

❹ تقريب التهذيب: ص ۱٤۵.

شَرِيْكُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ النَّخَعِيُّ الْكُوْفِيُّ يُخْطِئُ كَثِيْراً تَغَيَّرَ حِفْظُهُ مِنَ الثَّامِنَةِ . ❶

دونوں شریک نامی راویوں میں کم وبیش ضعف ہے۔لہٰذا یہ اثر دلیل نہیں بن سکتا۔

رابع یہ کہ ان کا اپنا عمل ہے: وَلَا حُجَّةَ لِاَحَدٍ دُوْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ.

خامس اس لیے کہ امام ابوداؤد نے اس اثر کو باب الخط إذا لم یجد عصا میں روایت فرمایا ہے۔امام ابو داؤد کی اس صنیع اور طرز عمل سے ظاہر ہے کہ یہاں ضرورتاً سر ننگا رکھا گیا ہے کیونکہ جب ان کو سترہ کے لیے کوئی لاٹھی یا برچھی نہ ملی تو انہوں نے سترہ کا کام ٹوپی سے لے لیا۔گویا انہوں نے ٹوپی کا سترہ کے طور پر استعمال کیا۔ضرورت اور کسی عذر سے سر ننگا رکھا جائے تو اس میں بحث نہیں۔ بحث اس میں ہے کہ فیشن اور عادت کے طور پر نماز میں سر ننگا رکھنا کہاں تک درست ہے؟ بہر حال یہ شریک تابعی ہوں یا تبع تابعی دونوں میں کچھ نہ کچھ ضعف ہے۔ لہٰذا مذکورہ پانچ وجوہ کے پیش نظر یہ اثر حجت نہیں۔ اور فصل خصومات میں ایسی کمزور روایت دلیل نہیں بن سکتی۔

ان احادیث وآثار کے مطابق ننگے سر نماز، کپڑے ہونے نہ ہونے دونوں صورتوں میں بلاشبہ جائز ہے۔جس طرح کسی شخص کی پنڈلی، پیٹ اور پشت وغیرہ اعضا برہنہ ہوں تو اس حالت میں اس کی نماز جائز ہے، اسی طرح سر ننگے بھی بلاشبہ جائز ہے۔اسی طرح امام اگر نماز کے بعد پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے یا مقتدی حضرات کوئی ایسی حرکت کریں۔احادیث میں اس سے رکاوٹ ثابت نہیں ہوگی۔مگر صاحب دانش ایسا کرنے سے یقیناً گریز کرے گا۔ ننگے سر نماز پڑھنے کی عادت بھی قریباً اسی قبیل سے ہے۔ جواز کے باوجود ایسی عادات وحرکات عقل وفہم کے خلاف ہیں۔ دانا اور متدین آدمی کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ لہٰذا سر ننگے نماز کے جواز اور اباحت کو سنت قرار دینا یا سنت سمجھ کر اس کو اپنانا اور باور کرانا رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سلف صالحینؒ کے تعامل اور توارث کے خلاف ہے۔ ہمارے اس موقف کی تائیدات حسب ذیل ہیں:

۱- ننگے سر نماز کو سنت باور کرنے والے کہا کرتے ہیں کہ سر اعضائے ستر میں شامل نہیں، لہٰذا اس کا ڈھانپنا ضروری نہیں۔ ہمیں تسلیم ہے کہ سر اعضائے ستر میں شامل نہیں۔ مگر ننگے سر نماز کے مسئلہ کو اس لحاظ سے نہیں، بلکہ آداب نماز کے لحاظ سے دیکھنا چاہیے۔قرآن مجید میں ہے:

﴿ يَا بَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاساً يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشاً وَّ لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ﴾. (الأعراف :٢٦)

"اے بنی ادم ہم نے تم پر لباس نازل کیا ہے جو تمہاری شرم گاہ چھپاتا ہے اور زیبائش بھی ہے اور پرہیز گاری کا لباس یہ سب سے بہتر ہے۔ یہ (لباس) اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تا کہ لوگ سمجھیں۔"

اس آیت شریفہ سے ثابت ہوا کہ لباس جہاں انسان کی ضرورت ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بھی ہے۔ پھر آگے آیت نمبر ۳۱ میں فرمایا:

---

❶ تقریب:ص ١٤٥.

﴿یَا بَنِیْ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ﴾. (الاعراف: ۳۱)

"اے بنی آدم ہر نماز کے وقت اپنے آپ کو آراستہ کر لیا کرو۔"

آیت نمبر ۲۶ میں لباس کو زینت فرمایا اور اس آیت نمبر ۳۱ میں اس زینت کو اس کے عمدہ موقع پر استعمال میں لانے کا حکم فرمایا۔ کیونکہ جب دنیا میں امراء سلاطین کے دربار میں بغیر لباس کے جانے کو تیار نہیں ہوتے تو نماز میں کہ خاص اللہ عزوجل کا دربار ہے، بغیر پورے لباس کے حاضر ہونا بے ادبی ہے اور اس میں مشرکین کی اس افراط وتفریط کا بھی رد ہے جس کو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نقل کیا ہے کہ بعض قبائل عرب برہنہ ہو کر طواف کعبہ کرتے تھے۔ عورتیں رات کو برہنہ طواف کرتی تھیں اور مسجد منیٰ میں آ کر کپڑے اتار ڈالتے تھے۔

کوئی ان دونوں آیات کی جو بھی تفسیر کرے مگر ان دونوں کے اطلاق اور عموم سے عَلَی الْاَقَلِّ۔ اَلْحُکْمُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوْصِ السَّبَبِ پورا لباس زیب تن نماز پڑھنا نماز کی شان اور اس کے آداب میں شامل ہے۔ اور ہمارے عرف میں تین کپڑے پگڑی، تہبند اور قمیض پورا لباس کہلاتے ہیں۔ یہی بات ہے کہ فیشن کے طور پر سر ننگا رکھنے کے شوقین اور تہذیب فرنگی کے رسیا لوگ اپنی شادی کے موقع پر پگڑی پہن کر جاتے ہیں۔

۲- امیر المومنین فی الحدیث اور رئیس الفقہاء امام بخاری اپنی صحیح میں ایک باب ان الفاظ میں قائم فرماتے ہیں:

بَابُ وُجُوْبِ الصَّلٰوةِ فِی الثِّیَابِ وَقَوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی ﴿خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ﴾ ●

امام بخاری کی اس تبویب کا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ زینت کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اعضائے ستر ڈھانکنے کے علاوہ اچھے اور صاف ستھرے کپڑوں میں نماز ادا کرنی چاہیے۔

۳- عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یُصَلِّی أَحَدُکُمْ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَیْسَ عَلٰی عَاتِقِهٖ شَیْءٌ. ●

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے درآنحالیکہ اس کے کندھے پر کوئی کپڑا نہ ہو۔"

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فَیَحْصُلُ السَّتْرُ لِجُزْءٍ مِّنْ أَعَالِی الْبَدَنِ وَإِنْ کَانَ لَیْسَ بِعَوْرَةٍ. ●

یعنی رسول اللہ ﷺ نے نماز میں شانے کو ڈھانکنے کا حکم اس لیے دیا ہے تاکہ بدن کا اعلیٰ حصہ بھی نماز میں ڈھکا رہے اگرچہ وہ عورت، یعنی اعضائے ستر میں شامل نہیں۔

۴- حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اثر سے مزید وضاحت ملتی ہے:

قَامَ رَجُلٌ إِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهٗ عَنِ الصَّلٰوةِ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ فَقَالَ

● صحیح البخاری: ج۱ ص۵۱۔ ● بخاری: ج۱ ص۵۲۔ ● مرعاة المفاتیح: ج۱ ص۴۹۷۔

كُلُّكُمْ يَجِدُ ثَوْبَيْنِ ثُمَّ سَأَلَ رَجُلٌ عُمَرَ فَقَالَ إِذَا وَسَّعَ اللّٰهُ فَأَوْسِعُوا جَمَعَ رَجُلٌ عَلَيْهِ ثِيَابَهُ صَلّٰى رَجُلٌ فِيْ إِزَارٍ وَّرِدَاءٍ فِيْ إِزَارٍ وَّ قَمِيْصٍ فِيْ إِزَارٍ وَّ قَبَاءٍ فِيْ سَرَاوِيْلَ وَرِدَاءٍ فِيْ سَرَاوِيْلَ وَ قَمِيْصٍ فِيْ سَرَاوِيْلَ وَقَبَاءٍ فِيْ تُبَانٍ وَّ قَبَاءٍ فِيْ تُبَّانٍ وَّ قَمِيْصٍ قَالَ وَأَحْسِبُهُ فِيْ تُبَانٍ وَّرِدَاءٍ ۔ ❶

''ایک آدمی نے کھڑے ہوکر نبی ﷺ سے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم سب دو دو کپڑے پاتے ہو؟ پھر ایک آدمی نے حضرت عمر سے یہی سوال کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ جب اللہ تعالیٰ نے تم کو لباس میں وسعت فرمادی ہے تو تم بھی وسعت کرو۔ نمازی کو چاہیے کہ وہ اپنے کپڑے اکٹھے کر کے نماز پڑھے۔ کوئی تہبند اور چادر میں نماز پڑھے، کوئی تہبند اور قمیض میں، کوئی تہبند اور قباء میں، کوئی پاجامہ اور چادر میں، کوئی پاجامے اور قمیض میں، کوئی پاجامے اور قباء میں، کوئی جانگیا اور قباء میں، کوئی جانگیا اور قمیض میں نماز پڑھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا کہ کوئی جانگیا اور چادر میں نماز پڑھے۔''

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد حکم ہو یا صرف خبر۔ اس میں کپڑوں کی کمیابی اور عدم استطاعت صاف سمجھ میں آتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر پورے کپڑے میسر ہوں اور کوئی مانع نہ ہو تو تکلف سے فقیری اور مسکنت کا اظہار نہ کرنا چاہیے۔ بخاری کے شارح ابن منیر فرماتے ہیں:

أَلصَّحِيْحُ أَنَّهُ كَلَامٌ فِيْ مَعْنَى الشَّرْطِ كَأَنَّهُ قَالَ إِنْ جَمَعَ رَجُلٌ عَلَيْهِ ثِيَابَهُ فَحَسَنٌ ۔ ❷

''یہ کلام شرط کے معنی میں ہے، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر کوئی نمازی پورے لباس میں نماز پڑھے تو اچھا ہے۔''

شیخ الاسلام ابن حجر لکھتے ہیں:

وَفِيْ هٰذَا الْحَدِيْثِ دَلِيْلٌ عَلٰى وُجُوْبِ الصَّلٰوةِ فِي الثِّيَابِ لِمَا فِيْهِ مِنْ أَنَّ الْإِقْتِصَارَ عَلَى الثَّوْبِ الْوَاحِدِ كَانَ بِضِيْقِ الْحَالِ وَ فِيْهِ أَنَّ الصَّلٰوةَ فِي الثَّوْبَيْنِ أَفْضَلُ مِنَ الثَّوْبِ الْوَاحِدِ وَصَرَّحَ الْقَاضِيْ عِيَاضٌ بِنَفْيِ الْخِلَافِ فِيْ ذٰلِكَ ۔ ❸

یعنی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک سے زائد کپڑوں میں نماز پڑھنا واجب ہے کیونکہ ایک کپڑے میں اکتفا تو صرف تنگ حالی اور کپڑوں کی قلت کی وجہ سے تھی۔ اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ایک کپڑے کی نسبت دو کپڑوں میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔

❶ صحيح البخاري: ج ۱ ص ۵۳۔
❷ فتح الباری: ج ۲ ص ۴۰۱۔ نیل الاوطار: ج ۲ ص ۸۳۔
❸ فتح الباری: ج ۲ ص ۴۰۱۔

امام شوکانی ؒ ارقام فرماتے ہیں:

وَأَجْمَعُوا أَنَّ الصَّلٰوةَ فِيْ ثَوْبَيْنِ أَفْضَلُ صَرَّحَ بِذٰلِكَ الْقَاضِيْ عَيَّاضٌ وَّابْنُ عَبْدِالْبَرِّ وَالنَّوَوِيُّ. ❶

''ایک کپڑے کی نسبت دو کپڑوں میں نماز افضل ہونے پر اجماع ہو چکا ہے جیسے کہ قاضی عیاض، ابن عبدالبر اور نووی نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔''

۵- ہمارے مؤقف کی تائید حضرت ابن عمر ؓ کی اس حدیث حسن سے بھی ہوتی ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَلّٰى أَحُدُكُمْ فَلْيَلْبَسْ ثَوْبَيْهِ فَإِنَّ اللّٰهَ أَحَقُّ أَنْ يُّزَيَّنَ لَهٗ. ❷

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی نماز پڑھنے لگے تو دو کپڑے پہن کر نماز پڑھے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس کے دربار میں حاضری کے وقت زینت اختیار کی جائے۔'' اور زینت سے مراد لباس کے ساتھ آراستہ ہونا ہے۔

عبداللہ بن عباس ؓ نے ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ کی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے:

أَنَّ الْمُرَادَ بِهَا اللِّبَاسُ. ❸

۶- عَنْ نَّافِعٍ قَالَ تَخَلَّفْتُ يَوْماً فِيْ عَلَفِ الرِّكَابِ فَدَخَلَ عَلَيَّ ابْنُ عُمَرَ وَأَنَا أُصَلِّيْ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ فَقَالَ لِيْ أَلَمْ تُكْسَ ثَوْبَيْنِ قُلْتُ بَلٰى قَالَ أَرَأَيْتَ لَوْ بَعَثْتُكَ إِلٰى بَعْضِ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ أَكُنْتَ تَذْهَبُ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ قُلْتُ لَا قَالَ فَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ يُّتَجَمَّلَ أَمِ النَّاسُ. ❹

''نافع مولیٰ ابن عمر کہتے ہیں کہ میں ایک دن اونٹوں کے لیے گھاس لانے کی وجہ سے نماز باجماعت نہ پا سکا۔ جب عبداللہ بن عمر ؓ میرے پاس تشریف لائے تو میں اس وقت ایک کپڑے میں نماز پڑھ رہا تھا۔ حضرت عبداللہ ؓ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس دو کپڑے نہیں ہیں؟ میں نے کہا موجود ہیں تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اگر میں تمہیں مدینہ منورہ کے کسی شہری کے پاس بھیجوں تو کیا تم ایک ہی کپڑے میں جاؤ گے؟ میں نے کہا: نہیں تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے مقابلہ میں اس کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کی حاضری میں جانے کے لیے زینت و زیبائش کا اہتمام کیا جائے۔''

۷- عبداللہ بن مسعود ؓ تصریح فرماتے ہیں:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّمَا كَانَ ذَاكَ إِذَا كَانَ فِي الثِّيَابِ قِلَّةٌ فَأَمَّا إِذَا وَسَّعَ اللّٰهُ فَالصَّلٰوةُ فِيْ

---

❶ نیل الاوطار: ج۲ ص۸٤.
❷ رواه الطبرانی فی الکبیر وإسناده حسن- سنن بیهقی: ج۲ ص۲۳٦.
❸ سنن بیهقی وتلخیص الحبیر: ج۱ ص۲۸۷.
❹ سنن بیهقی: ج۲ ص۲۳٦.

اَلثَّوْبَيْنِ أَزْكىٰ. ❶

"ایک کپڑے میں نماز پڑھنے والی بات اس دور کی ہے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تنگدستی کی زد میں تھے اور کپڑوں کی قلت تھی۔ اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے فراوانی عطا فرمادی ہے تو اب دو کپڑوں میں نماز پڑھنا افضل اور بہتر ہے۔"

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ لَا يُصَلِّيَنَّ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ وَإِنْ كَانَ أَوْسَعَ مِمَّا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ. ❷

"عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (کپڑوں کی موجودگی میں) ایک کپڑے میں نماز ہرگز نہ پڑھی جائے۔ اگر چہ وہ زمین وآسمان کے درمیانی فاصلہ کے برابر چوڑا اور لمبا ہو۔"

ان احادیث میں اگر چہ سر ڈھانکنے کے متعلق کوئی صراحت نہیں، تاہم دو کپڑوں سے سر ڈھانکنے کا زیادہ امکان ہو جاتا ہے۔

اکابر اہل علم کے فتاویٰ

امام مالک کا فتویٰ:

قَالَ مَالِكٌ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ يَجْعَلَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ فِي الْقَمِيْصِ الْوَاحِدِ عَلٰى عَاتِقِهٖ ثَوْبًا أَوْ عَمَامَةً. ❸

"امام مالک فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک پسندیدہ چیز یہ ہے کہ جو شخص ایک کپڑے میں نماز پڑھے وہ اپنے کندھوں پر کپڑا ڈالے یا اپنے پر عمامہ باندھے۔"

اس کی شرح میں علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ امام مالک کا یہ فتویٰ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی بنا پر ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص اس وقت تک نماز نہ پڑھے جب تک اس کے کندھوں پر کوئی کپڑا نہ ہو۔ موطا امام مالک پڑھنے پڑھانے والے امام مالک کی اس اصطلاح سے خوب واقف ہیں۔ آپ جب کسی مسئلہ کے متعلق فرماتے ہیں أَحَبَّ إِلَيَّ۔ میرے نزدیک یہ پسندیدہ بات ہے تو اس سے مراد وجوب ہوتا ہے، جیسا کہ حافظ ابن عبدالبر اور دیگر شارحین موطا نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کا فتویٰ:

وَاللّٰهُ تَعَالٰى أَمَرَ بِقَدْرٍ زَائِدٍ عَلٰى سَتْرِ الْعَوْرَةِ فِي الصَّلٰوةِ وَهُوَ أَخْذُ الزِّيْنَةِ فَقَالَ اللّٰهُ ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ ❹

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾

---

❶ رواه أحمد۔ مرعاة: ج۱ ص ۵۰۵۔
❷ مرعاة المفاتيح: ج۱ ص ۵۰٦۔
❸ موطا باب الرخصة في الصلوة في الثوب الواحد: ج۱ ص ۱۲۳۔
❹ إختيارات ابن تيميه و فتاوىٰ علماء اهل حديث: ج۳ ص ۲۹۰، ۲۹۱۔

حافظ ابن قدامہ حنبلی کا فتویٰ:

وَهُوَ أَنْ يُصَلِّيَ فِيْ ثَوْبَيْنِ أَوْأَكْثَرَ فَإِنَّهُ إِذَا أَبْلَغُ فِي السَّتْرِ يُرْوٰى عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ إِذَا أَوْسَعَ اللّٰهُ فَأَوْسِعُوْا. ❶

"فضیلت اس میں ہے کہ دو یا دو سے زیادہ کپڑوں میں نماز ادا کرے کیونکہ دو یا دو سے زیادہ کپڑوں میں ستر اور پردہ زیادہ ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ حال میں وسعت فرمائے تو آدمی کو بھی وسعت سے کام لینا چاہیے۔"

علامہ تمیمی کا فتویٰ:

قَالَ التَّمِيْمِيُّ اَلثَّوْبُ الْوَاحِدُ يُجْزِئُ وَالثَّوْبَانِ أَحْسَنُ وَالْأَرْبَعُ أَكْمَلُ قَمِيْصٌ وَّسَرَاوِيْلُ وَّ عَمَامَةٌ وَّإِزَارٌ. ❷

"ایک کپڑا نماز کے جواز کے لیے کافی ہے۔ دو کپڑے بہتر ہیں، چار کپڑے ہوں تو نماز اور زیادہ کامل ہوگی۔ چار کپڑے یہ ہیں قمیض، پاجامہ، پگڑی اور تہبند۔"

حافظ بدر الدین عینی کا فتویٰ:

آپ نے عمدۃ القاری میں مختلف مذاہب کے بیان میں تفصیل سے کام لیا ہے، ان کی اس طویل بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک کپڑے میں نماز درست ہے تاہم جب وسعت ہو اور کپڑے میسر ہوں تو پھر ایک کپڑے پر اکتفا مستحسن نہیں۔

حدیث کے مشہور شارح ابوسعید شرف الدین محدث دہلوی کا فتویٰ:

ستر سر مرد کو واجب نہ سہی مگر بحکم ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ.. الاية﴾ اور رسول اللہ ﷺ کا سر پر عمامہ رکھنے سے عمامہ سنت ہے اور ہمیشہ ننگے سر کو نماز کا شعار بنانا بھی ایجاد بندہ ہے اور خلاف سنت کا ہے چنیں کا حکم اور بے شعار کا اور اول جائز ثانی ایجاد (یعنی ہمیشہ ننگے سر کا وطیرہ بدعت ہے) ❸

سید محمد داؤد غزنوی کا فتویٰ:

آپ اپنے والد بزرگوار امام عبدالجبار غزنویؒ کا ننگے سر نماز کے خلاف فتویٰ نقل کرکے آخر میں اپنی رائے سامی کا یوں اظہار فرماتے ہیں:

ابتدائے عہد اسلام کو چھوڑ کر جب کہ کپڑوں کی قلت تھی اس کے بعد اس عاجز کی نظر سے کوئی ایسی روایت نہیں گزری جس میں یہ صراحت مذکور ہو کہ نبی ﷺ نے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجد میں اور وہ بھی نماز باجماعت میں ننگے سر نماز پڑھی ہو۔

---

❶ المغني لابن قدامة: الفصل الثاني في الفضيلة ج ١ ص ٣٣٩۔ ❷ مغني لابن قدامة: ج ١ ص ٢٤٠۔

❸ فتاویٰ ثنائیہ: ج ١ ص ٥٩٢۔

چہ جائیکہ معمول بنالیا ہو۔ اس لیے اس بدرسم کو جو پھیل رہی ہے بند کرنا چاہیے۔ اگر فیشن کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی جائے تو نماز مکروہ ہوگی۔ اگر تعبد اور خضوع و عاجزی کے خیال سے پڑھی جائے تو یہ نصاریٰ کے ساتھ تشبیہ ہوگا۔ اسلام میں ننگے سر رہنا سوائے احرام کے تعبد یا خشوع وخضوع کے علامت نہیں اور اگر کسل اور سستی کی وجہ سے ہے تو یہ منافقوں کی خلقت سے تشابہ ہوگا ﴿وَلَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى﴾ (منافق نماز کو آتے ہیں تو سست اور کاہل ہوکر) غرض ہر لحاظ سے ناپسندیدہ عمل ہے فقط۔ ❶

مجتہد العصر حافظ عبداللہ روپڑی کا فتویٰ:

اگر سر ڈھکنا ضروری ہوتا تو اس کا بھی کہیں حکم ہوتا۔ ہاں، افضل ہے۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں یہ فیصلہ کیا إِذَا وَسَّعَ اللّٰهُ فَأَوْسِعُوا یعنی جب اللہ تعالیٰ فراخی کرے تم بھی فراخی کرو۔ بخاری مع فتح الباری، مشکوٰۃ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کے قریب روایت ہے۔ ❷

مولانا عبدالمجید سوہدروی کا فتویٰ:

ننگے سر نماز ہو جاتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جواز ملتا ہے۔ مگر بطور فیشن، لاپرواہی اور تعصب کی بنا پر مستقل اور ابدالآباد کے لیے یہ عادت بنالینا، جیسا کہ آج کل دھڑلے سے کیا جا رہا ہے، ہمارے نزدیک صحیح نہیں۔ نبی علیہ السلام نے خود یہ عمل نہیں کیا۔ ❸

مولانا محمد اسماعیل سلفی کا فتویٰ:

آپ نے ننگے سر نماز کی عادت کے خلاف بڑا طویل، مدلل، زوردار اور فکر انگیز فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ اس فتویٰ کے تین اقتباسات حاضر خدمت ہیں۔ فرماتے ہیں:

غرض کسی حدیث سے بلا عذر ننگے سر نماز پڑھنے کو عادت بنالینا ثابت نہیں۔ محض بے عملی یا بدعملی وغیرہ کی وجہ سے یہ رواج چل نکلا ہے۔ بلکہ بعض نادان تو اسے سنت باور کرانے پر تلے ہوئے ہیں۔ (معاذ اللہ) کپڑے موجود ہوں تو ننگے سر نماز پڑھنا یا ضد سے ہوگا یا عقل کی کمی کا نتیجہ۔ آخر میں فرماتے ہیں اس ساری تفصیل کا ماحصل یہ ہے کہ نماز میں سر ننگا رکھنے کی عادت اور بلاوجہ ایسا کرنا اچھا فعل نہیں۔ یہ عمل فیشن کے طور پر روز بروز عام رواج پکڑ رہا ہے یہ اور بھی نامناسب ہے۔ ویسے یہ مسئلہ کتابوں سے زیادہ عقل و فراست سے متعلق ہے اگر اس جنس لطیف سے طبیعت محروم نہ ہو تو نماز ننگے سر ویسے ہی مکروہ معلوم ہوتی ہے۔ ضرورت اور اضطرار کا باب اس سے الگ ہے۔ ❹

---

❶ ہفت روزہ الاعتصام: ج ۱۱ شمارہ ۱۸۔ وفتاویٰ علمائے اہلحدیث: ج ۳ ص ۲۹۱.

❷ فتاویٰ اہلحدیث المعروف فتاویٰ روپڑیہ۔

❸ اہل حدیث سوہدرہ: جلد ۱۵ ش ۲۰۔ فتاویٰ اہل حدیث: ج ۳ ص ۲۸۱.

❹ فتاویٰ علمائے اہل حدیث: ج ۳ ص ۲۸۹.

عملی توارث:

قرآن مجید کے اطلاق، رسول اللہ ﷺ کے ارشاد، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تصریحات، شارحین حدیث کی تحقیقات اور شیخ الکل امام ابن تیمیہ و دیگر مفتیان عظام کے فتاویٰ جات زیب قرطاس کرنے کے بعد اتمام حجت کے طور پر عملی توارث بھی پیش کر دینا نامناسب نہ ہوگا۔ سو واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام سلف صالحین اور اہل علم کا طریق وہی رہا ہے جو شروع سے اب تک مساجد میں متوارث اور معمول بھی چلا آ رہا ہے یعنی رسول اللہ ﷺ اور سلف صالحین کی عادت یہی تھی کہ پگڑی یا ٹوپی سمیت پورے لباس میں نماز ادا فرماتے تھے۔ لیجئے پڑھئے اور اس غلط رواج پر کچھ غور فرمایئے۔

امام مالک کی تصریح:

قَالَ مَالِكٌ لَيْسَ مِنْ أَمْرِ النَّاسِ أَنْ يَلْبَسَ الرَّجُلُ الثَّوْبَ الْوَاحِدَ فِي الْجَمَاعَةِ فَكَيْفَ بِالْمَسْجِدِ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ ❶

"لوگوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظامؒ) میں ایک کپڑے میں باجماعت نماز پڑھنے کا رواج نہ تھا چہ جائیکہ وہ مسجد میں ایسا کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ" تم ہر نماز کے وقت لباس پہن لیا کرو"۔

حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ تصریح فرماتے ہیں:

عام حالت سلف کی یہی تھی کہ وہ پگڑی اور ٹوپیوں کے ساتھ نماز پڑھتے اور اسی بنا پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ پر ایک کپڑے میں نماز پڑھنے پر اعتراض ہوا۔ اور حسن بصری کے قول سے بھی یہی ظاہر ہے۔(فتاویٰ اهل حديث روپڑيه ج ۱ ص ۳۵۷)

خلاصہ کلام یہ کہ پگڑی، ٹوپی وغیرہ کی موجودگی میں ننگے سر نماز بلاشبہ جائز ہے، اس کے لیے نہ تو بحث کی ضرورت ہے اور نہ احادیث کی ٹٹول کی کوئی حاجت۔ مگر اس کو رسول اللہ ﷺ کی سنت اور عادت مبارک سمجھنا صحیح نہیں۔ بلکہ اس جواز کو شعار بنا لینا بدرسم اور ایجاد بندہ ہے اور عافیت اس کے ترک ہی میں ہے۔ پس پورا لباس قمیض، تہبند اور پگڑی وغیرہ پہن کر اور بن ٹھن کر نماز پڑھنی چاہیے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی عادت مستمرہ اور سلف و خلف اہل علم کا متوارث عمل یہی رہا ہے کہ وہ پگڑی اور ٹوپیوں کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے اور یہی طریق سنت اور افضل ہے۔ کوئی ایسی مرفوع حدیث صحیح اور صریح میرے ناقص علم و مطالعہ میں نہیں گزری جس سے اس عادت اور فیشن کا ثبوت ملتا ہو۔ چہ جائیکہ اس رواج اور بدرسم کو سنت کہا جائے یا اس کو سنت باور کرانے کے لیے اشہب قلم کو مہمیز کی جائے۔ اور سیدھے سادے نمازیوں کو طویل لا طائل بحثوں میں الجھا دیا جائے۔ عذر اور اضطرار کا باب اس سے الگ ہے۔ لَعَلَّ فِيهِ كِفَايَةٌ لِمَنْ لَهُ دِرَايَةٌ ۔ هذا ما عندي و الله تعالىٰ أعلم بالصواب۔

کپڑا ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

﴿سوال﴾: ایک آدمی کپڑا پاس ہوتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھ سکتا ہے؟ دونوں امور میں افضیلت کسے ہے؟ جب کہ

❶ حاشيه موطا إمام مالك:ص ۱۲۳.

ہمارے ہاں ایک صاحب جو کہ اہل حدیث کہلاتے ہیں ننگے سر نماز پڑھنے ہی نہیں دیتے۔

جواب: ننگے سر نماز پڑھنا جائز ہے، خواہ کپڑا پاس موجود ہو نماز میں کوئی نقص اور خلل نہیں آتا۔ تاہم کپڑا پاس ہوتے ہوئے ننگے سر نماز ادا کرنا کچھ زیادہ پسندیدہ نہیں پھر عادت بنا لینا تو معیوب سا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ننگے سر نماز پڑھنے والے پر تشدد اور سختی بھی غلو ہے۔ جب شریعت میں اس کی گنجائش ہے تو مولوی صاحب اس گنجائش پر پابندی لگانے کے مجاز نہیں ہیں۔ کیونکہ احادیث میں ایک کپڑے میں اور دو کپڑوں میں نماز کا ذکر موجود ہے۔ واللہ اعلم

سوال: کیا ننگے سر نماز پڑھنا نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے؟ صحیح اور مرفوع احادیث نقل فرمائیں۔

جواب: نبی اکرم ﷺ سے ننگے سر نماز ادا کرنا احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہے:

حَدَّثَنَا مُطَرِّفٌ أَبُو مُصْعَبٍ قَالَ ثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي الْمَوَالِيْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ رَأَيْتُ جَابِراً يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ وَّقَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ . ❶

''محمد بن منکدر سے روایت ہے کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ایک ہی کپڑے میں نماز ادا کرتے دیکھا۔ اور اس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو ایک کپڑے میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔''

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ مُشْتَمِلاً بِهِ فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ وَاضِعاً طَرَفَيْهِ عَلٰى عَاتِقَيْهِ . ❷

''ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول ﷺ کو دیکھا آپ ام سلمہ کے گھر ایک کپڑے کی بکل میں نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے چادر کے دونوں کنارے اپنے کندھوں پر ڈالے ہوئے تھے۔''

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى جَابِرِبْنِ عَبْدِاللّٰهِ وَهُوَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ مُلْتَحِفاً بِهِ وَ رِدَائُهُ مَوْضُوْعٌ فَلَمَّا انْصَرَفَ قُلْنَا يَا أَبَا عَبْدِاللّٰهِ تُصَلِّي وَرِدَائُكَ مَوْضُوْعٌ قَالَ نَعَمْ أَحْبَبْتُ أَنْ يَرَانِي الْجُهَّالُ مِثْلُكُمْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي كَذَا . ❸

''محمد بن منکدر فرماتے ہیں کہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، وہ نماز پڑھ رہے تھے ایک ہی کپڑے میں اور ایک کپڑا انہوں نے اپنے پاس رکھا ہوا تھا تو ہم نے حضرت جابر سے سوال کیا کہ آپ ایک ہی کپڑے میں نماز ادا کر رہے ہیں اور دوسرا کپڑا اپنے پاس رکھا ہوا ہے تو فرمایا: ہاں تاکہ تمہارے جیسے جاہل مجھے دیکھ لیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو اسی طرح نماز ادا کرتے دیکھا ہے۔''

---

❶ بخاری: ج۱ ص ۵۱.
❷ بخاری: ج۱ ص ۵۲.
❸ بخاری: ج۱ ص ۵۳.

گدّے یا قالین پر نماز پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟

سوال: آج کل بعض مساجد میں روئی بھرے گدے یا موٹے قالین بچھے ہوتے ہیں، کیا ان پر سجدہ کرنا اور نماز پڑھنا جائز ہے؟ (ایک سائل از سیالکوٹ)

جواب: روئی کے گدے پر نماز پڑھنی افضل نہیں: تاہم بدو وجہ جائز ہے: اول یہ کہ خود رسول اللہ ﷺ سے روئی کی چٹائیوں، بستروں اور کھجوروں کے پتوں کی صفوں پر نماز پڑھنا ثابت ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری بَابُ الصَّلٰوۃِ عَلَى الْحَصِيْرِ، بَابُ الصَّلٰوۃِ عَلَى الْخُمْرَةِ اور بَابُ الصَّلٰوۃِ عَلَى الْفِرَاشِ (ص ۵۵ ج ۱) سے ثابت ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

۱- عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ جَدَّتَهُ مُلَيْكَةَ دَعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِطَعَامٍ صَنَعَتْهُ فَأَكَلَ مِنْهُ ثُمَّ قَالَ قُوْمُوْا فَأُصَلِّيَ لَكُمْ قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ فَقُمْتُ إِلٰى حَصِيْرٍ لَّنَا قَدِ اسْوَدَّ مِنْ طُوْلِ مَا لُبِسَ فَنَضَحْتُهُ بِمَاءٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَفْتُ أَنَا وَالْيَتِيْمُ وَرَاءَهُ وَالْعَجُوْزُ مِنْ وَّرَائِنَا فَصَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفَ ۔ [1]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری نانی ملیکہ نے نبی ﷺ کو کھانے کی دعوت پر بلایا۔ آپ جب کھانا تناول فرما چکے تو فرمایا چلو میں تم کو نفل نماز پڑھا دوں۔ ہماری چٹائی کثرت استعمال کی وجہ سے میلی ہو چکی تھی، میں نے اسے پانی کے چھینٹے لگا دیے۔ آپ اس پر کھڑے ہو گئے، میں اور یتیم (ضمیرہ بن ابی ضمیرہ) آپؐ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور بڑی بی (ملیکہ رضی اللہ عنہا) ہمارے پیچھے کھڑی ہو گئیں اور یوں آپ نے ہم کو دو رکعت نماز پڑھائی۔''

امام نوویؒ اس حدیث سے مسائل کی تخریج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فِيْهِ جَوَازُ الصَّلٰوۃِ عَلَى الْحَصِيْرِ وَسَائِرِ مَا تُنْبِتُهُ الْأَرْضُ وَهٰذَا مُجْمَعٌ عَلَيْهِ وَمَا رُوِيَ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ مِنْ خِلَافِ هٰذَا مَحْمُوْلٌ عَلَى اسْتِحْبَابِ التَّوَاضُعِ بِمُبَاشَرَةِ نَفْسِ الْأَرْضِ ۔ [2]

''اس حدیث میں چٹائی پر اور ہر اس چیز پر نماز پڑھنے کا جواز ہے جسے زمین اگاتی ہے اور اس پر علماء کا اجماع بھی ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے مٹی پر سجدہ کو ضروری قرار دینے کی بات تواضع اور عاجزی پر محمول ہے۔''

شریعت کے ماہرین پر یہ بات مخفی نہیں کہ ہر چند کہ گدا روئی اور کپڑے کے مجموعہ سے عبارت ہے۔ تاہم دونوں اپنی اصلیت کے لحاظ سے زمین ہی کی پیداوار ہیں۔ جب زمین سے اگنے والی دوسری تمام چیزوں پر نماز جائز ہے تو پھر گدے پر

---

[1] صحيح مسلم: باب جواز الجماعة في النافلة والصلوٰة على حصير و خمرة ص ۲۳٤ ج ۱ ـ صحيح بخاری: ص ۵۵ ج ۱۔

[2] نووی: ص ۲۳٤ ج ۱۔

کیوں نماز جائز نہ ہوگی۔

۲۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي عَلَى الْخُمْرَةِ . ❶

''ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کھجور کی چٹائی پر نماز پڑھتے تھے۔''

حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وَالْخُمْرَةُ بِضَمِّ الْخَاءِ الْمُعْجَمَةِ وَسُكُوْنِ الْمِيْمِ قَالَ الطَّبَرِيُّ هُوَ مُصَلًّى صَغِيْرٌ يُعْمَلُ مِنْ سَعَفِ النَّخْلِ سُمِّيَتْ بِذٰلِكَ لِسَتْرِهَا الْوَجْهَ وَالْكَفَّيْنِ مِنْ حَرِّالْاَرْضِ وَبَرْدِهَا فَإِنْ كَانَتْ كَبِيْرَةً سُمِّيَتْ حَصِيْراً . ❷

''خمرہ خا پر پیش اور میم ساکن کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔طبری لکھتے ہیں یہ کھجور کے پتوں سے بنائی جاتی ہے، چونکہ یہ چہرے اور ہتھیلیوں کو زمین کی گرمی اور سردی سے ڈھانپتی اور بچاتی ہے۔اس لیے اس کو خمرہ (کڑی) کہتے ہیں۔اگر یہ بڑی ہو تو ''حصیر'' کہلاتی ہے۔''

حافظ ابن حجر کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ چٹائی پر نماز پڑھنے کی علت زمین کی گرمی اور سردی سے بچاؤ ہے اور مسجدوں میں سردیوں کے موسم میں گرم قالین اور گدے صرف اس لیے بچھائے جاتے ہیں کہ زمین کی سردی سے بچا جائے، لہٰذا ان پر نماز جائز ہے کیونکہ کھجور کی چٹائی اور گدے کی علت غائی ایک ہی ہے۔ کما لا يخفى على مهرة الشريعة۔

۲-ثانی یہ کہ اگرچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابراہیم نخعی امام اسود اور ان کے اصحاب، طنافس (روئی دار چٹائیوں جو کہ قالین اور تولیہ جیسی ہوتی ہیں) پر نماز پڑھنے کو مکروہ جانتے ہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی ان کے ہمنوا ہیں جیسے کہ امام نوویؒ کے حوالہ سے اوپر لکھا گیا ہے۔تاہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نہ صرف کپڑوں پر سجدہ کرنا ثابت ہے بلکہ ان سے عمامہ پگڑیوں اور ٹوپیوں پر سجدہ کرنا ثابت ہے۔چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

بَابُ السُّجُوْدِ عَلَى الثَّوْبِ وَقَالَ الْحَسَنُ كَانَ الْقَوْمُ يَسْجُدُوْنَ عَلَى الْعِمَامَةِ وَالْقَلَنْسُوَةِ وَيَدَاهُ فِي كُمِّهِ (ص۵۶ج۱)

کپڑے پر سجدہ کرنے کا بیان اور حسن بصریؒ کہتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پگڑی اور ٹوپی پر سجدہ کر لیتے تھے اور ہاتھ آستین میں ہوتے۔ازاں بعد امام بخاری یہ حدیث لائے ہیں:

۱- عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَضَعُ أَحَدُنَا طَرَفَ الثَّوْبِ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِّ فِي مَكَانِ السُّجُوْدِ . ❸

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تو ہم میں سے ہر آدمی گرمی سے بچنے

❶ صحيح بخاری: ص ۵۵ ج ۱۔ ❷ تحفة الأحوذی: ص ۲۷۲ ج ۱، فتح الباری: ص ۳٦٤ ج ۱۔
❸ صحيح بخاری: ص ٥٦ ج ۱۔

کے لیے اپنے کپڑے کے دامن پر سجدہ کرتا۔"

حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وَ فِیْ الْحَدِیْثِ جَوَازُ إِسْتِعْمَالِ الثِّیَابِ وَکَذَا غَیْرِهَا فِی الْحَیْلُوْلَةِ بَیْنَ الْمُصَلِّیْ وَ بَیْنَ الْأَرْضِ لِإِتِّقَاءِ حَرِّهَا وَکَذَا بَرْدِهَا وَ فِیْهِ إِشَارَةٌ إِلٰی أَنَّ مُبَاشَرَةَ الْأَرْضِ عِنْدَالسُّجُوْدِ هُوَ الْأَصْلُ لِأَنَّهٗ عُلِّقَ بَسْطُ الثَّوْبِ بِعَدَمِ الْإِسْتِطَاعَةِ. ❶

"اس حدیث کے مطابق زمین کی گرمی اور سردی سے بچنے کے لیے کپڑے اور اسی طرح کسی اور چیز پر سجدہ کرنا جائز ہے، تاہم اس حدیث میں یہ بھی اشارہ ہے کہ سجدے کا اصل حکم یہ ہے کہ بلاکسی حائل کے زمین کی دھوڑی پر سجدہ کیا جائے ورنہ جملہ من شدة الحر کا کوئی مفادنہیں رہتا۔

۲۔ وَعَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ مَا أُبَالِیْ لَوْ صَلَّیْتُ عَلٰی خَمْسِ طَنَافِسِ.

رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ فِیْ تَارِیْخِهِ وَرَوَاهُ ابْنُ أَبِیْ شَیْبَةَ عَنْهُ بِلَفْظِ سِتِّ طَنَافِسِ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ. ❷

"حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں پانچ یا چھ روئیں دار (فلالین اور تولیہ کی قسم کی) چادروں کے تھان پر نماز پڑھ لوں تو میری نماز پھر بھی ادا ہو جائے گی۔

۳۔ وَرَوَی ابْنُ أَبِیْ شَیْبَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهٗ صَلّٰی عَلٰی طَنْفَسَةٍ. ❸

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روئیں دار چادر پر نماز پڑھی تھی۔ اسی طرح حضرت ابو وائل رحمہ اللہ، حسن بصریؒ، مرۃ الہمدانیؒ اور قیس بن عبادہ وغیرہ سے مروی ہے۔ (حوالہ مذکور)

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں:

وَإِلٰی جَوَازِ الصَّلٰوةِ عَلَی الطَّنَافِسِ ذَهَبَ جُمْهُوْرُ الْعُلَمَاءِ وَالْفُقَهَاءِ کَمَا تَقَدَّمَ فِی الصَّلٰوةِ عَلَی الْبُسُطِ. ❹

"جمہور علماء اور فقہاء طنافس (روئی دار چادروں) پر نماز کے جواز کی طرف گئے ہیں۔"

جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث اور حضرت ابوالدرداء، حضرت ابن عباس، حضرت ابو وائل اور حضرت حسن بصریؒ کے فتویٰ کے مطابق کپڑوں، فلالین اور تولیہ کی قبیل کی چادروں اور پھر مرہ ہمدانی اور قیس بن عباد کے مطابق روئی کے نمدوں پر نماز جائز ہے تو روئی کے گدے پر بھی جائز ہوگی۔ کیونکہ روئی دار گدا اپنی علت غائی کے لحاظ سے روئی دار چادروں

❶ فتح الباری:ص ٤١٤ ج ١، طبع جديد ص ٦٥٠، ج ١. ❷ نيل الاوطار:ص ١٤٤ ج ٢.

❸ نيل الأوطار: ص ١٤٤ ج ٢. ❹ نيل الأوطار:ص ١٤٤ ج ١.

کے تھان کے حکم میں ہے یعنی جس طرح روئیں دار چادروں کا تھان نرم اور آرام دہ ہونے کے ساتھ ساتھ زمین کی سردی سے بچاتا ہے، روئی کا گدا بھی نرم اور آرام دہ ہونے کے ساتھ ساتھ سردی سے بچاتا ہے۔ اور روئی کے نمدے اور گدے کا تو یکجان دو قالب والا معاملہ ہے۔ لہٰذا ان آثار کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ روئی کے گدے پر بھی نماز جائز ہے۔ مگر ہاں جامع ترمذی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے:

فَقَالَ يَا أَفْلَحُ تَرِّبْ وَجْهَكَ. ❶

''نبی ﷺ نے فرمایا کہ اے افلح! سجدے میں اپنے چہرے کو مٹی پر رکھو۔''

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا راوی میمون ابوحمزہ الاعور ہے جسے امام بخاری نے لیس بالقوی، امام احمد بن حنبلؒ نے متروک، امام نسائی نے لیس بثقة اور امام دارقطنی نے ضعیف کہا ہے۔ كذافي الميزان و التقريب، ص ۳۵٤ (تحفۃ الاحوذی: ص ۲۹۷ جلد۱) اور دوسرا راوی ابوصالح ہے جو متکلم فیہ ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے:

قَالَ الْعِرَاقِيُّ وَالْجَوَابُ عِنْدَهُ أَنَّهُ لَمْ يَأْمُرْهُ أَنْ يُصَلِّيَ عَلَى التُّرَابِ وَإِنَّمَا أَرَادَ بِهِ تَمْكِينَ الْجَبْهَةِ مِنَ الْأَرْضِ وَكَأَنَّهُ رَآهُ يُصَلِّي وَلَا يُمَكِّنُ جَبْهَتَهُ مِنَ الْأَرْضِ فَأَمَرَهُ بِذٰلِكَ لَا أَنَّهُ رَآهُ يُصَلِّي عَلٰى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ الْأَرْضِ فَأَمَرَهُ بِنَزْعِهِ. ❷

''اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ نبی ﷺ نے اس کو مٹی پر سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا بلکہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ پیشانی کو اچھی طرح زمین پر رکھو۔ گویا آپ نے دیکھا کہ وہ اپنی پیشانی کو اچھی طرح زمین پر نہیں رکھتا تھا، تو آپ ﷺ نے اس کو یہ ہدایت فرمائی تھی، آپ کا یہ مطلب نہ تھا کہ وہ جس چیز پر نماز پڑھ رہا ہے اسے نیچے سے اٹھا دے۔''

خلاصہ کلام یہ کہ اگرچہ تواضع کے طور پر زمین کی دھوڑی پر سجدہ کرنا افضل ہے، تاہم سردی سے بچنے کے لیے روئی کے ہلکے پھلکے گدے پر نماز پڑھنا اور اس پر سجدہ کرنا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

چارپائی پر لیٹے آدمی کے پیچھے نماز جائز ہے؟

سوال: اگر چارپائی آگے ہے اور اس پر کوئی آدمی لیٹا ہوا ہے، اس کے پیچھے آدمی نماز پڑھ سکتا ہے؟ (سائل: محمد یحییٰ امام مسجد میاں فیروز پارک شاہدرہ)

جواب: پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس طرح لیٹی ہوتی تھی جس طرح کہ جنازہ پڑھانے والے امام کے سامنے میت کی چارپائی رکھی ہوتی ہے اور آپ نماز پڑھ

❶ تحفة الأحوذي: ص ۲۹۷ ج ۱ باب ماجاء في كراهية النفخ في الصلوة. ❷ نيل الأوطار: ص ٤٠٤ ج ۲.

رہے ہوتے تھے۔ جب آپ وتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو مجھے بیدار کر لیتے تو میں بھی وتر پڑھ لیتی۔ (صحیح بخاری)

الفاظ یہ ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا رَاقِدَةٌ مُعْتَرِضَةٌ عَلٰى فِرَاشِهِ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُوتِرَ أَيْقَظَنِي فَأَوْتَرْتُ۔ [1]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ خواہ فرضی ہو یا نفلی۔ کیونکہ نماز کے آداب اور تقاضوں کے اعتبار سے نفل نماز اور فرض میں کوئی خاص فرق نہیں۔ ھذا ما عندی

فرض نمازوں کی تعداد برابر کیوں نہیں

سوال: پانچوں نمازوں کی رکعتیں برابر برابر کیوں نہیں؟ کم وبیش ہونے کی کیا وجہ ہے؟ (قاری محمد حنیف، مسجد منورلاہور)

جواب: شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

صبح کی دو رکعت فرض ہیں تو وقت کے لحاظ سے، کیفیت میں دو رکعتیں چار سے زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں۔ مغرب کے وقت بوجہ مشغولی ایک رکعت کم کر دی ہے۔ لوگ صبح اٹھ کر کچھ وقت ضروریات میں لگے رہتے ہیں، اس لیے آج کل کے حساب سے تقریباً دس بجے تک کا وقت کاٹ کر باقی اوقات نمازوں کے پورے پورے ہیں، حساب لگا کر دیکھ لیں۔ اسی طرح پہلے پیغمبروں پر بھی مختلف وقتوں میں نماز فرض تھی۔ ایک ہی وقت میں نہ تھی، جس کا ثبوت آج کل یہودیوں کے عمل سے ملتا ہے۔

ھکذا فی الفتاویٰ الثنائیہ (ج ۱ ص ۴۴۸)

کیا نابالغ لڑکا صف اوّل میں کھڑا ہوسکتا ہے؟

سوال: نمبرا: کیا نابالغ لڑکا نماز میں صف اول میں کھڑا ہوسکتا ہے؟

جواب: واضح ہو کہ نابالغ لڑکے کے لیے حکم ہے کہ وہ صف اوّل کو بڑے لوگوں کے لیے رہنے دے اور خود اس میں کھڑا ہونے کی کوشش نہ کرے، بلکہ وہ دوسری صف میں کھڑا ہو اور اسی طرح اگر عورتیں بھی باجماعت نماز پڑھتی ہوں تو وہ تیسری صف میں یعنی بچوں کی صف کے پیچھے اپنی صف بنائیں۔ جیسا کہ حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ پہلی صف میں بالغ افراد کو کھڑا کرتے، دوسری میں بچوں کو اور عورتوں کو تیسری صف میں کھڑے ہونے کا حکم فرماتے۔ الفاظ یہ ہیں:

وَيَجْعَلُ الرِّجَالُ قُدَّامَ الْغِلْمَانِ وَالْغِلْمَانُ خَلْفَهُمْ وَالنِّسَاءُ خَلْفَ الْغِلْمَانِ۔ [2]

مگر یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب بالغ افراد کافی تعداد میں حاضر ہوں، لیکن اگر بالغ افراد ایک آدھ ہوں تو ایسی صورت میں صف کے آداب کو پیش نظر رکھتے ہوئے نابالغ بچہ بھی پہلی صف میں کھڑا ہوسکتا ہے جیسا کہ صحیح

---

[1] صحیح بخاری: باب الصلوٰۃ خلف النائم، ج ۱ ص ۷۳۔ [2] رواہ أحمد بحوالۃ نیل الأوطار، باب موقف الصبیان ج ۳ ص ۲۰۷۔

بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عَنْ أَنَسٍ قَالَ صَلَّيْتُ أَنَا وَالْيَتِيْمُ فِىْ بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ وَأُمِّى خَلْفَنَا أُمُّ سُلَيْمٍ. ❶

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت نابالغ لڑکا صف اول میں بھی کھڑا ہوسکتا ہے۔ والعلم عند اللہ تعالی

قبلہ کی طرف پاؤں کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ جگہ کی تنگی کی وجہ سے قبلہ کی طرف اگر پاؤں کر کے سویا جائے تو کیا آدمی گناہ گار ہوگا؟ (سائل: محمد تحسین لاہور)

جواب: قبلہ کی تعظیم وتکریم اور اس کا ادب واحترام ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس امام کو منصب امامت سے برخاست کر دیا تھا جس نے قبلہ کی طرف تھوک دیا تھا۔ (مشکوٰۃ) تاہم بامر مجبوری قبلہ کی طرف پاؤں کر لیے جائیں تو شاید مضائقہ نہ ہو بشرطیکہ قبلہ کی توہین اور بے ادبی مقصود نہ ہو۔ آخر حجاج اور عمرہ کرنے والے بھی بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ لیکن حتی الامکان ایسا کرنا مناسب نہیں۔ کیونکہ اس میں سوئے ادبی کا پہلو بظاہر نمایاں ہے۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

سینے پر ہاتھ باندھنا کس حدیث سے ثابت ہے؟

سوال: نماز میں ہاتھ سینے پر باندھنے چاہیں یا زیر ناف دلائل سے واضح فرمائیں؟

جواب: سینے پر ہاتھ باندھنا نبی اکرم ﷺ کی متعدد احادیث سے ثابت ہے۔ احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى عَلٰى صَدْرِهٖ. ❷

''وائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر باندھے۔''

۲۔ عَنْ هُلْبٍ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْصَرِفُ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَ عَنْ يَّسَارِهٖ وَ رَأَيْتُهُ قَالَ يَضَعُ هٰذِهٖ عَلٰى صَدْرِهٖ. ❸

''ہلب صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے اپنے ہاتھوں کو سینے پر رکھا ہوا تھا۔''

باقی رہی حدیث علی رضی اللہ عنہ جس میں زیر ناف ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے وہ ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں عبدالرحمن بن

---

❶ بحواله نيل الأوطار: باب موقف الصبيان ص ٢٠٧ ج ٣۔ ❷ صحيح ابن خزيمة ٤٧٩ فتح الباري ج ٢ صفحه ١٧٨۔

❸ مسند احمد ج ٥ صفحه ٢٢٦، فتح الباري جلد ٢ صفحه ١٧٨) تحفة الاحوذي ج ١ ص ٢١٦۔

اسحاق الواسطی ہے اور وہ بالاتفاق ضعیف ہے۔ امام احمد اور ابو حاتم نے اسے منکر الحدیث کہا ہے ابن معین نے فرمایا لیس بشیء اور امام بخاری نے فرمایا فیه نظر اور امام بیہقی نے فرمایا لا یثبت اسناده تفرد به عبدالرحمن ابن اسحاق الواسطی وهو متروك اور امام نووی نے شرح مسلم میں فرمایا وهو حدیث متفق علی تضعیفه کہ اس حدیث کے ضعیف ہونے پر علماء کا اتفاق ہے شرح مسلم (ج ا صفحہ ۱۷۳) اور اسی طرح فتح الباری میں ابن حجر نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے (ج ۲ صفحہ ۱۷۸) اسی طرح التعلیق المغنی، ج ا ص ۲۸۶) الدرایة علی هامش الهدایة (ج ا ص ۱۰۱) الارواء (ج ۲ ص ۹۲) نصب الرایة (ج ا ص ۳۱۴) پر اس حدیث کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

اور دوسری حدیث جو ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے وائل بن حجرؓ کی پیش کی جاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے زیر ناف ہاتھ باندھے تو اس حدیث میں تحت السرہ کے الفاظ کا اضافہ ہے۔ علامہ محمد حیات السندی حنفی نے اس کی وضاحت یوں کی ہے کہ یہ کاتب کی غلطی سے درج ہوئے ہیں۔ کیونکہ میں نے ایک صحیح نسخہ مصنف ابن ابی شیبہ کا دیکھا ہے۔ اس میں یہی حدیث اسی سند کے ساتھ مذکور ہے لیکن اس میں تحت السرۃ کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔ اسی طرح یہی حدیث امام احمد نے مسند احمد کے اندر اور امام بیہقی نے اپنی سنن کے اندر اسی سند سے ذکر کی ہے، لیکن ان میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں۔ اسی طرح امام زیلعی، عینی، ابن ہمام، ابن امیر الحجاج ابراہیم حلبی اور ملا علی قاری ان تمام حنفی علماء میں سے کسی نے بھی اس کو ذکر نہیں کیا۔ [1]

لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں غرضیکہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں، هذا ما عندی والله تعالیٰ اعلم بالصواب

کیا نمازی کے آگے سے گزرنا جائز ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء اہل حدیث اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے اور اس کے آگے کا آدمی نماز سے فارغ ہو چکا ہے۔ کیا نماز سے فارغ شدہ آدمی اٹھ کر جا سکتا ہے، یا کہ وہیں بیٹھا رہے؟ آپ نمازی کے آگے سے گزرنے کی حد ذکر کر کے بتائیں کہ اٹھ کر جانے والا آدمی اس حد سے گزرنے والا گناہ گار تو شمار نہیں ہوگا؟

(حافظ محمد خاں مکان نمبر ۲۶، گلی نمبر ۲، عبداللہ کالونی، سرگودھا شہر)

جواب: واضح ہو کہ نماز کا مسئلہ انتہائی اہم اور حد سے زیادہ محتاط کا متقاضی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنے والے آدمی کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ چالیس روز یا اس سے بھی زیادہ عرصہ تک کھڑا رہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ کسی نماز ادا کرنے والے کی نماز توڑنا بہرکیف ایک عظیم گناہ ہے جس سے پرہیز لازم ہے۔ ہاں اگر کسی آدمی کو بہت جلدی ہو اور وہ نمازی کی فراغت تک نہ ٹھہر سکتا ہو تو پھر حکم یہ ہے کہ وہ نماز ادا کرنے والے کے سامنے سے تین چار صفوں کا فاصلہ چھوڑ کر آگے سے گزر جائے۔ ان شاء اللہ ایسا کرنے میں گزرنے والے کو گناہ لازم نہیں ہوگا اور نہ نماز پڑھنے والے کی

[1] عون المعبود جلد ۱ صفحه ۲۷۶) تحفة الاحوذی ج ۱ ص ۲۱۵.

نماز میں کوئی خلل آئے گا۔ ان دونوں احادیث میں علماء حدیث نے یہی تطبیق دی ہے۔ یہ دونوں احادیث مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلوٰۃ میں موجود ہیں۔

پس فتویٰ تو یہی ہے کہ اتنے فاصلے سے گزر سکتا ہے، مگر تقویٰ یہ ہے کہ نمازی کی فراغت تک وہیں کھڑا رہے۔ یہی اولیٰ اوراحریٰ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

رکوع میں ملنے والی رکعت کا حکم

سوال: اگر مسبوق کو رکوع مل گیا، وہ سورہ فاتحہ کے اجر عظیم سے محروم ہوگیا، لیکن رکعت اس نے پالی۔ بحوالہ حدیث ابوہریرہؓ جو مشکوٰۃ میں درج ہے، ایک نئے فیشن کے اہل حدیث کا کہنا ہے کہ لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب کے مدنظر یہ رکعت نہیں ہوئی۔ اس لئے وہ مزید رکعت پڑھ لیتے ہیں۔ اس حساب سے صبح کے تین رکوع والی نماز ہوگی۔ مغرب کی چار رکوع والی، ظہر وعصر وعشاء کی پانچ رکوع والی نماز ہوگی۔ براہِ کرم مدلل جواب مع حوالہ جات از کتب احادیث سے سرفراز فرمائیں۔
(سائل: میجر محمد اکرم تھکال بالا، پشاور شہر)

جواب: اس مسئلہ میں سلف کے دو قول ہیں۔ جمہور کے نزدیک رکوع میں ملنے والے کی رکعت پوری ہو جاتی ہے۔ مگر فقہاء محدثین کے نزدیک ایسے شخص کی رکعت پوری نہیں ہوتی۔ کیونکہ ایسے شخص کے دو فرض، یعنی قیام اور قراۃ ام القرآن فوت ہو چکے ہیں۔ ہم ان دونوں گروہوں کے دلائل مع تبصرہ رقم کرتے ہیں۔ تا کہ مسئلہ کے خط و خال پوری طرح نکھر کر سامنے آجائیں۔ واللہ الهادی۔

جمہور کی دلیل اول:

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ کَانَ یَقُوْلُ مَنْ اَدْرَكَ الرَّکْعَةَ فَقَدْ اَدْرَكَ السجدة وَمَنْ فَاتَهٗ قِرَاءَةُ اُمِّ الْقُرْاٰنِ فَقَدْ فَاتَ خَیْرٌ کَثِیْرٌ . [1]

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس نے امام کے ساتھ رکوع پالیا تو اس کی یہ رکعت صحیح ہوگی اور جو شخص ام القرآن نہ پڑھ سکا تو وہ خیر کثیر سے محروم ہوگیا۔

حضرت ابو ہریرۃؓ کے اس اثر سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہی مذہب ہے کہ مدرک رکوع کی رکعت پوری ہو جاتی ہے۔

یہ اثر ضعیف ہے کیونکہ امام مالک کا یہ قول بلاغا ہے اور امام مالک کا حضرت ابو ہریرۃؓ سے سماع ثابت نہیں ہے، اور کسی نے بھی اس اثر کو مسند بیان نہیں کیا۔

صحیح سندوں سے ثابت ہے کہ حضرت ابو ہریرۃؓ مدرک رکوع کی رکعت کے قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ جزء القراۃ

[1] موطا ص ۷ باب من ادرك الركعة من الصلوة ۔ و مرعاة المفاتیح مشکوۃ ص ۱۳٤ ج ۲ باب ما علی المأموم من المتابعة و حکم المسبوق۔

بخاری میں ہے۔

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَ مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ وَ مَعْقَلُ بْنُ مَالِكٍ قَالُوا حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ إِسْحَاقَ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَا يُجْزِئُكَ إِلَّا أَنْ تُدْرِكَ الْإِمَامَ قَائِماً۔ (ص ۴۵)

کہ حضرت ابو ہریرۃؓ کا قول ہے نماز تب ہوگی، جب امام کو قیام میں، یعنی رکوع کرنے سے پہلے پالے۔

۲۔ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ يَعِيشَ قَالَ حَدَّثَنَا يُونُسُ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ قَالَ أَخْبَرَنِي الْأَعْرَجُ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ لَا يُجْزِئُكَ إِلَّا أَنْ تُدْرِكَ الْإِمَامَ قَبْلَ أَنْ يَرْكَعَ ۔ ❶

یعنی نماز تب ہوگی جب امام کو رکوع میں جانے پہلے سے پالے (ورنہ نہیں) اور یہ دونوں سندیں امام مالک والی سند سے کہیں زیادہ قوی اور راجح ہیں۔ چنانچہ حضرت الشیخ محمد عبیداللہ صاحب فرماتے ہیں

وَهٰذَا أَقْوٰى أَرْجَحُ مِمَّا رَوَاهُ مَالِكٌ بَلَاغًا فَيُقَدَّمُ ذَالِكَ عَلٰى هٰذَا ۔ ❷

اصول اور قاعدہ یہ ہے کہ کسی لفظ کا مجازی معنی تب لیا جاتا ہے جب حقیقی معنی لینا متعذر ہو۔ لہٰذا اس جگہ رکعت سے مراد قیام، رکوع، سجود اور فاتحہ والی رکعت مراد ہے کیونکہ یہ رکعت کا حقیقی معنی ہے۔ لہٰذا مجازی معنی مراد لینا صحیح نہیں ہے۔

ملحوظہ:

خیر کثیر فوت ہوگئی کے الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ فاتحہ خلف الامام ایک غیر ضروری چیز ہے اور اس کے بغیر بھی رکعت ہوجاتی ہے۔ کیونکہ لفظ خیر فرض واجب پر بھی بولا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے جو شخص پانی نہ پائے تو وہ تیمم سے نماز پڑھتا رہے، خواہ دس سال گزر جائیں۔ جب پانی پالے تو غسل کرلے۔ فان ذالك خير (مشکوٰۃ ص ۵۴) کیونکہ یہ غسل اس کے لئے بہتر ہے۔ دیکھئے یہاں غسل جنابت کو خیر کہا ہے حالانکہ یہ فرض ہے۔ پس اسی طرح فاتحہ کو بھی سمجھ لینا چاہیے۔ علاوہ ازیں فاتحہ فوت ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مقتدی فاتحہ پڑھ نہیں سکا کیونکہ امام رکوع میں چلا گیا۔ بلکہ فاتحہ پانے کی صورت میں امام کے ساتھ آمین کہنے کا موقع ملتا ہے جس سے حدیث فَمَنْ وافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الملائكة غُفِرَلَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ کا مصداق ہو جاتا ہے۔ یعنی جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو جائے اس کے تمام سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور فرشتوں کی آمین امام کی آمین پر ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جزء القراۃ بخاری باب سکتات ص ۸۶ پر مروی ہے اور مشکوٰۃ ص ۸۹ باب القراۃ و موطا ص ۶۹ میں بھی ابو ہریرۃؓ کی یہ حدیث موجود ہے جس میں اس کا ذکر ہے۔ پس امام کے ساتھ فاتحہ پانے سے اتنی بڑی فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ اور جس سے امام کی آمین فوت ہوگئی، اس سے خیر کثیر فوت ہوگئی۔ اس لئے حضرت ابو ہریرۃؓ مروان بن حکم کے مؤذن تھے اور مروان سے یہ شرط منوا رکھی تھی کہ ولا

---

❶ جزء القراۃ ص ۴۵۔۴۶۔ ❷ مرعاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۱۳۴ ج ۲۔

الضالین کے ساتھ مجھ سے سبقت نہ کرنی ہوگی۔ ❶

بہر حال اس حدیث کو اس سلسلہ میں پیش کرنا غلطی ہے کیونکہ اس میں لفظ رکعت اپنے اصلی اور حقیقی معنی پر ہے۔ اور لفظ سجدہ میں دو احتمال ہیں (۱) یہ بھی اپنے معنی پر ہو (۲) یہ بمعنی نماز ہو۔ چنانچہ اس کی تفصیل امام زرقانی شرح مؤطا میں لکھتے ہیں

فَقَدْ فَاتَهُ خَيْرٌ كَثِيرٌ لِمَوْضِعِ التَّأمِيْنِ وَمَا يَتَرَتَّبُ عَلَيْهِ مِنْ غُفْرَانِ مَّا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ قَالَهُ ابْنُ وَضَّاحٍ وَغَيْرُهُ. ❷

یعنی حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ فرمانا کہ جس سے فاتحہ فوت ہوگئی اس سے خیر کثیر فوت ہوگئی، اس کا مطلب آمین کا موقع پانا ہے اور اس کی فضیلت کا موقع پانا جو آمین (کا موقع) پانے سے حاصل ہوتی ہے، تمام سابقہ گناہوں کی معافی کا موجب ہے۔ اسی کے قریب قریب حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر اور قاضی ابو ولید باجی المنتقی شرح مؤطا میں فرماتے ہیں:

عَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ اَبَاهُرَيْرَةَ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ اَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ اَدْرَكَ السَّجْدَةَ (الحديث) مَعْنٰى ذَالِكَ اَنَّ مَنْ اَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ اَدْرَكَ الْاِعْتِدَادَ بِالسَّجْدَةِ وَلَيْسَتْ فضيلة مَنْ اَدْرَكَ الرَّكْعَةَ دُوْنَ قِرَأَةٍ كَفَضِيْلَةِ مَنْ اَدْرَكَ الْقِرَأَةَ مِنْ اَوَّلِهَا وَاَشَارَ مِنْ ذَالِكَ اِلٰى فَضِيْلَةِ حُضُوْرِ قِرَأَةِ اُمِّ الْقُرْاٰنِ لِاَنَّهَا مِنْ اَعْظَمِ فَضِيْلَةِ قِرَأَةِ الرَّكْعَةِ وَقَدْ قَالَ ابْنُ وَضَّاحٍ وَّالدَّاوٗدِى اِنَّ تِلْكَ الْفَضِيْلَةَ قَوْلُ الْمَاْمُوْمِ آمِيْنَ عِنْدَ قَوْلِ الْاِمَامِ وَلَا الضَّالِّيْنَ لِمَا رُوِىَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّهُ قَالَ لَا تَسْبِقَنِىْ فَثَبَتَ بِذَالِكَ اَنَّ لِاِدْرَاكِ هٰذَا الْمَوْضِعِ مِنَ الْقِرأَةِ مَزِيَّةٌ عَلٰى غَيْرِهٖ اِلَّا اَنَّ ظَاهِرَ قولِهٖ هٰهُنَا يَقْتَضِىْ اَنَّ الْفَضِيْلَةَ الَّتِىْ اَدْرَكَ اِنَّمَا هِىَ بِجَمِيْعِ قِرَأَةِ اُمِّ الْقُرْاٰنِ لِاَنَّ حُضُوْرَ قِرَأَةِ جَمِيْعِ فَضِيْلَةٌ يَدْخُلُ فِيْهَا فَضِيْلَةُ اِدْرَاكِ آمِيْنَ وَغَيْرِهَا وَفِىْ هٰذَا الْاَثَرِ مَعْنًى اٰخَرُ وَهُوَ اِنَّ مَنْ جَاءَ فَوَجَدَ الْاِمَامَ رَاكِعٌ اَكْبَرَ وَرَكَعَ وَلَمْ يَقْرَءْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ وَيَتَّبِعُ الْاِمَامَ بَعْدَ رَفْعِ رَاْسِهٖ مِنَ الرُّكُوْعِ وَلِذَالِكَ وَصَفَهٗ بِاَنَّهٗ قَدْ فَاتَهٗ قِرَأَةُ الْقُرْاٰنِ وَلَوْ كَانَ مِنْ حُكْمِهٖ اِنَّ الْقِرَأَةَ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ قَبْلَ اِتِّبَاعِ الْاِمَامِ لِمَا وَصَفَ بِفَوَاتِ ذَالِكَ كَمَا لَا يُوْصَفُ بِفَوَاتِ تَكْبِيْرَةِ الْاِمَامِ. ❸

کہ ابو ہریرہؓ کی روایت کے یہ معنی ہیں جس نے رکعت پالی اس کا سجدہ بھی معتبر ہوگیا اور جس نے قراۃ القران کے بغیر رکعت پائی اس کی فضیلت ایسی نہیں جیسی شروع رکعت پانے کی ہے اور اس سے قراءت رکعت کی بڑی فضیلت یہی ہے کہ ام القرآن کو امام کے ساتھ پالے اور ابن وضاع اور داؤدی نے کہا ہے کہ یہ فضیلت مقتدی

❶ ملاحظہ ہو فتح الباری باب جهر الامام بالتامين ص ج ۲ ص۲۶۳، وحاشيه بخاری نمبر ۱۳ ج ۱ ص۲۶۳۔

❷ زرقانی ج ۱ ص۔

❸ كتاب المنتقىٰ شرح موطا لقاضی ابو الوليد باجی فتاویٰ اهل حديث ۵۲۲-۵۲۱-۵۲۰ ج ۱ ج ۱۔

اور امام کی آمین میں موافقت کے لئے ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے مؤذن سے کہا، مجھ سے آمین کے ساتھ سبقت نہ کرنا، اس سے ثابت ہوا کہ امام کی قراءت کے اس حصہ کو پانا جس سے آمین میں موافقت ہو جائے، بہ نسبت دوسری قراءت کے زیادہ فضیلت ہے۔لیکن ظاہر قول ابو ہریرہؓ کا ساری فاتحہ سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے ضمن میں آمین کی موافقت بھی آجاتی ہے، کیونکہ جو پوری فاتحہ امام کے ساتھ پائے وہ آمین کا موقع ولا الضالین بھی پالے گا اور ابو ہریرہؓ کے اس قول کا ایک اور معنی بھی ہے،وہ یہ کہ جو امام کو رکوع میں پائے وہ امام کے ساتھ تکبیر کہہ کر شامل ہو جائے اور رکوع کرے۔اور ام القرآن نہ پڑھے اور رکوع سے سر اٹھا کر سجدہ میں امام کی اتباع کرے، اس لئے اس کی بابت فاتحہ کے فوت ہونے کا ذکر کیا ہے۔اگر اس شخص کا یہ حکم ہوتا کہ امام سے پہلے فاتحہ پڑھ لے تو اس کی بابت فاتحہ کے فوت ہونے کا ذکر نہ ہوتا۔جیسے تکبیر تحریمہ کے فوت ہونے کا ذکر نہیں کیا۔

قاضی ابو ولید باجی نے اس عبارت میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے دو مطلب بیان کئے ہیں۔ایک یہ کہ امام کے ساتھ رکعت پائے تو سجدہ کا اعتبار بھی ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔اور امام کے ساتھ فاتحہ سمیت رکعت کا پانا زیادہ فضیلت رکھتا ہے کیونکہ اس میں آمین میں بھی موافقت ہے۔اگر امام کے ساتھ فاتحہ سمیت رکعت نہ پائی بلکہ امام کی فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد آکر شامل ہوا تو پھر خواہ فاتحہ پڑھ ہی لی، لیکن امام کے ساتھ فاتحہ پانے کی جو فضیلت تھی وہ فوت ہوگئی۔

دوسرا مطلب قاضی ابو ولید نے یہ بیان کیا ہے کہ جو شخص امام کو رکوع کی حالت میں پائے تو رکوع سے سر اٹھا کر امام کی تابعداری کرے اور فاتحہ اس سے فوت ہوگئی۔یعنی اس کے پڑھنے کا موقع جاتا رہا۔اس صورت میں بھی باوجود رکعت (بمعنی رکوع ہونے کے) رکوع میں رکعت ثابت نہیں ہوتی۔کیونکہ اس سے اس بات کا بیان کرنا مقصود ہے کہ امام کو جس حالت میں پائے اس کے ساتھ مل جائے۔اس سے پہلے جو کچھ رہ گیا، رہ گیا اب اس کو امام کی اقتدا کے وقت (امام سے قبل) ادا نہیں کر سکتا، بعد میں ادا کرے۔اگرچہ امام کے ساتھ ادائیگی کی فضیلت بہت تھی مگر وہ فوت ہوگئی۔ہاں، تکبیر تحریمہ فوت نہیں ہوئی۔اس کو امام سے الگ کہہ کر پھر امام کے ساتھ اس حال میں شامل ہو جائے جس حال میں امام ہو۔غرض اس قسم کے کئی مطالب ابو ہریرہؓ کے اس قول کے ہو سکتے ہیں۔اس سے رکوع میں رکعت لازم نہیں آتی۔بالخصوص جب ابو ہریرہؓ کا صریح فتویٰ رکوع میں رکعت نہ ہونے کا صحیح سندوں کے ساتھ موجود ہے، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، تو پھر مخالف صورت کیوں اختیار کی جائے حتی الوسع موافقت چاہیے۔یہ دونوں باتیں (یعنی حتی الوسع موافقت اور قوت اسناد) رکوع میں رکعت نہ ہونے کو چاہتی ہیں۔ [1]

اعتراض:

حضرت ابو ہریرہؓ سے ان دونوں صحیح اثروں کے خلاف ایک اور اثر بھی مروی ہے جس میں رکوع میں رکعت ہونے کا جواز ہے۔ [2]

---

[1] فتاوی اهل حدیث ج ۱ ص ۵۲۰ تا ۵۲۲۔ [2] جزء القراة بخاری ص ۴۷۔

اس اثر میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن اسحاق ضعیف ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں:

وَلَيْسَ هٰذَا مِمَّنْ يُعْتَدُّ عَلٰى حِفْظِهٖ قَالَ إِسْمَاعِيْلُ بْنُ إِبْرَاهِيْمَ سَأَلْتُ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ عَنْ عَبْدِالرَّحْمَانِ فَلَمْ يَحْمَدْ مَعَ أَنَّهٗ لَا يُعْرَفُ لَهٗ بِالْمَدِيْنَةِ تِلْمِيْذٌ إِلَّا أَنَّ مُوْسَى الزَّمْعِيَّ رَوٰى عَنْهُ أَشْيَاءَ فِيْ عِدَّةٍ مِنْهَا اِضْطِرَابٌ۔ ❶

کہ عبدالرحمٰن بن اسحاق قابل اعتماد راوی نہیں ہے اور مدینہ بھر میں اس کا ایک بھی شاگرد نہیں ہے۔ ہاں موسیٰ زمعی نے اس سے چند روایات بیان کی ہیں مگر ان میں اکثر مضطرب ہیں۔

جمہور کی دوسری دلیل:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جِئْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْهَا شَيْئًا وَمَنْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلٰوةَ۔ ❷

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم ہم سے ملو اور ہم سجدے میں پہنچ چکے ہوں تو تم بھی سجدہ میں پڑ جاؤ اور اس سجدہ کا کچھ اعتبار نہ کرو، تاہم جس نے امام کے ساتھ رکوع پا لیا، اس نے رکعت پالی۔''

یہ حدیث سخت ضعیف ہے کیونکہ اس میں یحیٰ بن ابی سلیمان راوی منکر الحدیث ہے۔ زید بن ابی عتاب اور ابن مقبری سے اس کا سماع ثابت نہیں ہے، چنانچہ امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری فرماتے ہیں:

وَيَحْيٰ هٰذَا مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ رَوٰى عَنْهُ أَبُوْ سَعِيْدٍ مَوْلٰى بَنِيْ هَاشِمٍ وَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ رَجَاءٍ الْبَصْرِيُّ مَنَاكِيْرُ وَلَمْ يَتَبَيَّنْ سِمَاعُهٗ مِنْ زَيْدٍ وَلَا مِنِ ابْنِ الْمَقْبُرِيِّ وَلَا تَقُوْمُ بِهِ الْحُجَّةُ۔ ❸

میزان اور تہذیب میں ہے:

فَقَالَ أَبُوْ حَاتِمٍ يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ وَلَيْسَ بِالْقَوِيِّ۔ ❹

اگرچہ ابن حبان اور حاکم نے اس کی توثیق فرمائی ہے۔ مگر امام بخاری اور ابو حاتم جیسے ائمہ حدیث کی مقابلہ میں ان کی توثیق کا کچھ اعتبار نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ تقریب میں فرماتے ہیں:

يَحْيَ بْنُ أَبِيْ سُلَيْمَانَ الْمَدَنِيُّ أَبُوْ صَالِحٍ لَيِّنُ الْحَدِيْثِ۔ ❺

کہ یحیٰ بن ابی سلیمان کمزور راوی ہے۔

إِذَا جِئْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْهَا شَيْئًا۔ ساری عبارت شاذ اور منکر ہے: کیونکہ بقول امام بخاری، اس حدیث کو ایک کثیر جماعت نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے مگر کسی نے یہ زیادتی بیان نہیں کی۔

❶ جزء القراۃ امام بخاری ص ۴۷۔ ❷ ابو داؤد مع عون ص ۳۳۲ ج ۱ باب الرجل یدرك الامام۔

❸ جزء القراۃ ص ۷۴ قال البیهقی تفرد به یحیی بن سلیمان هذا ولیس بالقوی۔ (جزء القراۃ بیهقی، عون المعبود ص ۳۳۲ ج ۱۔

❹ عون المعبود ۱ ص ۳۳۳۔ ❺ تقریب ص ۳۷۶۔

مثلاً: امام مالک، عبد اللہ بن عمر، یحییٰ بن سعید، ابن الہاد، یونس، معمر، سفیان بن عیینہ، شعیب، ابن جریج اور عراک بن مالک نے یحییٰ بن ابی سلیمان کے خلاف اس زیادتی کو بیان نہیں کیا۔ ❶

اور علامہ شمس الحق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَتَفَرَّدَ بِهِ يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ وَ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ . ❷

اس حدیث کے اندر رکوع میں رکعت مکمل ہونے کا ثبوت نہیں ہے، بلکہ لفظ رکعت سے مراد رکعت ہی ہے رکوع نہیں۔ اور مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ جس نے رکعت پائی اس نے نماز پالی کیونکہ ادنیٰ درجہ جماعت ایک رکعت ہے۔ جیسے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ فِي الْخَوْفِ بِهٰؤُلَاءِ رَكْعَةً وَّبِهٰؤُلَاءِ رَكْعَةً . ❸

کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی زبان پر نماز خوف ایک رکعت فرض فرمائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس نے رکعت سے کم حصہ پایا، مثلاً: رکوع میں شریک ہوا اس نے نماز نہیں پائی، وہ یہ رکعت نئے سرے سے پڑھے۔ اور رکعت سے رکوع مراد لینا متعذر ہے کیونکہ یہ مجازی معنی ہے اور مجازی معنی وہاں کیا جاتا ہے جہاں حقیقت متعذر ہو اور یہاں حقیقت متعذر نہیں کیونکہ یہاں رکعت سے مراد رکعت ہی ہے اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ راوی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ خود رکوع میں ملنے والی رکعت کے قائل نہیں ہیں۔ عون المعبود میں ہے:

قِيلَ اَلْمُرَادُ بِهِ هٰهُنَا الرُّكُوعُ فَيَكُونُ مُدْرِكُ الْإِمَامِ رَاكِعاً مدركاً لِتِلْكَ الرَّكْعَةِ وَ فِيهِ نَظَرٌ لِاَنَّ الرَّكْعَةَ حَقِيقَةٌ لِجَمِيعِهَا وَاِطْلَاقُهَا عَلَى الرُّكُوعِ وَمَا بَعْدَهُ مَجَازٌ لَا يُصَارُ إِلَيْهِ إِلَّا لِقَرِينَةٍ كَمَا وَقَعَ عِنْدَ مُسْلِمٍ مِنْ حَدِيثِ الْبَرَاءِ بِلَفْظِ فَوَجَدْتُ قِيَامَهُ فَرَكْعَتَهُ فَاعْتِدَالَهُ فَسَجْدَتَهُ فَإِنَّ وُقُوعَ الرَّكْعَةِ فِي مُقَابَلَةِ الْقِيَامِ وَالْإِعْتِدَالِ وَالسُّجُودِ وَ قَرِينَةٌ تَدُلُّ عَلَى اَنَّ الْمُرَادُ بِهَا الرُّكُوعُ وَهٰهُنَا لَيْسَتْ قَرِينَةٌ تَصْرِفُ عَنْ حَقِيقَةِ الرَّكْعَةِ وَلَيْسَ فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى اَنَّ الْمُدْرِكَ الْإِمَامِ رَاكِعاً مُدْرِكٌ تِلْكَ الرَّكْعَةِ۔ ❹

یعنی کہا گیا کہ اس حدیث میں رکعت سے مراد رکوع ہے، لہٰذا جو شخص امام کو رکوع کی حالت میں پائے گا تو اس کی رکعت ہو جائے گی۔ مگر یہ کہنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ رکعت کے حقیقی معنی پوری رکعت ہے اور رکوع پر رکعت کا اطلاق مجازی ہے جس کے لئے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے جیسے مسلم کی براء کی حدیث میں رکعت سے مراد رکوع ہے، کیونکہ رکوع کا قیام اعتدال اور سجدہ کے مقابلہ میں واقع ہونا اس بات کا قرینہ ہے۔ اور ابو ہریرہؓ کی اس حدیث میں کوئی قرینہ نہیں۔ پس رکعت سے رکوع مراد لینا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا کہ رکوع میں رکعت ہوتی ہے، صحیح نہیں ہے، ویسے بھی حضرت ابو ہریرہؓ کے محقق مسلک کے خلاف ہے۔

---

❶ ملاحظہ ہو جز القراۃ بخاری ص ۶۷، عون المعبود ص ۳۳۴ ج ۱۔ ❷ المغنی علی الدارقطنی ص ۱۳۲ ج ۱۔

❸ عون المعبود ج ۱۸۳۱۔ ❹ عون المعبود ص ۳۳۲، باب الرجل یدرک الامام ساجدا کیف یصنع۔

جمہور کی تیسری دلیل۔

عَنْ اَبِی بَکْرَۃَ اَنَّہٗ اِنْتَھٰی اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ رَاکِعٌ فَرَکَعَ قَبْلَ اَنْ یَّصِلَ اِلَی الصَّفِّ فَذَکَرَ ذَالِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ زَادَکَ اللّٰہُ حِرْصاً فَلاَ تَعُدْ ۔ ❶

"حضرت ابوبکرہؓ کہتے ہیں کہ جب میں نماز پڑھنے کے لئے حضرت محمد ﷺ تک پہنچا تو آپ ﷺ رکوع میں جا چکے تھے۔ میں نے صف میں ملنے سے پہلے ہی رکوع کر لیا۔ جب آنحضرت ﷺ کے پاس یہ فعل ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تیری حرص میں برکت کرے آئندہ ایسا نہ کرنا۔"

اس حدیث میں یہ کہیں نہیں آتا کہ مدرک رکوع کی رکعت ہو جاتی ہے، بلکہ اس حدیث سے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رکعت کا اعتبار نہیں کیا گیا، چنانچہ امام بخاری فرماتے ہیں:

فَلَیْسَ لِاَحَدٍ اَنْ یَّعُوْدَ لِمَا نَھَی النَّبِیُّ ﷺ عَنْہُ وَلَیْسَ فِیْ جَوَابِہٖ اَنَّہٗ اِعْتَدَّ بِالرُّکُوْعِ عَنِ الْقِیَامِ وَالْقِیَامُ فَرْضٌ فِی الْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ (وَقَالَ) اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ صَلِّ قَائِمًا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِداً ۔ ❷

"کہ ابوبکرہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کے منع کرنے کے بعد کسی کو جائز نہیں کہ وہ صف سے باہر ہی رکوع کرتا ہوا امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے۔ ابوبکرہ کی حدیث میں یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ عدم قیام (وقراءۃ) کے باوجود اس کو رکعت شمار کیا ہو۔ یہ معلوم رہے کہ کتاب وسنت میں قیام فرض ہے جیسے کہ قوموا للہ قانتین اور صلّ قائمًا کے جملوں سے معلوم ہوتا ہے علاوہ ازیں جزاء القراۃ میں یہ بھی ہے۔"

عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ صَلّٰی صَلٰوۃَ الصُّبْحِ فَسَمِعَ نَفَساً شَدِیْداً اَوْبَھْراً مِّنْ خَلْفِہٖ فَلَمَّا قَضَی الصَّلٰوۃَ قَالَ لِاَبِیْ بَکْرَۃَ اَنْتَ صَاحِبُ ھٰذَا النَّفَسِ قَالَ نَعَمْ جَعَلَنِیَ اللّٰہُ فِدَاکَ خَشِیْتُ اَنْ تَفُوْتَنِیْ رَکْعَۃٌ مَّعَکَ فَاَسْرَعْتُ الْمَشْیَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ زَادَکَ اللّٰہُ حِرْصاً وَّلاَ تَعُدْ صَلِّ مَا اَدْرَکْتَ وَاقْضِ مَا سَبَقَ ۔ (ص ۱۳ جزء القراۃ بخاری)

"حضرت ابوبکرہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے صبح کی نماز میں سانس چڑھنے اور ہانپنے کی آواز سنی، نماز سے فارغ ہو کر ابوبکرہؓ سے فرمایا، کیا یہ تمہاری آواز تھی، میں نے کہا، ہاں یا رسول اللہ! چونکہ میری ایک رکعت فوت ہو رہی تھی، اس لئے میں نے جلدی کی، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تیرے شوق میں برکت کرے، آئندہ ایسا نہ کرنا۔ جتنی نماز امام کے ساتھ پڑھ سکو، پڑھ لو اور جو پہلے ہو چکی ہو اس کی قضا دے لو یعنی پوری کرو۔ اور طبرانی کے الفاظ یہ ہیں۔

❶ باب اذا رکع دون الصف، صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۸۔ ❷ جزء القراۃ امام بخاری ص ۴۷۔

وَاقْضِ مَا سَبَقَكَ۔ ❶

''کہ تمہاری جتنی نماز رہ گئی ہے، اس کو پورا کرو۔''

اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا سَمِعْتُمُ الْاَقَامة فَامْشُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ وَ عَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةَ وَالْوَقَارَ وَلَا تُسْرِعُوْا فَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا۔ ❷

''کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تکبیر سننے پر آرام اور وقار کے ساتھ نماز کی طرف آؤ جلدی جلدی مت آؤ، جتنی جماعت مل جائے، پڑھ لو اور جو رہ جائے اسے پورا کرلو۔''

چنانچہ حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وَاسْتُدِلَّ بِهِ اَنَّ مَنْ اَدْرَكَ الْاِمَامَ رَاكِعاً لَّمْ تُحْسَبْ لَهُ تِلْكَ الرَّكْعَةُ لِلْاَمْرِ بِاِتْمَامِ مَا فَاتَهُ لِاَنَّهُ فَاتَهُ الْوُقُوْفُ وَالْقِرَاءَةُ فِيْهِ وَهُوَ قَوْلُ اَبِیْ هُرَيْرَةَ وَجَمَاعَةٍ بَلْ حَكَاهُ الْبُخَارِیُّ فِی الْقِرَاءَةِ خَلْفِ الْاِمَامِ وَاخْتَارَهَا ابْنُ خُزَيْمَةَ وَالضَّبْعِیُّ وَ غَيْرُهُمَا مِنْ مُحَدِّثِی الشَّافِعِيَّةِ وَقَوَّاهُ الشَّيْخ تَقِیُّ الدِّيْنِ السبكی مِنَ الْمُتَاَخِّرِيْنَ۔ ❸

کہ اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ مدرک رکوع کی رکعت گنی نہیں جائے گی کیونکہ آنحضرت ﷺ نے فوت شدہ نماز کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ اس کا قیام اور قراءۃ ام القرآن (دو فرض) رہ گئے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور علماء کی ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔ بلکہ امام بخاری نے کہا ہے کہ یہی مذہب ہے ہر اس شخص کا جو فاتحہ خلف الامام کو فرض سمجھتا ہے۔

بہرحال ابوبکرہ کی یہ حدیث اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ رکوع پا لینے والے کی رکعت پوری ہو جاتی ہے۔

جمہور کی چوتھی دلیل:

قَالَ الْبُخَارِیُّ وَزَادَ ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ حُمَيْدٍ عَنْ قُرَّةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَانِ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَ الرَّكْعَةَ مِنَ الصَّلٰوةِ فَقَدْ اَدْرَكَهَا قَبْلَ اَنْ يُّقِيْمَ الْاِمَامُ صُلْبَهُ۔ ❹

کہ ابو ہریرہؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، جس نے امام کے ساتھ رکوع پا لیا،

---

❶ فتح الباری ج ۲ ص ۲۶۸) باب اذارکع دون الصف۔ ❷ صحیح بخاری باب لا یسعیٰ الی الصلوٰۃ ص ۸۸ ج ۱۔

❸ فتح الباری ص ۱۱۹ ج ۲ باب ما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا۔

❹ جزء القراۃ بخاری ص ۶۷۔

پہلے اس کے کہ امام اپنی پیٹھ سیدھی کرے تو اس نے رکعت پالی۔

یہ حدیث سخت ضعیف ہے۔ چنانچہ امام بخاری فرماتے ہیں:

وَاَمَّا يَحْيَ بْنُ حُمَيْدٍ مَجْهُوْلٌ لَا يُعْتَمَدُ عَلٰى حَدِيْثِهٖ غَيْرُ مَعْرُوْفٍ بِصِحَّةٍ خَبَرُهٗ مَرْفُوْعٌ وَ لَيْسَ هٰذَا مِمَّا يَحْتَجُّ بِهٖ اَهْلُ الْعِلْمِ وَقَدْ تَابَعَ مَالِكًا فِيْ حَدِيْثِهٖ عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ وَّ ابْنُ الْهَادِ يُوْنُسُ وَ مَعْمَرٌ وَ ابْنُ عُيَيْنَةَ وَ شُعَيْبٌ وَّ ابْنُ جُرَيْجٍ وَّ كَذٰلِكَ قَالَ عِرَاكُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَوْ كَانَ مِنْ هٰؤُلَاءِ وَاحِدٌ لَّمْ يَحْكُمْ بِخِلَافِ يَحْيَى بْنِ حُمَيْدٍ اَوْتَرَ ثَلَاثَةٌ عَلَيْهِ فَكَيْفَ بِاِتِّفَاقِ مَنْ ذَكَرْنَا عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ وَ عِرَاكٍ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ خَبَرٌ مُّسْتَفِيْضٌ عند اَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحِجَازِ وَغَيْرِهَا وَقَوْلُهٗ قَبْلَ اَنْ يُّقِيْمَ الْاِمَامُ صُلْبَهٗ، لَا مَعْنٰى لَهٗ وَلَا وَجْهَ لِزِيَادَتِهٖ۔ ❶

"کہ یحیٰی بن حمید غیر ذمہ دار اور نا قابل حجت ہے اور نہ اس کی مرفوع حدیث کی صحت اہل علم کے نزدیک تسلیم کی گئی ہے۔ اور یحیٰی بن حمید کے برخلاف عبیداللہ بن عمر، یحیٰی بن سعید، یونس، معمر، سفیان بن عیینہ اور شعیب، ابن جریج نے مالک کی روایت کی متابعت کی ہے اور عراک بن مالک بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے یہی روایت کرتا ہے۔ یہاں اگر ایک آدھ راوی یحیٰی بن حمید کے خلاف ہوتا تو میں اپنی رائے پر اسے ترجیح نہ دیتا مگر یہاں تو پوری جماعت کی جماعت یحیٰ بن حمید کے خلاف ہے اور یہ روایت اہل حجاز کے ہاں کثرت حاصل کر چکی، یعنی یہ مستفیض روایت ہے۔

قَبْلَ اَنْ يُّقِيْمَ الْاِمَامُ صُلْبَهٗ بے معنی الفاظ ہیں۔ اور اس جملہ کی زیادتی کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی: یعنی یہ الفاظ شاذ اور منکر ہیں کیونکہ یحیٰ بن حمید نے اپنے دس مذکور ساتھیوں کے خلاف ان الفاظ کو ذکر کیا ہے۔

یہاں فَقَدْ اَدْرَكَهَا سے مراد رکعت نہیں ہے بلکہ جماعت کا ثواب اور نماز ہے: چنانچہ انہی ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَدْرَكَ مِنَ الصَّلٰوةِ رَكْعَةً فَقَدْ اَدْرَكَ . ❷

جناب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے جماعت کے ساتھ ایک رکعت پالی تو اس نے جماعت کا ثواب پالیا۔

اس میں ایک راوی قرہ بن عبدالرحمان بھی ضعیف ہے: چنانچہ تقریب التہذیب میں ہے۔

قُرَّةُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمَانِ يُقَالُ اِسْمُهٗ يَحْيٰى صُدُوْقٌ لَّهٗ مَنَاكِيْرُ مِّنَ السَّابِعَةِ . ❸

---

❶ جزء القراة بخاری ص ٦٧.

❷ جزء القراة بخاری ص ٦٧.

❸ تقریب ص ٢٨٢.

فقہاء و محدثین کے دلائل:

از روئے احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ امام، مقتدی، مسافر پر ہر سری، جہری نماز میں اور نماز کی ہر ہر رکعت میں نماز، خواہ فرض ہو یا نفل جماعت کے ساتھ ہو یا الگ، ہر شخص پر سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی۔

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ان الفاظ میں ترجمہ قائم کیا ہے:

بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَامُوْمِ فِي الصَّلَوٰاتِ كُلِّهَا فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ وَمَا يُجْهَرُ فِيهَا وَمَا يُخَافَتُ ۔ ❶

اور پھر مندرجہ ذیل احادیث سے انہوں نے اپنے مقدمہ کو مدلل کیا ہے:

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (ص ۱۰۴)

''کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: جو شخص فاتحۃ الکتاب نہ پڑھے، اس کی نماز نہیں ہوتی۔''

اعتراض:

اس حدیث میں تو صرف یہ آتا ہے کہ نماز نہیں ہوتی، یہ تو نہیں کہا کہ یہ نماز کفایت نہیں کرتی؟

جواب (۱) امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

اَنَّ الْخَبَرَ اِذَا جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحُكِمَ عَلٰى اِسْمِهِ وَعَلَى الْجُمْلَةِ حَتّٰى يَجِيْئَ بَيَانُهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۔ ❷

''کہ جب آنحضرت ﷺ کی طرف سے کوئی خبر آئے تو اس کا حکم اسی حال پر رہے گا اور اس کی تاویل کی اجازت نہیں ہوگی، حتیٰ کہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے اس کی وضاحت نہ آجائے۔''

جواب نمبر۲: احادیث میں تصریح ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز کفایت نہیں کرتی۔

قَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ لَا تُجْزِيْهِ اِلَّا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ ۔ ❸

اور ابن حبان، ابن خزیمہ اور دارقطنی نے عبادہ بن صامتؓ سے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں:

لَا تُجْزِئُ صَلٰوةٌ لَا يُقْرَأُ فِيْهَا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ ۔ ❹

''کہ فاتحۃ الکتاب کے بغیر نماز کفایت نہیں کرتی۔''

---

❶ ص ۱۰٤ ج ۱، صحيح بخاری.
❷ جزء القراءة بخاری ص ۸.
❸ تحفة الاحوذی ج ۱ ص ۲۰۷.
❹ تحفة الاحوذی ص ۲۰٦ ج ۱.

اعتراض:

حدیث میں لَا صَلٰوۃَ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ وَلَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ آیا ہے، فی کل رکعۃ کی تصریح نہیں آئی۔

۱- امام بخاری فرماتے ہیں:

قِیْلَ لَہٗ قَدْبَیَّنَ حِیْنَ قَالَ اِقْرَاءْ ثُمَّ ارْکَعْ ثُمَّ اسْجُدْ ثُمَّ ارْفَعْ فَاِنَّکَ اِنْ اَتْمَمْتَ صَلٰوتَکَ فَبَیَّنَ لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ کُلِّ رَکْعَۃٍ قِرَاۃً وَّ رُکُوْعاً وَّ سُجُوْداً وَّاَمَرَہٗ اَنْ یَتِمَّ صَلٰوتَہٗ عَلٰی مَا تَبَیَّنَ لَہٗ فِی الرَّکْعَۃِ الْاُوْلٰی وَھٰذَا حَدِیْثٌ مُفَسِّرٌ لِلصَّلٰوۃِ کُلِّھَا لَا لِرَکْعَۃٍ دُوْنَ رَکْعَۃٍ وَّقَالَ اَبُوْ قَتَادَۃَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ فِی الْاَرْبَعِ کُلِّھَا۔ [1]

''کہ ایک آدمی نے نماز اچھے طریقہ سے نہ پڑھی تو آنحضرت ﷺ نے اس کو فرمایا تھا کہ پہلے قراۃ کر اور پھر رکوع میں چلے جا اور پھر اٹھ کھڑا ہو اور پھر سجدہ کر، پھر اٹھ، پھر اگر تو نے اس طریقہ پر اپنی نماز پوری کر لی تو تیری نماز مکمل ہوگئی۔ ورنہ نامکمل رہی۔'' اس حدیث کے مطابق حضرت نبی اکرم ﷺ نے وضاحت فرما دی ہے کہ ہر رکعت میں قراۃ، رکوع، سجدہ ضروری ہے۔ اور فرمایا کہ پہلی رکعت کی طرح اپنی نماز پوری کرو۔ اور یہ حدیث پوری نماز کی تفسیر ہے۔ نہ کہ ایک آدھ رکعت کے لئے ہے۔ اور بخاری شریف میں اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

وافعل فی صلوٰتک کلھا۔ [2]

پھر اپنی پوری نماز میں اسی طرح کرو۔

وضاحت:

قراۃ سے مراد مطلق قرآن نہیں ہے بلکہ اس سے مراد قراۃ فاتحۃ الکتاب ہے جیسے کہ ابوداؤد میں اس کی تصریح موجود ہے۔

عَنْ رِفَاعَۃَ بْنِ رَافِعٍ بِھٰذَا الْقِصَّۃِ قَالَ اِذَا قُمْتَ فَتَوَجَّھْتَ اِلَی الْقِبْلَۃِ فَکَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ وَ بِمَا شَاءَ اللّٰہُ اِنْ تَقْرَءَ وَاِذَا رَکَعْتَ فَضَعْ رَاحَتَیْکَ عَلٰی رُکْبَتَیْکَ وامْدُدْ ظَھْرَکَ۔ (عون المعبود ص ۳۲۱ ج ۱ بَابُ صلوٰۃ مَنْ لَا یُقِیْمُ صُلْبَہٗ فِی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ، سَکَتَ عَلَیْہِ اَبُوْ دَاوٗدُ الْمُنْذِرِیُّ وَالْعَلَّامَۃُ شَمْسُ الْحَقِّ الدَّیَانَوِیُّ فِیْ عَوْنِ الْمَعْبُوْدِ وَ سَکَتَ عَلَیْہِ اَیْضاً اَلْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ فِیْ فَتْحِ الْبَارِیْ فَھٰذَا الْحَدِیْثُ عِنْدَہٗ حَسَنٌ اَیْضاً۔ [3]

کہ اس قصہ میں یہ الفاظ ہیں کہ جب تو قبلہ رخ ہو کر کھڑا ہو جائے تو اللہ اکبر کہو اور پھر سورۂ فاتحہ وغیرہ پڑھو اور پھر

---

[1] جزاء القراۃ ص ٦٥۔ [2] صحیح بخاری ص ۱۰۵) بروایت ابو ہریرہ لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب۔

[3] فتح الباری ص ٤١٦۔

رکوع میں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھو اور اپنی پیٹھ کو ہموار کرو، بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحیح بخاری اور جزء القراۃ کے الفاظ میں اقراء سے مراد سورۂ فاتحہ ہے۔ مطلق قراءت قرآن مراد نہیں ہے۔

اس کی تائید ابوداؤد کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ نَّقْرَاَ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَا تَيَسَّرَ . ❶

اور امام بیہقی نے ابو ہریرہؓ سے بھی روایت کیا ہے۔

فَاَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ كَبِّرْ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ قَائِماً قَرَأْتَ بِاُمِّ الْقُرْآنِ ثُمَّ قَرَأْتَ بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ . ❷

ان تمام حدیثوں سے بھی یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ قراءۃ سے مراد سورۂ فاتحہ ہے۔

۲۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ خَلْفَ الْاِمَامِ وَهٰذَا اِسْنَادٌ صَحِيْحٌ وَّالزِّيَادَةُ الَّتِیْ فِيْهِ كَزِيَادَةِ الَّتِیْ فِیْ حَدِيْثِ مَكْحُوْلٍ وَّغَيْرِهٖ فَهِیَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ صَحِيْحَةٌ مَّشْهُوْرَةٌ مِنْ اَوْجِهٍ كَثِيْرَةٍ . ❸

''کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی، اس کی نماز نہیں ہوئی۔''

۳۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰی صَلٰوةً لَمْ يَقْرَاْ فِيْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَهِیَ خِدَاجٌ ثَلَاثاً غَيْرُ تَمَامٍ فَقِيْلَ لِاَبِیْ هُرَيْرَةَ اِنَّا نَكُوْنُ وَرَاءَ الْاِمَامِ فَقَالَ اِقْرَاْ بِهَا فِیْ نَفْسِكَ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی قَسَمْتُ الصَّلٰوةَ بَيْنِیْ وَ بَيْنَ عَبْدِیْ نِصْفَيْنِ وَ لِعَبْدِیْ مَا سَاَلَ فَاِذَا قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ قَالَ تَعَالٰی حَمِدَنِیْ عَبْدِیْ وَاِذَا قَالَ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قَالَ اللّٰهُ اَثْنٰی عَلَیَّ عَبْدِیْ فَاِذَا قَالَ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ قَالَ مَجَّدَنِیْ عَبْدِیْ وَقَالَ مَرَّةً فَوَّضَ اِلَیَّ عَبْدِیْ فَاِذَا قَالَ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ قَالَ هٰذَا بَيْنِیْ وَ بَيْنَ عَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَاسَاَلَ فَاِذَا قَالَ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِالْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ قَالَ هٰذَا لِعَبْدِیْ وَلِعَبْدِیْ مَا سَاَلَ . ❹

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز پڑھے گا تو اس

❶ عون المعبود ج ۱ باب من ترك القراة فی صلوته بفاتحة الكتاب ص ۳۰۰، فتح الباری پ۳ باب وجوب القراة ص۴۱۶، كتاب القرأة للبيهقی ص ۱۵.

❷ كتاب القرأة ص۱۵ القراة للبيهقی.

❸ جزء القراة للبيهقی ص ۵۶، عون المعبود ص ۳۳۴ ج ۱۔

❹ صحيح مسلم مع نووی ج ۱ ص ۱۷۰۔ الخ۔

کی نماز بے کار اور ادھوری ہے۔ یہ بات آپ نے تین بار فرمائی۔ ہم نے کہا ہم تو امام کے پیچھے ہوتے ہیں، تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ اس وقت دل ہی میں پڑھ لیا کرو۔ کیونکہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، میں نے نماز (الحمد) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر لیا ہے، میرے بندے کے لئے وہ کچھ ہے جو وہ مانگے جب بندہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی۔ جب بندہ کہتا ہے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری کی تعریف (ثنا) کی۔ جب بندہ کہتا مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ تو اللہ کہتا ہے کہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی (ایک دوسری دفعہ روایت کرتے راوی نے) میرے بندے نے اپنا کام مجھے سونپ دیا۔ جب بندہ کہتا ہے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ آیت میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ میرے بندے کے لئے وہ جو سوال کرے۔ پھر جب بندہ کہتا ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ تو اللہ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے اور اس کے لئے وہ کچھ ہے جس کا وہ سوال کرے۔ چنانچہ سورۂ فاتحہ کی اہمیت کے پیش نظر امام نوویؒ نے باب وجوب قرأۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ کا ترجمہ قائم کر کے لکھا ہے۔ ❶

فِیْهِ دَلِیْلٌ لِمَذْهَبِ الشَّافِعِیِّ وَمَنْ وَافَقَهُ اَنَّ قِرَاءَةَ الْفَاتِحَةِ وَاجِبَةٌ عَلَى الْاِمَامِ وَالْمَاْمُوْمِ وَ الْمُنْفَرِدِ وَمِمَّا یُؤَیِّدُ وُجُوْبَهَا عَلَى الْمَاْمُوْمِ قَوْلُ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اِقْرَأْ بِهَا فِیْ نَفْسِكَ . ❷

کہ اس حدیث کے مطابق امام، مقتدی اور منفرد پر واجب ہے کہ وہ ہر رکعت میں فاتحہ پڑھا کریں اور یہ بھی یاد رہے کہ یہاں صلوٰۃ سے مراد فاتحہ ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ فرماتے ہیں:

وَقَالَ الْعُلَمَاءُ الْمُرَادُ بِالصَّلٰوةِ هُنَا الْفَاتِحَةُ سُمِّیَتْ بِذَالِكَ لِاَنَّهَا لَا تَصِحُّ اِلَّا بِهَا لِقَوْلِهٖ ﷺ اَلْحَجُّ عَرَفَةُ فَفِیْهِ دَلِیْلٌ عَلٰى وُجُوْبِهَا بِعَیْنِهَا فِی الصَّلٰوةِ . (ص ۱۷۰ ج ۱)

کہ علماء نے کہا ہے کہ یہاں صلوٰۃ سے مراد فاتحہ ہے اور فاتحہ کو نماز اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ آنحضرت ﷺ نے وقوف عرفہ کی اہمیت وجوب کی وجہ سے نفس وقوف عرفہ کو حج قرار دیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا فرض عین ہے۔ موصوف مزید فرماتے ہیں:

وَالصَّحِیْحُ الَّذِیْ عَلَیْهِ جُمْهُوْرُ الْعُلَمَاءِ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ وُجُوْبُ الْفَاتِحَةِ فِیْ كُلِّ رَكْعَةٍ لِقَوْلِهٖ ﷺ لِاَعْرَابِیِّ ثُمَّ افْعَلْ ذَالِكَ فِیْ صَلٰوتِكَ كُلِّهَا . ❸

---

❶ صحیح مسلم مع نووی ص ۱۶۹، ۱۷۰ ج ۱ القراۃ بخاری) ص ۴۷۔۴۸۔ ❷ نووی ج ۱ ص ۱۷۰۔

❸ نووی ص ۱۷۰ ج ۱۔

بہرحال جمہور علمائے سلف و خلف کا یہی مذہب ہے کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے ۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اعرابی کو تاکید فرمائی تھی کہ وہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھے۔

۴۔ قَالَ اَبُوْ داؤد سَاَلَ رَجُلٌ رَّسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفِيْ كُلِّ صَلٰوةٍ قِرَاَةٌ قَالَ نَعَمْ قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ وَجَبَتْ . ❶

''حضرت ابو درداء سے روایت ہے کہ آدمی نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ کیا ہر نماز میں قراءت (سورۃ فاتحہ) ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں! اس پر ایک انصاری کہنے لگا: تب تو قراۃ واجب ہوگئی۔''

۵۔ قَالَ الْبُخَارِيُّ تَوَاتَرَ الْخَبَرُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَا صَلٰوةَ اِلاَّ بِقِرَأةِ اُمِّ الْقُرْاٰنِ۔ ❷

''کہ آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث متواتر ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر کسی کی نماز نہیں ہوتی۔''

۶۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَدْرَكَ الْاِمَامَ فِي الرُّكُوْعِ فَلْيَرْكَعْ مَعَهٗ وَلْيُعِدِ الرَّكْعَةَ . (جزء القراة ص)

''جناب ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے امام کو رکوع میں پایا وہ اس کے ساتھ رکعت ادا کرے اور اس رکعت کو لوٹائے۔''

۷۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَمَرَنِيْ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اُنَادِيَ اَنْ لاَّ صَلٰوةَ اِلاَّ بِقِرَأةِ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَمَا زَادَ . ❸

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے حکم کے مطابق میں نے منادی کر دی کہ سورۃ فاتحہ اور مزید قراءت کے سوا نماز بالکل نہیں ہوتی۔''

۸۔ اَخْبَرَنَا اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ الْحَافِظُ اَخْبَرَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اِسْحَاقَ اَخْبَرَنَا اَبُوْ عَمْرٍو الْمُسْتَمْلِيُّ اَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَّاَخْبَرَنَا اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ حَدَّثَنِيْ اَبُو الطَّيِّبِ الْكُرَابِيْسِيُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا شَرِيْكٌ عَنْ اَشْعَثَ بْنِ سُلَيْمٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زِيَادٍ الْاَسَدِيِّ قَالَ صَلَّيْتُ اِلٰى جَنْبِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ خَلْفَ الْاِمَامِ فَسَمِعْتُهٗ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ . ❹

''کہ عبداللہ بن زیاد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پہلو میں امام کے پیچھے نماز پڑھی تو میں نے سنا کہ آپ (عبداللہ بن مسعودؓ) ظہر اور عصر کی نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھ رہے تھے۔''

بہرحال مذکورہ احادیث صحیحہ، صریحہ، متصل، غیر معلل ولا شاذہ کے مطابق ہمارے نزدیک یہی زیادہ صحیح ہے کہ امام،

---

❶ جزء القرأة بخاری ص ۸۔
❷ جزء القرأة بخاری ص ٤۔
❸ جزء القراۃ ص ۸۔
❹ کتاب القرأۃ للبیھقی ص ٧٦، حدیث ١٧٢۔

مقتدی اور منفرد کی کوئی نماز بھی: خواہ مقامی ہو یا مسافر، نماز نفلی ہو یا فرضی، بغیر سورۂ فاتحہ پڑھنے کے ہرگز صحیح نہیں ہوگی۔ اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ مدرک رکوع کی رکعت بھی صحیح نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ہر نماز کی رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ ہمارے نزدیک یہی قول اسلم واحوط ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَ عِلْمُهٗ اَتَمُّ وَحُكْمُهٗ اَحْكَمُ ۔

بہرحال میرے بھائی، نئے اور پرانے فیشن کی پھبتی مناسب نہیں ہے۔ اگرچہ مدرک رکوع کے متعلق پرانا اختلاف چلا آرہا ہے اور دونوں گروہ اپنے اپنے دلائل بھی رکھتے ہیں، حتیٰ کہ امام شوکانیؒ نے اپنے رسالہ فتح الربانی میں مدرک رکوع کی رکعت کو صحیح تسلیم کر لیا ہے۔ مگر اس فقیر پر تقصیر کے نزدیک ازروئے مذکورہ دلائل حدیثیہ کے مدرک رکوع کی رکعت نہیں ہوتی۔ اور اس کو یہ رکعت دوبارہ پڑھنی پڑے گی۔ کیونکہ قیام اور قراءت سورۂ فاتحہ چھوٹ چکے ہیں اور یہ دونوں (قیام و سورۃ فاتحہ) فرض اور رکن ہیں اور فرض و رکن کی ادائیگی کے بغیر رکعت نہیں ہوگی، رہا آپ کا یہ خدشہ کہ اگر مدرک رکوع کی رکعت کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر صبح کی نماز میں ۳ رکوع اور ظہر و عصر و عشاء کی نماز میں ۵ رکوع ہو جائیں گے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اپنے طور پر تعداد رکوع میں اضافہ یقیناً ناجائز ہے۔ تاہم اگر امام کی اقتدا میں ایسا ہو جائے تو پھر اس میں کوئی مضائقہ اور حرج نہیں ہے۔ کیونکہ امام کی اقتداء ضروری ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل حدیث اسی پر دلالت کر رہی ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ . ❶

کہ امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔

عون المعبود شرح ابی داؤد کے مطابق خود آنحضرت ﷺ کو بھی ایک دفعہ عبدالرحمٰن بن عوف کی اقتدا میں صبح کی نماز میں تین رکوع کرنے پڑے تھے اور حدیث یہ ہے۔

عَنْ زُرَارَةَ بْنِ اَوْفٰى اَنَّ الْمُغِيْرَةَ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ تَخَلَّفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرَ هٰذِهِ الْقِصَّةَ قَالَ فَاَتَيْنَا النَّاسُ وَ عَبْدُالرَّحْمَانِ بْنُ عَوْفٍ يُصَلِّيْ بِهِمُ الصُّبْحَ فَلَمَّا رَاَى النَّبِيَّ ﷺ اَرَادَ اَنْ يَّتَاَخَّرَ اِلَيْهِ اَنْ يَمْضِيَ قَالَ فَصَلَّيْتُ اَنَا وَالنَّبِيُّ ﷺ خَلْفَهٗ رَكْعَةً فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَصَلَّى الرَّكْعَةَ الَّتِيْ سُبِقَ وَلَمْ يَزِدْ عَلَيْهَا شَيْئًا . ❷

زرارہ بن اوفیٰ سے روایت ہے کہ مغیرہ بن شعبہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ صبح کی نماز سے لیٹ ہو گئے تو عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جماعت کرائی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے ہیں تو انہوں نے پیچھے ہٹنا چاہا۔ لیکن آپ نے اشارہ سے انہیں نماز کو شروع رکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مغیرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے اور آنحضرت ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کے پیچھے نماز ادا کی۔ جب عبدالرحمٰنؓ نے سلام پھیرا تو ہم نے ایک رکعت اٹھ کر ادا کی۔

---

❶ عون المعبود ص ۲۳۵، باب الامام یصلی من قُعُوْدٍ، موطا ص ۱۱۷، ۱۱۸، باب صلوۃ الامام وھو جالس۔

❷ عون المعبود ص ۵۸ ج ۱ باب مسح علی الخفین

اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ آپ نے امام کی اقتدا میں صبح کی نماز میں دو تشہد پڑھے حالانکہ اس میں تشہد صرف ایک ہوتا ہے۔

تو یہی حکم اس جبری رکوع کا سمجھ لینا چاہیے جو امام کی اقتدا میں بعض دفعہ مغرب کے چار رکوع اور چار تشہد بن جاتے ہیں مگر یہ سب اس لئے جائز ہیں کہ امام کی اقتدا فرض ہے، بہرحال ہمارے نزدیک مدرک رکوع کی رکعت نہیں ہوتی۔ اور امام کی اقتدا میں اگر نماز کے ارکان میں اضافہ ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم

پہلی جماعت کے بعد دوسری جماعت جائز

سوال: ایک مسجد میں جماعت اپنے وقت پر کھڑی ہو جاتی ہے جب وہ جماعت نماز سے فارغ ہوتی ہے۔ اس کے بعد چند اور آدمی مسجد میں تشریف لاتے ہیں۔ جنہوں نے نماز با جماعت نہیں پڑھی، اب وہ دوبارہ جماعت کرانا چاہتے ہیں۔ اس میں اقامت ضروری ہے یا کہ نہیں۔ اگر ضروری ہے تو وضاحت فرمائیں؟

(سائل: مزمل رشید مہووالی ضلع شیخوپورہ)

جواب: اگرچہ دوبارہ جماعت کے لئے اقامت ضروری تو نہیں، تاہم اس کے مستحب ہونے میں قطعاً شبہ نہیں۔ جیسا کہ صحیح بخاری کہا گیا ہے باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ میں حضرت انس کا عمل یوں نقل کرتے ہیں۔

وَجَاءَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ اِلٰى مَسْجِدٍ قَدْ صُلِّيَ فِيْهِ فَاَذَّنَ وَ اَقَامَ و صَلّٰى جَمَاعَةً. [1]

کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ مسجد میں آئے تو جماعت ہو چکی تھی۔

تو انہوں نے اذان دی اور اقامت کہی اور جماعت کرائی۔ اس اثر سے ثابت ہوا کہ دوبارہ جماعت کرانے کے لئے بلاشبہ دوبارہ تکبیر (اقامت) کہی جا سکتی ہے، منع کی کوئی دلیل اس وقت علم میں نہیں غرضیکہ دوبارہ جماعت کے لئے حضرت انس کے فعل کے مطابق تکبیر پڑھنا بہتر ہے۔ ضروری شرط نہیں۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب



[1] صحیح البخاری ج ۱ ص ۸۹.

امامت کا بیان

مستقل امام کیسا ہونا چاہیے؟

سوال: علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ اہل حدیث مسجد کا امام کیسا ہونا چاہیے؟ کیا حدیث میں امام الصلوٰۃ کے لیے کوئی اوصاف مذکور ہیں؟ اگر ہیں تو کیا ہیں؟ صَلُّوْا خَلْفَ كُلِّ بِرٍّ وَّفَاجِرٍ کا کیا مطلب ہے؟ وَاِمَامُ قَوْمٍ وَهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ کی کیا تفسیر ہے؟ اگر کسی مسجد کا امام جماعت میں باعث افتراق ہو اور وہ اپنے مفاد کے لیے اسے مزید ہوا دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ہم نے علماء سے سنا ہے کہ آنحضرت نے ایک امام کو صرف اس لیے بدل دیا تھا کہ اس نے قبلے کی طرف منہ کر کے تھوکا تھا، اگر ایسی کوئی حدیث ہے تو اسی کی روشنی میں ایسے امام کو بدلا جا سکتا ہے جس کی وجہ سے مسجد کے نمازی دو حصوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ ایک اس کے حق میں، ایک اس کے خلاف۔ مخالفین کا الزام ہے کہ وہ امام جھوٹ بولتا ہے اور چغل خوری اس کی عادت ہے۔ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا صحیح ہے؟ اگر مسجد کی انتظامیہ صاحب اختیار ہو تو وہ کس طرح کا امام منتخب کرے؟ (سائل: عبدالرحمٰن لاہور)

جواب: اس سلسلے کی چند حدیثیں ذیل میں درج ہیں جن سے مسئولہ مسئلے پر روشنی پڑتی ہے:

۱۔ عَنْ أَبِىْ مَسْعُوْدٍ وَعُقْبَةَ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ فَإِنْ كَانُوْا فِى الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ كَانُوْا فِى السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَإِنْ كَانُوْا فِى الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِنًّا وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِىْ سُلْطَانِهٖ وَلَا يَقْعُدُ عَلٰى تَكْرِمَتِهٖ إِلَّا بِإِذْنِ أَهْلِهٖ۔ ❶

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قرآن مجید کا زیادہ ماہر ہو وہ امامت کرائے، اگر قرآن میں برابر ہوں تو جو حدیث میں زیادہ ماہر ہو، اگر حدیث میں بھی برابر ہوں تو جس نے پہلے ہجرت کی ہو، اگر ہجرت میں بھی برابر ہوں تو جو عمر میں بڑا ہو، اور جہاں کسی کے اختیارات ہوں وہاں دوسرا امامت نہ کرائے اور نہ اس کی عزت کی جگہ میں بیٹھے مگر اس کی اجازت سے۔"

۲۔ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَؤُمَّنَّ إِمْرَأَةٌ رَجُلًا وَلَا أَعْرَابِيٌّ مُهَاجِرًا وَّلَا يَؤُمَّنَّ فَاجِرٌ مُؤْمِنًا إِلَّا أَنْ يَقْهَرَهٗ بِسُلْطَانٍ يَخَافُ سَيْفَهٗ أَوْ سَوْطَهٗ۔ ❷

❶ رواہ مسند احمد بن حنبل ج۴، ص ۱۱۸، و مسلم نیل الاوطار: ص ۱۷۸ ج ۳ و مشکوۃ، ص ۱۰۰۔

❷ رواہ ابن ماجہ: کذافی سبل السلام: ص ۲۸ ج ۲۔

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت مرد کی امامت نہ کرائے نہ اعرابی مہاجر کی اور نہ فاجر و فاسق مومن کی مگر یہ کہ بزور طاقت امام بن جائے اور مومن (نیک) اس کی تلوار اور چابک سے ڈرتا ہو تو ایسی مجبوری میں مومن کا فاجر کی اقتدا میں نماز پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔''

۳۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِجْعَلُوْا أَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ فَإِنَّهُمْ وَفْدُكُمْ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ رَبِّكُمْ. ❶

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے امام بہتر لوگوں کو بنایا کرو۔ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان تمہارے نمائندے ہیں۔''

۴۔ وَقَدْ أَخْرَجَ الْحَاكِمُ فِيْ تَرْجَمَةِ مَرْثَدِ الْغَنَوِيِّ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ سَرَّكُمْ أَنْ تُقْبَلَ صَلَاتُكُمْ فَلْيَؤُمَّكُمْ خِيَارُكُمْ فَإِنَّهُمْ وَفْدُكُمْ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ رَبِّكُمْ۔ ❶

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری نمازیں قبول ہوں تو تمہارے امام بہترین لوگ ہونے چاہئیں کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان ترجمان ہیں۔''

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ امام وہ شخص ہونا چاہیے جو کتاب وسنت کا زیادہ ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ متقی اور پرہیزگار بھی ہو۔ فاجر و فاسق (جھوٹے، چغل خور اور کبائر کے مرتکب) کو پیش امام مقرر کرنا قطعاً جائز نہیں۔ ورنہ ایسے امام کو مقرر کرنے والے بھی سخت گناہ گار اور مجرم قرار پائیں گے۔ ایسے امام کو مستقل امامت سے الگ کرنا ضروری ہے تاکہ امامت کا منصب رفیع داغدار نہ ہو۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے قبلہ کی طرف تھوکنے والے امام کو امامت سے برطرف کر دیا تھا، جیسا کہ سنن ابوداود بَابَ كَرَاهِيَةِ الْبُزَاقِ فِي الْمَسْجِدِ میں حدیث ہے۔ نیز دیکھئے عون المعبود ج ۱ص ۱۸۱۔

تھوکنے والے واقعے سے معلوم ہوا کہ امامت جیسا رفیع منصب اتنا نازک ہے کہ قبلہ کی طرف تھوکنے والا آدمی اس کے لائق نہیں رہتا۔ جب کہ معلوم ہے کہ کذب بیانی، غیبت خوری اور افتراق بین المصلین جیسے کبائر کے مقابلے میں قبلے کی طرف تھوکنے کا گناہ بہرحال ایک چھوٹا گناہ ہے۔ لہٰذا جھوٹ بولنے والا، غیبت خور اور نمازیوں میں تفریق ڈالنے والا شخص امامت کے مقدس منصب کا قطعاً اہل نہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ ایسے امام کی اپنی نماز بھی قبول نہیں ہوتی جس کی امامت کو کسی شرعی قباحت کی وجہ سے اس کے مقتدی ناپسند کرتے ہوں۔ چنانچہ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں ہے۔:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ ثَلَاثَةٌ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُمْ صَلَاةً مَنْ تَقَدَّمَ قَوْمًا وَهُمْ لَهُ كَارِهُوْنَ وَرَجُلٌ أَتَى الصَّلَاةَ دِبَارًا وَالدِّبَارُ أَنْ يَأْتِيَهَا بَعْدَ أَنْ تَفُوْتَهُ وَ رَجُلٌ اِعْتَبَدَ مُحَرَّرًا. ❷

---

❶ رواه الدارقطني (نيل الاوطار: باب ماجاء في امامة الفاسق ص ١٨٤ ج). ❶ نيل الاوطار: ص ١٨٦ ج ٣.

❷ عون المعبود: باب الرجل ليوم القوم وهم له كارهون ص ٢٣١ ج ١ و ابن ماجه، ج١، ص ٦٨.

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تین آدمیوں کی نماز قبول نہیں کرتا ایک وہ شخص جو قوم کی امامت کرائے اور لوگ اس کی امامت کو پسند نہ کریں۔ دوسرا جو شخص جماعت سے فارغ ہونے کے بعد آئے۔ تیسرا جس نے کسی آزاد کو غلام بنالیا ہو۔''

اسی مضمون کی احادیث حضرت ابو امامہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔ نیل الاوطار میں ہے کہ ابو امامہ کی حدیث کو امام ترمذی اور امام نووی نے حسن کہا ہے اور ابن عباسؓ کی حدیث کو حافظ عراقیؒ نے حسن قرار دیا ہے، امام شوکانیؒ ان تینوں احادیث کے بارے میں رقم طراز ہیں:

وَ أَحَادِيْثُ الْبَابِ يُقَوِّيْ بَعْضُهَا بَعْضًا فَيَنْتَهِضُ لِلِاسْتِدْلَالِ بِهَا عَلٰى تَحْرِيْمِ أَنْ يَكُوْنَ الرَّجُلُ إِمَامًا لِقَوْمٍ يَكْرَهُوْنَهُ. ❶

کہ یہ احادیث مجموعی طور پر اس امر کی دلیل ہیں کہ ایسے شخص پر ان لوگوں کی امامت کرانا حرام ہے جو اس کی امامت کو اچھا نہ جانتے ہوں۔

مگر شرط یہ ہے کہ اس کی امامت کی کراہیت کی وجہ کوئی شرعی سبب ہو۔ ورنہ نہیں، جیسا کہ عون المعبود میں اس کی تصریح موجود ہے۔ عون (ص ۲۳۱ ج ۱) اور نیل الاوطار میں ہے:

فَأَمَّا الْكَرَاهَةُ لِغَيْرِ الدِّيْنِ فَلَا عِبْرَةَ بِهَا وَقَيَّدُوْهُ أَيْضاً بِأَنْ يَكُوْنَ الْكَارِهُوْنَ أَكْثَرَ الْمَأْمُوْمِيْنَ وَلَا إِعْتِبَارَ بِكَرَاهَةِ الْوَاحِدِ وَالْإِثْنَيْنِ وَالثَّلَاثَةِ إِذَا كَانَ الْمَأْمُوْنُوْنَ جَمْعًا كَثِيْرًا لَا إِذَا كَانُوْا اثْنَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً فَإِنَّ كَرَاهَتَهُمْ أَوْكَرَاهَةَ أَكْثَرِهِمْ مُعْتَبَرَةٌ. ❷

''اگر کسی امام کی امامت کو مکروہ جاننے کا سبب غیر دینی امر ہو تو اس کا اعتبار نہیں اور پھر یہ بھی شرط ہے کہ نمازیوں کی اکثریت اس کی امامت کو ناپسند کرتی ہو۔''

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام وہ شخص ہونا چاہیے جس میں یہ مذکورہ اوصاف موجود ہوں۔ اگر کوئی امام ان اوصاف سے عاری اور محروم ہو تو وہ اہل حدیث مسجد کا امام بننے کا اہل نہیں۔ سوال میں موجودہ پیش امام میں جن کمزوریوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر وہ واقعی اس میں پائی جاتی ہیں۔ یعنی وہ جھوٹ بولتا ہے اور غیبت کرتا ہے اور اس کی امامت کی وجہ سے مسجد کے نمازیوں میں اختلاف اور مخاصمت پیدا ہو چکی ہے تو پھر اس کو چاہیے کہ وہ مسجد کے روشن مستقبل اور اپنی عزت نفس کے لیے از خود امامت سے الگ ہو جائے۔ بصورت دیگر مسجد کے نمازیوں کو چاہیے کہ وہ احسن طریقہ سے اس امام کو امامت سے معزول کر دیں۔ ایسے امام کی حمایت بھی گناہ اور تعاون علی المعصیۃ والعدوان ہے۔ ہاں: اگر اس کے علیحدہ کرنے میں مزید فتنے و فساد اور مسجد کی بربادی کا خطرہ متوقع ہو تو پھر مناسب وقت کا انتظار کریں اور بادل نخواستہ بامر مجبوری اس کے پیچھے نماز پڑھتے رہیں۔ صَلُّوْا خَلْفَ كُلِّ بِرٍّ وَّ فَاجِرٍ کا بھی یہی مطلب ہے کہ بامر مجبوری فاسق و فاجر کو مستقل امام مقرر کرنا قطعاً جائز نہیں۔

❶ نیل الاوطار: ص ۲۰۱ ج ۳۔

❷ نیل الاوطار: ص ۲۰۱ ج ۳۔

چنانچہ امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَاعْلَمْ أَنَّ مَحَلَّ النِّزَاعِ إِنَّمَا هُوَ فِيْ صِحَّةِ الْجَمَاعَةِ خَلْفَ مَنْ لاَ عَدَالَةَ لَهُ وَأَمَّا إِنَّهَا مَكْرُوهَةٌ فَلاَ خِلاَفَ فِيْ ذٰلِكَ . ❶

''غیر عادل امام کا جماعت کرانا ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے اس کی اقتدا میں نماز پڑھنا بالاتفاق مکروہ ہے۔''

سوال: امام کے ساتھ وتر پڑھنے والا مقتدی اس نیت سے کہ میں وتر پچھلی رات پڑھوں گا تو کیا وہ دو نفل پڑھ کر سلام پھیر سکتا ہے؟ (ع،م غازی آباد لاہور)

جواب: ایسا ہرگز نہیں کرسکتا۔ اگر کرے گا تو سخت گناہ گار ہوگا، کیونکہ حدیث ((إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا .)) کے تحت امام کی اقتدا ضروری ہے۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب

کیا نابالغ لڑکا امامت کے فرائض سرانجام دے سکتا ہے؟

سوال: کیا نابالغ لڑکا امامت کے فرائض سرانجام دے سکتا ہے؟

جواب: جب بالغ مردوں میں کوئی شخص جماعت کرانے کا اہل نہ ہو اور نابالغ لڑکا صاحب تمیز موجود ہو تو ایسی صورت میں وہ نابالغ لڑکا جماعت کے فرائض سرانجام دے سکتا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری، ابوداؤد، نسائی، مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے جماعت کرانا ثابت ہے، حالانکہ وہ بخاری کی روایت کے مطابق چھ یا سات سال کے تھے اور ابوداؤد کی روایت کے مطابق وہ سات یا آٹھ برس کے تھے۔

عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارا قبیلہ ایک ایسے راستہ پر آباد تھا جہاں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا گزر ہوتا رہتا تھا۔ میں ان سے قرآن سیکھتا رہتا تھا، آخر میرے والد جب مسلمان ہو گئے اور انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات دن میں پانچ نمازیں پڑھنی ہیں۔ نماز کے وقت کوئی صاحب اذان پڑھے، تاہم جماعت وہ شخص کرائے جو دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ عالم ہو۔ میں چونکہ اپنے قبیلہ میں سب سے زیادہ قرآن پڑھا ہوا تھا۔ لہٰذا میری قوم نے مجھے اپنا پیش امام بنا لیا۔ چنانچہ میں آج تک ان کا امام چلا آ رہا ہوں۔ چونکہ میں سات سال کے لگ بھگ تھا۔ میرے گلے میں صرف ایک قمیض ہوتی تھی۔ جب میں سجدہ میں جاتا تو ننگا ہو جاتا تھا۔ تب میری قوم نے مجھے کپڑے بنا کر دیے۔ الفاظ یہ ہیں:

فَنَظَرُوْا فَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ أَكْثَرَ قُرْآنًا مِنِّيْ لِمَا كُنْتُ أَتَلَقّٰى مِنَ الرُّكْبَانِ فَقَدَّمُوْنِيْ بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَأَنَا ابْنُ سِتِّ سِنِيْنَ أَوْسَبْعِ سِنِيْنَ . ❷ قَالَ فِيْهِ كُنْتُ أَؤُمُّهُمْ وَأَنَا ابْنُ سَبْعِ سِنِيْنَ أَوْثَمَانِ سِنِيْنَ . ❸ وَلِأَحْمَدَ وَأَبِيْ دَاؤُدَ فَمَا شَهِدْتُ مَجْمَعاً مِنْ جَرَمٍ إِلاَّ كُنْتُ إِمَامَهُمْ إِلٰى يَوْمِ هٰذَا . ❹

❶ نيل الاوطار: ص ١٨٦ ج ٣.
❷ رواه البخاري والنسائي بنحوه.
❸ أبو داؤد.
❹ نيل الاوطار: باب ماجاء في امامة الصبي ص ١٨٧ ج ٣.

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ جب نابالغ لڑکا دوسرے بڑے افراد کے مقابلہ میں زیادہ عالم ہو اور پھر وہ صاحب تمیز بھی ہو تو بلاشبہ اس کی امامت جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

عورت کی امامت اور حکومت کا حکم

عورت امامت کی اہل ہے:

سوال: عورت کا جماعت کرانا درست ہے یا نہیں؟ عورت کو جماعت کے لیے رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا تھا یا نہیں؟ یہ جماعت کس مجبوری کے تحت کرائی گئی تھی؟ دوسرا مسئلہ عورت کی سربراہی کا ہے۔ آیا عورت سربراہ ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس کے لیے کوئی ٹھوس ثبوت تحریر کریں۔ (سائل: محمد علی الحدید بازار مغل مارکیٹ لاہور)

جواب: عورت عورتوں کی جماعت فرض اور نفلی دونوں میں نمازوں میں کرا سکتی ہے۔ مگر وہ مرد امام کی طرح آگے کھڑی ہو کر امامت نہیں کرا سکتی۔ بلکہ امامت کے وقت عورتوں کی صف میں کھڑی ہوگی اور اس کے جواز کا درج ذیل احادیث پیش خدمت ہیں:

۱۔ عَنْ أُمِّ وَرَقَةَ بِنْتِ نَوْفَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَاسْتَأْذَنَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَتَّخِذَ فِيْ دَارِهَا مُؤَذِّنًا فَأَذِنَ لَهَا . وَ فِيْ رِوَايَةٍ وَجَعَلَ لَهَا مُؤَذِّنًا يُؤَذِّنُ لَهَا وَأَمَرَهَا أَنْ تَؤُمَّ أَهْلَ دَارِهَا قَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ فَأَنَا رَأَيْتُ مُؤَذِّنَهَا شَيْخًا كَبِيْرًا . ❶

''حضرت ام ورقہ بنت نوفل ؓ حافظ قرآن تھی، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت مانگی کہ وہ اپنے گھر میں مؤذن رکھ لے تو آپ نے اس کو مؤذن رکھ لینے کی اجازت عنایت فرما دی اور دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے ایک مؤذن مقرر کر دیا جو اذان دیتا تھا اور آپ نے اس بی بی کو اپنے گھر والوں کی امامت کرانے کا حکم دیا، ان کا یہ مؤذن بوڑھا شخص تھا''

اس حدیث کے دو راوی ولید بن عبداللہ بن جمیع اور عبدالرحمان بن خلاد متکلم فیہ ہیں، مگر امام ابن حبان نے ان دونوں کو ثقہ راوی قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں ولید بن عبداللہ صحیح مسلم کا راوی ہے۔ علامہ عینی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

قُلْتُ ذَكَرَهُمَا ابْنُ حِبَّانَ فِي الثِّقَاتِ ، قَالَ الْعَيْنِيُّ فِيْ شَرْحِ الْهَدَايَةِ فَالْحَدِيْثُ إِذًا صَحِيْحٌ . ❷

۲۔ عَنْ رِيْطَةَ الْحَنَفِيَّةِ قَالَتْ أَمَّتْنَا عَائِشَةُ فَقَامَتْ بَيْنَهُنَّ فِي الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ . ❸

---

❶ أبو داؤد مع عون المعبود: باب أمامة النساء أبو داؤد مع عون المعبود ج ١ ص ٢٣٠.

❷ التعليق المغني: ج ١ ص ٤٠٤.

❸ الدار قطني: باب صلوة النساء جماعة و موقف إمامهن ج ١ ص ٤٠٣.

''بی بی ریطہ حنفیہ کہتی ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہم کو فرض نماز پڑھائی اور ہمارے درمیان کھڑی ہوئی تھیں۔''

۳۔ مصنف عبدالرزاق میں یہ حدیث اس طرح ہے:

أَنَّ عَائِشَةَ أَمَّتْهُنَّ وَقَامَتْ بَيْنَهُنَّ فِي صَلَاةٍ مَّكْتُوبَةٍ .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کی امامت کرائی اور ان کے درمیان کھڑے ہو کر فرض نماز پڑھائی۔ وَقَالَ الْإِمَامُ شَمْسُ الْحَقِّ قَالَ النَّوَوِيُّ فِي الْخُلَاصَةِ سَنَدُهُ صَحِيحٌ .

۴۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ حدیث ان الفاظ میں ہے:

عَنْ عَطَاءٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تَؤُمُّ النِّسَاءَ تَقُومُ مَعَهُنَّ فِي الصَّفِّ . ●

''عطاء تابعی سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ عورتوں کی امامت کراتی تھیں اور صف کے اندر کھڑی ہوا کرتی تھی۔'' وَرَوَاهُ الْحَاكِمُ أَيْضًا مِنْ طَرِيقِ ابْنِ أَبِي يَعْلَى . ●

۴۔ عَنْ عَمَّارٍ الدَّهْنِيِّ عَنْ حَجِيرَةَ بِنْتِ حُصَيْنٍ قَالَتْ أَمَّتْنَا أُمُّ سَلَمَةَ فِي صَلَاةِ الْعَصْرِ فَقَامَتْ بَيْنَنَا۔ حَدِيثٌ رَوَاهُ حَجَّاجُ بْنُ أَرْطَاةَ عَنْ قَتَادَةَ فَوَهِمَ فِيهِ وَ خَالَفَهُ الْحُفَّاظُ شُعْبَةُ وَ سَعِيدٌ وَ غَيْرُهُمَا . ●

''حجیرہ بنت حصین کہتی ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ہم عورتوں کو عصر کی نماز پڑھائی، پس کھڑی ہوئیں ہمارے درمیان۔'' حجاج بن ارطاۃ راوی کی وجہ سے یہ حدیث ضعیف ہے مگر امام ابن حجر ارقام فرماتے ہیں:

أَخْرَجَهُ الشَّافِعِيُّ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَبْدُالرَّزَّاقِ ثَلَاثَتُهُمْ عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ عَنْ عَمَّارٍ الدَّهْنِيِّ عَنِ امْرَأَةٍ مِّنْ قَوْمِهِ يُقَالُ لَهَا حَجِيرَةُ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّهَا أَمَّتْهُنَّ فَقَامَتْ وَسْطًا وَ لَفْظُ عَبْدِالرَّزَّاقِ أَمَّتْنَا أُمُّ سَلَمَةَ فِي صَلَاةِ الْعَصْرِ فَقَامَتْ بَيْنَنَا۔ (تلخيص الحبير: ج ٢ ص ٤٢) وَقَالَ النَّوَوِيُّ سَنَدُهُ صَحِيحٌ وَأَخْرَجَ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مسهر عَنْ سَعِيدٍ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أُمِّ الْحَسَنِ أَنَّهَا رَأَتْ أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَؤُمُّ النِّسَاءَ فَتَقُومُ مَعَهُنَّ فِي صَفِّهِنَّ . ●

''بی بی ام الحسن کہتی ہیں کہ میں نے ام سلمہ کو عورتوں کی امامت کراتے ہوئے دیکھا ہے، وہ عورتوں کی صف میں کھڑی ہو کر امامت کراتی تھیں۔''

۷- أَخْرَجَ عَبْدُالرَّزَّاقِ فِي مُصَنَّفِهِ أَخْبَرَنَا إِبْرَاهِيمُ ابْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ دَاوُدَ ابْنِ الْحُصَيْنِ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تَؤُمُّ الْمَرْأَةُ النِّسَاءَ تَقُومُ وَ سْطَهُنَّ . ●

---

❶ التعليق المغني ج ١ ص ٤٠٥.
❷ تلخيص الحبير: ج ٢ ص ٤٢.
❸ الدارقطني ج ١ ص ٤٠٥.
❹ التعليق المغني: ج ١ ص ٤٠٥.
❺ التعليق المغني: ج ١ ص ٤٠٤.

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ عورت عورتوں کی امامت کرائے اور ان کے درمیان کھڑی ہوا کرے۔''

۸۔شراح حدیث کی فیصلہ کن آراء:

امام محمد بن اسماعیل الیمانی ارقام فرماتے ہیں: وَالْحَدِيْثُ (حَدِيْثُ أُمِّ وَرَقَةَ) دَلِيْلٌ عَلٰى صِحَّةِ إِمَامَةِ الْمَرْأَةِ أَهْلَ دَارِهَا وَإِنْ كَانَ فِيْهِمُ الرَّجُلُ. ❶

کہ ام ورقہ والی حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عورت اپنے گھر والوں کی امامت کراسکتی ہے، خواہ ان میں آدمی بھی ہو۔

عورت کی امامت جائز مگر حکمرانی ناجائز

۱۔ امام شمس الحق فیصلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثَبَتَ مِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ أَنَّ إِمَامَةَ النِّسَاءِ وَ جَمَاعَتَهُنَّ صَحِيْحَةٌ ثَابِتَةٌ مِّنْ أَمْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ ❷

''عورتوں کا آپس میں امامت کرنا اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق بالکل صحیح اور ثابت شدہ حقیقت ہے۔''

نیز اپنی دوسری کتاب میں ارقام فرماتے ہیں:

وَهٰذَا الرِّوَايَاتُ كُلُّهَا تَدُلُّ عَلَى اسْتِحْبَابِ إِمَامَةِ الْمَرْأَةِ لِلنِّسَاءِ فِي الْفَرَائِضِ وَالنَّوَافِلِ وَهٰذَا هُوَالْحَقُّ وَ بِهِ يَقُوْلُ الشَّافِعِيُّ وَالْاَوْزَاعِيُّ وَالثَّوْرِيُّ وَأَحْمَدُ وَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ وَ جَمَاعَةٌ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ. ❹

''یہ تمام حدیثیں دلیل ہیں کہ ایک عورت کا امام بن کر دوسری عورتوں کو فرضی اور نفلی نمازیں باجماعت پڑھانا مستحب امر ہے۔امام شافعی، امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، امام احمد، امام ابوحنیفہ اور علماء کی ایک جماعت کا یہی قول اور فتویٰ ہے۔

۳۔ امام عبدالجبار غزنوی کا فتویٰ: آپ ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں رقمطراز ہیں کہ مطلق امامت اور جماعت کرانا عورتوں کو منع نہیں۔عورتوں کے واسطے عورت کی امامت جائز ہے، مگر آگے کھڑی ہو کر نہ ہووے سب کے بیچ کھڑی ہووے۔ ❸

۴۔ السید محمد سابق مصری (محقق دور حاضر) إِسْتِحْبَابُ إِمَامَةِ الْمَرْأَةِ النِّسَاءِ کے تحت لکھتے ہیں کہ فرض نماز کے لیے کسی عورت کی امامت مستحب ہے کیونکہ حضرت عائشہ ؓ عورتوں کی صف میں کھڑی ہو کر ان کی امامت کرایا کرتی تھیں اور

---

❶ سبل السلام: ج ۲ ص ۳.
❷ عون المعبود: ج ۱ ص ۲۳۰.
❸ فتاوی علماء حدیث: ج ۲ ص ۱۸۷.
❹ التعليق المغني: ج ۱ ص ۴۰۵.

رسول اللہ ﷺ نے خود ام ورقہ کے لیے مؤذن مقرر کیا تھا اور اس کو اپنے گھر والوں کی امامت کا حکم دیا تھا۔(فقہ السنۃ ج۱ص ۲۰۰)

۵- مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے مطابق علامہ کمال ابن ہمام کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ عورت کی امامت جائز ہے۔ ❶

فیصلہ:

مندرجہ بالا سات روایات بحیثیت مجموعی اس مسئلہ میں مضبوط ترین دلیل اور فیصلہ کن ہیں کہ ایک عورت دوسری عورت کی صف کے درمیان کھڑی ہو کر فرائض اور نوافل میں ان کی امامت کرا سکتی ہے اور اس کی امامت بلاشبہ صحیح اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق عین سنت ہے۔ اس سنت کو کسی فرضی مجبوری پر محمول کرنا یا اس کو منسوخ خیال کرنا سراسر غلط اور سنت کے خلاف ہے۔ غرضیکہ یہ سنت کل بھی جاری تھی اور آج بھی جاری ہے اور جاری رہے گی۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

جواب نمبر۲۔ عورت اپنی فطرت اور جبلت کے لحاظ سے نہ تو یہ حکومت کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہے اور نہ حکومت اس کے بس کا روگ ہے۔ یہ تو بس بچوں کی تولید و تربیت اور گھر کی زیب و زینت کے لیے پیدا ہوئی ہے۔ اس کا حاکم بن جانا اس کی فطرت کے عین خلاف ہے۔ جو کسی ملک و قوم کے حق میں نیک فال نہیں ہو سکتا، چنانچہ جب ایرانیوں نے بوران دخت نامی عورت کو اپنا حکمران بنا لیا تھا تو آپ ﷺ نے ان کے اس فیصلہ پر تعجب کرتے ہوئے فرمایا:

((لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمْ إِمْرَأَةً)) ❷

''ہرگز نہیں فلاح پائے گی وہ قوم جس نے عورت کو اپنا حکمران بنا لیا۔''

تاریخ گواہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اس پیش گوئی کے تھوڑے عرصہ بعد کسریٰ کی صدیوں پرانی مستحکم ترین سلطنت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قصہ پارینہ بن کر رہ گئی۔ مگر عورت کی حکمرانی کی نفی سے نماز میں اس کی امامت کی نفی کرنا کسی طرح صحیح نہیں۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کیا عورت امامت کے فرائض انجام دے سکتی ہے؟

سوال: کیا عورت امامت کے فرائض سرانجام دے سکتی ہے؟ (سائلہ: عاصمہ محمد علی غازی آباد لاہور)

جواب: عورت اپنی اقتدا کرنے والی عورتوں کی صف کے وسط میں کھڑی ہو کر امامت کروا سکتی ہے۔ اس کے جواز میں قطعاً کوئی شبہ نہیں۔ جیسا کہ سنن ابی داؤد (باب امامۃ النساء) میں حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا کی امامت کا ذکر ہے۔

عَنْ أُمِّ وَرَقَةَ بِنْتِ نَوْفَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَكَانَتْ قَدْ قَرَأَتِ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَأْذَنَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَتَّخِذَ فِيْ دَارِهَا مُؤَذِّنًا لَهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَزُوْرُهَا فِيْ بَيْتِهَا وَجَعَلَ لَهَا مُؤَذِّنًا يُؤَذِّنُ لَهَا وَأَمَرَهَا تَؤُمُّ أَهْلَ دَارِهَا قَالَ عَبْدُالرَّحْمَانِ فَأَنَا رَأَيْتُ مُؤَذِّنَهَا

❶ بذل المجهود: ج ۱ ص ۳۳۱۔

❷ صحیح البخاری کتاب النبی ﷺ الی کسریٰ و قیصر ج ۲ ص ۶۳۷۔

شَیْخاً کَبِیْراً . ❶

''حضرت ام ورقہ ؓ سے روایت ہے کہ قرآن مجید پڑھ چکی تھیں۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ سے اپنے گھر ایک مؤذن مقرر رکھنے کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو مؤذن مقرر کرنے کی اجازت دے دی۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان (ام ورقہ) کے گھر اس کی ملاقات کے لیے تشریف لائے۔ اور آپ نے اس کے لیے ایک مؤذن مقرر فرمایا اور اسے اپنے گھر والوں کی امامت کرانے کا حکم دیا۔ اس حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن خلاء کہتے ہیں کہ میں نے اس کے مؤذن کو دیکھا ہے۔ وہ بوڑھا شخص تھا۔

الشیخ البانی اس حدیث کی تخریج میں لکھتے ہیں:

رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ الْجَارُوْدِ فِي الْمُنْتَقٰى وَالدَّارَقُطْنِيُّ والْحَاكِمُ وَالْبَيْهَقِيُّ (ج ۳ ص ۱۳۰) وَ أَحْمَدُ (ج ٦ ص ۴۰۵) وَ أَبُو الْقَاسِمِ الْحَامِضِ فِي الْمُنْتَقٰى (ج ۳) وَأَبُوْ عَلِيِّ الصَّوَافِ قُلْتُ وَ فِي إِسْنَادِهِ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنِ خَلاَّدٍ فَمَجْهُوْلُ الْحَالِ وَأَوْرَدَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي الثِّقَاتِ عَلٰى قَاعِدَتِهِ لٰكِنْ هُوَ مَقْرُوْنٌ بِلَيْلٰى فَأَحَدُهُمَا يُقَوِّيْ رِوَايَةَ الْاٰخَرِ لاَ سِيَمَا وَ الذَّهَبِيُّ يَقُوْلُ فِي النِّسْوَةِ الْمَجْهُوْلاَتِ وَمَا عَلِمْتُ فِي النِّسَاءِ مَنِ اتُّهِمت وَلاَ مَنْ تَرَكُوْهَا. وَالْحَقُّ أَنَّهُ حَسَنٌ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ . ❷

کہ اگرچہ اس کا ایک روای عبدالرحمٰن بن خلاد مجہول ہے: تاہم لیلیٰ بنت مالک تو ایسی مجہولہ راویہ نہیں، لہٰذا یہ دونوں ایک دوسرے کی روایت کو تقویت دے رہے ہیں، لہٰذا یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔

۲۔ عَنْ عَمَّارِ الدُّهَنِيِّ عَنِ امْرَأَةٍ مِّنْ قَوْمِهِ إِسْمُهَا حَجِيْرَةُ قَالَتْ أَمَّتْنَا أُمُّ سَلَمَةَ قَائِمَةً وَسْطَ النِّسَاءِ . ❸

''حضرت حجیرہ کہتی ہیں حضرت ام المؤمنین ام سلمہ ؓ نے عورتوں کے درمیان کھڑے ہوکر ہماری امامت کرائی۔''

۳۔ عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ تَؤُمُّ الْمَرْأَةُ النِّسَاءَ فِيْ صَلاَةِ رَمَضَانَ تَقُوْمُ مَعَهُنَّ فِيْ صَفِّهِنَّ . ❹

''امام عامر شعبی ؒ (جو بہت بڑے تابعی اور پانچ سو صحابہ سے ملاقات کا شرف رکھتے ہیں) فرماتے ہیں کہ عورت رمضان کی نماز کی امامت کرا سکتی ہے، مگر وہ عورتوں کی صف میں کھڑی ہو، مرد امام کی طرح آگے کھڑی نہ ہو۔''

۴۔ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمَانِ أَنَّهُ قَالَ لَا بَأْسَ أَنْ تَؤُمَّ الْمَرْأَةُ النِّسَاءَ تَقُوْمُ مَعَهُنَّ فِي الصَّفِّ . ❺

❶ سنن أبي داؤد: ج ۱ ص ۹٤، ۹٥.

❷ إرواء الغليل: ج ۲ ص ۲٥٥ و ۲٥٦.

❸ مصنف ابن أبي شيبة: باب المرأة تؤم النساء ج ۳ ص ۸۳.

❹ مصنف ابن أبي شيبه: ج ۳ ص ۸۳.

❺ مصنف إبن أبي شيبة صفحه مذكوره.

''عورت کی امامت میں کوئی حرج نہیں جب وہ عورتوں کی صف میں کھڑی ہو کر نماز پڑھائے۔''
مذکورہ بالا حدیث اور آثار صحابہ و تابعین سے ثابت ہوا کہ عورت کی امامت بلاشبہ جائز ہے، لیکن عورتوں کی صف کے درمیان کھڑی ہو۔ عَلَيْهِ الْفَتْوٰى وَ بِهٖ يُفْتٰى۔ واللہ اعلم بالصواب

ایک قاری کا دوبارہ جماعت کرانا کیسا ہے؟

سوال: ایک عالم دین کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کے بعد ایک قاری جو خود بھی اس عالم کی اقتدا میں نماز ادا کر چکے ہیں۔ غلط قراءت کی بنا پر انہوں نے فرمایا کہ ہماری نماز نہیں ہوئی۔ اور انہوں نے نماز کے لیے دوبارہ جماعت کرائی۔ کچھ لوگ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ ان کی دوبارہ نماز ادا کرنے کی کیا حیثیت ہے؟ اور جنہوں نے دوبارہ ادا نہیں کی ان کی نماز کی کیا حیثیت ہو گی؟ (سائل: حافظ محمد اسمٰعیل نیو ملتان مشتاق کالونی ملتان شہر)

جواب:

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ نَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَ فِيْنَا الْأَعْرَابِيُّ وَالْعَجَمِيُّ فَقَالَ اِقْرَؤُا فَكُلٌّ حَسَنٌ وَ سَيَجِيْئُ اَقْوَامٌ يُقِيْمُوْنَهٗ كَمَا يُقَامُ الْقِدْحُ يَتَعَجَّلُوْنَهٗ وَلَا يَتَاَجَّلُوْنَهٗ۔
رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَسَكَتَ عَلَيْهِ اَبُوْدَاؤُدَ فَهُوَ صَالِحٌ عِنْدَهٗ وَأَخْرَجَهٗ اَيْضاً أَحْمَدُ وَابْنُ النَّجَّارِ وَ فِي الْبَابِ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ عِنْدَ أَحْمَدَ وَأَبِيْ دَاؤُدَ وَ ابْنِ حِبَّانَ وَ الطَّبْرَانِيِّ فِي الْكَبِيْرِ وَالْبَيْهَقِيِّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَ سَعِيْدِ بْنِ مَنْصُوْرٍ فِيْ سُنَنِهٖ وَ عَبْدِ بْنِ حُمَيْدٍ وَّ عَنْ اَنَسٍ عِنْدَ أَحْمَدَ وَ تَعَدُّدُ الطُّرُقِ يَشُدُّ بَعْضُهَا بَعْضاً۔ ❶

''حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم اس وقت قرآن پڑھ رہے تھے، ہم میں کچھ گنوار اور عجمی لوگ بھی تھے، آپ ہمارا قرآن سنتے رہے، پھر فرمایا پڑھو پڑھو، تم سب ٹھیک پڑھ رہے ہو۔ عنقریب ایک ایسی قوم آئے گی جو اس قرآن کو اس طرح سیدھا کرے گی جیسے تیر سیدھا کیا جاتا ہے۔ وہ اس کا معاوضہ دنیا ہی میں وصول کریں گے اور آخرت کے ثواب کو نظر انداز کر دیں گے۔'' تعدد طرق کی وجہ سے یہ حدیث قوی ہے۔

اس قوی حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کو صرف عربی لب و لہجہ میں پڑھنا ضروری نہیں۔ بلکہ جس طرح بھی کوئی پڑھ سکے پڑھے۔ قرآن مجید کے نزول کا اصل مقصد نصیحت اور عبرت حاصل کرنا ہے نہ کہ صرف عربی لہجہ اور تجوید کی پابندی

❶ تنقیح الرواۃ: ج ۲ ص ٦١ و مشکوۃ ص ١٩١۔

کے ساتھ ادائیگی۔ اگر کوئی شخص عجمی انداز میں یا پھر آج کل مجودین کی اصطلاح میں مجہول قراءت میں قرآن مجید پڑھ رہا ہو اور خشیت الٰہی اس کے روئیں، روئیں سے ظاہر ہو تو وہ بھی اس ڈاڑھی تراشنے والے قاری سے ہزار درجے بہتر ہے۔ جو قرآن تو بڑا اچھے لہجہ میں پڑھے لیکن اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور سنت کی محبت نہ ہو اور ظاہر ہے کہ دیہاتی اور عجمی لوگ قرآن مجید کو عربی لب ولہجہ میں نہیں پڑھ سکتے۔ بایں اس حقیقت کو جانتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے سب کی قراءت اور تلاوت پر فکل حسن فرما کر مہر تصویب ثبت فرما دی۔ اگرچہ تلاوت کے وقت مخارج حروف اور ان کی صفات کا خیال رکھنا ایک حد تک ضروری ہے تاہم تجوید میں ایسا تکلف جس سے آنکھ، ناک، کان ٹیڑھا ہو جائے اور گردن کی رگیں پھول جائیں بدعت ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی حالت سے محفوظ رکھے۔ آمین

وَقَالَ الْعَلَّامَةُ السَّيِّدُ اَحْمَدُ حَسَنٌ الْمُحَدِّثُ الدِّهْلَوِيُّ قَوْلُهٗ وَيُقِيْمُوْنَهٗ اَيْ يُصْلِحُوْنَ اَلْفَاظَهٗ وَ كَلِمَاتِهٖ وَيَتَكَلَّفُوْنَ مُرَاعَاةَ مَخَارِجِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَ فِي الْحَدِيْثِ رَفْعُ الْحَرَجِ وَبِنَاءُ الْأَمْرِ عَلَى الْمُسَاهَلَةِ فِي الظَّاهِرِ وَ تَحْرِيْرُ الْحَسْبَةِ وَالْإِخْلَاصُ فِي الْعَمَلِ وَ التَّفَكُّرُ فِيْ مَعَانِي الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْصُ فِيْ عَجَائِبِ أَمْرِهِمْ۔ قَالَهُ الطِّيْبِيُّ . ❶

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بعد میں ایک ایسی قوم آئے گی کہ ان کا سارا زور الفاظ اور کلمات کی درستگی پر صرف ہوگا۔ حروف کے مخارج اور ان کی صفات پر خوب تکلف کریں گے۔" اس حدیث کے ظاہر کے مطابق تلاوت قرآن کے وقت عربی لب ولہجہ کی رعایت ضروری ہے اور نہ ہی مروجہ فن تجوید کی پابندی ضروری قرار دی گئی ہے بلکہ تلاوت قرآن میں نیک نیتی، اخلاص اور قرآن کے معانی اور اس کے عجائب پر غور وفکر ضروری ہے، تاکہ قرآن مجید کے نزول کا اصل مقصد نغموں اور تکلفات کی بھول بھلیوں میں نہ کھو جائے۔ خلاصہ یہ کہ سادہ قرآن پڑھنے والے امام کی اقتدا میں نماز پڑھنا جائز اور درست ہے۔

غلط قراءت دو طرح کی ہو سکتی ہے: ایک تو قاری کا لہجہ درست نہ ہو تاہم الفاظ میں تبدیلی سے بچنے کی مقدور بھر کوشش کرتا ہو تو ایسی قراءت شرعاً قابل قبول اور ایسے امام کی اقتدا میں نماز جائز ہے۔ دوسری یہ کہ الفاظ میں تبدیلی واقع ہو جائے اور وہ اس تبدیلی کی پروا نہ کرے۔ تو ایسے غیر محتاط امام کی اقتدا جائز نہیں۔ مگر ہماری دانست کے مطابق کوئی عالم دین جان بوجھ کر ایسی غلطی ہرگز نہیں کرتا۔ جس میں تحریف لفظی کا ارتکاب لازم آتا ہو۔ اور قرآن مجید پڑھنے والے عالم دین کو چھوڑ کر ڈاڑھی تراش قاری کی اقتدا میں نماز پڑھنا بوجوہ جائز نہیں۔

اول اس لیے کہ اگرچہ قرآن مجید کو درست پڑھنے میں کوتاہی کرنا گناہ ہے، مگر ڈاڑھی تراشنا بالخصوص قبضہ بھر سے چھوٹی ڈاڑھی رکھنا ایسا کبیرہ گناہ ہے جو مروجہ فن تجوید کے مطابق قرآن نہ پڑھنے کے گناہ کے مقابلہ میں کئی گنا بڑا گناہ ہے کہ وہ اپنے اس طرز عمل میں یہود ونصاریٰ کے ساتھ مشابہت کیے ہوئے ہے جب کہ یہود ونصاریٰ مخالفت کرنا شرعاً فرض عین ہے۔

ثانی اس لیے کہ کوئی عالم دین، خواہ کتنا بھی بے عمل اور غیر محتاط ہو جان بوجھ کر قرآن مجید غلط پڑھنے کی جسارت نہیں

❶ تنقیح الرواۃ: ج ۲، ص ۶۱۔

کرتا۔ اگر تلاوت میں اس سے غلطی ہو جائے تو جب اس کی غلطی پر آگاہ کیا جاتا ہے تو وہ اپنی اس غلطی کو درست کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے، یعنی وہ اپنی غلطی پر مصر نہیں ہوتا۔ اور معلوم ہے کہ غلطی پر اصرار نہ کرنے والا طغیان وعدوان کی ہلاکت خیز وادی میں داخل ہونے سے بچ جاتا ہے جب کہ ڈاڑھی تراشنا سنت سے سراسر عدوان اور طغیان ہے اور تجاوز عن حدود اللہ ہے جو کہ شرعاً ناقابل برداشت ہے۔ اور تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا کے علی الرغم حدود اللہ کو پھلانگنے والا امامت کا اہل ہرگز نہیں۔

ثالث اس لیے کہ اگرچہ قرآن مجید کو درست پڑھنا ضروری ہے۔ مگر صحت لفظی اور مروجہ فن تجوید کی نری پابندی اسلام کا شعار (امتیازی نشان) ہرگز نہیں۔ ورنہ رسول اللہ ﷺ فن تجوید وقراءت سے اناڑی، گنواروں اور عجمی لوگوں کی سادی قراءت کو فکل حسن فرما کر برداشت ہرگز نہ کرتے۔ بلکہ ان کو حکم دیتے کہ تم ایسے ایسے پڑھو۔ ملاحظہ ہو حضرت جابر کی مذکورہ بالا حدیث۔ جبکہ ڈاڑھی بلاشبہ شعار اسلام میں سے ہے۔ امامت بہت بڑا اہم اور نازک منصب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک پیش امام کو منصب امامت سے محض اس لیے ہٹا دیا تھا کہ اس نے قبلہ کی جانب تھوک دیا تھا۔ پس ایسی صورت حال میں داڑھی تراشنے والے قاری صاحب کی اقتدا میں نماز کیسے درست ہو سکتی ہے۔ ہاں، اگر وہ پہلے سے کسی جگہ امام مقرر ہو تو اس کی اقتدا میں اتفاقاً نماز پڑھنا درست ہے مگر اپنے اختیار سے از سر نو اس کو پیش امام مقرر کرنا ہرگز جائز نہیں۔ جزاك الله حرصا في الدين

جواب نمبر ۳: غلط قراءت کا بہانہ لے کر اس قاری صاحب کا نماز کے لیے دوبارہ جماعت کرانا فتنہ پردازی اور جماعت کے اتحاد اور شیرازہ میں خلل اندازی کے حکم میں ہے۔ جو کہ ہرگز جائز نہیں۔ بالفاظ دیگر مقرر شدہ پیش امام کو چیلنج کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ اس لیے ان قاری صاحب کو چاہیے کہ وہ اپنی بے محابا غلطی اور گستاخی پر معذرت کریں اور آئندہ ایسی غلطی کا اعادہ نہ کریں۔ ورنہ شرعاً فتنہ پرداز قرار پائیں گے۔ اور جن بعض لوگوں نے اس قاری صاحب کی اقتدا میں نماز کا اعادہ کیا ہے وہ بھی گناہ گار ہیں۔ وہ بھی اس عالم دین سے معافی مانگیں ورنہ وہ بھی مجرم ہیں وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ اور جن لوگوں نے اس قاری صاحب کی اقتدا میں نماز نہیں دہرائی۔ انہوں نے بلاشبہ درست کیا اور وہ اس فتنہ سے محفوظ رہے۔ اور ان کی نماز بھی ان شاء اللہ ادا ہو چکی۔ لَعَلَّ فِيهِ كِفَايَةٌ لِمَنْ لَهُ اَدْنٰى دِرَايَةٌ ۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب

الاستفتاء

سوال

۱- جو شخص قرآن عزیز غلط پڑھتا ہے شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟

۲- جاہل اور بے علم امام کے پیچھے عالم شخص کی نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

۳- ایک امام قرآن مجید کے اعراب وغیرہ کا کوئی خیال نہیں کرتا، اس کے متعلق حکم شرعی کیا ہے؟

جواب: اقول بالله التوفيق:

۱- اگر کوئی شخص جان بوجھ کر قرآن مجید غلط پڑھتا ہے تو ایسا آدمی سخت مجرم، گناہ گار اور واجب التعزیر ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ قرآن عزیز ایسے شخص پر لعنت کرتا ہے کیونکہ ایسا شخص تحریف لفظی کا مرتکب ہوتا ہے اور تحریف لفظی کفر کے مترادف

ہے۔ایسے آدمی کو توبہ کرنی چاہیے۔اگر جان بوجھ کر نہیں بلکہ کوئی اور وجہ ہے مثلاً لکنت وغیرہ، تو پھر ایسا شخص مجبور ہے۔ تاہم اسے بھی اپنی بساط تک صحیح پڑھنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ اگر وہ اس کوشش میں لگا رہے گا تو ان شاء اللہ اسے دوگنا ثواب ملے گا۔خدا توفیق ارزانی فرمائے۔حدیث صحیح میں ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَأْذَنِ اللّٰهُ لِنَبِيٍّ مَاأَذِنَ لِنَبِيٍّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْاٰنِ وَقَالَ صَاحِبٌ لَّهُ يُرِيْدُ يَجْهَرُبِهٖ. ❶

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اتنا متوجہ ہو کر کسی چیز کو نہیں سنتا جتنا قرآن کی طرف متوجہ ہو کر سنتا ہے۔ جب پیغمبر ﷺ اس کو خوش آوازی سے پڑھتے ہیں۔''

ابو سلمہ راوی حدیث کو ایک دوست عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کہتا تھا۔ اس حدیث میں یتغنی بالقرآن سے یہ مراد ہے کہ پکار کر اس کو پڑھے۔علمائے حدیث نے لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ کے تین مطلب بیان کئے ہیں:

۱۔ قرآن مجید کو ہی کافی سمجھنا چاہیے، دوسرے مذاہب کی کتب کا مطالعہ غیر ضروری سمجھنا چاہیے۔

۲۔ دوسری جماعت کا خیال ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو قرآن کو نعمت عظمیٰ سمجھ کر اس کی وجہ سے غنی اور بے پروا نہ رہے بلکہ دنیاداروں کی خوشامد کرے اور ان سے اپنی احتیاج بیان کرے، ایسا شخص مسلمان نہیں ہے۔

۳۔ اہل علم کی تیسری جماعت کا خیال ہے کہ جو شخص قرآن مجید کو خوش آوازی سے نہ پڑھے وہ گناہ گار ہے۔بہر حال اس حدیث کا جو بھی مفہوم ہو، یہ بات واضح ہے کہ قرآن مجید کو صحت کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے۔حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کے ذیل لکھتے ہیں:

أَمَّا تَحْسِيْنُ الصَّوْتِ وَتَقْدِيْمُ حُسْنِ الصَّوْتِ عَلٰى غَيْرِهٖ فَلَا نِزَاعَ فِيْ ذٰلِكَ. ❷

''قرآن مجید کو خوش آوازی سے پڑھنا اور خوش آواز قاری کو امام بنانے میں کوئی نزاع نہیں ہے''

وَأَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى إِسْتِحْبَابِ تَحْسِيْنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْاٰنِ مَا لَمْ يَخْرُجْ عَنْ حَدِّ الْقِرَاءَةِ بِالتَّمْطِيْطِ بِأَنْ خَرَجَ حَتّٰى زَادَحَرْفًا أَوْ أَخْفَاهُ حَرَامٌ. ❸

''قرآن مجید کو خوش آوازی سے پڑھنا بالاجماع مستحب ہے۔ بشرطیکہ وہ قراءت معروفہ کی حد سے متجاوز نہ ہو اور کوئی حرف چھوڑ دینا یا کسی حرف کا اضافہ کرنا حرام ہے۔

بہر حال خوش آوازی جبھی مستحب ہو گی جب وہ صحت الفاظ کے ساتھ ہو، ورنہ نہیں۔ واللہ اعلم

۲۔ جاہل امام کے پیچھے نماز:

جاہل کے پیچھے عالم کی نماز اگرچہ ہو جاتی ہے تاہم عالم آدمی کو چھوڑ کر جاہل کو امام بنانا جائز نہیں ہے۔کیونکہ امامت کے

❶ صحیح بخاری: ص ۷۵۱ ج ۲ باب من لم يتغن بالقرآن.
❷ فتح الباری: ص ٦٤ ج ۹ طبع مصر.
❸ فتح الباری ص ٦٤ ج ۹.

لیے ایسا آدمی ہونا چاہیے جو عالم اور ماہر قرآن ہو۔

عَنِ ابْنِ أَبِي مَسْعُودٍ عُقْبَةَ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَأُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ...... الحديث رواه أحمد ومسلم۔ قَالَ الْقَاضِي الشَّوْكَانِي فِي النَّيْلِ قَدِ اخْتُلِفَ فِي الْمُرَادِ مِنْ قَوْلِهِ يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَأُهُمْ فَقِيلَ الْمُرَادُ أَحْسَنُهُمْ قِرَاءَةً وَإِنْ كَانَ أَقَلَّهُمْ حِفْظاً وَ قِيلَ أَكْثَرُهُمْ حِفْظًا لِلْقُرْاٰنِ وَيَدُلُّ عَلٰى ذٰلِكَ مَارَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيرِ وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ عَنْ عَمْرِو بْنِ سَلَمَةَ أَنَّهُ قَالَ إِنْطَلَقْتُ مَعَ أَبِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِسْلَامِ قَوْمِهِ فَكَانَ فِيمَا أَوْصَانَا لِيَؤُمَّكُمْ أَكْثَرُكُمْ قُرْاٰنًا فَكُنْتُ أَكْثَرَهُمْ قُرْاٰنًا فَقَدَّمُونِي. ❶

یعنی قوم کی امامت اللہ کی کتاب (قرآن مجید) زیادہ پڑھنے والا کرے۔ امام محمد علی شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں لکھا ہے کہ محدثین نے أقرأهم (زیادہ پڑھنے والا) کے متعدد معنی لکھے ہیں بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جو بہترین طریقہ سے پڑھنے والا ہو۔ اگر چہ قرآن مجید کم ہی یاد ہو۔ اور بعض کے مطابق اس سے وہ شخص مراد ہے جو زیادہ قرآن کا حافظ ہو۔ اس مطلب کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو طبرانی کبیر میں ثقہ راویوں سے مروی ہے۔ عمرو بن سلمہ سے روایت ہے کہ جب میرے والد اپنی قوم کے اسلام لانے کی خبر لے کر جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں بھی اپنے والد کے ساتھ گیا تھا۔ آپ نے ہمیں کچھ وصیتیں فرمائی تھیں۔ منجملہ ایک وصیت یہ تھی کہ زیادہ قرآن والا امامت کرے۔ میں زیادہ قرآن جاننے والا تھا، انہوں نے مجھ کو امام بنا لیا۔

عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَؤُمَّنَّ إِمْرَأَةٌ رَجُلًا وَّلَا أَعْرَابِيٌّ مُّهَاجِرًا وَّلَا يَؤُمَّنَّ فَاجِرٌ مُّؤْمِناً إِلَّا أَنْ يَقْهَرَ بِسُلْطَانٍ يَخَافُ سَوْطَهٗ وَسَيْفَهٗ. ❷

''یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت مرد کی امامت نہ کرائے اور اعرابی مہاجر کی امامت نہ کرائے اور نہ فاجر مومن کی، مگر یہ کہ جبراً امام بن جائے، اپنے کوڑے اور تلوار کے بل بوتے پر، تو ایسی صورت میں مومن کو فاجر کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عالم کی موجودگی میں جاہل کو منصب امامت چھوڑ دینا چاہیے۔ کیونکہ وہ اس منصب کا اہل نہیں ہے۔

۳- اعراب کا خیال نہ کرنے والے کے متعلق شرعی حکم:

ایسا شخص سخت نافرمان ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ شد، مد اور اعراب کا خاص خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

❶ اخرجه ايضا البخاری، ابو داؤد و النسائی۔ ❷ رواه ابن ماجة۔

قَالَ قَتَادَةُ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ كَانَ يَمُدُّ مَدًّا . ❶

''جناب قتادہؒ تابعی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی قراءت کیسی ہوتی تھی؟ تو انہوں نے بتایا: مد کے ساتھ یعنی جس حرف کو لمبا کرنا چاہیے اس کو لمبا کرتے تھے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعراب، زبر، زیر، پیش، مد وغیرہ کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ ورنہ معانی میں التباس اور خلل کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا ایسا امام جو اعراب کا خیال نہیں رکھتا، ایسے امام کو امامت کے منصب سے رضا کارانہ سبکدوش ہو جانا چاہیے۔ بصورت دیگر اسے امامت سے ہٹا دینا چاہیے۔ تاہم اگر کسی فتنہ کا خطرہ ہو تو مجبوری ہے۔ والله اعلم ، علمه اتم و حمه احكم.

سوال: مسجد میں ایک امام مقرر ہے، پھر کیا کسی مقتدی کو یہ حق ہے کہ اس امام کی موجودگی میں کسی دوسرے آدمی کو مصلی پر نماز پڑھانے کے لیے کھڑا کر دے؟ جو شخص مصلی پر کھڑا ہے کیا اس کو نماز پڑھانے کا حق ہے یا نہیں؟ جواب حدیث کی رو سے دیں۔ جزاکم الله احسن الجزاء

جواب: صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ مقررہ پیش امام کی موجودگی میں نہ تو کسی مقتدی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی دوسرے غیر مقرر آدمی کو مصلی پر کھڑا کرے، اور نہ اس کھڑا کیے جانے والے شخص کو نماز پڑھانے کا شرعاً حق حاصل ہے۔ الا یہ کہ مقرر پیش امام بطیب خاطر اس کو نماز پڑھانے کی اجازت دے دے۔ چنانچہ تحفۃ الاحوذی باب من أحق بالإمامة میں حضرت ابو مسعود الانصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَأُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ فَإِنْ كَانُوْا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ كَانُوْا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَإِنْ كَانُوْا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَكْبَرُهُمْ سِنًّا وَلَا يَؤُمُّ الرَّجُلُ فِي سُلْطَانِهِ وَلَا يَجْلِسُ تَكْرِمَتَهُ فِي بَيْتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ . وَقَالَ أَبُوْ عِيْسٰى حَدِيْثُ أَبِي مَسْعُوْدٍ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ وَقَالَ الْإِمَامُ عَبْدُالرَّحْمَانِ الْمُبَارَكْفُوْرِيُّ وَأَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ . ❷

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امامت وہ کرائے جو قرآن مجید کا زیادہ عالم ہو، اگر سب علم میں برابر ہوں تو پھر وہ شخص امام بنے جس کو دوسروں کی نسبت حدیث کا زیادہ علم ہو۔ اگر سب نمازی علم حدیث میں بھی برابر کا ملکہ رکھتے ہوں تو پھر وہ شخص امام بنے جس نے سب سے پہلے ہجرت کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔ اگر وہ ہجرت میں بھی برابر ہوں تو پھر سب سے بڑی عمر کا آدمی امامت کے فرائض سر انجام دے اور کوئی آدمی دوسرے آدمی کی ولایت میں امام نہ بنے اور نہ اس کی مسند پر بیٹھنے کی کوشش کرے۔ ہاں، اگر وہ اجازت دے دے تو پھر یہ دونوں کام کر سکتا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حجاج بن یوسف کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے۔ اور ان سے یہ بھی مروی

---

❶ باب مد القراءة، ج۱، ص ۷۵٤.
❷ تحفة الاحوذي: ج ۱ ص ۱۹۷.

ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ سلطان کے علاوہ مسجد کا پیش امام دوسروں کے مقابلہ میں امامت کا زیادہ مستحق ہے۔

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُصَلِّي خَلْفَ الْحَجَّاجِ وَصَحَّ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ إِمَامَ الْمَسْجِدِ مُقَدَّمٌ عَلَى غَيْرِ السُّلْطَانِ . ❶

امام طیبیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وَتَحْرِيرُهُ أَنَّ الْجَمَاعَةَ شُرِعَتْ لِاجْتِمَاعِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الطَّاعَةِ وَتَأَلُّفِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ فَإِذَا أَمَّ الرَّجُلُ فِي سُلْطَانِهِ أَفْضَى ذٰلِكَ إِلَى تَوْهِينِ أَمْرِ السَّلْطَنَةِ وَخَلْعِ رِبْقَةِ الطَّاعَةِ وَكَذٰلِكَ إِذَا أَمَّهُ فِي قَوْمِهِ وَأَهْلِهِ أَدّٰى ذٰلِكَ إِلَى التَّبَاغُضِ وَالتَّقَاطُعِ وَظُهُورِ لِخِلَافِ الَّذِي شُرِّعَ لِدَفْعِهِ الْاِجْتِمَاعُ فَلَا يَتَقَدَّمُ الرَّجُلُ عَلَى ذِي السَّلْطَنَةِ لَا سِيَّمَا فِي الْأَعْيَادِ وَالْجَمَاعَةِ وَلَا عَلَى إِمَامِ الْحَيِّ وَرَبِّ الْبَيْتِ إِلَّا بِالْإِذْنِ . ❷

''جماعت کے ساتھ نماز کا حکم محض اس لیے دیا گیا ہے تا کہ مسلمانوں کے اندر سلطان کی طاعت اور باہمی الفت و محبت کا جذبہ پیدا ہو، لہٰذا جب سلطان وقت کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص امامت کرائے گا تو اس سے نہ صرف امور سلطنت میں خلل آئے گا لوگوں کا سلطان کی اطاعت سے بھی دستکش ہونے کا احتمال پیدا ہو جائے گا۔ اور اسی طرح جب کوئی شخص دوسرے کے گھر میں امامت کرائے گا تو ان میں باہمی بغض، قطع رحمی اور باہمی مخالفت پیدا ہونے کا خدشہ خارج از امکان نہیں، جب کہ جماعت کا نظام باہمی اتحاد و تنظیم کے لیے ہی مشروع کیا گیا ہے۔ لہٰذا کسی آدمی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ بادشاہ کی موجودگی میں عیدین اور فرائض کی جماعت کرائے اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ محلّہ کے پیش امام کی اجازت کے بغیر اس کی مسجد میں امامت کے فرائض سرانجام دے۔''

اس تفصیلی گفتگو سے معلوم ہوا کہ محلّہ کے پیش امام کی موجودگی میں سلطان وقت کے علاوہ کسی دوسرے آدمی کو امامت کرانے کا حق شرعاً حاصل نہیں، الا یہ کہ وہ پیش امام بطیب خاطر کسی دوسرے کو اجازت دے دے۔ مگر اجازت مصلّی پر کھڑے ہونے سے پہلے حاصل کرنی چاہیے، نہ کہ مصلّی پر براجمان ہو کر اجازت مانگی جائے۔ جو کہ جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

تنخواہ دار امام کی امامت کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص جو مسجد کا امام ہے وہ کہتا ہے کہ میں فلاں مسجد میں اس شرط پر نماز پڑھاؤں گا یا خطبہ دوں گا کہ اگر منہ مانگے دام دیے جائیں گے۔ مسجد کے مقتدی اسے ڈیڑھ ہزار روپے دیتے ہیں جب کہ امام صاحب کہتے ہیں کہ میں پانچ ہزار لوں گا بعد میں وہ ڈھائی ہزار پر رضامند ہوا۔ شرعاً کیا یہ جائز ہے کہ کوئی امام منہ مانگے دام لے اس بارے میں قرآن وسنت کی رو سے فتویٰ صادر فرمائیں۔ (سائل: حافظ محمد حیات)

---

❶ تحفۃ الاحوذی: ص ۱۹۷ جلد ۱۔ ❷ کذا فی تحفۃ الاحوذی، ص ۱۹۷ جلد ۱۔

جواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ واضح ہو کہ اگر چہ امامت اور خطابت کے منصب رفیع پر فائز ہونے والے امام اور خطیب کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ امامت اور خطابت کا نرخ اور قیمت مقرر کر کے منہ مانگے دام وصول کرے، یعنی تقویٰ یہ ہے کہ وہ فی سبیل اللہ اور متوکل علی اللہ کا پیکر بن کر امامت اور خطابت کے فرائض سرانجام دے اور مقتدی حضرات لوجہ اللہ اس کی مکمل کفالت اپنے ذمہ لیں۔ قرون سلف میں یہی طریقہ تبلیغ دین رہا اور اگر کسی مسجد کا بیت المال ہو تو پھر تنخواہ طے کر لینے میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد سعادت میں مؤذن اور ائمہ مساجد کے وظیفے مقرر کر دیے تھے تاکہ فکر معاش سے فارغ ہو کر اپنے فرائض سرانجام دے سکیں۔

علامہ شبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ہر شہر و قصبہ میں امام و مؤذن مقرر کئے اور بیت المال سے ان کی تنخواہ مقرر کیں۔ امام ابن جوزی سیرۃ العمر میں لکھتے ہیں:

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ كَانَا يَرْزُقَانِ الْمُؤَذِّنِيْنَ وَالْأَئِمَّةَ . (1)

حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے اس فیصلہ سے ثابت ہوا کہ مؤذن اور امام کی تنخواہ مقرر کر لینا بھی جائز ہے۔ چونکہ ان کا یہ عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں رواج پا چکا تھا اور کسی صحابہ نے ان کے اس فیصلہ پر اعتراض بھی نہیں کیا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اس پر صحابہ کا اجماع سکوتی ہو چکا ہے۔ جو تنخواہ تعین کرنے کے جواز کی قوی دلیل ہے۔ مزید برآں ((إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللّٰهِ)) (2) صحیح حدیث بھی اس کے جواز کی دلیل ہے۔ بہر حال تنخواہ مقرر کر کے امامت اور خطابت کرنا جائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

رہا یہ کہ وہ دو جگہ خطبہ دیتا ہے تو اس کا یہ کام خالص دنیوی کاروبار کی نوعیت کا حامل ہے جو یقیناً جائز نہیں کہ سلف صالحین یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین کے عہد میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ایسا حریص، لالچی اور دنیا دار شخص خطابت کے منصب رفیع کے لائق نہیں۔ حدیث میں ہے: ((اِجْعَلُوْا أَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ)) هذا ما عندي والله تعالىٰ أعلم بالصواب .

کیا مرد عورتوں کا امام ہو سکتا ہے؟

سوال: کیا مرد عورتوں کی امامت کرا سکتا ہے جب کہ ان عورتوں کے ساتھ ایک مرد بھی شریک اقتدا نہ ہو؟

(سائل: قاری محمد حنیف استاذ مدرسہ منور نکلسن روڈ لاہور)

جواب: جائز ہے۔ اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی بشرطیکہ عورتیں متعدد ہوں اور باپردہ سادے لباس میں ہوں۔ جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

جَاءَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ إِلَىٰ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّهُ كَانَ مِنِّي اللَّيْلَةَ شَيْءٌ يَعْنِي فِي رَمَضَانَ قَالَ وَمَا ذٰلِكَ يَا أُبَيُّ قَالَ نِسْوَةٌ فِي دَارِي قُلْنَ إِنَّا لَا نَقْرَأُ

(1) الفاروق: ص ۲۷۴.
(2) صحيح البخاري ج ۱، ص ۳۰۴.

الْقُرْاٰنَ فَنُصَلِّیْ بِصَلٰوتِكَ فَصَلَّيْتُ بِهِنَّ ثَمَانَ رَكْعَاتٍ وَّأَوْتَرْتُ فَكَانَتْ سُنَّةُ الرِّضَا وَ لَمْ يَقُلْ شَيْأً . ❶

''حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! آج رات میں نے (اپنی سمجھ سے) ایک کام کر دیا۔ یہ رمضان کے مہینہ کا واقعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا کہ کیا ہوا۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے گھر کی عورتوں نے کہا کہ ہم کو قرآن یاد نہیں ہے۔ لہٰذا تراویح کی نماز آپ گھر ہی پڑھے ہم بھی آپ کے پیچھے پڑھ لیں گی۔ چنانچہ میں نے ان کو آٹھ رکعتیں اور اس کے بعد وتر کے ساتھ نماز پڑھا دی۔ رسول اللہ ﷺ سن کر خاموش ہو گئے اور ایسا معلوم ہوا کہ آپ نے اس کو پسند فرمایا۔

اس تقریری حدیث (سنت) سے ثابت ہوا کہ مرد عورتوں کی امامت کرا سکتا ہے۔ کیونکہ اگر حضرت ابی رضی اللہ عنہ کا یہ فعل جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس پر ناپسندیدگی کا اظہار ضرور فرماتے۔ کیونکہ علمائے اصول کا قاعدہ ہے تَاْخِيْرُ الْبَيَانِ عِنْدَالْحَاجَةِ لَيْسَ بِجَائِزٍ . هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب

ذاتی عناصر سے متشرع امام کو امامت سے معزول کرنا جائز نہیں

سوال: دو چار آدمی اپنے ذاتی بغض اور کینہ کی وجہ سے کسی باشرع امام اور عالم دین کو امامت اور خطابت سے باز رکھنے کے لیے مسجد کی جماعت کے امیر کو پابند کریں۔ جب کہ جماعت کے تیس چالیس نمازی اس موصوف امام کی امامت اور خطابت پر متفق ہوں۔ ان کے علاوہ علاقہ کی جمعہ کی نماز پڑھنے والوں کی کثیر تعداد موصوف کو پسند کرتی ہو۔ امام موصوف جماعت کی مجلس عاملہ کا ممبر بھی ہے۔ اور ایک باقاعدہ اور مقامی نمازی بھی ہے۔ کتاب وسنت کی روشنی میں جماعت کے امیر، اور ان دو چار آدمیوں کے متعلق کیا حکم ہے۔ جب کہ امام موصوف کی موجودگی میں ایک ان پڑھ اور کتاب وسنت سے نابلد نمازی امامت کرائے؟

جواب: شرعی عذر کے بغیر ذاتی عداوت اور اختلاف کی بنا پر اس امام کو منصب امامت سے الگ کرنا جائز نہیں۔ ہاں، اگر کوئی شرعی عذر ہو تو پھر اس کو امامت سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کی علیحدگی کی صورت میں کسی فتنہ اور جماعتی اختلاف کا خطرہ نہ ہو۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب

جو شخص حقوق العباد کا تارک یا قاتل ہو تو؟

سوال نمبر۱: وہ شخص جو حقوق العباد کا قاتل یا تارک ہو اور اس کا بال بال قرض میں پھنسا ہو تو کیا وہ امامت کے قابل

❶ رواه أبو يعلى و الطبراني بنحوه في الأوسط قال الهيثمي في مجمع الزوائد ص ٧٤ ج ٢ أسناده حسن وأخرجه أيضا محمد بن نصر المروزي في قيام الليل۔ مرعاة المفاتيح ج ٢ ص ٢٣٠۔

ہے۔ جبکہ قرض بھی دنیاوی رنگ رلیوں کے لیے لیا گیا ہو؟

جواب: بشرط صحت سوال و بشرط صحت کاتب واضح ہو کہ حقوق العباد کی ادائیگی میں غفلت اور تساہل ایسا کبیرہ گنا ہے جو کہ شہید فی سبیل اللہ کو بھی معاف نہیں ہوتا جبکہ شریعت کی نگاہ میں امامت ایک مقدس اور واجب الاحترام عہدہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں نیک لوگوں کا امام بنا، اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((اِجْعَلُوْا اَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ فَإِنَّهُمْ وَفْدُكُمْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ رَبِّكُمْ)) ❶

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے میں اچھے لوگوں کو اپنا امام بنایا کرو کیونکہ وہ رب تعالی کے حضور تمہاری نمائندگی کرتے ہیں۔''

وَقَدْ أَخْرَجَ الْحَاكِمُ فِيْ تَرْجَمَةِ الْمَرْثَدِ الْغَنَوِيِّ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ سَرَّكُمْ أَنْ تُقْبَلَ صَلَاتُكُمْ فَلْيَؤُمَّكُمْ خِيَارُكُمْ فَإِنَّهُمْ وَفْدُكُمْ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ رَبِّكُمْ . ❷

''یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اپنی نمازوں کو مقبول دیکھنا پسند کرتے ہو تو تمہارے امام تمہارے نیک لوگ ہونے چاہئیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور وہ تمہارے نمائندے ہیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ حقوق العباد کے تارک امام کی اقتدا اچھی نہیں۔''

اور جہاں تک امام کے مقروض ہونے کا سوال ہے تو واضح رہے کہ مقروض آدمی تین حال سے خالی نہ ہوگا۔ اول یہ کہ مقروض نے یہ قرضہ ادائیگی کی نیت سے جائز ضرورت کے تحت لیا ہوگا۔

دوسرے یہ کہ ضرورت تو جائز ہو مگر بوقت وعدہ یا بوقت استطاعت واپس کرنے کی نیت نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ نہ ضرورت ہی جائز ہو اور نہ واپس کرنے کی نیت ہو اور تینوں کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر مقروض امام پہلی حالت میں ہو تو اس صورت میں نہ صرف قرضہ لینا جائز ہے بلکہ اس کی اقتدا میں نماز بھی بلاشبہ جائز ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ﴾ (۲ / ۲۸۲)

''مسلمانو! جب تم ایک مدت مقررہ تک قرضہ کا معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو۔''

اس آیت کریمہ سے جہاں قرض کا معاملہ جائز ٹھہرا وہاں اس معاملہ کو ضبط تحریر میں لانے کا حکم بھی معلوم ہوا۔ مگر یہ حکم امر ارشاد ہے۔ امر وجوب نہیں۔

چنانچہ تفسیر جمل میں ہے:

---

❶ اخرجه الدارقطني ص۱۹۷، والبيهقي ص ۹۰ ج۲، قال البيهقي اسناد ضعيف۔ مرعاة شرح المشكوة ص ۱۱۰ ج ۲.

❷ و يويد ذلك حديث ابن عباس المذكور في الباب نيل الاوطار بحواله فتاوىٰ نذيريه ص ۳۹٤ ج ۱ طبع دهلي۔

((اَمرارشادی تعلیم ترجع فائدتہ الی منافع الخلق فی دنیا ھم فلا یثاب علیہ المکلف الا ان قصد الامتثال۔ حاشیہ جلالین۔)) ❶

اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خود امام الاولین والآخرین ﷺ بسا اوقات مقروض ہو جاتے تھے۔ جب کہ امام بھی آپ ہی ہوتے تھے۔ سنن ابی داؤد میں ہے:

عَنْ مُحَارِبٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ كَانَ لِي عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَيْنٌ فَقَضَانِي وَزَادَنِي. ❷

''جناب محارب بن دثار کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابرؓ سے سنا وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ قرض واپس لینا تھا تو میرے مطالبہ پر آپ نے نہ صرف میرا قرض واپس کیا بلکہ مزید بھی عطا فرمایا۔''

لہٰذا ان دلائل سے معلوم ہوا کہ ہنگامی طور پر جائز ضرورت کے تحت پیش امام قرض لے سکتا ہے اور ایسے پیش امام کی اقتدا میں نماز تو جائز ہے۔ بشرطیکہ اس پیش امام میں مقروض ہونے کے علاوہ کوئی اور شرعی مانع موجود نہ ہو۔

اور اگر مقروض پیش امام دوسری حالت میں ہو تو وہ قرض واپس کرنے میں اینچ پیچ اور ٹال مٹول کرنے کی وجہ سے ظلم جیسے کبیرہ گناہ کا مرتکب ہونے کی وجہ سے امامت جیسے واجب الاحترام عہدہ کے قطعاً قابل نہیں، جیسا کہ صحیحین، سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَطَلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ. ❸

''جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرض کی ادائیگی میں بلا وجہ ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔''

علیٰ ہذا القیاس تیسری حالت کا مقروض پیش امام امامت کے قطعاً قابل نہیں۔ بالخصوص اس صورت میں جب کہ قرض نمود وریا اور نمائش کے لیے اٹھایا ہو۔ ایسے مسرف اور فضول خرچ شخص کو امام مقرر کرنا، شریعت کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ اور آیت

﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا﴾ (۱۷/۲۷)

''اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ کہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار (کی نعمتوں) کا کفران کرنے والا، یعنی ناشکرا ہے۔''

کے مطابق تو ایسی بری عادت ایک عامی مسلمان کو زیب نہیں دیتی چہ جائیکہ کہ پیش امام ایسی خلاف شرع حرکت کا مرتکب ہو۔ اعاذنا اللہ منہ، ایسا شخص اگر امامت کروا رہا ہو تو اگر جماعتی انتشار کا خطرہ نہ ہو اور بس بھی چلتا ہو تو اسے امامت سے فوراً سبکدوش کر دینا چاہیے۔ ہاں اگر اتفاقاً ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے تو نماز ادا ہو جائے گی۔ امام بنانا بہر حال ناجائز ہے۔

---

❶ نمبر ۱۳ ص ٤٤ سورہ بقرہ۔ ❷ سنن أبی داؤد ص ٤٧٥ ج ٣ باب في حسن القضاء۔

❸ سنن أبی داؤد: ص ٤٧٥ ج ٢، جامع ترمذی: ص ١٧٦ ج ١۔

قبر پرست اور بدعتی کی اقتدا جائز نہیں

سوال: نیز کیا بدعتی اور قبر پرست امام کے پیچھے نماز جائز ہے؟

جواب: قبر پرست اور بدعتی کو امام مقرر کرنا شرعاً جائز نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

((إِجْعَلُوْا اَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ فَإِنَّهُمْ وَفْدُكُمْ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ رَبِّكُمْ)) ❶

یعنی نیک اور صحیح عقیدہ والے کو امام بناؤ، کیونکہ وہ اللہ کے دربار میں تمہارا نمائندہ ہے اور مسلمان کا نمائندہ صحیح العقیدہ مسلمان ہی ہوسکتا ہے۔ بدعتی اور قبر پرست نہیں۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

نماز کے پیش امام کے متعلق دو فتوے؟

سوال: جھوٹے اور دھوکہ باز امام کی امامت کا حکم کیا ہے؟ (سائل: حافظ محمد حیات فروکہ ضلع سرگودھا)

جواب: ایسے دھوکہ باز اور جھوٹے انسان کو پیش امام مقرر کرنا جائز نہیں کیونکہ دھوکہ سے مال بٹورنا حرام ہے۔ مشہور حدیث ہے:

إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ عَنْ جَابِرٍ وَ فِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ دِمَاءُكُمْ وَ أَمْوَالُكُمْ وَ أَعْرَاضُكُمْ وَ أَبْشَارُكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۔ ❷

''تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری عزتیں اور تمہارے جسم اور چمڑے تم پر حرام ہیں اور دوسری روایت کے مطابق تمہارے خون، تمہارے مال، تمہاری عزتیں اور تمہارے جسم اور چمڑے تم پر حرام ہیں۔''

اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ((مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا)) اور حرام خور آدمی امامت کا اہل نہیں۔

حدیث میں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِجْعَلُوْا أَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ فَإِنَّهُمْ وَ فْدُكُمْ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ رَبِّكُمْ ۔ ❸

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے میں سے اچھے لوگوں کو اپنا پیش امام بناؤ کیونکہ وہ حساب کے دن اللہ تعالیٰ کے دربار میں تمہارے نمائندے ہوں گے اور حضرت مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ تمہاری نمازیں قبول ہوں تو اپنے میں سے بہتر (یعنی متقی) لوگوں کو اپنا امام بناؤ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں تمہاری نمائندگی کریں گے۔

❶ رواه الدارقطني (نيل الاوطار باب ماجاء في امامة الفاسق ص ١٨٤ ج ٣۔ ❷ صحيح البخاري ج٢، ص ١٠٤/١۔

❸ رواه الدارقطني، نيل الاوطار ج٣، ص ١٦٢۔ وقد اخرجه الحاكم في ترجمة مرثد الغنوي عنه أن سركم ان تقبل صلوتكم فليؤمكم خياركم فانهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم ويويد ذلك حديث ابن عباس المذكور۔ نيل الاوطار، ج٣، ص ١٦٤۔

مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوکنے والے امام کو رسول اللہ ﷺ نے امامت کے منصب سے معزول کر دیا تھا، حالانکہ قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوکنا اتنا بڑا گناہ نہیں جتنا بڑا گناہ دھوکہ دے کر لوگوں کا مال بٹورنا ہے اور جھوٹ اور فراڈ سے لوگوں کو مال کھانا گناہ ہے۔ لہٰذا ایسے پیش امام کو ان کبائر سے توبہ کرنی چاہیے ورنہ امامت کے منصب رفیع سے از خود الگ ہو جانا چاہیے بصورت دیگر مقتدی حضرات اس کو امامت کے عہدہ سے خود الگ کر دیں۔ ورنہ مقتدی بھی تعاون علی الاثم والعدوان میں حصہ دار قرار پائیں گے اور نمازیں بھی ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے۔ جواب بشرط صحت سوال تحریر میں لایا گیا ہے۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب

متکبر امام کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مولوی محمد اسحاق بھٹی ہمارے چک نمبر ۳۷ نزد پاکپتن کے خطیب ہیں۔ مولوی مذکور میری حقیقی والدہ کے چچا زاد بھائی ہیں اور وہ مجھے اپنا بھانجا نہیں بتاتے اور اگر میں ان کو ماموں کہہ کر پکاروں تو ناراض ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھے ماموں نہ کہو اور نہ ہی میں تیرا ماموں بن سکتا ہوں۔ ایسے متکبر کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ حالانکہ میری والدہ مرحومہ مولوی صاحب مذکور کی چچا زاد بہن تھیں تو آپ سے سوال یہ ہے کہ امام ہذا کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ ہمیشہ کے لیے یہ شخص امام رہ سکتا ہے یا نہیں؟ جواب لکھ کر مشکور فرمائیں۔

(سائل: عبداللطیف جوئیہ ولد میاں عبدالرحیم جوئیہ چک نمبر ۳۷ پی ایس پی ڈاک خانہ خاص تحصیل و ضلع پاکپتن)

جواب: جیسا کہ آپ نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ مولوی اسحاق صاحب آپ کی والدہ کا چچا زاد بھائی ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کی والدہ کا غیر محرم ہے یعنی وہ آپ کی والدہ کے ساتھ شرعاً نکاح کر سکتا ہے۔ بتلایئے اس صورت میں وہ آپ کا ماموں کیسے لگتا ہے؟ اگر اس کی غیرت اس کو یہ اجازت نہیں دیتی تو اس میں تکبر کی کون سی بات ہے۔ آپ اس کو ماموں کے بجائے مولوی صاحب کہہ کر بھی بلا سکتے ہیں۔ غرضیکہ آپ کا ماموں صرف وہ ہے جو آپ کی والدہ کا شقیق، یعنی سگا بھائی ہے یا پھر رضاعی بھائی ہے اور بس۔ لہٰذا اس کی امامت شرعاً جائز ہے اور اس کی اقتدا میں بلاشبہ نماز جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی اور مانع شرعی نہ پایا جاتا ہو۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب

وعدہ خلاف امام کے پیچھے نماز کا حکم

سوال: ایک امام مسجد نے اپنے لڑکے کی منگنی کی، لڑکا نابالغ تھا، لڑکے نے بالغ ہو کر وہ رشتہ لینے سے صاف انکار کر دیا۔ بعد ازاں لڑکے کے والد اور لڑکی کے والدین نے متفق ہو کر انکار کنندہ کے چھوٹے بھائی کے ساتھ اس لڑکی کا نکاح کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ لڑکی اور لڑکے کا چھوٹا بھائی بھی اس پر راضی ہیں۔ لیکن امام مسجد کے خلاف بعض مقتدیوں نے آواز اٹھائی ہے کہ چونکہ امام مسجد نے وعدہ خلافی کی ہے، اس لیے اس کی اقتدا میں ہماری نمازیں ادا نہیں ہو سکتیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا

اس امام کے بڑے لڑکے کی منگیتر سے اس کے چھوٹے بھائی کا نکاح جائز ہے؟ کیا ایسے امام کی اقتدا جائز ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں جواب لکھ کر عنداللہ ماجور ہوں۔ (سائل: محمد بشیر چک ۴۵ خانیوال)

جواب: بشرط صحت سوال و بشرط صحت تحریر واضح ہو کہ صرف نسبت اور انتخاب رشتہ (منگنی) کا نام نکاح نہیں، بلکہ نکاح شرعی عقد کا نام ہے جیسا کہ فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب النکاح کے عین آغاز میں امام ابن حجر عسقلانیؒ رقمطراز ہیں:

وَفِی الشَّرْعِ حَقِیقَةٌ فِی الْعَقْدِ مَجَازًا فِی الْوَطْءِ عَلَی الصَّحِیحِ وَالْحُجَّةُ فِی ذٰلِكَ كَثْرَةُ وُرُوْدِهٖ فِی الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ. الخ ❶

نکاح کے لغوی معنی بیان کرنے کے بعد امام ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ شریعت محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں نکاح کا اصل اور صحیح معنی عقد ہے۔ اور اس سے وطی (جماع) مراد لینا مجاز ہے۔ اور شرعی عقد وہ ہوتا ہے جو مہر کی تعیین کے ساتھ دو عادل گواہوں کی موجودگی میں ولی مرشد کی اجازت کے بعد ایجاب و قبول کے ساتھ منعقد ہوتا ہے۔ کیونکہ ایجاب وقبول نکاح شرعی کے رکن ہیں اور نکاح شرعی کی حقیقت میں شامل ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو شرعی نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔

چنانچہ ہدایہ اولین شروع کتاب النکاح میں فقیہ مرغینانی لکھتے ہیں:

اَلنِّكَاحُ یَنْعَقِدُ بِالْاِیْجَابِ وَالْقُبُوْلِ بِلَفْظَیْنِ یُعَبَّرُ بِهِمَا عَنِ الْمَاضِیِّ لِاَنَّ الصِّیْغَةَ وَاِنْ كَانَتْ لِلْاِخْبَارِ وُضِعًا فَقَدْ جُعِلَتْ لِلْاِنْشَاءِ شَرْعًا دَفْعًا لِلْحَاجَةِ. ❷

اور شرح وقایہ میں ہے:

هُوَ عَقْدٌ مَوْضُوْعٌ لِلْمِلْكِ الْمُتْعَةِ اَیْ حَلَّ اِسْتِمْتَاعُ الرَّجُلِ مِنَ الْمَرْاَةِ فَالْعَقْدُ هُوَ رَبْطُ اَجْزَاءِ التَّصَرُّفِ اَیِ الْاِیْجَابُ وَالْقُبُوْلُ شَرْعًا۔ اِنَّمَا قُلْنَا هٰذَا لِاَنَّ الشَّرْعَ یَعْتَبِرُ الْاِیْجَابَ وَالْقُبُوْلَ اَرْكَانَ عَقْدِ النِّكَاحِ لَا اُمُوْرٌ خَارِجِیَّةٌ كَالشَّرَائِطِ. ❸

ان دو عبارتوں کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ نکاح ایک ایسا عقد ہے جس کے ذریعہ عورت سے حاصل ہونے والا نفع مرد کے لیے حلال ہو جاتا ہے۔ اور یہ عقد ایجاب وقبول کے ساتھ منعقد ہوتا ہے کیونکہ شرعی طور پر ایجاب وقبول نکاح کے رکن ہیں جو شرائط کی طرح نکاح کی حقیقت سے خارج نہیں ہوتے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ایسی منگنی (انتخاب رشتہ) جس میں دو عادل گواہوں کی موجودگی میں ولی کی اجازت کے ساتھ ایجاب وقبول نہ ہو، محض انتخاب ہی انتخاب اور وعدہ ہی وعدہ ہے، نکاح شرعی کے حکم میں ہرگز نہیں ہوتی۔ بنا بریں بڑے بھائی نے اپنی منگیتر کے ساتھ نکاح کرنے سے صاف انکار کر دیا ہے: جیسا کہ سوال میں یہ الفاظ واضح طور پر موجود ہیں، تو ایسی صورت میں اس انکار کنندہ کے چھوٹے بھائی کے ساتھ اس لڑکی کا نکاح بلاشبہ جائز ہے اور یہ نکاح شرعی نکاح ہوگا۔ یعنی اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

---

❶ ص ۹٤ ج ۹ طبع مصر. ❷ هداية: كتاب ص ۲۸۵ ج ۱. ❸ شرح وقاية: ص ٤ ربع ثاني.

ہاں انکار کنندہ نہ صرف وعدہ خلافی کی وجہ سے کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا ہے بلکہ وہ ظالم بھی ہے۔ کیونکہ اس نے ایک لڑکی کو بلاوجہ معاشرہ میں پریشان کیا ہے۔ بشرطیکہ اس کے انکار کی کوئی معقول وجہ نہ ہو۔

جہاں تک انکار کنندہ کے والد (امام صاحب) پر وعدہ خلافی کا الزام ہے وہ کچھ صحیح معلوم نہیں ہوتا کیونکہ سوال کی عبارت میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ لڑکے کے والد اور لڑکی کے والدین نے متفق ہو کر انکار کنندہ کے چھوٹے بھائی کے ساتھ اس لڑکی کا نکاح کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور لڑکا اور لڑکی بھی راضی ہیں۔ اس سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ لڑکی کے والدین کو اس بات کا قطعی یقین ہو چکا ہے کہ انکار کنندہ کا والد اپنے لڑکے کے اقدام میں شریک نہیں۔ ورنہ لڑکی کے والدین اس کے ساتھ اتفاق کر کے اس کے چھوٹے لڑکے کو رشتہ دینے کے لیے تیار نہ ہوتے اور نہ لڑکی ایسا کرنے کی اجازت دیتی۔

بہرحال طرفین کا یہ باہمی سمجھوتہ اور مصالحت ازخود اس بات کا مکمل ثبوت ہے کہ باپ اپنے بیٹے کے اس غلط اقدام پر سخت ناراض ہے، واللہ اعلم بالصواب

اب اگر مقتدیوں نے وعدہ خلافی کے مرتکب کے خلاف تادیبی کارروائی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ اس امام مسجد کے بیٹے کا محاسبہ کریں نہ کہ اس کے والد کو مورد الزام ٹھہرا کر پریشان کیا جائے، اس کا کوئی شرعی جواز نہیں کیونکہ شریعت نے بے گناہوں کو سزا دینے سے منع کر دیا ہے۔

۱۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُقَامُ الْحُدُوْدُ فِي الْمَسَاجِدِ وَلَا يُقَادُ بِالْوَلَدِ الْوَالِدُ. ❶

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہ تو مسجدوں میں حدیں لگائی جائیں اور نہ بیٹے کے جرم کا قصاص باپ سے لیا جائے۔''

۲۔ عَنْ أَبِي رِمْثَةَ قَالَ أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ أَبِي فَقَالَ مَنْ هٰذَا الَّذِي مَعَكَ قَالَ ابْنِي اِشْهَدْ بِهِ قَالَ أَمَا إِنَّهُ لَا يَجْنِي عَلَيْكَ وَلَا تَجْنِي عَلَيْهِ. ❷

''جناب ابو رمثہ کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کی معیت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے میرے والد سے دریافت کیا کہ یہ بچہ کون ہے؟ میرے والد نے جواب میں کہا کہ یہ میرا لڑکا ہے، آپ گواہ رہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: آگاہ رہ کہ تیرے بیٹے کے جرم کی سزا تجھے نہیں دی جائے گی اور تیرے جرم کی سزا تیرے بیٹے کو نہیں دی جائے گی۔'' (جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں غلط رواج تھا)۔

لہٰذا اگر بعض نمازیوں نے وعدہ خلافی کے مرتکب کے خلاف محاسبہ شروع کیا ہے تو وہ امام صاحب کے باغی لڑکے کا کریں نہ کہ اس بے چارے امام کا جو کہ مجبور معلوم ہوتا ہے جہاں تک اس امام کی اقتدا میں نماز کی ادائیگی کا سوال ہے تو واضح رہے کہ امام ایسا ہونا چاہیے جو عالم باعمل اور صحیح العقیدہ مسلمان ہو۔ مشکوٰۃ شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

---

❶ رواه الترمذی الدارمی، مشکوٰۃ: ص ۳۰۱ ج ۲۔ ❷ رواه أبو داؤد و النسائی، مشکوٰۃ: ص ۳۰۱ ج ۲۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةُ وَاجِبَةٌ عَلَيْكُمْ خَلْفَ كُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا أَوْكَانَ فَاجِرًا وَإِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ. ●

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر برے بھلے امام کی اقتدا میں نماز پڑھ لینی چاہیے۔'' (ہاں ایسے آدمی کو امام مقرر کرنا جائز نہیں)

تاہم یہ امام صاحب تو بے گناہ نظر آتے ہیں اس لیے ان کے پیچھے نماز ان شاء اللہ جائز ہوگی۔

فیصلہ:

محض منگنی سے نکاح شرعی منعقد نہیں ہوتا۔ اس لیے انکار کنندہ کے چھوٹے بھائی کے ساتھ اس لڑکی کا نکاح جائز ہے اور یہ نکاح بالکل شرعی نکاح ہوگا۔ جہاں تک وعدہ خلافی کا تعلق ہے تو امام صاحب اس سے بری معلوم ہوتے ہیں اور ان کے پیچھے نماز جائز ہے، بشرطیکہ کوئی اور شرعی عذر نہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

رفع الیدین اور آمین بالجہر کا تارک امام

سوال: ایک آدمی رفع الیدین آمین بالجہر اور سورۂ فاتحہ خلف الامام کا قائل نہیں، اگر وہ نماز پڑھائے تو اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی یا نہیں جبکہ ان درج کردہ چیزوں کے قائل آدمی پیچھے کھڑے ہوں اور وہ بھی نماز پڑھا سکتے ہوں؟

جواب: چونکہ سورۂ فاتحہ نماز کی رکن ہے اور اس کا پڑھنا واجب ہے، جیسا کہ امام بخاری نے اپنی الجامع الصحیح کی تبویب بَابُ وُجُوْبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُوْمِ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ وَمَا يُجْهَرُ فِيْهَا وَمَا يُخَافَتُ سے ظاہر باہر ہے اور عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلٰوةَ إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ اس وجوب کی قطعی دلیل اور جلی برہان ہے اور اسی طرح رفع الیدین عندالرکوع والرفع عنہ بھی متواتر اور متوارث سنت ہے اور آمین بالجہر بھی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، لہٰذا ان تینوں کے تارک امام کی اقتدا میں نماز پڑھنا خطرہ سے خالی نہیں۔ اس لیے ایسے امام کی اقتدا سے گریز میں ہی عافیت اور سلامتی ہے ورنہ نماز میں نقصان خارج از امکان نہیں۔ ہاں اتفاقاً ایسے امام کی اقتدا میں پڑھی گئی نماز جائز ہوگی۔ شیخ الکل فی الکل السید نذیر حسین محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ مخالف مذہب امام کی اقتدا جائز ہے کیونکہ جماعت بنے رہنا رحمت ہے اور تفرقہ بازی اللہ کی سزا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ اللہ کی رسی کو تھامے رکھو اور فرقہ نہ بنو، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور تمام مجتہدین کے زمانہ یہی دستور رہا ہے کسی ایک بھی امام سے مخالف مذہب کی اقتدا سے مخالفت ثابت نہیں ہوئی۔ وہ ہر مسلمان کے پیچھے اقتدا کو جائز سمجھتے کیونکہ وہ دین کے اصول میں متحد تھے اور فروع میں وہ اجتہاد کرتے تھے۔ ہر ایک یہ کوشش کرتا تھا کہ بہتر سے بہتر چیز سامنے لائے۔ لیکن اس کے باوجود وہ ظنی دلائل میں اپنے آپ کو یقیناً حق پر

● رواہ ابو داؤد، مشکوٰۃ: ص ۱۰۰ ج ۱۔

اور مخالف کو یقینی غلطی پر نہیں سمجھتے تھے۔ وہ ہر ایک کو اجتہاد کا حق دیتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ علماء نبیوں کے وارث ہیں۔ ملا علی قاری نے رسالہ الاقتداء بالمخالف میں ایسا ہی لکھا ہے۔ فتاویٰ نذیریہ۔ شرک و بدعت میں امتیاز قائم نہیں رہے گا۔ حضرت شیخ الکل رحمہ اللہ نے اپنے فتویٰ میں جن ائمہ مجتہدین کا حوالہ دیا ہے ان کے دور میں نہ آج کی طرح تقلید جمود تھا اور نہ شرک و بدعت کا بڑا بونگ تھا۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

سلام پھیر کر امام کا مقتدیوں کی طرف منہ کرنا سنت ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ نماز سے سلام پھیر کر امام کا اپنے مقتدیوں کی طرف منہ پھیر کر بیٹھنا سنت ہے؟ (سائل: حاجی محمد اسماعیل بذریعہ مولانا محمد حیات مہتمم مدرسہ تعلیم القرآن اہلحدیث وڈالہ روڈ، ڈسکہ)

جواب: احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ کے مطابق سلام پھیر کر امام کا اپنے مقتدیوں کی طرف منہ پھیر کر بیٹھنا بلاشبہ سنت ہے۔ صحیح البخاری باب یستقبل الامام الناس اذا سلم میں ہے:

۱۔ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا صَلّٰى صَلٰوةً أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ۔ (ص ۱۱۷ ج ۱)

''حضرت نبی کریم ﷺ جب نماز ادا فرما کر سلام پھیرتے تو اپنا چہرۂ انور ہماری طرف کر لیتے تھے۔''

۲۔ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ بِالْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى أَثَرِ السَّمَاءِ كَانَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا انْصَرَفَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا ذَا قَالَ رَبُّكُمْ ...... الحديث۔ ❷

''رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر ہم کو صبح کی نماز پڑھائی اور اس رات بارش ہو چکی تھی آپ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی طرف منہ کیا اور فرمایا کیا تم جانتے ہو تمہارا رب کیا فرماتا ہے۔''

۳۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ أَخَّرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ ذَاتَ لَيْلَةٍ إِلٰى شَطْرِ اللَّيْلِ ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا فَلَمَّا صَلّٰى أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَرَقَدُوْا وَإِنَّكُمْ لَنْ تَزَالُوْا فِيْ صَلٰوةٍ مَا انْتَظَرْتُمُ الصَّلٰوةَ۔ ●

''ایک رات رسول اللہ ﷺ نے (عشاء) کی نماز میں آدھی رات تک دیر کر دی: پھر (حجرہ شریف سے) باہر تشریف لائے۔ جب نماز پڑھ چکے تو ہماری طرف چہرہ مبارک پھیرا اور فرمایا دوسرے لوگ تو نماز پڑھ کر سو چکے اور تم لوگ تو جب تک نماز کا انتظار کرتے رہے گویا نماز ہی میں رہے۔''

۴۔ وَكَانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ يَنْفَتِلُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَ عَنْ يَسَارِهٖ وَ يَعِيْبُ عَلٰى مَنْ يَتَوَخّٰى أَوْمَنْ

● صحیح البخاری: ج ۱ ص ۱۱۷۔ ❷ صحیح البخاری: ج ۱ ص ۱۱۷۔

تَعَمَّدَ الْاِنْفِتَالَ عَنْ يَّمِيْنِهِ ۔ ❶

"حضرت انس رضی اللہ عنہ نماز سے سلام پھیر کر دونوں طرف سے پھر کر بیٹھتے تھے اور اس شخص پر اعتراض کرتے تھے جو خواہ مخواہ قصداً دائیں طرف سے پھرنے کو ضروری سمجھے۔"

۵۔ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ لَايَجْعَلُ اَحَدُكُمْ لِلشَّيْطَانِ شَيْأً مِّنْ صَلٰوتِهٖ يَرٰى حَقًّا عَلَيْهِ اَنْ لَا يَنْصَرِفَ اِلَّا عَنْ يَّمِيْنِهٖ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيْرًا يَنْصَرِفُ عَنْ يَّسَارِهٖ ۔ ❷

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز سے شیطان کا حصہ نہ لگائے کہ خواہ مخواہ نماز پڑھ کر دائیں طرف سے ہی منہ پھیرنے کو ضروری سمجھ بیٹھے۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر دفعہ بائیں طرف سے پھرتے تھے۔" یہ حدیث ابوداؤد (باب كيف الانصراف من الصلوٰة ص ١٥٩ ج ١) میں بھی ہے۔

۶۔ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْبَبْنَا اَنْ نَّكُوْنَ عَنْ يَّمِيْنِهٖ فَيُقْبِلُ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ ۔ ❸

"حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھتے تو ہم آپ کی دائیں جانب کھڑے ہوتے تاکہ آپ نماز پڑھا کر سلام پھیر کر ہماری طرف سے نمازیوں پر متوجہ ہوں۔"

۷۔ وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ حَجَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّةَ الْوَدَاعِ قَالَ فَصَلّٰى بِنَا صَلٰوةَ الصُّبْحِ ثُمَّ انْحَرَفَ جَالِسًا فَاسْتَقْبَلَ النَّاسَ بِوَجْهِهٖ ۔ الحديث ❹

"حضرت یزید بن اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا یہ آپ کا آخری حج تھا۔ آپ نے ہم نے صبح کی نماز پڑھائی: سلام پھیر کر آپ نے بیٹھے بیٹھے ہماری طرف اپنا چہرہ مبارک پھیر لیا۔"

۸۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ نَظَرْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةً حَتّٰى كَانَ قَرِيْبًا مِّنْ نِّصْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ جَاءَ فَصَلّٰى ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَكَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰى وَبِيْصِ خَاتَمِهٖ فِيْ يَدِهٖ مِنْ فِضَّةٍ ۔ ❺

"حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک رات ہم عشاء کی نماز کے لیے نصف رات تک آپ کا انتظار میں بیٹھے رہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہم کو عشاء کی نماز پڑھائی پھر آپ نے سلام پھیر کر ہماری طرف اپنا چہرۂ مبارک کیا۔ گویا میں آپ کے ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھی کی چمک اب بھی دیکھ رہا ہوں۔"

ان آٹھ احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کر سلام کے بعد اپنا چہرۂ انور نمازیوں کی طرف کر لیا کرتے تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ امام کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ بھی سلام پھیر کر اللّٰہ اکبر، استغفر اللّٰہ تین دفعہ اور

❶ صحيح البخاري: باب الإنفتال والإنصراف عن اليمين والشمال۔ ج ١ ص ١١٨ ۔ ❷ صحيح البخاري: ص ١١٨ ج ١۔
❸ سنن أبي داؤد مع عون المعبود ج ٣٣٧ ج ١ ۔مشكوة ص ١٠١ ۔ صحيح مسلم و نيل الأوطار باب الإنحراف بعد السلام وقدر اللبس واستقبال المأمومين ص ٣٠٥ ج ٣۔ ❹ نيل الاوطار: ج ٢ ص ٣٠٧۔
❺ صحيح مسلم: باب وقت العشاء ص ٢٢٩ ج ١۔

اللھم انت السلام و منك السلام پڑھ کر اپنا منہ نمازیوں کی طرف پھیر کر بیٹھے۔ اور رسول اللہ ﷺ ایسا کیوں کرتے تھے اس میں کیا حکمت ہے؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں:

قِيلَ الْحِكْمَةُ فِيْ إِسْتِقْبَالِ الْمَأْمُومِينَ أَنْ يُعَلِّمَهُمْ مَا يَحْتَاجُونَ إِلَيْهِ . وَقِيلَ الْحِكْمَةُ فِيهِ تَعْرِيفُ الدَّاخِلِ بِأَنَّ الصَّلٰوةَ قَدِ انْقَضَتْ إِذْ لَوِ اسْتَمَرَّ الْإِمَامُ عَلٰى حَالِهِ لَاوَهَمَ أَنَّهُ فِي التَّشَهُّدِ مَثَلاً . [1]

''کہ بعداز سلام رسول اللہ ﷺ اپنا چہرۂ مبارک نمازیوں کی طرف اس لیے کرتے تھے تاکہ ان کو اس مسئلہ کی تعلیم دیں جس کی ان کو ضرورت ہے۔ بعض اہل علم نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ بعد میں آنے والے نمازی کو یہ پتہ چل جائے کہ جماعت ہو چکی ہے کیونکہ اگر امام بعداز سلام قبلہ رخ ہی بیٹھا رہے تو بعد میں آنے والے کو یہ غلطی لگ سکتی ہے کہ ابھی تک امام تشہد میں بیٹھا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ اگر دائیں جانب کے صحابہ سے کوئی بات کرنی ہوتی تو دائیں جانب سے صحابہ کی طرف متوجہ ہوتے اور اگر بائیں جانب کے مقتدیوں سے کوئی کام یا بات کرنی ہوتی تو بائیں طرف سے نمازیوں پر متوجہ ہوتے۔ بہرحال پیش امام بعداز سلام دونوں جانب سے اپنے نمازیوں کی طرف منہ پھیر کر بیٹھ سکتا ہے اور یہی سنت ہے۔ قبلہ رخ بیٹھا رہنا اگرچہ جائز کہا جا سکتا ہے مگر یہ دائمی سنت نہیں بلکہ دائمی اور اکثری سنت نمازیوں کی طرف منہ پھیر کر بیٹھنا ہے۔ دائیں جانب سے پھرنا لازم قرار دینا صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ سنت پر عمل، درآمد کی توفیق عنایت فرمائے آمین! هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب

صورت مسئولہ میں مولوی عبدالغفور صاحب کی نماز سنت کے مطابق ہے

سوال: صورت احوال یہ ہے کہ بندہ عرصہ ۳۳ سال سے جامع مسجد اہلحدیث شادباغ لاہور میں درس و تدریس، خطابت اور امامت کے فرائض انجام دے رہا ہے، لیکن ۱۹۹۴ء میں مجھ پر فالج کا حملہ ہوا۔ اب الحمدللہ علاج معالجے کے بعد روبصحت ہوں، لیکن دایاں ہاتھ ابھی مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہوا اور عرصہ دو سال سے نماز ظہر اور نماز عصر پڑھا رہا ہوں۔

گزشتہ دنوں چند نمازیوں نے کہا کہ میں امامت کے دوران نماز کے ارکان ٹھیک طور پر ادا نہیں کرتا۔ حالانکہ بہت سے نمازیوں نے کہا کہ مجھے نماز پڑھاتے رہنا چاہیے اور انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔

اب میں آپ کے پاس اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ اسوۂ حسنہ کی روشنی میں میری نماز کی ادائیگی دیکھ کر احباب کے لیے راہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین) (ڈاکٹر مولانا عبدالغفور مہتمم مدرسہ بلاغ التوحید زیر نگرانی انجمن اہلحدیث رجسٹرڈ شادباغ لاہور)

---

[1] عون المعبود: ج ۱ ص ۲۳۷.

جواب: آپ کی نماز کی ادائیگی کے بارے میں کچھ کہنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے فرائض اور ارکان کی ایک ہلکی پھلکی فہرست پیش کر دوں تا کہ اس فہرست کو سامنے رکھ کر آپ کے مقتدی آپ کی نماز کی ادائیگی کے بارے میں صحیح رائے قائم کر سکیں اور معترضین اپنے موقف کا صحیح جائزہ لے سکیں۔ وما توفیقی الا باللہ و بیدہ ازمۃ التحقیق۔

فرائض وارکان کی تعریف

نماز کے فرائض وارکان سے مراد نمازی کے وہ اعمال اور ہیئات مراد ہیں جن کی ترکیب اور مجموعہ سے نماز کی ہیئت کذائی بنتی ہے۔ اگر ان میں کوئی ایک عمل اور ہیئت ترکیبی رہ جائے تو نماز نماز ہی نہیں رہتی اور نہ شرعاً معتبر، اور وہ یہ ہیں:

۱۔ النیۃ:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ (البينة)

''انہیں اس کے سوا کوئی اور حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں، اسی کے لیے دین کو خالص رکھیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ)) [1]

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

یعنی اعمال کا قبول وعدم قبول نیتوں پر موقوف ہے، مگر اس نیت کا معنی قصد اور عزم ہے جس کا محل دل ہے زبان نہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور کسی صحابی سے زبان سے بول کر نیت کرنا ہرگز ہرگز ثابت نہیں۔ لہٰذا نیت مروجہ کے الفاظ نری بدعت ہیں۔

۲۔ تکبیر تحریمہ:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ وَتَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ. [2]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز کی چابی وضو ہے اور اس کا آغاز اللہ اکبر سے اور نماز سے فراغت السلام علیکم ہی سے ہے اور تکبیر سے مراد اللہ اکبر ہی ہے کوئی دوسرا کلمہ اللہ اعظم یا اللہ الاکبر یا اللہ الکبیر ہرگز ثابت نہیں اور نہ یہ کلمات اس کا بدل ہیں۔

---

[1] صحیح البخاری: باب کیف کان بدء الوحی ج ۱ ص ۲۔

[2] رواہ الشافعی وأحمد وأبو داؤد وابن ماجه والترمذی وَقَالَ هٰذَا أَصَحُّ شَيْءٍ فِي هٰذَا الْبَابِ.

۳۔ قیام: فرض نماز میں قیام بھی نماز کا رکن ہے اگر چہ قیام کی رکنیت کتاب وسنت کی نصوص صریحہ صحیحہ متواترہ سے ثابت ہے۔ تاہم مزید برآں اس کی رکنیت پر امت کا اجماع بھی ہو چکا ہے مثلاً: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قوموا لله قانتين﴾ (البقرہ: ۲۳۹) ''اور اللہ تعالیٰ کے لیے باادب کھڑے رہا کرو''۔ یہ آیت قیام کی رکنیت پر نص صریح ہے:

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كَانَتْ بِي بَوَاسِيرُ فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ صَلِّ قَائِماً فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِداً. الحديث ❶

''جناب عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے بواسیر کا عارضہ لاحق تھا، میں نے نماز کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیسے پڑھوں؟ تو آپ نے فرمایا: کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ اگر کھڑے نہ ہو سکو تو بیٹھ کر پڑھ لیا کرو، اگر بیٹھ نہ سکو تو کروٹ کے بل پڑھ لو۔

۴۔ قراءت فاتحہ: ہر فرض ونفل نماز کی ہر رکعت میں مقتدی اور امام اور منفرد پر سورۂ فاتحہ کا پڑھنا بھی رکن ہے نماز سری ہو کہ جہری ہو۔ جیسا کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ. (اَلْجَامِعُ الصَّحِيْحُ بَابُ وُجُوْبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُوْمِ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ وَمَا يُجْهَرُ فِيْهَا وَمَا يُخَافَتُ (جلد ۱ ص ۱۰۴)

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس آدمی کی نماز نہیں ہوتی جو سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتا۔ اس مضمون کی اور بھی بیش از بیش احادیث صحیحہ مروی ہیں جو فاتحہ کی رکنیت پر بالصراحت دلالت کرتی ہیں۔ فلا مجال للخلاف ولا موضع له

۵۔ رکوع: اللہ تعالیٰ کا فرمان واجب الاذعان ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا﴾ (الحج: ۷۷)

''اے ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرتے رہو۔''

حدیث رفاعہ بن رافع (مسیئ الصلوۃ) کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ثُمَّ ارْكَعْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ رَاكِعاً. ❷

''پھر اطمینان کے ساتھ رکوع کرو۔''

۶۔ رکوع کے بعد والا قیام: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

۱۔ وَكَانَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَائِماً. ❸

❶ الجامع الصحيح للبخاري: باب إذا لم يطق قاعدا صلى على جنب جلد ۱، ص ۱۵۰۔
❷ سنن أبي داؤد باب صلوة من لا يقيم صلبه في الركوع والسجود ج ۱ ص ۱۳۱ و عون المعبود ج ۱ ص ۳۲۱۔
❸ صحيح مسلم: باب ما يجمع صفة الصلوة الخ ج ۱ ص ۱۹۴۔

"جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے تو جب تک آپ پوری طرح کھڑے نہ ہو جاتے سجدہ نہ کرتے۔"

۲۔حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ إِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوعِ إِنْتَصَبَ قَائِماً۔ ❷

"آپ رکوع کے بعد اچھی طرح سیدھے کھڑے ہوتے۔"

۳۔ قَالَ أَبُو حُمَيْدٍ رَفَعَ النَّبِيُّ ﷺ وَاسْتَوٰى حَتّٰى يَعُوْدَ كُلُّ فَقَارٍ مَكَانَهٗ۔ ❸

"کہ رسول اللہ ﷺ رکوع سے اٹھتے تو اس طرح سیدھے ہو کر کھڑے ہوتے کہ کمر کی تمام ہڈیاں اپنی اپنی جگہ لوٹ کر ٹھہر جاتیں۔"

۷۔ سجدہ: اس کی دلیل قرآن عزیز کی وہی نص صریح ہے جو رکوع کی رکنیت کے اثبات نمبر ۵ میں تحریر ہو چکی اور رفاعہ بن رافع کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا:

((ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ سَاجِداً)) ●

"پھر پورے اطمینان کے ساتھ سجدہ کر۔"

بہر حال فرض و نفل نماز کی ہر ایک رکعت میں مع الاطمینان دو سجدے فرض اور رکن ہیں اور اعضائے سجدہ سات ہیں۔ ناک سمیت چہرہ، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کی انگلیاں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ عَلَى الْجَبْهَةِ وَأَشَارَ بِيَدِهٖ عَلٰى أَنْفِهٖ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ۔ ❹

"ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم ملا ہے وہ یہ ہیں: پیشانی، ناک، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کی انگلیاں۔"

۸۔ آخری قعدہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس کی رکنیت اور فرضیت کی تصریح فرماتے ہیں:

قَالَ كُنَّا نَقُوْلُ قَبْلَ أَنْ يُفْرَضَ عَلَيْنَا التَّشَهُّدُ السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ السَّلَامُ عَلٰى جِبْرِيْلَ وَ مِيْكَائِيْلَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا تَقُوْلُوْا هٰذَا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَذَكَرَهٗ۔ ❺

یہ نماز کی آخری رکعت میں سجدوں کے بعد قعدہ میں تشہد پڑھنا فرض ہے۔

السید محمد سابق مصریؒ تصریح فرماتے ہیں:

---

❶ صحیح مسلم: ج ۱ ص ۱۸۹۔ ❷ الجامع الصحیح: باب الطمأنينة حين يرفع راسه من الركوع۔ ج ۱ ص ۱۱۰۔

❸ سنن أبي داؤد: باب صلوة من لا يقيم صلبه في الركوع والسجود ج ۱ ص ۱۳۱۔

❹ الجامع الصحيح: باب السجدة على الانف۔ ج ۱ ص ۱۱۲، الدار قطني مع المغني، ج ۱، ص ۳۴۸۔

❺ رواه الدارقطني وقال اسناده صحيح۔ الحديث باب في ان التشهد في الصلوة فرض ج ۲ ص ۲۸۲ أخرجه الدارقطني ج ۱، ص ۳۵۰، والبيهقي صححاه وهو مشعر بفرضية التشهد۔ نيل الاوطار ج ۲ ص ۲۸۰

اَلثَّابِتُ الْمَعْرُوْفُ مِنْ هَدْيِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَقْعُدُ الْقُعُوْدَ الْاَخِيْرَ وَيَقْرَأُ فِيْهِ التَّشَهُّدَ. قَالَ ابْنُ قُدَامَةَ وَهٰذَا يَدُلُّ عَلٰى أَنَّهُ فَرْضٌ بَعْدَ إِنْ لَّمْ يَكُنْ مَفْرُوْضاً. (فقه السنة)

''رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل اور معمول مبارک سے یہ بات بہر حال ثابت اور معروف ہے کہ آپ آخری قعدہ بیٹھ کر تشہد پڑھا کرتے تھے۔ ابن قدامہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا حدیث ولکن قولوا التحیات للہ ارقام فرمانے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ روایت قعدہ اخیر کی رکنیت کی دلیل ہے۔''

۹۔ سلام: اس کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو تکبیر تحریمہ کی رکنیت کی بحث میں مرقوم ہے:

۱۔ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مِفْتَاحُ الصَّلٰوةِ الطُّهُوْرُ وَتَحْرِيْمُهَا التَّكْبِيْرُ وَتَحْلِيْلُهَا التَّسْلِيْمُ. ❶

''نماز کی چابی وضوء، اس کا آغاز اللہ اکبر اور فراغت کا واحد ذریعہ و طریقہ سلام ہے۔''

۲۔ وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ كُنْتُ أَرَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهٖ. ❷

۳۔ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهٖ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔ قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ فِيْ بُلُوْغِ الْمَرَامِ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ بِإِسْنَادٍ صَحِيْحٍ. ❸

''وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ پھر آپ نے دائیں جانب چہرہ پھیر کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے الفاظ فرمائے۔''

لیجئے جناب! یہ ہیں وہ ارکان الصلوٰۃ وفرائضہا جو کتاب اللہ العزیز اور احادیث صحیحہ حسنہ مرفوعہ، متصلہ غیر معللہ ولا شاذہ سے ثابت اور محقق ہیں۔ میں نے بتوفیق اللہ وحسن عونہ کوئی ایسا عمل اور رکن نہیں چھوڑا جو نماز کی ہیئت کذائی میں شامل ہو اور رسول اللہ ﷺ سے مروی اور منقول صفۃ الصلوٰۃ کا جزو اور حصہ ہو۔ لہٰذا معترض حضرات ان ارکان کے تناظر میں بنظر امعان حضرت مولانا عبدالغفور حفظہ اللہ کی نماز کی ادائیگی کا جائزہ لے کر خود انصاف کریں کہ ان کا موقف کہاں تک درست ہے؟ جہاں تک اس ناچیز راقم السطور نے مولانا ممدوح کی نماز کی ہیئت کذائی کا معائنہ کیا ہے تو میں علی وجہ البصیرت کہتا ہوں کہ مولانا ممدوح کی نماز کی ہیئت کذائی صلوٰۃ الرسول ؐ کے مطابق ہے۔ لہٰذا میرے نزدیک معترضین کا موقف تار عنکبوت سے بھی کمزور تر ہے۔

آخر میں ایک اصولی بات یاد رکھیں کہ جس کی اپنی نماز ہو جاتی ہے اس کی اقتدا بھی بالاتفاق جائز ہے۔ کیا کوئی یہ کہہ سکتا

❶ رواه احمد و الشافعي و أبوداؤد و ابن ماجة و الترمذي وقال هذا أصح شيئ في الباب وأحسن.

❷ رواه احمد و مسلم والنسائي و ابن ماجه. ❸ فقه السنة: ج ۱ ص ۱۱۹.

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مرض موت میں بیٹھ کر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کو جو نماز پڑھائی تھی وہ صحیح ادا نہیں ہوئی حالانکہ آپ نے قیام نہیں کیا تھا جو کہ نماز کا اعظم ترین رکن ہے۔

فَافْهَمْ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقَاصِرِيْنَ لَعَلَّ فِيْهِ الْكِفَايَةُ لِمَنْ لَهُ ادنى الدَّارِيَة وَهٰذَا مَا اَرَدْنَا اِيْرَادَهٗ فِيْ جَوَابِ هٰذَا السُّوَالِ وَاللهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ. وَالْمَقَالِ فِيْ كُلِّ الظُّرُوْفِ وَالْاَحْوَالِ۔

فیشن ایبل امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: آج کل مولوی، قاری اور حافظ حضرات فیشنی حجامت والے، یعنی ڈاڑھی کترانے، انگریزی بالوں والے مختلف مساجد میں نماز تراویح پڑھا رہے ہیں اور اہل حدیث کہلانے والے ان کی اقتدا میں تراویح پڑھ رہے۔ کیا ایسے قاریوں، حافظوں اور مولویوں کو امام نماز مقرر کر کے ان کی اقتداء میں نمازیں پڑھنا جائز ہے؟ اور سنت رسول کے تارک امام مقرر کرنے جائز ہیں؟ بینوا توجروا (مناظر اسلام حافظ عبدالقادر روپڑی مسجد قدس اہل حدیث لاہور)

جواب: اس سوال کے جواب سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ڈاڑھی کی شرعی حیثیت پر قدرے روشنی ڈال دی جائے تا کہ بات سمجھنے میں آسانی ہو۔ سو واضح ہونا چاہیے کہ داڑھی امور دین میں سے ایک امر دینی اور شعائر اسلام میں سے ایک اسلامی شعار (امتیازی نشان) اور تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

۱۔ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَشْرٌ مِّنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَاِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ...... الحديث [1]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دس خصلتیں فطرت میں داخل ہیں: مونچھوں کا ترشوانا اور ڈاڑھی کا بڑھانا مسواک کرنا اور ناک کی کلی کرنا وغیرہ۔''

۲۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِفُوا الْمَجُوْسَ لِأَنَّهُمْ كَانُوْا يَقْصُرُوْنَ لُحَاهُمْ وَيَطُوْلُوْنَ الشَّوَارِبَ. (أخرجه مسلم)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حجامت میں مجوسیوں کی مخالفت کرو وہ ڈاڑھیاں مونڈتے اور مونچھیں بڑھاتے ہیں یعنی تم ڈاڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کتراؤ۔''

۳۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَهْلَ الشِّرْكِ يَعْفُوْنَ شَوَارِبَهُمْ وَيُحْفُوْنَ لُحَاهُمْ۔ فَخَالِفُوْهُمْ فَاَعْفُوا اللُّحٰى وَاحْفُوا الشَّوَارِبَ. [2]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مشرک لوگ اپنی لبیں بڑھاتے ہیں اور ڈاڑھیاں صاف کرتے ہیں تم ان کا خلاف کرو ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور لبیں صاف کرو۔''

---

[1] باب خصال الفطرة: ج ۱ص ۱۲۹۔
[2] أخرج البزار بسند حسن۔

۴۔ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْفُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُواللُّحىٰ وَلاَ تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ. ❶

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مونچھوں کو کٹواؤ اور ڈاڑھی کو بڑھاؤ اور یہود کے ساتھ مشابہت مت کرو یعنی وہ اس کا الٹ کرتے ہیں کہ مونچھوں کو بڑھاتے اور ڈاڑھی کٹواتے ہیں۔'' ڈاڑھی کٹانا کبیرہ گناہ ہے۔

ڈاڑھی رکھنا واجب ہے:

ان احادیث صحیحہ اور حسنہ سے پتہ چلا کہ ڈاڑھی کٹوانا اور مونچھیں بڑھانا مجوسیوں، مشرکوں اور یہودیوں کی تہذیب ہے اور ہمیں ان کی مخالفت کرنے کا حکم ہے۔ پس جو شخص ڈاڑھی صاف کرتا ہے، اور مونچھیں دراز کرتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ اور اہل اسلام کی مخالفت اور یہود و مجوس اور اہل شرک کے ساتھ موافقت کا مرتکب ہوتا ہے۔ جبکہ ڈاڑھی رکھنا شرعاً واجب ہے۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ کثیرہ اس کے وجوب پر دلالت کرتی ہے۔ امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں:

۱۔فَحَصَلَ خَمْسِ رِوَايَاتِ إِعْفُوْا وَاَوْفُوْا وَاَرْخُوْا وَ اَرْجُوْا وَوَفِّرُوْا وَمَعْنَاهَا كُلُّهَا تَرْكُهَا عَلٰى حَالِهَا وَهُوَ الظَّاهِرُ مِنَ الْحَدِيْثِ الَّذِىْ تَقْتَضِيْهِ اَلْفَاظُهٗ، وَهُوَ الَّذِىْ قَالَهٗ جَمَاعَةٌ مِّنْ أَصْحَابِنَا. ❷

کہ حدیث کے راویوں سے مختلف الفاظ میں پانچ روایات مروی ہیں جو کہ پانچوں کی پانچوں صیغہ ہائے امر، یعنی اعفوا، اوفوا ارجوا اور ووفروا پر مشتمل ہیں اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے بشرطیکہ وہاں کوئی قرینہ صارفہ موجود نہ ہو۔ (اور یہاں کوئی قرینہ صارفہ موجود نہیں) لہٰذا ان پانچوں صیغوں کا معنی یہ ہے کہ ڈاڑھی کو بلا کسی تعرض کے اس کے حال پر چھوڑ دینا واجب ہے اور یہی معنی متبادر اور ظاہر ہے اور حدیث کے الفاظ بھی اس معنی سے مقتضی ہیں۔

۲۔امام ابن دقیق ڈاڑھی کا شرعی حکم بیان کرتے ہوئے یہ تصریح فرماتے ہیں:

وَقَدْ وَرَدَتِ الْاَحَادِيْثُ الْكَثِيْرَةُ الصَّحِيْحَةُ الصَّرِيْحَةُ فِىْ الْأَمْرِ بِإِعْفَاءِ اللِّحْيَةِ أَخْرَجَهَا اَئِمَّةُ السُّنَّةِ وَغَيْرُهُمْ وَأَصْلُ الْأَمْرِ الْوُجُوْبُ وَلَا يُصْرَفُ عَنْهُ إِلَّا بِدَلِيْلٍ كَمَا هُوَ مُقَرَّرٌ فِى عِلْمِ الْأُصُوْلِ. ❸

''صحاح ستہ وغیرہ میں بہت سی احادیث صحیحہ صریحہ میں ڈاڑھی بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے اور علم اصول کے مسلمہ قاعدہ کے مطابق جب کوئی قرینہ صارفہ موجود نہ ہو تو امر کا صیغہ وجوب کا فائدہ دیتا ہے چونکہ یہاں کوئی قرینہ صارفہ موجود نہیں، لہٰذا اصولی طور پر ڈاڑھی کا بڑھانا واجب ٹھہرا۔''

۳۔امام ابن حزمؒ متوفی ۴۵۶ھ ارقام فرماتے ہیں:

---

❶ أخرجه الطحاوي في شرح معاني الآثار۔ ❷ نووی: ج ۱ ص ۱۲۹۔

❸ المنهل العذب المورود شرح سنن أبي داؤد: ج۱ ص۱۸۶ والتعليقات السلفية ج ۲ ص ۲۸۵۔

وَأَمَّا فَرْضُ قَصِّ الشَّارِبِ وَإِعْفَاءِ اللِّحْيَةِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِفُوا الْمُشْرِكِيْنَ إِحْفُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحٰى. ❶

''کہ مونچھوں کو ترشوانے اور ڈاڑھی کو بڑھانے کی فرضیت رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے ثابت ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ مشرکین کی مخالفت میں مونچھیں ترشواؤ اور ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ۔''

۴۔الشیخ محمد بن صالح العثیمین ڈاڑھی کے وجوب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَلَيْسَ إِبْقَاءُ اللِّحْيَةِ مِنَ الْأُمُوْرِ الْعَادِيَةِ كَمَا يَظُنُّهُ بَعْضُ النَّاسِ وَإِنَّمَا هُوَ مِنَ الْأُمُوْرِ التَّعَبُّدِيَّةِ الَّتِيْ أَمَرَهَا بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَصْلُ فِيْ أَوَامِرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلتَّعَبُّدُ وَالْوُجُوْبُ حَتّٰى يَقُوْمَ الدَّلِيْلُ عَلٰى خِلَافِ ذٰلِكَ. ❷

''کہ تجدد زدہ اور ترقی گزیدہ لوگوں کا یہ گمان درست نہیں کہ ڈاڑھی رکھنا محض ایک عادت اور رواج تھا۔ کیونکہ یہ سراسر ایک تعبدی امر ہے جس کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے اور نبی ﷺ کے اوامر تعبد اور وجوب کا حکم رکھتے ہیں بشرطیکہ کوئی مخالف دلیل موجود نہ ہو جو یہاں موجود نہیں لہٰذا ڈاڑھی کا بڑھانا واجب ہے۔''

ان احادیث صحیحہ اور جہاندیدہ محدثین اور علمائے اصول کی تصریحات کے مطابق ڈاڑھی کا رکھنا واجب شرعی ہے اور اس کا ترشوانا مشرکوں، مجوسیوں، یہود وہنود اور ملکوں تلکوں کا طریقہ ہے جو شریعت کے صریحاً خلاف ہے اور وجوب شرعی کا عملی انکار ہے۔

پس جب ڈاڑھی امور دین سے ایک امر دینی، انبیاء کی سنت، اسلام کا شعار اور شرعاً واجب اور فرض ہے اور ایسے واجب شرعی کے تارک کو فرض نماز اور تراویح کی نماز کا امام مقرر کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ اور ایسے شخص کو پیش امام مقرر کرنا شریعت کی صریح مخالفت اور مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى کی شناعت کا کھلا ارتکاب ہے: کیونکہ امامت کا منصب جلیل اتنا مقدس، اس قدر حساس اور نازک ہے کہ اسلامی شکل وصورت رکھنے والا متقی اور پابند شریعت صحابی رسول جب قبلہ رخ تھوک بیٹھا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو امامت کے منصب رفیع سے معزول کر دیا تھا، جیسا کہ احادیث کی کتابوں میں روایات مروی ہیں۔ پڑھئے اور امامت کے منصب کی اہمیت کا اندازہ لگائیے:

عَنِ السَّائِبِ بْنِ خَلَّادٍ أَنَّ رَجُلًا أَمَّ قَوْمًا فَبَصَقَ الْقِبْلَةَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ فَقَالَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ فَرَغَ لَا يُصَلِّيْ لَكُمْ فَأَرَادَ بَعْدَ ذٰلِكَ أَنْ يُّصَلِّيَ لَهُمْ فَمَنَعُوْهُ وَأَخْبَرُوْهُ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَعَمْ إِنَّكَ أَذَيْتَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ. ❸

---

❶ المحلّٰی (لابن حزم: ج ۲ ص ۲۲۰.   ❷ الضیاء اللامع: ص ۱۲٤ و ۱۲۵.

❸ أخرجه أبو داؤد وسكت عليه والمنذري. عون المعبود (ج ۱ ص ۱۸۱) و نيل الأوطار (ج ۳ ص ۱۸٦) باب ماجاء في إمامة الفاسق.

یعنی ایک شخص نے نماز پڑھاتے ہوئے قبلہ کی طرف تھوک دیا جب کہ نبی کریم ﷺ دیکھ رہے تھے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں یہ شخص دوبارہ نماز نہ پڑھائے۔ چنانچہ جب وہ امام دوبارہ جماعت کرانے کے لیے تیار ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی اقتدا میں نماز پڑھنے سے انکار کرتے ہوئے اسے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو امامت سے معزول کر دیا ہے، لہٰذا اب آپ ہمارے امام نہیں بن سکتے، تو اس شخص نے رسول اللہ ﷺ سے رابطہ قائم کیا تو آپ ﷺ نے ہاں میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ نے قبلہ کی جانب تھوک کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو تکلیف دی ہے۔ لہٰذا آپ امامت کے اہل نہیں رہے۔

یہ حدیث ابن حبان میں بھی مروی ہے۔ دیکھئے زوائد ابن حبان ص ۲۰۳۔

دوسری حدیث:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ الظُّهْرَ فَتَفَلَ بِالْقِبْلَةِ وَهُوَ يُصَلِّيْ النَّاسَ فَلَمَّا كَانَ صَلٰوةُ الْعَصْرِ أَرْسَلَ إِلٰى أٰخَرَ فَأَشْفَقَ الرَّجُلُ الْأَوَّلُ فَجَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَنَزَلَ فِيَّ شَيْئٌ؟ قَالَ لَا لٰكِنَّكَ تَفَلْتَ بَيْنَ يَدَيْكَ وَأَنْتَ تَؤُمُّ النَّاسَ فَأٰذَيْتَ اللّٰهَ وَالْمَلَائِكَةَ. ❶

''یعنی ظہر کی نماز پڑھانے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو مقرر فرمایا تو اس نے نماز پڑھاتے ہوئے اپنے سامنے یعنی قبلہ رخ تھوک دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس کے اس غلط فعل کی وجہ سے عصر کی نماز کے لیے ایک دوسرے آدمی کو حکم دیا۔ جب اس آدمی نے آپ سے اپنی معزولی کی وجہ پوچھی تو آپ ؐ نے فرمایا: تو نے نماز کے دوران قبلہ رو تھوک کر اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ کو تکلیف دی ہے۔''

ان دونوں احادیث سے ثابت ہوا کہ جب آپ نے اپنے صحابی کو اس غلطی (قبلہ رخ تھوکنا) جو کہ ڈاڑھی ترشوانے اور انگریزی حجامت کے مقابلہ میں بالکل معمولی اور نہ ہونے کے برابر غلطی ہے کی وجہ سے امامت سے ہٹا دیا تھا تو پھر انگریزی بالوں والا اور ڈاڑھی ترشوانے والا حافظ، قاری اور فیشنی مولوی امامت کا اہل کیسے ہو سکتا ہے۔ حق امامت صرف متقی پابند شریعت، افضل اور بہتر آدمی کو ہی پہنچتا ہے۔

تیسری حدیث:

عَنْ مَرْثَدِ الْغَنَوِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ سَرَّكُمْ أَنْ تُقْبَلَ صَلَوٰتُكُمْ فَيَؤُمَّكُمْ خِيَارُكُمْ فَإِنَّهُمْ وَفْدُكُمْ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ رَبِّكُمْ. ❷

''اگر تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہاری نمازیں مقبول ہوں تو پھر تمہارے لیے ضروری ہے کہ تمہارے پیش امام سب سے

❶ رواه الطبراني في الكبير بإسناد جيد، عون المعبود: ج ١ ص ١٨١۔

❷ أخرجه الحاكم في ترجمة مرثد الغنوي۔ نيل الاوطار: ج ٣ ص ١٨٦۔

بہتر اور پابند شریعت ہوں کیونکہ امام نماز تمہارے درمیان اور اللہ کے درمیان سفیر اور نمائندہ ہوتا ہے۔''

چوتھی حدیث:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِجْعَلُوْا اَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ فَإِنَّهُمْ وَفْدُكُمْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ رَبِّكُمْ ۔ ❶

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنا امام صلوٰۃ اپنے میں سے نیک اور اچھے آدمیوں کو بناؤ کیونکہ امام تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تمہاری نمائندگی کرتے ہیں۔''

اور ظاہر ہے کہ نمائندگی اس کی قبول ہوتی ہے جو شخص قوم اور سلطان دونوں کے معیار پر پورا اترتا ہو۔ جب نمازیوں کا نمائندہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا نافرمان اور سنت رسول کا چور ہوگا تو اس کی نمائندگی کیونکر قبول ہوگی؟

خلاصہ بحث یہ کہ ڈاڑھی چونکہ امور دینیہ میں سے ایک شعار، تمام پیغمبروں کی سنت دائمہ اور ثابتہ ہونے کے ساتھ ساتھ ہماری شریعت میں اس کا رکھنا اور بڑھانا واجب شرعی ہے۔ لہٰذا اس کو منڈانے والا، ترشوانے والا اور انگریزی حجامت والا چونکہ واجب شرعی کا تارک ہے، لہٰذا ایسے فاسق اور نافرمان اور گستاخ رسول کو فرائض اور نوافل (تراویح وغیرہ) امام مقرر کرنا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے واضح احکام وفرامین کی کھلی نافرمانی ہے اور ڈاڑھی کے چوروں کی حوصلہ افزائی بھی ہے جو کہ مزید برآں جرم عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے اور سنت رسول کی پوری پوری پابندی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

کن خصلتوں والا امام، امامت وخطابت کے قابل ہے؟

سوال: ۱۔ جھوٹ بولنا، ۲۔ وعدہ خلافی کرنا، ۳۔ الزام تراشی، ۴۔ غیبت، بہتان بازی، شرانگیزی، ۴۔ مسجد کے چندہ کا حساب نہ دینا، ۵۔ مسجد کی ملکیتی چیزوں کا باوجود روکنے کے ذاتی استعمال میں لانا، ۶۔ زیور و جائیداد گروی رکھ کر اس پر (منافع) سود دینا، ۷۔ ذاتی مفاد کی خاطر سرکاری کارندوں کو رشوت دینا، ۸۔ احتجاج کرنے اور رشوت دینے کے گواہ پیش کرنے پر کہنا کہ سب جھوٹ ہے اور بدزبانی کرنا، ۹۔ اپنے آپ کو عالم اور باقی سب کو مجالس میں کئی بار جاہل کہنا۔ قرآن و سنت کی روشنی میں ترتیب وار راہنمائی فرمائیں کہ ایسا شخص امامت وخطابت کے اہل ہے؟

(سائل: میاں عبدالحق مقصود انسپکٹر ایکسائیز وٹیکسیشن ملتان)

جواب: ا: بشرط صحت سوال اگر واقعی مذکورہ کبائر اور نقائص اس شخص میں پائے جاتے ہیں تو یہ صاحب امامت جیسے جلیل القدر اور مہتم بالشان منصب پر فائز رہنے کا ہرگز اہل نہیں اور اب تفصیل وار اپنے مسئلہ کا جواب پڑھیے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقاً خَالِصاً وَّمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةُ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ

❶ رواه الدارقطني و في اسناده سلام بن سليمان وهو ضعيف كذا في نيل الاوطار ج۳ ص ۱۸۴۔

وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ . ❶

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص میں مندرجہ ذیل چار ناپاک خصلتیں ہوں گی وہ خالص عملی منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت پائی جائے گی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی اور وہ یہ ہیں (۱) جب اسے امین بنایا جائے تو وہ خیانت کا ارتکاب کرے (۲) جب بات کرے تو وہ جھوٹ بولے (۳) وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے (۴) جب جھگڑے تو گالی گلوچ پر اتر آئے وفی روایة عنه اذا وعد اخلف الجامع الصحیح ج ۱ ص ۱۰ جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے جب تک وہ ان کبائر سے توبہ نہ کرے گا وہ منافق عملی، یعنی پرلے درجے کا فاسق آدمی ہوگا اور فاسق امامت کے لائق نہیں۔

۲: عَنْ اَبِی مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ قَالَ؟ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ . ❷

ابوموسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا اسلام افضل ہے؟ تو فرمایا: افضل مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور اس کے ہاتھ کے شر سے مسلمان محفوظ رہیں۔

قَالَ حُذَيْفَةُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ . ❸

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ یہ فرما رہے تھے کہ غیبت کرنے والا جہنمی ہے وہ جنت میں نہیں جائے گا ثابت ہوا غیبت ایسا کبیرہ گناہ ہے جس سے آدمی جہنمی ہو جاتا ہے۔

نمبر۳: اس کا جواب، جواب نمبر۱،۲ میں اذا اؤتمن خَانَ کے الفاظ میں آ چکا ہے کہ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ اس میں خیانت کرے۔

نمبر۴: چونکہ مسجد کا چندہ اور مسجد کی دوسری اشیاء اس کے پاس امانت ہیں اور نمازیوں نے اس کو امین جان کر ان اشیاء کا انچارج بنایا ہے، لہٰذا چندہ کا حساب نہ دینا اور اسی مسجد کی دوسری اشیاء کو ذاتی مصرف میں لانا صریحاً خیانت ہے جو امامت کے عہدہ کے سراسر منافی۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَالَ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَاَ اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَاَ عَهْدَ لَهٗ . ❹

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرماتے تو یہ بھی فرماتے کہ جس میں امانت کی

---

❶ صحیح بخاری باب علامة النفاق ج ۱ ص ۱۰ ومشکوٰة عن ابی هریرة ص ۱۷۔

❷ الجامع الصحیح البخاری باب ای الاسلام افضل ج ۱ ص ٦۔

❸ الجامع الصحیح باب ما یکره من النمیمة. (ج ۲ ص ۸۹۵)

❹ رواه البیهقی فی شعب الایمان۔ مشکوٰة ج ۱ ص ۱۵ کتاب الایمان فصل ثانی۔

حفاظت کی خوبی موجود نہیں اس کا ایمان کامل نہیں اور اسی طرح اس آدمی کا دین معتبر نہیں جس میں وعدہ کی پاسداری نہیں۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ امانت میں خرد برد کرنے والا علمہ فاسق اور ناقص الایمان ہے قرآن میں اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا مزید برآں ہے گویا خائن آدمی قرآن کی خلاف ورزی کا مرتکب ہے اور قرآن کا نافرمان امامت کا اہل کیسے ہوسکتا ہے۔

نمبر۲: قطعی حرام ہے اور سود خور حرام خور ہے قرآن میں ہے۔

﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (آل عمران ۱۳۰)

''اے ایمان والو مت کھاؤ سود دونے پر دونا اور ڈرو اللہ سے تا کہ تمہارا بھلا ہو۔''

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (البقرہ: ۲۷۵)

''جو لوگ کھاتے ہیں سود نہیں اٹھیں گے قیامت کو مگر جس طرح اٹھتا ہے وہ شخص کہ جس کے حواس کھو دیئے ہوں۔ شیطان نے لپٹ کر یہ حالت ان کی اس لئے ہوگی کہ انہوں نے کہا کہ سوداگری بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود حالانکہ اللہ نے حلال کیا سوداگری کو اور حرام کیا سود کو۔''

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَاھُنَّ؟ قَالَ اَلشِّرْکُ بِاللّٰہِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَکَلُ الرِّبَا وَاَکْلُ مَالِ الْیَتِیْمِ۔ ❶

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات ہلاک کر دینے والے گناہوں سے بچو صحابہؓ نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ سات گناہ کون سے ہیں؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو، قتل ناحق، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدان جہاد سے فرار، پاک دامن ایمان دار غافل عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔''

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اٰکِلَ الرِّبَا وَمُوْکِلَهٗ وَکَاتِبَهٗ وَ شَاھِدَیْهِ وَقَالَ ھُمْ سَوَاءٌ۔ ❷

''حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور گواہ بننے والوں پر لعنت کی ہے اور یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔''

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ جُزْءًا اَیْسَرُھَا اَنْ یَّنْکِحَ الرَّجُلُ اُمَّهٗ۔ ❸

❶ الحدیث متفق علیه تنقیح الرواہ ج ۱ ص۸۔

❷ رواہ مسلم و اخرجه ایضا احمد و النسائی و فی الباب عن ابن مسعود عند مسلم تنقیح الرواۃ شرح مشکوۃ ج ۲ ص ۱۵۹۔

❸ رواہ ابن ماجه و البیھقی فی شعب الایمان و الحاکم بتمامه و صححه، تنقیح الرواۃ ج ۲ ص ۱۶۲۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سود کے گناہ کے ستر درجے ہیں سب سے ہلکا درجہ یہ ہے کہ کوئی بے حیا اپنی ماں کے ساتھ منہ کالا کرے۔ غرضیکہ سود خوری نہ صرف اکبر الکبائر گناہ ہے، بلکہ اقبح القبائح، یعنی سب کبیرہ گناہوں سے بدترین گناہ ہے، لہٰذا سود خور امامت کا اہل نہیں ہوسکتا۔

نمبر ۷: ناحق مفاد کے لئے رشوت دینا لعنتی فعل ہے حدیث میں ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْهُ وَاَخْرَجَ الطَّبْرَانِيُّ وَ سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ فِيْ سُنَنِهٖ بِلَفْظِ الرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ فِي النَّارِ. ❶

''حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور لینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے اور طبرانی اور سعید بن منصور کی روایت میں رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں۔'' پس ملعون شخص امامت جیسے جلیل القدر منصب کا اہل نہیں ہوسکتا۔

نمبر ۸: بدزبانی کرنا اور گالی دینا یہ بھی کبیرہ گناہ ہے جیسے کہ سوال نمبر ۱، اور نمبر ۲ کے جواب میں اذا خصم فجر کے الفاظ مع ترجمہ قلم بند کئے جاچکے ہیں مزید سنئے! بخاری و مسلم میں ہے کہ:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رسول اللّٰه ﷺ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ كُفْرٌ. (متفق عليه). ❷

''کسی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے اور یاد رہے کفر کے بعد فسوق کا درجہ ہے: یعنی گالی کا گناہ کفر سے چھوٹا ہے اور عصیان سے بڑے درجہ کا گناہ ہے: لہٰذا گالی دینا مسلمان کی شان سے بعید ہے۔'' جیسا کہ حدیث میں ہے۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيِّ. ❸

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن شخص نہ کسی کو طعنہ دیتا ہے، نہ لعنت کرتا ہے، نہ گالی دیتا ہے، نہ بے حیا ہوتا ہے، اور نہ بدزبان ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ گالیاں بکنے والا کامل مومن نہیں بلکہ فاسق ہوتا ہے اور فاسق امامت کا اہل نہیں ہوتا۔''

نمبر ۹: ایسا شخص دراصل جاہل ہے اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے مخلص رسول بایں وجہ کہ میں چونکہ صاحب تورات رسول ہوں کہہ بیٹھے کہ آج دنیا میں مجھ سے بڑا عالم کوئی موجود نہیں تو ان کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جانا پڑا۔ (صحیح بخاری سورۂ کہف) بہرحال اپنے علم کی تعلّی اور ادعا پرلے درجے کی ریاکاری ہے جو کہ

❶ تنقيح الرواة باب رزق الولاة ج ٣ ص ١٢٤.
❷ تنقيح الرواة باب حفظ اللسان ج ٣ ص ٣٠٩.
❸ رواه الترمذي والبيهقي في شعب الايمان، تنقيح الرواة ص ٣١٥.

کبیرہ گناہ ہے حدیث میں اپنا علم بھگارنے والے کی سخت مذمت وارد ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے:

عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ اَوْ لِيُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ اَوْلِيَصْرِفَ بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ ۔ ❶

حضرت کعبؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس لئے علم پڑھتا ہے کہ علماء پر فخر کرے یا جہلاء کے ساتھ جھگڑا کرے یا لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تو ایسے عالم کو اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کرے گا۔ اعاذنا اللہ برحمۃ وفضلہ۔ آمین!

اسی طرح کی ایک لمبی حدیث صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ریا کار مولوی کو کہا جائے گا:

لٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ اِنَّكَ عَالِمٌ وَّقَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِئُ الْقُرْاٰنِ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ اُمِرَ بِهٖ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهٖ حَتّٰى اُلْقِيَ فِي النَّارِ ۔ ❷

"اللہ فرمائے گا تو نے اس لئے علم حاصل کیا کہ تجھے عالم کہا جائے اور قرآن اس لئے پڑھا کہ تجھے قاری القرآن کہا جائے سو تو عالم اور قاری مشہور ہو گیا: پھر اس کو جکڑ کر منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینکا جائے گا اور ریا کار مولوی کے ساتھ معاملہ ریا کاری کا سا ہو گا۔"

عَنْ اَبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ يُّرَائِيْ يُرَائِي اللّٰهُ بِهٖ ۔ ❸

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص شہرت کے حصول کے لئے کوئی نیکی کرے گا تو اس کو شہرت مل جائے گی مگر ثواب نہیں ملے گا اور جو ریا کاری کے لئے علم وغیرہ کا ادعا کرے گا تو اس کے ساتھ ریا کاری جیسا سلوک کیا جائے گا۔"

یہ ہے جناب آپ کے نو اسئلہ کا ترکی بہ ترکی مدلل جواب اور یہ نو قباحتیں درجہ بدرجہ اقبح ترین قباحتیں ہیں جو عامی مسلمان کی شان مومنانہ سے بعید سے بعید تر ہیں: چہ جائیکہ امامت ایسے رفیع الشان اور جلیل القدر منصب پر فائز امام میں شرع اسلام ایسی قباحتوں کو کیسے برداشت کر سکتی ہے کیونکہ شریعت تو امام کے ہلکے گناہ کو بھی گوارا نہیں کرتی جیسا کہ قبلہ کی جانب تھوکنا اگرچہ سوئے ادبی اور جذباتی سا مسئلہ ہے مگر کبیرہ گناہوں میں شامل نہیں بشرطیکہ اس پر کسی کو اصرار نہ ہو بایں ہمہ رسول اللہ ﷺ نے قبلہ کی طرف تھوکنے والے امام کو بھی منصب امامت سے معزول فرما دیا تھا۔ جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے کہ:

عَنِ السَّائِبِ بْنِ خَلَّادٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْمِهٖ حِيْنَ فَرَغَ لَا يُصَلِّيْ لَكُمْ فَاَرَادَ بَعْدَ ذٰلِكَ اَنْ يُّصَلِّيَ لَهُمْ فَمَنَعُوْهُ فَاَخْبَرُوْهُ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَعَمْ وَحَسِبْتُ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّكَ قَدْ اٰذَيْتَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ ❹

---

❶ رواہ الترمذی و رواہ ابن ماجۃ عن ابن عمر مشکوۃ ج ۱ ص ۳٤. ❷ صحیح مسلم باب من قاتل للریا والسمعۃ استحق النار ج ۲ ص ۱٤۰.

❸ صحیح مسلم ج ۲ ص ٤۱۲. ❹ رواہ ابو داؤد مشکوۃ ج ۱ ص ۷۱) باب المساجد و مواضع الصلوۃ.

ایک پیش امام کو رسول اللہ ﷺ نے قبلہ کی سمت تھوکتے دیکھا تو اس کی قوم کو حکم دیا کہ آئندہ یہ شخص تم کو نماز نہ پڑھائے بعدازاں پھر اس نے ان کو نماز پڑھانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے اس کو جائے نماز پر کھڑا ہونے سے روک کر کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو اس منصب سے معزول کر دیا ہے تو اس نے رسول اللہ ﷺ سے جب اس بارے میں رابطہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں میں نے روک دیا ہے ؓسائب بن خلاد صحابی راوی حدیث کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے فرمایا کہ قبلہ کی جانب تھوک کر تو نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو تکلیف پہنچائی ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر چہ قبلہ کی طرف تھوکنا کبیرہ گناہ ہے، مگر سود جیسے کبائر میں شامل نہیں، جب قبلہ کی طرف تھوکنے والا امام ہونے کا اہل نہیں تو پھر کوئی شخص مذکورہ بالا تو کبائر کا مرتکب ہو کر امامت کا اہل کیسے ہو سکتا ہے یا اس کو کیسے اس منصب پر برقرار رکھا جا سکتا ہے کیونکہ احادیث کے مطابق وہ شخص امام نماز ہونا چاہیے جو سب مقتدیوں سے زیادہ متقی اور اصلح شخص ہو۔ احادیث حسب ذیل ہیں:

۱۔ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَا يَؤُمَّنَّ فَاجِرٌ مُؤْمِناً اِلاَّ اَنْ يَقْهَرَ بِسُلْطَانٍ يَخَافُ سَيْفَهُ اَوْ سَوْطَهُ. ❶

''حضرت جابرؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فاجر آدمی مومن کی امامت نہ کرائے مگر جب اس کی تلوار یا کوڑے کا ڈر ہو، یعنی وہ طاقت کے بل یا زبردستی امامت کرائے تو بامر مجبوری اس کی اقتدا جائز ہے ورنہ ہرگز نہیں۔''

۲۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْعَلُوْا اَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ فَاِنَّهُمْ وَفْدُكُمْ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ رَبِّكُمْ. ❷

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے سے زیادہ اچھے اور متقی پابند شریعت شخصوں کو اپنا امام بناؤ کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان نمائندے ہوں گے۔''

۳۔ وَقَدْ اَخْرَجَ الْحَاكِمُ فِيْ تَرْجِمَةِ مَرْثَدٍ الْغَنَوِيِّ عَنْهُ ﷺ اِنْ سَرَّكُمْ اَنْ تُقْبَلَ صَلٰوتُكُمْ فَلْيَؤُمَّكُمْ خِيَارُكُمْ فَاِنَّهُمْ وَفْدُكُمْ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ رَبِّكُمْ وَيُوَيِّدُ ذٰلِكَ حَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ المذكور فى الباب. ❸

امام حاکم حضرت مرثد غنویؓ کے ترجمہ میں رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم کو یہ بات خوش کرتی ہے کہ تمہاری نماز عند اللہ مقبول ہو تو پھر اپنے میں سے اچھے لوگوں کو اپنے امام نماز مقرر کیا کرو

---

❶ رواہ ابن ماجہ نیل الاوطار باب ماجاء فی امامۃ الفاسق ج ۳ ص ۱۶۲۔

❷ رواہ الدارقطنی نیل الاوطار ج ۳ ص ۱۶۲۔ ❸ نیل الاوطار ج ۳ ص ۱۶۴۔

کیونکہ رب تعالیٰ کے حضور وہ تمہارے سفیر اور نمائندے ہوں گے۔

اس طویل بحث کا خلاصہ اور ماحاصل یہ ہے کہ مذکورہ کبائر کا مرتکب شخص امامت جیسے اہم ترین منصب کا ہرگز اہل نہیں اسے چاہیے کہ وہ ان کبائر سے اعلانیہ توبہ کرے ورنہ پھر نمازیوں کو شرعاً حق حاصل ہے کہ ایسے امام صاحب کو امامت کے منصب سے فارغ کر دیں۔ ہاں، اگر اس کی علیحدگی کی صورت میں کسی فتنے کا ڈر ہو تو پھر مناسب وقت کا انتظار کریں جب بھی موقع ملے اس کو امامت سے الگ کرنے میں تاخیر نہ کریں ورنہ ان کی نمازیں مجروح ہوتی رہیں گی۔

یہ جواب بشرط صحت سوال محض احقاق حق اور ابطال باطل کے جذبہ سے سرشار ہو کر احاطہ تحریر میں لایا گیا ہے نہ کسی کو خوش کرنا یا اس کی حمایت مقصود ہے اور نہ امام صاحب مذکور سے راقم کو کوئی کد اور پرخاش ہے۔

ان ارید الا الاصلاح وما توفیقی الا باللہ واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب فی یوم الحساب۔



صلوٰۃ التہجد والتراویح

کیا ہمیشہ کی چار رکعتیں پڑھ سکتے ہیں؟

سوال: کیا ہمیشہ تہجد کی چار رکعتیں بھی پڑھ سکتا ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ اکثر گیارہ رکعت، یعنی آٹھ نفل اور تین وتر پڑھا کرتے تھے اور یہی مسنون ہے۔ بعض حالات میں آپ ﷺ نے سات اور نو رکعت پڑھی ہیں، جیسا کہ ترمذی شریف میں آیا ہے۔ ❶

تہجد باجماعت پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال: تہجد کی نماز کی جماعت کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: تہجد کی جماعت کرائی جا سکتی ہے اور اس میں قطعاً کوئی مضائقہ نہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُوْنَةَ لَيْلَةً وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا فَتَحَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ أَهْلِهِ سَاعَةً ثُمَّ رَقَدَ فَلَمَّا كَانَ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرِ أَوْبَعْضُهُ قَعَدَ فَنَظَرَ إِلَى السَّمَاءِ فَقَرَأَ ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ حَتّٰى خَتَمَ السُّوْرَةَ ثُمَّ قَامَ إِلَى الْقِرْبَةِ فَأَطْلَقَ شِنَاقَهَا ثُمَّ صَبَّ فِي الْجَفْنَةِ ثُمَّ تَوَضَّأَ وُضُوْءًا حَسَنًا بَيْنَ الْوُضُوْئَيْنِ لَمْ يُكْثِرْ وَقَدْ أَبْلَغَ فَقَامَ فَصَلّٰى فَقُمْتُ وَتَوَضَّأْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَأَخَذَ بِأُذُنِي فَأَدَارَنِي عَنْ يَمِيْنِهِ فَتَتَامَّتْ صَلٰوتُهُ ثَلٰثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً. ❷

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک رات میں اپنی خالہ میمونہ کی باری کے دن میں بھی ان کے ہاں رات کو سو رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے تھوڑی دیر اپنی بیوی کے ساتھ کچھ باتیں کیں اور پھر محو خواب ہو گئے۔ جب رات کا آخری تہائی حصہ یا بعض حصہ شروع ہوا تو آپ نیند سے بیدار ہوئے، آسمان کی طرف منہ کیا۔ اور اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے آخر تک سورۂ آل عمران کی آیات پڑھیں اور پھر چمڑے کے پرانے مشکیزے کا تسمہ کھول کر آپؐ نے وضو فرمایا، پھر کھڑے ہو کر تہجد کی نماز پڑھنے لگے۔ میں نے بھی اٹھ کر وضو کیا اور آپ

❶ باب ماجاء الوتر بسبع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج۱ ص ۳۳۸-۳۳۷ ❷ مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح: ص ۱۶۲ ج۲.

کے بائیں جانب کھڑا ہو کر آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنے لگا تو آپ ﷺ نے میرا کان پکڑ کر مجھے اپنے دائیں جانب کھڑا کر لیا۔ اس طرح آپ کی ۱۳ رکعت تہجد مکمل ہوگئی۔"

منتقی الاخبار میں ہے:

وَقَدْ صَحَّ التَّنَفُّلُ جَمَاعَةً مِنْ رِوَايَةِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا ۔ ❶

"عبداللہ بن عباس اور انس رضی اللہ عنہما سے صحیح سندوں کے ساتھ تہجد کی جماعت ثابت ہے۔"

امام شوکانیؒ لکھتے ہیں:

وَحَدِيثُ أَنَسٍ اَلْمُشَارُ إِلَيْهِ أَيْضاً لَهُ أَلْفَاظٌ كَثِيرَةٌ فِي الْبُخَارِيِّ وَغَيْرِهِ وَأَحَدُهَا أَنَّهُ قَالَ صَلَّيْتُ أَنَا وَيَتِيمٌ فِي بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ وَأُمِّي أُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا۔ اَلْأَحَادِيثُ سَاقَهَا الْمُصَنِّفُ هٰهُنَا لِلْإِسْتِدْلَالِ بِهَا عَلٰى صَلٰوةِ النَّوَافِلِ جَمَاعَةً وَهُوَ كَمَا ذَكَرَ وَلَيْسَ لِلْمَانِعِ مِنْ ذٰلِكَ مُتَمَسِّكٌ يُعَارِضُ بِهِ هٰذِهِ الْأَدِلَّةَ ۔ ❷

"حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث صحیح بخاری میں مختلف الفاظ میں مروی ہے ایک یہ ہے کہ میں نے اور یتیم نے اپنے گھر میں نبی ﷺ کے پیچھے نفل پڑھے اور میری والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا ہمارے پیچھے کھڑی تھیں۔" صاحب منتقی نے باجماعت نفل نماز کے ثبوت میں جو حدیثیں بیان کی ہیں وہ اپنی جگہ صحیح ہیں اور مانعین کے پاس ان کا معارضہ کرنے کے لئے کوئی ٹھوس دلیل موجود نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

رسول اللہ ﷺ نے جن راتوں میں نماز تراویح پڑھائی تھی کیا آپ نے ان راتوں میں نماز تہجد بھی ادا کی یا نہیں؟

سوال: جن راتوں میں امام الانبیاء نے نماز تراویح صحابہ کرام کو پڑھائیں کیا ان راتوں میں حضور ﷺ نے تہجد ادا کی یا نہیں؟

جواب: صحیح حدیث تو کجا کسی ضعیف حدیث میں بھی یہ نہیں آتا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے تراویح کے ساتھ ساتھ علیحدہ تہجد پڑھی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

نماز تہجد اور تراویح دونوں ایک یا مختلف

سوال: کیا نماز تہجد اور نماز تراویح ایک ہے یا دونوں مختلف؟ (السائل: حافظ عبدالمجید شاکر صابر میڈیکل سٹور کہروڑ پکا ضلع ملتان)

جواب: نماز تراویح' نماز تہجد' قیام اللیل' قیام شہر رمضان ایک ہی نماز کے مختلف نام ہیں۔ جیسا کہ علامہ انور شاہ کاشمیری نے عرف الشذی ص میں اس کی وضاحت کی ہے۔ ملاحظہ ہو: مرعاة المفاتيح شرح مشكوة للشيخ عبيد الله مبارك

❶ نیل الأوطار: ج۲ ص۸۹۔ ❷ نیل الأوطار: ص۸۹ ج۳۔

پوری 'باب قیام رمضان۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

نماز تراویح کے متعلق سید عنایت اللہ شاہ بخاری حنفی عالم کے چند مغالطے

تقلید شخصی اور جمود مذہبی کا برا ہو۔ یہ دونوں جب بڑوں بڑوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں تو ان کو فکر ونظر، عقل شعور اور خاص کر صحیح فہم حدیث اور جذبہ اتباع سنت سے محروم کر دیتے ہیں اور نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ تقلید شخصی کا مریض اور جمود مذہبی کا علمبردار نصوص قرآنیہ اور احادیث صحیحہ محکمہ کو منسوخ تک کہہ دیتا ہے۔ ملاحظہ ہو اصول کرخی (اصول ۲۸، ۲۹ ص ۳۷۳) یہ رسالہ اصول فقہ حنفی کی مشہور کتاب اصول بزدوی کے آخر میں ملحق ہے۔ جبھی تو کہنے والے نے کتنی پیاری بات کہی ہے:

فَاَهْرِبْ عَنِ التَّقْلِيْدِ فَهُوَ ضَلَالَةٌ أَنَّ الْمُقَلِّدَ فِيْ سَبِيْلِ الْهَوَالِكِ۔

یہی حادثہ محترم جناب سید عنایت اللہ شاہ بخاری حنفی آف گجرات کے ساتھ بھی پیش آ چکا ہے۔ چنانچہ آپ نے یکم ستمبر ۱۹۷۸ء کو رمضان المبارک کے ایک خطبہ جمعہ میں مسئلہ تراویح پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا تھا:

۱- اکابر علمائے اہل حدیث بیس رکعت تراویح کو سنت کہتے آئے ہیں۔

۲- آٹھ رکعت تراویح کی بدعت ۱۲۸۴ھ میں شہر اکبر آباد کے ایک غیر مقلد مولوی نے شروع کی۔ پھر ۱۲۹۰ھ میں مشہور غیر مقلد مولوی محمد حسین بٹالوی نے اس بدعت کو فروغ دیا اور مولوی غلام رسول قلعہ والے نے اہل حدیث ہوتے ہوئے مولوی محمد حسین کا رد کرتے ہوئے اس کو مفتی غالی لکھا۔

۳- جس روایت میں آٹھ رکعت منقول ہیں وہ تہجد کی نماز ہے۔ تراویح ہرگز نہیں۔

انھی پیے تو کتی چٹے۔ (یہاں پر شاہ صاحب نے اہل حدیث کو کوڑ مغز بتاتے ہوئے کہا ہے کہ غیر مقلد فہم حدیث میں اتنے کورے ہیں کہ تہجد کی رکعتوں کو تراویح کی رکعتیں سمجھ بیٹھے ہیں اور پھر یہ پھبتی کسی ہے کہ انھی پیے تے کتی چٹے۔)

۴- تمام صحابہ کرام، ائمہ اربعہ اور پوری امت کا بیس رکعت تراویح پر اجماع ہے اور ایسے اجماع کے مخالف پر رب دی پھٹکار پیندی اے۔ رحمت نئیں ہندی۔ گویا شاہ صاحب کے نزدیک آٹھ رکعت کے قائلین لعنتی ہیں۔

۵- غیر مقلدتوں دو جے بنے دی پھ جلدی لگ جاندی اے، چنانچہ مرزا غلام قادیانی اور مشہور منکر حدیث پرویز پہلے غیر مقلد تھے، یعنی شاہ صاحب کے نزدیک ان کی گمراہی کا واحد باعث عدم تقلید ہے۔

۶- غیر مقلدوں کے مسائل مرزائیوں اور شیعوں کے ساتھ ملتے ہیں جیسے طلاق ثلاثہ اور آٹھ رکعت تراویح وغیرہ۔

۷- پھر دغا یہ کہ کہ رمضان میں تین وتر پڑھتے اور غیر رمضان میں سارا سال ایک وتر پڑھتے ہیں پھر ان کو گیارہ رکعت والی حدیث یاد نہیں رہتی۔

یہ ہیں وہ ارشادات عالیہ اور ملفوظات سامیہ جو شاہ صاحب نے اہل حدیث کے متعلق ارشاد فرمائے ہیں اور ان کی اس تقریر کی کیسٹ ہمارے ایک رفیق محترم ظہیر الدین چوہان کے پاس اب بھی موجود اور محفوظ ہے۔

ذیل کے سطور میں شاہ صاحب حفظہ اللہ کے ان سات الزامات اور مزعومہ دعاوی پر منصفانہ تبصرہ پیش کرنے کی جسارت کی گئی ہے۔ إِنْ أُرِیدُ إِلَّا الإِصْلَاحَ وَمَا تَوْفِیقِی إِلَّا بِاللّٰہِ۔

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

ا۔ کوئی اہل حدیث عالم بیس کا قائل نہیں رہا:

حضرت شاہ صاحب کا یہ دعویٰ کہ فاضل اہل حدیث علماء بیس رکعت تراویح کے قائل چلے آ رہے ہیں۔ ہمارے علم و مطالعہ کے مطابق نہ صرف درست نہیں بلکہ علمائے حدیث پر سراسر بہتان اور تہمت ہے۔ اگر شاہ صاحب میں اخلاقی جرات ہے تو وہ کسی ایسے اہل حدیث عالم کا نام پیش فرما دیں جو علم اور مطالعہ اور تحقیق و تفتیش کے لحاظ سے ہمارے اکابر علمائے حدیث میں شمار ہوتا ہو اور یہ بھی بتائیں کہ ان کا یہ فتویٰ یا کتاب کب اور کہاں سے شائع ہوئی تھی۔

علاوہ ازیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب کو اہل حدیث مکتب فکر کی اساس تک کا بھی علم نہیں ۔ اگر انہیں اس اساس کا علم ہوتا تو وہ اتنی گری ہوئی بات نہ کرتے ۔ کیونکہ اہل حدیث کے نزدیک حجت صرف کتاب و سنت ہی ہیں۔ ان دونوں کے ہوتے ہوئے کسی بھی مجتہد اور امام کا کوئی اجتہاد یا استحسان اور فتویٰ قبول کرنا' ان کے اعتقاد میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بغاوت کے سوا کچھ نہیں ؎

اصل دیں آمد کلام معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ ﷺ برجاں مسلم داشتن

اس لئے شاہ صاحب آئندہ کے لئے یاد رکھیں کہ اہل حدیث صرف اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین ہی کے پابند ہیں کسی مولوی کے نہیں ؎

حدیث بادہ و مینا و جام آتی نہیں مجھ کو
نہ کر خاراشگافوں سے تقاضا شیشہ سازی کا

جواب دعویٰ نمبر ۲:

آٹھ رکعت تراویح بدعت نہیں بلکہ سنت ثابتہ ہے اور پھر سنت بھی ایسی کہ تمام اکابر علمائے احناف کو اس کا اعتراف ہے۔ لیجئے پڑھئے مگر تقلید اور تعصب کی عینک اتار کر:

ا۔ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ صَلوٰةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ مَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَزِيْدُ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِ رَمَضَانَ عَلٰى إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّي أَرْبَعاً فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعاً فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثاً۔ الحديث ۔ ❶

❶ صحيح بخاري: باب قيام النبي ﷺ ج ۱ ص ۱۵٤ و كتاب الصوم ص ۲٦۹ ـ صحيح مسلم باب صلوة الليل و عدد الركعات ج ۱ ص ۲۵٤ و سنن أربعة.

”حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں رات کو نماز (یعنی تراویح) کیسے ادا فرماتے تھے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ چاہے رمضان کا مہینہ ہو یا غیر رمضان کا، گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ نہایت عمدگی کے ساتھ چار رکعت ادا فرماتے، پھر اس طرح چار رکعت اور پڑھتے، پھر تین رکعت وتر ادا فرماتے۔“

۲۔ عَنْ جَابِرِبْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ وَّأَوْتَرَ فَلَمَّا كَانَتِ الْقَابِلَةُ إِجْتَمَعْنَا فِي الْمَسْجِدِ وَرَجَوْنَا أَنْ يَّخْرُجَ فَلَمْ نَزَلْ فِيْهِ حَتّٰى أَصْبَحْنَا ثُمَّ دَخَلْنَا فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِجْتَمَعْنَا فِي الْمَسْجِدِ وَرَجَوْنَا أَنْ تُصَلِّيَ بِنَا فَقَالَ إِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْكُمْ۔ ❶

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو رمضان کے مہینہ میں (تراویح کی نماز) آٹھ رکعت پڑھائیں، بعد میں وتر پڑھے۔ دوسری رات بھی ہم اکٹھے ہو کر آپ کا انتظار صبح تک کرتے رہے۔ امید تھی کہ رسول اللہ ﷺ نکلیں گے اور نماز پڑھائیں گے۔ مگر آپ تشریف نہ لائے، پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ بات بیان کی تو فرمایا کہ مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں یہ نماز تم لوگوں پر فرض نہ ہو جائے۔ اس لئے میں گھر سے نہیں نکلا۔“

۳۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّهُ كَانَ مِنِّي اللَّيْلَةَ شَيْءٌ يَعْنِيْ فِيْ رَمَضَانَ قَالَ وَمَا ذَاكَ يَا أُبَيُّ قَالَ نِسْوَةٌ دَارِيْ قُلْنَ إِنَّا لَا نَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ فَنُصَلِّيْ خَلْفَكَ بِصَلَاتِكَ فَصَلَّيْتُ بِهِنَّ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ وَالْوِتْرِ فَسَكَتَ عَنْهُ وَكَانَ شِبْهُ الرِّضَاءِ وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا۔ ❷

”حضرت جابر کا بیان ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت آج رات مجھ سے ایک بات ہو گئی ہے۔ فرمایا وہ کونسی؟ حضرت ابی نے کہا کہ میرے گھر کی عورتوں نے کہا کہ ہم قرآن نہیں پڑھ سکتی ہیں۔ لہٰذا تراویح کی نماز آپ گھر ہی پڑھیے ہم بھی آپ کی اقتدا میں پڑھ لیں گی۔ چنانچہ میں نے ان کو آٹھ رکعتیں اور اس کے بعد وتر کے ساتھ نماز پڑھا دی۔ رسول اللہ ﷺ خاموش رہ گئے اور ایسا معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اس کو پسند فرمایا۔ اس حدیث کی سند بھی حسن ہے۔

---

❶ رواه ابن حبان و ابن خزيمة في صحيحهما والطبراني في الصغير (ص ۱۰۸) و محمدٌ بن نصر المروزي في قيام الليل (ص ۱۵۵ طبع سانگله هل) وقال الحافظ الذهبي بعد ذكر هذا الحديث إسناده وسط۔ ميزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۸۰ و فتح الباري ج ۳ ص ۱۲۔

❷ رواه أبويعلى والطبراني بنحوه في الأوسط قال الهيثمي في مجمع الزوائد (ج ۲ ص ۷٤) إسناده حسنٌ و ذكره محمد بن نصر المروزي في قيام الليل (ص ۱۵۵) و شوق النيموي الحنفي في آثار السنن ج ۲ ص ۵۔ صحيح ابن خزيمة ج ۲ص ۳٤۰

پہلی اور دوسری حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ کے عمل کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے رمضان میں تراویح کی آٹھ رکعتیں پڑھائیں۔ اس کے بعد وتر ادا فرمایا۔ یہ تو رسول اللہ ﷺ کی فعلی سنت ہوئی۔ تیسری حدیث میں حضرت ابی کعب رضی اللہ عنہ نے اپنا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے اپنے گھر کی عورتوں کو آٹھ رکعت تراویح پڑھائیں اور رسول اللہ ﷺ نے سکوت فرمایا۔ یعنی آپ ﷺ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ اس لئے دن کے اجالے کی طرح واضح ہوا کہ یہ طریقہ آپ کو پسند تھا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی تقریری سنت ٹھہری۔ اس طرح فعل نبوی ﷺ اور تقریر نبوی ﷺ دونوں سے آٹھ رکعت تراویح کا سنت نبوی ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ یہی اہل حدیث کا مسلک اور عمل ہے۔

اس کے مقابلہ میں کسی صحیح، مرفوع، غیر مجروح حدیث سے بیس یا بیس سے زائد رکعات کا ثبوت موجود نہیں۔ نہ قولاً نہ فعلاً اور نہ تقریراً۔ اس لئے اہل حدیث بیس یا بیس سے زائد رکعات تراویح کو سنت نہیں سمجھتے۔

علمائے احناف کی شہادت:

ان تینوں احادیث صحیحہ اور حسنہ سے تراویح کی آٹھ رکعتوں کا سنت نبوی ہونا ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق ہم آپ کی اطلاع کے لئے خود اکابر علمائے احناف ہی کی شہادت آپ کے سامنے پیش کئے دیتے ہیں۔

ترجمان حنفیہ امام محمدؒ کی شہادت:

آپ امام ابوحنیفہؒ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں اور ایوان حنفیت کے صدر نشین اور انہی کی کتابوں سے آج حنفیت زندہ ہے۔ موصوف نے اپنی کتاب موطا میں یہ عنوان قائم کیا ہے۔ بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ وَمَا فِيهِ مِنَ الْفَضْلِ اور علامہ عبدالحئی حنفی لکھنوی نے اس کے حاشیہ میں لکھ کر بتایا ہے وَيُسَمَّى التَّرَاوِيحَ کہ قیام شہر رمضان سے مراد نماز تراویح ہے۔ (التعلیق الممجد ص ۱۴۲) امام محمد اس باب میں پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث لائے ہیں جس میں تین روز تک آنحضرت ﷺ کی تراویح با جماعت کا ذکر ہے۔ لیکن چونکہ اس میں رکعات کی تعداد کا بیان نہیں ہے، اس لئے اس کے بعد ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت لائے جس کو ہم نے آٹھ رکعت کے ثبوت میں پہلی حدیث کے عنوان سے زیب قرطاس کیا ہے۔ امام محمدؒ کی اس صنیع سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پہلے تراویح کی جماعت کا مسنون ہونا ثابت کیا ہے اس کے بعد مع وتر اس کی گیارہ رکعت کا سنت نبوی ہونا ثابت کیا ہے۔ لیجئے شاہ صاحب یہ آپ کے اس امام کی شہادت ہے جن کا شمار حنفی مذہب کے بانیوں میں ہوتا ہے۔

۲۔ علامہ کمال ابن ہمام کی شہادت:

یہ وہی کمال ابن ہمامؒ ہیں جن کی بابت رد المحتار (ج ۴ ص ۳۸۸) میں لکھا ہے۔ كَمَالُ ابْنُ الْهَمَّامِ بَلَغَ رُتْبَةَ الْاِجْتِهَادِ کہ کمال ابن ہمام درجہ اجتہاد کو پہنچ گئے تھے۔ موصوف نے فتح القدیر شرح الہدایہ میں فریقین کے دلائل ذکر کئے ہیں۔ بیس رکعت والی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ بالا حدیث کی بنا پر تسلیم کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت گیارہ رکعات مع وتر ہیں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

فَتَحَصَّلَ مِنْ هٰذَا كُلِّهٖ أَنَّ قِيَامَ رَمَضَانَ سُنَّةٌ إِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ فِي جَمَاعَةٍ فَعَلَهُ ﷺ ثُمَّ تَرَكَهُ لِلْعُذْرِ . ❶

۳۔امام جمال الدین زیلعی کی شہادت:

بیس رکعت والی روایت کوضعیف قرار دے کر لکھتے ہیں:

ثُمَّ أَنَّهُ مُخَالِفٌ لِلْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ عَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ ' كَيْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ رَمَضَانَ ؟ قَالَتْ مَا كَانَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى إِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً الخ . ❷

'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بیس رکعت تراویح والی حدیث ضعیف ہونے کے علاوہ حضرت عائشہ کی مشہور اور بالاتفاق صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے کہ آپ ﷺ رمضان اور غیر رمضان صرف گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔''

۴۔فقیہ ابن نجیمؒ کی شہادت:

فقاہت کے لحاظ سے موصوف کو ابوحنیفہ ثانی اور محرر مذہب النعمانی لکھا جاتا ہے، جیسا کہ بحرالرائق کے ٹائٹل سے واضح ہے۔آپ محقق کمال ابن ہمام کی تحقیق انیق سے سوفی صد اتفاق کرتے ہوئے اعلان فرماتے ہیں:

وَقَدْ ثَبَتَ أَنَّ ذٰلِكَ كَانَ إِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ كَمَا ثَبَتَ فِي الصَّحِيْحَيْنِ مِنْ حَدِيْثِ عَائِشَةَ . ❸

''حضرت عائشہ کی حدیث سے ثابت ہوا کہ سنت نبوی مع وتر گیارہ رکعت ہی ہیں۔''

۵۔علامہ طحطاوی حنفیؒ کی شہادت:

آپ محقق کمال ابن ہمام کی تحقیق سے اتفاق کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

فَإِذَنْ يَكُوْنُ الْمَسْنُوْنُ عَلٰى أُصُوْلِ مَشَائِخِنَا ثَمَانِيَةً مِنْهَا وَالْمُسْتَحَبُّ اِثْنَا عَشَرَةَ . ❹

۶۔صاحب نحات رشیدی کی شہادت:

وَاخْتَلَفُوْا فِيْ عَدَدِ رَكَعَاتِهَا الَّتِيْ يَقُوْمُ بِهَا النَّاسُ فِيْ رَمَضَانَ مَا الْمُخْتَارُ مِنْهَا إِذْ لَا نَصَّ فِيْهَا فَاخْتَارَ بَعْضُهُمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً سِوَى الْوِتْرِ وَاسْتَحْسَنَ بَعْضُهُمْ سِتًّا وَّ ثَلَاثِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ وَهُوَ الْأَمْرُ الْقَدِيْمُ الَّذِيْ كَانَ عَلَيْهِ الصَّدْرُ الْأَوَّلُ وَالَّذِيْ أَقُوْلُ بِهٖ فِيْ ذٰلِكَ أَنْ لَّا تَوْقِيْتَ فِيْهِ فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ مِنَ الْإِقْتِدَاءِ فَالْإِقْتِدَاءُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ ذٰلِكَ فَإِنَّهُ

---

❶ فتح القدیر: ج۱ ص ۴۰۷۔
❷ نصب الرایۃ: ج۲ ص ۱۵۳۔
❸ بحرالرائق شرح کنز الدقائق: ج۲ ص ۶۶' ۶۷۔
❹ طحطاوی: ج۱ ص ۲۹۵۔

ثَبَتَ عَنْهُ ﷺ اَنَّهُ مَازَادَ عَلٰى إِحْدَىٰ عَشَرَةَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ شَيْئًا لَا فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ يُطَوِّلُهَا فَهٰذَا هُوَ الَّذِيْ اَخْتَارُ لِلْجَمْعِ بَيْنَ قِيَامِ رَمَضَانَ وَالْإِقْتِدَاءِ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ ❶

یعنی تراویح کی رکعتوں کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس کی کتنی تعداد مختار ہے۔ اس لئے کہ اس کے متعلق کوئی نص موجود نہیں۔ بعض وتر کے علاوہ بیس کو پسند کرتے ہیں اور بعض چھتیس کو۔ یہی امر قدیم ہے۔ اس پر صدر اول کے مسلمانوں کا عمل رہا ہے۔ میرے خیال میں چونکہ یہ ایک نفلی نماز ہے۔ اس لئے اس کی کوئی خاص تعداد مقرر نہیں۔ تاہم اگر کسی کی اقتدا کرنا ضروری ہے تو پھر رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کرنی چاہیے۔ آپ ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے مع وتر گیارہ رکعتوں سے زیادہ تراویح نہیں پڑھی ہے۔ البتہ آپ کی یہ نماز لمبی ہوتی تھی۔ میں اسی کو پسند کرتا ہوں کیونکہ اس پر عمل کرنے سے قیام رمضان اور اتباع سنت نبوی دونوں کا حق ادا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو رسول اللہ ﷺ ہی کی پیروی کا حکم دے رکھا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

ہوتے ہوئے مصطفیٰ ﷺ کی گفتار
مت دیکھ کسی کا قول و کردار

۷۔ حجۃ الاحناف علامہ عینیؒ کی شہادت:

فَإِنْ قُلْتَ لَمْ يُبَيِّنْ فِي الرِّوَايَاتِ الْمَذْكُوْرَةِ عَدَدُ الصَّلٰوةِ الَّتِيْ صَلَّاهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ تِلْكَ اللَّيَالِيْ قُلْتُ رَوَى ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ ابْنُ حِبَّانَ مِنْ حَدِيْثِ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ رَمَضَانَ ثَمَانَ رَكْعَاتٍ ثُمَّ أَوْتَرَ. ❷

’’اگر تو یہ اعتراض اٹھائے کہ (بخاری کی) ان احادیث میں جن میں رسول اللہ ﷺ کے تراویح پڑھانے کا ذکر ہے، رکعتوں کی تعداد نہیں بتائی گئی تو میں آپ کے جواب میں کہوں گا کہ صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان کی حدیثوں میں اس کا بیان آ گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ان راتوں میں) صحابہ ؓ کو وتر کے علاوہ آٹھ رکعتیں پڑھائی تھیں۔‘‘

۸۔ ملا علی قاریؒ کی شہادت:

آپ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کا یہ فیصلہ بلا کسی رد و انکار کے نقل فرماتے ہیں:

قَالَ ابْنُ تَيْمِيَةَ الْحَنْبَلِيُّ إِعْلَمْ أَنَّهُ لَمْ يُوَقِّتْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي التَّرَاوِيْحِ عَدَدًا مُعَيَّنًا بَلْ لَا

---

❶ حوالہ مذکورہ، أنوار مصابیح: ص ٤٧ و مسك الختام مترجم: ج ١ ص ٢٨٨، ٢٨٩۔

❷ عمدة القاری: باب مذهب الائمة فی التراویح ج ٧ ص ١٧٧۔

يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلاَ فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً . ❶

’’رسول اللہ ﷺ نے تراویح کو کوئی خاص تعداد قولاً مقرر نہیں فرمائی ہے تاہم عملاً گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔‘‘

نیز محقق ابن ہمام کے اس فیصلہ پر بھی ان کو کوئی اعتراض نہیں۔

تَحَصَّلَ مِنْ هٰذَا كُلِّهٖ أَنَّ التَّرَاوِيْحَ فِي الْأَصْلِ إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً فَعَلَهُ ﷺ ثُمَّ تَرَكَهُ لِعُذْرٍ . ❷

۹۔علامہ ابوسعود کی شہادت:

آپ شرح کنز الدقائق میں لکھتے ہیں:

لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمْ يُصَلِّهَا عِشْرِيْنَ بَلْ ثَمَانِياً . ❸

’’اس لئے کہ نبی ﷺ نے بیس رکعت تراویح نہیں پڑھی بلکہ آٹھ رکعت پڑھی ہیں۔‘‘

۱۰۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شہادت:

لٰكِنِ الْمُحَدِّثِيْنَ قَالُوْا إِنَّ هٰذَا الْحَدِيْثَ (أَيْ حَدِيْثَ ابْنِ عَبَّاسٍ) ضَعِيْفٌ وَالصَّحِيْحُ مَا رَوَتْهُ عَائِشَةُ أَنَّهُ صَلّٰى إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً كَمَا هُوَ عَادَتُهُ فِيْ قِيَامِ اللَّيْلِ وَرُوِيَ أَنَّهُ كَانَ بَعْضُ السَّلَفِ فِيْ عَهْدِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ يُصَلُّوْنَ بِإِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً قَصْداً لِلتَّشَبُّهِ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ (مُتَرْجِم مَاثَبَتَ بِالسُّنَّةِ ص ۲۲۴)

’’محدثین (شکر اللہ مساعیھم) کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گیارہ رکعتیں وتر سمیت پڑھیں ہیں، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا اور یہ بھی منقول ہے کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں بعض سلف صالحین کا اس پر عمل تھا سنت نبوی کے اتباع کے شوق میں۔‘‘

۱۱۔مراقی الفلاح کے محشی طحطاوی کی شہادت:

وَصَلَاتُهَا بِالْجَمَاعَةِ سُنَّةُ كِفَايَةٍ لِمَا ثَبَتَ أَنَّهُ ﷺ صَلّٰى بِالْجَمَاعَةِ إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ عَلٰى سَبِيْلِ التَّدَاعِيْ وَلَمْ يَجْرِهَا مَجْرٰى سَائِرِ النَّوَافِلِ ثُمَّ بَيَّنَ الْعُذْرَ فِي التَّرْكِ . ❹

’’تراویح کی نماز با جماعت سنت کفایہ ہے، کیونکہ یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعلان اور جماعت کے ساتھ گیارہ رکعت با وتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پڑھائی تھیں۔‘‘

---

❶ فتاوی ابن تیمیه طبع قدیم ص ۱٤۸ الانتقاد الرجیح ص ٦۳ ' مرقاة ج۳ ص ۱۹۳ طبع ملتان.

❷ مرقاة: ج۳ ص ۱۹٤ ' مشکوة: ص ۱۱۵ حاشیه ٥.　❸ شرح کنز الدقائق: ص ۲۲۵.

❹ حاشیة طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۳۹.

۱۲۔علامہ شامی کی شہادت:

أَنَّ مُقْتَضَى الدَّلِيلِ كَوْنُ الْمَسْنُوْنِ مِنْهَا ثَمَانِيَةً وَّالْبَاقِي مُسْتَحَبًّا ۔ ❶

''یعنی دلیل کے لحاظ سے آٹھ رکعت تراویح سنت ہے اور باقی رکعتیں مستحب ہیں۔''

۱۳۔علامہ عبدالحی لکھنوی کی شہادت:

رسول اللہ ﷺ نے تراویح دو طرح ادا کی ہے: ایک بیس رکعت بے جماعت مگر اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ دوسری آٹھ رکعتیں اور تین رکعت وتر با جماعت۔ اور یہ طریقہ رسول اللہ ﷺ سے تین راتوں کے علاوہ کسی رات میں منقول نہیں۔ ❷

وضاحت: مولانا نے گیارہ رکعت والی روایت پر کوئی جرح نہیں لکھی، لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک یہ روایت بالکل صحیح ہے۔ عمدۃ الرعایہ میں گیارہ رکعت کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَأَمَّا الْعَدَدُ فَرَوَى ابْنُ حِبَّانَ وَغَيْرُهُ أَنَّهُ صَلَّى بِهِمْ ثَمَانَ رَكْعَاتٍ وَّ ثَلاَثَ رَكْعَاتٍ وِتْراً۔ (ص ۱۷۵)

''رہا عدد معین کا سوال تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابن حبان وغیرہ محدثین نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان راتوں میں آٹھ رکعت تراویح اور تین وتر پڑھائے تھے۔''

۱۴۔مولانا رشید احمد گنگوہی کی شہادت:

فرماتے ہیں الحاصل قولاً کوئی عدد معین نہیں۔ مگر آپ ﷺ کے فعل سے مختلف اعداد معلوم ہوتے ہیں۔ ازاں جملہ ایک دفعہ گیارہ رکعت باجماعت پڑھنا ہے۔ چنانچہ جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شب میں گیارہ رکعت تراویح باجماعت پڑھی۔ پھر اپنے مسلک کو سنبھالا دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اور اگر یوں کہا جاوے کہ اول دفعہ آٹھ رکعت تراویح تھیں اور تین وتر اور دوسری دفعہ اٹھارہ رکعت تراویح اور تین وتر اور تیسری دفعہ بیس رکعت تراویح اور تین وتر سنت ہے اور ہر سہ نقل باوقات مختلفہ صحابہ کو رسول اللہ ﷺ سے معلوم تھا۔ لہٰذا یہ سب سنت ہیں اور کوئی معارض ایک دوسرے کے نہیں۔ ❸

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ مولانا گنگوہی کو بھی آٹھ رکعت تراویح کا سنت نبوی ہونا تسلیم ہے۔

موصوف اپنے رسالہ ''الحق الصریح'' میں لکھتے ہیں: گیارہ رکعت تراویح مع وتر سرور عالم ﷺ سے ثابت موکدہ ہے۔ (ص ۲۲)

۱۵۔علامہ انور شاہ کاشمیریؒ کی شہادت:

وَلاَ مَنَاصَ مِنْ تَسْلِيمِ أَنَّ تَرَاوِيحَهُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ كَانَتْ ثَمَانِيَةَ رَكْعَاتٍ ۔ ❹

"علمائے احناف خواہ کتنا ہی ہیرا پھیری کریں اور ہزار باتیں بنائیں، لیکن سچ تو یہ ہے کہ اس کے تسلیم کئے بغیر ہمارے لئے کہیں پناہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تراویح تو آٹھ ہی رکعت تھی۔"

---

❶ ردالمحتار للشامی: ج ۲ ص ٤٥۔ ❷ مجموعہ فتاوی: ج ۱ ص ۲۹۷ طبع ۱۳۲۱ھ۔

❸ الرای النجیح: ص ۱۳، ۱۸۔ ❹ العرف الشذی علی الترمذی: ج ۱ ص ۱٦٦۔

جعل سازی کی انتہا:

رہا آپ کا یہ ادعا کہ مولانا محمد حسین بٹالوی کے فتویٰ تراویح کے رد میں مولانا غلام رسول قلعہ والے نے اہل حدیث ہوتے ہوئے فارسی زبان میں کتاب لکھی تھی۔ اور مولانا بٹالوی کو مفتی غالی قرار دیا تھا۔ تو یہ آپ کا مولانا موصوف پر نرا بہتان اور افترائے محض ہے۔ کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب مولانا کی طرف منسوب تو ضرور ہے مگر یہ ان کی تصنیف ہرگز نہیں۔ دراصل یہ کتاب قاضی کوٹ کے قاضی ضیاء الدین حنفی مقلد وغیرہ نے تحریک عمل بالحدیث کو سبوتاژ کرنے کے لئے مولانا غلام رسول کی طرف منسوب کر کے اس وقت شائع کی تھی، جب آپ اس دنیا سے رحلت فرما چکے تھے۔ اس کتاب کی اشاعت کے فوراً بعد ایک غیور اہل حدیث عالم مولوی غضنفر صاحب پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور نے اس کا مسکت جواب بھی دے دیا تھا۔ اور دلائل قویہ معتبرہ کے ساتھ اس جنس شریف کی اس جعل سازی اور افتراپردازی کا بھانڈا بیچ چوراہے کے پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس فاضل پروفیسر نے اپنی کتاب کے آخر میں مولانا موصوف کا ایک مکتوب سامی بنام مولوی محمد علی حمید پوری بھی شائع کر دیا تھا۔ جس میں مولانا موصوف نے محمد علی صاحب کو آٹھ رکعت تراویح کی سنت کے احیا پر مبارکباد پیش فرمائی تھی۔

بالفرض! اگر مولانا صاحب نے ایسا کوئی رسالہ لکھا بھی ہو تو ان کی رائے ہم پر حجت نہیں کہ ہم ان کے مقلد نہیں۔ یہ آپ کی منطق بھی عجیب ہے کہ ایک طرف تو آپ ہم کو غیر مقلد ہونے کا طعنہ دیتے ہیں اور دوسری طرف مولانا غلام رسول کی خلاف سنت تحریر ہمارے سامنے بطور حجت کے پیش کرتے ہیں۔ بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست۔

ناصحا اتنا تو سمجھ دل میں اپنے کہ ہم
لاکھ نادان ہوئے کیا تجھ سے بھی ناداں ہوں گے

لہٰذا اگر اہل حدیث کو قائل کرنا ہے تو اپنے اس موقف کا ثبوت کتاب و سنت سے پیش فرمائیں۔ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ۔ یہی اہل حدیث کا اصل الاصول ہے۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

فتویٰ صادر فرمائیں:

دیکھئے شاہ صاحب۔ مذکورہ بالا تینوں احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ محکمہ اور غیر منسوخہ کے صحیح معنی و مدلول کے پیش نظر آپ کے سید الاحناف امام محمد، مجتہد ابن ہمام، حجۃ الاحناف عینی، ناصر حنفیت ملا علی قاری، شیخ عبدالحق، شارح فقہ حنفی عبدالحئی، صاحب نحمات رشیدی، رشید احمد گنگوہی اور انور شاہ کاشمیری رحمہم اللہ وغیرہ اکابر علمائے احناف یہ حقیقت واقعی مان چکے کہ رسول اللہ ﷺ سے فعلاً اور تقریراً تراویح کا مسنون عدد فقط آٹھ رکعت ہی ہیں۔ لہٰذا اگر اب بھی آپ کو اپنے اس ادعا پر اصرار ہے کہ آٹھ رکعت تراویح کی بدعت سب سے پہلے ۱۲۸۴ھ میں شہر اکبرآباد کے ایک غیر مقلد مولوی نے جاری کر کے امت میں اختلاف کا شاخسانہ کھڑا کیا تھا۔ اور پھر ۱۲۹۰ھ میں مشہور غیر مقلد مولوی محمد حسین بٹالویؒ نے اس بدعت کو فروغ بخشا تھا تو پھر جرات کر

کے یہ فتویٰ صادر فرمائیں کہ سید الاحناف امام محمدؒ ابن ہمامؒ ابن نجیم وغیرہ مذکورہ بالا علمائے احناف اصل حنفی نہ تھے بلکہ دراصل بدعتی' غیر مقلد ہونے کے ساتھ فتنہ باز اور شر پرداز بھی تھے۔ (معاذ اللہ)

۳۔ نماز تراویح کے بعد رسول اللہ ﷺ سے نماز تہجد ثابت نہیں:

آپ کا یہ ارشاد کہ جس روایت (عائشہ ؓ صحیح بخاری و مؤطا امام محمد) میں آٹھ رکعت منقول ہیں، جنہیں غیر مقلدین اپنی کج فہمی سے تراویح سمجھ بیٹھے ہیں وہ دراصل نماز تہجد ہے۔ گویا انھی پیپے تے کی چٹے۔ تو سن لیں ۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من انداز قدت را مے شناسم

ہمیں اچھی طرح علم ہے کہ آپ نے یہ دام ہمرنگ زمین صرف ناخواندہ اہل حدیثوں کو شکار کرنے کے لئے بچھایا ہے ۔

بروین دام بر مرغ دگرنہ
کہ عنقارا بلند است آشیانہ

تو شاہ صاحب کی اطلاع کے لئے گزارش ہے کہ حسب سابق آپ کا یہ ادعا اور تاویل بھی غلط ہے۔ کیونکہ تراویح اور تہجد فی رمضان دونوں مترادف الفاظ ہیں۔ نماز ایک ہے اور نام دو ہیں۔ لہٰذا اس نماز کو تہجد کی نماز قرار دینا درست نہیں۔ بلکہ اس سے مراد تراویح ہی ہے۔ رہا یہ کہ اس کی دلیل کیا ہے۔ تو بگوش ہوش سنیے۔ ہم آپ کو آپ کے اکابر کی کتب سے اس کی دلیل پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ ۔

خوش تر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

دلیل اول امام محمد ؒ کا فیصلہ کن طرز عمل:

سید الاحناف امام محمدؒ نے اپنی مجتہدانہ بصیرت اور فقیہانہ حذاقت سے حضرت عائشہ ؓ کی اس حدیث کو قیام شہر رمضان (موطا امام محمد ص ۱۴۲) میں درج فرما کر آپ ایسے مخلص مقلدین کی اس تاویل کا رد کرتے ہوئے اہل حدیث کی حدیث فہمی پر مہر ثبت کر دی ہے کہ آپ کی اس نماز سے تراویح ہی مراد ہے، تہجد ہرگز نہیں۔ ورنہ وہ اس حدیث کو صلوٰۃ اللیل (ص 119) میں درج فرماتے۔ قیام شہر رمضان میں اس کو ہرگز نہ لاتے۔

مزید برآں یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کی راتوں میں تین روز صحابہ کرام کو نماز تراویح پڑھا کر کا اس سلسلہ کو جو بند فرما دیا تھا تو اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

أَلَا إِنِّي خَشِيتُ أَنْ يُفْرَضَ عَلَيْكُمْ وَذٰلِكَ فِي رَمَضَانَ . ❶

اور دوسری حدیث میں ہے:

❶ موطا محمد ص ۱۴۲ و بذل المجهود ص ۳۰۲، ۳۰۳ ج ۲.

وَلٰكِنِّیْ خَشِيْتُ اَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ صَلٰوةُ اللَّيْلِ فَتَعْجِزُوْا عَنْهَا.

اور تیسری روایت ہے:

خَشِيْتُ اَنْ يُّفْرَضَ عَلَيْكُمْ قِيَامُ هٰذَا الشَّهْرِ. ❶

ان راتوں کی نماز کے متعلق سب کا اتفاق ہے کہ یہ تراویح تھی اور اسی نماز کو رسول اللہ ﷺ نے صلوٰۃ اللیل اور قیام هذا الشهر فرمایا۔ اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ صلوۃ اللیل ہی کا نام تہجد ہے پس ثابت ہو گیا کہ تراویح ہی رمضان میں صلوۃ اللیل بھی ہے، قیام اللیل بھی ہے اور تہجد بھی ہے۔

دوسری دلیل' علامہ عبدالحیٔ کا اعلان حق:

اس نماز کو نماز تہجد قرار دینا محل نظر ہے۔ فرماتے ہیں:

بریں تقدیر نماز مذکور کہ قبل نوم بودہ از تہجد شمردن محل تامل خواہد بود۔

پھر فیصلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بہر تقدیر در شبہا مذکورہ کہ آں حضرت ﷺ دراں تراویح بجماعت ادا کردند ادا کردن نماز تہجد سوا آن از حضرت مروی نشدہ۔ ❷

نوٹ: مولانا عبدالحیٔ کے اس مجموعہ فتاویٰ کے مترجم نے جو کہ غالی حنفی ہیں اس فتوے کو محض اس لئے حذف کر دیا ہے کہ یہ فتویٰ ان کے ہجاتی مذہب کے خلاف تھا۔ یاللعجب یاللھول الطائشہ۔

یہ ٹھہرے ہیں اب دین کے پیشوا
لقب ان کا ہے وارث انبیاء

۲- آپ کے قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ارقام فرماتے ہیں:

بر اہل علم پوشیدہ نیست کہ قیام رمضان و قیام لیل فی الواقع یک نماز است کہ در رمضان برائے تیسیر مسلمین در اول شب مقرر شدہ و ہنوز عزیمت در ادائش آخر شب است۔

کہ اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ قیام رمضان (تراویح) اور قیام اللیل (تہجد) فی الواقع دونوں ایک ہی نماز ہیں جو رمضان میں مسلمانوں کی سہولت کے پیش نظر رات کے اول حصہ میں مقرر کر دی گئی ہے۔ مگر اب بھی عزیمت تو یہی ہے کہ رات کے آخری حصہ میں ادا کی جائے۔ مزید لکھتے ہیں:

نزد ہمو قائل فرضیت تہجد بر آں حضرت ﷺ تراویح نفس تہجد است علی التحقیق۔ و برائے کسے کہ تہجد بر آنحضرت ﷺ منسوخ گوید، چنانچہ قول حضرت عائشہ ؓ ہست۔ رواہ فی مسلم فی سنہ پس مواظبت تہجد دلیل سنت موکدہ خواہد بود دلائل قولیہ ناظر استاب مگر تہجد رمضان کہ تراویح است بدلیل قولی سنت موکدہ خواہد ماند۔ واللہ اعلم ❸

❶ فتح الملهم: ج ۱ ص ۳۲۲۔ ❷ مجموعہ فتاوی ج' ص ۲۹۸ طبع ۱۳۲۱ھ۔ ❸ لطائف قاسمیہ ص ۱۳' ۱۷ مکتوب سوم۔

کہ جو لوگ تہجد کو آنحضرت ﷺ کے حق میں فرضیت کے قائل ہیں ان کے نزدیک محقق بات یہ ہے کہ تراویح عین تہجد ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تہجد کی فرضیت رسول اللہ ﷺ کے حق میں بھی منسوخ ہو گئی، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث کی قائلہ ہیں۔ ان کے مسلک کے مطابق تہجد پر آنحضرت ﷺ کی مواظبت اس کے سنت مؤکدہ ہونے کی دلیل ہوگی اور قولی حدیث استحباب پر دلالت کرے گی مگر رمضان کی تہجد جو عین نماز تراویح ہے۔ دلیل قولی کی بنا پر سنت مؤکدہ ہی رہے گی۔

۳۔ حضرت انور شاہ کا اعتراف حق:

لاَ مَنَاصَ مِنْ تَسْلِيمِ أَنَّ تَرَاوِيحَهُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ كَانَتْ ثَمَانِيَةَ رَكَعَاتٍ وَلَمْ يَثْبُتْ فِي رِوَايَةٍ مِنَ الرِّوَايَاتِ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ صَلَّى التَّرَاوِيحَ وَالتَّهَجُّدَ عَلَيْحِدَةٍ فِي رَمَضَانَ بَلْ طَوَّلَ التَّرَاوِيحَ وَبَيْنَ التَّرَاوِيحِ وَالتَّهَجُّدِ فِي عَهْدِهِ عَلَيْهِ السَّلاَمُ لَمْ يَكُنْ فَرْقٌ فِي الرَّكَعَاتِ بَلْ فِي الْوَقْتِ وَالصِّفَةِ۔ ❶

یعنی (علمائے احناف خواہ کتنا ہی ہیرا پھیری کریں اور ہزار باتیں بنائیں لیکن سچ تو یہ ہے کہ) اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر ہمارے لئے کہیں پناہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تراویح تو آٹھ رکعت ہی ادا فرمائی تھیں۔ کیونکہ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تراویح اور تہجد رمضان میں علیحدہ علیحدہ ادا فرمائی ہوں بلکہ رکعات تراویح بوجہ قراءت آپ طویل کرتے تھے اور تعداد رکعات تراویح و تہجد میں کوئی فرق نہ تھا۔ یہاں تک کہ وقت اور طریقہ میں بھی۔

امام محمدؒ علامہ عبدالحیؒ مولانا رشید احمد گنگوہی اور انور شاہ کاشمیری ایسے احناف کے اعاظم رجال اور فاضل علمائے دیوبند کی ان تصریحات و اعترافات سے تین باتیں ثابت ہوئیں۔ اولاً: یہ کہ مسنون تراویح صرف آٹھ رکعت ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے تراویح صرف آٹھ ہی رکعت ثابت ہیں۔ ثانیاً: یہ کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں تراویح اور تہجد علیحدہ علیحدہ نہیں پڑھتے تھے۔ یہی قیام، یعنی نماز تراویح آپ کا رمضان میں تہجد تھا۔ ثالثاً: یہ کہ تراویح اور تہجد کی تعداد رکعات اور وقت اور طریقہ میں کوئی فرق نہ تھا۔

تیسری دلیل:

ان سب سے بڑھ کر یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز تراویح آخر شب میں بھی پڑھائی تھی:

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ صُمْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ رَمَضَانَ فَلَمْ يَقُمْ بِنَا شَيْئًا من الشهر حتّٰى بَقِيَ سَبْعٌ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ السَّادِسَةُ لم يقم بِنَا فَلَمَّا كَانَتِ الْخَامِسَةُ قَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَوْ نَفَّلْتَنَا قِيَامَ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ قَالَ فَقَالَ إِنَّ

❶ العرف الشذی علی الترمذی: ج۱ ص۱٦٦۔

الرَّجُلَ إِذَا صَلّٰى مَعَ الْإِمَامِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ حُسِبَ لَهُ قِيَامُ اللَّيْلَةِ قَالَ فَلَمَّا كَانَتِ الرَّابِعَةُ لَمْ يَقُمْ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ جَمَعَ النَّاسَ أَهْلَهُ وَنِسَائَهُ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى خَشِينَا أَنْ يَفُوتَنَا الْفَلَاحُ قَالَ قُلْتُ وَمَا الْفَلَاحُ قَالَ اَلسُّحُوْرُ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ. ❶

''حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے۔ حضرت ﷺ نے اس رمضان میں ہمیں کبھی نماز تراویح نہ پڑھائی یہاں تک کہ رمضان کے آخری سات دن باقی رہ گئے۔ یعنی تیئسویں رات کو تہائی شب تک ہمیں نماز پڑھائی، پھر چوبیسویں کو ناغہ فرمایا، پھر جب پچیسویں رات آئی تو ہمیں آدھی رات تک نماز تراویح پڑھائی تو میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول کاش! آج ہمیں تمام رات تراویح پڑھاتے تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ نمازی جب امام کے ساتھ رات کی نماز پڑھ کر لوٹے تو اس کے لئے ساری رات کے قیام کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں چھبیسویں رات کو آپ نے پھر ناغہ فرمایا۔ جب ستائیسویں رات آئی تو آنحضرت ﷺ نے اپنے اہل وعیال، ازواج مطہرات اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع فرمایا اور آپ ﷺ نے ان کو اس قدر لمبی نماز تراویح پڑھائی کہ ہم ڈر گئے کہ کہیں ہماری فلاح فوت نہ ہو جائے۔ جناب جبیر بن نفیر کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا فلاح کسے کہتے ہیں؟ تو حضرت ابوذر نے فرمایا فلاح سے مراد سحری کا کھانا ہے۔''

وضاحت: مولانا خلیل احمد سہارنپوری جیسے متشدد تیز حنفی نے اس حدیث کی سند پر کوئی کلام نہیں فرمائی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک بھی یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ❷

مقام غور ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ساری رات تراویح پڑھتے رہے حتی کہ سحری کھانے کے لئے بھی بہت ہی کم وقت بچا تھا تو ایسی صورت میں یقیناً نماز تہجد آپ ﷺ نے پڑھی تھی اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم نے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ نماز تراویح ہی نماز تہجد ہے۔ چنانچہ حضرت انور شاہ صاحب اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فِعْلُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَإِنَّهُ كَانَ يُصَلِّي التَّرَاوِيحَ فِيْ بَيْتِهِ فِيْ اٰخِرِ اللَّيْلِ مَعَ أَنَّهُ كَانَ أَمَرَهُمْ أَنْ يُؤَدُّوْهَا بِالْجَمَاعَةِ فِي الْمَسْجِدِ وَ مَعَ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ يَدْخُلُ فِيهَا وَ ذٰلِكَ لِأَنَّهُ كَانَ يَعْلَمُ أَنَّ عَمَلَ النَّبِيِّ ﷺ كَانَ بِأَدَائِهَا اٰخِرَ اللَّيْلِ ثُمَّ نَبَّهَهُمْ عَلَيْهِ قَالَ إِنَّ الصَّلٰوةَ الَّتِي تَقُوْمُوْنَ بِهَا فِيْ أَوَّلِ اللَّيْلِ مَفْضُوْلَةٌ مِنْهَا لَوْكُنْتُمْ تُقِيْمُوْنَهَا فِيْ اٰخِرِ اللَّيْلِ فَجَعَلَ الصَّلٰوةَ وَاحِدَةً وَ فَضْلُ قِيَامِهِمَا فِيْ اٰخِرِ اللَّيْلِ وَعَامَّتُهُمْ لَمَّا لَمْ يُدْرِكُوا مُرَادَهُ جَعَلُوْهُ دَلِيْلاً عَلٰى

❶ أبوداؤد مع عون المعبود: باب قيام شهر رمضان ج١ ص ٥٢١ ـ سنن النسائي: ج١ ص ١٩٢ ـ وقال ابوعيسى الترمذي هذا حديث حسن صحيح واخرجه ابوداود والنسائي وابن ماجة وسكت عنه ابوداود ونقل المنذري تصحيح الترمذي واقره وقال ابن حجر المكي هذا الحديث صححه الترمذي والحاكم. (تحفة الأحوذي: ج١، ص ٧٣.

❷ بذل المجهود ج ٢ ص ٣٠٢ ط كوئته.

تَغَايُرُ الصَّلٰوتَيْنِ وَزَعَمُوْا أَنَّهُمَا كَانَتْ صَلٰوتَيْنِ . ❶

''اس مسلک کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل سے بھی ہوتی ہے کہ وہ تراویح رات کے آخری حصہ میں اپنے گھر ادا کرتے تھے۔ حالانکہ انہوں نے لوگوں کو خود یہ حکم دیا تھا کہ وہ اس نماز کو با جماعت مسجد میں پڑھا کریں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود اس جماعت میں شرکت نہیں فرماتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ یہی تھا کہ آپ یہ نماز رات کے آخری حصہ میں ادا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو آگاہ بھی کر دیا کہ جو نماز تم لوگ اول شب پڑھتے ہو اس کو اگر آخر شب میں پڑھا کرو تو یہ زیادہ افضل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح اور تہجد فی رمضان دونوں کو ایک ہی نماز قرار دیا ہے لیکن عام طور پر علماء ان کی مراد کو نہیں سمجھ پائے۔ اس لئے انہوں نے الٹا اس کو ان دونوں نمازوں میں مغایرت کی دلیل بنا دیا اور گمان کر بیٹھے کہ تہجد اور تراویح دو نمازیں ہیں۔

چوتھی دلیل:

یہ ہے کہ حضرت انور شاہ کے بقول امام محمد بن نصر مروزی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب قیام اللیل میں تصریح فرمائی ہے کہ بعض علمائے سلف اس بات کے قائل ہیں کہ جو شخص تراویح پڑھے اس کو پھر تہجد نہیں پڑھنا چاہیے۔ اور بعض علماء نے مطلق نفل کو جائز قرار دیا ہے۔ حضرت موصوف کا بیان یہ ہے:

ثُمَّ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ نَصْرٍ وَضَعَ عِدَّةَ تَرَاجِمٍ فِيْ قِيَامِ اللَّيْلِ وَكَتَبَ أَنَّ بَعْضَ السَّلَفِ ذَهَبُوْا إِلٰى مَنْعِ التَّهَجُّدِ لِمَنْ صَلَّى التَّرَاوِيْحَ وَ بَعْضُهُمْ قَالُوْا بِإِبَاحَةِ النَّفْلِ الْمُطْلَقِ فَدَلَّ اِخْتِلَافُهُمْ هٰذَا عَلٰى إِتِّحَادِ الصَّلٰوتَيْنِ عِنْدَهُمْ . ❷

لہٰذا علمائے سلف کا یہ اختلاف اس امر کی صاف دلیل ہے کہ ان کے نزدیک یہ دونوں نمازیں ایک ہی ہیں۔

ہمیں تسلیم ہے کہ علمائے دیوبند اور بریلی عوام الناس کو اتباع سنت سے محروم رکھنے کے لئے نماز تراویح اور نماز تہجد میں کچھ کچے پکے وجوہ مغایرت بیان کیا کرتے ہیں۔ تفصیل سے قطع نظر ہم ان سب کا ایک اجمالی جواب حضرت انور شاہ صاحب کے لفظوں میں پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

قَالَ عَامَّةُ الْعُلَمَاءِ إِنَّ التَّرَاوِيْحَ وَصَلٰوةَ اللَّيْلِ نَوْعَانِ مُخْتَلِفَانِ وَالْمُخْتَارُ عِنْدِيْ أَنَّهُمَا وَاحِدٌ وَّ إِنِ اخْتَلَفَتْ صِفَتَاهُمَا كَعَدَمِ الْمُوَاظَبَةِ عَلَى التَّرَاوِيْحِ وَجَعْلُ اخْتِلَافِ الصِّفَاتِ دَلِيْلاً عَلَى اخْتِلَافِ نَوْعَيْهِمَا لَيْسَ جَيِّدٍ عِنْدِيْ بَلْ كَانَتْ تِلْكَ صَلٰوةٌ وَاحِدَةٌ إِذَا تَقَدَّمَتْ سُمِّيَتْ بِاسْمِ التَّرَاوِيْحِ وَإِذَا تَأَخَّرَتْ سُمِّيَتْ بِاسْمِ التَّهَجُّدِ وَلَا بِدْعَ فِيْ تَسْمِيَتِهَا بِاسْمَيْنِ عِنْدَ تَغَايُرِ الْوَصْفَيْنِ فَإِنَّهُ لَا حَجْرَ فِي التَّغَايُرِ الْإِسْمِيِّ إِذَا اجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ الْأُمَّةُ وَإِنَّمَا يَثْبُتُ تَغَايُرُ النَّوْعَيْنِ إِذَا ثَبَتَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ صَلَّى التَّهَجُّدَ مَعَ إِقَامَةِ التَّرَاوِيْحِ . ❸

❶ فيض الباری: ج۲ ص ۴۲۰۔ ❷ فيض الباری: ج۲ ص ۴۲۰۔ ❸ فيض الباری: ج۲ ص ۴۲۰۔

''عام علمائے احناف یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تراویح اور تہجد دونوں نمازیں مختلف النوع ہیں، مگر میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ دونوں نمازیں متحد النوع ہیں اگر چہ دونوں کے اوصاف میں کچھ اختلاف ہے جیسے..... مگر صفات کے اختلاف کو نوعی اختلاف کی دلیل ٹھہرا لینا میرے نزدیک درست نہیں ہے۔ درحقیقت یہ دونوں نمازیں ایک ہی ہیں۔ رات کے اول حصہ میں پڑھی گئی تو اس کو تراویح کہیں گے اور رات کے آخری حصہ میں پڑھی گئی تو اس کو تہجد کہیں گے۔ اور جب ان دونوں کے اوصاف میں قدرے اختلاف بھی ہے تو اس لحاظ سے اگر اس کے دو نام بھی ہوں تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟ البتہ ان دونوں نمازوں کا متغایر النوع ہونا تب ثابت ہوگا جب یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت نبی ﷺ نے تراویح کے ساتھ ساتھ نماز تہجد بھی ادا فرمائی تھی۔''

ان چاروں دلائل کو ذہن میں رکھ کر ذرا تکلیف کر کے ایک مرتبہ پھر ائمہ احناف کی ان بارہ شہادتوں کو انصاف اور دیانت کے ساتھ پڑھ لیں جو گزشتہ صفحات میں آپ کی خدمت عالیہ میں پیش کی جا چکی ہیں۔ اور اندازہ لگائیں کہ احناف کے کیسے کیسے اکابر اور اساطین دیوبند کتنے صاف الفاظ میں اس حقیقت نفس الامری کو شرح صدر کے ساتھ تسلیم کر رہے ہیں کہ حدیث عائشہ ؓ میں تراویح کا ہی بیان ہے مگر حیرت ہے آپ جیسے مدعی علم وفضل کی اس ناواقفیت یا تجاہل پر۔

إِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِيْ فَتِلْكَ مُصِيْبَةٌ
إِنْ كُنْتَ تَدْرِيْ فَالْمُصِيْبَةُ أَعْظَمُ

شاہ صاحب سوچئے:

کہ کسی حدیث کے معنی و مدلول کے سمجھنے کا سلیقہ احناف میں سید الاحناف امام محمدؒ محقق ابن ہمامؒ ابو حنیفہ ثانی ابن نجیم مصری' حجۃ الاحناف عینی' احمد طحطاوی' شیخ عبدالحق محدث دہلوی' علامہ عبدالحیؒ' مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت انور شاہ کاشمیری کو زیادہ حاصل ہے یا آپ کو۔

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

اس پھبتی کا ہدف کون؟

مولانا محمد حسین بٹالوی وغیرہ علمائے اہل حدیث، حدیث عائشہ ؓ سے گیارہ رکعت تراویح کا استدلال کرتے ہیں اور آپ کو اصرار ہے کہ اس حدیث میں نماز تہجد کا بیان ہے تراویح کا نہیں۔ اس لئے آپ ان کی حدیث فہمی کا مذاق اڑاتے ہوئے ان پر انہی پیسے تے کتی چٹے کی پھبتی کس رہے ہیں۔ حالانکہ آپ سے کئی صدیاں پہلے آپ کے سید الاحناف امام محمدؒ محقق ابن ہمامؒ ابن نجیم مصریؒ ملا علی قاریؒ اور شیخ عبدالحقؒ وغیرہ اور آپ کے اکابر علمائے دیوبند مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت انور شاہ کاشمیری وغیرہ بھی اس حدیث کا وہی مطلب بیان کرتے چلے آ رہے ہیں۔ جو مولانا محمد حسین بٹالوی نے بیان فرمایا ہے مگر تعجب ہے کہ آپ کو اپنے اکابر کی تحریروں کا بھی علم نہیں۔

اگر یہی بے خبری حضرت والا کی ہو گی
تار و پود پدری تہ و بالا ہو گی

لہٰذا اگر واویلا کر کے سید الاحناف امام محمد سے لے کر مولانا رشید احمد گنگوہی تک کی مذکورہ بالا تصریحات کو ایک مرتبہ پھر پڑھ کر دیکھئے کہ انھی کتنے شوق دے نال پیندی پئی اے تے کی کتنے مزے لے لے کر کھاندی پئی اے ؎

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

نام نہاد تعامل کی اصلیت:

رہی آپ کی یہ دھونس کہ ۱۲۸۴ء تک پوری امت بیس رکعت ہی پڑھتی آئی ہے تو آپ کی یہ دھونس نہ ہمیں مرعوب کر سکتی ہے اور نہ ہم پر حجت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم کچھ بھی ہیں بہرحال اہل حدیث ہیں۔ اس لئے ہمارا نعرہ ہے ؎

ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث یار کہ تکرار مے کنیم

ہم کہا کرتے ہیں ؎

ہوتے ہوئے مصطفیٰ ﷺ کی گفتار
مت دیکھ کسی کا قول و کردار

ہمارا شیوہ معرفت الحق بالرجال نہیں بلکہ معرفت الرجال بالحق ہے۔ ہمارے اس اصول کی ترجمانی شاہ ولی اللہ یوں فرماتے ہیں:

كَانَ عِنْدَهُمْ أَنَّهُ إِذَا وُجِدَ فِي الْمَسْئَلَةِ قُرْآنٌ نَاطِقٌ فَلَا يَجُوزُ التَّحَوُّلُ مِنْهُ إِلَى غَيْرِهِ وَإِذَا كَانَ الْقُرْآنُ مُحْتَمِلًا فَالسُّنَّةُ قَاضِيَةٌ عَلَيْهِ فَإِذَا لَمْ يَجِدُوا فِي كِتَابِ اللّٰهِ اَخَذُوا سُنَّةَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ سَوَاءٌ كَانَ مُسْتَفِيضًا دَائِرًا بَيْنَ الْفُقَهَاءِ أَوْيَكُونُ مُخْتَصًّا بِأَهْلِ بَلَدٍ أَوْ أَهْلِ بَيْتٍ أَوْ بِطَرِيْقَةٍ خَاصَّةٍ وَسَوَاءٌ عَمِلَ بِهِ الصَّحَابَةُ وَالْفُقَهَاءُ أَوْ لَمْ يَعْمَلُوا بِهِ وَ مَتٰى كَانَ فِي الْمَسْئَلَةِ حَدِيْثٌ فَلَا يَتَّبِعُ فِيهَا خِلَافَ أَثَرٍ مِّنَ الْآثَارِ وَلَا إِجْتِهَادُ أَحَدٍ مِّنَ الْمُجْتَهِدِيْنَ. ●

''اہل حدیث کا اصول یہ تھا جب کسی مسئلہ کے متعلق قرآن حکیم کا حکم ناطق موجود ہو تو اس سے ہرگز انحراف نہیں کریں گے اور کسی دوسری سند کو اس کے مقام میں قابل استناد نہیں سمجھیں گے۔ لیکن اگر قرآن کی کسی آیت میں متعدد معانی کا احتمال ہو تو اس کا فیصلہ حدیث صحیح سے ہو گا جب کسی مسئلہ کے متعلق قرآن ساکت ہو تو حدیث صحیح پر عمل کیا جائے گا۔ قطع نظر اس سے کہ وہ حدیث مستفیض ہو اور فقہاء مجتہدین کے حلقہ میں متداول ہو یا فقط

● حجۃ اللہ مصری: ج ۱ ص ۱۴۹۔

کسی خاص شہر یا معین خاندان کے لوگوں نے اس کو نقل کیا ہو۔ چاہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہاء نے اس حدیث پر عمل کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ حدیث صحیح مرفوع کے مقابلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کے آثار اور مجتہدین امت کے اجتہاد کو کچھ بھی وقعت حاصل نہیں۔"

لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی کسی سنت ثابتہ کی بابت ہمارے نزدیک یہ سوال اٹھانا ہی سرے سے اصولاً غلط ہے کہ اتنی مدت سے اس حدیث پر امت نے عمل نہیں کیا۔ یہ تو حدیث صحیح کے انکار کے مترادف ہے۔ یہ حدیث صحیح کے رد کا ایک مقلدانہ حیلہ ہے اور مقلدین کے ہاں یہ حیلہ گری کوئی گناہ نہیں۔ امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ مقلدین کے جمود وتعصب پر افسوس کرتے ہوئے آیت ﴿اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (التوبة:۱۱۷) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مقلدین علماء نے اللہ تعالیٰ کے دین وشرع کو تبدیل کر کے رکھ دیا ہے، پھر فرماتے ہیں:

إِنِّي قَدْ شَاهَدْتُ جَمَاعَةً مِّنْ مُقَلِّدَةِ الْفُقَهَاءِ قَرَاءْتُ عَلَيْهِمْ اٰيَاتٍ كَثِيْرَةً مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى فِيْ بَعْضِ الْمَسَائِلِ وَكَانَتْ مَذَاهِبُهُمْ بِخِلَافِ تِلْكَ الْاٰيَاتِ فَلَمْ يَقْبَلُوْا تِلْكَ الْاٰيَاتِ وَلَمْ يَلْتَفِتُوْا إِلَيْهَا وَ بَقُوْا يَنْظُرُوْنَ كَالْمُتَعَجِّبِ۔ يَعْنِيْ كَيْفَ يُمْكِنُ الْعَمَلُ بِظَاهِرِ هٰذِهِ الْاٰيَاتِ مَعَ أَنَّ الرِّوَايَةَ عَنْ سَلَفِنَا وَرَدَتْ عَلٰى خِلَافِهَا وَلَوْ تَأَمَّلْتَ حَقَّ التَّأَمُّلِ وَجَدْتَ هٰذَا الدَّاءَ سَارِياً فِيْ عُرُوْقِ الْاَكْثَرِيْنَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا۔ [1]

"میں نے ایک مجلس میں مقلدین کے ایک ٹولے پر بعض مسائل دینیہ کے بارے میں قرآن مجید کی بہت سی آیات پیش کیں تو انہوں نے ان آیات مقدسہ کو قبول کیا اور نہ ان کی طرف التفات کیا اور تعجب کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ہم ان آیات کے ظاہر پر کس طرح عمل کر سکتے ہیں کہ یہ ہمارے اماموں کی روایت کے خلاف ہیں، لہٰذا ہم معذور ہیں۔" یہ مرض بہت سے دنیا دار لوگوں میں جاری چلی آ رہی ہے۔

شیخ الاسلام ابن قیم:

عمل اہل مدینہ کو حجت قرار دینے والوں کی تردید کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

وَالسُّنَّةُ هِيَ الْعِيَارُ عَلَى الْعَمَلِ وَلَيْسَ الْعَمَلُ عِيَاراً عَلَى السُّنَّةِ۔ [2]

"یعنی لوگوں کے عمل کو جانچنے کی کسوٹی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، یہ نہیں کہ لوگوں کے عمل کو سنت رسول ﷺ کی تصحیح کی کسوٹی قرار دیا جائے۔"

علامہ ابن قدامہ:

ایک موقع پر لکھتے ہیں:

وَلَوْ ثَبَتَ فَسُنَّةُ النَّبِيِّ ﷺ مُقَدَّمَةٌ عَلٰى فِعْلِ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ۔ [3]

[1] مفاتيح الغيب: ج١٦ ص٣٧۔ [2] إعلام الموقعين: ج٢ ص٢٩٥۔ [3] المغني مع شرح الكبير: ج٢ ص٣٧٧۔

''نبی کریم ﷺ کی سنت ثابتہ اہل مدینہ کے عمل پر مقدم ہوگی۔''

شیخ الاسلام ابن قیمؒ نے سو فیصد سچ فرمایا:

وَكَذٰلِكَ أَهْلُ الرَّأْيِ الْمُحْدَثِ يَنْقِمُونَ عَلٰى أَهْلِ الْحَدِيْثِ وَحِزْبِ الرَّسُوْلِ أَخْذِهِمْ بِحَدِيْثِهٖ وَتَرْكِهِمْ مَاخَالَفَهُ. ●

''جس طرح دوسرے اہل باطل اہل حق سے عناد اور بغض رکھتے ہیں اس طرح اہل الرائے (احناف) کو اہل حدیث کا یہ اصول برا لگتا ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مقابلہ میں کسی دوسرے کی بات کو تسلیم نہیں کرتے۔''

بہرحال حدیث صحیح کی حجیت ائمہ اور تعامل امت کی محتاج نہیں۔ وہ فی نفسہ حجت ہے کہ وہ معصوم کی فرمودہ ہے، لہٰذا اس کے سامنے ائمہ کی اکثریت اور تعامل امت کی کوئی حیثیت نہیں۔

ملا معین (تلمیذ شاہ ولی اللہ) ''دراسات اللبیب'' میں فرماتے ہیں:

عَلِمْتَ أَنَّهٗ كَمَا يَجِبُ تَرْكُ قَوْلِ إِمَامٍ وَّاحِدٍ مُّخَالِفٍ بِالْحَدِيْثِ كَذٰلِكَ يَجِبُ تَرْكُ قَوْلِ مِائَةِ إِمَامٍ مَثَلاً إِذَا كَانَ مُخَالِفًا بِالْحَدِيْثِ الصَّحِيْحِ فَلَوْ وَجَدْنَا حَدِيْثًا صَحِيْحاً خَالَفَهُ الْأَئِمَّةُ الْأَرْبَعَةُ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ يَجِبُ عَلَيْنَا تَرْكُ أَقْوَالِهِمْ فَوْراً. ●

''ہمارے مضبوط دلائل کی روشنی میں تجھے علم ہو چکا ہے کہ صحیح حدیث کے سامنے جیسے ایک امام کے قول کو ترک کر دینا واجب ہے۔ اسی طرح سو اماموں کا قول بھی ترک کر دینا واجب ہوگا۔ لہٰذا اگر ہم ائمہ اربعہ کے قول کو بھی کسی صحیح حدیث کے خلاف پاتے ہیں تو ہم پر واجب ہے کہ ہم فوراً ان اقوال کو ترک کر دیں اور حدیث پر عمل کریں۔''

بنابریں احادیث صحیحہ کے سامنے اکثر اہل علم' تعامل امت مکہ یا مدینہ والوں کے عمل کی دھونس بے فائدہ ہے ۔

اگر نہیں ہے جستجوئے حق کا تجھ میں ذوق شوق
امتی کہلا کے پیغمبر کو تو رسوا نہ کر
ہے فقط توحید و سنت امن و راحت کا طریق
فتنہ جنگ و جدل تقلید سے پیدا نہ کر

بیس رکعت تراویح پر اجماع کی اصلیت:

آپ نے اپنی تقریر دل پذیر میں جو یہ فرمایا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' تابعینؒ ائمہ اربعہ اور پوری امت کا بیس پر اجماع ہو چکا ہے اور ایسے اجماع کے مخالف پر ''رب دی پھٹکار پیندی اے، رحمت سکیں ہندی'' یعنی آٹھ رکعت تراویح کے قائلین آپ کے نزدیک لعنتی ہیں۔ سبحان اللہ! قربان جاؤں آپ کی شیریں بیانی کے ۔

کچھ مجھ سے سیکھ لو روش گفتگو اے شوخ
پھر دلستاں بنو گے ابھی بے زباں سے ہو

بہرحال آپ کا یہ ادعا بھی فریب دہی یا فریب خوردگی کا مظہر ہے۔ لہٰذا جس کا اجمالی جواب تو تعامل امت کی بحث میں آ چکا ہے۔ اب تفصیلی اور تحقیقی جواب ملاحظہ فرمائیے۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ائمہ اربعہ اور امت کے اجماع کا دعویٰ فرمایا ہے مگر از روئے تحقیق یہ اجماع ثابت نہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سے گیارہ رکعت کا ثبوت:

مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ أَنَّهُ قَالَ أَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَتَمِيمَ الدَّارِيَّ أَنْ يَقُومَا لِلنَّاسِ بِإِحْدَىٰ عَشْرَةَ رَكْعَةً قَالَ وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَءُ بِالْمِئِينَ حَتَّىٰ كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعَصَىٰ مِنْ طُوْلِ الْقِيَامِ وَمَا كُنَّا نَنْصَرِفُ إِلَّا فِي فُرُوعِ الْفَجْرِ۔ [1]

''حضرت سائب بن یزید صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت تمیم داری کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھائیں اور امام تراویح میں سو سو آیات والی سورتیں پڑھتا تھا، حتی کہ طویل قیام کی وجہ سے ہمیں لاٹھیوں کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ اور ہم نماز تراویح سے فجر کے قریب فارغ ہوتے تھے۔''

فائدہ......: امام مالک اس اثر کو نقل کرنے میں متفرد نہیں، بلکہ امام ابن ابی شیبہ، امام سعید بن منصور، امام یحییٰ سعید بن قطان اور امام طحاوی نے بھی اس فرمان عمر رضی اللہ عنہ کو روایت کیا ہے۔

۱۔ مصنف ابن ابی شیبہ کے الفاظ یہ ہیں:

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُمَرَ جَمَعَ النَّاسَ عَلَىٰ أُبَيٍّ وَ تَمِيمٍ فَكَانَا يُصَلِّيَانِ إِحْدَىٰ عَشْرَةَ رَكْعَةً يَقْرَآنِ بِالْمِئِينَ فِي رَمَضَانَ۔ [2]

۲۔ سنن سعید بن منصور میں الفاظ یہ ہیں:

حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيدَ يَقُولُ كُنَّا نَقُومُ فِي زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِإِحْدَىٰ عَشْرَةَ رَكْعَةً۔ [3]

''محمد بن یوسف کا بیان ہے کہ میں نے سائب بن یزید سے سنا وہ کہتے تھے کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں گیارہ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔''

حافظ عبدالرحمان مبارک پوری ارقام فرماتے ہیں: رَوَاهُ أَيْضاً سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَّ أَبُوبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ النِّيمَوِي الْحَنَفِيُّ فِي آثَارِ السُّنَنِ إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ۔ [4]

[1] موطا إمام مالك: باب قيام شهر رمضان ص ۹۸۔
[2] مصنف ابن أبي شيبة ج۲ ص ۳۹۲۔
[3] تحفة الأحوذي: ج۲ ص ۷۴، وزرقاني: ج۱ ص ۲۳۹۔
[4] تحفة الأحوذي: ج۲ ص ۷۴۔

۳- امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ امام مالکؒ کی پوری عبارت بعینہ روایت فرمائی:

هٰذَا نَصُّهُ حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرَة حَدَّثَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ قَالَ ثَنَا مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ اَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَّ تَمِيْمَ الدَّارِيَّ اَنْ يَّقُوْمَا لِلنَّاسِ بِاِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً. ❶

ترجمہ گذر چکا ہے۔

۴- تَابَعَهُ (مَالِكًا) عَبْدُالْعَزِيْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ عِنْدَ سَعِيْدِ بْنِ مَنْصُوْرٍ وَّ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدِ الْقَطَّانُ عند أبي بَكْرِ بْنِ أَبِيْ شَيْبَةَ كِلَاهُمَا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ الخ. ❷

امام طحاوی حنفی کی روایت سمیت یہ چار صحیح الاسناد آثار عبدالرزاق کے بیس رکعات والے اثر کو مرجوح ٹھہرا رہے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم مرد اور عورتیں گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔ جس سے نہ صرف آپ کا بیس رکعت پر اجماع کا دعویٰ باطل ہوا بلکہ گیارہ رکعت پر اجماع صحابہ بھی ثابت ہوا۔ والحمد لله على ذلك

جو بات حق ہے وہ ہم سے چھپی نہیں رہتی
خدا نے ہم کو دیا ہے دل خبیر و بصیر

تابعین سے گیارہ رکعت کا ثبوت:

مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ حَدَّثَنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ يُوْسُفَ عَنْ جَدِّهِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ فِيْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيْ رَمَضَانَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً۔(قيام الليل:ص۱۵۵)وَقَالَ النِّيْمَوِيُّ الْحَنَفِيُّ هٰذَا قَرِيْبٌ مِمَّا رَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ أَيْ مَعَ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ اِنْتَهٰى كَلَامُ النِّيْمَوِيْ۔(تحفة الأحوذي:ج۲ص۷۴)وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ وَهٰذَا أَثْبَتُ مَاسَمِعْتُ فِيْ ذٰلِكَ وَهُوَ مُوَافِقٌ لِحَدِيْثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فِيْ صَلٰوةِ النَّبِيِّ ﷺ مِنَ اللَّيْلِ۔ ❸

”سائب بن یزید رضی اللہ عنہ صحابی کہتے ہیں کہ ہم صحابہ و تابعین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں تیرہ رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔ امام محمد بن اسحاق تابعی فرماتے ہیں کہ تراویح کے بارے میں تیرہ رکعت کا عدد زیادہ ثبوت کو پہنچا ہے۔ اور وہ موافق ہے رسول اللہ ﷺ کی نماز شب کے۔“

شیخ عبدالحق حنفی:

لکھتے ہیں:

وَرُوِيَ أَنَّهُ كَانَ بَعْضُ السَّلَفِ فِيْ عَهْدِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ يُصَلُّوْنَ بِاِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً

❶ شرح معاني الآثار: ج۱ ص۲۰۲۔ ❷ تحفة الأحوذي: ج۲ ص۷٤۔ ❸ فتح الباري، ج٤، ص ۲٥٤۔

قَصْداً لِلتَّشْبِيهِ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَا ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ . (ص ٢٢٤)

"بعض روایت میں ہے کہ کچھ سلف صالحین (تابعین) حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت میں گیارہ رکعت تراویح ادا کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تعداد رکعات میں مشابہت اور سنت ثابتہ کی پیروی کی غرض سے۔"

اس روایت سے دو باتیں ثابت ہوئیں: ایک تو دعویٰ اجماع بیس کا باطل ہو گیا۔ کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ تابعین کا ہے جس میں کبار تابعینؒ بلکہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔ دوسرے یہ ثابت ہوا کہ سلف صالحین گیارہ رکعت رسول اللہ ﷺ کی مشابہت کی نیت سے پڑھتے تھے، جیسا کہ آج کل اہل حدیث اسی نیت سے گیارہ رکعت تراویح پڑھتے ہیں، فنعم الوفاق۔

مقام خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دلبند و راہ مصطفیٰ رو
محمد عربی کو آبرو بروئے ہر دوسرا ست
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

شیخ موصوف نے اشعۃ اللمعات میں دو جگہ یہ تصریح فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تشبیہ کی نیت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ ● پس اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بعض لوگ تخفیف قراءت کی غرض سے بیس پڑھنے لگے ہوں تو کچھ اس کے منافی نہیں۔ ہم کو اس سے کچھ انکار نہیں، لیکن یہ عدد بہرحال مسنون نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ پہلے اکابر احناف کی شہادتوں میں اس امر کی مکمل تنقیح ہو چکی ہے وہ مان چکے ہیں کہ مسنون عدد صرف گیارہ مع الوتر ہی ہے۔

صحابہ، تابعین سے بیس سے زیادہ کا ثبوت:

إِنَّ مُعَاذاً اَبَاحَلِيمَةَ الْقَارِیَ كَانَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ إِحْدیٰ وَأَرْبَعِينَ رَكْعَةً . ●

"ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت معاذ ابو حلیمہ رضی اللہ عنہ قاری لوگوں کو رمضان میں اکتالیس رکعتیں پڑھایا کرتے تھے۔"

مگر یہ اثر منقطع ہے۔ لہٰذا حجت نہیں لیکن چونکہ احناف کے نزدیک منقطع روایت حجت ہوتی ہے، اس لئے آپ کے دعویٰ کے رد میں اسے پیش کیا گیا اور بس۔ صحابہ کی تراویح کے متعلق ہمارا وہی موقف ہے جو اوپر تحریر ہو چکا۔

۲-أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَمَرَ أُبَيّاً فَأَمَّهُمْ فِي رَمَضَانَ وَكَانَ يَقْرَءُ بِهِمْ خَمْسَ آيَاتٍ وَّ سِتَّ آيَاتٍ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ وَّ يُصَلِّي بِهِمْ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ شَفْعاً يُسَلِّمُ فِي كُلِّ رَكْعَتَيْنِ . ●

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی کو تراویح کا امام مقرر فرمایا۔ وہ لوگوں کو ہر رکعت میں پانچ چھ آیات سناتے تھے

● اشعۃ اللمعات: ج ١ ص ٥٨٦۔ ● قیام اللیل: ص ١٥٨۔

● قیام اللیل: ص ١٥٥۔

اور چھتیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔"

اس اثر کے راوی حسن بصری ہیں جو کہ درمیانہ درجہ کے تابعی ہیں۔

۳- مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی دیوبندی لکھتے ہیں:

کوفہ میں اسود بن یزید المتوفی ۷۵ھ چالیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ یہ واضح رہے کہ اسود حضرت ابن مسعودؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت بلال اور دوسرے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کے صحبت یافتہ تھے۔ ❶

۴- نافع حضرت ابن عمر کے مولیٰ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے تو لوگوں کو چھتیس تراویح اور وتر پڑھتے ہوئے دیکھا اور پایا ہے۔ ❷

۵- وہب بن کیسان بھی تابعی ہیں، ان کا بیان ہے کہ مَا زَالَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ بِسِتٍّ وَّ ثَلَاثِيْنَ رَكْعَةً وَّ يُوْتِرُوْنَ بِثَلَاثٍ إِلَى الْيَوْمِ فِيْ رَمَضَانَ ❸ یعنی رمضان میں لوگ برابر تراویح کی چھتیس اور وتر کی تین رکعتیں پڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ آج تک اس پر عمل جاری ہے۔

۶- تابعین سے سولہ رکعت کا ثبوت:

كَانَ أَبُوْمِجْلَزٍ يُصَلِّيْ بِهِمْ أَرْبَعَ تَرْوِيْحَاتٍ وَّيَقْرَءُ بِهِمْ سُبْعَ الْقُرْاٰنِ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ . ❹

"ابومجلز (تابعی متوفی ۱۰۹ھ) لوگوں کو چار تراویح (سولہ رکعتیں) پڑھایا کرتے تھے اور ہر رات ان کے ساتھ قرآن پاک کی ایک منزل پڑھتے تھے۔"

مجلز کا نام لاحق بن حمید بصری ہے۔ انہوں نے مندرجہ ذیل صحابہ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت حسن بن علی، حضرت معاویہ، حضرت عمران بن حصین، حضرت ابن عباس، حضرت انس اور حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت حفصہ وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ ❺

پس ان روایات سے ثابت ہوا کہ بیس رکعت پر تابعین کے اجماع کا دعویٰ محض دھونس اور نری فریب کاری ہے۔ لہٰذا شاہ صاحب کی خدمت میں گزارش ہے۔

ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار
یہ حقائق ہیں تماشا ہائے لب بام نہیں

ائمہ اربعہ کا بیس پر اجماع ثابت نہیں:

فَسَوْفَ تَرٰى إِذَا انْكَشَفَ الْغُبَارُ
أَفَرَسٌ تَحْتَ رِجْلِكَ أَمْ حِمَارٌ

حافظ سیوطی اپنے رسالہ المصابیح میں حضرت امام مالک کا مسلک اور پسندیدہ عمل بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

❶ رکعات تراویح بحوالہ انوار مصابیح: ص ۲۵۱۔ ❷ رکعات تراویح بحوالہ انوار مصابیح: ص ۲۵۳۔
❸ قیام اللیل ص ۱۵۵۔ ❹ قیام اللیل: ص ۱۵۸۔ ❺ تہذیب التہذیب: ج ۱۱ ص ۱۷۱۔

قَالَ ابْنُ الجَوزِيِّ مِنْ أَصْحَابِنَا عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ قَالَ الَّذِي جَمَعَ عَلَيْهِ النَّاسَ عُمَرُ بْنُ خَطَّابٍ أَحَبُّ إِلَيَّ وَهُوَ إِحْدَىٰ عَشَرَةَ رَكْعَةً وَهِيَ صَلوٰةُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ قِيلَ لَهُ إِحْدَىٰ عَشَرَةَ رَكْعَةً بِالْوِتْرِ؟قَالَ نَعَمْ وَثَلٰثَ عَشَرَةَ قَرِيباً مِنْهُ قَالَ وَلاَ أَدْرِي مِنْ أَيْنَ أَحْدَثَ هٰذَا الرُّكُوعُ الْكَثِيرُ. ❶

"ہمارے اصحاب سے امام ابن جوزیؒ نقل کرتے ہیں کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ تراویح کی جس تعداد پر لوگوں کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمع فرمایا تھا وہ تعداد مجھے محبوب تر ہے اور وہ گیارہ رکعات ہیں اور یہی نماز رسول اللہ ﷺ کی تھی۔ کسی نے امام مالکؒ سے پوچھا کہ کیا وتر سمیت گیارہ ہیں؟ فرمایا: ہاں اور تیرہ رکعات جو لوگوں میں رائج ہیں مجھے اس کی وجہ اور علت معلوم نہیں کہ زیادہ رکعتیں کہاں سے اور کیونکر جاری ہوئیں۔"

علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں:

وَقِيلَ إِحْدَىٰ عَشَرَةَ رَكْعَةً وَهُوَ اخْتَارَ مَالِكٌ لِنَفْسِهِ وَاخْتَارَهُ أَبُوبَكْرِ ابْنُ الْعَرَبِيِّ. ❷

"ایک قول گیارہ رکعت کا ہے۔ امام مالکؒ کو یہی تعداد پسند تھی اور اسی تعداد کو مشہور مالکی فقیہ ابوبکر ابن العربی نے پسند فرمایا ہے۔"

مسلک امام شافعیؒ:

آپ کا مسلک بھی گیارہ رکعت مع الوتر کا ہے۔ امام بیہقی کتاب "معرفة السنن والآثار" میں ارقام فرماتے ہیں:

قَالَ الشَّافِعِيُّ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوسُفَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ أَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَّ تَمِيمَ الدَّارِيَّ أَنْ يَقُومَا لِلنَّاسِ بِإِحْدَىٰ عَشَرَةَ رَكْعَةً هٰذَا مَذْهَبُنَا. ❸

"حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہم کو امام مالکؒ نے خبر دی انہوں نے محمد بن یوسف سے روایت کی اور انہوں نے سائب بن یزید سے اور سائب بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعت پڑھایا کریں، امام شافعی فرماتے ہیں یہی ہمارا مذہب ہے۔" ❹

اعتراض: امام ترمذیؒ نے لکھا ہے امام شافعیؒ بیس رکعت تراویح کے قائل تھے، لہٰذا ان دونوں اقوال میں جو تعارض ہے اس کا حل کیا ہے؟

جواب: احتمال ہے کہ پہلے امام شافعیؒ بیس رکعت کے قائل ہوں اور بعد میں دلیل کی پختگی کی وجہ سے گیارہ تراویح کو اپنا مذہب قرار دے لیا ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بیس کے استحباب کے قائل ہوں۔ چنانچہ فتح الباری شرح صحیح البخاری میں ہے:

---

❶ تحفة الأحوذی: ج۲ ص۷۳۔ المصابیح فی صلوة التراویح۔ ❷ عمدة القاری: ج۵ ص۳۵۷' تحفة الأحوذی: ج۲ ص۷۳۔

❸ معرفة السنن والآثار: ج۱ ص۴۴۷۔ و فتاوی علماء حدیث: ج۶ ص۳۲۵۔ ❹ قیام اللیل: ص۲۰۲۔

وَ عَنِ الزَّعْفَرَانِيِّ عَنِ الشَّافِعِيِّ رَأَيْتُ النَّاسَ يَقُوْمُوْنَ بِالْمَدِيْنَةِ بِتِسْعٍ وَّ ثَلاثِيْنَ وَبِمَكَّةَ بِثَلَاثٍ وَّ عِشْرِيْنَ وَلَيْسَ فِيْ شَيْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ ضِيْقٌ وَ عَنْهُ قَالَ إِنْ أَطَالُوا الْقِيَامَ وَأَقَلُّوا السُّجُوْدَ فَحَسَنٌ وَإِنْ أَكْثَرُوا السُّجُوْدَ وَاخفوا الْقِرَاءَةَ فَحَسَنٌ وَالْأَوَّلُ أَحَبُّ إِلَيَّ. ❶

''امام شافعی ؒ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو مدینہ منورہ میں ۳۹ رکعت تراویح اور مکہ مکرمہ میں ۲۳ رکعت تراویح پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، چونکہ یہ نفلی نماز ہے، لہٰذا اس میں رکعات کی کمی بیشی میں کوئی حرج نہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اگر لوگ رکعات کم پڑھیں اور قراءت زیادہ کریں تو اچھا ہے۔ اور اگر رکعات میں اضافہ کریں اور قراءت کم کرلیں تو بھی اچھا ہے، تاہم پہلی صورت، یعنی رکعات تھوڑی اور قرآن زیادہ پڑھا جائے تو یہ مجھے زیادہ محبوب ہے۔''

امام احمد بن حنبل ؒ کا مسلک:

امام اہل السنہ احمد بن حنبل ؒکسی معین عدد کے قائل ہی نہیں۔ وہ اس نماز میں توسع کے قائل ہیں، چنانچہ امام ترمذی فرماتے ہیں:

وَقَالَ أَحْمَدُ رُوِيَ فِيْ هٰذَا أَلْوَانٌ لَّمْ يَقْضِ فِيْهِ بِشَيْءٍ. ❷

''نماز تراویح کی معین تعداد کے متعلق مختلف روایات منقول ہیں، لہٰذا آپ نے تعداد رکعات تراویح کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔''

امام محمد بن نصر مروزی لکھتے ہیں:

قَالَ إِسْحٰقُ بْنُ مَنْصُوْرٍ قُلْتُ لِأَحْمَدَ بْنِ حنبلٍ كَمْ مِّنْ رَكْعَةٍ يُّصَلِّيْ فِيْ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ فَقَالَ قَدْ قِيْلَ فِيْهِ أَلْوَانٌ نَحْوًا مِّنْ أَرْبَعِيْنَ إِنَّمَا هُوَ تَطَوُّعٌ. ❸

''اسحاق بن منصور کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا کہ تراویح کی کتنی رکعت پڑھنی چاہئیں تو امام صاحب نے میرے جواب میں فرمایا کہ تراویح کی رکعات کے متعلق مختلف روایات آئی ہیں حتیٰ کہ بعض روایات میں چالیس رکعات کا بھی ذکر ملتا ہے دراصل یہ نفل نماز ہے، لہٰذا اس میں توسع ہے۔''

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ:

رقم طراز ہیں:

خَيَّرَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ بَيْنَ إِحْدٰى عَشْرَةَ وَ ثَلٰثَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً. ❹

شاہ صاحب المصفّٰی میں لکھتے ہیں کہ امام احمد مخیّر داشتہ است درادائے یازدہ رکعت وبست وسہ رکعت۔ امام احمد نے گیارہ اور تیئس رکعت تراویح کے پڑھنے میں اختیار دیا ہے کہ ان دونوں میں جونسی تعداد چاہو پڑھ لو۔

---

❶ فتح الباري، ترتيب شيخ ابن باز: ج٤ ص٢٥٣) طبع جديد ص ٣١٩. ❷ تحفة الأحوذي: ج٢ باب قيام شهر رمضان ص ٧٦.

❸ قيام الليل: ص ١٥٥، ١٥١، وتحفة الأحوذي: ج٢ ص ١٧٦. ❹ المسوّٰى والمصفى على الموطا: باب قيام شهر رمضان.

ہماری اس طویل گفتگو سے ثابت ہوا کہ حضرت امام مالکؒ نے گیارہ رکعت تراویح مع وتر پسند فرمائیں۔ اور امام کا مذہب بھی یہی گیارہ رکعات کا ہے۔ اور امام احمد بن حنبلؒ گیارہ اور تیکیس میں کوئی ایک تعداد کو اختیار کرنے کی اجازت دے رہے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ بیس رکعات تراویح پر ائمہ اربعہ کا اجماع کا دعویٰ نرا فراڈ اور حدیث رسول پر عمل نہ کرنے کا بدترین حیلہ اور ہتھکنڈہ ہے ۔

زاہد نداشت تاب وصال پری رخاں
کنجے گرفت و ترس خدارا بہانہ ساخت

آیئے! ہم آپ کو آپ کے حجۃ الاحناف علامہ عینی سے ملائے دیتے ہیں۔ آپ ان سے دریافت کرلیں کہ بیس پر اجماع کے دعویٰ کی انہوں نے قلعی کھول کر رکھ دی ہے۔ موصوف فرماتے ہیں:

فِيهِ ثَمَانِيَةُ أَقْوَالٍ: اَلْأَوَّلُ(۴۱) اَلثَّانِي(۳۶) اَلثَّالِثُ(۳۴) اَلرَّابِعُ(۲۸) اَلْخَامِسُ(۲۴) اَلسَّادِسُ (۲۰) اَلسَّابِعُ(۱۶) اَلثَّامِنُ(۱۱) وَذَكَرَ أَنَّ الْقَوْلَ الْأَخِيرَ هُوَ اخْتَارَ مَالِكٌ لِنَفْسِهِ وَاخْتَارَهُ ابْنُ الْعَرَبِي الْمَالِكِيُّ۔ ❶

'' رکعات التراویح کے بارے میں آٹھ قول مشہور ہیں: (۱) ۴۱ رکعتیں ہیں اہل مدینہ کا اسی پر عمل ہے (۲) ۳۶ رکعت ہیں، یہ بھی اہل مدینہ میں معمول بہ تعداد ہے۔ (۳) ۳۴ رکعت ہیں' زارہ بن ابی اوفی عشرہ اخیر میں ۳۴ رکعت پڑھایا کرتے تھے۔ (۴) ۲۸ رکعت ہیں، کہ زرارہ بن اوفی پہلے دو عشروں میں اور سعید بن جبیر آخری عشرہ میں لوگوں کو ۲۸ رکعتیں پڑھایا کرتے تھے۔ (۵) ۲۴ رکعت، یہ تعداد بھی سعید بن جبیر سے مروی ہے۔ (۶) ۲۰ رکعت ہیں ہمارے حنفیہ کا اسی پر عمل ہے۔ (۷) ۱۶ رکعت اور آٹھواں قول گیارہ رکعت مع الوتر ہے۔ امام مالک اور ابن العربی مالکی نے اسی آخری قول کو پسند فرمایا ہے۔

لیجئے جناب:

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ ائمہ ثلاثہ امام مالکؒ' امام شافعیؒ اور امام احمد حنبلؒ میں سے کوئی بھی آپ کے اس خانہ ساز اجماع کا قائل نہیں۔ مزید برآں آپ کے علامہ عینی حنفیؒ کے اشہب قلم نے آپ کے اس اجماع کا انجر پنجر ہلا کے رکھ دیا ہے، اب آپ ہی فرمائیں کہ آپ کی اس بانگی پر کان دھریں یا ائمہ ثلاثہ اور علامہ عینی کی مذکورہ بالا تحقیق پر صاد کریں ۔

کس کا یقین کیجئے کس کا یقین نہ کیجئے
لائے ہیں بزم یار سے لوگ خبر الگ الگ

لیجئے جناب یہ ہے اصلیت آپ کے اس مزعومہ اجماع کی جس کے برتے پر مخالفین کو ملعون قرار دیے بغیر آپ کو چین نہیں آیا۔

معاف کیجئے ہمیں تو ایسا لگتا ہے کہ آپ نے براہ راست اپنے مذہب کی مسلمہ کتب کو کبھی دیکھا ہے اور نہ دواوین حدیث

❶ عمدۃ القاری: ج۵ص ۳۵۶' ۳۵۷۔

کے مطالعہ کی ضرورت محسوس فرمائی ہے۔ مولوی خیر محمد جالندھری ایسے متعصب اور غالی حنفی اور ضیاء الدین ایسے جعل ساز حنفی کے رسالہ کے خام مواد کو حرف آخر باور کر کے اجماع کا دعویٰ جڑ دیا۔ یا پھر جان بوجھ کر حق وصداقت اور انصاف و دیانت کے خلاف اپنے اندھے مریدوں اور جاہل سامعین کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے تلبیس و تدلیس سے کام لیا ہے جو آپ کی شان تقدس کے سراسر منافی ہے۔ کاش! آپ ایسا نہ کرتے۔

بتایئے لعنتی کون؟

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت جابر بن عبداللہؓ حضرت عمر فاروقؓ حضرت ابی بن کعبؓ تمیم داری، سائب بن یزید اور دوسرے وہ تمام صحابہ مرد اور عورتیں جو حضرت عمرؓ کے عہد میں بقید حیات تھے۔ ابوحلیمہ قاری، محمد بن اسحاق، اسود بن یزید، وہب بن کیسان، ابومجلز، سعید بن جبیر، محمد بن سیرین، صالح مولیٰ توامہ داؤد بن قیس، زراہ بن اوفیؒ اور عمر بن عبدالعزیز کے عہد کے ہزاروں تابعین (قیام اللیل للمروزی) امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ جیسے فقہاء محدثین، مجتہدین میں سے سوائے امام ابوحنیفہ کے سب کا مسلک اور فتویٰ بہر حال آپ کے مفروضہ اجماع کے خلاف ہے۔ پھر ان میں سے اکثر اہل علم بحکم حدیث عائشہ و فرمان فاروقی اس بات کے قائل وفاعل ہیں کہ تراویح مع الوتر کی تعداد گیارہ ہی ہیں۔ باقی اہل علم ۲۴ سے لے کر ۴۱ رکعت کے قائل ہیں۔ اور پھر امام محمد، ابن ہمام، طحاوی، ملا علی قاری، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، علامہ عبدالحی لکھنوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، اور حضرت انور شاہ کاشمیری وغیرہ جیسے فقہاء احناف سب کے سب اس بات کے قائل ہیں کہ تراویح کی مسنون تعداد وتر سمیت گیارہ ہی ہیں۔ یعنی یہ سب اعیان علم وفضل حنفی ہوتے ہوئے بھی آپ کے اس لئے پٹے اجماع کے مخالف ہیں، لہٰذا بتایئے کیا آپ کے فتویٰ شریف کے مطابق حنفی اکابر بھی لعنتی ٹھہرے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔ اف رے تقلید تیرا ستیاناس۔ ؎

خزاں کے ہاتھ سے گلشن میں خار تک نہ رہا
بہار کیسی، نشان بہار تک نہ رہا

حرف محرمانہ:

یہ رہی آپ کے پیش کردہ ادعائی اجماع کی اصلیت؟ اگر آپ پسند فرمائیں اور آپ کی تقلید شخصی اس کی اجازت دے تو ہم بھی فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ کی اساس پر منعقد ہونے والے ایک ایسے اجماع کی نشان دہی کرتے ہیں جو ایمان افروز بھی ہے اور شفاعت رسول ﷺ کا ضامن بھی۔ نیز یہ ایک ایسا اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کسی سچے محب اور راسخ فی العلم والاعتقاد مسلمان کو اس کی واقعیت اور صداقت میں پہلے کبھی شبہ گزرا ہے اور نہ قیامت تک گزر سکتا ہے۔ ھاموذا!

قَالَ الْإِمَامُ الشَّافِعِيُّ رحمه الله أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَىٰ أَنَّ مَنِ اسْتَبَانَ لَهُ سُنَّةٌ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَمْ يَحِلَّ لَهُ أَنْ يَدَعَهَا بِقَوْلِ أَحَدٍ۔ [1]

---

[1] صلوٰۃ التراویح للشیخ ناصر الدین الألبانی: ص ۹۶۔

"حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص پر رسول اللہ ﷺ کی سنت ثابت ہو جائے تو پھر اس کے لئے کسی امتی کے قول و اجتہاد کے پیش نظر اس سنت ثابتہ کو چھوڑ دینا حلال نہیں ۔

علمے کہ نہ ماخوذ زمشکوۃ نبی است
واللہ کہ سیرابی از و تشنہ لبی است
جائے کہ بود مشعل حق شعلہ فروزا
تابع شدن حکم خرد بولہبی است

تراویح آٹھ ہیں نہ کہ بیس

سوال: بریلوی حنفیوں کی ایک کتاب جاء الحق میں بیس رکعت تراویح کے ثبوت میں ۲۳ دلائل لکھے ہیں۔ دیکھئے صفحات ۴۴۴ تا ۴۴۶۔ براہِ کرم ان کی حقیقت بتایئے کیا ہے؟ (سائل محمد اسماعیل خان آپ راقم کے سب سے چھوٹے بھائی ہیں)

جواب: وباللہ التوفیق۔

دلیل نمبر ا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک رکعت میں جتنا قرآن پڑھتے تھے ان کا نام رکوع ہے۔ چونکہ یہ دونوں صحابی ۲۷ رمضان کو قرآن ختم کرتے تھے اور قرآن کے تمام رکوع ۵۵۷ ہیں۔ اگر تراویح بیس رکعت پڑھی جائیں اور ایک رکعت میں ایک رکوع پڑھا جائے اور آخری رات میں فی رکعت متعدد رکوع پڑھ لئے جائیں تو قرآن ۲۷ دنوں میں ختم ہو جاتا ہے۔ غیر مقلدوں کی آٹھ رکعت کے لحاظ سے قرآن کے کل رکوع ۲۱۶ ہونے چاہئیں۔ (جاء الحق: ص ۴۴۴)

جواب: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس عمل کے لئے حوالہ کوئی نہیں' معلوم نہیں یہ کہانی کہاں سے لی گئی ہے، اگر ہو بھی تو صحابی کا عمل دلیل نہیں ہوتا کیونکہ اصول فقہ میں دلائل کتاب و سنت اجماع اور قیاس شمار کئے گئے ہیں اور بس۔ پھر رکوعات قرآنی کی تعیین وتحدید قاریوں کی اختراع ہے اور اجماع وہ دلیل بنتا ہے' جو ثابت بھی ہو۔

دلیل نمبر ۲۔ تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے اور آٹھ رکعت میں ۲ ترویحے ہوتے ہیں۔

جواب: کسی صحیح مرفوع حدیث میں تراویح کا لفظ نہیں ملتا۔ حدیث میں قیام رمضان ہے۔ چنانچہ محدثین قیام شھر رمضان کا باب باندھتے ہیں' خود مؤطا محمد میں قیام شھر رمضان کا عنوان ہے۔ صحیح بخاری کے ایک نسخے میں کتاب الصلوۃ التراویح کا عنوان ملتا ہے۔ باقی نسخوں میں وہ بھی نہیں۔ شاید شہرت کی وجہ سے کسی ناسخ نے لکھ دیا ہوگا۔

اس کے علاوہ دو بھی جمع ہیں۔ امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے "إِثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ" اور مالک بن حویرث کی حدیث وَلْيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا سے استدلال کیا ہے اور دو دفعہ چار چار پڑھنا تراویح ہو جاتے ہیں۔ پس صحیح بخاری کے باب اور حدیث کے مطابق دو کا جمع ہونا صحیح ہو گیا۔

دلیل نمبر ۳: ہر روز بیس رکعات نماز یعنی ۱۷ فرض اور تین وتر ضروری ہیں اور رمضان میں اس بیس کی تکمیل کے لئے بیس رکعت

نماز تراویح اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیں۔

جواب: نمازیں فرض پانچ ہیں ۔ وتر فرض نہیں وتر سنت ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ أُدْعُهُمْ إِلٰى شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُوْلُ اللّٰهِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوٰاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ ۔ ❶

''رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر روانہ کیا تو فرمایا کہ آپ پہلے ان کو توحید ورسالت کی شہادت کی دعوت دیں۔ اگر وہ تیری بات مان لیں تو پھر ان کو کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رات دن پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازیں پانچ ہیں چھ نہیں، تو پھر وتر سنت ہوئے نہ کہ فرض۔

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا مِنْ اَحْسَنِ مَا يُسْتَدَلُّ بِهِ لِأَنَّ بَعْثَ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ كَانَ قَبْلَ وَفَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَسِيْرٍ ۔ ❷

''یہ حدیث وتر کے فرض نہ ہونے کی بہترین دلیل ہے کیونکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے یمن جانے کے تھوڑی مدت بعد آنحضرت ﷺ وفات پا گئے تھے۔''

اس لئے جمہور علماء کا مذہب بھی یہ ہے کہ وتر سنت ہے:

وَقَدْ ذَهَبَ الْجُمْهُوْرُ إِلٰى أَنَّ الْوِتْرَ غَيْرُ وَاجِبٍ بَلْ سُنَّةٌ ۔ ❸

بخاری شریف (ص ۱۳۶) میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر اور نفل سواری پر پڑھ لیتے تھے، لیکن فرض سواری پر نہیں پڑھتے تھے، بلکہ وتر میں جہت قبلہ بھی ضروری نہ ہوتی تھی۔

جواب: وتر صرف تین ہی نہیں بلکہ ۹' ۷' ۵' اور ایک بھی ہیں ۔ چنانچہ بخاری شریف میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلوٰةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى فَإِذَا أَرَدْتَّ أَنْ تَنْصَرِفَ فَارْكَعْ رَكْعَةً تُوْتِرُهُ لَكَ مَاصَلَّيْتَ الخ ۔ ❹

''رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ جب تم نماز سے فارغ ہونا چاہو تو ایک رکعت پڑھ لو۔ کیونکہ ایک رکعت تمہاری نماز کو وتر بنا دے گی۔''

---

❶ بخاری: باب وجوب الزکوٰۃ ص ۱۸۷ ج ۱۔
❷ نیل: ص ۳۶ ج ۳۔
❸ نیل: ص ۳۵ ج ۳ باب الوتر علی الدابۃ۔
❹ صحیح بخاری: ص ۱۳۵ ج ۱ باب الوتر۔

امام ترمذی نے تو باب ہی یوں باندھا ہے بَابُ مَاجَاءَ فِيْ الْوِتْرِ بِرَكْعَةٍ اور یہ حدیث لکھی ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى وَيُوْتِرُ بِرَكْعَةٍ.

''آپ ﷺ رات کو دو دو رکعت پڑھتے تھے اور پھر ایک وتر پڑھتے۔'' ان احادیث سے ثابت ہوا کہ وتر فرض نہیں۔

دلیل نمبر۴۔ چونکہ آنحضرت ﷺ نے نہ تو آٹھ رکعت کا حکم دیا اور نہ اس پر پابندی فرمائی بلکہ حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کا آٹھ رکعت تراویح پڑھنا صراحتاً ثابت نہیں ہے۔ (جاء الحق: ص ۴۴۵)

جواب: یہ دعویٰ بالکل غلط ہے۔ احادیث صحیحہ سے آٹھ رکعت صراحتاً ثابت ہیں اور آپ ﷺ ہمیشہ آٹھ ہی پڑھتے تھے۔

احادیث صحیحہ:

(۱) أَبُوْ سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ رضي الله عنها كَيْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ رَمَضَانَ فَقَالَتْ وَمَا كَانَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهِ عَلٰى إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّيْ أَرْبَعاً وَّلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّيْ ثَلَاثاً. ❶

''حضرت ابو سلمہ کے ایک سوال کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ قیام نہیں فرماتے تھے۔ نہایت عمدگی سے لمبی ۴ رکعت ادا فرماتے' اسی طرح کی چار رکعت اور پڑھتے، ازاں بعد تین وتر پڑھتے۔''

(۲) عَنْ جَابِرٍ رضي الله عنه قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ ثَمَانَ رَكْعَاتٍ وَأَوْتَرَ فَلَمَّا كَانَتِ الْقَابِلَةُ إِجْتَمَعْنَا فِي الْمَسْجِدِ وَرَجَوْنَا أَنْ يَّخْرُجَ فَلَمْ يَنْزِلْ فِيْهِ حَتّٰى أَصْبَحْنَا ثُمَّ دَخَلْنَا فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِجْتَمَعْنَا فِي الْمَسْجِدِ وَرَجَوْنَا أَنْ تُصَلِّيَ بِنَا فَقَالَ إِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْكُمْ. ❷

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے رمضان میں ایک رات میں آٹھ رکعت اور وتر پڑھائے۔ ہم نے دوسری رات بھی آپ ﷺ کا انتظار کیا مگر صبح کو آپ ﷺ نے فرمایا: اس خدشہ سے میں نے ناغہ کیا کہ قیام رمضان تم پر ضروری نہ ہو جائے۔''

(اعتراض) اس کی سند میں عیسیٰ بن جاریہ راوی متکلم فیہ ہے۔

جواب: اس حدیث کی سند کو وسط (یعنی حسن) کہنے والے حافظ ذہبی بڑے پایہ کے محدث ہیں۔ چنانچہ شرح نخبہ میں

---

❶ بخاری: باب قیام النبی ﷺ ص ۱۵۴ ج ۱ کتاب الصوم ص ۲۶۹ ج ۱۔ مسلم: باب الصلوة اللیل و عدد الرکعات ص ۲۵۴ ج ۱.

❷ رواه الطبراني في الصغير (ص ۱۰۸) ومحمد بن نصر المروزي (ص ۹۰) وابن خزيمة وابن حبان في صحيحيهما قال الحافظ الذهبي بعد ذكر هذا الحديث إسناده وسط (ميزان الإعتدال: ص ۳۱۱، ج ۲) وذكر الحافظ الذهبي بعد ذكر هذا الحديث في بيان عدد الركعات (فتح الباري ص ۹۷، ج ۱).

لکھتے ہیں:

اَلذَّهَبِيُّ مِنْ أَهْلِ الْاِسْتِقْرَاءِ التَّامِ فِيْ نَقْدِ الرِّجَالِ .

"رجال کی جانچ پرکھ اور نقد و جرح میں حافظ ذہبی کو یدطولیٰ حاصل ہے۔"

علاوہ ازیں حافظ ابن خزیمہ اور حافظ ابن حبان کا اس حدیث کو اپنی اپنی صحیح میں درج کرنا حافظ ذہبی کی بھرپور تائید ہے۔

مزید برآں یہ حدیث دراصل بخاری میں ابوسلمہ کی مروی حدیث کی تفصیل ہے۔

كَمَا أَشَارَ إِلَيْهِ الْحَافِظُ وَالْعَيْنِيُّ فَافْهَمْ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَاصِرِيْنَ .

۲۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ جَاءَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ إِنَّهٗ كَانَ مِنِّي اللَّيْلَةَ شَيْءٌ يَعْنِيْ فِيْ رَمَضَانَ قَالَ وَمَا ذَاكَ يَا أُبَيُّ؟ قَالَ نِسْوَةٌ فِيْ دَارِيْ قُلْنَ إِنَّا لَا نَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَنُصَلِّيْ بِصَلٰوتِكَ قَالَ فَصَلَّيْتُ بِهِنَّ ثَمَانَ رَكْعَاتٍ وَأَوْتَرْتُ فَكَانَتْ شِبْهُ الرِّضَا وَلَمْ يَقُلْ شَيْئاً . ❶

"جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یارسول اللہ! آج کی رات مجھ سے ایک کام ہو گیا ہے۔ فرمایا وہ کیا؟ کہا کہ عورتیں میرے گھر میں جمع ہو گئیں اور میں نے ان کو آٹھ رکعت اور وتر پڑھا دیے۔ آپ ﷺ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر کوئی اعتراض نہیں کیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے اس عمل کو پسند فرمایا۔"

وضاحت:

ابوسلمہ والی حدیث (صحیح بخاری) کو خود امام محمدؒ نے اپنی کتاب مؤطا میں درج فرمایا ہے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مجتہد حنفیہ امام محمدؒ کے نزدیک بھی یہ حدیث قیام رمضان کے بیان میں ہے نہ کہ تہجد کے بیان میں، جیسا کہ بعض حنفی فقہاء اور اکابر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نہ ماننے کے لئے یہ بہانہ تراشتے ہیں۔

بہرحال ان تینوں صحیح اور صریح احادیث میں آٹھ رکعت قیام رمضان، یعنی تراویح کا صراحتاً ثبوت موجود ہے اور آٹھ رکعات تراویح ہی دراصل سنت نبویہ ہیں۔

پورے اعتماد کے ساتھ ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کے زمانہ میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے آٹھ رکعت اور وتر سے زیادہ قیام رمضان نہیں کیا۔ چنانچہ امام مالک کا فرمان ہے:

اَلَّذِيْ جَمَعَ عَلَيْهِ النَّاسَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَحَبُّ إِلَيَّ وَهِيَ إِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً وَهِيَ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ـــــ وَلَا أَدْرِيْ مِنْ أَيْنَ حَدَثَ هٰذَا الرُّكُوْعُ الْكَثِيْرُ . ❷

---

❶ رواه ابويعلى والطبراني في الاوسط وقال الهيثمي في مجمع الزوائد (ص ٧٤، ج٢) إسناده حسن واخرجه ايضا محمد بن نصر المروزي في قيام الليل (ص: ٩٠).

❷ المصابيح في صلوة التراويح للسيوطيؒ.

''گیارہ رکعت رسول اللہ ﷺ کی نماز ہے اور یہی مجھے پسند ہیں۔ گیارہ اور تیرہ کے علاوہ کثرت رکعات کا مجھے علم نہیں کہ وہ کہاں سے پیدا ہو گئیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ امام مالک کے نزدیک بھی بیس تراویح سنت نبوی نہیں۔ ومن یدعی فعلیه البیان بالبرھان۔

دلیل نمبر ۵: لہٰذا صحابہ کرام کا بیس پر اتفاق کرنا سنت کی مخالفت نہیں ہے۔ ہمیں حکم ہے علیکم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدین۔

جواب: اولاً پیش کردہ حدیث میں پہلا لفظ سنتی کا ہے۔ سنت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم دوسرے نمبر پر ہے۔ چونکہ دلیل نمبر ۴ کے جواب میں مذکورہ حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ سنت نبوی ﷺ صرف آٹھ اور تین وتر ہیں۔ لہٰذا آپ کی سنت کے ہوتے ہوئے خلفاء کے عمل کی ضرورت نہیں رہتی۔

جواب: سنت خلفائے راشدین سے ان کا طریقہ نظام حکومت مراد ہے۔ علامہ امیر یمانی فرماتے ہیں:

فَإِنَّهُ لَيْسَ الْمُرَادُ بِسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ إِلاَّ طَرِيقُهُمُ الْمُوَافِقَةُ لِطَرِيقَتِهِ ﷺ مِنْ جِهَادِ الْأَعْدَاءِ وَ تَقْوِيَةِ شَعَائِرِ الدِّيْنِ وَ نَحْوِهَا۔ ❶

''خلفاء کی سنت سے ان کا وہ سیاسی طریق کار مراد ہے جو آنحضرت ﷺ کے طریقے کے موافق ہو اور پھر اس طریق کار کا اعدائے اسلام کے خلاف جہاد اور دوسرے دینی شعائر کی سربلندی اور تقویت سے تعلق ہو۔''

دلیل نمبر ۶۔ حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے:

قَالَ كُنَّا نَقُوْمُ فِيْ عَهْدِ عُمَرَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَعْرِفَةِ بِإِسْنَادٍ صَحِيْحٍ۔ ❷

دلیل نمبر ۶ ''سائب بن یزید سے روایت ہے کہ ہم عہد عمر میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔''

جواب: یہ اثر قابل اعتماد نہیں۔ اولاً اس لئے کہ اس کی سند میں ایک راوی ابو عثمان ہے جس کے متعلق خود مولانا شوق نیموی حنفی فرماتے ہیں۔ لَمْ أَقِفْ عَلٰى مَنْ تَرْجَمَهُ ❸ سو جب تک اس کے ثقہ ہونے کا پتہ نہ چلے اس وقت تک اس روایت سے استدلال درست نہ ہو گا۔ ثانیاً: اس جگہ سائب کے شاگرد یزید بن خصیفہ ہیں جن کو ثقہ کہا گیا ہے لیکن امام احمد نے اس کو منکر حدیث کہا ہے۔ دوسرا راوی محمد بن یوسف ہے جو اس سے اوثق ہے وہ اپنے دادا سائب بن یزید سے گیارہ رکعت روایت کرتا ہے۔

يَقُوْلُ كُنَّا نَقُوْمُ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِإِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً۔
رَوَاهُ سَعِيْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ فِيْ سننه وَقَالَ الْحَافِظُ السُّيُوْطِيُّ فِيْ رِسَالَتِهِ الْمَصَابِيْحِ إِسْنَادُهُ فِيْ غَايَةِ الصِّحَّةِ۔ ❹

''ہم عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ۱۱ رکعتیں پڑھتے تھے۔''

---

❶ سبل السلام: ص ۱۱ ج ۲ باب صلوة التطوع۔ ❷ جاء الحق: ص ٤٤٥۔

❸ تعلیق آثار السنن: ص ٥٧۔ ❹ تحفة الأحوذي: ص ٧٥ ج ۲ باب قیام شهر رمضان۔ فتح الباري: ص ٢٠٤ ج ٤۔

لہٰذا اس کی روایت کو ترجیح ہے، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابن خصیفہ کی روایتوں میں اضطراب ہے۔ علاوہ ازیں پوتے کو دادا کی بات کا زیادہ علم ہوسکتا ہے۔

جواب نمبر۲: تمیم داری رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۱ رکعت با جماعت پڑھانے کا حکم دیا تھا۔

مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ أَنَّهُ قَالَ أَمَرَ عُمَرُ بْنُ خَطَّابٍ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَ تَمِيْمَ الدَّارِيَّ أَنْ يَقُوْمَا لِلنَّاسِ بِإِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً . ❶

اعتراض: اس حکم کو نقل کرنے میں امام مالک رحمہ اللہ متفرد ہیں۔

جواب: یہ غلط ہے کیونکہ یحییٰ بن سعید قطان اور سعید بن منصور نے امام مالک رحمہ اللہ کی متابعت کی ہے، یعنی وہ دونوں بھی امام مالک کی طرح محمد بن یوسف سے ۱۱ رکعت کا حکم نقل کرتے ہیں۔ اور اسے متابعت تامہ کہتے ہیں۔

اعتراض ۲۔ امام عبدالرزاق نے اپنی تصنیف میں محمد بن یوسف سے ۲۱ رکعات نقل کی ہیں۔

جواب: امام عبدالرزاق ۲۱ رکعات کے نقل میں متفرد ہونے کے ساتھ ساتھ آخری عمر میں حافظہ اور بینائی کھو بیٹھے تھے۔

ثِقَةٌ حَافِظٌ مُصَنِّفٌ شَهِيْرٌ عَمِيَ فِيْ آخِرِ عُمُرِهِ وَ تَغَيَّرَ وَ كَانَ يَتَشَيَّعُ . (تقریب:ص۲۱۳)

لیکن برخلاف اس کے امام یحییٰ بن سعید قطان ثقہ اور متقن ہیں۔

يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ ثِقَةٌ مُتْقِنٌ حَافِظٌ قُدْوَةٌ مِنْ كِبَارٍ . (تقریب:ص۳۷۵)

جواب نمبر۲: یہ اثر اوپر کی تین حدیثوں کے خلاف ہے۔

جواب نمبر۳۔ حنفیہ ۲۳ رکعتوں کے قائل ہیں نہ کہ ۲۱ رکعتوں کے، لہٰذا حنفیہ کو یہ اثر مفید نہیں ہے۔ ورنہ ایک وتر اور بیس یا پھر ۳ وتر اور ۱۸ تراویح ماننی پڑے گی۔ اور یہ دونوں باتیں حنفیہ کے خلاف ہیں۔

دلیل نمبر۷: ابن منیع نے حضرت ابی بن کعب سے روایت کی ہے نُصَلِّيَ بِهِمْ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً (ابی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بیس تراویح پڑھائیں) (جاء الحق: ص ۴۴۵)

جواب: اس اثر کا مصنف جاء الحق نے کوئی حوالہ نہیں دیا اور نہ اس کی سند ذکر کی ہے۔ لہٰذا یہ معرض استدلال میں پیش نہیں ہوسکتا۔ علاوہ ازیں دلیل نمبر۴ کے جواب کے سلسلے کی تیسری حدیث میں ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو ۱۱ رکعات پڑھائی تھیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی کی ان گیارہ رکعات کو پسند بھی فرمایا۔ پھر دلیل نمبر۶ میں گزر چکا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ اور تمیم داری کو ۱۱ پڑھانے کا حکم دیا تھا۔

جواب نمبر۲: بشرط صحت ممکن ہے کہ حضرت ابی ۸ رکعات کو سنت سمجھتے ہوں اور باقی بطور نفل پڑھتے ہوں۔

دلیل نمبر۸:

عَنْ أَبِي الْحَسْنَاتِ أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ أَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً . ❷

---

❶ موطا إمام مالك:ص۹۸ باب قيام شهر رمضان۔ ❷ جاء الحق:ص ٤٠٥ بحواله بيهقي۔

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ بیس رکعتیں پڑھائے۔''

جواب: یہ راوی ابوحسانات نہیں بلکہ ابوالحسناء ہے جو مجہول راوی ہے۔لہٰذا یہ اثر ضعیف ہے۔شوق نیموی کہتے ہیں:

مَدَارُ هٰذَا الْأَثَرِ عَلٰی أَبِی الْحَسْنَاءِ وَهُوَ لَا يُعْرَفُ وَقَالَ الذَّهَبِیُّ لَا يُعْرَفُ . ❶

ابوالحسناء ❷ مجہول ہے قَالَ الْحَافِظُ مَجْهُوْلٌ . (تقریب:ص ۴۰۱)

دلیل نمبر ۹:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّی فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً سِوَی الْوِتْرِ . ❸

''حضور ﷺ وتروں کے سوا بیس تراویح پڑھتے تھے۔''

جواب: یہ روایت نہایت درجہ کی کمزور ہے۔امام احمدؒ امام داؤدؒ امام نسائیؒ یحییٰ بن معینؒ ابن عدیؒ دولابی اور حافظ مزی جیسے کبار محدثینؒ کے علاوہ اکابر حنفیہ،مثلاً: حافظ بدرالدین عینی (عمدۃ القاری ص ۱۲۸ ج ۱۱) علامہ زیلعی (نصب الرایہ ص ۱۵۳ ج ۲) ابن ہمام (فتح القدیر ص ۱۹۸ ج ۱) اور ملا علی قاری اور شوق نیموی کے علاوہ حافظ ابن حجر نے (فتح الباری ص ۲۰۵ ج ۴۔تقریب ص ۲۲) اور خود امام بیہقی (ص ۴۹۶ ج ۲) اور مالکیہ میں سے امام زرقانی مالکی نے اپنی شرح موطا میں اس حدیث کے راوی ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان کو ضعیف اور متروک قرار دیا ہے۔یعنی یہ حدیث محدثین حنفیہ شافعیہ اور مالکیہ سب کے نزدیک ضعیف ہے۔امام بیہقی فرماتے ہیں تفرد به ابو شيبة ابراهيم بن عثمان الكوفی وهو ضعيف۔بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ فاعتبروا يا أولی الأبصار .

دلیل نمبر ۱۰:

عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكَلٍ وَكَانَ مِرَاءً أَصْحَابِ عَلِیٍّ أَنَّهُ كَانَ يَؤُمُّهُمْ فِیْ رَمَضَانَ فَيُصَلِّیْ خَمْسَ تَرْوِيْحَاتٍ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً . ❹

''حضرت علی کے تلمیذ شتیر بن شکل رمضان میں لوگوں کو پانچ ترویحے بیس رکعات پڑھاتے تھے۔''

جواب: یہ اثر بھی مرفوع حدیثوں کے خلاف ہے جیسا کہ دوسری مختلف تعداد کے آثار خلاف مرفوع ہیں۔کیونکہ صحیح حدیثوں میں صرف آٹھ رکعات تراویح ثابت ہیں۔جیسا کہ دلیل نمبر ۴ کے جواب میں تین مرفوع حدیثیں لکھی جا چکی ہیں۔ حافظ ابن حجر باب جمعة فی القریٰ (پارہ ۳ ص ۴۸۶ انصاری) میں فرماتے ہیں فَلَمَّا اخْتَلَفَ الصَّحَابَةُ وَجَبَ الرُّجُوْعُ إِلَی الْمَرْفُوْعِ. جب صحابہ کسی مسئلہ میں مختلف ہوں تو مرفوع حدیث کی طرف رجوع واجب ہوتا ہے۔

دلیل نمبر ۱۱:

عَنْ أَبِیْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ السُّلَمِیِّ أَنَّ عَلِيًّا دَعَا الْقُرَّاءَ فِیْ رَمَضَانَ فَأَمَرَ رَجُلًا يُصَلِّیْ بِالنَّاسِ

---

❶ تحفة الأحوذی: ص ۷۴ ج ۲.

❷ مفتی احمد یار بدایونی بریلوی کی بددیانتی ملاحظہ ہو کہ سنن الکبیٰ سے روایت تو نقل کر دی مگر امام بیہقی رحمہ اللہ کی جرح گیارہویں کی کھیر سمجھ کر چاٹ گئے جرح کے الفاظ یہ ہیں وَفِیْ هٰذَا الْإِسْنَادِ ضُعْفٌ واللہ اعلم۔ سنن البیهقی ج ۲ ص ۴۹۷

❸ بیهقی طبرانی ابن ابی شیبه وغیره.　　❹ جاء الحق:ص ۴۴۵.

عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَكَانَ عَلِيٌّ يُوْتِرُ بِهِمْ. ❶

''حضرت علی نے رمضان میں قاریوں کو بلایا اور ایک قاری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے اور وتر خود حضرت علی پڑھاتے۔''

جواب: اَمَرَ رَجُلاً نہیں بلکہ اَمَرَ مِنْهُمْ رَجُلاً ہے۔ بہرکیف یہ اثر بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی حماد بن شعیب ہے۔ جو ضعیف ہے:

قَالَ النَّيْمَوِيُّ بَعْدَ ذِكْرِ هٰذَا الْأَثَرِ حَمَّادُ بْنُ شُعَيْبٍ ضَعِيْفٌ قَالَ الذَّهَبِيُّ فِي الْمِيْزَانِ ضَعَّفَهُ ابْنُ مَعِيْنٍ وَّغَيْرُهُ وَقَالَ يَحْيَى بْنُ مَعِيْنٍ لَا يُكْتَبُ حَدِيْثُهُ وَقَالَ الْبُخَارِيُّ فِيْهِ نَظَرٌ وَّقَالَ النَّسَائِيُّ ضَعِيْفٌ وَّقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ أَكْثَرُ أَحَادِيْثِهِ مِمَّا لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ. ❷

''امام بخاری' یحیٰ' ذہبی' نسائی' ابن عدی نے حماد بن شعیب کی وجہ سے اس اثر کو ضعیف کہا ہے۔'' یہ ضعیف راوی ہے۔

دلیل نمبر۱۲:

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً بِإِسْنَادٍ صَحِيْحٍ. ❸

''لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ۲۰ رکعت پڑھتے تھے۔''

جواب: یہ بھی یزید بن خصیفہ کی روایت ہے جو دوسری سند سے ہے اور ابھی گزر چکا ہے کہ سائب بن یزید سے محمد بن یوسف کی روایت کو بوجوہ' یزید بن خصیفہ کی روایت پر ترجیح حاصل ہے۔

دلیل نمبر۱۳: ان روایات سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ ۲۰ تراویح پڑھتے تھے۔

جواب: ان سب کی حقیقت پر تحقیق ابھی ابھی گزر چکی ہے۔ خلاصہ جس کا یہ ہے کہ کوئی روایت صحیح نہیں۔ تاہم اگر روایت ثابت بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہو گا کہ فلاں صحابی یا تابعی ۲۰ پڑھتا تھا، لیکن ظاہر ہے کہ کسی کا پڑھنا یا اس کا عمل حضور ﷺ کی سنت نہیں کہلا سکتا۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ آپ ﷺ بیس پڑھا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ پر بہتان قرار پائے گا حدیث میں ہے: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ. (العیاذ باللہ) ہاں، صحیح حدیث سے ۸ تراویح ثابت ہو چکی ہیں۔ خدا حدیثوں پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

دلیل نمبر۱۴: عہد فاروقی میں بیس پر عمل جاری ہو گیا تھا۔ (جاء الحق: ص ۴۴۵)

جواب: یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ محمد بن یوسف اپنے دادا سائب بن یزید سے مرفوع اور صحیح سند کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی کعب اور تمیم داری کو ۱۱ رکعات تراویح پڑھانے کا حکم دیا تھا۔ اب قارئین اور آپ خود

❶ بیہقی (جاء الحق: ص ٤٤٥) ❷ تحفة الأحوذي: ص ٧٥ ج ٢. ❸ جاء الحق: ص ٤٤٥.

فیصلہ کرلیں کہ ترجیح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کو ہے یا لوگوں کے پڑھنے کو۔ (اگر وہ ثابت بھی ہو)

تراویح سے متعلق چند سوالوں کے جوابات

سوال: الاعتصام میں مسئلہ تراویح پر جو مضمون شائع ہوا ہے اس میں حضرت عائشہ کی روایت سے ثابت کیا گیا ہے کہ مسنون تراویح آٹھ رکعت ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت پڑھتے تھے، اب سوال یہ ہے کہ غیر رمضان میں جو حضور ﷺ کی نماز تھی اس کا کیا نام تھا؟ وہی نام رمضان میں کیوں نہیں استعمال کیا جاتا۔ رمضان میں اس کا نام تراویح کس نے رکھا ہے؟ اللہ نے، رسول ﷺ نے، خلفائے اربعہ نے، یا علماء نے؟ اصل نماز جو تہجد ہے بارہ مہینے حضور ﷺ تہجد پڑھتے تھے۔ یہ نماز تراویح کس نے ایجاد کی جب اس نماز کا نام نہیں ہے تو کیا یہ بدعت نہیں؟

جواب: واضح ہو کہ صلوۃ تراویح، قیام رمضان، صلوۃ اللیل وقیام اللیل اور نماز تہجد ایک ہی عبادت سے عبارت اور ایک ہی نماز کے پانچ مترادف نام ہیں اور ماہ رمضان میں تراویح کے علاوہ صحیح یا ضعیف حدیث سے یہ قطعاً ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تہجد کی نماز بھی پڑھی ہو۔ یعنی جو غیر رمضان میں تہجد پڑھی جاتی ہے۔ رمضان میں وہی نماز تراویح کہلاتی ہے جیسے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے آگے حدیث آ رہی ہے۔ صاحب مرعاۃ المفاتیح لکھتے ہیں:

وَاعْلَمْ أَنَّ التَّرَاوِيحَ وَ قِيَامَ رَمَضَانَ وَ صَلٰوةَ اللَّيْلِ وَ صَلٰوةَ التَّهَجُّدِ فِيْ رَمَضَانَ عِبَارَةٌ عَنْ شَيْءٍ وَّاحِدٍ وَهُمْ لِصَلٰوةٍ وَّاحِدَةٍ وَلَيْسَ التَّهَجُّدُ فِيْ رَمَضَانَ غَيْرَ التَّرَاوِيحِ لِأَنَّهُ لَمْ يَثْبُتْ مِنْ رِوَايَةٍ صَحِيحَةٍ وَّلَا ضَعِيفَةٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلّٰى فِيْ لَيَالِي رَمَضَانَ صَلٰوتَيْنِ إِحْدَاهُمَا التَّرَاوِيحُ وَالْأُخْرٰى التَّهَجُّدُ فَالتَّهَجُّدُ فِيْ غَيْرِ رَمَضَانَ هُوَالتَّرَاوِيحُ فِيْ رَمَضَانَ كَمَا يَدُلُّ عَلَيْهِ حَدِيثُ أَبِيْ ذَرٍّ وَّغَيْرِهِ. [1]

حضرت مولانا انور شاہ حنفی لکھتے ہیں:

اَلْمُخْتَارُ عِنْدِيْ أَنَّ التَّرَاوِيحَ وَصَلٰوةَ اللَّيْلِ وَاحِدٌ وَإِنِ اخْتَلَفَ صِفَاتُهُمَا لِعَدَمِ الْمُوَاظَبَةِ عَلَى التَّرَاوِيحِ وَأَدَائِهَا بِالْجَمَاعَةِ وَأَدَائِهَا فِيْ أَوَّلِ اللَّيْلِ تَارَةً وَّإِيْصَالِهَا إِلَى السَّحَرِ أُخْرٰى بِخِلَافِ التَّهَجُّدِ فَإِنَّهُ كَانَ فِيْ اٰخِرِ اللَّيْلِ وَلَمْ تَكُنْ فِيْهِ الْجَمَاعَةُ وَجَعْلَ اخْتِلَافِ الصِّفَاتِ دَلِيلًا عَلَى اخْتِلَافِ نَوْعَيْهِمَا لَيْسَ بِجَيِّدٍ عِنْدِيْ بَلْ كَانَتْ تِلْكَ صَلٰوةً وَّاحِدَةً الخ. [2]

''میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ تراویح اور تہجد ایک ہی چیز ہیں گو بظاہر ان کی صفات میں اختلاف ہے مثلاً: تراویح صرف رمضان میں پڑھنا باجماعت پڑھنا ہے شروع رات میں اور کبھی سحر کے وقت میں پڑھنا جبکہ تہجد پچھلی رات پڑھی جاتی ہے اور بلا جماعت پڑھی جاتی ہے، دونوں کی صفات میں اختلاف کو دونوں کے مختلف ہونے کی دلیل

[1] مرعاة المفاتيح: ص ٢٢٥ ج ٢ طبع هند.

[2] فيض البارى بحواله مرعاة: ص ٢٢٥ ج ٢.

بنانا میرے نزدیک کوئی اچھی بات نہیں، بلکہ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں جو گیارہ رکعت، یعنی آٹھ رکعت نفل اور ۳ رکعت وتر پڑھتے تھے۔ اس کا نام قیام شہر رمضان تھا، جیسا کہ صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، موطا امام مالک اور موطا امام محمد وغیرہ کتب حدیث میں ہے۔ ہاں امام بخاری کے زمانہ میں علمائے کرام قیام شہر رمضان کو تراویح کہنے لگے تھے، اس لئے بخاری کے ایک نسخہ میں تراویح کا باب باندھا گیا ہے، تاہم تراویح کے نام کی بنیاد کسی صحیح حدیث پر ہرگز نہیں۔

اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین سے تراویح کا نام منقول نہیں۔ جب یہ قیام رمضان نبی ﷺ سے ثابت ہے تو عرف عام میں اسے تراویح کہنے سے یہ قیام بدعت نہیں ہو جائے گا۔

سوال: آنحضرت ﷺ سے عشاء کی نماز کے بعد نماز تراویح پڑھنے کا ثبوت کیا ہے؟

جواب: صحیح بخاری کی شرح فتح الباری میں حضرت عائشہ سے خَرَجَ لَيْلَةً مِّنْ جَوْفِ اللَّيْلِ (ص ۲۲۰ ج ٤) اور ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ میں فَقَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ. (مرعاة: ص۲۲۷ ج ۲) کے الفاظ مروی ہیں۔ یعنی ایک رات کے اول حصہ میں آپ ﷺ نے قیام رمضان کی نماز پڑھائی۔ علاوہ ازیں تراویح رات کے اول حصے میں اس لئے پڑھی جاتی ہے کہ سب لوگ آسانی سے باجماعت یہ قیام کر سکیں۔ اگر سب نمازی رات کے آخری حصے میں یہ اہتمام کر سکیں تو زیادہ بہتر ہے لیکن ظاہر بات ہے کہ یہ بہت مشکل کام ہے۔

سوال: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان قیام اللیل میں ہے کہ حضور ﷺ نے صرف ایک رات نماز پڑھائی، بخاری میں ہے تین راتیں متواتر پڑھائیں، ابوداؤد میں ہے کہ حضور ﷺ نے صرف دو راتیں نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کون سا بیان صحیح ہے؟

جواب: صحیح بخاری کے مطابق صحیح یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین دن قیام رمضان فرمایا تھا۔ قیام اللیل کی حدیث میں باقی دو دنوں کی نفی نہیں کی گئی۔ اور اسی طرح ابوداؤد کی روایت میں بھی تیسرے دن کے قیام کا انکار نہیں کیا گیا ممکن ہے کہ راویوں نے اختصار سے کام لیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال: تہجد کی نماز پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے یا نماز تراویح پڑھنے میں؟ (سائل عاشق محمد)

جواب: تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے۔ اگر رات کے آخری حصے میں باجماعت تراویح کا اہتمام ہو سکتا ہے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ ورنہ اول وقت میں باجماعت پڑھنا انفرادی طور پر رات کے آخری حصے میں پڑھنے سے بہتر ہے۔ واللہ اعلم

صحیح احادیث کے مطابق قیام رمضان (تراویح) کی مسنون تعداد صرف آٹھ رکعت اور تین وتر ہیں۔ آنحضرت ﷺ رمضان و غیر رمضان میں آٹھ رکعت سے زیادہ قیام نہیں فرماتے تھے۔ کسی صحیح حدیث میں نہیں آیا کہ آپ ﷺ نے کسی رمضان میں کسی بھی رات میں جماعتاً یا انفراداً آٹھ سے زائد رکعت قیام (تراویح) کیا ہو۔ آٹھ رکعت والی احادیث پیش خدمت ہیں۔

۱- عَنْ عَائِشَةَ ﷞ قَالَتْ مَا كَانَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلاَ فِيْ غَيْرِهِ عَلٰى إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً. ●

''حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات مع وتر سے زیادہ قیام (تراویح) نہیں فرماتے تھے۔

۲- عَنْ جَابِرٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ وَّ أَوْتَرَ فَلَمَّا كَانَتِ الْقَابِلَةُ إِجْتَمَعْنَا فِي الْمَسْجِدِ وَ رَجَوْنَا أَنْ يَّخْرُجَ فَلَمْ يَزَلْ فِيْهِ حَتّٰى أَصْبَحْنَا ثُمَّ دَخَلْنَا فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ إِجْتَمَعْنَا فِي الْمَسْجِدِ وَرَجَوْنَا أَنْ تُصَلِّيَ بِنَا فَقَالَ إِنِّيْ خَشِيْتُ أَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْكُمْ. ●

''حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک رات ہمیں آٹھ رکعت اور وتر پڑھائے۔ ہم نے دوسری رات بھی آپ ﷺ کا انتظار کیا مگر آپ ﷺ تشریف نہ لائے۔ صبح کو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس خدشہ سے میں نے ناغہ کیا کہ قیام رمضان تم پر فرض نہ ہو جائے۔''

۳- عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ جَاءَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّهُ كَانَ مِنِّي اللَّيْلَةَ شَيْءٌ يَعْنِيْ فِيْ رَمَضَانَ قَالَ وَمَا تِلْكَ يَاأُبَيُّ؟ قَالَ نِسْوَةٌ فِيْ دَارِيْ قُلْنَ إِنَّا لاَ نَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ فَنُصَلِّيْ بِصَلٰوتِكَ قَالَ فَصَلَّيْتُ بِهِنَّ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ وَّأَوْتَرْتُ فَكَانَتْ شِبْهُ الرِّضَا وَلَمْ يَقُلْ شَيْئاً. ●

''حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابی بن کعب آنحضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! آج کی رات مجھ سے ایک کام ہو گیا ہے، فرمایا وہ کیا؟ کہا: کچھ عورتیں میرے گھر میں جمع ہو گئیں اور قرآن نہ پڑھ سکنے کا عذر کیا تو میں نے ان کو آٹھ رکعت اور وتر پڑھا دیے۔ آپ ﷺ نے ابی بن کعب ؓ کے اس عمل پر کوئی اعتراض نہ کیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے اس عمل کو پسند فرمایا۔''

وضاحت:

حدیث ابوسلمہ ؓ (بخاری) کو خود امام محمد تلمیذ امام ابوحنیفہؒ اپنی کتاب مؤطا محمد باب قیام شہر رمضان (ص۱۴۲) میں لائے ہیں۔ جس کا صاف مطلب ہے کہ مجتہد حنفیہ امام محمدؒ کے نزدیک بھی یہ حدیث قیام رمضان (تراویح) کے بیان میں ہے، نہ کہ تہجد کے بیان میں جیسے کہ علمائے حنفیہ اور اکابر مقلدین حضرت ابوسلمہ ؓ کی یہ حدیث نہ ماننے کے لئے یہ بہانہ تراشتے

● صحيح بخاري: ج١ ص١٥٤ باب قيام النبي ﷺ - موطا إمام محمد ١٤٢ باب قيام شهر رمضان۔ مطبوعه رحيمي۔ صحيح مسلم: ص٢٥٤ ج١ باب صلوة الليل وعدد الركعات

● رواه الطبراني في الصغير ص١٠٨ ومحمد بن نصر المروزي (ص٩٠) وابن حبان وابن خزيمة في صحيحيهما قال الحافظ الذهبي بعد ذكر هذا الحديث إسناد وسط۔ ميزان الاعتدال: ص٣١١ ج٢۔

● ورواه ابويعلي والطبراني في الاوسط وقال الهيثمي في مجمع الزوائد (ص٧٤، ج٢) إسناده حسن واخرجه ايضا محمد بن نصر المروزي في قيام الليل: ص٩٠۔

ہیں۔ بہرحال ہمارے نزدیک یہ تینوں احادیث اس مسئلے میں نص قطعی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی پوری عمر شریف میں وتر سمیت گیارہ رکعت قیام تراویح فرماتے رہے۔

نمازِ تراویح کے لیے متعدد امام

سوال: ہمارے ہاں رمضان شریف کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں لیلۃ القدر کا ثواب حاصل کرنے کا طریقہ یہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ڈھولک بجایا جاتا ہے، پھر ایک قاری صاحب تشریف لاتے ہیں دو رکعت پڑھا کر چلے جاتے ہیں، پھر دوسرے قاری صاحب دو رکعت پڑھاتے ہیں، رکعات تراویح مع وتر پڑھانے والے متعدد امام ہوتے ہیں۔ ہر دو رکعت یا چار رکعات پڑھانے کے بعد وعظ و تقریر کا سلسلہ بھی خوب ہوتا ہے۔ نیز مذکورہ بالا وقتوں کے درمیان کھانے پینے کا جشن بھی ہوتا ہے۔ جس پر ہزاروں روپے خرچ کیے جاتے ہیں؟

جواب: (ا) رمضان المبارک کی طاق راتوں میں قیام اور توبہ استغفار بلاشبہ حصول مغفرت اور بلندی درجات کا موجب ہے۔ رسول اللہ ﷺ ان راتوں میں نہ صرف خود پہلے سے زیادہ مستعد ہو کر عبادت کیا کرتے تھے، بلکہ اپنی ازواج مطہرات کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے۔ شَدَّ مِیزَرَهُ وَأَيْقَظَ أَهْلَهُ کے الفاظ اسی مستعدی کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، مگر اعلان (ڈھولک وغیرہ) اور اشتہار بازی کے ساتھ لوگوں کو مسجد میں اکٹھا کرنے کا اہتمام قطعاً ثابت نہیں۔ ڈھولک تو شریعت میں ویسے ناجائز ہے اس کی بات تو الگ رہی۔ مشاہدہ یہی ہے کہ مساجد میں مرد و زن اور بچوں کے اختلاط میں عبادت کی روح اور اس کے آثار و ثمرات بالکل حاصل نہیں ہوتے اور سوائے بیداری کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا سلامتی کی راہ صرف یہ ہے کہ ان راتوں کی برکات سمیٹنے کے لئے اشتہار بازی اور کھانے کے لالچ کے بغیر پوری سادگی اور علیحدگی میں عبادت کی جائے نوافل پڑھے جائیں۔ اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي کا وظیفہ کثرت سے پڑھا جائے، تاہم قرآن کی تلاوت کرنا سب سے افضل عمل ہے۔ بہرحال مروجہ تکلفات شدہ شدہ سنت کا روپ دھار لیں گے اور یوں ہم تحریف دین کے مرتکب ہو کر اپنی عاقبت برباد کر لیں گے۔ اگر یہ اہتمامات اور تکلفات شرعاً مستحسن ہوتے تو ہمارے گرامی قدر اسلاف ان سے قطعاً غافل نہ رہتے۔

نمازِ تراویح اور فیشنی امام

سوال: ایک حافظ پانچ وقتی نماز کا پابند نہیں۔ صرف رمضان کے دنوں میں پابندی کرتا ہے۔ اس کے بعد اکثر اوقات بے نماز رہتا ہے۔ کیا رمضان میں اس کو امام التراویح مقرر کیا جا سکتا ہے؟ نیز وہ ہمیشہ انگریزی حجامت بنواتا ہے؟

(سائل: یکے از چک نمبر ۲۳ جنوبی ضلع سرگودھا)

جواب: نمازوں میں سستی کرنے والا اور انگریزی بال بنانے والا اس قابل نہیں ہے کہ اسے امامت نماز کے منصب پر

مقرر کرنے کا اہل سمجھا جا سکے۔ کیونکہ امامت کا منصب جلیل اتنا مقدس اور اہم ہے کہ اسلامی شکل وصورت رکھنے والا متقی آدمی بھی جب قبلہ رخ تھوکنے کا ارتکاب کرے تو اسے امامت سے معزول کر دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

عَنِ السَّائِبِ بْنِ خَلَادٍ أَنَّ رَجُلاً أَمَّ قَوماً فَبَصَقَ فِي الْقِبْلَةِ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ فَرَغَ لاَ يُصَلِّيْ لَكُمْ فَأَرَادَ بَعْدَ ذٰلِكَ أَنْ يُّصَلِّيَ لَهُمْ فَمَنَعُوْهُ وَ أَخْبَرُوْهُ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَعَمْ إِنَّكَ أَذَيْتَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ ۔ ❶

"ایک شخص نے لوگوں کو نماز پڑھاتے ہوئے قبلہ کی جانب تھوک دیا جب کہ نبی کریم ﷺ بھی دیکھ رہے تھے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تمہیں یہ شخص دوبارہ نماز نہ پڑھائے، چنانچہ جب وہ امام دوبارہ جماعت کرانے پر تیار ہوا تو لوگوں نے اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کرتے ہوئے اسے بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے تمہیں امامت سے معزول کر دیا ہے۔ جب اس نے آنحضرت ﷺ سے رابطہ قائم کیا تو آپ ﷺ نے ہاں میں جواب دیتے ہوئے فرمایا کہا کہ تم نے اللہ اور اس کے رسولؐ کو تکلیف دی ہے۔"

یہ حدیث ابن حبان میں بھی ہے۔ (عون المعبود) نیز دیکھئے زوائد ابن حبان (ص ۲۰۴)

دوسری حدیث:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ﷺ قَالَ أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً يُّصَلِّيْ بِالنَّاسِ الظُّهْرَ فَتَفَلَ بِالْقِبْلَةِ وَهُوَ يُصَلِّي النَّاسَ فَلَمَّا كَانَ صَلٰوةُ الْعَصْرِ أَرْسَلَ إِلٰى آخَرَ فَأَشْفَقَ الرَّجُلُ الْأَوَّلُ فَجَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أُنْزِلَ فِيَّ شَيْءٌ قَالَ لاَ لٰكِنَّكَ تَفَلْتَ بَيْنَ يَدَيْكَ وَأَنْتَ تَؤُمُّ النَّاسَ فَأَذَيْتَ اللّٰهَ وَالْمَلاَئِكَةَ ۔ ❷

"ظہر کی نماز پڑھانے کے لئے آنحضرت ﷺ نے ایک آدمی مقرر فرمایا تو اس نے نماز پڑھاتے ہوئے قبلہ کی طرف تھوک دیا۔ اس پر نبی ﷺ نے اس کے اس فعل کی وجہ سے عصر کی نماز کے لئے دوسرے آدمی کو مقرر کر دیا۔ جب اس شخص نے آپ ﷺ سے وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے نماز کے دوران قبلہ رو تھوک کر اللہ اور اس کے ملائکہ کو تکلیف دی ہے۔"

جب کہ متقی پرہیزگار شخص کو ادنیٰ سی سستی (قبلہ رخ تھوکنا) کی وجہ سے امامت سے معزول اور الگ کیا جا سکتا ہے تو پھر ایسا حافظ قرآن جو صرف رمضان میں پابند صلوٰۃ ہو اور مزید برآں انگریزی بال رکھتا ہو وہ امامت کا اہل کیسے ہو سکتا ہے۔ حق امامت صرف افضل اور بہتر شخص کو ہی پہنچتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

❶ أخرجه أبوداؤد و سكت عليه والمنذري) (عون المعبود:ص ١٨١ ج ١، نيل الأوطار:ص ١٨٦ ج٣ باب ماجاء في إمامة الفاسق.

❷ رواه الطبراني في الكبير بإسناد جيد (عون) عون المعبود ج ١ ص ١٨١.

عَنْ أَبِي مَرْثَدِ الْغَنَوِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ سَرَّكُمْ أَنْ تُقْبَلَ صَلٰوتُكُمْ فَيَؤُمَّكُمْ خِيَارُكُمْ فَإِنَّهُمْ وَفْدُكُمْ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ رَبِّكُمْ ۔ ❶

''اگر تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہاری نمازیں قبول کر لی جائیں تو پھر ضروری ہے کہ تمہارے امام سب سے بہتر اور پسندیدہ لوگ ہوں، کیونکہ امام تمہارے اور اللہ کے درمیان سفیر ہوتے ہیں۔''

نیز حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے:

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِجْعَلُوْا أَئِمَّتَكُمْ خِيَارَكُمْ فَإِنَّهُمْ وَفْدُكُمْ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ رَبِّكُمْ ۔ ❷

نیز نیل الاوطار میں ہے کہ اختلاف اشراط عدالت میں ہے، نفس صحت نماز میں نہیں۔

لِأَنَّ كُلَّ مَنْ صَحَّتْ صَلٰوتُهٗ لِنَفْسِهٖ صَحَّتْ لِغَيْرِهٖ (ص۱۸۰ ج۳)

بہر حال نمازوں کی پابندی نہ کرنے والا اور انگریزی بالوں والا حافظ قرآن چونکہ خود نماز کا چور اور نافرمان رسول ﷺ ہے، لہٰذا ایسے شخص کو امام نہیں بنانا چاہیے۔ گو غیر اختیاری حالات میں یا اتفاقاً کبھی موقع پیش آ جائے تو نماز اس کے پیچھے ہو جائے گی، تاہم اس سے بہتر شخص کی اقتدا میسر ہو تو اولیٰ وہی ہو گی۔

نماز تراویح کے بعد دوبارہ جماعت، یعنی شبینہ

سوال: ایک علمی تعاقب کیا فرماتے ہیں علمائے کرام محققین اور محدثین اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز تراویح کے بعد باجماعت نوافل پڑھانے شریعت محمدیہ ﷺ کی رو سے جائز ہیں یا نہیں؟ اگر کوئی عالم دین رمضان المبارک کی راتوں میں اہتمام کے ساتھ باجماعت نوافل پڑھاتا ہے تو کیا وہ نبی اکرم ﷺ کی سنت کی خلاف ورزی کرتا ہے؟ کیا وہ بدعت کرتا ہے یا نہیں؟ شریعت محمدیہ کی رو سے بدعتی کہلائے گا یا نہیں؟ (سائل: عبدالحفیظ چوک برف خانہ لاہور)

جواب: صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ یہاں دو باتیں قابل لحاظ ہیں: اول یہ کہ نفل باجماعت ادا کرنا۔ دوسرے یہ کہ نفل نماز کی جماعت کا اہتمام اور اس پر دوام اور اصرار، یعنی خاص وقت یا معین مہینہ میں اس کا خصوصی اہتمام اور اس پر دوام و اصرار۔ جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو یہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری (ص ۸۷ ج۱) میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات اپنی خالہ محترمہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا تو جب تہجد کے لئے رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے تو ہم نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ اور اسی طرح صحیح بخاری میں ص۵۸ باب صلوۃ النوافل جماعۃ ج۱ ۱۵۸ الخ میں جناب محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ سے حضرت عتبان بن

❶ أخرجه الحاكم في ترجمة مرثد الغنوي (نيل الأوطار: ص١٨٦ ج٣).

❷ رواه الدارقطني وفي إسناده سلام بن سليمان وهو ضعيف، كذا في النيل: ص١٨٤ ج٣.

مالک کا واقعہ منقول ہے۔

ان دونوں احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ نوافل کی جماعت بلا ریب جائز ہے۔ مگر یہ اتفاقی امر ہے جس کی صورت مثلاً یہ ہے کہ ایک آدمی نفل نماز پڑھ رہا ہے اتنے میں ایک دوسرا آدمی دیکھتا ہے کہ مولوی صاحب یا حافظ صاحب نفل نماز پڑھ رہے ہیں وہ بھی شامل ہو جائے تو یہ تو درست ہے۔ لیکن اس کا اہتمام کرنا' اعلانات اور دوسری تشویقات اور ترغیبات کے ذریعہ مردوں اور عورتوں کو اکٹھا کر کے نوافل کو با جماعت بالدوام ادا کرنا نہ صرف جائز نہیں، بلکہ بدعت ہے اور اسی طرح وتروں کے بعد دو رکعت نفل پڑھنے بھی ثابت ہیں۔ صحیح مسلم کے نامور شارح امام نوویؒ نے یہ بھی وضاحت فرمائی ہے کہ آپ ﷺ نے ان دونفلوں پر ہیشگی نہیں فرمائی۔ یعنی یہ آپ ﷺ کی عادت مستمرہ نہ تھی۔ ❶

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اتفاقی طور پر نوافل با جماعت جائز ہیں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ وتر نماز کے بعد دو رکعت نماز نفل پڑھنے بھی جائز ہیں مگر دوام کے ساتھ نہیں بلکہ کبھی کبھار اور بس۔

اب لیجئے مسئلہ کی دوسری شق، یعنی اس مطلق جواز کے ہونے پر دوام اور ہیشگی اور وہ بھی مہینہ اور وقت کے تعین کے ساتھ پڑھی جانے والے نماز نفل کی با جماعت تکرار تو یہ بلا شبہ جائز نہیں، بلکہ اس پر دوام اور اصرار شائبہ بدعت سے خالی نہیں۔ کیونکہ یہ تقیدات مع اہتمام اس مطلق جواز کو بدعت میں بدل دیتے ہیں۔ جیسا کہ نماز چاشت بلا ریب صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت ام ہانی ؓ سے یہ نماز مروی ہے اور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ ؓ کو اس کی پابندی کی وصیت بھی فرمائی تھی۔ (ملاحظہ ہو صحیح بخاری: ج ۱ ص ۱۵۷) مگر اس وصیت کے باوصف حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نماز چاشت کو بدعت قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت مجاہد تابعی کا اظہار ہے کہ میں اور عروہ بن زبیر دونوں مسجد میں داخل ہوئے۔

فَإِنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ ؓ جَالِسٌ إِلٰى حُجْرَةِ عَائِشَةَ وَإِذَا النَّاسُ يُصَلُّوْنَ فِي الْمَسْجِدِ صَلٰوةَ الضُّحٰى فَسَأَلْنَاهُ عَنْ صَلٰوتِهِمْ فَقَالَ بِدْعَةٌ. ❷

''مجاہد کہتے ہیں کہ جب ہم مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوئے تو جناب عبداللہ بن عمر عائشہ صدیقہ ؓ کے حجرہ کے پاس تشریف فرما تھے۔ اور اس وقت کچھ لوگ مسجد میں چاشت پڑھ رہے تھے۔ ہم نے حضرت عبداللہ ؓ سے ان کی اس نماز کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ بدعت ہے۔''

جب کہ یہ نماز متعدد اسانید صحیحہ قویہ سے مروی ہے جیسا کہ اوپر بخاری شریف کے حوالہ سے آپ پڑھ چکے ہیں۔ بایں ہمہ حضرت عبداللہ ؓ نے اس کو بدعت کیوں کہا۔ بدعت اس لئے کہا کہ نبی کریم ﷺ کے عہد سعادت معہد میں اس نماز کو با جماعت ادا کرنے کا دستور نہ تھا۔ جب کہ یہ لوگ اس کو با جماعت ادا کر رہے تھے۔ چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں:

---

❶ صحيح مسلم باب الصلوة الليل وعدد الركعات ج١ ص ٢٥٤: ج ١، و فقه السنة: ج ١ ص ١٦٤۔

❷ بخاري: باب كم اعتمى النبي ﷺ ج١ ص ٢٣٨ وصحيح مسلم مع النووي: ج١ ص ٤٠٩۔

مُرَادُہُ اَنَّ اِظْهَارَهَا وَالْاِجْتِمَاعَ لَهَا بِدْعَةٌ لَا اَنَّ صَلٰوةَ الضُّحٰى بِدْعَةٌ. ❶

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ نماز چاشت کو مسجد میں ظاہر کر کے پڑھنا اور اس کے لئے اجتماع اور اہتمام کرنا بدعت ہے نہ یہ کہ نماز چاشت ہی سرے سے بدعت ہے۔''

امام ابوبکر محمد بن ولید الطرطوشی مالکی لکھتے ہیں:

وَمَحَلُّهُ عِنْدِيْ عَلٰى اِحْدٰى وَجْهَيْنِ اَنَّهُمْ كَانُوْا يُصَلُّوْنَهَا جَمَاعَةً وَاَمَّا اَنَّهُمْ يُصَلُّوْنَهَا مَعًا اَفْذَاذًا عَلٰى هَيْئَةِ النَّوَافِلِ فِيْ اَعْقَابِ الْفَرَائِضِ. ❷

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی اس نماز کو یا تو اس لئے بدعت کہا کہ وہ اسے باجماعت پڑھ رہے تھے یا اکیلے اکیلے پڑھ رہے تھے، مگر اس طرح سے جیسے فرائض کے بعد ایک ہی وقت میں تمام نمازی حضرات سنن رواتب پڑھا کرتے ہیں۔''

(۲) سبحان اللہ۔ اللہ اکبر:

لا الٰہ الا اللہ کا وظیفہ اپنے اندر بڑے فضائل رکھتا ہے اور مفسرین نے اس کو باقیات صالحات میں شمار کیا ہے۔ خصوصاً لا الٰہ الا اللہ کے وظیفہ کو احادیث میں افضل ذکر قرار دیا گیا ہے۔ جو اضافۂ احسان اور بلندی درجات کا مضبوط ترین باعث اور نجات اخروی کا کامیاب ترین ذریعہ ہے۔ مگر اس کے باوصف جب اس وظیفہ کو خاص تقیدات اور تکلفات و التزامات کے ساتھ پڑھا جائے گا تو یہی وظیفہ ہلاکت اور خسران کا ذریعہ قرار پائے گا، جیسا کہ سنن دارمی میں بسند صحیح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ بڑا مشہور ہے کہ کچھ لوگ کوفہ شہر کی مسجد میں سحری کے وقت حلقہ بنا کر کنکریوں پر سبحان اللہ' اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ سو سو مرتبہ پڑھ رہے تھے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے انہیں ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا تھا:

فَقَالَ فَعُدُّوْا مِنْ سَيِّاٰتِكُمْ فَاَنَا ضَامِنٌ اَنْ لَّا يُضِيْعَ مِنْ حَسَنَاتِكُمْ شَيْءٌ وَيْحَكُمْ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ مَا اَسْرَعَ هَلَكَتَكُمْ هٰؤُلَاءِ صَحَابَةُ نَبِيِّكُمْ ﷺ مُتَوَافِرُوْنَ وَهٰذَا ثِيَابُهُ ﷺ لَمْ تَبْلَ وَاٰنِيَتُهُ لَمْ تُكْسَرْ وَاَنْتُمْ مُفْتَتِحِيْ بَابِ ضَلَالَةٍ. ❸

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان الذین کے بعد فرمایا تم اپنی ان کنکریوں پر اپنے گناہوں کو شمار کرو۔ میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری نیکیاں ضائع نہیں ہوں گی۔ افسوس ہے تم پر اے امت محمد ﷺ تم کتنی جلدی ہلاکت میں مبتلا ہو گئے ہو۔ ابھی تو تم میں صحابہ رسول ﷺ بکثرت زندہ موجود ہیں۔ ابھی تو رسول اللہ ﷺ کے کپڑے بھی پرانے نہیں ہوئے' اور آپ ﷺ کے استعمال میں آنے والے برتن بھی نہیں ٹوٹے۔ کیا تم (اتنی جلدی) ایسا کر کے گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔''

اور اس طرح اور بھی بہت سے واقعات منقول ہیں مگر لعل كفاية كفايةً لمن له ادنى درايةً۔

اس ساری گفتگو سے ثابت ہوا کہ عبادت اور طاعت شرع میں جس طرح سے منقول ہو اس کو اسی انداز میں ادا کرنا

❶ صحيح مسلم ج ١ ص ٤٠٩۔ ❷ كتاب الحوادث و البدع: ص ٤٠۔ ❸ مسند دارمی بسند صحيح۔ ج ١ باب كراهية اخذ الرأى ص ٦۔

چاہیے۔ یعنی اس کو اس کی اسی ہیئت پر قائم رکھنا چاہیے جس ہیئت میں منقول ہوا گر اس مطلق عبادت اور نیک عمل کو کسی خاص قید کے ساتھ مقید کیا جائے گا یا اس غیر موقت کو موقت بنایا جائے گا یا اس غیر معین کو معین کیا جائے گا تو وہ لامحالہ بدعت بن جائے گی۔ چنانچہ یہی وہ نکتہ ہے جس کے پیش نظر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نماز چاشت کی جماعت کو بدعت قرار دیا تھا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حلقہ باندھ کر اللہ اکبر، سبحان اللہ اور لا الٰہ الا اللہ کے ذکر کو بدعت اور گمراہی اور ہلاکت قرار دیا ہے۔

(۳) حضرت امام ابواسحاق شاطبی غرناطی بدعات کی تعیین اور ان کا رد کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

وَمِنْهَا اِلْتِزَامُ الْكَيْفِيَّاتِ بِهَيْئَةِ الْاِجْتِمَاعِ عَلٰى صَوْتٍ وَّاحِدٍ وَاتِّخَاذُ يَوْمِ وِلَادَةِ النَّبِيِّ ﷺ عِيداً وَمَا أَشْبَهَ ذٰلِكَ وَمِنْهَا اِلْتِزَامُ الْعِبَادَاتِ الْمُعَيَّنَةِ فِي أَوْقَاتٍ مُعَيَّنَةٍ لَمْ يُوجَدْ لَهَا ذٰلِكَ التَّعْيِينُ فِي الشَّرِيعَةِ كَالْتِزَامِ يَوْمِ نِصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَقِيَامِ لَيْلَتِهِ . ❶

''من جملہ بدعات کے یہ بھی بدعت ہے کہ کسی نیک عمل کی ادائیگی کے لئے کیفیات مخصوصہ اور ہیئات معینہ کا التزام کیا جائے۔ جیسا کہ ہیئت اجتماع کے ساتھ ایک آواز میں ذکر کرنا۔ اور حضرت نبی کریم ﷺ کے یوم ولادت باسعادت کو عید منانا وغیرہ اور انہی بدعات میں سے ایک یہ بدعت بھی ہے کہ اوقات خاص کے اندر ایسی عبادت معینہ کا التزام کر لینا جن کی ادائیگی کے لئے شریعت نے وہ اوقات معین نہیں کئے۔ جیسے پندرہ شعبان کا روزہ اور اس کی شب کا عبادت کا التزام ہے:

حضرت موصوف ایک دوسرے مقام پر مزید تفصیل کے ساتھ رقم طراز ہیں:

إِذَا نَدَبَ الشَّرْعُ مَثَلاً إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ فَالْتِزَامُ قَوْمٍ الْاِجْتِمَاعَ عَلَيْهِ عَلٰى لِسَانٍ وَّاحِدٍ وَّ بِصَوْتٍ أَوْ فِي وَقْتٍ مَّعْلُومٍ مَّخْصُوصٍ عَنْ سَائِرِ الْأَوْقَاتِ لَمْ يَكُنْ فِي ندب الشَّرْعِ مَا يَدُلُّ عَلٰى هٰذَا التَّخْصِيصِ الْمُلْتَزَمِ بَلْ فِيهِ مَا يَدُلُّ عَلٰى خِلَافِهِ لِأَنَّ الْتِزَامَ الْأُمُورِ غَيْرِ اللَّازِمَةِ شَرْعاً شَأْنُهَا أَنْ تُفْهِمَ التَّشْرِيعَ وَ خُصُوصاً مَعَ مَنْ يُقْتَدٰى بِهِ فِي مَجَامِعِ النَّاسِ كَالْمَسَاجِدِ فَإِنَّهَا إِذَا ظَهَرَتْ هٰذَا الْاِظْهَارُ وَوُضِعَتْ فِي الْمَسَاجِدِ كَسَائِرِ الشَّعَائِرِ الَّتِي وَضَعَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي الْمَسَاجِدِ وَمَا أَشْبَهَهَا كَالْأَذَانِ وَصَلٰوةِ الْعِيدَيْنِ ...... فُهِمَ مِنْهَا بِلَا شَكٍّ أَنَّهَا سُنَنٌ إِذْلَمْ تُفْهَمْ مِنْهَا الْفَرِيضَةُ ...... فَصَارَتْ مِنْ هٰذِهِ الْجِهَةِ بِدَعاً مُحْدَثَةً بِذٰلِكَ . ❷

''جب شریعت نے کسی چیز کو مندوب قرار دیا ہو۔ جیسے مثلاً: اللہ کا ذکر۔ اگر ایک قوم اس کا التزام کرے کہ ایک زبان ہو کر ایک ہی آواز سے ذکر کرنے لگ جاتی ہے یا دیگر اوقات کے علاوہ کسی معلوم اور مخصوص وقت کی پابندی کے ساتھ وہ ذکر کرتی ہے تو شریعت کی ترغیب اس معین تخصیص اور التزام پر ہرگز دلیل نہ ہوگی۔ بلکہ شریعت اس کے خلاف ہوگی۔ کیونکہ جو امور شرعاً لازم نہیں ان کا التزام کرنا دراصل شریعت سازی کا حکم رکھتا ہے

❶ کتاب الاعتصام للشاطبی: ج۱ ص۲۰۰۔ ❷ الاعتصام ج۱ ص۲۲۰۔

(جبکہ شریعت سازی کا حق غیر نبی کو قطعاً حاصل نہیں) بالخصوص جب کہ ان غیر لازم امور کا التزام مساجد کے نامی گرامی ائمہ کرام اپنی مساجد میں شروع کر دیں تو لامحالہ وہ غیر ثابت امور عوام الناس میں کم از کم سنت کا درجہ ضرور حاصل کر لیں گے، لہٰذا اس جہت سے یہ امور بلاشبہ بدعت قرار پاتے ہیں۔"

امام ممدوح ایک تیسرے مقام پر لکھتے ہیں:

فَإِذَا اجْتُمِعَ فِي النَّافِلَةِ أَنْ تُلْتَزَمَ السُّنَنُ الرَّوَاتِبُ امَّا دَائِماً وامَّا فِي أَوْقَاتٍ مَحْدُوْدَةٍ وَعَلٰى وَجْهٍ مَحْدُوْدٍ وَ أُقِيْمَتْ فِي الْجَمَاعَةِ فِي الْمَسَاجِدِ الَّتِي تُقَامُ فِيْهَا الْفَرَائِضُ أَوِ الْمَوَاضِعِ الَّتِي تُقَامُ فِيْهَا السُّنَنُ الرَّوَاتِبُ فَذٰلِكَ ابْتِدَاعٌ وَالدَّلِيْلُ عَلَيْهِ أَنَّهُ لَمْ يَأْتِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا مِنْ أَصْحَابِهِ وَلاَ مِنَ التَّابِعِيْنَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ فِعْلُ هٰذَا الْمَجْمُوْعِ هٰكَذَا مَجْمُوْعاً وَإِنْ أَتٰى مُطْلَقاً عَنْ غَيْرِ تِلْكَ التَّقْيِيْدَاتِ فَالتَّقْيِيْدُ فِي الْمُطْلَقَاتِ الَّتِي لَمْ يَثْبُتْ بِدَلِيْلِ الشَّرْعِ تَقْيِيْدُهَا رَأْيٌ فِي التَّشْرِيْعِ فَكَيْفَ إِذَا عَارَضَهُ الدَّلِيْلُ وَهُوَ الْأَمْرُ بِإِخْفَاءِ النَّوَافِلِ مَثَلاً۔ [1]

"جب کوئی نفل نماز سنن رواتب (سنن موکدہ) کے التزام کے ساتھ خاص طریقہ کے ساتھ ہمیشہ کے لئے یا محدود اوقات میں ان مساجد اور مقامات میں باجماعت پڑھی جائے گی، جہاں فرائض اور سنن رواتب ادا کی جاتی ہوں تو یہ نماز بدعت ہوگی۔ کیونکہ ایسی نماز نہ تو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے نہ صحابہ کرام ؓ اور تابعین عظام ؒ سے منقول ہے۔ اور مطلق عبادات میں اپنی طرف سے قیود لگانا دراصل ازخود شریعت میں تصرف کرنے کے مترادف ہے۔ یہ حکم تو اس صورت میں ہے جبکہ اس خاص نماز کے خلاف شرعی دلیل موجود نہ ہو لیکن یہاں تو اس طرح کی ازخود تیار کردہ نماز کے خلاف شرعی دلیل بھی موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نوافل کو چھپا کر پڑھنے کا حکم دے رکھا ہے، لہٰذا اس صورت میں یہ نماز بالاولیٰ بدعت قرار پاتی ہے۔

کیا نابالغ بچہ حافظ قرآن پہلی صف میں کھڑا ہو سکتا ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حدیث شریف میں ہے کہ پہلے مردوں، پھر بچوں اور پھر عورتوں کی صف ہو۔ ہماری مسجد میں نماز تراویح کے امام صاحب کے سامع حافظ صاحب نابالغ بچے ہیں، کیا وہ پہلی صف میں سماعت کے لئے کھڑے ہو سکتے ہیں؟ (سائل: محمد عبدالصمد، شاہدرہ لاہور)

جواب: نابالغ حافظ قرآن بحیثیت سامع پہلی صف میں کھڑا ہو سکتا ہے۔ اور اس کا پہلی صف میں کھڑا ہونا بلاشبہ جائز ہے، جیسے نابالغ لڑکا بوقت ضرورت امامت کرا سکتا ہے ایسے ہی وہ بحیثیت سامع پہلی صف میں بھی کھڑا ہو سکتا ہے۔ صحیح بخاری باب مقام النبی ﷺ بمکۃ زمن الفتح کے ذیلی باب میں حضرت عمرو بن سلمہ ؓ سے روایت ہے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ سَلَمَةَ فَقَالَ كُنَّا بِمَاءٍ مَمَرَّ النَّاسِ وَكَانَ يَمُرُّ بِنَا الرُّكْبَانُ فَنَسْأَلُهُمْ مَا لِلنَّاسِ مَا

[1] الاعتصام للشاطبی: ج ۱ ص ۲۵۴۔

لِلنَّاسِ مَا هٰذَا الرَّجُلُ؟ فَيَقُوْلُوْنَ يَزْعَمُ أَنَّ اللهَ أَرْسَلَهُ أَوْحىٰ إِلَيْهِ أُوْحِيَ اللهُ كَذَا فَكُنْتُ أَحْفَظُ ذَاكَ الْكَلَامَ فَكَأَنَّمَا يُقَرَّءُ فِي صَدْرِي وَكَانَتِ الْعَرَبُ تَلَوَّمُ بِإِسْلَامِهِمُ الْفَتْحَ فَيَقُوْلُوْنَ اُتْرُكُوْهُ وَ قَوْمَهُ فَإِنَّهُ إِنْ ظَهَرَ عَلَيْهِمْ فَهُوَ نَبِيٌّ صَادِقٌ فَلَمَّا كَانَتْ وَقْعَ أَهْلِ الْفَتْحِ بَادَرَكُلُّ قَوْمٍ بِإِسْلَامِهِمْ وَ بَدَءَ أَبِي قَوْمِي بِإِسْلَامِهِمْ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ جِئْتُكُمْ وَاللهِ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ ﷺ حَقًّا فَقَالَ صَلُّوْا صَلٰوةَ كَذَا فِي حِيْنِ كَذَا وَصَلٰوةَ فِي حِيْنِ كَذَا فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْثَرُكُمْ قُرْاٰنًا فَنَظَرُوْا فَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ أَكْثَرَ قُرْاٰنًا مِنِّي لِمَا كُنْتُ أَتَلَقّٰى مِنَ الرُّكْبَانِ فَقَدَّمُوْنِي بَيْنَ أَيْدِيْهِمْ وَأَنَا ابْنُ سِتٍّ أَوْسَبْعِ سِنِيْنَ وَكَانَتْ عَلَيَّ بُرْدَةٌ كُنْتُ إِذَا سَجَدْتُ تَقَلَّصَتْ عَنِّي فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِّنَ الْحَيِّ أَلَا تُغَطُّوْنَ عَنَّا إِسْتَ قَارِئِكُمْ فَاشْتَرَوْا فَقَطَعُوْا لِي قَمِيْصًا فَمَا فَرِحْتُ بِشَيْءٍ فَرَحِي بِذٰلِكَ الْقَمِيْصِ ۔ ●

’’عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم ایک چشمہ پر لوگوں کی گزرگاہ پر آباد تھے۔ وہاں سے قافلے گزرتے، ہم ان سے پوچھتے کہ لوگوں کو کیا ہوا؟ یہ شخص (رسولؐ) کون ہے؟ وہ جواب میں کہتے کہ یہ شخص دعوے کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو رسول بنا کر بھیجا ہے، اللہ نے اس پر وحی کی ہے۔ فلاں چیزیں وحی کی گئی ہیں۔ میں لوگوں سے سن کر یہ باتیں یاد کر لیتا اور وہ گویا میرے سینے سے چمٹ جاتیں اور عرب اسلام قبول کرنے میں فتح مکہ کے منتظر تھے۔ وہ کہتے تھے اس کو اور اس کی قوم کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر یہ ان پر غالب آ گیا تو سچا نبی ہے۔ پس جب مکہ فتح ہوا تو ہر قوم نے اسلام قبول کرنے میں جلدی کی اور میرا والد بھی میری قوم سے پہلے مسلمان ہو گیا۔ جب میرے والد رسول اللہ ﷺ کی خدمت سے واپس وطن لوٹے تو کہا اللہ کی قسم! میں سچے نبی کے پاس سے آیا ہوں۔ وہ نبی کہتا ہے کہ فلاں فلاں نماز فلاں فلاں وقت پڑھو۔ جب نماز کا وقت ہو جائے تو تم میں سے ایک اذان کہے اور جو قرآن مجید زیادہ پڑھا ہوا ہو۔ وہ تمہاری امامت کرائے۔ جب میری قوم نے دیکھا مجھے سب سے زیادہ قرآن مجید یاد تھا کیونکہ میں نے آنے جانے والوں سے سن کر یاد کر لیا تھا۔ پس انہوں نے مجھے اپنا امام بنا لیا اور میں اس وقت چھ یا سات برس کا تھا اور مجھ پر ایک کملی تھی جب میں سجدہ کرتا تو وہ سکڑ جاتی نیچے کا بدن ننگا ہو جاتا۔ قوم میں سے ایک عورت نے کہا کہ تم لوگ اپنے امام کا ستر کیوں نہیں ڈھانکتے؟ تب میرے مقتدیوں نے کپڑا خرید کر میرے لئے قمیض تیار کی۔ میں اس سے اتنا خوش ہوا کہ اتنی خوشی مجھے کبھی نہیں ہوئی۔‘‘

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نابالغ لڑکا جس کو قرآن مجید زیادہ یاد ہو اور نماز پڑھنے پڑھانے کا طریقہ جانتا ہو تو اس کی امامت شرعاً جائز اور صحیح ہے۔ اور جب اس کی امامت جائز اور صحیح ہے تو اسی طرح وہ بحیثیت سامع اگلی صف میں کھڑا ہو سکتا ہے۔ حالانکہ امامت کا مسئلہ بڑا اہم حساس اور نازک ہے جب کہ ایک باتمیز حافظ بچے کا پہلی صف میں کھڑا ہونا اتنا اہم اور نازک نہیں۔ (ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

● صحیح بخاری: ج ۲ ص ٦١٦۔

کتاب الوتر

وتر پڑھنے کا سنت طریقہ کیا ہے؟

سوال: وتر پڑھنے کا سنت طریقہ کیا ہے؟ مثلاً یہاں پر کوئی ایک وتر پڑھتا ہے، کوئی دو اور کوئی تین اکٹھے بھی پڑھتا ہے، مغرب کی نماز کی طرح۔ اگر تین وتر اکٹھے پڑھنے ہوں تو سنت طریقہ کیا ہے؟ (سائل: خادم حسین پردیسی جدہ سعودی عرب)

جواب: صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ نماز وتر کے کئی ایک پہلوؤں میں اختلاف ہے: مثلاً (۱) ان کی کل رکعتیں کتنی ہیں؟ (۲) ان میں سے کون سی تعداد رکعات زیادہ محبوب ہے؟ (۳) فرض ہیں یا نفل؟ (۴) ان کی قضا ہے یا نہیں؟ (۵) مکرر پڑھے جا سکتے ہیں؟ (۶) وتروں کے بعد نوافل ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ (۷) ان کے لئے بہتر وقت کون سا ہے؟ (۸) سواری پر نماز وتر جائز ہے یا نہیں؟ (۹) اس نماز کی رکعتوں میں کون سی سورتیں پڑھنا مسنون ہیں؟ (۱۰) رسول اللہ ﷺ نے کن اوقات میں یہ نماز پڑھی تھی؟ (۱۱) اس طرح اس امر کا بھی اختلاف ہے کہ وتر کی تین رکعتیں جائز ہیں یا نہیں۔ اگر جائز ہیں تو اکٹھی پڑھنی چاہئیں یا جدا کر کے یعنی دو سلاموں کے ساتھ دو اکٹھی اور تیسری علیحدہ۔ اکٹھی پڑھنے کی صورت میں درمیانی التحیات پڑھنی ہوگی یا نہیں۔ اگر مؤخر الذکر تینوں باتوں کو سمجھ لیا جائے تو مسئلہ نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ میں آ سکتا ہے۔ مختصر جواب یہ ہے کہ نماز وتر تین رکعتیں ہی ہیں۔ موصولاً بھی جائز ہیں اور منفصلاً بھی جائز ہیں اور صرف ایک وتر پر اکتفا بھی جائز ہے کہ یہ بھی سلف صالحین کے عمل سے ثابت ہے۔

وتر کی تین رکعتیں

عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یُوْتِرُ بِثَلاَثِ رَکَعَاتٍ۔ ❶

''حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر پڑھا کرتے تھے۔''

لیکن اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے:

لاَ تُوْتِرُوْا بِثَلاَثٍ أَوْتِرُوْا بِخَمْسٍ أَوْسَبْعٍ لاَ تَشَبَّهُوْا بِصَلٰوةِ الْمَغْرِبِ۔
أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِیُّ وَرُوَاتُهٗ کُلُّهُمْ ثِقَاتٌ وَأَخْرَجَ مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ الْمَرْوَزِیُّ فِیْ قِیَامِ اللَّیْلِ (ص ۱۲۵) مِنْ طَرِیْقِ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ مَرْفُوْعاً وَّ مَوْقُوْفاً لاَ تُوْتِرُوْا

❶ سنن نسائی ج۱ ص ۲۰۱.

بِثَلاَثٍ تَشَبَّهُوْا بِصَلٰوةِ الْمَغْرِبِ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَالْعِرَاقِيُّ وَ سَكَتَ عَلَيْهِ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ . ●

''تین وتر نہ پڑھو، پانچ یا سات پڑھو۔ نماز مغرب سے مشابہ نہ کرو۔''

یہ حدیث بحیثیت مجموعی صحیح ہے۔ بہت سے محققین نے اس کی صحت کی تائید کی ہے۔ چونکہ بظاہر پہلی روایت اور اس روایت میں تعارض دکھائی دیتا ہے۔ لہٰذا محدثین کرام نے اس میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ تعارض اٹھ گیا ہے۔ اس حدیث کو بنظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ نے صرف مشابہت نماز مغرب سے منع فرمایا ہے۔ پس ایسی صورت میں کہ جس سے مشابہت نہ رہے نہی وارد نہیں ہو سکتی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ اگر درمیانی التحیات نہ پڑھی جائے اور صرف ایک ہی تشہد پر اکتفا کیا جائے تو پھر نماز مغرب سے مشابہت نہیں رہتی اور یہی دونوں طرف کی روایات کا مطلب ہے ان کی تطبیق کے الفاظ یہ ہیں:

أَنَّ النَّهْيَ عَنِ الثَّلاَثِ إِذَا كَانَ يَقْعُدُ لِلتَّشَهُّدِ الْأَوْسَطِ لِأَنَّهُ يُشْبِهُ الْمَغْرِبَ وَأَمَّا إِذَا لَمْ يَقْعُدْ إِلاَّ فِي اٰخِرِهَا فَلاَ يُشْبِهُ الْمَغْرِبَ وَهُوَ جَمْعٌ حَسَنٌ . ●

''جب تین وتر دو تشہد سے پڑھے جائیں اس وقت تین رکعت وتر منع ہے۔ (اور یہی مطلب حدیث دارقطنی وغیرہ کا ہے) اور جب ایک ہی تشہد سے پڑھے جائیں اس وقت کوئی حرج نہیں اور یہی روایات ثابتہ کا مطلب ہے۔''

مرفوع حدیث:

شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ کی اس تقریر کی تائید میں ایک مرفوع حدیث بھی موجود ہے جس میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تین رکعت وتر کی نماز ایک تشہد (یعنی آخری تشہد) سے ہوا کرتی تھی۔ ●

امام محمد بن اسماعیل الامیر ارقام فرماتے ہیں:

قَدْ أَيَّدَهُ حَدِيْثُ عَائِشَةَ عِنْدَ أَحْمَدَ وَالنَّسَائِيِّ وَالْبَيْهَقِيِّ وَالْحَاكِمِ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِثَلاَثٍ لاَ يَجْلِسُ إِلاَّ فِيْ اٰخِرِهِنَّ وَ لَفْظُ أَحْمَدَ كَانَ يُوْتِرُ بِثَلاَثٍ لاَ يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ وَلَفْظُ الْحَاكِمِ لاَ يَقْعُدُ . ●

یعنی رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر صرف ایک ہی تشہد (التحیات) سے پڑھا کرتے تھے۔ اور درمیانی تشہد میں نہیں بیٹھتے تھے۔

● فتح الباری(ص۵۳۶)ونیل الأوطار ص(۲۸۱ ج ۲) وقال الحاکم هذا صحیح علی شرط الشیخین واخرجه ایضا مجد الدین الفیروز آبادی فی سفر السعادة واشار إلی صحته الحافظ ابن القیم فی أعلام الموقعین.

● سبل السلام: ج۲ ص۷.　　● فتح الباری: جلد ۱ صفحه ۵۳٦.

● سبل السلام: ج۲ ص۷) واورده الزرقانی فی شرح المواهب اللدنیة وصاحب السبل فی حاشیة زاد المعاد. (فتاویٰ نذیریه: ج ص ۵۳۵) وبالجماعة هذه القرائن تدل علی کون هذه الروایة فی النسخ الصحیحة للمستدرك والله تعالی اعلم قاله الشیخ عطاء الله البوجیانیؒ.

ایک قرینہ:

تین رکعت وتر کو ایک ہی تشہد سے پڑھنے کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ بعض صحابہ جن سے تین رکعت وتر کی نہی ثابت ہے، خود رسول اللہ ﷺ سے تین رکعت وتر کے راوی ہیں۔ جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے لئے ملاحظہ ہو صحیح مسلم (ج ۱ ص ۲۵۴) قَالَتْ مَا كَانَ يَزِيْدُ فِيْ رَمَضَانَ وَلَا فِيْ غَيْرِهٖ عَلٰى إِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّيْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّيْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْئَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّيْ ثَلَاثًا۔ (صحيح مسلم ج۱ ص ۲۵٤) کہ آپ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں چار چار رکعت خوبصورت طویل قراءت کے ساتھ پڑھ کر تین رکعت پڑھتے تھے۔

تو معلوم ہوا کہ انہوں نے ایسی تین رکعت سے منع کیا ہے جو نماز مغرب کے مشابہ ہو۔ اس کی تائید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر سے بھی ہوتی ہے۔ جو محلی ابن حزم میں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ قَالَ الْوِتْرُ كَصَلٰوةِ الْمَغْرِبِ إِلَّا اَنَّهُ لَا يَقْعُدُ إِلَّا فِي الثَّالِثَةِ. (ج۳ ص٤٦)

سلف صالحین کا مسلک:

بہت سارے سلف سے بھی بالتصریح مروی ہے کہ وہ تین رکعت وتر ایک ہی تشہد سے ادا فرمایا کرتے تھے۔

۱۔ الامام شمس الحق ارقام فرماتے ہیں:

قَدْ فَعَلَهُ السَّلَفُ اَيْضاً فَرَوٰى مُحَمَّدُ بْنُ نَصْرٍ الْمَرْوَزِيُّ مِنْ طَرِيْقِ الْحَسَنِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يَنْهَضُ فِي الثَّالِثَةِ مِنَ الْوِتْرِ بِالتَّكْبِيْرِ يَعْنِي إِذَا قَامَ مِنْ سُجُوْدِ الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ قَامَ مُكَبِّرًا مِنْ غَيْرِ جُلُوْسِ التَّشَهُّدِ. ❶

”حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وتروں میں دوسری رکعت سے فارغ ہو کر اللہ اکبر کہہ کر سیدھے کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور تشہد کے لئے نہیں بیٹھتے تھے۔“

۲۔ حضرت طاؤس بن کیسان، عطاء بن ابی رباح اور ایوب وغیرہ کا بھی یہی عمل تھا۔

عَنْ طَاؤُسٍ اَنَّهُ كَانَ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ لَا يَقْعُدُ بَيْنَهُنَّ. ❷

”حضرت طاؤس تین وتر پڑھا کرتے تھے اور درمیانی التحیات نہیں بیٹھتے تھے۔“

۳۔ وَعَنْ عَطَاءٍ اَنَّهُ كَانَ يُوْتِرُ بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ لَا يَجْلِسُ فِيْهِنَّ وَلَا يَتَشَهَّدُ إِلَّا فِيْ اٰخِرِهِنَّ. ❸

۴۔ وَقَالَ حَمَّادٌ كَانَ اَيُّوْبُ يُصَلِّيْ بِنَا فِيْ رَمَضَانَ وَكَانَ يُوْتِرُ بِثَلَاثٍ لَا يَجْلِسُ إِلَّا فِيْ اٰخِرِهِنَّ. ❹

❶ عون المعبود: ج۱ ص ۵۳۵۔
❷ عون المعبود: ص ۵۳۵ ج۱۔
❸ عون المعبود: ج۱ ص ۵۳۵۔
❹ عون المعبود: ج۱ ص ۵۳۵۔

''حماد کہتے ہیں کہ حضرت ایوب رحمۃ اللہ علیہ ہمیں رمضان میں وتر کی نماز پڑھایا کرتے تھے اور تین رکعت وتر میں درمیان کا التحیات نہیں بیٹھتے تھے۔''

تطبیق کا دوسرا انداز:

حضرت مولانا عطاء اللہ بھوجیانی ارقام فرماتے ہیں:

''ہاں اگر دو تشہد سے تین وتر پڑھے جائیں تو دو سلام سے۔ چنانچہ بعض محدثین نے مذکورہ بالا احادیث میں یوں بھی تطبیق دی ہے۔ امام محمد بن نصر مروزی جو امام احمد کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں ان کا عندیہ بھی یہی ہے۔ ان کے نزدیک متصل تین رکعت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچیں۔''

قیام اللیل میں ہے:

لَمْ تَجِدْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرًا ثَابِتًا صَرِيحًا أَنَّهُ أَوْتَرَ بِثَلَاثٍ مَوْصُولَةٍ . ❶

اور اکثر شوافع نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

امام نووی شرح مہذب میں فرماتے ہیں:

وَإِذَا أَرَادَ الْإِتْيَانَ بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ فَفِي الْأَفْضَلِ أَوْجُهِ الصَّحِيحُ أَنَّ الْأَفْضَلَ اَنْ يَصلِّيها مَفْصُولَةً بِسَلَامَيْنِ لِكَثْرَةِ الْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ فِيهِ وَإِلَيْهِ ذَهَبَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ .

''جب تین رکعت کا ارادہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ دو سلام ہوں، اس لئے کہ بہت سی صحیح حدیثیں اسی طرح کی ہیں۔''

اس کی دلیل میں حسب ذیل دو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْصِلُ بَيْنَ الْوِتْرِ وَالشَّفْعِ بِتَسْلِيمَةٍ يُسْمِعُنَاهَا .

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَابْنُ السَّكَنِ فِي صَحِيحَيْهِمَا وَالطَّبَرَانِيُّ مِنْ حَدِيثِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الصَّائِغِ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ بِهِ وَقَوَّاهُ أَحْمَدُ . ❷

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وتر اور اس کے قبل کی دو رکعتوں کے درمیان سلام کے ساتھ فاصلہ کر لیا کرتے تھے۔''

۲۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي الْحُجْرَةِ وَأَنَا فِي الْبَيْتِ يَنْفَصِلُ عَنِ الشَّفْعِ وَالْوِتْرِ بِتَسْلِيمٍ يُسْمِعُنَا . ❸

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حجرہ میں نماز پڑھتے تھے اور میں گھر میں ہوتی، آپ وتر اور پہلی

---

❶ نیل الأوطار: ج۳ ص ۳۶۔ ❷ تلخیص الحبیر: ج۲ ص ۱۶۔

❸ أخرجه أحمد و فيه انقطاع لكن يكفي للتائيد۔

دو رکعتوں میں فاصلہ کرتے تھے، سلام کے ساتھ اور اپنا سلام ہمیں سناتے۔'' ❶

میں کہتا ہوں کہ بعض صحابہ وتابعین اسی کے قائل ہیں۔ امام ترمذیؒ اپنی جامع میں تصریح فرماتے ہیں:

وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِيْنَ رَأَوْا أَنْ يَفْصِلَ الرَّجُلُ بَيْنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَالثَّالِثَةِ يُوْتِرُ بِرَكْعَةٍ وَ بِهٖ يَقُوْلُ مَالِكٌ وَّالشَّافِعِيُّ وَ أَحْمَدُ وَ إِسْحَاقُ . ❷

''بعض صحابہ و تابعین اسی کے قائل ہیں کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور تیسری رکعت الگ پڑھے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد اور امام اسحاق بن راہویہ ﷭ کا یہی مسلک ہے۔''

علامہ ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

اَلْقَوْلُ الْفَيْصَلُ فِيْ هٰذَا الْمُقَامِ أَنَّ الْأَمْرَ فِيْ مَا بَيْنَ الصَّحَابَةِ مُخْتَلِفٌ فَبَعْضُهُمْ مَنْ يَكْتَفِيْ عَلَى الرَّكْعَةِ الْوَاحِدَةِ وَمِنْهُمْ مَنْ كَانَ يُصَلِّيْ ثَلَاثاً بِتَسْلِيْمَتَيْنِ وَ مِنْهُمْ مَنْ كَانَ يُصَلِّيْ ثَلَاثاً بِتَسْلِيْمَةٍ وَّالْأَخْبَارُ الْمَرْفُوْعَةُ أَيْضاً مُخْتَلِفَةٌ بَعْضُهَا شَاهِدَةٌ لِلْاِكْتِفَاءِ بِالْوَاحِدَةِ وَ بَعْضُهَا بِالثَّلَاثِ وَالْكُلُّ ثَابِتٌ لٰكِنْ أَصْحَابُنَا قَدْ تَرَجَّحَتْ عِنْدَهُمْ رِوَايَاتُ الثَّلْثِ بِتَسْلِيْمَةٍ بِوُجُوْهٍ لَاحَتْ لَهُمْ فَاخْتَارُوْهُ وَحَمَلُوا الْمُجْمَلَ عَلَى الْمُفَصَّلِ۔ (التعليق الممجد)

'' قول فیصل اس مقام میں یہ ہے کہ اس امر میں صحابہ مختلف ہیں، بعض تو صرف ایک ہی رکعت پر اکتفا کرتے تھے۔ کچھ صحابہ کرام ﷡ تین رکعت دو سلام سے پڑھتے تھے اور کچھ صحابہ کرام ﷡ تین وتر ایک سلام سے پڑھتے تھے اور مرفوع حدیثیں بھی اس مسئلہ میں مختلف ہیں۔ لہٰذا یہ سب طریقے جائز اور ثابت ہیں لیکن ہمارے حنفی علماء نے بعض وجوہ جو ان کے پیش نظر ہیں کی وجہ سے وہ تین رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھنے کو راجح کہتے ہیں اور مجمل روایات کو مفصل روایات پر محمول کرتے ہیں۔''

مگر حضرت علامہ ابوالحسنات کا یہ فرمان کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک تین رکعتوں کو ایک سلام کے ساتھ پڑھنا راجح ہے، از روئے احادیث صحیحہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ ہم پہلے لکھ آئے کہ حضرت امام محمد بن نصر مروزی جو کہ امام احمد کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں:

لَمْ نَجِدْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَراً ثَابِتاً صَرِيْحاً أَنَّهٗ أَوْتَرَ بِثَلَاثٍ مَوْصُوْلَةٍ قَالَ نَعَمْ ثَبَتَ عَنْهُ أَنَّهٗ أَوْتَرَ بِثَلَاثٍ لٰكِنْ لَمْ يُبَيِّنِ الرَّاوِيُّ هَلْ هِيَ مَوْصُوْلَةٌ أَوْ مَفْصُوْلَةٌ .

'' ہم رسول اللہ ﷺ کی ایسی صحیح اور صریح حدیث نہیں پاتے کہ جس میں صراحت کے ساتھ ذکر ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے تین رکعت وتر ایک سلام کے ساتھ پڑھے ہوں۔''

---

❶ فتاوی علمائے حدیث: ۱۹۲. ❷ جامع ترمذی مع التحفة الاحوذی.

اگرچہ حافظ عراقی نے امام محمد بن نصر کا تعاقب کیا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک ان کا تعاقب کوئی درخو اعتناء نہیں۔ نفس جواز اور چیز ہے۔ بحث افضل اور غیر افضل میں ہے اور احادیث صحیحہ صریحہ کے مطابق افضل یہی ہے کہ تین رکعت وتر دو سلاموں کے ساتھ پڑھے جائیں یا پھر علی الاقل تین رکعت وتر ایک تشہد (التحیات) کے ساتھ پڑھے جائیں تا کہ نماز مغرب کے ساتھ مشابہت نہ ہو۔

ہمارے الشیخ محترم حافظ محمد محدث گوندلویؒ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے تین وتر دو طرح آئے ہیں: ایک اس طرح کہ درمیانی تشہد نہ بیٹھے اور آخر میں سلام پھیرے۔ جیسا کہ فتح الباری میں ہے مستدرک حاکم کی روایت کے نیچے علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ دو رکعت ادا کر کے سلام پھیر کر تیسری رکعت الگ پڑھے۔ جیسا کہ فتح الباری میں ہے اور یہی بہتر ہے۔ کیونکہ ایک حدیث میں تین رکعت پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔ جیسا کہ فتح الباری میں ہے اس حدیث کا صحیح مطلب یہی ہے کہ ایک سلام سے تین رکعت نہ پڑھے۔ ❶

دعائے قنوت وتر میں طریقہ رفع الیدین اور نماز وتر کتنی ہے؟

سوال: کیا دعائے قنوت رکوع سے پہلے ہاتھ باندھ کر پڑھی جاسکتی ہے اور کیا اس کے جواز میں کوئی حدیث یا صحابہ کا عمل موجود ہے؟

جواب: قیام اللیل للمروزی میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ رکوع سے پہلے ہاتھ باندھ کر دعائے قنوت پڑھنا ثابت ہے۔ شیخنا و شیخ الکل حضرت حافظ محمد محدث گوندلوی رحمہ اللہ اپنے فتویٰ میں ارقام فرماتے ہیں:

دعائے قنوت رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد دونوں طرح صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ (جزء رفع الیدین) اور رکوع سے پہلے ہاتھ باندھ کر دعا کرنا بھی بعض صحابہ سے آیا ہے۔ (قیام اللیل) العبد محمد گوندلوی ۱۴۔۲۔۲۳۶۔

کیا ایک وتر پڑھنا جائز ہے؟

سوال: کیا ایک رکعت وتر پڑھنا بھی جائز ہے؟

جواب: اگرچہ رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تو یہی رہا کہ آپ تین وتر دو سلاموں کے ساتھ پڑھتے تھے، تاہم ایک وتر بھی جائز ہے۔

۱۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُمَا سَمِعَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْوِتْرُ رَكْعَةٌ مِّنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ. ❷

---

❶ فتاوی علمائے حدیث: ج ۳ ص ۱۹۳۔

❷ رواہ أحمد ومسلم، نیل الأوطار: ج ۳ ص ۳۳۔

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ان دونوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ آپؐ فرماتے تھے کہ رات کی آخری نماز ایک رکعت وتر ہے۔"

۲۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ كَانَ يُسَلِّمُ بَيْنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَالرَّكْعَةِ فِى الْوِتْرِ حَتّٰى اَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُ بِبَعْضِ حَاجَتِهٖ ۔ ❶

"حضرت ابن عمر دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیتے، پھر اپنی کسی ضرورت کا حکم دیتے اور پھر ایک رکعت وتر پڑھتے۔"

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس اثر کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک سلام کے ساتھ تین رکعت پڑھا کرتے تھے لیکن اگر کبھی کوئی حاجت درپیش ہوتی تو پھر تین وتر دو سلام کے ساتھ پڑھتے۔ اس اثر سے زیادہ واضح اثر ان کا وہ ہے جسے سعید بن منصور نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْمُزَنِيِّ قَالَ صَلَّى ابْنُ عُمَرَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَالَ يَا غُلَامُ إِرْحَلْ لَنَا ثُمَّ قَامَ وَ اَوْتَرَ بِرَكْعَةٍ ۔

"ابن عمر رضی اللہ عنہ نے دو رکعتیں پڑھ کر اپنے غلام کو کہا کہ سواری پر کجاوا رکھو اور پھر ایک رکعت وتر پڑھا۔"

۳۔ امام طحاوی حنفی ابن عمر سے روایت کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهُ كَانَ يَفْصِلُ بَيْنَ شَفْعِهٖ وَ وِتْرِهٖ بِتَسْلِيْمَةٍ وَّاَخْبَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُهُ۔ وَإِسْنَادُهُ قَوِيٌّ۔ (نيل الأوطار)

"حضرت ابن عمر اپنے شفع اور وتر میں سلام کے ساتھ فاصلہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ نبی ﷺ بھی ایسا ہی کرتے۔"

ان احادیث اور آثار صحیحہ قویہ سے ثابت ہوا کہ ایک وتر بھی پڑھنا جائز ہے۔ جمہور علماء اس طرف گئے ہیں۔ حضرات خلفائے راشدین، سعد بن ابی وقاص، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، ابوموسیٰ اشعری، ابودرداء، حذیفہ، ابن مسعود، ابن عمر، ابن عباس، معاویہ، تمیم داری، ابوایوب انصاری، ابوہریرہ، فضالہ بن ابی عبید بن زبیر وغیرہ رضی اللہ عنہم اور فقہاء تابعین میں سے سالم بن عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ، حسن بصری، محمد بن سیرین، عطاء بن ابی رباح، عقبہ بن عبدالغافر، سعید بن جبیر، نافع بن جبیر بن مطعم، جابر بن زید، زہری، ربیعہ بن ابی عبدالرحمن رحمہم اللہ وغیرہم تابعین کرام اور ائمہ میں سے امام مالک، شافعی، احمد، اوزاعی، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، داؤد اور ابن حزم رحمہم اللہ یہ سب صحابہ، تابعین اور ائمہ ایک رکعت وتر کے قائل ہیں۔ ❷ (هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب)

---

❶ رواه البخاري ، نيل الأوطار: ج۳ ص۳۳ و بخاری ج۱ ص ۱۳۵ باب ماجاء في الوتر۔

❷ نیل الاوطار باب الوتر بركعة ج۳ ص ۳۲۔

دعائے قنوت وتر:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مستدرک حاکم کی اس روایت کے بارے میں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو رکوع کے بعد وتر میں دعائے قنوت پڑھنے کا حکم دیا، اس روایت کے روای کیسے ہیں؟ (مستدرک جلد نمبر ۳، ص ۱۷۲) (سائل: طاہر محمود مقام حیات مکان نمبر ۲۶۱ بی سرگودھا)

۱۔ حَدَّثَنَا أَبُوْ جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ صَالِحِ بْنِ هَانِئٍ وَأَبُوْ سَعِيْدٍ عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَنْصُوْرٍ (قَالَا) ثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمُسَيَّبِ الشَّوَانِيُّ ثَنَا أَبُوْ بَكْرٍ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ شَيْبَةَ الْحَزَامِيُّ ثَنَا إِبْنُ أَبِيْ فُدَيْكٍ عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ ابْنِ عُقْبَةَ عَنْ عَمِّهٖ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِيْ وِتْرِيْ إِذَا رَفَعْتُ رَأْسِيْ وَلَمْ يَبْقَ إِلَّا السُّجُوْدُ" اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا أَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّمَا قَضَيْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ إِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ۔"

هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ إِلَّا أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جَعْفَرِ بْنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ خَالَفَ إِسْمَاعِيْلَ بْنَ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ عُقْبَةَ فِيْ إِسْنَادِهٖ۔

۲۔ حَدَّثَنَا أَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ الذَّاهِدُ الصَّفَّارُ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ السُّلَمِيُّ (وَحَدَّثَنَا) عَلِيُّ بْنُ حَمَّادٍ الْعَدْلُ ثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِالْوَاحِدِ الْبَزَّارُ وَالْفَضْلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَيْهَقِيُّ (قَالُوْا) حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ (حَدَّثَنَا) مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ حَدَّثَنِيْ مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ ثَنَا أَبُوْ إِسْحَاقَ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِيْ مَرْيَمَ عَنْ أَبِي الْحَوْرَاءِ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فِي الْوِتْرِ" اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَ بَارِكْ لِيْ فِيْمَا أَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّمَا قَضَيْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ وَإِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ۔"[1]

شیخ البانی قبل الرکوع والی متعدد روایات ذکر کرنے کے بعد تصریح فرماتے ہیں:

لٰكِنْ رَوَاهُ الْحَاكِمُ (ج۳ص۱۷۲) وَ عَنْهُ الْبَيْهَقِيُّ (ج۳ص۳۸، ۳۹) مِنْ طَرِيْقَيْنِ اٰخَرَيْنِ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ الشَّعْرَانِيِّ بِهٖ بِلَفْظٍ (إِذَا رَفَعْتُ رَأْسِيْ وَلَمْ يَبْقَ إِلَّا السُّجُوْدُ) فَهٰذَا خِلَافُ الرِّوَايَةِ الْأُوْلٰى فَاللّٰهُ أَعْلَمُ وَالْإِسْنَادُ حَسَنٌ رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ رِجَالُ الْبُخَارِيِّ غَيْرَ الشَّعْرَانِيِّ قَالَ الْحَاكِمُ (ثِقَةٌ لَمْ يُطْعَنْ فِيْهِ بِحُجَّةٍ) وَكَأَنَّهٗ لِذٰلِكَ قَالَ عَقِبَ

---

[1] مستدرك إمام حاكم: كتاب معرفة الصحابة باب ومن مناقب الحسن و الحسين ابنى بنت رسول الله ﷺ ص ۱۷۲۔

الْحَدِيْث۔ (صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ إِلاَّ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ قَدْ خَالَفَ إِسْمَاعِيلَ بْنَ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ عُقْبَةَ فِيْ إِسْنَادِهِ۔
ثُمَّ سَاقَهُ عَنْهُ عَنْ مُوْسٰى بْنِ عُقْبَةَ ثَنَا أَبُوْ إِسْحَاقَ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِيْ مَرْيَمَ عَنْ أَبِيْ الْحَوْرَآءِ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ بِهِ وَسَيَأْتِيْ لَفْظُهُ بَعْدَ حَدِيْثَيْنِ۔
ثُمَّ رَأَيْتُ الْحَافِظَ ابْنَ حَجَرٍ قَالَ فِيْ التَّلْخِيْصِ(ج۳۸۷)بَعْدَ أَنْ سَاقَ رِوَايَةَ الْحَاكِمِ هٰذِهِ۔ (اَلتَّنْبِيْه)يَنْبَغِيْ إِذْ يَتَأَمَّلُ قَوْلُهُ فِيْ هٰذَا الطَّرِيْقِ (إِذَا رَفَعْتُ رَأْسِيْ وَلَمْ يَبْقَ إِلاَّ السُّجُوْدُ) فَقَدْ رَأَيْتُ فِيْ الْجُزْءِ الثَّانِيْ مِنْ فَوَائِدِ أَبِيْ بَكْرٍ أَحْمَدَ بْنِ الحسين ابْنِ مهران الْأَصْبَهَانِيْ تَخْرِيْجِ الْحَاكِمِ لَهُ قَالَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْنُسَ الْمُقْرِيْ قَالَ ثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَيْهَقِيُّ۔ قُلْتُ (اَلْبَانِيْ) فَذَكَرَهُ بِسَنَدِهِ وَ لَفْظُ ابْنِ مندة وَ فِيْهِ الزِّيَادَةُ وَ ابْنِ يُوْنُسَ الْمُقْرِيْ تَرْجَمَهُ الْخَطِيْبُ فِيْ تَارِيْخِهِ(ج۳ص۳۳۶) وثقه ، ولِهٰذَا مَالَتْ نَفْسِيْ إِلٰى تَرْجِيْحِ هٰذَا اللَّفْظِ بَعْدَ ثُبُوْتِ هٰذِهِ الْمُتَابَعَةِ۔ (إرواء الغليل:ج۲ص۱۶۸، ۱۶۹) ارواء الغليل فی تخريج احاديث منارالسبيل۔ فی ثبوته نظر۔ ارواء الغليل ج ۲ ص ۱۶۶۔

دوسری حدیث کی سند کے بارے میں لکھتے ہیں:

قُلْتُ هٰذَا إِسْنَادٌ صَحِيْحٌ رِجَالُهُ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ وَتَابَعَهُ أَبُوْ إِسْحَاقَ وَالْبَيْهَقِيُّ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِيْ مَرْيَمَ بِهِ۔

تین وتر پڑھنے کا طریقہ

سوال: کیا تین وتر پڑھتے وقت درمیانی تشہد پڑھا جائے یا نہ پڑھا جائے؟ (سائل: لطیف شریف رحمان گلی نمبر۴ لاہور)

جواب: وبالله التوفيق۔ تین رکعت وتر رسول اللہ ﷺ سے معتبر سندوں کے ساتھ دو طرح ثابت ہیں: ایک یہ کہ تین رکعت ایک تشہد کے ساتھ پڑھ کر سلام پھیرنا۔ جیسا کہ حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہے:

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِثَلاَثٍ لاَ يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ۔ [1]

''حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر نماز پڑھتے، اخیر کے تشہد کے سوا اور کہیں نہ بیٹھتے یعنی تینوں وتر ایک ہی تشہد کے ساتھ پڑھتے۔''

اس حدیث کو امام احمد، امام نسائی اور بیہقی نے بیان کیا، امام احمد اور حاکم کے لفظوں میں اختلاف ہے۔ مگر معنی سب کا ایک ہے۔

[1] رواه احمد والنسائي وقال الشوكاني حديث عائشة فاخرجه ايضا البيهقي والحاكم بلفظ احمد واخرجه ايضا البيهقي والحاكم بلفظ النسائي وقال الحاكم صحيح على شرط الشيخين، نيل الأوطار: ج۳، ص ۳۵۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوْتِرُ مِنْ ذٰلِكَ بِخَمْسٍ وَّ لَا يَجْلِسُ فِيْ شَيْءٍ مِّنْهُنَّ إِلَّا فِيْ آخِرِهِنَّ . ●

''حضرت عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کو تیرہ رکعت پڑھتے تھے ان میں پانچ وتر ہوتے تھے، ان پانچ وتروں کو ایک ہی تشہد کے ساتھ ادا فرماتے بیچ میں قعدہ کے لئے نہ بیٹھتے۔

دوسرا یہ کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دینا بعد میں ایک رکعت تنہا پڑھنی جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ دو رکعت وتر کی نماز پڑھ کر سلام پھیرتے تھے اور پھر ایک رکعت الگ تنہا پڑھتے تھے۔اس حدیث کو امام احمد نے بیان کیا اور اس کو قوی کہا ہے اور ابن حبان اور ابن سکن نے بھی اس حدیث کو اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے اور طبرانی نے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔اسی طرح تلخیص الحبیر میں ہے۔ ●

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يُسَلِّمُ بَيْنَ الرَّكْعَةِ وَالرَّكْعَتَيْنِ فِي الْوِتْرِ حَتّٰى كَانَ يَأْمُرُ بِبَعْضِ حَاجَتِهِ . ●

''حضرت ابن عمر ؓ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیتے، پھر وتر کی ایک رکعت علیحدہ پڑھتے یہاں تک کہ دو رکعت پڑھنے کے بعد کسی ضروری کام کا حکم دیتے پھر وتر کی ایک رکعت پڑھتے۔''

اس حدیث کا صحیح سیاق یہ ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ كَانَ يُسَلِّمُ بَيْنَ الرَّكْعَةِ وَالرَّكْعَتَيْنِ فِي الْوِتْرِ حَتّٰى يَأْمُرَ بِبَعْضِ حَاجَتِهِ۔ ●

''حضرت ابن عمر ؓ پہلے شفعہ کو سلام کے ساتھ وتر کی رکعت سے علیحدہ پڑھتے تھے اور یہ بھی کہتے کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔'' كما رواه الطحاوي۔ ●

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ تین وتروں کو دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔یعنی تین وتر ایک تشہد کی ساتھ پڑھنا جیسا کہ حضرت عائشہ ؓ کی دونوں احادیث (صحیح مسلم اور مسند احمد وغیرہ) سے ثابت ہوتا ہے یا پھر دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دینا اور تیسرا وتر جدا پڑھنا۔

آخر میں یہ بھی یاد رکھئے کہ جس طرح علمائے احناف تین وتر دو تشہد کے ساتھ پڑھتے چلے آ رہے ہیں یہ طریقہ صحیح حدیث سے ثابت نہیں بلکہ حضرت ابو ہریرہ ؓ کی مندرجہ ذیل حدیث اس طریقہ کے خلاف ہے۔حدیث یہ ہے:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُوْتِرُوْا بِثَلَاثٍ أَوْتِرُوْا بِخَمْسٍ أَوْسَبْعٍ وَلَا تَشَبَّهُوْا بِصَلَاةِ الْمَغْرِبِ .

● متفق و اللفظ لمسلم: ج١ ص٢٥٤ باب صلوة الليل وعدد ركعات النبي، و نيل الأوطار ج٣ ص٣٦۔

● فتاوی علمائے حدیث: ص ٢٣٩ ج ٤. ● صحيح البخاري: باب ماجاء في الوتر ج١ ص١٣٥.

● إسناده قوي، نيل الأوطار: باب الوتر بركعة الخ ج٣ ص٣٢. ● نيل الاوطار ج٣ ص٣٢.

رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادِهِ وَقَالَ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ وَ قَالَ الشَّوْكَانِيُّ وَ أَمَّا حَدِيْثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ فَأَخْرَجَهُ أَيْضاً ابِنُ حِبَّانَ فِيْ صَحِيْحِهِ وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ قَالَ الْحَافِظُ وَ رِجَالُهُ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ وَلاَ يَضُرُّهُ وَقْفُ مَنْ وَقَّفَهُ الخ ۔ ❶

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین وتر نہ پڑھو، پانچ یا سات پڑھو اور مغرب کی نماز سے مشابہت نہ کرو۔''

یہ حدیث بہرحال قابل حجت اور معتبر ہے۔ چونکہ تین وتر رسول اللہ ﷺ سے پڑھنے بلا اختلاف ثابت ہیں ۔لہٰذا اس حدیث کا مطلب صرف یہ ہے کہ تین وتر مغرب کی فرض نماز کی طرح دو تشہد کے ساتھ اکٹھے نہ پڑھے جائیں، کیونکہ اس نفل نماز کی فرض نماز کے ساتھ مشابہت ہو جائے گی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں یہی تطبیق بیان فرمائی ہے۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب۔

جواب نمبر۳: ہاں، ایک رکعت وتر بھی پڑھنا جائز ہے، چنانچہ ترمذی شریف میں امام ترمذی یہ حدیث لائے ہیں:

عَنْ أَنَسِ بْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ سَئَلْتُ ابْنَ عُمَرَ فَقُلْتُ أُطِيْلُ فِيْ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ مَثْنىٰ مَثْنىٰ وَيُوْتِرُ بِرَكْعَةٍ الخ

وَقَالَ أَبُوْ عِيْسىٰ حَدِيْثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَالْعَمَلُ عَلىٰ هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِيْنَ رَأَوْ أَنْ يَفْصِلَ الرَّجُلُ بَيْنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَفِي الثَّالِثَةِ يُوْتِرُ بِرَكْعَةٍ وَبِهِ يَقُوْلُ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَ إِسْحَاقُ ۔ ❷

''انس بن سیرین نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں فجر کی سنتوں میں لمبی قراءت کرتا ہوں تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ دو دو رکعت کر کے تہجد پڑھتے تھے، پھر ایک رکعت وتر پڑھتے تھے اور پھر ہلکی پھلکی فجر کی دو سنتیں ادا فرماتے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین میں سے بعض اہل علم کا یہی مذہب ہے۔ امام مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور اسحاق کا یہی مذہب ہے۔

مگر ان چاروں ائمہ کے نزدیک ایک رکعت وتر سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے ضروری ہیں، مگر ہمارے نزدیک ایک رکعت وتر دو رکعت نفل کے ساتھ مشروط نہیں ہے، یعنی اگر دو رکعت نفل کے بغیر بھی ایک رکعت وتر پڑھا جائے تو یہ بھی جائز ہے، چنانچہ ابوداؤد مع عون المعبود میں ہے:

عَنْ أَبِيْ أَيُّوْبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوِتْرُ حَقٌّ عَلىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوْتِرَ بِخَمْسٍ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوْتِرَ بِثَلاَثٍ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوْتِرَ بِوَاحِدَةٍ فَلْيَفْعَلْ ۔ ❸

---

❶ نيل الأوطار: ج۳ ص۳۵، ۳۶.

❷ ترمذي: ص۸۶ ج۱، تحفة الأحوذي: ص۳۴۰ ج۱ باب ماجاء في الوتر بركعة.

❸ عون المعبود: ص۵۳۲ ج۱.

"حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وتر ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے، جسے پانچ وتر پسند ہوں وہ پانچ پڑھے، جسے تین محبوب ہوں وہ تین پڑھ لے اور جو ایک وتر پڑھنا چاہے وہ ایک بھی پڑھ سکتا ہے۔"

اس روایت کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے موقوف قرار دیا ہے۔ محمد بن اسماعیل الامیر الیمانی فرماتے ہیں:

وَلَهُ حُكْمُ الرَّفْعِ إِذْ لاَ مَسْرَحَ للا جتهاد فيه اى في المقادير . ❶

"یہ حدیث مرفوع حدیث کے حکم میں ہے کیونکہ رکعات وتر کی تعیین میں اجتہاد کو دخل نہیں۔"

(۳) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ صَلٰوتَهُ بِاللَّيْلِ وَهِيَ مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَ يَدَيْهِ فَإِذَا بَقِيَ الْوِتْرُ أَيْقَظَهَا فَأَوْتَرَتْ . ❷

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ رات کو قیام فرماتے، جب وتر باقی رہ جاتا تو مجھے بھی سامنے سے بیدار کر لیتے تو میں بھی وتر پڑھ لیتی۔"

اس حدیث میں ایسی کوئی تصریح نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک وتر سے پہلے دو نفل پڑھے ہوں۔"

امام خطابی فرماتے ہیں:

ذَهَبَ جَمَاعَةٌ مِّنَ السَّلَفِ إِلٰى أَنَّ الْوِتْرَ رَكْعَةٌ أَنَّ مِنْهُمْ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ وَ سَعْدَ بْنَ أَبِيْ وَقَّاصٍ وَّزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَّ أَبِيْ مُوْسٰى وَ ابْنَ عَبَّاسٍ وَّ عَائِشَةَ وَ ابْنِ الزُّبَيْرِ وَغَيْرَهُمْ . ❸

"سلف کی ایک جماعت ایک وتر کی قائل ہے جن میں حضرت عثمان بن عفان، سعد بن ابی وقاص، زید بن ثابت، ابوموسیٰ، ابن عباس، عائشہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم سرفہرست ہیں۔"

ان کے علاوہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک وتر جائز اور صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

قنوت وتر میں طریق رفع الیدین اور نماز وتر کتنی رکعت؟

سوال نمبر۱: کیا رسول کریم ﷺ سے وتر کی نماز میں دعائے قنوت کے لئے ہاتھ اٹھانا ثابت ہے یا نہیں؟ نیز ہاتھ اٹھانے کا صحیح طریقہ بھی بتائیں کیونکہ جماعت اہل حدیث اور حضرات احناف دونوں وتر کی دعا میں ہاتھ اٹھاتے ہیں لیکن دونوں کے طریقوں میں فرق ہے، علمائے اہل حدیث دعا کی طرح ہاتھ اٹھاتے ہیں اور علمائے احناف تکبیر تحریمہ کی طرح ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ دونوں مسالک کے دلائل بھی بتائیں تو مہربانی ہوگی؟

---

❶ ص۸ ج۲ باب صلوة التطوع تحفة الأحوذى: ص۲۲۹ ج۱) (التعليقات السلفية:ص۲۰۲ ج۱۔

❷ صحيح مسلم مع نووى:ص۲۵۵ ج۱ باب صلوة الليل وعدد ركعات۔ ❸ عون المعبود:۵۲۲ ج۱۔

سوال نمبر۲: نبی کریم ﷺ اکثر اوقات نماز وتر کتنی رکعت پڑھا کرتے تھے، ایک یا تین یا پانچ وغیرہ؟ (سائل: سید نادر شاہ، جنگل خیل کوہاٹ)

جواب نمبر۱: اولاً یہ واضح رہے کہ سنن ابن ماجہ کی درج ذیل ایک روایت کے علاوہ کسی حدیث صحیح میں قنوت وتر رسول اللہ ﷺ سے فعلاً ثابت نہیں، سنن ابن ماجہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوْتِرُ فَيَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوْعِ۔
وَقَالَ السِّنْدِيُّ فِيْ حَاشِيَةٍ وَ فِي الزَّوَائِدِ إِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ وَّرِجَالُهٗ ثِقَاتٌ . ❶

''رسول اللہ ﷺ وتروں میں رکوع سے پہلے دعائے قنوت کرتے تھے۔''

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے دعائے قنوت کرنے کا ذکر تو ہے، لیکن تمام محققین اہل علم کے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے دعائے قنوت کے متعلق جو کچھ ثابت ہے وہ صبح کی نماز سے تعلق رکھتا ہے، وتر کی نماز سے نہیں۔ امام ابو طاہر مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادیؒ لکھتے ہیں:

لَنْ يَرِدَ فِي الصَّحِيْحِ أَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وآلِهٖ وَسَلَّمَ قَرَأَ الْقُنُوْتَ فِيْ صَلَاةِ الْوِتْرِ أَصْلًا۔ قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ كُلُّ مَا ثَبَتَ فِي الْقُنُوْتِ فَمَجْمُوْعُهٗ فِيْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ وَلَمْ يَثْبُتْ فِي الْوِتْرِ أَصْلًا بَلْ لَمْ يَرِوِ لٰكِنْ جَمَاعَةٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ كَانُوْا يَقْرَؤُنَ الْقُنُوْتَ فِيْ صَلٰوةِ الْوِتْرِ لِحَدِيْثِ مُسْنَدِ الْإِمَامِ اَحْمَدَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رضي الله عنهما قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَلِمَاتٍ أَقُوْلُهُنَّ فِيْ قُنُوْتِ الْوِتْرِ "اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ۔۔۔الخ". ❷

''صحیح احادیث کے مطابق نماز وتر میں رسول اللہ ﷺ سے دعائے قنوت کا ثبوت ہم نہیں پہنچا۔ ہاں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتروں میں اس حدیث کی رو سے دعائے قنوت پڑھا کرتے تھے جس میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ الخ۔ وتروں میں پڑھنے کے لئے سکھائی تھی۔''

شیخ عبدالحقؒ نے شرح سفر السعادۃ میں جو اس پر لکھا ہے وہ قابل غور اور تحقیق کے قریب ہے۔ (ع، ح)

ثانیاً: اس دعا میں رفع یدین اس طرح ہوگی جس طرح دعا مانگتے وقت ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں۔ اور درج ذیل آثار صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعینؒ وغیرہ سے یہی رفع الیدین ثابت ہے:

(۱) عَنِ الْأَسْوَدِ أَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الْقُنُوْتِ إِلٰى صَدْرِهٖ .

(۲) عَنْ أَبِيْ عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ كَانَ عُمَرُ يَقْنُتُ بِنَا فِيْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يَخْرُجَ ضَبْعَيْهِ .

(۳) كَانَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِيْ قُنُوْتِهٖ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ .

---

❶ سنن ابن ماجه: ص ۳۵۹ ج ۱ طبع مصر. ❷ سفر السعادة: ص ۳۷.

(۴)عَنْ أَبِی قِلَابَةَ وَمَکْحُوْلٍ أَنَّھُمَا کَانَا یَرْفَعَانِ أَیْدِیھِمَا فِی قُنُوْتِ رَمَضَانَ . ❶

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو قلابہ اور امام مکحولؒ دعائے قنوت میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ یہ رفع الیدین وہ ہے جو دعا کے آداب میں سے ہے تکبیر تحریمہ کی طرح یہ رفع الیدین نہیں، جیسا کہ حنفیہ کرتے ہیں کیونکہ قنوت دعا ہے۔ چنانچہ محدث عبدالرحمان مبارک پوریؒ لکھتے ہیں :۔

اَلظَّاھِرُ مِنْھَا ثُبُوْتُ رَفْعِ الْیَدَیْنِ کَرَفْعِھِمَا فِی الدُّعَاءِ فَإِنَّ الْقُنُوْتَ دُعَاءٌ . ❷

مشہور حنفی محدث امام طحاویؒ کے کلام سے بھی قنوت میں دعا کی طرح ہاتھ اٹھانے کا ثبوت مہیا ہوتا ہے۔ چنانچہ مختصر طحاوی میں ہے:

وَقَدْ کَانَ فِی اٰخِرِ عُمُرِہٖ رَأَی رَفْعَ الْیَدَیْنِ فِی الدُّعَاءِ فِی الْوِتْرِ . (ص ۲۸ طبع مصر)

''امام ابو یوسف آخری عمر میں دعائے قنوت میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔''

غرض کہ دعائے قنوت میں اگر ہاتھ اٹھائے جائیں تو اسی طرح جو آداب دعا سے ہے، تاہم سینہ کے اوپر وہ بھی نہیں ہونے چاہئیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ قنوت میں رفع الیدین فعلاً اور مرفوعاً صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ اس کی بنا عموم احادیث پر استدلال ہے اور آثار پر صراحت ہے۔ واللہ اعلم

جواب نمبر۲: صحیح احادیث کے مطابق ۱، ۳، ۵، ۷، ۹، ۱۱ اور ۱۳ رکعت وتر ثابت ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

قُلْتُ فِی قَوْلِ أَکْثَرِھِمْ أَقَلُّ الْوِتْرِ رَکْعَةٌ وَأَکْثَرُہٗ إِحْدیٰ عَشْرَةَ أَوْ ثَلٰثُ وَمَا زَادَ فَھُوَ أَفْضَلُ وَ عِنْدَ الْحَنَفِیَّةِ اَلْوِتْرُ ثَلَاثٌ لَا یَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ . ❸

باقی رہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث:

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُوْتِرُوْا بِثَلَاثٍ لَا تَشَبَّھُوْا بِالْمَغْرِبِ وَلٰکِنْ أَوْتِرُوْا بِخَمْسٍ أَوْبِسَبْعٍ أَوْبِتِسْعٍ أَوْبِإِحْدیٰ عَشْرَةَ أَوْ أَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ۔ قَالَ الْعِرَاقِیُّ إِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ . ❹

تو اس کا مطلب ہے کہ ایک سلام کے ساتھ تین رکعت وتر پڑھ کر مغرب کے فرضوں کے ساتھ مشابہت پیدا نہ کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کا ذکر اس حدیث میں ہے۔ جو بروایت سعد بن ہشام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

قَالَ انْطَلَقْتُ إِلٰی عَائِشَةَ فَقُلْتُ یَا أُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ أَنْبِئِیْنِیْ عَنْ وِتْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ کُنَّا نُعِدُّ لَہٗ سِوَاکَہٗ وَطَھُوْرَہٗ فَیَبْعَثُہُ اللّٰہُ مَاشَاءَ أَنْ یَبْعَثَہٗ مِنَ اللَّیْلِ فَیَتَسَوَّکُ وَ

❶ قیام اللیل مروزی:ص ۱۳٤۔ تحفة الأحوذی:ص ۳٤۳ ج ۱۔ ❷ تحفة الأحوذی شرح ترمذی:ص ۳٤۳ ج ۱۔
❸ مسوی بر حاشیہ مصفی:ص ۱٦۷۔ ❹ نیل الأوطار:ص ٤۱ ج ۳ باب الوتر برکعة وبثلاث (وخمس وسبع وتسع.

يَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّي تِسْعَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ يَقْعُدُ فَيَذْكُرُ اللّٰهَ وَيَحْمَدُهُ وَيَدْعُوْ ثُمَّ يُسَلِّمُ تَسْلِيْماً يُسْمِعُنَا ثُمَّ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ بَعْدَمَا وَهُوَ قَاعِدٌ فَتِلْكَ إِحْدَىٰ عَشَرَةَ رَكعةً يَا بُنَيَّ فَلَمَّا أَسَنَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَخَذَ اللَّحْمَ أَوْتَرَ بِسَبْعٍ وَّ صَنَعَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِثْلَ صَنِيْعِهِ فِي الْأُوْلٰى فَتِلْكَ تِسْعٌ يَا بُنَيَّ. ❶

"سعد کہتے ہیں کہ میں نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کتنی رکعت پڑھتے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ آپ رات کو گیارہ رکعت وتر پڑھتے جب آپ بوڑھے ہو گئے تو آپ نو رکعت وتر پڑھنے لگے ان گیارہ رکعتوں میں دس رکعت نفل ہوتے اور ایک رکعت وتر ہوتا تھا۔ واللہ اعلم

نماز وتر

۱۔ کیا ایک وتر پڑھنا جائز ہے؟ ۲۔ تین وتر پڑھنے کا کیا طریقہ ہے؟

۳۔ کیا دعائے قنوت ہر رکعت میں پڑھی جائے گی؟ (سائل: شاہد۔ حجرہ شاہ مقیم)

جواب نمبر ۱، ۲: ایک وتر پڑھنا بلاشبہ جائز ہے، جیسا کہ جامع ترمذی کے اندر بَابُ الْوِتْرِ بِرَکْعَةٍ موجود ہے۔ حضرت جابر سے ایک رکعت پڑھنا ثابت ہے۔ صحیح بخاری اور اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک وتر پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ مگر ایک رکعت وتر پڑھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے دو رکعت نفل پڑھ کر سلام پھیر دیں اور پھر ایک رکعت وتر پڑھیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے چھ سلاموں کے ساتھ گیارہ رکعت ادا فرمائیں۔ ❷ یعنی دو دو کر کے دس رکعت نفل پڑھے اور پھر ایک وتر پڑھا۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تین رکعت وتر ایک ہی تشہد کے ساتھ پڑھے جائیں یعنی عام فرضوں سنتوں اور نفلوں کی طرح دو رکعت کے بعد تشہد نہ بیٹھے۔ احادیث سے یہی منقول ہے، دو تشہد والی روایت صحیح نہیں۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

جواب نمبر ۳۔ دعائے قنوت صرف آخری رکعت میں پڑھنی چاہیے۔ ہر رکعت میں دعائے قنوت پڑھنا نا جائز ہی نہیں بلکہ بدعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے وتر کی ہر ایک رکعت میں دعائے قنوت پڑھنا ہرگز ثابت نہیں۔ اللہ تعالیٰ سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب.

سوال: کیا رات کی آخری نماز وتر ہے اور وتر کے بعد کوئی نماز نہیں؟

جواب: واضح ہو کہ اس صورت میں اختلاف ہے۔ حضرت عثمان بن عفان، حضرت سعد بن مالک، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عروہ رضی اللہ عنہم اور ایک روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ عمل تو یہ ہے کہ عشاء کے بعد پڑھے گئے وتروں کو توڑ کر شفع بنایا جائے اور پھر نماز تہجد کے بعد دوبارہ وتر پڑھے جائیں، مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمار بن یاسر، حضرت ابوہریرہ، حضرت رافع بن خدیج اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم عشاء کے ساتھ پڑھے گئے وتروں کو توڑے بغیر نماز تہجد کے قائل ہیں

❶ مشكوة المصابيح: ١١١ ج ١ باب الوتر. ❷ صحيح مسلم ج ١ ص ٢٥٢.

اور یہ بات صحیح بھی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح حدیثوں میں مروی ہے کہ آپ نے وتروں کے بعد نفل پڑھے ہیں:

قَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ صَلَّى ﷺ ثَلاثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّي ثَمَانَ رَكْعَاتٍ ثُمَّ يُوتِرُ ثُمَّ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ. ❶

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ تیرہ رکعت تہجد پڑھتے' پہلے آٹھ نفل پڑھتے اور پھر وتر پڑھتے اور بعد ازاں بیٹھ کر دو نفل ادا کرتے۔''

۲۔ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُصَلِّي بَعْدَ الْوِتْرِ رَكْعَتَيْنِ۔
وَقَدْ رُوِيَ نَحْوَهٰذَا عَنْ أَبِي أُمَامَةَ وَعَائِشَةَ وَ غَيْرِ وَاحِدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. ❷

''حضرت ام سلمہ سے مروی ہے کہ حضرت نبی ﷺ وتروں کے بعد دو نفل پڑھتے تھے۔'' حضرت ابوامامہ' حضرت عائشہ اور متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

۳۔ عَنْ قَيْسِ بْنِ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لاَ وِتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ. ❸ قَالَ أَبُوْ عِيسٰى هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ.

''طلق بن علی رضی اللہ عنہ کہتے کہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک رات میں وتر دوبار نہیں ہیں۔''

امام عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَهٰذَا هُوَ الْمُخْتَارُ عِنْدِيْ وَلَمْ أَجِدْ حَدِيْثًا مَرْفُوْعًا صَحِيْحًا يَدُلُّ عَلٰى ثُبُوْتِ نَقْضِ الْوِتْرِ وَاللّٰهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ. ❹

''میرے نزدیک وتر توڑنے کے بارے میں مرفوع حدیث موجود نہیں۔''

جہاں تک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث:

إِجْعَلُوْا اٰخِرَ صَلٰوتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا. ❺

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وتر کو رات کی آخری نماز بناؤ۔''

کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ مستحب تو یہی ہے کہ وتر رات کی آخری نماز ہونی چاہیے، تاہم یہ حدیث وتروں کے بعد نفلوں کے جواز کی نفی نہیں کرتی۔ چنانچہ امام نووی حضرت عائشہ کی حدیث پر لکھتے ہیں:

وَالصَّوَابُ أَنَّ هَاتَيْنِ الرَّكْعَتَيْنِ فَعَلَهُمَا ﷺ بَعْدَ الْوِتْرِ جَالِسًا لِبَيَانِ جَوَازِ الصَّلاةِ بَعْدَ الْوِتْرِ. ❻

بہرحال وتر توڑے بغیر تہجد کے نفل پڑھنے جائز ہیں۔ ہاں مواظبت جائز نہیں۔ وتر کو توڑنے والے پر بھی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

❶ صحیح مسلم: باب صلاۃ اللیل وعدد رکعات النبی ص ۲۵۴ ج ۱۔ ❷ تحفۃ الأحوذی: ص ۳۴۵ ج ۱ باب ماجاء لا وتران فی لیلۃ۔
❸ ص ۳۴۴ تحفۃ الاحوذی۔ ❹ تحفۃ الأحوذی: ص ۳۴۵ ج ۱۔
❺ صحیح مسلم ص ۲۵۷ ج ۱۔ ❻ نووی: ص ۲۵۴ ج ۱۔

کتاب التقصیر

قنوت نازلہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین رکوع کے بعد ہی مانگنی چاہیے یا پہلے بھی جائز ہے؟

الجواب بعون الوهاب و منه الصدق والصواب:

اگر چہ دعا قنوت نازلہ رکوع سے پہلے بھی جائز ہے جیسے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نماز فجر میں رکوع سے قبل دعا قنوت نازلہ کا ثبوت ملتا ہے۔ تاہم مختار اور افضل یہ ہے کہ دعا قنوت نازلہ کا محل رکوع کے بعد ہے۔

چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّدْعُوَ عَلٰى اَحَدٍ اَوْ يَدْعُوَ لِاَحَدٍ قَنَتَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ فَرُبَّمَا قَالَ بَعْدَ مَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلِيْدَ بْنَ الْوَلِيْدِ وَ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَّ عَيَّاشَ بْنَ اَبِيْ رَبِيْعَةَ. ❶

رسول اللہ ﷺ جب کسی کے خلاف دعا کرتے یا کسی کے حق میں دعا کا ارادہ فرماتے تو رکوع کے بعد قنوت کرتے۔ بسا اوقات سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد قنوت کرتے۔ بسا اوقات سمع الله لمن حمده اور ربنا لك الحمد کے بعد فرماتے اے اللہ! ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہم کو مشرکین کی قید سے رہا فرما۔ اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ دعا قنوت کا محل وقوع رکوع کے بعد ہی ہے۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب۔

کیا رکوع سے پہلے ہاتھ باندھ کر دعائے قنوت پڑھنا جائز ہے؟

سوال: کیا دعائے قنوت رکوع سے پہلے ہاتھ باندھ کر پڑھی جا سکتی ہے اور کیا اس کے جواز میں کوئی حدیث یا صحابہ کا عمل موجود ہے؟

جواب: قیام اللیل للمروزی میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ رکوع سے پہلے ہاتھ باندھ کر دعائے

❶ الحدیث متفق علیہ، مشکوۃ ص ۱۱۳۔

قنوت پڑھنا ثابت ہے۔ شیخنا و شیخ الکل حضرت حافظ محمد محدث گوندلوی رحمہ اللہ اپنے فتویٰ میں ارقام فرماتے ہیں:
"دعائے قنوت رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد دونوں طرح صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ (جزء رفع الیدین) اور رکوع سے پہلے ہاتھ باندھ کر دعا کرنا بھی بعض صحابہ سے آیا ہے۔ (قیام اللیل) العبد محمد گوندلوی ۱۴۔۲۔۲۳۶ ۔

دعائے قنوت وتر

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مستدرک حاکم کی اس روایت کے بارے میں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو رکوع کے بعد وتر میں دعائے قنوت پڑھنے کا حکم دیا، اس روایت کے رواۃ کیسے ہیں؟
(سائل: طاہر محمود مقام حیات مکان نمبر ۲۶۱ پی سرگودھا)

الجواب بعون الوھاب و منه الصدق والصواب:

۱۔ حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ صَالِحِ بْنِ هَانِئٍ وَأَبُوسَعِيْدٍ عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مَنْصُوْرٍ (قَالَا) ثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُحَمَّدِ الْمُسَيَّبِ الشَّوَانِيُّ ثَنَا أَبُو بَكْرٍ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ شَيْبَةَ الْحَزَامِيَّ ثَنَا ابْنُ أَبِيْ فُدَيْكٍ عَنْ إِسْمَاعِيْلَ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ ابْنِ عُقْبَةَ عَنْ عَمِّهِ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِيْ وِتْرِيْ إِذَا رَفَعْتُ رَأْسِيْ وَلَمْ يَبْقَ إِلاَّ السُّجُوْدُ" اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا أَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّمَا قَضَيْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ إِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ"
هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ إِلاَّ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جَعْفَرِ بْنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ خَالَفَ إِسْمَاعِيْلَ بْنَ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ عُقْبَةَ فِيْ إِسْنَادِهِ.

۲۔ حَدَّثَنَا أَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ الذَّاهِدُ الصَّفَّارُ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيْلَ السُّلَمِيُّ (وَحَدَّثَنَا) عَلِيُّ بْنُ حَمَّادِ الْعَدَلُ ثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِالْوَاحِدِ الْبَزَّارُ وَالْفَضْلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَيْهَقِيُّ (قَالُوْا) حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِيْ مَرْيَمَ (حَدَّثَنَا) مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ حَدَّثَنِيْ مُوْسَى بْنُ عُقْبَةَ ثَنَا أَبُوْ إِسْحَاقَ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِيْ مَرْيَمَ عَنْ أَبِي الْحَوْرَاءِ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ فِي الْوِتْرِ" اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا أَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّمَا قَضَيْتَ فَإِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ وَإِنَّهُ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ." ❶

الشیخ البانی قبل الرکوع والی متعدد روایات ذکر کرنے کے بعد تصریح فرماتے ہیں:

❶ مستدرک إمام حاکم: کتاب معرفة الصحابة باب ومن مناقب الحسن والحسين ابنی بنت رسول الله ﷺ ص ۱۷۲.

لٰكِنْ رَوَاهُ الْحَاكِمُ(ج۳ص۱۷۲) وَ عَنْهُ الْبَيْهَقِيُّ(ج۳ص۳۸ ، ۳۹) مِنْ طَرِيْقَيْنِ اٰخَرَيْنِ عَنِ الْفَضْلِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ الشَّعْرَانِيِّ بِهٖ بِلَفْظِ (إِذَا رَفَعْتُ رَأْسِيْ وَلَمْ يَبْقَ إِلاَّ السُّجُوْدُ)فَهٰذَا خِلاَفُ الرِّوَايَةِ الْاُوْلٰى فَاللّٰهُ أَعْلَمُ وَالْإِسْنَادُ حَسَنٌ رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ رِجَالُ الْبُخَارِيِّ غَيْرَ الشَّعْرَانِيِّ قَالَ الْحَاكِمُ (ثِقَةٌ لَمْ يُطْعَنْ فِيْهِ بِحُجَّةٍ) وَكَاَنَّهٗ لِذٰلِكَ قَالَ عَقَبَ الْحَدِيْثِ۔ (صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ إِلاَّ أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جَعْفَرِ بْنِ أَبِيْ كَثِيْرٍ قَدْ خَالَفَ إِسْمَاعِيْلَ بْنَ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ عُقْبَةَ فِيْ إِسْنَادِهٖ .

ثُمَّ سَاقَهٗ عَنْهُ عَنْ مُوْسَى بْنِ عُقْبَةَ ثَنَا أَبُوْ إِسْحَاقَ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِيْ مَرْيَمَ عَنْ أَبِي الْحَوْرَاءِ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ بِهٖ وَسَيَاْتِيْ لَفْظُهٗ بَعْدَ حَدِيْثَيْنِ .

ثُمَّ رَأَيْتُ الْحَافِظَ ابْنَ حَجَرٍ قَالَ فِي التَّلْخِيْصِ(ج۸ص۲۴۷)بَعْدَ أَنْ سَاقَ رِوَايَةَ الْحَاكِمِ هٰذِهٖ . (اَلتَّنْبِيْهُ)يَنْبَغِيْ إِذْ يَتَأَمَّلُ قَوْلُهٗ فِيْ هٰذَا الطَّرِيْقِ (إِذَا رَفَعْتُ رَأْسِيْ وَلَمْ يَبْقَ إِلاَّ السُّجُوْدُ) فَقَدْ رَأَيْتُ فِي الْجُزْءِ الثَّانِيْ مِنْ فَوَائِدِ أَبِيْ بَكْرٍ أَحْمَدَ بْنِ الحسين ابْنِ مِهْرَانَ الْأَصْبَهَانِيِّ تَخْرِيْجِ الْحَاكِمِ لَهٗ قَالَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوْنُسَ الْمُقْرِيُّ قَالَ ثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْبَيْهَقِيُّ . قُلْتُ (اَلْبَانِيُّ) فَذَكَرَهٗ بِسَنَدِهٖ وَ لَفْظُ ابْنِ مَنْدَةَ وَ فِيْهِ الزِّيَادَةُ وَ ابْنُ يُوْنُسَ الْمُقْرِي تَرْجَمَهُ الْخَطِيْبُ فِيْ تَارِيْخِهٖ(ج۳ص۳۴۶) وثقه ، وَلِهٰذَا مَالَتْ نَفْسِيْ إِلٰى تَرْجِيْحِ هٰذَا اللَّفْظِ بَعْدَ ثُبُوْتِ هٰذِهِ الْمُتَابَعَةِ۔ (ارواء الغليل:ج۲ص۱۶۸، ۱۶۹) ارواء الغليل في تخريج احاديث منار السبيل۔ في ثبوته نظر۔ ارواء الغليل ج ۲ ص ۱۷۷۔

دوسری حدیث کی سند کے بارے میں لکھتے ہیں:

قُلْتُ هٰذَا إِسْنَادٌ صَحِيْحٌ رِجَالُهٗ كُلُّهُمْ ثِقَاتٌ وَتَابَعَهٗ أَبُوْ إِسْحَاقَ وَالْبَيْهَقِيُّ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ أَبِيْ مَرْيَمَ بِهٖ .

کیا قنوت نازلہ عشاء کی نماز کے ساتھ مخصوص ہے یا ہر ایک سری یا جہری نماز میں بھی جائز ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کیا قنوت نازلہ عشاء کی نماز کے ساتھ مخصوص ہے یا ہر ایک فرض نماز میں سری نماز ہو یا جہری نماز میں بھی مشروع ہے؟(سائل حافظ محمد اسماعیل بلوچ مشتاق کالونی' ایریا نیو ملتان)

جواب: دعائے قنوت نازلہ عشاء کی نماز کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ہر ایک فرض نماز میں سری نماز ہو یا جہری نماز میں بلاشبہ مشروع ہے،جیسا کہ مشکوٰۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ شَهْرًا مُتَتَابِعًا فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ

وَالْعِشَاءِ وَصَلوٰةِ الصُّبْحِ فِیْ دُبُرِ کُلِّ صَلوٰةٍ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ......الحدیث.
(مشکوٰة باب القنوت ج ۱ ص ۱۱٤)۔ رسول اللہ ﷺ ایک پورا مہینہ نماز ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر میں دعا مانگتے رہے جب آپ ﷺ نماز کی آخری رکعت کے رکوع کے بعد سمع الله لمن حمده کہہ کر بنوسلیم کے کافر قبیلوں پر بددعا کرتے تھے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بوقت حاجت ہر ایک نماز کی آخری رکعت کے رکوع کے بعد دعا قنوت نازلہ مانگنا بلاشبہ جائز ہے اس باب میں حضرت ابو ہریرہ اور براء بن عازب سے احادیث مروی ہیں سکت علیهما ابو داؤد۔ باب القنوت فی الصلوٰت ج ۱ ص ۲۱۳۔ بہرحال ہر ایک نماز میں دعا قنوت نازلہ جائز ہے منع کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ هذا ما عندی والله اعلم بالصواب۔

نماز قصر کی مسافت کیا ہے؟

سوال: نماز قصر کی مسافت کیا ہے؟

جواب: الجواب بعون الوهاب:

۱۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کتنی مسافت کے بعد مسافر کے لئے قصر نماز جائز ہے؟ حافظ ابن المنذر اور دوسرے اہل علم نے اس سلسلہ میں کوئی بیس قول نقل کئے ہیں۔ اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہاں صرف وہی قول نقل کئے جاتے ہیں جن کی بنیاد حدیث پر ہے۔

قول اول:

تین کوس کی مسافت میں نماز قصر جائز ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرَ فَرْسَخاً یَقْصُرُ الصَّلوٰةَ. ❶

"رسول اللہ ﷺ ایک فرسخ (تین کوس) کے سفر میں نماز قصر پڑھتے تھے۔"

مگر یہ قول صحیح نہیں۔ کیونکہ صاحب نیل الاوطار نے یہ روایت حافظ ابن حجر کی تلخیص الحبیر سے نقل کی ہے اور حافظ صاحب نے اس روایت کی صحت کے متعلق کچھ ذکر نہیں کیا، جیسا کہ صاحب نیل نے کہا ہے:

وَقَدْ اَوْرَدَ الْحَافِظُ هٰذَا فِی التَّلْخِیْصِ وَلَمْ یَتَکَلَّمْ عَلَیْهِ. ❷

لہٰذا چونکہ اس روایت کی صحت کا کچھ اتا پتہ نہیں ہے، اس لئے اس سے استدلال صحیح معلوم نہیں ہوتا۔

قول ثانی:

ایک دن رات کا سفر ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ الباری نے اپنی صحیح میں اسی کو بنیاد بنایا ہے اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

---

❶ رواہ سعید بن منصور فی سننہ۔ نیل الأوطار: ص ۲۳۵ ج ۳۔ ❷ حوالہ نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۳۵۔

لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُسَافِرَ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَّ لَيْلَةٍ إِلاَّ وَمَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ. ●

''مومنہ عورت کو جائز نہیں کہ وہ ایک دن رات کا سفر محرم کے بغیر کرے۔''

مگر یہ قول بھی صحیح نہیں کیونکہ اس حدیث میں یہ وضاحت نہیں کہ اس سے کم مسافت میں قصر جائز نہیں۔ واللہ اعلم.

قول ثالث:

نوکوس کی مسافت میں قصر کرنی چاہیے۔ حدیث میں ہے:

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ مَسِيْرَةَ ثَلَاثَةِ أَمْيَالٍ أَوْ ثَلَاثَةِ فَرَاسِخَ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ. ●

''رسول اللہ ﷺ جب تین کوس یا نوکوس کی مسافت کے لئے نکلتے تو قصر کرتے۔''

چونکہ اس حدیث کی صحت مسلمہ ہے، لہٰذا اسی حدیث پر عمل ہونا چاہیے اور یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ مگر چونکہ اس میں تین کوس اور نوکوس کے تعین میں امام شعبہ کو شک ہے۔ اس لئے احتیاط تین کوس کے بجائے نوکوس کے سفر میں قصر کرنی چاہیے اور تین کوس کی مسافت نوکوس میں داخل ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے بھی اسی حدیث کو اس مسئلہ میں اصح اور اصرح، یعنی زیادہ صحیح اور زیادہ صریح قرار دیا ہے:

وَهُوَ أَصَحُّ حَدِيْثٍ وَرَدَ فِيْ ذٰلِكَ وَأَصْرَحُ. (نیل الاوطار، ص ۲۳٤)

عارضی قیام اگر تین دن کے لئے ہو تو قصر کی مسافت میں نماز قصر جائز ہے اور اگر قیام چار دن کا ہو تو قصر جائز نہیں۔

کیا صبح اور مغرب کی نماز میں بھی قصر ہے؟

سوال: کیا صبح اور مغرب کی نماز بھی قصر ہے؟

جواب: صبح اور مغرب کی نماز میں قصر نہیں، جیسا کہ احادیث میں یہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب.

کیا سنتوں کی بھی قضا ہے؟

سوال: قضا نماز کتنی پڑھی جائے؟ کیا سنتوں کی بھی قضا ہے؟

جواب: واضح ہو کہ سنتوں کی قضا مشروع اور جائز بلکہ افضل ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَّمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ،

● رواہ الجماعة إلا النسائي، نیل الأوطار: ص ۲۳۵) ج ۳۔

● رواہ أحمد و صحیح مسلم ج ۱ ص ۲٤۲ مسلم و أبوداؤد، نیل الأوطار: ص ۲۳۳ ج ۳۔

رَوَاہُ التِّرْمَذِيُّ وَقَالَ حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لاَ نَعْرِفُهُ إِلاَّمِنْ هٰذَا الْوَجْهِ وَأَخْرَجَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي صَحِيْحِهِ وَالْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ وَقَالَ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ. ❶

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص فجر کی سنتیں ادا نہ کر سکے، وہ سورج چڑھنے کے بعد پڑھ لے۔''

امام شوکانی فرماتے ہیں:

اَلْحَدِيْثُ لاَ يَدُلُّ صَرِيْحاً عَلٰى أَنَّ مَنْ تَرَكَهَا قَبْلَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ لاَ يَفْعَلُهَا إِلَّا بَعْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَيْسَ فِيْهِ إِلَّا الْأَمْرُلِمَنْ لَمْ يُصَلِّهِمَا مُطْلَقاً أَنْ يُصَلِّيَهَا بَعْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ. ❷

اس حدیث میں یہ تصریح نہیں کہ جو شخص صبح کی سنتوں کو صبح کے فرضوں سے پہلے نہ پڑھ سکے وہ ان سنتوں کو طلوع شمس سے پہلے نہ پڑھے۔ حدیث میں مطلق نہ پڑھنے کا ذکر ہے یعنی خواہ فرضوں سے پہلے یا فرضوں کے بعد طلوع شمس سے پہلے نہ پڑھ سکے وہ طلوع شمس کے بعد پڑھ لے۔

وَفِي الْحَدِيْثِ مَشْرُوْعِيَّةُ قَضَاءِ النَّوَافِلِ الرَّاتِبَةِ وَظَاهِرُهُ سَوَاءٌ فَاتَتْ بِعُذْرٍ أَوْ بِغَيْرِ عُذْرٍ وَقَدِاخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي ذٰلِكَ عَلٰى أَقْوَالٍ۔ أَحَدُهَا إِسْتِحْبَابُ قَضَاءِهَا مُطْلَقاً سَوَاءٌ كَالْفَوْتِ لِعُذْرٍ أَوْ لِغَيْرِعُذْرٍ لِأَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَطْلَقَ الْأَمْرَ بِالْقَضَاءِ وَلَمْ يُقَيِّدْهُ بِالْعُذْرِ وَقَدْ ذَهَبَ إِلٰى ذٰلِكَ مِنَ الصَّحَابَةِ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَمِنَ التَّابِعِيْنَ عَطَاءٌ وَّطَاؤُسٌ وَالْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ وَّ مِنَ الْأَئِمَّةِ ابْنُ جُرَيْجٍ وَالْأَوْزَاعِيُّ وَ الشَّافِعِيُّ فِي الْجَدِيْدِ وَ أَحْمَدُ وَ إِسْحَاقُ وَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ وَالْمُزَنِيُّ وَالْقَوْلُ الثَّانِي أَنَّهَا لاَ تَقْضِيْ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيْفَةَ وَمَالِكٍ وَّ أَبِي يُوْسُفَ فِي أَشْهَرِ الرِّوَايَتَيْنِ عَنْهُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ الْقَدِيْمِ وَ رِوَايَةٌ عَنْ أَحْمَدَ وَ الْمَشْهُوْرُ عَنْ مَالِكٍ قَضَاءُ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ بَعْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ۔ وَالْقَوْلُ الثَّالِثُ التفرقة بَيْنَ مَاهُوَ مُسْتَقِلٌّ بِنَفْسِهِ كَالْعِيْدِ وَالضُّحٰى فَيَقْضِيْ وَ بَيْنَ مَاهُوَ تَابِعٌ لِغَيْرِهِ كَرَوَاتِبِ الْفَرَائِضِ فَلاَ يَقْضِيْ وَهُوَ أحد الاقوال عَنِ الشَّافِعِيِّ۔ وَالْقَوْلُ الرَّابِعُ إِنْ شَاءَ لَمْ قَضَاهَا وَإِنْ شَاءَ يَقْضِيْهَا عَلَى التَّخْيِيْرِ وَهُوَ مَرْوِيٌّ عَنْ أَصْحَابِ الرَّأْيِ وَالْمَالِكِ۔ وَالْقَوْلُ الْخَامِسُ التفرقة بَيْنَ التَّرْكِ لِعُذْرِ نَوْمٍ أَوْنِسْيَانٍ فَيَقْضِيْ أَوْ لِغَيْرِ عُذْرٍ فَلاَ يَقْضِيْ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ حَزْمٍ وَ اسْتَدَلَّ بِعُمُوْمِ قَوْلِهِ مَنْ نَامَ عَنْ صَلٰوتِهِ الحديث وَ أَجَابَ الْجُمْهُوْرُ أَنَّ قَضَاءَ التَّارِكِ لَهَا تَعَمُّداً مِنْ بَابِ الْأَوْلٰى. ❸

---

❶ نیل الأوطار: ص۲۸، ۲۹ ج۳۔ ❷ نیل الاوطار: ص ۲۹۔

❸ نیل الأوطار: ص ۳۰ ج۳، المُحلّٰی ابن حزم ج ۲ ص ۲۳۵۔

کہ اس حدیث کے مطابق سنن رواتب (موکدہ) کسی عذر یا بلا کسی عذر کے رہ جائیں تو ان کی قضا مشروع اور جائز ہے اور اس مسئلہ میں علماء کے متعدد (پانچ) اقوال ہیں۔ اور پہلا قول یہ ہے کہ سنن رواتب کی قضا مستحب ہے، خواہ کسی عذر سے رہ گئی ہوں یا بلا عذر رہ گئی ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں سنن کی قضا کو کسی عذر کے ساتھ مقید نہیں فرمایا بلکہ مطلق قضا کا حکم فرمایا ہے:

دوسرا قول: قضا نہ کرے ابوحنیفہ مالک اور قول قدیم کے مطابق امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے ایک روایت کے مطابق امام احمد بھی یہی کہتے ہیں، تاہم مشہور قول کے مطابق امام مالک صبح کی سنتوں کی قضا کے قائل ہیں

تیسرا قول: یہ ہے کہ عیدین کی نماز کی قضا دینا ضروری ہے سنن رواتب (موکدہ) کی نہیں۔ یہ امام شافعی کا قول ہے۔

چوتھا قول: یہ ہے کہ قضا اور عدم قضاء میں دونوں جائز ہیں امام مالک اور اصحاب رائے اسی کے قائل ہیں۔

پانچواں قول: یہ ہے کہ اگر عذر اور بھول کی وجہ سے سنن رواتب نہ پڑھ سکے تو ان کی قضا ہے اور اگر جان بوجھ کر چھوڑ دے تو پھر قضا نہیں۔ مگر جمہور علماء کہتے کہ جان بوجھ کر چھوڑی ہوئی سنن موکدہ کی قضاء اور بھی زیادہ ضروری ہے۔

سوال: سفر میں قضا شدہ نماز حضر میں پوری پڑھی جائے گی یا قصر؟

جواب: الجواب بعون الوهاب:

عَنْ أَبِیْ قَتَادَةَ فِیْ قِصَّةٍ فِیْ مُهِمٍّ عَنْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ قَالَ ثُمَّ أَذَّنَ بِلَالٌ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَكْعَتَیْنِ ثُمَّ صَلَّى الْغَدَاةَ فَصَنَعَ كَمَا كَانَ يَصْنَعُ كُلَّ يَوْمٍ ۔ ❶

''حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں نیند کی وجہ سے ہماری صبح کی نماز قضا ہوگئی (سورج طلوع ہونے کے بعد) حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی، پھر رسول اللہ ﷺ نے صبح کی سنتیں پڑھیں، پھر فرض پڑھے اور آپ نے یہ قضا شدہ نماز ایسے ہی پڑھی جیسے ہر روز پڑھتے تھے۔''

شوکانی فرماتے ہیں:

فِیْهِ إِسْتِحْبَابُ قَضَاءِ السُّنَّةِ الرَّاتِبَةِ .

''اس حدیث کے مطابق سنن رواتب کی قضا مستحب ہے۔''

بہرحال راقم کے نزدیک اگر سنن کی قضا نہ بھی کی جائے تو جائز ہے، تاہم سنن رواتب کی قضاء مستحب ہے، جیسا کہ ان دونوں حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ واللّٰہ اعلم بالصواب

ملازمت کی جگہ پر نماز قصر جائز نہیں؟

سوال ا: میں اپنے گھر سے تقریباً ۱۲۰ کلومیٹر کے فاصلے پر نوکری کرتا ہوں، نوکری والی جگہ پر ہاسٹل میں ایک کمرہ کرائے

❶ رواه أحمد و مسلم ، نیل الأوطار: ص ۳۱ ج ۲.

پر حاصل کیا ہوا ہے۔ ہر ہفتہ میں پانچ دن قیام ہوتا ہے۔ اس دوران کھانا وغیرہ ہوٹل سے ہی کھانا پڑتا ہے، البتہ کمرہ میں بستر وغیرہ مستقل ہی رہتا ہے۔ ایسے میں مجھے نماز قصر پڑھنی چاہیے یا مکمل نماز؟ اس کے علاوہ یہ صورت بھی ہوتی ہے کہ صبح گھر سے چلا، ڈیوٹی کی ادائیگی کے بعد ہاسٹل والے کمرے میں گیا ہی نہیں اور واپس آ گیا۔ ایسے میں ظہر اسی شہر میں پڑھنی پڑے تو کیا احکامات ہیں؟ راستے میں سسرالی شہر بھی آتا ہے، آیا سسرال میں قصر جائز ہے یا مکمل پڑھنی چاہیے۔ اور صرف شہر سے گزرنے کے کیا احکامات ہیں؟ قصر کی حالت میں ظہر اور عصر اکٹھے پڑھنے اور اسی طرح مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ پڑھنے کے کیا احکامات ہیں؟ (سائل: احمد کامران صدیقی ۱۸۸ ب لالہ رخ واہ کینٹ)

جواب: الجواب بعون الوھاب: آپ چونکہ اس جگہ مستقل ملازمت کرتے ہیں، لہٰذا آپ کا اپنے دفتر یا ہوٹل میں پانچ دن قیام عارضی قیام کے حکم میں نہیں بلکہ یہ مستقل رہائشی قیام ہے، لہٰذا آپ اس قیام کے دوران مکمل نماز پڑھا کریں۔ آپ کے لئے قصر نماز جائز نہیں، علاوہ ازیں قصر فرض نہیں بلکہ افضل ہے، لہٰذا احوط اور اسلم یہی ہے کہ آپ پوری نماز پڑھا کریں۔ اپنے شہر یا گاؤں سے دفتر آتے ہوئے اور دفتر سے شہر کو لوٹتے ہوئے جاری سفر میں بلاشبہ قصر پڑھ سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

ہوٹل میں جانے نہ جانے سے آپ کے حق میں سفر اور اقامت کے احکام میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آپ اس لئے مقیم کے حکم میں ہیں کہ آپ یہاں مستقل ملازمت کر رہے ہیں ہوٹل کا کمرہ آپ کی اقامت میں تبدیلی کا موجب نہیں۔ لہٰذا اس صورت میں بھی آپ جب تک دفتر میں ہوں گے تو آپ کو مکمل نماز ہی پڑھنی ہوگی۔ ہاں دوران سفر آپ قصر کر سکتے ہیں۔

آپ اپنے سسرال کے ہاں قیام کے دوران قصر نماز پڑھ سکتے ہیں بشرطیکہ یہ قیام تین دن سے زیادہ نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

قرآن مجید میں ہے:

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا﴾ سورۃ النساء)

''اہل ایمان پر نماز وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔''

لہٰذا صحیح نماز وہ ہے جو اول وقت میں ادا کی جائے۔ آخر وقت میں ایک ذمہ داری ادا ہوگی، اللہ کی رضامندی حاصل نہ ہوگی۔ اسی طرح کسی عذر کے بغیر جمع بین الصلوتین درست نہیں۔ ابو عالیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جَمْعُ الصَّلَاتَيْنِ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ مِّنَ الْكَبَائِرِ (هُوَ مُرْسَلٌ) أَبُو الْعَالِيَةِ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ عُمَرَ. ❶

بلا عذر دو نمازیں جمع کرنا کبیرہ گناہ ہے۔

اس مسئلہ کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع حدیث بھی مروی ہے، مگر وہ حدیث حنش راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ❷

---

❶ بیهقی باب ان الجمع من غیر عذر من الکبائر ج۳ ص۱۶۹

❷ سنن کبری بیهقی: ج ۳ ص ۱۶۹۔

۱- جمع تقدیم:

دوسری نماز کو پہلی نماز کے ساتھ پڑھنا جیسے عصر کی نماز ظہر کی نماز کے ساتھ اور عشاء کی نماز مغرب کے وقت پڑھے۔

۲- جمع تاخیر:

پہلی نماز کو دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا جیسے ظہر کو عصر کے ساتھ اور مغرب کو عشاء کے ساتھ جمع کر کے پڑھے۔

۳- جمع صوری:

پہلی نماز کو اس کے اپنے آخری وقت میں اور دوسری کو اس کے اولین وقت میں پڑھے۔ اس کو ''جمع صوری'' کہتے ہیں۔

جمع بین الصلوٰتین کی ان تینوں صورتوں کا ذکر احادیث میں موجود ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَهُوَ فِيْ مَنْزِلِهِ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَ الْعَصْرِ وَإِذَا لَمْ تَزَلْ حَتّٰى يَرْتَحِلَ سَارَ حَتّٰى إِذَا دَخَلَ وَقْتُ الْعَصْرِ نَزَلَ فَجَمَعَ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَإِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ وَ هُوَ فِيْ مَنْزِلِهِ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَإِذَا لَمْ تَغِبْ حَتّٰى يَرْتَحِلَ سَارَ حَتّٰى إِذَا أَتَى الْعَتَمَةَ فَجَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ۔ ❶

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ زوال کے بعد سفر شروع فرماتے تو عصر کو ظہر کے ساتھ جمع فرماتے اگر زوال سے پہلے سفر شروع فرماتے تو ظہر کو عصر کے ساتھ جمع فرماتے۔ اگر غروب شمس کے بعد سفر فرماتے تو عشاء کو مغرب کے ساتھ اسی وقت ادا فرماتے اور جب غروب شمس سے پہلے سفر پر روانہ ہوتے تو مغرب کو عشاء کے ساتھ پڑھتے۔''

اس حدیث میں جمع تقدیم اور جمع تاخیر دونوں کا ذکر ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِالْمَدِيْنَةِ الْمُنَوَّرَةِ سَبْعًا وَّ ثَمَانِيًا اَلظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ قَالَ أَيُّوْبُ لَعَلَّهُ فِيْ لَيْلَةٍ مَّطِيْرَةٍ۔ ❷

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں سات اور آٹھ رکعات اکٹھی ادا فرمائیں، یعنی ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء۔ ایوب رحمہ اللہ فرماتے ہیں غالباً اس رات بارش تھی۔''

اس حدیث میں جمع صوری کا ذکر ہے۔

وضاحت:

سفر میں سنن رواتب، نماز تہجد اور دیگر نوافل اگر کوئی پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، تاہم فجر کی سنتیں اور نماز وتر کا ترک جائز نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

رَكْعَتَانِ لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَعُهُمَا سِرًّا وَّلَا عَلَانِيَةً رَكْعَتَانِ قَبْلَ

❶ سنن کبری بیهقی: باب جمع الصلاتين في السفر ج ۳ ص ۱٦۳۔ ❷ صحيح البخاری: باب تاخير الظهر إلى العصر۔ ج ۱ ص ۷۷۔

صَلٰوۃِ الصُّبْحِ وَرَکْعَتَانِ بَعْدَ الْعَصْرِ. ❶

''رسول اللہ ﷺ دو رکعتیں کبھی نہیں چھوڑتے تھے نہ پوشیدہ اور نہ ظاہر میں دو رکعتیں فجر کی فرضوں سے پہلے اور دو رکعتیں عصر کی نماز کے بعد۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوتِرُ عَلَى الْبَعِيرِ. ❷

کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں نفل نماز سواری پر پڑھ لیتے تھے اور وتر نماز اونٹ پر پڑھ لیتے تھے۔ ان دونوں احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ سفر میں فجر کی سنتیں اور وتر پڑھنے ضروری ہیں۔ ان دونوں کا ترک سفر و حضر میں جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

نماز قصر (دوگانہ)

سوال: ایک آدمی لاہور میں کام کرتا ہے، ایک دو دن کے لئے گھر جاتا ہے، کیا وہ اپنے گھر میں مختصر قیام کے دوران نماز قصر پڑھ سکتا ہے؟ (سائل: محمد شاہد حجرہ شاہ مقیم ضلع اوکاڑہ)

جواب: چونکہ آپ اس مختصر قیام کے باوجود مقیم ہیں اور مقیم کے لئے قصر نماز پڑھنا جائز نہیں۔ قصر تو مسافر کے لئے ہے اور بس۔ هٰذَا مَا عِنْدِيْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

سوال: ایک آدمی اپنے سسرال کے گھر دو یوم کے لئے جاتا ہے جو اس کے اپنے گھر سے اتنے فاصلے پر ہے کہ اس کی نماز قصر ہو جاتی ہے، کیا سسرال والوں کا گھر اس آدمی کے لئے مسافری والا تصور ہو گا؟ یا اپنا گھر تصور ہو گا کہ نماز قصر نہ کرے؟ (سائل: شیخ محمد اکرم سوداگر چرم قصور)

جواب: واضح ہو کہ قرآن و حدیث میں کوئی ایسی صحیح سند موجود نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے سسرال کا گھر اپنا ذاتی اور اقامتی گھر قرار پاتا ہو۔ عرف عام اور دینوی رواج کو بھی دیکھا جائے تو سسرال کا رشتہ اگرچہ تمام رشتوں سے پکا اور مستحکم رشتہ بظاہر معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ رشتہ بعض دفعہ تمام رشتوں سے زیادہ کچا اور بودا بھی ثابت ہوتا ہے، یعنی تھوڑی اور معمولی بات پر طلاق ہو جاتی ہے اور پھر ہمیشہ کے لئے نہ صرف رشتہ داری کا بحال ہونا مشکل ہوتا ہے بلکہ ہمیشہ کے لئے دشمنی اور نفرت کی مضبوط بنیاد تیار ہو جاتی ہے۔ بہرحال اگر سسرال کا گھر قصر کی مسافت پر پڑتا ہے تو پھر داماد وہاں جا کر تین یوم کے لئے نماز قصر پڑھ سکتا ہے۔ واللہ اعلم میرے اس فتویٰ پر مولانا عبدالقادر حصاری رحمہ اللہ نے تعاقب کرتے ہوئے لکھا تھا کہ سسرال کے گھر داماد کے لئے قصر نماز جائز نہیں۔ اب قاری کو اختیار ہے کہ جس فتویٰ پر اس کو اطمینان ہو اس پر عمل کرے۔

❶ صحیح البخاری: باب مایصلی بعد العصر من الفوائت ج ۱ ص ۸۳۔ ❷ بخاری: باب الوتر فی السفر ج ۱ ص ۱۳۶۔

کتاب الجمعة

نماز جمعہ سے پہلے سنتیں مثل ظہر کے ثابت نہیں، تاہم نوافل بھی جائز نہیں

سوال: کیا خطبہ کی جمعہ کے دن خطبہ جمعہ سے پہلے نماز ظہر کی طرح نماز جمعہ کی سنتیں احادیث سے ثابت ہیں؟
(سائل: مولوی سعید احمد حنیف سلفی جھنگ شہر)

جواب: نماز ظہر کی سنن رواتب کی طرح خطبہ جمعہ سے قبل سنتیں ثابت نہیں۔ البتہ تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضوء اور دیگر نوافل احادیث صحیح سے ثابت ہیں۔

عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ قَالَ النَّبِيُّ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُوْنَ الْأَوَّلَ فَالْأَوَّلَ وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِیْ يُهْدِیْ بَدَنَةً ثُمَّ كَالَّذِیْ فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ. ❶

حدیث کے الفاظ طوّوا صحفھم کا کیا مطلب ہے؟

سوال: سوال حدیث میں لفظ طوّوا صحفھم کی توضیح مطلوب ہے۔ ابتدائے خطبہ کے بعد آنے والے کے عدم اندراج سے نام کا عدم اندراج مراد ہے یا ثواب کا؟ (سائل: عنایت اللہ امین۔ بہرکھائی)

جواب: ابونعیم کی الحلیۃ سے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت میں صحیفوں کی صفت یوں بیان ہوئی ہے:

إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ بَعَثَ اللّٰهُ مَلَائِكَةً بِصُحُفٍ مِّنْ نُّوْرٍ وَّ أَقْلَامٍ مِّنْ نُّوْرٍ.

''جمعہ کے روز اللہ تعالیٰ فرشتوں کو نورانی قلمیں اور نورانی صحیفے دے کر مبعوث فرماتے ہیں۔''

اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ فرشتے محافظ فرشتوں کے علاوہ ہیں۔ اور طی صحف سے مراد وہ صحیفے ہیں، جن کا تعلق جمعہ کی طرف جلدی آنے کی فضیلت سے ہے۔ اس کے علاوہ سماع خطبہ اور ادراک صلاۃ، ذکر، دعا، خشوع وغیرہ کے صحیفوں کو محافظ فرشتے قطعی طور پر لکھتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے:

فَمَنْ جَاءَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَإِنَّمَا يَجِيْءُ لِحَقِّ الصَّلٰوةِ.

''جو اس کے بعد آتا ہے وہ صرف ادائیگی نماز کے لئے آتا ہے۔''

---

❶ صحيح بخاري، ــ ١ كتاب الجمعة، باب الاستماع إلى الخطبة.

اور دوسری روایت میں ہے:

ثُمَّ إِذَا سَمِعَ وَأَنْصَتَ غُفِرَلَهُ مَابَيْنَ الْجُمُعَتَيْنِ وَزِيَادَةِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ .

اور ابن خزیمہ کی روایت میں ہے:

فَيَقُوْلُ بَعْضُ الْمَلَائِكَةِ لِبَعْضٍ مَّا حَبَسَ فُلَانًا؟ فَتَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ ضَالًّا فَاهْدِهِ وَإِنْ كَانَ فَقِيْرًا فَاغْنِهِ وَإِنْ كَانَ مَرِيْضًا فَعَافِهِ .

"فرشتے ایک دوسرے سے کہتے ہیں فلاں کو کس چیز نے مسجد میں آنے سے روک لیا؟ اے اللہ! اگر وہ سیدھی راہ سے برگشتہ ہے تو اسے ہدایت دے اور اگر وہ فقیر ہے تو اسے مال دار کر دے اور اگر بیمار ہے تو اسے عافیت دے۔" ●

رسول اللہ ﷺ کا خطبہ کتنا لمبا ہوتا تھا؟

سوال: آج کل سردی کے ایام میں ظہر کی نماز ساڑھے بارہ بجے یا بعض مساجد میں پونے ایک بجے ادا کی جاتی ہے۔ لیکن جمعہ کے دن بہت تاخیر کر دی جاتی ہے۔ ڈیڑھ پونے دو بجا دیئے جاتے ہیں۔ اس کے بارے میں وضاحت کریں۔ نبی اکرم ﷺ کا کیا معمول تھا؟ آپ جمعۃ المبارک کا خطبہ کتنا لمبا دیا کرتے تھے اور کیا آج کل کے علماء کی طرح ہر جمعہ کے دن ظہر کی نماز تاخیر سے ہی پڑھا کرتے تھے؟ (سائل: محمد عاصم رفیق ولد محمد حسن)

جواب: ہمارے طول طویل خطبات جمعہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی اور معمول مبارک کے خلاف ہیں۔ آپ ﷺ ہر جمعہ میں دو خطبے ارشاد فرماتے اور دونوں کے درمیان تھوڑا سا بیٹھتے بھی تھے۔ آپ ﷺ کے یہ دونوں خطبے قراءت قرآن اور وعظ و نصیحت پر مشتمل ہوتے تھے، جیسا کہ احادیث میں ہے:

(۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ خُطْبَتَانِ فَجَلَسَ بَيْنَهُمَا يَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ . ●

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دو خطبے ارشاد فرماتے اور دونوں کے درمیان بیٹھا کرتے تھے قرآن پڑھتے اور لوگوں کو وعظ کرتے تھے۔"

(۲) عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنْتُ أُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَكَانَتْ صَلٰوتُهُ قَصْدًا وَّخُطْبَتُهُ قَصْدًا . ●

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نماز جمعہ نبی ﷺ کی اقتدار میں پڑھتا تھا، آپ ﷺ کی نماز جمعہ اور خطبہ دونوں درمیانے ہوتے تھے۔

● فتح الباري: ج ۲ ص ۳٦۷، ۳٦۸.
● صحيح مسلم كتاب الجمعة ج ۱ ص ۲۸۳ .
● صحيح مسلم ج ۱ ص ۲۸٦ وشرح السنة ج ۲ ص ۵۷۷.

(۳) عَنْ عَمَّارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ طُوْلَ صَلٰوةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهِ مَئِنَّةٌ مِّنْ فِقْهِهٖ فَاَطِيْلُوا الصَّلٰوةَ وَاقْصُرُوا الْخُطْبَةَ ۔ ❶

حضرت عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ قدرے لمبی نماز اور قدرے مختصر خطبہ خطیب کی فقاہت کی علامت ہے قَالَ الشَّافِعِيُّ وَيَكُوْنُ كَلَامُهٗ قَصِيْرًا بَلِيْغًا جَامِعًا وَاَقَلُّ مَايَقَعُ عَلَيْهِ اِسْمُ الْخُطْبَةِ اَنْ يَحْمَدَ اللّٰهَ وَيُصَلِّيَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَيُوْصِيْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَهٰذِهِ الْخَمْسَةُ لَا تَصِحُّ جُمُعَتُهٗ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ ۔ ❷

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خطبہ جمعہ میں رسول اللہ ﷺ گفتگو مختصر مگر دلوں میں اتر جانے والی اور جامع ہوتی تھی اور فرماتے ہیں کہ خطبہ جمعہ میں یہ تین باتیں فرض ہیں (۱) اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا (۲) رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام اور (۳) تقویٰ اللہ کی وصیت یہ تینوں دونوں خطبوں میں فرض ہیں پہلے خطبہ میں قرآن کی کسی ایک آیت کی تلاوت اور دوسرے خطبہ میں مومنوں کے حق میں دعا واجب ہے، اگر کوئی ان پانچوں باتوں میں سے کسی ایک بات کو ترک کرے گا تو اس کا جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ ان تصریحات کے پیش نظر حتی الوسع خطیب پر اسوۂ حسنہ اور آپ کے معمولی مبارک کی پابندی ضروری ہے زور خطابت میں اسوۂ حسنہ کی خلاف ورزی سراسر گھاٹے کا سودا ہے۔ فلاح وفوز اطاعت رسول ﷺ میں ہے زور خطابت میں نہیں۔ توفیق دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

خطبہ میں نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ

سوال: کیا خطبہ مسنونہ میں نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ کے الفاظ بھی شامل ہیں۔ جیسا کہ عام خطباء اور واعظین پڑھتے چلے آرہے ہیں؟ وضاحت فرمائیں۔ (سائل: مولوی سعید احمد حنیف سلفی مدرس مرکزی مسجد اہل حدیث جھنگ شہر)

جواب: الجواب بعون الوهاب: کسی صحیح مرفوع حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے مروی خطبہ میں نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ کے الفاظ ثابت نہیں۔ البتہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خطبہ میں ان الفاظ کا ذکر کیا ہے مگر اس کی اسناد کے بارے میں کوئی صراحت نہیں کی۔ اسی طرح تاریخ بغداد میں حضرت جابر کی مرفوع حدیث میں اُؤْمِنُ بِهٖ وَاَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ کے الفاظ موجود ہیں، لیکن اس حدیث کا ایک راوی عمرو بن شمر کذاب اور حدیث گھڑنے والا ہے۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب .

نماز جمعہ کے بعد چار رکعات کو دو دو کر کے پڑھنا چاہیے یا اکٹھی چار رکعت

سوال: نماز جمعہ کے بعد اگر چار رکعت پڑھنا چاہے تو دو دو پڑھے یا ایک ہی دفعہ چار پڑھے؟

جواب: دونوں طرح جائز ہے، چاہے دو دو کر کے پڑھے یا اکٹھی چار رکعت پڑھے۔ اسی طرح اگر ظہر کی جماعت سے

❶ صحيح مسلم ج ١ ص ٢٨٦ وشرح السنة ج ٢ ص ٥٥٨ ۔ ❷ شرح السنة ج ٢ ص ٥٧٨ و ونحوه في النوادي ج ١ ص ٢٨٤ ۔

پہلے آ کر دو رکعت پر اکتفا کر لے تو یہ بھی جائز ہے اور اگر ظہر کی پہلی دو رکعتیں نماز کے بعد پڑھ لے تو بھی ٹھیک ہے۔ تاہم جمعہ کی نماز سے پہلے کوئی سنت موکدہ ثابت نہیں، ہاں نوافل حسب توفیق پڑھ لے۔ تاہم نوافل شروع کر لینے سے واجب نہیں ہو جاتے، جیسے قرآن مجید میں ہے:

﴿مَا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ﴾

ہاں اگر نماز جمعہ کے بعد ان کو مکمل کرے تو بہت اچھا ہے۔ اسی طرح دوسری نمازوں کی سنتوں کا حکم ہے، واللہ اعلم۔ لیکن سنن میں سستی باعث مواخذہ ہے۔ سنن رواتب کی حفاظت کرنی چاہیے۔

فیکٹری میں جمعہ

سوال: ہماری فیکٹری میں تقریباً ۲۰۰ ورکر کام کرتے ہیں اور فیکٹری میں مسجد موجود نہیں ہے۔ ہماری فیکٹری سے تقریباً آدھا کلومیٹر اور ڈیڑھ کلومیٹر پر مسجد واقع ہیں جہاں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے۔ ڈیوٹی ٹائم صبح ۷ بجے سے ۳ بجے تک ہے۔ کیا ہم فیکٹری میں باجماعت جمعہ ادا کر سکتے ہیں یا کہ فیکٹری سے باہر جا کر ہی نماز جمعہ مسجد میں پڑھنا لازمی ہے؟

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: صورت مسؤلہ میں واضح ہو کہ اگر فیکٹری کا مالک مسجد میں جا کر نماز جمعہ کی چھٹی دینے کو تیار نہ ہو تو بلاشبہ فیکٹری میں نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں۔ اول اس لئے کہ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ حکم عام ہے اور فقہ کا مشہور قاعدہ ہے کہ جب خاص دلیل موجود نہ ہو تو عام دلیل سے استدلال جائز ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح بخاری میں بعض اجتہادی مسائل میں اس فقہی قاعدہ کو استعمال بھی کیا ہے۔ ملاحظہ کتاب الصحيحين للشيخ محمد عبده الفلاح۔

دوم اس لئے کہ صحت جمعہ کے لئے مسجد کا ہونا کوئی شرط نہیں۔ جیسا کہ عون المعبود (ج ۱ باب الجمعۃ فی القریٰ ص: ۴۱۴) میں یہ تصریح ہے:

ذَهَبَ الْبَعْضُ إِلَى إِشْتِرَاطِ الْمَسْجِدِ قَالَ لِأَنَّهَا لَمْ تُقَمْ إِلَّا فِيهِ وَقَالَ أَبُوحَنِيفَةَ وَالشَّافِعِي وَسَائِرُ الْعُلَمَاءِ أَنَّهُ غَيْرُ شَرْطٍ وهو قَوِيٌّ۔ إِنْ صَحَّتْ صَلَاتُهُ ﷺ فِي بَطْنِ الْوَادِي وَقَدْ رَوٰى صَلَاتَهُ ﷺ فِي بَطْنِ الْوَادِي ابْنُ سَعْدٍ وَّ أَهْلُ السِّيَرِ وَلَوْ سُلِّمَ عَدَمُ صِحَّةِ ذٰلِكَ لَمْ يَدُلَّ فِعْلُهَا فِي الْمَسْجِدِ عَلٰى إِشْتِرَاطِهِ۔ [1]

''بعض اہل علم کے نزدیک نماز جمعہ کی صحت کے لئے مسجد شرط ہے کہ نماز جمعہ مسجد ہی میں پڑھنی چاہیے، مگر امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور دوسرے علمائے اسلام کے نزدیک جمعہ کی ادائیگی کے لئے مسجد شرط نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا بطن وادی میں نماز پڑھنا ثابت ہے، جیسا کہ امام ابن سعد اور دیگر اہل السیر نے روایت کیا ہے۔ تاہم اگر آپ سے بطن وادی میں نماز پڑھنا ثابت نہ بھی ہو تب آپ کے مسجد میں نماز جمعہ پڑھنے سے مسجد کا شرط ہونا

[1] عون المعبود: ص ٤١٤ ج ١۔

ثابت نہیں ہوتا۔ پس جب غیر مسجد میں نماز پڑھنا صحیح ہے اور نماز ہو جاتی ہے تو جمعہ غیر مسجد میں کیوں صحیح نہ ہوگا۔"

تیسرے اس لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں لکھا تھا:

جَمِّعُوْا حَيْثُ مَا كُنْتُمْ . قَالَ الْبَيْهَقِيُّ إِسْنَادُ هٰذَا الْأَثَرِ حَسَنٌ . ❶

"جہاں بھی ہوں (شہر میں ہوں یا جنگل میں) جمعہ پڑھو۔"

واضح رہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ سوال بحرین سے لکھا تھا۔

ان دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے مسجد شرط نہیں، پس چھ صد کی نفری بلاشبہ فیکٹری میں نماز جمعہ باجماعت ادا کر سکتی ہے، ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

چھوٹی بستی میں بھی جمعہ فرض ہے

سوال نمبر ۱: چھوٹی بستی میں نماز جمعہ ادا کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

جواب نمبر ۱: واضح ہو کہ غلام، عورت، بچے، بیمار، قیدی اور مسافر کے علاوہ ہر بالغ مسلمان پر نماز جمعہ فرض عین ہے، خواہ وہ شہری ہو یا دیہاتی۔ دلائل درج ذیل ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ﴾

(سورة الجمعة: پاره ۲۸)

"اے اہل ایمان جب نماز جمعہ کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف چلے آؤ اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ کام تمہارے لئے بہتر ہے۔"

اس آیت شریف میں اہل ایمان کو اقامت جمعہ کے لئے خطاب ہے ظاہر ہے کہ شہریوں کی طرح اہل دیہات بھی اہل باایمان ہوتے ہیں۔ لہٰذا اقامت جمعہ کے لئے یہ حکم جس طرح شہریوں کے لئے ہے اسی طرح دیہاتیوں کے لئے بھی ہے۔ جس پر ساری امت کا اجماع ہے۔

قَدْ حَكَى ابْنُ الْمُنْذِرِ الْإِجْمَاعَ عَلٰى أَنَّهَا فَرْضٌ عَيْنٌ وَقَالَ ابْنُ الْعَرَبِيِّ اَلْجُمُعَةُ مِنْ فُرُوْضِ الْأَعْيَانِ . ❷

"امام ابن منذر اور ابن العربی نے اس پر امت کا اجماع بتایا ہے کہ ہر بالغ، آزاد مرد جو مسافر، بیمار اور قیدی نہ ہو (شہری ہو دیہاتی) اس پر جمعہ فرض ہے۔"

اور یہی مذہب صحیح ہے۔ درج ذیل احادیث ملاحظہ ہوں۔

(۱) عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَّاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي

❶ عون المعبود: ج۱ ص ۴۱۵۔ ❷ نیل الأوطار: ص ۲۵۴ ج۲۔

جَمَاعَةٍ إِلاَّ أَرْبَعَةً عَبْدٌ مَمْلُوكٌ أَوِامْرَأَةٌ أَوْصَبِيٌّ أَوْمَرِيضٌ۔ ❶

’’طارق بن شہاب سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان پر جمعہ حق اور واجب ہے جب کہ وہ غلام، عورت، نابالغ اور مریض نہ ہو۔‘‘

(۲) عَنْ حَفْصَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: رَوَاحُ الْجُمعَةِ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُحْتَلِمٍ۔ ❷

’’حضرت اُمّ المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر بالغ مرد پر جمعہ کی ادائیگی کے لیے جلدی جلدی آنا واجب ہے۔‘‘

یہ حدیث مرسل صحابی ہے اور صحابی کی مرسل حدیث دلیل اور حجت ہوتی ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر مسلمان پر جمعہ فرض عین ہے، بشرطیکہ وہ بیمار، غلام، نابالغ، عورت اور مسافر نہ ہو، خواہ وہ شہری ہو یا کسی گاؤں میں بودو باش رکھتا ہو۔

اوپر کی دونوں حدیثیں اپنے عموم کی وجہ سے دیہاتی اور شہری دونوں قسم کے مسلمانوں کو شامل ہیں۔ اب وہ احادیث لکھی جاتی ہیں جن میں بستی والوں پر نماز جمعہ فرض ہونے کی تصریح موجود ہے:

(۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ أَوَّلَ جُمعَةٍ جُمِّعَتْ بَعْدَ جُمْعَةٍ فِي مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي مَسْجِدِ عَبْدِالْقَيْسِ بِجُوَاثٰى مِنَ الْبَحْرَيْنِ۔ ❸

’’جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مسجد نبوی میں اقامت جمعہ کے بعد سب سے پہلے بحرین کی جواثی بستی میں عبدالقیس کی مسجد میں جمعہ پڑھا گیا تھا۔‘‘

(۴) عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ وَّ كَانَ قَائِدُ أَبِيْهِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ بَصَرُهُ عَنْ أَبِيْهِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ كَانَ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ يَوْمَ الْجُمعَةِ تَرَحَّمَ سَعْدَ بْنَ زُرَارَةَ فَقُلْتُ لَهُ إِذَا سَمِعْتَ النِّدَآءَ تَرَحَّمْتَ لِسَعْدِ بْنِ زُرَارَةَ قَالَ لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَنْ جَمَّعَ بِنَا فِي هَزْمِ النَّبِيْتِ مِنْ حَرَّةِ بَنِي بَيَاضَةَ فِي النَّقِيعِ يُقَالُ لَهُ نَقِيعُ الْخَضِمَاتِ۔ قُلْتُ كَمْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ قَالَ أَرْبَعُوْنَ۔ ❹

’’عبدالرحمٰن نے اپنے والد حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ رضی اللہ عنہ جب بھی جمعہ کی اذان سنتے ہیں تو سعد بن زرارہ کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے تو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سعد بن زرارہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے نقیع خضمات کے کنکر یلے علاقہ میں بنو بیاضہ کی بستی ہزم نبیت میں ہمیں نماز جمعہ پڑھائی تھی۔‘‘

(۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بحرین والوں کو تحریر فرمایا:

---

❶ سنن أبی داؤد ص ۱۵۳، نیل الأوطار: ص ۲۵۸ ج ۳۔ ❷ رواہ النسائی، نیل الاوطار ج ۳، ص ۲۵۷، باب من تجب علیه ومن لا تجب۔

❸ صحیح بخاری: ص ۱۲۲ ج ۱ باب الجمعة فی القری۔ ❹ أبو داؤد مع شرح عون المعبود: ص ٤١٤ ج ١۔

جَمِّعُوا حَيْثُ مَا كُنْتُمْ۔ قَالَ الْبَيْهَقِيُّ فِي الْمَعْرِفَةِ إِسْنَادُ هٰذَا الْأَثَرِ حَسَنٌ . ❶

''تم جہاں بھی ہو (بستی میں ہو یا شہر) جمعہ قائم کرو۔''

امام ابن حزم کا فیصلہ:

وَمِنْ أَعْظَمِ الْبُرْهَانِ عَلَى صِحَّتِهَا فِي الْقُرٰى أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى الْمَدِيْنَةَ وَإِنَّمَا هِيَ قُرًى صِغَارٌ مُتَفَرِّقَةٌ فَبَنٰى مَسْجِداً فِي بَنِي مَالِكِ بْنِ النَّجَّارِ وَ جَمَّعَ فِي قَرْيَةٍ لَيْسَتْ بِالْكَبِيْرَةِ وَلَا مِصْرٌ هُنَاكَ . ❷

''دیہات میں اقامت جمعہ کے جواز کی بہت بڑی دلیل یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت مدینہ شہر نہ تھا بلکہ چند متفرق بستیوں کا نام تھا۔ وہاں آپ نے بنو مالک بن نجار کے محلہ میں اپنی مسجد تعمیر کی اور اس قریہ والی مسجد میں نماز جمعہ ادا فرمائی جو کہ بڑی بستی نہ تھی اور نہ کوئی شہر تھا۔''

بہر حال احادیث صحیحہ اور تصریحات بالا سے معلوم ہوا کہ بستی والوں پر جمعہ بالکل ایسے ہی فرض ہے جیسے کہ شہریوں پر فرض ہے۔



❶ فتح الباري ، عون المعبود: ص ٤١٥ ج ١ .
❷ عون المعبود: ص ٤١٥ ج ١ .

جمع بین الصلوٰتین

بارش کی وجہ سے دو نمازیں اکٹھی پڑھنا جائز ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ہم بارش کی وجہ سے مغرب وعشاء اکٹھی کر سکتے ہیں، کیا ہم دوسری نمازیں بھی اکٹھی کر سکتے ہیں؟ اور جمع بین الصلوٰتین میں سنتیں معاف ہوتی ہیں یا نہیں؟

(سائل سید اسماعیل مشہدی وزیر آبادی رحمان انڈسٹریز)

جواب: بارش کی وجہ سے جمع بین الصلوٰتین جائز ہے۔ جیسے مغرب اور عشاء میں جائز ہے، ایسے ہی ظہر اور عصر میں بھی جائز ہے۔ کیونکہ جس حدیث کی رو سے مغرب اور عشاء کے جمع کرنے کا استدلال کیا جاتا ہے، اس حدیث میں ظہر اور عصر کی نمازوں کے جمع کرنے کا ذکر بھی موجود ہے۔ چنانچہ سنن ابوداؤد میں ہے:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ ثَمَانِياً وَّسَبْعاً اَلظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ الخ . ●

یہ حدیث متفق علیہ بھی ہے۔

"رسول اللہ ﷺ نے ہم کو آٹھ اور سات رکعت مدینہ میں اکٹھی پڑھائیں، یعنی ظہر اور عصر کے چار چار اور مغرب کے تین اور عشاء کے چار فرض۔ چونکہ اس حدیث میں سنن کا ذکر موجود نہیں ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ جمع کی صورت میں سنتیں معاف ہوتی ہیں۔ بارش کے وقت جمع بین الصلوٰتین کا استدلال بھی اسی حدیث سے کیا جاتا ہے۔" هذا ما عندي ، والله اعلم بالصواب (یہ حدیث متفق علیہ بھی ہے۔)

بارش کی وجہ سے دو نمازوں کا جمع کرنا

سوال: بارش کی وجہ سے دو نمازوں کو جمع کرنے کا کیا حکم ہے؟ (سائل: مولانا محمد زکریا مسجد چینیانوالی لاہور)

جواب: الجواب بعون الوهاب و منه الصدق والصواب:

بارش، سخت کیچڑ وغیرہ کے مواقع پر جمع بین الصلوٰتین جائز ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِالْمَدِيْنَةِ سَبْعاً وَّ ثَمَانِياً اَلظُّهْرَ

● ص ۱۷۱ باب الجمع بين الصلوتين ج ۱، نيل الأوطار: ص ۲۴۵ ج ۳۔

وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ۔ فَقَالَ لَعَلَّهُ فِيْ لَيْلَةٍ مَّطِيْرَةٍ قَالَ عَسٰى. ❶

''رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں (ایک دفعہ) سات اور آٹھ رکعتیں جمع کر کے پڑھیں، یعنی ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کو جمع کیا تھا۔ ایوب سختیانی نے پوچھا کیا اس کی وجہ بارش تھی؟ تو جابر بن زید نے کہا امید ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔''

اگرچہ امام شوکانی ؒ نے اس حدیث پر طویل محدثانہ بحث وتمحیص کے بعد اس عمل کو جمع صوری قرار دیا ہے، تاہم امام ابن تیمیہ صاحب منتقی الاخبار نے یہ فیصلہ دیا ہے:

وَهٰذَا يَدُلُّ بِمَعْنَاهُ عَلَى الْجَمْعِ لِلْمَطَرِ وَالْخَوْفِ وَلِلْمَرَضِ. ❷

''یہ حدیث اپنے مفہوم سے بارش، خوف اور مرض کی وجہ سے نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے پر دلالت کرتی ہے۔''

امام ترمذی اس حدیث کے آخر میں فرماتے ہیں:

قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ يُجْمَعُ بَيْنَ الصَّلٰوتَيْنِ فِي الْمَطَرِ وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ۔ (تحفة الأحوذی)

سوال: اگر وتر تہجد کے ساتھ پڑھنا چاہے تو دو نفل بعد وتر جو پڑھے جاتے ہیں وہ کیا عشاء کے وقت پڑھے یا چھوڑ دے؟

جواب: جیسے آسانی ہو کرے کیونکہ اس میں توسع اور فراخی ہے، اگر چھوڑ دے گا تو ثواب سے محروم رہے گا، مگر مواخذہ نہیں ہوگا۔

سوال: کیا فرض نماز کے بعد والے وظائف آدمی نفل نماز کے بعد کر سکتا ہے؟ مثلاً: کسی کا وضو زیادہ دیر نہیں ٹھہرتا یا اسے کوئی جلدی ہے یا ویسے ہی وہ بعد میں نماز سے فارغ ہو کر کرتا ہے، یعنی الحمد اللہ، سبحان اللہ، اللہ اکبر وغیرہ کیا یہ جائز ہے؟

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ تُسَبِّحُوْنَ وَتُكَبِّرُوْنَ وَتَحْمَدُوْنَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلَاثًا وَّثَلٰثِيْنَ مَرَّةً. ❸

''رسول اللہ ﷺ نے فقراء مہاجرین کو فرمایا کہ آپ لوگ ہر فرض نماز کے بعد سبحان اللہ ۳۳ دفعہ، اللہ اکبر ۳۳ دفعہ اور الحمد للہ ۳۳ دفعہ پڑھا کیجئے۔''

فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ میں دبر کا معنی جڑ ہے۔ نماز کی جڑ میں، یعنی فرض نماز کے متصل پڑھا کرو۔

اس جملہ سے متبادر اور ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سلام کے بعد اللہ اکبر، استغفر اللہ وغیرہ اذکار کے بعد اور سنن رواتب سے پہلے ان اوراد و وظائف کو پڑھنا چاہیے۔ تاہم اگر کسی معقول عذر کے پیش نظر سنتوں کے بعد پڑھنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب

❶ باب تأخير الظهر إلى العصر: ج ۱ ص ۷۷۔ ❷ نيل الأوطار: ج ۳ باب جمع المقيم لمطر أو لغيره ص ۲۱۸۔

❸ صحيح مسلم باب إستحباب الذكر بعد الصلوة و بيان صفته ج ۱ ص ۲۱۸، ۲۱۹، الترغيب والترهيب ج ۲ ص ۴۵۰۔

❹ الترغيب والترهيب ج ۲ ص ۴۵۰

کتاب العیدین

احکام ومسائل عیدالفطر

سوال: عیدالفطر کے احکام ومسائل پر قدرے تفصیل سے روشنی مطلوب ہے۔امید ہے کہ آپ کتاب وسُنت کے مطابق راہنمائی فرمائیں گے۔(سائل: آپ کی شقیقہ، امیت اللہ بنت مولانا محمدؒ مین بلوچ چک ۵۳۱ گ ب ضلع فیصل آباد)

جواب: عید کی رات:

اس رات میں عبادت کرنے کے متعلق متعدد احادیث مروی ہیں، ایک دو پیش خدمت ہیں:

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَنْ قَامَ لَيْلَتَي الْعِيدَيْنِ مُحْتَسِباً لِلَّهِ لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوتُ الْقُلُوبُ ۔ ●

"حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص ثواب کی نیت سے عیدین کی راتوں کو زندہ رکھے گا، یعنی عبادت میں لگا رہے گا تو حشر کے روز اس کا دل زندہ رہے گا۔"

۲۔ عیدین کی رات بکثرت عبادت کرنے والے قیامت کے روز عذاب سے مامون وسلامت رہیں گے۔ (طبرانی)

بہرحال اس سلسلہ میں مرفوع حدیثیں بھی آئی ہیں جو ضعیف ہیں۔(دیکھئے مجمع الزوائد: ص۱۹۹۔ تلخیص الحبیر: ص۸۰ ج۲)

غسل:

عید کے دن غسل مستحب ہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین عیدین کے دن غسل کیا کرتے تھے۔ زادالمعاد میں ہے: وَكَانَ يَغْتَسِلُ لِلْعِيدَيْنِ وَصَحَّ الْحَدِيثُ فِيهِ ۔

وَلَكِنْ ثَبَتَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ مَعَ شِدَّةِ إِتِّبَاعِهِ لِلسُّنَّةِ أَنَّهُ كَانَ يَغْتَسِلُ يَوْمَ الْعِيدِ ۔ ●

"نماز سے رسول اللہ ﷺ عیدین کی نماز قبل غسل کیا کرتے تھے اس بارے میں صحیح حدیث بھی مروی ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اتباع سنت میں بڑے سخت تھے وہ بھی عید کی دن غسل کیا کرتے تھے۔"

نئے یا دھلے ہوئے کپڑے پہننا

آنحضرت ﷺ سے عید کے لئے نئے کپڑے رکھنے ثابت ہیں:

● ابن ماجۃ: ص۱۲۸ باب فیمن قام لیلتی العیدین،الترغیب والترھیب ج۲ ص۶۵۲۔ ● زادالمعاد: ج۱ ص۴۴۲۔

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَلْبَسُ بُرْدَ حِبَرَةٍ فِي كُلِّ عِيدٍ. ❶

"رسول اللہ ﷺ ہر عید کے موقع پر اچھی قسم کا یمنی لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔"

خوشبو:

عید کے دن خوشبو لگانے کے استحباب میں بہت سی روایات مروی ہیں۔ایک روایت یہ بھی ہے:

عَنْ حَسَنٍ أَنَّهُ أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ نَتَطَيَّبَ بِأَجْوَدَ مَا نَجِدُ فِي الْعِيدَيْنِ. ❷

"آنحضرت ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ ہم عیدین میں عمدہ ترین خوشبو لگایا کریں۔"

کچھ کھا کر عید الفطر پڑھنی چاہیے:

اس بارے میں متعدد احادیث مروی ہیں۔ایک یہ بھی ہے:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْدُوْ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَأْكُلَ تَمَرَاتٍ وَيَأْكُلُهُنَّ وِتْراً. ❸

"حضرت نبی اکرم ﷺ عید الفطر کے دن چند کھجوریں تناول فرما کر نماز ادا کرنے کے لئے عید گاہ تشریف لے جاتے۔"

معلوم ہوا کہ عید الفطر کی نماز سے پہلے میٹھی چیز کھانا سنت ہے،اگر کھجوریں کھائی جائیں تو وتر کھائی جائیں۔

پاپیادہ جانا چاہیے:

نماز عید کی ادائیگی کے لئے پیدل جانا بہتر ہے۔اس سلسلہ میں بہت سی حدیثیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار مروی ہیں۔

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ مِنَ السُّنَّةِ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الْعِيدِ مَاشِياً.

وَقَالَ التِّرْمَذِيُّ حَدِيثٌ حَسَنٌ. ❹

"عید پڑھنے کے لئے پیدل جانا سنت ہے۔"

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق لکھا ہے:

كَانَ يَخْرُجُ إِلَى الْعِيدِ مَاشِياً وَيَعُوْدُ مَاشِياً. ❺

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عید کے لئے پیدل آیا جایا کرتے تھے۔"

---

❶ رواه الشافعي ، نيل الأوطار: ص ٣٢٢ ج ٣.
❷ تلخيص الحبير: كتاب صلوٰة العيدين ج ٢ ص ٨١.
❸ رواه أحمد و بخاري ج ١ ص ١٣٠.
❹ ترمذی مع تحفة الأحوذي ، نيل الأوطار ج ٣ ص ٣٢٤.
❺ سبل السلام: ج ٢ ص ٧٠.

نیل الاوطار میں ہے:

وَقَدْ ذَهَبَ أَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ إِلَى أَنَّهُ يُسْتَحَبُّ أَنْ يَأْتِيَ إِلَى الصَّلٰوةِ مَاشِياً. ❶

''اکثر علماء اس طرف گئے ہیں کہ نماز عید کے لئے پیدل جانا مستحب ہے۔''

عورتیں نماز عید میں ضرور جائیں:

عورتیں نماز عید میں ضرور شرکت کریں بلکہ حائضہ عورتیں بھی ضرور جائیں اور مومنین کی دعا میں شرکت کریں۔ چنانچہ

بخاری شریف میں ہے:

عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ أَمَرَنَا أَنْ نُخْرِجَ الْعَوَاتِقَ ذَوَاتِ الْخُدُوْرِ وَزَادَ فِي حَدِيْثِ حَفْصَةَ وَيَعْتَزِلْنَ الْحُيَّضُ الْمُصَلّٰى. ❷

''حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم نوجوان پردہ داروں حتی کہ حیض والی عورتوں کو بھی لے کر عید گاہ چلیں تا کہ وہ برکت کے مقام پر حاضر ہوں اور مومنوں کی دعا میں شرکت کریں، البتہ حائضہ عورتیں نماز عید میں شرکت نہ کریں۔''

وضاحت:

حنفیہ کے ہاں عورتوں کو عید گاہ میں جانے کی اجازت نہیں ہے، لیکن ان کا یہ فتویٰ صحیح احادیث کے خلاف ہے، تاہم محققین حنفیہ نے بھی اب اجازت دے دی ہے، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

إِسْتَحَبَّ خُرُوْجَ الْجَمِيْعِ حَتَّى الصِّبْيَانِ وَالنِّسَاءِ. ❸

''(عید چونکہ اسلام کا شعار ہے لہٰذا) مردوں کے علاوہ سب بچوں اور عورتوں کا بھی عید گاہ میں جانا مستحب ہے۔''

حضرت انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں:

أَصْلُ مَذْهَبِنَا جَوَازُ خُرُوْجِ النِّسَاءِ إِلَى الْعِيْدَيْنِ. ❹

''ہمارا اصل مذہب تو یہی ہے کہ عورتیں عید گاہ میں جا سکتی ہیں۔''

عورتوں کو عید کی نماز میں سنگھار وغیرہ کر کے جانے سے ثواب کے بجائے الٹا گناہ لازم آتا ہے، تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ضروری ہے کہ عورتیں عید گاہ میں حاضر ہوں۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

أَنَّهُمَا قَالَ حَقٌّ عَلٰى كُلِّ ذَاتِ نِطَاقٍ الْخُرُوْجُ إِلَى الْعِيْدَيْنِ. ❺

علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَالْحَدِيْثُ وَمَا فِي مَعْنَى مِنَ الْأَحَادِيْثِ قَاضِيَةٌ بِمَشْرُوْعِيَّةِ خُرُوْجِ النِّسَاءِ فِي الْعِيْدَيْنِ إِلَى

---

❶ نيل الأوطار: ص ٣٢٦ ج ٣۔
❷ بخاری: ص ٤٥ ج ١ باب شهود الحائض العيدين۔
❸ حجة الله البالغة: ج ٢ ص ٢٧۔
❹ العرف الشذى: ص ٢٤٢۔
❺ فتح البارى: پ ٤ ص ٥٣٠۔

الْمُصَلّٰى غَيْرَ فَرْقٍ بَيْنَ الْبِكْرِ وَالثَّيِّبِ وَالشَّابَّةِ وَالْعُجُوْزِ وَالْحَائِضِ مَالَمْ تَكُنْ مُعْتَدَّةً أَوْكَانَ خُرُوْجُهَا فِتْنَةً أَوْكَانَ لَهَا عُذْرٌ. ●

''ام عطیہ والی حدیث اور دوسری ہم معنی حدیثوں سے عورتوں کا عیدگاہ میں جانا شرعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔ کنواری، بیوہ، جوان، بوڑھی اور حائضہ میں فرق کئے بغیر، مگر یہ کہ وہ عدت گزار رہی ہو یا اس کا نکلنا فتنہ کا باعث ہو اور یا پھر وہ معذور ہو۔''

امام محمد بن اسماعیل الیمانی فرماتے ہیں:

وَالْحَدِيْثُ دَلِيْلٌ عَلٰى وُجُوْبِ إِخْرَاجِهِنَّ وَ فِيْهِ أَقْوَالٌ ثَلَاثَةٌ اَلْأَوَّلُ أَنَّهُ وَاجِبٌ وَّ بِهِ قَالَ الْخُلَفَاءُ الثَّلَاثَةُ أَبُوْبَكْرٍ وَّ عُمَرُ وَ عَلِيٌّ وَّ يُؤَيِّدُ الْوُجُوْبَ مَا أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَةَ وَ الْبَيْهَقِيُّ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُخْرِجُ نِسَائَهُ وَ بَنَاتَهُ فِي الْعِيْدَيْنِ. ●

''عورتوں کو عیدگاہ لے جانے پر حدیث دال ہے۔ اس میں تین قول ہیں: (۱) عورتوں کا نماز عید میں شریک ہونا واجب ہے، یہ قول تین خلفائے راشدین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے، عورتوں کو عیدگاہ لے جانے کے وجوب پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امہات المومنین اور اپنی بیٹیوں کو عیدگاہ میں لے جایا کرتے تھے۔'' اور آپ کا یہ عمل ساری زندگی جاری رہا۔''

صدقۃ الفطر کے مختصر احکام:

زَكٰوةُ الْفِطْرِ طُهْرَةٌ لِّلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَ الرَّفَثِ طُعْمَةٌ لِّلْمَسَاكِيْنِ. ●

''صدقۃ الفطر روزے دار کے روزہ کو لغو اور بے ہودہ باتوں کے نقصان سے بچانے اور عید کی خوشیوں میں مساکین کو شامل کرنے کا نام ہے۔''

صدقۃ الفطر ہر ایک پر واجب ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعاً مِّنْ تَمْرٍ أَوْصَاعاً مِّنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ. ●

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے صدقۃ فطر فرض قرار دیا ہے غلام، آزاد مرد اور عورت، چھوٹے اور بڑے مسلمان پر۔''

حنفیہ اور بعض دوسرے حلقوں کے نزدیک صدقۃ فطر کے لئے صاحب زکوۃ ہونا ضروری ہے، مگر ان کا یہ خیال درست نہیں۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

● نيل الأوطار: ص ٣٢٧ ج ٣.
● سبل السلام: ص ٦٥ ج ٢.
● أبو داؤد، ابن ماجه وغيره ص ١٣٢.
● بخاري: ج ١ ص ٢١٤.

وَلَا يُعْتَبَرُ فِي زَكٰوةِ الْفِطْرِ مِلْكُ نَصَابٍ بَلْ تَجِبُ عَلٰى مَنْ مَلَكَ صَاعاً فَاضِلاً عَنْ قُوْتِ يَوْمِ الْعِيْدِ وَ لَيْلَةٍ وَهُوَ قَوْلُ الْجُمْهُوْرِ۔ ❶

''صدقہ فطر کی ادائیگی کے لئے صاحب نصاب ہونا کوئی ضروری نہیں، بلکہ صدقہ فطر ہر اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس عید کے دن اور رات کی ضرورت سے فاضل ایک صاع غلہ ہو۔''

چنانچہ حدیث سابق (عبداللہ بن عمرؓ) کی شرح میں ہے:

وَفِيْهِ دَلِيْلٌ لِلشَّافِعِيِّ وَالْجُمْهُوْرِ فِيْ اَنَّهَا تَجِبُ عَلٰى مَنْ مَلَكَ فَاضِلاً عَنْ قُوْتِهٖ وَقُوْتِ عِيَالِهٖ يَوْمَ الْعِيْدِ۔ ❷

۴۔ صدقہ فطر ایک صاع فی کس دینا ضروری ہے، کوئی جنس بھی ہو، گیہوں کے نصف صاع ہونے پر کوئی دلیل موجود نہیں اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی نص صریح کے مقابلہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قیاس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اگر کسی نے صحیح حدیث کے مقابلہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قیاس پر عمل کرنا ہی ہو تو پھر وہ اچھی قسم کی کشمش یا کھجوروں کا نصف صاع دے۔ کیونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شامی گندم عربوں کو ایسی ہی مہنگی پڑتی تھی جیسے آج کل ہمارے ہاں کھجور اور کشمش مہنگی پڑتی ہے۔ بہرحال ہمارا فتویٰ صحیح حدیث پر ہے کہ فی کس پورا صاع ادا کیا جائے، احتیاط بھی اُسی میں ہے۔

۵۔ ہر چند کہ صاع کے وزن میں خاصا اختلاف ہے، تاہم حضرت شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ صاحب رحمہ اللہ کا سند کے مطابق صاع کا وزن تقریباً ۲ سیر گیارہ چھٹانک بنتا ہے۔ ❸

صدقہ فطر عید کی نماز سے پہلے ادا کرنا چاہیے:

عیدالفطر کی نماز سے پہلے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا ضروری ہے، ورنہ بعد از نماز عید صدقہ فطر ادا نہیں ہوگا بلکہ وہ عام صدقہ ہوگا۔

۱۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكٰوةَ الْفِطْرِ طُهْرَةً لِّلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِّلْمَسَاكِيْنِ فَمَنْ اَدَّاهَا قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَهِيَ زَكٰوةٌ مَقْبُوْلَةٌ وَمَنْ اَدَّاهَا بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مِّنَ الصَّدَقَاتِ۔ ❹

۲۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْمُرُ بِاِخْرَاجِ الزَّكٰوةِ قَبْلَ الْخُرُوْجِ لِلصَّلٰوةِ يَوْمَ الْفِطْرِ۔ ❺

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید کو جانے سے پہلے صدقہ ادا کرنے کا حکم دیا کرتے تھے ورنہ بعد میں یہ عام صدقہ ہوگا۔''

عید کھلے میدان میں:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ اَصَابَ النَّاسَ مَطَرٌ يَوْمَ عِيْدٍ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَصَلّٰى

❶ إختيارات ابن تيمية۔ ❷ نووی شرح مسلم: ص ۳۱۷ ج ۱۔

❸ اعشاری نظام کے مطابق صاع کا وزن ٹھیک اڑھائی ۲/۱-۲ کلو ہے۔ جنیف غفرلہ ولوالدیہ

❹ إبن ماجة: ص ۱۳۲ باب صدقة الفطر۔ ❺ تحفة الأحوذي: ص ۲۹ ج ۲۔

بِهِمْ فِي الْمَسْجِدِ. ●

''عید کے دن بارش آ گئی تو آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو مسجد میں نماز پڑھائی۔''

زادالمعاد میں ہے:

وَهَدْيُهٗ كَانَ فَعَلَهُمَا فِي الْمُصَلّٰى دَائِماً وَّلَمْ يُصَلِّ الْعِيْدَ بِمَسْجِدِهٖ إِلاَّ مَرَّةً وَّاحِدَةً أَصَابَهُمْ مَطَرٌ فَصَلّٰى بِهِمُ الْعِيْدَ فِي الْمَسْجِدِ. ●

''آنحضرت ﷺ نے نماز عیدین ہمیشہ کھلے میدان میں ادا فرمائی، صرف ایک دفعہ بارش کی وجہ سے مسجد میں پڑھی تھی (بخاری شریف میں اس مضمون کی متعدد روایات موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو بخاری شریف، ص:۱۳۱)

عید کی نماز کا وقت:

عیدالاضحیٰ کی نماز کا وقت اگرچہ بہ نسبت عیدالفطر کے پہلے ہو جاتا ہے، تاہم سورج کے نکلنے کے تھوڑی دیر بعد عیدالفطر کی نماز کا وقت بھی ہو جاتا ہے۔ ابوداؤد میں ہے:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ أَنَّهٗ خَرَجَ مَعَ النَّاسِ يَوْمَ عِيْدِ الْفِطْرِ أَوْ أَضْحٰى فَأَنْكَرَ إِبْطَاءَ الْإِمَامِ وَقَالَ إِنَّا كُنَّا قَدْ فَرَغْنَا سَاعَتَنَا هٰذَا. ●

''پیش امام نے نماز عیدالفطر یا نماز عیدالاضحیٰ میں دیر کر دی تو حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ نے اس تاخیر پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ ہم چاشت کے وقت نماز عید سے فارغ ہو جایا کرتے تھے۔''

عَنْ جُنْدُبٍ رضي الله عنه قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّيْ بِنَا يَوْمَ الْفِطْرِ وَالشَّمْسُ عَلٰى قِيْدِ رُمْحَيْنِ وَالْأَضْحٰى عَلٰى قِيْدِ رُمْحٍ. ●

''حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمیں عیدالفطر اس وقت پڑھایا کرتے تھے جب سورج دو نیزے پر ہوتا تھا اور نماز عیدالاضحیٰ اس وقت پڑھایا کرتے تھے جب سورج ایک نیزے پر ہوتا تھا۔''

عیدین کے لئے اذان اور تکبیر نہیں:

عیدین کی نمازوں کے لئے اذان کہنی جائز نہیں ہے، چنانچہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْعِيْدَ غَيْرَ مَرَّةٍ وَّلاَ مَرَّتَيْنِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَّالْإِقَامَةِ۔ ●

''میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ متعدد دفعہ عید کی نمازیں بغیر تکبیر اور اذان کے پڑھی ہیں۔'' (بخاری شریف ص۱۳۱ ج۱ بھی ملاحظہ فرمایئے)

● ابن ماجة: ص ٩٤، عون المعبود: ص ٤٥١ ج ١۔ ● زاد المعاد: ص ١٢١ ج ١۔

● عون المعبود: ص ٤٤١ ج ١، ابن ماجه، سكت عنه أبو داؤد والمنذري و رجال إسناده عن أبي داؤد ثقات، نيل الأوطار: ص ٣٢٢ ج ٣۔

● تلخيص الحبير: ص ١٤٤ ج ١۔ ● مسلم، أبو داؤد، ترمذي ونيل الأوطار: ص ٣٣٥ ج ٣۔

عیدگاہ میں منبر نہیں چاہیے:

عیدگاہ میں منبر لے جانا خلاف سنت ہے، تاہم مروان بن حکم نے سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر عیدگاہ میں منبر کو استعمال کیا تھا جس پر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے سخت تنقید فرمائی تھی۔ بخاری شریف (ص ۱۳۱ ج ۱) میں ہے:

فَلَمْ يَزَلِ النَّاسُ عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى خَرَجْتُ مَعَ مَرْوَانَ وَهُوَ أَمِيرُ الْمَدِينَةِ فِي أَضْحٰى أَوْفِطْرٍ فَلَمَّا أَتَيْنَا الْمُصَلّٰى فَإِذَا مِنْبَرٌ بَنَاهُ كَثِيرُ بْنُ الصَّلْتِ۔ اَلْحَدِيثُ مِنْبَرٌ.

ابوداؤد میں ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رضي الله عنه قَالَ أَخْرَجَ مَرْوَانُ الْمِنْبَرَ فِي يَوْمِ عِيدٍ وَلَمْ يَكُنْ يُخْرَجُ فِيهِ. ❶

صاحب عون المعبود کے مطابق ایک اور شخص نے روکا ہوگا جس کا نام عمارہ بن رویبہ ہے۔ ❷ مطلب یہ ہے کہ پہلے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے، پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اور بعد میں اس شخص (عمارہ) نے مروان کو منع کیا ہوگا۔

عید سے پہلے یا بعد کوئی نماز نہیں:

حدیث شریف کے مطابق عید سے پہلے یا بعد کوئی نماز نہیں ہے، تاہم گھر واپس آ کر نفلی نماز پڑھی جا سکتی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ الْفِطْرِ وَ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا. ❸

''جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن عیدگاہ تشریف لائے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی، عید کی دو رکعتوں سے پہلے اور بعد کوئی نماز نہ پڑھی۔''

طریقہ:

اس نماز کی دو رکعتیں ہیں۔ دونوں رکعتوں میں باقی نمازوں کے برعکس کچھ تکبیریں زائد کہی جاتی ہیں۔ بدیں وجہ ان کو تکبیرات زوائد کہا جاتا ہے۔ ان کی گنتی اور ان کے مقام میں سخت اختلاف ہے۔ بقول امام المحقق شوکانی رحمہ اللہ ان تکبیروں کی تعداد اور مقام کے متعلق علمائے سلف کے دس اقوال ہیں۔ (شوکانی ص ۳۳۹ ج ۳) ہم ان میں سے صحیح تر اقوال لکھنے پر اکتفا کریں گے۔

صحیح مسلک یہ ہے کہ انتقال کی تکبیروں کے علاوہ کل بارہ تکبیریں کہنی چاہئیں، سات پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے اور پانچ دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے۔ از روئے دلائل ہمارے نزدیک یہی مسلک راجح ہے، دلائل یہ ہیں:

۱۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي عِيدٍ ثِنْتَي عَشْرَةَ تَكْبِيرَةً، سَبْعاً فِي الْأُولٰى وَخَمْسًا فِي الْآخِرَةِ. ❹

زائد تکبیروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہیں۔

---

❶ عون المعبود: ص ٤٤٢ ج ١.
❷ عون المعبود ج ١، ص ٤٤١.
❸ تحفة الأحوذي: ص ٣٧٨ ج ١.
❹ نيل الأوطار: ص ٣٣٨ ج ٣ باب عدد تكبيرات.

۲۔ وَفِی رِوَایَةٍ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ التَّکْبِیرَ فِی الْفِطْرِ سَبْعٌ فِی الْأُوْلٰی وَخَمْسٌ فِی الْاٰخِرَةِ وَالْقِرَاءَةُ بَعْدَهُمَا كِلْتَیْهِمَا۔ ❶

''آنحضرت ﷺ نے فرمایا: عیدالفطر میں بارہ تکبیریں ہیں۔ سات پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے اور پانچ دوسری میں قراءت سے پہلے۔''

۳۔ سنن دارقطنی میں انہی عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِی الْعِیْدَیْنِ الْأَضْحٰی وَالْفِطْرِ ثِنْتَیْ عَشْرَةَ تَكْبِیْرَةً فِی الْأُوْلٰی سَبْعاً وَّ فِی الْأَخِیْرَةِ خَمْساً سِوٰی تَكْبِیْرَةِ الْإِحْرَامِ.

قَالَ شَمْسُ الْحَقِّ فِی الْمُغْنِی حَدِیْثُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الطَّائِفِیِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ أَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ. ❷

۴۔ مؤطا امام مالک اور مؤطا امام محمد میں ہے:

عَنْ نَافِعٍ أَنَّهٗ قَالَ شَهِدْتُ الْأَضْحٰی وَالْفِطْرَ مَعَ أَبِیْ هُرَیْرَةَ فَكَبَّرَ فِی الرَّكْعَةِ الْأُوْلٰی سَبْعَ تَكْبِیْرَاتٍ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَ فِی الْاٰخِرَةِ خَمْسَ تَكْبِیْرَاتٍ قَبْلَ الْقِرَاءَةِ. ❸

''نافع کہتے ہیں کہ میں نے دونوں عیدیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پڑھیں، انہوں نے پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہیں اور دونوں میں قراءت سے پہلے۔'' (یہ اثر حکماً مرفوع ہے)

هٰذَا لَا یَكُوْنُ رَأْیًا إِلَّا تَوْقِیْفًا یَجِبُ التَّسْلِیْمُ. ❹

''یہ اجتہادی بات نہیں ہو سکتی۔ آنحضرت ﷺ کا حکم ضرور ہوگا۔ لہٰذا یہ واجب التسلیم ہے۔''

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَالَ الْعِرَاقِیُّ وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَ التَّابِعِیْنَ وَالْأَئِمَّةِ قَالَ وَهُوَ مَرْوِیٌّ عَنْ عُمَرَ وَ عَلِیٍّ وَّ أَبِیْ هُرَیْرَةَ وَ أَبِیْ سَعِیْدٍ وَّ جَابِرٍ وَّ ابْنِ عُمَرَ وَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّ أَبِیْ أَیُّوْبَ وَزَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَّ عَائِشَةَ وَهُوَ قَوْلُ الْفُقَهَاءِ السَّبْعَةِ مِنْ أَهْلِ الْمَدِیْنَةِ وَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِالْعَزِیْزِ وَالزُّهْرِیِّ وَمَكْحُوْلٍ وَّ بِهٖ یَقُوْلُ مَالِكٌ وَّالْأَوْزَاعِیُّ وَالشَّافِعِیُّ وَأَحْمَدُ وَ إِسْحَاقُ قَالَ

---

❶ رواه أحمد و ابن ماجة۔ نیل الأوطار: ص ۳۳۸ ج ۳. قال الحافظ فی التلخیص صححه أحمد و علی بن المدینی والبخاری وقال العراقی إسناده صالح،عون المعبود:ص٤٤٦ ج١۔

❷ اخرجه ابو داود و ابن ماجة قال الترمذی فی علله الكبير قال البخاری حديث الطائفی ايضا صحيح و الطائفی مقارب الحديث، دارقطنی مع مغنی ج۲ ص۴۸، زاد المعاد ج۱ ص٤٤٤۔

❸ موطا إمام مالك ص ١٦٠۔ ❹ تعليق الممجد ص ١٤١ كشف الغطا حاشيه ٥ ص١٦٦۔

الشَّافِعِیُّ وَالْأَوْزَاعِیُّ وَإِسْحَاقُ وَ أَبُو طَالِبٍ وَّ أَبُو الْعَبَّاسِ أَنَّ السَّبْعَ فِی الْأُوْلٰی بَعْدَ تَکْبِیْرَۃِ الْإِحْرَامِ . ●

''امام عراقی بارہ تکبیروں کے متعلق کہتے ہیں کہ صحابہ، تابعین اور ائمہ دین سے اکثر کا مذہب یہی ہے۔ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابو ہریرۃؓ، ابو سعیدؓ، جابرؓ بن عبداللہ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابوایوبؓ، زید بن ثابتؓ اور حضرت عائشہؓ کا بھی یہی قول ہے۔ فقہائے سبعہ، یعنی سعید بن مسیب عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، ابوبکر بن عبدالرحمان، خارجہ بن زید، سالم بن عبداللہ اور سلیمان بن یسار کا یہی مذہب ہے (یہ سب اہل مدینہ ہیں) اور یہی مذہب ہے عمر بن عبدالعزیز زہری کا، اور اوزاعی، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ سب اسی کے قائل ہیں۔''

مسلک احناف:

امام محمد حضرت نافع والی روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قَدِ اخْتَلَفَ النَّاسُ فِی التَّکْبِیْرِ فِی الْعِیْدَیْنِ فَمَا أَخَذْتَ بِهٖ فَهُوَ حَسَنٌ وَّ أَفْضَلُ ذٰلِكَ عِنْدَ نَا مَا رُوِیَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ . ●

''لوگوں کا عیدین کی تکبیروں میں اختلاف ہے جس پر تو عمل کرے اچھا ہے، لیکن ہمارے نزدیک نو تکبیروں والی روایت جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، افضل ہے۔''

تکبیروں میں رفع یدین:

کسی مرفوع اور صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ سے زوائد تکبیروں میں رفع یدین کیا کرتے تھے۔ عون المعبود میں ہے:

وَأَمَّا رَفْعُ الْیَدَیْنِ فِیْ تَکْبِیْرَاتِ الْعِیْدَیْنِ فَلَمْ یَثْبُتْ فِیْ حَدِیْثٍ صَحِیْحٍ مَّرْفُوْعٍ . ●

تاہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تبع سنت ہونے کے باوصف زوائد تکبیروں میں رفع یدین کیا کرتے تھے۔ ●

خطبہ نماز عید کے بعد:

نماز عید ادا کرنے کے بعد خطبہ پڑھنا چاہیے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ أَبُوْبَکْرٍ وَّ عُمَرُ یُصَلُّوْنَ الْعِیْدَیْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ۔ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ إِلاَّ أَبَا دَاوُدَ . ●

''آنحضرت ﷺ، سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما خطبہ سے پہلے نماز عید ادا فرمایا کرتے تھے۔''

● نیل الأوطار: ص ۳۳۹ ج ۳.
● موطا إمام محمد: ص ۱٤۱.
● عون المعبود: ج ۱ ص ٤٤۸.
● زاد المعاد ص ۱۲۱ ج ۱.
● نیل الأوطار: ص ۳۳۳ ج ۳.

خطبہ:

امام مالکؒ فرماتے ہیں:

لَا يَنْصَرِفُ حَتَّى يَنْصَرِفَ الْإِمَامُ . ❶

''خطبہ سنے بغیر نہ جانا چاہیے۔''

مدونہ وغیرہ کتب میں ہے کہ آپ ﷺ خطبہ عید میں تقویٰ، خشیت الٰہی اور طاعت الٰہی پر زور دیتے اور امر بالمعروف، نہی عن المنکر کا وعظ فرماتے، جہاد وغیرہ کے لئے چندہ کی اپیل بھی کرتے۔

راستہ بدل کر آنا چاہیے:

بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد اور دوسری کتب حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نماز عیدین ادا کر کے راستہ بدل کر تشریف لاتے۔

تکبیرات عیدین

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ عیدین تکبیریں بارہ سنت ہیں یا چھ، قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ دے کر مشکور فرمائیں؟ (سائل: محمد حیات بھلے اندرون تحصیل فیروز والا ضلع شیخوپورہ)

جواب: الجواب بعون الوهاب و منه الصدق والصواب: صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ عیدین کی نماز میں بارہ تکبیریں ہی سنت ہیں۔ چھ تکبیروں کو سنت قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ احادیث صحیحہ حسنہ میں یہی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ۱۲ تکبیریں کہتے تھے، پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں۔ احادیث صحیحہ حسنہ پیش خدمت ہیں:

۱۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُكَبِّرُ فِي الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى فِي الْأُوْلٰى سَبْعَ تَكْبِيْرَاتٍ وَفِي الثَّانِيَةِ خَمْسًا . ❷

''ام المومنین عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیر کہتے تھے۔ دوسری سند یہ ہے:

حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ أَنَا ابْنُ وَهْبٍ (عَبْدُاللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ) أَخْبَرَنِي ابْنُ الْهَيَّةَ عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيْدَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ بِإِسْنَادِهِ وَ مَعْنَاهُ . ❸

قَالَ الشَّيْخُ نَاصِرُ الْأَلْبَانِيْ صَحِيْحٌ أَخْرَجَهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَ الْفِرْيَابِيُّ فِيْ أَحْكَامِ الْعِيْدَيْنِ (۱/۱۳۴) وَالْحَاكِمُ (۱/ ۲۹۸) وَالْبَيْهَقِيُّ (۳/ ۲۸۶) عَنِ ابْنِ لَهِيْعَةَ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ .

---

❶ موطا إمام مالك: ص ١٦٩.

❷ سنن أبي داؤد مع شرح عون المعبود: باب التكبير في العيدين ج ١ ص ٤٤٦.

❸ عون المعبود: ج١ ص ٤٤٦.

قُلْتُ لٰكِنِ الْأَرْجَحُ عِنْدِيْ رِوَايَةٌ عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيْدَ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ لِأَنَّهَا رِوَايَةُ ابْنِ وَهْبٍ وَهِيَ صَحِيْحَةٌ قَالَ عَبْدُالْغَنِيِّ بْنُ سَعِيْدٍ الْاَزْدِيُّ إِذَا رَوَى الْعِبَادِلَةُ عَنِ ابْنِ الْهَيْعَةِ فَهُوَ صَحِيْحٌ۔ اِبْنُ الْمُبَارَكِ وَ ابْنُ وَهْبٍ وَالْمُقْرِئُ وَذَكَرَ السَّاجِيُّ وَغَيْرُهُ مِثْلَهُ وَقَدْ اَشَارَ اِلٰى مَا رَجَّحْنَاهُ الْبَيْهَقِيُّ حَيْثُ قَالَ عَقِبَ هٰذِهِ الرِّوَايَةِ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى الذُّهْلِيُّ هٰذَا هُوَ الْمَحْفُوْظُ لِاَنَّ ابْنَ وَهْبٍ قَدِيْمُ إِسْمَاعٍ مِّنَ ابْنِ لَهِيْعَةَ ۔ ❶

اس طویل بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ بن وہب اَخْبَرَنِی ابن لَهِيْعَة والی حدیث بالکل صحیح اور محفوظ ہے اور قابل حجت ہے۔

۱۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَلتَّكْبِيْرُ فِي الْفِطْرِ سَبْعٌ فِي الْأُوْلٰى وَ خَمْسٌ فِي الْاٰخِرَةِ الْقِرَاْةُ بَعْدَ هُمَا كِلْتَيْهِمَا ۔ ❷

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عیدالفطر کی پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں اور قراءت دونوں رکعتوں میں تکبیروں کے بعد ہوگی۔''

حضرت امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری، امام ترمذی اور حافظ عراقی کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔

وَقَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ فِي التَّلْخِيْصِ رَوٰى أَحْمَدُ وَ أَبُوْدَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ مِنْ حَدِيْثِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ وَصَحَّحَهُ اَحْمَدُ وَعَلِيٌّ وَالْبُخَارِيُّ تلخیص الحبیر ج۲ص۸۴ أَحْمَدُ وَ أَبُوْدَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ ۔

اور امام دارقطنی نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کو امام احمد و امام علی بن مدینی و امام بخاری نے صحیح کہا ہے۔ مزید تفصیل نیل الاوطار (ج ۳ ص ۳۳۸و۳۳۹) میں ملاحظہ فرمائیں اور تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں ہے:

أَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ حَدِيْثَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَصَحُّ شَيْءٍ فِيْ هٰذَا لْبَابِ (ج ۱ ص ۳۷۶)

۲۔ عَنْ كَثِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ اَيْ عَنْ جَدِّ كَثِيْرٍ وَهُوَ عَمْرُو بْنُ عَوْفٍ الْمُزَنِيُّ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ صَحَابِيٌّ شَهِدَ بَدْرًا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَبَّرَ فِي الْعِيْدَيْنِ فِي الْأُوْلٰى سَبْعاً قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَ فِي الْاٰخِرَةِ خَمْساً قَبْلَ الْقِرَاءَةِ۔ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَ ابْنِ عُمَرَ وَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ اَبُوْ عِيْسٰى حَدِيْثُ جَدِّ كَثِيْرٍ حَدِيْثٌ حَسَنٌ وَّهُوَ أَحْسَنُ شَيْءٍ رُوِيَ فِيْ هٰذَا الْبَابِ، (تحفۃ الأحوذی ج۱ص۳۷۶) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ إِنَّمَا يَتْبَعُ فِيْ ذٰلِكَ الْبُخَارِيَّ فَقَدْ قَالَ فِيْ كِتَابِ الْعِلَلِ الْمُفْرَدَةِ سَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمٰعِيْلَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ فَقَالَ لَيْسَ فِيْ

---

❶ ارواء الغليل ج ۳ ص ۱۰۸

❷ عون المعبود شرح أبي داؤد ج۱ ص۴۴٦۔ و نيل الأوطار ج۳ ص۲۹۷۔ قال العراقى اسناده صالح ونقل الترمذى فى العلل المفردة عن البخارى انه قال انه حديث صحيح. نيل الأوطار ج۳، باب عدد التكبيرات ص ۳۳۸.

هٰذَا الْبَابِ شَيْئٌ أَصَحُّ مِنْهُ وَبِهِ أَقُولُ ۔ ❶

''حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں قبل القرات کہیں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قراءت سے پہلے کہیں۔''

امام بخاری ارقام فرماتے ہیں کہ عیدین کی تکبیروں کی تعداد کے بارے میں میرے نزدیک یہ حدیث سب سے اچھی ہے اور میں اس کا قائل ہوں کہ تکبیرات کہی جائیں۔

حافظ عراقی ارقام فرماتے ہیں:

وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَالْأَئِمَّةِ قَالَ وَهُوَ مَرْوِيٌّ عَنْ عُمَرَ وَعَلِيٍّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَبِي سَعِيدٍ وَّجَابِرٍ وَّابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَّأَبِي أَيُّوبَ وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَّعَائِشَةَ وَهُوَ قَوْلُ الْفُقَهَاءِ الْأَرْبَعَةِ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ وَعُمَرَ بْنِ عَبْدِالْعَزِيزِ وَالزُّهْرِيِّ وَمَكْحُولٍ وَبِهِ يَقُولُ مَالِكٌ وَّالْأَوْزَاعِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحَاقَ ۔ ❷

صحابہ تابعین اور ائمہ اسلام کی اکثریت ۱۲ تکبیریں کی قائل ہے۔حضرت عمر، حضرت ابوبکر، حضرت ابو ہریرہ، ابوسعید، جابر، ابن عمر، ابن عباس، ابوایوب، زید بن ثابت، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم مدینہ کے ساتوں فقہاء، امام قاسم اور امام سالم وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔خلیفہ عمر بن عبدالعزیز، امام زہری، امام مکحول، امام مالک، امام اوزاعی، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

الشیخ السید محمد سابق مصری ارقام فرماتے ہیں:

وَهٰذَا الْقَوْلُ هُوَ أَرْجَحُ الْأَقْوَالِ وَإِلَيْهِ ذَهَبَ أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَالْأَئِمَّةِ ۔ ❸

''عیدین کی تکبیروں کے متعلق ۱۲ تکبیروں والا قول ہی ارجح، یعنی زیادہ صحیح ہے۔اکثر اہل علم صحابہ، تابعین اور ائمہ کرام کا یہی مذہب اور قول ہے۔

حافظ الدنیا ابن عبدالبر تصریح فرماتے ہیں:

رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ طُرُقٍ حِسَانٍ أَنَّهُ كَبَّرَ فِي الْعِيدَيْنِ سَبْعاً فِي الْأُولٰى وَخَمْساً فِي الثَّانِيَةِ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَّابْنِ عُمَرَ وَجَابِرٍ وَّعَائِشَةَ وَأَبِي وَاقِدٍ وَّعَمْرِو بْنِ عَوْنٍ الْمُزَنِيِّ وَلَمْ يُرْوَى عَنْهُ مِنْ وَّجْهٍ قَوِيٍّ وَّلَا ضَعِيفٍ خِلَافُ هٰذَا وَهُوَ أَوَّلُ مَا عُمِلَ بِهِ ۔ ❹

---

❶ تحفة الأحوذی شرح ترمذی: ج ۱ ص ۳۷۶۔

❷ نیل الأوطار: ج ۳ ص ۳۳۹ و تحفة الأحوذی: ج ۲ ص ۳۷۶ ۔ وكان أبوبكر و عمر يفعلان ذلك (تحفة الأحوذی: ج ۱ ص ۳۷۶) وشرح السنة ج ۲ ص ۶۰۶۔ ❸ فقه السنة: ج ۱ ص ۲۷۰۔ ❹ فقه السنة: ج ۱ ص ۲۷۰۔

"نبی کریم ﷺ سے حسن درجے کی متعدد احادیث سے مروی ہے کہ آپ عیدین کی پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہتے تھے، جیسا کہ عبداللہ بن عمرو، عبداللہ بن عمر، جابر، عائشہ، ابو واقد لیثی اور عمرو بن عوف مزنی ﷺ کی احادیث میں یہ تعداد منقول ہے۔ نبی کریم ﷺ سے کسی قوی یا ضعیف حدیث سے اس تعداد کے خلاف کوئی اور تعداد مروی نہیں۔"

حافظ عبدالرحمان محدث مبارکپوری تصریح فرماتے ہیں کہ عیدین کی نماز میں چھ تکبیروں کے سنت ہونے کے ثبوت میں رسول اللہ ﷺ سے ایک بھی صحیح مرفوع حدیث موجود اور منقول نہیں، ہاں، صحابہ سے اس بارے میں مختلف اقوال ضرور مروی ہیں۔ اور صحیح حدیث رسول ہوتے ہوئے کسی صحابی یا امام کا قول شرعاً حجت اور دلیل نہیں بن سکتا ہمیں صرف رسول اللہ ﷺ کی پیروی کا حکم ہے۔

خلاصہ بحث یہ کہ عیدین کی نمازوں میں بارہ تکبیریں ہی سنت ہیں، جیسا کہ مذکورہ احادیث مرفوعہ صحیحہ اور حسنہ سے ثابت ہے اور احناف گو اگرچہ چھ تکبیروں کے قائل ہیں، مگر ان کے پاس ایک بھی مرفوع حدیث صحیح موجود نہیں۔ ھذا ما عندی اللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

عیدین کی ۱۲ تکبیروں کا ثبوت کون سی کتاب میں ہے؟

سوال نمبر۱: عیدین کی بارہ تکبیروں کا ثبوت کون سی کتاب میں ہے؟

جواب: الجواب بعون الوھاب:

۱۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِيْ عِيْدٍ ثِنْتَيْ عَشَرَةَ تَكْبِيرَةً سَبْعاً فِي الْأُوْلٰى وَ خَمْساً فِي الْاٰخِرَةِ وَلَمْ يُصَلِّ قَبْلَهَا وَلَا بَعْدَهَا. ❶

"رسول اللہ ﷺ نے عید کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہیں، پھر دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہیں۔"

۲۔ عَنْ كَثِيرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي الْعِيْدَيْنِ فِي الْأُوْلٰى سَبْعاً قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَ فِي الْاٰخِرَةِ خَمْساً قَبْلَ الْقِرَاءَةِ.

وَ فِي الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَ ابْنِ عُمَرَ وَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَ قَالَ أَبُوْ عِيْسٰى حَدِيْثُ جَدِّ كَثِيْرٍ حَدِيْثٌ حَسَنٌ وَّهُوَ أَحْسَنُ شَيْءٍ رُوِيَ فِيْ هٰذَا فِي الْبَابِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. ❷

"کثیر بن عبداللہ اپنے والد کے ذریعہ اپنے دادا عمرو بن عوف ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

❶ رواہ أحمد كذا في نيل الأوطار و ابن ماجه سندھی: ج۱ باب ماجاء كم يكبر الإمام في صلاة العيدين ص ۳۸۷.

❷ جامع الترمذی مع تحفة الأحوذی: ج۱ ص۳۷٦، و التعليق المغني على الدارقطني: ج۲ وشرح السنة ج ۲ ص٦٠٥.

عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔“

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ عید کی نماز کی تکبیروں کے بارے میں دوسری تمام حدیثوں سے زیادہ صحیح ہے، یعنی اس مسئلہ کے بارے میں دوسری حدیثوں کی بہ نسبت اس حدیث میں ضعف بہت کم درجے کا ہے۔ ❶

امام ترمذی فرماتے ہیں:

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَ غَيْرِ هِمْ وَهٰكَذَا رُوِيَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّهُ صَلّٰى بِالْمَدِيْنَةِ نَحْوَ هٰذَا الصَّلٰوةِ وَهُوَ قَوْلُ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَبِهِ يَقُوْلُ مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ وَّالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحَاقَ۔ (جامع الترمذی مع تحفة الاحوذی)

قَالَ الشَّيْخُ سَلَامُ اللّٰهِ فِي الْمُحَلّٰى وَهُوَ حُجَّةُ الشَّافِعِيِّ وَ أَحْمَدَ وَ مَالِكٍ وَرُوِيَ ذٰلِكَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّأَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ.

حافظ عبدالرحمٰن مبارکپوری فرماتے ہیں:

قُلْتُ وَقَدْ عَمِلَ بِهِ أَبُوْبَكْرٍ وَّ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا. ❷

خلاصہ یہ کہ امام شافعی، امام احمد اور امام مالک نے اپنے مسلک کی حمایت میں اسی حدیث کو دلیل ٹھہرایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، ابوسعید خدری، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم سے بھی یہی تعداد مروی ہے اور اسی پر عمل ہے۔

دوسرا مسلک حضرت عبداللہ بن مسعود سے ایک مرفوع حدیث کے مطابق نماز عید کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ اور تکبیر رکوع سمیت پانچ تکبیریں کہی جائیں پھر قرات کے بعد رکوع کیا جائے، پھر دوسری رکعت میں قراءت کے بعد رکوع سمیت چار تکبیریں کہی جائیں۔ (عون المعبود مع سنن ابی داؤد)

یہ طریقہ بعض دوسرے صحابہ سے بھی مروی ہے مگر کوئی مرفوع حدیث قابل اعتماد اس طریقہ کے اثبات میں موجود نہیں۔ مگر پہلا طریقہ بلحاظ سند دوسرے طریقہ سے بہتر ہے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا عمل اسی پہلے طریقہ پر رہا ہے۔ اور وجوہ ترجیح میں ایک وجہ یہ ہے کہ جس حدیث پر خلفائے راشدین کا عمل ہو تو وہ دوسری حدیث پر راجح ہوتی ہے، جیسا کہ امام محمد بن موسیٰ حازمی اپنی کتاب ”الاعتبار“ میں تصریح فرماتے ہیں:

الحادي وَ الثَّلَاثُوْنَ فِيْ تَرْجِيْحِ الْأَخْبَارِ أَنْ يَكُوْنَ إِحْدَ الْحَدِيْثَيْنِ قَدْ عَمِلَ بِهِ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُوْنَ دُوْنَ الثَّانِيْ فَيَكُوْنُ آكِدٌ وَّلِذٰلِكَ قَدَّمْنَا رِوَايَةَ مَنْ رَوٰى فِيْ تَكْبِيْرَاتِ الْعِيْدَيْنِ سَبْعاً، خَمْساً عَلٰى رِوَايَةِ مَنْ رَوٰى أَرْبَعاً كَأَرْبَعِ الْجَنَائِزِ لِأَنَّ الْأَوَّلَ قَدْ عَمِلَ بِهِ أَبُوْبَكْرٍ وَّ

---

❶ دارقطنی مع التعلیق المغنی ج ۲ ص ۴۸۔ ❷ تحفة الأحوذی: ج ۱ ص ۳۷۷۔

عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَيَكُوْنُ إِلَى الصِّحَّةِ أَقْرَبُ وَالْأَخْذُ بِهِ أَصْوَبُ . ❶

"ترجیح کی اکتیسویں وجہ یہ ہے کہ دو مخالف حدیثوں میں سے جس حدیث پر خلفائے راشدین نے عمل کیا ہو تو وہ حدیث اس حدیث پر راجح ہوگی جس پر خلفائے راشدین کا عمل ثابت نہ ہو۔ اس لئے ہم نے ۱۲ تکبیروں والی حدیث کو چار تکبیروں والی حدیث پر ترجیح دی ہے کیونکہ ۱۲ تکبیروں والی حدیث پر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا عمل ہے۔"

مزید تفصیل کے لئے نیل الاوطار کی طرف رجوع کیا جائے ج ۳ ص ۳۳۸ تا ۳۴۰۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب۔

فائدہ:

عید الاضحیٰ کا چاند نظر آ جانے پر تکبیروں کا آغاز ہو جاتا ہے، پھر جب امام نماز کے لئے نکلے تو تکبیریں ختم کر دینی چاہئیں۔ ❷

تنبیہ:

مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "رسول اکرم کی نماز" (ص ۱۲۲) پر کثیر بن عبداللہ بن کثیر لکھا گیا ہے، یعنی تصحیف ہوگئی۔ صحیح کثیر بن عبداللہ ہے۔ ملاحظہ ہو تحفۃ الاحوذی (ج ۱ ص ۳۷۷) وسنن دار قطنی (ج ۲ ص ۴۸) صحیح ابن خزیمہ [illegible] ج ۳ ص ۲۸۵

عیدین کی نماز ادا کرنے کے لیے جاتے ہوئے جو تکبیریں پڑھی جاتی ہیں

سوال: عیدین کی نماز ادا کرنے کے لئے جاتے ہوئے جو تکبیریں پڑھی جاتی ہیں وہ حدیث کی کون سی کتاب میں ذیل باحوالہ تحریر فرمائیں؟ (سائل: مولوی محمد شفیع مسکین مدرسہ دار السلام ملتان روڈ لاہور)

جواب: ان تکبیروں کے لئے ملاحظہ ہو سنن دار قطنی (ج ۲ ص ۵۰) اور الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ . (التعليق المغنی ج ۸ ص ۵۰)

عمل اس حدیث پر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ الفاظ بھی لکھے ہیں:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيرًا . (فتح الباری باب التکبیر ایام منیٰ ج ۲ ص ۵۸۷)

مگر زیادہ تر پہلے الفاظ مشہور اور متداول ہیں۔ واللّٰہ اعلم بالصواب

❶ کتاب الاعتبار: ص ۱۹۔

❷ کتاب الام للشافعی: ج ۲ ص ۲۰۵۔

نمازِ عید کی تکبیرات میں رفع الیدین کا ثبوت

سوال: کیا عیدین کی تکبیروں کے ساتھ رفع الیدین کرنا حدیث سے ثابت ہے؟

جواب: الجواب بعون الوهاب:

صلوٰۃ العید کی تکبیرات زوائد میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنا سنت ہے۔

دلیل نمبر۱: جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَرْفَعُهُمَا فِيْ كُلِّ تَكْبِيْرَةٍ يُكَبِّرُهَا قَبْلَ الرُّكُوْعِ حَتّٰى تَنْقَضِيَ صَلَاتُهُ. ❶

''رسول اللہ ﷺ رکوع سے پہلے ہر تکبیر پر اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے حتیٰ کہ آپ کی نماز ختم ہو جاتی۔''

شرح السنہ کے محقق نے اس حدیث کے بارے میں کہا کہ اس کی اسناد صحیح ہیں۔ بقیہ صحیح مسلم کا راوی ہے اور مختلف فیہ ہے۔ حافظ ذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) نے کہا:

وَثَّقَهُ الْجُمْهُوْرُ فِيْمَا سَمِعَهُ مِنَ الثِّقَاتِ وَقَالَ إِذَا قَالَ ثَنَاوَنَا فَهُوَ ثِقَةٌ۔

''بقیہ کو ثقہ قرار دیا ہے جب وہ ثقہ راویوں سے سماع کی تصریح کرے۔''

نسائی نے کہا جب وہ حدثنا واخبرنا کہے تو ثقہ ہے۔ ❷

بقیہ نے اپنے استاد الزبیدی سے سماع کی تصریح کر رکھی ہے۔ الزبیدی کا پورا نام محمد بن الولید ابن عامر ہے۔ ❸

الزبیدی صحیحین کا راوی ثقہ ثبت من کبار اصحاب الزهری تھا۔ ❹

بقیہ اگر سماع کی تصریح کرے تو ناصر الدین البانی بھی اسے صدوق وحسن الحدیث تسلیم کرتے ہیں۔ (دیکھئے: سلسلة الاحاديث الصحيحة ۱/۴۶۰، ۶۲۱، ۶۴۸، ۷۳۰، ۸۰۲)

بقیہ سے یہ روایت محمد بن المصفی الحمصی اور ابو عتبہ احمد بن الفرج نے بیان کی ہے۔

مُحَمَّدُ بْنُ الْمُصَفّٰى بْنِ بَهْلُوْلٍ صُدُوْقٌ لَهُ أَوْهَامٌ وَّكَانَ يُدَلِّسُ. ❺

''سچا تھا، اسے اوہام ہوئے ہیں اور وہ تدلیس کرتا تھا۔'' (یاد رہے کہ اس روایت میں اس نے سماع کی تصریح کی ہوئی ہے، لہٰذا تدلیس کا الزام مردود ہے)

احمد بن الفرج مختلف فیہ راوی ہے، بعض نے کذاب اور بعض نے ثقہ کہا۔ مگر ناصر الدین البانی نے اسے حافظے کی وجہ سے ضعف اور صدق میں غیر متہم قرار دیا اور کہا فَمِثْلُهُ يُسْتَشْهَدُ بِهِ وَلَا يُحْتَجُّ بِهِ یعنی اس کی روایت شواہد میں پیش کی جاتی ہے اور اس سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔ (سلسلة الصحيحة: ۲۳۶/۲) یہ روایت بھی بطور شاہد ہے کیونکہ وہ اس میں

---

❶ سنن أبي داؤد: ج۱ ص۱۶۴ رقم۷۲۲ والبغوي في شرح السنة: ج۳ ص ۲۲ وسنن دارقطني: ج۱ ص۲۸۸.

❷ الكاشف ۱/۱۰۶ رقم ۶۲۶. ❸ سنن الكبرىٰ للبيهقي: ۸۳/۲. ❹ تقريب التهذيب: ص ۳۲۲. ❺ تقريب: ص۳۱۹.

منفرد نہیں ہے بلکہ محمد بن المصفی نے اس کی متابعت کر رکھی ہے۔

دلیل نمبر۲: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت میں ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَفَعَهُمَا فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ وَّ تَكْبِيْرَةٍ كَبَّرَهَا قَبْلَ الرُّكُوْعِ حَتّٰى تَنْقَضِيَ صَلَاتُهٗ. ❶

''رسول اللہ ﷺ ہر رکعت میں اور رکوع سے پہلے ہر تکبیر کہنے پر رفع الیدین کرتے تھے حتی کہ آپ کی نماز ختم ہوجاتی۔''

ابن شہاب زہری نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔ اس کا شاگرد بھتیجا محمد بن عبداللہ ابن مسلم، ابن اخی الزہری صحاح ستہ کا راوی اور جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق ہے۔ حافظ ذہبی نے کہا الإمام العالم الثقة (سير أعلام النبلاء: ۱۹۷/۷) حافظ ابن حجر نے کہا کہ سچا تھا، اسے اوہام ہوئے ہیں۔ (تقریب) ایسے شخص کی روایت جب ثقہ راویوں کے خلاف نہ ہو تو حسن لذاتہ ہوتی ہے۔ درج بالا روایت اس کا قوی شاہد ہے، لہٰذا ابن اخی الزہری کی بیان کردہ حدیث صحیح لغیرہ (یعنی حجت) ہے۔ (اس سند کے باقی سارے راوی ثقہ ہیں)

ان دونوں حدیثوں کا صاف اور واضح مفہوم یہی ہے کہ رکوع سے پہلے جو تکبیر بھی کہی جائے (بشرطیکہ اس تکبیر کا ثبوت سنت سے ملتا ہو) ہر تکبیر میں رفع الیدین کرنا سنت ہے۔ چونکہ عیدین کی نماز میں رکوع سے پہلے تکبیرات زائدہ کا ثبوت حسن احادیث اور آثار صحابہ سے ملتا ہے۔ لہٰذا عید کی نماز میں رکوع سے پہلے ہر تکبیر زائدہ میں رفع الیدین کرنا چاہیے۔

ان حسن صحیح احادیث سے معلوم ہوا کہ علامہ ناصر الدین البانی کا یہ دعویٰ کہ عید کی تکبیرات زائدہ میں رفع الیدین کرنا سنت نہیں ہے کیونکہ یہ نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ غلط اور بلا دلیل ہے۔

علامہ ناصر الدین البانی نے ہماری پیش کردہ دلیل نمبر۲ کو سند صحیح علی شرط الشیخین تسلیم کر کے یہ تاویل کی ہے کہ اس حدیث کا سیاق فرض نماز ہے جس میں عید کی تکبیرات زائدہ کا ذکر نہیں ہے۔ (ارواء الغليل ۱۱۳/۳ رقم ٦٤٠) حالانکہ یہ تاویل انتہائی کمزور و فاسد ہے۔

۱: اکثر اصولیین کا قول ہے کہ اَلْعِبْرَةُ بِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوْصِ السَّبَبِ (فتح الباری بحواله توجيه القاری: ص ۸۱ للشيخ ثناء الله الزاهدی) یعنی اعتبار عمومی الفاظ کے ساتھ ہے نہ کہ خصوصی الفاظ کے ساتھ۔

۲: اس عموم کے خلاف کوئی دلیل بھی موجود نہیں ہے جب کوئی مخصص نہ ہو تو عموم پر عمل لازمی ہے (دیکھئے: توجيه القاری ص ۷۹)

۳: بیہقی اور ابن المنذر نے یہ حدیث عیدین کی تکبیرات کے سلسلہ میں بطور حجت پیش کی ہے۔ (تلخیص الحبیر ۸۶/۲) ان دو قابل اعتماد اماموں کے مقابلے میں البانی کی تاویل مردود ہے۔

❶ مسند أحمد: ۱۳٤/۲، منتقى ابن الجارود: ص ۱۷۸/٦۹، سنن دارقطنی: ۲۸۹/۱.

علامہ البانی نے جعفر بن محمد الفریابی کی احکام العیدین (ص ۸۳) سے مالک بن انس کا قول نقل کیا ہے کہ ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرو، مگر اس کے ثبوت مجھے کچھ بھی معلوم نہیں۔ ❶

اس قول کا مفہوم یہ ہے کہ رفع الیدین کرو میں نے اس کی حمایت میں سنا ہے۔ معاذ اللہ! اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ رفع الیدین کرو مگر اس کے ثبوت میں مجھے کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ اس تشریح سے مالک رحمہ اللہ پر الزام آتا ہے کہ ایک بے ثبوت بات پر عمل کرنے کا انہوں نے کیوں حکم دیا؟

اگر فرض کریں کہ اس کا وہی مفہوم ہے جس کی طرف البانی نے اشارہ کیا ہے تو یہ بھی کوئی دلیل نہیں ہے کہ جو بات مالکؒ کے علم میں نہ ہو وہ حجت نہیں ہوتی۔ خود احکام العیدین للفریابی (ص ۱۸۲) پر باسند صحیح محدث شام اوزاعی سے ان تمام تکبیرات کے ساتھ رفع الیدین کا حکم ثابت ہے بلکہ یہی قول عطاء تابعی کا ہے۔ ❷

اندرون شہر سڑک بند کر کے نماز عید پڑھنا جائز نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اندرون شہر سڑک بند کر کے اس پر نماز پڑھنا جائز ہے، کتاب وسنت کی روشنی میں ہم کو آگاہ فرمائیں؟ (سائل: حاجی ریاض عرف گوگا رحمان گلی نمبر ۳ لاہور شہر)

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب:

واضح ہو کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ اسلام کے شعائر (امتیازی نشانات) میں سے ہیں اور اسلام کے مظاہر میں سے دو اہم مظہر ہیں۔ جن سے ایمان اور تقویٰ کا پتہ چلتا ہے اور شوکت اسلام کا اظہار ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ ان دونوں کو کھلے میدان میں پڑھنا چاہیے۔ ہاں، اگر بارش کی وجہ سے مسجد میں پڑھ لی جائے تو بارش وغیرہ کی مجبوری کی وجہ سے جائز ہے۔ بغیر عذر شرعی کے نماز عیدین مسجد میں یا کسی بازار میں پڑھنے کا ثبوت رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں نہیں ملتا۔

۱۔ علامہ السید محمد سابق رحمہ اللہ مصری تصریح فرماتے ہیں:

صَلَاةُ الْعِيْدَيْنِ يَجُوْزُ أَنْ تُؤَدّٰى فِي الْمَسْجِدِ وَلٰكِنَّ أَدَاءَهَا فِي الْمُصَلَّى الْخَارِجِ أَفْضَلُ مَالَمْ يَكُنْ هُنَاكَ عُذْرٌ كَمَطَرٍ وَّغَيْرِهٖ ، لِأَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي الْعِيْدَيْنِ فِي الْمُصَلّٰى . ❸

''اگرچہ عیدین کی نماز مسجد میں جائز ہے مگر افضل یہ ہے کہ انہیں عیدگاہ میں ادا کیا جائے، یعنی شہر کے باہر کھلے میدان میں پڑھا جائے جب کہ بارش وغیرہ کا عذر شرعی نہ ہو۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ عیدین کی نماز عیدگاہ میں پڑھا کرتے تھے جو کہ مدینہ منورہ کے مشرقی دروازہ کے باہر واقع تھی۔''

---

❶ ارواء الغلیل ۱۱۳/۳ وقال رواه الفريابي (۲/۱۳۶) بسند صحيح عن الوليد.

❷ مصنف عبدالرزاق: ۲۹۷/۳ و اسناده صحيح. ❸ فقه السنة: ۲۶۸/۱.

۲۔ الشیخ ابوبکر الجزائری ارقام فرماتے ہیں:

عیدین کی نمازیں کھلے میدان میں پڑھی جائیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دونوں نمازیں کھلے میدان (عیدگاہ) میں پڑھتے تھے، جیسا کہ صحیح احادیث میں مروی ہے۔ (منهاج المسلم باب عیدین) ان صحیح احادیث میں سے بنظر اختصار دو احادیث حسب ذیل ہیں:

۱۔ عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحىٰ إِلىٰ مُصَلّٰى۔الحديث. ●

''رسول اللہ ﷺ نماز عیدالفطر اور نماز عیدالاضحیٰ پڑھنے کے لئے عیدگاہ کی طرف نکلا کرتے تھے۔''

۲۔ عَنْ جَابِرٍ ﷺ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا كَانَ يَوْمُ عِيدٍ خَالَفَ الطَّرِيقَ. ●

''حضرت نبی کریم ﷺ عیدگاہ سے واپس آتے ہوئے راستہ بدل کر واپس گھر تشریف لایا کرتے تھے۔''

خلاصہ:

گفتگو کا خلاصہ یہ کہ نماز عیدین شہر سے باہر عیدگاہ میں پڑھنی سنت ہے اور اسی سنت پر امت کا چودہ سو سالہ تعامل رہا ہے۔ لہٰذا سنت سے اعراض خسارے کا سودا ہے اور مَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا کے سراسر خلاف ہے اور بوقت عذر شرعی (بارش وغیرہ) مسجد میں بھی پڑھنی جائز ہے، تاہم راستہ میں پڑھنی جائز ہے اور نہ اس کا ثبوت ملتا ہے اور نہ کوئی اس کا قائل ہے۔

تعجب ہے کہ اہل حدیث ائمہ اور خطباء بجائے باہر نکلنے کے کونوں کھدروں میں گھسنے پر اکتفا کئے بیٹھے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی زمین بِمَا رَحُبَتْ کیوں تنگ نظر آ رہی ہے جب کہ دوسرے مکاتب فکر سرکاری پارکوں اور سیرگاہوں میں وسیع و عریض مساجد اور عیدگاہیں دھڑا دھڑ بناتے چلے جا رہے ہیں۔ لعل فيه الكفاية لمن له ادنى الدارية ۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب۔

نماز عید کی ادائیگی کے لیے خیمہ لگانا

سوال: کیا گرمی اور سورج کی دھوپ سے بچنے کے لئے عیدین کی نماز پڑھنے کے لیے خیمہ وغیرہ لگانا جائز ہے، کتاب و سنت کے مطابق جواب تحریر فرمائیں؟

جواب: آپ کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو عیدین کی نماز کے اوقات میں ذہول ہو گیا ہے، ورنہ آپ یہ سوال نہ اٹھاتے۔ لہٰذا پہلے نماز عیدین کا وقت لکھا جاتا ہے۔ چنانچہ واضح ہو کہ جب سورج طلوع ہو کر تقریباً دو میٹر زوال کی طرف مائل ہو جائے تو عیدالفطر کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے جیسے کہ احمد بن حسن البناء نے حضرت جندب بجلی ﷺ سے بیان کیا ہے کہ جب سورج طلوع ہو کر تقریباً دو نیزے (میٹر) افق میں چڑھ آتا تو رسول اللہ ﷺ ہم کو نماز عیدالفطر پڑھا دیتے اور نماز

● صحیح مسلم: ۳۸۷/۱، رواه البخاری و مسلم مشکوٰة: ۱۲۵/۱ باب صلوٰة العيدين. ● رواه البخاری، مشکوٰة: ۱۲۶/۱.

عیدالاضحیٰ اس وقت پڑھاتے جب سورج تقریباً ایک نیزہ (میٹر) بلند ہو جاتا۔ الفاظ یہ ہیں:

أَخْرَجَ أَحْمَدُ بْنُ حَسَنِ الْبَنَّاءُ مِنْ حَدِيثِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِنَا الْفِطْرَ وَالشَّمْسُ عَلَىٰ قِيدِ رُمْحَيْنِ وَالْأَضْحَىٰ عَلَىٰ قِيدِ رُمْحٍ. ❶

امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حافظ ابن حجر نے اس پر سکوت کیا ہے اور عیدین کے اوقات کی تعیین میں یہ حدیث میرے نزدیک بہ نسبت دوسری احادیث کے بہت اچھی ہے۔ اور بقول صاحب البحر اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ ولا اعرف فيه خلفا

أَوْرَدَهُ فِي التَّلْخِيصِ وَلَمْ يَتَكَلَّمْ عَلَيْهِ وَأَحْسَنُ مَاوَرَدَ مِنَ الْأَحَادِيثِ فِي تَعْيِينِ وَقْتِ صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ حَدِيثُ جُنْدُبٍ الْمُتَقَدِّمُ. ❷

علامہ سید سابق مصری نے بھی یہی لکھا ہے۔ (فقہ السنہ: ج ۱ص ۲۶۹) بتایئے اس قدر جلدی نماز عید پڑھتے کون سی گرمی کا سامنا کرنا ہوتا ہے کہ خیمہ اور ٹینٹ لگانے کی ضرورت پڑے۔ یاد رکھئے عیدین کی نماز میں مروجہ تاخیر سنت کے خلاف ہے، لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے۔ بالفرض تسلیم سوالاً جواباً عرض ہے کہ واقعی لوگ اس قدر آسائش کوش اور سہل انگار ہو چکے ہیں کہ وہ نکلتے سورج کی تمازت بھی برداشت نہیں کر سکتے تو ان کے لئے خیمہ اور ٹینٹ وغیرہ لگانا جائز ہے، جیسا کہ بوقت ضرورت (بارش یا سخت باد و برف باری کے وقت) مسجد کے اندر نماز عید پڑھنی جائز ہے جبکہ سنت یہ ہے کہ صحرا اور فنائے مصر میں نماز عید پڑھی جائے۔ نیز جیسے کہ عید گاہ میں درخت لگانے جائز ہیں، اس طرح بوقت ضرورت عید گاہ میں خیمے لگانے بھی جائز ہیں۔ منع کی کوئی دلیل نظر سے نہیں گزری۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حجامت کا مسئلہ

سوال: اگر کوئی شخص قبل نماز عیدالاضحیٰ صبح سورج نکلتے ہی ناخن کتروا لے یا حجامت بنوائے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: حجامت قربانی کے بعد مسنون ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾ (سورة البقرة)

یعنی قربانی حلال ہونے سے پہلے سر نہ مونڈو۔ دوسری جگہ قربانی کا ذکر کر کے فرمایا: ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ یعنی قربانی کے بعد میل کچیل اتاریں۔

مشکوۃ باب فی الاضحیۃ میں حدیث ہے کہ آپ نماز عید پڑھ کر فارغ ہوئے تو قربانیوں کا گوشت دیکھا جو نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ذبح کی گئی تھیں۔ فرمایا جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا وہ اس کی جگہ اور قربانی کرے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر حاجیوں سے تقدیم و تاخیر ہو جائے تو معاف نہیں ہاں معاملہ طاقت سے باہر ہو جائے تو بحکم لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا. معاف ہو سکتا ہے۔ (ایضاً فتاویٰ اہل حدیث)

---

❶ كتاب الأضاحي للحسن بن أحمد البناء بحوالة تلخيص الحبير (ص ۸۳) كتاب صلاة العيدين جلد ۲.

❷ نيل الأوطار ج ٤ ص ۳۳۳ باب وقت صلاة العيد ج ٤ ص ۳۳۳.

صلوٰۃ الخوف

نماز اور ہنگامی حالات

سوال: جماعت کھڑی ہو چکی ہے، ایسے وقت میں ایک شخص کنوئیں میں گر جاتا ہے یا کسی کے گھر کو آگ لگ جاتی ہے یا اس قسم کا کوئی اور سانحہ پیش آ جاتا ہے تو کیا نمازی نماز توڑ کر اس کی امداد کریں یا نماز شروع رکھیں؟

جواب: ایسی صورت حال میں نماز توڑ کر اس کی امداد کے لئے جانا جائز ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سواری کے بھاگ جانے کے خطرہ سے نماز توڑ دی تھی۔ (ملاحظہ ہو مشکوۃ فصل رابع، فتاویٰ اہل حدیث: ج ۲ ص ۱۹۲)

گاڑی پر سوار ہونے کے لیے نماز توڑنا

سوال: ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے، اسی حال میں گاڑی آ گئی جس پر اس نے سوار ہونا ہے، کیا وہ شخص نماز چھوڑ سکتا ہے اور وہ دوبارہ پوری نماز پڑھے گا یا جتنی باقی رہ گئی ہے اتنی ہی پڑھے گا؟

جواب: ہاں نماز چھوڑ سکتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اکیلا فرض پڑھ رہا ہو اور جماعت کے لئے اقامت ہو جائے تو فرض چھوڑ کر نماز میں شامل ہونے کا حکم۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اکیلے کی نماز سے جماعت کی نماز افضل ہے۔ ایسے ہی گاڑی آنے کے وقت جو نماز پڑھے گا وہ بے قراری اور بے چینی کی نماز ہوگی اور جو گاڑی پر سوار ہونے کے بعد پڑھے گا وہ تسلی اور اطمینان کی نماز ہوگی جو افراتفری کی نماز سے بہر حال افضل ہے۔ اس بنا پر نماز توڑ کر گاڑی پر سوار ہو کر تسلی اور اطمینان سے نماز پڑھے۔ پہلی نماز پر بنا کرنا ثابت نہیں، لہٰذا از سر نو پوری نماز پڑھے۔ محدث عبداللہ روپڑی رحمۃ اللہ علیہ روپڑی کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

ریل گاڑی میں نماز پڑھنا جائز

سوال: ریل گاڑی میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نا جائز؟

جواب: ریل گاڑی کی کوئی تخصیص نہیں، عام سواری جو اپنے قبضہ اور قدرت کی ہو نفل نماز پڑھنی جائز ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی پر حسب ضرورت پڑھ لیا کرتے تھے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔

اور جو سواری اپنے قبضہ وقدرت کی نہ ہو اس پر فرض اور نفل دونوں پڑھنے جائز اور درست ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے

فرمایا: وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ '' اللہ نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں ڈالی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اَلدِّيْنُ يُسْرٌ" کہ دین میں آسانی ہے۔ نیز فرمایا: "حَيْثُ أَدْرَكْتَ الصَّلٰوةَ فَصَلِّ۔"

امام شمس الحق الدیانوی کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ التعلیق المغنی میں درج ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہیں عَنِ ابْنِ عُمَرَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الصَّلٰوةِ فِي السَّفِيْنَةِ قَالَ صَلِّ قَائِمًا إِلَّا أَنْ تَخَافَ الْغَرَقَ۔ التعلیق المغنی ج ۱ ص ۳۹۵۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے کشتی میں نماز پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھو ہاں اگر غرق ہونے کا خوف ہو تو پھر بیٹھ کر پڑھ لو۔

حضرت جابر بن عبداللہ، ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے کشتی میں با جماعت کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ثابت ہے۔ سنن سعید بن منصور آخر میں فرماتے ہیں وَفِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى صِحَّةِ الصَّلٰوةِ عَلَى الْمَرْكَبِ يُقَالُ لَهٗ فِي الْهِنْدِيَّةِ "رِيْل" وَبِهٖ أَفْتٰى شَيْخُنَا الْمُحَدِّثُ الْأَبْجَلُ السيد نذير حسين الدهلوی۔ (التعلیق المغنی ج ۱ ص ۳۹۶)

کہ یہ حدیث ریل گاڑی میں نماز کے جواز کی دلیل ہے۔

سید نذیر حسین محدث رحمہ اللہ دہلوی کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ (ملاحظہ: فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۵۵۹ کتاب الصلوۃ ج ۱ عون المعبود)



صلوٰۃ الاستخارہ

استخارہ کا معنی اور مطلب

سوال : استخارہ کا معنی اور مطلب کیا ہے؟

جواب : الجواب بعون الوھاب :استخارہ کا ماخذ خیر اور بھلائی چاہنا ہے۔ جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہو جب کسی سے کوئی معاملہ یا معاہدہ کرنا ہو، کوئی نیا کاروبار شروع کرنا ہو، کسی مکان، دکان یا اراضی اور پلاٹ کا سودا کرنا ہو۔ نکاح کا پیغام بھیجنا ہو یا نکاح کے آئے پیغام کو قبول یا رد کرنا یا سفر پر جانا ہو یا ملازمت کے لئے درخواست دینا، ملازمت کا تبادلہ کرانا یا ملازمت سے استعفا دینا وغیرہ اور ذہن پریشان ہو کہ کیا کیا جائے اور کون سا پہلو اختیار کیا جائے تو ایسے نازک موڑ پر دل کو مطمئن اور یکسو کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے اور بھلائی چاہنے کا نام استخارہ ہے اور استخارہ سنت ہے۔

کیا استخارہ کی کوئی مسنون دعا ہے

سوال : کیا استخارہ کی کوئی مسنون دعا ہے جو نبی ﷺ نے اپنی امت کو سکھلائی ہو؟

جواب : دعائے استخارہ کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَ أَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ۔فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَيْرٌلِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَ عَاقِبَةِ أَمْرِیْ أَوْعَاجِلِ أَمْرِیْ وَآجِلِهِ وَاقْدُرْ لِیْ وَيَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِيْهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّلِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِیْ أَوْعَاجِلِ أَمْرِیْ وَآجِلِهِ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَ اقْدُرْ لِیَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ أَرْضِنِیْ بِهِ۔

"اے میرے اللہ! میں تیرے علم کے ذریعے تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں، تیری قدرت کے ذریعے تجھ سے تیرے فضل عظیم کا سوال کرتا ہوں، اس لئے کہ تو قدرت والا ہے جب کہ مجھے قدرت نہیں تو علم والا ہے مجھے علم نہیں تو غیب کی تمام باتوں کو خوب جانتا ہے۔ اے اللہ! اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے بہتر ہے میرے دین اور دنیا کے لحاظ سے تو میرے لئے اس کو مقدر فرما اور میرے لئے اس کو آسان کر دے، پھر میرے لئے اس کو بابرکت بنا

دے اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لئے برا ہے میرے دین اور میری معاش کی لحاظ سے اور انجام کے اعتبار سے تو اس کام کو مجھ سے دور فرما اور مجھے اس سے بچائے رکھ۔ اور میرے لئے بھلائی اور خیر مقدر فرما جہاں کہیں بھی ہو، پھر مجھے اس پر راضی اور مطمئن کر دے۔"❶

استخارہ کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے

سوال: استخارہ کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ (سائلہ: فوزیہ بنت ہدایت اللہ چوہدری پارک لاہور)

جواب: استخارے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی اہم کام درپیش ہو اور ذہن کسی ایک رخ پر یکسو اور مطمئن نہ ہو تو مکروہ اوقات سے ہٹ کر کسی مناسب وقت میں دو رکعت نماز نفل پڑھے، پھر یہ دعا پڑھے، خواہ سلام پھیرنے سے پہلے درود شریف کے بعد یا سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر یا ہاتھ اٹھائے بغیر۔ اگر سلام پھیر کر پڑھے تو پہلے درود شریف پڑھ لینا باعث برکت وقبولیت ہوگا۔ اور اِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ کی جگہ اس کام کا نام لے جس کے لئے استخارہ کر رہا ہو۔ اور جب تک درپیش کام کے کسی ایک پہلو پر ذہن مطمئن نہ ہو استخارہ شروع رکھے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بیت اللہ کی تعمیر نو کے لئے تین دن تک استخارہ کیا تھا۔

میرے ناقص علم کے مطابق کسی حدیث میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے راہنمائی کس طرح حاصل ہوئی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ استخارہ کے بعد سو جانا چاہیے تاکہ خواب میں پتہ چل جائے کہ یہ کام بہتر ہے یا نہیں۔ مگر یہ ان کی ذاتی رائے ہے حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ بیداری میں بھی دل کا رجحان اور میلان ہو سکتا ہے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اس کام سے دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے یا اس کام سے نفرت ہو جاتی ہے۔ ان دونوں کیفیتوں کو من جانب اللہ اور استخارہ کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔



❶ صحيح بخاري واصحاب السنن جمع الفوائد ج ١ ص ٣٢٣.

کتاب الجنائز

کیا ہر مسلمان نماز پنج گانہ اور نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے

﴿سوال﴾ : کیا ہر مسلمان پانچ وقت کی نماز اور نماز جنازہ وغیرہ پڑھا سکتا ہے؟

﴿جواب﴾ : ہر مسلمان نماز پنج گانہ اور نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ متدین اور نماز کے ضروری مسائل و احکام کا علم رکھتا ہو جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴾ (البقرة: ص ١٤٤)

"اللہ تعالیٰ نے ابراہیم سے کہا میں تجھے سب لوگوں کا امام بناؤں گا، وہ بولا میری اولاد میں سے بھی اللہ نے کہا ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچے گا۔"

نیز فرمایا:

﴿ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا ﴾

(الفرقان آیت ٧٤)

"وہ لوگ (مومن) جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو ہماری بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو متقین کا امام بنا۔"

ان دونوں آیات مقدسہ کے اطلاق اور عموم سے ثابت ہوا کہ ہر وہ شخص جو ظالم، یعنی شریعت کا نافرمان نہ ہو، یعنی شریعت کا پابند ہو اور نماز کے ضروری مسائل سے آگاہ ہو نماز پنج گانہ اور نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے۔ کیونکہ پہلی آیت میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ سوائے ظالم کے ہر ایک مسلمان امام صلوٰۃ بن سکتا ہے۔ اور دوسری آیت کے مطابق ہر مسلمان امام نماز وغیرہ کی دعا مانگ سکتا ہے جب دعا مانگ سکتا ہے تو امامت بھی کرا سکتا ہے۔ ایک حدیث ملاحظہ فرمایئے:

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَأُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ كَانُوْا فِی الْقِرَاءَةِ سَوَآءً فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَاِنْ كَانُوْا فِی السُّنَّةِ سَوَآءً فَاَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَاِنْ كَانُوْا فِی الْهِجْرَةِ سَوَآءً فَاَقْدَمُهُمْ اِسْلَامًا۔ الحدیث ●

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قوم کی امامت وہ شخص کرے جو قرآن زیادہ جانتا ہے۔ اگر قرآن میں برابر ہوا تو

● صحیح مسلم: ج ١ ص ٢٣٦ باب من أحق بالإمامة.

جو سنت کا علم زیادہ جانتا ہو۔ اگر سنت کے علم میں برابر ہوں تو جس نے پہلے ہجرت کی ہو، اگر ہجرت میں برابر ہوں تو جو اسلام پہلے لایا ہو۔"

اس حدیث صحیح پر غور فرمائیے۔ اس میں صرف مراتب و فضائل باعتبار علم وغیرہ تو بیان کئے گئے ہیں، مگر امامت کے فرائض ادا کرنے والے کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے کسی اتھارٹی سے سند امامت حاصل کرنے کی قطعاً کوئی شرط اور قید نہیں لگائی۔ لہٰذا اس حدیث صحیح کے مطابق ہر مسلمان بوقت ضرورت شرعاً نماز پڑھا سکتا ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: کتاب فقه السنة للشیخ محمد سابق مصری ج ۱ ص ۱۹۹ و شرح السنة ج۲ ص ۳۹۶)

وفات کی اطلاع دینے کی شرعی حیثیت

سوال: کسی شخصیت کے فوت ہو جانے پر جو مختلف مقامات پر تعزیتی اجلاس منعقد ہوتے ہیں جن میں مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے، شرعی طور پر اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: زمانہ خیر القرون میں تو ایسے تعزیتی اجلاسوں اور تعزیتی قراردادوں کا کوئی ثبوت میسر نہیں۔ اور نہ اس دور میں موجودہ مواصلاتی ذرائع ہی موجود تھے، اس لئے سیاسی اور خوشامدی بنیادوں سے ہٹ کر اگر تعزیتی اجلاس اور تعزیتی قرارداد پاس کر لی جائے تو اس میں بظاہر کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔ بشرطیکہ مرنے والے کی خوبیوں اور کارناموں کو مرچ نمک لگا کر پیش نہ کیا جائے۔ ورنہ نہی ممنوعہ کے ارتکاب کا خطرہ خارج از امکان نہ ہوگا۔ اور یہ اجلاس مہینوں سالوں تک جاری رکھنے کا کوئی جواز نہیں۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

قبرستان کی جگہ پر چکی لگانا

سوال: ایک آدمی نمازی اور باریش ہے اس نے تقریباً ایک مرلہ زمین قیمتاً خریدی اس کے ساتھ ہی قبرستان ہے جو کہ تقریباً ۳۰ سال قبل قبروں پر مٹی نہ ڈالنے اور بارشوں کی وجہ سے مٹی قبروں کی بہ جانے کی وجہ سے قبروں کا نام ونشان مٹ چکا ہے، مذکورہ آدمی نے ایک مرلہ جگہ خرید کر باقی تقریباً تین مرلہ جگہ جان بوجھ کر علم ہونے کے باوجود قبرستان کی جگہ ساتھ ملالی ہے اور بعد میں مذکورہ قبرستان کی جگہ پر عمارت بنا کر گندم پیسنے والی چکی اور دھان چھڑنے والی مشین نصب کر دی ہے۔

۲۔ مذکورہ آدمی نے اپنی رہائش کے لئے ۴ مرلے جگہ خرید کر اس کے ساتھ تقریباً ۴ مرلے قبرستان کی جگہ ملا کر رہائشی مکان بنایا ہوا ہے اور اس میں رہائش پذیر ہے۔

کیا اس شخص کا وہاں رہائش رکھنا اور کاروباری مشینری لگانا جائز ہے یا کہ نہیں، قرآن و حدیث کی رو سے جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں؟

جواب: الجواب بعون الوھاب: مسلمانوں کے قبرستان کی جگہ میں یا کسی مسلمان کی قبر پر بیٹھنا، یا اس پر رہائشی

مکان بنا لینا یا اس کو ذاتی استعمال میں لانا ہرگز جائز نہیں کہ اس میں مسلمان میت کی توہین ہوتی ہے جب کہ مسلمان کی قبر کی تکریم اور احترام شرعاً ضروری ہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے:

۱۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ. ❶

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر کی چونا گچ کرنے، اس پر مکان تعمیر کرنے اور اس پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے۔

۲۔ عَنْ اَبِیْ مَرْثَدٍ الْغَنَوِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا. ❷

حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قبروں پر مت بیٹھو اور نہ ان کی طرف نماز پڑھا کرو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کا آگ پر بیٹھنے سے اس کے کپڑے اور جسم کا جل جانا اس سے بہتر ہے کہ کوئی کسی قبر پر بیٹھ جائے

۳۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ يَّجْلِسَ اَحَدُكُمْ عَلٰى جَمْرَةٍ فَتُحْرِقُ ثِيَابَهٗ فَتَخْلُصَ اِلٰى جِلْدِهٖ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّجْلِسَ عَلٰى قَبْرٍ. ❸

۴۔ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ اَنْ تُجَصَّصَ الْقُبُوْرُ وَاَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْهَا وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهَا وَاَنْ تُوْطَاءَ وَقَالَ اَبُوْ عِيْسٰى هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ بَابُ مَاجَاءَ فِیْ كَرَاهِيَةِ الْوَطْيِ عَلَى الْقُبُوْرِ وَالْجُلُوْسِ عَلَيْهَا. ❹

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو پختہ بنانے ان پر کتبے لگانے، ان پر رہائش اور عبادت کے لئے مکان اور مقبرہ تعمیر کرنے اور ان کو روندنے سے منع فرمایا ہے۔ ان چاروں احادیث صحیحہ مرفوعہ صریحہ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی قبروں پر مکان تعمیر کرنا یا ان پر خیمہ نصب کرنا۔ ان کو قبلہ بنانا، ان پر بیٹھنا اور ان کو روندنا ہرگز جائز نہیں۔ لہٰذا مذکورہ آدمی کو اپنی غلطی واپس لے کر توبہ کر لینی چاہیے ورنہ وہ شرعاً مستوجب تعزیر ہے کہ مرتکب گناہ کبیرہ ہے۔ هذا عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب.



❶ رواه مسلم ج ۱ ص ۳۱۲ و مشكوة باب دفن الميت ص ۱٤۷. ❷ صحيح مسلم ج ۱ ص ۳۱۲.
❸ صحيح مسلم فصل النهي عن الجلوس على القبور ج ۱ ص ۳۱۲. ❹ تحفة الاحوذی ج ۲ ص ۱۵٤.

کتاب الزکوٰۃ

لوہے کے پاؤں والے اونٹوں کی بات درست نہیں

سوال: جامع مسجد مبارک اہل حدیث نصیر آباد شالا مار ٹاؤن لاہور کا یہ واقعہ ہے کہ مولوی احمد صاحب خطبہ دے رہے تھے' وہ زکوٰۃ کا مسئلہ بیان کر رہے تھے کہ جو شخص زکوٰۃ نہیں دیتا' خواہ اس کے پاس اونٹ ہوں یا بکریاں' تو قیامت کے روز ان اونٹوں یا ان بکریوں کے پاؤں کو لوہے کے بنا کر زکوٰۃ نہ دینے والے آدمی کو لٹا کر ان اونٹوں یا بکریوں کو حکم دیا جائے گا کہ ان آدمیوں کو کچلو۔ کیا یہ مسئلہ درست ہے، قرآن وحدیث سے اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں؟

جواب: الجواب بعون الوھاب: واضح ہو کہ اس مضمون کی ایک مرفوع حدیث صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں یہ تو آتا ہے کہ جس سونے اور چاندی کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہوگی تو اس سونے اور چاندی کے ڈھیلوں اور ٹکڑوں کو گرم کر کے اس سونے اور چاندی کے مالک کے پہلو' پیشانی اور کمر کو داغا جائے گا اور قرآن میں بھی یہ سزا سورۃ توبہ کی ۳۴ آیت میں واضح طور سے مذکور ہے۔ جہاں تک اونٹوں اور بکریوں کے پاؤں لوہے کے بنا کر زکوٰۃ نہ دینے والے کو کچلنے کی بات ہے تو یہ غلط ہے۔ اس آدمی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے صرف اتنا فرمایا ہے کہ یہ اونٹ اور بکریاں زکوٰۃ نہ دینے والوں کو اپنے پاؤں سے لتاڑیں گی اور مونہوں سے بھنبھوڑیں گی' ان مویشیوں کے پاؤں کو لوہے کا بنایا جانا میرے ناقص علم کی حد تک صحیح بخاری میں موجود نہیں۔ اس مولوی صاحب کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ اس طرح کی الم غلم باتیں کرنے کے بجائے صرف قرآن وحدیث کے مضامین اور احکام بیان کرنے پر اکتفا فرمایا کریں۔ جھوٹے سچے قصے اور بے سروپا کہانیاں اور حکایتیں بیان کرنے سے گریز فرمائیں۔ کیونکہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں ترغیب وترہیب پر مشتمل آیات اور احادیث بکثرت موجود ہیں اور وعظ ونصیحت کے لئے کافی اور بڑی موثر ہیں، فرضی قصے کہانیاں بیان کرنے والے خطیبوں اور واعظین کے لئے احادیث رسول ﷺ میں سخت وعید وارد ہے۔ لعل فیه کفایة لمن له ادنیٰ درایته ۔ والهادی هو الله الاحد وبیده التوفیق۔

مصارف زکوٰۃ میں امام مسجد شامل نہیں

سوال: زیر تعمیر جامع مسجد شہدائے اہل حدیث منڈی بہاؤ الدین میں مقامی بچوں کا مدرسہ ہے۔ قاری صاحب امامت کے ساتھ ساتھ بچوں کو تعلیم القرآن کا فریضہ بھی سرانجام دیتے ہیں۔ مسجد کے قرب وجوار میں زیادہ تر حنفیوں کے گھر ہیں،

جماعت قلیل ہے اور ہر ماہ مستقل طور پر تنخواہ ادا کرنا بہت مشکل ہے۔تو اس صورت میں قربانی کی کھالوں یا زکوٰۃ فنڈ میں سے قاری صاحب کی تنخواہ ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں؟

(سائل: رانا عبدالغفار منڈی بہاؤالدین ضلع گجرات۔ بذریعہ مولوی عبدالرحمان میر راجو والوی موڑ سمن آباد لاہور)

جواب: الجواب بعون الوھاب: عامۃ المفسرین کے نزدیک تعمیر مسجد وغیرہ فی سبیل اللہ میں داخل نہیں۔مگر امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَاعْلَمْ اَنَّ ظَاهِرَ اللَّفْظِ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى (فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ) لَايُوْجِبُ الْقَصْرَ عَلٰى كُلِّ الْغَزَاةِ فَلِهٰذَا الْمَعْنٰى نَقَلَ الْقِفَالُ فِيْ تَفْسِيْرَةٍ عَنْ بَعْضِ الْفُقَهَاءِ اَنَّهُمْ اَجَازُوْا صَرْفَ الصَّدَقَاتِ اِلٰى جَمِيْعِ وُجُوْهِ الْخَيْرِ مِنْ تَكْفِيْنِ الْمَوْتٰى وَ بِنَاءِ الْحُصُوْنِ وَ عِمَارَةِ الْمَسَاجِدِ لِاَنَّ قَوْلَهٗ (فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ) عَامٌّ فِي الْكُلِّ. انتهى عبارة الفخر.

وَقَالَ اَنَسٌ وَّ الْحَسَنُ مَا اُعْطِيَتْ فِي الْجُسُوْرِ وَالطُّرُقِ فَهِيَ صَدَقَةٌ مَّاضِيَةٌ. اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ زکوٰۃ مسجد کی تعمیر اور اس کی مصلحت پر خرچ کی جاسکتی ہے۔بعض فقہاء اس کے جواز کے قائل ہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ صاحب کتاب الارض المنیر اور صاحب کتاب الرشد فی احکام الزکوٰۃ بھی ان فقہاء کی تائید کرتے ہیں کہ وہ وجوہ خیر جن میں تملیک نہیں پائی جاتی ان پر زکوٰۃ صرف کرنا جائز ہے۔مگر صورت مسئولہ اس سے مختلف ہے کیونکہ پیش امام کو جو زکوٰۃ اور قربانی کی کھالیں دی جائیں گی وہ بطور تنخواہ اور امامت کے عوض ہوں گی اور یہ صورت شبہ سے خالی نہیں کیونکہ زکوٰۃ دہندگان اپنی زکوٰۃ اپنے پیش امام پر خرچ کر کے گویا اپنے اوپر خرچ کر رہے ہیں۔اور تعلیم بھی اپنے بچوں کو دلا رہے ہیں۔گویا اپنی زکوٰۃ اپنے ہی بچوں پر صرف کر رہے ہیں جو کہ جائز نہیں،لہٰذا امام کی تنخواہ مال زکوٰۃ اور قربانی کی کھالوں کے علاوہ اپنے اصل مال سے ادا کریں کیونکہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں اللہ کا حق ہے جیسا کہ حدیث میں ہے فی المال حق سوی الزکوٰۃ کہ فرض زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال میں اللہ کا حق ہے۔

لہٰذا احتیاط اس میں ہے کہ مال زکوٰۃ اور قربانی کی کھالوں سے امام کی تنخواہ ادا کرنے سے گریز کیا جائے۔ ھذا ما عندي واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

سونے کا نصاب

سوال: سونے کے زیورات کی زکوٰۃ کے بارے میں اس سے پہلے علماء سے یہ سنتے آئے ہیں کہ ساڑھے سات تولہ سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔اب بعض علماء سے سنا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نقدی میں صرف چاندی کی مقدار مقرر کی ہے جو ساڑھے باون تولہ ہے اور ساڑھے سات تولے سونے کی مقدار آنحضرت ﷺ نے مقرر نہیں کی،اس لئے اگر کسی کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر سونا ہو تو وہ زکوٰۃ ادا کرے،خواہ ایک تولہ ہی کیوں نہ ہو۔

اس لئے گزارش ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح فرمائیں کہ کون سی بات درست ہے' کتنا سونا ہو تو زکوۃ ادا کرنی پڑتی ہے؟ (ایک سائلہ سرفراز کالونی گوجرانوالہ)

جواب: الجواب بعون الوهاب و منه الصدق والصواب: واضح ہو کہ صحیح یہ ہے کہ سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے اور یہ نصاب حسن درجہ کی متعدد احادیث سے ثابت ہے، چند ایک احادیث ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ اِذَا كَانَتْ لَكَ مِائَتَا دِرْهَمٍ وَّحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمٍ وَّلَيْسَ عَلَيْكَ شَيْءٌ يَعْنِيْ فِي الذَّهَبِ حَتّٰى يَكُوْنَ عِشْرُوْنَ دِيْنَاراً فَاِذَا كَانَتْ لَكَ عِشْرُوْنَ دِيْنَاراً وَّحَالَ عَلَيْهَا الْحَوْلُ فَفِيهَا نِصْفُ دِيْنَارٍ ۔ ❶

وَقَالَ السَّيِّدُ مُحَمَّدُ سَابِقُ الْمِصْرِيُّ، رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ الْبَيْهَقِيُّ وَصَحَّحَهُ الْبُخَارِيُّ وَ حَسَّنَهُ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرِ الْعَسْقَلَانِيُّ ۔ ❷

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تیرے پاس دوسو درہم چاندی ہو اور اس پر سال گزر جائے تو اس میں پانچ درہم زکوۃ ہے اور آپ پر زکوۃ لازم واجب نہیں ہوتی جب تک آپ کے پاس بیس دینار سونا نہ ہو اور اس سونا کو پڑے ہوئے ایک سال نہ گزر جائے' سال گزرنے کے بعد اس میں نصف دینار زکوۃ ہے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

وَفِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ نِصَابَ الذَّهَبِ عِشْرُوْنَ دِيْنَاراً وَّاِلٰى ذٰلِكَ ذَهَبَ الْاَكْثَرُ وَرُوِيَ عَنِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ اَنَّ نِصَابَهُ اَرْبَعُوْنَ وَرُوِيَ عَنْهُ مِثْلَ قَوْلِ الْاَكْثَرِ ۔ ❸

کہ یہ حدیث دلیل ہے کہ سونے کا نصاب بیس دینار ہے' اکثر علماء اس طرف گئے ہیں' حسن بصری کے نزدیک چالیس دینار ہے، مگر ان کے دوسرے قول کے مطابق وہ بھی اکثر علماء کے ساتھ ہیں۔

امام طاؤس رحمہ اللہ کے نزدیک جب سونا دوسو درہم چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو اس میں زکوۃ واجب ہو جاتی ہے، لیکن درج ذیل حدیث ان کی رائے کی تردید کرتی ہے۔

۲۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَّ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْخُذُ مِنْ كُلِّ عِشْرِيْنَ دِيْنَاراً نِصْفَ دِيْنَارٍ وَّمِنَ الْاَرْبَعِيْنَ دِيْنَاراً دِيْنَاراً ۔ ❹

وَقَالَ شَمْسُ الْحَقِّ الْمُحَدِّثُ وَ فِيْهِ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ بْنِ مُجَمِّعٍ قَالَ ابْنُ مَعِيْنٍ لَاشَيْءَ قَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ يُكْتَبُ حَدِيْثُهُ وَلَا يُحْتَجُّ بِهِ فَاِنَّهُ كَثِيْرُ الْوَهْمِ ۔ ❺

---

❶ رواه ابو داؤد' (نيل الاوطار' باب زكاة الذهب والفضة' ج: ۲ ص: ۱۵۶) ❷ فقه السنة: ج ۱ ص ۲۸۷.
❸ نيل الأوطار' ج:۳ ص:۱۵۷ ❹ سنن الدارقطني: ج ۲ ص ۹۲.
❺ التعليق المغني: ج ۲ ص ۹۲.

حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیس دینار سونا میں آدھا دینار اور چالیس دیناروں میں سے ایک دینار بطور زکوٰۃ وصول کرتے۔

۳۔ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ رضی اللہ عنہ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ اَمَرَ مُعَاذاً حِيْنَ بَعَثَهُ اِلَى الْيَمَنِ اَنْ تَاْخُذَ مِنْ كُلِّ اَرْبَعِيْنَ دِيْنَاراً. ❶

کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ چالیس دینار سونے میں ایک دینار سونا بطور زکوٰۃ وصول کرو۔

اس حدیث میں عبداللہ بن شعیب نامی راوی ضعیف ہے، مگر علامہ جمال الدین الحنفی الزیلعی نے اس کی توثیق نقل کی ہے۔ ❷

۴۔ ابن حزم رقم طراز ہیں:

قَالَ جُمْهُوْرُ النَّاسِ اِيْجَابُ الزَّكٰوةِ فِيْ عِشْرِيْنَ دِيْنَاراً اَلْاَقَلَّ. ❸

کہ جمہور علمائے امت کے نزدیک سونے کا نصاب بیس دینار، یعنی ۸۷ گرام اور ۴۷۹ ملی گرام ہے۔ جب کسی کے پاس ۸۷ گرام اور ۴۷۹ ملی گرام سونا سال بھر موجود ہے تو اس میں نصف دینار، یعنی ۲ گرام اور ۱۸۷ ملی گرام سونا بطور زکوٰۃ واجب ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ کہ مندرجہ بالا احادیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوا کہ سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے اور یہی صحیح مذہب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کیا صدقہ فطر واجب ہے

سوال: کیا صدقہ فطر واجب ہے یا سنت ہے اور اسے کب ادا کرنا چاہیے؟ (سائلہ اَمَۃُ اللّٰہ بنت محمد حسین فیصل آباد)

جواب: صدقہ فطر یا زکوٰۃ الفطر سے وہ صدقہ مراد ہے جو رمضان المبارک کے اختتام پر واجب ہے۔ اور یہ غلام و آزاد، مرد، عورت، چھوٹے اور بڑے ہر مسلمان فرد پر واجب ہے۔ السید محمد سابق المصری رقم فرماتے ہیں: وَهِيَ وَاجِبَةٌ عَلٰى كُلِّ فَرْدٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ صَغِيْرٍ اَوْ كَبِيْرٍ، ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى، حُرٍّ اَوْ عَبْدٍ (فقہ السنۃ ج:۱ ص:۳۴۸) اور اس کے وجوب کی دلیل یہ حدیث ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: زَكٰوةَ الْفِطْرِ صَاعاً مِّنْ تَمْرٍ اَوْصَاعاً مِّنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَمَرَ بِهَا بِاَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَى الصَّلٰوةِ. ❹

---

❶ سنن الدارقطني: ج ۲ ص ۲۹. ❷ نصب الراية: ج:۲ ص: ۳٦٤. ❸ المحلى لابن حزم: ج: ٦ ص: ٦٦ باب زكوٰة الذهب.

❹ صحيح بخاري باب فرض صدقة الفطر ورائي ابو العالية وعطاء و ابن سيرين صدقة الفطر فريضة.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فطر کا صدقہ کھجور کا ایک صاع یا جو کا ایک صاع فرض فرمایا' ہر غلام اور آزاد' مرد اور عورت اور چھوٹے اور بڑے کی طرف سے جو مسلمان ہوں اور عید الفطر کی نماز کے لئے نکلنے سے پہلے اس کے ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ امام ابو العالیہ' امام عطاء اور امام محمد بن سیرین کے نزدیک صدقۃ الفطر فرض ہے۔

ہر ایک جنس میں ایک صاع فرض ہے۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ قَالَ کُنَّا نُعْطِیْھَا فِیْ زَمَانِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَاعًا مِّنْ طَعَامٍ اَوْصَاعاً مِّنْ تَمْرٍ اَوْصَاعاً مِّنْ شَعِیْرٍ اَوْ صَاعاً مِّنْ زَبِیْبٍ فَلَمَّا جَاءَ مُعَاوِیَۃُ وَ جَآءَتِ السَّمْرَاءُ قَالَ اَرٰی مُدًّا مِّنْ ھٰذَا یَعْدِلُ مُدَّیْنِ ❶ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ایک صاع اناج (گیہوں) کا یا ایک صاع کھجور کا یا ایک صاع جو کا یا ایک صاع منقی کا ادا کیا کرتے تھے۔ جب معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں آئے اور گیہوں کی آمدنی ہوئی تو معاویہ کہنے لگے میں سمجھتا ہوں اس کا ایک مد دوسرے اناج کے دو مد کے برابر ہے۔

وَفِیْ رِوَایَتِہٖ فَاَخَذَ النَّاسُ بِذَالِکَ قَالَ اَبُوْ سَعِیْدٍ فَاَمَّا اَنَا فَلَا اَزَالُ اُخْرِجُہٗ اَبَدًا مَّاعِشْتُ: رَوَاہُ الْجَمَاعَۃُ قَالَ التِّرْمَذِیُّ وَالْعَمَلُ عَلٰی ھٰذَا عِنْدَ بَعْضِ اَھْلِ الْعِلْمِ یَرَوْنَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ صَاعاً وَّ ھُوَ قَوْلُ الشَّافِعِیِّ وَاِسْحَاقَ . ❷

کہ لوگوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کو اپنا لیا تو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو اپنی زندگی میں ہر ایک جنس میں سے ایک پورا صاع ادا کرتا رہوں گا۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض اہل علم ہر ایک جنس میں پورے ایک صاع کے ہی قائل ہیں۔ امام شافعی اور امام اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے۔

اور یہی قول حدیث صحیح کے مطابق اور اقرب الی الصواب اور مبنی بر احتیاط ہے، گندم کے نصف صاع کے جواز میں اگرچہ کچھ احادیث مروی ضرور ہیں۔ مگر ان کی اسناد چنداں مضبوط اور تسلی بخش نہیں ہیں۔

ملحوظہ

گندم چونکہ مدینہ منورہ کی اپنی پیداوار نہ تھی۔ بلکہ درآمد کی جاتی تھی، اس لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے گندم کی درآمد پر اٹھنے والے اخراجات کے پیش نظر اس کے نصف صاع کے کافی ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ مگر ہمارے دیار میں معاملہ اس کے برعکس ہے کہ گندم یہاں کی مقامی اور کثیر المقدار پیداوار ہے جو کہ پنیر' کھجور اور کشمش کے مقابلہ میں بہت ارزاں ہوتی ہے، اس لئے ہمارے دیار میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد اور فتویٰ کو بنیاد بنا کر صدقہ فطر گندم کا نصف صاع ادا کرنا سراسر غیر معقول بات ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس اجتہاد پر ہی عمل کرنا ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ کھجور' کشمش وغیرہ

❶ صحیح البخاری باب صاع من زبیب ج ۱ ص ۲۰۴۔ ❷ فقہ السنۃ ج ۱ ص ۳۴۹، تحفۃ الاحوذی ج۲ ص۲۷۔

درآمدی چیزوں کا نصف صاع ادا کرے۔مگر سلامتی صرف اتباع رسول ﷺ ہی میں ہے۔فافهم و لا تکن من القاصرین۔

صاع نبوی کی تحقیق

صاع نبوی یا صاع ابن ابی ذئب پانچ رطل اور ۱/۳ رطل کا تھا جو انگریزی اوزان کے اعتبار سے ۲ سیر ۱۰ چھٹانک اور ۴ ماشہ کے برابر بنتا ہے۔اب انگریزی نظام کی جگہ اعشاری نظام وزن جڑ پکڑ چکا ہے۔لہٰذا اب حضرت مفتی مولانا محمد صدیق سرگودھوی رحمہ اللہ اور دوسرے اہل علم کے مطابق ایک صاع اڑھائی کلوگرام کے برابر ہوتا ہے، اس لئے اب غلہ کی ہر ایک جنس میں سے فی کس اڑھائی کلوگرام صدقہ فطر ادا کرنا فرض اور ضروری ہے۔

رقم اور نقدی کی صورت میں:

اگر کوئی شخص گندم یا چاول کے بجائے رقم یا نقدی کی صورت میں صدقہ فطر ادا کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ گندم یا چاول کی جو نوع (قسم) خود کھاتا ہے وہ اس کی قیمت فی کلوگرام کے حساب سے اڑھائی کلوگرام کی قیمت ادا کرے۔ مثلاً: اگر آپ پانچ روپے فی کلوگرام والا آٹا کھاتے ہیں تو آپ کو ساڑھے بارہ روپے فی کس ادا کرنے ہوں گے۔اور اگر آپ ایک وقت چاول اور ایک وقت روٹی کھانے کا معمول رکھتے ہیں۔اور آپ آٹا پانچ روپے فی کلوگرام کھاتے ہیں۔اور چاول انیس روپے کلو ہوں تو اس حساب سے آپ کو تیس روپے فی کس از راہ احتیاط ادا کرنے ہوں گے۔اگر آپ ایک وقت چاول کھانے کے باوجود (صرف گندم یا) گندم کے آٹے کی قیمت صدقہ فطر میں ادا کردیں گے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ احادیث صحیحہ میں ایسی کوئی تفصیل مروی نہیں کہ دونوں وقتوں کی مختلف غذاؤں کا لحاظ رکھنا ضروری ہو۔هذا ماعندی و الله تعالیٰ اعلم بالصواب۔

ماں اور بیٹا دونوں زکوٰۃ دیں

سوال: اگر ماں اور بیٹا ایک ہی گھر میں رہتے ہیں' کھانا پینا بھی اکٹھا اور کاروبار بھی اکٹھا ہے،لیکن دونوں کے پاس زیور ہے تو کیا سونے کو ملا کر زکوٰۃ دی جائے گی یا الگ الگ دی جائے گی؟ (ع،م غازی آباد لاہور)

جواب: اگر ماں اور بیٹا اکٹھا رہتے ہیں کھانا بھی ایک ہی جگہ پکتا ہے اور کاروبار بھی اکٹھا ہے، یعنی ماں اور بیٹا ایک دوسرے سے الگ نہیں تو دونوں کے سونے کو ملا کر زکوٰۃ دی جائے گی، کیونکہ ملکیت مشترکہ ہے اگر دونوں کا کاروبار اور آمدن الگ الگ ہے تو پھر دونوں کو ملانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس صورت میں ملکیت مشترکہ متصور نہ ہوگی، لہٰذا علیحدہ علیحدہ نصاب پورا ہونے پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔و الله تعالیٰ اعلم بالصواب

فائدہ: وجوب زکوٰۃ کے لئے لڑکے کا بالغ ہونا شرط نہیں، بلکہ نصاب پورا ہونے کی صورت میں یتیم اور نابالغ لڑکے پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔یہی حکم نابالغہ اور یتیم لڑکی کا ہے۔و الله تعالیٰ اعلم بالصواب۔

سوال: میں اپنے علاقے کی سول ڈیفنس (تنظیم شہری دفاع) میں پوسٹ وارڈن ہوں، تنظیم شہری دفاع کا حال یہ ہے کہ تمام رضا کاروں کو وردی، ٹوپی، بوٹ ہر چیز اپنی جیب سے بنانی پڑتی ہے اور کام بھی بغیر کسی معاوضے کے فی سبیل اللہ قوم اور ملک کی خاطر کرنا پڑتا ہے۔ اول تو لوگ اس میں آنا ہی نہیں چاہتے اور جو لوگ وطن کی خدمت کے جذبہ کے تحت اس تنظیم میں آنا چاہتے ہیں وہ وردی کی وجہ سے نہیں آتے کہ ایک تو مفت کی خدمت کریں اور وردی بھی اپنی جیب سے بنوائیں۔ ایسے حالات میں جب کہ پہلے ہی ملک میں نفسا نفسی کا دور ہے تو کیا میں اپنی زکوٰۃ سے لڑکوں کو وردیاں بنا کے دے سکتا ہوں کہ نہیں، جبکہ لڑکے کھاتے پیتے گھرانوں سے ہوں؟ (سائل: جمشید لطیف)

جواب: کھاتے پیتے گھرانوں کے نوجوانوں کو زکوٰۃ کی مد سے وردیاں بنا کر دینا جائز نہیں، کیونکہ یہ نوجوان فقراء اور مساکین اور زکوٰۃ کے دوسرے مصارف میں شامل نہیں، لہٰذا ان پر زکوٰۃ نہیں لگتی۔ هذا ما جاء في فهم هذا الحقير والعلم عندالله الخبير وعلمه اتم وحكمه احكم۔

کیا زکوٰۃ کی رقم سے فری ڈسپنسری قائم کی جا سکتی ہے؟

سوال: کیا زکوٰۃ کی رقم سے کسی جگہ فری ڈسپنسری قائم کی جا سکتی ہے؟

جواب: اس مسئلہ میں خاصا اختلاف ہے۔ دراصل قرآن میں مصارف زکوٰۃ کی ترتیب کے مطابق ساتویں مصرف فی سبیل اللہ کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ جمہور علماء اسلام کے نزدیک فی سبیل اللہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے، تاہم حسب ذیل احادیث کے مطابق حج اور عمرہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ ابوبکر بن عبدالرحمٰن سے مروی ہے:

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَعْطِهَا فَلْتحجَّ عَلَيْهِ فَاِنَّهٗ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاَعْطَهَا. (1)

ام معقل رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھ پر حج واجب ہو چکا ہے اور ابو معقل کے پاس اونٹ موجود ہے وہ مجھے اپنا اونٹ دے نہیں رہا۔ تو ابو معقل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ میں فی سبیل اللہ صدقہ کر چکا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: آپ اس کو حج کے لئے اونٹ دے دیں کیونکہ حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

٢۔ عَنِ ابْنِ لَاسٍ الْخُزَاعِيِّ قَالَ حَمَلَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اِبِلٍ مِّنَ الصَّدَقَةِ اِلَى الْحَجِّ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ ذَكَرَهُ الْبُخَارِيُّ تَعْلِيْقًا. (2)

امام بخاری وغیرہ ائمہ کے مطابق ابن لاس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حج کی ادائیگی کے لئے ہم کو سواری کے لئے صدقہ کا اونٹ عنایت فرمایا۔

٣۔ حضرت ام معقل رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب عمرہ کی ادائیگی کے لئے ابو معقل نے مجھے اونٹ دینے سے انکار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (3) کہ حج اور عمرہ فی سبیل اللہ کی مد میں داخل ہیں۔

(1) سنن ابی داؤد باب العمرة ج: ١ ص: ص ٢٧٢۔ (2) نيل الاوطار باب الصرف في سبيل الله و ابن السبيل: جلد ٤ صفحه ١٧٠۔

(3) رواه احمد، نيل الاوطار ج٤، ص ١٧٠۔

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَحَادِيثُ الْبَابِ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ مِنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاَنَّ مَنْ جَعَلَ شَيْئًا مِّنْ مَالِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ جَازَ لَهٗ صَرْفُهٗ فِيْ تَجْهِيْزِ الْحُجَّاجِ وَ الْمُعْتَمِرِيْنَ الخ ۔ ❶

یہ حدیثیں اس بات کی دلیل ہیں کہ حج اور عمرہ فی سبیل اللہ میں داخل ہیں اور جو شخص اپنا مال وغیرہ فی سبیل اللہ وقف کرے تو وہ اس مال وغیرہ سے حج اور عمرہ کرنے والوں کی تیاری میں مدد کر سکتا ہے۔ اس بحث سے ثابت ہوا کہ اگرچہ فی سبیل اللہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ ہے، تاہم حج اور عمرہ بھی اس مد میں شامل ہیں۔

بعض کا مذہب:

بعض علماء وفقہاء کے نزدیک فی سبیل اللہ کا لفظ عام ہے تو کسی بھی کارِ خیر میں مال زکوٰۃ خرچ کر سکتے ہیں، (تفسیر کبیر ج ۴ صفحہ ۴۱۴) میں ہے:

وَاعْلَمْ اَنَّ ظَاهِرَ اللَّفْظِ فِيْ قَوْلِهٖ ﴿وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ لَا يُوْجِبُ الْقَصْرَ عَلٰى كُلِّ الْغُزَاةِ فَلِهٰذَا الْمَعْنٰى نَقَلَ الْقِفَالُ فِيْ تَفْسِيْرِهٖ عَنْ بَعْضِ الْفُقَهَاءِ اَنَّهُمْ اَجَازُوْا صَرْفَ الصَّدَقَاتِ اِلٰى جَمِيْعِ وُجُوْهِ الْخَيْرِ مِنْ تَكْفِيْنِ الْمَوْتٰى وَبِنَاءِ الْحُصُوْنِ وَ عِمَارَةِ الْمَسَاجِدِ لِاَنَّ قَوْلَهٗ ﴿وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ عَامٌّ (فتاوی اهل حديث ج ۲ ص ۱۵۸) وَالْمُرْشِدُ فِيْ اَحْكَامِ الزَّكٰوةِ

یعنی اس بات کو جان لو کہ قول و فی سبیل اللہ کا ظاہر عام ہے غازیوں پر محدود کرنے کو واجب نہیں کرتا۔ اس وجہ سے علامہ قفال نے اپنی تفسیر میں بعض فقہائے اسلام سے نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے تمام امور خیر میں صدقات کا خرچ کرنا جائز رکھا ہے جیسے مردوں کو کفنانا، قلعے اور مسجدیں بنانا۔

نواب صدیق حسن خان رقم فرماتے ہیں:

قِيْلَ اَنَّ اللَّفْظَ عَامٌّ فَلَا يَجُوْزُ قَصْرُهٗ عَلٰى نَوْعٍ خَاصٍّ وَيَدْخُلُ فِيْهِ جَمِيْعُ وُجُوْهِ الْخَيْرِ مِنْ تَكْفِيْنِ الْمَوْتٰى وَبِنَاءِ الْجُسُوْرِ وَالْحُصُوْنِ وَ عِمَارَةِ الْمَسْجِدِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ وَالْاَوَّلُ اَوْلٰى لِاِجْمَاعِ الْجُمْهُوْرِ عَلَيْهِ ۔ ❷

یعنی یہ بھی کہا گیا ہے کہ فی سبیل اللہ کا لفظ عام ہے اس کو ایک قسم (غازیوں) پر بند کرنا جائز نہیں اس میں تمام کارِ خیر داخل ہیں جیسے مردوں کو کفن پہنانا، پل بنانا، قلعے اور مسجدیں تعمیر کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اور پہلی صورت جہاد (مع حج وعمرہ) ہونا بہتر ہے کیونکہ اس پر جمہور کا اجماع ہے اور فری ڈسپنسری بھی کارِ خیر میں داخل ہے۔ لہٰذا بعض فقہاء کے نزدیک قلعوں، پلوں اور مسجدوں اور تکفین موتی کی طرح فری ڈسپنسری بھی مال زکوٰۃ سے بنائی جا سکتی ہے اور اس پر اعتراض تو نہیں ہو سکتا کہ گنجائش کا انکار مشکل ہے۔ لیکن احوط اور اولیٰ یہ ہے کہ فی سبیل اللہ میں اتنی توسیع مراد نہ لی جائے، ورنہ دوسرے سات مصارف کا بیان

❶ نیل الاوطار ج ٤ ص ١٧١.

❷ فتح البیان ص ٤٢٤، كذا في فتاوىٰ اهل حديث ج ٢ صفحه ١٥٧.

بے سود رہ جائے گا بہر حال احتیاط تو اسی میں ہے کہ مال زکوٰۃ سے ڈسپنسری وغیرہ نہ کھولی جائے، تاہم اگر کوئی شخص ایسا کر لے تو اس پر اعتراض تو نہیں ہو سکتا۔ کچھ فقہاء اس طرف بھی گئے ہیں۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب.

کیا ڈسپنسری کے عملہ کی تنخواہ مال زکوٰۃ سے دی جا سکتی ہے؟

سوال: کیا اسی رقم سے ڈسپنسری کے عملے بمعہ ڈاکٹر حضرات کو تنخواہ دینے کی اجازت ہو گی؟

جواب: جب مال زکوٰۃ سے فری ڈسپنسری کھولنے کی گنجائش ہے تو پھر اس کے عملہ کی مال زکوٰۃ سے تنخواہ بھی دی جا سکتی ہے۔

فیس کی رقم مال زکوٰۃ سے (شمار) نہیں کی جائے گی؟

سوال: بچوں کو ٹیوشن پڑھانے پر استاد غریب و نادار بچوں سے فیس نہیں لیتا سال کے آخر میں زکوٰۃ دیتے وقت اپنی زکوٰۃ میں فیس کی رقم منفی کر سکتا ہے کہ نہیں؟ (سائل: حافظ محمد فاروق شعبہ کیمیا گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائنز لاہور)

جواب: زکوٰۃ کی ادائیگی کا یہ طریقہ صحیح نہیں، لہٰذا اس طریقہ سے گریز کیا جائے۔

عشر

سوال: ایک کاشت کار اپنی پیداوار میں سے عشر نکالنا چاہتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس پر خرچہ بھی آیا ہے، یعنی بیج، کھاد، ٹیوب ویل سے آبپاشی کا خرچہ، نہری لگان، نوکر کی تنخواہ، ٹریکٹر، جوڑا بیل سے قلبہ رانی، فصل کی کٹائی، گہائی، باربرداری وغیرہ۔ دلائل شرعیہ کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ بغیر خرچہ وضع کئے کل پیداوار سے عشر نکالنا واجب ہے یا کل خرچہ وضع کرنے کے بعد باقی ماندہ پیداوار سے اگر بعض خرچہ وضع کرنا چاہے اور بعض نہیں تو اس کی تفصیل سے آگاہ فرمائیں؟ بینوا توجروا .

جواب: مالیہ کے سوا پوری آمدنی میں سے عشر نکالنا پڑے گا اور سوال میں مذکورہ اخراجات الگ کرنے کی اجازت نہیں۔ ہاں! اس قسم کی زمین کو جس پر یہ اخراجات اٹھتے ہوں اس پر چاہی زمین کا عشر، یعنی بیسواں حصہ ہو گا۔

مفتی ہند و پاک مولانا حافظ محمد عبداللہ روپڑی مرحوم لکھتے ہیں: ''مزدور دو طرح کے ہیں، ایک وہ جو کھیتی کے لئے لازمی ہیں جیسے لوہار، ترکھان، ان کے بغیر تو کھیتی کا کام ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اکثر آلات کشاورزی وغیرہ بنانے اور ان کے درست کرنے کی ضرورت رہتی ہے۔ ان کی اجرت کو ایسا ہی سمجھنا چاہیے جیسے ہل یا جو وغیرہ اجرت دے کر بنائے جاتے ہیں یا جیسے بیل وغیرہ خریدے جاتے ہیں۔ یہ اشیاء چونکہ کھیتی میں داخل ہیں۔ عشر دینے کے وقت اجرت نہ کاٹی جائے ان کے علاوہ دوسرے مزدوروں کی اجرت کاٹی جا سکتی ہے' دیگر اخراجات بھی جو کھیتی کو لازم ہیں نہ کاٹے جائیں باقی کاٹ سکتے ہیں۔ ہمارے نزدیک بھی یہی صحیح ہے۔



کتاب الصیام

رمضان کے فضائل پر رسول اللہ ﷺ کا خطبہ

کتب احادیث میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کا ایک خطبہ مروی ہے جو آپ ﷺ نے شعبان کے آخری دن صحابہؓ کے مجمع میں ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ بہت مشہور ہے اور اس کے الفاظ و معانی یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ یہ پورا خطبہ حدیث کی مختلف کتابوں میں اس طرح ہے:

وَعَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ اٰخِرِ يَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ فَقَالَ يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ اَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ شَهْرٌ مُّبَارَكٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ فَرِيْضَةً وَّ قِيَامَ لَيْلِهٖ تَطَوُّعاً مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ كَانَ كَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْ مَاسِوَاهُ وَمَنْ اَدّٰى فَرِيْضَةً كَانَ كَمَنْ اَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَ شَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَ شَهْرٌ يُزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِماً كَانَ مَغْفِرَةً لِّذُنُوْبِهٖ وَعِتْقَ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّنْتَقَصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْءٌ.

قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ كُلُّنَا نَجِدُ مَا نُفْطِرُ بِهِ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِماً عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ اَوْتَمْرَةٍ اَوْ شَرْبَةٍ مِّنْ مَّاءٍ وَّمَنْ اَشْبَعَ صَائِماً سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَا يَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَّاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَّ اٰخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ مَنْ خَفَّفَ عَنْ مَّمْلُوْكِهٖ فِيْهِ غَفَرَاللّٰهُ لَهٗ وَاَعْتَقَهٗ مِنَ النَّارِ . ❶

وَفِيْ رِوَايَةِ النَّسَائِيِّ وَالْبَيْهَقِيِّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَتَاكُمْ شَهْرُ رَمَضَانَ شَهْرٌ مُبَارَكٌ فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ صِيَامَهٗ تُفْتَحُ فِيْهِ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَ تُغْلَقُ فِيْهِ اَبْوَابُ الْجَحِيْمِ وَتُغَلُّ فِيْهِ مَرَدَةُ الشَّيَاطِيْنَ ۔ لِلّٰهِ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ مَنْ حُرِمَ خَيْرَهَا فَقَدْ حُرِمَ . ❷

وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ خُزَيْمَةَ عَنْ سَلْمَانَ وَاسْتَكْثِرُوْا فِيْهِ مِنْ اَرْبَعِ خِصَالٍ خَصْلَتَيْنِ تَرْضَوْنَ بِهِمَا رَبَّكُمْ وَ خَصْلَتَيْنِ لِاِغْنَاءِ بِكُمْ عَنْهُمَا .

❶ البیهقی فی شعب الإيمان و إسناده ضعيف (تنقيح الرواة) ج ۲ ص ۳۰. ❷ الترغيب والترهيب ج ۲ ص ۹۸.

فَأَمَّا الْخَصْلَتَانِ تَرْضَوْنَ بِهَا رَبَّكُمْ فَشَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَتَسْتَغْفِرُوْنَهُ وَأَمَّا الْخَصْلَتَانِ لِاغْنَاءِ بِكُمْ عَنْهُمَا فَتَسْئَلُوْنَ اللّٰهَ الْجَنَّةَ وَتَعُوْذُوْنَ بِهِ مِنَ النَّارِ . ❶

وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِي الشَّيْخِ بْنِ حِبَّانَ عَنْهُ مَنْ فَطَّرَ صَائِماً فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ مِنْ كَسْبِ حِلَالٍ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلٰئِكَةُ لَيَالِيَ رَمَضَانَ كُلَّهَا وَ صَافَحَهُ جِبْرَائِيْلُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ مَنْ صَافَحَهُ جِبْرَائِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَرِقُّ قَلْبُهُ وَيَكْثُرُ دُمُوْعُهُ . ❷

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ماہ شعبان کے آخری روز رسول اللہ ﷺ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا: ''لوگو عظمت اور برکت والا مہینہ تم پر سایہ فگن ہوا ہے، اس میں ایک ایسی رات (لیلۃ القدر) بھی ہے جو ہزار مہینوں سے بھی زیادہ بہتر ہے (کم و بیش اسی برس کی شب بیداری کا ثواب مل جاتا ہے۔) اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کے روزے فرض کیے اور اس کی رات کی نماز کو نفلی ٹھہرایا۔ اس مہینہ میں جو شخص اچھی عادت یا نفلی عبادت اور نیکی کے ذریعے سے اس کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اس نے گویا کہ ایک فرض ادا کیا اور جس نے اس میں ایک فریضہ ادا کیا اس نے یوں سمجھئے کہ ستر فریضے ادا کئے۔ یہ مہینہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ مہینہ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور محبت کرنے کا مہینہ ہے اس میں مومن کی روزی بڑھا دی جاتی ہے۔ جس نے روزے دار کو روزہ افطار کرایا وہ اس کے گناہوں کی معافی اور دوزخ سے نجات پانے کا ذریعہ ہوگا اور وہ روزہ دار کے اجر میں کمی کیے بغیر اس کے برابر افطار کرانے والے کو اجر ملے گا۔''

ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک تو اس حیثیت میں نہیں ہوتا کہ روزہ دار کو افطار کرائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی عنایت کرے گا جس نے ایک گھونٹ دودھ یا ایک خشک کھجور یا ایک گھونٹ پانی سے کسی کا روزہ افطار کرایا اور جس نے کسی کو پیٹ بھر کے پلایا تو اس کو اللہ تعالیٰ میرے حوض کوثر سے اس طرح پلائے گا کہ جنت میں داخل ہونے تک پھر کبھی اس کو پیاس نہ لگے گی۔

یہ ایک ایسا مہینہ ہے کہ اس کا پہلا حصہ رحمت کا ہے، درمیانہ مغفرت کا اور آخری حصہ دوزخ سے نجات حاصل کرنے کا ہے اور جس شخص نے اس مہینہ میں اپنے غلام و ملازم وغیرہ کے کاموں میں کمی کر دے اس کو بھی اللہ تعالیٰ بخش دے گا اور دوزخ سے آزاد کر دے گا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں یہ الفاظ زیادہ آئے ہیں کہ رمضان المبارک کا مہینہ تمہارے پاس چل کر آیا ہے اس کے روزے اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کیے ہیں۔ اس میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، دوزخ کی دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، سرکش شیطانوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے جو اس کی خیر و برکت سے محروم رہا وہی دراصل محروم اور

❶ صحیح ابن خزیمۃ ج۳ ص ۱۹۱ و ۱۹۲ ج۳۔ ❷ الترغیب والترھیب۔

بدنصیب ٹھہرا۔

اور ابن خزیمہ کی روایت میں اس طرح ہے:

''اس مہینہ میں چار کام کثرت سے کرتے رہا کرو۔ دو کام تو ایسے ہیں کہ ان کے ذریعہ سے تم اپنے اللہ کو راضی کر سکو گے اور دو ایسے ہیں کہ تم اس کے خود محتاج ہو۔ پہلے دو کام لا الہ الا اللہ کی صدق قلب سے گواہی دینا اور استغفار کرنا ہے۔ اور دوسرے دو کام یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے جنت طلب کرو اور دوزخ سے پناہ مانگو۔ اور جو شخص روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض سے پلائے گا، پھر اس کو جنت میں داخل ہونے تک پیاس نہیں لگ گی مجھے یقین کامل ہے۔

ابوالشیخ کی روایت میں جو الفاظ مروی ہیں ان کا ترجمہ یہ ہے۔ جو شخص ماہ رمضان میں اپنی حلال کمائی سے کسی روزہ دار کا روزہ کھلواتا ہے، ماہ رمضان کی تمام راتوں میں ملائکہ اس کے لئے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔ اور شب قدر میں جبرئیل امین اس سے مصافحہ کرتے ہیں اور اس کے قلب میں رقت پیدا ہو جاتی ہے، مصافحہ کی اس کیفیت کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

ہم روزہ کیوں رکھیں

افادات محترم رشید احمد ایم اے۔

ہمارے ایک نامور مفکر اور متبحر عالم ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے جو اس وقت پیرس میں مقیم ہیں۔ انگریزی میں ایک رسالہ اسی عنوان سے رقم کیا ہے۔ یہ رسالہ مختصر ہونے کے باوجود اس سوال کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ مؤتمر عالم اسلامی کراچی نے اسے شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ فاضل مصنف نے انداز تحریر ایسا رکھا ہے کہ اس سے ذہن کو جلا حاصل ہوتی ہے۔ دماغ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور دل عمل کے لئے بے تابی کا مظاہرہ کرنے لگتا ہے۔ میں نے اس رسالے کی افادیت کے پیش نظر اس کے مندرجات سے اکتساب فیض کر کے انہیں باتوں کو اردو قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ اسی سلسلے میں ہفتہ وار سچ لکھنو کے بعض عالمانہ مضامین سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

مجھے یقین کامل ہے کہ جو منکرین روزہ اس رسالے کا مطالعہ خالی الذہن ہو کر کریں گے وہ روزے جیسی بے مثل عبادت کے فوائد و برکات سے اپنے آپ کو محروم رکھنا ہرگز ہرگز گوارا نہ کریں گے۔ اور روزہ دار مومن اس کے مندرجات کو پڑھ کر اپنے ایمان کے اندر تازگی اور اپنے بدن کے اندر ایک نئی قوت پائیں گے۔ (ان شاء اللہ)

تزکیہ نفس اور تربیت اخلاق کا بہترین نصاب

(رمضان المبارک کے روزے)

اخلاقیین اور روحانیین، یعنی علم اخلاق کے ماہر اور اللہ والے لوگ سب اس امر پر متفق ہیں کہ نفس کی پاکیزگی اور روح

کی بالیدگی کے لئے چار قسم کی ریاضت لازم ہے۔

۱۔کم خوری ۲۔کم گوئی ۳۔کم آمیزی۔۴۔کم خوابی

کم خوری سے نفس زندہ اور چاق و چوبند رہتا ہے مگر پرخوری سے سستی اور کاہلی پیدا ہوتی ہے، کم گوئی انسان کو سنجیدہ متین اور ذمہ دار بنا دیتی ہے مگر بسیار گوئی سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔کم خوابی سے روح بیدا ہو جاتی ہے۔مگر نیند کی زیادتی سے قلب ونظر پر حجابات چھا جاتے ہیں۔کم آمیزی سے انسان اپنے آپ کو بہت سی بے ہودگیوں سے بچاتا ہے جب کہ زیادہ خلا ملا خرابیوں کا باعث ہو سکتا ہے۔علمائے اخلاق کہتے ہیں کہ دنیا میں رونما ہونے والی خرابیاں عام طور پر غیر ضروری خلا مال، یعنی میل جول کا شاخسانہ ہوتی ہیں۔

روزے میں ان تمام ریاضتوں کو بڑی خوبیوں سے سمو دیا گیا ہے۔طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک نہ صرف خورونوش وغیرہ ہی کی پابندی لازمی ہے' بلکہ عیش وعشرت اورتن آسانی اور تنعم کی بھی سخت ممانعت ہے۔

روزے کی عبادت کو صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک اس طرح پھیلا دیا گیا ہے کہ روزے دار عام حالات کی نسبت سوتا کم اور جاگتا زیادہ ہے، رات گئے تک تراویح میں مشغولیت' اہتمام سحری کے لئے صبح صادق سے بہت پہلے بیداری یہ سب کم خوابی کی عادت ڈالنے ہی کے لئے تو ہے۔

روزہ رکھنے والا بسیار گوئی سے پرہیز کرتا ہے کہ مباداا س کی زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکل جائے جس سے اس کے روزے کو نقصان پہنچے۔وہ اپنی زبان کو زیادہ وقت تلاوت قرآن کریم' ادائے نوافل اور ذکر وفکر میں صرف کرتا ہے اور رمضان المبارک کے آخری عشرے میں اعتکاف کی عبادت کو اپناتا ہے جو میل جول کی کمی کے لئے ایک بہترین مشق ہے۔اس طرح روزہ تزکیہ نفس اور تربیت اخلاق کے لئے ایک مکمل نصاب ہے۔

رمضان المبارک کے بارے میں احادیث نبوی ﷺ

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

۱۔ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔(صحیح بخاری ومسلم)

۲۔ یکم رمضان تا آخر رمضان ایک فرشتہ رحمت با آواز بلند پکارتا ہے کہ اے نیکی کرنے والے آگے بڑھ اور اے برائی کے خوگر' اب تو رک جا اور باز آجا۔(ترمذی)

۳۔ جو شخص کسی کا روزہ افطار کرائے تو اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات مل جاتی ہے اور جو شخص کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا بھی کھلا دے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے میرے (رسول اللہ ﷺ) حوض کوثر سے پانی پلائے گا جس کی وجہ سے جنت میں داخل ہونے تک اسے پیاس محسوس نہ ہوگی۔

۴- جو روزہ دار مندرجہ ذیل بری عادتیں نہیں چھوڑتا اس کا روزہ ایسا ہے جیسے جسم بلا روح۔

۱۔جھوٹ بولنا ۲۔جھوٹی گواہی دینا ۳۔اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہ کرنا ۴۔کسی پر افترا باندھنا ۵۔کسی کی غیبت کرنا ۶۔کسی پر بہتان باندھنا ۷۔کسی پر تہمت لگانا ۸۔کسی کو گالی گلوچ دینا ۹۔کسی کو مغلون قرار دینا۔

۵- روزہ ڈھال ہے، پس (روزہ دار) کوئی فحش بات نہ کرے اور نہ کسی سے جھگڑے، اگر کوئی اسے گالی دے یا اس سے لڑے تو دو مرتبہ کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔

اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ محبوب ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ دار محض میرے لئے اپنا کھانا پینا ترک کرتا ہے، پس روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔

۶- ایک بار حضور نبی کریم ﷺ نے رمضان المبارک میں ارشاد فرمایا: اے لوگو تمہارے پاس شہر اللہ (اللہ کا مہینہ) رحمت' برکت اور مغفرت لئے ہوئے آیا ہے۔ خداوند تعالیٰ کے نزدیک بہترین مہینہ ہے اس کے تمام دن بہترین' اس کی تمام راتیں بہترین اور اس کی تمام ساعتیں بہترین ساعتیں ہیں۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں اللہ نے تمہیں اپنے خوان نعمت پر دعوت دی ہے اور اس میں تم دنیا و آخرت کی عظمتوں کو حاصل کر سکتے ہو۔ اس ماہ میں صرف سانس لینا تسبیح کا ثواب رکھتا ہے۔ اس مہینے میں (بعد ادائے واجبات) سونا بھی عبادت ہے، اس مہینے میں تمہارے اعمال مقبول اور تمہاری دعائیں مستجاب ہوتی ہیں پس صحیح نیتوں اور پاکیزہ دلوں کے ساتھ اپنے پروردگار سے سوال کرو کہ وہ تمہیں اس ماہ میں روزہ رکھنے اور تلاوت کلام پاک کی توفیق عطا فرمائے۔

تمہید:

انسان دو چیزوں، یعنی بدن اور روح سے مرکب ہے۔ اور خالق کائنات نے انسان کے ان دونوں پہلوؤں کی تربیت اور ترقی کے لئے اسباب اور ذرائع مہیا کر رکھے ہیں۔ اب بعض انسان تو ایسے ہیں جو بدن اور روح دونوں کی طرف پورا پورا دھیان دیتے ہے جیسے اہل ایمان مگر بعض محروم التوفیق اور محروم القسمت ایسے بھی ہیں کہ انہیں محض بدن ہی کی پرورش کا خیال رہتا ہے اور روح جیسی لطیف چیز کو یکسر بھول جاتے ہیں۔ اور دوسرے مذاہب میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں (اور شاید اس زمانے میں بھی موجود ہوں) جو بدن کی پرورش سے بے نیاز رہے اور انہیں محض روح کی تسکین کی فکر رہی جیسے ہندوؤں میں جوگی اور سنیاسی اور عیسائیوں میں راہب۔

اسلام چونکہ میانہ روی کا مذہب ہے اس لئے اس میں بدن اور روح دونوں کی تربیت پر زور دیا گیا ہے، اسلام دین فطرت ہے اس کے احکام میں فطرت انسانی کو پوری طرح مدنظر رکھا گیا ہے وہ ایک طرف تو اپنے ماننے والوں کو جائز لذتوں سے لطف اندوز ہونے کی دعوت دیتا ہے اور دوسری طرف دائرۂ اعتدال سے باہر قدم رکھنے کی ممانعت کرتا ہے۔ لذتوں پر پل

پڑنا اس کے نزدیک فسق ہے اور لذتوں سے بالکل کنارہ کش ہو جانے کا نام رہبانیت ہے۔ اسلام نے جو شاہراہ ہدایت دنیا کے سامنے پیش کی ہے وہ فسق اور رہبانیت دونوں کے بیچ کی راہ ہے۔

خواص جب گمراہ ہوتے ہیں تو وہ رہبانیت کے دھڑے چڑھ جاتے ہیں اور عوام کی گمراہی انہیں فسق میں مبتلا کر دیتی ہے، نفس انسانی میں لذتوں پر جھک پڑنے کا فطری میلان موجود ہے۔ بیشتر انسان انہیں لذتوں پر گرتے ہیں اور ایسے گرتے ہیں کہ وہ انسانیت کے دائرے سے نکل کر بہیمیت کے غار تک پہنچ جاتے ہیں۔ اسلام نے انسان کو بہیمیت سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنے نظام اور آئین میں چن چن کر وہی باتیں رکھی ہیں جو روح کی فطری صلاحیت کو بڑھائیں اور اسے گندگی اور کثافت سے بچائیں، ان سب تدبیروں میں ایک اہم تدبیر کا نام روزہ ہے۔

نماز اور روزہ

نماز بلاشبہ اسلام کا اہم ترین رکن ہے اور اس کے لئے قرآن حکیم اور احادیث قدسی میں تاکید آئی ہے، مگر روزے کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں ہے۔ روزہ اگر صحیح معنی میں روزہ ہو۔ اور اس طرح رکھا جائے جس طرح اس کے رکھنے کا حکم ہے تو یہ انسان کو سرتاپا تقویٰ بنا دیتا ہے اور یوں دیکھا جائے تو نماز اور روزہ اپنی اثر آفرینی کے اعتبار سے دو جداگانہ عبادتیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ نماز کی حالت فاعلی ہے۔ حکم ہے کہ دربار خداوندی میں حاضری دو اور اپنی روح جزئی کا براہ راست تعلق روح کلی سے قائم کرو اور اس انداز سے کہ ایک نماز کے وقت سے دوسری نماز کے وقت تک تم چاہے کسی کام کاج، کاروبار، بکھیڑے دھندے میں لگے ہو مگر یہ تعلق ٹوٹنے نہ پائے۔ اگر دنیاوی کام کے دوران بھی اس تعلق کو قائم رکھو گے تو تمہارا یہ پورا وقت بھی عبادت میں شمار ہوگا۔ یہاں تک کہ رات کو جب نیند تم پر غالب آ جائے گی تو سونے کا وقفہ بھی اسی مد میں شامل رہے گا اور روزے کی حالت انفعالی ہے اس میں حکم ہے کہ ان تمام چیزوں سے بچو جو تمہاری روح کی ترقی کی راہ میں حائل ہو سکتی ہیں۔ سبحان اللہ! طبیب حاذق نے علاج بھی تجویز کیا ہے اور ساتھ ساتھ پرہیز بھی بتایا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ شفائے کامل اسی وقت ممکن ہے جب مریض علاج اور پرہیز دونوں پر عمل کرے۔ نماز کی حیثیت دوا کی ہے اور روزہ پرہیز کی حیثیت رکھتا ہے۔ دوا اور پرہیز دونوں کی اہمیت اپنی اپنی جگہ ظاہر ہے۔ غور کا مقام ہے کہ جو شخص روزے کی مشق سے اپنی جائز خواہشات کو بحکم خداوندی دبانے کا خوگر ہو جائے گا۔ ناجائز خواہشات کو دبانے کے لئے اسے کیا مشکل پیش آ سکتی ہے۔ یہی شان تقویٰ ہے جو روزے کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔

روزے کی اہمیت کا اندازہ دنیا کے کامل ترین انسان کے عمل سے ہوتا ہے۔ نماز کے بعد جو عبادت رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھی وہ روزہ ہی تھا۔ آپ ﷺ اس کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے کہ اہل خاندان، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی دنگ رہ جاتے تھے۔ سچ ہے اعلیٰ ترین روح کو پاکیزگی اور صفائی کے نمونے بھی بہترین ہی دکھانے تھے۔ دیکھنے والوں نے آنحضور ﷺ کا یہ عمل دیکھا اور جس جس نے اس کو اپنایا وہ اپنی مراد کو پہنچ کر رہا۔

روزے کے متعلق فرمان باری تعالیٰ

سورۃ البقرہ آیات ۱۸۳ تا ۱۸۷ میں فرمایا:

۱- اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تا کہ تم تقویٰ حاصل کرو۔ (یہ) گنتی کے چند دن ہیں۔ اس پر بھی جو کوئی مریض ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں تعداد پوری کر دے۔ (آیت ۱۸۳) اور جو لوگ ایسی عمر کو پہنچ گئے ہوں کہ روزہ رکھنے پر قادر نہیں' یا ایسے مریض جن کے مرض میں روزے سے افاقہ کے بجائے اضافہ کا خدشہ ہو۔ اور وہ استطاعت رکھتے ہو۔ ان پر (ایک روزے کا) بدلہ ایک مسکین کا (عام) کھانا ہے۔ پھر جو کوئی خوشی خوشی نیکی کرے (یعنی ایک شخص کے بجائے دو شخصوں کو کھانا کھلا دے) کھانے کی مقدار بڑھا دے یا کوئی اور سلوک کرے تو یہ اس کے حق میں اور بہتر ہے۔ اور اگر تم سوجھ بوجھ سے کام لو تو بہتر تمہارے حق میں یہی ہے کہ تم روزے رکھو (اور روزے کی برکتوں سے محروم نہ ہو)۔ (آیت ۱۸۴) رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا' جو سرتا پا ہدایت ہے اور اس میں ہدایت اور (حق و باطل میں) امتیاز کے کھلے دلائل موجود ہیں۔ سو تم میں سے جو کوئی اس مہینے کو پائے اسے لازم ہے کہ اس کے روزے رکھے۔ اور جو کوئی مریض ہو یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے دنوں میں تعداد پوری کر دے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ سختی (کا معاملہ) نہیں (کرنا) چاہتا اور تمہیں چاہیے کہ تم تعداد پوری کرو اور اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں ہدایت بخشی ہے اس پر اللہ کی بڑائی کرو تا کہ شکر گزار بن جاؤ۔ (آیت ۱۸۵) اور جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق (یعنی میرے قرب اور بعد کی بابت) دریافت کریں تو (آپ میرے بندوں سے میری طرف سے کہہ دیجئے کہ) میں قریب ہی ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس پکار کا جواب دیتا ہوں۔ پس چاہیے کہ وہ میرے احکام کی تعمیل کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں (اور اس بات کا یقین رکھیں کہ پکار خالی نہیں جائے گی) تا کہ وہ صحیح راہ پر قائم رہیں۔ (آیت ۱۸۶) تمہارے لئے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانا جائز کیا گیا وہ تمہارے لئے بمنزلہ لباس ہیں اور تم ان کے لئے بمنزلہ لباس ہو۔ اللہ نے دیکھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے تو اس نے تم پر رحمت سے توجہ فرمائی اور تمہاری یہ خیانت کی غلطی معاف کر دی تو اب تم کو ان سے ملنے کی اجازت ہے اور اللہ نے جو تمہارے لئے لکھ رکھا ہے (یعنی اولاد جواز دواجی زندگی کا اصل مقصد ہے) اس کے طالب بنو اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ فجر کی سفید دھاری (صبح صادق) سیاہ دھاری (صبح کاذب) سے نمایاں ہو جائے' پھر رات تک روزہ پورا کرو۔ اور جب تم مسجد پر اعتکاف کر رہے ہو تو بیویوں سے نہ ملو، یہ اللہ کے (مقرر کردہ) ضابطے ہیں، پس تم ان حدود کے قریب بھی نہ پھٹکنا (بلکہ ان کی نگرانی پوری احتیاط سے کرنا) اللہ اپنے احکام کو لوگوں کے لئے اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے (جس طرح اس نے یہاں روزہ اس کے حدود و اوقات اور اعتکاف اور اس کے متعلقات کے احکام کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے) تا کہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔ (آیت ۱۸۷)

سفر میں روزہ کتنی مسافت پر معاف ہے

سوال: سفر میں روزہ معاف ہے لیکن کتنی مسافت پر معاف ہے؟ بینوا وتوجروا بالدلائل الصحیحۃ والثواب عنداللہ تعالیٰ۔

جواب: الجواب بعون الوهاب: نبی سے اس بارے میں کوئی روایت نہیں آئی جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ آپ کوئی حد مقرر کی ہو۔ اذا لیس فلیس

وَلَمْ يَكُنْ مِنْ هَدْيِهِ ﷺ تَقْدِيرُ الْمَسَافَةِ الَّتِي يُفْطِرُ فِيهَا الصَّائِمُ بِحَدٍّ وَّالْاَصَحُّ عَنْهُ فِي ذٰلِكَ شَيْءٌ. ●

''آپ علیہ السلام سے اس کی مسافت کے بارے کوئی صحیح روایت نہیں آئی جس سے اس کی حد ثابت ہوتی ہے۔''

نیز اس کے علاوہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَقَدْ أَفْطَرَ دِحْيَةُ بْنُ خَلِيفَةَ الْكَلْبِيُّ فِي سَفَرِ ثَلَاثَةِ أَمْيَالٍ وَّ قَالَ لِمَنْ صَامَ قَدْ رَغِبَ عَنْ هَدْيِ مُحَمَّدٍ ﷺ.

'' دحیہ بن خلیفہ الکلبی نے تین میل سفر کے بعد افطار کیا اور کہا جو روزہ رکھے تحقیق اس نے محمد ﷺ کے طریقے سے اعراض کیا۔''

پھر لکھتے ہیں کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سفر کرتے تو روزہ افطار کر دیتے ابھی آبادی سے تجاوز بھی نہ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ سنت ہے اور طریقہ نبی علیہ السلام کا۔

عِبَارَتُهُ هٰكَذَا وَ كَانَ الصَّحَابَةُ حِينَ يَنْشَؤُنَ السَّفَرَ يُفْطِرُوْنَ مِنْ غَيْرِ إِعْتِبَارِ مجَاوَزَةِ الْبُيُوْتِ وَ يُخْبِرُوْنَ أَنَّ ذٰلِكَ سُنَّتُهُ وَهَدْيُهُ ﷺ.

پھر لکھتے ہیں:

قَالَ عُبَيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ رَكِبْتُ مَعَ أَبِي بُصْرَةَ الْغِفَارِيِّ صَاحِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِي سَفِينَةٍ مِنَ الْفُسْطَاطِ فِي رَمَضَانَ فَلَمْ نُجَاوِزِ الْبُيُوْتَ حَتّٰى دَعَا بِالسُّفْرَةِ قَالَ إِقْتَرِبْ قُلْتُ أَلَسْتَ تَرَى الْبُيُوْتَ قَالَ أَبُو بُصْرَةَ أَتَرْغَبُ عَنْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ. (رواه أبوداود و أحمد)

اور امام احمد کی روایت میں ہے:

رَكِبْتُ مَعَ أَبِي بُصْرَةَ مِنَ الْفُسْطَاطِ إِلَى الْأَسْكَنْدَرِيَّةِ فِي سَفِينَةٍ فَلَمَّا دَنَوْنَا مِنْ مُرْسَاهَا أَمَرَ بِسُفْرَتِهِ فَقَرَّبَتْ ثُمَّ دَعَانِي إِلَى الْغَذَاءِ وَذٰلِكَ فِي رَمَضَانَ فَقُلْتُ يَا أَبَابُصْرَةَ وَاللّٰهِ مَا تَغَيَّبَتْ

● زادالمعاد فی هدی خیر العباد للامام ابن القیم ج ۱ طبع مصر قدیم ص ۱٦۲) طبع جدید.

عَنَّا مَنَازِلِنَا قَالَ أَتَرْغَبُ عَنْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ لَا قَالَ فَكُلْ قَالَ فَلَمْ يَزَلْ مُفْطِرُوْنَ حَتّٰى بَلَغْنَا.

نیز لکھتے ہیں:

وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ كَعْبٍ أَتَيْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فِيْ رَمَضَانَ وَهُوَ يُرِيْدُ السَّفَرَ وَقَدْ رَحِلَتْ رَاحِلَتُهُ وَقَدْ لَبِسَ ثِيَابَ السَّفَرِ فَدَعَا بِطَعَامٍ فَأَكَلَ فَقُلْتُ لَهُ سُنَّةٌ؟ قَالَ سُنَّةٌ ثُمَّ رَكِبَ. قَالَ التِّرْمَذِيُّ حَدِيْثٌ حَسَنٌ وَقَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ فِيْهِ فَأَكَلَ وَ قَدْ تَقَارَبَ غُرُوْبُ الشَّمْسِ.

پھر لکھتے ہیں:

وَهٰذِهِ الْآثَارُ صَرِيْحَةٌ فِيْ إِنْشَاءِ السَّفَرِ فِيْ أَثْنَاءِ يَوْمٍ مِّنْ رَمَضَانَ فَلَهُ الْفِطْرَةُ سُنَّةٌ. اِنْتَهٰى كَلَامُ ابْنِ الْقَيِّمِ. (كذا في زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۳)

اس سب عبارت کا حاصل کلام یہ ہے کہ عبید بن جبیرؒ کہتے ہیں کہ میں ابی بصرہ غفاری صحابی کے ساتھ شریک سفر ہوا۔ کشتی میں فسطاط سے رمضان کے مہینہ میں پس ابھی ہم نے گھروں سے تجاوز نہیں کیا تھا کہ آپ نے کھانا منگوایا اور کہا کہ قریب آؤ میں نے کہا کیا آپ ابھی گھروں کو نہیں دیکھ رہے؟ ابو بصرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تو نبی علیہ السلام کے طریقہ سے منہ پھیرتا ہے (اس کو ابوداؤد نے اور احمد نے روایت کیا)

احمد کی روایت میں ہے۔ عبید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں ابی بصرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہم سفر ہوا۔ فسطاط سے اسکندریہ تک کشتی میں۔ جب ہم کشتی کے قریب ٹھہرنے کی جگہ پر پہنچے تو کھانے کا آپ نے حکم دیا۔ پس آپ کھانے کے قریب ہوئے۔ پھر مجھ کو بلایا کھانا کھانے کے لئے اور یہ قصہ رمضان کا ہے۔ میں نے ابی بصرہ رضی اللہ عنہ سے کہا اللہ کی قسم ابھی تو ہماری رہائش گاہ بھی دور نہیں ہوئی تو آپ نے فرمایا کیا تو سنت رسول ﷺ سے اعراض کرتا ہے میں نے کہا نہیں۔ آپ نے کہا پس کھا، پس ہم برابر کھاتے رہے حتیٰ کہ ہم اپنی منزل کو پہنچے۔

محمد بن کعبؒ کہتے ہیں رمضان میں انس بن مالکؓ کے پاس آیا اور وہ سفر کا ارادہ رکھتے تھے اور سواری تیار کی ہوئی تھی اور سفری لباس پہنا اور کھانا منگوایا اور کھایا۔ میں نے کہا کیا یہ سنت ہے؟ کہا کہ سنت ہے پھر سوار ہوئے کہا ترمذی نے یہ حدیث حسن ہے۔

اور دارقطنی میں ہے کہ سورج غروب کے قریب تھا۔

اور یہ تمام آثار اس پر دلیل صریحہ ہیں کہ جو سفر کرے رمضان کے مہینہ میں پس وہ افطار کر سکتا ہے۔ (انتہٰی کلام ابن قیم)

نیز سنن اربعہ میں بھی روایات آئی ہیں۔

اس کے علاوہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الاوطار میں کہا ہے کہ جس مسافت میں قصر ہے اسی مسافت میں روزہ معاف ہے۔ نیز بعض احادیث میں ہے کہ جو طاقت رکھے روزہ رکھنے کی سفر میں وہ روزہ رکھ لے کوئی حرج نہیں۔ بہر حال مسافت

کے متعلق نبی علیہ السلام سے تو کوئی روایت ثابت نہیں، اس کے متعلق مختلف آثار آئے ہیں۔ بعض مسافت ۴۸ میل بتاتے ہیں اور بعض تحقیق علامہ شوکانی رحمہ اللہ کے کذا فی کتب الشروح۔ والحق عندی ماقال المحققون من علماء اهل حديث في مسافة الفطر۔ هذا ما عندي والله اعلم بالصواب۔

روزہ

سوال: عمداً کھانے پینے سے روزہ توڑ دیا جائے تو کیا اس پر کفارہ ہے، یعنی ساٹھ روزے یا ساٹھ مساکین کو طعام یا ساٹھ کو لباس۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ صرف اپنی بیوی سے صحبت کرنے سے کفارہ پڑتا ہے۔ کوئی آیت یا حدیث صحیح ہو کہ کھانے پینے سے روزہ توڑنے سے کفارہ پڑتا ہے تو تحریر فرمائیے؟

(سائل: مولوی محمد حسین حصاری خطیب جامع مسجد اہل حدیث چک نمبر ۱۳۹ آر ۱۰ ڈاک خانہ خاص براستہ تحفہ صادق آباد تحصیل خانیوال ضلع ملتان)

جواب: حامدا و مصلیا و مبتلا واضح ہو کہ جمہور علماء کے نزدیک جس سے قضا اور کفارہ دونوں پڑتے ہیں روزے کی حالت میں جماع کرنا ہے۔ اس میں قضا کے ساتھ کفارہ بھی ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ (مشکوٰۃ)

سید سابق مصری لکھتے ہیں:

وَأَمَّا مَنْ يَبْطُلُهُ وَيُوجِبُ الْقَضَا وَالْكَفَّارَةَ فَهُوَ الْجِمَاعُ لَا غَيْرَ عِنْدَ الْجُمْهُوْرِ. ●

ہاں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ رَجُلًا فَطَّرَ فِي رَمَضَانَ أَنْ يُعْتِقَ رَقَبَةً أَوْيَصُومَ شَهْرَيْنِ أَوْ يُطْعِمَ سِتِّيْنَ مِسْكِيناً. ●

"رمضان میں جب ایک آدمی نے روزہ افطار کرلیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یا تو غلام آزاد کردو یا پھر ساٹھ روزے رکھو یا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔"

اس حدیث میں افطار کا مطلق ذکر ہے جو جماع کے علاوہ افطار کو بھی شامل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عمداً کھانے پینے وغیرہ سے بھی کفارہ ادا کرنا ہوگا، لیکن دوسرے جمہور علماء نے اس مطلق روایت کو مقید کیا ہے۔

عورت کا اپنے گھر میں اعتکاف بیٹھنا

سوال: کیا عورت اپنے گھر میں اعتکاف بیٹھ سکتی ہے یا نہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں؟

(ع۔م غازی آباد لاہور)

● فقه السنة: ج ۱ ص ۳۹٤.

● صحيح مسلم: ص ۳۵۵ باب تغليظ تحريم الجماع في نهار رمضان ج ۱.

جواب:الجواب بعون الوهاب و منه الصدق و الصواب: عورت کے لئے گھر میں اعتکاف بیٹھنا قطعاً جائز نہیں، کیونکہ اعتکاف کی صحت کے لئے وقوف فی المسجد بنیادی شرط ہے،یعنی وہ اعتکاف اعتکاف ہی نہیں جو مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ بیٹھا جائے۔ چنانچہ صحیح البخاری میں یوں باب قائم کیا گیا ہے:

بَابُ الِاعْتِكَافِ فِى الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ اَلْإِعْتِكَافُ فِى الْمَسَاجِدِ كُلِّهَا لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾ (ج ا ص ۲۷۱ باب رمضان)

''رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنا اور اعتکاف ہر مسجد میں جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم اپنی عورتوں سے اس وقت صحبت نہ کرو جب مسجدوں میں اعتکاف کر رہے ہو یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ حدیں ان کے قریب نہ جاؤ۔''

اس تبویب سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کے لئے مسجد میں بیٹھنا شرط ہے۔ اور اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ اور یہ شرط اتنی کڑی ہے کہ مستحاضہ (وہ عورت جس کا نظام حیض یعنی ماہواری) بگڑا ہوا اور اس کا خون ہمیشہ جاری رہتا ہو۔ اس کے لئے بھی یہی حکم ہے کہ وہ بھی مسجد ہی میں اعتکاف کرے۔ چنانچہ صحیح البخاری میں ایک باب یوں ہے۔باب اعتكاف المستحاضة ص ۴۵ و ۲۷۳ ج ا۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ اِعْتَكَفَتْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِمْرَاَةٌ مِّنْ اَزْوَاجِهٖ مُسْتَحَاضَةً فَكَانَتْ تَرَى الْحُمْرَةَ وَالصُّفْرَةَ فَرُبَّمَا وَضَعْنَا الطَّسْتَ تَحْتَهَا وَهِيَ تُصَلِّي . [1]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی ایک بی بی (ام سلمہ رضی اللہ عنہا) نے اعتکاف کیا وہ استحاضہ کے مرض میں مبتلا تھیں۔ ہمیشہ سرخ اور زرد سا خون دیکھتی رہتیں۔ یہاں تک ہم کبھی ان کے تلے ایک طست رکھ دیتے اور وہ نماز پڑھتی رہتیں۔''

اس حدیث صحیح سے ثابت ہوا کہ مستحاضہ عورت بھی گھر میں اعتکاف نہیں بیٹھ سکتی، پس ثابت ہوا کہ صحت اعتکاف کے لئے مسجد میں بیٹھنا شرط ورنہ اعتکاف صحیح اور درست نہ ہوگا۔

علمائے احناف کے نزدیک عورت کو اپنے گھر میں بیٹھنا چاہیے۔ مگر ہم وثوق سے کہتے ہیں کہ ان کے پاس اس قول کی کوئی دلیل نہیں۔ تلاش و بسیار کے باوجود کوئی ضعیف حدیث بھی نہیں ملی۔ هذا ماعندي الله تعالىٰ اعلم بالصواب.

اختلاف مطالع کا اعتبار ضروری ہے

سوال: کیا یہ مسئلہ صحیح ہے کہ اپنے شہر اور علاقے میں جب تک چاند دکھائی نہ دے تو روزہ نہ رکھا جائے جواب حدیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں؟

---

[1] صحيح البخاری ج۱ ص ۶۷۳.

جواب: جمہور علماء تو اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کرتے۔ ان کے ہاں مسئلہ یہ ہے کہ جب ایک شہر کے لوگ چاند دیکھ لیں تو ملک بھر کے تمام شہروں پر روزہ اور افطار واجب ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ۔ الخ رواہ البخاری ومسلم بحوالہ نیل الاوطار ج ۴ ص ۲۱۴ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روزہ رکھو تو چاند دیکھ کر رکھو اور افطار کرو تو چاند دیکھ کر افطار کرو کہ یہ خطاب عام امت کے تمام افراد کے لیے، لہٰذا ایک آدمی کا چاند دیکھنا گویا سب کا چاند دیکھنا ہے۔

لیکن اس کے برعکس عکرمہ، قاسم بن محمد، سالم، اسحاق رحمہم اللہ کے نزدیک ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر کے لئے حجت نہیں۔ یہی احناف کا صحیح مسلک ہے اور شافعیہ کے ہاں بھی یہی مختار ہے، جیسا کہ کریب کی مشہور اور طویل حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے اہل شام امیر المومنین حضرت معاویہ اور دوسرے شامیوں کی رؤیت کا اعتبار نہیں کیا تھا اور فرمایا:

البخاری لَا هٰكَذَا اَمرنا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ اِلاَّ الْبُخَارِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ ۔ [1]

مگر ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار ضروری ہے۔ هذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔



[1] نیل الاوطار ج ٤ ص ١٩٤ باب الهلال اذا راه اهل بلدة هل يلزم بقية البلاد الصوم ج۔

کتاب الحج

فضائل واحکام عشرہ ذی الحجہ

ذوالحجہ کے پہلے دس دن اپنی فضیلت اور بزرگی کی وجہ سے دوسرے دنوں پر خاص برتری اور خصوصیت رکھتے ہیں بلکہ افضل ایام الدنیا کے لقب سے ملقب ہیں جیسے کہ محدث بزار نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے (ترغیب ج۲ص۱۹۹) اس لئے ان کے چند فضائل ہدیہ قارئین کیے جاتے ہیں۔

عشرہ ذوالحجہ کا ذکر قرآن مجید میں:

﴿وَالْفَجْرِ ○ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ○ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ﴾ (سورۂ فجر)

"قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور شفع کی اور وتر کی۔"

چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ان دس راتوں سے عشرہ ذوالحجہ کی پہلی دس شبہائے مبارکہ مراد ہیں اصل الفاظ یہ ہیں:

وَاللَّيَالِي الْعَشْرُ الْمُرَادُ بِهَا عَشَرَةُ ذِي الْحَجَّةِ كَمَا قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَ مُجَاهِدٌ وَّ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ ۔

پھر مسند احمد کے حوالہ سے حضرت جابر سے مروی ایک مرفوع حدیث ذکر کی ہے:

اَنَّ الْعَشْرَ عَشْرُ الْاَضْحٰى. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَهٰذَا إِسْنَادُ رِجَالِهٖ لَا بَأْسَ بِهِمْ وَعِنْدِيْ اَنَّ الْمَتْنَ فِيْ رَفْعِهٖ نَكَارَةٌ ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ﴾ (البقرة: رکوع ٢٥)

"ان چند دنوں میں اللہ کو خوب یاد کیا کرو۔" تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ ایام معدودات سے ایام تشریق اور ایام معلومات سے ذوالحجہ کے پہلے دس دن مراد ہیں، یعنی ان دس دنوں میں کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا چاہیے۔

تسبیح تہلیل کثرت سے کرنی چاہیے

(۱)......حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((مَا مِنْ اَيَّامٍ اَعْظَمُ عِنْدَاللّٰهِ وَلَا اَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ الْعَمَلُ فِيْهِنَّ مِنْ اَيَّامِ الْعَشْرِ فَاَكْثِرُوْا فِيْهِنَّ مِنَ التَّسْبِيْحِ وَالتَّحْمِيدِ وَالتَّهْلِيْلِ وَالتَّكْبِيْرِ.)) ●

● طبراني في الكبير بإسناد جيد (ترغيب:ص ١٩٨ ج ٢ باب الترغيب في العمل الصالح.

"یہ دس ایام اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑے ہیں اوران میں کیا ہوا عمل اللہ کو بہت محبوب ہوتا ہے۔لہٰذا ان میں سبحان اللہ' الحمد للہ' لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کا ورد کثرت سے کرنا چاہیے۔تکبیر کے الفاظ۔ اللّٰه اكبر اللّٰه اكبر لا اله الا اللّٰه واللّٰه اكبر اللّٰه اكبر ولله الحمد ہیں۔

(۲)......عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهَا أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ هٰذِهِ الْأَيَّامِ يَعْنِيْ أَيَّامَ الْعَشْرِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ؟ قَالَ وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ. ●

"بہ نسبت دوسرے دنوں کے ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں کیا گیا نیک عمل اللہ تعالیٰ کو بہت ہی زیادہ پسند ہے۔ پوچھنے والے نے پوچھا کہ حضرت ﷺ جہاد سے بھی زیادہ پسند ہے کیا؟ فرمایا: ہاں۔ مگر اس غازی سے بڑھ کر نہیں جو اپنے جان و مال کے سمیت جہاد فی سبیل اللہ میں شہید ہو جائے۔"

ایک روزہ سال بھر کے روزوں کے برابر

(۳)......عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ مَامِنْ أَيَّامٍ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ أَنْ يُّتَعَبَّدَ لَهٗ فِيْهَا مِنْ عَشْرِ ذِي الْحَجَّةِ يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ بِصِيَامِ سَنَةٍ وَّ قِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِّنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ. ●

"ان دس دنوں میں کی گئی عبادت اللہ تعالیٰ کو دوسرے دنوں کے مقابلہ میں بہت ہی محبوب ہے کہ ان دنوں کا ایک ایک روزہ سال کے روزوں کے برابر اور ایک ایک رات کا قیام شب قدر کے برابر ثواب رکھتا ہے۔" روایت قدرے ضعیف ہے۔

سات سو گنا ثواب

(۴)......عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ أَيَّامٍ أَفْضَلُ عِنْدَاللّٰهِ وَلَا الْعَمَلُ فِيْهِنَّ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ مِنْ هٰذِهِ الْأَيَّامِ يَعْنِيْ مِنَ الْعَشْرِ فَأَكْثِرُوْا فِيْهِنَّ مِنَ التَّهْلِيْلِ وَالتَّكْبِيْرِ ' وِ ذِكْرِ اللّٰهِ وَأَنَّ صِيَامَ يَوْمٍ مِّنْهَا يَعْدِلُ بِصِيَامِ سَنَةٍ وَّالْعَمَلُ فِيْهِنَّ يُضَاعَفُ بِسَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ. ●

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن اللہ تعالیٰ کی جناب میں سب دنوں سے افضل دن ہیں اور ان دنوں میں نیک عمل اللہ تعالیٰ کو باقی سب دنوں سے زیادہ پسند ہے، اس لئے تم ان دنوں میں کثرت سے لا الہ

● رواہ البخاری والترمذی (الترغیب: صفحہ مذکورہ) ● ترمذی: ص ۱۳۲۔ ابن ماجہ: ص ۱۲۵ ج ۱۔ ● ترغیب: ص ۱۹۹ ج ۲۔

الا اللہ اور اللہ اکبر کا وظیفہ کیا کرو۔ اور ذکر الٰہی سے زبان تر رکھو۔ ان دنوں کا ایک روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے ان دنوں کی ایک نیکی کا ثواب سات سو نیکیوں کے برابر ہے۔

عرفہ کے دن روزہ کی فضیلت

(۵)......عَنْ أَبِیْ قَتَادَةَ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ صِیَامُ یَوْمِ عَرَفَةَ أَنِّیْ أَحْتَسِبُ عَلَی اللّٰهِ أَنْ یُکَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِیْ بَعْدَهُ وَالسَّنَةَ الَّتِیْ قَبْلَهُ. قَالَ أَبُوْ عِیْسٰی حَدِیْثُ أَبِیْ قَتَادَةَ حَدِیْثٌ حَسَنٌ ●
عَنْ أَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ عَنْ قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ صَامَ یَوْمَ عَرَفَةَ غُفِرَ لَهُ سَنَةٌ قَبْلَهُ وَ سَنَةٌ بَعْدَهُ. ●

حاصل ترجمہ یہ ہے کہ عرفہ کے دن روزہ سے ایک سال گذشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ حکم غیر حاجیوں کے لئے ہے۔

قربانی دینے والا حجامت نہ بنائے

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ إِذَا رَأَیْتُمْ هِلَالَ ذِی الْحِجَّةِ وَأَرَادَ أَحَدُکُمْ أَنْ یُّضَحِّیَ فَلْیُمْسِكْ عَنْ شَعْرِهٖ وَأَظْفَارِهٖ. ●

"حضرت ام سلمہ ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم عید قربان کا چاند دیکھ لو تو قربانی دینے والا دس ذوالحجہ سے پہلے اپنے بال اور ناخن کاٹنے سے رکا رہے۔"

قربانی نہ کرنے والا بھی بال نہ بنائے تو ثواب ملے گا

جو شخص قربانی دینے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ بال نہ بنائے بلکہ عید کے دن بال اور ناخن کٹوائے اس طرح اس کو بھی قربانی کا ثواب مل جائے گا۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ سے روایت ہے:

قَالَ الرَّجُلُ أَرَأَیْتَ إِنْ لَّمْ أَجِدْ إِلَّا مَنِیْحَةً أُنْثٰی أَفَأُضَحِّیْ بِهَا قَالَ لَا وَلٰکِنْ تَأْخُذُ مِنْ شَعْرِكَ وَأَظْفَارِكَ وَ تَقُصُّ شَارِبَكَ وَتَحْلِقُ عَانَتَكَ فَتِلْكَ تَمَامُ أُضْحِیَّتِكَ ●

● ترمذی: ص ۱۳۱ ج ۱ باب فضل صوم یوم عرفة۔
● ابن ماجة: ص ۱۲۵ ج ۱ باب صیام یوم عرفة۔
● مسلم: ص ۱۶۰ ج ۲ کتاب الأضاحی۔
● سنن أبی داؤد: ص ۱ ج ۲، عون المعبود ج ۳، باب ما جاء فی ایجاب الاضاحی ص ۵۰۔

''ایک شخص نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول اگر میں قربانی نہ پاؤں تو دودھ دینے والی بکری ذبحہ کر ڈالوں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو بلکہ تم عید کے بعد اپنی حجامت بنالو اس طرح تمہیں قربانی کا ثواب مل جائے گا۔''

چندہ مانگ کر حج کرنا

سوال: ایک مسجد کے خطیب و امام لوگوں سے بھیک مانگ کر رقم اکٹھی کر کے اب حج جیسا فریضہ ادا کرنے کو گئے ہیں کیا ایسے امام صاحب کا حج ہو جاتا ہے اور ہماری نمازیں اس کے پیچھے جائز ہیں یا کہ نہیں؟

(سائل: ثناء اللہ شاد بن محمد اسحاق زرگر کوٹ گجراں ڈاک خانہ خاص تحصیل وضلع ملتان)

جواب: بھیک مانگ کر حج ادا کرنا قبیح فعل ہے اور ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا اس کو دلیر کرنا ہے۔ واللہ اعلم



کتاب الاضحیۃ

مسائل قربانی

جناب مولانا صاحب' السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

قربانی کے سلسلہ میں چند سوالات کے جوابات مطلوب ہیں۔ بینوا وتوجروا۔

اگر والدہ صاحب استطاعت ہے تو نیا جانور قربانی کرے

سوال: بیٹے نے ماں کو قربانی کے لئے ایک جانور دیا' بعد میں ماں بیٹے کے درمیان جھگڑا ہو گیا ماں نے غصہ میں آ کر جانور (مینڈھا یا بکرا) واپس کر دیا کہ مجھے یہ بھی قبول نہیں، بیٹے نے جانور واپس لے لیا اب اس عورت (ماں) کی قربانی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: اگر عورت صاحب استطاعت ہے اور نیا جانور خرید سکتی ہے تو اس کے لئے بہتر اور افضل یہی ہے کہ وہ نیا جانور خرید کر قربانی دے۔ اگر اس میں ہمت نہیں ہے تو پھر وہ معذور ہے کیونکہ قربانی کے لئے جانور محض منتخب کرنے یا خرید لینے سے قربانی واجب نہیں ہوتی۔ قرآن مجید میں ہے۔

﴿ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ ﴾(التوبۃ: رکوع ۱۸)

کہ احسان کرنے والوں پر کچھ راہ عتاب کی نہیں ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کہ اگر قربانی یا ہدی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا تو محض خرید کرنے سے قربانی واجب نہیں ہوتی، میرے نزدیک بھی یہی صحیح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

قربانی واجب ہے یا سنت یا مستحب

سوال: قربانی واجب ہے یا سنت یا مستحب؟

جواب: قربانی کے واجب اور سنت ہونے میں اختلاف ہے۔

امام ربیعہ' لیث' ابوحنیفہ اور اوزاعی رحمہم اللہ کے نزدیک جس پر زکوٰۃ واجب ہے' اس پر قربانی بھی واجب ہے، تاہم میدان

منیٰ میں حاجی پر یہ ائمہ قربانی واجب نہیں سمجھتے۔

امام محمد بن حسن شیبانی رحمہ اللہ کے نزدیک مقیم شہری پر قربانی واجب ہے' مسافر پر نہیں۔ ●

ایک روایت کے مطابق امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک صاحب استطاعت پر قربانی سنت واجب ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ' ابو یوسف رحمہ اللہ اور مشہور ردمختار قول کے مطابق قربانی سنت مؤکدہ ہے۔

ان اقوال کا تجزیہ کرنے سے صرف دو مسلک واضح ہوتے ہیں۔ (۱) وجوب (۲) سنت۔

وجوب کے دلائل:

۱۔ عَنْ عَامِرِ بْنِ اَبِیْ رَمْلَةَ قَالَ اَنْبَاَنَا مِخْنَفُ بْنُ سُلَیْمٍ وَّ نَحْنُ وُقُوْفٌ مَّعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اَیُّهَا النَّاسُ عَلٰی کُلِّ اَهْلِ بَیْتٍ فِیْ کُلِّ عَامٍ اُضْحِیَةٌ وَّ عَتِیْرَةٌ. ●

مخنف بن سلیم کہتے ہیں کہ عرفات کے میدان میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر سال ایک دفعہ ہر اہل خانہ پر قربانی اور عتیرہ واجب ہے۔

تبصرہ......: یہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ عامر ابو رملہ بقول حافظ ابن حجر تیسرے طبقہ کا راوی ہے اور مجہول الحال ہے۔

قَالَ الزَّیْلَعِیُّ فِیْ نَصْبِ الرَّایَةِ قَالَ عَبْدُ الْحَقِّ ضَعِیْفٌ قَالَ ابْنُ الْقَطَّانِ عِلَّتُهُ الْجَهْلُ بِحَالِ اَبِیْ رَمْلَةَ۔ (نصب الرایة ج ٤ ص ٢١١)

وَقَالَ الْخَطَّابِیُّ هٰذَا الْحَدِیْثُ ضَعِیْفُ الْمَخْرَجِ لِاَنَّ اَبَا رَمْلَةَ مَجْهُوْلٌ. ●

۲۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ کَانَ لَهٗ سِعَةٌ فَلَمْ یُضَحِّ فَلَا یَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا. ●

کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔''

تبصرہ......: یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے' مرفوع نہیں ہے۔

قَالَ الْبَیْهَقِیُّ عَنِ التِّرْمِذِیِّ اَلصَّحِیْحُ اَنَّهٗ مَوْقُوْفٌ. ●

اگرچہ امام حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے لیکن ان کا تساہل بھی مشہور ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ لٰکِنِ اخْتُلِفَ فِیْ رَفْعِهٖ وَ وَقْفِهٖ وَالْمَوْقُوْفُ اَشْبَهُ بِالصَّوَابِ.

کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے۔

تبصرہ......: اس میں تاکید ہے جیسے کہ کچا پیاز کھا کر مسجد میں آنے سے منع کیا گیا ہے۔ حالانکہ کچا پیاز کسی کے نزدیک بھی حرام نہیں ہے۔

۳۔ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سُفْیَانَ اَنَّهٗ قَالَ شَهِدْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ مَنْ ذَبَحَ

---

❶ شرح مهذب: ص ٢٩٩ ج ٨. ❷ عون المعبود: ص ٤٩ ج ٣۔ نسائی ج ٢ ص ١٨١. ❸ شرح مهذب ص ٣٠٠ ج ٨.

❹ ابن ماجة باب الاضاحی واجبة ام لا ـ ص ٢٧١ ج ٢. ❺ شرح مهذب: ص ٣٠٠ ج ٨.

قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَلْيُعِدْ مَكَانَهَا أُخْرٰى. ❶

کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے نماز عید سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کر دیا ہے وہ اور جانور ذبح کرے۔

تبصرہ......: اس حدیث میں امر کا صیغہ فلیذبح وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ استحباب کے لئے ہے۔ چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَمَا كَانَ مِنْهَا ضَعِيفاً لَا حُجَّةَ فِيهِ وَمَا كَانَ صَحِيحاً فَهُوَ مَحْمُولٌ عَلَى الْاِسْتِحْبَابِ جَمْعاً بَيْنَ الْاَدِلَّةِ والله اعلم. ❷

کہ جو روایتیں ضعیف ہیں وہ دلیل وجوب نہیں بن سکتیں اور جو دلائل صحیح ہیں تو ان میں اور دوسرے منفی دلائل میں تطبیق یہ ہے کہ یہ استحباب پر محمول ہیں۔

قربانی کے سنت ہونے پر دلائل:

بخاری شریف میں باب سنة الاضحية وقال ابن عمر هي سنة و معروف کی شرح میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

كَاَنَّهُ تَرْجَمَ بِالسُّنَّةِ إِشَارَةً إِلَى مُخَالَفَةِ مَنْ قَالَ بِوُجُوبِهَا قَالَ ابْنُ حَزمٍ لَا يَصِحُّ عَنْ اَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ اَنَّهَا وَاجِبَةٌ وَصَحَّ اَنَّهُ غَيْرُ وَاجِبَةٍ عَنِ الجمهور. (محلّى ابن حزم ۷ ص ۳۵۸) ❸

کہ اس باب سے امام بخاری کی غرض صرف ان لوگوں کے ساتھ اختلاف کرنا ہے جن کے نزدیک قربانی واجب ہے۔ ابن حزم فرماتے ہیں کہ کسی صحابی سے بھی بسند صحیح قربانی کا وجوب ثابت نہیں ہے۔ اور جمہور کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ قربانی سنت ہے۔

پھر امام بخاری رحمہ اللہ اپنے دعویٰ میں یہ دو حدیثیں لائے ہیں:

۱۔ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهِ فِي يَوْمِنَا هٰذَا اَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِع فَنَنْحَر مَنْ فَعَلَهُ فَقَدْ اَصَابَ سُنَّتَنَا. ❹

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ہم بقرعید کے دن سب سے پہلے نماز عید ادا کرتے ہیں، پھر واپس آ کر قربانی ذبح کرتے ہیں۔ جس نے ہماری طرح کیا' اس نے ہماری سنت کو پا لیا۔

۲۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَإِنَّمَا يَذْبَحُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَقَدْ اَتَمَّ نُسُكَهُ وَاَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِينَ. ❺

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے نماز عید سے پہلے قربانی ذبح کی تو اس نے اپنی ذات کے لئے ذبح کی

❶ بخاری: ص ۸۳٤ ج ۲۔ ❷ شرح مهذب: ص ۳۰۱ ج ۸۔ ❸ فتاویٰ نذیریہ ص ۲۰۵ ج ۳۔
❹ بخاری: کتاب الاضاحی ص ۸۳۲ ج ۲۔ ❺ بخاری: ص ۸۳۲ ج ۲۔

اور جس نے نماز عید کے بعد ذبح کی تو اس کی قربانی پوری ہو گئی اور مسلمانوں کی سنت پر عمل کیا۔

۳۔ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتُمْ هِلَالَ ذِي الْحَجَّةِ وَأَرَادَ أَحَدُكُمْ أَنْ يُضَحِّيَ فَلْيُمْسِكْ عَنْ شَعْرِهِ وَأَظْفَارِهِ. ❶

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور کوئی قربانی کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ لے۔

اس حدیث میں قربانی کو قربانی کرنے والے کے ارادہ پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اگر قربانی واجب ہوتی تو پھر قربانی کرنا' قربانی کرنے والے کے ارادہ پر نہ چھوڑا جاتا، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا دَلِيْلٌ أَنَّ التَّضْحِيَةَ لَيْسَتْ بِوَاجِبَةٍ لِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَرَادَ فَجَعَلَهٗ مُفَوَّضًا إِلٰى إِرَادَتِهٖ وَلَوْ كَانَتْ وَاجِبَةً لقال فَلَا يَمَسُّ عَنْ شَعْرِهٖ حَتّٰى يُضَحِّيَ. ❷

کہ یہ حدیث قربانی کے واجب نہ ہونے کی دلیل ہے۔ اگر قربانی واجب ہوتی تو آنحضرت ﷺ قربانی کو قربانی کرنے والے کے سپرد نہ کرتے بلکہ فرماتے کہ قربانی کرنے والا' قربانی ذبح کرنے سے پہلے بال اور ناخن نہ لے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلِأَنَّ التَّضْحِيَةَ لَوْ كَانَتْ وَاجِبَةً لَمْ تَسْقُطْ بِفَوَاتٍ عَلٰى هٰذَا كَالْجُمُعَةِ وَسَائِرِ الْوَاجِبَاتِ وَوَافَقَنَا الْحَنَفِيَّةُ عَلٰى أَنَّهَا إِذَا فَاتَتْ لَا يَجِبُ الْقَضَاءُ عَنْهَا. ❸

یعنی اگر قربانی واجب ہوتی تو فوت ہو جانے کی صورت میں اس کی قضا واجب ہوتی، حالانکہ قضا لازم نہ ہونے میں خود حنفیہ' جو کہ وجوب کے قائل ہیں' بھی ہمارے ساتھ اتفاق کرتے ہیں۔

بہر حال ان احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ قربانی سنت مؤکدہ ہے' واجب نہیں اور جمہور اہل علم کا یہی مذہب ہے' چنانچہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَقَالَ جُمْهُوْرُهُمْ هِيَ سُنَّةٌ فِيْ حَقِّهٖ إِنْ تَرَكَهَا بِلَا عُذْرٍ لَمْ يَأْثَمْ وَلَمْ يَلْزَمْهُ الْقَضَاءُ وَمِمَّنْ قَالَ بِهٰذَا أَبُوْبَكْرِ الصِّدِّيْقُ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَبِلَالٌ وَأَبُوْ مَسْعُوْدِ الْبَدْرِيُّ وَسَعِيْدُ ابْنُ الْمُسَيَّبِ وَالْعَلْقَمَةُ وَالْأَسْوَدُ وَعَطَاءٌ وَمَالِكٌ وَأَحْمَدُ وَأَبُوْ يُوْسُفَ وَإِسْحَاقُ وَأَبُوْ ثَوْرٍ وَالْمُزَنِيُّ وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَدَاوُدُ وَغَيْرُهُمْ. ❹

کہ صاحب استطاعت پر قربانی واجب نہیں۔ اگر وہ بلا عذر چھوڑ دے تو نہ اس پر قضا لازم ہے اور نہ گناہ گار ہوگا۔ ابوبکر صدیق' عمر' ابومسعود بدری' بلال رضی اللہ عنہم اور دیگر تابعین اور فقہاء کا مذہب یہی ہے۔

❶ مسلم مع نووی ص ۱۶۰ ج ۲۔
❷ شرح مہذب: ص ۳۰۰ ج ۸۔
❸ شرح مہذب ج ۸ ص ۳۰۱۔
❹ نووی شرح مسلم: ص ۱۵۳ ج ۲ شرح مہذب: ص ۲۹۹ ج ۸۔

مگر اس خاکسار کے نزدیک صاحب استطاعت کو کلی چھٹی دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ قربانی سنت مؤکدہ اور دین اسلام کا شعار ہے۔ اس میں سستی بشرط استطاعت حرماں نصیبی کے سوا کچھ نہیں اور سنت کا استخفاف مزید برآں ہے جب کہ قرآن مجید میں شعائر دینیہ کی حفاظت کا حکم ہے۔

﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ (حج: رکوع ۱۱)

امام شافعی فرماتے ہیں:

اَلتَّضْحِيَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ وَ شِعَارٌ ظَاهِرٌ يَنْبَغِىْ لِلْقَادِرِ عَلَيْهَا الْمُحَافَظَةُ عَلَيْهَا وَلَا تَجِبُ بِأَصْلِ الشَّرْعِ لِاَنَّ الْاَصْلَ عَدَمُ الْوُجُوْبِ. ●

کہ قربانی سنت مؤکدہ اور دین کا شعار (امتیازی نشان) ہے۔ صاحب استطاعت کو اس کی حفاظت کرنی چاہیے، اگرچہ ازروئے شرعی دلائل واجب نہیں، میرے نزدیک بھی یہی صحیح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

قربانی کے لیے کون سا جانور موزوں ہے؟

سوال: قربانی کے لئے کون سا جانور موزوں ہے؟

جواب: لفظ موزوں ایک عام لفظ ہے۔ اگر اس سے مراد قربانی کے جانور کی نوع اور قسم کی تعیین مقصود ہے تو پھر موٹا تازہ دنبہ اور مینڈھا زیادہ بہتر ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ اکثر مینڈھے کی قربانی دیتے تھے۔

عَنْ اَنَسٍ ؓ كَانَ النَّبِىُّ ﷺ يُضَحِّىْ بِكَبْشَيْنِ وَاَنَا اُضَحِّىْ بِكَبْشَيْنِ. ●

کہ آنحضرت ﷺ دو مینڈھے قربانی کیا کرتے تھے اور میں (انس ؓ) بھی دو مینڈھے قربانی کرتا ہوں۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِكَبْشٍ اَقْرَنَ يَطَأُ فِىْ سَوَادٍ وَيَنْظُرُ فِىْ سَوَادٍ وَيَبْرُكُ فِىْ سَوَادٍ فَاُتِىَ بِهٖ فَضَحّٰى. ●

کہ آنحضرت ﷺ نے سینگ دار خالص سیاہ مینڈھا منگوایا اور اس کی قربانی کی۔ (یہ روایت مسلم شریف ص ۱۵۶ ج ۲۔ نسائی شریف: باب الکبش ص ۱۹۷ ج ۲، باب الکبش، تحفۃ الاحوذی ص ۳۵٤ ج ۲) تاہم مینڈھے کے بعد اونٹ پھر گائے، پھر بکری وغیرہ۔

اگر موزوں کے الفاظ سے جانور کی عمر مطلوب ہے تو پھر قربانی کا جانور دو دانت (دوندا) ہونا ضروری ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَذْبَحُوْا اِلَّا مُسِنَّةً اِلَّا اَنْ يُّعْسَرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوْا جَذَعَةً مِّنَ الضَّأْنِ.

● شرح مہذب: ص ۲۹۷ ج ۸۔ ● بخاری: کتاب الاضاحی ج ۲، ص ۸۳۳۔ ● ابوداؤد: باب ما یستحب من الضحایا ص ۳۸٦

کہ آنحضرت ﷺ کا حکم ہے کہ قربانی کا جانور دوندا ہونا چاہیے۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر دنبہ یا مینڈھا بھی جائز ہے۔ (بشرطیکہ وہ موٹا تازہ ہو)

گائے، اونٹ، بکرا، کھیرا قطعاً جائز نہیں ہے۔ مسنہ اونٹ وہ ہے جو پانچ سال پورے کر کے چھٹے میں داخل ہو جائے۔ گائے تیسرے سال میں اور بکری دوسرے میں داخل ہو۔ اور اگر موزوں سے مراد یہ ہے کہ قربانی کے جانور میں کون کون سا عیب نہ ہو تو مندرجہ ذیل جانور قربانی میں جائز نہیں ہیں:

۱۔ عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّضَحّٰى بِمُقَابَلَةٍ اَوْ مُدَابَرَةٍ اَوْ شَرْقَاءَ اَوْ خَرْقَاءَ اَوْ جَدْعَاءَ. ❶

کہ آنحضرت ﷺ نے (۱) سامنے سے کان کٹا (۲) جڑ کی طرف سے کان کٹا (۳) آگے سے کان چرا ہوا (۴) کان میں گول سوراخ (۵) اور ناک کٹا جانور بطور قربانی ذبح کرنے سے منع فرمایا۔

۲۔ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَايَجُوْزُ مِنَ الضَّحَايَا اَلْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا وَالْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ عَرَجُهَا الْمَرْضَاءُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا اَلْعَجْفَاءُ الَّتِيْ لَاتَنْقِيْ. ❷

کہ قربانی میں پورا بھینگا، پورا لنگڑا، بیمار اور دبلا جانور ذبح کرنا بحکم رسول اللہ ﷺ منع ہے۔

۳۔ عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّضَحّٰى بِاَعْضَبِ الْقَرْنِ وَالْاُذُنِ. ❸

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سینگ ٹوٹے اور پورا کان کٹے کی قربانی نہ کی جائے۔

فائدہ.....: اَجْلَحْ، یعنی قدرتی بے سینگ جانور کی قربانی بالاتفاق جائز ہے، تاہم شوافع کے نزدیک مکروہ ہے۔

بھینس کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

سوال: بھینس کی قربانی کا کیا حکم ہے؟

جواب: قرآن مجید کے ظاہر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اونٹ، بکری، دنبہ اور گائے کی قربانی دینی چاہیے جیسے کہ ارشاد ہے:

﴿لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ (الحج)

اور بظاہر بھینس، گائے سے الگ دوسری قسم کا جانور معلوم ہوتا ہے۔ مگر لغت میں بھینس کو گائے کی قسم قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ منجد میں ہے:

اَلْجَامُوْسُ جَمْعُهٗ جَوَامِيْسُ صِنْفٌ مِنْ كُبَارِ الْبَقَرِ يَكُوْنُ دَاجِنًا مُنْذُ اَسْنَافٍ وَحْشِيَّةٍ. (ص ۱۰۰)

کہ پالتو بھینس بڑی گائے کی ایک قسم ہے، اسی وجہ سے شوافع اور حنفیہ کے نزدیک بھینس کی قربانی جائز ہے۔

---

❶ نسائی: ص ۱۹۵ ج ۱۔ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی: ص ۳۵۴ ج ۲۔ ❷ رواہ الخمسۃ، نسائی: ص ۱۹۵، ج ۲، باب العجفاء۔

❸ تحفۃ الاحوذی: ص ۲۵۷، ج ۲، نسائی ص ۱۹۶ ج ۲۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَجَمِيعُ أَنْوَاعِ الْبَقَرِ مِنَ الْجَوَامِيسِ وَالْعُرَابَ وَالدَّرْبَانِيَةِ۔ ❶

کہ قربانی کے جانوروں میں گائے کی تمام اقسام جائز ہیں خواہ گائے عربی ہو یا فارسی یعنی بھینس۔

اور ہدایہ حنفیہ میں بھی اس کا جواز موجود ہے۔ بہر حال بھینس چونکہ حلال چوپایہ ہے اور مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ کے عموم میں داخل نہیں، مگر اہل لغت کے مطابق یہ گائے کی ایک بڑی قسم ہے، اس لئے اس کی قربانی کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ تاہم یہ نہ تو سنت رسول اللہ ہے نہ سنت صحابہ۔

اگر قربانی کا جانور چند روز قبل مرجائے تو قربانی کے سنت ہونے پر دلائل

سوال: ایک شخص نے قربانی کے لئے جانور خریدا' جو عید سے چند روز قبل مر گیا۔ اس شخص میں نیا جانور خریدنے کی قطعاً استطاعت نہیں۔ اب اس کی قربانی کے بارے میں کیا حکم ہے۔ (سائل: سیف اللہ خالد' انعام اللہ ساجد' حضرت کیلیانوالہ ضلع گوجرانوالہ)

جواب: جواب میں گزر چکا ہے کہ قربانی واجب نہیں بلکہ سنت مؤکدہ ہے اور سوال نمبر ا کے جواب میں گزر چکا ہے کہ قربانی کے جانور کے محض انتخاب کر لینے یا خرید لینے سے قربانی واجب نہیں ہوتی، لہٰذا ایسا شخص جس کا جانور قربانی سے قبل مر گیا اور مزید کی استطاعت نہیں رکھتا' وہ معذور ہے۔ لہٰذا اس پر اس کا اعادہ ضروری نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

قربانی کے چند ضروری مسائل

قرض اٹھا کر قربانی کرنا:

سوال: قربانی کا جانور ادھار لے کر قربانی کریں تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ادھار قربانی کا کوئی حرج نہیں' جیسے چھوٹی موٹی اور ضرورتیں انسان ادھار لے کر پوری کرتا ہے، اسی طرح یہ بھی ایک دینی ضرورت ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بڑے بڑے دینی کام ادھار سے کئے۔ مشکوۃ باب الافلاس ص: ۲۵۲ میں ہے کہ ایک دفعہ آپ نے چالیس ہزار قرض اٹھایا' باب الربوا میں اسی قسم کی ایک اور حدیث بھی ہے۔ حضرت عمرؓ دینی ضرورتوں کی وجہ سے بڑے مقروض ہو گئے تھے۔ (فتح الباری) قربانی تو ایک معمولی ادھار ہے اس میں کیا حرج ہے۔ ہاں، اگر ادھار لینے کے بعد اپنے قرض خواہ کو تنگ کرے اور وقت مقررہ پر ادا کرنے میں سستی کرے تو اس سے عبادت کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ اسی لئے جو قرض نیک کام کے لئے لیا جائے اس کی ادائیگی میں خصوصی احتیاط درکار ہے۔ ❷

---

❶ شرح مہذب: ص ۳۰۸ ج ۸۔

❷ فتاوی اهل حدیث: ص ٤١٦ ج ۲۔

چاند ہو جانے کے بعد قربانی کی اون کاٹنا یا دودھ دھونا

سوال: قربانی کا جانور جو خاص قربانی کے لئے خریدا جائے اور ذوالحجہ کے چاند میں اس کی اون بالکل صاف کی جائے، یعنی مونڈی جائے تو بہتر ہے یا نہیں' پشم اتارنے میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟

جواب: الجواب بعون الوھاب: ترغیب وترہیب میں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَا عَمِلَ آدَمِیٌّ مِنْ عَمَلٍ یَوْمَ النَّحْرِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهَا لَتَأْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فِیْ قَرْنِهِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَیَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ یَقَعَ مِنَ الْاَرْضِ فَطِیْبُوْا بِهَا نَفْسًا۔ [1]

''یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بقرعید کے دن آدم کے بیٹے نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو قربانی سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو اور قربانی قیامت کے دن سینگوں' بالوں اور کھروں سمیت آئے گی اور خون زمین پر پڑنے سے پہلے خدا کے پاس قبولیت کے مقام میں پہنچ جاتا ہے، پس قربانیوں کے ساتھ دل سے خوش رہو۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے بال نہیں کٹانے چاہئیں جیسے سینگ وغیرہ کیونکہ قیامت کے دن قربانی ان اشیاء کے ساتھ آئے گی۔ ہاں، اگر قربانی کا جانور بہت مدت پہلے خریدا ہوا ہو اور اون اتنی بڑی ہوگئی ہو کہ جانور کو تکلیف ہو تو پھر کاٹنے میں کوئی حرج نہیں' مگر بقرعید کے دن سے اتنی پہلے کاٹے کہ بقرعید کے دن تک کافی بڑھ جائے تا کہ اس حدیث کے مطابق ہو جائے اس صورت میں کاٹنے سے اس حدیث کی مخالفت نہیں ہوگی اور قربانی کا جانور تکلیف سے بھی محفوظ رہے گا۔ اور جو اون اتاری جائے وہ صدقہ کر دینی چاہیے۔ کیونکہ قربانی کے ذبح ہونے سے پہلے قربانی کی کوئی شے استعمال کرنا شبہ سے خالی نہیں' جو قربانی مکہ معظمہ میں بھیجی جاتی ہے اس کی بابت حدیث میں آیا ہے کہ اگر راستہ میں رہ جائے تو اس کو ذبح کر دو اور لوگوں کے لئے چھوڑ دو' تم اور تمہارے ساتھیوں میں سے کوئی نہ کھائے۔ (مشکوۃ باب الھدی) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز اللہ کے لیے وقف ہو جائے وہ وقت سے پہلے استعمال نہ کرنی چاہیے۔ ہاں لاچاری کی صورت میں سواری کی اجازت ہے، چنانچہ مشکوۃ کے اسی باب میں ہے اِرْكَبْهَا بِالْمَعْرُوْفِ اِذَا اُلْجِئْتَ اِلَیْهَا حَتّٰی تَجِدَ ظَهْرًا یعنی قربانی کے جانور پر سواری کے لئے مجبور ہو جائے تو سواری کرے حتیٰ کہ اور سواری مل جائے۔

قربانی کا دودھ

اسی بنا پر امام مالک رحمہ اللہ وغیرہم قربانی کے دودھ کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ نیل الاوطار: جلد ۴ میں ہے:

وَاخْتَلَفُوْا اَیْضًا فِی اللَّبَنِ اُحْتُلِبَ مِنْهُ شَیْئًا فَعِنْدَ الشَّافِعِیَّةِ وَالْحَنَفِیَّةِ یَتَصَدَّقُ بِهِ فَاِنْ اَكَلَهُ

[1] ترغیب و ترہیب، ج۲ص ۱۵۳۔

تَصَدَّقَ بِثَمَنِهِ وَقَالَ مَالِكٌ لَا يَشْرَبُ مِنْ لَبَنِهِ فَإِنْ شَرِبَ لَمْ يُغْرَمْ. انتهى ملخصًا

یعنی قربانی کے دودھ میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ شافعیہ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ جب کچھ دودھ دو ہے تو صدقہ کردے، اگر کہیں پی گیا تو اس کی قیمت صدقہ کرے۔

امام مالک کہتے ہیں کہ قربانی کا دودھ پینے کی اجازت نہیں، لیکن اگر کوئی شخص پی لے تو اس پر کوئی تاوان نہیں۔

خلاصہ یہ کہ ذبح سے پہلے قربانی کی کوئی شے اپنے استعمال میں نہ لائے' ذبح کے بعد استعمال میں لا سکتا ہے۔ گوشت کھا سکتا ہے' چمڑا استعمال کر سکتا ہے اور اون وغیرہ چمڑے سے علیحدہ کر کے کوئی شے بنانا چاہے بنا سکتا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی چیز کو فروخت کر کے پیسے کھانے جائز نہیں، چنانچہ حدیث میں چمڑوں وغیرہ کی فروخت کرنے سے صراحتاً منع فرمایا گیا ہے۔

قربانی میں سب حصہ دار اہل توحید ہوں

سوال: گائے اور اونٹ کی قربانی میں جب سات آدمی شریک ہوں تو ان سب شرکا کا موحد مسلمان ہونا ضروری ہے یا نہیں' اگر ساتوں کا موحد ہونا ضروری ہے تو اگر ایک مشرک قبر پرست وغیرہ چھ موحد مسلمانوں کے ساتھ قربانی میں شامل ہو جائے تو قربانی قبول ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب: جان ایک ہے، چاہیے یہ تھا کہ ایک گائے ایک ہی کی طرف سے قربانی ہو کیونکہ قربانی خون بہانے کا نام ہے' گوشت کے حصول کا نام قربانی نہیں، وہ تو انسان خود ہی کھا لیتا ہے اور جان بکری' گائے' دنبہ' بکری اونٹ کی ایک ہے، پس سات کے قائم مقام ہونا اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے۔ اس لئے شریک بھی ایک قسم کے ہونے چاہئیں۔ یعنی سب (موحد) مسلمان ہوں مشرک نہ ہوں اور سب کی نیت قربانی کی ہو، یعنی ان میں سے کسی کی نذر کی یا عقیقہ وغیرہ کی نہ ہو اسی لئے عقیقہ کے سات حصے ہونے میں شبہ ہے کیونکہ عقیقہ کے متعلق حدیث میں صراحت نہیں آئی ہے' اور قربانی کے متعلق صراحت آ گئی کہ سات کی طرف سے ہو سکتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو بات شریعت میں قیاس کے خلاف ہو۔ وہ اسی مقام پر بند رہتی ہے کیونکہ جب علت معلوم نہیں تو اس کا حکم دوسری جگہ کس طرح جاری ہو سکتا ہے۔

قربانی کا جانور خرید کر خریدار کا اس میں اپنا حصہ رکھنا

سوال: ایک شخص، مثلاً: بیس روپیہ سے قربانی کے لئے جانور خرید کر لایا۔ اس میں ایک حصہ اپنا رکھ لیا اور باقی چھ حصہ قیمت تین روپے فی حصہ باقی چھ حصہ داران کے پاس فروخت کر دیے۔ اپنی قربانی بھی کر لی اور فائدہ دنیاوی بھی اٹھا لیا۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب[1]: قربانی نام ہے اللہ تعالیٰ کے لئے خون بہانے اور جان دینے کا اور یہ شے واحد ہے، اس کے حصے نہیں ہو سکتے، اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ ایک شخص کی نیت گوشت کی ہو اور چھ شخصوں کی نیت قربانی کی ہو تو کسی کی قربانی نہیں ہو گی، کیونکہ

خون بہانے اور جان دینے کی تقسیم نہیں ہو سکتی' محض اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے خلاف قیاس ایک شے کو سات کے قائم مقام کر دیا اور جو بات خلاف قیاس ہوتی ہے وہ اپنے محل پر بند رہتی ہے، اب جو شخص قربانی کا جانور خریدتا ہے۔ اگر خریدنے کے وقت اس کی نیت اس میں حصہ رکھنے کی نہ تھی' بلکہ خیال یہ تھا کہ جانور سارے کا سارا فروخت کر دوں گا، پھر اس کی قیمت بڑھ گئی۔ مثلاً: بیس روپے کا خریدا تھا' تیس روپیہ قیمت پڑی' چھ یا سات حصے پورے ہو گئے۔ ابھی مجلس سے جدا نہیں ہوئے کہ اس کا خیال ہوا کہ ایک حصہ میں رکھ لوں یہ تو ایسا ہی ہے جیسے سات شخص ایک جانور خرید کر قربانی کریں۔ یا ایک شخص کے گھر جانور تھا اس میں ایک حصہ اپنا رکھ لیا' اور اگر خریدنے کے وقت یا خریدنے کے بعد سودا ہونے سے پہلے نیت اس جانور میں حصہ رکھنے کی ہو گئی تو اس کے حصہ پر منافع نہ ہوا اور چھ حصوں پر منافع تو یہ تقسیم کی صورت پیدا ہو گئی' اس لئے یہ درست نہیں' اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ خالص عمل کو قبول کرتا ہے' اس شخص کی نیت میں خلوص نہیں' کیونکہ پہلے سے اس کو خیال ہوتا کہ میرے حصے کے پیسے مجھ پر نہ پڑیں' دوسروں سے وصول کروں' گویا کہ باقی حصوں پر منافع لگاتا ہے اور درحقیقت اپنا حصہ فروخت کرتا ہے' پس ایسے شخص کے عمل میں خلل آ گیا' اس لئے ناجائز ہے۔ ❶

قربانی کے جانور کی اگر ٹانگ ٹوٹ جائے تو اس کی قربانی کا حکم

سوال: ایک شخص نے قربانی کا جانور پہلے ہی خرید لیا' اس کی تقدیراً ٹانگ ٹوٹ گئی' اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: لنگڑے جانور کی قربانی سے حدیث میں ممانعت آئی ہے، اس لئے جائز نہیں۔ ہاں، قربانی کے وقت کو پہنچ کر لنگڑا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾

یعنی اپنے سر نہ منڈاؤ یہاں تک کہ قربانی اپنے حلال ہونے کی جگہ یا حلال ہونے کے وقت کو پہنچ جائے۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ قربانی جب حلال ہونے کے وقت کو پہنچ جائے تو وہ ایسی ہو جاتی ہے کہ گویا وہ ہو ہی گئی' اگرچہ دیدہ دانستہ قربانی ذبح ہونے سے پہلے سر منڈانا جائز نہیں، لیکن کوئی غلطی سے منڈا لے تو قربانی میں خلل نہیں آتا، چنانچہ مشکوۃ باب الحلق: ص ۲۳۴ میں صراحتاً آیا ہے' اس کی وجہ یہی ہے کہ قربانی وقت کو پہنچ جائے تو کی ہوئی کے شمار میں ہے۔ پس ایسی حالت میں اس میں کوئی عیب پیدا ہو جائے تو اس کا کوئی حرج نہیں' مثلاً: عید پڑھنے کے بعد سینگ یا ٹانگ ٹوٹ جائے یا آنکھ پھوٹ جائے تو یہ قربانی کو مضر نہیں ہے' یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے ذبح کے وقت گرانے سے یا دبانے سے کوئی نقصان پہنچ جائے' بعض کا خیال ہے کہ جب جانور قربانی کے لئے نامزد ہو جائے تو پھر عیب پیدا ہونے میں کوئی حرج نہیں لیکن اول تو اس کا کوئی ثبوت نہیں' دوم لازم آتا ہے کہ زیادہ بیمار ہو کر ذبح تک نوبت پہنچ جائے تو قربانی ہو جائے حالانکہ وقت سے پہلے قربانی کا کوئی بھی قائل نہیں۔ نیز جو لوگ حج کو قربانیاں ساتھ لے جاتے ہیں۔ اگر کوئی قربانی راستے میں رہ جائے تو اس کو ذبح کر کے لوگوں کے لئے، یعنی مساکین کے لئے چھوڑ دے اور یہ (قاصد حج) اور اس کے رفقاء سے کوئی نہ کھائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وقت سے پہلے

❶ فتاوی اهل حديث: ص ٤٦٨ ج ٢.

قربانی نہیں بلکہ صدقہ ہے۔ اگر قربانی ہوتی تو مساکین کے لئے خاص نہ ہوتی' اور نہ اس کے رفقاء کو رکاوٹ ہوتی' یہی وجہ ہے کہ اگر ضروری قربانی ہو تو اس کے عوض اس کو اور قربانی کرنی پڑتی ہے۔ اگر نفلی ہو تو وہی کافی ہے۔ چنانچہ ترمذی میں ہے کیونکہ نفلی محض زیادہ ثواب حاصل کرنے کی خاطر کی جاتی ہے سو ثواب خدا تعالیٰ دے دیتا ہے۔ جیسے رمضان میں عمرہ کرنے سے حج کا ثواب مل جاتا ہے۔ مگر حج کا فرض ادا نہیں ہوتا۔ اسی طرح وقت سے پہلے قربانی کا ثواب مل جاتا ہے قربانی نہیں ہوتی۔ نیز بہت لوگ چھوٹی عمر کا جانور لے کر قربانی کے لئے نامزد کر دیتے ہیں تو کیا باوجود چھوٹی عمر کے وہ قربانی سمجھ لیا جائے گا؟ پس صحیح یہ ہے کہ وقت سے پہلے قربانی نہیں ہوتی' اور جب قربانی نہ ہوئی تو اس میں جو عیب پیدا ہوا وہ قربانی بننے سے پہلے پیدا ہوا۔ پس وہ ایسا ہو گیا جیسے قربانی خریدنے سے پہلے عیب ہو۔ اگر کہا جائے کہ جانور قربانی کے لئے نامزد کرنے سے اگر قربانی نہیں بنتا تو پھر نامزد کرنے کے بعد اپنے کسی اور مصرف میں اس کا استعمال جائز ہونا چاہیے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نامزد کرنے کے بعد جانور معلق ہو جاتا ہے اگر قربانی تک پہنچ گیا تو قربانی بن گیا' اگر درے اس کے دن پورے ہو گئے تو صدقہ بن گیا۔ جیسے ابھی حدیث سے معلوم ہوا، اس لئے اس کو اپنے کسی اور مصرف میں نہیں لا سکتا۔

کیا قربانی کا صرف ایک ہی دن ہے؟

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ قربانی کا صرف ایک ہی دن، یعنی ۱۰ تاریخ ہے باقی ایام میں قربانی کرنا بدعت ہے' کیونکہ نبی ﷺ سے فعلاً ثابت نہیں' کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: واضح ہو کہ ہر چند پہلے روز قربانی ذبح کرنا افضل ہے، مگر اس افضلیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ۱۱' ۱۲' ۱۳' ذوالحجہ کو قربانی کرنے کو بدعت کہا جائے۔ کیونکہ قرآن و حدیث اور آثار میں اس کا جواز موجود ہے، بلکہ بعض معقول وجوہ کی بنا پر ۱۱' ۱۲' ۱۳ ذوالحجہ کو قربانی ذبح کرنا بھی افضل ہے۔

چنانچہ مفتی اعظم حضرت مولانا حافظ عبداللہ روپڑی مرحوم و مغفور کے فتاویٰ میں ہے: قربانی پہلے دن افضل ہے۔ باقی دنوں میں جائز ہے' اگر جواز کے ساتھ کوئی اور چیز مل جائے تو باقی دنوں میں افضل ہو سکتی ہے۔ مثلاً: یہ نیت ہو کہ گوشت غریبوں میں تقسیم کیا جائے تاکہ ان کا کئی دن گزر اوقات ہو جائے۔ یا ۱۳ تاریخ کو قربانی اس نیت سے کرے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ۱۳ تاریخ کو بھی قربانی صحیح ہے تو ہو سکتا ہے کہ دوسرے دنوں میں بھی وہی فضیلت ہو جو پہلے دن میں ہے۔ چنانچہ مروی ہے:

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسٰى عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعَمٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ ((كُلُّ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ ذَبْحٌ)) رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ هُوَ لِلدَّارِقُطْنِي مِنْ حَدِيْثِ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوسٰى عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ وَّ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ نَحْوَهُ.

یعنی سلیمان بن موسیٰ نے جبیر بن مطعم سے روایت کی ہے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا' آپ نے فرمایا کہ تمام ایام تشریق ۱۱ اور ۱۲ اور ۱۳، قربانی کے دن ہیں۔ [1]

[1] نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۲۵۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ ایام تشریق قربانی کے دن ہیں اور ایام تشریق عید کے دن کے علاوہ ۱۱' ۱۲' ۱۳ تین دن ہیں تو گویا قربانی ۱۳ تاریخ تک جائز ہے۔ حافظ ابن القیم ؒ اس کے متعلق کہتے ہیں: لا یثبت وصله یعنی اس حدیث کا موصول ہونا ثابت نہیں۔ مگر امام شوکانی ؒ اس کے جواب میں لکھتے ہیں: یجاب عنه بان ابن حبان وصله وذکره فی صحیحه کما سلف (نیل الاوطار) یعنی اس کا جواب یہ ہے کہ ابن حبان نے اس حدیث کو موصول ذکر کیا ہے اور اپنی صحیح میں اس کو لائے ہیں۔ اس کے علاوہ امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے زادالمعاد جلد ا میں تیرہویں تاریخ کو قربانی کے جواز کی ایک وجہ یہ لکھی ہے کہ حدیث ادخار (جس میں تین دن سے زیادہ گوشت کا ذخیرہ کرنا منع تھا) سے تیرہویں تاریخ کو ذخیرہ کرنا ثابت ہوگیا۔ یعنی جب تین دن سے زائد دنوں کے لئے گوشت کا ذخیرہ کرنا جائز ہوگیا ہے اور یہ حدیث منسوخ ہو گئی ہے تو اب تیرہویں تاریخ کو قربانی کرنا بھی ناجائز نہ رہی' امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی اصل عبارت یہ ہے:

فَلَوْ اَخَّرَ الذبح اِلَى الْيَوْمِ الثَّالِثِ لحازله الادخار وَقْتُ النَّهْيِ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ ثَلاثَةِ اَيَّامٍ . ❶

نیز خود حافظ ابن القیم ؒ لکھتے ہیں:

وَرُوِیَ مِنْ وَّجْهَيْنِ مُخْتَلِفَيْنِ يَشُدُّ اَحَدُهُمَا الْاٰخَرَ۔ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ ((كُلُّ مِنًى مِنْحَرٌ وَّ كُلُّ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ ذَبْحٌ)) رُوِیَ مِنْ حَدِيْثِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعَمٍ وَ فِيْهِ انْقِطَاعٌ وَمِنْ حَدِيْثِ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ يَعْقُوْبُ بْنُ سُفْيَانَ اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ عِنْدَ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ثِقَةٌ مَاْمُوْنٌ. ❷

کہ یہ حدیث دو مختلف سندوں سے مروی ہے جو ایک دوسری کو تقویت دیتی ہیں' اگرچہ جبیر بن مطعم والی حدیث منقطع ہے تاہم اسامہ بن زید والی روایت موصول ہے۔ اور اسامہ اہل مدینہ کے نزدیک قابل اعتماد اور مامون ہے۔ ❸

قَالَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ اَيَّامُ النَّحْرِ يَوْمُ الْاَضْحٰى وَ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ بَعْدَهَا. ❹

حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ ۱۳ ذوالحجہ تک قربانی ذبح کرنے کے دن ہیں۔

مذہب سلف:

وَهُوَ مَذْهَبُ اِمَامِ اَهْلِ الْبَصْرَةِ الْحَسَنِ وَ اِمَامِ اَهْلِ مَكَّةَ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رِبَاحٍ وَّ اِمَامِ اَهْلِ الشَّامِ الْاَوْزَاعِيِّ وَ اِمَامِ فُقَهَاءِ اَهْلِ حَدِيْثِ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ وَاخْتَارَهُ ابْنُ الْمُنْذِرِ. ❺

---

❶ زاد المعاد ج۲، /۳۱۸۔

❷ زاد المعاد: ص ۲٤۷ ج ۱، طبع جدید ج۲ ص ۳۱۹۔

❸ الشیخ شعیب الارنوط کے مطابق جابر کی حدیث میں ایسی کوئی چیز نہیں جو جبیر بن مطعم کی حدیث کو تقویت دیتی ہو، ہاں، وله شاهد عند ابن عدی من حدیث ابی سعید الخدری التعلیق علی زاد المعاد ج۲ ص ۳۱۹۔ عقیف عفی عنه وعن والدیه آمین

❹ زاد المعاد: ص ۲٤٦ ج ۱۔ ❺ زادالمعاد: طبع جدید ج۱، ص ۲٤٦۔

شہر بصرہ کے امام حسن بصری رحمہ اللہ مکہ کے امام عطاء رحمہ اللہ شام کے امام اوزاعی رحمہ اللہ اور سرخیل فقہاء اہل حدیث امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے اور اس مذہب کو امام ابن منذر رحمہ اللہ جیسی شخصیت نے پسند فرمایا ہے۔

نووی شرح مسلم میں ہے کہ فَقَالَ الشَّافِعِیُّ یَجُوْزُ فِیْ یَوْمِ النَّحْرِ وَ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ الثَّلٰثَةِ بَعْدَهٗ وَمِمَّنْ قَالَ بِهٰذَا عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَ جُبَیْرُ بْنُ مُطْعِمٍ وَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَ عَطَاءٌ وَ الْحَسَنُ الْبَصْرِیُّ وَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِیْزِ وَ سُلَیْمَانُ بْنُ مُوْسٰی الْاَسْدِیُّ فَقِیْهُ اَهْلِ الشَّامِ وَمَکْحُوْلٌ وَّدَاؤُدُ الظَّاهِرِیُّ وَغَیْرُهُمْ ۔ ❶

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عید کے دن اور عید سے تین دن بعد ایام تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳) میں بھی قربانی ذبح کرنی جائز ہے اور حضرت علی بن ابی طالب، جبیر بن مطعم عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (صحابہ میں سے) حضرت امام عطاء، حسن بصری، اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (تابعین میں سے) اور شام کے فقیہ سلیمان بن موسیٰ امام مکحول اور امام داؤد ظاہری اور سعید بن جبیر کا یہی قول ہے۔

آٹھویں صدی کے مجدد حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاختیارات میں لکھا ہے کہ آخر وقت ذِبْحِ الْاَضْحِیَةِ آخِرِ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ وَهُوَ مَذْهَبُ الشَّافِعِیِّ وَاحِدٌ قَوْلَیْ اَحْمَدَ۔ (بحواله الاعتصام: ۲۸ فروری ۱۹۶۹ء)

اور یہ بھی یاد رہے کہ ایام معلومات سے مراد ایام معدودات ہیں اور ایام معدودات یہ ہیں:

اَلْاَیَّامُ مَعْدُوْدَاتٌ ثَلَاثَةُ اَیَّامٍ بَعْدَ یَوْمِ النَّحْرِ وَهٰذَا اِسْنَادٌ صَحِیْحٌ ۔ ❷

اور ایام معلومات میں قربانی ازروئے قرآن جائز ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ (الحج: ۲۸)

اس آیت میں یہی مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ بہرحال اگرچہ ۱۰ ذوالحجہ کو قربانی افضل ہے، تاہم رہا یہ سوال کہ رسول اللہ ﷺ نے ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذوالحجہ کو قربانی ذبح کی تھی یا نہیں۔ تو یہ سوال بے معنی ہے کیونکہ یہ اصول کا قاعدہ ہے کہ قول مل جائے تو فعل تلاش کرنے کی سرے سے ضرورت باقی نہیں رہتی، اور آپ کا قول جبیر بن مطعم اور اسامہ بن زید کی حدیثوں میں ذکر ہو چکا ہے۔ اور خلفائے راشدین میں سے خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول بھی زاد المعاد کے حوالہ سے لکھا جا چکا ہے، اس بحث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی مجبوری یا دینی مصلحت کے پیش نظر دس ذوالحجہ کی بجائے ۱۱، ۱۲، ۱۳ کو قربانی ذبح کرے گا تو اس کے افضل ہونے کی بھی امید ہے، اگر کوئی شخص رخصت پر عمل کرتے ہوئے بطور جواز کے دس کی بجائے گیارہ، بارہ اور تیرہ کو بلا عذر قربانی ذبح کرے گا تو بھی اس کی قربانی جائز ہوگی۔ اس کو بدعت کہنا جہالت اور بے سمجھی ہے۔ ۱۱، ۱۲، ۱۳ کے دنوں میں قربانی بلاشبہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم

---

❶ نووی شرح صحیح مسلم: ج ۲، ص ۱۵۳۔ نیل الاوطار: ج ۵ ص ۲۱۶۔ ❷ ابن کثیر: سورۃ حج ج ۳ ص ۲۴۰۔

قربانی کی حقیقت اور بعض اعتراضات کا جائزہ

عَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذِهِ الْاَضَاحِیُّ ﷺ قَالَ سُنَّةُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ. الحدیث ❶

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ (صحابی) سے روایت ہے کہ اصحاب رسول اللہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ عید کی قربانی کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

اللہ کے لئے قربانی ملتِ ابراہیمی علیہ السلام کی روح ہے۔ یہ قربانی زندگی کے ہر موڑ اور ہر ہر گوشہ میں قربانی ہی وہ طرہ امتیاز ہے جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ بنایا' علیہ وعلی انبیاء الصلوۃ والسلام۔ سب سے پہلے محبت پدری کی قربانی دی اور باپ کی زبان سے اللہ کے لئے:

﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا﴾ (مریم: ع ۳)

اگر تو (اس دعوت توحید سے) باز نہ آیا تو میں تیرا سر پھوڑ دوں گا۔ چل میرے پاس سے دفعہ ہو جا۔

جیسے الفاظ سنے پھر

﴿سلام عَلَیْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا○ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾

تم سلامت رہو۔ میں تمہارے لئے اپنے رب سے معافی چاہوں گا کہ وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے اور تمہیں اور تمہارے معبودوں کو چھوڑ کر الگ ہو جاؤں گا۔

کہتے ہوئے جیتے جی باپ کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے۔

باپ کے ساتھ ساتھ سارے اہل وطن دشمن جان ہو گئے تو اپنے وجود کی ہی قربانی کا سوال سامنے آ گیا اور ساری خدائی نے دیکھا کہ

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

یہ مرحلہ عشق طے ہوا تو اب وطن کو خیر باد کہنے کی باری تھی قربانی کا ابراہیمی جذبہ اس گھاٹی کو بھی ہنستے کھیلتے پار کر گیا اور اب بابل کی بجائے ارض کنعان اس دولت عشق کی وارث ہوئی۔ یہاں بڑھاپے کی عمر میں پہنچ کر پہلی اولاد عطا ہوئی تو عہد شیر خوارگی ہی میں حکم ملا کہ اس کو اور اس کی ماں کو (مکہ کی) وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ آؤ۔ عشق کا یہ مرحلہ بھی بلا حیل و حجت طے ہوا۔ یہ قربانی ہی کیا کم تھی مگر اللہ کی دوستی اس سے بھی زیادہ مہنگی تھی۔ اور نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز۔ کی صدا ابھی تھمنے کا وقت نہیں آیا تھا۔

چند سال بیتے اور اس وادی غیر زرع میں پلنے والے اکلوتے فرزند کی عمر اتنی ہو گئی کہ: بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ (الصّٰفّٰت)

❶ رواه احمد وابن ماجة مشكوة باب في الاضحية.

آیت ۱۰۲ بوڑھے باپ کا کچھ ہاتھ بٹانے کے قابل ہو گئے۔

تو قربانی کے اس مرحلے کا سامان بھی ابراہیم ہی کے لئے ہو گیا۔ جس کے بعد اس بارگہ والا سے بھی ارزانی ہنوز کی نہیں ﴿إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ﴾ ''بے شک یہ بڑی کھلی ہوئی جانچ تھی۔'' کی صدائے اعتراف اٹھی۔

ابراہیم علیہ السلام نے ایک خواب سے سمجھا کہ بیٹے کی قربانی کا حکم دیا جارہا ہے۔ شرح صدر ہو گیا۔ تو نہ باپ جھجکا نہ بیٹا کسمسایا اور ساری خدائی نے دم بخود ہو کر یہ ماجرہ دیکھا کہ بیٹا منہ کے بل زمین پر ہے اور باپ کی چھری بیٹے کی گردن پر' لیکن خدا کو اسمٰعیل کی قربانی مطلوب نہ تھی۔ ابراہیم کا دل دیکھنا یا کہیے کہ محبت کا مرحلہ طے کرانا مقصود تھا۔ وہ طے کرا دیا گیا اور ابراہیم کے جذبہ عبدیت وفدائیت کی صداقت کو آزمالیا گیا تو قبل اس کے کہ چھری اپنا کام کرے۔ پکار آئی: ﴿يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا﴾ ''اے ابراہیم (بس! بس!!) تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا اب تیرا بیٹا تجھے مبارک ہو۔'' ﴿إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ ''ہم صادقین ومحسنین کو اسی انداز سے جزا دیتے ہیں۔'' الصّٰفّٰت ۱۰۵

پے درپے آزمائشوں کے سلسلہ کی یہ وہ آخری آزمائش تھی۔ جس میں پورا اترنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نوع انسانی کی امامت کا مژدہ سنایا گیا۔ قرآن کا بیان ہے ﴿وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا﴾ (بقرہ: ع ۲۵) اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے متعدد باتوں میں وہ ان میں پورا اترا' فرمایا میں بناؤں گا تجھے بنی آدم کا امام۔''

یہی امامت تھی جس کا کامل ظہور اس طرح ہوا کہ آپ کی نسل میں محمد رسول اللہ ﷺ کو تمام نوع انسانی کا رسول بنا کر مبعوث کیا گیا اور اس کے لئے وہی طریقہ اور وہی دین پسند کیا گیا جو ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ اور ان کا اسوہ تھا۔ چنانچہ قرآن میں رسول اللہ ﷺ کی زبان سے کہلایا گیا۔

﴿إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا﴾ (الانعام: ۲۰)

''آپ کہہ دیجئے کہ مجھے سجھائی ہے میرے رب نے سیدھی راہ یعنی دین قیم جو طریقہ ہے ابراہیم حنیف کا۔'' اور اس طرح ابراہیمی کیش وملت کو تمام نوع انسانی کے لئے اسوہ ٹھہرا دیا گیا۔ امت محمدیؐ کے اولین طبقہ کو جو نزول قرآن کے وقت داخل اسلام ہو چکا تھا خطاب کر کے فرمایا گیا:

﴿هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ﴾

(الحج: ۷۸)

اس (اللہ) نے تم کو منتخب کیا ہے

اور نہیں کی ہے دین میں تمہارے اوپر کوئی تنگی' تمہارے باپ ابراہیم ہی کی ملت ہے' اسی نے رکھا ہے نام تمہارا **مسلمان**۔ پس وہ ابراہیمی کیش وملت جس کی روح ہی قربانی ہے اور جس کو اسلام' کا نام ہی اس عظیم آخری قربانی کے سلسلہ میں دیا گیا ہے' جیسا کہ سورۃ الصّٰفّٰت ۱۰۲ میں اسی موقع پر ہے۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ "پس جب ان دونوں باپ بیٹوں نے کمال اطاعت (اسلام) کا مظاہرہ کر دیا اور ابراہیم نے اسماعیل کو پیشانی کے بل ڈال دیا۔" الخ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ اس کیش وملت میں کوئی مستقل نشان اس عظیم قربانی کا نہ ہوتا اور جس بنیاد پر اسے اسلام کا نام دیا گیا تھا۔ مابعد میں اس بنیاد کی کوئی نہ کوئی یادگار اس ملت کے خاکہ میں مستقل جگہ نہ پاتی اور قربانی پیش کرنے کی کوئی نہ کوئی شکل اسلام کا دائمی اشعار قرار نہ دی جاتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ سے قربانی کی شکل متعین کرائی کہ اسماعیل کی قربان گاہ پر اسی چھری سے ایک مینڈھا ذبح کرایا۔ اور ہر سال اسی دن اس عمل کے نہایت عظیم اور عالمگیر پیمانہ پر اعادہ کو ملت ابراہیمی کا جز بنا دیا۔ امام ابن جریر طبری نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے:

اِنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ مَا يَقُوْلُ اللّٰهُ وَفَدَيْنَا عقطيلدبيحته الَّتِيْ ذَلَجَ فَقَطُ وَالسُّكْتَهُ الذَّلَجُ عَلٰى دِيْنِهٖ فَتِلْكَ السُّنَّةُ اِلَى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ.

کہ وہ فرمایا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ صرف اس خاص ذبیحہ سے متعلق نہیں ہے جو ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا۔ بلکہ اس میں ذبح عظیم سے مراد وہ عظیم رسم قربانی ہے جو اس ابراہیمی طریق پر ادا کی جاتی رہے گی، پس معلوم ہوا کہ یہ قیامت تک کے لئے سنت جاری کر دی گئی ہے۔

اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے پیغمبر آخر الزمان نے جو دین حنفی اور ملت ابراہیمی کے پیامبر تھے۔ بقرعید کی قربانی کے سلسلہ میں اپنے اصحاب کو بتایا کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے اور تلقین کی کہ ان میں کا ہر ذی استطاعت اسی سنت کی پیروی میں ذوق وشوق سے حصہ لے۔

اب سمجھ میں آتا ہے قربانی کے بارے میں اس قسم کی احادیث کا مطلب یا زیادہ صحیح الفاظ میں ان کا راز جن میں آتا ہے کہ قربانی کے دن ابن آدم کا کوئی عمل اللہ کو اتنا محبوب نہیں جتنا خون بہانے کا عمل ہے۔ یہ خون جو تم بہاتے ہو قبل اس کے کہ زمین پر گرے اللہ کے حضور میں گرتا ہے۔ یعنی مرتبہ قبول پاتا ہے۔ (ترمذی مشکوٰۃ، ص ۱۲۸)

جس قربانی کی یہ تاریخ ہو کہ اس کی طرح خود خداوند قدوس نے اپنے خلیل کے ہاتھوں ڈھلوائی ہو۔ اور وہ عظیم عمل کی یادگار اور مژدہ ہو جس کی عظمت کا اعتراف قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا کہہ کر اس دربار عالی سے برملا کیا گیا ہو جس کی عظمت و کبریائی کے آگے ابن آدم کی بڑی سے بڑی پیش کش ہیچ وحقیر ہے۔ جس کو کمال اطاعت واسلام (اَسْلَمَا) سے تعبیر کر کے اس کا درجہ قبولیت بھی اس عظیم ہستی ہی کی طرف سے دنیا پر عیاں کر دیا گیا ہو۔ جس کی شان بے نیازی کو جاننے والا انسان عمر بھر کی اطاعت گزاری پر اطمینان نہیں کر پاتا کہ کوئی درجہ قبولیت اس کو اس بارگاہ عالی میں مل پائے گا۔ سچ کہیے کہ اگر اس تاریخی قربانی والے دن میں اللہ کو ابن آدم کا کوئی عمل اس درجہ پسند نہیں جتنا یہ قربانی اور اہراق دم والا عمل پسند ہے تو اس میں اچنبھے کی کون سی بات ہے؟ حق یہ ہے کہ اس عمل کی یہی شان ہونی چاہیے اور ابراہیمی خلوص وخوش دلی کی ادنیٰ جھلک بھی اگر کسی کے اس عمل میں پائی جائے تو اس کو یہی درجہ محبوبیت وقبولیت ملنا چاہیے، جو حدیث بتا رہی ہے۔ ہاں! ہاں!! خون کے ان قطروں

کو جو ابراہیمی ذوق دشوق کے ساتھ کسی عبد مسلم کے ہاتھ سے بہیں یہی رفعت عطا ہونی چاہیے کہ زمین پر گرنے سے پہلے وہ مکین عرش کے دامن قبول میں جگہ پالیں۔ اور اس سنت ابراہیمی کی پیروی کا یہی صلہ قدر شناس جذبہ ابراہیمی سے ملنا چاہیے کہ قربانی کا ایک بال بھی رائے گاں نہ جائے۔ سچ کہا اور یقیناً خدا کی طرف سے کہا۔ دعائے خلیل کے ظہور مجسم (ﷺ) نے فرمایا کہ لِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ قَالُوْا فَالصُّوْفُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِّنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ ❶ ہر بال کے حساب میں ایک نیکی! (صحابہ نے عرض کیا کہ حضور اور جو جانور اون والے ہیں؟) فرمایا: اون میں سے بھی ہر بال کے حساب میں ایک نیکی۔

قولی وعملی تواتر سے قربانی کا ثبوت

بعض لوگ جو روایات حدیث کے استناد میں شک رکھتے ہیں اور بنا بریں دین میں کوئی بات محض حدیث کی بنیاد پر ماننے کو تیار نہیں ہوتے' بلکہ قرآن سے سند اور حجت چاہتے ہیں آپ ان کو کہتا ہوا سنیں گے' بلکہ بارہا سن چکے ہوں گے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس سنت (قربانی) کا تعلق تو صرف مناسک حج سے تھا۔ اور قرآن نے بھی امت مسلمہ کے لئے صرف اسی ذیل میں اس سنت کا اجرا کیا ہے۔ حج اور حجاج کے دائرہ سے باہر اس سنت کا اجرا کی ہدایت قرآن میں کہیں نہیں ملتی۔

یہ بات ٹھیک ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی بے شک اسی موقع کی ہے اور اس قربانی کو جاری کرنے کا حکم قرآن نے حج ہی کے سلسلہ میں دیا ہے' لیکن اگر حدیث کی بنیاد پر دین میں کوئی چیز ماننے سے ان لوگوں کو صرف یہی خیال مانع ہے کہ حدیث کی روایات مستند ہی نہیں ہیں' نہ یہ کہ قرآن کے سوا دین میں کوئی شے حجت اور ماخذ دین ہی نہیں' حالانکہ وہ مانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے کسی قول یا عمل کی کوئی روایت اگر قابل اطمینان ثابت ہو جائے تو وہ دین میں حجت ہو گی اور اس سے ثابت شدہ امر دین ہی کا حکم سمجھا جائے گا تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کے قربانی کی روایت ان روایات میں سے نہیں ہے جن کی صحت پر صحیح یا غلط طور پر کوئی بھی شک کیا جا سکے۔ یہ روایت صرف قول کی نہیں ہے کہ کہہ دیا جائے کہ پتہ نہیں کس نے گھڑ لی ہو بلکہ ایسے مسلسل' متواتر' اور علانیہ عمل کی روایت بھی اس سلسلہ میں موجود ہے جس میں جھوٹ چار قدم بھی نہیں چل سکتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں اور ان کی یہ روایت جامع ترمذی میں موجود ہے کہ

أَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ يُضَحِّيْ. ❷

رسول اللہ ﷺ مدینہ کی پوری دس سالہ اقامت میں برابر قربانی کرتے رہے۔

دوسری طرف انہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ بھی روایت ہے کہ

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلّٰى. (رواه البخاری)

رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ عید گاہ ہی پر قربانی (بھی) کیا کرتے تھے۔

---

❶ رواه احمد و ابن ماجه (مشكوة باب الاضحية ص ۱۲۹۔ ❷ مشكوة: باب في الأضحية، ۱۲۹۔

کیا کوئی معقولیت پسند آدمی سوچ سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اتنا بڑا جھوٹ بھی امت میں قبولیت پا سکے کہ ایک کام آپ نے سرے سے کیا ہی نہ ہو اور کہنے والا کہے کہ آپ دس سال تک متواتر عید گاہ کے ایسے بھرے مجمع میں یہ کام کرتے رہے ہیں۔ کس قدر بے عقلی کی بات ہے کہ ایسی روایات کو بھی یہ کہہ کر نظرانداز کر دیا جائے کہ پتہ نہیں کہ سچ ہے یا جھوٹ! حدیث کے مجموعے ہزار دیر سے مرتب ہوئے ہوں مگر ان میں اس قسم کی باتیں بھی اگر عجمی سازش کی ماتحت جھوٹ موٹ گھڑ کے بھر دی گئی ہوں تو ایک طرف تو ان عجمیوں کی سازشی عقل کی داد دیجئے کہ جھوٹ کی وہ صنف اختیار کی کہ منہ سے نکلتے ہی پکڑ لیا جائے اور دوسری طرف حیرت میں ڈوب جایئے کہ کوئی ایک عرب نہ نکلا جو ان عجمیوں کا گریبان پکڑتا کہ ہماری پشتیں گزر گئیں ہمیں رسول اللہ ﷺ کے اس مسلسل اور مجمع عام کے عمل کی خبر نہ ہوئی آج تم ترمذ و بخارا سے اٹھ کر ہمیں خبر دینے آئے ہو! رسول اللہ ﷺ دس سال تک متواتر اور علی الاعلان ایک عمل کرتے رہے اور ہمارے آباؤ اجداد نے جو آپ کے ایک ایک قدم سے ملا کر چلتے تھے اس سے کوئی اعتنا ہی نہ کیا؟ اور پھر یہ ہی نہیں' تم یہ بھی خبر دیتے ہو کہ آپ نے یوں یوں اس قربانی کے فضائل اپنے اصحاب سے بیان کئے اور ترغیب کے ساتھ ساتھ یہ زبردست تہدید بھی کی کہ

مَنْ كَانَ لَهُ سِعَةٌ وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مصلانا (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ صَحَّحَ الْحَاكِمُ لٰكِنْ رَجَّحَ الْاَئِمَّةُ غَيْرَهُ وَقْفَهُ. ❶

"جس کسی نے وسعت ہوتے ہوئے قربانی نہیں کی وہ ہماری عید گاہ کے قریب بھی نہ آئے۔"

مگر اس کے باوجود ہمارا پورا معاشرہ اور ہمارے اسلاف کی زندگی ہے کہ عید کی اس قربانی سے نا آشنا محض گویا رسول خدا کی ترغیب و تہدید سے بھی ان کے کانوں میں جوں نہ رینگی اور رسول اللہ ﷺ کے اس متواتر عمل کی ان کو ہوا تک نہ لگی۔ قربان ہو جایئے اس عرب معاشرہ کی سادہ لوحی پر کہ اس نئی دریافت پر ایک عام ہیجان تو درکنار کسی ایک فرد کے ذہن میں بھی یہ بدیہی سوال پیدا نہ ہوا بلکہ سب کے سب اٰمنا و صدقنا کہتے ہوئے قربانی کرنے لگے۔ کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے اور کوئی عقل والا ایسی صورت حال فرض بھی کر سکتا ہے۔

پھر اس سے کیا ثابت ہوا؟ اس سے بالکل دو اور دو چار کی طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ سے یہ قربانی کے عمل ہی کی نہیں قربانی کے حکم کی بھی روایات ہر کذب و خطا سے پاک ہیں اور امت کے عمومی توارث عمل نے ان کی پوری پوری تصدیق کی ہے۔ یعنی یہ روائتیں اگرچہ دیر سے بھی مدون ہو کر منظر عام پر آئی ہوں مگر ان پر کوئی انکار اور استعجاب و احتجاج نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ قربانی کا عمل پورے عموم کے ساتھ نسلاً بعد نسل امت میں منتقل ہوتا چلا آ رہا تھا مگر یہ عمومی توارث کی شہادت کسی دعوے کا وہ ثبوت ہے جس کی قوت و قطعیت سے وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو موجودہ قرآن کے اصلی قرآن ہونے میں شک کرنے کو تیار ہو۔ کیونکہ اس کے لئے بھی ہمارے پاس آج سب سے بڑا ثبوت یہ توارث ہی ہے۔

بہرحال لاریب یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہی حج کے مخصوص دن (۱۰ ذی الحجہ' یوم النحر) والی قربانی' عید کی

❶ بلوغ المرام باب الاضاحی ص ٤٠٥.

قربانی کے عنوان سے حج کے باہر بھی پابندی کے ساتھ کی ہے اور اس کا اسی طرح حکم بھی دیا ہے۔ بس اب کیا تامل ہوسکتا ہے کہ یہ قربانی رسول خدا ﷺ کا لایا ہوا دین ہے۔ نہ کہ بعد میں کسی کی ایجاد و اختراع۔

قربانی حجاج کرام سے تشبیہ

یہ تو تھی رسول اللہ ﷺ سے قربانی کے قولی و عملی ثبوت کی بحث اور یہ ایک مومن کے لئے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہنے کو بالکل کافی ہے۔ لیکن اس موضوع پر گفتگو صرف ایک خشک ثبوت اور ضابطہ کی کارروائی پر ختم نہیں ہو جاتی ہے، بلکہ اسلام میں قربانی کے اجرا کا جو پس منظر صدر میں بیان کیا گیا ہے اسے اگر نگاہ میں رکھیے تو یہ بات بڑی صحیح اور وجدان وفطرت کا عین تقاضا نظر آتی ہے کہ قربانی کا یہ حکم حجاج کی تعداد تک ہی محدود نہیں ہونا چاہیے تھا۔ بلکہ پوری امت مسلمہ جس کی اکثریت حج کی استطاعت نہیں پاسکتی' اس سبھی کو اسلام کامل کا رمز رکھنے والے اس عمل سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع ملنا چاہیے تھا۔ بالفاظ دیگر اگر ابراہیمی انداز کی قربانی ہی وہ عمل ہے جس سے اسلام کی اصل کیفیت ظاہر ہوتی ہے اور اسی عمل کو اپنے کرنے کی حد تک کر گزرنے پر ابراہیمی کیش وملت کو اسلام کا نام ملا۔ تو اس کیش وملت کے پیرووں میں اس کی حقیقی روح سدا برقرار رکھنے کے لئے اگر یہ مناسب اور تقاضائے عقل وفطرت تھا کہ اس جذبہ ابراہیمی کا کوئی رمز ملت ابراہیمی میں مستقل طور سے ودیعت کر دیا جائے اور کوئی ایسا عمل جو اس جذبے اور شیوۂ تسلیم ورضا کا غماز ہو' مشروع کر کے مستقل جز وملت بنا دیا جائے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اس تشریع کو حجاج ہی تک محدود رکھا جاتا۔ جن کی تعداد اور امت مسلمہ کے پھیلاؤ کو دیکھتے ہوئے بڑی تھوڑی تھی۔ دل کہتا ہے کہ بالکل یہی ہونا چاہیے تھا کہ اگر حجاج کو دس باتوں سے اپنے امام اپنے پیشوا (ابراہیم علیہ السلام) کے جذبہ فدائیت کے اظہار کی سعادت ملے وہ لبیک لبیک کہتے ہوئے معبود کے در اقدس پر پہنچیں' اس کے گھر کا طواف پر طواف کر کے اپنا پورا وجود نثار کر دینے کا اشارہ کریں' حجر اسود کو چوم کر آنکھوں سے لگا لگا کر چشم تصور میں خود اس کی دست بوسی کریں اور اشک ہائے عبدیت کی نذر اتار کر تسلیم و وفا کا بھرپور اظہار کریں' کبھی ملتزم سے چمٹ کر روئیں اور گڑ گڑائیں اور کبھی صفا و مروہ کے درمیان دوڑیں کہ اے رب ابراہیم علیہ السلام! تو کہاں ہے؟ کہ اب یہ سرد بال دوش اور دم تیرے قدموں پر نکلنے کے لئے بے تاب ہے۔ کبھی عرفات کے میدان میں حسرتیں نکالنے کی کوشش کریں' اور پھر بھی تسکین تمنا نہ ہو تو منی جا پہنچیں اور اپنے امام پیشوا کی اقتدا میں کسی دوسری ہی جان کا نذرانہ پیش کر کے ایک گونہ تسکین کا سامان مہیا کر لیں۔ بے شک یہ اتنا بہت تو حجاج ہی کا حصہ ہے۔ ہم نہیں پہنچ سکے تو لبیک لبیک کیا کہیں؟ خانہ کعبہ ایک ہی ہے تو اس سے دور رہ کر طواف کا ہے کا کریں ملتزم ہمیں نصیب نہیں حجر اسود سے ہم دور کہ دست بوسی کا رمز پیدا کر سکیں' صفا و مروہ کے دامن تک ہمیں رسائی نہیں کہ جوش جنون دکھا سکیں لیکن دل کہتا ہے کہ اگر حجاج کو یہ دس باتیں نصیب ہیں تو دو ہم بے نصیبوں کے حصہ میں بھی آ جانی چاہئیں' ہم ہزار کوتاہ دست وشکستہ پا سہی کہ اپنے امام وپیشوا کی اذان حج پر لبیک نہ کہہ سکے مگر امت مسلمہ میں تو ہم بھی ہیں ہمارے اندر بھی اسلام کی حقیقی روح برقرار رکھنے کا کچھ نہ کچھ سامان ضروری ہے۔ دل کی یہی آواز اور امت مسلمہ کی فطرت کی یہی خاموش پکار

تھی۔ جس کے جواب میں خدا نے اپنے رسول کے ذریعے اعمال حج کا ایک حصہ اور حجاج سے ایک گونہ تشبہ کا سامان پوری امت کو بقدر استطاعت نصیب فرما دیا۔

حج والی قربانی کو حج سے باہر بھی جاری کرانے کا یہی فلسفہ ہے جسے عقل بھی تسلیم کرتی ہے اور فطرت بھی اس کی معقولیت پر شہادت دیتی ہے۔ ہم میں سے ارباب استطاعت کو موقع دیا گیا (فقہ کی اصطلاح میں وجوب کے لئے یا سنت) کہ وہ اپنے گھروں ہی پر رہتے ہوئے ابراہیم خلیل اللہ کی سنت قربانی کو ہر سال تازہ کر کے اس مرموز جذبہ ابراہیمی کی زندگی اور تازگی کا سامان کریں جو اسلام کی اصل اور اس کی روح و جان ہے۔ باقی کو بھی محروم نہیں رکھا گیا کہ عرفات کا والہانہ اجتماع نماز عید کی متبادل شکل میں عطا کر دیا گیا اور ایسا نہ ہو کہ جو نہ قربانی کر سکے نہ عید کی نماز میں پہنچ سکیں وہ ملت اسلامی کی تاسیس کے ان تاریخی ایام میں، جو روح اسلام کی بالیدگی کے لئے قدرتی طور پر نہایت سازگار ہیں۔ اس روح کی آب یاری کے کسی سامان سے بالکل ہی محروم رہ جائے، اس لئے تیسری آسان ترین چیز یہ عطا کی گئی کہ ۹ ذی الحجہ سے ۱۳ ذی الحجہ تک ہر فرض نماز کے بعد اللہ کی تکبیر و تحمید کا غلغلہ بلند کرو۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لِلّٰهِ الْحَمْدُ.

پس اللہ کی رحمت اور سلام اس نبی پر جس کے صدقہ میں پوری امت مسلمہ کو اپنے امام و پیشوا کی سنت نصیب ہوئی۔

بہ مصطفیٰ ﷺ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

افادیت کا واہمہ

بعض لوگ آپ کو اور ملیں گے جو یورپ کی پھیلائی ہوئی افادیت پرستی جن کے روحانی حاسہ کو کھا گئی ہے۔ انہیں آپ کہتا ہوا پائیں گے کہ آخر یہ قربانی سے کیا فائدہ ہے؟ ثواب ہی مطلوب ہے تو اتنا روپیہ انفرادی طور پر خیرات کر دیجئے یا کسی اجتماعی نظم کے تحت غریبوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کیجئے، اس سے تو سوائے اس کے کہ دو چار وقت آپ خود اور غربا اناپ شناپ گوشت خوری کر لیں اور ایک خواہ مخواہ کی بہیمیت کا مظاہرہ ہو جائے اور کچھ نہیں! بھلا اللہ کو اس خون ریزی سے کیا لینا ہے کہ یہ اس کی رضامندی کا ذریعہ بنے؟ اس کے نام پر کسی کو سلیقہ سے فائدہ پہنچایئے تو ثواب کی بات بھی ہے!

یہ مسلمان کہلانے والے سب وہ لوگ ہوں گے جو گوشت خوری میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں، مگر اپنی گوشت خوری اور اس کے لئے جانوروں کے ذبیحہ پر بہیمیت کا خیال بھی نہیں آتا۔ ان کی ساری رحم دلی اور لطیف الحسی سال بھر میں صرف اسی ایک دن پھڑکتی ہے۔ جب جانوروں کا ذبیحہ خود ان کے خالق کے نام پر کیا جاتا ہے۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا؟

دوسری بات یہ کہتے ہیں کہ اس خونریزی میں ثواب کا کیا کام؟ اس سے اللہ تعالیٰ کو کیا لینا؟ تو انہیں معلوم نہیں کہ یہ کوئی خاص عقلی انکشاف نہیں فرما رہے ہیں کہ اس سے قربانی کی عادت سمجھنے والے مبہوت ہو کر رہ جائیں۔ یہ بات جو وہ آج بڑے

عقلی طنطنے کے ساتھ کہتے ہیں خدا نے اس دن صاف صاف بتا دی تھی جس دن قربانی کا حکم دیا تھا۔ سورۃ الحج ہے جس میں قربانی کا بڑے شد و مد کے ساتھ مطالبہ ہے اسی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس حقیقت کا اظہار بھی ہے:

﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۗؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ (الحج آیت ۳۷)

''خدا کو ہرگز ہرگز نہ تمہاری ان قربانیوں کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون اس کے حضور صرف تمہارے دل کا جذبہ اطاعت و نیاز مندی پہنچتا ہے۔''

یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ اس کی ایک ہی آیت کسی زمانہ میں ایک سمت کی گمراہی کا استیصال کرتی ہے تو دوسرے زمانہ میں اس کی بالکل مقابل سمت کی گمراہی کا توڑ بھی اسی طرح کرتی ہے کہ معلوم ہو صرف اسی گمراہی کے سدباب کے لئے نازل ہوئی ہے۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ مشرکین عرب قربانیوں کا گوشت اور خون خانہ کعبہ کی دیوار پر لگاتے اور چمٹاتے۔ اس طرح گویا اللہ تعالیٰ کو پہنچاتے تھے۔ بعض مومنین کو بھی یہی خیال پیدا ہوا تو آیت نازل ہوئی۔ آج بات الٹ گئی ہے کہ لوگ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۗؤُهَا کہہ کر مسلمانوں کو قربانی سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہی آیت انہیں جواب دے رہی ہے کہ تم یہ کون سی نئی بات بتا رہے ہو، یہ تو اللہ نے خود ہی بتا دی تھی اور اس کے باوجود قربانی کا حکم دیا تھا۔

تو یہ کوئی ایسا انکشاف نہیں فرما رہے ہیں کہ قربانی کرنے والے سوچنے لگے کہ ہم کیا بے کار کام کر رہے ہیں؟ اور (خاکم بدہن) خدا کو نظر ثانی کرنی پڑے کہ اس نے کیا بے فائدہ کام کا حکم دے دیا۔ ﴿قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ﴾ (یونس:۱۸)

''آپ کہئے کہ کیا تم کوئی ایسی خبر اللہ کو دے رہے ہو جس کا اسے پتہ نہیں تھا۔''

اس حقیقت کا اسے اس وقت علم تھا' جب ہمارے اور ان اہل خرد کے اَبُوْ الْاٰبَآءِ بَيْنَ الْمَاءِ وَالْطِّيْنِ تھے۔ مگر پھر بھی اس نے قربانی کا حکم دیا' جس کی حکمت کی طرف سورۂ حج کی اسی آیت کے آخری الفاظ ﴿وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ (الحج:۳۷) میں اشارہ بھی کر دیا گیا ہے۔ جس کو یہ اہل خرد از خود نہیں سمجھ سکتے تھے، اس حکمت کی تشریح ہم آگے کریں گے۔

تیسری بات اسی دوسری بات پر بنیاد رکھ کر یہ لوگ صدقہ و خیرات کی کہتے ہیں۔ مگر یہاں بھی سارے ادعا عقل کے باوجود یہ لوگ عقل سے اتنا کام نہیں لیتے کہ قرآن کا خدا کیا صدقہ و خیرات سے نا آشنا تھا کہ اس نے صدقہ و خیرات جیسی معقول نیکی کے بجائے قربانی جیسی معاذ اللہ نامعقول نیکی کا حکم دے مارا۔ کیا ان مسکینوں کو اتنی بھی خبر نہیں کہ قرآن میں صدقہ و خیرات اور انفاق فی سبیل اللہ کی تعلیم کا کیا مقام ہے اور کس قدر کثرت کے ساتھ اس تعلیم کا اعادہ کیا گیا ہے، پھر جب کہ یہ معلوم ہے کہ جس خدا نے قربانی کا حکم دیا ہے وہ نہ صرف صدقہ و خیرات سے بھی آشنا ہے بلکہ اس کی نظر میں اس کا عظیم مقام ہے اور یہ حقیقت بھی نہ صرف اس پر کھلی ہوئی ہے بلکہ اس نے دوسروں پر بھی کھول دی ہے کہ قربانی کے گوشت پوست سے اللہ کو کچھ نہیں لینا۔ تو کم از کم کسی صاحب عقل کو یہ مشورہ دینے میں جلدی تو نہیں کرنی چاہیے کہ قربانی کے بجائے صدقہ و خیرات کا حکم ہونا چاہیے تھا۔ قربانی میں تو بجز اضاعت مال کے اور کچھ نہیں۔

اور یہ بہیمیت اور اضاعت مال کا الزام

جہاں تک بہیمیت یا اس سے ملتے جلتے الفاظ سے قربانی کی رسم کو تعبیر کر کے اعتراض پیدا کرنے کا تعلق ہے' ہم نے اوپر اس کے جواب میں جو چند جملے لکھے ہیں۔ ان کی نوعیت اگرچہ الزامی ہے' مگر انہی میں اصل جواب بھی پوشیدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ حلال چوپایوں کا جب انسان اپنے ذائقہ اور اپنی ضرورت کے لئے خون بہاتا ہے اور اللہ نے ان چوپایوں میں دوسرے منافع کے ساتھ ساتھ ایک منفعت یہ بھی رکھی ہے تو پھر یہ بڑی ناانصافی اور احسان فراموشی کی بات ہے کہ جس نے ان چوپایوں کو وجود بخشا اس کے نام پر ان کو ذبح کرتے ہوئے آپ کو بہیمیت اور وحشت و بربریت کا تصور آنے لگے حالانکہ اس صورت میں بھی وہ آپ کے اور آپ کے دوسرے بھائیوں کے کھانے ہی کے کام آتے ہیں۔ کوئی بے کار نہیں جاتے۔ ان کی کھالیں اور ان کا اون الگ کتنے ہی دوسرے منافع کا باعث بنتا ہے اور یہ سب خدا ہی کے اذن و حکم سے ہوتا ہے۔ اسے خود یہ پسند نہیں ہے کہ اس کے نام پر ذبح کی ہوئی چیز بے کار جائے۔ چنانچہ یہ آیت ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا﴾ (الحج ۳۷) مشرکین جاہلیت کے اسی غلط اعتقاد اور غلط طرز عمل کی تردید میں نازل ہوئی تھی کہ وہ اللہ کے نام پر ذبح کی ہوئی چیز کا گوشت پوست بھی اللہ ہی کے لئے چھوڑ کر بے کار کرتے تھے۔ اللہ نے اس کو جہالت کی بات ٹھہرایا اور اجازت دی کہ گوشت کھایا جائے' غریبوں کو کھلایا جائے اور پوست امور خیر میں صرف کیا جائے اس کے بعد تو قربانی کو بہیمیت اور وحشیانہ فعل کا نام دینا اور بھی غلط ہو جاتا ہے، اس لئے کہ اب اس ذبیحہ میں اور ہمارے روزمرہ کے ذبیحوں میں اگر کوئی فرق ہے تو صرف ایک اعلیٰ نیت اور مصارف خیر کے حصہ کا۔

اسی جواب سے اضاعت مال والے اعتراض کی بے بنیادی بھی پوری طرح آشکارہ ہو جاتی ہے۔ اب صرف یہ اعتراض کسی سطح میں اور ظاہر پرست کے ذہن میں رہ سکتا ہے کہ جتنا روپیہ مجموعی اعتبار سے قربانی پر صرف ہوتا ہے اگر یہ روپیہ انفرادی صدقات و خیرات یا کسی اجتماعی نظم کے تحت ناداروں اور مستحق اداروں کی فلاح و بہبود میں خرچ کیا جائے تو اس قربانی کی نسبت بہت عظیم اور دور رس فوائد پیدا ہو سکتے ہیں۔ مگر جیسا کہ عرض کیا گیا یہ اعتراض یورپ کی پھیلائی ہوئی اس افادیت پرستی کا نتیجہ ہے جس کے مسلط ہو جانے کے بعد آدمی کی نظر میں انسانی اعمال کی قدر و قیمت کا واحد پیمانہ مادی اور ظاہری افادیت بن جاتی ہے اور وہ حاسہ انسانی کھو بیٹھتا ہے جس سے دینی اعمال کی بنیادی قدر و قیمت محسوس کی جاتی ہے اور اعمال دینیہ کے اسرار کھلتے ہیں۔

افادیت پرستی کے مارے ہوئے یہ لوگ نقد صدقات و خیرات کو اس لئے معقول نیکی سمجھتے ہیں کہ اس سے بڑے پیمانہ کی اور پائیدار مادی فلاح و بہبود پیدا ہوتی ہے' یا ہو سکتی ہے اور قربانی کی نیکی اس لئے ان کی سمجھ میں نہیں آتی کہ اس سے کسی بڑے اور دور رس مادی فائدے کا ظہور نہیں ہوتا۔ حالانکہ غربا کی مادی افادیت کی ایک دینی قدر و قیمت کے ساتھ صدقہ و خیرات کے نیکی ہونے اور اس میں دینی قدر و قیمت پیدا ہونے کی اصل بنیاد بالکل یہ نہیں ہے کہ اس سے کوئی چھوٹے بڑے یا

بڑے مادی فوائد غربا و مستحقین کے لئے پیدا ہوتے ہیں۔صدقہ وخیرات کی شکل میں دینی قیمت پیدا کرنے والی اور اس ایک دینی نیکی بنانے والی چیز صرف رضائے الٰہی کی نیت اور دینے والے کا جذبہ و احساس ہے کہ یہ میرے مال کے مالک حقیقی کا حق تھا جو میں ادا کر رہا ہوں۔

اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد اب اصل بات کو سمجھئے کہ نقد صدقہ وخیرات کی بے شک ایک دینی قیمت ہے اور بہت بڑی ہے مگر ؎

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

قربانی کی جو خاص بات ہے وہ اس میں نہیں ہے۔اس سے مال (سیم وزر) کا حق خداوندی ادا ہوتا ہے۔اس حقیقت کی یاد دہانی ہوتی ہے کہ یہ اسی کی عطا و عنایت ہے' اس سے جذبہ شکر ابھرتا ہے اور اس طرح رشتہ عبدیت و معبودیت مضبوط ہوتا ہے۔مگر اللہ کی عطا صرف سیم وزر ہی تک تو محدود نہیں ہے۔اس نے کتنے ہی انواع کے چوپایوں کی صورت میں بھی تو منافع کا ایک خزانہ دے رکھا ہے جس سے انسان دن رات متمتع ہوتا ہے' دودھ پیتا ہے' گوشت کھاتا ہے' کھیتی باڑی کا کام لیتا ہے۔وغیر ذالك' کیا اس جاندار عطاء عنایت میں خدا کا کوئی حق نہیں ہے؟ اس پر اس میں جذبہ شکر نہیں ابھرنا چاہیے اور اس حقیقت کو یکسر فراموش کیے رہنا چاہیے کہ چوپایوں کی یہ منافع بھری دنیا کس کا فیض کرم ہے؟ اور اس عظیم کرم کو رشتہ عبدیت کی مضبوطی میں سرے سے کام ہی نہ آنا چاہیے؟ حالانکہ عبدیت و معبودیت کا تمام تر رشتہ انہی کرم ہائے گوناگوں پر استوار ہے۔ قربانی یہی کام انجام دیتی ہے۔چنانچہ فرمایا گیا ہے:

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾ (الحج)

''اور ہر امت میں ہم نے قربانی کا طریقہ رکھا ہے۔تاکہ لوگوں کو اللہ کی اس عنایت پر اس کا نام لینے کی توفیق ملے جو اس نے مویشیوں کی صورت میں فرما رکھی ہے۔''

ان سب اموال سے بڑھ کر انسان پر اللہ کی سب سے بڑی عنایت خود اس کی جان ہے مگر یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے اس جان کا نذرانہ ان دوسرے جانداروں کی جان کی طرح طلب نہیں کیا۔لیکن اسلام میں قربانی کی بات جہاں سے چلی ہے یعنی سیدنا ابراہیم و اسماعیل (علیہما السلام) کا واقعہ' وہ سوچنے والوں کو اس بات کا کھلا اشارہ دیتا ہے کہ قربانی کے حکم میں جہاں یہ حکمت تھی کہ مویشیوں کی صورت میں اللہ کی زبردست عطا کا شکرانہ ادا ہو وہاں ان جانداروں کی قربانی میں یہ رمز بھی رکھ دیا گیا ہے کہ قربانی کرنے والا خود اپنی جان بھی اس طرح جان آفرین پر نذر کرنے کو تیار ہے، مگر چونکہ اجازت نہیں، اس لئے اس کے بدلہ میں ایک دوسری جان نذر کرتا ہوا وہ اپنے حقیقی جذبہ فدائیت کو بشکل مجاز پیش کرتا ہے۔اس طرح اس قربانی میں ایک عظیم عطا کا شکرانہ بھی ہے اور خود اپنی جان کا نذرانہ بھی اور یہ بات نقد صدقہ وخیرات سے کسی طرح حاصل نہیں ہوسکتی۔ جب کہ اللہ سے رشتہ عبدیت کی درستی اور مضبوطی کے لئے اس خانہ کا بھرنا صدقہ وخیرات والے خانہ کے بھرنے سے کسی طرح کم ضروری نہیں، بلکہ کچھ زیادہ ہی ضروری نظر آتا ہے۔(بشکریہ الفرقان لکھنؤ) ماخوذ ہفت روزہ الاعتصام لاہور

بانجھ بکری کی قربانی اور سرکٹی مرغی کے ذبح کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں بانجھ بکری کی قربانی شرعاً جائز ہے یا ناجائز ہے؟ بینوا توجروا عنداللّٰہ۔

جواب: الجواب بعون الوھاب: قربانی کے عیوب کی جو تفصیل کتب احادیث میں بیان کی گئی ہے، ان میں عقیم یعنی بانجھ پن کو بطور عیب بیان نہیں کیا گیا، لہٰذا اس جانور کی قربانی کے جواز میں کوئی شبہ نہ ہونا چاہیے اور اہل علم اس کی قربانی کے جواز کے قائل ہیں، چنانچہ مفتی عزیز الرحمان دیوبندی فرماتے ہیں کہ بانجھ جانور کی قربانی درست ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ج ۱ص ۳۴۷)

علاوہ ازیں ہمارے نزدیک جس طرح خصی جانور کی قربانی کا گوشت غیرخصی قربانی کے گوشت سے زیادہ لذیذ اور مرغوب ہوتا ہے اسی طرح بانجھ بکری کا گوشت مطلقہ فا کے ساتھ بکری کے گوشت سے بہتر ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کی قربانی میں شبہ کی ضرورت نہ ہے۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے میں ایک مرغی بس کے نیچے آ کر سر جدا ہو گیا اور جان جسم میں باقی ہے مرنے سے قبل گردن کی جانب سے ذبح کر دی ہے مذکورہ صورت میں مرغی حلال ہے یا حرام بینوا توجروا۔

(مولانا محمد زکریا صاحب نائب شیخ الحدیث مسجد قدس دالگراں چوک لاہور)

جواب: تجربہ اور مشاہدہ کے مطابق کسی متنفس کی زندگی اور حیات کا تعلق اس کے سر ہی کے ساتھ ہے۔ اگر سر سلامت ہے تو وہ زندہ ہے، ورنہ مردہ اور بے جان شے ہے۔ آج کی سائنس نے ہماری اس رائے کی تصدیق کر دی ہے اور وہ اس طرح کہ ڈاکٹر حضرات نہ صرف دل کا آپریشن کر رہے ہیں بلکہ دلوں کا تبادلہ بھی سننے میں آ رہا ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انتقال قلب کے وقت انسان زندہ رہ سکتا ہے۔ جب کہ ایسا کبھی سننے اور دیکھنے میں نہیں آیا کہ کسی تن اور دھڑ سے اس کا سر جدا ہو گیا ہو یا سر کو جدا کر دیا گیا ہو اور وہ تن یا دھڑ زندہ رہ گیا ہو۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ زندگی اور موت میں سر ہی حد فاصل ہے اگر سر سلامت ہے اور اس کا رابطہ دھڑ کے ساتھ قائم ہے تو وہ متنفس زندہ ہے ورنہ مردہ ہے۔

لہٰذا وہ مرغی سر جدا ہو جانے کی صورت میں بالکل مردہ تھی۔ لہٰذا اس کو ذبح کرنے کی کوشش بالکل بے سود اور بعد از وقت تھی۔ یعنی وہ حرام ہو چکی تھی۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

قربانی تبدیل کرنے کا حکم

سوال: ہمارے پاس گھر کی گائے کی ایک بچھیا ہے بلوغت کی عمر پوری ہونے پر وہ حاملہ ہونے کے لئے نہیں بولی۔ ویسے جانوروں میں اس مقصد کے لئے دیگر علامات بھی ہوتی ہیں جن کی طرف ہم نے توجہ نہیں دی۔ اس لئے گمان یہی رہا کہ

یہ نسل کشی کے قابل نہیں ہے۔ لہٰذا میرے والد صاحب نے اس کی قربانی کی نیت کر لی' پھر اس بچھیا کو ایک ماہر ڈاکٹر نے دیکھا تو کہا کہ یہ گونگی ہے لیکن اس میں حاملہ ہونے کی علامتیں موجود ہیں۔ نیز یہ بچھیا دودھ دینے میں عمدہ ثابت ہوگی۔ اب حاملہ ہونے کے لئے بول بھی پڑی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہم اس کی جگہ کسی اور گائے کی قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں دلائل دیں۔ (شعیب الرحمٰن خانیوال)

جواب: الجواب بعون الوھاب: صورت مسئولہ میں کوئی شرعی عذر بظاہر نظر نہیں آتا، اس لئے ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرہ آیت ۱۸۵) کے تحت جانور کی تبدیلی جائز معلوم ہوتی ہے چنانچہ فقہ حنبلی کی مشہور اور نہایت اہم کتاب ''المغنی'' میں ہے۔

وَيَجُوْزُ اَنْ يُبَدِلَ الْاُضْحِيَةَ اِذَا اَوْجَبَهَا بِخَيْرٍ مِّنْهَا ھٰذَا الْمَنْصُوْصُ عَنْ اَحْمَدَ وَ بِهٖ قَالَ عَطَاءٌ وَّمُجَاهِدٌ وَّعِكْرِمَةُ وَمَالِكٌ وَّ اَبُوْ حَنِيْفَةَ وَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ. ●

یعنی قربانی کو اپنے اوپر واجب (متعین) کر لینے کے بعد یہ جائز ہے کہ اس سے بہتر (جانور) کے ساتھ قربانی کو تبدیل کر لیا جائے۔ امام احمدؒ حضرت عطاء مجاہدؒ عکرمہؒ امام مالکؒ امام ابوحنیفہ اور امام محمد یہ سب اس کے قائل ہیں' فقہ حنبلی کی ایک اور کتاب ''الانصاف'' میں ہے:

وَاِذَا تَعَيَّنَتْ لَمْ يَجُزْ بَيْعُهَا وَلَا هِبَتُهَا اِلاَّ اَنْ يُّبْدِلَهَا بِخَيْرٍ مِّنْهَا۔ (ج ۴ ص ۸۹)

جب قربانی کے لئے جانور متعین ہو جائے تو اس کا بیچنا اور ہبہ کرنا جائز نہیں، البتہ اس کا اس سے بہتر جانور سے تبادلہ جائز ہے۔

امام ابن حزم اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ:

وَلَا يَلْزَمُ مَنْ نَّوٰى اَنْ يُّضَحِّيَ بِحَيْوَانٍ مِمَّا ذَكَرْنَا اَنْ يُّضَحِّيَ بِهٖ وَلَا بُدَّ لَهٗ اَنْ لَا يُضَحِّيَ بِهٖ اِنْ شَاءَ اِلَّا اَنْ يَّنْذُرَ ذٰلِكَ فِيْهِ فَيَلْزَمُ الْوَفَاءُ بِهٖ بُرْهَانُ ذٰلِكَ اَنَّ الْاُضْحِيَةَ كَمَا قَدَّمْنَا لَيْسَتْ فَرْضاً فَاِذْلَيْسَتْ فَرْضاً فَلَا يَلْزَمُهُ التَّضْحِيَةُ اِلاَّ اَنْ يُّوْجِبَهَا نَصٌّ وَلَا نَصَّ اِلَّا فِيْمَنْ ضَحّٰى قَبْلَ وَقْتِ التَّضْحِيَةِ فِيْ اَنْ يُّعِيْدَ وَفِيْمَنْ نَذَرَ اَنْ يَّفِيَ بِالنَّذْرِ وَرَوَيْنَا مِنْ طَرِيْقِ مُجَاهِدٍ لَا بَاْسَ بِاَنْ يَّبِيْعَ الرَّجُلُ اُضْحِيَتَهٗ مِمَّنْ يُّضَحِّيْ بِهَاوَ يَشْتَرِيْ خَيْراً مِّنْهَا عَنْ عَطَاءٍ فِيْمَنْ اشْتَرٰى اُضْحِيَةً ثُمَّ بَدَّلَهٗ قَالَ لَابَاْسَ بِاَنْ يَّبِيْعَهَا وَرَوَيْنَا عَنْ عَلِيِّ الشَّعْبِيِّ وَالْحَسَنِ وَ عَطَاءٍ كَرَاهَةَ ذٰلِكَ قَالَ عَلِيٌّ مَانَعْلَمُ لِمَنْ كَرِهَ ذٰلِكَ حُجَّةً. ●

''کسی مخصوص جانور کی قربانی کی نیت کر لینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اب وہ اسی جانور کی قربانی کرے' اس میں

● المغنی لابن قدامة ج ۱۱ ص ۱۱۱ طبع قدیم۔ ● المحلی ج ۷ ص ۳۷۵۔

تبدیلی کی گنجائش نہ ہو بلکہ اگر وہ چاہے تو اس کی بجائے کسی اور جانور کی قربانی کر سکتا ہے اِلّا یہ کہ کسی جانور کی بابت نذر مانی ہوئی ہو۔ نذر کی صورت میں نذر کا پورا کرنا ضروری ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ قربانی ویسے ہی فرض نہیں بلکہ سنت ہے۔ جب وہ فرض ہی نہیں تو جانور کے تعین کے بعد اس متعین جانور کی قربانی کے لزوم کے لئے کسی نص شرعی کی ضرورت ہے، جب کہ ایسی کوئی نص نہیں، البتہ دو صورتوں کے لئے نص موجود ہے۔ ایک قبل از وقت قربانی کر دینے کی صورت میں کہ اسے دوبارہ قربانی کرنی پڑے گی۔ دوسرے نذر کی صورت میں کہ جس جانور کی نذر مانی ہو اس کو قربان کرنا ضروری ہے۔ امام مجاہد کے طریق سے مروی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ایک شخص اپنے قربانی کے جانور کو بیچ کر اس سے بہتر جانور خریدے۔ امام عطاء کہتے ہیں کہ کسی شخص نے قربانی کے لئے جانور خریدا پھر اس کی نظر میں وہ اچھا نہیں تو اس کے بیچ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، امام شعبی، حسن اور عطاء سے اس طرح کی تبدیلی کی کراہت کا قول منقول ہے۔''

لیکن امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس کراہت کی کوئی دلیل ہم نہیں جانتے۔ امام ابن حزم کے اس اقتباس سے واضح ہے کہ صورت مسئولہ میں اگر نیت شدہ بچھیا کی جگہ کوئی اور اچھی گائے کی قربانی کر لی جائے تو یہ جائز ہے، بظاہر اس میں کوئی شرعی قباحت معلوم نہیں ہوتی۔ ھذا ما عندی واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

صورت مسئولہ میں ایک اور نکتہ بھی قابل غور ہے اور وہ یہ کہ بچھیا کو قربانی کے لئے اس غلط فہمی کی بنیاد پر نامزد کیا گیا ہے کہ وہ نسل کشی کے قابل نہیں۔ یہ غلط فہمی اس کی نامزدگی کے لئے گویا شرط کی حیثیت رکھتی ہے اگرچہ یہ صریح شرط تو نہیں، تاہم اس کو معنوی قسم کی شرط قرار دیا جا سکتا ہے۔ (یعنی نیت میں شرط) اور عام اصول ہے کہ اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ جب شرط باقی نہ رہے تو مشروط (جس کی شرط کی گئی ہو) بھی ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جب بچھیا کا نسل کشی کے قابل نہ ہونا باقی نہ رہا تو اس کی نامزدگی خود بخود ختم ہو گئی۔ لہٰذا مذکورہ صورت میں بچھیا کی تبدیلی میں شرعی کوئی ممانعت نظر نہیں آتی۔ واللہ اعلم بالصواب

قربانی کی قیمت ادا نہ کرنے والے کی قربانی کا حکم

سوال: بخدمت جناب مولانا مفتی عبیداللہ عفیف صاحب السلام علیکم! مندرجہ ذیل سوالات کی قرآن و حدیث کی روشنی میں رہنمائی فرما کر مشکور فرمائیں۔

گائے کی اجتماعی قربانی کا ہمارے ہاں بندوبست کیا گیا، جس میں کچھ سوالات ابھرے ہیں جن کی مثال درج ذیل ہے

ایک گائے ۷۰۰۰ روپے کی خریدی گئی اور دوسری گائے ۱۴۰۰۰ روپے کی خریدی گئی۔ ان کا فی حصہ ۱۵۰۰ روپے ایڈوانس وصول کر لیا گیا اور کہا گیا کہ باقی کمی بیشی قیمت میں بعد میں کر لی جائے گی اور اس کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

قیمت گائے نمبر ۱، ۷۰۰۰ روپے

ایڈوانس وصولی ۱۵۰۰ روپے

اصل قیمت فی حصہ ۱۰۰۰ روپے
قابل واپسی فی حصہ ۵۰۰ روپے
قیمت گائے نمبر ۲' ۱۴۰۰۰ روپے
ایڈوانس وصولی ۱۵۰۰ روپے
اصل قیمت فی حصہ ۲۰۰۰ روپے
قابل وصولی فی حصہ ۵۰۰ روپے

مندرجہ بالا وضاحت کی صورت میں گائے نمبر ۱ کے حصہ داروں سے فی حصہ ۵۰۰ روپے واپس کرنے پڑتے ہیں، جبکہ گائے نمبر ۲ کے حصہ داروں سے فی حصہ ۵۰۰ روپے مزید وصول کرنا بنتا ہے گر دونوں گائیوں کے گوشت کو برابر حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اور نہ تو کسی سے گروپ نمبر ۱ کے حصہ داروں کو فی حصہ ۵۰۰ روپے واپس کئے گئے اور نہ ہی گروپ نمبر ۲ سے مزید ۵۰۰ روپے وصول کئے، بلکہ گائے نمبر ۱ کے حصہ داروں اور گائے نمبر ۲ کے حصہ داروں میں گوشت برابر تقسیم کر دیا گیا۔ صورت حال کے مطابق مندرجہ ذیل سوالات کی وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں۔

۱- قربانی کرنے والے حضرات کی قربانی میں شرعاً کوئی فرق تو نہیں پڑا؟

۲- کیا اس طرح قربانی کے گوشت کی خرید و فروخت تو نہیں کی گئی جو شرعاً جائز نہیں؟ (سائل: بشیر احمد چوہدری ۱۳۸ شادباغ لاہور)

الجواب بعون الوهاب: بشرط صحت سوال قربانی کے جانور کو حدیث میں اُضْحِيَة اور ضَحِيَّة کہتے ہیں اور اس کی تعریف کتب لغت میں یوں کی گئی ہے:

اَلْاُضْحِيَةُ وَالضَّحِيَّةُ اِسْمٌ لِمَا يُذْبَحُ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ يَوْمَ النَّحْرِ وَاَيَّامَ التَّشْرِيْقِ تَقَرُّباً اِلَى اللّٰهِ .[1]

اضحیہ اور ضحیہ اس اونٹ' گائے اور بکری کو کہا جاتا ہے جسے عیدالاضحیٰ اور ایام تشریق، یعنی ۱۱' ۱۲' ۱۳ ذی الحجہ کو قرب الٰہی کے حصول کے لئے ذبح کیا جاتا ہے۔

اور قربانی کے من جملہ آداب میں ایک یہ بھی ہے کہ قربانی کا گوشت فروخت کرنا جائز ہے اور نہ چمڑہ بلکہ دونوں کو صدقہ کر دینے کا حکم ہے، یعنی اپنی ضرورت سے زائد گوشت کی خرید و فروخت منع اور حرام ہے۔ صحیح مسلم میں ہے:

۱- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَهُ اَنْ يَّقُوْمَ عَلٰى بُدْنِهِ وَاَمَرَ اَنْ يُّقْسِمَ بُدْنَهُ كُلَّهَا لُحُوْمَهَا وَجُلُوْدَهَا وَجِلَالَهَا فِي الْمَسَاكِيْنِ وَلَا يُعْطِيَ فِيْ جِزَارَتِهَا مِنْهَا شَيْئاً .[2]

کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ کی قربانیوں کی نگرانی کروں اور یہ بھی حکم دیا کہ ان کا سارا گوشت

---

[1] فقه السنة: ج ٣ ص ٢٧٤.
[2] صحيح مسلم: ج ص ٤٢٤ باب في الصدقة.

ان کی کھالیں اور جھولیں صدقہ کر دوں، یعنی مسکینوں میں تقسیم کر دوں اور قصاب کی مزدوری میں اس میں سے کچھ نہ دوں۔

الفاظ کے قدرے تھوڑے فرق سے کے ساتھ یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی مروی ہے:

۲۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ ۔۔۔۔ اِنِّیْ اُحِلُّهٗ لَكُمْ فَكُلُوْا وَ تَصَدَّقُوْا ۔ ●

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے لئے قربانی کا گوشت حلال کرتا ہوں، پس جتنا چاہو کھاؤ مگر ہدی اور قربانی کا گوشت فروخت نہ کرو کھاؤ اور صدقہ کرو۔

ان احادیث صحیحہ قویہ سے ثابت ہوا کہ قربانی کے گوشت کی خرید و فروخت جائز نہیں ۔اب ان احادیث کے تناظر میں صورت مسئولہ کو لیجئے۔

صورت مسئولہ پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ گائے نمبرا میں شریک حصہ داروں کو قربانی میں شرعاً کوئی فرق نہیں پڑا کیونکہ شریعت کی راہنمائی میں وہ ذبح ہو چکی اور اس کے تمام حصہ دار اپنے اپنے حصہ رسدی کی قیمت نقد ادا کر چکے ہیں ۔ بلکہ ان سے فی کس پانچ پانچ صد روپیہ زائد وصول کیا جا چکا ہے، جو شرعاً واپس کرنا واجب ہے۔ چونکہ یہ اپنے پانچ پانچ صد روپے کے عوض چونکہ گائے نمبر ۲ کا تھوڑا بہت گوشت وصول کر چکے ہیں جو کہ خرید وفروخت کے زمرہ میں آتا ہے اس لحاظ سے یہ گناہ گار بھی ہیں، مگر اس غلطی سے ان کی قربانی میں فرق نہیں پڑا۔ اور گائے نمبر ۲ کے حصہ داروں کی قربانی شرعاً نہیں ہوئی ۔ اول اس لئے کہ یہ گائے چونکہ ۱۴ ہزار میں خریدی گئی تھی، جبکہ اس کے حصہ داروں سے فی کس ۱۵ سو روپے وصول کئے گئے اس لحاظ سے ان کو مزید پانچ پانچ صد روپے ادا کرنے ہیں جبکہ انہوں نے یہ پانچ پانچ صد روپے ابھی تک ادا نہیں کیے۔ لہٰذا ان کی قربانی اس وقت تک معلق رہے گی جب تک وہ حصہ رسدی بقایا قیمت ادا نہیں کر دیں گے۔ دوم اس لئے کہ اس قربانی کا گوشت فروخت کیا گیا ہے اور قربانی کا گوشت، پوست، جھول فروخت کر دینا بنص صریح اور صحیح حرام ہے، اس لئے گائے نمبر ۲ کے شرکاء کی نہ صرف قربانی شرعاً نہیں ہوئی بلکہ گوشت کی خرید وفروخت پر خاموش رہ جانے کی وجہ سے گناہ کبیرہ کے مرتکب بھی ہوئے ہیں۔ هذا ما عندی والله تعالٰی اعلم بالصواب ۔

کیا قربانی کی قیمت کشمیر بھیج دینا جائز ہے؟

سوال: بعض جماعتوں اور تنظیموں کی طرف سے اخبارات میں یہ اعلان آ رہا ہے کہ قربانی کے جانور کے پیسے یہاں جمع کروائیں اور ان کی طرف سے کشمیر میں قربانی کر کے گوشت وہاں کے اہل علاقہ مہاجرین و مجاہدین میں تقسیم کیا جائے گا۔ کیا قرآن وسنت کی روشنی میں ایسا فعل جائز ہے؟ (سائل: محمد جابر حسین، مدرس جامعہ اہل حدیث چوک دالگراں لاہور)

جواب: الجواب بعون الوهاب: بشرط صحت سوال قربانی محض گوشت کھانے اور کھلانے سے ہی عبارت نہیں کہ

● رواه احمد قال فی مجمع الزوائد انه مرسل صحیح الاسناد، نیل الاوطار ج:۵، باب الصدقه بالجلود و الجلال ص ۱۲۹۔

بس ضرورت مند علاقوں کے لوگوں کو قربانی کا گوشت کھلانے کے لئے وہاں پیسے بھیج دیے جائیں اور پھر یہ باور کرلیا جائے کہ میری قربانی ذبح ہوکر شرف قبولیت سے مشرف ہوچکی اور مجھے وہی ثواب وفضیلت بھی مل چکی جو مباشرت بالعمل سے حاصل ہوتی ہے' یہ خیال درست اور صحیح نہیں، کیونکہ گوشت کھانے اور کھلانے کے علاوہ جب تک حسب ذیل سنن اور آداب کو بجا نہ لایا جائے گا ذبح شدہ چوپایہ مسنون قربانی نہیں ہوگا۔

۱۔ قربانی کے دن اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب عمل قربانی کے جانور کا خون بہانا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ يَوْمَ النَّحْرِ عَمَلاً اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ هَرَاقَةِ دَمٍ. الحديث رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ. ●

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "قربانی کے دن اللہ تعالیٰ کو کسی انسان کا کوئی عمل اتنا پسند نہیں جتنا قربانی کا خون بہانا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔" اور ظاہر ہے کہ قربانی کی قیمت بھیج دینے سے یہ فضیلت حاصل نہ ہوگی۔

۲۔ قربانی کا عیدگاہ میں ذبح کرنا بھی سنت ہے، کیونکہ قربانی اسلام کا ایک علامتی نشان (شعار دین) ہے۔

عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ اَخْبَرَهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلّٰى. ●

"نافع کہتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بتلایا کہ رسول اللہ ﷺ قربانی عیدگاہ میں ذبح کرتے تھے۔" اور ظاہر ہے کہ دوسرے علاقے میں قربانی کی قیمت بھیجنے سے یہ سنت بھی چھوٹ جائے گی۔

۳۔ قربانی کے جانور کو کھلا پلا کر موٹا تازہ کرنا بھی مستحب عمل ہے، جیسا کہ حضرت ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ وضاحت فرماتے ہیں:

كُنَّا نُسَمِّنُ الْاُضْحِيَةَ بِالْمَدِيْنَةِ وَكَانَ الْمُسْلِمُوْنَ يُسَمِّنُوْنَ. ●

"ہم لوگ مدینہ منورہ میں قربانی کے چوپایوں کو موٹا تازہ کرتے تھے۔" اور ظاہر ہے کہ جب قربانی کی قیمت دوسرے علاقے میں بھیجی جائے گی تو یہ نیکی بھی چھوٹ جائے گی۔

۴۔ قربانی اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا سنت ہے:

عَنْ اَنَسٍ قَالَ ضَحَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ اَمْلَحَيْنِ فَرَاَيْتُهٗ وَاضِعاً قَدَمَهٗ عَلٰى صِفَاحِهِمَا يُسَمِّيْ وَيُكَبِّرُ فَذَبَحَهُمَا بِيَدِهٖ. ●

"رسول اللہ ﷺ نے دو چت کبرے مینڈھوں کی قربانی دی، میں نے آپ کو ان کی گردنوں پر پاؤں رکھے

● نيل الاوطار: باب الحث على الاضحية ج ٥ ص ١٠٨.

● باب الأضحى والمنحر بالمصلى صحيح البخارى ج ٢ ص٨٣٣ و نيل الاوطار: جلد ٥ ص ١٢١، مجمع الفوائد ج١ ص٥٨٤.

● صحيح البخارى باب ضحية النبى ﷺ بكبشين: ج ٢ ص ٨٣٣.

● باب من ذبح الاضاحى بيده صحيح بخارى: ج ٢ ص ٨٣٤.

دیکھا ہے۔'' ●

اور اس سنت پر عمل بھی تب ہوگا جب آدمی اپنی قربانی خود ذبح کرے گا۔ جب تک قربانی نہیں خریدے گا عمل نہیں ہوگا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قربانی کی قیمت بھیجنے کا عمل خلاف سنت ہے جسے چھوڑ دینا چاہیے۔ ورنہ سنت رسول ﷺ کا ترک لازم آئے گا جو کہ ایک مسلمان کے لیے دنیا وعقبیٰ میں بڑے خسارے کا موجب ہے۔

۵- قربانی کو قبلہ رخ لٹانا سنت ہے۔

قربانی ذبح کرنے کے آداب وسنت میں ایک یہ بھی ہے کہ بوقت ذبح قربانی کا رخ قبلہ کی طرف ہو:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ ذَبَحَ النَّبِیُّ ﷺ یَوْمَ الذِّبْحِ کَبْشَیْنِ اَقْرَنَیْنِ اَمْلَحَیْنِ مَوْجُوئَیْنِ فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ. الحدیث۔ ●

۶- دعائے توجیہ بوقت ذبح:

قربانی ذبح کرنے کے آداب میں بوقت ذبح دعائے توجیہ کا پڑھنا بھی سنت ہے اور دعائے توجیہ یہ ہے:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰی مِلَّةِ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا. الحدیث۔ ●

۷- قربانی کا گوشت کھانا بھی سنت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع حدیث ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فَکُلُوْا وَادَّخِرُوْا وَتَصَدَّقُوْا)) متفق علیه۔ ●

''اپنی قربانی کا گوشت خود کھاؤ' ذخیرہ کرلو اور صدقہ بھی کرو۔''

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع حدیث میں ہے: ((کُلُوْا وَاَطْعِمُوْا وَادَّخِرُوْا)) ● کھاؤ اور کھلاؤ اور ذخیرہ کرلو)

۸- قرآن مجید نے قربانی کا جو تصور پیش کیا ہے وہ تو بھیمۃ الانعام کو اللہ کے نام پر بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ پڑھ کر ذبح کرنا ہے اس کی قیمت دوسرے علاقہ میں بھیج دینا نہیں جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰي مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَاۗىِٕسَ الْفَقِيْرَ ﴾ (سورہ الحج : ۲۸)

''اور ان مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں ان چوپایوں پر جو پالتو ہیں، پس تم آپ بھی کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو

● وامر ابو موسی بَنَاتَهٗ ان یصحین بایدیهن۔ صحیح البخاری ۲ ص ۸۳٤ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنی قربانیاں اپنے ہاتھوں سے ذبح کریں۔

● سنن ابی داؤد: ج ۲ باب ما یستحب من الضحایا۔ ص ۳۰، جمع الفوائد ج ۱ ص ۵۸٤۔ ● سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۳۰۔

● نیل الاوطار: جلد ۵ باب الاکل والاطعام من الاضحیة ص ۱۲٦۔

● متفق علیه بخاری ج ۲ ص ۸۳۰۔

بھی کھلاؤ۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ﴾ .(الحج: ۳۴)

''ہر امت کے لئے ہم نے قربانی کے طریقہ مقرر فرمائے ہیں تاکہ وہ ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں دے رکھے ہیں۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِّن شَعَائِرِ اللَّهِ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذَٰلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴾ (سورة الحج: ۳۶)

''قربانی کے اونٹ ہم نے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے نشانات مقرر کر دیے ہیں ان میں تمہیں نفع ہے۔ پس انہیں کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو اور پھر جب ان کے پہلو زمین پر لگ جائیں اسے (خود بھی) کھاؤ اور مسکین سوال سے رکنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ۔ اس طرح ہم نے چوپایوں کو تمہارے ماتحت کر دیا ہے کہ تم شکر کرو۔''

ان تینوں آیات مقدسہ پر سرسری نظر ڈالنے سے صاف نظر آتا ہے کہ ان آیات میں جو احکام بیان کئے گئے ہیں وہ قربانی کے ذبح کرنے کے ساتھ متعلق ہیں۔ قیمت بھیج دینے سے یہ احکام اور ہدایات تشنۂ تعمیل رہ جاتے ہیں۔

۹۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی ذہن میں مستحضر رہے آج جن اقتصادی اور سیاسی ضرورتوں کے پیش نظر قربانی کی قیمتوں کو جمع کرانے کی اپیلیں شائع کی جا رہی ہیں یہ اقتصادی اور معاشی ضرورتیں عہد رسالت اور دور خلافت میں آج کی نسبت کہیں زیادہ موجود تھیں اور عرب کے بدو فاقوں سے دوچار رہتے تھے اور آپ کو ان کی فاقہ مستیوں کا علم بھی تھا، لیکن بایں ہمہ آپ نے اپنی دس سالہ مدنی زندگی میں ایسا ایک دفعہ بھی نہیں کیا کہ اہل مدینہ سے قربانیوں کی قیمتیں وصول فرما کر کسی دوسرے غریب علاقے کے لوگوں کو گوشت مہیا کرنے کے لئے وہاں جا کر قربانی کے جانور ذبح کئے ہوں۔

لہٰذا عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ اور مذکورہ بالا قربانی کے سنن اور آداب کا تقاضا صرف اور صرف یہ ہے کہ اہل علاقہ اپنی قربانیاں اپنے علاقوں اور دیہات میں ذبح کریں' خود کھائیں' احباب اور دوسرے حاجت مندوں کو کھلائیں اور ممکن ہو تو دوسرے مستحق علاقوں کو کچھ حصہ بھیج دیں، ورنہ قیمت ارسال کرنے کی صورت میں نہ صرف رسم قربانی ادا نہ ہوگی، بلکہ سنت ابراہیمی کے بھی خلاف ہوگا۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب۔

قربانی کے ایام چار ہیں ۱۰' ۱۱' ۱۲' ۱۳ ذی الحجہ

سوال: قربانی کتنے دنوں تک کرنی جائز ہے؟ (سائل انتظامیہ مسجد چیچا نوالی لاہور)

جواب: الجواب بعون الوهاب: قربانی کے ایام چار (۱۰' ۱۱' ۱۲' ۱۳ ذی الحجہ) ہیں، کیونکہ قرآن مجید میں گنتی کے

جن دنوں میں قربانی کے جانوروں پر تکبیر پڑھ کر ذبح کرنے کا ذکر ہے، انہی کو ایام معدودات اور ایام معلومات کہا گیا ہے۔ بقول ابن عباس رضی اللہ عنہما ان دونوں سے یوم النحر اور ایام تشریق ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ مراد ہیں۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَلْاَيَّامُ الْمَعْدُوْدَاتُ اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ اَرْبَعَةُ اَيَّامٍ: يَوْمُ النَّحْرِ وَ ثَلَاثَةٌ بَعْدُ وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَ ابْنِ الزُّبَيْرِ وَ اَبِيْ مُوْسٰى مِثْلَ ذَالِكَ. ❶

''کہ گنتی کے چند دنوں سے مراد ایام تشریق، یعنی ۱۰ ذی الحجہ اور تین دن اس کے بعد ہیں، یعنی ۱۱، ۱۲، ۱۳۔ ابن عمر، ابن زبیر اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔

﴿ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْۤ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ﴾ (الحج: ۲۸)

''کہ ایام معلومات میں اللہ کا نام لے کر اپنی قربانیاں ذبح کریں۔'' ان ایام معلومات سے بھی ایام تشریق کے چار دن مراد ہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَلْاَيَّامُ الْمَعْلُوْمَاتُ يَوْمُ النَّحْرِ وَ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ بَعْدَهٗ. ❷

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایام معلومات سے ایام تشریق مراد ہیں۔ یعنی یوم النحر اور تین دن اس کے بعد۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابراہیم نخعی اور ایک قول کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ نے بھی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے۔

شرح المہذب میں ہے:

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ اَنَّ الْاَيَّامَ الْمَعْدُوْدَاتِ هِيَ اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ وَهِيَ ثَلَاثَةٌ بَعْدَ يَوْمِ النَّحْرِ. ❸

یعنی احناف سمیت تمام علماء کا اتفاق ہے کہ ایام معدودات سے ایام تشریق مراد ہیں، یعنی ۱۰ ذی الحجہ اور اس کے بعد تین دن ۱۱، ۱۲، ۱۳ ہیں۔

پس جب یہ ثابت ہو چکا کہ ۱۰ ذی الحجہ کے علاوہ ایام تشریق تین دن ۱۱، ۱۲، ۱۳ ہیں تو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ متعدد مرفوع اور موقوف احادیث کے مطابق سارے ایام تشریق قربانی کے دن ہیں، جن میں قربانی کی جا سکتی ہے۔

چنانچہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے:

۱۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ فِجَاجِ مِنٰى مَنْحَرٌ وَّكُلُّ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ ذِبْحٌ. اَخْرَجَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِيْ صَحِيْحِهٖ. ❹

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منیٰ کی ہر گلی قربان گاہ ہے اور سارے ایام تشریق (۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ) میں قربانی ذبح کرنا جائز ہے۔''

۲۔ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ مُوْسٰى عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

---

❶ تفسیر ابن کثیر: ج ۱ ص ۲٤٥، طبع جدید ص ۲٦۳۔
❷ تفسیر ابن کثیر: ج ۳ ص ۲۱۷، طبع جدید ۲٤۰۔
❸ شرح المہذب ج۹ ص ۳۸۱ و ھدایۃ المجیرین ص ٤٤٦۔
❹ موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان: ص ۲٤۹۔

قَالَ اَیَّامُ التَّشْرِیْقِ کُلُّهَا ذِبْحٌ . ●

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سارے ایام تشریق قربانی کے دن ہیں۔''

اعتراض...... حافظ ابن قیم نے کہا ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ اس کے راوی عبدالرحمٰن بن ابی حسین کی حضرت جبیرؓ سے ملاقات ثابت نہیں۔

جواب: امام بیہقی نے معرفۃ السنن میں اس انقطاع کا ذکر نہیں کیا۔ رواہ البیهقي في المعرفة ولم يذكر فيه انقطاعا۔ ●

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں:

وَحُجَّةُ الْجُمْهُوْرِ حَدِیْثُ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَفَعَهُ کُلُّ فِجَاجِ مِنًی مَنْحَرٌ وَکُلُّ اَیَّامِ التَّشْرِیْقِ ذِبْحٌ اَخْرَجَهُ اَحْمَدُ لٰکِنْ فِیْ اِسْنَادِهِ اِنْقِطَاعٌ وَوَصَلَهُ الدَّارَقُطْنِیُّ وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ. ●

کہ جمہور اہل علم کی دلیل حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سارے ایام تشریق میں قربانی کی جا سکتی ہے، مگر یہ حدیث منقطع ہے، تاہم امام دارقطنی نے اس کو متصل سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں، لہٰذا انقطاع ختم شد۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں کہ جب امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے تو پھر انقطاع کا اعتراض درست نہیں۔ ●

خود حافظ ابن قیم نے اس حدیث کو ذرا مختلف سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ایک جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے اور دوسرے اسامہ بن زید عن عطاء عن جابر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے اور اسامہ بن زید والی سند کو حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔

قَالَ یَعْقُوْبُ بْنُ سُفْیَانَ اَنَّ اُسَامَةَ بْنَ زَیْدٍ عِنْدَ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ثِقَةٌ مَاْمُوْنٌ. ●

اسی مفہوم کی احادیث مسند بزار اور سنن بیہقی وغیرہ میں بھی مروی ہیں۔ اور اسی طرح ابن عدی نے ابو ہریرہؓ سے اور ابن ابی حاتم نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی دو حدیثیں روایت کی ہیں مگر یہ دونوں ضعیف ہیں۔

خلاصہ کلام:

یہ کہ صحیح ابن حبان کی حدیث کے علاوہ باقی احادیث کی اسناد پر سخت جرح ہے مگر چونکہ اسناد متعدد ہیں جو ایک دوسرے کی تقویت کا باعث ہیں، لہٰذا بحیثیت مجموعی یہ حدیث حسن درجہ کی ہے اور اس سے استدلال بلاشبہ درست ہے۔

امام ابن حجر ہیثمی اور امام شوکانی رحمہما اللہ لکھتے ہیں:

وَالْحَاصِلُ اَنَّ لِلْحَدِیْثِ طُرُقًا یُقَوِّیْ بَعْضُهَا بَعْضاً فَهُوَ حَسَنٌ یُحْتَجُّ بِهٖ . ●

● التعليق المغني على الدارقطني: ج ٤ ص ٢٨٤. ● التعليق المغني: ج ٤ ص ٢٨٤.

● فتح الباري شرح صحيح البخاري: ج ١٠ ص ٦. ● نيل الاوطار: ج ٥ ص ١٤٢.

● زاد المعاد: ج ١ ص ٢٤٧ و مرعاة المفاتيح: ج ٣ ص ٣٦٤. ● مرعاة المفاتيح: ج ٣ ص ٣٦٤ و نيل الاوطار: ج ٥ ص ١٤٢.

پس یہ حسن حدیث حجت ہے اور فصل خصومات میں قابل استدلال ہے۔

حضرت علیؓ ابن عباس، جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم تابعین میں سے امام عطاءؒ حسن بصریؒ سلیمان بن موسیٰؒ عمر بن عبدالعزیزؒ مکحولؒ داؤد ظاہریؒ امام اوزاعیؒ، امام شافعیؒ اور امام ابن تیمیہ کے بقول امام احمدؒ ایک قول کے مطابق اسی کے قائل ہیں کہ سارے ایام تشریق میں قربانی کرنی جائز ہے۔ ❶

امام ابن تیمیہ کا فیصلہ:

آخِرُ وَقْتِ ذِبْحِ الْاُضْحِيَةِ آخِرُ اَيَّامِ التَّشْرِيقِ وَهُوَ مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ وَاَحَدُ قَوْلَيْ اَحْمَدَ

اختیارات ابن تیمیہ . ❷

کہ قربانی ذبح کرنے کا آخری وقت ایام تشریق کا آخری دن ۱۳ ذی الحجہ ہے یہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور ایک قول کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

امام ابن کثیرؒ ارقام فرماتے ہیں:

اَنَّ الرَّاجِحَ فِيْ ذَالِكَ مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ وَهُوَ اَنَّ وَقْتَ الْاُضْحِيَةِ مِنْ يَّوْمِ النَّحْرِ اِلٰى آخِرِ اَيَّامِ التَّشْرِيقِ. ❸

اس مسئلہ میں راجح امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور وہ یہ ہے کہ ایام تشریق کے آخری دن ۱۳ ذی الحجہ تک قربانی جائز ہے۔ اور ۱۲ ذی الحجہ کے قائلین کے پاس ایک ضعیف حدیث بھی موجود نہیں۔ سوائے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک قول کے۔ ❹

اور اس طرح ان کا یہ دعویٰ کہ ۱۲ ذی الحجہ تک قربانی کرنے پر امت کا اجماع ہے یہ دعویٰ بھی درست نہیں، کیونکہ حضرت علی ابن عباس، جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم امام عطاءؒ حسن بصریؒ مکحولؒ اوزاعیؒ امام شافعیؒ اور ایک قول کے مطابق امام احمدؒ اس اجماع کے خلاف ہیں لہٰذا اجماع کا دعویٰ کیسا؟ خلاصہ یہ کہ مذکورہ بالا احادیث اور امام شافعیؒ، جمہور علمائے اسلام اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے مطابق قربانی کے ایام چار ہیں اور ۱۳ ذی الحجہ تک قربانی کرنا بلاشبہ درست اور جائز ہے، منع کی کوئی مرفوع حدیث مجھے نہیں ملی۔ هذاما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب .

قربانی کے چار دن ہیں

سوال: بعض لوگ صرف ۱۲ ذوالحجہ تک قربانی کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک قربانی کے صرف تین دن ہیں،

❶ شرح المهذب: ج ۸ ص ۳۹۰، نووی: ج ۲ ص ۱۵۳، زادلمعاد: ج ۱ ص ۲۴۶، مرعاة: ج ۲ ص ۲۶۴.

❷ بحواله :الاعتصام: ۲۸ فروری ۱۹۶۹ء.

❸ تفسير ابن كثير ج ۱ ص ۲۴۵ وبه قال الشافعي لحديث جبير رواه احمد و ابن حبان و تفسير ابن كثير ج ۳ ص ۲۲۳.

❹ حاشیه نمبر ۹ هدايه اخيرين ص ٤٤٦ الدراية لابن حجر هامش الهداية ص ٤٤٦.

آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں صحیح فیصلہ تحریر فرمائیں' جزاکم اللہ؟ (حکیم محمد دین' سعد اللہ پور' ضلع گوجرانوالہ براہ ونیکے تارڑ)

جواب: الجواب بعون الوھاب ومنہ الصدق والصواب' اقول و باللہ التوفیق .

اس بارے میں امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ قربانی صحیح معنی میں قربانی وہی ہوگی جو نماز عید ادا کرنے کے بعد ذبح کی جائے اور جو قربانی نماز عید ادا کرنے سے پہلے ذبح کی جائے گی وہ قربانی جائز نہیں ہوگی جیسے کہ صحیح حدیث میں وارد ہے۔

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَلْيُعِدْ . الخ

"حضرت انس رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ جس نے نماز عید سے پہلے قربانی ذبح کی تو وہ دوبارہ قربانی ذبح کرے۔"

عَنْ جُنْدُبِ بْنِ سُفْيَانَ قَالَ شَهِدْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَلْيُعِدْ مَكَانَهَا اُخْرٰى. ❶

حضرت جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں" کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص نماز ادا کرنے سے پہلے قربانی ذبح کرتا ہے' وہ دوبارہ قربانی دے۔

رہی یہ بات کہ قربانی کتنے دن تک ذبح کی جا سکتی ہے اور یہی مسئلہ آج کی بحث میں ہمارے مقالہ کا عنوان ہے۔ چنانچہ اس میں علمائے شریعت کا اختلاف ہے۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَفِيْ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةِ اَرْبَعَةُ اَقْوَالٍ اَحَدُهَا اَنَّ وَقْتَ الذِّبْحِ يَوْمَ الْاَضْحٰى وَ ثَلاثَةُ اَيَّامٍ بَعْدَ هٰذَا مَنْقُوْلٌ عَنْ عَلِيٍّ وَ الثَّانِيْ اَنَّ وَقْتَ الذِّبْحِ يَوْمُ النَّحْرِ وَيَوْمَانِ بَعْدَهٗ وَهٰذَا مَذْهَبُ اَحْمَدَ وَ مَالِكٍ وَّ اَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ وَالثَّالِثُ اَنَّ وَقْتَ النَّحْرِ يَوْمٌ وَّاحِدٌ وَّهُوَ مَنْقُوْلٌ عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ وَالرَّابِعُ يَوْمٌ وَّاحِدٌ فِي الْاَمْصَارِ وَ ثَلاثَةُ اَيَّامٍ فِيْ مِنًى لِاَنَّهَا هُنَاكَ اَعْمَالُ الْمَنَاسِكِ مِنَ الرَّمْيِ وَالطَّوَافِ وَالْحَلْقِ. ❷

"قربانی کے آخری وقت میں چار اقوال ہیں: پہلا یہ ہے کہ قربانی یوم نحر سے لے کر ۱۳ ذوالحجہ تک ذبح کرنی جائز ہے، جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ سے منقول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قربانی کا جانور صرف بارہ ذوالحجہ تک ذبح کرنا جائز ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ' امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ' احمد رحمہ اللہ کے علاوہ صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ قربانی صرف ۱۰ ذوالحجہ کے دن ہی کرنی چاہیے۔ جیسے امام ابن سیرین کا خیال ہے چوتھا قول اس طرح ہے کہ سعید بن جبیر اور جابر بن زید کہتے ہیں کہ شہری لوگوں کے لئے صرف ۱۰ ذوالحجہ کا دن ہے اور اہل منیٰ کو ۱۳ ذوالحجہ تک قربانی ذبح کرنی جائز ہے۔" کیونکہ حجاج کرام مناسک حج، یعنی رمی جمار، حجامت اور طواف زیارت جیسے فرائض میں مصروف ہوتے ہیں۔

---

❶ صحیح بخاری: ص ۸۳٤ ج ۲.
❷ زادالمعاد: ص ۲٤۷ ج ۱.

حالانکہ ایک پانچواں قول بھی ہے اور وہ یہ کہ قربانی ایک نیک کام ہے جو آخر ذوالحجہ تک جائز ہے۔ یہ امام ابن حزم کا خیال ہے۔ اب ہم ان تمام اقوال پر علیحدہ علیحدہ تبصرہ کرتے ہیں:

پانچواں قول کہ قربانی آخر ذوالحجہ تک کرنی جائز ہے' صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کی تائید میں کوئی مرفوع روایت وارد نہیں ہے۔ ہاں، ایک مرسل روایت ذکر کی جاتی ہے اور مرسل روایت محدثین کے ہاں مقبول نہیں ہے۔ نزهته النظر' تدریب الراوی اور کفایه بغدادی میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ جب صحیح مرفوع حدیث موجود ہو تو محدثین کے علاوہ خود وہ لوگ جن کے نزدیک مرسل حدیث حجت ہوتی ہے' اسے حجت نہیں مانتے، البتہ اس قول کے سلسلہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے مسند احمد کے حوالہ سے ابوامامہ کی ایک روایت نقل کی ہے:

كَانَ الْمُسْلِمُوْنَ يَشْتَرِيْ اَحَدُهُمُ الْاُضْحِيَةَ فَيَسْتَمِنُهَا وَيَذْبَحُهَا فِيْ آخِرِ ذِی الْحَجَّةِ قَالَ اَحْمَدُ هٰذَا حَدِيْثٌ عَجِيْبٌ. ●

کہ بعض صحابہ کرام جانور خرید کر ان کو خوب موٹا تازہ کرتے اور ذوالحجہ کے آخر میں ذبح کرتے۔

امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ روایت عجیب قسم کی ہے اور جب یہ خود ہی عجیب ہے تو پھر مرسل کی مؤید کیسے بن سکتی ہے؟

چوتھا قول بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اہل امصار اور اہل منیٰ کی جو تقسیم روا رکھی گئی ہے، ہمیں اس کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔

اور تیسرا قول تو بالکل غلط ہے کیونکہ یہ قرآن مجید کی نص کے خلاف ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾

''ایام معلومات میں قربانی کے جانوروں پر اللہ تعالیٰ کا نام لیں۔''

اور لفظ ایام جمع ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ خود قرآن مجید میں قربانی کے لئے متعدد ایام کا ذکر موجود ہے۔ لہٰذا یہ قول صریح طور پر قرآن کے خلاف اور نہایت غلط ہے۔

اب رہا دوسرا قول کہ قربانی عید کے دن سے لے کر بارہ ذوالحجہ تک کرنی جائز ہے اور اس کے بعد جائز نہیں۔ گویا یہ قول بھی درجہ صحت سے گرا ہوا ہے، تاہم حنفیہ اور مالکیہ اس کی تائید میں چند آثار پیش کرتے ہیں۔

۱۔ عَنْ عَلِیٍّ ' اَلنَّحْرُ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ الخ.

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قربانی تین دن ہے۔''

یہ قول صحیح نہیں' کیونکہ اس کی سند میں ابن ابی لیلیٰ اور منہال نامی دو راوی ضعیف ہیں۔ حافظ ابن حزم فرماتے ہیں کہ ابن ابی یعلی سيئی الحفظ ہے اور منہال متکلم فيه ہے۔ ● بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ۱۳ ذوالحجہ تک قربانی ذبح کرنے کا جواز منقول ہے جسے ہم آگے نقل کر رہے ہیں۔

۲۔ مَالِكُ بْنُ مَاعِزٍ اَوْ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ اَنَّ اَبَاهُ سَمِعَ عُمَرَ يَقُوْلُ اِنَّمَا النَّحْرُ فِيْ هٰذِهِ الثَّلَاثَةِ الْاَيَّامِ. ●

● فتح الباری شرح صحیح البخاری: ص ۲۲۵' پارہ ۲۳۔ ●، ● محلی ابن حزم، ص ۳۷۷، ج ۷۔

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ قربانی صرف تین دن جائز ہے۔

مگر حافظ ابن حزم فرماتے ہیں:

عَنْ عُمَرَ مِنْ طَرِيْقٍ مَجْهُوْلٍ عَنْ اَبِيْهِ مَجْهُوْلٌ.

یعنی حضرت عمرؓ کی روایت میں استاد شاگرد، یعنی باپ بیٹا دونوں مجہول ہیں۔(حوالہ مذکور)

۳۔ عَنْ اَبِيْ حَمْزَةَ عَنْ حَرْبٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَيَّامُ النَّحْرِ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ.

کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قربانی کے تین دن ہیں۔

مگر یہ قول بھی صحیح نہیں، حافظ ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

فِيْهِ اَبُوْ حَمْزَةَ وَهُوَ ضَعِيْفٌ.

کہ اس روایت کا ایک راوی ابوحمزہ ضعیف ہے۔

۴۔ عَنْ اِسْمَاعِيْلَ بْنِ عَيَّاشٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نَافِعٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ: اَلْاَضْحٰى يَوْمُ النَّحْرِ وَيَوْمَانِ بَعْدَهُ. (محلی ابن حزم)

کہ قربانی ۱۲ ذوالحجہ تک ہے۔

لیکن یہ قول بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اسماعیل بن عیاش اور عبداللہ بن نافع دونوں ضعیف راوی ہیں۔ كَمَا قَالَ الْاِمَامُ عَلِيُّ بْنُ حَزْمٍ فِيْ كِتَابِهِ الْمُحَلّٰى. (ج ۷ ص ۳۷۷)

۵۔ عَنْ اَنَسٍ اَلْاَضْحٰى ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ.

کہ قربانی تین دن تک ہے۔

اگرچہ امام ابن حزم نے اس کو صحیح کہا ہے، مگر اس سے دلیل نہیں لی جا سکتی، کیونکہ یہ ان کی اپنی رائے ہے اور دلیل کے لئے مرفوع حدیث درکار ہوتی ہے۔

ان آثار کے علاوہ حنفیہ کی طرف سے یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ مگر ان کا یہ دعویٰ دلیل سے کورا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حزم فرماتے ہیں:

وَاِنْ كَانَ هٰذَا اِجْمَاعاً فَقَدْ خَالَفَهُ عَطَاءٌ وَّ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ وَالْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ وَالزُّهْرِيُّ وَ اَبُوْ مَسْلَمَةَ بْنُ عَبْدِالرَّحْمَانِ وَسُلَيْمَانُ بْنُ يَسَارٍ اَلْاِجْمَاعَ، وَاُفٍّ لِكُلِّ اِجْمَاعٍ خَرَجَ عَنْهُ هٰؤُلَاءِ. ●

کہ اجماع کا دعویٰ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے، کیونکہ امام عطاءؒ عمر بن عبدالعزیزؒ حسن بصریؒ ابوشہاب زہریؒ ابومسلمہ اور سلیمان جیسے نامور ائمہ اس کی مخالفت کرتے ہیں اور ایسا اجماع قابل رحم ہے جس کے مخالف

● محلی ابن حزم ص ۳۷۸، ج ۷۔

ایسے لوگ ہوں۔

اور یہ بات بھی یاد رہے کہ اس روایت کو مشہور محقق حنفی حافظ زیلعی نے بھی غریب جداً کہا ہے۔ چنانچہ نصب الرأیہ (ص ۲۱۳' ج ۴) میں ہے:

رُوِیَ عَنْ عُمَرَ وَ عَلِيٍّ وَّ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُمْ قَالُوْا اَيَّامُ النَّحْرِ ثَلَاثَةٌ اَفْضَلُهَا اَوَّلُهَا قُلْتُ غَرِيْبٌ جِداً۔

لہٰذا یہ اقوال خود حنفیہ کے ہاں بھی قابل استدلال اور لائق اختیار نہیں ہیں۔ ان چار اقوال پر بحث کرنے کے بعد اب پہلا قول کہ قربانی عید کے دن سے لے کر ۱۳ ذوالحجہ تک ذبح کرنی جائز ہے' باقی رہ جاتا ہے۔ لہٰذا اب اس پر مفصل بحث کی جاتی ہے۔

ہمارے نزدیک دلائل کی روشنی میں یہ قول اصح اور اثبت ہے، کیونکہ احادیث حسنہ کے ساتھ ساتھ جمہور اہل علم کی بھی یہی رائے ہے۔

۱۔ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعَمٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ فِجَاجِ مِنٰى مَنْحَرٌ وَّ كُلُّ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ ذِبْحٌ۔ [1]

کہ منیٰ کی ہر گلی منحر ہے اور پورے ایام تشریق میں قربانی کرنا جائز ہے۔ اس حدیث کو امام دارقطنی نے بھی نقل کیا ہے اور اس کی سند یہ ہے:

سُلَيْمَانُ بْنُ مُوْسٰى عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔ [2]

اس روایت کو حافظ بیہقی اور محدث ابن عدی نے بھی نقل کیا ہے۔ مگر ابن عدی کی روایت میں ایک راوی معاویہ بن یحییٰ صوفی ضعیف ہے۔ محدث بزار' اور محدث ابن حاتم نے بھی اس کو ذکر کیا ہے جیسے کہ نصب الرأیہ (ص ۲۱۳' ج ۴) میں ہے۔ لیکن ان تمام طرق کو علامہ زیلعی اور امام ابن قیم رحمہ اللہ نے منقطع قرار دیا ہے، مگر ان کی یہ جرح درخواعتناء اور اعتبار کے قابل نہیں ہے۔ کیونکہ حافظ ابن حجر نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ عبارت یہ ہے:

وَحُجَّةُ الْجُمهور حَدِيْثُ جبيرِ بْنِ مُطْعَمٍ رَفَعَهُ كُلُّ فِجَاجِ مِنٰى مَنْحَرٌ وَكُلُّ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ ذِبْحٌ. اَخْرَجَهُ اَحْمَدُ لٰكِنْ فِيْ سَنَدِهٖ اِنْقِطَاعٌ وَوَصَلَهُ الدَّارَ قُطْنِيُّ وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ۔ [3]

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث جمہور اہل علم کی دلیل ہے کہ ایام تشریق میں قربانی ذبح کرنی جائز ہے۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔ مگر اس کی سند میں انقطاع ہے اور امام دارقطنی نے اسے موصول بیان کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ اور جب اس روایت کو محدث ابن حبان نے اپنی صحیح میں ذکر کردیا ہے تو پھر اس انقطاع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مزید برآں امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی محدث ابن حبان کی روایت کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ [4]

[1] موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان: ص ۲٤۹۔
[2] نیل: ص ۲۱٦' ج ٥۔
[3] فتح الباری: ص ۳٤٥ پارہ ۲۳۔
[4] نیل الاوطار: ص ۲۱٦ ج ٥۔

نیز خود محقق علامہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو دو طریقوں سے روایت کیا ہے۔ ایک حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے واسطے سے اور دوسرے اسامہ بن زید سے اور اسامہ بن زید عن عطار عن جابر سے بھی روایت کیا ہے اور اسامہ بن زید والی روایت کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ ❶

قَالَ يَعْقُوْبُ بْنُ سُفْيَانَ اُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ عِنْدَ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ثِقَةٌ مَاْمُوْنٌ.

اہل مدینہ کے نزدیک اسامہ قابل اعتماد اور مامون راوی ہے۔ بلکہ حق بات یہ ہے کہ خود حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے نزدیک بھی ۱۳ ذی الحجہ تک قربانی ذبح کرنی جائز ہے۔ چنانچہ ۱۲ ذی الحجہ تک قربانی کرنے والوں کی طرف سے ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

فَاَمَّا نَهْيُهُم عَنْ اِدِّخَارِ لُحُوْمِ الْاَضَاحِيْ فَوْقَ ثَلاثٍ فَلا يَدُلُّ عَلٰى اَنَّ اَيَّامَ الذِّبحِ ثَلاثَةٌ فَقَط لِاَنَّ الْحَدِيْثَ دَلِيْلٌ عَلٰى نَهْيِ الذَّابِحِ اَنْ يَدَّخِرَشَيْئاً فَوْقَ ثَلاثَةِ اَيَّامٍ مِّنْ يَوْمِ ذبحِهِ فَلَوْ اَخَّرَالذبحَ اِلَى الْيَوْمِ الثَّالِثِ الجاز لَهُ الِا دِّخَارُ وَقْتَ النَّهْيِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ ثَلاثَةِ اَيَّامٍ.

’’کہ تین دن سے زیادہ مدت تک گوشت کا ذخیرہ کرنے کے متعلق جو امتناعی حکم ہے، وہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ قربانی صرف تین دن تک ہے کیونکہ اگر قربانی تیسرے دن ذبح کی جائے تو تین دن سے زائد ایام تک گوشت کو ذخیرہ کر لینا جائز ہوگا۔‘‘

جمہور اہل علم کا یہی مذہب ہے جیسا کہ فتح الباری کے حوالے سے اوپر لکھا جا چکا ہے:

قَالَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ اَيَّامُ النَّحْرِ يَوْمُ الْاَضْحٰى وَ ثَلاثَةُ اَيَّامٍ بَعْدَهُ وَهُوَ مَذْهَبُ اِمَامِ اَهْلِ الْبَصْرَةِ الْحَسَنُ وَ اِمَامُ اَهْلِ مَكَّةَ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رِبَاحٍ وَّ اِمَامِ اَهْلِ الشَّامِ الْاَوْزَاعِيِ وَاِمَامِ فُقَهَاءِ اَهْلِ حَدِيْثِ الشَّافِعِي رَحِمَهُ اللّٰهُ وَاخْتَارَهُ ابْنُ الْمُنْذِرِ. ❷

’’کہ جناب علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک ۱۳ ذی الحجہ تک قربانی ذبح کرنی جائز ہے۔ بصرہ کے امام حسن رحمہ اللہ مکہ معظمہ کے امام عطاء رحمہ اللہ، شام کے امام اوزاعی اور سرخیل فقہاء اہل حدیث حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے اور اسی مذہب کو حضرت ابن المنذر جیسی شخصیت نے پسند فرمایا ہے۔ نووی شرح مسلم میں ہے:

فَقَالَ الشَّافِعِيُّ يَجُوْزُ فِيْ يَوْمِ النَّحْرِ وَ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ ثَلاثَةٌ بَعْدَهُ وَمَنْ قَالَ بِهٰذَا عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ وَجُبَيْرُ بْنُ مُطْعِمٍ وَّ ابْنُ عَبَّاسٍ وَ عَطَاءٌ وَّالْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ وَ سُلَيْمَانُ بْنُ مُوْسٰى الْاَسَدِيُّ فَقِيْهُ اَهْلِ الشَّامِ مَكْحُوْلٌ وَدَاوٗدُ الظَّاهِرِيُّ وَقَالَ سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ لِاَهْلِ الْقُرٰى يَوْمُ النَّحْرِ وَ اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ. ❸

’’یعنی امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عید کے دن اور عید کے تین دن بعد ایام تشریق میں بھی قربانی ذبح کرنی جائز

❶ زادالمعاد: ص ۲۴۷ ج ۱۔ ❷ زادالمعاد: ص ۲۴۶ ج ۱۔ ❸ نووی: ص ۱۵۳، ۲ نیل الاوطار: ص ۲۱۶ ج ۵۔

ہے، اور یہی قول ہے حضرت علی بن طالب' جبیر بن مطعم اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم ' تابعین میں سے حضرت حسن بصری' عطاء' عمر بن عبدالعزیز' حضرت سلیمان' حضرت مکحول' امام داؤد الظاہری اور سعید بن جبیر کا اور امام ابن المنذر رحمہ اللہ کا بھی اسی طرف رجحان ہے۔

اس طرح حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کتاب الاختیارات میں لکھا ہے کہ آخر وقت:

ذِبحُ الْاُضحِيَةِ آخِرُ اَيَّامِ التَّشرِيقِ وَ هُوَ مَذهَبُ الشَّافِعِيِّ وَاَحَدُ قَولَيَ اَحمَدَ. ❶

قربانی کے ذبح کرنے کا ایام تشریق کا آخری دن۔

اس قول کی تائید عقبہ بن عامر کی اس صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے:

اَيَّامُ التَّشرِيقِ اَيَّامُ اَكلٍ وَّ شُربٍ. ❷

''ایام تشریق کھانے پینے کا دن ہیں۔''

چنانچہ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلِاَنَّ الثَّلَاثَةَ تَختَصُّ بِكَونِهَا اَيَّامَ مِنًى وَّ اَيَّامَ الرَّميِ وَ اَيَّامَ التَّشرِيقِ وَيَحرُمُ صِيَامُهَا فَهِيَ اِخوَةٌ فِي هٰذِهِ الْاَحكَامِ فَكَيفَ تُفتَرَقُ فِي جَوَازِ الذَّبحِ بِغَيرِ نَصٍّ وَّلَا اِجمَاعٍ وَرُوِيَ مِن وَّجهَينِ مُختَلَفَينِ يَشُدُّ اَحَدُهُمَا الْآخَرَ. ❸

یعنی جب یہ تینوں دن ایام منیٰ' ایام رمی' ایام تشریق (گوشت کوٹنا) کے ساتھ مختص ہیں اور ان دنوں میں روزہ رکھنا حرام ہے۔ پس یہ ایام جب ان احکام میں برابر ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ نص اور اجماع کے بغیر ایام تشریق میں قربانی ذبح کرنے پر قدغن اور پابندی عائد کر دی جائے۔

اور پھر رسول اللہ ﷺ سے اس قول کی تائید میں ایسی دو حدیثیں بھی ثابت ہیں، جو ان ایام میں ذبح کے جواز میں قابل استدلال ہیں اور وہ دونوں روایتیں ہم اوپر تحریر کر چکے ہیں۔ ایک تو حضرت جبیر بن مطعم کی اور دوسری اسامہ بن زید عن عطاء عن جابر کی روایت ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کی تائید فرمائی ہے اور اسے راجح قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

ایام معلومات سے مراد ایام معدودات ہیں، اور ایام معدودات یہ ہیں:

اَلْاَيَّامُ الْمَعدُودَاتُ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ بَعدَ يَومِ النَّحرِ وَ هٰذَا اِسنَادٌ صَحِيحٌ. ❹

''ایام معدودات سے مراد عید کا دن اور ایام تشریق مراد ہیں۔''

امام محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ اس بحث کے آخر میں ان تمام اقوال پر محاکمہ کرنے کے بعد اپنا قول فیصل یوں رقم فرماتے ہیں:

فَهٰذِهِ خَمسَةُ مَذَاهِبَ اَرجَحُهَا الْمَذهَبُ الْاَوَّلُ لِلْاَحَادِيثِ الْمَذكُورَةِ فِي الْبَابِ وَهِيَ

---

❶ الاعتصام: ۲۸ فروری ص ۶۹۔
❷ تحفۃ الاحوذی: ص ۶۳' ج ۲۔
❸ زاد المعاد: ص ۲۶۴' ج ۱۔
❹ تفسیر ابن کثیر: ص ۵۷۶' سورۃ حج۔

يُقَوِّيْ بَعْضُهَا بَعْضاً۔ ●

کہ ان پانچوں مذاہب میں سے پہلا مذہب کہ قربانی عید کے دن سے لے کر ۱۳ ذی الحجہ تک جائز ہے از روئے احادیث ارجح اور اثبت ہے اور اس باب میں مذکورہ احادیث قابل استدلال ہیں۔

فیصلہ...... بہر حال ۱۳ ذی الحجہ کے سورج کے غروب سے پہلے پہلے قربانی ذبح کرنی جائز ہے اور یہ قربانی صحیح اور درست ہوگی بدعت نہ ہوگی۔ واللہ اعلم

اگر بکرا دوندا نہ ہو مگر خوب موٹا تازہ ہو تو

سوال: اگر بکرا دوندا نہ ہو لیکن خوب موٹا تازہ ہو تو کیا اس کی قربانی جائز ہے؟

(سائل عبدالمجید بھٹی نواں کوٹ ضلع گوجرانوالہ)

جواب: اقول وبالله التوفيق۔ واضح ہو کہ قربانی کے جانور کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ وہ جملہ عیوب سے پاک اور موٹا تازہ ہو وہاں قربانی کی مطلوبہ شرائط میں یہ شرط انتہائی ضروری ہے کہ قربانی کیا جانے والا جانور دو دانت (دوندا) بھی ہو۔ اونٹ' بکری' گائے اور مینڈھا کا دوندا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں حدیث ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْبَحُوْا اِلاَّ مُسِنَّةً اِلاَّ اَنْ يُّعْسَرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوْا جَذَعَةً مِّنَ الضَّأْنِ۔ ❶

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو دانت جانور قربانی کیا کرو۔ ہاں، اگر تلاش و بسیار کے باوجود دوندا نہ ملے تو مینڈھا کھیرا ذبح کر دیا کرو۔

معلوم ہوا کہ یہ رعایت صرف مینڈھے میں ہے' گائے' اونٹ اور بکری میں نہیں ہے۔ اس لئے قربانی کے جانور کا دوندا ہونا ضروری ہے' ورنہ قربانی مشکوک ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب

عقیقہ اور قربانی کی شرعی حیثیت بسلسلہ کیا اسلام میں قربانی جائز ہے

ہمارے فاضل دوست حضرت مولانا محمد عبیداللہ خاں صاحب عفیف تدریس اور علم و تحقیق کے میدان میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ وسعت مطالعہ اور استحضار کا یہ عالم ہے کہ جب قلم اٹھاتے ہیں تو متعلقہ موضوع کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہنے دیتے' کتاب و سنت پر ان کی نگاہ بہت گہری ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم' تابعین رحمہم اللہ اور فقہائے امت کے افکار نظریات اور اقوال کے محمل اور اطلاقات سے خوب واقف ہیں، زیر نظر مضمون پر بھی موصوف نے قلم اٹھا کر حسب روایت تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ ترجمان الحدیث کے آپ دیرینہ کرم فرما ہیں جس کے لئے ادارہ ان کا خصوصی شکر گزار ہے۔ (عزیز زبیدی رحمہ اللہ)

❶ نیل الاوطار ص ٢١٦ ج ٥۔

جو اسلامی نظام کا نفاذ نہیں چاہتے:

تشکیل پاکستان کے کچھ عرصہ بعد سے ملک میں اسلام دشمن گروہوں نے آپس میں اس امر کے لئے گٹھ جوڑ کر لیا ہے۔ اور اس کے لئے مسلسل پروپیگنڈہ شروع کر رکھا ہے کہ ملک میں اسلامی قانون نافذ نہ ہو، وہ تین گروہ یہ ہیں۔ (۱)...... کمیونسٹ (۲)...... منکرین حدیث (پرویز پارٹی) (۳)...... مرزائی۔

یہ تینوں ٹولے اسلامی نظام اور اس کی تعبدی پابندیوں اور اخلاقی اصولوں سے لرزاں اور ترساں ہیں۔ انہیں قطعاً گوارا نہیں کہ پاکستان میں کوئی ایسا نظام زندگی قائم ہو جو خالص کتاب وسنت پر مبنی ہو۔ ان کو یہ حقیقت اچھی طرح معلوم ہے کہ پاکستان کے مسلمان اپنی تمام تر عملی کمزوریوں کے باوجود اسلامی نظام زندگی اور کتاب وسنت کے ساتھ بے پناہ محبت رکھتے ہیں۔ اس لئے یہ تینوں ٹولے اسلامی عقائد اور احکام کا برملا انکار کرنے کی اپنے اندر ہمت نہیں پاتے۔ بلکہ اسلامی عقائد و اعمال پر مختلف بہانوں سے حملہ کرتے ہیں۔ اور ان کی اہمیت گھٹانے میں کوشاں اور ان کا مذاق اڑانے میں جتے ہوئے ہیں۔ پاکستان کا خواندہ طبقہ مرزائیوں کے علم کلام اور طریقہ واردات سے اب ناواقف نہیں رہا، لیکن انہیں یہ پتہ نہیں کہ کمیونسٹ اور پرویز پارٹی مرزائیوں سے بھی زیادہ نقصان دہ ہے۔

کیا عقیقہ جاہلی رسم ہے:

جن مسائل شرعیہ کو ان دونوں گروہوں نے اپنی مزعومہ تحقیق و ریسرچ کی آماج گاہ بنا رکھا ہے، ان میں عقیقہ اور قربانی کے مسئلے بھی شامل ہیں۔ ان نام نہاد محققین کی تحقیق کا ماحصل یہ ہے کہ عقیقہ جاہلی رسم ہے۔ عید قربان کے موقعہ پر قربانی کا اہتمام کرنا معاذ اللہ قومی اموال کا بے محابا ضیاع ہے اور قومی دولت کا یہ اسراف ان کے مطابق قومی خیانت کا ارتکاب ہے۔ جہاں تک اس تحقیق زدہ لوگوں کے دلائل کی معقولیت کا تعلق ہے تو حقیقت یہ ہے کہ مرزائی ٹولے کی طرح ان کے ہاں بھی بس چند مغالطے اور مفروضے ہیں، جنہیں یہ نمک مرچ لگا کر پیش کرتے رہتے ہیں۔

چنانچہ اسی طرح کا ایک مضمون ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۴ء کے روزنامہ جنگ لاہور میں "کیا عقیقہ دور جہالت کی رسم تھی" کے عنوان سے جناب ایم اشرف صاحب اعظم کلاتھ مارکیٹ کا شائع ہوا ہے جو دراصل جناب پروفیسر رفیع اللہ شہاب کے ایک انگریزی مضمون کا اردو ترجمہ ہے۔ جو گزشتہ سال پاکستان ٹائمز میں شائع ہوا تھا۔ چونکہ اس مضمون میں عقیقہ کے عدم جواز کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ایک غلط فتوے کی آڑ لے کر قربانی جیسے مسلمہ شعار اسلام اور چار ہزار سال سے رائج سنت متواتر کی اہمیت اور مشروعیت کو چیلنج کر کے ملت اسلامیہ پاکستان کے ذہنوں میں تشکیک کا زہر گھولنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لئے بہت سے احباب نے ہمیں اس مضمون کے تراشے اور فوٹو اسٹیٹ بھیج کر اس کا تحقیقی اور علمی جائزہ لینے کی فرمائشیں کی ہیں۔ مزید براں جنگ کے ادارتی نوٹ میں بھی اس موقف پر اظہار خیال کی دعوت دی گئی ہے۔ چنانچہ پیش نظر مقالہ میں اسی مضمون کا تحقیقی اور علمی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔ واللہ الهادی

وجہ مغالطہ:

پروفیسر رفیع اللہ صاحب کے مترجم ایم اشرف صاحب لکھتے ہیں:

''پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یہ فتویٰ صادر فرمایا کہ لڑکے یا لڑکی کی پیدائش پر کوئی قربانی نہیں ہوگی۔'' ❶

جواب: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب یہ فتویٰ بوجوہ غلط ہے۔

احناف کا نظریہ عقیقہ سنت ثابتہ ہے

وجہ اوّل: یہ کہ اگرچہ امام حسن بصری، امام لیث بن سعد، داؤد ظاہری، ابن حزم، ابوزناد رحمہم اللہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک عقیقہ واجب ہے۔ ❷

لیکن فقہاء ومحدثین وجمہور علمائے امت اور ائمہ اہل بیت کے نزدیک عقیقہ سنت ہے۔ ❸

ہمارے نزدیک جمہور کا مذہب ہی صحیح ہے کہ احادیث صحیحہ ثابتہ سے عقیقہ کا سنت ہونا متبادر ہے۔ احادیث ملاحظہ فرمایئے۔

عقیقہ اور احادیث:

۱۔ حضرت سلمان بن عامر ضبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے: ہر لڑکے کے ساتھ اس کا عقیقہ لگا ہوا ہے، لہٰذا اس کی طرف سے عقیقہ کرو اور اس کے بال بناؤ۔ ❹

۲۔ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر بچہ اپنے اپنے عقیقہ میں مرہون (گروی) ہوتا ہے۔ اس کی ولادت کے ساتویں روز اس کا عقیقہ کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔ ❺

۳۔ لڑکا اور لڑکی کے عقیقہ کی تفصیل:

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ لڑکے کے عقیقہ میں دو بکریاں اور لڑکی کے عقیقہ میں ایک بکری ذبح کرنی چاہیے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس باب میں حضرت علی، ام کرز، بریدہ، سمرہ، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمر، انس، سلمان اور

---

❶ بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۲۷۔ ❷ فتح الباری: ج ۹ ص ۵۰۷ و محلی ابن حزم: ج ۷ ص ۵۲۹۔

❸ ملاحظہ ہو: فتح الباری ج ۹ ص ۵۰۷، محلیٰ ابن حزم ج ۷ ص ۵۲۸ و سبل السلام ج ۴ ص ۹۷ اور نیل الأوطار ج ۵ ص ۱۵۰۔

❹ صحیح بخاری: باب اماطة الازی عن الصبی فی العقیقة ج ۲ ص ۸۲۲، جامع الترمذی مع تحفة الاحوذی: ج ۲ ص ۳۶۲ و ابو داؤد مع شرح عون المعبود ج ۳ ص ۶۶ محلی ابن حزم: ج ۷ ص ۵۲۴، نیل الاوطار: ج ۵ ص ۱۴۹۔

❺ رواہ احمد والاربعة وصححه الترمذی، سبل السلام ج ۴ ص ۹۸، نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۴۹ وقال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح تحفة الاحوذی ج۲ ص ۳۲۴۔

ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث منقول ہیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ ❶

۴۔ حضرت ام کرز کعبیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عقیقہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری ذبح کرنی ہوگی، خواہ عقیقہ کے مویشی مذکر ہوں یا مونث دونوں جائز ہیں۔ ❷

اول اور دوم دونوں صحیح احادیث سے معلوم ہوا کہ عقیقہ سنت ثابتہ ہے اور سوم چہارم دونوں صحیح احادیث سے مزید یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑکے کی پیدائش پر عقیقہ میں دو بکریاں اور لڑکی کی ولادت پر ایک بکری ذبح کرنی سنت ہے۔ ہاں، اعسار (مالی تنگی ترشی) کی وجہ سے لڑکے کے عقیقہ میں ایک بکری بھی کفایت کرسکتی ہے۔

ان احادیث صحیحہ سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ عقیقہ سنت ثابت ہے اور یہ بات طے ہے کہ حدیث صحیح کے مقابلہ میں کسی امام کا قول اور فتویٰ نہ حجت ہے، نہ قابل اعتبار کیونکہ حجت فقط کتاب وسنت ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

''پھر اگر تم کسی بات پر جھگڑ پڑو تو اس جھگڑے کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف لے جاؤ۔'' (نساء:۵۹)

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ائمہ کرام نے صاف صاف لفظوں میں اپنی تقلید کے علی الرغم حدیث پر عمل کرنے کی وصیت فرمادی ہے۔

۱۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِيْ۔ (ردالمحتار: ج ۱ ص ۶۸) ''جب حدیث مل جائے تو وہ حدیث ہی میرا مذہب ہے۔''

۲۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے بعد امت میں کوئی ایسا شخص نہیں جس کا قول وفتوی رد اور اخذ کی زد سے باہر ہو۔ (حجۃ اللہ: ج ۱ ص ۱۵۷)

۳۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو کچھ حدیث میں ہے بس میرا وہی مذہب ہے۔ (حجۃ اللہ ج ۱ ص ۱۵۷)

۴۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنی اور دوسرے مجتہدین کی تقلید سے منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ احکام ومسائل کتاب وسنت سے اخذ کرو۔ (ایضاً)

۵۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر ہمیں صحیح حدیث مل جائے جو ہمارے امام کے مذہب کے خلاف ہو اور ہم اس حدیث کو چھوڑ کر اپنے امام کے قیاس وتخمین کی پیروی پر ڈٹے رہیں تو اس صورت میں نہ تو کوئی شخص ہم سے زیادہ ظالم ہوگا اور نہ قیامت کے دن رب العالمین کے سامنے ہماری کوئی معذرت قبول ہوگی۔

۶۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا حُجَّةَ فِيْ قَوْلِ اَحَدٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. ❸

---

❶ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی: ج ۲ ص ۳۶۲، سبل السلام شرح بلوغ المرام: ج ۴ ص ۹۷ اور نیل الاوطار: ج ۵ ص ۱۴۹.

❷ رواہ احمد والترمذی و صححہ' نیل الاوطار: ج ۵ ص ۱۴۹ عون المعبود: ج ۳ ص ۶۶ و تحفۃ الاحوذی: ج ۲ ص ۳۶۲ و سبل السلام: ج ۴ ص ۹۸.

❸ محلی ابن حزم: ج ۷ ص ۳۶۶ و ص ۳۷۵.

''رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں کسی بھی امتی کا قول حجت نہیں۔''

ان تصریحات کا خلاصہ یہ ہے کہ صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے بڑے سے بڑا مجتہد اور امام بھی اتھارٹی (سند) نہیں، خواہ وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہوں یا کوئی اور صاحب خواہ ایک ہوں یا سینکڑوں۔ غرض یہ کہ چونکہ امام ابوحنیفہ کا فتویٰ احادیث صحیحہ غیر منسوخہ کے سراسر خلاف ہے لہٰذا حجت نہیں تعجب ہے کہ پروفیسر صاحب ایک طرف تو نبی معصوم کی احادیث صحیحہ محکمہ کا انکار کرتے ہیں اور دوسری طرف اپنے غلط نظریہ کی تقویت و ترویج میں غیر معصوم امتی (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) کے ایک مشکوک فتویٰ کا سہارا لینے میں عار محسوس نہیں کرتے۔

وجہ دوم: اس فتویٰ کے غلط ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو ان احادیث صحیحہ کا علم نہ تھا ورنہ وہ ایک ضعیف حدیث کی بنیاد پر غلط فتویٰ کبھی صادر نہ فرماتے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ اس فتویٰ کا نوٹس لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَلَمْ يَعْرِفْ اَبُو حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الْعَقِيْقَةَ فَكَانَ مَاذَا؟ لَيْتَ شِعْرِىْ اِذْ لَمْ يَعْرِفْهَا اَبُو حَنِيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ مَا هٰذَا بِنَكْرَةٍ فَطَالَ مَالَمْ يَعْرِفِ السُّنَنَ. ❶

''عقیقہ والی صحیح حدیث امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علم میں نہ تھیں اور ان کو ان احادیث صحیحہ ثابت کا علم نہ ہونا کوئی ان ہونی بات نہیں آپ کو اور بھی بہت سی سنتوں کا علم نہ تھا۔''

امام شوکانی اس فتویٰ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ وَهٰذَا اِنْ صَحَّ عنه حُمِلَ عَلٰى اَنَّهَا لَمْ تَبْلُغْهُ الاحادیث الْوَارِدَةُ فِیْ ذٰلِكَ۔ ❷

''اگر واقعی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یہ فتویٰ صادر فرمایا تھا تو ان کا یہ فتویٰ مذکورہ احادیث صحیحہ سے بے خبری پر محمول کرنا چاہیے۔''

ابوالحسنات عبدالحی حنفی لکھنوی لکھتے ہیں:

وَفِى الْبَابِ اَحَادِيْثُ كَثِيْرَةٌ قَدْ دَلَّ عَلٰى مَشْرُوْعِيَتِهَا وَاسْتِحْبَابِهَا بَلْ بَعْضُهَا يَدُلُّ عَلَى الْوُجُوْبِ فَلَا اَقَلَّ اَنْ يَّكُوْنَ مُسْتَحَبًا بَلْ سُنَّةً۔ لَعَلَّهَا لَمْ تَبْلُغْ اِمَامَنَا حَيْثُ قَالَ اِنَّهَا مُبَاحَةٌ۔ ❸

''عقیقہ کے بارے میں احادیث بکثرت منقول ہیں جو اس کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہیں، بعض تو اس کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔ وجوب نہ سہی عقیقہ کا سنت اور مستحب ہونا بلاشبہ ثابت ہے۔ ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عقیقہ کو جو مباح کہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں یہ احادیث نہیں پہنچی ہوں گی۔''

اور یہ قرین قیاس بھی ہے ورنہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ عقیقہ کا انکار نہ کرتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

وجہ سوئم' عقیقہ اور علمائے احناف:

جہاں امام مالک' امام شافعی' امام احمد رحمہم اللہ جیسے ائمہ مجتہدین' فقہاء' محدثین اور جمہور امت نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس

❶ محلی ابن حزم ج۷ ص ۵۲۹۔ ❷ نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۵۰۔ ❸ التعلیق الممجد: ص ۲۸۹۔

فتویٰ سے اختلاف کرتے ہوئے عقیقہ کو سنت قرار دیا ہے۔ وہاں تمام علمائے احناف نے بھی امام صاحب کے اس فتویٰ کو مسترد کر کے عقیقہ کو بعض نے سنت اور اکثر احناف نے مستحب کہا ہے۔

۱۔ علامہ بدر الدین عینی:

امام صاحب کی طرف اس فتویٰ کی نسبت کو چیلنج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ جھوٹ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے عقیقہ کو بدعت (جاہلی رسم) کہا ہے۔ انہوں نے تو اس کے مسنون ہونے کا انکار کیا ہے۔ ❶

۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی:

عقیقہ کو سنت قرار دیتے ہیں۔ ❷

۳۔ علامہ شامی حنفی کا فتویٰ:

فرماتے ہیں جن کے ہاں بچہ پیدا ہو تو اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ ولادت کے ساتویں روز بچے کے بال بنائے جائیں اور اس کا عقیقہ ذبح کیا جائے۔ جیسا کہ جامع المحبوبی میں لکھا ہے۔ ❸

۴۔ علامہ عبدالحی حنفی لکھنوی کا وضاحتی بیان عقیقہ کی مخالف روایت:

فرماتے ہیں کہ جس روایت کی بنیاد پر عقیقہ کو جاہلی رسم کہا گیا ہے وہ روایت سخت ضعیف ہے، کیونکہ اس روایت کے دو راویوں مسیّب بن شریک اور عقبہ بن یقظان (استاذ شاگرد) دونوں کو اہل فن اور ائمہ جرح وتعدیل نے ضعیف کہا ہے۔ لہٰذا یہ روایت اس قابل ہرگز نہیں کہ اس کی وجہ سے عقیقہ کو جاہلی رسم کہا جائے۔ علاوہ ازیں اگر عقیقہ منسوخ ہو چکا ہوتا تو آنحضرت ﷺ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ نہ کرتے اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے بعد اپنی اولاد کا عقیقہ کرتے۔ جیسا کہ نافع نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ میرے والد عروہ بن زبیر اپنے لڑکے اور لڑکیوں کی طرف سے عقیقہ کیا کرتے تھے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ عقیقہ کی مشروعیت اور اس کے استحباب پر متعدد احادیث صحیحہ دلالت کرتی ہیں۔ لہٰذا یہ ضعیف روایت ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ ❹

موصوف ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: لڑکے کے عقیقہ میں دو بکرے ذبح کرنے چاہئیں، تاہم استطاعت اور قدرت نہ ہونے کی صورت میں ایک پر بھی اکتفا درست ہے۔ ❺

۵۔ مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی:

لکھتے ہیں: بدائع الصنائع والی روایت سے نفس عقیقہ کا نسخ مراد نہیں بلکہ عقیقہ کے وجوب کا نسخ مراد ہے کیونکہ قربانی ۲ھ میں شروع ہوگئی تھی اور حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ ۳ھ اور ۴ھ میں ہوا تھا۔ اسی طرح حضرت ام کرز کعبیہ سے بھی عقیقہ

❶ حاشیہ صحیح بخاری: ج ۲ ص ۸۲۱۔ ❷ شرح سفر سعادت بحوالہ فتاویٰ عبدالحی: ص ۳۸۸۔

❸ ردالمحتار: ج ۶ ص ۲۳۶۔ ❹ التعلیق الممجد علی موطاء امام مالک: ص ۲۹۱۔ ❺ فتاویٰ عبدالحی: ص ۲۸۹۔

کی صحیح حدیث مروی ہے اور اس بی بی نے یہ حدیث صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی۔ اور صلح حدیبیہ ۶ھ میں ہوئی تھی اور رسول اللہ ﷺ سے اپنے آخری جگر گوشہ سیدنا ابراہیم بن محمد ﷺ کا عقیقہ کرنا بھی ثابت ہے۔ اور یہ واقع ۹ھ کا ہے۔ لہٰذا اگر عقیقہ منسوخ ہو گیا ہوتا، جیسا کہ اس فتویٰ میں دعویٰ کیا گیا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ کا یہ تمن عقیقے کرنا اور ام کرز کعبیہ کو عقیقہ کا مسئلہ بیان کرنا ناقابل فہم بات ہے۔ کیونکہ ناسخ کے لئے منسوخ سے متاخر ہونا ضروری شرط ہے۔ فافھم ولاتکن من القاصرین۔ ❶

۶۔ مولانا عزیز الرحمان دیوبندی کا فتویٰ:

صحیح یہ ہے کہ مذہب حنفیہ میں عقیقہ مستحب ہے۔ ❷

۷۔ حکیم الامت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ:

رسم عقیقہ کی تحقیق کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

عرب اپنی اولاد کا عقیقہ کرتے تھے اور اس کو لازم اور سنت مؤکدہ سمجھتے تھے، چونکہ اس میں بہت سی مادی، مدنی اور روحانی مصلحتیں کارفرما ہیں، اس لئے آنحضرت ﷺ نے اس رسم کو قائم رکھتے ہوئے خود بھی اس پر عمل کیا اور امت کو بھی اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی۔ ❸

ان سات شہادتوں سے معلوم ہوا کہ خود علمائے احناف کے ہاں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ صحیح نہیں۔ خلاصہ بحث یہ ہے کہ عقیقہ سنت ثابتہ ہے کہ بکثرت احادیث صحیحہ ثابتہ اس پر شاہد عدل ہیں سلف صالحین اور جمہور علمائے امت قرناً بعد قرنٍ اس سنت پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں۔ لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ایک غلط فتویٰ کی آڑ میں اس کو جاہلی رسم قرار دے کر منسوخ ٹھہرانا نہ صرف حق وانصاف کا خون کرنا ہے بلکہ انکار حدیث کے لئے راہ ہموار کرنا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ

قربانی اور عقیقہ کی شرعی حیثیت

پروفیسر رفیع اللہ شہاب کے جواب میں۔

- قربانی کے اثبات میں تحقیقی مقالہ
- قربانی بالاجماع مشروع عمل ہے۔

پروفیسر رفیع اللہ شہاب لکھتے ہیں:

مغالطہ نمبر ۲......: اس نظریہ (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا عقیقہ کو منسوخ کہنے) کی وجہ سے عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کے

❶ کشف المغطا حاشیہ موطا امام مالك: ص ٤٩٤.

❷ جواب سوال نمبر ١٢٩٦ عزیزالفتاوی المعروف فتاوی دارالعلوم دیوبند: ص ٧١٦ ج ١.

❸ حجة الله البالغه: ج ٢ ص ١٤٤.

متعلق کچھ غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں ہیں۔

جواب: پروفیسر صاحب اوران کے ہم مشربوں کوقربانی کی مشروعیت کے بارے میں کوئی غلط فہمی پیدا ہوگئی ہوتو اور بات ہے کہ تحقیق گزیدہ حضرات نے انکار سنت کی راہ ہموار کرنے کے لئے اسلام کے ان مسائل واحکام میں بھی تشکیک پیدا کرنے کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔جن میں مسلمانوں کے درمیان ابتدا سے لے کرآج تک اتفاق موجود ہے۔گویا ان حضرات کے نزدیک دین کی اصل خدمت اور ملت اسلامیہ کی صحیح خیر خواہی بس یہ رہ گئی ہے کہ متفق علیہ مسائل کوبھی کسی نہ کسی طریقہ سے اختلافی بنا دیا جائے اور دین کا کوئی مسئلہ ایسا نہ چھوڑا جائے جس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہو کہ سب مسلمانوں کے نزدیک یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ خوش قسمتی سے قربانی کا مسئلہ بھی انہی متفق علیہ مسائل میں سے ہے۔

اھ کی پہلی عیدالاضحیٰ سے لے کرآج تک مسلمان اس پر متفق چلے آ رہے ہیں۔

اسلامی تاریخ کی پوری چودہ صدیوں میں آج تک اس کے مشروع' مسنون اور شعار اسلام میں سے ہونے میں پوری امت متفق ہے۔

اس میں ائمہ اربعہ اور فقہاء محدثین متفق ہیں، مجتہدین متفق نظر آتے ہیں، شیعہ اور سنی متفق ملتے ہیں، حتی کہ آج کے تمام اسلامی فرقے بھی اس کی مشروعیت پر اتفاق رکھتے ہیں۔

چند تصریحات ملاحظہ فرمایئے:

اقوال ائمہ نمبر۱: علامہ یحیٰ بن محمد ابن ہبیرہ حنبلی متوفی ۵۶۰ھ تصریح فرماتے ہیں: وَاتَّفَقُوْا اَنَّ الْاُضْحِیَةَ مَشْرُوْعَةٌ بِاَصْلِ الشَّرْعِ الْاَفْصَاحِ عَلٰی مَذَاهِبِ الْاَرْبَعَةِ کہ ائمہ اسلام کا اتفاق ہے کہ اصل شرع کی رو سے قربانی مشروع عمل ہے۔

نمبر ۲: شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ رقم طراز ہیں: ولا خلاف فی کونها من شرائع الدین الخ ۔ ❶ ائمہ اسلام کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ قربانی شرائع دین میں سے ہے۔

نمبر ۳: امام محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں: وَلَا خِلَافَ فِيْ کَوْنِهَا مِنْ شَرَائِعِ الدِّيْنِ ❷ کہ اس بارے میں امت میں کوئی اختلاف نہیں کہ قربانی شرائع دین میں سے ہے۔

نمبر ٤: شیخ اسماعیل انصاری فرماتے ہیں: وَلاَ خِلَافَ اَنَّهَا مِنْ شِعَارِ الدِّيْنِ ۔ ❸ ائمہ دین کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ قربانی شعار دین میں سے ہے۔

نمبر ٥: علامہ عبدالرحمان جزائری لکھتے ہیں: تمام مسلمانوں کا قربانی کی مشروعیت پر اجماع ہے۔ ❹

نمبر ٦: سید محمد سابق مصری لکھتے ہیں: یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قربانی کی اور تمام مسلمان قربانی

---

❶ فتح الباری شرح صحیح البخاری: جلد نمبر ١٠ ص نمبر ٢۔
❷ نیل الاوطار: جلد نمبر ٥ ص ١٢٦۔
❸ الامام شرح عمدۃ الاحکام: جلد نمبر ٢ ص نمبر ١٧٠۔
❹ کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة: جلد نمبر ١ ص نمبر ٧١٦۔

کرتے رہے ہیں اوراس کی مشروعیت پرامت کا اجماع ہو چکا ہے۔ ❶

ان تصریحات سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ قربانی سنت مؤکدہ' شعار دین اور شرائع اسلام میں سے ہے اور اھ سے لے کر آج تک کسی اہل علم کو اس کی مشروعیت کے بارے میں نہ صرف کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوئی، بلکہ اس کی مشروعیت پر سب کا اتفاق ہے۔ والحمد لله على ذالك

مغالطہ نمبر ۳: پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ امام ابن حزم نے اعلان کیا ہے کہ قربانی کے متعلق تمام احادیث ضعیف ہیں۔

﴿جواب﴾ : یہ ابن حزم ایسے جلیل القدر امام اور محدث پر صریح بہتان عظیم ہے کہ انہوں نے قربانی کے متعلق تمام احادیث کو ضعیف کہہ دیا ہے، جیسا کہ ان کی کتاب محلی ابن حزم کی ''کتاب الاضاحی'' پروفیسر صاحب کے اس ادعا کی تکذیب اور تردید کے لئے شاہد عدل آج بھی موجود ہے۔ المحلی کتاب الاضاحی جلد نمبر ۷ ص نمبر ۳۵۵ تا ۳۸۸ اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ آپ نے ان چونتیس صفحات میں اپنے مخصوص علمی اسلوب اور محدثانہ انداز میں قربانی کے سترہ احکام ومسائل پر زور دار بحث فرمائی ہے۔

اس علمی بحث میں آپ نے قربانی کے بعض مسائل میں ائمہ اربعہ اور محدثین کے موقف سے اختلاف کرتے ہوئے اپنا موقف علیحدہ اختیار کیا ہے اور اپنے موقف کے اثبات میں جا بجا احادیث صحیحہ سے استدلال فرمایا ہے اور پوری بحث قابل قدر اور دیدنی ہے۔

چند مثالیں یہ ہیں:

نمبر ۱ مسئلہ : احناف کے ہاں کھیرے مینڈھے کی طرح کھیرے بکرے کی قربانی جائز ہے اور جمہور علماء کے نزدیک مینڈھے اور بکرے کا دو دانتا ہونا ضروری ہے، تاہم دو دانتا نہ ملنے پر جمہور صرف کھیرے مینڈھے کی قربانی کے جواز کے قائل ہیں۔ کھیرے بکرے کی قربانی کے قائل نہیں۔ جبکہ امام ابن حزم رحمہ اللہ کے نزدیک بوقت مجبوری بھی کھیرا جانور قربانی کرنا جائز نہیں بکرا اور نہ مینڈھا، وہ دو دانت جانور کی شرط عائد کرتے ہیں۔

چنانچہ احناف اور جمہور کے خلاف حجت قائم کرتے ہوئے صحیحین کی درج ذیل احادیث صحیحہ سے استدلال کرتے ہیں۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے خالو ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے نماز عید سے پہلے اپنی قربانی ذبح کر ڈالی' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک قربانی اور ذبح کرو تو میرے خالو نے عرض کیا کہ حضرت اب تو میرے پاس ایک کھیری پٹھیا ہے۔ جو دو بکریوں سے بڑھ کر ہے' آپ ﷺ نے فرمایا: چلو وہی ذبح کر دو، لیکن کھیرا مینڈھا آپ کے بعد کسی اور کے لئے کفایت نہیں کرے گا۔ ❷

مسئلہ نمبر ۲: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ قربانی کو واجب کہتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جو شخص نماز عید سے پہلے قربانی کرے وہ ایک اور قربانی ذبح کرے۔

---

❶ محلى ابن حزم: جلد نمبر ۷ ص ۳٦٢' صحيح بخاری: جلد نمبر ۲ ص ۸۸۳ و صحيح مسلم: جلد نمبر ۲ ص ۱۵۵۔

❷ فقه السنه: جلد نمبر ۳ ص ۲۷٤۔

امام ابن حزم امام ابوحنیفہ کے اس استدلال سے اختلاف کرتے ہوئے نفس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ ❶

مسئلہ نمبر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حاجی اور مسافر کو قربانی کی چھوٹ دیتے ہیں۔ جبکہ امام ابن حزم رحمہ اللہ مسافر اور حاجی کے لئے بھی قربانی کو سنت قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر نکیر کرتے ہوئے اپنے مؤقف کے ثبوت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث لائے ہیں جو صحیح بخاری میں مروی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ہم حجۃ الوداع سے واپسی پر سرف کے مقام پر فروکش تھیں تو میرے پاس گائے کا ڈھیر سارا گوشت لایا گیا تو میں نے پوچھا کہ گوشت کون سا ہے؟ تو لانے والوں نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں کی طرف سے قربانی کی ہے۔ ❷

لہٰذا ثابت ہوا کہ حاجی اور مسافر کے لئے بھی قربانی سنت ہے۔ اسی طرح اور مسائل میں بہت سی احادیث لائے ہیں جنہیں اختصار کے پیش نظر قلم زد کیا جاتا ہے۔

غرض یہ کہ ان پانچ احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ پروفیسر صاحب کے اس ادعا میں پشہ کے پر کے برابر بھی صداقت نہیں کہ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے قربانی کے متعلق ان پانچ احادیث کو ضعیف کہا ہے، جن سے قائلین وجوب نے وجوب قربانی پر استدلال کیا ہے اور آپ ان احادیث کو ضعیف کہنے میں متفرد بھی نہیں ہیں۔ دوسرے تمام محدثین احادیث اور ائمہ جرح و تعدیل نے بھی ان احادیث کو یا تو ضعیف قرار دیا ہے یا پھر وجوب کی استدلال سے اختلاف کیا ہے۔ ملاحظہ ہو فتح الباری: جلد نمبر ۱۰ ص ۲، ۳۔ سبل السلام: جلد نمبر ۴ ص ۶۱۔ نیل الاوطار: جلد نمبر ۵ ص نمبر ۱۶۲۔ ویسے امام شوکانی رحمہ اللہ کا اپنا رجحان قربانی کے وجوب کی طرف ہے، تفصیل آگے اپنے مقام پر آرہی ہے۔

وضاحت:

ان پانچ احادیث کو ضعیف کہنے کا یہ مطلب لینا صحیح نہیں کہ امام ابن حزم رحمہ اللہ سرے سے ہی قربانی کے قائل نہیں، جیسا کہ پروفیسر صاحب نے قارئین کو یہ غلط تاثر دینے کی ناکام کوشش فرمائی ہے۔ کیونکہ امام موصوف نہ صرف قربانی کو سنت مانتے ہیں، بلکہ ان کے نزدیک سنت حسنہ ہے۔ فرماتے ہیں: اَلْاُضْحِيَةُ سُنَّةٌ حَسَنَةٌ (محلی شروع کتاب الاضاحی: جلد نمبر ۷ ص ۳۵۵) کہ قربانی سنت حسنہ، یعنی سنت مؤکدہ ہے۔ اور جمہور علماء کا بھی یہی مذہب ہے، جیسا کہ نووی جلد نمبر ۲ ص ۱۵۳، عمدۃ القاری للعینی الحنفی جلد نمبر ۱۲ ص ۱۴۴ اور فتح الباری جلد نمبر ۱۰ ص ۲، ۳ پر مرقوم ہے یعنی جمہور اور امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں صرف لفظی فرق ہے۔ جمہور قربانی کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں جب کہ امام صاحب اسی مفہوم کو سنت حسنہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

ایک غلطی کا ازالہ:

پروفیسر صاحب نے امام ابن حزم رحمہ اللہ کے حوالہ سے حضرت مخنف بن سلیم رضی اللہ عنہ کو گمنام شخصیت لکھا ہے۔ جو صحیح نہیں

---

❶ محلی ابن حزم: جلد نمبر ۷ ص ۳۷۳ صحیح بخاری: جلد نمبر ۲ ص ۸۳۲.

❷ محلی: جلد نمبر ۷ ص ۳۵۷.

کیونکہ مخنف رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، لہٰذا امام ابن حزم رحمہ اللہ ایسا راسخ العلم اور وسیع المطالعہ شخص انہیں کس طرح گم نام شخصیت لکھ سکتا ہے۔ اصل واقع یہ ہے کہ آپ نے ان کے بیٹے حبیب بن مخنف کو گم نام شخصیت لکھا ہے۔ لہٰذا پروفیسر صاحب اور ان کے فاضل مترجم ایم اشرف صاحب اپنا ریکارڈ درست کر لیں تاکہ انہیں پھر کبھی یہ بکی نہ ہو، اسی طرح مولوی محمد صدیق ہزاروی بریلوی اپنے مضمون کی اصلاح فرمالیں۔ اور امام ابن حزم رحمہ اللہ کی گستاخی پر ندامت اور توبہ کا اعلان کریں۔ ورنہ عند اللہ تعالیٰ مواخذہ سے بچ نہ سکیں گے۔

مغالطہ نمبر ٤: ان فقہاء نے اپنے موقف کی تائید میں پیغمبر اسلام ﷺ کے صحابہ کرام کے عملی کردار سے بھی مدد لی ہے۔ ان کے نزدیک اگر پیغمبر اسلام ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قربانی کا حکم فرمایا ہوتا تو وہ کبھی اس حکم کی تعمیل میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتے۔ ہمارے فاضل پروفیسر صاحب نے اپنے اس مغالطہ میں دو دعوے کئے ہیں (۱) کچھ فقہاء ایسے بھی ہیں جو قربانی کے قائل نہیں۔ (۲) رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قربانی کا حکم نہیں دیا تھا۔

جواب دعویٰ اول:

ان کا پہلا دعویٰ کہ بعض فقہاء قربانی کے قائل نہیں نرا مغالطہ اور سراسر خلاف واقع ہے، کیونکہ ہمارے علم و مطالعہ کے مطابق تمام فقہائے اسلام قربانی کی مشروعیت کے قائل ہیں۔ اگر ان کو اپنے اس ادعاء پر ناز ہے تو پھر ہمیں بھی بتلائیں کہ وہ فقہاء کون ہیں؟ کتنے ہیں؟ سنی ہیں یا شیعہ؟ سنی ہیں تو فقہائے اہل حدیث میں سے ہیں یا فقہائے مذاہب اربعہ میں شمار ہوتے ہیں اور اگر شیعہ ہیں تو کون سے ہیں؟ ان کا علمی چوکھٹا کیسا ہے؟ اور ان کا وہ کون سا فقہی سرمایہ ہے جس میں انہوں نے قربانی کی مشروعیت سے انکار یا اختلاف کیا ہے؟ تاکہ ہم بھی ان کی تحقیق سے روشناس ہو سکیں، مگر

ہم جانتے ہیں تم کو ' تمہاری زبان کو
وعدوں ہی میں گزارو گے موسم بہار کا

یہاں اسی پر اکتفا کرتے ہیں، اس کا تفصیلی جواب دوسرے دعویٰ کے جواب کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔

جواب دعویٰ ثانی:

یہ کہنا کہ حضور ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قربانی کا حکم نہیں دیا تھا متعدد وجوہ کی بنا پر باطل ہے۔

اول اس لئے کہ یہ دعویٰ قرآن مجید کی نصوص صریحہ کے خلاف ہے۔ ثانی اس لئے کہ ان احادیث صحیحہ محکمہ کے خلاف ہے جو کتب صحاح میں صحیح اور متصل اسانید کے ساتھ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں، جو یہ تصریح کرتی ہیں کہ رسول ﷺ نے عیدالاضحیٰ کی قربانی کا صحابہ کو حکم دیا۔ خود مسلسل دس سال سفر و حضر میں اس پر عمل فرمایا اور امت میں اس کو سنت اسلام کی حیثیت سے جاری فرمایا۔

ثالث یہ دعویٰ ان احادیث مرفوعہ متصلہ کے بھی خلاف ہے جو عہد صحابہ میں قربانی کے عام رواج اور شیوع پر دلالت کرتی ہیں۔ اب ان تینوں کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

قربانی اور قرآن مجید:

قرآن مجید میں جس مخصوص انداز میں جہاں دوسرے مسائل زندگی کا بیان موجود ہے۔ وہاں قربانی کی مشروعیت' تاریخ اور تفصیل بھی موجود ہے۔ چنانچہ سورۂ حج میں ہے:

﴿ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ﴾ (الحج: ٣٤)

''اور ہم نے ہر ایک امت کے لئے قربانی مقرر کی تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے مویشیوں پر اس کا نام ذکر کریں۔''

مفسرین کی تصریحات:

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ۶۰۶ھ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے لے کر مابعد کی تمام امتوں میں قربانی مشروع چلی آ رہی ہے۔ اور منسک زبر کے ساتھ قربانی کے معنی میں ہے۔ ❶

امام ابن کثیر ۷۷۴ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بتا رہے ہیں کہ اس کے نام قربانیاں ذبح کرنا اور خون بہانا تمام امتوں میں مشروع عمل چلا آ رہا ہے۔ ❷

امام شوکانی رحمہ اللہ ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

اَلْمَنْسَكُ هٰهُنَا الْمَصْدَرُ مِنْ نَسَكَ يَنْسُكُ إِذَا ذَبَحَ الْقُرْبَانَ۔۔۔ وَالْمَعْنٰى وَجَعَلْنَا لِكُلِّ أَهْلِ دِيْنٍ مِّنَ الْأَدْيَانِ ذِبْحاً يَذْبَحُوْنَهٗ وَدَماً يُرِيْقُوْنَهٗ. ❸

''آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم نے تمام اہل ادیان پر قربانی ٹھہرائی جو وہ ذبح کرتے تھے اور خون بہاتے تھے۔''

امام شوکانی رحمہ اللہ نے بالکل تصریح کر دی کہ یہاں منسک کے معنی قربانی ہی ہیں۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: جتنے مویشی ہیں ان کا حق یہی ہے کہ کام لے لیجئے، پھر کعبے کے پاس لے جا کر نیاز چڑھا دیجئے۔ یہ بات دشوار ہے تو یہاں بسم اللہ اللہ اکبر کہا اور ذبح کیا۔ یہ نشانی ہے کہ اللہ کی نیاز کعبے کو چڑھایا۔ دور ہو یا نزدیک۔ شاہ صاحب نے اس مختصری تفسیر میں قربانی کی پوری حقیقت سمو کر رکھ دی ہے۔ ❹

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ۱۱۷۶ھ قربانی کے اسرار بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ قربانی حاجیوں سے عملی تشابہ کے لئے ہی تو ہے۔''

يَوْمُ الْأَضْحٰى فِيْهِ تَشَبُّهٌ بِالْحَاجِّ وَتَعَرُّضٌ لِلنَّفَحَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰى الْمُعَدَّةُ لَهُمْ ۔۔۔ ❺

مکہ مکرمہ سے باہر دوسرے اکناف کے مسلمانوں کو بھی پابند کیا گیا ہے کہ وہ حاجیوں سے مشابہت پیدا کر کے اللہ تعالیٰ کے اس فیضان سے مستفیض ہوں، جو ان کے لئے تیار فرمایا گیا ہے۔ قربانی کا یہ طریقہ جس طرح پہلی امتوں کے لئے ہے۔

---

❶ تفسیر کبیر: جلد نمبر ٦ ص ٢٣٢. ❷ تفسیر ابن کثیر: جلد نمبر ٣ ص ٢٢١. ❸ فتح القدیر جلد نمبر ٣ ص ٤٥٢.
❹ موضح القرآن، سورۃ حج. ❺ حجۃ اللہ البالغہ: جلد نمبر ١ ص ٩٩.

اسی طرح ہماری شریعت محمدی میں بھی مقرر کیا گیا ہے۔

نمبر۲: ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ (الانعام: ۱۶۳'۱۶۴) کہہ دیجیے میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا صرف رب العالمین کے لئے ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی چیز کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے میں سر اطاعت جھکانے والا ہوں۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ ان آیات مقدسہ میں یہ حکم دے رہا ہے کہ مشرکین پر واضح کر دیں کہ تم جو غیر اللہ کی نماز پڑھتے ہو اور غیر اللہ کے نام قربانی کرتے ہو میں اس طریق عبادت کے سخت مخالف ہوں۔۔۔۔۔۔میری نماز بھی خَالِصَةً لِّوَجْهِ اللّٰهِ یعنی اللہ کے لئے ہے اور میری قربانی بھی اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔ ❶

نمبر۳: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ. (الکوثر:۲) ''پس اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی کر۔''

تقریباً تمام قدیم و جدید مفسرین کے نزدیک اِنْحَرْ سے مراد دس ذی الحجہ کی قربانی ہے۔ چنانچہ مفسر القرآن فخر الدین رازی شافعی رحمہ اللہ متوفی ۶۰۶ھ' امام ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ' مفسر شوکانی رحمہ اللہ المتوفی ۱۲۵۰ھ' مفسر محمود آلوسی حنفیؒ المتوفی ۱۲۷۰ھ' مفسر قرطبی مالکی المتوفی ۶۷۱ھ' نواب سید صدیق حسن خان اور شیخ احمد مراغی المتوفی ۱۹۴۵ء وغیرہ نے اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے۔

ہمیں اعتراف ہے کہ مفسرین نے اس کے علاوہ اور معنی بھی کئے ہیں، لیکن وہ صحیح نہیں ہیں۔ان دلائل قاطعہ اور نصوص ساطعہ سے نہ صرف یہ ثابت ہوا کہ قربانی بلاشبہ مشروع عمل اور شعار اسلام میں سے ہے۔ بلکہ مسئلہ قربانی کے منکرین کے اس مغالطہ کی قلعی بھی کھل گئی کہ قرآن مجید میں جس قربانی کا تذکرہ ہے وہ تو صرف مکہ میں منیٰ کے میدان میں حاجی کے ساتھ خاص ہے۔اب یہاں پر تو کوئی حج وغیرہ کا ذکر نہیں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے ساری امت کو قربانی ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

لہٰذا عید الاضحیٰ کی قربانی کا انکار اصل میں قرآن ناقہی کا اقرار ہے۔اعاذنا الله منه.

قربانی کے متعلق حضور ﷺ کے ارشادات وتعامل:

قرآن مجید کی تین آیات مقدسہ سے قربانی کا ثبوت بہم پہنچانے کے بعد اب ہم یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قربانی کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے امت کے لئے کیا کچھ ارشادات فرمائے ہیں۔

یوں تو مسئلہ قربانی اور اس کے مفصل احکام تفسیر و حدیث کی کتابوں میں درج ذیل انیس صحابہ کرام سے مروی ہیں۔سیّدنا ابو ہریرہ' سیّدنا براء' سیّدنا زید بن ارقم' سیّدہ عائشہ صدیقہ' سیّدہ ام سلمہ' سیّدنا ابن عباس' سیّدنا جابر بن عبداللہ' سیّدنا جبیر' حضرت علی' سیّدنا ابو درداء' سیّدنا مخنف بن سلیم' سیّدنا بریدہ' سیّدنا ابورافع' سیّدنا انس' سیّدنا عبداللہ بن عمر' سیّدنا ثوبان' سیّدنا ابوسعید خدری' سیّدنا جندب' سیّدنا عویمر بن اشقر وغیرھم رضی اللہ عنہم تاہم اختصار کے پیش نظر آنحضرت ﷺ کے صرف دس فرامین مقدسہ حوالہ قرطاس کئے جاتے ہیں پڑھئے اور منکرین حدیث کے چیمپین پروفیسر رفیع اللہ شہاب صاحب کو ان کی

❶ تفسير ابن كثير: جلد نمبر ۲ ص ۱۹۱ و فتح القدير: جلد نمبر ۲ ص ۱۸۶.

ہمہ دانی کی داد دیجئے۔

نمبر۱: عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاهٰذِهِ الْاَضَاحِيُّ قَالَ سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ الخ. ❶

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمایا: یہ قربانیاں کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہیں۔

نمبر۲: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَاعَمِلَ آدَمِيٌّ مِّنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ الخ. وهذا حديث حسن غريب' ❷

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قربانی کے دن کسی شخص کا کوئی عمل اللہ کو اس سے زیادہ محبوب نہیں کہ خون بہائے، یعنی اس دن قربانی ہی افضل عمل ہے۔''

نمبر۳: عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَّجَدَ سِعَةً فَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرُبَنَّ مُصَلَّانَا۔ ❸

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو صاحب حیثیت ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔''

نمبر۴: حضرت براء بن عازب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عید کے دن خطبہ ارشاد فرمایا:

اِنَّ اَوَّلَ مَانَبْدَءُ بِهٖ فِيْ يَوْمِنَا هٰذَا اَنْ نُّصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرُ فَمَنْ فَعَلَ هٰذَا فَقَدْ اَصَابَ سُنَّتَنَا الخ۔ ❹

''آج کے دن ہم پہلے نماز عید پڑھتے ہیں، پھر پلٹ کر قربانی کرتے ہیں، لہٰذا جس نے اس طریقے کے موافق عمل کیا اس نے ہماری سنت پالی۔''

نمبر۵: حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَلْيُعِدْ کہ جس نے نماز عید سے پہلے قربانی ذبح کر لی ہو وہ دوبارہ قربانی کرے۔ ❺

نمبر۶: حضرت جندب بن سفیان بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: فَلْيُعِدْ مَكَانَهَا اُخْرٰى کہ جس نے نماز عید سے قبل قربانی کر لی ہو وہ اس قربانی کے بدلے دوسری قربانی کرے۔ ❻

---

❶ رواه احمد و ابن ماجه تفسير ابن كثير جلد نمبر ۳ ص ۲۲۱ و مشكوٰة ص ۱۲۹ نيل الأوطار جلد نمبر ۵ ص ۱۲۳۔

❷ تحفة الاحوذى شرح جامع ترمذى: جلد نمبر ۲ ص ۳۵۲ و ابن ماجة: ص ۲۳۳.

❸ ابن ماجة: ص ۲۳۲ ورواه احمد۔ نيل الاوطار: جلد نمبر ۵ ص ۱۲۳.

❹ صحيح بخارى باب الذبح بعد الصلوٰة جلد نمبر ۲ ص ۸۳٤ و صحيح مسلم: جلد نمبر ۲ ص ۱۵٤ و محلیٰ ابن حزم: جلد نمبر ۷ ص ۳۷۳.

❺ محلى ابن حزم ج ۷ ص ۳۵۷۔ ❻ رواه البخارى باب ذبح بعد الصلوٰه جلد نمبر ۲ ص ۸۳٤.

نمبر ۷: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سال قحط کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا تھا، اگلے سال جب ہم نے پوچھا تو فرمایا كُلُوا وَاَطْعِمُوا وَادَّخِرُوا۔ ❶ کھاؤ کھلاؤ اور ذخیرہ کرلو۔ (بعض دوستوں کا کہنا ہے کہ چونکہ ابتدا میں صحابہ کی حالت نازک تھی۔ کئی کئی دن فاقے پڑ جاتے تھے، اس لئے حضور ﷺ نے اس کو رواج دیا تھا۔ لیکن یہ بات فاقوں والی محل نظر ہے ذخیرہ کرنے کی اجازت سے پتہ چلتا ہے کہ اب فاقوں والی بات نہیں رہی اس سے پہلی امتوں میں قربانی رائج تھی، کیا وہ سب بھوکوں مر رہے تھے۔ (زبیدی)

اور موطا امام مالک رحمہ اللہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے، موطا ص ۴۹۶) باب ادخار لحوم الاضاحی

نمبر ۸: اَنَّ عُوَيْمَرَ ابْنَ اَشْقَرَ ذَبَحَ ضَحِيَّتَهُ قَبْلَ اَنْ يَغْدُوَ و يوم الْاَضْحٰى وَ اَنَّهُ ذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَهُ اَنْ يَعُوْدَ بِضَحِيَّةٍ اُخْرٰى۔ ❷

جناب عویمر رضی اللہ عنہ نے عید قربان کے دن نماز عید کو جانے سے قبل قربانی کر لی اور پھر اس بات کا ذکر آنحضرت ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے دوبارہ قربانی کرنے کا حکم دیا۔

نمبر ۹: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

اَلْاَضْحٰى يَوْمَ تُضَحُّوْنَ۔ ❸

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ اَلْاَضْحٰى يَوْمَ النَّاسِ ہیں۔ ❹ الاضحیٰ (عید قربان) وہ دن ہے جس دن لوگ قربانیاں کرتے ہیں۔

نمبر ۱۰: عَنْ حَنَشٍ قَالَ رَاَيْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهُ مَاهٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصَانِي اَنْ اُضَحِّيَ عَنْهُ فَاَنَا اُضَحِّي عَنْهُ۔ ❺

حنش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو مینڈھے قربانی کرتے دیکھا، میں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں آپ ﷺ کی طرف سے قربانی دیتا رہوں، چنانچہ میں آپ ﷺ کی طرف سے قربانی دیا کرتا ہوں۔

قربانی کے متعلق حضور ﷺ کا اپنا دس سالہ عمل مبارک

نمبر ۱: عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنْكَفَأَ اِلٰى كَبْشَيْنِ اَقْرَنَيْنِ اَمْلَحَيْنِ فَذَبَحَهُمَا بِيَدِهٖ۔ ❻

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ (نماز عید کے بعد) چتکبرے بڑے بڑے سینگوں والے دو مینڈھوں

---

❶ صحیح بخاری باب مایوکل من لحوم الاضاحی وما یتزود ج ۲ ص ۸۳۵

❷ موطا امام مالك ص ٤٩٥، باب النهي عن ذبح الاضحية قبل انصراف الامام. ❸ تحفة الاحوذی: جلد نمبر ۲ ص ۳۷ .

❹ تحفة الاحوذی ،جلد نمبر ۲ ص ۷۱.

❺ ابو داؤد مع شرح عون المعبود جلد ج ۳ ص نمبر ۳ ص ٥ تحفه الاحوذی جلد نمبر ۲ ص ۳٥٤. ❻ صحیح بخاری جلد نمبر ۲ ص ۸۳۳.

کی طرف لپکے اور ان کو اپنے ہاتھ سے قربان کیا۔"

نمبر۲: عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ يُضَحِّيْ. ❶

"رسول اللہ ﷺ مدینہ میں دس سال مقیم رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے۔"

نمبر۳: عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ اَخْبَرَهٗ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلّٰى. ❷

"نافع کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ عیدگاہ میں ہی ذبح اور نحر فرمایا کرتے تھے"۔

نمبر۴: عَنْ اَبِيْ رَافِعٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا ضَحّٰى اِشْتَرٰى كَبْشَيْنِ سَمِيْنَيْنِ اَقْرَنَيْنِ اَمْلَحَيْنِ ثُمَّ يَقُوْلُ هٰذَا عَنْ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ فَيُعْطِيْهِمَا جَمِيْعًا لِلْمَسَاكِيْنِ وَيَاْكُلُ هُوَ وَاَهْلُهٗ مِنْهُمَا. ❸

"ابو رافع سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب قربانی دیا کرتے تھے تو دو موٹے تازے سینگوں والے چتکبرے دنبے خریدا کرتے تھے۔ جب نماز اور خطبہ سے فارغ ہو جاتے تو ایک دنبہ آپ ﷺ کے پاس لایا جاتا جسے چھری سے خود ذبح کرتے، پھر دوسرا پیش کیا جاتا، اسے بھی آپ ﷺ ہی ذبح کرتے اور فرماتے یہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ کی طرف سے ہے۔" تو ان سے خود بھی کھاتے اور گھر والے بھی کھاتے اور مسکینوں کو بھی کھلاتے۔"

نمبر۵: عَنْ عُقْبَةَ ابْنِ عَامِرٍ جُهَنِيِّ قَالَ قَسَّمَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ اَصْحَابِهٖ ضَحَايَا. ❹

"عقبہ بن عامر جہنی سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کے درمیان قربانی کے جانور تقسیم فرمائے۔"

نمبر۶: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ اَزْوَاجِهٖ بِالْبَقَرِ. ❺

"آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے سفر میں گائے کی قربانی کی۔"

نمبر۷: عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ ضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ عِيْدٍ بِكَبْشَيْنِ. ❻

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے عید کے دن دو مینڈھے قربانی کئے۔"

نمبر ۸: عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَطَبَ ثُمَّ نَزَلَ فَدَعَا بِكَبْشَيْنِ فَذَبَحَهُمَا. هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ. ❼

---

❶ تحفۃ الاحوذی جلد نمبر ۲ ص ۳۵۹.

❷ صحیح بخاری: جلد نمبر ۲ ص ۸۳۳' عون المعبود جلد: نمبر ۳ ص ۵۶ تا ۵۸ و ابن ماجۃ: ص ۲۳۵.

❸ رواہ احمد و ابن ماجۃ و ابن کثیر جلد نمبر ۳ ص ۲۲۲. ❹ صحیح بخاری جلد نمبر ۲ ص ۸۳۲.

❺ صحیح بخاری جلد نمبر: ۲ ص ۸۳۲' محلی ابن حزم: جلد نمبر ۷ ص ۳۸۳.

❻ ابن ماجۃ باب اضاحی رسول اللہ ﷺ ج ۲ ص ۲۷۱.

❼ تحفۃ الاحوذی جلد نمبر ۲ ص ۳٦٤.

''حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید کا خطبہ پڑھا، پھر منبر سے اترے اور دو مینڈھے منگوائے اور ان کی قربانی کی۔''

نمبر۹: عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْدُوْ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْاَضْحٰى حَتّٰى يُصَلِّيَ فَيَاْكُلَ مِنْ اُضْحِيَتِهٖ۔ ❶

''حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عید الفطر کے دن حضور ﷺ کچھ کھائے بغیر نماز عید کے لئے نہیں نکلتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن آپ ﷺ عید گاہ سے واپسی تک کچھ نہ کھاتے تھے اور واپس آ کر اپنی قربانی کا گوشت تناول فرماتے تھے۔''

نمبر۱۰: عَنْ ثَوْبَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ ذَبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِيَّتَهٗ ثُمَّ قَالَ يَا ثَوْبَانُ اَصْلِحْ لَحْمَ هٰذِهٖ فَلَمْ اَزَلْ اُطْعِمُهٗ مِنْهَا حَتّٰى قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ۔ ❷

''حضرت ثوبان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سفر میں اپنی قربانی ذبح فرمائی، پھر مجھے فرمایا کہ اس قربانی کا گوشت سنبھال رکھو۔ میں آپ کو برابر اس کا گوشت کھلاتا رہا تا آنکہ آپ ﷺ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔''

عہد نبوی ﷺ میں قربانی کا عام رواج

نمبر۱: حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کے لئے صحابہ کرام میں جانور تقسیم فرمائے۔ ❸

اور ترمذی کی حدیث میں اتنا زیادہ ہے کہ قربانی کے لئے بکریاں تقسیم فرمائیں۔ ❹

نمبر ۲: عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ يَوْمِ نَحْرٍ فَقَالَ لَا يَذْبَحَنَّ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُصَلِّيَ۔ ❺

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الاضحیٰ کے دن ہمیں خطبہ دیا تو فرمایا: نماز عید ادا کرنے سے پہلے کوئی شخص قربانی نہ کرے۔''

نمبر ۳: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَحَضَرَ الْاَضْحٰى فَذَبَحْنَا الْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ وَّ الْبَعِيْرَ عَنْ عَشَرَةٍ۔ ❻

---

❶ رواہ احمد والترمذی وصححہ ابن حبان' سبل السلام: جلد نمبر ۲ ص ۶۵.

❷ صحیح مسلم جلد نمبر ۲ ص ۱۵۹ عون المعبود: جلد نمبر ۳ ص ۵۹.

❸ صحیح بخاری: جلد نمبر ۲ ص ۸۳۲. ❹ تحفۃ الاحوذی: جلد نمبر ۲ ص ۳۵۶. ❺ ترمذی مع تحفۃ الاحوذی: جلد نمبر ۲ ص ۳۵۹.

❻ رواہ الخمسۃ الا ابا داؤد و حسنہ الترمذی ویشھد لہ مافی الصحیحین من حدیث رافع بن خدیج انہ ﷺ قسم فعدل عشرا من الغنم ببعیر۔ نیل الاوطار: جلد نمبر ۵ ص ۱۱۵' و تحفۃ الاحوذی: جلد نمبر ۲ ص ۳۵۶.

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تھے تو سفر ہی میں عید قربان آ گئی تو ہم نے گائے میں سات سات اور اونٹ میں دس دس آدمیوں نے مل کر قربانی دی۔“

نمبر ۳: قَالَ اَبُوْ اَیُّوْبَ کَانَ الرَّجُلُ فِیْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُضَحِّیْ بِالشَّاةِ الْوَاحِدَةِ عَنْهُ وَ عَنْ اَهْلِ بَیْتِهٖ فَیَاْکُلُوْنَ وَیُطْعِمُوْنَ. ●

”حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک شخص اپنے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری قربانی کرتا تھا تو اس سے کھاتے اور کھلاتے تھے۔

قربانی کا صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثبوت

نمبر ۱: عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِیْرِیْنَ قَالَ سَاَلْتُ ابْنَ عُمَرَ عَنِ الضَّحَایَا اَ وَاجِبَةٌ؟ قَالَ ضَحّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمُوْنَ مِنْ بَعْدِهٖ وَجَرَتْ بِهِ السُّنَّةُ. ●

”محمد بن سیرین رحمہ اللہ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کیا قربانی واجب ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے قربانی کی اور آپ ﷺ کے بعد والے مسلمانوں نے قربانی کی اور قربانی کی یادگار جاری ہے۔“

نمبر ۲: قَالَ یَحْیَی بْنُ سَعِیْدٍ سَمِعْتُ اَبَا اُمَامَةَ بْنَ سَهْلٍ قَالَ کُنَّا نُسَمِّنُ الْاُضْحِیَةَ بِالْمَدِیْنَةِ وَکَانَ الْمُسْلِمُوْنَ یُسَمِّنُوْنَ. ●

”یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوامامہ سے سنا انہوں نے کہا: ہم (یعنی صحابہ) مدینہ میں قربانیاں موٹی کرتے تھے، سب مسلمان بھی یہی کرتے تھے۔“

نمبر ۳: عامر شعبی متوفی ۱۰۴ھ جیسے کبیر تابعی، جنہیں پانچ سو صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات کا شرف حاصل ہے فرماتے ہیں:

اَدْرَکْتُ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُمْ مُتَوَا فِرُوْنَ کَانُوْا یَذْبَحُوْنَ الْبَقَرَةَ وَالْبَعِیْرَ عَنْ سَبْعَةٍ. ●

”میں نے بہت سے صحابہ کو پایا ہے، وہ گائے اور اونٹ میں سات سات آدمی مل کر قربانی دیتے تھے۔“

نمبر ۴: ابراہیم نخعی تابعی متوفی ۹۶ھ فرماتے ہیں:

کَانَ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُوْنَ الْبَقَرَةُ وَالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ. ●

● رواه الترمذی وصحیحه و ابن ماجة باب من ضحی بشاة عن اهله ج۲ ۲۷۷ تفسیر ابن کثیر: جلد نمبر ۳ ص ۲۲۴ تحفة الاحوذی: جلد نمبر ۲ ص ۳۵۷۔ ● ابن ماجة: ص ۲۳۲۔ ● صحیح بخاری: جلد نمبر ۲ ص ۸۳۳ و ابن کثیر: جلد نمبر ۳ ص ۲۱۹۔
● محلی ابن حزم: جلد نمبر ۷ ص نمبر ۳۸۲۔ ● محلی ابن حزم: جلد نمبر ۷ ص نمبر ۲۸۳۔

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم گائے اور اونٹ کی قربانی میں سات سات اجنبی حصہ داروں کی شراکت کے قائل تھے۔

نمبر۵: اَمَرَ اَبُوْ مُوْسٰی بَنَاتِہٖ اَنْ یُّضَحِّیْنَ بِاَیْدِیْھِمْ۔ ❶

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنی بیٹیوں کو حکم دیتے کہ وہ اپنے ہاتھوں سے قربانی ذبح کریں۔

نمبر۶: حضرت عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم عیدالاضحیٰ کے خطبہ میں عید اور قربانی کے مسائل بیان فرمایا کرتے تھے۔ ❷

نمبر۷: عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَاللّٰہِ بْنَ عُمَرَ ضَحّٰی مَرَّۃً بِالْمَدِیْنَۃِ قَالَ نَافِعٌ فَاَمَرَنِیْ اَنْ اَشْتَرِیَ لَہٗ کَبْشاً فَحِیْلاً اَقْرَنَ ثُمَّ اَذْبَحُہٗ یَوْمَ الْاَضْحٰی فِیْ مُصَلَّی النَّاسِ قَالَ نَافِعٌ فَفَعَلْتُ ثُمَّ حُمِلَ اِلٰی عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ وَ کَانَ مَرِیْضًا لَمْ یَشْھَدِ الْعِیْدَ مَعَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ ❸

''حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں قربانی کی۔ نافع کہتے ہیں کہ چنانچہ مجھے حکم دیا کہ میں آپ کے لئے موٹا تازہ سینگ دار مینڈھا خریدوں، پھر اسے عیدالاضحیٰ کے روز عیدگاہ میں ذبح کروں۔ میں نے ایسا ہی کیا، پھر وہ ذبح کیا ہوا مینڈھا آپ کے پاس پہنچا دیا اور آپ اس دن صاحب فراش تھے حتیٰ کہ مسلمانوں کے ساتھ نماز عید میں بھی شرکت نہ کر سکے تھے۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں قربانی کی کس قدر اہمیت تھی کہ بیماری کی وجہ سے نماز عید میں شریک نہ ہو سکے، لیکن قربانی فوت نہیں ہونے دی۔

حاصل احادیث:

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ اور بکثرت دوسری احادیث جو طوالت کے خوف سے تحریر نہیں کی گئیں سب کی سب اپنے مضمون میں متفق ہیں اور ان سے دس نکات حاصل ہوتے ہیں۔

۱: رسول اللہ ﷺ نے امت کو عیدالاضحیٰ کی قربانی کا حکم دیا۔

۲: خود وفات تک برابر دس سال اس پر عمل فرمایا اور اپنی وفات سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی کہ میری طرف سے قربانی کرتے رہنا۔ اللہ اکبر! رسول اللہ ﷺ کو اپنے جدامجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت سے کس قدر پیار تھا۔

۳: مسلمانوں میں اس کو سنت الاسلام اور شعار دین کی حیثیت سے رواج دیا۔

۴: عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھنے کے بعد قربانی ذبح کرنا سنت المسلمین ہے۔

۵: رسول اللہ ﷺ غریب صحابہ میں قربانی کے جانور تقسیم فرماتے تھے، تاکہ وہ بھی اس سنت پر عمل درآمد کی سعادتوں سے ہم کنار ہو سکیں۔

۶: عید قربان کے دن عیدگاہ سے واپسی تک کچھ نہ کھانا چاہیے اور واپس آکر اپنی قربانی کے گوشت کے ساتھ کھانا سنت ہے۔

❶ صحیح بخاری، جلد نمبر ۲ ص نمبر ۸۳۴.

❷ صحیح بخاری ج۲ ص ۸۳۴ صحیح بخاری: جلد نمبر ۲ ص نمبر ج ۲ ص ۱۵۷ و مسلم: جلد نمبر ۲ ص نمبر ۱۵۷

❸ موطا امام مالک: ص نمبر ۴۹۵.

۷: سفر کے دوران بھی صحابہ ﷢ اور رسول اللہ ﷺ قربانی ترک کرنا گوارا نہ فرماتے تھے۔

۸: اونٹ کی قربانی میں دس دس اور گائے کی قربانی میں سات سات حصہ داروں کی شرکت جائز ہے۔

۹: صحابہ کرام ﷢ کے زمانہ میں قربانی کا عام رواج تھا، گویا قربانی افزائش نسل کا سبب بن گئی اور آج بھی اس طرز عمل سے مویشیوں کی نسل میں برکت آ سکتی ہے۔ مگر ہمارا المیہ یہ ہے کہ صرف شعائر اسلام پر اعتراض کرنا جانتے ہیں۔ عمل کرنا نہیں جانتے۔

۱۰: صحابہ کرام ﷢ بیماری کے باوجود قربانی فوت نہیں ہونے دیتے تھے۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ قربانی کے منکرین کے اس دعویٰ میں قطعاً کوئی صداقت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو قربانی کا حکم نہیں دیا تھا۔ فافهم ولا تكن من القاصرين المعاندين۔

ملحوظہ:

یہ بھی ملحوظ رہے کہ کوئی ایک ضعیف سے ضعیف تر روایت بھی کہیں موجود نہیں ہے، جو یہ بتاتی ہو کہ عید قربان کی یہ قربانی رسول اللہ ﷺ کی سنت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات پھر جان لینی چاہیے کہ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ میں نہ کوئی عید الاضحیٰ منائی جاتی ہے اور نہ کوئی نماز قربانی سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ اس لئے ان تمام احادیث میں ہے۔ بس اس عید اور قربانی کا بیان ہے۔ جو مکہ مکرمہ سے باہر ساری دنیا میں ہوتی ہے۔

ایں رہ منزل قدس است میندیش وبیا
میل ازیں راہ خطا باشد جین تانکن

منکرین قربانی سے ایک سوال

سطور بالا میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ﷢ کے قول وعمل میں سے ان چند احادیث واقوال صحابہ ﷢ کو زیب قرطاس بنایا گیا ہے، جن سے بہ سہولت تام یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ عہد رسالت اور عہد صحابہ ﷢ میں قربانی کا تصور کیا تھا اور اس پر عمل پیرا ہونے کا طریقہ کیا تھا۔

یہ احادیث اصول روایت اور اصول درایت دونوں لحاظ سے اس قدر تسلی بخش ہیں کہ ان پر کوئی نقد و جرح ممکن نہیں۔

اب پروفیسر رفیع اللہ شہاب اور ان جیسے دوسرے تحقیق گزیدہ دانشور جو آج مسئلہ قربانی کو اپنی نئی نئی تجویزوں کا نشانہ بنا رہے ہیں اور مسلمانوں کو قربانی سے متنفر کرنے کے لئے ایک نیا اختراعی تصور پیش کرنے میں جتے ہوئے ہیں وہ یا تو ثابت کریں کہ یہ تمام حدیثیں جن سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام ﷢ کا طرز عمل واضح ہوتا ہے سرے سے وضعی اور خانہ ساز ہیں اور ان احادیث کو (معاذ اللہ) فلاں مولوی نے فلاں دور میں وضع کیا تھا یا کسی قدیم نوشتہ سے ان کو نقل کیا تھا۔ اور پھر انہیں بڑی چابک دستی کے ساتھ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم ﷭ اور دیگر محدثین کے کانوں

میں پھونک دیا تھا اور ان نیک دل ائمہ کرام نے بالاتفاق اور بے چوں چراں بغیر کسی تحقیق وتمحیص کے ان موضوع روایات کو اپنی کتابوں کی زینت بنا دیا بس یہ اصلیت ہے۔ مؤطا امام مالک' کتاب الام الشافعی' مسند احمد' صحیح بخاری' صحیح مسلم' اور سنن اربعہ کی ان روایات کی' اگر یہ بات ان تحقیق گزیدہ افراد سے ثابت نہ ہو سکے' اور وہ ہرگز ثابت نہ کر سکیں گے' تو پھر ان کو یہ بتانا چاہیے کہ مسئلہ قربانی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے روشن طرز عمل کے ہوتے ہوئے ان کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ وہ قربانی کے متعلق اپنا بناسپتی متبادل طرز عمل ملت اسلامیہ کے سامنے پیش کرتے پھریں ؎

مسلم از سر نبی بے گانہ شد
باز ایں بیت الحرام بت خانہ شد

قربانی اور فقہاء مذاہب کا اتفاق

مسئلہ قربانی کے متعلق فقہائے کرام کی رائے اور ان کے مذاہب مکمل شرح وبسط کے ساتھ ان کی کتابوں میں موجود ہیں اور قربانی کی مشروعیت، یعنی اس کے شرعی حکم ہونے پر تمام فقہائے اسلام متفق ہیں۔ مؤلفین صحاح ستہ نے اپنی اپنی صحیح میں قربانی کے لئے مستقل باب باندھے ہیں۔ اور اس طرح حنفی' مالکی' شافعی' حنبلی اور ظاہری مسلک کی کلیدی کتب میں بھی یہی انداز پایا جاتا ہے۔ یہ کتاب الاضاحی یا کتاب الضحایا (قربانیوں کا باب) کے نام سے موسوم کئے گئے ہیں۔

علاوہ ازیں فقہائے مذاہب کی متداول کتابوں میں کتاب الضحایا کو کتاب الذبائح (ذبیحوں) کے بیان کے بعد متصل لکھا گیا ہے۔

حالانکہ باب الہدی (حاجی کی قربانی کا باب) کو تمام فقہاء کتاب الحج میں لائے ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ فقہائے مذاہب حاجی کے علاوہ تمام مسلمانوں کے لئے عام قربانی کے بھی قائل ہیں اور کتاب الضحایا میں وہ اس قربانی کے احکام درج کرتے ہیں اور قربانی کی اس قسم کو وہ حج یا مکہ کے ساتھ مخصوص نہیں جانتے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ باب بھی کتاب الحج کے ضمن میں مذکور ہوتا۔ اس ضروری وضاحت کے بعد ائمہ مذاہب کی آراء سامیہ ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور قربانی

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں۔ أَمَّا الْوُجُوبُ يَقُولُ أَبُو حَنِيفَةَ وَ مُحَمَّدٌ وَزُفَرُ وَالْحَسَنُ وَإِحْدَى الرِّوَايَتَيْنِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ هدايه: جلد نمبر ٤ ص ٤٤٣۔ امام ابوحنیفہ' امام محمد' زفر' امام حسن اور ایک روایت کے مطابق امام ابو یوسف قربانی کو واجب کہتے ہیں۔"

مزید تفصیل کے لئے مبسوط سرخسی جلد نمبر ۱۲ ص نمبر ۷ بدائع الصنائع للکاسانی حنفی جلد نمبر ۵ ص نمبر ۶۱، ۶۲ و فتح القدیر جلد نمبر ۸ ص ۴۲۵ و ردالمختار جلد نمبر ۶ ص نمبر ۳۱۱ تا ۳۱۳ عمدۃ القاری جلد نمبر ۱۲ ص ۱۴۴۔

امام مالک رحمہ اللہ

متوفی ۱۷۹ھ فرماتے ہیں: اَلضَّحِيَّةُ سُنَّةٌ وَّلَيْسَتْ بِوَاجِبَةٍ وَّلَا اُحِبُّ لِاَحَدٍ مِّمَّنْ قَوِيَ عَلٰى ثَمَنِهَا اَنْ تَرَكَهَا. ❶

"قربانی سنت ہے، واجب نہیں ہے اور جو شخص قربانی خرید سکتا ہے، اس کے لئے قربانی ترک کرنا اچھا نہیں۔"

بدایۃ المجتهد لابن رشد مالکی میں ہے: وروى عن مالك مثل قول ابى حنيفة (جلد نمبر ۱ ص ۳۱۴) اور امام مالک سے امام ابوحنیفہ کے موافق قول نقل کیا گیا ہے، یعنی وہ بھی قربانی کے وجوب کے قائل ہیں۔

مجدد شریعت امام شافعی رحمہ اللہ

متوفی ۲۰۴ھ فرماتے ہیں: اَلضَّحَايَا سُنَّةٌ لَا نُحِبُّ تَرْكَهَا۔ (کتاب الام: جلد نمبر ۲ ص نمبر ۱۸۹)

"قربانیاں سنت ہیں۔ ہم قربانی کے ترک کو پسند نہیں کرتے۔"

مزید تفصیل نووی شرح صحیح مسلم: جلد نمبر ۲ ص نمبر ۱۵۳ اور نیل الاوطار: جلد نمبر ۵ ص نمبر ۱۲۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

قَالَ الشَّافِعِيُّ وَ اَحْمَدُ هِيَ مُسْتَحَبَّةٌ اِلَّا اَنَّ اَحْمَدَ قَالَ لَا يُسْتَحَبُّ تَرْكُهَا مَعَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهَا. ❷

"امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک قربانی مستحب ہے، تاہم امام احمد نے کہا ہے کہ استطاعت کے ہوتے ہوئے اس کا ترک مستحب امر نہیں۔" شیخ الاسلام موافق الدین ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۶۲ھ نے قربانی کو سنت مؤکدہ لکھا ہے۔ ❸

امام ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ

متوفی ۴۵۶ھ فرماتے ہیں: اَلْاُضْحِيَةُ سُنَّةٌ حَسَنَةٌ وَّلَيْسَتْ فَرْضاً وَّمَنْ تَرَكَهَا غَيْرُ وَاجِبٍ عَنْهَا فَلَا حَرَجَ عَلَيْهِ فِي ذٰلِكَ. ❹

---

❶ موطا امام مالك: ص نمبر ۴۹۷. ❷ الافصاح على المذاهب الاربعة لا بن هبيرة الحنبلى متوفى ۵۶۰، جلد نمبر ۱ ص نمبر ۳۰۵.
❸ عمدة الاحكام مع شرح المقنع: جلد نمبر ۱ ص نمبر ۴۸۱. ❹ محلى ابن حزم: (جلد نمبر ۷ ص نمبر ۳۵۷.

''قربانی سنت حسنہ ہے، فرض نہیں۔ اگر کوئی شخص کسی وقت اس نیت سے چھوڑ دے کہ یہ فرض نہیں تو اس کو اس عمل پر کوئی حرج نہیں ہوگا (البتہ سنت کا تارک ضرور ہوگا جو سراسر حرماں نصیبی ہے)

علامہ عبدالرحمٰن جزائری لکھتے ہیں:

وَاَمَّا حُكْمُهَا فَهُوَ السُّنَّةُ فَالْاُضْحِيَةُ سُنَّةٌ مُؤَكَّدَةٌ يُثَابُ فَاعِلُهَا وَلَا يُعَاقَبُ تَارِكُهَا وَهٰذَا الْقَدْرُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ فِي الْحَقِيقَةِ وَلٰكِنْ قَالُوا الحنيفة اَنَّهَا سُنَّةٌ عَيْنٌ مُؤَكَّدَةٌ وَلَا يُعَذَّبُ تَارِكُهَا بِالنَّارِ. ❶

''قربانی سنت مؤکدہ ہے، قربانی کرنے والے کو ثواب ہوگا اور قربانی کے تارک کو عذاب نہ ہوگا، اتنی بات پر تو سب فقہاء کا اتفاق ہے، تاہم احناف کے نزدیک قربانی سنت مؤکدہ عینی ہے' تارک کے لئے وہ عذاب کے قائل نہیں۔''

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ عسقلانی شافعی ف۸۵۲ھ کا تفصیلی نوٹ

وَلَا خِلَافَ فِي كَوْنِهَا مِنْ شَعَائِرِ الدِّيْنِ. ❷

کہ اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں کہ قربانی شعائرِ اسلام میں سے ہے۔

اور فقہاء اس شخص کو کافر کہتے ہیں جو اصل قربانی کا انکار کرے، چنانچہ علامہ ابن نجیم البحرالرائق میں لکھتے ہیں۔

وَيُكَفَّرُ بِاِنْكَارِهِ اَصْلَ الْوِتْرِ وَالْاُضْحِيَةِ. ❸

''اور وہ شخص کافر ہو جائے گا جو سرے سے وتر یا قربانی کا انکار کرے۔''

فرماتے ہیں ائمہ اسلام کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ قربانی شعائرِ اسلام سے ہے۔ اختلاف صرف اتنا ہے کہ شوافع اور جمہور کے نزدیک قربانی سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے اور ایک روایت کے مطابق شوافع کے نزدیک فرض کفایہ ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہے۔ مگر صرف آسودہ حال پر (مسافر اور حاجی پر نہیں) امام مالک کے نزدیک بھی یہی قول منقول ہے، ایک روایت کے مطابق۔

لیکن امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مسافر پر بھی قربانی واجب ہے اور امام اوزاعی رحمہ اللہ' امام ربیعہ رحمہ اللہ اور امام لیث سے بھی امام مالک کے قول کے مطابق فتویٰ منقول ہے۔

البتہ احناف میں سے امام یوسف اور مالکیہ میں سے امام اشہب رحمہ اللہ نے اپنے ائمہ سے اختلاف کرتے ہوئے جمہور سے اتفاق کیا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا جس شخص میں قربانی دینے کی استطاعت ہو پھر اس کا قربانی نہ دینا مکروہ امر ہے۔ اور امام محمد بن

---

❶ الفقة على المذاهب الاربعة، جلد نمبر ١ ص نمبر ٧١٦. ❷ فتح البارى: ج ١٠ ص ٢.

❸ البحر الرائق: ج ٥ ص ١٣١.

حسن شیبانی رحمہ اللہ سے روایت یوں ہے کہ قربانی سنت ہے لیکن اس سنت کے ترک کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ ❶

شیخ احمد بن یحییٰ زیدی شیعہ

متوفی ۸۴۰ھ لکھتے ہیں:

وَهِيَ مَشْرُوْعَةٌ إِجْمَاعًا لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ) وَقَوْلِهِ (عَظِّمُوْا ضَحَايَاكُمْ) وَنَحْوُهُ۔ ❷

کہ قربانی باجماع امت مشروع ہے۔ مزید لکھتے ہیں۔ قلنا اخبارنا دلیل علی انه للندب، (البحر الزخار) جلد نمبر ۵ ص نمبر ۳۱۱۔ ہماری پیش کردہ احادیث کے مطابق قربانی ایک مستحب امر ہے۔

شیخ صدوق محمد بن علی بن بالویہ القمی شیعہ متوفی ۳۸۱ھ

عَنْ أَبِيْ جَعْفَرٍ قَالَ اَلْأُضْحِيَةُ وَاجِبَةٌ عَلَى مَنْ وَّجَدَ مِنْ صَغِيْرٍ أَوْكَبِيْرٍ وَّهِيَ سُنَّةٌ مَنْ لَايَحْضُرُهُ الْفَقِيْهُ. جلد نمبر ۲ ص نمبر ۲۹۲ باب الاضاحی۔

حضرت ابوجعفر باقر فرماتے ہیں کہ قربانی سنت ہے اور چھوٹے بڑے صاحب استطاعت پر قربانی کرنا ضروری امر ہے۔

ان فقہی حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ قربانی کے مشروع اور مسنون ہونے پر تمام شیعہ سنی فقہائے اسلام کا اجماع واتفاق ثابت ہے اور کسی ایک فقیہ کا قول بھی اس کے خلاف نہیں ملتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ پروفیسر صاحب کا دعویٰ نرا مغالطہ سراسر دھوکہ اور مسلمانوں کو قربانی سے متنفر کرنے کی ایک عامیانہ جسارت ہے۔ اگر اب بھی ان کو اپنے اس ادعا پر ناز ہو تو پھر ہمیں بھی اپنے ان فقہاء کا اتہ پتہ دیں۔ جو قربانی کے مشروع اور مسنون ہونے کے قائل نہیں۔ کون ہیں؟ کتنے ہیں؟ سنی ہیں؟ یا شیعہ ہیں؟ سنی ہیں تو وہ فقہائے اہل حدیث میں سے ہیں یا فقہاء مذاہب اربعہ میں سے ہیں۔ اگر شیعہ ہیں تو کون سے ہیں؟ ان کا علمی چوکھٹا کیسا ہے؟ ان کا وہ کون سا فقہی سرمایہ ہے جس میں انہوں نے قربانی کی مشروعیت سے انکار یا اختلاف کیا ہے؟ تاکہ ہم بھی ان کے مؤقف کا جائزہ لے سکیں۔ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ.

لاؤ تو قتل نامہ ذرا ہم بھی دیکھ لیں
کس کس کی مہر ہے سر محضر لگی ہوئی

❶ فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد نمبر ۱۰ ص ۲.

❷ البحر الذخار جلد نمبر ۵ ص نمبر ۳۱۰.

اور یہ بھی یاد رکھئے! مذکورہ بالا فقہائے اسلام کا یہ اجماع و اتفاق قربانی کے مشروع و مسنون امر ہونے پر بذات خود ایک مستقل اور ناقابل انکار شہادت ہے۔

کیونکہ ان فقہائے کرام کا زمانہ عہد نبوت اور عہد صحابہ سے اتنا قریب ہے کہ وہ بڑی آسانی سے شرعی احکام و مسائل پر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل معلوم کر سکتے تھے کہ تحقیق و تفحص کے تمام ذرائع موجود تھے۔

دیکھئے: ائمہ اربعہ کے زمانہ ولادت و وفات کا نقشہ یہ ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ولادت ۸۰ھ وفات ۱۵۰ھ' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ولادت ۹۳ھ وفات ۱۷۹ھ' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ولادت ۱۵۰ھ وفات ۲۰۴ھ' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ولادت ۱۶۴ھ اور وفات ۲۴۱ھ ہے۔ مثلاً: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مسئلہ قربانی کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث صرف دو راویوں کے واسطہ سے نقل فرمائی ہے، یعنی امام مالک نے ابن زبیر کی سے انہوں نے جابر بن عبداللہ سلمی رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے وہ حدیث سنی۔ (مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ص نمبر ۴۹٦)

اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے قربانی کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و آثار صرف ایک واسطہ سے روایت کئے ہیں۔ یعنی امام مالک نے قربانی کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا طرز عمل اور ان کے آثار صرف ایک تابعی حضرت نافع کے واسطہ سے روایت کئے ہیں۔ (مؤطا ص نمبر ۴۹۵ تا نمبر ۴۹۷)

امام ابوحنیفہ تو امام مالک سے تیرہ برس بڑے ہیں' آپ کا مولد و مسکن شہر کوفہ رہا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دارالخلافہ تھا۔

امام ابوحنیفہ کی ولادت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے درمیان صرف چالیس برس کا فاصلہ ہے۔ امام موصوف کے زمانے میں ایسے لوگ ہزار در ہزار موجود تھے۔ جنہوں نے خلفائے راشدین کا عہد اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت پائی تھی۔ ایسے میں ان فقہاء کے بارے میں کوئی یہ تصور کر سکتا ہے کہ ان کو یہ معلوم کرنے میں کوئی مشکل آڑے آ سکتی تھی کہ قربانی کا یہ طرز عمل کب سے اور کیسے رائج ہوا اور کس نے اسے رواج دیا۔

یہی حالت پہلی اور دوسری صدی ہجری کے تمام فقہاء کی ہے۔ ان سب کا زمانہ عہد نبوت اور عہد صحابہ سے اتنا قریب تھا کہ ان کے لئے سنت اور بدعت کے درمیان تفریق کرنا یا امتیاز کرنا کوئی بڑا مشکل امر نہ تھا۔

اور وہ آسانی کے ساتھ اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو سکتے تھے کہ جو عمل سنت نہ ہو اسے سنت باور کر سکیں۔

امت کا تواتر عمل

قربانی کے مشروع و مسنون عمل ہونے پر اس شہادت کے علاوہ ایک اور اہم ترین شہادت امت کے متواتر عمل کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے عید الاضحیٰ اور اس کی قربانی جس روز سے شروع فرمائی اس روز سے وہ امت مسلمہ میں عملاً رواج پا گئی۔

اور اس تاریخ سے آج تک دنیا کے تمام اطراف و اکناف میں تمام مسلمان ہر سال مسلسل اس پر عمل کرتے چلے آ رہے

ہیں۔اس کے چودہ سو انتیس سال کے تسلسل میں کبھی ایک سال کا انقطاع بھی واقع نہیں ہوا ہے۔ ہر نسل نے پہلی نسل سے اس کو سنت المسلمین کے طور پر لیا ہے اور اپنے سے بعد والی نسل کی طرف اسے منتقل کیا ہے۔ یہ ایک ایسی عالم گیر سنت ہے جو ایک ہی انداز میں دنیا کے ہر شہر اور ہر قریہ میں اور محلّہ میں ادا ہوتی چلی آ رہی ہے۔

اور یہ ایک ایسا متواتر عمل ہے، جس کی زنجیر ہمارے عہد سے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک تک اس طرح مسلسل قائم ہے کہ اس کی ایک کڑی بھی کہیں سے غائب نہیں ہوئی۔

دراصل یہ ویسا ہی تواتر ہے۔جس تواتر کے برتے پر ہم نے قرآن کو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب مانا ہے اور عرب کے دو یتیم محمد بن عبداللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا آخری رسول تسلیم کیا ہے۔

کوئی فتنہ گر اِس تواتر کو بھی اگر مشکوک قرار دینے کی ٹھان لے تو پھر اسلام میں کون سی چیز شر سے محفوظ رہ سکتی ہے ؎

ان حسینوں کا لڑکپن ہی رہے یا اللہ
ہوش آتا ہے تو آتا ہے ستانا دل کا

مختصر یہ کہ قربانی کی اصل نوعیت یہ ہرگز نہیں کہ ہماری تاریخ کا کوئی دور ایسا گزرا ہو جس میں کسی معتمد علیہ فقیہ نے قربانی ایسی سنت مؤکدہ کو مشکوک ٹھہرایا ہو۔ الحمد للّٰہ علی ذالك

مغالطہ نمبر ۵:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ اول اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ثالث نے اپنی تمام زندگی میں عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی نہیں کی۔محض اس لئے کہ پیروکار یہ نہ سمجھ لیں کہ قربانی ایک واجب عبادت ہے۔ ❶

جواب: اس اثر سے یہ استدلال کرنا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک عید الاضحیٰ کی قربانی کی مشروعیت محل نظر تھی، بوجوہ غلط محض اور سراسر خلاف واقعہ ہے۔

نمبر ا: اول اس لئے کہ چونکہ امام ربیعہ، امام ثوری، امام لیث، امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ قربانی کے وجوب کے قائل تھے، لہٰذا امام ابن حزم رحمہ اللہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ وغیرھم صحابہ کے یہ آثار پیش کر کے قائلین وجوب کے علی الرغم یہ ثابت کر رہے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قربانی کا وجوب ثابت نہیں، جیسا کہ موصوف اس صفحہ پر یہ تصریح فرماتے ہیں: لَا يَصِحُّ عَنْ اَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ اَنَّ الْاُضْحِيَةَ وَاجِبَةٌ. ❷

امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کا یہی مطلب بیان فرمایا ہے۔ ❸

جیسا کہ یہ حقیقت آپ کے پیش کردہ ترجمہ کی خط کشیدہ عبارت سے بھی صاف واضح ہے۔جس پر آپ نے نہ جانے

❶ محلی ابن حزم جلد نمبر ۷ ص ۳۵۸.
❷ المحلی: جلد نمبر ۷ ص نمبر ۳۵۸.
❸ کتاب الام: جلد نمبر ۲ ص نمبر ۱۸۹.

کیوں غور نہیں فرمایا۔

امام محمد بن اسماعیل الامیر متوفی ۱۱۸۲ھ نے بھی ان آثار کا یہی مطلب متعین فرمایا ہے۔

وَاَفْعَالُ الصَّحَابَةِ دَالَّةٌ عَلٰى عَدَمِ الْاِيْجَابِ۔ ❶

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طرز عمل قربانی کے عدم وجوب پر دلالت کرتا ہے۔''

قربانی سنت مؤکدہ ہے

ثانی اس لئے کہ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' تابعین اور فقہاء کی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی عید الاضحیٰ کی قربانی کا سنت مؤکدہ ہونا ثابت ہے، جیسا کہ:

نمبر۱: امام نووی متوفی ۶۷۶ھ تصریح فرماتے ہیں کہ صاحب استطاعت پر عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی ذبح کرنا سنت ہے۔حضرت ابوبکر' عمر' بلال' ابومسعود اور سعید بن مسیب رضی اللہ عنہم، علقمہ' اسود' عطاء وغیرہ تابعین اور امام مالک' امام احمد' امام ابویوسف' امام اسحاق' امام ابوثور' امام مزنی' امام ابن منذر اور امام ابوداؤد ظاہری رحمہم اللہ وغیرہ فقہاء کا یہی مذہب ہے۔ ❷

نمبر۲: امام ابن قدامہ مقدسی متوفی ۶۷۲ھ لکھتے ہیں کہ اکثر اہل علم کے نزدیک قربانی سنت مؤکدہ ہے، واجب نہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ' فقہاء میں سے امام شافعی اور امام اسحاق رحمہ اللہ وغیرہ فقہاء سے یہی مروی ہے۔ ❸

نمبر۳: شیخ احمد بن یحییٰ زیدی شیعہ متوفی ۸۴۰ھ لکھتے ہیں:

مسئلہ: (عم ابومسعود البدری بلال' ابن مسیب عطاء علقمہ الاسود) ثم (و مدحق س فر) ھی سنۃ مؤکدۃ (البحر الذخار جلد نمبر ۵ ص ۳۱۱) حضرت ابوبکر' حضرت عمر' عبداللہ بن عمر' ابومسعود بدری' اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم' سعید بن مسیب' عطاء علقمہ' عترت' احمد بن حنبل' اسحاق' شافعی' ابویوسف اور محمد رحمہم اللہ کے نزدیک قربانی سنت مؤکدہ ہے۔

مزید تفصیل نیل الاوطار جلد نمبر ۵ ص نمبر ۱۲۶ میں پڑھئے۔

نمبر۴: امام محمد بن اسماعیل الامیر۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ' حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت ابن عباس اور بلال کے آثار پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ وَالرِّوَايَاتُ عَنِ الصَّحَابَةِ فِيْ هٰذَا الْمَعْنٰى كَثِيْرَةٌ دَالَّةٌ عَلٰى اَنَّهَا سُنَّةٌ (سبل السلام جلد نمبر ۴ ص ۹۱) ''صحابہ کرام سے ایسی بہت سی روایات مروی ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ عید الاضحیٰ کی قربانی سنت مؤکدہ ہے۔

❶ سبل السلام: جلد نمبر ٤ ص نمبر ٩١.

❷ نووی: جلد نمبر ٢ ص نمبر ١٥٣.

❸ مغنی ابن قدامه مع شرح الكبير: جلد نمبر ٢ ص نمبر ٥٨١.

ثالث: اس لئے کہ آپ کی پسندیدہ کتاب محلی ابن حزم میں ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ وغیرہ ۱۳ ذوالحج تک قربانی ذبح کرنے کے جواز کے قائل تھے۔ ❶

ب: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ گائے اور اونٹ کی قربانی میں سات سات حصہ داروں کی شراکت کے قائل تھے۔ اَنَّ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَلَّذِيْنَ بِالْكُوْفَةِ اَفْتَوْنِيْ فَقَالُوْا نَعَمْ قَالَهُ النَّبِيُّ ﷺ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ رضی اللہ عنہما قَالَهُ الشَّعْبِيُّ. ❷

علاوہ ازیں حضرت عمرؓ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم عیدالاضحیٰ کے خطبہ میں قربانی کے مسائل بیان فرماتے تھے۔ ❸

سوال یہ ہے کہ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ اول اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی اپنی زندگی بھر عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی نہیں کرتے تھے تو پھر وہ تین دن تک قربانی کے قائل کیوں تھے؟ گائے اور اونٹ کی قربانی میں سات سات اجنبی حصہ داروں کی شراکت کا فتویٰ کس بنا پر دیتے تھے؟ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ثالث اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ رابع عیدالاضحیٰ کے خطبہ میں قربانی کے جو مسائل بیان فرماتے تھے۔ کیا یہ محض دل بہلاوا تھا۔ اگر آپ محلی کی کتاب الاضاحی پر ایک سرسری نظر ڈال لینے کی زحمت گوارا فرما لیتے تو آپ کو ان مغالطوں اور غلط بیانیوں سے نجات مل جاتی اور انکار سنت کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارنے سے بھی بچ جاتے۔ ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے

رابع: اس لئے کہ اس اثر میں ایسا کوئی جملہ موجود نہیں جس کا ترجمہ زندگی بھر کیا جا سکے، بلکہ یہ الفاظ پروفیسر نے اپنی طرف سے ایزاد کئے ہیں، محلی ابن حزم کے الفاظ میں ترک قربانی کی مدت بیان نہیں کی گئی۔

تاہم مبسوط سرخسی میں اس کی کل مدت سال دو سال بیان کی گئی ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

وَعَنْ اَبِيْ بَكْرٍ وَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا كَانَا لَا يُضَحِّيَانِ السَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ مَخَافَةَ اَنْ يَّرَاهَا النَّاسُ وَاجِبَةً. ❹ نیز بدائع الصنائع جلد نمبر ۵ ص نمبر ۶۲ اور فتح القدیر جلد نمبر ۸ ص نمبر ۴۲۸ میں حنفی علماء نے یہی لکھا ہے۔

خامس: اس لئے کہ مانا کہ شیخین نے زندگی بھر کبھی قربانی نہیں کی، لہٰذا بغرض تسلیم ان کا یہ فعل چونکہ احادیث صحیحہ مذکورہ بالا کے خلاف ہے۔ لہٰذا ان کا یہ فعل شرعاً حجت نہیں۔

اللہ تعالیٰ امام ابن حزم رحمہ اللہ کو جزائے خیر دے کتنی پتے کی بات کہہ گئے ہیں:

❶ محلی: جلد نمبر ۰۷ ص ۳۷۸۔
❷ محلی ابن حزم: جلدنمبر ۷ ص ۳۸۲۔
❸ صحیح بخاری: جلد نمبر ۲ ص نمبر ۸۳۵ وصحیح مسلم: جلد نمبر ۲ ص نمبر ۱۵۷۔
❹ مبسوط جلد نمبر ۱۲ ص نمبر ۱۰۔

لَا حُجَّةَ فِیْ اَحَدٍ دُوْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ. ❶

مغالطہ نمبر ۶: حضرت ابن عباس نے کبھی قربانی نہیں کی:

ایک مرتبہ عیدالاضحیٰ کے روز ان سے قربانی کرنے کی رائے لی گئی تو انہوں نے فوراً اپنے ملازم کو بازار بھیجا کہ دو درہم کا گوشت لے آئے اور سب کو بتا دے کہ یہ گوشت اس قربانی کا ہے جو ابن عباس نے کی ہے۔ بدایۃ المجتہد علامہ ابن رشد قرطبی: (جلد نمبر ۱ ص ۳۱۴)

جواب: حضرت ابن عباس کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے قربانی نہیں کی ان پر بہتان اور افتراء ہے۔

علامہ ابن رشد قرطبی متوفی ۵۹۵ھ کی بدایۃ المجتہد کتاب الضحایا اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ ہم نے بنظر امعان اور بہ نگاہ انصاف اسے متعدد دفعہ پڑھا ہے، ہمیں تو اس پوری بحث میں ایسا کوئی جملہ نہیں ملا جس سے یہ مترشح ہوتا ہو کہ حضرت نے کبھی قربانی نہیں کی۔ اگر پروفیسر صاحب میں اخلاقی جرأت ہے تو اپنے اس مدعا کا ثبوت پیش فرما دیں، ورنہ اپنی خط کشیدہ اختراعی اور وضعی عبارت واپس لینے کا اعلان فرما دیں۔

جہاں تک بازار سے گوشت منگوانے کا تعلق ہے تو اس کے متعلق گزارش ہے۔

نمبر ۱: ابن عباس رضی اللہ عنہ قربانی کے وجوب کے قائل نہ تھے، بلکہ دوسرے جمہور صحابہ کی طرح وہ بھی قربانی کو سنت مؤکدہ سمجھتے تھے، جیسا کہ علامہ ابن رشد لکھتے ہیں: وَمَذْهَبُ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنْ لَا وُجُوْبَ. ❷

نمبر ۲: پھر یہ اثر بلا سند ہے، لہٰذا کچھ پتہ نہیں کہ یہ اثر صحیح ہے یا ضعیف۔

ہاں محلیٰ ابن حزم میں یہ اثر باسند منقول ہے، لیکن اس کا ایک راوی ابو معشر نجیح بن عبداللہ ضعیف ہے۔ لہٰذا ایسے ضعیف اثر کو معرض استدلال میں پیش کرنا کارکودکاں اور بچگانہ حرکت ہے۔

نمبر ۳: علاوہ ازیں یہ اثر درایت کے لحاظ سے بھی قابل استدلال نہیں کیونکہ قابل غور اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہمارے ملک میں انکار سنت کے متعدد منظم ادارے سنت کے خلاف معرکہ آراء ہیں اور اپنی تمام فکری اور مادی توانائیاں میدان میں جھونک چکے ہیں، لیکن پھر بھی الحمد للہ تعالیٰ قربانی کے ایام میں پاکستان کے کسی بازار میں گوشت فروخت ہوتا نظر نہیں آیا۔

اندریں صورت صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد کے بارے میں جو کہ سراپا خیر و برکت کا زمانہ تھا یہ باور کر لینا کہ قربانی کے ایام میں بازار میں گوشت فروخت ہوتا تھا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

نمبر ۴: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ یہ گوشت اس قربانی کا ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کی ہے، اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کرام کے عہد میں قربانی کا رواج تھا۔

نمبر ۵: آپ نہ صرف قربانی کو مؤکدہ سنت سمجھتے تھے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آپ قربانی کے اتنے شیدائی تھے کہ سفر میں بھی

❶ محلی جلد نمبر ۷ ص نمبر ۳۷۵.

❷ بداية المجتهد جلد نمبر ۱ ص نمبر ۳۱٤.

اس کو ترک نہ کرتے تھے، جیسا کہ قربانی کا صحابہ سے ثبوت کے عنوان سے اس کا ثبوت رقم ہو چکا ہے۔ ❶

نمبر ۶: یہ ثابت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ایک گائے کی قربانی میں سات اور ایک اونٹ کی قربانی میں دس اجنبی حصہ داروں کی شراکت کے قائل تھے۔ ❷

ان چھ قوی ترین نقلی اور عقلی وجوہ کے علی الرغم بدایۃ المجتہد کے ایک بے سند اور ضعیف اثر کے برتے پر عوام الناس کو قربانی سے متنفر کرنے کے لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جیسے متبع سنت صحابی اور ترجمان القرآن کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے کبھی قربانی نہیں کی ان پر صریح بہتان نہیں تو اور کیا ہے۔ لہٰذا پروفیسر صاحب کی خدمت میں یہ گزارش ہے کہ اگر وہ اپنی تجدد پسندی کے پیش نظر قربانی کو سنت رسول ﷺ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تو نہ سہی۔ مگر کم از کم صحابہ کرام کے تقدس کو تو پامال نہ کریں۔

نام نیک رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نام نیکت برقرار

مغالطہ نمبر ۴: حضرت ابو مسعود انصاری جو بہت امیر صحابی تھے اور ہزاروں بھیڑوں کے مالک تھے۔ نے کبھی عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی نہیں کی۔ ❸

جواب: نہ جانے پروفیسر صاحب کو لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ کے روایتی محاورہ سے اتنا عشق کیوں ہے کہ وہ ہر ایک حوالہ کی کتر و بیونت کر کے صرف اپنی مرضی کی عبارت نقل کرنے پر اکتفا فرماتے ہیں حسب سابق اس حوالہ میں بھی انہوں نے یہی گھپلا مارا ہے۔

کہ مبسوط سے انہوں نے اپنے مطلب کی بات تو لے لی لیکن اس کے آگے پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔

ایک تو مبسوط میں کبھی کا لفظ موجود نہیں۔ دوسرا یہ کہ اس اثر کے آگے اس کی وجہ بھی مرقوم ہے کہ انہوں نے ایسا اس لئے کیا ہوگا تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ قربانی اپنی تمام تر اہمیت کے باوصف واجب نہیں۔ مَخَافَةَ اَنْ يَّرَاهَا النَّاسُ وَاجِبَةً ۔ (مبسوط: جلد نمبر ۱۲ ص نمبر ۸) یعنی جمہور صحابہ کی طرح حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی قربانی سنت مؤکدہ تھی۔ جیسا کہ ہم مغالطہ نمبر ۵ کے جواب میں نووی شرح صحیح مسلم جلد نمبر ۲ ص نمبر ۱۵۳، البحر الذخار جلد نمبر ۵ ص نمبر ۳۱۱ اور نیل الاوطار جلد نمبر ۵ ص نمبر ۱۲۶ کے حوالہ جات سے ثابت کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں محلی ابن حزم وغیرہ کتب میں ایسے اور بھی بہت سے حوالہ جات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ قربانی کی مشروعیت کے قائل تھے۔

چنانچہ محلی میں ہے کہ آپ گائے کی قربانی میں سات حصہ داروں کی شراکت کے قائل تھے۔ (جلد نمبر ۷ ص نمبر ۳۸۲)

لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ سرے سے قربانی کے مشروع اور مسنون ہونے کے قائل ہی نہ تھے تو پھر وہ گائے کی قربانی میں سات حصہ داروں کی شراکت کے قائل کیوں تھے؟ اسی حقیقت کے پیش نظر امام ابن حزم رحمہ اللہ نے ان کے اس اثر کو ان صحابہ

---

❶ ملاحظہ فرمائیے تحفۃ الاحوذی جلد نمبر ۲ ص ۳۵۶ و سنن نسائی جلد ۲ ص نمبر ۱۹۷۔

❷ محلی ابن حزم: جلد نمبر ۷ ص ۳۸۲۔ ❸ مبسوط: جلد نمبر ۱۲ ص ۸۔

کرام کے آثار کے ضمن میں درج فرمایا ہے جو قربانی کو سنت مؤکدہ مانتے تھے۔

جواب: ثانی: زیادہ سے زیادہ یہ ان کا اپنا ذاتی فعل ہے جو بہرحال کتاب وسنت کا معارض نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

قَوْلُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ لَايَصْلُحُ مُعَارِضاً لِلْكِتَابِ الْكَرِيْمِ وَالسُّنَّهِ. ❶

لہٰذا ان کے اس قول کی وجہ سے ان کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے کبھی عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی نہیں کی۔ جہاں ان کے ساتھ صریح ناانصافی ہے وہاں مطلب برآری کی بدترین مثال بھی ہے۔

مغالطہ نمبر ۸: صحابہ کرام کے اس عمل کو دیکھتے ہوئے امام ابن حزمؒ نے فتویٰ صادر فرمایا کہ جانور کی قربانی اسلام میں واجب نہیں۔ (المحلیٰ: جلد نمبر ۷ ص نمبر ۳۵۷)

جواب: امام موصوف کا یہ فتویٰ بالکل بجا اور حق ہے، لیکن اگر پروفیسر صاحب اس فتویٰ کے ذریعہ یہ غلط تاثر دینا چاہتے ہیں کہ امام ابن حزم جیسا جلیل القدر محدث اور نامی گرامی محقق بھی قربانی کی مشروعیت کا قائل نہ تھا تو یہ شرمناک علمی خیانت ہے۔ کیونکہ امام موصوف نے اس فتویٰ کی ابتدا میں بڑے صاف اور واشگاف الفاظ میں جانور کی قربانی کو سنت حسنہ لکھا ہے۔ (محلی ابن حزم: جلد نمبر ۷ ص نمبر ۳۵۷)

لہذا اگر اس فتویٰ کی لوٹ میں نفس قربانی کی مشروعیت سے انکار مقصود ہے تو یہ ان کی بہت بڑی بھول ہے کیونکہ عدم وجوب سے عدم کی نفی لازم نہیں آتی۔ فافهم و تفکّر

مغالطہ نمبر ۹: سعید بن مسیب جو کہ صحابہ کرام ﷺ کے بہت عقیدت مند تھے، نے یہ فیصلہ دیا کہ کسی غریب کی امداد کے طور پر تین درہم خرچ کرنا عیدالاضحیٰ کی قربانی سے زیادہ افضل ہے۔

جواب: اول: حضرت سعید بن مسیب ؒ کے اس قول سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ قربانی کی مشروعیت اور اس کی اہمیت کے قائل نہ تھے۔ محض غرض پرستی پر مبنی ہے۔ کیونکہ ان کے مذہب میں قربانی سنت مؤکدہ تھی۔ جیسا کہ مغالطہ نمبر ۵ کے جواب میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔ ہاں وجوب کے قائل نہ تھے اور اس کے اظہار کے لئے کئی سال قربانی چھوڑ دی ہوگی۔ چنانچہ امام ابن حزم نے ان کے اس قول کو اسی ضمن میں درج فرمایا ہے۔

جبکہ امام موصوف نے ایک دوسرے مقام پر حضرت سعید بن مسیب ؒ کا معمول لکھا ہے کہ آپ کسی سال اونٹ کی قربانی ذبح کرتے کسی سال گائے کی قربانی دے دیتے تھے۔ اور کبھی ناغہ بھی کر لیتے (محلی: جلد نمبر ۷ ص نمبر ۳۷۳) مزید برآں یہ بھی مرقوم ہے کہ آپ گائے کی قربانی میں سات اور اونٹ کی قربانی میں دس اجنبی حصہ داروں کی شراکت کے جواز کے قائل تھے۔ ❷

---

❶ بدائع الصنائع: جلد نمبر ۵ ص نمبر ۶۳.

❷ المحلی: ج نمبر ۷ ص نمبر ۳۸۲.

جواب ثانی نمبر ۱: ایام قربانی میں صدقہ کرنا افضل عمل نہیں بلکہ قربانی ہی افضل عمل ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قربانی کے دن اللہ تعالیٰ کو کوئی اور عمل اتنا پیارا اور محبوب نہیں جتنا اھراق دم (جانور کی قربانی) کا عمل محبوب ہے۔ ❶

نمبر ۲: ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی بھی نیک کام پر چاندی خرچ کرنا اتنا افضل نہیں جتنا عید قربان کے دن جانور کی قربانی پر روپیہ خرچ کرنا افضل ہے۔

لہٰذا ان کا یہ قول احادیث کے مقابلہ میں بطور معارض کے درخور اعتناء ہرگز نہیں۔

جواب ثالث: اگر کسی غریب آدمی کی نقد امداد قربانی کا جانور ذبح کرنے سے افضل ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم بھی نہ کبھی ایسا ضرور کرتے، کیونکہ اس دور میں بھی غریب لوگ موجود تھے۔ اور ایسا قطعاً ثابت نہیں۔ چنانچہ شرح کبیر میں ہے:

وَلَنَا النَّبِیُّ ﷺ ضَحّٰی وَالْخُلَفَاءُ بَعْدَهُ وَلَوْ عَلِمُوْا اَنَّ الصَّدَقَةَ اَفْضَلُ لَعَدَلُوْا اِلَیْهَا وَ لِاَنَّ اِیْثَارَ الصَّدَقَةِ عَلَی الْاُضْحِیَةِ یُفْضِیْ اِلٰی تَرْكِ السُّنَّةِ سَنَّهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ. ❷

''ہم کہتے ہیں کہ بطور قربانی جانور کا خون بہانا ہی شرعاً متعین ہے اور ہماری دلیل رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا چالیس سالہ عمل مبارک ہے۔ اور جانور کی قربانی کے مقابلہ میں نقد رقم کے صدقہ کو قربانی سے افضل کہنا، اس لئے بھی درست نہیں کہ اس طرح رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ سنت کا ترک لازم آتا ہے۔ جو کسی طرح بھی جائز نہیں۔''

جواب رابع: مسئلہ قربانی کے پس منظر اور اس کے عمل و مصالح پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ قربانی کا رکن اھراق الدم، یعنی خون بہانا ہے۔

صاحب درالمختار قربانی کی تعریف اور قربانی کا وقت ذکر کرنے کے بعد قربانی کا رکن بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَرُكْنُهَا ذِبْحُ مَایَجُوْزُ ذِبْحُهٗ مِنَ النَّعَمِ لَا غَیْرَ فَتَجِبُ التَّضْحِیَةُ اِلَیَّ اَرَقَّ الدَّمَ مِنَ النَّعَمِ. ❸

''قربانی کا رکن ان جانوروں کا ذبح کرنا ہے، جن کی قربانی دی جاسکتی ہے۔''

علامہ شامی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

لِاَنَّ رُكْنَ الشَّیْءِ مَایَقِفُ بِهٖ ذٰلِكَ الشَّیْءُ وَالْاُضْحِیَةُ اَنَّهَا تَقُوْمُ بِهٰذَا الْفِعْلِ فَكَانَ رُكْنًا. ❹

''اس لئے کہ کسی چیز کا رکن وہی چیز ہوسکتی ہے، جس کا قیام اس کے ساتھ ہو، قربانی چونکہ ذبح ہی کے ساتھ وقوع پذیر ہوتی ہے، اس لئے جانور کا خون بہانا قربانی کا رکن ٹھہرا۔''

---

❶ تحفة الاحوذی ج۲ ص ۳۵۲ وابن ماجة ص ۲۲۳۔ ❷ شرح الكبير علي المغني: جلد نمبر ۳ ص ۵۸۲۔

❸ درالمختار و ردالمحتار جلد نمبر ۶ ص ۳۱۳۔ ❹ ردالمحتار: جلد نمبر ۶ ص ۳۱۳۔

بالکل یہی عبارت جس میں ذبح جانور قربانی کا رکن ٹھہرایا گیا ہے۔فتاویٰ عالمگیر جلد نمبر ۵ ص نمبر ۲۹۱ میں بھی ہے۔
علامہ شامی اراقة الدم کے وجوب پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَالدَّلِيْلُ عَلٰى اَنَّهَا الْاِرَاقَةُ لَوْ تُصُدِّقَ بِعَيْنِ الْحَيَوَانِ لَمْ يَجُزْ . (جلد نمبر ٦ ص ٣١٣)

یعنی اراقة الدم کے وجوب پر دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قربانی کا زندہ جانور کسی کو بطور صدقہ دے دے تو یہ شارع کے نزدیک قربانی متصور نہ ہوگی۔فتاویٰ عالمگیری میں اس کی یوں وضاحت کی گئی ہے کہ:

وَمِنْهَا اَنَّهُ لَايَقُوْمُ غَيْرُهَا مَقَامَهَا فِي الْوَقْتِ حَتّٰى لَوْ تَصَدَّقَ بِعَيْنِ الشَّاةِ اَوْ قِيْمَتِهَا فِي الْوَقْتِ لَايَجْزِ عَنِ الْاُضْحِيَةِ لِاَنَّ الْوُجُوْبَ تَعَلَّقَ بِالْاِرَاقَةِ وَالْاَصْلُ اَنَّ الْوُجُوْبَ اِذَا تَعَلَّقَ بِفِعْلٍ مُعَيَّنٍ اَنَّهُ لَايَقُوْمُ غَيْرُهٗ مَقَامَهٗ. ❶

’’اراقۃ الدم کے سوا نہ تو کوئی چیز قربانی کا بدل ہے اور نہ اس کا کوئی قائم مقام ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص بجائے ذبح کرنے کے زندہ بکری یا اس کی قیمت صدقہ کر دے تو اس سے قربانی ادا نہیں ہوگی۔ کیونکہ قربانی کے وجوب کا تعلق خون بہانے کے ساتھ ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ وجوب کا تعلق اگر معین فعل کے ساتھ ہو تو کوئی دوسری چیز اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی۔‘‘

شمس الائمہ سرخسی لکھتے ہیں:

لِاَنَّ الْوُجُوْبَ اَلتَّقَرُّبَ بِاِرَاقَةِ الدَّمِ وَلَا يَحْصُلُ ذٰلِكَ بِالتَّصَدُّقِ وَهٰذَا لِاَنَّهُ لَا قِيْمَةَ لِاِرَاقَةِ الدَّمِ وَاِقَامَةُ الْتَقُوْمِ لَا تَجُوْزُ وَاِرَاقَةُ الدَّمِ خَالِصٌ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰى وَلَا وَجْهَ لِلتَّعْلِيْلِ فِيْمَا هُوَ خَالِصٌ حَقُّ اللّٰهِ تَعَالٰى. ❷

یعنی ایام نحر میں جو چیز واجب ہے وہ ہے خون بہا کر تقرب الٰہی کا حصول ہے اور یہ گوہر مقصود قربانی کی قیمت صدقہ کر دینے سے حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ اراقة الدم کی کوئی قیمت نہیں لگائی جا سکتی۔

لہٰذا محدود قیمت والی چیز کو غیر محدود قیمت والی چیز کے قائم مقام بنا دینا جائز نہیں۔علاوہ ازیں اراقة الدم (خون بہانا) خالص اللہ کا حق ہے۔لہٰذا اس میں علت ومعلول کا اور تصریحات کا چکر چلانا دین میں مداخلت کے مترادف ہے۔
مختصر یہ کہ احادیث صحیحہ صریحہ مرفوعہ متصلہ اور فقہائے کرام کی تحریرات سے یہ حقیقت صاف طور پر سامنے آ گئی ہے کہ قربانی کے ایام میں جانور ذبح کرنے سے ہی قربانی کا اصل مقصد حاصل ہوسکتا ہے اور قربانی ادا ہو سکتی ہے۔ قیمت تو درکنار خود زندہ جانور کو صدقہ کر دینے سے اصل مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔
چنانچہ یہی وجہ ہے کہ امام سعید بن مسیب رحمہ اللہ بھی جانور کی قیمت صدقہ کر دینے کے برعکس قربانی کا جانور ذبح کرتے تھے، جیسا کہ محلی ابن حزم جلد نمبر ۷ ص نمبر ۳۸۲ کے حوالہ سے اوپر لکھا جا چکا ہے۔

---

❶ بدائع الصنائع: جلد نمبر ٥ ص ٦٦.
❷ مبسوط سرخسي: جلد نمبر ١٢ ص ١٣.

لہٰذا ان کی طرف منسوب اس قول کی کوئی حیثیت نہیں اور اس قول پر کسی اختراعی نظریہ کی بنیاد استوار کرنا پرلے درجہ کی نادانی اور خود فریبی ہے۔

فائدہ...... بعض احادیث میں اونٹ کی قربانی میں سات سات حصہ داروں کی شراکت کا ذکر ہے اور بعض احادیث میں دس دس حصہ داروں کی شراکت کا جواز موجود ہے۔ لہٰذا امام شوکانی وغیرہ شارحین حدیث نے اس اختلاف کو یوں حل فرمایا ہے کہ جن احادیث میں سات سات حصہ داروں کا ذکر ہے اس اضحیہ سے مراد ہدی ہے۔ یعنی وہ قربانی مراد ہے جو حاجی صاجبان اپنے ساتھ لے جاکر مکہ میں ذبح کرتے ہیں اور جن احادیث میں دس دس حصہ داروں کی شراکت کا بیان ہے تو اس اضحیہ سے مراد وہ قربانی ہے جو عامۃ المسلمین ایام قربانی میں اپنے اپنے شہروں اور دیہات میں ذبح کرتے ہیں۔ ❶

مغالطہ نمبر ۱۰: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بھی یہی نظریہ تھا۔ جب کبھی انہوں نے عیدالاضحیٰ کے دن قربانی کی تو انہوں نے ایک مرغ ذبح کر دیا۔

جواب: سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ نظریہ ہرگز نہ تھا کہ وہ جانور کی قربانی کو سنت نہ سمجھتے تھے، جیسا کہ مغالطہ نمبر ۵ کے جواب میں مفصل تحریر ہو چکا ہے۔ اگر فاضل پروفیسر صاحب کے اپنے پاس عدم اعتبار کے بعد تو کوئی کی وہ عبارت پیش فرمائیں جس سے انہوں نے یہ مذموم دعویٰ اخذ فرمایا ہے۔ ورنہ اپنی اس خیانت کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں۔

مغالطہ نمبر ۱۱: ان (حضرت بلال) کی اس مثال کو مدنظر رکھتے ہوئے غرباء اہل حدیث عیدالاضحیٰ کے موقع پر مرغ ہی ذبح کرتے ہیں۔

جواب: کسی فرقہ یا گروہ کا کوئی عمل حجت نہیں۔ کیونکہ حجت صرف کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ لہٰذا اگر غرباء اہل حدیث ایسا کرتے ہیں تو ان کا یہ عمل کتاب وسنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے حجت نہیں ہو سکتا۔ اذا جاء نہر الله بطل نہر المعقل۔ مگر غرباء اہل حدیث کا یہ عمل ہمارے علم میں نہیں، بلکہ ان پر بہتان ہے کیونکہ ہمارے ہاں کے غرباء اہل حدیث جیسے محترم مولانا محمد ادریس ہاشمی مدیر ماہنامہ صدائے ہوش لاہور اور ان کے جماعتی رفقاء بکرا، گائے اور اونٹ ہی کی قربانی کرتے ہیں۔

مغالطہ نمبر ۱۲: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدالاضحیٰ کے موقع پر دو دنبوں کی قربانی دیا کرتے تھے۔ پہلے دنبے کو ذبح کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ قربانی میری اور میرے اہل خانہ کی طرف سے ہے اور دوسرے دنبے کی قربانی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے یہ میری امت کی طرف سے ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ اس پر اتنا کام کرتے ہیں کہ تمام بنی ہاشم قبیلے کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قربانی کو کافی سمجھتے تھے اور ان میں سے کسی نے بھی کبھی جانور کی قربانی نہیں دی۔ ❷

جواب: جانور کی قربانی کے خلاف اس حدیث سے استدلال کرنا بوجوہ کثیرہ صحیح نہیں ہے۔

نمبر ۱: اس لئے کہ بنو ہاشم کا یہ عمل چونکہ مذکورہ بالا نصوص صحیحہ کثیرہ کے خلاف ہے لہٰذا اسے معرض دلیل میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

---

❶ نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۰۱۔ ❷ نیل الاوطار جلد نمبر ۵۔

نمبر۲: اس حدیث سے زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ ایک کنبہ کے سربراہ کی قربانی اس کے اہل خانہ کے لئے بھی کفایت کر سکتی ہے اور وہ ان کو بھی اپنی قربانی کے ثواب میں شریک کر سکتا ہے۔ جمہور علمائے امت اس کے قائل ہیں۔ چنانچہ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَالْحَدِيثَانِ يَدُلَّانِ عَلَى أَنَّهُ يَجُوزُ لِلرَّجُلِ أَنْ يُضَحِّيَ عَنْهُ وَعَنْ أَتْبَاعِهِ وَيُشْرِكَهُمْ مَعَهُ فِي الثَّوَابِ وَبِهِ قَالَ الْجُمْهُورُ. ❶

نمبر۳: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ اور تابعین میں سے حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ وغیرہ سے جمہور علماء نے اس حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ قربانی واجب نہیں سنت ہے۔ ❷

نمبر۴: یہ بھی احتمال ہے کہ بنو ہاشم نے عدم استطاعت کی وجہ سے ایسا کیا ہوگا۔

نمبر۵: یہ بھی احتمال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ازراہ تفضل اور شفقت اپنی امت کو قربانی کے ثواب میں شریک کرنے کے ارادے سے ایسا کیا ہو۔ (حاشیہ ابن ماجہ ص نمبر ۲۲۶)

نمبر۶: یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کو اس حدیث کے سمجھنے میں غلطی لگی ہو۔ ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی پوری زندگی میں یہ التزام کیوں کرتے رہے۔ یعنی بالالتزام قربانی کرتے رہے۔ کیا وہ بنو ہاشم میں شامل نہیں؟ اور ہاں عترت رسول ﷺ بھی تو جانور کی قربانی کی قائل تھی، جیسا کہ البحر الزخار جلد نمبر۵ ص نمبر۲۱۸ میں مذکور ہے۔

پھر کیا حضرت علی رسول اللہ ﷺ بنو ہاشم میں شامل نہیں تھے۔

لہٰذا ان وجوہات کے پیش نظر اس حدیث سے جانور کی قربانی کے خلاف استدلال کرنا عوام کو قربانی سے متنفر کرنے کی ایک بھونڈی چال سے زیادہ کچھ نہیں۔

مغالطہ نمبر۱۳: اس موضوع پر جتنی بھی احادیث ہیں۔ ان میں سے مندرجہ بالا کو تمام علماء مستند قرار دیتے ہیں اور عید الاضحیٰ کی قربانی سے اختلاف کرتے ہیں۔

﴿جواب﴾: قربانی کے بارے میں علماء کے ہاں بلاشبہ اختلاف پایا جاتا ہے لیکن یہ اختلاف قربانی کے وجوب کے بارے میں ہے نہ کہ اس کی مشروعیت کے بارے میں کیونکہ تمام علمائے سلف و خلف کے نزدیک بالاتفاق قربانی ایک شرعی حکم اور سنت مؤکدہ ہے جیسا کہ مغالطہ نمبر۲ اور مغالطہ نمبر۳ کے جوابات میں ابن ہبیرہ حنبلی اور شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی جیسے اساطین علم کے حوالے سے مفصل بحث مرقوم ہو چکی ہے۔ تعجب ہے کہ اتنی موٹی بات بھی ہمارے نزدیک دانشوروں کی سمجھ میں نہیں آتی یا پھر انہوں نے سمجھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

إِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِي فَتِلْكَ مُصِيبَةٌ وَإِنْ كُنْتَ تَدْرِي فَالْمُصِيبَةُ أَعْظَمُ

مغالطہ نمبر۱۴: از حدیث علی بن حسین کے تحت بہت سے اسلامی ممالک عمل پیرا ہیں۔ ان ممالک میں سے ایک ملک الجزائر

---

❶ نیل الاوطار: جلد نمبر ۵ ص نمبر ۱۲۵ ❷ نیل الاوطار: جلد نمبر ۵ ص نمبر ۱۲۶

ہے جہاں پر بہت قدیم عرصے سے یہ حکم چل رہا ہے کہ تمام کا تمام محلّہ فقط ایک جانور قربانی دے۔

جواب: دعویٰ تو یہ تھا کہ بہت سے اسلامی ممالک ایسا کر رہے اور ذکر صرف ایک الجزائر کا گویا کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔ چلئے مان لیا کہ الجزائر میں ایسا ہوتا ہوگا، لیکن پھر بھی آپ کی طرح اہل الجزائر جانور کی قربانی کے منکر تو نہ ہوئے۔ آپ تو جانور کی قربانی کے قائل ہی نہیں۔ لہٰذا اہل الجزائر کا یہ ترمیم شدہ عمل آپ کے خلاف جاتا ہے۔ مزید برآں یہ بھی یاد رکھئے کہ جمہور اہل علم اور فقہائے امصار کے نزدیک تو اکیلے اہل مدینہ کا اجماع بھی حجت نہیں۔ چنانچہ امام صدیق حسن خان متوفی ۱۳۰۷ھ تصریح فرماتے ہیں:

اِجْمَاعُ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى انْفِرَادٍ لَيْسَ بِحُجَّةٍ عِنْدَ الْجَمْهُوْرِ لِاَنَّهُمْ بَعْضُ الْاُمَّةِ. ❶

''تنہا اہل مدینہ کا اجماع جمہور امت کے نزدیک معتبر اور حجت نہیں، کیونکہ اہل مدینہ اپنے تمام تر فضل و کمال کے باوجود امت کا ایک حصہ ہیں پوری امت نہیں۔''

جبکہ اجماع امت وہی حجت ہوتا ہے جس کے انعقاد پر تمام ہم عصر مجتہدین متفق ہوں۔ بتایئے اس صورت میں بے چارے اہل الجزائر کا یہ خلاف شرع اور غلط عمل حجت شرعی کیسے ہوسکتا ہے۔

مغالطہ نمبر ۱۵: پچھلے سال مراکش حکومت نے جانور کی قربانی کلیتاً بند کر دی ہے اور یہ بات اور بھی اہمیت رکھتی ہے کہ مراکش میں بادشاہ مذہب کا مفتی اعظم ہوتا ہے اور اس کا حکم فتویٰ سمجھا جاتا ہے۔

جواب: اگر واقعی مراکش کے بادشاہ نے اپنے اقتدار اور منصب سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے جانور کی قربانی پر پابندی لگا دی ہو تو چونکہ یہ پابندی کتاب و سنت کی مذکورہ بالا نصوص کثیرہ صحیحہ ثابتہ کے صریحاً خلاف ہونے کی وجہ سے ہمارے لئے حجت نہیں۔ لَا حُجَّةَ لِاَحَدٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. ❷

مزید برآں مغالطہ نمبر ۱۳ کے رد میں لکھا جا چکا ہے کہ کسی شہر یا کسی ایک ملک کے لوگوں کا اجماع حجت نہیں ہوتا، حتیٰ کہ تنہا اہل مدینہ یا اہل مکہ کا اجماع بھی حجت نہیں۔ لہٰذا کسی مسلمان بادشاہ یا نام نہاد مفتی اعظم کا جانور کی قربانی کے خلاف جبری حکم یا فتویٰ جاری کر دینا مداخلت فی الدین کے سوا کچھ نہیں۔

اور معلوم ہے کہ بحکم ﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ﴾ (الشوریٰ: ۲۱) نہ کسی بادشاہ کو اور نہ کسی مفتی کو منصوص مسائل کے خلاف رائے زنی کرنے کا قطعاً حق حاصل نہیں۔ مزید برآں یہ بات آپ جیسے روشن دماغ سے زیادہ اور کون جانتا ہوگا کہ زمانہ خیر القرون کے مابعد کے اکثر و بیشتر حکمرانوں نے بالعموم اسلامی احکام کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ لہٰذا ایسے میں ان دنیا دار بادشاہوں اور نام نہاد مفتیوں کے ملحدانہ احکام اور بدعی فتاویٰ کو کتاب و سنت کے مقابلہ میں پیش کرنا دین اسلام کے ساتھ دشمنی کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔

سید داؤد غزنوی رحمہ اللہ متوفی ۱۶ دسمبر ۱۹۶۳ء اسی قسم کے ایک غلط فتویٰ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کوئی مسلمان اس

---

❶ حصول المامول عن علم الاصول: ص. ٦٤ طبع مصری. ❷ محلی ابن حزم ج ۷ ص ۳۷۵.

حقیقت سے ناآشنا نہیں ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی جو قربانی اللہ کی راہ میں پیش کی۔ عیدالاضحیٰ اس واقعہ عظیم کی یادگار ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی اس قربانی پر چار ہزار سال (اب تو انتیس سال مزید گزر گئے) کے قریب گزر گئے۔ کروڑوں انسان چار ہزار سال سے اس واقعہ کی یادگار مناتے چلے آرہے ہیں اور جب تک مسلمان اس کرہ ارضی پر آباد ہیں، اس قربانی کی یادگار میں قربانیاں دیتے رہیں گے کسی واعظ کا وعظ' کسی خطیب کی سحر بیانی اور کسی حکومت کا جبر وقہر اس سنت ابراہیمی کی یادگار کو ختم نہیں کرسکتا۔ کوئی پہاڑ سے ٹکرانا چاہے ٹکرا سکتا ہے لیکن سوائے سر پھوڑنے کے اس کے حصہ میں کچھ نہیں آسکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس عظیم قربانی کی یادگار میں مسلمان عید قربان مناتے رہیں گے اور ہزاروں جانور' خوبصورت جانور' موٹے تازے جانور' خوب پلے ہوئے جانور ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یادگار میں ذبح کرتے رہیں گے۔

﴿فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ﴾ یہ مادیت پرست' تجدد پسند' یہ معاشی اقدار سے اسلامی احکام کو ناپنے والے اس خون بہانے کی حکمت کو کیا سمجھیں؟

یہ ضروری نہیں کہ ہر وہ شخص جس کے سر پر دستار فضیلت بندھی ہوئی ہو اور منبر خطابت کو زینت دے رہا ہو وہ اس قربانی کے فلسفے کو بھی سمجھ سکے ؎

ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجاست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

ایک آدمی کی تنخواہ چار ہزار ہے کیا اس پر قربانی واجب ہے

سوال: ایک آدمی کی تنخواہ یا آمدن ۵ ہزار تک ہے وہ کہتا ہے میں صاحب نصاب نہیں ہوں کیونکہ میرے پاس ساڑھے سات تولہ زیور نہیں ہے اور میں اپنی آمدن ہر ماہ خرچ کر دیتا ہوں ایسے آدمی پر قربانی واجب ہے کہ نہیں؟

جواب: قربانی کے لئے زکوٰۃ کا نصاب شرط نہیں۔ کتاب وسنت میں کوئی ایسی تصریح وارد نہیں، جس میں قربانی کے لئے نصاب زکوٰۃ کو شرط قرار دیا گیا ہو۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کے دس سالہ طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ عُسر ویُسر اور سفر وحضر میں ہمیشہ قربانی دیتے رہے، جیسا کہ جامع الترمذی میں ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ يُضَحِّيْ. [1]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمارہے اور قربانی ذبح کرتے رہے۔''

پس ثابت ہوا قربانی کے لئے صاحب نصاب ہونا شرط نہیں، لہٰذا اس آدمی کو یہ حیلہ بہانا کرنا جائز نہیں۔ اس کو توبہ کرنی چاہیے اور آئندہ خوش دلی کے ساتھ قربانی دینی چاہیے، ورنہ سخت جرم کا مرتکب اور نافرمان اور تارک سنت ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ

[1] رواہ الترمذی مشکوٰۃ باب الاضحیۃ ص ۱۲۹۔

بات بھی ذہن میں رہے کہ زکوٰۃ کے نصاب کے لئے ساڑھے سات تولہ سونا کا موجود ہونا ضروری نہیں، اگر اس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت کے برابر نقد رقم یا سامان تجارت موجود ہو تو بھی وہ شخص شرعاً صاحب نصاب ہے۔ مختصر یہ کہ اس آدمی پر قربانی لاگو ہے اور قربانی نہ کرنے کی وجہ سے یہ تارک سنت ہے اور مذہب حنفی کے مطابق واجب کا تارک ہے۔ کیونکہ حنفیہ کے نزدیک قربانی واجب ہے۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

قربانی کے گوشت کے تین حصے کرنا اچھا عمل ہے، تاہم فرض نہیں

سوال: کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ قربانی کے تین حصے کرنا افضل ہے، لیکن سارا گوشت گھر میں ہی پورا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں؟

جواب: قربانی کے گوشت کے تین حصے کرنا فرض واجب نہیں، بلکہ بہتر اور افضل ہیں، جیسا کہ تفسیر ابن کثیر سورۂ حج میں اس کی وضاحت موجود ہے۔ اور سنن ابی داؤد کی حدیث میں کُلُوْا وَادَّخِرُوْا اَوْ کَمَا قَالَ کے الفاظ بھی وارد ہیں۔ [1]
جس کے معنی یہ ہے کہ کھاؤ اور ذخیرہ کرلو۔ لہٰذا اگر کوئی شخص سارا گوشت ذخیرہ کرلے تو وہ گنہگار نہیں ہوگا، البتہ حاجت مندوں اور مسکینوں میں ضرور تقسیم کرنا چاہیے تاکہ وہ بھی گوشت کھاسکیں۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

قربانی کے مینڈھے کی اون یا کھال کی قیمت خود استعمال کرسکتا ہے یا نہیں

سوال: قربانی والے چھترے کی اون کی رقم یا اون گھر استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: ھو الموفق۔ قربانی کے چھترے کی اون یا اس کی قیمت گھر استعمال کرنی جائز نہیں، بلکہ اس اون کو صدقہ کردینا چاہیے۔ بلکہ قربانی کے جانور کی اون اتارنا ذبح سے قبل جائز نہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا عَمِلَ آدَمِيٌّ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهَا لَيَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَقَعَ مِنَ الْاَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا. [2]

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بقرہ عید کے دن آدم کے بیٹے کا کوئی عمل قربانی سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو پیارا نہیں۔ بلاشبہ یہ قربانی قیامت کے دن سینگوں، بالوں اور کھروں سمیت آئے گی اور قربانی کا خون زمین پر پڑنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے پاس قبولیت کے مقام میں پہنچ جاتا ہے، پس قربانیوں کو خوش دلی سے ذبح کیا کرو۔

[1] صحیح بخاری ج۲ ص ۸۳۵ میں ہے عن جابر قال کنا نتزود لحوم الاضاحی علی عهد رسول الله ﷺ الی المدینة، ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مکہ سے مدینہ پہنچنے تک قربانیوں کا گوشت کھاتے تھے۔

[2] ترغیب و ترھیب ج۲ ص ۱۵۲

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے بال نہیں کٹانے چاہئیں، جیسے سینگ وغیرہ کیونکہ قیامت کے دن قربانی ان اشیاء سمیت آئے گی اور ان کا وزن ہوگا۔ واللہ اعلم۔

قربانی کا ایک حصہ اور باقی چھ حصے بطور عقیقہ جائز نہیں

سوال: قربانی کی گائے کا ایک حصہ قربانی دے دی جائے اور باقی ۶ حصے عقیقہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: نہیں کیونکہ عقیقہ کے بارے میں احادیث میں یہ تصریح ہے کہ بچے کی طرف سے دو جانیں اور بچی کی طرف سے ایک جان ذبح کی جائے، جیسا کہ سنن اربعہ میں متعدد احادیث میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ قربانی کی گائے میں اگرچہ سات حصہ دار شریک ہو سکتے ہیں، لیکن وہ جان ایک ہی ہوتی ہے۔ بہرحال مجوزین کے پاس عقیقہ کے جانور میں شراکت کا کوئی صریح ثبوت موجود نہیں۔ واللہ اعلم۔

اونٹ میں دس حصہ دار اور گائے میں سات حصہ داروں کی شرکت مشروع ہے

سوال: اونٹ اور گائے میں قربانی کے دس اور سات حصص مشروع ہیں، کیا ایک جانور میں دس یا سات عقیقے بھی جائز ہیں؟

جواب: گائے میں سات اور اونٹ کی قربانی میں دس حصے دار شریک ہو سکتے ہیں، مگر عقیقے میں اشتراک درست نہیں۔ مشکوٰۃ میں ہے:

عَنْ أُمِّ كُرْزٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ وَ عَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ وَّلَا يَضُرُّكُمْ ذُكْرَانًا كُنَّ اَوْ اِنَاثًا. ❶

کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور بچی کی طرف سے ایک بکری عقیقہ کرنا ہے۔ بکری نر ہو یا مادہ کوئی مضائقہ نہیں۔ احادیث میں دو یا ایک مستقل جانوروں کا ذکر ہے حصوں کا نہیں۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک ایسے سوال کے جواب میں فرمایا۔ انا لم اسمع فی ذلك بشیئ (تحفۃ الودود: ص ۴۷ طبع مدینہ منورہ) کہ مجھے ایسی حدیث کا علم نہیں۔

قربانی دینے والا حجامت نہ بنائے

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَاَيْتُمْ هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ وَأَرَادَ أَحَدُكُمْ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلْيُمْسِكْ عَنْ شَعْرِهٖ وَاَظْفَارِهٖ. ❷

---

❶ رواه ابو داؤد والترمذی وقال هذا حديث صحيح مشكوة: ص ٣٦٢ ج ٢ باب العقيقة۔

❷ مسلم شریف: ص ١٦٠ ج ٢ كتاب الأضاحی۔

''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم عید قربان کا چاند دیکھ لو تو قربانی دینے والا دس ذوالحجہ سے پہلے اپنے بال اور ناخن کاٹنے سے رکا رہے۔''

قربانی نہ کرنے والا بھی بال نہ بنائے تو ثواب ملے گا

جو شخص قربانی دینے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ بال نہ بنائے (کٹوائے) بلکہ عید کے دن بال اور ناخن کٹوائے اس طرح اس کو بھی قربانی کا ثواب مل جائے گا۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

قَالَ الرَّجُلُ أَرَاَيْتَ إِنْ لَّمْ أَجِدْ إِلاَّ مَنِيْحَةً أُنْثٰى أَفَأُضَحِّيْ بِهَا قَالَ لاَ وَلٰكِنْ تَأْخُذُ مِنْ شَعْرِكَ وَأَظْفَارِكَ وَ تَقُصُّ شَارِبَكَ وَتَحْلِقُ عَانَتَكَ فَتِلْكَ تَمَامُ أُضْحِيَتِكَ۔ ❶

''ایک شخص نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! اگر میں قربانی نہ پاؤں تو دودھ دینے والی بکری ذبحہ کر ڈالوں؟ آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو بلکہ تم عید کے بعد اپنی حجامت بنا لو اس طرح تمہیں قربانی کا ثواب مل جائے گا۔''



❶ سنن أبی داؤد، ص ۱ ج ۲، عون المعبود ج ۳، باب ما جاء فی ایجاب الاضاحی ص ۵۰۔

کتاب البیوع

بولی والی کمیٹی کی آمدنی حرام ہے

سوال: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کوئی ایک شخص خطبہ وامامت کے فرائض سرانجام دیتا ہے اور تجارت بھی کرتا ہے۔اس بازار میں دکانداروں نے کمیٹی ڈالی ہے۔جس کو بولی والی کمیٹی کہتے ہیں ۔یعنی ہر مہینہ اس کمیٹی کی رقم کی بولی ہوتی ہے۔اور اس منافع کو ممبران کمیٹی پر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔اس خزانچی کے پاس امام صاحب مذکور بھی کمیٹی جمع کرواتے ہیں،لیکن وہ اس منافع کو غلط اور ناجائز سمجھتے ہیں اور منافع نہیں لیتے۔جتنی رقم جمع کرواتے ہیں پوری پوری رقم خزانچی سے وصول کرتے ہیں،اس شکل میں اس امام کے پیچھے جمعہ نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔بینوا توجروا۔

(سائل:رانا مشتاق احمد چھانگا مانگا ضلع قصور)

جواب الجواب بعون الوهاب : بشرط صحت سوال و بشرط صحت واقعہ بولی والی کمیٹی کی مذکورہ صورت تو واضح طور پر سود لینے کی ہی ہے جو کہ سراسر حرام اور ناجائز اور اکل بالباطل کی ایک صورت ہے۔جس سے اجتناب اور گریز لازم ہے۔ البتہ دوسری صورت یعنی جب کہ اس خزانچی کے پاس اپنی رقم بطور امانت برائے بچت جمع کروائی جائے اور بولی کی صورت میں حاصل ہونے والی رقم سے حصہ نہ وصول کیا جائے۔بلکہ اس کو حرام سمجھا جائے اور صرف اپنی باری آنے پر اپنی ہی جمع شدہ رقم وصول کی جائے تو یہ صورت جائز ہے۔جیسا کہ سراسر سودی بینک کے کرنٹ کھاتہ میں حفاظت کی نیت سے پیسہ جمع کرانا جائز ہے تو ایسے یہ دوسری صورت بھی جائز معلوم ہوتی ہے۔اور ایسے امام کی اقتدا میں جمعہ،نماز پڑھنا بلاشبہ جائز اور درست ہے، کیونکہ اس نے تو اپنی جائز بچت کی غرض سے اس کمیٹی میں شرکت کی ہے۔نیز بولی کی صورت میں حاصل ہونے والی رقم کو منافع کہنا بھی صحیح نہیں بلکہ وہ سراسر سود کی صورت ہے۔ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

سوال: بولی کی کمیٹی کے متعلق شریعت کیا کہتی ہے،ایک آدمی ستر ہزار کی پچیس ہزار میں بولی لگا کر اٹھا لیتا ہے،کیا ایسا طریقہ سود کے زمرے میں آتا ہے یا نہیں؟

جواب: مذکورہ صورت واضح سود اور قمار کی شکل ہے۔اس سے بچاؤ ہر صورت ضروری ہے۔یہ بات مسلمہ ہے کہ نوٹ سونے کا بدل ہے۔اس لئے اس کی بیع نقد کمی وبیشی کے ساتھ اور ادھار ہر صورت منع ہے۔چاہیے برابر برابر ہو یا کمی بیشی کے ساتھ۔لہٰذا بولی کی کمیٹی ناجائز۔

سوال: بنک کی نوکری کا شریعت میں کیا حکم ہے؟(ع،م جامعہ عائشہ للبنات غازی آباد لاہور)

جواب ۴: بنک کی ملازمت قطعاً جائز نہیں۔ احادیث کی کتابوں میں صاف طور پر بنک کی ملازمت حرام اور ناجائز قرار دی گئی ہے۔ جامع ترمذی میں کتاب البیوع باب الربا میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ اٰكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهُ وَ شَاهِدَيْهِ وَكَاتِبَهُ .

کہ اللہ تعالیٰ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، سود کے معاملہ میں گواہ بننے والے اور سود کا معاملہ لکھنے والے، یعنی کلرک، منیجر، خازن وغیرہ سب پر لعنت کی ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر قسم کے موجودہ بنکوں میں ہر طرح کی نوکری کرنا حرام، سخت گناہ اور لعنتی عمل ہے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب .

❶ تحفة الاحوذی ج۲ص۲۲۶.

کتاب النکاح

کیا ہر مسلمان کو نکاح پڑھانے کی اجازت ہے

سوال: کیا ہر مسلمان کو نکاح پڑھانے کی شرعاً اجازت ہے؟ اس کے لئے کیا شرائط ہیں؟

جواب: ہر عاقل بالغ مسلمان بوقت ضرورت شرعاً نکاح پڑھا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ نکاح کے بنیادی احکام ومسائل، مثلاً ایجاب وقبول وغیرہ سے آگاہی رکھتا ہو، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ﴾ (النور ۳۲)

ترجمہ: ''اور نکاح کر دو اپنے بیوگان کا اور اپنے نیک چلن غلاموں اور لونڈیوں کا۔''

۲- ﴿ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ﴾ (البقرۃ: ۲۲۱)

''اور (اپنی لڑکیوں کا) مشرکین سے نکاح نہ کرو جب تک وہ مسلمان نہ ہوں۔''

ان دونوں آیات کریمہ میں بغیر کسی شرط وقید کے ہر ایک بالغ عاقل مسلمان کو نکاح پڑھنے پڑھانے کی شرعاً اجازت جھلک رہی ہے۔ جب کہ وہ نکاح پڑھانے کی اہلیت رکھتا ہو، بہرہ ور ہو یعنی دولہا کی معاشی حیثیت کے مطابق مہر مقرر کر کے لڑکی کے شرعی ولی کی اجازت اور دو گواہوں کی موجودگی میں ہر ایک عاقل بالغ مسلمان شرعاً نکاح پڑھا سکتا ہے۔

نکاح شغار (وٹہ سٹہ) حرام ہے

سوال: یہ کہ مسمی عبدالغفور ولد محمد سرور قوم وٹو چک نمبر ۸۵ ڈی تحصیل نور پور ضلع پاکپتن کا ہوں، مجھے ایک شرعی مسئلہ دریافت کرنا مقصود ہے جو ذیل عرض کرتا ہوں۔

یہ کہ میری ہمشیرہ مسماۃ انور دختر محمد سرور کا نکاح وٹہ سٹہ کی شرط پر ایام نابالغی میں ہوا جب کہ اس کی عمر تقریباً ۸-۹ سال تھی اس کا نکاح مسمی ظفر اقبال ولد محمد قوم وٹو کے ساتھ کر دیا گیا تھا۔ صرف رخصتی آج تک نہیں ہوئی ہے نہ ہی آباد ہوئی ہے، مسماۃ کو خاوند سے سخت نفرت ہے اور اسے پسند نہیں کرتی، اب مسماۃ کی عمر تقریباً ۲۲ سال کی ہے، نکاح بھائی کے وٹے سٹے میں ہوا تھا اس لئے مذکورہ لڑکی نے علامات بلوغت پا کر روبرو معززین اہل اسلام کے نکاح کو مسترد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ میں وٹہ سٹہ کی شرط پر کسی بھی صورت میں آباد ہونے کو تیار نہ ہوں۔ مسماۃ کا حق مہر مساوی تھا، کوئی فرق نہ تھا، مسماۃ شروع ہی سے اپنے والدین کے ہاں رہ کر گزارہ کر رہی ہے۔ آپ علمائے دین سے سوال ہے کہ شرعاً نکاح وٹہ سٹہ اسلام میں جائز ہے کہ نہیں؟

جناب مفتی صاحب مندرجہ بالا سوال کا جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔ (سائل: عبدالغفور حقیقی بھائی مسمات مذکور انور بی بی)

جواب الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ ازروئے حدیث صحیح صحت نکاح کے لئے لڑکی کی اجازت بنیادی شرط ہے اور چونکہ نابالغہ لڑکی اذن کی اہل نہیں ہوتی، اس لئے بالغہ ہونے کے بعد اسے شرعاً اس نابالغی کے نکاح کو بحال رکھنے یا مسترد کرنے کا حق حاصل ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

۱۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُنْکَحُ الْاَیِّمُ حَتّٰی تُسْتَاْمَرَ وَلَا تُنْکَحُ الْبِکْرُ حَتّٰی تُسْتَاْذَنَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَکَیْفَ اِذْنُهَا قَالَ اِنْ تَسْکُتَ۔ ❶

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیوہ عورت کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس سے مکمل مشورہ کیا جائے اور کنواری کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اس سے اذن نہ لیا جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ حضرت اس کا اذن کیا ہے؟ فرمایا اس کا خاموش رہنا اس کا اذن ہے۔''

۲۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ)) ❷

''یعنی اسلام میں ضرر کا اختیار کرنا یا دوسرے کو ضرر دینا'' ایسا کام کرنا کہ باہمی نقصان ہو ہرگز جائز نہیں۔

۳۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ جَارِیَةً بِکْرًا اَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَکَرَتْ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِیَ کَارِهَةٌ فَخَیَّرَهَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ ❸

''ایک کنواری لڑکی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرے باپ نے (ایک شخص سے) زبردستی میرا نکاح باندھ دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس لڑکی کو اس نکاح کے بحال رکھنے یا فسخ کر لینے کا اختیار دے دیا۔''

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نکاح شرعی کے لئے لڑکی کی رضامندی اور اجازت بلا جبر و اکراہ ضروری ہے۔ پس ان احادیث سے ثابت ہوا کہ صحت نکاح کے لیے لڑکی کا اذن شرط ہے، چونکہ نابالغہ لڑکی اذن کی اہل نہیں ہوتی، اس لیے بالغہ ہونے پر اس کو شرعاً حق حاصل ہے کہ نابالغی کو بحال رکھے یا اس کو کالعدم قرار دے۔ لہٰذا مسمات کے نکاح کو فسخ کرنے کا شرعاً حق ہے لہٰذا مسمات انور بی بی اس نکاح کو مسترد کر دینے کی شرعاً حق دار ہے اور یہ اس کا شرعی حق ہے جو چھینا نہیں جا سکتا، تاہم مجاز اتھارٹی کی توثیق ضروری اور لازمی ہے۔ یہ جواب تو اس صورت میں ہے کہ جب اس نکاح کو صحیح تسلیم کیا جائے۔

دوسری صورت نکاح شغار ہونے کی وجہ سے یہ نکاح شرعاً باطل ہے، کیونکہ اس میں مہر مساوی تحریر کیا گیا ہے، جیسا کہ

❶ متفق علیه' مشکوة: باب الولی ج ۲، ص ۲۷۱.

❷ اخرجه ابن ماجه والدار قطنی والبیهقی والحاکم عن ابی سعید مرفوعا وقال الحاکم صحیح الاسناد ولم یخرجاه. فتاوی نذیریه: ج ۲ ص ۴۹۱.

❸ رواه ابوداؤد، مشکوة باب الولی فی النکاح: ج ۲، ص ۲۷۱.

مخطوط تصریح ۲ سے واضح ہے۔ چنانچہ مشکوۃ المصابیح بَابُ اِعْلَانِ النِّکَاحِ وَالْخُطْبَةِ وَ الشَّرْطِ الفصل الاول میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الشِّغَارِ وَالشِّغَارُ اَنْ يُزَوِّجَ الرَّجُلُ اِبْنَتَهٗ عَلٰى اَنْ يُزَوِّجَه الْاٰخَرُ اِبْنَتَهٗ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا صِدَاقٌ ●

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شغار سے منع فرمایا ہے اور نکاح شغار یہ ہے کہ آدمی اپنی بیٹی کا نکاح کر دے اس شرط پر کہ اس سے نکاح کر دے دوسرا آدمی اپنی بیٹی کا اور آپس میں کچھ مہر نہ ہو اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام میں نکاح شغار جائز نہیں۔

لہٰذا ان دونوں احادیث صحیحہ کے مطابق یہ نکاح شرعاً منعقد ہی نہیں ہوا کیونکہ یہ عدم مہر مساوی ہے جو کہ نہ ہونے کے حکم میں ہے۔ پس ان دونوں احادیث کے مطابق یہ نکاح باطل ہے، تاہم مجاز عدالت سے اس فتویٰ کی توثیق ضروری ہے مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ہرگز مسئول نہ ہوگا۔ ھذا ما عندي واللّٰه تعالىٰ اعلم بالصواب.

نابالغی کا نکاح

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسمی بشیر احمد نے اپنی لڑکی مسماۃ امام حسین عرف فیضاں کی شادی نابالغی کی صورت میں کر دی اب مسماۃ فیضاں اس نکاح سے انکاری ہے تو کتاب وسنت کی روشنی میں مسماۃ فیضاں کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہے؟

(سائل بشیر احمد ساکن چک نمبر HB ۲۶۷ فورٹ عباس ضلع بہاولنگر بذریعہ مفتی عبدالرحمان صاحب عبدالحکیم والے)

جواب: الجواب بعون الوهاب و منه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال مسماۃ امام حسین عرف فیضاں کو اپنا یہ نابالغی کا نکاح فسخ کرانے کا شرعاً حق حاصل ہے۔ بشرطیکہ رخصتی نہ ہوئی ہو، اگر ایک آدھ بار رخصتی عمل میں آ چکی ہے، یعنی اپنے شوہر کا فراش بن چکی ہے تو پھر اسے فسخ کا حق حاصل نہ ہے اور اس حق کو خیار بلوغ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔

١- اَنَّ اَبَاهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَدَّثَهُمْ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَا تُنْكَحُ الْاَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ اِذْنُهَا؟ قَالَ اِنْ تَسْكُتَ. ●

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک بیوہ عورت سے مکمل مشورہ نہ کیا جائے، اس وقت تک اس کا نکاح نہ کیا جائے اور اسی طرح کنواری لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا کہیں نکاح نہ کیا جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ کنواری لڑکی کی اجازت کی صورت کیا ہوگی؟ فرمایا اس کا خاموش رہ جانا اس کا اذن ہوگا۔''

---

❶ متفق علیه وفی روایة لمسلم لا شغار فی الاسلام.

❷ صحیح البخاری: باب لاتنکح الاب وغیره البکر و الثیب الا برضاها۔ ج ۲ ص ۷۷۱.

اس حدیث صحیح سے معلوم ہوا کہ نکاح کی صحت کے لئے لڑکی کی اجازت اور اس کی رضا مندی نہایت ضروری ہے، خواہ وہ بیوہ ہو یا کنواری ہو۔ نابالغہ لڑکی چونکہ عدم شعور اور ناپختگی کی وجہ سے قابل اذن نہیں ہوتی، اس لئے بالغہ ہونے پر اس کو خیار اختیار شرعاً حاصل ہے کہ وہ اگر چاہے تو حق اذن اختیار و استعمال کر سکتی ہے۔ یعنی نابالغی کی عمر میں کیا گیا نکاح اس کی اپنی مرضی اور صوابدید پر موقوف ہے کہ فسخ کرانا چاہے تو کرا سکتی ہے اور اگر بحال رکھنا چاہے تو اس کی مرضی، اس کو اس شرعی حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔

۲۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ جَارِيَةً اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَخَيَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ ❶

''ایک جوان لڑکی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میری رضا کے بغیر میرے والد بزرگوار نے میرا نکاح کر دیا ہے تو آپ ﷺ نے اس لڑکی کو یہ نکاح بحال رکھنے اور بحال نہ رکھنے کا اختیار دے دیا۔''

حافظ ابن حجر کے مطابق یہ حدیث مرسل ہے۔ مگر امام محمد بن اسمٰعیل الکحلانی ارقام فرماتے ہیں:

وَاُجِيْبَ عَنْهُ بِاَنَّهُ رَوَاهُ اَيُّوْبُ بْنُ سُوَيْدٍ عَنِ الثَّوْرِيِّ عَنْ اَيُّوْبَ مَوْصُوْلاً وَكَذٰلِكَ رَوَاهُ معمر بْنُ عُثْمَانَ الرَّقِّيُّ عَنْ زَيْدِ بْنِ حِبَّانَ عَنْ اَيُّوْبَ مَوْصُوْلاً وَاِذَا اخْتُلِفَ فِي وَصْلِ الْحَدِيْثِ وَ اِرْسَالِهِ فَالْحُكْمُ لِمَنْ وَصَلَهُ قَالَ الْمُصَنِّفُ اَلطَّعْنُ فِي الْحَدِيْثِ لاَ مَعْنٰى لَهُ لِاَنَّهُ لَهُ طُرُقٌ يُقَوِّيْ بَعْضُهَا بَعْضاً ❷

''اس جرح کا جواب یہ ہے کہ ایوب بن سوید اور عمر بن عثمان رقی نے علی الترتیب ثوری اور زید بن حبان کے واسطہ سے ایوب سے موصول بیان کی ہے۔ پس اس کو مرسل قرار دینا درست نہیں کیونکہ یہ موصول اور قوی حدیث ہے۔ مزید ارقام فرماتے ہیں:

فَالْعِلَّةُ كَرَاهِيَتُهَا فَعَلَيْهَا عُلِّقَ التَّخْيِيْرُ لِاَنَّهَا الْمَذْكُوْرَةُ فَكَاَنَّهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كُنْتِ كَارِهَةً فَاَنْتِ بِالْخِيَارِ وَقَالَ الْمُصَنِّفُ اِنَّهَا وَاقِعَةُ عَيْنٍ كَلاَمٌ غَيْرُ صَحِيْحٍ بَلْ حُكْمٌ عَامٌّ لِعُمُوْمِ عِلَّةٍ فَاَيْنَمَا وُجِدَتْ ثَبَتَ الْحُكْمُ)❸

شیخ الحدیث حضرت مولانا شرف الدین محدث الدہلوی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو مرفوع اور قوی قرار دیا ہے۔❹

۳۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ فَتَاةً دَخَلَتْ عَلَيْهَا فَقَالَتْ اِنَّ اَبِيْ زَوَّجَنِيْ مِنِ ابْنِ اَخِيْهِ يَرْفَعُ خَسِيْسَتَهُ وَاَنَا كَارِهَةٌ قَالَتْ اِجْلِسِيْ حَتّٰى يَاْتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاَخْبَرَتْهُ فَاَرْسَلَ اِلٰى اَبِيْهَا فَدَعَاهُ فَجَعَلَ الْاَمْرَ اِلَيْهَا فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ اَجَزْتُ مَا

❶ رواه احمد و ابو داؤد و ابن ماجة۔ سبل السلام: ج ۳ ص ۱۲۲۔ ❷ سبل السلام: ج ۳ ص ۱۲۲۔
❸ سبل السلام: ج ۳ ص ۱۲۲، ۱۲۳۔ ❹ فتاویٰ نذیریہ: ج ۳ ص ۲۹۷۔

صَنَعَ اَبِیْ لِمَنْ اَرَدْتَ اَنْ اَعْلَمَ النِّسَآءِ ان الیس للا بآء من الامر شیئ. ●

''حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ ایک جوان لڑکی میرے پاس آئی اور کہا کہ میرے والد نے میرا نکاح اپنے بھتیجے کے ساتھ پڑھ دیا ہے تاکہ معاشرے میں اس کی ساکھ بحال ہو جائے جو مجھے پسند نہیں ۔ میں نے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کا انتظار کریں ۔ جب آپ ﷺ تشریف لائے تو اس لڑکی نے اپنا قصہ عرض کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے والد کو بلا کر اس نکاح کا معاملہ اس لڑکی کے ہاتھ میں دے دیا کہ وہ چاہے تو اس نکاح کو بحال رکھے اور چاہے تو فسخ کرا لے ۔ مزید تفصیل نیل الاوطار ج ۶ ص ۱۳۹ میں دیکھئے ۔

ان احادیث صحیحہ اور حسنہ مرفوعہ متصلہ اور قویہ سے ثابت ہوا کہ نابالغہ لڑکی بالغہ ہو کر نابالغی کے نکاح کو بحال رکھنے یا فسخ کرانے کا شرعاً حق رکھتی ہے ۔ بشرطیکہ بالغہ ہو کر اپنے شوہر کا فراش نہ بن چکی ہو ۔ دوسرے الفاظ میں خلوت صحیحہ عمل میں نہ آئی ہو ۔ لہٰذا مسماۃ امام حسین عرف فیضاں اس نکاح میں مختار ہے ۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب ۔

ولی کی اجازت کے بغیر نکاح

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک لڑکی عاقلہ بالغہ کا نکاح اس کے باپ کی اجازت کے بغیر چوری پڑھا گیا' لڑکی کا بھائی اور لڑکی کی والدہ موجود تھے ۔ کیا یہ نکاح صحیح ہے یا غلط؟

(سائل محمد جاوید ولد محبوب علی قوم گل منڈی ڈھاباں سنگھ دہاش کیراں منڈی متصل مسجد اہل حدیث مکان محمد اکرم صاحب)

جواب الجواب بعون الوهاب و منه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال موافقۃ السوال بالواقعہ واضح ہو کہ صحت نکاح کے لئے ولی اقرب کی اجازت شرط ہے ۔ بغیر ولی اقرب پڑھا گیا نکاح قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ کے مطابق منعقد ہی نہیں ہوتا ۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

۱۔ ﴿ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ﴾ (سورۃ النور: ۳۲)

''بیوہ عورتوں کا نکاح کر دیا کرو...... الخ''

۲۔ ﴿ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ﴾

نہ نکاح کرو تم مشرک لوگوں کے ساتھ جب تک ایمان نہ لے آئیں ۔

۳۔ ﴿ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ ﴾ البقرۃ

''نہ روکو تم بیوہ عورتوں کو اپنے سابقہ شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے ۔''

ان تینوں آیات سے معلوم ہوا کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا ۔ اگر ولیوں کے پاس کوئی اختیار ہی نہ ہوتو

● رواہ نسائی ۔ سبل السلام ج ۳ ص ۱۲۳ ۔

پھر ان آیات میں ان کو خطاب کرنا ہی بے معنی ہے۔ معلوم ہوا کہ عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی۔

۴۔ حدیث میں ہے:

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَانِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ۔ ❶

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔''

۵۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَیُّمَا امْرَاَةٍ نَکَحَتْ بِغَیْرِ اِذْنِ وَلِیِّهَا فَنِکَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِکَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِکَاحُهَا بَاطِلٌ۔ الحدیث۔ ❷

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس کا یہ نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے۔''

ان آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ ولی اقرب کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا اور حق ولایت والد کے لئے ہے، لہٰذا والد کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا آدمی ولی نہیں بن سکتا۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ علماء کا یہی فتویٰ ہے اور یہی صحیح ہے۔

امام شافعی کے نزدیک عورت کے ولیوں کی ترتیب یہ ہے:

اَلْاَبُ ثُمَّ الْجَدُّ اَبُو الْاَبِ، ثُمَّ الْاَخُ لِلْاَبِ وَالْاُمِّ ثُمَّ الْاَخُ لِلْاَبِ ثُمَّ ابْنُ الْاَبِ وَالْاُمِّ ثُمَّ ابْنُ الْاَخِ، ثُمَّ الْعَمُّ ثُمَّ ابْنُهُ عَلٰی هٰذَا التَّرْتِیْبِ ثُمَّ الْحَاکِمُ۔ ❸

فتاویٰ روپڑیہ (فتاویٰ اہلحدیث) میں ہے:

بہر صورت عورت کے لئے ولی کا ہونا ضروری ہے۔ اول نمبر والد ہے بعض اول نمبر بیٹے کو کہتے ہیں۔ (ج ۲ ص ۴۱۷)

اس تصریح سے ثابت ہوا کہ والد کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا شخص ولی نہیں بن سکتا۔

لہٰذا صورت مسؤلہ کے مطابق نکاح والد کی اجازت کے بغیر پڑھا گیا ہے اور چوری پڑھا گیا ہے۔ لہٰذا شرعاً یہ نکاح باطل ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ ماں تو سرے سے ولی بن ہی نہیں سکتی اور والد کی موجودگی میں بیٹے کو حق ولایت اپنی ہمشیرہ پر حاصل نہیں۔ لہٰذا یہ نکاح شریعت کی رو سے باطل اور کالعدم ہے۔ بشرطیکہ والد دانا اور خیر اندیش ہو۔ یہ جواب بشرط صحت سوال تحریر کیا گیا ہے۔ مفتی کسی بھی قانونی سقم یا عدالتی کارروائی کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ هذا ما عندی واللّٰه تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین کہ میرا لڑکا مسمی محمد رفیق ولد عبدالرحمٰن ۱۹۸۵ء کو چھوٹی

❶ رواه احمد وابوداود والترمذی وابن حبان والحاکم وصححاه، فقه السنة: ج ۲ ص ۱۱۲۔

❷ رواه احمد، وابوداود وابن ماجه والترمذی وقال حدیث حسن، قال القرطبی وهذا الحدیث صحیح. کذا فی فقه السنة: ج ۲ ص ۱۱۲۔

❸ فقه السنة: ج ۲ ص ۱۱۷۔

پانچ لڑکیاں اور ایک لڑکا چھوڑ کر فوت ہو گیا تھا۔ میں نے ہی اپنے ان یتیم پوتیوں اور پوتوں کی کفالت و تربیت کی ہے۔ ان بچیوں کے نانا نے ان کی کفالت اور پرورش میں کبھی بھی قطعاً کوئی حصہ نہیں لیا۔ اب میری بڑی پوتی جوان ہے اور اس کا نانا اور اس کی والدہ سینہ زوری اور دھمکی کے ساتھ میری اجازت اور مرضی کے خلاف میری اس جوان پوتی کا نکاح ایک ایسے شخص سے کر رہے ہیں جو غلط کار ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ حقیقی اور مشفق دادا کی موجودگی اور اس کی اجازت کے بغیر لڑکی کی والدہ اور اس کا نانا اس کا نکاح پڑھا سکتے ہیں؟ کیا ان کا یہ پڑھایا ہوا نکاح شرعی اور صحیح نکاح ہوگا یا نہیں؟ شرعی فتویٰ صادر فرمایا جانا نہایت ضروری ہے۔ (سائل عبدالرحمٰن ولد عمردین قوم ملک بمقام غازی پور ڈاکخانہ شرقپور ضلع شیخوپورہ)

جواب الجواب بعون الوهاب و منه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال واضح ہو کہ نکاح ولی مرشد (خیر خواہ) کی اجازت اور دو عادل گواہوں کی موجودگی کے بغیر شرعاً منعقد نہیں ہوتا۔ چنانچہ قرآن مجید میں متعدد آیات میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ ﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ﴾ (سورۃ النور: ایت ۳۲)

''اور جو تم میں مجرد ہوں اور جو تمہارے غلام اور لونڈیاں نیک ہوں سب کے نکاح کرا دو۔''

۲۔ ﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا﴾ (سورۃ البقرہ آیت ۲۲۲)

''اور مشرک مردوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں''

۳۔ ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۳۲)

''اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو اب انہیں اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔''

ان تینوں آیات بینات سے معلوم ہوا کہ صحت نکاح اور اس کے انعقاد کے لیے ولی مرشد (خیر خواہ) کی اجازت ضروری ہے۔ اگر ولیوں کو اختیار شرعاً حاصل نہ ہوتا تو ان کو خطاب کرنے کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے۔

عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ. ❶

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح شرعی منعقد نہیں ہوتا۔''

۲۔ وَقَالَ الْحَاكِمُ قَدْ صَحَّتِ الرِّوَايَةُ فِيْهِ عَنْ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَائِشَةَ وَ اُمِّ سَلَمَةَ وَ زَيْنَبَ ثُمَّ سَرَدَ تَمَامَ ثَلَاثِيْنَ صَحَابِيًا. ❷

حضرت عائشہ ؓ اور حضرت ام سلمہ ؓ سے صحیح حدیث رسول ثابت اور مروی ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر شریعت میں نکاح صحیح قرار نہیں پاتا اور پھر امام حاکم نے پوری تیس حدیثیں روایت کی ہیں۔ ان آیات قرآنیہ اور احادیث رسول سے ثابت ہوا کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا۔ اب رہا یہ سوال کہ شریعت میں اصل اور صحیح ولی کون ہے؟ دادا ہے یا

❶ رواه احمد وابوداود والترمذی وابن حبان والحاكم وصححاه، (فقه السنة: ج ۲ ص ۱۱۲)

❷ فقه السنة: ج ۲ ص ۱۱۳.

نانا؟ تو جاننا چاہیے کہ اہل حدیث' حنابلہ' شوافع اور احناف اور جمہور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہیں اور ان کا اجماع ہے کہ اصل ولی لڑکی کا والد ہے۔ اگر والد نہ ہو، یعنی فوت ہو چکا ہو تو لڑکی کا دادا ولی ہوتا ہے۔ چنانچہ العدۃ شرح عمدۃ الاحکام میں ہے۔

۷۔ اَوْلَی النَّاسِ بِتَزْوِیْجِ الْحُرَّةِ اَبُوْ هَا ثُمَّ اَبُوْهُ وَاِنْ عَلاثُمَّ ابْنُهَاثُمَّ ابْنُهُ وَاِنْ نَزَلَ. (ص ۳۶۲)

''آزاد لڑکی کے نکاح کا ولی اس کا والد ہے' اگر والد فوت ہو چکا پھر اس لڑکی کا دادا پھر پردادا اوپر تک اور اگر دادا نہ ہو تو اس عورت کا لڑکا ولی ہے اور لڑکا زندہ نہ ہو تو پوتا نیچے تک۔'' معلوم ہوا نانا کو حق ولایت حاصل نہیں۔

۸۔ شرح وقایہ حنفیوں کی مشہور کتاب ہے اس میں ہے:

وَالْوَلِیُّ الْعَصَبَةُ عَلٰی تَرْتِیْبِ الْاِرْثِ وَالْحَجَبِ. الخ ❷

یعنی نکاح کے باب میں ولایت کا اختیار (باپ' دادا کے بعد) چچا کو حاصل ہے۔ ماں' دادی' نانا اور نانی کو کچھ اختیار نہیں۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی ج ۲ ص ۳۹۹۔

۹۔ مفتی اعظم مولوی عزیز الرحمان دیوبندی حنفی فرماتے ہیں کہ لڑکی کے باپ کے بعد دادا ولی ہوتا ہے دادا نہ ہو تو پھر بھائی ولی ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ا ص ۴۲۹۔ فتویٰ نمبر ۷۶۷۔

۱۰۔ مفتی اعظم مولانا محمد شفیع کراچوی دیوبندی لکھتے ہیں۔ اگر نابالغہ کا باپ یا دادا زندہ نہیں تو اس کا ولی نکاح اس کا حقیقی بھائی ہے۔ ماں یا سوتیلا باپ نہیں۔ ملاحظہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۵۴۳ فتویٰ نمبر ۴۰۶

۱۱۔ شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ فتاویٰ نذیریہ: ص ۳۹۹۔

۱۲۔ مفتی جماعت اہل حدیث عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں: عورت کے لئے ولی کا ہونا ضروری ہے۔ اول نمبر والد ہے، پھر بیٹا بعض بیٹے کو اول نمبر رکھتے ہیں اگر یہ ظلم کریں تو بھائی اس کے بعد چچا پھر چچا کا بیٹا۔ پھر دادے کی اولاد اس طرح اوپر جہاں تک اپنے نسب کا علم ہو۔ غرض باپ کی طرف سے حق ولایت ہے ماں کی طرف سے نہیں کیونکہ ماں کی قرابت کمزور ہے۔ اس لئے ماموں یا نانا وارث نہیں ہوتے۔ ❶

خلاصہ:

خلاصۂ بحث یہ کہ قرآن وحدیث کے مذکورہ حوالہ کے مطابق ولی کی اجازت کے بغیر شرعاً نکاح نہیں ہوتا اور فقہائے اہل حدیث' فقہائے مالکیہ' فقہائے شوافع' فقہائے احناف اور جمہور علمائے امت کے نزدیک دادا اور چچا کی موجودگی میں لڑکی کی والدہ' لڑکی کا ماموں یا نانا شرعاً ولی نہیں بن سکتا اور نانا کا پڑھایا ہوا نکاح شریعت میں نکاح نہیں بلکہ سفاح اور زنا ہوگا۔ لہٰذا اس لڑکی کے نانا کو اس حرکت سے باز آ جانا چاہیے۔ اس لڑکی کی ولایت نکاح کا حق صرف اس لڑکی کے دادا عبدالرحمٰن ولد عمر دین کو ہی شرعاً حاصل ہے کسی اور کو ہرگز نہیں۔ مفتی قانونی سقم کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ هذا ما عندي والله اعلم بالصواب.

---

❶ فتاوی اهل حدیث: ج ۲ ص ۴۰۷' ۴۰۸.   ❷ شرح وقایه ج ۲ ص.

والد کی رضا مندی ضروری ہے

سوال: گزارش ہے کہ ایک مسئلہ پر فتویٰ چاہیے۔ مسئلہ یہ ہے کہ میرے دوست نے ایک دوسری برادری کی لڑکی سے اس کے والدین کی رضامندی کے بغیر شادی کر لی ہے۔ اب اس لڑکی کے ماں باپ کا یہ موقف ہے کہ ہم اس شادی کو نہیں مانتے' ہم اس لڑکی کا نکاح اپنی مرضی سے کسی دوسرے سے کریں گے۔ سوال یہ ہے کہ لڑکی کا پہلے نکاح جو ہو چکا ہے اس کی موجودگی میں کیا لڑکی کے ماں باپ اس کا نکاح کسی اور سے کر سکتے ہیں جب کہ لڑکے والے کہتے ہیں کہ ہم یہ نکاح نہیں ہونے دیں گے یہ برائے مہربانی اس کی شرعی حیثیت کے بارے میں وضاحت فرما دیں۔ (سائل حافظ محمد اسلام تاج غازی پارک بلال سٹریٹ نمبر ۶ عامر روڈ شاد باغ لاہور)

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب - بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ انعقاد نکاح لڑکی اور اس کے والد یا کسی شرعی اور صحیح ولی کی باہمی رضامندی اور ہم آہنگی پر موقوف ہے۔ اگر لڑکی اور اس کے شرعی ولی کی باہمی رضامندی اور ہم آہنگی نہیں ہوگی تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔ یعنی ایسا نکاح شرعاً صحیح نہیں ہوگا اور ایسے نکاح کی صورت میں اس جوڑے کا اختلاط سراسر گناہ اور سفاح ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں صحت نکاح کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے۔ صحیح بخاری میں ہے۔

۱۔ بَابُ مَنْ قَالَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ فَدَخَلَ فِيهِ الثَّيِّبُ وَكَذٰلِكَ الْبِكْرُ وَقَالَ ﴿وَلَا تُنْكِحُوا حَتّٰى يُؤْمِنُوا﴾ وَقَالَ ﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامٰى مِنْكُمْ﴾ [1]

کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں اور نکاح ٹوٹ جائے تو دوبارہ ان عورتوں کو اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے مت روکو، یعنی جب طلاق رجعی ہو۔ معلوم ہوا کہ ولی کو روکنے کا اختیار ہے ورنہ اللہ تعالیٰ یہ آیت نازل نہ فرماتا۔ اور دوسری دونوں آیات میں بھی ولیوں کو یہی خطاب فرمایا گیا ہے کہ ولیوں کو اختیار حاصل ہے۔ پھر امام بخاری حضرت معقل بن یسار کی مشہور حدیث لائے ہیں۔

۲۔ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسٰى عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْمَدِينِيِّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَأَعَلَّهُ بِالْإِرْسَالِ۔۔۔ وَهٰكَذَا صَحَّحَهُ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ فِيمَا حَكَاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ. [2]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔''

---

[1] صحیح بخاری: ج ۲ ص ۷۶۹۔ [2] سبل السلام: ج ۳ ص ۱۱۷۔

اس صحیح حدیث اور قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیات کے مطابق ولی کی اجازت ضروری ہے ورنہ نکاح شرعاً صحیح نہ ہوگا۔ چونکہ صورت مسئولہ میں خط کشیدہ وضاحت کے مطابق یہ نکاح والد، یعنی ولی کی مرضی اور اجازت کے بغیر کیا گیا ہے، لہٰذا یہ نکاح غیر شرعی اور باطل ہے۔ مفتی کسی بھی قانونی سقم اور عدالتی کارروائی کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ یہ محض شرعی فتویٰ ہے جو بشرط صحت سوال تحریر کیا گیا ہے۔ ھذاما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسمی محمد یوسف ولد محمد دین قوم کمبوہ چک نمبر 28/2/ تحصیل وضلع اوکاڑہ کا رہائشی ہوں۔

یہ کہ میری حقیقی دختر مسماۃ نسیم کوثر کا نکاح ہمراہ مسمی یٰسین ولد نظر محمد قوم کمبوہ چک نمبر 28/2/ تحصیل وضلع اوکاڑہ سے عرصہ تقریباً ایک ماہ تین یوم قبل ہوا جبکہ مسمات مذکورہ دس یوم آباد رہی۔ دوران آبادگی مسمی یٰسین مسمات مذکورہ پر نہایت ہی ظلم وستم کرتا رہا۔ یاد رہے کہ مسماۃ مذکورہ کے باپ کو اس نکاح کا علم نہ ہے مسمات مذکورہ کو چچی کے بھائی نے ورغلا پھسلا کر زبردستی نکاح کر دیا اور مسمات مذکورہ کو قتل کی بھی دھمکی دی کہ اگر تم میرے ساتھ نکاح نہیں کرو گی تو میں تم کو قتل کر دوں گا بعد میں جب مسمات مذکورہ کے باپ اور رشتہ داروں کو پتہ چلا تو وہ مسمات مذکورہ کو ڈھونڈ کر لے آئے۔ مسمات بہت پریشان ہے۔ اور اب اپنے باپ کے ہاں رہ رہی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا زبردستی نکاح شرعاً جائز ہے کہ نہیں؟ برائے مہربانی مذکورہ بالا مسئلہ حل فرما کر ثواب دارین حاصل کریں قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب دیں۔ سوال صداقت پر مبنی ہے نیز مسمات نکاح جدید کی حق دار ہے کہ نہیں نیز کذب بیانی ہوگی تو سائل خود ذمہ دار ہوگا، لہٰذا ہمیں شرعی فتویٰ دیا جانا مناسب ہے۔ (سائل محمد یوسف)

جواب: الجواب بعون الوھاب ومنہ الصدق والصواب: بشرط صحت سوال وبشرط صدق گواہان صورت مسئولہ میں شرعاً نکاح منعقد نہیں ہوا۔ کیونکہ صحت نکاح کے ولی مرشد کی اجازت شرعاً ضروری اور لازمی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (البقرۃ: ۲۳۲)

''اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو تم ان کو ان کے (پہلے) شوہروں سے دوبارہ نکاح کرنے سے منع نہ کرو جب وہ آپس میں دستور کے موافق راضی ہو جائیں۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوا کہ مطلقہ رجعیہ بھی بعد از عدت اپنے سابقہ خاوند سے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے اپنی صحیح بخاری میں یہ باب باندھتے ہیں: باب من قال لا نکاح الا بولی۔ یعنی اس شخص کی دلیل کا بیان جو صحت نکاح کے لئے ولی کی اجازت ضروری اور لازمی کہتا ہے۔ پھر امام صاحب نے اس آیت کو بطور دلیل کے درج فرمایا ہے:

فَدَخَلَ فِيهِ الثَّيِّبُ وَكَذٰلِكَ الْبِكْرُ وَقَالَ ﴿لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتّٰى يُؤْمِنُوا﴾ وَقَالَ ﴿وَأَنْكِحُوا الْأَيَامٰى مِنْكُمْ﴾ ❶

---

❶ صحیح البخاری: ج ۲ ص ۷۶۸.

اوران تمام آیات میں نکاح کا مختار ولی کو بتلایا گیا ہے۔اب احادیث رسول اللہ ﷺ ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ عَنْ اَبِی بُرْدَةَ بْنِ اَبِی مُوسَی الْاَشْعَرِیِّ عَنْ اَبِیهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لا نِكَاحَ اِلا بِوَلِيٍّ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْاَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْمَدِيْنِيِّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَاَعَلَّهُ بِاِرْسَالِهِ. ❶

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا۔''

اس حدیث کو امام علی بن مدینی' ترمذی اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔اگر چہ اس حدیث پر مرسل ہونے کا طعن ہے۔امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

الحدیث عِنْدِیْ اَصَحُّ وَهٰكَذَا صَحَّحَهُ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ فِيمَا حَكَاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ عَنْ اَبِي الْمُثَنّٰى عَنْهُ وَقَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِيْنِيِّ حَدِيْثُ اِسْرَائِيْلَ فِي النِّكَاحِ صَحِيْحٌ. ❷

ابن کثیر اور علی بن مدینی اور عبدالرحمٰن بن مھدی کے مطابق یہ حدیث صحیح اور مرفوع ہے۔

۳۔ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ. الخ ❸

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت اپنے شرعی ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گی تو اس کا نکاح باطل ہے' باطل ہے' باطل ہے۔''

۴۔ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاتُزَوِّجُ الْمَرْاَةُ الْمَرْاَةَ وَلاَ لاتُزَوِّجُ الْمَرْاَةُ نَفْسَهَا فَاِنَّ الزَّانِيَةَ هِيَ الَّتِیْ تُزَوِّجُ نَفْسَهَا. ❹

''حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کہ کوئی عورت کسی دوسری کا ولی بن کر نکاح نہ کرے اور نہ خود اپنا ولی بن کر نکاح کرے، وہ عورت زانیہ ہے جو خود اپنا نکاح کرے۔''

۵۔ عَنْ عِكْرِمَةَ بْنِ خَالِدٍ قَالَ جَمَعَتِ الطَّرِيْقُ رَكْبًا فَجَعَلَتْ امْرَاَةٌ مِنْهُنَّ ثَيِّبٌ اَمْرَهَا بِيَدِ رَجُلٍ غَيْرِ وَلِيٍّ فَاَنْكَحَهَا فَبَلَغَ ذٰلِكَ عُمَرَ فَجَلَدَ النَّاكِحَ وَالْمُنْكِحَ وَرَدَّ نِكَاحَهَا. ❺

''عکرمہ بن خالد تابعی کہتے ہیں راہ چلتے ایک قافلہ میں ایک رانڈ عورت نے کسی غیر آدمی کو اپنا ولی بنا لیا اور اس فرضی ولی نے اس کا کسی سے نکاح کر دیا۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے

---

❶ سبل السلام شرح بلوغ المرام: باب لا نکاح الا بولی۔ ج۳ ص ۱۱۷ و نیل الاوطار: ج ٦ ص ۱۳۷۔

❷ سبل السلام: ج ۳ ص ۱۱۷۔ ❸ رواہ الخمسة الاالنسائی' نیل الاوطار: ج ٦ ص ۱۳۷۔

❹ رواہ ابن ماجه والدارقطنی' نیل الاوطار' حواله مذکوره. ❺ رواہ الشافعی والدارقطنی ج۳، ص ۲۲۵، ومحلی ابن حزم، ج۹، ص ٤٥٢۔

اس فرضی ولی اور نکاح پڑھوانے والے کو درے لگائے اور نکاح کالعدم قرار دے دیا۔"

۶۔ امام ابن کثیر ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ الخ﴾ والی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: وَ فِيْهَا دَلَالَةٌ عَلٰى اَنَّ الْمَرْاَةَ لَا تَمْلِكُ اَنْ تَزَوَّجَ نَفْسَهَا وَاِنَّهُ لَا بُدَّ فِي النِّكَاحِ مِنْ وَلِيٍّ كَمَا قَالَهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ جَرِيْرٍ عِنْدَ هٰذِهِ الْاٰيَةِ. ❶

"یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ عورت اپنے نکاح میں مختار نہیں، بلکہ ولی کی اجازت صحت نکاح کے لئے شرط ہے۔"

۷۔ امام محمد بن اسمٰعیل الامیر لکھتے ہیں:

فَالْجُمْهُوْرُ عَلٰى اِشْتِرَاطِهِ وَاِنَّهَا لَا تُزَوِّجُ الْمَرْاَةُ نَفْسَهَا. ❷

یعنی جمہور علماء ولی کی اجازت کو صحت نکاح کی شرط قرار دیتے ہیں۔

۸۔ امام شوکانی رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں:

وَقَدْ ذَهَبَ اِلٰى هٰذَا عَلِيٌّ وَّ عُمَرُ وَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّ جَمْهُوْرُ اَهْلِ الْعِلْمِ فَقَالُوْا لَا يَصِحُّ الْعَقَدُ بِدُوْنِ وَلِيٍّ قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ اِنَّهُ لَا يُعْرَفُ عَنْ اَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ خِلَافُ ذٰلِكَ. ❸

حضرت عمرؓ ابن عباسؓ ابن عمر رضی اللہ عنہم تابعین امام احمد اسحاق شافعی وغیرہ فقہاء کا یہی مذہب ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا۔ اور ابن المنذر کے مطابق کوئی ایک صحابی بھی اس میں مخالف نہیں۔

فیصلہ صورت مسئولہ میں مذکورہ آیات اور احادیث صحیحہ قویہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فقہائے اسلام کے مطابق یہ نکاح شرعاً منعقد ہی نہیں ہوا کیونکہ اس میں ولی کی اجازت شامل نہیں۔ بلکہ حسب تحریر لڑکی کو اغوا کر کے زبردستی اس کے ساتھ نکاح کا ڈھونگ رچایا گیا ہے، لہٰذا اس طرح کا نکاح سراسر دھوکہ اور سینہ زوری پر مبنی ہونے کی وجہ سے شرعاً باطل ہے۔ لہٰذا عدالتی کارروائی کے بعد یہ لڑکی جدید نکاح کی شرعاً حقدار ہے۔ مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسمی بابل ولد بہاول قوم انصاری چک نمبر ۸۱ موضع چوہے جھار تحصیل وضلع شیخوپورہ کا رہائشی ہوں مجھے ایک شرعی مسئلہ دریافت کرنا مقصود ہے جو ذیل عرض ہے۔

یہ کہ میری حقیقی دختر مسمات آمنہ بی بی کا نکاح باپ، والدہ اور بھائی کے بغیر ہوا جبکہ مسمات آمنہ بی بی پھوپھی کو ملنے گئی تو مسمات مذکورہ کو ورغلا کر نکاح کر دیا، اس نکاح کو ۴ ماہ کا عرصہ ہو چکا ہے اور نکاح کے بعد مسمات مذکورہ اپنے خاوند محمد علی ولد شا قوم انصاری موضع تا بیلے والی تحصیل حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ کے ہاں آباد نہیں ہوئی ہے صرف شرعاً نکاح ہی کیا ہے اور نہ مسمات مذکورہ کے والدین کو اس نکاح کا علم تھا، اب مسمات مذکورہ اپنے خاوند کے ہاں نہ ہی آباد ہونے کو تیار ہے۔ اب مسمات

❶ ابن کثیر: ج ۱ ص ۲۸۲۔
❷ سبل السلام ج ۳ ص ۱۱۷۔
❸ نیل الأوطار: ج ۶ ص ۱۳۶۔

آمنہ بی بی کے والدین سخت پریشان ہیں، ان حالات اب سوال ہے کہ بغیر والدین کی رضامندی کے نکاح ہو سکتا ہے یا کہ نہیں اور مسمات مذکورہ اب نکاح جدید کی حق دار ہے کہ نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔
کذب بیانی کا سائل خود ذمہ دار ہوگا۔

تصدیق: ہم اس سوال کی حرف بحرف حلفاً تصدیق کرتے ہیں کہ سوال بالکل صداقت پر مبنی ہے اگر کسی وقت غلط ثابت ہوگا تو ہم تصدیق کنندگان اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ لہٰذا ہمیں شرعی فتویٰ دیا جانا مناسب ہے۔

۱۔ محمد اصغر ولد امیر چک نمبر ۱۸ موضع چوہے جھاڑ تحصیل وضلع شیخوپورہ۔
۲۔ قابے خاں ولد شاہ محمد قوم چک نمبر ۱۸ موضع چوہے جھاڑ تحصیل وضلع شیخوپورہ۔

جواب الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال و بشرط صحت تحریر ہذا صورت مسئول میں شرعاً نکاح منعقد نہیں ہوا کہ شرعاً کوئی عورت نہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے اور نہ کسی دوسری عورت کی شرعاً ولی بن سکتی ہے، جبکہ صحت نکاح کے لئے ولی مرشد کی اجازت از بس ضروری ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

بَابُ مَنْ قَالَ لاَ نِكَاحَ اِلاَّ بِوَلِيٍّ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ فَدَخَلَ فِيْهِ الثَّيِّبُ وَكَذٰلِكَ الْبِكْرُ وَقَالَ ﴿لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا﴾ وَقَالَ ﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ﴾ ❶

"اس بات کا بیان کہ جو شخص نکاح کی صحت کے لئے شرعی ولی کی اجازت کو ضروری خیال کرتا ہے وہ قرآن مجید کی اس آیت سے دلیل لیتا ہے کہ جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ عدت پوری کر لیں تو ان کو نکاح سے نہ روکو۔ یعنی اگر ولی کو کوئی اختیار ہی نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے ولیوں کو یہ حکم کیوں دیا ہے، لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ ولی کو حق ولایت بہر حال حاصل ہے۔ عورت خواہ شوہر دیدہ ہو یا کنواری ہو۔ اور اسی طرح آیت لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ اور اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى میں بھی عورتوں کے لئے ولیوں کو خطاب کیا گیا ہے، لہٰذا ان تینوں نصوص سے ثابت ہوا کہ صحت نکاح کے لئے ولی مرشد کی اجازت ناگزیر ہے۔ ورنہ ان تینوں آیات میں ولیوں کو خطاب کا کوئی معنی باقی نہیں رہتا۔ اور یوں کلام الٰہی عبث قرار پاتی ہے۔ حاشا وکلا۔

اب احادیث ملاحظہ فرمائیے:

۲۔ عَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ بْنِ اَبِيْ مُوْسٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ.
رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْاَرْبَعَةُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ الْمَدِيْنِيْ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَاَعَلَّهُ بِالْاِرْسَالِ قَالَ عَلِيُّ ابْنُ الْمَدِيْنِيْ حَدِيْثُ اِسْرَائِيْلَ فِي النِّكَاحِ صَحِيْحٌ وَكَذَا صَحَّحَهُ الْبَيْهَقِيُّ وَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنَ الْحُفَّاظِ وَقَالَ الْحَاكِمُ وَقَدْ صَحَّتِ الرِّوَايَةُ فِيْهِ عَنْ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

❶ صحیح بخاری: ج ۲ ص ۷۶۹.

وَسَلَّمَ عَائِشَةَ وَ اُمِّ سَلَمَةَ وَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَ وَفِى الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَّ ابْنِ عَبَّاسٍ ثُمَّ سَرَدَ ثَلاثِيْنَ صَحَابِيًّا وَالْحَدِيْثُ دَلَّ عَلٰى اَنَّهُ لاَيَصِحُّ النِّكَاحُ اِلاَّ بِوَلِيٍّ. ❶

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شرعی ولی کی اجازت کے بغیر نکاح شرعاً صحیح قرار نہیں پاتا۔'' اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کو امام احمدؒ ابوداوٗد ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ امام علی بن مدینی اور ترمذی اور بیہقی اور متعدد حفاظ حدیث نے صحیح قرار دیا ہے، تاہم حافظ ابن حجر نے اس کو مرسل حدیث قرار دیا ہے اور امام حاکم کے مطابق امہات المومنین حضرت عائشہ ام سلمہ اور زینب بنت جحش رضی اللہ عنہن سے بھی اس بارے میں صحیح احادیث مروی ہیں اور اسی طرح اس مسئلہ میں حضرت علی، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ تیس صحابہؓ سے بھی احادیث منقول ہیں اور ان احادیث کی وجہ سے جمہور علمائے امت کے نزدیک صحت نکاح کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے، ورنہ نکاح صحیح نہیں ہوتا۔

۳۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَاِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ وَبِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا. (اَخْرَجَهُ الْاَرْبَعَةُ اِلاَّ النَّسَائِيُّ وَ صَحَّحَهُ اَبُوْ عَوَانَةَ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ وَقَالَ ابْنُ كَثِيْرٍ وَ صَحَّحَهُ يَحْيٰى بْنُ مَعِيْنٍ وَغَيْرُهُ مِنَ الْحُفَّاظِ. ❷

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے تو اس کا نکاح باطل ہے اور دخول کی صورت میں وہ عورت اپنے اسی غیر شرعی شوہر سے مہر حاصل کرے گی۔''

۴۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ وَلاَ تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا. ❸

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی عورت کسی دوسری عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ ازخود اپنے نکاح ولی بنے۔'' یعنی عورت ولی نکاح نہیں ہو سکتی۔

امام محمد بن اسماعیل الامیر اس حدیث کی شرح میں رقم طراز ہیں:

فِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ الْمَرْأَةَ لَيْسَ لَهَا وِلاَيَةٌ فِي الْاِنْكَاحِ لِنَفْسِهَا وَلاَ لِغَيْرِهَا فَلاَ عِبَارَةَ لَهَا فِي النِّكَاحِ اِيْجَابًا وَّلاَ قَبُوْلاً فَلاَ تُزَوِّجُ نَفْسَهَا اِلاَّ بِاِذْنِ الْوَلِيِّ وَلاَ غَيْرَهُ وَلاَ تُزَوِّجُ غَيْرَهَا بِوِلاَيَةٍ وَّلاَ بِوَكَالَةٍ وَّلاَ تَقْبَلُ النِّكَاحُ بِوِلاَيَةٍ وَّلاَ وِكَالَةٍ وَّهُوَ قَوْلُ الْجُمْهُوْرِ. ❹

❶ سبل السلام: ج ۳ ص ۱۱۷۔ ❷ سبل السلام: ج ۳ ص ۱۱۸۔

❸ رواہ ابن ماجہ والدارقطنی ورجالہ ثقات، سبل السلام: ج ۳ ص ۱۲۰۔

❹ سبل السلام: ج ۳ ص ۱۲۰۔

یعنی یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کو حق ولایت حاصل نہیں، لہٰذا وہ نہ اپنی ذات کے لئے ولی بن سکتی ہے اور نہ کسی دوسری عورت کے نکاح کی ولی بن سکتی ہے، یعنی از خود نہ اپنا نکاح کر سکتی ہے اور نہ کسی دوسری عورت کی ولی بن سکتی ہے، اس لئے اس کی زیر ولایت کیا گیا نکاح نا قابل اعتبار ہے۔

چونکہ صورت مسئولہ میں بشرط صحت سوال مسمات آمنہ بی بی بنت بہاول انصاری کا نکاح باپ کی اجازت کے بغیر بلکہ اس کی غیر موجودگی میں پڑھا گیا ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا آیات مقدسہ اور احادیث صحیحہ کے مطابق یہ نکاح شرعاً باطل ہے، کیونکہ سرے سے منعقد ہی نہیں ہوا کہ شرعی ولی، یعنی باپ کی اجازت کے بغیر پڑھا گیا ہے اور جب یہ نکاح باطل ہے تو پھر وہ آزاد ہے اور اپنے شرعی ولی کی اجازت کے ساتھ اور اس کے زیر اہتمام جہاں چاہے نکاح کر لینے کی حق دار ہے۔ مگر استبراء رحم ضروری ہے تا کہ پتہ چلے کہ حاملہ نہیں۔ اگر حاملہ ہو تو پھر وضع حمل سے قبل نکاح صحیح نہ ہاں اگر یہ نکاح رجسٹرڈ ہو چکا ہے تو پھر اپنے فیصلے کی تکمیل میں علاقہ کے چیئرمین کو اعتماد میں لینا ضروری ہے تا کہ قانونی سقم پیدا نہ ہو۔ مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب في يوم الحساب.

لا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ:

اس جگہ تنظیم اہل حدیث مضمون لگے گا۔ قسط نمبر ا۔ درجہ ذیل قسط ۳ ہے

۵۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ. الحديث. ❶

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا، وہ نکاح باطل ہے وہ نکاح باطل ہے وہ نکاح باطل ہے۔“

اگر میاں بیوی ازدواجی عمل کر چکے ہوں تو اس صورت میں عورت کو حق مہر ملے گا۔ اگر اولیائے نکاح کا آپس میں اختلاف ہو تو پھر سلطان وقت (علاقے کا مجاز افسر) اس کا ولی ہوگا، جس کا کوئی ولی نہ ہو۔

وَقَدْ صَحَّحَ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا اَنْكَحَتْ رَجُلاً مِنْ بَنِيْ اَخِيْهَا فَضَرَبَتْ بَيْنَهُمْ بِسَتْرٍ ثُمَّ تَكَلَّمَتْ حَتّٰى اِذَا لَا يَبْقَ اِلَّا الْعَقْدُ اَمَرَتْ رَجُلاً فَاَنْكَحَ ثُمَّ قَالَتْ لَيْسَ اِلَى النِّسَاءِ نِكَاحٌ. ❷

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے اپنے ایک بھتیجے کے نکاح کا پروگرام بنایا اور پردے میں بیٹھ کر بات چیت طے کی اور جب عقد پڑھنے کا موقع آیا تو ایک آدمی کو نکاح کرا دینے کا حکم دیا تو اس نے نکاح کر دیا، بعد ازاں فرمایا کہ عورتوں کو نکاح کرنے کا اختیار حاصل نہیں۔

۶۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُزَوِّجُ

❶ رواه الخمسة الا النسائي، نيل الاوطار باب لا نكاح الا بولي ج ٦ ص ١١٨.

❷ اخرجه عبدالرزاق، فتح الباري ج ٩ ص ١٥٢.

الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ وَلَا تَزَوِّجُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا. ❶

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ خود اپنا نکاح کرے۔''

۸۔ قَالَ الْحَاكِمُ وَقَدْ صَحَّتِ الرِّوَايَةُ فِيهِ عَنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ عَائِشَةَ وَ أُمِّ سَلَمَةَ وَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَّ ابْنِ عَبَّاسٍ ثُمَّ سَرَدَ تَمَامَ ثَلَاثِيْنَ صَحَابِيًّا. وَالْحَدِيْثُ دَلَّ عَلَى أَنَّهُ لَا يَصِحُّ النِّكَاحُ إِلَّا بِوَلِيٍّ اَلْأَصْلُ فِي النَّفْيِ نَفْيُ الصِّحَةِ. ❷

''اس باب میں ازواج مطہرات عائشہ، ام سلمہ، زینب بنت جحش، علی، ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث مروی ہیں۔ پھر امام حاکم نے ایسے تیس صحابہ گنوائے ہیں جن سے حدیث لانکاح مروی ہے اور لا نکاح الا بولی میں لانفی صحت ہے، لانفی کمال نہیں کیونکہ نفی سے مراد دراصل صحت کی نفی ہوتی ہے، یعنی کلی طور پر نکاح کی نفی مراد ہے۔

۹۔ عَنِ ابْنِ الْمُنْذِرِ أَنَّهُ لَا يَعْرِفُ عَنْ أَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ خِلَافَ ذٰلِكَ وَعَلَيْهِ دَلَّتِ الْأَحَادِيْثُ. ❸

یعنی امام ابن منذر تصریح فرماتے ہیں کہ کوئی ایسا صحابی نہیں جو نکاح میں ولی کی اجازت کو لازمی شرط نہ سمجھتا ہو۔ یعنی بدون اذن ولی نکاح کا قائل ہو۔ بالفاظ دیگر صحابہ کرام میں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں اور مذکورہ بالا احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ اسی پر دلالت کرتی ہے۔

۱۰۔ امام شوکانی رحمہ اللہ تصریح فرماتے ہیں:

وَقَدْ ذَهَبَ إِلَى هٰذَا عَلِيٌّ وَّ عُمَرُ... وَجَمْهُوْرُ أَهْلِ الْعِلْمِ فَقَالُوْا لَا يَصِحُّ الْعَقْدُ بِدُوْنِ وَلِيٍّ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، عائشہ رضی اللہ عنہا، حسن بصری، سعید بن مسیب، ابن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ، عترت، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، شافعی اور جمہور اہل علم رحمہم اللہ اسی طرف گئے ہیں اور کہا ہے کہ ولی کی رضا مندی اور اجازت کے بغیر نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ ❹

محقق سید محمد سابق کے مطابق امام مالک، قاضی شریح، ابراہیم نخعی، عمر بن عبدالعزیز، سفیان ثوری، اوزاعی، عبداللہ بن مبارک، ابن حزم، طبری اور ابوثور کا بھی یہی مذہب اور فتویٰ ہے۔ ❺

---

❶ رواہ ابن ماجۃ، والدارقطنی ورجالہ ثقات، سبل السلام ج ۳ ص ۱۱۹، ۱۲۰ وقال الشیخ ناصر الالبانی صحیح اخرجہ، ابن ماجۃ والدارقطنی والبیھقی، ارواء الغلیل ج ٦ ص ۲٤۸. ❷ سبل السلام: ج ۳ ص ۱۱۷، و نیل الاوطار: ج ٦ صل ۱۱۹.

❸ فتح الباری: ج ۹ ص ۱٥٤، و سبل السلام: ج ۳ ص ۱۱۷. ❹ نیل الاوطار: ج ٦ ص ۱۱۹. ❺ فقہ السنۃ: ج ۲ ص ۱۱۳.

۱۱- حضرت شاہ ولی اللہ کی رائے سامی:

آپ اسلام کے نامور فلاسفر احکام شریعت کے اسرار و رموز کے بڑے شناور اور غواص ہیں۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ)) جان لو کہ خصوصاً نکاح میں عورتوں کو حکم (بااختیار اتھارٹی) سمجھ لینا روا نہیں کیونکہ عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں اور ان کی فکر ناقص ہوتی ہے۔ اس لئے بسا اوقات مصلحت کی طرف ان کی رہبری نہ ہو سکے گی۔ دوسرے غالباً وہ حسب کی حفاظت نہ کریں گی اور بسا اوقات غیر کفو کی طرف ان کی رغبت ہو سکتی ہے اور اس میں ان کی قوم کی عار ہے۔ پس ضروری ہوا کہ ولی کو اس باب میں کچھ دخل دیا جائے تا کہ یہ مفسدہ بند ہو، نیز ضرورت جبلی کے اعتبار سے لوگوں میں عام طریقہ یہ ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہوتے ہیں اور تمام بندوبست انہی سے متعلق ہوتا ہے، جیسا کہ ﴿الرجال قوامون﴾ توامرن علی النساء میں یہ وضاحت موجود ہے۔ نیز نکاح کے اندر ولی کی شرط لگانے میں اولیا کی عزت ہے اور عورتوں کو اپنا نکاح خود بخود کرنے میں ان کی بے عزتی ہے جس کا دارومدار بے حیائی پر ہے اور اولیا کی مخالفت اور ان کی بے قدری ہے۔ نیز یہ بات بھی واجبات سے ہے کہ نکاح اور زنا میں شہرت کے ساتھ امتیاز ہو اور شہرت کی بہتر صورت یہ ہے کہ عورت کے اولیا نکاح میں موجود ہوں۔ [1]

خلاصہ کلام یہ کہ قرآن مجید' احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ سلف صالحین، یعنی جملہ صحابہ کرام' فقہاء' تابعین' حضرت امام بخاری و دیگر فقہاء و محدثین' ائمہ مذاہب اور جمہور علمائے اسلام کی تصریحات کے مطابق ہمارے ان فاضل ججوں کا یہ فیصلہ اسلام کے عائلی نظام کے سراسر منافی اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی توہین پر مشتمل ہے۔ اس فیصلہ کو بحال رکھنا اسلامی معاشرہ کی بنیادوں کو ڈھا دینے کے مترادف ہے۔ لہٰذا ایسے قانون کی اصلاح نہایت ضروری ہے جس کی کوکھ سے اس قسم کے غیر اسلامی' غیر اخلاقی اور غیر عقلی فیصلے جنم لیتے ہیں۔ ورنہ

غیرت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے۔ والی بات ہے۔

ولی کے اوصاف:

اب رہا یہ سوال کہ کیا بالغہ عاقلہ لڑکی باکرہ ہو یا ثیبہ اپنے ازدواجی مستقبل کے بارے میں مجبور محض اور بے بس ہے اور شریعت نے اس کی پسند' عدم پسند اور اس کے جذبات کو کچھ اہمیت نہیں دی تو اس سوال کا جواب ہے کہ جہاں شریعت نے نکاح کے شرعی انعقاد کے لئے ولی کی اجازت بنیادی شرط قرار دی ہے، وہاں یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ ولی نکاح لڑکی کے حق میں مخلص، مشفق' خیر خواہ اور خیر سگالی کے جذبہ سے سرشار ہو۔ یعنی لڑکی کی رضامندی' مفاد اور اس کے نیک اور معقول جذبات کو درخور اعتناء رکھنے والا ہو۔ لڑکی پر ظلم و جبر کرنے والا نہ ہو اور اس کے معقول مشورہ کو اپنی جھوٹی انا کی بھینٹ چڑھانے والا نہ ہو غرضیکہ ہر طرح کی خود غرضی' مفاد پرستی اور بے جا دھونس سے کام لینے والا نہ ہو۔ اگر ولی نکاح ان اوصاف سے عاری ہو گا تو شریعت میں ایسے ولی کو ولی عاذل (غیر مشفق) کہا جاتا ہے اور یہ حق ولایت سے محروم قرار پاتا ہے۔ ہماری اس رائے کی بنیاد حسب ذیل صحیح اور حسن احادیث ہیں:

[1] حجۃ اللہ عربی: ج ۲ ص ۱۲۷ اور مترجم اردو نکاح کا بیان ص ۵۱۵.

۱- عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ اَنَّ اَبَا ھُرَیْرَۃَ حَدَّثَھُمْ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لاَ تُنْکَحُ الْاَیِّمُ حَتّٰی تُسْتَاْمَرَ وَلاَ تُنْکَحُ الْبِکْرُ حَتّٰی تُسْتَاْذَنَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکَیْفَ اِذْنُھَا قَالَ اِنْ تَسْکُتَ. ❶

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بیوہ عورت کا اس وقت تک نکاح نہ پڑھا جائے جب تک اس سے مشورہ نہ کیا جائے اور کنواری لڑکی کا نکاح تب تک نہ کیا جائے جب تک اس سے اجازت نہ لی جائے۔ صحابہ نے پوچھا کہ اذن کی کیا صورت ہے؟ فرمایا اس کا خاموش رہنا ہی اذن ہے۔''

۲- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لاَ نِکَاحَ اِلاَّ بِوَلِیٍّ مُّرْشِدٍ وَّ شَاھِدَیْ عَدْلٍ. (رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ وَالشَّافِعِیُّ، نیل الاوطار: باب الشھادۃ فی النکاح ج ٦ ص ١٣٦) ''کہ ہدایت یافتہ اور دو عادل گواہوں کی گواہی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔''

۳- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ لاَ نِکَاحَ اِلاَّ بِشَاھِدَیْ عَدْلٍ وَّ وَلِیٍّ مُّرْشِدٍ. (رَوَاہُ الطَّبَرَانِیُّ فِی الْاَوْسَطِ عَنْ سُفْیَانَ لاَ نِکَاحَ اِلاَّ بِاِذْنِ وَلِیٍّ مُّرْشِدٍ اَوْ سُلْطَانٍ) ❷

''دو عادل گواہوں اور خیر خواہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا اور سفیان کی روایت کے مطابق خیر خواہ ولی یا پھر سلطان کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا۔

خلاصہ:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جس طرح شرعی نکاح کے انعقاد کے لئے ولی کی اجازت بنیادی شرط ہے، اسی طرح لڑکی کی بلاجبر رضامندی بھی لازمی شرط ہے۔ یعنی فریقین (لڑکی اور اس کا ولی) دونوں شرعاً پابند ہیں کہ باہمی افہام وتفہیم اور اتفاق رائے سے چلیں اور ایک دوسرے کے جائز مفادات اور جذبات کا پاس رکھ کر پیش رفت کریں۔ ورنہ کسی ایک فریق کی یک طرفہ دھونس اور ہٹ دھرمی کے ساتھ پڑھا گیا نکاح شرعی نکاح ہرگز نہ ہوگا۔

فقہائے مذاہب کی تصریحات:

امام ابن قدامہ حنبلی رقمطراز ہیں:

اَحَقُّ النَّاسِ بِنِکَاحِ الْمَرْاَۃِ الْحُرَّۃِ اَبُوْھَا وَلاَ وِلاَیَۃَ لِاَحَدٍ مَّعَہٗ وَبِھٰذَا قَالَ الشَّافِعِیُّ وَھُوَ الْمَشْھُوْرُ عَنْ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ. ❸

''والد کے ہوتے ہوئے کسی بھی شخص کو کسی آزاد عورت کے نکاح کا ولی بننے کا حق نہیں۔ امام شافعی اور ایک مشہور قول کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب اور فتویٰ ہے۔ تاہم امام مالک اور ایک دوسرے قول

❶ صحیح البخاری: باب لا ینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاھا ج ۲ ص ۷۷۱۔

❷ ارواء الغلیل: ج ٦ ص ۲۳۹، ۲۵۱۔ ❸ مغنی ابن قدامۃ الحنبلی: ج ۷ ص ۱۰۔

کے مطابق امام ابوحنیفہ کے نزدیک والد کے مقابلہ میں بیٹا ولی اقرب ہے۔"

۲- صاحب المقنع لکھتے ہیں:

اَحَقُّ النَّاسِ بِنِكَاحِ الْمَرْاَةِ الْحُرَّةِ اَبُوْهَا ثُمَّ اَبُوْهُ وَاِنْ عَلَا ثُمَّ ابْنُهَا وَاِنْ نَّزَلَ. ❶

"آزاد عورت کے نکاح کی ولایت کا تمام لوگوں سے زیادہ حق دار والد ہے، پھر اس کا دادا' پردادا اور پھر بیٹا اور پوتا وغیرہ۔"

۳- الشیخ محمد الشربینی شافعی تصریح فرماتے ہیں:

اَحق الاولیاء اَبٌ ثُمَّ جَدٌ ثُمَّ اَبُوْهُ ثُمَّ الاَخُ لِاَبَوَيْنِ اَوْ لِاَبٍ ثُمَّ ابْنُهُمَا وَاِنْ سَفِلَ. ❷

"تمام ولیوں کے مقابلہ میں عورت کا والد سب سے زیادہ حق دار ہے، پھر اس کا دادا' پردادا' پھر عورت کا حقیقی بھائی پھر عورت کا علاتی بھائی اگر وہ نہ ہو تو عورت کا بیٹا پوتا وغیرہ۔"

۴- حافظ عبداللہ محدث روپڑی رحمۃ اللہ علیہ تصریح فرماتے ہیں:

"بہرصورت عورت کے لئے ولی ہونا ضروری ہے، اول نمبر والد ہے بعض اول نمبر بیٹے کو کہتے ہیں۔ اگر یہ ظلم کریں تو بھائی' اس کے بعد چچا، پھر چچا زاد بھائی' پھر دادا اور اس طرح اوپر جہاں تک اپنے نسب کا علم ہو۔" (جلد۲ص۴۱۷) پس ان تصریحات کے مطابق والد کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا شخص، خواہ وہ سلطان وقت ہو' کسی عورت کا ولی نہیں بن سکتا۔ مگر جب ولی اقرب یا ولی ابعد موجود نہ ہو یا ولیوں میں اختلاف ہو تو اس صورت میں سلطان (قاضی یا مجاز افسر ولی ہوتا ہے)۔ لہٰذا شرعی ولیوں کی اجازت کے بغیر مغویہ عورتوں کے عدالتوں میں پڑھے جانے والے نکاح شرعاً باطل ہیں۔

اس لئے گزارش ہے کہ پاکستانی عدالتیں زنا کاری کے فروغ کے سرٹیفکیٹ جاری کرنے سے باز آ جائیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے حضور جواب طلبی سے بچ نہ سکیں گے۔ ہم کوشاہوں سے عدالت کی توقع نہیں آپ کہتے ہیں تو زنجیر ہلا دیتے ہیں۔

وما اریدالا الاصلاح، هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب۔

اگر برا نہ منائیں:

اہل صحافت اگر برا نہ منائیں تو ان کی خدمت میں دردمندانہ اپیل ہے کہ آپ ایسے عاقبت اندیش اور باریک بین دانشوروں سے زیادہ اور کون اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ مغرب کی مادر پدر آزاد تہذیب کا نخچیر ٹولہ پاکستان کے مسلم معاشرہ میں فواحش' بے حیائی اور آوارگی کا زہر گھولنے اور اسلام کے خاندانی نظام کی بنیادوں کو ڈھا دینے کے لئے اپنے تمام فکری' قلمی' مواصلاتی ذرائع ابلاغ اور مالی وسائل کو بے تحاشا میدان عمل میں جھونک چکا ہے اور اسلامی قوانین کی تطبیق کے بارے میں ہماری قومی سردمہری' بے راہ روی اور مجرمانہ غفلتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ اپنے اس ناپاک مشن میں خاصی کامیابی بھی حاصل کر چکا ہے اور ھَلُمَّ جرّاً کی راہ پر رواں دواں ہے۔

---

❶ کتاب المقنع ج ۳ ص ۱۹۔ ❷ مغنی المحتاج: ج ۳ ص ۱۵۱۔

غور کریں اور مسلمان دانشور کی حیثیت سے بتلائیں کہ ایسے تکلیف دہ ظروف واحوال اور ایسے خوفناک تناظر میں اس قسم کے سراسر غیر شرعی' غیر اخلاقی اور غیر منطقی فیصلوں کو یوں پھل سکیپ صفحات پر چوب قلم کے ساتھ جلی حروف میں مکرر سہ کرر متنوع عناوین سے روزانہ بے دریغ شائع کرتے چلے جانا ملک وملت کی کون سی خدمت کے زمرے میں آتا ہے؟

ہماری ناقص رائے میں ہمارا یہ طرز عمل اور اسلوب نگارش نہ صرف پاکستان میں پائی جانے والی اسلام دشمن لابیوں کی حوصلہ افزائی اور ان کے اسلام دشمن رویہ کی داد دینے کے مترادف ہے بلکہ اسلام کے ساتھ سنگین مذاق' پاکستان کی نظریاتی حدود کی پامالی' مسلم معاشرہ کے حلقوم پر تیغ آزمائی بھی ہے علاوہ ازیں ایسی فریب خوردہ بداندیش اور انجام سے بے خبر لڑکیوں کے مظلوم اور قانون کے ہاتھوں بے بس شریف والدین کی پگڑی اچھالنے اور ان کے زخموں پر نمک پاشی سے زیادہ کچھ نہیں،

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان دین شرع متین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ مسمی نورمحمد ولد محمد خاں قوم مسلم شیخ سکنہ مکھن پورہ نزدموے وانیکسول لاہور شہر خدا کو حاضر ناظر جان کر حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ نورمحمد قوم مسلم شیخ ساکن والہ تحصیل وضلع شیخوپورہ نے آج سے چار ماہ قبل مجھ سے چوری میری حقیقی دختر مسماۃ ریحانہ کا نکاح اپنے لڑکے محمد الیاس کے ساتھ کر دیا تھا، یعنی میری اور میری لڑکی کی اجازت کے بغیر زور زبردستی نکاح پڑھا لیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نکاح فارم پر میرے دستخط یا انگوٹھا نہیں ہے۔ اب سوال ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر پڑھا گیا نکاح ازروئے شریعت جائز ہے کہ نہیں؟ فرمان رسول کے مطابق جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں کذب بیانی ہوگی تو سائل خود ذمہ دار ہوگا۔ (سائل نورمحمد)

تصدیق: ہم اس سوال کی حرف بحرف حلفا تصدیق کرتے ہیں کہ سوال صداقت پر مبنی ہے اگر کسی وقت غلط ثابت ہو جائے تو اس کے ہم ذمہ دار ہوں گے۔ لہٰذا شرعی فتویٰ جاری فرمایا جائے۔

۱۔ غوث ولد عبداللہ قوم مسلم شیخ ساکن مکھن پورہ لاہور۔

۲۔ محمد ولد احمد دین قوم مسلم شیخ مکھن پورہ لاہور۔

جواب: الجواب بعون الوهاب و منه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال و بشرط صحت وصدق گواہان مذکورہ مسمی غوث ولد عبداللہ مسلم شیخ ومحمد ولد احمد دین مسلم شیخ صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ شرعاً نکاح منعقد نہیں ہوا کیونکہ صحت نکاح کے لئے شرعی ولی (باپ وغیرہ) کی اجازت ازبس ضروری ہے، ورنہ نکاح صحیح نہیں ہوتا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

بَابُ مَنْ قَالَ لاَنِكَاحَ إِلاَّ بِوَلِيٍّ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ فَدَخَلَ فِيهِ الثَّيِّبُ وَكَذٰلِكَ الْبِكْرُ وَقَالَ ﴿وَلَا تُنْكِحُوا حَتّٰى يُؤْمِنُوا﴾ وَقَالَ ﴿وَأَنْكِحُوا الأَيَامٰى مِنْكُمْ﴾ [1]

''اس بات کا بیان کہ جو شخص نکاح کی صحت کے لئے شرعی ولی کی اجازت کو ضروری خیال کرتا ہے، وہ قرآن مجید

[1] صحيح البخاري: ج ٢ ص ٧٦٩۔

کی ان آیات سے استدلال کرتا ہے: ''جب تم عورتوں کو طلاق دے بیٹھو اور وہ عدت پوری کر لیں تو ان کو نکاح سے نہ روکو۔''

معلوم ہوا کہ شرعاً ولی کی اجازت ضروری ہے، اگر ولی کو کوئی اختیار نہ تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ولیوں کو یہ حکم کیوں دیا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ ولی کو حق ولایت بہرحال حاصل ہے عورت، خواہ شوہر دیدہ ہو یا کنواری ہو۔ اب احادیث ملاحظہ فرمایئے:

۲- عَنْ اَبِیْ بُرْدَۃَ بْنِ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا نِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ.

رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالْاَرْبَعَۃُ وَ صَحَّحَہُ ابْنُ الْمَدِیْنِیِّ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَاَعَلَّہٗ بِالْاِرْسَالِ قَالَ عَلِیُّ ابْنُ الْمَدِیْنِیِّ حَدِیْثُ اِسْرَائِیْلَ فِی النِّکَاحِ صَحِیْحٌ وَکَذَا صَحَّحَہُ الْبَیْہَقِیُّ وَ غَیْرُ وَاحِدٍ مِّنَ الْحُفَّاظِ وَقَالَ الْحَاکِمُ وَقَدْ صَحَّتِ الرِّوَایَۃُ فِیْہِ عَنْ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَائِشَۃَ وَ اُمِّ سَلَمَۃَ وَ زَیْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَ وَفِی الْبَابِ عَنْ عَلِیٍّ وَّ ابْنِ عَبَّاسٍ ثُمَّ سَرَّدَ ثَلَاثِیْنَ صَحَابِیًّا وَالْحَدِیْثُ دَلَّ عَلٰی اَنَّہٗ لَا یَصِحُّ النِّکَاحُ اِلَّا بِوَلِیٍّ. ❶

''حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شرعی ولی کی اجازت کے بغیر شرعاً نکاح صحیح قرار نہیں پاتا۔''

الغرض یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کو امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ امام علی بن مدینی، امام ترمذی، امام بیہقی اور دیگر متعدد حفاظ حدیث نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کو مرسل قرار دیا ہے۔ اور امام حاکم کے مطابق ازواج مطہرات سمیت تیس صحابہ سے یہ حدیث منقول ہے اور ان احادیث کی وجہ سے جمہور علمائے امت کے نزدیک نکاح کی صحت کے لئے شرعی ولی کی اجازت ناگزیر ہے، ورنہ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

۳- عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّمَا امْرَاَۃٍ نَکَحَتْ بِغَیْرِ اِذْنِ وَلِیِّہَا فَنِکَاحُہَا بَاطِلٌ فَاِنْ دَخَلَ بِہَا فَلَہَا الْمَہْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِہَا. (اَخْرَجَہُ الْاَرْبَعَۃُ اِلَّا النَّسَائِیَّ وَ صَحَّحَہُ اَبُوْ عَوَانَۃَ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاکِمُ وَقَالَ ابْنُ کَثِیْرٍ وَ صَحَّحَہُ یَحْیٰی بْنُ مَعِیْنٍ وَغَیْرُہٗ مِنَ الْحُفَّاظِ. ❷

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے تو اس کا یہ نکاح باطل ہوگا اور دخول کی صورت میں وہ عورت اپنے غیر شرعی شوہر سے مہر وصول کرے گی۔''

۴- عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُزَوِّجُ الْمَرْاَۃُ الْمَرْاَۃَ وَلَا تُزَوِّجُ الْمَرْاَۃُ نَفْسَہَا. ❸

---

❶ سبل السلام: ج ۳ ص ۱۱۷۔ ❷ سبل السلام: ج ۳ ص ۱۱۸۔ ❸ رواہ ابن ماجہ والدارقطنی ورجالہ ثقات۔ (سبل السلام: ج ۳ ص ۱۲۰۔

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی عورت کسی دوسری عورت کی ولی بن کر نکاح نہ کرے اور نہ اپنا نکاح خود کرے۔'' یعنی اپنے نکاح کی بھی ولی نہیں بن سکتی۔

امام محمد بن اسماعیل الامیر ارقام فرماتے ہیں:

فِيهِ دَلِيلٌ عَلَى اَنَّ الْمَرْأَةَ لَيْسَ لَهَا وِلَايَةٌ فِي النِّكَاحِ لِنَفْسِهَا وَلَا لِغَيْرِهَا فَلَا عِبَارَةَ لَهَا فِي النِّكَاحِ اِيْجَاباً وَّلَاقَبُوْلاً فَلَا تَزَوَّجُ نَفْسَهَا اِلَّا بِاِذْنِ الْوَلِيِّ وَلَاغَيْرَهُ --- وَّلَا تَقْبَلُ النِّكَاحُ بِوَلَايَةٍ. ❶

۵۔امام ابن رشد قرطبی لکھتے ہیں:

اِخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ هَلِ الْوَلَايَةُ شَرْطٌ مِنْ شُرُوْطِ صِحَّةِ النِّكَاحِ اَمْ لَيْسَتْ بِشَرْطٍ؟ فَذَهَبَ مَالِكٌ اِلٰى اَنَّهُ لَايَكُوْنُ نِكَاحٌ اِلَّا بِوَلِيٍّ وَاَنَّهَا شَرْطٌ فِي الصِّحَّةِ فِي رِوَايَةِ اَشْهَبَ عَنْهُ وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ. ❷

ان دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ ولی کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا اور کوئی عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی اور کسی دوسری عورت کی ولی اور وکیل نہیں بن سکتی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صحت نکاح کے لئے ولی کی اجازت شرط ہے اور شرط نہ ہونے کی صورت میں مشروط بھی نہیں ہوتا۔ اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ. چونکہ یہ نکاح خط کشیدہ تصریح کے مطابق باپ کی اجازت کے بغیر پڑھا گیا ہے، لہٰذا یہ نکاح شرعاً باطل ہے۔

فیصلہ: چونکہ صورت مسئولہ میں بشرط صحت سوال و بشرط صحت واقعہ مسماۃ ریحانہ دختر نور محمد کا نکاح اس کے والد کی اجازت کے بغیر پڑھا گیا ہے، لہٰذا یہ نکاح شرعاً باطل ہے۔ دلائل اوپر ذکر ہو چکے، لہٰذا اسے کالعدم سمجھا جائے، تاہم عدالت مجاز واقعہ کی باضابطہ کارروائی کے بعد اسے کالعدم قرار دے۔ یا علی الاقل پنچایت دہ، یعنی گاؤں والوں کے ساتھ چھان بین کر کے اس نکاح کو ختم کردے۔ مفتی کسی قانونی سقم اور عدالتی کھکھیڑ کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ یہ صرف بشرط صحت سوال شرعی فتویٰ ہے۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب.

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلے کے بارے میں کہ میری بچی جس کی عمر تقریباً ۱۸ سال ہے۔ اس کو زمیندار نے اغوا کر لیا ہے جو کہ بڑا اثر رسوخ والا ہے اور اس نے عدالت میں جا کر میری بچی سے عدالتی نکاح کر لیا ہے جب کہ میں اس چیز کو بہت برا سمجھتا ہوں۔ آپ قرآن وسنت کی روشنی میں بتائیں کہ یہ نکاح جائز ہے یا نہیں کیوں کہ میں بچی کا کسی اور جگہ نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ (سائل چک نمبر ۱۰ بولہ گڑھی ڈاکخانہ حسین خان والا تحصیل چونیاں ضلع قصور)

❶ سبل السلام: ج ٣ ص ١٢٠.
❷ بداية المجتهد: ج ٤ ص ٧٦.

﴿جواب﴾ اما بعد الجواب بعون الوهاب وهو الملهم للحق للصواب: امابعد! قرآن مجید میں ہے: ﴿قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِىٓ أَزْوَاجِهِمْ﴾ ہمیں معلوم ہے کہ ہم نے ان پر ان کی ازواج کے بارے میں کیا فرض کیا ہے؟ (سورۃ الاحزاب ۳۳ آیت نمبر ۵۰)

اور اس سے پہلے یہ الفاظ ہیں کہ اگر مؤمنہ مومن عورت اپنا نفس نبی ﷺ پر ہبہ کرے تو یہ آپ کے لئے خاص حکم اور اجازت ہے دوسرے مومنین کو یہ اجازت نہ ہے۔ اس سیاق کی بناء پر اس آیت کی تفسیر میں ابن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے اہل علم کا کہنا ہے کہ زوجیت کے لئے ولی کا ہونا فرض ہے (ملاحظہ ہو تفسیر فتح القدیر آیت متعلقہ: ج ۲ص ۲۹۰)

ا: حدیث شریف میں ہے لا نکاح الا بولی. "ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔" یہ حدیث حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے وارد ہے جو کہ مسند احمد' ابوداؤد' ابن ماجہ' ابن حبان اور حاکم نے روایت کی ہے اور آخری دونوں محدثین اسے صحیح بھی کہتے ہیں۔

ب: دوسری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے جو کہ مسند احمد' ابوداؤد' ابن ماجہ' ترمذی مع التحسین' ابن حبان' حاکم اور ابوعوانہ سے ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔ اس کا نکاح باطل ہے۔ اگر دخول کر لے تو اسے حق مہر اس وجہ سے دینا ہوگا کہ اس نے اس کی شرم گاہ کو استعمال کیا ہے۔ اگر جھگڑا ہو جائے تو سلطان اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں۔ (اس حدیث کو محدث زماں شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی صحیح احادیث میں شمار کیا ہے)

امام حاکم کا کہنا ہے کہ اس مسئلہ میں نبی اکرم ﷺ کی ازواج حضرت عائشہ' ام سلمہ اور زینب بنت جحش رضی اللہ عنہن سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایات و اقوال ملتے ہیں جن کی تعداد مجموعی تیس ہے۔ ملاحظہ ہو (الروضة الندية: ج ۲ ص ۱۱)

ان احادیث صحیحہ و اقوال مرویہ اور تفسیر آیت صریحہ کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ نکاح میں حق اول ولی کا ہے۔ اور ولایت میں باپ کو سب سے اولین حیثیت حاصل ہے۔

مصنف عبدالرزاق و مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ ملتا ہے کہ کوئی لڑکی اپنے ولی سے اختلاف کر کے عدالت میں چلی گئی تو انہوں نے قاضی کو تاکید کی کہ باپ کو کہو کہ جہاں لڑکی چاہتی ہے وہاں نکاح کیا جائے اگر مان جائے تو ٹھیک ورنہ اس کا حق ولایت ختم کر کے قاضی خود نکاح کرا دے یا اجازت دے دے۔ (ملاحظہ ہو: ابن ابی شیبہ ج ٤' ص ۱۷۱) معلوم ہوا کہ عدالت بھی باپ کے حق کو اولین اہمیت دے گی اگر ثابت ہو جائے کہ باپ کی زیادتی تھی تو پھر عدالت اپنا اختیار استعمال کرے گی۔ رسول اللہ ﷺ سے دو واقعات احادیث میں ملتے ہیں۔ جن میں ایک بیوہ کا ہے جس کے باپ نے شوہر کے شہید ہو جانے کے بعد لڑکی کا نکاح اپنے خاندان میں کر دیا اور یتیم بچوں کے چچا کو رد کر دیا وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئی۔ آپ نے باپ کو بلایا اور استفسار فرمایا' اس نے جواب دیا کہ میں نے اس کے لئے بہتری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا تو نے اس کو مجبور کیا تھا؟ کہنے لگا ہاں۔ فرمایا: تیرا نکاح ختم!

اسے کہا جاؤ جس سے چاہو نکاح کر لو۔ یہ واقعہ مختلف کتابوں میں سے جمع کیا گیا ہے۔ موطا امام مالک اور ابن ابی شیبہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

دوسرا واقعہ ایک کنواری لڑکی کا ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے ولی کو بلایا اور لڑکی کو اختیار دے دیا، تاہم لڑکی نے باپ کا فیصلہ بحال رکھا۔ ❶

حسن بصری رحمہ اللہ کا فیصلہ:

جب ولی اور عورت کا اختلاف ہو تو سلطان دیکھے کہ اگر ولی تنگ کر رہا ہو تو اس کا نکاح کر دے، ورنہ اس کا معاملہ ولی کے سپرد کر دے۔ ❷

قاضی شریح کا فیصلہ:

ایک عورت قاضی صاحب کے پاس اپنی ماں اور چچا کے ساتھ آئی ماں کسی جگہ نکاح پڑھانے پر زور دے رہی تھی، لیکن چچا کسی دوسری جگہ۔ قاضی صاحب نے لڑکی کو اجازت دے دی کہ اختیار کر! تو اس نے ماں کی رائے کو ترجیح دی تو قاضی صاحب نے چچا کو کہا کیا تو اجازت دیتا ہے؟ چچا نے انکار کر دیا۔ قاضی صاحب نے کہا: کیا اجازت دیتا ہے اس سے قبل کہ تیری اجازت ختم کر دی جائے کہنے لگا کہ نہیں بخدا نہیں میں اجازت نہیں دیتا تو قاضی شریح نے کہا کہ جا لڑکی چلی جاؤ جس سے چاہو نکاح کر لو۔ (حوالہ مذکورہ) تو معلوم ہوا کہ قاضی کے فیصلہ کی حیثیت باپ کے غلط اقدام کی بنا پر ہوتی ہے۔

صورت مسئولہ میں اگر باپ کے متعلق تحقیق ہو چکی تھی کہ وہ بلاوجہ لڑکی پر زور دے رہا ہے تو اس کا اختیار عدالت ختم کر سکتی ہے، ورنہ اگر لڑکی بھی باپ کی رضا کے مطابق تھی، مگر حالات کے پیش نظر اس نے سمجھوتہ کر لیا ہو تو فی الواقعہ اس پر جبر ہوا ہے تو لڑکی کے باپ کا حق ولایت ختم نہیں ہو جاتا۔ اور لڑکی پر بھی جبر نہیں ہو سکتا۔

دوسرا نکتہ یہاں اجنبی مرد و عورت کا شرعی اجازت نکاح کے بغیر گھر سے اور معاشرہ کی نظروں سے اغوا کا ہے۔ ہماری زبان میں اغوا اور غصب میں لوگ فرق نہیں کرتے، اس لئے دونوں صورتوں میں مرد کو تعزیر ضروری ہے۔ ہاں، اگر قصہ غصب کا ہے تو لڑکی سزا سے بچ سکتی ہے، ورنہ اسے بھی تعزیر لگے گی۔

رضاعی ماموں کا بھانجی سے نکاح

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں یہ کہ میرے لڑکے نے میری زوجہ بیمار ہونے کی وجہ سے پہلے میری والدہ کا دودھ پیا ہے، اس وقت میرے لڑکے کی عمر ۲ ؍ ۳ ماہ تھی دس مہینے کی عمر تک اس نے میری والدہ کا دودھ پیا ہے کیا اس لڑکے کی شادی میری بہن کی لڑکی سے ہو سکتی ہے یا نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

(شوکت علی ولد محمد شریف قوم آرائیں چک نمبر ۲۴۴ گ ب جڑانوالہ ضلع فیصل آباد)

---

❶ مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۲؍۴ ص ۱۳۷؍۱۳۸۔

❷ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲؍۴ ص ۱۴۱۔

الحمد الله رب العالمین و صلاته وسلامه علی امام المجتهدین غُرًّا مُحَجَّلِيْنَ و علی اله و صحبه والتابعین لهم باحسان الی یوم الدین والعاقبة للمتقین ولا عدوان الا علی الظلمین.

جواب الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال مسئولہ میں جس لڑکے اور لڑکی کے باہمی نکاح کے بارے میں سوال کیا گیا ہے ان کا آپس میں نکاح شرعاً جائز نہیں کیونکہ صورت مسئولہ کے مطابق یہ لڑکا اس لڑکی کا رضاعی ماموں بن چکا ہے۔ مثلاً: دادی کا نام رفیعہ ہے اور رفیعہ کے لڑکے کا نام شفیق اور رفیعہ کی لڑکی کا نام شفیقہ ہے۔ اب شفیق کے بیٹے کا نام عتیق ہے، جس نے اپنی والدہ کی بیماری کے دوران دس ماہ تک اپنی دادی رفیعہ مذکورہ کا دودھ پیا ہے تو اس دودھ کی وجہ سے عتیق اپنے والد شفیق اور اپنی پھوپھی شفیقہ کا رضاعی بھائی بن چکا ہے۔ لہٰذا وہ اس دودھ کی وجہ سے اپنی پھوپھی شفیقہ کی لڑکی کا رضاعی ماموں ٹھہرا اور جس طرح بحکم قرآن کی نص وَبَنَاتُ الْأُخْتِ حقیقی بھانجی کے ساتھ نکاح حرام ہے، اسی طرح رضاعی بھانجی کے ساتھ نکاح کرنا بھی حرام ہے، چنانچہ صحیح البخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلرَّضَاعَةُ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ. ❶

''رضاعت بھی ان رشتوں کو حرام کر دیتی ہے جن کو نسب حرام قرار دیتی ہے۔''

صورت مسئولہ کی نظیر بھی صحیح بخاری میں موجود ہے۔ دیکھئے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے چچا تھے، مگر رسول اللہ ﷺ سید الشہداء حضرت حمزہ کے رضاعی بھائی بھی تھے کہ دونوں نے بی بی ثویبہ کا دودھ پیا تھا، لہٰذا جب آپ ﷺ کو حضرت سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کے ساتھ نکاح کر لینے کا مشورہ دیا گیا تو آپ ﷺ نے مشورہ دینے والے (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کو فرمایا کہ وہ تو میرے رضاعی بھائی کی بیٹی، یعنی میری رضاعی بھتیجی ہے لہٰذا نکاح جائز نہیں۔

اصل الفاظ یہ ہیں: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قِيْلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا تَزَوَّجُ ابْنَةَ حَمْزَةَ قَالَ إِنَّهَا ابنة اَخِيْ مِنَ الرَّضَاعَةِ. ❷

لہٰذا معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اس لڑکے کا نکاح اپنی پھوپھی کی لڑکی کے ساتھ جائز نہیں کہ یہ لڑکا اپنی دادی کا دودھ پینے کی وجہ سے اس لڑکی کا رضاعی ماموں بن چکا ہے۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب.

علامہ ابن رشد قرطبی لکھتے ہیں:

فَقَالَ اَبُوْ حَنِيْفَةَ وَالشَّافِعِيُّ اَنَّهُ اِذَا اَسْلَمَتِ الْمَرْاَةُ قَبْلَهُ فَاِنَّهُ اِنْ اَسْلَمَ فِيْ عِدَّتِهَا كَانَ اَحَقَّ بِهَا وَاِنْ اَسْلَمَ هُوَ وَهِيَ كِتَابِيَّةٌ فَنِكَاحُهَا ثَابِتٌ. ❸

''امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب بیوی اپنے شوہر سے پہلے مسلمان ہو جائے تو اگر اس

---

❶ صحيح البخاري وامهاتكم اللاتي ارضعنكم ويحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب ج ٢ ص ٧٦٤.

❷ صحيح بخاري: ج ٢ ص ٧٦٤. ❸ بداية المجتهد: ج ٢ ص ٣٧.

کا کافر شوہر عدت کے اندر مسلمان ہو جائے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے اور اگر خاوند مسلمان ہو جائے اور اس کی بیوی کتابیہ عورت ہو تو اس کا نکاح ثابت اور بحال رہتا ہے۔''

مشہور فقیہ علامہ مرغینانی تصریح فرماتے ہیں:

وَاِذَا اَسْلَمَ زَوْجُ الْكِتَابِيَّةِ فَهُمَا عَلٰى نِكَاحِهِمَا لِاَنَّهٗ يَصِحُّ النِّكَاحُ بَيْنَهُمَا اِبْتِدَاءً فَلَاَنْ يبقى اَوْلٰى۔ ❶

کہ جب کتابیہ عورت کا نصرانی یا یہودی شوہر مسلمان ہو جائے تو یہ دونوں میاں بیوی اپنے نکاح پر قائم رہ سکتے ہیں کیونکہ جب کتابیہ عورت اور مسلمان دونوں میں ابتداءً نکاح درست تھا تو ان کا نکاح سابق رہنا بدرجہ اولیٰ درست ہے۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی عیسائی شوہر اپنی عیسائی بیوی سے پہلے مسلمان ہو جائے تو چرچ کی طرف سے ان کا پڑھا ہوا نکاح شرعاً بحال اور قائم رہتا ہے۔ پس اگر واقعی مسمی ایرک جان مسیح ولد غلام جان مسیح اپنی عیسائی بیوی مسمات میری کشور سے پہلے مسلمان ہوا ہے تو ان کا چرچ کی طرف سے پڑھا گیا، عقد نکاح شرعاً بحال ہے۔ یہ فتویٰ بشرط صحت سوال تحریر کیا گیا ہے اور بشیر احمد ولد فضل دین ساکن پیال کلاں ضلع قصور حال ساکن بیگم کوٹ کی یقین دہانی پر تحریر کیا گیا۔ مفتی کسی عدالتی جھمیلہ اور قانونی سقم کا ہرگز ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا اس کی تمام تر ذمہ داری سائل موصوف پر ہوگی۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ یعنی قضاءً اور دیانۃً وہی مسئول ہوگا۔

سیدہ عورت کا غیر سید مرد سے نکاح کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام بیچ اس مسئلہ کے کہ سیدہ عورت کا نکاح کسی غیر سید کے مرد کے ساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

جواب: الجواب بعون الوھاب ومنه الصدق والصواب: ۱۔سیدہ عورت کا غیر سید سے نکاح بلاشبہ جائز ہے، اس میں قطعاً کوئی قباحت نہیں، جیسا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور حضرت ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ مروجہ اصطلاح کے مطابق سید نہ تھے اور غالباً ہاشمی بھی نہ تھے، جیسا کہ صحیح البخاری میں تصریح ہے۔ ❷

۲۔ اور اسی طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا یکے بعد دیگرے حضرت عثمان بن عفان اموی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور ظاہر ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ کی اصطلاح کے مطابق سید نہ تھے۔ بلکہ وہ ہاشمی بھی نہ تھے اور یہ واقعات ایسے مشہور ہیں کہ ان کے حوالہ کی بھی ضرورت نہیں۔ احادیث وسیر تاریخ اسلام پر مشتمل تمام معتبر کتب

---

❶ الهداية ۔ كتاب نكاح اهل الشرك: ج ٢ ص ٢٤٧ و فتح القدير: ج ٣ ص ٢٩١.

❷ ابن كثير: ج ١ ص ٢٣٢.

میں مرقوم اور مصرح ہیں۔ ❶

سیدہ ام کلثوم بنت علی جو سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھیں' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نطفہ سے زید بن عمر تولد ہوئے تھے جو کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد تک زندہ رہے۔ (صحیح بخاری: باب حمل النساء القِرَبِ اِلَی لناس فی الغزو، ج ۱ ص ۴۱۳ و باب ذکر ام سلیط ج ۲ ص ۵۸۲ نیز کتب شیعہ احتجاج طبرسی) طوسی کی توضیح الاحکام اور استبصار اور مجالس المومنین ملاحظہ فرمائیں۔

مزید یہ کہ قرآن و حدیث میں ایسی کوئی آیت یا حدیث نہیں ہے جس میں سیدہ عورت کو غیر سید مرد کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کر دیا گیا ہو۔ بڑائی کی بنیاد نسل و نسب اور خاندانی امتیاز نہیں بلکہ تقویٰ ہے۔ ﴿إِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقَاكُمْ﴾

زبردستی اور ولی کی اجازت کے بغیر نکاح

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع درج ذیل مسئلہ کے بارے میں یہ کہ مسمی محمد شفیع ولد صدر دین قوم آرائیں چک نمبر ۱۰۲ گ ب جڑانوالہ روڈ فیصل آباد کا رہائشی ہوں۔ مجھے ایک شرعی مسئلہ دریافت کرنا مقصود ہے جو ذیل میں عرض ہے کہ میری دختر مسمات یاسمین کا نکاح زبردستی ہمراہ مسمی اکبر علی ولد خلیل قوم اوڈ چک نمبر ۸۲ لیاقت پور رحیم یار خان سے عرصہ تقریباً ۶ ماہ قبل ہوا، جبکہ میری دختر اس نکاح پر راضی نہ تھی مسمات مذکورہ کو سخت دھمکی دے کر نکاح فارم پر انگوٹھے لگوائے گئے اور میں حلفاً اللہ تعالیٰ کو حاضر ناظر کر کے کہتا ہوں کہ میرے نکاح نامے پر انگوٹھے نہ ہیں اور نہ مجھے اس نکاح کے بارے میں علم ہے۔ یہ جو کچھ ہوا میری بیٹی کے ساتھ سراسر زیادتی سے ہوا۔ نہ ہی نکاح کے وقت کوئی رشتہ دار تھا۔ مسمات مذکورہ کے رشتہ دار لڑکی کی تلاش کرتے رہے آخر کار پتہ چلا تو لڑکی کو بذریعہ پنچایت لڑکے کے چچا اور عزیز رشتہ دار واپس لے کر آئے، جس کو عرصہ تقریباً ۲۰ یوم کا ہو چکا ہے اور اب لڑکی کسی بھی صورت میں آباد ہونا نہیں چاہتی۔ میری بیٹی اس سے سخت نفرت کرتی ہے۔ اب علمائے دین سے سوال ہے کہ آیا زبردستی نکاح بغیر والدین کی اجازت کے ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بس مدلل جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں، کذب بیانی ہوگی تو سائل خود سزاوار ہوگا۔ لہٰذا شرعی فتویٰ صادر فرمائیں۔

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: بر تقدیر صحت سوال و صحت واقع صورت مسئولہ میں بوجوہ یہ نکاح شرعاً منعقد نہیں ہوا۔ اول اس لئے کہ اس نکاح میں لڑکی کو اعتماد میں نہیں لیا گیا بلکہ اس کو مجبور کر کے اور ڈرا دھمکا کر نکاح فارم پر انگوٹھا لگوایا گیا۔ جیسا کہ سوال نامہ کی سطر ۶،۵ کی خط کشیدہ تصریح سے واضح ہے۔ جبکہ صحت نکاح کے لئے لڑکی کی اجازت (اذن) اور رضامندی اساسی شرط ہے، چنانچہ حدیث میں ہے ملاحظہ ہو صحیح بخاری شریف:

۱۔ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَدَّثَهُمْ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَا تُنْكَحُ الْاَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَاْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَاْذَنَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ اِذْنُهَا؟ قَالَ اِنْ تَسْكُتَ. ❷

❶ تاریخ ابن کثیر: ج ۱ ص ۲۳۲۔ ❷ صحیح بخاری، باب لا ینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاھا، ج ۲ ص ۷۷۱۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک بیوہ عورت سے مکمل مشورہ نہ لیا جائے اس وقت تک اس کا نکاح نہ کیا جائے اور نہ کنواری لڑکی کے اذن کے بغیر اس کا نکاح کیا جائے۔ صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا کہ کنواری کا اذن کیسے ہوگا؟ فرمایا اس کا خاموش رہ جانا اس کا اذن ہے۔"

اس حدیث صحیح سے معلوم ہوا کہ شرعی اور صحیح نکاح کے انعقاد کے لئے لڑکی کا اذن اور اس کی رضامندی نہایت ضروری ہے، خواہ وہ بیوہ ہو یا کنواری ہو۔

۲۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ جَارِيَةً اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَخَيَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ❶

کہ ایک جوان لڑکی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میری مرضی کے بغیر میرے والد محترم نے نکاح کر دیا ہے تو آپ نے اس لڑکی کو یہ نکاح بحال رکھنے اور بحال نہ رکھنے کا اختیار دے دیا۔

حافظ ابن حجر نے اس کو مرسل قرار دیا ہے:

وَاُجِيْبَ عَنْهُ بِاَنَّهٗ رَوَاهُ اَيُّوْبُ بْنُ سُوَيْدٍ عَنِ الثَّوْرِيِّ عَنْ اَيُّوْبَ مَوْصُوْلًا وَكَذَالِكَ رَوَاهُ مَعْمَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ الرَّقِّيُّ عَنْ زَيْدِ بْنِ حِبَّانَ عَنْ اَيُّوْبَ مَوْصُوْلًا وَاِذَا اخْتُلِفَ فِيْ وَصْلِ الْحَدِيْثِ وَاِرْسَالِهٖ فَالْحُكْمُ لِمَنْ وَصَلَهٗ وَقَالَ الْمُصَنِّفُ الطَّعْنُ فِي الْحَدِيْثِ لَا مَعْنٰى لَاَنَّ لَهٗ طُرُقًا يُقَوِّيْ بَعْضُهَا بَعْضًا ❷

کہ ایوب بن سوید اور زید بن حبان نے ایوب سے اس حدیث موصول بیان کیا ہے اور پھر اس کی اسناد بھی متعدد ہیں جو ایک دوسری کو تقویت دے رہی ہیں۔

لہٰذا روایت حجت ہے ان دونوں احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ صحت نکاح کے لئے لڑکی کا اذن اور اس کی رضامندی ضروری ہے، ورنہ دھکا شاہی اور زور زبردستی پر مبنی نکاح شرعاً منعقد نہیں ہوتا۔

پس صورت مسئولہ میں پڑھا گیا نکاح صحیح اور شرعی نکاح ہرگز نہیں۔ اس نکاح کے غیر شرعی ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ نکاح ولی کی اجازت کے بغیر پڑھا گیا ہے، یعنی لڑکی کے باپ کی اجازت کے بغیر پڑھا گیا اور ایسا نکاح شرعاً باطل ہے۔ ❸

۳۔ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْاَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْمَدِيْنِيِّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَعَلَّهٗ بِالْاِرْسَالِ ۔ قَالَ ابْنُ كَثِيْرٍ قَدْ اَخْرَجَهٗ اَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَهْ وَ غَيْرُهُمْ مِنْ حَدِيْثِ اِسْرَائِيْلَ وَ اَبُوْ عَوَانَةَ وَ شَرِيْكُ الْقَاضِيُّ وَ قَيْسُ بْنُ الرَّبِيْعِ وَ يُوْنُسُ بْنُ اَبِيْ اِسْحٰقَ وَ زُهَيْرُ بْنُ مُعَاوِيَةَ كُلُّهُمْ عَنْ

❶ رواه احمد وابوداود وابن ماجه سبل السلام: ج ٣ ص ١٢٢۔ ❷ سبل السلام: ج ٣ ص ١٢٢۔
❸ نيل الاوطار: ج ٦ ص ١٣٤۔

اَبِیْ اِسْحَاقَ کَذٰلِكَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ وَ رَوَاهُ شعبة وَالثَّوْرِیُّ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ مُرْسَلَهٗ وَالْاَوَّلُ عِنْدِیْ اَصَحُّ وَهٰكَذَا صَحَّحَهٗ عَبْدُ الرَّحْمَانِ بْنُ مَهْدِیْ فِیْمَا حَكَاهُ ابْنُ خُزَیْمَةَ عَنْ اَبِی الْمُثَنّٰی عَنْهُ وَ قَالَ عَلِیُّ بْنُ الْمَدِیْنِیْ حَدِیْثُ اِسْرَائِیْلَ فِی النِّكَاحِ صَحِیْحٌ وَقَدْ صَحَّتِ الرِّوَایَةُ فِیْهِ عَنْ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَائِشَةَ وَ اُمِّ سَلَمَةَ وَ زَیْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ. وَالْحَدِیْثُ دَلَّ عَلٰی اَنَّهٗ لَا یَصِحُّ النِّكَاحُ اِلَّا بِوَلِیٍّ. ❶

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ اور یہ حدیث صحیح ہے۔

وَقَدْ ذَهَبَ اِلٰی هٰذَا عَلِیٌّ وَ عُمَرُ وَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَ ابْنُ عُمَرَ وَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَ اَبُوْ هُرَیْرَةَ وَ عَائِشَةُ وَ الْحَسَنُ الْبَصْرِیُّ وَ ابْنُ الْمُسَیَّبِ وَ ابْنُ شِبْرِمَةَ وَ ابْنُ اَبِیْ لَیْلٰی وَالْعِتْرَةُ وَ اِسْحَاقُ وَ اَحْمَدُ وَ جُمْهُوْرُ اَهْلِ الْعِلْمِ فَقَالُوْا لَا یَصِحُّ الْعَقْدُ بِدُوْنِ وَلِیٍّ قَالَ ابْنُ الْمُنْذَرِ اِنَّهٗ لَا یُعْرَفُ عَنْ اَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ خِلَافُ ذَالِكَ. ❷

حضرت علیؓ حضرت عمرؓ ابن عباسؓ ابن عمرؓ ابن مسعودؓ ابو ہریرہؓ عائشہ ؓ حسن بصریؒ سعید بن مسیبؒ ابن شبرمہؒ ابن ابی لیلیٰؒ اور عترت (اہل بیت) احمد اسحاق شافعیؒ احمد اور جمہور اہل علم اس طرف گئے ہیں کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ صحابہ کرام میں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ بدو وجہ مسمات یاسمین دختر محمد شفیع ارائیں ساکن چک ۱۰۲ گ ب تحصیل جڑانوالہ ضلع فیصل آباد کا نکاح ہمراہ مسمی اکبر علی ولد خلیل قوم اوڈ ساکن چک ۸۲ لیاقت پور کے ساتھ منعقد نہیں ہوا۔ اول اس لئے کہ یہ لڑکی کی رضاو مرضی کے بغیر زور زبردستی کے ساتھ کیا گیا اور دوم ولی کی اجازت کے بغیر کیا گیا ہے۔ لہٰذا بشرط صحت سوال و بشرط صحت واقعہ یہ نکاح شرعاً باطل ہے۔ یہ محض فتویٰ ہے فیصلہ اور فسخ نہیں۔ جو بشرط صحت سوال تحریر کیا گیا ہے۔ عدالت مجاز سے اس فتویٰ کی توثیق ضروری ہے۔ مفتی کسی سقم اور عدالتی کارروائی کا ہرگز ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ هذا ما عندی والله تعالیٰ اعلم بالصواب

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں قرآن وسنت کی روشنی میں میری بچی بعمر تقریباً ۱۸ سال رخسانہ عرف ریحانہ ولد نذیر احمد کو منظور احمد ولد نواب دین نے اغوا کر لیا ہے، جو کہ بڑا اثر ورسوخ والا ہے اور اس نے عدالت میں جا کر عدالتی نکاح بھی کر لیا ہے۔ جب کہ میں اس چیز کو بہت برا سمجھتا ہوں۔ لہٰذا قرآن وسنت رسول کی روشنی میں بتائیں کہ یہ نکاح جائز ہے کہ نہیں۔ کیونکہ میں اپنی بچی کا نکاح کسی اور جگہ کرنا چاہتا ہوں۔ یعنی یہ نکاح میری مرضی اور اجازت کے بغیر ہوا ہے۔ کیا از روئے شریعت باپ، یعنی ولی کی اجازت کے بغیر کیا گیا نکاح جائز ہے یا نہیں اور لڑکی خود اس نکاح پر رضا مند نہیں۔ (سائل نذیر احمد ولد محمد شریف موچی چک نمبر ۱۰ ابولا گڑھی ڈاکخانہ حسین خان والا تھانہ چوکی تحصیل چونیاں ضلع قصور)

❶ سبل السلام ج ۳ ص ۱۱۷۔ ❷ نیل الاوطار: ج ٦ ص ١٣٦۔

جواب الجواب بعون الوهاب و منه الصدق الصواب: صورت مسئولہ میں بشرط صحت سوال واضح ہو کہ یہ نکاح از روئے شرع باطل ہے، یعنی منعقد ہی نہیں ہوا۔

صحیح البخاری بَابُ مَنْ قَالَ لاَ نِكَاحَ اِلاَّ بِوَلِيٍّ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلاَ تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ فَدَخَلَ فِيْهِ الثَّيِّبُ وَكَذٰلِكَ الْبِكْرُ وَقَالَ ﴿لاَ تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا﴾ وَقَالَ ﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ﴾ ❶

کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا، یعنی صحیح نہیں ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب تم اپنی عورتوں کو رجعی طلاق دو اور وہ طلاق کی عدت پوری کر لیں تو بعد ازاں ان کو اپنے سابقہ شوہروں کے ساتھ دوبارہ نکاح کر لینے سے مت روکو۔ یہ حکم اپنے عموم میں بیوہ اور کنواری دونوں کو شامل ہے، یعنی دونوں نکاح کے معاملہ میں اپنے ولی کی اجازت کی پابند ہیں۔ نیز فرمایا: نکاح نہ کرو اپنی عورتوں کا مشرکوں کے ساتھ جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور فرمایا: بیوہ اور مجرد لوگوں کا نکاح کر دیا کرو۔

چونکہ ان تینوں آیات کریمہ میں ولیوں کو خطاب کیا گیا ہے لہٰذا اس خطاب سے امام بخاری نے دلیل پکڑی ہے کہ نکاح کے صحیح اور شرعی ہونے کے لئے ولی کی اجازت لازمی اور بنیادی شرط ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ ولیوں کو پابندی لگانے سے نہ روکتا پس معلوم ہوا کہ صحت نکاح کے لئے ولی اقرب (باپ) کی اجازت لازمی شرط ہے۔ لہٰذا جب ولی (باپ) زندہ ہے تو اس کی بلا جبر و اکراہ اجازت کے بغیر یہ عدالتی نکاح شرعاً باطل ہے اور عدالت کو شرعاً یہ حق حاصل نہیں کہ مغویہ لڑکی کے ساتھ نکاح پڑھا دے۔ اب احادیث مرفوعہ صحیحہ ملاحظہ فرمایئے۔

۲۔ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ نِكَاحَ اِلاَّ بِوَلِيٍّ وَفِی الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّ اَبِیْ هُرَيْرَةَ وَ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ. ❷

''حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ولی کی اجازت بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ اس حدیث کو امام ابوداؤدؒ امام ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ امام ابن حبان اور امام حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

۳۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ . فَاِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا فَاِنِ اشْتَجَرُوْا فَالسُّلْطَانُ وَلِیُّ مَنْ لاَّ وَلِیَّ لَهٗ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ. (تحفة الاحوذی ج ۲ ص ۱۷۶ وَ صَحَّحَهُ اَبُوْ عَوَانَةَ وَ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ وَقَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ فِیْ بُلُوْغِ الْمَرَامِ اَخْرَجَهُ الْاَرْبَعَةُ اِلَّا النَّسَائِیُّ وَ صَحَّحَهُ

❶ صحیح البخاری: ج ۲ ص ۷۶۹.

❷ تحفة الاحوذی: شرح ترمذی ج ۲ ص ۱۷۵ ' ۱۷۶ اور رواہ احمد و ابوداؤد و ابن حبان و الحاکم و صححاہ ۔ فقہ السنة: ج ۲ ص ۱۱۲.

أَبُوعَوَانَةَ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ. تحفة الاحوذي ج ۲ ص ۱۷۵ ' ۱۷۲ وَقَالَ قَدْ صَحَّتِ الرِّوَايَةُ فِيهِ عَنْ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ وَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَ وَ فِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَ ابْنِ عَبَّاسٍ ثُمَّ سَرَدَ ثَلَاثِيْنَ صَحَابِيًّا وَفِي الْحَدِيْثِ دَلِيْلٌ عَلَى اعْتِبَارِ إِذْنِ الْوَلِيِّ فِي النِّكَاحِ بِعَقْدِهِ الخ'[1]

ام المومنین حضرت عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جوعورت اپنے شرعی ولی باپ وغیرہ کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گی تو اس کا یہ نکاح باطل ہے' باطل ہے' باطل ہے اوراس غیر شرعی نکاح کے بعد اگر جماع کیا ہوتو اس کو مہر دینا پڑے گا۔ جب دو ولیوں کے درمیان تنازعہ ہوتو پھر سلطان ولی ہوتا ہے۔ یاد رکھئے باپ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا آدمی کسے باشد ولی نہیں بن سکتا۔ پس ان آیات سے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ مذکورہ بالا عدالتی نکاح چونکہ لڑکی کے باپ اور خود اس لڑکی کی مرضی اور اجازت کے بغیر کیا گیا ہے، لہٰذا یہ نکاح بلاشبہ باطل اور غیر شرعی ہے۔

یہ جواب بشرط صحت سوال تحریر میں لایا گیا ہے اور یہ صرف شرعی مسئلہ کا اظہار ہے اور عدالت مجاز سے اس فتویٰ کی توثیق ضروری ہے۔ احادیث مرفوعہ متصلہ صحیحہ قویہ اور قرآن کی آیات مذکورہ اور بیس صحابہ کرام کی احادیث سے یہی ثابت ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح ہوتا ہی نہیں۔ مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ ان ارید الا الا صلاح وما توفیقی الا باللہ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب.

شرعی جواز کے بغیر کسی جج کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین بابت اس مسئلہ کے محمد اسلم ولد ولایت خان کا نکاح شریعت محمدی کے مطابق مسمات نسرین دختر مجرو خان کے ساتھ مؤرخہ ۱۹۹۱-۲-۱۵ء ہوا تھا۔ مسمات نسرین بی بی نے میرے اوپر جھوٹا الزام لگا کر سول جج چونیاں ضلع قصور میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ کر دیا، جس کا قطعی علم نہ تھا۔ اور اس نے میرے والد کا نام بجائے ولایت خان کے شمل خان لکھا کر عدالت میں یک طرفہ فیصلہ مؤرخہ ۹۶-۱۰-۲۸ کو کروا لیا۔ جس کا قطعی طور پر مجھے علم نہ تھا اور نہ ہی میں عدالت میں حاضر ہوا آیا یہ فسخ نکاح ازروئے شریعت جائز ہے یا نہیں۔ علاوہ ازیں مسمات نسرین بی بی نے مؤرخہ ۱۹۹۷-۲-۲۵ کو مسمی محمد اسحاق ولد ایدھے خاں سے نکاح ثانی کر لیا۔ اب وہ اس کے گھر آباد ہے۔ کیا شریعت محمدی کے مطابق یہ نکاح جائز ہے یا نہیں۔ اور اگر یہ نکاح درست نہیں تو مسمات نسرین و اسحاق پر کون سا جرم عائد ہوتا ہے۔ اس کی کیا سزا ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں مفصل فتویٰ فرمایئے۔ مطلقہ کتنے دن بعد نکاح کر سکتی ہے؟ (سائل محمد اسلم ولد ولایت خاں، مزنگ کاہنہ نو تحصیل کینٹ ضلع لاہور)

---

[1] سبل السلام ج ۳ ص ۱۱۸.

﴿جواب﴾ الجواب بعون الوهاب و منه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ طلاق دینے کا حق صرف شوہر ہی کو حاصل ہے۔کوئی بھی دوسرا شخص طلاق دینے کا حق نہیں رکھتا،جیسا کہ قرآن مجید میں یہ امر مصرح ہے۔فرمایا:

۱۔﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ﴾ (الاحزاب:۴۹)

۲۔﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ (البقرہ ۲۳۱)

ان دونوں آیات مقدسہ میں نکاح وطلاق کی اسناد شوہر ہی کی طرف کی گئی،لہٰذا ثابت ہوا طلاق کا اختیار صرف شوہر کو حاصل ہے۔

۳۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَيِّدِیْ زَوَّجَنِیْ اَمَتَهٗ وَهُوَ يُرِيْدُ اَنْ يُّفَرِّقَ بَيْنِیْ وَ بَيْنَهَا قَالَ فَصَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ مَابَالُ اَحَدِكُمْ يُزَوِّجُ عَبْدَهٗ ثُمَّ يُرِيْدُ اَنْ يُّفَرِّقَ بَيْنَهُمَا اِنَّمَا الطَّلَاقُ لِمَنْ اَخَذَ بِالسَّاقِ. ❶

''ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے آقا نے میرا نکاح اپنی لونڈی سے کر دیا تھا' اب وہ ہمارے درمیان تفریق کا ارادہ کر بیٹھا ہے تو رسول اللہ ﷺ یہ سن کر منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا: لوگو!فلاں آدمی بھی کیا عجیب شخص ہے کہ اپنی لونڈی کا اپنے غلام سے نکاح کرنے کے بعد اب اس جوڑے میں تفریق،یعنی طلاق کا ارادہ باندھ بیٹھا ہے۔یاد رکھو!وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتا،کیونکہ طلاق دینے کا اختیار صرف شوہر کے ہاتھ میں ہے۔''

ان آیات کریمہ اور حدیث شریف کی بنیاد پر جمہور علمائے سلف وخلف اس طرف گئے ہیں کہ طلاق بدون گواہوں کی شہادت کے شرعاً واقع ہو جاتی ہے کیونکہ طلاق صرف شوہر کا حق ہے کسی اور کا نہیں۔ چنانچہ السید محمد سابق مصری تصریح فرماتے ہیں:

ذَهَبَ جُمْهُوْرُ الْفُقَهَاءِ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ اِلٰی اَنَّ الطَّلَاقَ يَقَعُ بِدُوْنِ اِشْهَادٍ لِاَنَّ الطَّلَاقَ مِنْ حُقُوْقِ الرَّجُلِ. ❷

اس بحث سے ثابت ہوا کہ عام حالات میں طلاق دینے یا نہ دینے کا حق صرف شوہر کو حاصل ہے کسی دوسرے کو کسے باشد؟ کوئی حق حاصل نہیں۔

عورت کے حقوق کا تحفظ:

شوہر کے اس حق کو تسلیم کرتے ہوئے بیوی کے حقوق کی پاسبانی کے پیش نظر شرعاً قاضی کو حسب ذیل پانچ صورتوں میں

❶ سنن ابن ماجة: باب طلاق العبد ج ۲ ص۲ وارواء الغليل: ج ۷ ص ۱۰۸. ❷ فقه السنة: ج ۲ ص ۲۲۰.

بیوی کے مرافعہ پر تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کرنے کا اختیار ہے۔ بشرطیکہ قاضی (جج) شریعت کے قانون انصاف کے تمام تقاضوں کو پورا کرتا ہو اور اپنے منصب رفیع اور اپنی شرعی ذمہ داریوں کا مکمل ادراک بھی رکھتا ہو۔ وہ پانچ صورتیں یہ ہیں۔

۱۔ التطليق لعدم النفقة

فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ کی روشنی میں امام مالک، امام شافعی اور امام احمد اس طرف گئے ہیں کہ جب کوئی شوہر اپنی بیوی کے نان ونفقہ کی ادائیگی میں عمداً کوتاہی کر رہا ہو یا بوجہ غربت و افلاس کے نفقہ ادا کرنے سے عاجز ہو اور اس کی بیوی ان حالات میں اس کے ساتھ نبھا کے لئے تیار نہ ہو۔

نوٹ: امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ اگر غربت و افلاس کی وجہ سے خاوند نان ونفقہ سے قاصر ہو تو پھر قاضی کو تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کرنے کا حق نہیں۔

۲۔ التطليق للضرر:

امام مالک فرماتے ہیں کہ جب خاوند اپنی بیوی پر ظلم وتعدی کا مرتکب ہو اور اس کو ایسی تکلیف پہنچا رہا ہو جو عورت کی برداشت سے باہر ہو یا اس کو کسی غیر اخلاقی قول وفعل، یعنی گانا بجانا اور گناہ کے دھندہ پر مجبور کر رہا ہو اور عورت اپنے دعویٰ کے ثبوت میں قابل اطمینان شہادت پیش کر دے یا شوہر اقبال جرم کر لے۔ اور بیوی ان حالات میں رشتہ ازدواج بحال رکھنے پر تیار نہ ہو۔

٤۔ التطليق لغيبة الزوج:

امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے مذہب کے مطابق خاوند اگر گھر سے غائب رہتا ہے۔ (۲) خاوند کی اس غیوبت سے عورت کو تکلیف پہنچتی ہے۔ (۳) خاوند بیوی کے شہر کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں رہتا ہے۔ (۴) بیوی کے شہر میں رہتا ہے، مگر بیوی کے پاس آنا جانا موقوف کر رکھا ہے اور (۵) اس قطع تعلقی پر ایک برس کا عرصہ گزر چکا ہے اور بیوی اپنے اس شوہر کے اس رویہ کی تاب نہیں رکھتی۔

٥۔ الطليق لحبس الزوج:

اگر خاوند کسی جرم کے ارتکاب پر تین سال کے لئے جیل چلا گیا ہے اور یہ فیصلہ عدالت مجاز کا آخری فیصلہ ہے اور خاوند کو قید ہوئے ایک برس ہو گیا ہے اور اس کی بیوی تنہائی کی زندگی میں تکلیف محسوس کرتی ہے تو امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک وہ عورت تنسیخ نکاح کی ڈگری کے لئے عدالت مجاز میں مرافعہ کر سکتی ہے۔ اور قاضی پوری دیانت داری اور غیر جانب داری کے ساتھ عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اور مدعیہ کے شوہر کو بیچ بیچ باخبر رکھتے ہوئے اور منصب کی جملہ ذمہ داریوں کے ادراک کے ساتھ اور قانون شہادت اور نصاب شہادت اور نصاب شہادت کی پابندی میں اور کسی قسم کی ترغیب وتحریض، رشوت اور انتقامی جذبہ کو ٹھوکتے ہوئے تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کر سکتا ہے۔ ان پانچ صورتوں کے علاوہ کسی بڑے سے بڑے جج کو شریعت اسلامیہ اور اس کا پیش کردہ الٰہی قانون انصاف اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ وہ لوگوں

کی بیویوں کو جھوٹے سچے اور پکے کچے گواہوں کی بنیاد پر تنسیخ نکاح کی ڈگریاں جاری کرتا رہے۔ یا رشوت لے کر خاوند کی اطلاع بغیر تنسیخ نکاح کی ڈگریاں فروخت کرتا پھرے۔ ایسا کرنے والا جج اگر مسلمان ہے تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدوں کو پھلانگنے والا ہے، اپنے اوپر ظلم کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا باغی ہے مزید برآں بدکاری اور زنا کاری کو فروغ دینے والا ہے اور اس قماش کے جج کی سزا سب کو معلوم ہے، مفتی کی وضاحت کی محتاج نہیں۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر اس فاضل جج نے اسلامی قانون عدل و انصاف کی پوری پابندی کے ساتھ اور محمد اسلم ولد ولایت خان کو سچ مچ باخبر کر کے اور قانون شہادت اور نصاب شہادت کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے تنسیخ نکاح کی یہ ڈگری جاری کی ہے تو بلاشبہ عنداللہ مسئول نہیں ہوگا، کیونکہ وہ اپنے فیصلہ میں نہ صرف مصیب ہے بلکہ عنداللہ ماجور بھی ہے بصورت دیگر عنداللہ علیٰ رؤس الخلائق جواب دہی کے لئے تیار رہے۔

رہا اس کا یہ یک طرفہ اور خاوند کی بے خبری میں کیا ہوا فیصلہ یا تنسیخ نکاح کی یک طرفہ ڈگری تو اگر سائل اپنے اس سوال میں دروغ گوئی اور کذب بیانی کا مرتکب نہیں تو یہ ڈگری عنداللہ وعندالرسول ﷺ ہرگز نافذ نہ ہے۔ لہٰذا نکاح سابق بحال اور قائم ہے کیونکہ خلاف شرع فیصلہ ازروئے قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ مردود ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَّاِنَّهُ يَأْتِيْنِى الْخَصْمُ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَّكُوْنَ اَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ فَاَحْسِبُ اَنَّهُ صَادِقٌ فَاَقْضِىَ لَهُ بِذٰلِكَ مِمَّنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَاِنَّمَاهِىَ قِطْعَةٌ مِّنَ النَّارِ. فَلْيَأْخُذْهَا أَوْ لِيَتْرُكْهَا. صحيح بخاري: بَابُ مَنْ قَضٰى لَهُ بِحَقِّ اَخِيْهِ فَلَا يَأْخُذْهُ فَاِنَّ قَضَاءَ الْحَاكِمِ لَا يحِلُّ حَرَامًا وَّلَا يُحَرِّمُ حَلَالًا. (ج ۲ ص ۱۰۶٤ و ۱۰۶۵)

کہ میں بھی بہرحال بشر ہوں، میرے پاس مقدمہ آتا ہے مدعی اور مدعیٰ علیہ میں سے ایک فریق چرب لسان اور تیز طرار ہوتا ہے، میں اس کی چرب لسانی کی وجہ سے اس کو سچا قرار دیتے ہوئے اس کے حق میں فیصلہ سنا دیتا ہوں، پس جس کسی کی مرضی ہو تو اس کو لے لے اور چاہے تو اس کو چھوڑ دے، یعنی میرے اس فیصلہ سے حرام چیز حلال اور حلال چیز حرام نہیں ہوتی۔

لہٰذا اگر یہ فیصلہ واقعی سائل کی بے خبری اور اس کا موقف سنے بغیر یک طرفہ ہے تو پھر یہ دوسرا نکاح شرعاً نکاح نہیں، بلکہ سفاح اور زنا ہے کیونکہ اس صورت میں سائل کا نکاح ازروئے شرع بحال اور قائم ہے اور نکاح پر نکاح قرآن کی نص جلی کے مطابق حرام ہے، چنانچہ پانچویں پارہ کی پہلی آیت میں فرمایا:

﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ﴾ (سورة النساء: ۲٤)

''اور (حرام کی گئیں) شوہر والی عورتیں مگر وہ جو تمہاری ملکیت میں آ جائیں، اللہ تعالیٰ نے یہ احکام تم پر فرض کر دیے ہیں۔''

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

اَیْ وَحَرُمَ عَلَیْکُمْ مِنَ الْاَجْنَبِیَّاتِ الْمُحْصَنٰتِ وَھُنَّ الْمُزَوَّجَاتُ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ۔ ❶

یعنی خاوندوں والی عورتیں بھی تم پر حرام ہیں۔

اس آیت کریمہ کی وجہ سے چونکہ نکاح پر نکاح حرام ٹھہرا، یعنی منعقد ہی نہیں ہوا، لہٰذا بالفرض والتسلیم اگر یہ فیصلہ واقعی سائل کی بے خبری کے عالم میں سنایا گیا ہے، یعنی جج نے اس کو اطلاع دے کر عدالت میں حاضر ہو کر اپنا موقف پیش کرنے کا موقع نہیں دیا گیا تو اس ڈگری کی بنیاد پر دوسرا نکاح محض زنا کاری ہے اور زنا کی سزا اگر زانی اور زانیہ کنوارے ہوں تو ہر ایک کو سو سو کوڑے ہیں اور اگر وہ شادی شدہ ہوں تو دونوں کو رجم کیا جاتا ہے۔ اگر ایک فریق کنوارہ اور دوسرا شادی شدہ ہے تو کنوارے کو سو کوڑے اور شادی شدہ کو رجم کیا جائے گا، جیسا کہ بخاری ج ۲ کتاب الحدود میں ہے۔ اور جج بھی گناہ میں معاون ہونے کی وجہ سے مجرم ہوگا اور اگر فاضل جج نے سائل کی طلبی کے نوٹس جاری کئے سمن بھیجے مگر مدعیہ نے عدالت کے اہل کاروں کے ساتھ ملی بھگت کر کے سائل کو بے خبر اور جج کو اندھیرے میں رکھا ہے تو اس صورت میں جج عنداللہ بری اور بے گناہ ہے۔ یہ جواب بشرط صحت سوال تحریر کیا گیا ہے، جو محض ایک شرعی سوال کا شرعی جواب محض ہے کسی فریق پر فرد جرم عائد کرنا اور توہین عدالت ہرگز مقصود نہیں۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

عورت ولی نکاح نہیں بن سکتی

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ میں مسمی غلام قادر ولد میاں قمر چک نمبر ۱۴ اون تحصیل وضلع اوکاڑہ کا رہائشی ہوں یہ کہ مجھے ایک شرعی مسئلہ دریافت کرنا مقصود ہے جو ذیل میں عرض کرتا ہوں۔

یہ کہ میری حقیقی دختر مسمات نذیراں بی بی کا باپ کی اجازت کے بغیر نکاح ہوا جبکہ نذیراں بی بی اپنی پھوپھی سے ملنے گئی تو اس نے ورغلا کر اس کا نکاح اپنے لڑکے امیر ولد نور قوم مسلم شیخ چک نمبر ۳۵ ٹو آر تحصیل وضلع اوکاڑہ سے کر دیا تھا۔ جس کو ے ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے جب کہ مسمات نذیراں بی بی اس نکاح پر راضی نہ تھی اور نہ ہی مسمات اپنے خاوند مذکور کو پسند کرتی ہے اور جب کہ مسمات نذیراں بی بی نے نہایت ہی تنگدستی کے دن گزارے جبکہ مسمات نذیراں بی بی اپنے خاوند مذکور کے ہاں رہنا نہیں چاہتی اور نہ مذکورہ اس کے ہاں آباد ہونے کو تیار ہے۔ بالآخر ایک دن موقع پا کر مذکورہ نذیراں بی بی اپنے والدین کے ہاں آ گئی جس کو عرصہ تقریباً ۴ ماہ کا ہو چکا ہے۔ اب مذکورہ اپنے والدین کے ہاں، زندگی کے دن گزار رہی ہے۔ ان حالات میں علمائے دین سے سوال ہے کہ اب مساۃ مذکورہ نکاح جدید کی حق دار ہے یا نہیں قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیں۔ عنداللہ ماجور ہوں کذب بیانی کا سائل خود ذمہ دار ہوگا۔

---

❶ تفسیر ابن کثیر: ج ۱ ص ۵۱۶۔

جواب الجواب بعون الوهاب وهو الملهم للحق منه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ عورت نہ تو خود اپنا نکاح کر سکتی ہے اور نہ کسی دوسری عورت کی ولی بن سکتی ہے۔ جبکہ صحت نکاح کے لئے ولی مرشد کی اجازت از بس ضروری ہے۔ صحیح بخاری میں ہے:

باب: مَنْ قَالَ لاَ نِكَاحَ اِلاَّ بِوَلِيٍّ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ فَدَخَلَ فِيْهِ الثَّيِّبُ وَكَذٰلِكَ الْبِكْرُ وَقَالَ ﴿لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا﴾ وَقَالَ ﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ﴾ (ج ۲ ص ۷۶۹)

کہ اس بات کا بیان کہ جو شخص نکاح کی صحت کے لئے ولی کی اجازت کو ضروری سمجھتا ہے وہ قرآن مجید کی اس آیت سے دلیل لیتا ہے: ''جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ عدت پوری کر لیں تو ان کو نکاح سے نہ روکو'' یعنی اگر ولی کو کوئی اختیار ہی نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے ولیوں کو یہ حکم کیوں دیا ہے۔ لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ ولی کو حق ولایت حاصل ہے عورت خواہ شوہر دیدہ ہو یا کنواری ہو۔ اور اسی طرح آیت ﴿لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور ﴿اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى﴾ میں بھی عورتوں کے لئے ولیوں کو حکم خطاب کیا گیا ہے۔ لہٰذا ان تینوں نصوص سے واضح ہوا کہ صحت نکاح کے لئے ولی مرشد کی اجازت ناگزیر ہے۔ ورنہ ان تینوں آیات میں ولیوں کو خطاب کا کوئی معنی باقی نہیں اور کلام الٰہی عبث قرار پاتا ہے۔ حاشا وکلا۔

۲۔ عَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ بْنِ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ.

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْاَرْبَعَةُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ الْمَدِيْنِیِّ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَاَعَلَّهُ بِالْاِرْسَالِ قَالَ عَلِیُّ بْنُ الْمَدِيْنِیِّ حَدِيْثُ اِسْرَائِيْلَ فِی النِّكَاحِ صَحِيْحٌ وَكَذَا صَحَّحَهُ الْبَيْهَقِیُّ وَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنَ الْحُفَّاظِ وَقَالَ الْحَاكِمُ وَقَدْ صَحَّتِ الرِّوَايَةُ فِيْهِ عَنْ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَائِشَةَ وَ اُمِّ سَلَمَةَ وَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَ وَفِی الْبَابِ عَنْ عَلِیٍّ وَّ ابْنِ عَبَّاسٍ ثُمَّ سَرَدَ ثَلاَثِيْنَ صَحَابِيًّا وَالْحَدِيْثُ دَلَّ عَلٰی اَنَّهٗ لاَ يَصِحُّ النِّكَاحُ اِلا بِوَلِیٍّ. [1]

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا۔'' یہ حدیث صحیح ہے۔ اور جمہور علماء امت کے نزدیک صحت نکاح کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے ورنہ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

۳۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَاِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ وَبِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا.

(اَخْرَجَهُ الْاَرْبَعَةُ اِلاَّ النَّسَائِیَّ وَ صَحَّحَهُ اَبُوْ عَوَانَةَ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ وَقَالَ ابْنُ كَثِيْرٍ وَ

[1] نیل الاوطار ج ۳ ص ۱۱۷۔

صَحَّحَهٗ يَحْيٰى بْنُ مَعِيْنٍ وَغَيْرُهٗ مِنَ الْحُفَّاظِ. ●

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جوعورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے تو اس کا نکاح باطل ہے۔ اور دخول پر وہ عورت اپنے اس شوہر سے مہر حاصل کرے گی۔''

۳۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُزَوِّجُ الْمَرْاَةُ الْمَرْاَةَ وَلَا تُزَوِّجُ الْمَرْاَةُ نَفْسَهَا.

رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَرِجَالُهٗ ثِقَاتٌ. ●

''حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ ازخود اپنا نکاح کرے۔'' یعنی عورت ولی نکاح نہیں بن سکتی۔

امام محمد بن اسماعیل الامیر الیمانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ الْمَرْاَةَ لَيْسَ لَهَا وِلَايَةٌ فِي الْاِنْكَاحِ لِنَفْسِهَا وَلَا لِغَيْرِهَا فَلَا عِبَارَةَ لَهَا فِي النِّكَاحِ اِيْجَابًا وَّلَا قَبُوْلًا فَلَا تُزَوِّجُ نَفْسَهَا اِلَّا بِاِذْنِ الْوَلِيِّ وَلَا غَيْرَهٗ وَلَا تُزَوِّجُ غَيْرَهَا بِوِلَايَةٍ وَّلَا بِوَكَالَةٍ وَّلَا تَقْبَلُ النِّكَاحَ بِوِلَايَةٍ وَّلَا وِكَالَةٍ وَّهُوَ قَوْلُ الْجَمْهُوْرِ. ●

کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کو حق ولایت حاصل نہیں۔ لہٰذا نہ وہ اپنا ولی بن سکتی ہے اور نہ کسی اور عورت کا ولی نکاح بن سکتی ہے۔ یعنی نہ اپنا ازخود نکاح کر سکتی ہے اور نہ کسی دوسری عورت کا ولی بن کر نکاح کرا سکتی ہے۔ لہٰذا اس کی ولایت میں کیا گیا نکاح ناقابل اعتبار ہے۔ لہٰذا بشرط صحت سوال مسمات نذیراں بی بی دختر غلام قادر ساکن ۱۴ آر کا نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوا۔ کہ باپ ولی اقرب کی اجازت نہیں تھی۔ اور نہ باپ کو اس کا علم ہی تھا، پھر نذیراں کی پھوپھی کا یہ اقدام سراسر خلاف شریعت ہے۔ مفتی کسی قانونی سقم کا ذمہ دار نہ ہوگا، عدالت مجاز سے توثیق ضروری ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب

ولی اقرب کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بیٹی گھر سے سلائی کا کام سیکھنے کے لئے جا رہی تھی کہ راستہ میں چند لڑکوں نے اسے اٹھا لیا اور نکاح فارم منگوا کر زبردستی دستخط کروا لئے جب کہ میں اپنی بیٹی کا ولی، یعنی باپ اس صورت حال سے بے خبر ہوں اور میری اس میں رضامندی قطعاً نہیں ہے۔ تو فرمائیے کیا ایسا نکاح جو ولی کی اجازت کے بغیر کیا گیا ہو شرعاً جائز ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ (سائل مختار احمد ولد برکت علی راجپوت بھٹی ماڈل کالونی سٹریٹ نمبر ۲۷ مکان نمبر ۱۲۵ اے کراچی نمبر ۲۷)

● سبل السلام: ج ۳ ص ۱۱۸۔ ● سبل السلام ج ۳ ص ۱۲۰۔ ● سبل السلام ج ۳ ص ۱۲۰۔

﴿جواب﴾ الجواب بعون الوهاب و منه الصدق والصواب : بشرط صحت سوال و بشرط صحت واقعہ صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ صحت نکاح کے لئے ولی اقرب ومرشد کی اجازت شرعاً لازم ہے۔ بغیر اجازت ولی اقرب پڑھا گیا نکاح قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ اور صحیحہ کے مطابق منعقد ہی نہیں ہوتا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

۱۔ بَابُ مَنْ قَالَ لاَ نِكَاحَ اِلاَّ بِوَلِيٍّ لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ فَدَخَلَ فِيْهِ الثَّيِّبُ وَكَذٰلِكَ الْبِكْرُ وَقَالَ ﴿لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا﴾ وَقَالَ ﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ﴾ ❶

کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب تم اپنی بیویوں کو رجعی طلاق دو اور وہ طلاق کی عدت پوری کر لیں تو بعداز عدت ان کو اپنے اگلے شوہروں کے ساتھ دوبارہ نکاح کر لینے سے مت روکو۔ یہ حکم اپنے مضمون میں عام ہے لہٰذا بیوہ اور باکرہ دونوں کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے۔

نیز فرمایا کہ نکاح نہ کرو تم اپنی عورتوں کا مشرکوں کے ساتھ جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔ اور فرمایا کہ بیوہ اور مجرد مردوں کا نکاح کر دیا کرو۔ چونکہ ان تینوں آیات مقدسہ میں ولیوں کو خطاب کیا گیا ہے، لہٰذا اس خطاب سے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ دلیل پکڑتے ہیں کہ صحت نکاح کے لئے ولی کی اجازت ضروری شرط ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ ولیوں کو یوں خطاب نہ فرماتا۔ پس قرآن مجید کی ان تینوں آیات سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ ولی (والد اگر زندہ) کی اجازت کے بغیر پڑھا گیا نکاح باطل ہے۔

۲۔ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لاَ نِكَاحَ اِلاَّ بِوَلِيٍّ. وَ فِی الْبَابِ عَنْ عَائِشَةَ وَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّ اَبِیْ هُرَيْرَةَ وَ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَّ اَنَسٍ. ❷

''حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے اور امام ابن حبان اور امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

۳۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ. الحديث

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ وَقَالَ الْقُرْطُبِیُّ وَهٰذَا الْحَدِيْثُ صَحِيْحٌ كَذَا فِیْ فِقْهِ السُّنَّةِ ج ۲ ص ۱۱۲ وَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ وَّ صَحَّحَهٗ اَبُوْ عَوَانَةَ وَ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ وَقَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ فِیْ بُلُوْغِ الْمَرَامِ اَخْرَجَهٗ

❶ صحیح بخاری: ج ۲ ص ۷٦۹۔

❷ تحفۃ الاحوذی: ج ۲ ص ۱۷۵ و ۱۷٦ ورواہ احمد وابوداود وابن حبان والحاکم وصححاہ، فقہ السنۃ ج ۲ ص ۱۱۲۔

اَلْاَرْبَعَةُ اِلَّا النَّسَائِيُّ وَ صَحَّحَهُ اَبُوْ عَوَانَهَ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ۔ تحفة الاحوذی ج ۲ ص ۱۷۵ و۱۷۶ قَالَ الْحَاكِمُ وَقَدْ صَحَّتِ الرِّوَايَةُ فِيْهِ عَنْ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَائِشَةَ وَ اُمِّ سَلَمَةَ وَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَّ ابْنِ عَبَّاسٍ ثُمَّ سَرَدَ تَمَامَ ثَلَاثِيْنَ صَحَابِيًّا۔ وَالْحَدِيْثُ دَلَّ عَلٰى اَنَّهٗ لَا يَصِحُّ النِّكَاحُ اِلَّا بِوَلِيٍّ. [1]

''ام المومنین حضرت عائشہ ﷞ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت اپنے شرعی ولی کے بغیر نکاح کرے گی تو اس کا یہ نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے۔ اور دخول کی صورت میں وہ مہر مثل کی مستحق ہوگی۔ اگر متعدد ولیوں کا جھگڑا ہو تو حکمران ولی ہوگا اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

پس ان آیات ثلاثہ اور احادیث مذکورہ صحیحہ مرفوعہ متصلہ سے ثابت ہوا کہ صحت نکاح کے لئے ولی اقرب (والد) کی اجازت ازبس ضروری ہے اور بدون اجازت ولی نکاح باطل ہے۔ اور والد کی موجودگی میں کوئی دوسرا آدمی ولی نہیں بن سکتا۔ لہٰذا بشرط صحت سوال یہ نکاح باطل ہے اور یہ صرف شرعی مسئلہ کا اظہار ہے۔ عدالت مجاز سے اس کی توثیق ضروری ہے۔ اور عدالت مجاز ضابطہ کی کارروائی کی تکمیل کے بعد اپنی صوابدید اور اختیارات مفوضہ کی تنفیذ و اصرار میں مختار ہے۔ مفتی کسی قانونی جھمیلہ اور کارروائی کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب في يوم الحساب وهو اعلم بسرائر الانسان.

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں یہ کہ مسمات جوکھو بی بی دختر احمد قوم مستری ساکن بہادر مان تحصیل پنڈی بھٹیاں ضلع حافظ آباد کی ہوں یہ کہ ایک شرعی مسئلہ دریافت کرنا مقصود ہے جو ذیل میں عرض ہے۔

یہ کہ میری بیٹی مسمات جنت بی بی کا نکاح زبردستی بغیر میری مرضی اور رضامندی کے ہمراہ مسمی مراد ولد ہیرا قوم رندیرہ ساکن نوتھہ حافظ آباد سے عرصہ تقریباً ۲ ماہ ۲۰ یوم قبل کر لیا گیا تھا۔ جبکہ مسمات کو اغوا کر کے یہ نکاح کیا گیا ہے اور میری بیٹی کے انگوٹھے زبردستی فارم پر لگوائے ہیں۔ مسمات مذکورہ کی والدہ اور باپ کو اس نکاح کے بارے میں علم نہ تھا۔ مسمات کو دھوکہ دے کر لے گئے اور انہوں نے ۸ یوم اپنی حراست میں رکھا۔ مسمات مذکورہ کے والدین کو اس نکاح کے بارے میں علم ہوا تو مسمات مذکورہ کو برادری والے تلاش کر کے لائے۔ اور مسمات اس وقت سے آج تک اپنے والدین کے ہاں رہ رہی ہے۔ مسمات مذکورہ سے یہ نکاح قتل کی دھمکی دے کر کیا گیا ہے، مسمات اس نکاح کو قبول نہیں کرتی اور کسی بھی صورت میں آباد ہونے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اب علمائے دین سے سوال ہے کہ آیا شرعاً مسمات کا نکاح زبردستی بغیر والدین مرضی پڑھا گیا نکاح شریعت محمدی کے مطابق جائز ہے کہ نہیں؟ ہمیں مدلل جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔ کذب بیانی ہوگی تو سائلہ خود جرم دار ہوگی۔ لہٰذا مجھے شرعی فتویٰ صادر فرمائیں۔ (مسمات سائلہ جوکھو بی بی والدہ مسمات مذکورہ جنت بی بی سوال سن کر اس کو تسلیم کرتی ہوں)

---

[1] سبل السلام ج ۳ ص ۱۱۷.

ہم اس سوال کی حرف بحرف حلفاً خدا تعالیٰ کو جان کر تصدیق کرتے ہیں کہ سوال بالکل صداقت پر مبنی ہے اگر کسی وقت غلط ثابت ہوگا تو ہم اس کے ذمہ دار ہوں گے، لہٰذا ہمیں شرعی فتویٰ صادر فرمائیں۔ بذریعہ قاضی احسان الحق۔

جواب الجواب بعون الوهاب و منه الصدق: بشرط صحت سوال و بشرط صدق تصدیق کنندگان صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ یہ نکاح شرعاً باطل ہے کیونکہ منعقد ہی نہیں ہوا کہ انعقاد نکاح اور اس کی صحت کے لئے ولی مرشد، یعنی عاقل بالغ، آزاد مسلمان ولی کی اجازت شرط ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

۱۔ ﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ﴾ (سورۂ نور: ۳۲)

''کہ اے ولیو! اپنے میں سے بیوگان کی اور اپنے نیک چلن غلاموں اور لونڈیوں کی شادیاں کر دیا کرو۔''

۲۔ ﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا﴾ (سورة بقرة: ۲۲۱)

''اور (اپنی لڑکیوں کو) مشرکوں سے نہ بیاہو۔ جب تک وہ مسلمان نہ ہوں۔'' گویا یوں فرمایا:

اَیْ لَاتُنْكِحُوْا اَيُّهَا الْاَوْلِيَاءُ مَوْلِيَاتِكُمْ بِالْمُشْرِكِيْنَ۔ [1]

''اے ولیو! تم اپنی زیر ولایت لڑکیوں کے مشرکوں سے نکاح نہ کرو۔''

۳۔ ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (بقرة: ۲۳۲)

''تو تم ان کو ان کے خاوندوں سے جب وہ دستور کے موافق آپس میں راضی ہو جائیں نکاح کرنے سے مت روکا کرو۔''

ان تینوں آیات سے ثابت ہوا کہ ولیوں کی اجازت کے بغیر شرعاً نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ ورنہ ولیوں کو خطاب کرنے کا کوئی معنی نہیں نکلتا۔ اب احادیث صحیحہ مرفوعہ ملاحظہ فرمایئے۔

۴۔ عَنْ اَبِیْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ۔ [2]

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شرعی ولی کی اجازت کے بغیر نکاح شرعاً منعقد نہیں ہوتا، یعنی وہ باطل ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں۔

۵۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَاِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا فَاِذَا اشْتَجَرُوْا فَالسُّلْطَانُ وَلِیُّ مَنْ لَا وَلِیَّ لَهٗ۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ قَالَ الْقُرْطَبِيُّ

---

[1] فقه السنة ج ۲ ص ۱۱۲.

[2] رواه احمد وابو داود والترمذی وابن حبان والحاكم وصححاه، فقه السنة ج ۲ ص ۱۱۲.

وَهٰذَا الْحَدِيْثُ صَحِيْحٌ. ❶

قَالَ الْحَاكِمُ وَقَدْ صَحَّتِ الرِّوَايَةُ فِيْهِ عَنْ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَائِشَةَ أُمِّ سَلَمَةَ وَزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَّ ابْنِ عَبَّاسٍ ثُمَّ سَرَدَ ثَلَاثِيْنَ صَحَابِيًّا وَّقَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِيْنِيِّ حَدِيْثُ اِسْرَائِيْلَ فِي النِّكَاحِ صَحِيْحٌ. ❷

حضرت عائشہ ﷞ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت اپنے شرعی ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گی تو اس کا یہ نکاح باطل ہوگا، باطل ہوگا، باطل ہوگا، یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن علیہ کا یہ کہنا کہ امام زہری نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا لَمْ يَعْرِفْهُ۔ نا قابل اعتبار ہے:

لَمْ يَقُلْ هٰذَا اَحَدٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ غَيْرَ ابْنِ عُلَيَّةَ وَقَدْ رَوَاهُ جَمَاعَةٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَلَمْ يَذْكُرُوْا ذَالِكَ وَلَوْثَبَتَ هٰذَا عَنِ الزُّهْرِيِّ لَمْ يَكُنْ فِيْ ذَالِكَ حُجَّةٌ لِاَنَّهٗ قَدْ نَقَلَهٗ عَنْهُ ثِقَاتٌ مِنْهُمْ سُلَيْمَانُ بْنُ مُوْسٰى وَهُوَ ثِقَةٌ اِمَامٌ وَ جَعْفَرُ بْنُ رَبِيْعَةَ فَلَوْنَسِيَهُ الزُّهْرِيُّ فَلَمْ يَضُرُّهُ ذَالِكَ لِاَنَّ النِّسْيَانَ لَا يَعْصِمُ مِنْهُ ابْنُ آدَمَ. ❸

خلاصہ کلام یہ کہ یہ احادیث بالکل صحیح ہیں اور اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ صحت نکاح کے لئے شرعی ولی کی اجازت ازبس ضروری شرط ہے اور چونکہ یہ نکاح اغوا کے ساتھ پڑھا گیا ہے، جیسا کہ سوال نامہ کی صراحت خط کشیدہ سے واضح ہے، لہٰذا یہ نکاح شرعاً باطل ہے، لہٰذا جنت بی بی مراد ولد پیرا کی شرعی بیوی بنی ہی نہیں کہ یہ نکاح شرعاً باطل اور لغو ہے جیسا کہ سوال نامہ کی خط کشیدہ عبارت سے واضح ہے کہ بغیر ولی کی اجازت کے پڑھا گیا ہے۔ مگر چونکہ نکاح فارم پر انگوٹھے لگ چکے ہیں۔ لہٰذا عدالت مجاز کی طرف رجوع کر کے اس نکاح کے کالعدم اور باطل ہونے کی ڈگری حاصل کرنا ضروری ہے۔ ورنہ قانونی گرفت پریشان کرے گی۔ اگر اس زور زبردستی اور بلا اذن ولی نکاح کے بعد مراد نے اس کے ساتھ جماع کیا تو پھر مراد کے ذمہ اس کا مہر واجب الاداء ہے۔ یہ جواب بشرط صحت سوال لکھا گیا ہے اگر اس میں غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے تو اس کی ذمہ داری سائلہ اور تصدیق کنندگان پر عائد ہوتی ہے میں نے تو اس سوال کے مطابق شرعی مسئلہ لکھا ہے۔ مفتی قانونی سقم اور عدالتی جھمیلوں کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ ھذا ما عندی واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

صحت نکاح کے لیے لڑکی کا اذن ضروری ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں مسمی محمد دین ولد قاسم علی قوم کھوکھر چک نمبر ۱۵ تحصیل وضلع اوکاڑہ کا ہوں مجھے ایک شرعی مسئلہ دریافت کرنا مقصود ہے جو ذیل میں عرض کرتا ہوں:

یہ کہ میری بیٹی مسمات صغراں بی بی کا نکاح زبردستی اغوا کر کے مسمی شوکت علی ولد سراج دین قوم آرائیں چک نمبر ۱۲

❶ فقه السنة ج ٢ ص ١٣،١٢۔ ❷ سبل السلام: ج ٣ ص ١١٧۔ ❸ فقه السنة ج ٣ ص ١١٣۔

تحصیل وضلع اوکاڑہ سے چھ ماہ قبل نکاح کر دیا۔ مسمات مذکورہ تقریباً ۲ ماہ ان کی حراست میں رہی۔ محمد اسلم محمد سلیم اور محمد برکت نے مل کر اغوا کیا انہوں نے کہا کہ آپ کی چچی بہاولپور سے آئی ہے آپ اسے لے آئیں۔ مسمات کو بہانے کے ساتھ لے گئے اور کوئی چیز سونگھا دی مسمات کو اغوا کرنے کے بعد مختلف مقامات پر رکھا۔ مسمات کے نکاح فارم پر زبردستی دستخط کروائے۔ مسمات نے ایجاب قبول نہ کیا ہے۔ مسمی مذکور شوکت علی نے مسمات کو ایک کمرہ میں حبس بے جا میں رکھا۔ اور جاتے وقت کمرے کا تالا لگاتا۔ مسمات کو اس سے سخت نفرت ہے اور اسے پسند نہیں کرتی۔ یہ کہ مسمی مذکور مسمات پر بلا جواز تشدد کرتا ہے اور خاوند مذکور مسلسل شدید جسمانی اور ذہنی تشدد کرتا ہے۔ مسمات ہر وقت ذہنی اور جسمانی تکلیف کا شکار رہتی ہے۔ مسمات کو نکاح کے وقت سخت دھمکی دی کہ اگر تم نے نکاح نہ پڑھا تو تم کو قتل کر دیں گے۔ ان تمام باتوں کا مسمات کے والدین کو علم تک نہیں ہے، اور نہ ہی باپ اور دیگر رشتہ داروں کو بھی اس بات کا علم ہے۔ جب مسمات کا علم ہوا تو مسمات کے والدین بذریعہ پولیس واپس لے کر آئے۔ اس بات کو ساڑھے چار ماہ کا عرصہ ہو چکا ہے۔ مسمات اس وقت سے بڑی پریشان ہے۔ اور مسمات اس کے ہاں بالکل آباد ہونا نہیں چاہتی۔ اور مسمات اس نکاح کو تسلیم نہیں کرتی۔ نکاح فارم پر مسمات کے باپ کا کوئی بھی انگوٹھا نہیں ہے۔ اب علمائے دین سے سوال ہے کہ آیا شرعاً زبردستی نکاح بغیر والدین کی رضامندی کے جائز ہے یا نہیں۔ ہمیں مدلل شرعاً جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔ کذب بیانی ہوگی تو سائل خود ذمہ دار ہوگا، لہٰذا مجھے شرعی فتویٰ صادر فرمائیں۔

جواب الجواب بعون الوھاب: بشرط صحت سوال اگر صورت محررہ سچ مچ اصل واقعہ کے عین مطابق ہے تو واضح ہو کہ نکاح اور اس کے انعقاد شرعی کے لئے لڑکی کی رضامندی اور ولی کی اجازت بلا اکراہ و جبر شرعاً نہایت ضروری بلکہ اساسی شرط ہے۔ اگر یہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک نہ ہو تو شرعاً نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے:

اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَدَّثَهُمْ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَا تُنْكَحُ الْاَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَاْمَرَ وَ لَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَاْذَنَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ اِذْنُهَا قَالَ اِنْ تَسْكُتَ۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک بیوہ عورت سے مکمل مشورہ نہ کیا جائے اس کا نکاح نہ کیا جائے اور اس طرح جب تک کنواری عورت سے اجازت نہ لی جائے اس کا نکاح نہ پڑھا جائے۔ آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا: اس کا خاموش رہنا اس کی اجازت ہے۔

۲۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ جَارِيَةً اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَخَيَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ [2]

''ایک جوان لڑکی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میرے والد نے دھکے سے میرا نکاح کر دیا ہے، جبکہ میں اس نکاح کو پسند نہیں کرتی تو رسول اللہ ﷺ نے اس لڑکی کو اختیار دے دیا کہ چاہے تو بحال

[1] صحیح البخاری باب لاینکح الاب وغیرہ البکر والثیب الا برضاھا، ج ۲ ص ۷۷۱۔

[2] رواہ احمد وابوداود وابن ماجۃ، (سبل السلام ج ۳ ص ۱۲۲۔

رکھے یا اس نکاح کو مسترد کر دے۔

اگر چہ حافظ ابن حجر نے اس حدیث کو مرسل، یعنی ضعیف کہا ہے۔ مگر ان کی یہ جرح درست نہیں۔ اس جرح کا جواب یہ ہے:

وَأُجِيبَ عَنْهُ بِأَنَّهُ رَوَاهُ أَيُّوبُ بْنُ سُوَيْدٍ عَنِ الثَّوْرِيِّ عَنْ أَيُّوبَ مَوْصُولاً وَ رَوَاهُ مَعْمَرُ بْنُ سُلَيمانَ الرَّقِّيُّ عَنْ زَيْدِ بِنْ حِبَّانَ عَنْ أَيُّوبَ مَوْصُولاً وَإِذَا اخْتُلِفَ فِيْ وَصْلِ الْحَدِيْثِ وَإِرْسَالِهِ فَالْحُكْمُ لِمَنْ وَصَلَهُ وَقَالَ الْمُصَنِّفُ (ابْنُ حَجَرٍ) اطعنُ فِي الْحَدِيْثِ لاَ مَعْنٰى لَهُ لِاَنَّ لَهُ طُرُقٌ يُقَوِّيْ بَعْضُهَا بَعْضًا. ❶

کہ ایوب بن زید سوید اور زید بن حبان نے اس حدیث کو ایوب سے موصول بیان کیا ہے اور پھر اس کی اسناد بھی متعدد ہیں جو ایک دوسری کو تقویت دے رہی ہیں جس سے یہ حدیث حجت بن جاتی ہے۔

ان دونوں احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ جب تک لڑکی راضی نہ ہو تو شرعی ولی کا پڑھا ہوا نکاح بھی شرعی نکاح نہیں ہوتا۔ اور ایسی مجبور لڑکی کو اس نکاح کو بحال رکھنے یا فسخ کر دینے کا شرعاً حق حاصل ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں پڑھا گیا نکاح چونکہ دھکے اور سینہ زوری پر مشتمل ہے۔ لہٰذا یہ نکاح شرعاً منعقد ہی نہیں ہوا۔ یعنی باطل ہے۔

عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ الْحَاكِمُ وَ صَحَّحَاهُ. ❷

''حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔''

اس حدیث کو ابوداؤد، احمد، ترمذی نے روایت کیا ہے۔ امام ابن حبان اور امام الحاکم نے اس کو صحیح کہا۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ الحديث. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔ قَالَ الْقُرْطَبِيُّ وَهٰذَا الْحَدِيْثُ صَحِيْحٌ. ❸

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس کا یہ نکاح باطل ہے، باطل ہے باطل ہے۔''

ان دونوں احادیث سے ثابت ہوا کہ ولی کی اجازت کے بغیر شرعاً نکاح نہیں ہوتا، لہٰذا یہ نکاح باطل ہے۔ کیونکہ والد کے ہوتے ہوئے حق ولایت والد کے لئے ہے، لہٰذا والد کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا ولی نہیں بن سکتا۔

حافظ عبداللہ محدث روپڑی ایک ایسے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: عورت عیاش بدکار ہے کسی کے ساتھ بگڑ گئی ہے۔ اولیا اس کی بھلائی چاہتے ہیں، ایسی حالت میں اولیا کی اجازت کے بغیر نکاح پڑھا ہوا صحیح نہیں۔ اس حالت میں دوسری جگہ

❶ سبل السلام ج ۳ ص ۱۲۲۔ ❷ فقه السنة: ج ۲ ص ۱۱۲۔ ❸ كذا في فقه السنة ج ۲ ص ۱۱۲۔

نکاح ہوسکتا ہے۔طلاق کی ضرورت نہیں۔(فتاویٰ روپڑیہ: ج۲ص۴۱۴)

خلاصہ...... : خلاصہ بحث یہ کہ بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں زور زبردستی پڑھا گیا، نکاح بدو وجہ باطل ہے، اس لئے ایک تو لڑکی کو اغوا کر کے جبراً اس کا نکاح پڑھا گیا ہے جبکہ یہ لڑکی اس نکاح پر راضی نہ تھی۔ دوسری وجہ یہ کہ اس نکاح میں اس لڑکی کے ولی یعنی والد کی اجازت نہیں لی گئی۔ فارم نکاح پر زور زبردستی سے دستخط کروا لینے سے شرعاً نکاح ہی نہیں ہوتا۔ یہ جواب محض ایک شرعی مسئلہ کا شرعی جواب ہے۔ عدالت مجاز سے اس کی توثیق نہایت ضروری ہے۔ اور یہ جواب بشرط صحت سوال تحریر کیا گیا ہے۔ اصل صورت حال اللہ علیم خبیر ہی کو ہے۔ مفتی کسی ستم کا ہرگز ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ هذا ما عندی والله تعالیٰ اعلم بالصواب۔

نقصان دہ ولی کی ولایت نکاح کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ صائمہ بنت فقیر محمد ایک یتیم لڑکی ہے جس کی والدہ گونگی ہے۔ حقیقی بھائی کوئی نہیں ہے اور حقیقی چچا بھی نہیں ہے۔ اس نے حسین ساجد نامی لڑکے سے بدون اپنے رشتہ داروں کی مرضی کے اپنے علاتی بھائیوں کی اجازت سے ولی کا تقرر کیا اور نکاح کر لیا۔ لڑکا لڑکی کچھ عرصہ چھپے رہے۔ راز افشا ہونے پر لڑکی کے ننھیالی اور ددھیالی رشتہ داروں نے طلاق کا مطالبہ کر دیا اور لڑکی کو واپس مانگا۔ ساجد کے والد نے اپنے بیٹے کو مجبور کیا کہ وہ صائمہ کے رشتہ داروں کا مطالبہ پورا کرے کیونکہ بصورت دیگر تنازعہ بڑھنے کا خدشہ تھا۔ نتیجتاً ساجد نے طلاق دی، اب لڑکی حاملہ ہے۔ عدت ۹۷-۳-۱۴ کو پوری ہوگی۔ کیا ساجد مراجعت کر سکتا ہے؟ مندرجہ بالا بیان حلفاً درست ہے، قرآن وحدیث کی رو سے فیصلہ فرمائیں۔ (حسین ساجد ولد عبدالحق عبید مکان نمبر ۳ گلی نمبر ۴ مسجد غوثیہ سنگیاں ستار جے بلاک گلشن راوی لاہور)

جواب: الجواب بعون الوهاب: بشرط صحت سوال و بیان حلفی صورت مسئولہ میں تین باتیں تنقیح طلب ہیں۔

۱- کیا یہ نکاح شرعاً منعقد ہو چکا ہے یا نہیں؟

۲- کیا صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

۳- اگر واقع ہو چکی ہے تو کیا موثر ہوگئی ہے یا ابھی موثر نہیں ہوئی؟

اب ان تینوں باتوں پر تبصرہ اور مناقشہ پیش خدمت ہے۔

۱۔ اس حقیقت میں قطعاً کوئی ابہام نہیں کہ شرعی ولی کی اجازت کے بغیر شرعاً نکاح منعقد نہیں ہوتا، جیسا کہ کتب احادیث میں زبان زد عوام مشہور حدیث ہے۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ. [1]

[1] (اخرجه ' ابوداؤد ج ۲ ص ۷۵ والترمذی ج ۱ ص ۲۰۳' ۲۰۴ والدارمی ج ۲ ص ۱۳۷ والبیهقی ص ۱۰۷۱۷ ارواء الغلیل ج ٦ ص ۲۳٦ و نیل الاوطار باب لانکاح الابولی ج ٦ ص ۱۳۵.

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ولی کی اجازت کے بغیر شرعاً نکاح صحیح نہیں ہوتا۔"
قَالَ الْحَاكِمُ وَقَدْ صَحَّتِ الرِّوَايَةُ فِيهِ عَنِ الْاَزْوَاجِ الْمُطَهَّرَاتِ عَائِشَةَ وَاُمِّ سَلَمَةَ وَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ ثُمَّ سَرَدَ تَمَامَ ثَلَاثِيْنَ صَحَابِيًّا.
کہ یہ حدیث صحیح نبی کریم کی بیوی حضرت عائشہؓ حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہن سمیت تیس اصحاب رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔
اس حدیث کو امام علی بن مدینیؒ امام بخاری اور امام حاکم نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ امام حاکم سے حافظ ذہبی نے موافقت کی ہے۔ اور امام ناصر الدین البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ❶
پس یہ حدیث اس بات کی قوی دلیل ہے اور اپنے حکم میں ایسی عام ہے کہ لڑکی خواہ کنواری ہو کہ بیوہ ہو۔ بالغہ ہو یا نابالغہ' بڑی یا چھوٹی کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوتا۔ مگر اس کا یہ مطلب اخذ کرنا ہرگز صحیح نہیں کہ عورت عن کل الوجوہ مجبور محض ہے اور اس کا ولی اس حد تک بے پناہ اختیارات کا مالک ہے کہ وہ اپنا یک طرفہ فیصلہ اپنی زیر ولایت لڑکی پر ٹھونس سکتا ہے۔ شریعت اسے یہ اختیار عام ہرگز نہیں دیتی۔ بلکہ صحیح نکاح کا انعقاد ولی اور اس کی زیر ولایت لڑکی کے باہمی افہام وتفہیم اور دونوں کی رضا مندی سے منعقد ہوتا ہے۔ کسی ایک فریق (ولی یا لڑکی) کا یک طرفہ اقدام شرعاً ہرگز قبول نہیں۔ پس ولی اگر زیادتی اور ظلم کی ٹھان لے تو وہ شرعاً حق ولایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ولی کی ولایت سے مقصود لڑکی کی خیر خواہی اور بھلائی ہے۔ جب وہی ظلم پر آمادہ ہو جائے تو وہ ولی کا ہے کا رہا۔ مثلاً: ولی اپنی زیر ولایت لڑکی کی جائیداد ہتھیانے کے لئے کسی ایسے لڑکے کے ساتھ اس کا نکاح کرنا چاہے جو اس کا کفو نہ ہو۔ یا لڑکی کو اس سے طبعی نفرت ہو' یا اس طرح کی کوئی اور غرض ولی کے پیش نظر ہو مگر لڑکی کا روشن مستقبل اس کے مدنظر نہ ہو تو شریعت اس قسم کے ولی کو حق ولایت سے محروم کر دیتی ہے، جیسا کہ احادیث میں یہ بات بڑے صاف اور واضح الفاظ میں موجود ہے۔
۲۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ وَّ شَاهِدَىْ عَدْلٍ فَاِنْ تَشَاجَرُوْا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ. ❷
کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نکاح نہیں ہوتا مگر ولی کی اجازت اور دو عادل گواہوں کی شہادت کے ساتھ۔ اگر ولیوں کا آپس میں جھگڑا ہو جائے تو سلطان (قاضی وغیرہ) اس کا ولی بن جاتا ہے جس کا کوئی اور ولی نہ ہو۔ گویا جھگڑا کی صورت میں ولی حق ولایت سے محروم ہو جاتا ہے، یعنی ولی ولی ہی نہیں رہتا۔ کیونکہ جھگڑے اور ضد بازی کی صورت میں لڑکی کا روشن مستقبل ولیوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔
اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس ولی سے بھلائی اور نفع کی امید نہ ہو وہ ولی از روئے شریعت ولایت کے حق سے معزول ہو جاتا ہے۔

---

❶ ارواء الغليل ج ٦ ص ٢٣٦.
❷ سبل السلام ج ٣ ص ١٢١ نيل الاوطار باب الشهادة في النكاح ٦ ص ١٢٦ وارواء الغليل ج ٦ ص ٢٤٠.

۳۔ إِذَا كَانَ الْوَلِيُّ مُضَارًّا فَوَلَّتْ رَجُلاً وَّأَنْكَحَهَا فِنِكَاحُهُ جَائِزٌ. ❶

''ولی جب عورت کو نقصان پہنچانے والا ہو اور کسی دوسرے ذمہ دار آدمی کو اپنا ولی مقرر کر کے نکاح کرے تو اس کا یہ نکاح جائز نکاح ہوگا۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کو نقصان پہنچانے والا شخص اس کا ولی نہیں بن سکتا۔ اس وقت کوئی دوسرا شخص ولی بن سکتا ہے۔

امام شافعی کتاب الام میں یہ روایت لائے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لاَ نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ مُّرْشِدٍ وَّ شَاهِدَيْ عَدْلٍ. ❷

یعنی ہدایت والے ولی یا سلطان وقت کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ ولی ہدایت والا اور لڑکی کی خیر خواہی چاہنے والا ہونا چاہیے۔ اگر وہ ان اوصاف میں کورا ہو تو وہ ولی بننے کا اہل نہیں۔ غرض یہ کہ نکاح کی صحت کے لئے ولی کا ہونا از بس ضروری ہے، ورنہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔

چونکہ سوال نامہ کی خط کشیدہ صراحت کے مطابق مسماۃ صائمہ بنت فقیر محمد نے اپنے علاتی (کی طرف سے) بھائیوں کی اجازت سے کسی دوسرے شخص کو اپنا ولی بنا کر نکاح کیا ہے، لہٰذا یہ نکاح شرعاً صحیح ہے۔ کیونکہ والد کے بعد بیٹا اور اگر یہ بھی نہ ہو پھر عورت کا بھائی اس کا شرعی ولی ہوتا ہے، جیسا کہ ہندو پاکستان کے نامور مفتی اور مشہور عالم دین حافظ محمد عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ یہ تصریح فرماتے ہیں:

''بہر صورت عورت کے لئے ولی کا ہونا ضروری ہے اول نمبر والد ہے۔ بعض اول نمبر بیٹے کو کہتے ہیں، اگر یہ ظلم کریں تو بھائی، اس کے بعد چچا، پھر دادے کی اولاد اس طرح اوپر جہاں تک اپنے نسب کا علم ہو۔ غرض باپ کی طرف سے حق ولایت ہے۔ ماں کی طرف سے نہیں کیونکہ ماں کی قرابت کمزور ہے۔ اس لئے ماموں یا نانا وارث نہیں ہوتے۔ الخ ❸

چونکہ یہ نکاح باپ کی طرف سے بھائیوں کی اجازت کے ساتھ ہوا ہے، لہٰذا اب دور کے چچا اور ماموں کو اس نکاح پر اعتراض کرنے کا شرعاً حق حاصل نہیں۔

جواب تنقیح نمبر ۲: چونکہ یہ طلاق حسین ساجد ولد عبدالحق عبید نے اپنے والد کی ہدایت اور مشورہ کے بعد بقائمی ہوش و حواس اپنے اختیار سے دی ہے، لہٰذا یہ طلاق بلاشبہ واقع ہو چکی ہے مگر چونکہ یہ تینوں طلاقیں مجلس واحد میں دی گئی ہیں اور صحیح مسلم کتاب الطلاق ج ۱ ص ۴۷۷ میں حضرت عبداللہ بن عباس کی حدیث قَالَ كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ

---

❶ رواه الدارقطني مع التعليق المغني وفتاوى اهل حديث ج ٢ ص ٤٠٧.

❷ كتاب الام ج ٥ ص ١٩ و نيل الاوطار ج ٦ ص ١٢٦ ـ باب الشهادة في النكاح والدارقطني ج ٣ ص ٢٢٢ و في ارواء الغليل عن ابن عباس قال لا نكاح الا باذن ولي مرشد او سلطان ج ٦ ص ٢٣٩ وفتح الباري ج ٩ ـ باب السلطان ولي لا نكاح الا بولي مرشد او سلطان ج ٩ ص ١٥٧.

❸ فتاوى اهلحديث ج ٢ ص ٤٠٧، ٤٠٨.

صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ سَنَتَیْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ طَلَاقُ الثَّلٰثِ وَاحِدَةٌ کے مطابق ایک رجعی طلاق واقع ہوئی اور رجعی طلاق میں اندر عدت نکاح بحال اور رجوع شرعاً جائز ہوتا ہے۔ اور یہ طلاق چونکہ حمل کے دوران دی گئی ہے اور ابھی تک مسمات صائمہ بنت فقیر محمد سوال نامہ کی مخطوط تصریح نمبر ۲ کے مطابق حاملہ ہے، لہٰذا عدت ابھی پوری نہیں ہوئی کیونکہ قرآن مجید کی نص جلی کے مطابق حاملہ مطلقہ کی عدت وضع حمل ہے، جیسا کہ فرمایا وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ. (سورۃ الطلاق)

پس نکاح سابق بحال اور قائم ہے لہٰذا ساجد ولد عبدالحق عبید اپنی بیوی صائمہ دختر فقیر محمد سے رجوع کر سکتا ہے۔ نہ حلالہ کی ضرورت ہے اور نہ نکاح ثانی کی۔ حلالہ تو ویسے بھی بے غیرتی کا مظہر اتم اور ملعون فعل ہے۔ یہ جواب بشرط صحت سوال ایک شرعی مسئلہ کا اظہار ہے اور بس۔ مفتی کسی عدالتی کارروائی اور قانونی جھمیلوں میں ہرگز مسئول نہ ہوگا۔ هذا ما عندی والله تعالیٰ اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب فی یوم الحساب.

سوال: کیا صحت نکاح کے لیے لڑکی کی رضا مندی شرعاً ضروری ہے؟ (سائل: امۃ العزیز بنت محمد حسین بلوچ)

جواب: جس لڑکی کا نکاح کرنا ہو اس کی اجازت اور رضامندی ضروری ہے۔ بلا اجازت اور رضامندی کے اگر نکاح کر دیا گیا تو نکاح نہیں ہوگا۔ اَنَّ اَبَا هُرَیْرَةَ حَدَّثَهُمْ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَا تُنْكَحُ الْاَیِّمُ حَتّٰی تُسْتَاْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰی تُسْتَاْذَنَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَیْفَ اِذْنُهَا قَالَ اَنْ تَسْكُتَ. [1] بے خاوند والی عورت کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس سے صاف صاف دریافت کر لیا جائے اور کنواری کا نکاح نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس سے اجازت لی جائے لوگوں نے کہا وہ شرم سے بات نہیں کرے گی اس کی اجازت کیسے معلوم ہوگی۔ آپ نے فرمایا اس کا چپ رہنا ہی اجازت ہے۔

۱- عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَلْیَتِیْمَةُ تُسْتَاْمَرُ نَفْسَهَا فَاِنْ صَمَتَتْ فَهُوَ اِذْنُهَا وَاِنْ اَبَتْ فَلَا جَوَازَ عَلَیْهَا وَفِی الْبَابِ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی وَ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَبُوْ عِیْسٰی حَدِیْثُ اَبِیْ هُرَیْرَةَ حَدِیْثٌ حَسَنٌ. [2]

۲- باب ماجاء فی اکراه الیتیمة عَلَی التَّزْوِیْجِ. [3]

''کنواری لڑکی سے اس کے نکاح کے بارے دریافت کر لینا چاہیے۔ اگر وہ خاموش رہے تو یہی اس کی اجازت ہے۔ اگر انکار کر دے تو زبردستی نکاح جائز نہیں۔''

۳- عَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِذَامٍ الْاَنْصَارِیَّةِ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِیَ ثَیِّبٌ فَكَرِهَتْ ذٰلِكَ فَاَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَرَدَّ نِكَاحَهَا. [4]

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۷۷۱ باب لاینکح الاب وغیره البکر و الثیب الا برضاها۔

[2] اخرجه الخمسة الا ابن ماجة و اخرجه ایضا ابن حبان و الحاکم۔ [3] تحفة الاحوذی ج ۲ ص ۱۸۱ .

[4] صحیح بخاری باب اذا زوج ابنته وهی کارهة فنکاحها مردود۔ ج ۲ ص ۷۷۱ .

۴۔ عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ اَنَّ جَارِيَةً بِكْراً اَتَتْ رَسُولَ اللّٰه ﷺ فَذَكَرَتْ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَخَيَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ۔ ❶

ان احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ لڑکی کی اجازت شرعاً ضروری ہے ورنہ یک طرفہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔ واللّٰہ اعلم بالصواب

ولی کا خیر خواہ ہونا ضروری ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرح کہ میں مسماۃ صبیحہ (بیوہ) عمر ۴۰ سال دو بچے موجود (ایک لڑکا ایک لڑکی) والد' بھائی پانچ' بہنیں تین موجود ہیں۔ بیوہ ہوئے دو برس دس ماہ ہو چکے ہیں۔ میں نکاح کرنے کی خواہش مند ہوں۔ اس وقت عزیزوں میں موزوں رشتے موجود ہیں۔ باپ اور بڑا بھائی بلا وجہ کے مخالفت کرتے ہیں۔ تین بھائی اور تین بہنیں آمادہ ہیں۔ معاشرہ بڑا خراب ہے' اس لئے میں چاہتی ہوں کہ اپنا جائز ٹھکانا بنا لوں۔ بطور ولی میرا نکاح میرے تینوں بڑے بھائی پڑھا سکتے ہیں۔ اگر میرا باپ اور بڑا بھائی شامل نہ ہوں۔ شریعت محمدی کے تحت فتویٰ صادر فرما کر ممنون فرما دیں (صبیحہ (بیوہ) خاور وقار)

جواب: الجواب بعون الوهاب و منه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ صحت نکاح کے لئے ولی اقرب (باپ بشرطیکہ حیات ہو) کی اجازت شرط ہے۔ جیسا کہ کتب احادیث میں زبان زد عوام مشہور حدیث ہے۔ عن ابی موسی الاشعری عن النبی ﷺ قال لانکاح الابولی۔ اخرجه ابو دائود (ج ۲ ص ۸۵) والترمذی (ج ۱ ص ۲۰۳' ۲۰۴) والدارمی (ج ۲ ص ۱۳۷) والطحاوی (ج ۲ ص ۵) و ابن ابی شیبه (ج ۷ ص ۲'۳) و ابن الجارود (۷۹۲) وا بن حبان (۱۲۴۳) والدارقطنی (ج۳۸۰) والحاکم (ج ۲ ص ۱۷۰) والبیهقی (ج ۷ ص ۱۰۶) واحمد (ع ۳۹۴' ۴۱۳) ارواء الغلیل ج ۶ ص ۲۳۶ و نیل الاوطار باب لانکاح الابولی ج ۲ ص ۱۳۵۔

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح شرعاً منعقد نہیں ہوتا۔''

یہ حدیث لَانِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ قوی ترین دلیل ہے اور اپنے حکم میں عام ہے۔ لڑکی خواہ کنواری ہو یا بیوہ ہو۔ بڑی ہو یا چھوٹی' بالغہ ہو یا نابالغہ کسی کا نکاح بغیر ولی کے صحیح نہیں۔

اس مضمون کی احادیث تیس صحابہ وصحابیات سے مروی ہیں۔

وَقَالَ الْحَاكِمُ وَقَدْ صَحَّتِ الرِّوَايَةُ فِيهِ عَنْ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ عَائِشَةَ وَ اُمِّ سَلَمَةَ وَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَّ ابْنِ عَبَّاسٍ ثُمَّ سردثَلَاثِيْنَ صَحَابِيًّا۔

نیز امام علی بن مدینی۔ امام بخاری' امام محمد بن یحییٰ ذہلی وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۳۵ و ارواء الغلیل ج ۶ ص ۲۲۸ سبل السلام ج ۳ ص ۱۱۷۔ نیز امام حاکم نے بھی اس کو صحیح کہا ہے اور امام ذہبی نے بھی امام حاکم

❶ ابو داؤد باب فی البکر یزوجها ابوها ولا یستا مرها ج ۱ ص ۲۸۵۔

سے موافقت کی ہے۔البانی نے بھی صحیح کہا ہے۔ بہرحال یہ حدیث صحیح ہے کنواری اور بیوہ کو شامل ہے۔لہذا کوئی کنواری یا بیوہ عورت اپنے ولی اقرب کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کرواسکتی۔مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورت من کل الوجوہ مجبور محض اور ولی ہرلحاظ سے آزاد اور ہرطرح کے اختیارات کا اس حد تک مالک ہے کہ وہ اپنا یک طرفہ فیصلہ اپنی زیرولایت لڑکی پر ٹھونس سکتا ہے، ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ نکاح کا انعقاد ولی اور اس کی زیرولایت لڑکی کے باہمی افہام وتفہیم اور باہمی رضا مندی سے منعقد ہوتا ہے۔کسی ایک فریق کا یک طرفہ اقدام شرعاً ہرگز قبول نہیں۔پس ولی اگر زیادتی اور ظلم کی ٹھان لے تو شرعاً وہ حق ولایت سے محروم ہو جاتا ہے۔کیونکہ ولی کی ولایت سے مقصود بھلائی اور خیرخواہی ہے، جب وہی ظلم پر آمادہ ہو تو ولی کاہے کا۔ مثلاً وہ کچھ پیسے لینا چاہے۔یا برادری کی ہندووانہ رسم کا پابند ہو جیسے بعض بیوہ کو نکاح ثانی کا حق نہیں دیتے۔یا عورت کی جائیداد ہتھیانے کے لئے اس کو نکاح ثانی سے روکنا چاہے۔یا اس طرح کی کسی اور غرض سے عورت کی مستقبل سے بے پرواہو کر ایسا کرے اور عورت کے اس شرعی حق پر قدغن لگا دے خصوصاً جب کہ رشتہ بھی موزوں ہے، جیسا کہ سوال نامہ میں تحریر ہے تو شریعت اس قماش کے آدمی کو ولی قرار نہیں دیتی۔اس لئے حدیث میں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لاَ نِکَاحَ اِلاَّ بِوَلِیٍّ وَّ شَاهِدَیْ عَدْلٍ فَاِنْ تَشَاجَرُوْا فَالسُّلْطَانُ وَلِیُّ مَنْ لاَّ وَلِیَّ لَهٗ ۔ [1]

’’یعنی اگر ولیوں کا باہم جھگڑا ہو جائے۔پس سلطان (قاضی) اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو۔گویا جھگڑے کی صورت میں ولی حق ولایت سے محروم ہو جاتا ہے، یعنی ولی ولی نہیں رہتا کیونکہ ان سے لڑکی کو نفع پہنچنے کی امید نہیں۔اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ جس ولی سے بھلائی اور نفع کی امید نہ ہو وہ ولی ازروئے شرع اپنی ولایت سے محروم ہو جاتا ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

اِذَا کَانَ الْوَلِیُّ مُضَارًّا فَوَلَّتْ رَجُلاً وَّاَنْکَحَهَا فَنِکَاحُهٗ جَائِزٌ ۔ [2]

’’ولی جب عوت کو نقصان دینے والا ہو اور وہ کسی دوسرے شخص کو اپنا ولی قرار دے کر نکاح کر لے تو جائز ہے۔‘‘
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نقصان پہنچانے والا ولی نہیں رہ سکتا، بلکہ اس وقت کوئی اور ولی ہوگا۔امام شافعی رحمہ اللہ کتاب الام میں فرماتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لاَ نِکَاحَ اِلَّا بِوَلِیٍّ مُّرْشِدٍ وَّ شَاهِدَیْ عَدْلٍ ۔ [3]

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہدایت والے ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔طبرانی اوسط میں ہے لاَ نِکَاحَ اِلَّا بِشَاهِدَیْ عَدْلٍ وَّوَلِیٍّ مُّرْشِدٍ ۔ [4]

---

[1] رواه الدارقطنی' نیل الاوطار باب الشهادة فی النکاح ج ٦ ص ١٢٦ و ارواء الغلیل ج ٦ ص ٢٤٠.

[2] سنن دارقطنی مع التعلیق المغنی و فتاویٰ اهل حدیث ج ٢ ص ٤٠٧.

[3] کتاب الام امام شافعی ج ٥ ص ١٩' والبیهقی ' نیل الاوطار ج ٦ ص ١٢٧ باب الشهادة فی النکاح والدارقطنی مع التعلیق المغنی ج ٣ ص ٢٢٢ و فی ارواء الغلیل عن ابن عباس قال لانکاح الا باذن ولی مرشد او سلطان ـ ج ٦ ص ٢٣٩ باسناد حسن۔

[4] ارواء الغلیل ج ٦ ص ٢٥١.

وَمِنْ طَرِيْقِ الطَّبَرَانِيِّ فِي الْاَوْسَطِ بِاَسْنَادٍ حَسَنٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ لَا نِكَاحَ اِلَّا بِاِذْنِ وَلِيٍّ مُرْشِدٍ اَوْ سُلْطَانٍ۔ ❶

یعنی ہدایت والے ولی یا سلطان کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ولی ہدایت والا ہونا چاہیے۔ اگر ہدایت والا نہ ہوتو وہ ولی ہونے کا اہل نہیں۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں باپ کی ولایت کالعدم ہے، کیونکہ سائلہ شرعاً نکاح ثانی کی مستحق ہے، پھر عمر بھی نکاح کی متقاضی ہے۔ مزید یہ کہ رشتہ بھی موزوں ہے۔ پھر والد کا اپنی انا یا ہندوانہ رسم یا کسی دوسری سفلی غرض کے پیش نظر سائلہ کو اس کے شرعی حق سے محروم رکھنا صریحاً ظلم ہے اور ظالم ہدایت والا نہیں ہوتا۔ پس وہ حق ولایت سے شرعاً معزول ہے۔ اب بادشاہ (قاضی) ولی ہے بشرطیکہ اسلامی حکومت قائم ہو۔ چونکہ اس وقت ہمارے یہاں طاغوت کی حکومت ہے، لہٰذا اب پنچایت کا سرپنچ شرعاً ولی ہے۔ اگر اس کا بھی اتفاق نہ ہوتو نمبردار کونسلر ہے۔ بعض اہل علم اول نمبر بیٹے کو کہتے ہیں۔ اگر یہ ظلم کریں تو بھائی ان کے بعد چچا پھر چچا کا بیٹا' پھر دادے کی اولاد اوپر جہاں تک اپنی نسب کا علم ہو۔ غرض باپ کی طرف سے حق ولایت ہے۔ ماں کی طرف سے نہیں۔ ❷

السید محمد سابق المصری تصریح فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى اَنَّهُ لَيْسَ لِلْوَلِيِّ اَنْ يَّعْضُلَ مَوْلِيَّتَهُ وَ يُظْلِمَهَا مِنَ الزَّوَاجِ اِذَا اَرَادَهُ اَنْ يَّتَزَوَّجَهَا كُفْءٌ بِمَهْرِ مِثْلِهَا ۔ فَاِذَا مِنْهَا فِيْ هٰذَا الْحَالِ كَانَ مِنْ حَقِّهَا اَنْ تَرْفَعَ اَمْرَهَا اِلَى الْقَاضِيِّ لِيُزَوِّجَهَا وَلَا تَنْتَقِلُ الْوِلَايَةُ فِيْ هٰذِهِ الْحَالَةِ اِلٰى وَلِيٍّ اٰخَرَ مِنْ هٰذَا الْوَلِيِّ الظَّالِمِ بَلْ تَنْتَقِلُ اِلَى الْقَاضِيِّ مُبَاشَرَةً لِاَنَّ الْعَضْلَ ظُلْمٌ وَّ وِلَايَةٌ رَفْعَ الظُّلْمَ اِلَى الْقَاضِي۔ ❸

اس مسئلہ میں علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ جب لڑکی اپنے کفو کے ساتھ مہر مثل طے کر کے نکاح کرنا چاہے اور اس کا ولی مانع ہو، یعنی اس کی اجازت نہ دے تو ایسا ولی ظالم ہے اور وہ شرعاً ولی ہی نہیں رہتا۔ اس صورت میں لڑکی اپنا مقدمہ قاضی کے سامنے پیش کرے۔ بشرطیکہ ملک میں اسلامی حکومت نافذ اور قائم ہو۔ اور وہ اس لڑکی کا نکاح کر دے۔

اس کی واضح دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (البقرۃ:۲۳۲)

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب حضرت معقل رضی اللہ عنہ نے اپنی ہمشیرہ جمیل کو اپنے شوہر ابوالبداح سے رجعی طلاق کی

❶ ارواء الغلیل ج ٦ ص ٢٣٩ و فی فتح الباری ج ٩ باب السلطان ولی لا نکاح الا بولی مرشد او سلطان ۔ ص ١٥٧۔

❷ فتاوی اہل حدیث ج ٢ ص ٤٠٧۔ ❸ فقه السنة ج ٢ ص ١٢١۔

عدت گزر جانے کے بعد دوبارہ نکاح کرنے سے روکا تھا۔ ●

خلاصہ:

بحث صورت مسئولہ میں سائلہ صبیحہ (بیوہ خاور) اپنے کسی بڑے بھائی' چچا یا پھر برادری کے بڑے آدمی کو اپنا ولی مقرر کر کے نکاح کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنے کفو کے ساتھ مہر مثل کے ساتھ نکاح کرے۔ یہ جواب بشرط صحت سوال تحریر کیا گیا ہے۔ مفتی کسی قسم کے قانونی سقم اور عدالتی جھمیلوں میں ہرگز مسئول نہ ہوگا۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب .

نکاح مفقود

سوال: عرض ہے کہ میرا خاوند عرصہ ۸ سال سے غائب ہے' وہ نشہ کرتا تھا، اس کا کوئی پتہ نہیں کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے، اس کے وارثوں سے بھی پتہ کروایا وہ کہتے ہیں کہ اس کا کوئی پتہ نہیں۔ میرے ۳ چھوٹے بچے ہیں۔ بچوں کی پرورش کا مسئلہ ہے، اس لئے میں نکاح کرنا چاہتی ہوں۔ لہٰذا مجھے شرعی فتویٰ چاہیے؟ (سائلہ: شمیم اختر دختر بشیر احمد بٹ بھٹو کالونی گلی نمبر ۸ کوارٹرا ے جونیا نوالہ موڑ ضلع شیخوپورہ بذریعہ محمد الیاس ولد بشیر احمد مذکور)

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ سائلہ مسمات شمیم اختر دختر بشیر احمد بٹ چار ماہ دس دن کی عدت گزار کر اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ جیسا کہ

۱۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ حسب ذیل ہے

وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي امْرَأَةِ الْمَفْقُوْدِ تَتَرَبَّصُ اَرْبَعَ سِنِيْنَ ثُمَّ تَعْتَدُّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا. اَخْرَجَهُ مَالِكٌ وَّ الشَّافِعِيُّ. ●

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس عورت کا شوہر گم ہو جائے (اور اس کا کچھ پتہ نہ چلے کہ زندہ یا مر گیا ہے اور کہاں ہے؟) تو ایسی عورت اس کا چار برس انتظار کرے، چار برس گزرنے پر پھر عدت وفات چار ماہ دس دن پورے کرے، پھر جہاں چاہے شریعت کے مطابق اپنا نکاح کرا لے۔

۲۔ وَلَهٗ طُرُقٌ اُخْرٰی وَفِيْهِ قِصَّةٌ اَخْرَجَهَا عَبْدُالرَّزَّاقِ بِسَنَدِهٖ فِي الْفَقِيْدِ الَّذِيْ فَقَدَ قَالَ دَخَلْتُ الشِّعْبَ فَاسْتَهْوَتْنِي الْجِنُّ فَمَكَثْتُ اَرْبَعَ سِنِيْنَ ، فَاَتَتْ اِمْرَاَتِيْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاَمَرَهَا اَنْ تَرَبَّصَ اَرْبَعَ سِنِيْنَ مِنْ حِيْنَ رَفَعَتْ اَمْرَهَا اِلَيْهِ ثُمَّ دَعَا وَلِيَّهٗ اَيْ وَلِيُّ الْفَقِيْدِ فَطَلَّقَهَا ثُمَّ اَمَرَهَا اَنْ تَعْتَدَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ثُمَّ جِئْتُ بَعْدَ مَاتَزَوَّجَتْ فَخَيَّرَنِيْ عُمَرُ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ الصِّدَاقِ الَّذِيْ اَصْدَقْتُهَا . ●

❶ صحیح البخاری کتاب التفسیر ج ۲ ص و کتاب الطلاق۔ ❷ سبل السلام شرح بلوغ المرام: جلد ۳ ص ۲۰۷، ۲۰۸۔

❸ سبل السلام و بلوغ المرام ج ۳ ص ۲۰۸۔

ایک آدمی کہتا ہے کہ مجھ کو جن نے پاگل بنا کر چار برس روک رکھا۔ اتنے میں میری بیوی حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور کہا کہ میرے خاوند کو گم ہوئے چار برس ہو گئے تو حضرت عمر نے فرمایا کہ چار برس انتظار کے بعد چار ماہ دس دن کی عدت، یعنی بیوگی کی عدت گزار کر اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ میں جب رہا ہو کر واپس آیا تو وہ نکاح کر چکی تھی تو حضرت عمر نے مجھے بعد والے شوہر کا مہر واپس کر کے بیوی کو لوٹا لینے کا اختیار دے دیا۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ چار برس کی انتظار حاکم کے فیصلہ کے بعد شروع ہوگی یا پہلی مدت چار برس ہی کافی ہے تو بعض مفتیوں کے نزدیک حاکم کے فیصلہ سے پہلے اگر شوہر کی گم شدگی پر چار برس کی مدت پوری ہو چکی ہو تو پھر مزید چار برس کی انتظار کی ضرورت نہیں۔ فیصلے کے بعد صرف چار ماہ دس ایام بیوگی کی عدت گزارنی ہی کافی ہے۔

ہندو پاکستان کے نامور مفتی مجتہد العصر محدث عبداللہ روپڑی ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

موطا امام مالک میں ہے:

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ فَقَدَتْ زَوْجَهَا فَلَمْ تَدْرِ أَيْنَ هُوَ فَإِنَّهَا تَنْتَظِرُ أَرْبَعَ سِنِيْنَ ثُمَّ تعتدُّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ثُمَّ تَحِلُّ. ❶

حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جس عورت کا خاوند گم ہو جائے اور معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے تو جس روز سے اس کی خبر بند ہوئی چار برس تک عورت انتظار کرے، بعد چار برس کے چار مہینے دس دن عدت گزار کر چاہے تو دوسرا نکاح کرے۔ اگر گم ہوئے چار سال یا اس سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہو تو چار سال عدت گزارنے کی ضرورت نہیں۔ (حافظ محمد عبداللہ روپڑی فتاوی روپڑیہ (اہل حدیث) ج ۲ ص ۵۳۸)

۴۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ لَا يَجِدُ مَايُنْفِقُ عَلٰى امْرَأَتِهٖ قَالَ يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا. ❷

باب اثبات الفرقة اذا تعذرت النفقة حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شوہر اپنی بیوی کو نان ونفقہ، یعنی خرچ مہیا کرنے سے عاجز ہو تو ان کے درمیان تفریق، یعنی جدائی کروا دی جائے۔

ان احادیث اور فتاویٰ کے مطابق مسمات شمیم اختر چار ماہ دس دن کی عدت گزار کر اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ کیونکہ بشرط صحت سوال اس کے خاوند کو گم ہوئے آٹھ برس ہو چکے ہیں گویا وہ آج مر چکا ہے، اب بیوگی کی عدت گزارنی ضروری ہے۔ یہ اس بی بی کی بنیادی ضرورت ہے۔ مزید یہ کہ جب صرف خرچ مہیا نہ کرنے پر جب حدیث کے مطابق تفریق جائز ہے تو اس کا شوہر تو آٹھ برس سے گم چلا آ رہا ہے۔ تو یہ بی بی اور زیادہ مستحقہ ہے۔ مجاز اتھارٹی سے توثیق اور اجازت کے بعد اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکتی ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ اور حافظ عبداللہ روپڑی کا فتویٰ ہے۔ مفتی کسی قانونی سقم اور عدالتی کارروائی کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ ھذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب۔

❶ فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۵۳۸۔
❷ رواہ الدارقطنی نیل الاوطار ج ٦ ص ٣٢٤۔

بریلویوں کو مشرک جان کر بیٹی کا رشتہ کرنا

سوال: گاؤں میں علماء کے خلاف یہ مہم شروع کی جارہی ہے وہاں (گاؤں کے لوگ) اکثر شادیوں میں بینڈ باجے بجائے جاتے ہیں۔اور بریلویوں کو مشرک جان کران کو رشتے دیے اور لئے جاتے ہیں۔شرعاً ایسے اہل حدیث کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟ فتبینوا توجروا (سائل: المستفتی عبدالرحمٰن سوہدرہ)

جواب: بریلوی مشرک ہیں اور مشرک آدمی موحدہ لڑکی کا کفونہیں ہوتا۔ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا۔ لہٰذا ان کے ساتھ مناکحت خلاف شریعت اور سخت کبیرہ گناہ ہے۔اس حرکت بد سے فوراً باز آ جانا چاہیے۔ورنہ پیدا ہونے والی اولاد کے مشرک اور بدعقیدہ ہونے کی ذمہ داری مناکحت کرنے والوں پر عائد ہوگی۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

دو بھائیوں کا نکاح مغرب کے وقت ہوتا ہے کیا اگلے روز ان تینوں کا مشترکہ ولیمہ جائز ہے

سوال: ایک بھائی کا صبح کے وقت نکاح ہوتا ہے باقی دونوں بھائیوں کا رات کے وقت نکاح ہو جاتا ہے کیا اگلے روز تین کا مشترکہ دعوت ولیمہ ہوسکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب بعون الوھاب: رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں اس طرح کے تین اکٹھے نکاحوں کا واقعہ میرے علم میں نہیں اور نہ ان کے مشترکہ ولیموں کا ذکر ملتا ہے مزید یہ کہ ولیمہ کا مقصد نکاح کا مزید اعلان اور تشہیر ہے، یہ مقصد جس طرح الگ الگ ولیموں سے حاصل ہو جاتا ہے، اسی طرح اجتماعی ولیمہ سے بھی پورا ہو جائے گا، لہٰذا جائز ہے مَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ حدیث رواہ ابو داؤد، مشکوۃ صفحہ ۳۶۲ کہ جس مسئلہ میں شارع خاموش ہو وہ جائز ہے۔ ھذا ما عندي واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

کیا دودھ پلائی کے پیسے جائز ہیں

سوال: دولہے کو دودھ پلایا جاتا ہے اور لڑکیاں دولہے سے دودھ پلائی کے پیسے وصول کرتی ہیں، کیا یہ جائز ہے؟ (ع،م غازی آباد لاہور)

جواب: یہ بدرسم شرعاً جائز نہیں، کیونکہ اس میں کئی ایک غیر شرعی قباحتیں پائی جاتی ہیں اول یہ کہ جوان لڑکیاں بن ٹھن کر غیر محرم دولہے کے سامنے آتی ہیں۔(۲) بے پردہ ہوتی ہیں (۳) اس کے ساتھ ہنسی مذاق اور چھیڑ چھاڑ کرتی ہیں۔بعض دفعہ ہاتھا پائی تک نوبت آ جاتی ہے۔اس لئے اس غیر شرعی اور ہندوانہ رسم کو فوراً ختم کر دینا چاہیے۔ورنہ یہ سب لڑکیاں، دولہا اور شریک مجلس تمام میزبان اور مہمان سب کے سب دیوث اور مجرم ہوں گے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔بعض دفعہ دولہا کے ساتھ سالیوں اور دوسری لڑکیوں کی اس گفتگو کے نتائج بڑے ہی بھیانک نکلتے ہیں۔

سوال: اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی کمائی سے چوری پیسے بچا کر کوئی چیز خرید کر لے آتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ میری امی نے یا بھائی نے دی ہے تو کیا شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔

جواب: یہ سراسر ناجائز اور جھوٹ ہے اور جھوٹ بولنا لعنتی کام ہے اور نفاق کی علامت ہے۔ مزید اپنے شوہر کو دھوکہ دینا ہے اور دھوکہ بھی شرعاً حرام ہے۔ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا تحفۃ ❶ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو دھوکہ کرے وہ ہمارے طریقہ پر نہیں۔۔ هذا ما عندي والله اعلم.

رجعی طلاق کے بعد دوبارہ نکاح

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں یہ کہ سائل مسمی محمد ایوب ولد شاہد قوم کھرل موضع ٹوری قاسم تحصیل ننکانہ ضلع شیخوپورہ نے اپنی منکوحہ زوجہ مسماۃ زبیدہ بی بی دختر محمد منشاء قوم کھرل موضع ٹوری قاسم تحصیل ننکانہ ضلع شیخوپورہ کو عرصہ قریب ڈیڑھ سال قبل بوجہ والدین کی رنجش اور دیگر تنازعات کی وجہ سے سہ بار طلاق دے دی، غصہ میں آ کر طلاق دے دی اور اب جب کہ میاں بیوی کی تمام مسائل پر صلح ہو چکی ہے اور فریقین و متعلقین چاہتے ہیں کہ مسمی و مسماۃ کو دوبارہ رشتہ ازدواج میں منسلک کیا جائے جب کہ طلاق صرف ایک مجلس میں سہ بار دی گئی جو تین دفعہ دی گئی وضاحت فرمائی جائے کہ اب میاں بیوی دونوں پہلے کی طرح رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتے یا پھر دوبارہ نکاح کرنا پڑتا ہے یا پہلا قائم رہتا ہے، اس بات پر ہمیں فتویٰ صادر فرمائیں۔

کیا حلالہ وغیرہ بھی کرنا پڑتا ہے۔ کیا دوبارہ نکاح کرنا پڑتا ہے۔

کیا بغیر حلالہ اور نکاح کے پہلے نکاح پر گھر آباد ہو سکتا ہے۔ دیگر تعزیرات اسلامی و شرائط لگوائیں۔ (سائل محمد ایوب بذریعہ قاضی احسان الحق چک نمبر ۲۴۰ گ ب جڑانوالہ)

جواب: الجواب بعون الوهاب وهو المُلْهِمُ للحق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ صحیحہ مرفوعہ متصلہ کے مطابق ایک رجعی طلاق واقع ہو کر موثر ہو چکی اور نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَان. (سورۃ البقرۃ) کہ رجعی طلاق دو دفعہ ہے، پھر اس کے بعد یا تو بیوی کو روک رکھنا ہے یا پھر بھلے طریقہ کے ساتھ اس کو رخصت کر دینا ہے۔ اور یاد رہے کہ مرتان مرۃ کا تثنیہ ہے جس کا معنی ایک دفعہ یا ایک وقت یا پھر ایک مجلس ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ﴾ (سورة النور: ٥٨)

❶ الاحوذی ج۲ باب ماجاء في كراهية الغش ص ۲۷۲.

کہ اے ایماندارو! تمہارے غلام اور تمہارے نابالغ لڑکے لڑکیاں تین اوقات میں (ضروری) تم سے اجازت لیا کریں وہ اوقات یہ ہیں صبح کی نماز سے پہلے اور جب تم دوپہر کو کپڑے اتارتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد سوتے وقت، غرض یہ تین اوقات تمہارے پردے کے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اس آیت کریمہ میں ثلث مرات کا معنی تین وقت ہی ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ الطلاق مرتان کا معنی طلاق کی دو مجلسیں ہیں نہ کہ دو طلاقیں ورنہ الطلاق طلقتان ہوتا حالانکہ ایسا ہر گز نہیں ہے۔ اب احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ ملاحظہ فرمایئے:

۲۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبِىْ بَكْرٍ سَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً. ❶

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد رسالت میں اور پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت سے لے کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں تک یکجائی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق شمار ہوتی تھی۔''

۳۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رُكَانَةَ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّهُ طَلَّقَ اِمْرَاَتَهُ ثَلَاثًا فِىْ مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ فَحَزَنَ عَلَيْهَا حُزْنًا شَدِيْدًا فَسَاَلَهُ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ طَلَّقْتَهَا؟ قَالَ ثَلَاثًا فِىْ مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ فَقَالَ لَهُ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ فَارْتَجِعْهَا. ❷

کہ حضرت رکانہ بن یزید رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کو ایک مجلس میں اکٹھی تین طلاقیں دے کر بہت ہی پچھتائے، رسول اللہ ﷺ کے دریافت فرمانے پر عرض کیا کہ حضرت! اکٹھی تین طلاقیں دے بیٹھا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو ایک رجعی طلاق واقع ہوئی ہے آپ رجوع کر لیں۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

۴۔ حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمان بن عوف، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم اور ایک ہزار سے زیادہ صحابہ کرام کا بھی یہی مذہب اور فتویٰ تھا کہ یکجائی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔

وَهٰذَا حَالُ كُلِّ صَحَابِىٍّ مِّنْ عَهْدِ الصِّدِّيْقِ اِلٰى ثَلَاثِ سَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ وَهُمْ يَزِيْدُوْنَ عَلَى الْاَلْفِ قَطْعًا. ❸

۴۔ امام ابوحنیفہ کا مذہب بھی ایک قول کے مطابق یہی تھا جیسا کہ امام محمد بن مقاتل رازی حنفی نے بیان کیا ہے۔

وَحَكَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلِ الرَّازِىُّ مِنْ اَصْحَابِ اَبِىْ حَنِيْفَةَ وَهُوَ اَحَدُ الْقَوْلَيْنِ فِىْ مَذْهَبِ

---

❶ صحيح مسلم: ج ١ ص ٤٧٧ و مسند احمد بن حنبل ج ص ٣١٤.

❷ اخرجه احمد و ابو يعلى و صححه۔ فتح البارى شرح صحيح البخارى ج ٩ ص ٣١٥، ٣١٦ و نيل الاوطار ج ٢ ص ٢٦١.

❸ التعليق المغنى: ج ٤ ص ٤٧.

أَبِي حَنِيفَةَ.❶

۵- اسی طرح ایک قول کے مطابق امام مالک اور بعض حنابلہ کا بھی یہی فتوی تھا۔امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمہما اللہ نے اسی مذہب کو قوی اور صحیح قرار دیا ہے۔❷

۶- اور اسی طرح ہندوستان کے مشہور عالم مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا عبدالحلیم قاسمی نیلا گنبد لاہور اور علامہ کرم شاہ بریلوی کا بھی یہی فتوی ہے۔

۷- امام الوقت شیخ الکل سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی، شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری اور مفتی جماعت حافظ عبداللہ روپڑی کا بھی یہی فتوی ہے۔اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یکجائی تین طلاقیں ۔ رجعی طلاق شرعاً واقع ہوتی ہے۔مگر چونکہ خط کشیدہ تصریح کے مطابق اس طلاق کو عرصہ ڈیڑھ سال کا ہو چکا ہے لہٰذا بشرط صحت سوال عدت گزر چکی ہے اور نکاح ٹوٹ گیا ہے۔ ہاں چونکہ یہ ایک رجعی طلاق ہے۔اس لئے اب نکاح ثانی کی شرعاً اجازت ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (البقرة: ۲۳۲)

''اور جب تم عورتوں کو طلاق دو پھر وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو تم ان کو اپنے طلاق دہندہ شوہروں کے ساتھ دوبارہ نکاح کر لینے سے نہ روکو۔جب وہ آپس میں معروف طریقہ سے راضی ہو جائیں۔یہ حکم تم میں سے اس شخص کو ہے جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت معقل بن یسار کی ہمشیرہ کو اس کے شوہر نے طلاق دے دی۔بعدازاں عدت پوری ہونے کے بعد نکاح کے لئے راضی ہو گئے۔جب حضرت معقل رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے اپنی ہمشیرہ کو نکاح سے روک دیا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما کر نکاح جدید کی اجازت دے دی تو حضرت معقل خاموش ہو گئے۔

فیصلہ:

مذکورہ آیات و احادیث صحیحہ اور ہزار سے زائد صحابہ کرام، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن قیم اور دوسرے اکابر علماء و محدثین کے مطابق صورت مسئولہ میں ایک رجعی طلاق واقع ہو کر نکاح ٹوٹ چکا ہے۔تاہم نکاح جدید کی شرعاً اجازت ہے۔حلالہ کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔یہ جواب اس صورت میں جب کہ طلاق دہندہ نے اپنی بیوی مسمات زبیدہ بی بی کو پہلی ہی دفعہ طلاق دی ہو۔مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب۔

بیوی کے پستان دودھ کا قطرہ منہ میں چلا جائے تو نکاح نہیں ٹوٹتا

﴿سوال﴾: کیا اگر خاوند اپنی بیوی کا پستان منہ میں ڈالے اور دودھ کا قطرہ اس کے منہ میں چلا جائے تو نکاح ٹوٹ

❶ التعليق المغني ج ٤ ص ٤٨. ❷ عمدة الرعايه ج ٢ ص ٦٣.

جاتا ہے یا نہیں؟ (سائل: عبدالجلیل اکبر منڈی لاہور)

جواب: یہ اگر چہ غلط کام ہے خاوند کو ایسا کرنا جائز نہیں ہے، تاہم نکاح نہیں ٹوٹتا۔ نکاح بہرحال قائم رہتا ہے، جیسا کہ امام نووی نے شرح مسلم میں اس کی وضاحت کی ہے۔ مزید یہ کہ رضاعت کے لئے ضروری ہے کہ دودھ پینے والے کی عمر دو برس سے زائد نہ ہو جیسا کہ موطا امام محمد میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول موجود ہے۔

طلاق بائنہ صغریٰ کے بعد دوبارہ نکاح کا جائز ہونا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ایک شخص مسمی محمد عباس کے بارے میں اس نے اپنی منکوحہ عائشہ صدیقہ کو قبل از رخصتی نوٹس طلاق ثلاثہ (طلاق+ طلاق+طلاق) بطرف چیئرمین یونین کونسل چوکی بھیج دیا۔ عائشہ صدیقہ جس طرح نکاح سے پہلے اپنے والدین کے ہاں رہتی تھی۔ بعد از طلاق بھی اپنے والدین کے گھر رہی۔ طلاق کے چودہ ماہ بعد فریقین صلح پر آمادہ ہو گئے۔ کیا عائشہ صدیقہ تجدید نکاح سے محمد عباس کے گھر آباد ہو سکتی ہے؟ (سائل: حافظ محمد صدیق اقبال ٹاؤن ملتان روڈ چوکی ضلع قصور)

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں ایک بائن طلاق بینونہ صغریٰ واقع ہوئی ہے کہ قبل از رخصتی ہوتی ہے۔ اور قبل از رخصتی طلاق کے بعد مطلقہ پر کوئی عدت نہیں ہوتی چنانچہ فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا﴾ الاية (الاحزاب: ٤٩).

ہاں اب جدید نکاح شرعاً درست ہے۔

السید محمد سابق مصری ارقام فرماتے ہیں:

وَالزَّوْجُ اَنْ يُّعِيْدَ الْمُطَلَّقَةَ طَلَاقًا بَائِناً بَيْنُوْنَةً صُغْرٰى اِلٰى عَصَمَتِهٖ بِعَقْدٍ وَّ مَهْرٍ جَدِيْدَيْنِ دُوْنَ اَنْ تَتَزَوَّجَ زَوْجاً آخَرَ. [1]

کہ طلاق دینے والے شوہر کو اپنی مطلقہ بائنہ صغریٰ بیوی کو نئے نکاح اور نئے مہر کے ساتھ دوبارہ آباد کر لینے کا شرعاً حق حاصل ہے۔ پہلے اس کے وہ مطلقہ بائنہ بی بی کسی اور شخص سے نکاح کرے، یعنی حلالہ کی بھی ضرورت نہیں۔

پس صورت مسئولہ میں بغیر حلالہ کے نئے سرے نکاح شرعاً جائز ہے۔ اور یہ نکاح بلاشبہ صحیح اور شرعی نکاح ہوگا۔ هذا ما عندي و اعلم بالصواب۔

حق مہر کی معافی کا حکم

سوال: جناب کیا احکامات ہیں قرآن وسنت کے اس آدمی کے بارے میں جو اپنی بیوی کو حالت طہر میں طلاق لکھ کر

[1] فقه السنة ج ٢ ص ٢٣٧.

بیک وقت، مثلاً :۹۹۔۷۔۱۰، ۹۹۔۸۔۱۰، ۹۹۔۹۔۱۰ اور ۹۹۔۹۔۱۵) کو رجسٹری اور بذریعہ ڈاک ارسال کر دیتا ہے۔ اور قرآن وسنت کے مطابق طلاق مغلظ آج تک انتظار کے بعد واقع ہو چکی ہے۔ اب وہ لڑکا حق مہر ادا کرنے سے انکاری ہے۔ شواہدات بمعہ نکاح خواں حق مہر کے موجود ہیں، کیا حق مہر بچی کا حق ہے یا نہیں۔ لڑکی کو پہلی سہاگ کی رات تنگ کیا گیا۔ مہر معاف کرنے کے لئے، لیکن لڑکی نے معاف کرنے سے انکار کر دیا حق مہر پلاٹوں کی شکل میں تھا اور کچھ زیور میں، یعنی پلاٹ نمبر۱، ۵ مرلہ اور پلاٹ نمبر۲/۱۲ ۱۲ مرلہ اور زیور ساڑھے تین تولہ طے ہوا تھا۔ اب لڑکی کو استعمال کے بعد صرف اس بات پر طلاق دینا کہ حق مہر مجھے معاف کیوں نہیں کیا، لہٰذا یہ میری نافرمان ہے، اس لئے میری طرف سے طلاق ہے۔ لڑکی یتیم ہے اور یہ ظلم ہو رہا ہے۔ آپ سے درخواست برائے حصول فتویٰ حاضر ہے۔ قرآن وسنت اور اللہ اور اس کے رسول سے جو احکامات نافذ ہو چکے ہیں ان کے تابع فتویٰ تحریر کر دیں تاکہ قانوناً وہ پلاٹ جو لڑکے کے نام رجسٹرڈ ہیں وہ حق مہر ہونے کی صورت میں بچی کے نام منتقل ہو سکیں اور آپ کا فتویٰ قرآن وسنت کی رو سے چیلنج نہ ہو سکے۔

(سائل: مرزا عبدالغفور اینڈ سنز منڈی چونا والا تحصیل حاصل پور ضلع بہاولپور)

جواب: الجواب بعون الوهاب و منه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ طے شدہ اور مقرر مبلغ مہر بعد از مقاربت صحیحہ (جماع) کے شوہر کے ذمہ واجب ہے، خواہ وہ مبلغ مہر قلیل ہو یا کثیر ہو۔ قرآن مجید میں فرمان واجب الاذعان ہے۔

﴿ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا﴾ (النساء: ٤)

''اور عورتوں کو ان کے مہر راضی خوشی دے دو۔ ہاں اور وہ اپنی خوشی سے کچھ مہر چھوڑ دیں تو اسے شوق سے خوش ہو کر کھاؤ پیو۔''

اس آیت کریمہ میں لفظ نِحْلَةً کا معنی فریضہ واجب ہے، جیسا جناب ابوبکر جابر الجزائری اس کی تفسیر میں رقم فرماتے ہیں۔ ❶

مزید لکھتے ہیں:

فِي الْاٰيَةِ الرَّابِعَةِ وَالْاَخِيْرَةِ يَاْمُرُ تَعَالٰى الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنْ يُّعْطُوا النِّسَاءَ مُهُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَرَضَهَا عَلَى الرَّجُلِ لِامْرَاَتِهِ فَلَا يَحِلُّ لَهٗ وَلَا لِغَيْرِهٖ اَنْ يَّاْخُذَ مِنْهَا شَيْئًا اِلَّا بِرِضَى الزَّوْجَةِ فَاِنْ رَضِيَتْ فَلَا حَرَجَ فِي الْاَكْلِ مِنَ الصِّدَاقِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى ﴿فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا﴾. ❷

''سورۃ النساء کی اس چوتھی آیت میں ایمانداروں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی بیویوں کو مہر مقرر ادا کر دیں یہ مہر اللہ تعالیٰ نے شوہر پر فرض قرار دیا ہے۔ یہ مہر صرف اس کی بیوی کا حق ہے، پس اس مہر میں سے کچھ بھی شوہر کے لئے

❶ ملاحظہ ہو تفسیر ایسر التفاسیر ج ١ ص ٤٣٤ ❷ ایسر التفاسیر: ج ١ ص ٤٣٦.

حلال ہے اور نہ کسی اور کے لئے۔ ہاں، اگر عورت بلا جبر و اکراہ اور دھوکہ کے اپنے طور پر برضا خود سارا معاف کر دے یا کچھ حصہ معاف کر دے تو پھر اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں اور مضائقہ شرعاً نہیں ہے۔

مفسر موصوف مزید لکھتے ہیں:

وُجُوْبُ مُهُوْرِ النِّسَاءِ وَ حُرْمَةُ الْاَ كْلِ مِنْهَا بِغَيْرِ طِيْبِ صَاحِبَةِ الْمَهْرِ وَسَوَآءٌ فِيْ ذٰلِكَ الزَّوْجُ وَهُوَ الْمَقْصُوْدُ فِي الْاٰيَةِ وَالْاَقَارِبُ۔ ❶

''اس آیت میں یہ راہنمائی ہے کہ بیویوں کا مقرر شدہ مہر اں کی ادائیگی شوہروں پر شرعاً واجب اور فرض ہے۔ اور بیوی کی رضا کے لئے بغیر شوہر کو اس کے مہر میں سے کچھ تھوڑا سا حصہ بھی لینا حلال نہیں، اس آیت کا روئے سخن شوہر ہی کی طرف ہے یا پھر باپ اور دوسرے اقارب کو خطاب کیا گیا ہے۔''

الاستاذ السید محمد سابق المصری اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

اَیْ وَ اٰتُوا النِّسَاءَ مُهُوْرَهُنَّ عَطَاءً مَّفْرُوْضاً لَا يُقَابِلُهُ عِوَضٌ فَاِنْ اَعْطَيْنَ شَيْئًا مِّنَ الْمَهْرِ بَعْدَ مَا مَلَكْنَ مِنْ غَيْرِ اِكْرَاهٍ وَّلَا حَيَاءٍ وَلَا خَدِيْعَةٍ فَخُذُوْهُ سَائِغاً وَّلَا غُصَّةَ فِيْهِ وَلَا اِثْمَ مَعَهٗ مَعَهٗ فَاِذَا اَعْطَتِ الزَّوْجَةُ شَيْئاً مِّنْ مَالِهَا حَيَاءً اَوْخوفاً اَوْخَدِيْعَةً فَلَا يَحِلُّ اَخْذُهٗ قَالَ تَعَالٰى ﴿وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَاراً فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئاً اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَاناً وَّاِثْماً مُّبِيْناً﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقاً غَلِيْظاً۔ (سورۃ النساء ۲۰، ۲۱) ❷

یعنی اس آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ بیویوں کو ان کے مقرر شدہ مہر ادا کر دو یہ ایسا عطیہ ہے جو کہ شرعاً فرض ہے کوئی چیز اس کا عوض نہیں۔ اگر وہ اپنے مہر کی مالک بن جانے کے بعد بغیر کسی اکراہ حیاء، خوف (طلاق کا خوف وغیرہ) اور دھوکہ فریب کے اپنی خوشی سے کچھ دے تو اسے بلا کسی کھٹکے کے لے لو۔ مگر جب کوئی بیوی اپنے مہر کا کچھ حصہ مارے شرم کے یا طلاق وغیرہ کے خوف سے یا کسی دھوکہ اور فریب میں آ کر چھوڑ دے تو شوہر کے لئے شرعاً حلال نہیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے: اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا ہی چاہو اور ان میں سے کسی کو تم نے خزانے کا خزانہ دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ نہ لو۔ کیا تم اسے ناحق اور کھلا گناہ ہوتے ہوئے بھی لے لو گے، تم اسے کیسے لے لو گے؟ حالانکہ تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد و پیمان لے رکھا ہے۔

یعنی خود طلاق دینے کی صورت میں حق مہر واپس لینے سے نہایت سختی کے ساتھ روک دیا گیا ہے۔ **قنطار** خزانے اور مال کثیر کو کہتے ہیں۔ کتنا بھی حق مہر ہو (خواہ نقدی ہو یا پلاٹ ہوں زرعی زمین ہو یا سکونتی ہو) واپس نہیں لے سکتے۔ اگر واپس لو

❶ کتاب ایسر التفاسیر: ج ۱، ص ٤٣٦۔ ❷ فقه السنة ج ٢ ص ١٣٥۔

گے تو یہ ظلم (بہتان اور کھلا گناہ) ہوگا، ایک دوسرے سے مل چکنے کا مطلب ہم بستری ہے جسے اللہ نے کنایتاً بیان کیا ہے اور مضبوط عہد و پیان سے مراد وہ عہد ہے جو بوقت عقد نکاح مرد سے لیا جاتا ہے کہ تم اسے بھلے طریقے سے آباد رکھنا یا پھر شائستگی (احسان) کے ساتھ چھوڑ دینا۔

۳۔ تیسرے مقام پر فرمایا:

﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً﴾ (النساء: ٢٤)

''پس جن منکوحہ عورتوں سے تم فائدہ اٹھاؤ (جماع کرو) انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو۔''

۴۔ چوتھے مقام پر فرمایا:

﴿وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا﴾ (البقرہ:٢٢٩)

اور تمہیں حلال نہیں کہ تم نے انہیں جو دے دیا ہے، اس میں سے کچھ بھی واپس لو۔

ان آیات مقدسہ سے معلوم ہوا کہ عورت کا حق مہر ایک ایسا شرعی فریضہ ہے جسے بلا کسی پس و پیش جبر و اکراہ اور دھوکہ فریب کے ادا کرنا واجب ہے اور یہ کہ بیوی از خود بغیر کسی جبر و اکراہ، شرم ساری اور دھوکہ کے اپنے طور پر بطیب خاطر کچھ یا سارا معاف کر دے۔ اور یہ ایسا ہے کہ اگر شوہر استطاعت کے باوجود مقرر حق ادا نہ کر رہا ہو تو بیوی بذریعہ نالش یہ حق وصول کر سکتی ہے اور عدالت مجاز کا فرض ہے کہ وہ عدالتی کارروائی مکمل کر کے بیوی کی دادرسی کرے۔ بشرطیکہ عورت اپنے موقف میں حق بجانب ہو۔

شیخ الکل فی الکل السید نذیر حسین المحدث الدہلوی رحمہ اللہ ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں تصریح فرماتے ہیں۔ در صورتے کہ شوہر طاقت اور مقدور ادا کرنے مہر کی رکھتا ہو پھر باوجود قدرت ادائے مہر کے، مہر زوجہ کا ادا نہ کرے تو اس صورت میں حاکم وقت شوہر کی جائیداد اور مال سے مہر زوجہ کا دلوا دے اور جو نہ دے تو اس کو قید کرے کہ وہ ظالم ہے کیونکہ ذی مقدور کا حیلہ کرنا ادائے دین مہر وغیرہ میں ظلم ہے۔

مَطَلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ وَّ يُحبس المديون فِي الثَّمَنِ وَالْقَرْضِ وَالْمَهْرِ الْمُعَجَّلِ وَمَا لَزِمَهُ بِكِفَالَةٍ كَذَا فِيْ تَنْوِيْرِ الْاَبْصَارِ وَالدُّرِّ الْمُخْتَارِ.[1]

بالجملہ بروقت موجود ہونے مال بقدر ادائے دین مہر حسب طلب زوجہ کے واجب الاداء ہوگا۔ اگر شوہر دین مہر ادا کرنے کے لئے کسی طرح آمادہ نہ ہو تو بذریعہ نالش عورت اپنا یہ شرعی حق وصول کرنے کی مجاز ہے اور عدالت مجاز ضابطہ کی کارروائی میں عورت کو حق بجانب پائے تو اس عورت کی دادرسی اس کا شرعی اور قانونی فریضہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

ساس کے ساتھ زنا کرنے پر بیوی حرام نہیں ہوتی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ

[1] فتاوی نذیریہ: ج ۲ ص ۵۹۵۔

میرے خاوند نے میری والدہ کے ساتھ زنا کر لیا تو مولوی حضرات نے فتویٰ دیا کہ تمہارا نکاح ٹوٹ گیا ہے تو اپنے خاوند پر حرام ہو گئی ہے، اس کے بعد میرے خاوند نے مجھے زبانی اور تحریری طلاق دے دی، طلاق کے تین ماہ بعد میں نے ایک دوسرے آدمی سے نکاح کر لیا۔

عرصہ ۲/۱-۲ سال گزرنے کے بعد اس نے بھی مجھے طلاق دے دی- اس کے نطفہ سے ایک بچہ جس کی عمر ۲/۱-۲ سال ہے وہ بھی میرے پاس ہے- طلاق دی کو ۲/۱-۱ ماہ کا عرصہ ہو گیا۔

اب میں اپنے پہلے خاوند کی طرف جانا چاہتی ہوں یعنی پہلے خاوند سے نکاح کرنا چاہتی ہوں میرے لئے شریعت میں کیا حکم ہے؟ فتویٰ دے کر ثواب دارین حاصل فرمائیں۔ (سائلہ فاطمہ بیگم گرین ٹاؤن لاہور)

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: صورت مسئولہ میں بشرط صحت سوال قرآن مجید میں حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ سے لے کر وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ تک پندرہ رشتے حرام کئے گئے ہیں بیوی کی والدہ، یعنی اپنی ساس سے بدکاری کرنے کی صورت میں بیوی کو ان میں ذکر نہیں کیا بلکہ ان حرام رشتوں کے ذکر کے بعد فرمایا اُحِلَّ لَكُمْ مَّاوَرَآءَ ذٰلِكُمْ سورۃ النساء آیت ۲۴ کہ ان رشتوں کے علاوہ عورتیں تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں معلوم ہوا کہ ساس سے زنا کرنے پر زوجہ حرام نہیں ہوتی۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔ ہاں حنفیہ کے نزدیک بیوی حرام ہو جاتی ہے کیونکہ ان کے نزدیک جیسے کسی عورت سے نکاح کرنے سے اس کے اصول (یعنی والدہ' نانی اور فروع منکوحہ بیوی کی بیٹی پوتی وغیرہ) حرام ہو جاتے ہیں اسی طرح زنا سے حرام ہو جاتے ہیں مگر احناف کا یہ مذہب مذکورہ بالا آیت شریفہ اور حسب ذیل احادیث کے مخالف ہے لہٰذا صحیح نہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

۲-عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُحَرِّمُ الْحَرَامُ الْحَلَالَ اِنَّمَا يُحَرِّمُ مَا كَانَ نِكَاحٍ حَلَالٍ قَالَ اِسْحَاقُ قَالَ عُبَيْدُاللّٰهِ بْنِ نَافِعٍ وَبِهٖ نَاْخُذُ. ❶

کہ حرام حلال کو حرام نہیں کرتا کیونکہ شرعی نکاح ہی سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے۔

مگر اس حدیث کا ایک راوی متروک ہے، لہٰذا یہ ضعیف ہے۔

۳-عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَا يُحَرِّمُ الْحَرَامُ الْحَلَالَ' سنن ابن ماجة باب لا يحرم الحرام الحلال ج ۱ص ۱۴۶- قَالَ الْحَافِظُ اِبْنُ حَجَرٍ وَاِسْنَادُهٗ اَصْلَحُ مِنَ الْاَوَّلِ اَيْ مِنْ اِسْنَادِ حَدِيْثِ عَائِشَةَ الْمَذْكُوْرَةِ. ❷

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حرام حلال کو حرام نہیں کرتا۔

۴-عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فِيْ رَجُلٍ غَشِيَ اُمَّ امْرَاَتِهٖ قَالَ تَخَطّٰى حُرْمَتَيْنِ وَلَا

❶ السنن الكبرى للبيهقي ج۷ ص ۱۶۹ وفتح الباری باب مايحل من النسا وما يحرم ج ۹ ص ۱۹۴.

❷ فتح الباری باب ما يحل من النساء وما يحرم - ج ۹ ص ۱۹۴.

ن عباسؓ سے ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی ساس کے ساتھ زنا کیا تھا تو
نے فرمایا کہ اس نے دو حرمتیں پامال کیں، تاہم اس زنا سے اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوئی۔
حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس حدیث پر لکھتے ہیں اسنادہ صحیح۔ ❷
حشی مولانا احمد علی حنفی صحیح بخاری کے بین السطور لکھتے ہیں اسنادہ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۵۔
کی سند صحیح ہے۔
محمد سابق المصری لکھتے ہیں:
عالیٰ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّاوَرَآءَ ذٰلِكُمْ فَهٰذَا بَيَانُ عَمَّا يَحِلُّ مِنَ النِّسَآءِ بَعْدَ بَيَانِ مَا
لَمْ يَذْكُرْ اَنَّ الزِّنَا مِنْ اَسْبَابِ التَّحْرِيْمِ. ❶

كُمْ مَّاوَرَآءَ ذٰلِكُمْ میں اللہ نے حرام رشتوں کے ذکر کے بعد حلال رشتوں کو بیان فرمایا ہے اور
ں کیا۔
ابن حجر فرماتے ہیں:
ى ذَهَبَ الْجَمْهُوْرُ وَحَجَّتُهُمْ اَنَّ النِّكَاحَ فِى الشَّرْعِ اِنَّمَا يطلق عَلَى الْمَعْقُوْدِ
مُجَرَّدِ الْوَطْءِ وَاَيْضًا فَالزِّنَا لَا صِدَاقَ فِيْهِ وَلَاعِدَّةَ وَلَامِيْرَاثَ. ❹
علمائے امت اس طرف سے گئے ہیں کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی، ان کی ایک د
یعت میں نکاح عقد کا نام ہے مطلق وطی کا نہیں، علاوہ ازیں ان میں زنا کی وجہ سے نہ تو زانی کے
ی واجب ہوتی ہے اور نہ مزنیہ عورت پر عدت آتی ہے اور نہ اس میں قانون میراث لاگو ہوتا ہے
اہرت زنا سے ثابت نہیں ہوتی۔
دلائل کی رو سے ساس سے زنا کے ارتکاب سے بیوی حرام نہیں ہوتی، یعنی نکاح قائم رہتا ہے اور
ر کمزور ہے، لہٰذا ان کا یہ قول قابل اعتبار اور درخور اعتناء نہیں، پس جن مولویوں نے بیوی کی حرمت
اگر چہ حنفی فقہ کی رو سے درست تھا مگر مذکورہ دلائل کی رو سے غلط تھا۔ چونکہ اس غلط فتویٰ کی بنیاد
طلاق دی، اس لئے آپ کا نکاح طلاق کی وجہ سے ٹوٹا تھا زنا کی وجہ سے نہیں۔
کے بیان کے مطابق آپ کے دوسرے شوہر نے آپ کو طلاق دے ڈالی ہے اور دوسرے شوہر

باب الزنا لا یحرم الحلال ج ۷ ص ۱۶۸ ❷ فتح الباری ج ۹ ص ۱۳۴

سوال نامہ کی تصریح کے مطابق صرف ۴/۱ ۱ ماہ کا عرصہ گزرا ہے، لہٰذا ابھی عدت پوری نہیں ہوئی مطلقہ غیر حاملہ کی عدت تین حیض ہے۔

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ﴾ (البقرة:٢٢٨)

اور مطلقہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے

﴿وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق:٤)

لہٰذا جب تک آپ کو تین حیض نہ آ جائیں اس وقت تک آپ اپنے پہلے شوہر کے ساتھ نکاح شرعاً نہیں کر سکتیں اور حمل کی صورت میں وضع حمل سے پہلے نکاح نہیں کر سکتیں۔

عدت (بصورت حیض یا وضع حمل) پوری ہو جانے پر آپ اپنے پہلے شوہر کے ساتھ نکاح شرعاً کر سکتی ہیں، اگرچہ حنفی مولوی کے مطابق آپ ایسا نہیں کر سکتیں کہ سابقہ بنیاد قائم ہے مگر نہ ان کا فتویٰ صحیح ہے اور نہ اس کے فتویٰ کی بنیاد صحیح، لہٰذا ان کا فتویٰ قابل عمل نہیں۔ مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ هذا ما عندي و اعلم بالصواب.

ایجاب وقبول کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا

﴿سوال﴾: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اور مفتیان شرع اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بار ہا یہ کہا کہ تم میری بیٹی اور بھانجی اور بہن ہو اور تم مجھ پر حرام ہو اور ہم نے جو کچھ بھی کیا وہ گناہ کیا کیونکہ میں نے تمہیں نکاح میں قبول ہی نہیں کیا۔ اس کے بعد زید کی بیوی اور اس کے درمیان مکمل طور پر علیحدگی ہو گئی اس کے بعد بیوی نے فسخ نکاح کا کیس عدالت عالیہ میں دائر کیا، جہاں بیوی کا بیان قلمبند ہوا اور اس نے عدالت کے رو برو اپنے شوہر کو یہ کہا کہ تم میرے باپ اور بھائی ہو اور میں تم پر حرام حرام حرام ہو چکی ہوں اور میں تیرے منہ پر تھوکتی ہوں۔ اس عورت کا نکاح باقی رہا کہ نہیں قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح حل صادر فرمائیں؟ (سائل: عتیق الرحمٰن ولد ریاض الرحمان ۳۰ ایف راجہ سینٹر مین مارکیٹ گلبرگ ۲ لاہور)

﴿جواب﴾: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں شرعاً نکاح منعقد ہی نہیں ہوا۔ کیونکہ صحت نکاح کے لئے ایجاب وقبول ہونا از بس ضروری ہے کیونکہ یہ دونوں شرعاً نکاح کے اساسی رکن ہیں۔ یعنی نکاح نام ہی ایجاب وقبول کا ہے۔ اگر ایجاب وقبول نہیں تو نکاح ہی کیا ہوا؟ فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۳۶۱ اور فقہ السنہ میں ہے:

يَقُوْلُ الْفُقَهَاءُ اَنَّ اَرْكَانَ الزَّوَاجِ اَلْاِيْجَابُ وَالْقُبُوْلُ. (ج ۴ ص ۲۹)

جب سوالنامہ کی خط کشیدہ صراحت کے مطابق اس نام نہاد شوہر نے یا اس کے وکیل نے اس عورت کو بطور بیوی قبول ہی نہیں کیا تو نکاح کیسے ہوا۔ لہٰذا اس نام نہاد شوہر کا اس عورت کو بیٹی، بھانجی اور بہن کہنا سب بے ہودہ بکواس کے سوا کچھ نہیں، اور اس طرح اس نام نہاد بیوی کا اس آدمی کو باپ، بھائی وغیرہ کہنا اور عدالت میں بیان بازی کرنا سب فضول اور بے کار کارروائی ہے۔ جس کا کوئی بھی نتیجہ شرعاً مرتب نہیں ہوتا۔ اور اس عرصہ میں ان دونوں کا بطور میاں بیوی آباد رہنا محض سفاح

اور زنا کی کارروائی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ جواب محض ایک شرعی سوال کا جواب ہے۔ مجاز اتھارٹی سے اس کی توثیق ضروری ہے۔ مفتی کسی قانونی سقم اور عدالتی کارروائی کا ہرگز ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ ھذا ما عندی و اعلم بالصواب۔

رضاعی بہن سے نکاح حرام

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے اپنی تائی کا دودھ پیا ہے آیا کہ وہ شخص اس کی کسی بھی لڑکی سے شادی کرنے کا شرعی نقطہ سے حق رکھتا ہے یا نہیں؟ کتاب و سنت کی روشنی میں فتویٰ صادر فرمایا جائے۔ بینوا تو جروا عنداللہ۔ (سائل شیخ عبدالعزیز توحید آباد لاہور)

جواب: الجواب بعون الوھاب و منہ الصدق والصواب: بشرط صحت سوال صورت میں واضح ہو کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

۱۔ ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَ بَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَ بَنَاتُ الْأَخِ وَ بَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ (النساء: ۲۳)

"(مسلمانو) حرام ہیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور دودھ کی بہنیں" یعنی نسبی ماں اور بہن کی طرح رضاعی ماں اور بہن بھی حرام ہے۔

۲۔ صحیح بخاری میں ہے:

بَابُ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَيُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ۔ ●

"رضاعی ماؤں کی حرمت کا بیان اور آپ ﷺ کا یہ بیان کہ جو رشتہ خون سے حرام ہوتا ہے وہ دودھ سے بھی حرام ہے۔"

پھر حضرت امام بخاری یہ حدیث لائے ہیں:

عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عِنْدَهَا ...... فَقَالَ نَعَمْ الرَّضَاعَةُ تحرمُ مَا تحرمُ الْوِلَادَةُ۔ ●

"حضرت عائشہ صدیقہ ؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف فرما تھے، اتنے میں انہوں نے ایک مرد کی آواز سنی جو ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر ؓ کے گھر میں جانے کی اجازت مانگ رہا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہہ دیا کہ ایک آدمی آپ ﷺ کے گھر میں جانے کی اجازت مانگ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا میں سمجھتا ہوں یہ فلاں شخص ہے، حفصہ ؓ کے دودھ کے چچا کا نام لیا' اس وقت حضرت عائشہ ؓ نے اپنے دودھ کے چچا کا نام لے کر کہا کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو وہ میرے گھر میں آ سکتا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا بے شک

● بخاری ج ۲ ص ۷٦٤۔ ● صحیح بخاری: ج ۲ ص ۷٦٤۔

آ سکتا تھا کیونکہ جیسے خون ملنے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے ویسے ہی دودھ پینے سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔"

اس آیت شریفہ اور حدیث صحیح سے ثابت ہوا کہ جیسے نسبی ہمشیرہ کے ساتھ نکاح حرام ایسے ہی دودھ کی ہمشیرہ سے بھی نکاح حرام ہے۔ بشرطیکہ یہ رضاعت دو برس کے اندر اندر ہو اور پھر کم از کم پانچ دفعہ پستان چوسا ہو۔ یعنی اگر یہ رضاعت دو برس کی عمر کے بعد ہو یا ایک آدھ بار دودھ چوسا ہو تو پھر رضاعت کا حکم ثابت نہیں ہو گا اور نکاح حرام نہیں ہو گا۔

فیصلہ:

اس آیت شریفہ اور حدیث صحیح کے مطابق یہ آدمی اپنی تائی کا دودھ پینے کی وجہ سے اس کا رضاعی بیٹا بن چکا ہے اور اس کی تائی کی بیٹیاں اس کی رضاعی بہنیں بن چکی ہیں، لہٰذا وہ اپنی تائی کی کسی بیٹی کے ساتھ شرعاً نکاح نہیں کر سکتا کہ وہ اس کی رضاعی بہنیں ہونے کی وجہ سے اس پر حرام ہو چکی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب.



رضاعت کا بیان

رضاعت کی مدت کتنی ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ دو سال سے بڑی عمر کا بچہ کسی عورت کا متعدد دفعہ دودھ پی لے کیا اس سے حرمت سے رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں۔ شرعی فتویٰ صادر فرمایا جائے۔ بینوا توجروا۔ ایک سائل۔

جواب: الجواب بعون الله الوهاب: رضاعت کی زیادہ سے زیادہ مدت صرف دو سال ہے۔ لہٰذا اس دو سال کی عمر کے بعد اگر کوئی بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ۔ (سورۃ البقرہ :۲۳۳) اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا رَجُلٌ فَكَأَنَّهُ تَغَيَّرَ وَجْهُهُ كَأَنَّهُ كَرِهَ ذَالِكَ فَقَالَتْ أَخِي فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْظُرْنَ مَنْ إِخْوَانُكُنَّ فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ۔ ❶

حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں حضرت نبی ﷺ میرے ہاں تشریف لائے اور میرے پاس ایک شخص کو دیکھ کر آپ کا چہرہ انور متغیر ہوگیا۔ گویا آپ نے اس کا برا منایا تو میں نے عرض کیا کہ حضرت! یہ تو میرا رضاعی بھائی ہے، تو آپ نے فرمایا تم غور کرو کہ کون کون آپ کے رضاعی بھائی ہیں۔ کیونکہ صرف اس رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے، جس سے شیر خوار بچے کی بھوک دور ہوتی ہے۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَا يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ۔

هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ أَنَّ الرَّضَاعَةَ لَا تُحَرِّمُ إِلَّا مَا كَانَ دُوْنَ الْحَوْلَيْنِ۔ ❷

امام ترمذی ؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اکثر اہل علم صحابہ اور تابعین کا اسی حدیث پر عمل ہے کہ اس

❶ صحیح البخاری باب من قال لا رضاع بعد حولین لقوله تعالی کاملین۔ الخ ج۲ص ۷۶۴۔

❷ تحفة الاحوذی باب ماجاء ان الرضاعة لا تحرم الا فی الصغر دون الحولین ص ۲۰۱۔

رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے جو دو برس کی عمر تک ہو، لہٰذا صورت مسئولہ میں حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ (عفیف)

مسئلہ رضاعت۔ کتنی مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوگی

سوال: محمد یونس ولد لال دین نے اپنے بیٹے سکندر ذوالقرنین کی شادی اپنی بہن کی بیٹی سے کرنے کا پروگرام طے کیا ہے جب کہ محمد یونس کے بیٹے کی عمر جب چھ سات ماہ تھی۔ والدہ گھریلو کام کاج میں مصروف تھی۔ بچہ رو رہا تھا۔ دادی نے بچے کو چپ کرانے کی نیت سے اپنا دودھ ایک مرتبہ ایک دو منٹ تک پلا دیا۔ جب کہ محمد یونس کی والدہ کے ہاں اس کا سب سے چھوٹا بیٹا بھی تھا۔ آیا محمد یونس اپنے اس بیٹے سکندر ذوالقرنین کی شادی اپنی حقیقی ہمشیرہ کی بیٹی سے کر سکتا ہے؟

(سائل: محمد یونس ولد لال دین سکنہ کاموکی بذریعہ جاوید احمد مکان نمبر ۷ ب بلاک گوجرہ)

جواب: الجواب بعون الوهاب: صورت مسئولہ میں مسمّی محمد یونس ولد لال دین اپنے بیٹے سکندر ذوالقرنین کی شادی اپنی ہمشیرہ کی بیٹی سے کر سکتا ہے کیونکہ ایک دفعہ دودھ پلانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا أَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ. ❶

اس حدیث صحیح کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ اور دو دفعہ دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، یعنی ایک دفعہ اور دو دفعہ دودھ پینا حرمت رضاعت کے لیے کافی نہیں۔

۲۔ عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتُحَرِّمُ الْمَصَّةُ فَقَالَ لَا تُحَرِّمُ الرَّضْعَةُ وَالرَّضْعَتَانِ وَالْمَصَّةُ وَالْمَصَّتَانِ وَفِي رِوَايَةٍ دَخَلَ اَعْرَابِيٌّ عَلٰى نَبِيِّ اللّٰهِ وَهُوَ فِي بَيْتِي فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِنِّي كَانَتْ لِي امْرَأَةٌ فَتَزَوَّجْتُ عَلَيْهَا أُخْرٰى فَزَعَمَتْ إِمْرَأَتِي الْأُولٰى أَنَّهَا اَرْضَعَتْ إِمْرَأَتِي الْحُدْثٰى رَضْعَةً أَوْ رَضْعَتَيْنِ۔ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لَا تُحَرِّمُ الْإِمْلَاجَةُ وَلَا الْإِمْلَاجَتَانِ. ❷

''حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سوال کیا کہ کیا ایک دفعہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ایک دفعہ اور دو دفعہ دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کیا ہے۔ میری پہلی بیوی کا موقف ہے کہ اس نے میری نئی بیوی کو ایک دفعہ یا دو دفعہ دودھ پلایا ہے۔ تو نبی ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ ایک دفعہ اور دو دفعہ دودھ پی لینا حرمت کو ثابت نہیں کرتا۔

۳۔ وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ كَانَ فِيمَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ

---

❶ رواه الجماعة الا البخاری (نیل الاوطار کتاب الرضاع باب عدد الرضعات ج ٦ ص ٣٤٧. ❷ رواه احمد و مسلم نیل الاوطار ج ٦ ص ٣٤٧.

مَعْلُومَاتٍ يُحرِمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُنَّ فِيمَا يَقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ. ●

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پہلے قرآن مجید میں دس رضعات سے حرمت ثابت ہونے کا حکم نازل ہوا تھا۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو کر پانچ رضعات سے حرمت ثابت ہونے کا حکم نازل ہوا۔''

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَدِ اسْتَدَلَّ بِأَحَادِيْثِ الْبَابِ مَنْ قَالَ اَنَّهُ لاَ يَقْتَضِي التَّحْرِيْمَ مِنَ الرَّضَاعِ اِلَّا خَمْسُ رَضَعَاتٍ مَعْلُوْمَاتٍ وَاِلٰى ذٰلِكَ ذَهَبَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَّ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ زُبَيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَعَطَاءٌ وَّ طَاؤُسٌ الخ. ●

ان احادیث صحیحہ سے استدلال کیا ہے ان اہل علم نے جو پانچ دفعہ سے کم دودھ پینے سے حرمت کے قائل نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما' امام عطاء' طاؤس' سعید بن جبیر' عروہ بن زبیر' لیث بن سعد' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ' امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ' ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ و جماعۃ من اھل العلم کا یہی مذہب ہے۔ تاہم جمہور کے نزدیک قلیل و کثیر رضاعت سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ مگر ان کا استدلال نصوص مطلقہ سے ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ یعنی پہلے گروہ کا استدلال نصوص مقیدہ خمس رضعات سے ہے اور اصول کا قاعدہ ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کرنا ضروری اور مسلمہ قانون ہے۔ لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ اور امام شافعی وغیرہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک راجح ہے۔

شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۳ ص ۱۵۲)

فیصلہ:

صورت مسئولہ میں محمد یونس اپنے بیٹے سکندر ذوالقرنین کی شادی اپنی ہمشیرہ کی لڑکی سے بلاشبہ کر سکتا ہے۔

هذا ما عندي و اعلم بالصواب۔

الاعتصام:

حضرت مفتی صاحب حفظہ اللہ کے فتوے میں ایک ابہام ہے جس کی وضاحت ضروری ہے اور وہ ہے مصۃ یا املاجۃ کا مفہوم۔ حدیث کے الفاظ ہیں۔ ایک مصّۃ یا دو مصۃ یا ایک املاجۃ یا دو املاجۃ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، جیسا کہ اصل الفاظ فتویٰ مذکور میں گزرے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب نے اس کا ترجمہ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ پینا کیا ہے۔ لیکن اس امر کی وضاحت نہیں فرمائی کہ ایک مرتبہ دو مرتبہ پینے کا مطلب کیا ہے۔

ہمارے خیال میں مصۃ (ایک مرتبہ پینا) کا مطلب ہے کہ بچہ جب پستان منہ میں لے کر دودھ پینا شروع کرتا ہے اس

● رواه مسلم و ابوداؤد، نيل الاوطار ج ٦ ص ٣٤٨ و سبل السلام. ● نيل الاوطار ج ٦ ص ٣٥٠.

کے بعد جب وہ وقفہ کرتا ہے اور منہ ہٹا لیتا ہے تو یہ ایک مصہ ہے، پھر چند سیکنڈ کے بعد دوبارہ شروع کرتا ہے، پھر کچھ دیر پی کر منہ ہٹا لیتا ہے یہ دوسرا مصہ ہوا، اس طرح وقفوں سے اگر پانچ مرتبہ دودھ پی لیتا ہے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ پانچ مرتبہ پینے کا مطلب پانچ مختلف مجلسوں میں پینا نہیں ہے، بلکہ مذکورہ طریقے سے پانچ رضعات ہیں (ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب)

محمد مدیر الاعتصام حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کی وضاحت سے مکمل اتفاق ہے لہٰذا اگر سکندر ذوالقرنین نے اپنی دادی کا دودھ پانچ وقفوں میں پیا ہے تو وہ اپنی پھوپھی زاد لڑکی کا رضاعی چچا بن چکا ہے اور بحکم حدیث "یحکم حدیث یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب" اس لڑکی کے ساتھ شرعاً نکاح نہیں کر سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(محمد عفیف اللہ خان عفیف)

مسئلہ رضاعت

سوال خدمت اقدس میں گزارش ہے کہ ہماری والدہ محترمہ نے ستر سال کی عمر میں میری بھتیجی شمیم اختر دختر شمس دین کو چپ کرانے کے لئے دودھ پلایا ہے جب کہ اس وقت ہماری والدہ دو سال سے بیوہ تھیں۔ بچی رو رہی تھی اس کو چپ کرانے کے لئے ہماری والدہ کی چھاتی اس کے منہ میں ڈال دی، اب ہم دونوں بھائی اپنی اولاد کا آپس میں رشتہ کرنا چاہتے ہیں یعنی میں اپنے لڑکے حافظ ادریس کا نکاح شمیم اختر سے پڑھا سکتا ہوں یا نہیں؟ کیا اس عمل سے یہ لڑکی ادریس کی رضاعی پھوپھی تو نہیں بن گئی؟ حضور والا سے التماس ہے کہ آپ قرآن و حدیث اور فقہ کی روشنی میں شرعی فتویٰ صادر فرمائیں۔ (سائل غلام دین ولد رسول شاہ ساکن گلی نمبر ۵ کوارٹر نمبر ۲۴ داتا نگر بادامی باغ لاہور)

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال واضح ہو کہ یہ سوال اپنے مفہوم اور مضمون میں واضح نہیں، یعنی اس میں یہ نہیں بتلایا گیا کہ مسماۃ شمیم اختر دختر شمش الدین نے اپنی ستر سالہ دادی کا دودھ کتنے وقفوں میں پیا ہے۔ لہٰذا اب اس سوال کا جواب دو صورتیں فرض تسلیم کر کے علیحدہ علیحدہ لکھا جاتا ہے۔

۱۔ لہٰذا اگر اس بچی نے اپنی دادی کا دودھ تین یا چار وقفوں پیا ہے تو یہ بچی حافظ ادریس کی رضاعی پھوپھی شرعاً نہیں بن سکتی، لہٰذا ان دونوں کا آپس میں شرعاً نکاح جائز ہے کہ شرعاً جب تک پانچ سانسوں دودھ نہ پیا جائے اس وقت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ چنانچہ حدیث میں مروی ہے۔

۱۔ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ۔●

"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک دفعہ دودھ چوسنے اور دو دفعہ چوسنے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔" یعنی ایک دفعہ پستان منہ میں ڈالنے یا دو دفعہ پستان منہ میں

❶ صحیح بخاری، ج۲، ص ۷۶٤۔ ❷ رواہ الجماعة الا البخاری نیل الاوطار باب عدد الرضعات المحرمة ج ٦ ص ٣٤٧۔

ڈال کر دودھ پینے سے رضاعت کا حکم ثابت نہیں ہوتا۔

۲۔ عَنْ اُمِّ الْفَضْلِ اَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اتحرمُ الْمَصَّةُ فَقَالَ لا تحرمُ الرَّضعَهُ وَالرَّضْعَتَانِ وَالْمَصَّةُ وَالْمَصَّتَانِ وَ فِیْ رِوَایَةٍ لاَ تحرمُ الاِمْلاَجةُ الْاِمْلاَجتَانِ. ❶

''حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا ایک دفعہ دودھ چوسنے سے حرمت رضاعت شرعاً ثابت ہو جاتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر بچہ ایک دفعہ پستان منہ میں لے کر چوسے یا دو دفعہ چوسے تو اس عمل سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور ایک دوسری روایت کے مطابق بچہ کے منہ میں ایک دفعہ یا دو دفعہ پستان دے دینا حرمت رضاعت ثابت نہیں کرتا۔

۳۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ کَانَ فِیْمَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَّعْلُوْمَاتٍ یُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَّعْلُوْمَاتٍ فَتُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُنَّ فِیْمَا یُقْرَأُ مِنَ الْقُرْاٰنِ. ❷

''ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پہلے قرآن مجید میں دس رضعات (دس دفعہ دودھ پینا) سے حرمت رضاعت ثابت ہونے کا حکم نازل ہوا تھا۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو کر پانچ رضعات سے حرمت رضاعت ثابت ہونے کا حکم نازل ہوا۔''

امام ابوحنیفہ اور اکثر فقہاء کے نزدیک مطلق رضاعت سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، قلیل ہو خواہ کثیر۔

قَالَ فِی المسوّیٰ ذَهَبَ الشَّافِعِیُّ اِلٰی اَنَّهُ لاَ یَثْبُتُ حُکْمُ الرَّضَاعِ فِیْ اَقَلِّ مِّنْ خَمْسِ رَضَعَاتٍ مُّتَفَرِّقَاتٍ وَذَهَبَ اَکْثَرُ الْفُقَهَاءِ مِنْهُمْ مَالِكٌ وَّ اَبُوْ حَنِیْفَةَ اِلٰی اَنَّ قَلِیْلَ الرَّضَاعِ وَکَثِیْرَه مُحَرِّمٌ. ❸

اکثر فقہاء کا استدلال نصوص مطلقہ سے ہے۔ اور امام شافعی وغیرہ کا استدلال نصوص مقیدہ بخمس رضعات سے ہے۔ اور مطلق کو مقید پر محمول کرنا فقہائے اسلام کا مسلمہ قاعدہ ہے۔ لہٰذا بناء علیہ امام شافعی ایک بڑی جماعت کا مسلک اور فتویٰ راجح ہے۔

امام شوکانی فرماتے ہیں:

فَالظَّاهِرُ مَا ذَهَبَ اِلَیْهِ الْقَائِلُوْنَ بِاِعْتِبَارِ الْخَمْسِ.

یعنی ظاہر انہی فقہاء کا قول ہے۔ جو خمس (پانچ) رضعات کے قائل ہیں۔

ان کے نام نامی یہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عائشہؓ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم، امام عطاءؒ امام طاؤسؒ

---

❶ رواه احمد ومسلم، نیل الاوطار ج ٦ ص ٣٤٧. ❷ رواه مسلم و ابوداؤد و النسائی۔ نیل الاوطار ج ٦ ص ٣٤٨.

❸ فتاوی نزیریه: ج ٣ ص ١٥٢.

سعید بن جبیرؒ عروہ بن زبیرؒ لیث بن سعد جیسے تابعین عظام امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ امام اسحاق بن راھویہؒ امام ابن حزم و جماعۃ من اھل العلم رحمھم اللہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مذہب مروی ہے۔(کذا فی نیل الاوطار ج ۶ ص ۳۵۰ و ۳۵۱)

فیصلہ

ان مذکورہ بالا احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ قویہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین اور فقہائے کرام امام شافعیؒ امام احمدؒ امام اسحاق اور عطاءؒ طاؤس اور سعید بن جبیر جیسے تابعین عظام کے مطابق حافظ ادریس ولد نظام دین مذکور بالا مسمات شمیم اختر دختر شمش الدین کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے۔اور یہ نکاح شرعی اور صحیح نکاح ہوگا، کیونکہ ایک وقت میں دو چار وقفوں سے دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

۲۔ اگر بالفرض مذکورہ لڑکی شمیم اختر نے اپنی دادی کا دودھ پانچ دفعہ پیا یا اس سے زیادہ دفعہ پی چکی ہو تو پھر حرمت رضاعت ثابت ہو چکی اور اس صورت میں نکاح نہیں ہوسکتا کہ وہ حافظ ادریس مذکور کی رضاعی پھوپھی شرعاً بن چکی ہے۔

مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ ھذا ما عندی و اعلم بالصواب.

فریدہ بی بی ہندہ بی بی کے لڑکے کی رضاعی والدہ ہے

سوال: ہندہ اور فریدہ دو سگی بہنیں ہیں ہندہ کی گود میں ایک لڑکا دودھ پیتا ہے اور اسی طرح فریدہ کی گود میں ایک لڑکی دودھ پیتی ہے۔ ہندہ کسی کام سے بازار چلی جاتی ہے اور اس کی عدم موجودگی میں فریدہ ہندہ کے لڑکے کو دودھ پلا دیا کرتی ہے، اس طرح ہندہ کا لڑکا اور فریدہ کی لڑکی دودھ کے رشتہ سے بہن بھائی ہیں۔اتفاق سے فریدہ کی لڑکی کا انتقال ہوجاتا ہے جو ہندہ کے لڑکے کی دودھ بہن ہوتی ہے۔اس کے بعد پھر فریدہ کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے، کیا ہندہ کے اس لڑکے کے ساتھ فریدہ کی دوسری لڑکی کا نکاح ہوسکتا ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی کے مطابق فتویٰ عنایت فرمایا جائے۔(ایک سائل از لاہور)

جواب: صورت مسؤلہ میں واضح ہو کہ فریدہ ہندہ کے لڑکے کی رضاعی ماں ہے، یعنی دودھ پلانے کی وجہ سے ماں ہے۔ اور اس کی سب لڑکیاں اس کی رضاعی بہنیں ہیں۔لہٰذا ہندہ کا یہ لڑکا جس نے فریدہ کا دودھ پیا ہے فریدہ کی کسی بھی لڑکی سے شادی نہیں کرسکتا۔خواہ اس نے اس کے ساتھ مل کر دودھ پیا ہو یا آگے پیچھے۔قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ﴾ (النساء:۲۳)

''یعنی دودھ کی تمام بہنیں اپنے رضاعی بھائی کے لئے حرام ہیں۔اس کا باہمی نکاح نہیں ہوسکتا۔''

حدیث شریف میں ہے۔

يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ (کتب حدیث) یعنی دودھ پینے کی وجہ سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو پیدائش کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔ہاں ہندہ کا وہ لڑکا جس نے فریدہ کا دودھ نہیں پیا وہ فریدہ کی کسی بھی لڑکی

نے شادی کر سکتا ہے۔ کیونکہ ہندہ کے اس لڑکے اور فریدہ کی لڑکیوں میں نسبی یا رضاعی کوئی ایسا تعلق نہیں جس سے رشتہ حرام ہو۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔ (محمد اسحاق عفی عنہ)

اگر پوتے نے دادی کا دودھ پیا ہو تو کیا وہ اپنے چچا یا پھوپھی کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے

سوال: اگر پوتے نے دادی کا دودھ پیا ہو تو کیا اس کا نکاح اس کے چچا اور پھوپھی کی کسی بیٹی سے کر دیا جا سکتا ہے؟

(عاصمہ نازی آباد لاہور)

جواب: اگر پوتے نے اپنی دادی کا دودھ پانچ دفعہ پی لیا ہو یعنی پانچ سالوں میں پیا ہو تو وہ چچا اور پھوپھی کا رضاعی بھائی بن چکا ہے اور اپنے چچا کی بیٹی کا چچا اور اپنی پھوپھی کی بیٹی کا ماموں بن چکا ہے، لہذا ان کا آپس میں نکاح جائز نہیں۔ یَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعَةِ مَا یَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک دفعہ دودھ پینے سے رضاعت کی حرمت ثابت نہیں ہوتی

سوال: گزارش ہے کہ ہمارے ہاں یہ ایک مسئلہ پیش آیا ہے کہ ایک عورت ایک دوسرے بچے کو اپنا دودھ پلائے صرف ایک دفعہ دودھ پلائے۔ کیا اس عورت کی بچی کے ساتھ اس بچے کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: الجواب بعون الوھاب و منہ الصدق والصواب: بشرط صحت سوال مسئولہ اس بچے کا اس عورت کی بچی کے ساتھ شرعاً نکاح جائز ہے، کیونکہ ایک دفعہ دودھ پلانے سے حرمت رضاعت شرعاً ثابت نہیں ہوتی، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث مروی ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ. اخرجه احمد و مسلم ج۱ ۴۶۹ واھل السنن وعنها انها قالت كَانَ فِيمَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُنَّ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ. [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پہلی حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ ایک دفعہ اور دو دفعہ دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ اور دوسری حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے قرآن مجید میں دس رضعات سے حرمت رضا ثابت ہونے کا حکم نازل ہوا تھا، پھر یہ حکم منسوخ ہو کر پانچ رضعات (یعنی پانچ دفعہ دودھ پینا) سے حرمت رضاعت ثابت ہونے کا حکم نازل ہوا۔ وھذا مذھب عبداللہ بن مسعود و عائشہ و عبداللہ بن الزبیر و عطاء و طاؤس والشافعی واحمد فی ظاھر مذھبہ وابن حزم و اکثر اھل الحدیث۔ فقہ السنۃ ج ۲ ص ۶۷ ۔ ۶۸۔

تاہم اکثر فقہاء کے نزدیک مطلق رضاع سے حرمت رضاعت ثابت ہو چکی ہے قلیل ہو خواہ کثیر۔

[1] رواہ مسلم و ابوداؤد و النسائی، فقہ السنۃ ج ۲ ص ۶۷ وسبل السلام ج ۳ ص ۲۱۶۔

قَالَ فِي المسوى ذَهَبَ الشَّافِعِيُّ إِلَى أَنَّهُ لاَ يَثْبُتُ حُكْمُ الرَّضَاعِ فِي أَقَلِّ مِنْ خَمْسِ رَضَعَاتٍ مُتَفَرِّقَاتٍ وَذَهَبَ أَكْثَرُ الْفُقَهَاءِ مِنْهُمْ مَالِكٌ وَأَبُوْ حَنِيْفَةَ إِلَى أَنَّ قَلِيْلَ الرَّضَاعِ وَكَثِيْرِهِ مُحَرِّمٌ. وَهٰذَا مَذْهَبُ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَالْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ وَالزُّهْرِيِّ وَقَتَادَةَ وَحَمَّادٍ الْأَوْزَاعِيِّ وَالثَّوْرِيِّ وَأَبِيْ حَنِيْفَةَ وَمَالِكٍ وَرِوَايَةٌ عَنْ أَحْمَدَ. ❶

اکثر فقہاء کا استدلال نصوص مطلقہ سے ہے اور مطلق کا مقید پر محمول کرنا قاعدہ مسلمہ ہے بناء علیہ مسلک امام شافعیؒ کا راجح یعنی زیادہ صحیح ہے۔

امام محمد بن علی الشوکانی رحمہ اللہ اس مسئلہ کو مع مَالَهَا وَمَا عَلَيْهَا کے تحریر کر کے آخر میں فیصلہ کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔ فظاهر ماذهب اليه القائلون باعتبار الخمس یعنی ظاہراً انہی لوگوں کا قول ہے جو لوگ خمس رضعات (پانچ دفعہ پستان مونہہ میں ڈال کر دودھ پینا میں) رضعات کے قائل ہیں، ان کے نام نامی یہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عائشہؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ رضی اللہ عنہم امام عطاء طاؤس سعید بن جبیر عروہ بن زبیر لیث بن سعد شافعیؒ احمدؒ اسحاقؒ ابن حزم رحمہم وجماعة من اهل العلم حضرت علیؓ سے بھی یہی مذہب مروی ہے۔ ومن اراد التفصيل فليراجع الى نيل الاوطار و سبل السلام و تحفة الاحوذى و فتح البارى۔

فیصلہ اور خلاصہ کلام یہ کہ صورت مسئولہ میں حکم رضاعت ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا صورت مسئولہ میں اس لڑکے کا اس لڑکی کے ساتھ نکاح جائز ہے امام محمد بن اسماعیل الکحلانی، حضرت مولانا محمد علی پنجابی، حافظ عبدالرحمان مبارک پوری، شیخ الکل السید نذیر حسین محدث دہلوی اور نواب صدیق حسن خان قنوجی نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ھٰذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

صورت مسئولہ لڑکا اور لڑکی رضاعی بہن بھائی ہیں

مندرجہ ذیل مسئلہ میں کتاب و سنت کی روشنی سے بتا کر مشکور فرمادیں:

ا۔ زید کی دو بیویاں ہیں ان دونوں میں سے ایک کی لڑکی پیدا ہوئی ہے، لڑکی نے اپنی ماں کا دودھ پیا ہے اور بکر زید کا رشتہ دار ہے۔ بکر نے زید کی دوسری بیوی کا دودھ پیا ہے۔ کیا زید کی لڑکی بکر کے نکاح میں آ سکتی ہے؟ مہربانی کر کے ضرور بتائیں اور مفصل لکھیں بڑی نوازش ہوگی۔ (سائل: حافظ حبیب الرحمٰن متعلم مدرسہ دارالحدیث محمدیہ عبداللہ والا معرفت ڈاکٹر حشم رضا نیا بازار لودھران ملتان)

الجواب: ھو الموفق۔ صورت سوال کے مطابق بکر زید کا رضاعی بیٹا بن چکا ہے کیونکہ بکر نے زید کی دوسری بیوی کا دودھ پیا ہے اور دودھ کی ساخت میں میاں بیوی کا برابر کا حصہ ہے، لہٰذا بکر اور زید کی دوسری بیوی کی بیٹی آپس میں رضاعی بہن بھائی ہیں اور جس طرح حقیقی بہن بھائیوں کی آپس میں نکاح حرام ہے اسی طرح رضاعی بہن بھائیوں کا بھی آپس میں

❶ فتاویٰ نذیریہ ج ۳ ص ۱۵۲ و فقه السنة ج ۲ ص ۶۶۔

نکاح حرام ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں ہے:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ۔ ❶

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے دودھ کے وہ رشتے بھی حرام کر دیے ہیں جو ولادت کے رشتے حرام کیے ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا حَرَّمَ مِنَ الْوَلَادَةِ ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَّ حَدِيْثُ عَلِيٍّ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ وَّالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ عَامَّةِ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ لِاَنَّهُمْ لَا نَعْلَمُ بَيْنَهُمْ فِيْهِ ذٰلِكَ اِخْتِلَافًا۔ ❷

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے رضاعت کے بھی وہ رشتے حرام کر دیے ہیں جو ولادت کے رشتے حرام کیے ہیں' صحابہ کرام اور تابعین میں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَ عَمِّيْ مِنَ الرَّضَاعَةِ يَسْتَأْذِنُ عَلَيَّ فَاَبَيْتُ اَنْ اٰذِنَ لَهٗ حَتّٰى اَسْتَأْمِرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ فَاِنَّهٗ عَمُّكِ قَالَتْ اِنَّمَا اَرْضَعَتْنِي الْمَرْاَةُ وَلَمْ يُرْضِعْنِي الرَّجُلُ۔ قَالَ فَاِنَّهٗ عَمُّكِ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔ ❸

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میرے رضاعی چچا افلح نے میرے گھر آنے کی اجازت مانگی میں نے کہا جب تک میں رسول اللہ ﷺ سے مشورہ نہ کرلوں اس وقت تک اجازت نہیں دے سکتی تو آپ نے فرمایا کہ ہاں وہ آ سکتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ دودھ تو مجھے عورت نے پلایا ہے مرد نے نہیں پلایا تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ تیرا رضاعی چچا ہے اسے آنا چاہیے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ لَّهٗ جَارِيَتَانِ اَرْضَعَتْ اِحْدٰهُمَا جَارِيَةً وَّالْاُخْرٰى غُلَامًا اَيَحِلُّ لِلْغُلَامِ اَنْ يَّتَزَوَّجَ الْجَارِيَةَ فَقَالَ لَا اللِّقَاحُ وَاحِدٌ ۔ وَهٰذَا تَفْسِيْرُ لَبَنِ الْفَحْلِ وَهٰذَا الْاَصْلُ فِيْ هٰذَا الْبَابِ وَهُوَ قَوْلُ اَحْمَدَ وَاِسْحٰقَ۔ ❹

''حضرت ابن عباس سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی کی دو لونڈیاں ہیں' ایک نے ایک بچی کو دودھ پلایا ہے اور دوسری

❶ تحفۃ الاحوذی: ج ۲، ص ۱۹۷۔
❷ تحفۃ الاحوذی: ج ۲، ص ۱۹۸۔
❸ تحفۃ الاحوذی ج ۲، ص ۱۹۸۔
❹ تحفۃ الاحوذی: ج ۲، ص ۹۸۔

نے دوسرے بچے کو دودھ پلایا ہے۔ کیا اس بچی اور بچے کا آپس میں نکاح ہوسکتا ہے تو حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ نہیں کیونکہ سانڈ ایک ہے۔''

بہر حال ان صحیح احادیث کے مطابق بکر اور زید کی دوسری بیوی سے پیدا ہونے والی لڑکی کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ دونوں آپس میں رضاعی بھائی بہن ہیں۔ واللہ اعلم ونسبة العلم الی اللہ اسلم .

زید نے اپنی بیوی کا پستان منہ میں لے لیا اس کی سزا کیا ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں بینوا توجروا؟
زید نے بوقت جماع فرط محبت میں اپنی بیوی کا پستان اپنے منہ میں لے لیا جیسے بچہ اپنی ماں کا دودھ پیتا ہے۔ لیکن پستان منہ میں لے لینے کے باوجود پستان سے دودھ نہیں نکلا اور پھر پستان چھوڑ دیا۔ اس صورت میں زید سے جو فعل سرزد ہوا ہے شرع میں اس کی کوئی سزا ہے تو کیا؟ یا اپنے رب سے معافی کی صورت میں زید کسی سزا کا مستحق نہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی کی رو سے فتویٰ جاری فرمایا جائے۔ نوازش ہوگی۔ (سائل زید معرفت حافظ محمد ایاز خطیب جامع مسجد اہل حدیث جمبر کلاں ضلع قصور)

جواب: الجواب بعون الوهاب و منه الصدق والصواب بشرط صحت سوال: صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ نکاح بحال اور قائم ہے کیونکہ رضاعت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب کہ دودھ پینے والے کی عمر صرف دو برس کے اندر ہو، جیسا کہ مؤطا امام محمد کے باب الرضاعۃ میں ہے۔

امام نووی نے شرح صحیح مسلم کے اندر اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ ایک لغو حرکت اور غلط کام ہے جس سے پرہیز لازم ہے، تاہم ایسا کرنے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ملاحظہ کتاب صحیح مسلم مع شرح نووی کتاب الرضاع۔

بنا بریں زید کو اپنی اس لغو اور فضول حرکت سے توبہ کرنی چاہیے اور آئندہ ایسی حرکت سے باز رہنا ضروری ہے۔ هذا ما عندی و اعلم بالصواب .

مسئلہ بعنوان رضاعت:

سوال: میری والدہ صاحبہ نے غلطی سے اپنی بھتیجی کو دودھ پلا دیا تھا اب اس بھتیجی کا رشتہ مجھ سے طے پایا ہے، جب کہ ہم دونوں میں دودھ پینے کی مدت کا فرق دو سال کا ہے۔ کیا یہ نکاح جائز ہوگا؟ اس مسئلے کو قرآن و حدیث کے حوالے سے تحریر کریں نکاح کی تاریخ ۳۰ نومبر مقرر ہو چکی ہے۔ (محمد شفیق پسرور ضلع سیالکوٹ)

جواب: الجواب و منه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ جس طرح حقیقی ہمشیرہ سے نکاح حرام ہے اسی طرح رضاعی ہمشیرہ سے بھی نکاح حرام ہے چونکہ آپ کی تصریح کے مطابق آپ کی منسوبہ لڑکی کو آپ کی والدہ دودھ پلا چکی ہیں، لہٰذا وہ آپ کی رضاعی ہمشیرہ بن چکی ہے یہ کوئی ضروری نہیں کہ رضاعت کے ثبوت کے لئے ایک ساتھ ہی دودھ پیا جائے۔

۱۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُم مِّنَ الرَّضٰعَةِ﴾ (نساء: ۲۳)

"اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ کی بہنیں تم پر حرام کی گئی ہیں۔"

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

اَیْ كَمَا يَحْرُمُ عَلَيْكَ أُمُّكَ الَّتِیْ وَلَدَتْكَ كَذٰلِكَ يَحْرُمُ عَلَيْكَ أُمُّكَ الَّتِیْ أَرْضَعَتْكَ۔ (ج۱، ص ۶۹)

۲۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا حَرَّمَ مِنَ الْوِلَادَةِ۔[1]

"حضرت عائشہ ام المومنین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک رضاعت بھی ان رشتوں کو حرام کر دیتی ہے جنہیں نسب حرام قرار دیتی ہے۔"

لہٰذا ان دونوں حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ رضاعی ہمشیرہ کے ساتھ نکاح حرام ہے، اس لئے آپ کی پھوپھی زاد بہن چونکہ آپ کی والدہ کا دودھ پیا ہے لہٰذا وہ آپ کی رضاعی ہمشیرہ بن چکی ہے۔ بشرطیکہ اس نے تین بار دودھ پیا ہو، یعنی تین دفعہ پستان منہ میں ڈال کر دودھ پیا ہو اگر اس سے کم مرتبہ دودھ پیا ہو تو پھر رضاعت ثابت نہیں ہوگی اور نکاح جائز ہوگا۔

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب۔

خاوند کا اپنی بیوی کا پستان چوسنا اور اس کا شرعی حکم

﴿سوال﴾ : میرا خاوند میری چھاتی منہ میں عرصہ دو سال ڈالتا رہا جب اس کو اس غلطی کا احساس ہوا تو وہ مولانا سید احمد شاہ صاحب (مرحوم) گجرات والے کے پاس گیا اور ان سے مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے یہ لکھ کر دیا۔

صورت مذکورہ میں بیان ہے کہ اگر کوئی مرد اپنی عورت کی چھاتی منہ میں ڈالے تو یہ فعل مکروہ ہے لیکن اس سے نکاح میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

لیکن ان کے اس فیصلے پر میں نے دل سے یقین نہ کیا اور اپنے خاوند کے پاس بیٹھی رہی۔ لیکن دس سال گزر جانے کے بعد پھر میں نے اپنے خاوند سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہمارا نکاح ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن میرا خاوند مجھے بار بار کہتا رہا کہ ہمارا نکاح ٹھیک ہے لیکن زیادہ مجبور کرنے پر ایک دن غصے میں آ کر مجھے سمجھانے کے لئے اس نے یہ کہہ دیا کہ میں تو تیری چھاتی دودھ چوسنے کے لئے تو منہ میں نہیں ڈالتا تھا لیکن تیرے کہنے پر منہ میں ڈالتا تھا۔ یہ الفاظ میرے خاوند کو کہے ہوئے دو ماہ ہو گئے ہیں۔ (براہ مہربانی) آپ یہ فرمائیں کہ اس میں میرے خاوند کا کیا جرم ہے اور میرا کیا جرم ہے؟ ہمارا نکاح ٹھیک ہے یا غلط ہو گیا ہے۔ (سائلہ صفیہ بیگم گجرات)

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ٤٦٩ صحیح البخاری ج ۲ ص ٧٦٤.

جواب: صورت مسئولہ میں مفتی سید احمد شاہ مرحوم کا جواب بالکل درست اور صحیح ہے۔ یعنی مذکورہ فعل کی وجہ سے نکاح پر کوئی اثر نہیں۔ چنانچہ امام نووی نے صحیح مسلم کی شرح کتاب الرضاع میں وضاحت کی ہے کہ اگر شوہر اپنی بیوی کے ساتھ اختلاط کے وقت اپنی بیوی کا پستان منہ میں ڈال کر چوس لے اور دودھ کا قطرہ حلق میں چلا جائے تب بھی نکاح نہیں ٹوٹتا۔ گو یہ فعل مکروہ ہے، تاہم نکاح بالکل صحیح اور قائم رہتا ہے۔ دوسری بات قابل غور یہ ہے کہ رضاعت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب دودھ یا پستان چوسنے والے کی عمر دو سال سے زیادہ نہ ہو اور اس کی غذا صرف دودھ ہی ہو۔ اور یہ جمہور علمائے امت کے ہاں اتفاقی اور اجماعی ہے۔ جیسا کہ موطا امام محمد میں ہے: اَخْبَرَنَا مَالِكٌ اَخْبَرَنَا نَافِعٌ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُولُ لَا رَضَاعَةَ اِلَّا لِمَنْ اَرْضَعَ فِي الصِّغَرِ۔ ❶

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رضاعت نہیں ثابت ہوتی مگر اس صورت میں جب کسی بچے کو اس کے بچپنے میں دودھ پلایا جائے۔''

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کسی بالغ مرد کو کوئی عورت دودھ پلا دے تو وہ مرد اس کا دودھ کا بیٹا نہیں بن سکتا، اس لئے آپ کا یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ اس طرح آپ کا شوہر آپ کا بیٹا بن چکا ہے۔ یہ سراسر شیطانی وسوسہ ہے اس کو پرے جھٹک دیں آپ کا نکاح بہرحال درست اور قائم ہے۔ شیطان کے پیچھے لگ کر گھر کا سکون تباہ نہ کریں، تاہم آئندہ اپنے شوہر کو محتاط رہنے کی کوشش کریں۔ هذا ما عندي و اعلم بالصواب۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں بینوا توجروا۔

رضاعت دودھ پینے والے تک محدود رہتی ہے متعدی نہیں ہوتی

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین کہ نذیر نامی لڑکے نے فاطمہ نامی عورت کا دودھ پیا ہے۔ جب کہ اس فاطمہ بی بی کی لڑکی زبیدہ جوان ہے۔ کیا اس زبیدہ نامی لڑکی کا نکاح نذیر کے دوسرے بھائی کے ساتھ شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ یاد رہے اس بشیر نامی لڑکے نے فاطمہ کا دودھ نہیں پیا۔

(سائل مولوی بابا مشتاق نبی پور پیراں ضلع شیخوپورہ و مولوی محمد اسحاق بلوچ ناظم مرکزی جمعیت اہل حدیث ڈیرہ غازی خاں)

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ رضاعت کا رشتہ نسبی رشتہ کی طرح وسیع الذیل یعنی متعدی نہیں بلکہ دودھ پینے والے تک ہی محدود رہتا ہے۔ یعنی رضاعی والدہ کی بیٹی صرف دودھ پینے والے لڑکے ہی کی رضاعی ہمشیرہ ہوگی۔ اس کے بھائیوں کی ہمشیرہ نہیں ہوگی۔ جنہوں نے اس لڑکی کی والدہ کا کسی وقت دودھ نہیں پیا۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر حدیث الرضاعة تحرم ما تحرم الولادة کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں:

❶ باب الرضاع ص ۲۷٤ و ۲۷٥.

وَلاَ يَتَعَدّ التَّحْرِيمُ إِلَى اَحَدٍ مِنْ قَرَابَةِ الرَّضِيعِ فَلَيْسَتْ اَخِيْهِ مِنَ الرَّضَاعَةِ اُخْتاً لِاَخِيهِ وَلاَ بِنْتاً لِاَبِيهِ إِذْ لَارَضَاعَ بَيْنَهُمْ وَالْحِكْمَةُ فِي ذَالِكَ اَنَّ سَبَبَ التَّحْرِيمِ مَا يَنْفَصِلُ مِنْ اَجْزَآءِ الْمَرْأَةِ وَزَوْجِهَا وَهُوَ اللَّبَنُ فَإِذَا اغْتَذَى بِهِ الرَّضِيعُ صَارَ جُزْءاً مِنْ اَجْزَائِهِمَا فَانْتَشَرَالتَّحْرِيمُ بَيْنَهُمْ بِخِلَافِ قَرَابَاتِ الرَّضِيعِ لِاَنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْمُرْضِعَةِ وَلَا زَوْجِهَا نَسَبٌ وَلَا سَبَبٌ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ . ❶

کہ رضاعت کے سبب سے پیدا ہونے والی حرمت دودھ پینے والے کے دوسرے رشتہ داروں تک نہیں پہنچتی کہ انہوں نے رضیع کی رضاعی ماں کا دودھ پیا نہیں ہوتا۔

امام محی السنہ البغوی ارقام فرماتے ہیں وَلَا تَحْرُمُ الْمُرْضِعَةُ عَلَى رَبِّ الرَّضِيعِ وَلَا عَلَى اَخِيهِ وَلَا تَحْرُمُ بِنْتُ اُمِّ اُخْتِكَ مِنَ الرَّضَاعِ إِذَا لَمْ تَكُنْ اُمًّا لَكَ وَلَا زَوْجَةَ اَبِيكَ وَيَتَصَوَّرُ هٰذَا فِي الرِّضَاعِ وَلَا يُتَصَوَّرُ فِي النَّسَبِ لَكَ اُمُّ اُخْتٍ إِلَّا وَهِيَ اُمٌّ لَكَ اَوْزَوْجَةٌ لِاَبِيكَ ۔ شرح السنہ ج ۵ ص ۶۰ ۔ مولانا شمس الحق دیانوی اسی حدیث کی شرح میں تصریح فرماتے ہیں۔

وَلَا يَسْرَى التَّحْرِيمُ مِنَ الرَّضِيعِ إِلَى اٰبَائِهِ وَاُمَّهَاتِهِ وَاِخْوَتِهِ وَ اخوَاتِهِ فَلِاَبِيهِ اَنْ يَنْكِحَ الْمُرْضِعَةَ . ❷ رضاعت سے پیدا ہونے والی حرمت نہ تو رضیع (دودھ پینے والے بچے) کے والد تک پہنچتی ہے نہ اس کی ماؤں' بھائیوں اور بہنوں تک پہنچتی ہے۔

علماء محققین کی اس تحقیق انیق سے ثابت ہوا کہ رضاعت کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی حرمت صرف رضیع تک محدود رہتی ہے، لہٰذا صورت مسئلہ میں بشیر اپنے بھائی نذیر کی رضاعی ہمشیرہ کے ساتھ شرعاً نکاح کر سکتا ہے۔ اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔ ہاں نذیر اپنی رضاعی بہن زبیدہ سے نکاح نہیں کر سکتا کہ وہ اس کی رضاعی بہن ہے، خواہ نذیر نے اس کے ساتھ دودھ پیا ہو یا آگے پیچھے پیا ہو۔ هذا ما عندي و اعلم بالصواب .



❶ فتح الباری شرح صحیح البخاری ج۹ ص ۱۷۵ و ۱۷۶۔
❷ عون المعبود ۔ عون المعبود شرح سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۷۸۔

ولایت نکاح

شرعی جواز کے بغیر کسی جج کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں

﴿سوال﴾: محمد اسلم ولد ولایت خاں کا نکاح شریعت محمدی ﷺ کے مطابق مسمات نسرین بی بی دختر فجر دخاں کے ساتھ مورخہ ۸۹-۸-۱۵ ہوا تھا، مسمات نسرین بی بی نے میرے اوپر جھوٹا الزام لگا کر سول جج چونیاں ضلع قصور میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر کر دیا۔ جس کا مجھے قطعی علم نہ تھا اور اس نے میرے والد کا نام بجائے ولایت خان کے حشمل خاں لکھوا کر عدالت میں یک طرفہ فیصلہ مورخہ ۹۶-۱۰-۲۸ کو کرا لیا جس کا قطعی طور پر مجھے علم نہ تھا اور نہ ہی میں عدالت میں حاضر ہوا۔

بعد ازیں مسمات نسرین بی بی نے مورخہ ۹۷-۲-۲۵ کو مسمی محمد اسحاق ولد بڈھے خاں سے نکاح ثانی کر لیا اور اب وہ اس کے گھر آباد ہے، کیا شریعت محمدی ﷺ کے مطابق یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

اور اگر یہ نکاح درست نہیں تو مسمات نسرین بی بی و محمد اسحاق پر شریعت محمدی ﷺ کے مطابق کون سا جرم عائد ہوتا ہے اس کی کیا سزا ہے؟ مفصل قرآن و حدیث کی روشنی میں فتویٰ فرمایئے۔

نوٹ: مطلقہ کتنے دن کے بعد نکاح ثانی کر سکتی ہے؟

(سائل: محمد اسلم ولد ولایت خاں موضع کاہنہ نو تحصیل کینٹ ضلع قصور)

﴿جواب﴾ الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ طلاق دینے کا حق صرف شوہر کو ہی شرعاً حاصل ہے کوئی دوسرا شخص طلاق دینے کا حق نہیں رکھتا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

۱۔ ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ ﴾

۲۔ ﴿ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْفَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ﴾ (البقرة: ۲۳۲)

ان دونوں آیات مقدسہ میں نکاح و طلاق کی اسناد شوہر ہی کی طرف کی گئی ہے: لہٰذا ثابت ہوا کہ طلاق کا اختیار صرف شوہر ہی کو حاصل ہے۔ حدیث میں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَتَى النَّبِيَّ ﷺ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سَيِّدِيْ زَوَّجَنِيْ اَمَتَهٗ وَهُوَ يُرِيْدُ اَنْ يُفَرِّقَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَهَا قَالَ فَصَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الْمِنْبَرَ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ مَا بَالُ اَحَدِكُمْ زَوَّجَ عَبْدَهٗ اَمَتَهٗ ثُمَّ يُرِيْدُ اَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَهُمَا اِنَّمَا الطَّلَاقُ لِمَنْ اَخَذَ

بِالسَّاقِ ❶

"ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے آقا نے میرا نکاح اپنی لونڈی کے ساتھ کر دیا تھا اب وہ ہمارے درمیان تفریق کرانا چاہتا ہے تو یہ سن کر رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا لوگو! فلاں آدمی کیسا عجیب شخص ہے کہ اپنی لونڈی کا اپنے غلام کے ساتھ نکاح کرنے کے بعد اب اس جوڑے میں تفریق یعنی طلاق کا ارادہ کر بیٹھا ہے یاد رکھو وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔ کیونکہ طلاق دینے کا اختیار صرف شوہر کے ہاتھ میں ہے" انہی آیات کریمہ اور حدیث مذکورہ کی بنیاد پر جمہور فقہائے سلف وخلف اس طرف گئے ہیں کہ طلاق بدون شہادت کے شرعاً واقع ہو جاتی ہے کیونکہ طلاق صرف شوہر کا حق ہے، کسی اور کا نہیں ہے۔

علامہ محقق اور مصری سکالر السید محمد سابق یہ تصریح فرماتے ہیں:

ذَهَبَ جُمْهُوْرُ الْفُقَهَاءِ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ إِلٰى أَنَّ الطَّلَاقَ يَقَعُ بِدُوْنِ إِشْهَادٍ لِأَنَّ الطَّلَاقَ مِنْ حُقُوْقِ الرَّجُلِ ❷

اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ عام حالات میں طلاق دینے کا حق صرف شوہر کو حاصل ہے، کسی دوسرے کو کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

عورت کے حقوق کا تحفظ

شوہر کے اس حق کو تسلیم کرتے ہوئے بیوی کے حقوق کی پاسبانی کے پیش نظر شرعاً قاضی کو حسب ذیل پانچ صورتوں میں بیوی کے مرافعہ پر تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کرنے کا اختیار ہے۔

۱۔ اَلتَّطْلِيْقُ لِعَدَمِ النَّفَقَةِ: فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ کے پیش نظر امام مالک، امام شافعی اور امام احمد اس طرف گئے ہیں کہ جب کوئی شوہر اپنی بیوی کے نان ونفقہ کی ادائیگی میں عمداً کوتاہی کر رہا ہو یا بوجہ اعسار و افلاس کے نان ونفقہ ادا کرنے سے قاصر ہو اور اس کی بیوی اس صورت حال میں اس کے ساتھ نباہ کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔

۲۔ التطليق لعيب الزوج: جب خاوند کو کوئی [illegible] بیماری کا مریض ہو یعنی [illegible]

۳۔ التطليق للضرر: امام مالک فرماتے ہیں کہ جب شوہر اپنی بیوی پر ظلم وتعدی کا مرتکب ہو اور اس کی ایذا رسانی پر مستعد ہو، یعنی ایسی تکلیف پہنچا رہا ہو جو عورت کی برداشت سے باہر ہو یا اس کو کسی غیر اخلاقی قول وفعل، یعنی گالی گلوچ اور گناہ کے دھندہ پر مجبور کرتا ہو اور بیوی اپنے دعویٰ کے اثبات میں ایسی شہادت پیش کر دے جس سے عدالت کو اطمینان ہو جائے یا شوہر اقبال جرم کر لے اور بیوی ان حالات میں رشتہ ازدواج بحال رکھنے پر تیار نہ ہو۔

---

❶ ابن ماجة باب طلاق العبد [illegible] وارواء الغليل ج ۷ ص ۱۰۸ ❷ فقه السنة ج ۲ ص ۲۲۰ [illegible]

۴۔ اَلتَّطْلِيْقُ لِغَيْبَةِ الزَّوْجِ۔ امام مالک اور امام احمد کے مذہب کے مطابق (۱) شوہر اگر گھر سے غائب رہتا ہے (۲) خاوند کی اس غیوبت سے عورت کو تکلیف پہنچتی ہے (۳) شوہر بیوی کے شہر کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں رہتا ہو۔ (۴) بیوی کے شہر میں رہتا ہے مگر بیوی کے پاس آنا جانا بند کر رکھا ہے۔ (۵) اس قطع تعلق پر ایک برس گزر چکا ہے اور بیوی اپنے شوہر کے اس رویہ کی تاب نہیں رکھتی۔

۵۔ اَلتَّطْلِيْقُ لِحَبْسِ الزَّوْجِ۔ اگر خاوند کسی جرم کے ارتکاب پر تین سال کی قید ہو گیا ہے اور یہ فیصلہ عدالت مجاز کا آخری فیصلہ ہے اور خاوند کو قید ہوئے ایک برس ہو گیا ہے اور اس کی بیوی اس تنہائی کی زندگی کو پسند نہیں کرتی۔ تو امام مالک اور احمد بن حنبل کے نزدیک بیوی تنسیخ نکاح کی ڈگری حاصل کرنے کی غرض سے عدالت مجاز میں مرافعہ کر سکتی ہے تو قاضی (جج) پوری دیانت داری اور غیر جانبداری کے ساتھ عدل و انصاف کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اور مدعیہ کے شوہر کو حسب ضابطہ پیچ بیچ باخبر کر کے عدالت میں حاضر ہو کر اپنا موقف پیش کرنے کی اطلاع دینے کے بعد اور بلا کسی ترغیب و تحریص کے رشوت اور انتقامی جذبہ کو ٹھوکتے ہوئے تنسیخ نکاح کی ڈگری جاری کر سکتا ہے۔ ان مذکورہ بالا پانچ صورتوں کے علاوہ کسی بڑے سے بڑے جج کو شریعت کا پیش کردہ الٰہی قانون انصاف اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتا کہ وہ بیویوں کے جھوٹے سچے اور کچے گواہوں کی شہادت پر تنسیخ نکاح کی ڈگریاں جاری کرتا رہے یا رشوت لے کر خاوند کو اطلاع دیئے بغیر تنسیخ نکاح کی ڈگریاں فروخت کرتا پھرے۔ ایسے غلط فیصلے کرنے والا جج اگر مسلمان ہے تو وہ یقیناً کتاب و سنت کے تقاضوں کو ٹھکرانے والا ہے اور حدود اللہ سے تجاوز کرنے والا ہے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے [illegible]

پس اگر صورت مسئولہ میں فاضل جج نے اسلامی قانون عدل و انصاف کے تقاضوں، شہادت اور نصاب شہادت کی پوری پوری پابندی کرتے ہوئے مسائل محمد عالم ولد ولایت خان کو باقاعدہ سمن جاری کر کے حاضر عدالت ہونے کا حکم دینے کے بعد ڈگری جاری کی ہے تو یہ فاضل جج عند اللہ ماجور ہے ورنہ بصورت دیگر عند اللہ علی رؤس الخلائق جواب دہی کے لئے تیار رہے۔ کہ اس عارضی عدالت کے حقوق کو اس بے لاگ دائمی عدالت میں پیش ہونا ہے کہ جس کے علیم و خبیر جج کو نہ دھوکا دیا جا سکتا ہے نہ تحریف کی جا سکتی ہے نہ اسے دھوکہ دیا جا سکتا ہے اور نہ مکر و فریب اور حیلے بہانے سے پھسلایا جا سکتا ہے۔

بشرط صحت سوال اگر واقعی یہ یک طرفہ ڈگری عدل و انصاف کے جملہ تقاضوں کو پامال کرتے ہوئے جاری کی گئی ہے تو یہ غیر منصفانہ ڈگری عند اللہ نافذ نہیں ہوئی۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ وَإِنَّهُ يَأْتِينِي الْخَصْمُ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَبْلَغَ مِنْ بَعْضٍ فَأَحْسِبُ أَنَّهُ صَادِقٌ فَأَقْضِي لَهُ بِذَلِكَ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَإِنَّمَا هِيَ قِطْعَةٌ مِنَ النَّارِ فَلْيَأْخُذْهَا أَوْ لِيَتْرُكْهَا. بَابُ مَنْ قُضِيَ لَهُ بِحَقِّ أَخِيهِ فَلَا يَأْخُذُهُ فَإِنَّ قَضَاءَ الْحَاكِمِ لَا يُحِلُّ حَرَامًا وَلَا يُحَرِّمُ حَلَالًا ❶

’’کہ میں بھی بہرحال انسان ہوں میرے پاس مقدمہ آتا ہے اور فریقین میں ایک فریق چرب لسان اور تیز و طرار

❶ بخاری، ج ۲ ص ۱۰۶۴، ۱۰۶۵۔

ہوتا ہے فرفر باتیں کرتا چلا جاتا ہے میں اس کی چرب لسانی کی وجہ سے اس کو سچا سمجھ کر اس کے حق فیصلہ میں کردوں تو یاد رکھو، میرا وہ فیصلہ جہنم کا ایک قطعہ ہے۔ (کیونکہ قاضی کا غلط فیصلہ عنداللہ نافذ نہیں ہوتا، یعنی اس کے غلط فیصلہ سے حرام چیز حلال نہیں ہوتی اور حلال چیز حرام نہیں ہوتی) لہٰذا چاہے تو وہ اس جہنم کو قبول کرے چاہے تو چھوڑ دے۔

پس اگر واقعی یہ یک طرفہ فیصلہ ہے تو اس فیصلہ کی بنیاد پر پڑھا گیا دوسرا نکاح باطل ہے کیونکہ یہ نکاح پر نکاح ہے جو کہ قرآن مجید کی درج ذیل نص جلی کے ساتھ حرام ہے۔ آیت یہ ہے:

﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتَابَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ (سورة النساء: ٢٤)

''اور (حرام کی گئیں) شوہروں والی عورتیں مگر وہ جو تمہاری ملکیت میں آ جائیں۔ نے یہ احکام تم پر فرض کر دیئے ہیں۔''

امام ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں:

اَیْ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْاَجْنَبِيَّاتِ الْمُحْصَنٰتِ وَهُنَّ الْمُزَوَّجَاتُ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ . ❶

یعنی شوہروں والی عورتیں بھی تم پر حرام ہیں مگر تمہاری لونڈیاں حلال ہیں۔

پس اس نص جلی کے مطابق دوسرا نکاح حرام ٹھہرا، یعنی منعقد ہی نہیں ہوا۔ اور جب یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا تو اس نئے جوڑے کے ازدواجی تعلقات سفاح محض اور سراسر زنا کاری ہے اور ازروئے قرآن کنوارے مرد اور کنواری عورت کی سزا نصاب شہادت کی تکمیل پر سوسو کوڑے ہے: (اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (النور ٢ ٩) اور شادی شدہ اور عورت پر حد رجم ہے جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الحدود میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ الْاَنْصَارِيِّ اَنَّ رَجُلًا مِنْ اَسْلَمَ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَحَدَّثَهُ اَنَّهُ زَنٰى فَشَهِدَ عَلٰى نَفْسِهِ اَرْبَعَ شَهَادَاتٍ فَاَمَرَ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَرُجِمَ وَكَانَ قَدْ اَحْصَنَ . ❷

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بنو سلیم کا ایک آدمی (ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ حضرت میں زنا کر بیٹھا ہوں اور پھر چار دفعہ اقبال جرم کیا تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو رجم کر دیا جائے، چنانچہ ان کو رجم کرا دیا گیا وہ اس وقت شادی شدہ تھے۔

اگر فاضل جج نے سائل محمد اسلم کی طلبی کے نوٹس جاری کئے اور عدالت میں حاضر ہونے کے لئے باضابطہ اس کے سمن جاری کئے مگر مدعیہ نے عدالت کے اہل کاروں کے ساتھ ملی بھگت اور مکر مکا کر کے سائل مذکور کو بے خبر اور فاضل جج کو اندھیرے میں رکھا ہے تو اس صورت میں جج صاحب عنداللہ بری اور بے گناہ ہیں۔ ورنہ بصورت دیگر ان کو اپنے اس غلط فیصلے سے توبہ

❶ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ٥١٦.

❷ صحیح بخاری، باب رجم المحصن ج ۲ ص ١٠٠٦ .

کرنی چاہیے اور آئندہ کے لئے محتاط رہنا چاہیے۔ یہ جواب بشرط صحت سوال تحریر میں لایا گیا ہے۔ بالصواب والیہ المرجع والمآب فی یوم الحساب

عورت ولی نکاح نہیں بن سکتی

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں:

یہ کہ میں مسمی غلام قادر ولد میاں قمر چک نمبر۱۴ ون ہے تحصیل وضلع اوکاڑہ کا رہائشی ہوں۔ یہ کہ مجھے ایک شرعی مسئلہ دریافت کرنا مقصود ہے۔ جو ذیل میں عرض کرتا ہوں۔

کہ میری حقیقی دختر مسمات نذیراں بی بی کا باپ کی اجازت کے بغیر نکاح ہوا، جبکہ نذیراں بی بی اپنی پھوپھی سے ملنے گئی تو اس نے درغلا کر اپنے لڑکے امیر ولد نور قوم مسلم شیخ چک نمبر ۳۵ ٹو آر تحصیل وضلع اوکاڑہ سے کر دیا تھا۔ جس کو ۷ ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے جب کہ مسمات نذیراں بی بی اس نکاح پر راضی نہ تھی اور نہ ہی مسمات اپنے خاوند مذکور کو پسند کرتی ہے اور جب کہ مسمات نذیراں بی بی نے نہایت ہی تنگدستی کے دن گزارے جبکہ مسمات نذیراں بی بی اپنے خاوند مذکور کے ہاں رہنا نہیں چاہتی اور نہ مذکوریہ اس کے ہاں آباد ہونے کو تیار ہے۔ بالآخر ایک دن موقع پا کر مذکوریہ نذیراں بی بی اپنے والدین کے ہاں آ گئی جس کو عرصہ تقریباً ۴ ماہ کا ہو چکا ہے اب مذکوریہ اپنے والدین کے ہاں زندگی کے دن گزار رہی ہے۔ ان حالات میں علمائے دین سے سوال ہے کہ اب نکاح جدید کی حق دار ہوں یا کہ نہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دے کر۔ عنداللہ ماجور ہوں کذب بیانی کا سائل خود ذمہ دار ہوگا۔

جواب: الجواب بعون الوھاب وھو اللھم للحق والصواب۔ بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ عورت نہ تو خود اپنا نکاح کر سکتی ہے اور نہ کسی دوسری عورت کی ولی بن سکتی ہے۔ جبکہ صحت نکاح کے لئے ولی مرشد کی اجازت ازبس ضروری ہے۔ صحیح بخاری میں باب ہے:

مَنْ قَالَ لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ لِقَوْلِ اللّٰهِ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ فَاحِلٌّ فِيْهِ الثَّيِّبُ وَ كَذَالِكَ الْبِكْرُ وَقَالَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَقَالَ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ. (ج ۲ ص ۷۶۹)

کہ اس بات کا بیان کہ جو شخص نکاح کی صحت کے ولی کی اجازت کو ضروری سمجھتا ہے وہ قرآن مجید کی اس آیت سے دلیل لیتا ہے کہ جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ عدت پوری کر لیں تو ان کو نکاح سے نہ روکو۔ یعنی اگر ولی کو کوئی اختیار ہی نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے ولیوں کو یہ حکم کیوں دیا ہے، لہٰذا ماننا پڑتا ہے کہ ولی کو حق ولایت حاصل ہے، عورت خواہ شوہر دیدہ ہو یا کنواری ہو۔ اور اسی طرح آیت لَاتُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ اور اَنْكِحُو الْاَيَامٰى میں بھی عورتوں کے لئے ولیوں کو حکم خطاب کیا گیا ہے۔ لہٰذا ان تینوں نصوص سے واضح ہوا کہ صحت نکاح کے لئے ولی مرشد کی اجازت ناگزیر ہے۔ ورنہ ان تینوں

آیات میں ولیوں کو خطاب کا کوئی معنی باقی نہیں اور کلام الٰہی عبث قرار پاتی ہے جبکہ ایسا ہونا محال ہے۔

۲۔ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ بْنِ اَبِی مُوسٰی عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ - رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْاَرْبَعَةُ وَ صَحَّحَهُ ابْنُ الْمَدِيْنِيِّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَ اَعَلَّهُ بِالْاِرْسَالِ - قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِيْنِيِّ حَدِيْثُ اِسْرَائِيْلَ فِي النِّكَاحِ صَحِيْحٌ وَ كَذَا صَحَّحَهُ الْبَيْهَقِيُّ وَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنَ الْحُفَّاظِ وَقَالَ الْحَاكِمُ وَقَدْ صَحَّتِ الرِّوَايَةُ فِيْهِ عَنْ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ عَائِشَةَ وَاُمِّ سَلَمَةَ وَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ قَالَ وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ وَ ابْنِ عَبَّاسٍ ثُمَّ سَرَدَ ثَلَاثِيْنَ صَحَابِيًّا - وَالْحَدِيْثُ دَلَّ عَلٰى اَنَّهُ لَا يَصِحُّ النِّكَاحُ اِلَّا بِوَلِيٍّ[1]

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ اور جمہور علماء امت کے نزدیک صحت نکاح کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے ورنہ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

۳۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ نُكِحَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَاِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے تو اس کا نکاح باطل ہے۔ اور دخول پر وہ عورت اپنے اس شوہر سے مہر حاصل کرے گی۔

۴۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُزَوِّجُ الْمَرْاَةُ الْمَرْاَةَ وَلَا تُزَوِّجُ الْمَرْاَةُ نَفْسَهَا۔[3]

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ کوئی عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ از خود اپنا نکاح کرے۔ یعنی عورت ولی نکاح نہیں بن سکتی۔

امام محمد بن اسماعیل الامیر الیمانی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ الْمَرْاَةَ لَيْسَ لَهَا وِلَايَةٌ فِي الْاِنْكَاحِ لِنَفْسِهَا وَلَا لِغَيْرِهَا فَلَا عِبَارَةَ لَهَا فِي النِّكَاحِ اِيْجَابًا وَّلَا قَبُوْلًا فَلَا تُزَوِّجُ نَفْسَهَا بِاِذْنِ الْوَلِيِّ وَلَا غَيْرِهِ وَلَا تُزَوِّجُ غَيْرَهَا بِوِلَايَةٍ

[1] نیل الاوطار ج ۳ ص ۱۱۷

[2] اخرجه الاربعة الا النسائي و صححه ابو عوانة و ابن حبان والحاكم قال ابن كثير و صححه يحيى بن معين وغيره من الحفاظ۔ سبل السلام ج ۳ ص ۱۱۸

[3] رواه ابن ماجة والدارقطني ورجاله ثقات۔ سبل السلام ج ۳ ص ۱۲۰

وَلاَ بِوَكَالَةٍ وَلاَ تُقْبَلُ النِّكَاحُ بِوَلاَيَةٍ وَلاَ وِكَالَةٍ وَهُوَ قَوْلُ الْجَمْهُوْرِ . ❶

کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کو حق ولایت حاصل نہیں، لہٰذا نہ وہ اپنا ولی بن سکتی ہے اور نہ کسی اور عورت کا ولی نکاح بن سکتی ہے۔ یعنی نہ اپنا ازخود نکاح کر سکتی ہے اور نہ کسی دوسری عورت کا ولی بن کر نکاح کرا سکتی ہے۔ لہٰذا اس کی ولایت میں کیا گیا نکاح ناقابل اعتبار ہے۔ لہٰذا بشرط صحت سوال مسمات نذیراں بی بی دختر غلام قادر ساکن ۱۴ آ ڑ کا نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوا۔ کہ باپ ولی اقرب کی اجازت نہیں تھی۔ اور نہ باپ کا اس کو علم ہی تھا، پھر نذیراں کی پھوپھی کا یہ اقدام سراسر خلاف شریعت ہے، مفتی کی قانونی سقم کی ذمہ دار نہ ہوگا۔ عدالت مجاز سے توثیق ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب .



❶ سبل السلام ج ۳ ص ۱۲۰.

مفقود الخبر شوہر کا بیان

نکاح مفقود الخبر کا حکم

سوال: عرض ہے کہ میرے خاوند کو عرصہ ۸ سال سے غائب ہے وہ نشہ کرتا تھا اس کا کوئی پتہ نہیں کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے اس کے وارثوں سے بھی پتہ کروایا وہ کہتے ہیں کہ اس کا کوئی پتہ نہیں۔ میرے ۳ چھوٹے بچے ہیں۔ بچوں کی پرورش کا مسئلہ ہے اس لئے میں نکاح کرنا چاہتی ہوں۔ لہٰذا مجھے شرعی فتوی چاہیے۔ (سائلہ: شمیم اختر دختر بشیر احمد بٹ بھٹو کالونی گلی نمبر ۸ کوارٹرا ے جوئیانوالہ موڑ ضلع شیخوپورہ بذریعہ محمد الیاس ولد بشیر احمد مذکور)

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ سائلہ مسمات شمیم اختر دختر بشیر احمد بٹ چار ماہ دس دن کی عدت گزار کر اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ جیسا کہ

۱۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ حسب ذیل ہے

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي امْرَأَةِ الْمَفْقُوْدِ تَرَبَّصُ اَرْبَعَ سِنِيْنَ ثُمَّ تَعْتَدُّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا اخرجه مالك و الشافعي۔ ❶

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس بی بی کا شوہر گم ہو جائے (اور اس کے کچھ پتہ نہ چلے کہ زندہ یا مر گیا ہے اور کہاں ہے؟) تو ایسی بی بی اس کا چار برس انتظار کرے چار برس گزرنے پر پھر عدت وفات چار ماہ دس دن پورے کرے پھر جہاں چاہے شریعت کے مطابق اپنا نکاح کرا لے۔

۲۔ وَلَهٗ طُرُقٌ اُخْرٰى وَفِيْهِ قِصَّةٌ اَخْرَجَهَا عَبْدُالرَّزَّاقِ بِسَنَدِهٖ فِي الْفَقِيْدِ الَّذِيْ فَقَدَ قَالَ دَخَلْتُ الشِّعْبَ فَاسْتَهْوَتْنِي الْجِنُّ فَمَكَثْتُ اَرْبَعَ سِنِيْنَ، فَاَتَتْ اِمْرَاَتِيْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ۔ فَاَمَرَهَا اَنْ تَرَبَّصَ اَرْبَعَ سِنِيْنَ مِنْ حِيْنَ رَفَعَتْ اَمْرَهَا اِلَيْهِ ثُمَّ دَعَا وَ فِيْهِ اَيْ وَلِيُّ الْفَقِيْدِ فَطَلِّقُوْا ثُمَّ اَمَرَهَا اَوْ تَعتقد اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ثُمَّ هَنَتْ بَعْدَ مَا تَزَوَّجَتْ فَخَيَّرَ فِيْ عُمَرَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ الصِّدَاقِ الزيد صدعنها ۔ ❷

ایک آدمی کہتا ہے کہ مجھ کو جن پاگل بنا کر چار برس روک رکھا۔ اتنے میں میری بیوی حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور کہا کہ میرے خاوند کو گم ہوئے چار برس ہو گئے تو حضرت عمر نے فرمایا کہ چار برس انتظار کے بعد چار ماہ دس دن

❶ سبل السلام شرح بلوغ المرام۔ جلد ۳ ص ۲۰۷، ۲۰۸۔ ❷ سبل السلام و بلوغ المرام ج ۳ ص ۲۰۸۔

کی عدت یعنی بیوگی کی عدت گزار کر اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ چار برس کی انتظار حاکم کے فیصلہ کے بعد شروع ہوگی یا پہلی مدت چار برس ہی کافی ہے تو بعض مفتیوں کے نزدیک حاکم کے فیصلہ سے پہلے اگر شوہر کی گم شدگی پر چار برس کی مدت پوری ہو چکی ہو تو پھر مزید چار برس کی انتظار کی ضرورت نہیں۔ فیصلہ کے بعد صرف چار ماہ دس ایام بیوگی کی عدت گذارنی ہی کافی ہے۔

ہندو پاکستان کے نامور مفتی مجتہد العصر محدث عبداللہ روپڑی ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

موطا امام مالک میں ہے:

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَيُّمَا امْرَءَةٍ فَقَدَتْ زَوْجَهَا فَلَمْ تَدْرِ أَيْنَ هُوَ فَإِنَّهَا تَنْتَظِرُ أَرْبَعَ سِنِيْنَ ثُمَّ تَعْتَدُّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ثُمَّ تَحِلُّ۔ ❶

حضرت سعید بن میسب سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا کہ جس عورت کا خاوند گم ہو جائے اور اس کا پتہ معلوم نہ ہو کہ کہاں ہے تو جس روز سے اس کی خبر بند ہوئی چار برس تک عورت انتظار کرے بعد چار برس کے چار مہینے دس دن عدت گذار کر چاہے تو دوسرا نکاح کرے۔ اگر گم چار سال یا اس سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہو تو چار سال عدت گذارنے کی ضرورت نہیں۔

۲۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ فِي الرَّجُلِ لَا يَجِدُ مَا يُنْفِقُ عَلَى امْرَأَتِهِ قَالَ يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا۔ ❷

باب اثبات الفرقة اذا تعذرت النفقة وحضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شوہر اپنی بیوی کو نان نفقہ یعنی خرچ مہیا کرنے سے عاجز ہو تو ان کے درمیان تفریق یعنی جدائی کروا دی جائے۔

ان احادیث اور فتاویٰ کے مطابق مسمات شمیم اختر چار ماہ دس دن کی عدت گذار کر اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ کیونکہ بشرط صحت اس کے خاوند کو گم ہوئے آٹھ برس ہو چکے ہیں گو وہ آج مر چکا ہے اب بیوگی کی عدت گذارنی ضروری ہے۔ یہ اس بی بی کی بنیادی ضرورت ہے۔ مزید یہ کہ جب صرف خرچ مہیا نہ کرنے پر آخرت حدیث کے مطابق تفریق جائز ہے تو اس کا شوہر تو آٹھ برس سے گم چلا آ رہا ہے۔ تو یہ بی بی اور زیادہ مستحقہ ہے۔ مجاز اتھارٹی سے توثیق اور اجازت کے بعد اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکتی ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ اور حافظ عبداللہ روپڑی کا فتویٰ ہے۔ مفتی کسی قانونی سقم اور عدالتی کارروائی کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

بیوی اپنے گم شدہ شوہر کا کب تک انتظار کرے

سوال: ایک عورت کا خاوند گم ہو جائے تو وہ کتنی دیر تک اس کا انتظار کرنے کے بعد دوبارہ نکاح کر سکتی ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں فتویٰ صادر فرمائیں۔ (سائل: عبدالجبار چک نمبر ۴۹۳ گ ب تحصیل سمندری ضلع فیصل آباد)

❶ فتاوی اهل حدیث ج ۲ ص ۵۲۸۔

❷ رواه الدارقطني نيل الاوطار ج ٦ ص ٣٢٤۔

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ اگر واقعی شوہر کی گمشدگی کے بعد اس کے زندہ ہونے یا فوت ہو جانے کا پتہ نہ چل سکے، نہ اس کے ددھیال کے کسی مرد وعورت کو اس کی زندگی یا موت کا علم ہو اور اس کے سسرال، دوستوں اور جاننے والوں میں سے کسی کو اس کے متعلق کچھ علم نہ ہو تو اس کی بیوی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مشہور قول کے مطابق چار برس اور چار ماہ دس دن تک اس کا انتظار کرے۔ چار برس اس کی انتظار کے لئے ہیں۔ اس مدت کے گزر جانے پر اس کو فوت شدہ قرار دیا جائے گا اور پھر چار ماہ دس دن بیوگی کی عدت متصور ہوگی۔ ازاں بعد وہ عورت اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے میں شرعاً مختار اور آزاد ہوگی، جیسا کہ سبل السلام میں ہے:

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي اِمْرَأَةِ الْمَفْقُودِ تَرَبَّصُ اَرْبَعَ سِنِيْنَ ثُمَّ تَعْتَدُّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْراً۔ ●

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس عورت کا شوہر گم ہو جائے وہ چار برس تک اس کا انتظار کرے۔ جب چار برس پورے ہو جائیں (تو گویا وہ فوت ہو چکا اور اس کی بیوی بیوہ قرار پائی) لہٰذا اب وہ وفات کی عدت چار ماہ دس دن پوری کرے اس کے بعد وہ جہاں چاہے اپنے شرعی ولی سے مشورہ کر کے نکاح کر سکتی ہے۔

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَيُّمَا اِمْرَءَةٍ فَقَدَتْ زَوْجَهَا فَلَمْ تَدْرِ اَيْنَ هُوَ فَاِنَّهَا تَنْتَظِرُ اَرْبَعَ سِنِيْنَ ثُمَّ تَعْتَدُّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْراً ثُمَّ تَحِلُّ۔ ●

جناب سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس عورت کا شوہر گم ہو جائے اور اس کے بارے میں کچھ علم نہ ہو کہ وہ زندہ ہے یا مر چکا ہے کہ جس روز سے اس کی خبر بند ہوئی چار برس عورت اس کا انتظار کرے اور چار برس پورے ہونے کے بعد چار ماہ دس دن اپنی بیوگی کی عدت گزار کر چاہے تو نکاح کر سکتی ہے۔"

صحیح بخاری میں جناب سعید بن مسیب تابعی کا اپنا فتویٰ یہ ہے کہ وہ عورت گم شدگی کے ایک برس بعد اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کی مجاز ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اسی مدت کے قائل ہیں۔

قَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ اِذَا فُقِدَ فِي الصَّفِّ عِنْدَ الْقِتَالِ تَرَبَّصُ اِمْرَأَتُهُ سَنَةً۔ ●

کہ ابن مسیب تابعی نے فرمایا کہ جب کوئی سپاہی میدان وغا میں گم ہو جائے تو اس کی بیوی اس کا ایک برس تک انتظار کرے۔

وَاشْتَرَى ابْنُ مَسْعُوْدٍ جَارِيَةً وَالْتَمَسَ صَاحِبَهَا سَنَةً فَلَمْ يَجِدْ وَفُقِدَ فَاَخَذَ يُعْطِي الدِّرْهَمَ وَالدِّرْهَمَيْنِ وَقَالَ اللّٰهُمَّ عَنْ فُلَانٍ فَاِنْ اَتٰى فَلِيَ وَعَلَيَّ۔ ●

کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کسی سے ادھار لونڈی خریدی، پھر لونڈی کا مالک گم ہو گیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا ایک برس انتظار کیا۔

● سبل السلام شرح بلوغ المرام ج ۳ ص ۲۰۷ و ۲۰۸۔ ● موطا امام مالك باب عدة التى تفقد زوجها ص ۵۲۳۔

● باب حكم المفقود في اهله وماله الجامع الصحيح ج ۲ ص ۷۹۷۔ ● الجامع الصحيح ج ۲ ص ۷۹۷۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے اور ظروف واحوال موجودہ کے مطابق یہ موقف قرین قیاس بھی ہے کہ اب چونکہ ذرائع مواصلات اور میڈیا اتنا وسیع اور مستحکم ہو چکا ہے کہ اس ترقی یافتہ دور میں ایک برس کا انتظار بظاہر کافی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فتویٰ اس دور کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جس میں آج کی طرح معلومات عامہ اور شعبہ مواصلات یعنی اخبار، ریڈیو، ٹیلی ویژن وغیرہ موجودہ دور کی فراہم کردہ اطلاعی سہولتیں ہرگز میسر نہ تھیں۔ لہٰذا اب اس دور میں ایک سال کا انتظار کافی معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ پرانا فتویٰ تو اپنی جگہ موجود ہے ہی جو جمہور علمائے اسلام اور مفتیان کرام کے نزدیک بہرحال دائر اور رائج چلا آ رہا ہے۔ ھذا ما عندی و اعلم بالصواب

مفقود الخبر کی بیوی کا حکم

سوال: میری بیٹی کا شوہر دس بارہ سال سے لاپتہ ہے زندہ ہے، یا فوت ہو چکا تلاش و بسیار کے باوجود کچھ پتہ نہیں، لہٰذا میری بیٹی کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ (سائل، ابراہیم ساکن کلارک آباد ڈاکخانہ خاص ضلع قصور)

جواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں مذکورہ بی بی اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کی حقدار ہے، جیسا کہ موطا اور سبل السلام شرح بلوغ المرام میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس عورت کا شوہر گم ہو جائے اور چار برس تک اس کا کوئی پتہ نہ چلے کہ زندہ ہے یا فوت ہو چکا ہے تو چار برس گزرنے پر وہ عورت چار ماہ اور دس دن وفات کی عدت میں بیٹھے اور عدت (وفات) پوری ہونے پر جہاں چاہے اپنے ولی کی اجازت سے شرعی نکاح کر سکتی ہے۔ یہ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے مگر صحیح بخاری کے ترجمہ کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعود اور سعید بن مسیب تابعی کے نزدیک ایک برس کا انتظار ہی کافی ہے۔ ●

احقر کی رائے ہے کہ موجودہ میڈیا اور مواصلاتی اور اخباری سہولتوں کے تیسر پر حضرت امام بخاریؒ کے رجحان اور رائے پر عمل کر لینے میں شرعاً کوئی قباحت لاحق نہیں ہوتی اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں موجودہ مواصلاتی سہولتیں میسر ہوتیں تو شاید وہ بھی چار برس کا انتظار ضروری قرار نہ دیتے، مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ ھذا ما عندی و اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب فی یوم الحساب

مفقود الخبر شوہر کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے کے بارے میں کہ ہندہ کی زید کے ساتھ شادی ہوئی کو سات سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔ زید تقریباً چھ سال سے لاپتہ ہے اور کوئی خرچ وغیرہ بھی نہیں بھیجا اور نہ ہی کوئی اس کا پتہ معلوم ہوا ہے کیا ہندہ اب سات سال کے بعد کسی اور جگہ شادی کر سکتی ہے؟ اگر کرے تو نکاح سے پہلے کتنی عدت گزارنی پڑے گی؟ (ایک سائلہ)

جواب: الجواب بعون الوھاب و منه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال اگر شوہر واقعی عرصہ سات سال

● صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹۷.

سے لاپتہ ہے اور اس کی زندگی اور موت کے بارے میں اس کے ورثاء اور اقرباء کو بھی کچھ علم نہیں تو پھر عورت بعد یاس و ناامیدی کے اپنا دوسرا نکاح کر لینے کی شرعاً مجاز و مختار ہے۔ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کی ایک جماعت کا یہی قول اور فتویٰ ہے۔ موطا امام مالک میں ہے:

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ أَيُّمَا امْرَأَةٍ فَقَدَتْ زَوْجَهَا فَلَمْ تَدْرِ أَيْنَ هُوَ فَإِنَّهَا تَنْتَظِرُ أَرْبَعَ سِنِيْنَ ثُمَّ تَعْتَدُّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ثُمَّ تَحِلَّ. ❶

جناب سعید بن مسیب تابعی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر کو گم پائے اور اس کا کوئی پتہ نشان نہ ملے تو اس کو چاہیے کہ چار سال تک اس کا انتظار کرے بعد ازاں چار ماہ دس دن عدت وفات میں بیٹھے، پھر نکاح کرا لے۔

اگر چہ یہ حدیث بظاہر موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے کیونکہ تحدیدات اور تقدیرات میں جہاں قیاس اور اجتہاد کی گنجائش نہ ہو تو ایسی موقوف حدیث مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتی ہے۔

فتح الباری ج ۹ ص ۳۵۵ میں ہے کہ امام زہری کا مذہب یہ ہے کہ وہ چار برس انتظار کرے۔ امام عبدالرزاق اور امام سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہی فیصلہ کیا تھا۔ محدث سعید بن منصور کی سنن میں روایت سے ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ عوررت چار برس انتظار کرے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ تابعین کی ایک جماعت اسی کی قائل ہے۔ مثلاً: امام ابراہیم نخعی، امام عطاء، امام زہری، امام مکحول اور امام عامر شعبی وغیرہ اور یہ چار سال کی مدت اس روز سے شمار ہوگی جس دن سے اس نے مقدمہ پیش کیا اور حاکم نے فیصلہ کیا کہ چار سال کے بعد عدت وفات گزارے۔ اور سبل السلام ج ۳ ص ۲۰۸ میں ہے کہ ابوالزناد کہتے ہیں کہ میں نے امام سعید بن مسیبؒ سے اس شوہر کے بارے میں پوچھا جو اپنی بیوی کو نان، نفقہ نہیں دے سکتا۔ تو فرمایا ان میں تفریق کرا دی جائے۔ کہا یہ سنت ہے؟ کہا ہاں سنت ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ سعید بن مسیب کا ارشاد ہے کہ یہ سنت ہے، اس سے سنت رسول مراد ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ جو شوہر اپنی بیوی کے اخراجات کا متحمل نہ ہو تو اس جوڑے میں تفریق کرا دینا سنت ہے۔ جب محض اخراجات مہیا نہ کر سکنے پر تفریق سنت ہے تو پھر مفقود کی بیوی تو تفریق کی اس سے بھی زیادہ مستحق ہے کیونکہ اس کی تکلیف تو غریب شوہر کی بیوی کی تکلیف سے کہیں زیادہ ہے۔

بہر حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ان فیصلوں اور تابعین عظام کے فتاویٰ اور ائمہ کرام کی آراء و قضایا کے مطابق عورت اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کی بلاشبہ حقدار ہے اور اس کا یہ حق اس سے چھیننا یا کسی قانون کی بنیاد پر اس کو مزید آزمائش میں ڈالنا جائز نہیں، کہ پہلے ہی سات برس خون کے گھونٹ پی کر اپنی زندگی کے دن پورے کر رہی ہے۔ ھذا ماعندی و اعلم بالصواب۔

---

❶ موطا باب عدة التي تفتقد زوجها و سبل السلام ج ۳ ص ۲۰۷، ۲۰۸ و نیل الاوطار.

خرچہ نہ دینے والے اور مفقود الخبر خاوند کی بیوی نکاح ثانی کی مجاز ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج سے چھتیس سال پہلے ایک عورت کا نکاح ایک شخص سے ہوا جواب عرصہ تیرہ سال سے لاپتہ ہے۔ بہت تلاش کے باوجود نہیں مل سکا۔ نہ تو اس نے حق زوجیت ادا کیا اور نہ ہی نان ونفقہ کا کفیل ہوا ہے۔ اب اس کے بچے بڑے ہو گئے ہیں خرچہ بڑھ گیا ہے اور گزر اوقات بڑی مشکل سے ہوتی ہے۔ بچوں کی تعلیم کا مسئلہ بھی الجھ گیا ہے تو کیا یہ عورت اپنی گزر اوقات اور اپنے بچوں کی پرورش کے لئے نکاح ثانی کر سکتی ہے۔ کیا شرع محمدی اس کی اجازت دیتی ہے؟ (سائل: جان محمد اعوان مکان نمبر ۲۴۰ محلہ وعظ والا ملتان شہر)

جواب الجواب بعون الوھاب: بشرط صحت سوال وتصدیق گواہان ثلاثہ واضح ہو کہ یہ عورت مجاز افسر یعنی جج فیملی کورٹ شہر ملتان سے اجازت حاصل کر کے، چار ماہ دس دن کی عدت گزار کر حسب منشا نکاح ثانی کر سکتی ہے۔ اور یہ نکاح دو طرح سے شریعت محمدی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے مطابق صحیح اور شرعی نکاح ہوگا۔

۱۔ حسب تحریر، خاوند عرصہ تیرہ سال سے مفقود الخبر (یعنی لاپتہ) ہے۔ اور خاوند کے مفقود الخبر ہو جانے پر بیوی کو اس کا صرف چار سال تک انتظار کرنا ہوتا ہے۔ اگر وہ اس عرصہ میں واپس گھر آ جائے تو فبہا ورنہ بیوی کو ۴ ماہ دس دن (بیوہ) کی عدت گزارنا پڑتی ہے، جیسا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے:

عَنْ مَالِكٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ بْنِ سَعِيدِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ اَيُّمَا امْرَأَةٍ فَقَدَتْ زَوْجَهَا فَلَمْ تَدْرِ اَيْنَ هُوَ فَاِنَّهَا تَنْتَظِرُ اَرْبَعَ سِنِيْنَ ثُمَّ تَعْتَدُّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ثُمَّ تَحِلُّ۔ ❶

کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس عورت کا خاوند مفقود (لاپتہ) ہو جائے اور اس کا کچھ پتہ نہ چلے کہ کہاں ہے، زندہ ہے یا فوت ہو چکا ہے تو وہ عورت اس کی واپسی کا ۴ سال انتظار کرے۔ اگر اس عرصہ میں اس کا کچھ پتہ نہ چلے تو وہ اس کی فوتگی کی ۴ ماہ دس دن عدت گزار کر اس کے نکاح سے آزاد ہو جائے۔

یعنی اب اس کے مفقود خاوند کو مردہ تصور کیا جائے گا اور اسے فوتگی کی عدت گزارنی ہوگی۔ بعد ازاں وہ نکاح ثانی کر سکتی ہے۔ حنفیہ نے ایسی بدنصیب عورت کے لئے انتظار کی مدت ۹۰ سال اور ۴ ماہ دس دن عدت رکھی ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ عالمگیری ص ۳۰۰ ج ۲ طوغی روڈ کوئٹہ۔

اور ظاہر ہے کہ نوے سال اور پھر ۴ ماہ دس دن کے انتظار کے بعد نہ تو وہ اس قابل ہوگی کہ اسے خاوند کی ضرورت ہو اور نہ کوئی اس بوڑھی فرتوت کو قبول کرے گا۔ ویسے بھی اتنی عمر شاذ و نادر ہی کوئی فرد پاتا ہے، یعنی ۹۰ سال انتظار، ۴ ماہ دس دن عدت، شادی سے پہلے اور بعد کا عرصہ تقریباً سوا سو سال یا کچھ کم وبیش، لہٰذا احناف کا یہ فتویٰ جنسی معاشی اور معاشرتی تقاضوں کے سراسر خلاف ہے۔

❶ موطا امام مالك باب عدة التي تفقد زوجها ص ۲۰۹۔

پس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس صحیح اور محتاط فیصلہ کے مقابلہ میں حنفیہ کا فتویٰ نہ تو درخور اعتناء ہے اور نہ قابل التفات۔ اس لئے ہمارے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہی قول فیصل ہے۔

۲۔ خاوند پر بیوی کا نان ونفقہ یعنی خوراک، لباس، رہائش، اور علاج واجب ہے۔ اگر خاوند اپنی بیوی سے نان ونفقہ میں عمداً کوتاہی کرے یا نان ونفقہ دینے سے قاصر ہو اور بیوی اس حالت میں اپنے خاوند کے ساتھ نباہ کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو اس بیوی کو عدالت مجاز سے اجازت حاصل کر کے نکاح ثانی کا حق حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ مَا تَرَكَ غِنًى وَالْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ وَتَقُوْلُ الْمَرْاَةُ اِمَّا اَنْ تُطْعِمَنِیْ وَاِمَّا اَنْ تُطَلِّقَنِیْ وَیَقُوْلُ الْعَبْدُ اَطْعِمْنِیْ وَاسْتَعْمِلْنِیْ وَیَقُوْلُ الْاِبْنُ اَطْعِمْنِیْ اِلٰی مَنْ تَدْعُنِیْ قَالُوْا یَا اَبَا هُرَیْرَةَ سَمِعْتَ هٰذَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لَا هٰذَا مِنْ كِیْسِ اَبِی هُرَیْرَةَ ●

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد صدقہ دینے والا خود محتاج نہ ہو۔ اور دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے افضل ہے۔ نیز پہلے زیر کفالت لوگوں پر خرچ کرنا چاہیے۔ بیوی کہتی ہے کہ یا تو مجھے کھلاؤ یا پھر طلاق دے دو۔ غلام کہتا ہے مجھے کھلاؤ پلاؤ اور کام پر لگاؤ، بیٹا کہتا ہے، مجھے کھلاؤ، مجھے کس کے سپرد کرتے ہو؟ شاگردوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے دریافت کیا کہ تقول المراۃ سے لے کر آخر تک آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے؟ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: یہ جملے میرے ہیں۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

وَاسْتَدَلَّ بِقَوْلِهٖ اِمَّا اَنْ تُطْعِمَنِیْ وَاِمَّا اَنْ تُطَلِّقَنِیْ مَنْ قَالَ یُفَرَّقُ بَیْنَ الرَّجُلِ وَاِمْرَاَتِهٖ اِذَا عَسَرَ بِالنَّفَقَةِ وَاخْتَارَتْ فِرَاقَهٗ وَهُوَ قَوْلُ جَمْهُوْرِ الْعُلَمَاءِ وَقَالَ الْكُوْفِیُّوْنَ یَلْزِمُهَا الصَّبْرُ وَتَتَعَلَّقُ النَّفَقَةُ بِذِمَّتِهٖ وَاسْتَدَلَّ الْجَمْهُوْرُ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ●

کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول اما ان تطعمنی سے جمہور علمائے امت نے استدلال کیا ہے کہ جب کوئی خاوند اپنی بیوی کے نان ونفقہ سے عاجز آ جائے اور بیوی اس حالت میں اس کے ساتھ نباہ کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو ان دونوں کے درمیان تفریق کرا دینی چاہیے۔ تاہم اہل کوفہ کہتے ہیں کہ اس حالت میں بیوی پر صبر لازم ہے اور نفقہ بہر حال خاوند کے ذمہ ہے۔ اور جمہور علماء کے استدلال کی بنیاد یہ آیت ہے۔ ﴿وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا﴾ کہ بیویوں کو دکھ دینے کے لئے مت روک رکھو تا کہ تم حد سے تجاوز نہ کرو۔

۲۔ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ یَحْیٰ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِی الرَّجُلِ لَا یَجِدُ مَا یُنْفِقُ عَلٰی اَهْلِهٖ قَالَ یُفَرَّقُ بَیْنَهُمَا. (اَخْرَجَهُ سَعِیْدُ بْنُ مَنْصُوْرٍ عَنْ سُفْیَانَ بْنِ اَبِی الزِّنَادِ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ

● صحیح بخاری باب وجوب النفقة علی الاهل والعیال ج ۲ ص ۸۰٦ ۔ ● فتح الباری: ج ۹ ص ٤١٦ ۔

لِسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ سُنَّةٌ؟ قَالَ سُنَّةٌ وَهٰذَا مُرْسَلٌ قَوِيٌّ وَمَرَا سِيلُ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ مَعْمُولٌ بِهَا لِمَا عُرِفَ مِنْ أَنَّهُ لَا يُرْسِلُ إِلَّا عَنْ ثِقَةٍ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَالَّذِي يَشْبَهُ أَنْ يَكُونَ قَوْلُ سَعِيدٍ سُنَّةٌ سُنَّةَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. ●

یعنی جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن مسیب کا فتویٰ ہے کہ جو خاوند اپنی بیوی کو خرچہ نہیں دیتا تو اس جوڑے کے درمیان تفریق کرا دی جائے۔ ابو الزناد کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب سے پوچھا کہ کیا یہ سنت ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ہاں یہ سنت ہے اور امام شافعی کہتے ہیں کہ سنت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ ویسے بھی سعید بن مسیب کے مراسیل معمول بہا ہیں۔ کیونکہ وہ ثقہ راویوں سے ارسال کرتے ہیں۔

۳۔ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَتَبَ إِلٰى أُمَرَآءِ الْأَجْنَادِ فِي رِجَالٍ غَابُوا عَنْ نِسَاءِ هِمْ أَنْ يَأْخُذُوهُمْ بِأَنْ يُنْفِقُوا أَوْ يُطَلِّقُوا فَإِنْ طَلَّقُوا بَعَثُوا بِنَفَقَةِ مَا حَبِسُوا. أَخْرَجَهُ الشَّافِعِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ. ●

"حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسلح افواج کے کمانڈروں کو یہ فرمان بھیجا تھا کہ جو فوجی اپنی بیویوں سے غیر حاضر رہتے ہیں، ان کو پابند کیا جائے کہ یا تو وہ اپنی جوروؤں کو نان و نفقہ بھیجیں یا پھر طلاق بھیج دیں۔ اگر طلاق دے دیں تو ماسبقہ مدت کا خرچ بھی بھیجیں۔

مشہور محقق علامہ محمد بن اسماعیل الامیر یمانی لکھتے ہیں:

وَإِنَّهُ دَلِيلٌ عَلٰى أَنَّ النَّفَقَةَ عِنْدَهُ لَا تَسْقُطُ بِالْمَطَلِ فِي حَقِّ الزَّوْجَةِ وَعَلٰى أَنَّهُ يَجِبُ أَحَدُ الْأَمْرَيْنِ عَلَى الْأَزْوَاجِ الْإِنْفَاقُ أَوِ الطَّلَاقُ. ●

کہ یہ اثر اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر خاوند بیوی کو خرچ دینے سے ٹال مٹول کرے تو پھر بھی بیوی کا واجبی خرچہ اس کے ذمہ واجب ہے۔ اور یہ اثر اس بات کی دلیل بھی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے نزدیک بیوی پر خرچ کرنا واجب ہے۔ بصورت دیگر خاوند کو طلاق دینے پر مجبور کیا جائے گا۔

قَدِ اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي هٰذَا الْحُكْمِ وَهُوَ فَسْخُ الزَّوْجِيَّةِ عِنْدَ إِعْسَارِ الزَّوْجِ عَلٰى أَقْوَالٍ: الْأَوَّلُ ثُبُوتُ النَّسْخِ وَهُوَ مَذْهَبُ عَلِيٍّ وَّ عُمَرَ وَ أَبِي هُرَيْرَةَ وَ جَمَاعَةٍ مِّنَ التَّابِعِينَ وَمِنَ الْفُقَهَاءِ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَ بِهِ قَالَ أَهْلُ الظَّاهِرِ مُسْتَدِلِّينَ بِمَا ذُكِرَ وَ بِحَدِيثِ لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ وَبِأَنَّ النَّفَقَةَ فِي مُقَابِلِ الْاِسْتِمْتَاعِ وَبِدَلِيلِ أَنَّ النَّاشِزَ لَا نَفَقَةَ لَهَا عِنْدَ الْجُمْهُورِ فَإِذَا لَمْ تَجِبِ النَّفَقَةُ سَقَطَ الْاِسْتِمْتَاعُ فَوَجَبَ الْخِيَارُ لِلزَّوْجَةِ وَبِأَنَّهُ قَدْ نَقَلَ ابْنُ

● سبل السلام ص ۲۲٤ ج ۳ باب من لم یجد ما ینفق علی إمرأته یفرق بینهما و توضیح الاحکام ج ٥ ص ١٤٦.

● سبل السلام ص ۲۲٦ ج ۳۔ و توضیح الاحکام ج ٥ ص ١٤٦۔ ● سبل السلام: ص ۲۲٦ ج ۳۔

الْمُنْذِرِ اِجْمَاعَ الْعُلَمَاءِ عَلَى النَّسْخِ بِالْعَنَةِ الضَّرَرُ الْوَاقِعُ مِنَ الْعِجْزِ مِنَ النَّفَقَةِ اَعْظَم مِنَ الضَّرَرِا الْوَاقِعِ مِنْ اَنْ يَكُوْنَ الزَّوْجُ عِنِينًا وَبِاَنَّهُ تَعَالٰى قَالَ لَاتضَارُوْهُنَّ وَقَالَ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْتَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ وَاَيُّ اِمْسَاكٍ بِمَعْرُوْفٍ وَاَيُّ ضَرَرٍاشد مِنْ تَرْكِهَا بِغَيْرِ نَفَقَةٍ . ❶

کہ خاوند جب اپنی بیوی کو نان ونفقہ دینے سے عاجز آ جائے تو اس کی بیوی کو فسخ نکاح کا حق ملنے نہ ملنے میں علمائے امت کے مختلف اقوال ہیں ۔ پہلا قول یہ ہے کہ اس صورت میں بیوی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور تابعین رحمۃ اللہ علیہ کی ایک جماعت اور فقہاء میں سے امام مالک، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور اہل ظاہر کا یہی قول ہے اور وہ مذکور بالا احادیث کے علاوہ حدیث لَا ضَرَرَ وَلَاضِرَارَ سے بھی استدلال کرتے ہیں اس بات سے بھی استدلال لاتے ہیں کہ بیوی کا نفقہ اس سے استمتاع کے عوض ہے، جب نفقہ نہ ہوگا استمتاع نہ ہوگا: لہٰذا اس صورت میں بیوی کے لئے خیار فسخ واجب ہو جائے گا۔ اور پھر اس بات سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ امام ابن منذر نے کہا ہے کہ جب خاوند عنین ہو تو علماء کا اجماع ہے کہ بیوی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہ بات بالکل عیاں ہے کہ نان و نفقہ بند ہو جانے کا ضرر خاوند کے عنین ہونے کے ضرر سے کہیں زیادہ ہے۔ لہٰذا نان ونفقہ کے بند ہو جانے میں بیوی کو خیار فسخ کا حق بالاولیٰ حاصل ہونا چاہیے۔

علاوہ ازیں یہ گروہ آیت وَلَا تُضَارُّوْهُنَّ اور آیت فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ سے بھی استدلال کرتا اور کہتا ہے کہ نان ونفقہ نہ ہونے میں امساک بالمعروف کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا۔ اور بیوی کے لئے نان ونفقہ کی بندش سب سے بڑا ضرر ہے۔

پھر باقی اقوال پر محاکمہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

وَاِذَا عَرَفْتَ هٰذِهِ الْاَقْوَالَ عَرَفْتَ اَنَّ اَقْوَاهَا دَلِيْلًا وَاَكْثَرَهَا قَائِلًا هُوَ الْقَوْلُ الْاَوَّلُ . ❷

کہ ان اقوال کو بغور پڑھنے سے آپ کو پتہ چل گیا ہے کہ دلیل کی مضبوطی کے لحاظ سے اور پھر قائلین کی کثرت کی لحاظ سے زیادہ قوی پہلا قول ہی ہے کہ بیوی کے نفقہ سے عاجز خاوند کی بیوی کی خیار فسخ کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔

فیصلہ:

مذکورہ بالا احادیث، صحابہ کرامؓ کی تصریحات، تابعین کی تشریحات اور فقہائے ثلاثہ کی توقیعات، الغرض! جمہور علمائے امت کے مطابق بشرط صحت سوال وبشرط صحت تصدیق گواہان ثلاثہ مسمات کنیز فاطمہ کو بہ دووجہ نکاح ثانی کا حق پہنچتا ہے۔

اول یہ کہ اس کا خاوند عرصہ تیرہ سال سے مفقود ہے اور مدت انتظار صرف چار سال ہے جب کہ نو سال سے زیادہ ہو چکے ہیں۔

---

❶ سبل السلام، شرح بلوغ المرام ص ۳ ص ۲۲٤ .　　❷ سبل الاسلام: ج ٥ ص ۲۲٦ .

دوسری یہ کہ عرصہ تیرہ سال سے نان ونفقہ نہیں دیا جو کہ واجب تھا۔ لہٰذا کنیز فاطمہ کو چاہیے کہ وہ اس فتوئی کی روشنی میں ملتان کی عائلی عدالت، یعنی جج فیملی کورٹ سے باضابطہ اجازت حاصل کرے اور پھر ۴ ماہ دس دن عدت گزار کر نکاح ثانی کرے۔ واللہ اعلم بالصواب

نامرد شوہر کی بیوی کا حکم

سوال: یہ کہ مسمی شوکت علی ولد تاج دین قوم لوہار سکنہ جانی والا تحصیل ننکانہ ضلع شیخوپورہ کا ہوں یہ کہ مجھے ایک شرعی مسئلہ دریافت کرنا مقصود ہے جو ذیل عرض کرتا ہوں۔

میری بیٹی مسمات شگفتہ بی بی کا نکاح مسمی اقبال عرف لال ولد منظور قوم لوہار چک نمبر ۶۳۰ جالب کا تحصیل جڑانوالہ فیصل آباد سے عرصہ تقریباً ۲ سال قبل کر دیا تھا۔ جب کہ مسمات اپنے خاوند کے ہاں ۸ ماہ وقفہ وقفہ سے آباد رہی۔ دوران آبادگی معلوم ہوا کہ خاوند اقبال عرف لال نامرد ہے حق زوجیت ادا نہیں کر سکتا ہے۔ خاوند نے علاج وغیرہ بہت کروایا مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ مسمات شگفتہ نے اپنے والدین کو بتایا کہ خاوند نامرد ہے جبکہ مسمات شگفتہ بی بی کے باپ نے بھی علاج وغیرہ بہت کروایا مگر لڑکا تندرست نہ ہوا۔ اب مسماۃ مذکورہ کو ایک سال ۴ ماہ کا عرصہ ہو چکا ہے کہ والدین کے ہاں رہ کر گزر اوقات کر رہی ہے مگر خاوند آج تک تندرست نہ ہوا ہے انہوں نے پہلے بھی علاج کروایا ہے مگر وہ علاج کروانے کے باوجود بھی ٹھیک نہیں ہوا ہے مگر مسماۃ کے باپ نے لڑکے کے تایا جان اور چچا جان کو بھی کہا کہ لڑکا نامرد ہے وہ ٹھیک نہیں۔ ہے اب مفتی صاحب سے سوال ہے کہ شرعاً میرے لئے کیا حکم ہے؟ کیا میری بیٹی شرعاً نکاح جدید کی حقدار ہے یا نہیں؟ مجھے شرعاً مدلل جواب دیں کذب بیانی ہوگی تو سائل خود ذمہ دار ہوگا۔ (سائلان: شوکت علی، شگفتہ دختر شوکت علی سکنہ جانی والا۔ ننکانہ ضلع شیخوپورہ)

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال، یعنی اگر شوہر مسمی اقبال عرف لال ولد منظور قوم لوہار نامرد ہے اور سال بھر علاج معالجہ کے باوجود اس کی قوت مجامعت بحال نہیں ہوئی تو اسے چاہیے کہ وہ بیوی مسمات شگفتہ بی بی دختر شوکت علی لوہار کو طلاق دے کر اپنے حبالہ عقد سے آزاد کر دے۔ بصورت دیگر مسماۃ مذکورہ کو فیملی کورٹ کے جج کی عدالت میں مرافعہ کر کے نکاح فسخ کرا لے اور حاکم کو فسخ نکاح (میاں بیوی میں تفریق) کی ڈگری جاری کرنے کا شرعاً حق حاصل ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

لَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (البقرہ: ۲۳۱)

''انہیں (بیویوں کو) تکلیف پہنچانے کی غرض سے و زیادتی کے لئے نہ روکو اور جو شخص ایسا کرے اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔''

جمہور علمائے اسلام نے کہا ہے کہ جب شوہر اپنی منکوحہ بیوی کو واجبی نان ونفقہ دینے سے قاصر ہو تو بیوی کو اس آیت کریمہ کے مطابق فسخ نکاح کا شرعاً حق ہے اور نان ونفقہ دنیوی حق ہے اور زنا سے بچنا ضروری ہے۔ کہ وہ اللہ کا حق ہے اس

لئے بیوی کو اجازت فسخ نکاح حاصل ہے:

قَدْ ذَهَبَ جُمْهُوْرُ الْعُلَمَاءِ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ الصَّحَابَةِ فَمَنْ بَعْدَهُمْ اِلٰى اَنَّهُ يُفْسَخُ النِّكَاحُ بِالْعُيُوْبِ وَقَدْ رُوِىَ عَنْ عَلِيٍّ وَّ عُمَرَ وَ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهَا لَا تُرَدُّ النِّسَاءُ اِلَّا بِاَرْبَعَةِ عُيُوْبٍ اَلْجُنُوْنُ وَالْجُذَامُ وَالْبَرَصُ وَالدَّاءُ فِى الْفَرْجِ وَالرَّجُلُ يُشَارِكُ الْمَرْاَةَ فِى الْجُنُوْنِ وَالْجُذَامِ وَالْبَرَصِ تَفْسَخُهُ الْمَرْاَةُ بِالْجِبِّ وَالْعُنَّةِ. ❶

جمہور اہل علم صحابہ کرام اور بعد کے تابعین کا مذہب ہے کہ عیوب کی وجہ سے فسخ نکاح جائز ہے۔ حضرت علی، حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ چار عیوب سے عورت کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ ۱۔ دیوانگی۔ ۲۔ کوڑھ۔ پھلبہری اور فرج کی بیماری اور مرد پہلی تینوں میں شریک ہے اور اگر مرد نامرد ہو یا اس کا ذکر کٹا ہوا ہو تو عورت بھی فسخ نکاح کر سکتی ہے۔

مولانا عبدالحی حنفی ارقام فرماتے ہیں:

عَنْ عُمَرَ اَنَّهُ قَضٰى فِى الْعِنِّيْنِ اَنْ يُّؤَجَّلَ سَنَةً اَخْرَجَهُ عَبْدُالرَّزَّاقِ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ فِى كِتَابِ الْاٰثَارِ وَفِى رِوَايَةٍ فَلَمَّا مَضَى الْاَجَلُ خَيَّرَهَا فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا ونحوه. ❷

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نامرد کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس کو ایک سال کی مہلت دی جائے تاکہ تسلی سے وہ علاج کروا سکے، اس کو عبدالرزاق اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام محمد نے اپنی کتاب الآثار میں روایت کیا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جب سال کی مہلت گزر گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورت کو اختیار دیا کہ مرضی ہو تو خاوند کے پاس آباد رہ مرضی ہو نہ رہ۔ تو عورت نے رہنا منظور نہ کیا۔ لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے درمیان جدائی کرا دی۔ اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور عبدالرزاق اور دارقطنی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اسی طرح امام محمد بن اسماعیل الامیر نے بلوغ المرام کی شرح سبل السلام میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہی فیصلہ روایت کیا ہے۔ کہ ایک سال کی مہلت دی جائے۔ (سبل السلام شرح بلوغ المرام: ج ۳ ص ۱۳۶، ۱۳۷) مگر سال کی مہلت کی اس صورت میں ضرورت ہے جب پہلے اس نے اپنا علاج نہ کروایا ہو اگر کوشش سے اپنا علاج پہلے کروا چکا ہے، جیسا کہ سوال نامہ میں اس کی تصریح موجود ہے اور صحت نہیں ہوئی تو اب اسے مزید مہلت دینا فضول اور بے سود ہے، لہٰذا شگفتہ بی بی فوراً عدالت مجاز سے اپنا نکاح فسخ کروا لے یا بذریعہ پنچائت تفریق کرا لے اور بعد از عدت اپنے شرعی ولی کی اجازت سے اپنا نکاح کسی اور مرد سے کر لے۔ مجاز اتھارٹی کی اجازت اور توثیق بہرحال ضروری ہے مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ذمہ دار نہ ہو گا یہ فتویٰ بشرط صحت سوال تحریر کیا گیا ہے۔ هذا ما عندی الله اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب فی يوم الحساب

---

❶ نیل الاوطار ج ٦ ص ١٥٧ و فتاوی نذیریہ ج ٢ ص ٥٤٩. ❷ اخرجه ابن ابی شیبة عنه و عبدالرزاق عن علی و ابن ابی شیبة و عبدالرزاق والدارقطنی عن ابن مسعود، باب العنین عمدة الرعاية حاشيه نمبر ٢ شرح الوقايه ج ٢ ص ١٤٢.

کتاب الطلاق

یک بارگی طلاق ثلاثہ پر تحقیقی مقالہ

(۱) دین اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اور اس کا عائلی نظام ایک سیدھا سادہ نظام ہے۔ جس میں نہ قانونی گھتلکیں ہیں اور نہ غیر ضروری موشگافیاں اور تکلفات۔ اس کا تعارف یوں کرایا گیا ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ﴾ (الحج: ۲۸)

اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی خصوصیت الحنفیة السمحة سہل اور حنیف دین بتلائی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے شریعت کو آسان اور سہل بنا دیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں یہ اصولی بات بیان کر دی گئی ہے۔

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرة: ۱۸۵)

اور رسول اللہ ﷺ نے شدت پسندی اور قانونی موشگافیوں پر قدغن لگا دی ہے۔

آپ کا فرمان واجب الاذعان ہے:

((إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ إِلَّا غَلَبَهُ)) (صحیح البخاری)

"دین آسان ہے اور جو کوئی دین کو مشکل بنائے گا وہ دب کر رہ جائے گا۔ هلك المتنطعون۔ دین اسلام میں شدت اور تعمق برتنے والے ہلاک ہو جائیں۔

کتاب وسنت کی ان تصریحات کے بعد فقہی موشگافیوں کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا ہندی کی چندی بال کی کھال اتارنا اور شرعی احکام کو دقیق اور مشکل بنا کر لوگوں کے لئے الجھنیں پیدا کرنا تفقہ فی الدین ہرگز نہیں۔

۲۔ اسلام میں ضابطہ اخلاق بڑا سادہ اور اعتدال پر مبنی ہے، لیکن امت کے اندر جو فقہی بحثیں چھڑی ہوئی ہیں ان بحثوں نے اس ضابطہ کی سادگی کو بھلا دیا ہے بلکہ اس کی سادگی اور اعتدال کو تعمق اور تشدد کے تنور میں جھونک دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو عائلی زندگی میں سخت دشواریوں سے سابقہ پڑا ہوا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ امت مسلمہ کو اسلام کے شرعی احکام پر کاربند رکھنے اور اس کی معاشی نظام کی برکتوں اور عائلی قوانین کی آسودگیوں سے مالا مال کرنے کے لئے ان غیر ضروری فقہی موشگافیوں سے دامن کشاں کشاں اور تعصب مذہبی سے ہٹ کر پیش آمدہ معاشرتی مسائل کا کتاب وسنت کی روشنی میں حل پیش کیا جائے اور اجتہادی امور میں دین وملت کے مصالح کا مکمل لحاظ کیا جائے اور ان تمام تقلیدی اصر واغلال کو اتار پھینکا جائے جنہوں نے ملت اسلامیہ کو جکڑ رکھا ہے اس مقصد کے حصول میں کسی مکتب فکر کی شدید سے شدید مخالفت کی

ہرگز پروانہ کی جائے کیونکہ مکاتب فکر کی مخالفتوں کے مقابلہ میں دین وملت کے مصالح زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔
یکبارگی طلاق ثلاثہ کے مسئلہ کا جائزہ لیتے وقت یہی انداز اپنانا ہوگا۔ ورنہ اس بارے میں تمام کاوشیں بے سود ہوں گی۔

طلاق کی اقسام

اسلام میں طلاق کی تین قسمیں ہیں:

ا۔ رجعیہ:
جس میں عدت گزرنے سے پہلے پہلے طلاق دہندہ اپنے قول یا عمل سے طلاق واپس لے سکتا ہے اور عدت گزر جانے کے بعد دوبارہ نکاح کر کے اپنا گھر آباد رکھ سکتا ہے، اس میں حلالہ کی ہرگز ضرورت نہیں۔

۲۔ بائنہ:
جس میں مطلق (طلاق دینے والا) عدت ختم ہونے کے بعد تجدید نکاح کر سکتا ہے۔

۳۔ مغلظہ:
اس میں مطلق حلالہ کے بغیر تجدید نکاح نہیں کر سکتا۔
آج اس مجلس میں موضوع بحث یہی تیسری طلاق ہے، اس لئے ہم اس پر ہی گفتگو کریں گے۔ واضح رہے کہ اسلام سے پہلے عورت کا وجود مظلومیت کا مجسمہ تھا۔ یہ ذمہ داریوں کے بارگراں کے نیچے دبی چلی آ رہی تھی۔ لیکن جہاں تک اس کے حقوق کا تعلق تھا کسی کو ان کی پروا تک نہ تھی۔ طلاق کے بارے میں اسلام نے جو عادلانہ اصلاح اور قانون پیش کیا اور اس عادلانہ قانون کی تطبیق جو دور رس اور خوشگوار نتائج برآمد ہوئے۔ اگر انہی پر انسان منصفانہ غور کیا جائے تو اسے ماننا پڑے گا کہ دین اسلام کسی انسانی سوچ کا مرہون منت نہیں بلکہ اللہ علیم وحکیم کا نازل فرمودہ دین ہے۔ اس وقت برصغیر ہندوستان کی اقوام کے نزدیک ایک دفعہ شادی ہو جانے کے بعد یہ رشتہ ٹوٹ نہیں سکتا تھا۔ اسی طرح مسیحیت میں جو سارے مغرب پر چھائی ہوئی تھی۔ یہ تعلق اتنا مقدس تھا کہ اس کو ختم کر دینا گناہ عظیم تھا۔ چنانچہ متی کی انجیل میں ہے: ''جسے خدا نے جوڑا اسے آدمی جدا نہ کرے۔'' (متی ۱۹:۶) اس کے برعکس عرب میں یہ دستور تھا کہ شوہر اپنی بیوی کو ان گنت طلاق دے سکتا تھا۔
امام المفسرین محمد بن جریر طبری، ابن کثیر اور بیہقی، سید احمد حسن وغیرہ مفسرین یہ تصریح فرماتے ہیں کہ شوہر جتنی دفعہ چاہتا اپنی بیوی کو طلاق دیتا' کوئی پابندی نہ تھی۔ اور ہر دفعہ عدت گزرنے سے پہلے وہ رجوع کر سکتا تھا۔
ایک دفعہ ایک انصاری صحابی نے اپنی بیوی کو دھمکی دی: لَا أَقْرَبُكِ وَلَا تَحِلِّيْنَ مِنِّيْ. کہ نہ تو میں تجھ سے مقاربت کروں گا اور نہ ہی تو نکاح کے بندھن سے آزاد ہو سکے گی۔ اس کی بیوی نے اس سے پوچھا یہ کیسے؟ تو انصاری نے کہا: أُطَلِّقُكِ حَتّٰى إِذَا دَنٰى أَجَلُكِ رَاجَعْتُكِ ثُمَّ أُطَلِّقُكِ فَإِذَا دَنَا أَجَلُكِ رَاجَعْتُكِ . میں تجھے طلاق دوں گا پھر جب عدت گزرنے کے قریب ہوگی تو میں رجوع کر لوں گا، پھر طلاق دوں گا، پھر رجوع کر لوں گا۔ هلم جرا۔ وہ بے چاری

اپنے تاریک مستقبل کا تصور کر کے کانپ گئی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی مظلومیت اور بے بسی کی فریاد کی تو اللہ تعالیٰ جو بڑا ہی رحیم وحکیم ہے نے آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ نازل فرما دی۔ جس نے عورت کے بیشتر مصائب کا خاتمہ کر دیا اور عائلی قوانین میں وہ تاریخی، انقلابی مگر عادلانہ اصلاح فرمائی جس نے بڑے بڑے دانشمندوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔

شریعت اسلامیہ میں رشتہ ازدواج ایک مقدس رشتہ ہے۔ یہی وہ خشت اول ہے جس پر تمدن وعمران کا قصر رفیع تعمیر کیا جاتا ہے اور یہی وہ بنیادی اکائی ہے جس سے قومیں جنم لیتی ہیں۔ اس کا جتنا احترام کیا جائے کم ہے لیکن بسا اوقات حالات اتنے سنگین اور ناگفتہ بہ ہو جاتے ہیں کہ خاوند بیوی کا ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ رہنا شقاوت اور ہر دو خاندانوں میں بگاڑ اور خرابی کا باعث بن جاتا ہے۔ مزاجوں میں اتنی دوری اور باہمی نفرت پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کو نکاح کے بندھن میں جکڑے رکھنا دونوں کے لئے وبال جان اور سوہان روح بن جاتا ہے۔ ایسے حالات میں ان کے درمیان تفریق کرا دینا ہی فریقین اور ان کے دونوں خاندانوں کے لئے خیر وبرکت کا باعث اور رحمت وراحت کا موجب ہوتا ہے۔ اس لئے اسلام نے ان ناگزیر حالات میں طلاق کی اجازت دی مگر ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کر دی کہ ((اِنَّ اَبْغَضَ الْحِلَالِ عِنْدَاللّٰهِ الطَّلَاقُ)) (طلاق حلال تو ہے لیکن اس کا بلاوجہ استعمال اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی برا ہے) اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ طلاق دینے کا یہ حکیمانہ طریقہ بھی سکھایا جس کے مطابق عمل کرنے سے اصلاح حال کا کوئی امکانی موقع ضائع نہیں جاتا۔ اس تمہید کے بعد اب وہ طریقہ [illegible]

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَّخَافَا اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ﴾ (البقرۃ: ۲۲۹، ۲۳۰)

"طلاق دو بار ہے، پھر معروف طریقہ پر روک لینا ہے یا پھر شائستگی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے اور تمہیں حلال نہیں کہ تم نے انہیں جو دے دیا ہے اس میں سے کچھ بھی لو۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ دونوں کو اللہ کی حد میں قائم نہ رکھ سکنے کا ڈر ہو۔ اس لئے اگر تمہیں خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت رہائی پانے کے لئے کچھ دے ڈالے اس میں دونوں پر گناہ نہیں۔ یہ اللہ کی حدود ہیں۔ خبردار ان سے آگے نہ بڑھنا اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے تجاوز کر جائیں وہ ظالم ہیں، پھر اگر اس کو طلاق دے دے تو اب اس کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے پھر اگر وہ بھی بغیر کسی پیشگی معاہدہ کے طلاق دے دے تو ان دونوں کو میل جول کر لینے میں کوئی گناہ نہیں۔ بشرطیکہ یہ جان لیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں جنہیں وہ جاننے والوں کے لئے بیان فرما رہا ہے۔"

ان آیات مقدسہ کو بغور پڑھیے اور منصفانہ جائزہ کیجیے۔ ان میں ایک بار یا یکبارگی تین طلاقوں کا حکم موجود نہیں۔ تین بار میں تین طلاق دینے کا حکم ہے۔ جن میں سے پہلی دو بار کی طلاقیں قابل رجعت ہوں۔ تین بار کی ان طلاقوں کے متعلق قرآن مجید میں یہ حکم ہے کہ ایسی مطلقہ عورتیں طلاق دینے والے کے لئے حرام ہیں الا یہ کہ اس کا نکاح کسی اور مرد سے ہو جائے، پھر وہ بھی کسی پیشگی شرط کے بغیر اپنے طور پر کسی وجہ سے اسے طلاق دے دے۔ اس صورت میں وہ دونوں پھر سے نکاح کر کے آباد ہو سکتے ہیں۔

یکجائی تین طلاق کے قائلین کہہ سکتے ہیں کہ آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ میں نہ ایک مجلس کا ذکر ہے' نہ تین مجلسوں کا' نہ ایک طہر کا ذکر ہے اور نہ تین طہروں کا۔ بس تین طلاق دینے کا تذکرہ ہے۔ آیات عام ہیں۔ تین طلاق جب بھی اور جس طرح بھی دی جائیں گی طلاق مغلظہ بائنہ پڑ جائے گی۔ جواباً گزارش ہے کہ قرآن مجید میں تین بار طلاق دینے کا ذکر ہے۔ جن میں سے دو بار کی طلاق کے بعد رجوع کی گنجائش ہے نہ کہ ایک بار میں طلاق دینے کا حکم۔ کم از کم قرآن مجید کے ظاہر الفاظ کا اقتضاء تو یہی ہے۔

مفسرین کی تصریحات

اب آیئے مفسرین کرام کی تصریحات پڑھ لیں۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کا کیا مطلب ہے؟

بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ آیت طلاق رجعی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور مطلب یہ لیتے ہیں کہ طلاق رجعی دو طلاقیں ہیں۔ جن کے بعد رجوع کرنے اور عورت کو چھوڑ دینے' دونوں کی گنجائش ہے۔ تین دفعہ طلاق کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں ہے۔

کچھ دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت میں مسلمانوں کو شرعی طلاق دینے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ طلاق یکے بعد دیگرے بس دو بار ہونی چاہیے۔ جن کے بعد عورت سے رجوع کرنے یا اسے چھوڑ دینے کا موقع رہتا ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس کے بعد بھی طلاق دے دے تو پھر یہ عورت اس پر حرام ہو جائے گی۔ ان دو اقوال کے علاوہ کچھ اور اقوال بھی ہیں، لیکن بنیادی اہمیت کے یہی دو قول ہیں۔

امام المفسرین ابن جریر دونوں قول بیان کرتے ہیں اور پہلے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔

پہلے قول کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

اِخْتَلَفَ اَهْلُ التَّاوِیْلِ فِیْ تَاوِیْلِ ذٰلِكَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ هُوَ دَلَالَةٌ عَلٰی عَدَدِ الطَّلَاقِ الَّذِیْ یَكُوْنُ الرَّجُلُ فِیْهِ الرَّجْعَةُ وَالْعَدَدُ الَّذِیْ تَبِیْنُ بِهٖ زَوْجَةٌ مِنْهُ.

"تفسیر کرنے والوں کا اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں طلاق کی تعداد بتائی گئی ہے جس میں شوہر کو رجوع کا حق حاصل ہے۔ اور وہ تعداد جس میں عورت شوہر سے جدا ہو جاتی ہے۔

موصوف فرماتے ہیں کہ اہل عرب میں طلاق دینے کے بارے میں کوئی حد نہ تھی۔ وہ طلاقیں دیتے اور رجوع کرتے رہتے تھے۔ اس سلسلہ میں مذکور بالا انصاری صحابی وغیرہ کے کچھ آثار واقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

تَاوِیْلُ الْاٰیَةِ عَلٰی هٰذَا الْخَبَرِ الَّذِیْ ذَکَرْنَا عَدَدَ الطَّلَاقِ الَّذِیْ لَکُمْ اَیُّهَا النَّاسُ فِیْهِ عَلٰی اَزْوَاجِکُمُ الرَّجْعَةُ اِذَا کُنَّ مَدْخُوْلًا بِهِنَّ تَطْلِیْقَتَانِ ثُمَّ اَلْوَاجِبُ عَلٰی مَنْ رَاجَعَ بِکُمْ بَعْدَ التَّطْلِیْقَتَیْنِ اِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْتَسْرِیْحٌ بِاِحْسَانٍ لِاَنَّهٗ لَارَجْعَةَ لَهٗ بَعْدَ التَّطْلِیْقَتَیْنِ اِنْ سَرَّحَهَا فَطَلَّقَهَا الثَّالِثَةَ .

اس روایت کے مطابق جو ہم نے قرآن کی آیات کی تفسیر یہ ہوگی کہ اے لوگو! طلاق کی وہ تعداد جس میں تمہارے لئے اپنی بیویوں کے سلسلہ میں جب کہ ان سی مقاربت ہو چکی ہو رجوع کا حق ہو دو طلاقیں ہیں۔ پھر تم میں سے جو شخص دو طلاقوں کے بعد رجوع کرے اس پر واجب ہے کہ وہ بھلے طریقہ پر عورت کو روک لے یا پھر عمدگی کے ساتھ چھوڑ دے۔ کیونکہ دو طلاقوں کے بعد اسے رجوع کا حق نہیں: اگر اسے چھوڑ دیا اور تیسری طلاق دے دی۔

دوسرے قول کا ذکر وہ درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

وَقَالَ اٰخَرُوْنَ اِنَّمَا اُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْاٰیَةُ عَلٰی نَبِیِّ اللّٰهِ ﷺ تَعْرِیْفاً مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰی ذِکْرُهٗ عِبَادَهٗ سُنَّةَ طَلَاقِهِمْ نِسَائَهُمْ اِذَا اَرَادُوْا اِطْلَاقَهُنَّ لَادَلَالَةَ عَلَی الْقَدْرِ الَّذِیْ تَبِیْنُ بِهِ الْمَرْاَةُ مِنْ زَوْجِهَا.

''کچھ دوسرے لوگوں نے کہا کہ یہ آیت اللہ کے نبی ﷺ پر اس لئے اتری ہے تاکہ اللہ اپنے بندوں کو طلاق کا طریقہ سکھلائے۔ جب وہ اپنی بیویوں کو طلاق دینا چاہیں، نہ اس لئے کہ وہ ان پر طلاق کی وہ تعداد بیان کرے جس سے عورت اپنے خاوند سے جدا ہو جاتی ہے۔

اس کے بعد امام ابن جریر اپنی رائے کا اظہار حسب ذیل الفاظ میں ارقام فرماتے ہیں:

وَالَّذِیْ اَوْلٰی بِظَاهِرِ التَّنْزِیْلِ مَاقَالَهٗ عُرْوَةُ وَقَتَادَةُ وَمَنْ قَالَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ اَنَّ الْاٰیَةَ هِیَ دَلِیْلٌ عَلٰی عَدَدِ الطَّلَاقِ الَّذِیْ یَکُوْنُ بِهِ التَّحْرِیْمُ وَ یَطُوْلُ بِهِ الرَّجْعَةُ فِیْهِ وَالَّذِیْ یَکُوْنُ فِیْهِ الرَّجْعَةُ مِنْهُ.[1]

''اور قرآن مجید کے ظاہر الفاظ سے قریب بات وہ ہے جسے عروۃ قتادہ اور ان جیسی بات کہنے والوں نے کہا ہے، یعنی یہ آیت طلاق کی تعداد پر دلیل ہے اس تعداد پر جس سے عورت حرام ہو جاتی ہے اور رجوع کا موقع ختم ہو جاتا ہے اور اس تعداد پر جس میں رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔''

علامہ ابوبکر جصاص رازی حنفی احکام القرآن میں ان آیات پر مفصل بحث کرتے ہوئے تین مفہوم بیان فرماتے ہیں:

[1] جامع البیان پارہ دوم تفسیر آیت مرتان.

قَدْ ذُكِرَتْ فِي مَعْنَاهُ وُجُوهٌ اَحَدُهَا اَنَّهُ بَيَانٌ لِلطَّلَاقِ الَّذِي تَثْبُتُ مَعَهُ الرَّجْعَةُ يُرْوٰى ذٰلِكَ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ وَقَتَادَةَ وَالثَّانِي اَنَّهُ بَيَانٌ لِطَلَاقِ السُّنَّةِ الْمَنْدُوْبِ اِلَيْهِ وَيُرْوٰى ذٰلِكَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّ مُجَاهِدٍ وَالثَّالِثُ اَنَّهُ اَمَرَ بِاَنَّهُ اِذَا اَرَادَ اَنْ يُّطَلِّقَهَا ثَلَاثًا فَعَلَيْهِ تَفْرِيْقُ الطَّلَاقِ فَيَتَضَمَّنُ الْاَمْرُ بِالطَّلَاقِ مَرَّتَانِ ثُمَّ ذَكَرَ بَعْدَهُمَا الثَّالِثَةَ. [1]

اس آیت کے معنی میں کئی اقوال بیان کئے گئے ہیں ایک قول یہ ہے اس طلاق کا بیان ہے جس کے بعد رجعت کا حق ہوتا ہے یہ قول عروہ بن زبیر اور قتادہ سے مروی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ طلاق سنت کا بیان ہے۔ جو طلاق کا پسندیدہ طریقہ ہے، اس قول کی روایت ابن عباس اور مجاہد سے کی گئی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم ہے کہ جب کوئی تین طلاق دینے کا ارادہ کرے تو اس پر واجب ہے کہ وہ طلاق الگ الگ کر کے دے۔ اس میں یہ بات بھی آ جاتی ہے کہ صرف دوبار طلاق دی جائے اس کے بعد تیسری طلاق کا ذکر کیا گیا ہے۔

آخری دو اقوال کی رو سے ان آیات میں طلاق کے ایک ایک کر کے دینے کا ذکر یا حکم ہے نہ کہ ایک بار میں تین طلاق دینے کا۔ پہلے قول کی رو سے بھی یہ آیت یکجائی تین طلاق دینے کے حکم میں صریح نہیں ہے کیونکہ اس قول کی رو سے اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ طلاق رجعی دو طلاقیں ہوتی ہیں جن کے بعد چھوڑنے اور رجوع کرنے دونوں کا حق باقی رہتا ہے۔ دو طلاق کے بعد اگر تیسری طلاق دے دی جائے تو یہ حق باقی نہیں رہتا۔ تین طلاق یکبارگی دینے کا تذکرہ آیت میں کسی مفہوم کی رو سے نہیں۔

حضرت علامہ شمس پیرزادہ امیر جماعت اسلامی مہاراشٹر اسٹیٹ، انڈیا۔ اس آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں:

اس آیت میں مَرَّتَانِ دو مرتبہ کا لفظ جو آیا ہے۔ اس سے طلاق کا لفظ دہرانا یا عدد کی صراحت کے ساتھ طلاق دینا لیا جاتا ہے۔ اس بنا پر طلاق، طلاق، طلاق یا تین طلاق کہہ دینے پر تین طلاقوں کا حکم لگایا جاتا ہے حالانکہ مَرَّتَانِ کا مطلب لفظ طلاق کو دہرانا نہیں بلکہ دوسری دفعہ طلاق دینا ہے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ دو دفعہ طلاق دینے کے بعد رجوع کا حق باقی رہتا ہے لیکن تیسری دفعہ طلاق دینے کے بعد رجوع کا حق باقی نہیں رہتا۔ اس کا یہ مطلب کس طرح صحیح ہوگا کہ اگر کسی نے بیک وقت طلاق، طلاق، طلاق کہہ دیا تو رجوع کا حق باقی نہیں رہا اور طلاق مغلظہ ہوگئی۔ حالانکہ اس شخص نے ایک ہی دفعہ طلاق دی ہے۔ لفظ مَرَّتَانِ کا جو مطلب لیا جاتا ہے وہ درج ذیل تین وجوہ ہیں، صحیح نہیں ہے۔

اولاً: لغت عربی میں مَرَّتَانَ کا مطلب مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ ہے یعنی ایک دفعہ کے بعد دوسری دفعہ نہ کہ محض لفظی تکرار اور اس کی نظیریں قرآن میں ملتی ہیں مثلاً ایک جگہ فرمایا:

﴿ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْمَرَّتَيْنِ﴾ (سورة توبه: آيت ١٢٦)

''کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک یا دو مرتبہ انہیں آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔'' اور دوسری جگہ فرمایا گیا:

---

[1] احکام القرآن لابی بکر جصاص.

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَكُمْ﴾

(النور: ۵۸)

''اے ایمان والو تمہارے مملوک (غلام، لونڈی) اور تمہارے نابالغ بچے تین اوقات میں اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں۔ ایک نماز فجر سے پہلے دوسرے جب تم دوپہر کے وقت آرام کے لئے کپڑے اتار رکھتے ہو اور تیسرے عشاء کی نماز کے بعد یہ تین وقت تمہاری بے پردگی کے وقت ہیں۔''

اس آیت کے آخر میں تین اوقات کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں ثَلٰثَ مَرّٰتٍ (تین اوقات میں) کا مطلب الگ الگ تین اوقات ہیں۔ نہ کہ زمانے واحد میں تین اوقات کا اجماع۔ اس سے واضح ہوا کہ مرتان میں تفریق کا مفہوم شامل ہے۔ اگر کوئی مثال اجماع کی پیش کی جاسکتی ہے تو وہ اعیان کی ہوگی نہ کہ افعال کی۔ کیونکہ فعل میں زمانہ واحد میں مرتان کا اجتماع ممکن نہیں۔

ثانیاً: رمی جمار کی مثال ہے۔ سات کنکریاں مارنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص سات مرتبہ ایک ایک کنکری مارنے کے بجائے ایک ساتھ سات کنکریاں مارے گا تو حکم کی تعمیل نہیں ہوگی اور جمہور علماء کے نزدیک ایک ہی رمی شمار ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص یہ الفاظ کہے کہ میں تینتیس بار سبحان اللہ کہتا ہوں تو ایک ہی تسبیح شمار ہوگی نہ کہ تینتیس۔

ثالثاً: چار قسموں کی مثال ہے۔ جس کا حکم لعان کے سلسلہ میں دیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص الگ الگ چار قسمیں کھانے کے بجائے ایک ساتھ کہہ دے کہ میں چار قسمیں کھا کر کہتا ہوں تو اس کی ایک ہی قسم شمار ہوگی نہ کہ چار۔ مَرَّتَانِ کی بحث کے لئے ملاحظہ ہو علامہ ابن قیم کی کتاب زاد المعاد ج ۴ ص ۵۹۔

اگر مذکورہ آیات میں طلاق کا عدد ہوتا تو مَرَّتَانِ کی جگہ لفظ اِثْنَتَانِ استعمال کیا جاتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ مرتان سے مراد لفظ طلاق کی تکرار یا عدد نہیں ہے: بلکہ الگ الگ دو دفعہ طلاق دینا ہے۔

چنانچہ امام رازی لکھتے ہیں:

طَلِّقُوْا مَرَّتَيْنِ يَعْنِي دَفْعَتَيْنِ.

''دو مرتبہ طلاق دو یعنی دو دفعہ طلاق دو۔'' (تفسیر کبیر: ج ۲ ص ۲٦)

مزید لکھتے ہیں:

اَنَّ الطَّلَاقَ الْمَشْرُوْعَ مُتَفَرِّقٌ لِاَنَّ الْمَرَّاتِ لَاتَكُوْنُ اِلَّا بَعْدَ تَفَرُّقٍ بِالْاِجْمَاعِ. [1]

''مشروع طلاق یہ ہے کہ الگ الگ طلاق دی جائے کیونکہ بالاجماع مرات تفرق کے بعد ہی ممکن ہے۔'' لہٰذا جب دو طلاقیں جو مجموعی طور پر ایک ہی دفعہ دی گئی ہوں دو شمار نہیں ہوں گی تو تین طلاقیں جو مجموعی طور پر ایک ہی دفعہ دی گئی ہوں کس

[1] تفسیر کبیر ج۲ ص ۲٦۔

طرح تین شمار ہوں گی۔ پھر جس پس منظر میں تین طلاقوں کا حکم بیان کیا گیا اس کو بھی اگر ملحوظ رکھا جائے تو بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بیک وقت کئی طلاقیں دینے کا رواج نہیں تھا۔ بلکہ بار بار طلاقیں دی جاتی تھیں اور بار بار رجوع کیا جاتا تھا۔ اس لئے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کا مفہوم یہی بار بار کی طلاقیں ہوگا نہ کہ بیک وقت دی جانے والی متعدد طلاقیں۔

سورۂ طلاق میں ہدایت کی گئی کہ جب طلاق دی جائے تو عدت کے لئے دی جائے آیت:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ﴾ (طلاق: ۱)

''اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو عدت کے لئے طلاق دو اور عدت کو شمار کرو۔''

عدت کے لئے طلاق دینے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں طلاق دی جائے جب کہ عدت کا آغاز ہو سکے۔ جو شخص بیک وقت تین طلاقیں دیتا ہے وہ عدت کا لحاظ نہیں کرتا۔ کیونکہ پہلی طلاق دیتے ہی عدت شروع ہو گئی لیکن دوسری اور تیسری طلاق میں عدت کا لحاظ نہیں رہا۔ حالانکہ ہر طلاق کے لئے عدت کا لحاظ ضروری ہے۔ قرآن نے نہ صرف حکم دیا ہے کہ عدت کا لحاظ کر کے طلاق دی جائے بلکہ عدت کے اندر رجوع کرنے کا بھی حق دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ﴾ (البقرۃ: ۲۳۰)

کہ جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی عدت پوری ہونے کو آجائے۔ تو بھلے طریقہ سے روک لو یا پھر معروف کے ساتھ رخصت کر دو۔ یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ جب عدت پوری ہو رہی ہو تو بھلے طریقہ پر روکا جا سکتا ہے، یعنی عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کا یہ حق جو اللہ تعالیٰ نے مرد کو دیا ہے کس نے ساقط کیا؟ اگر کوئی نص ساقط کرنے کی موجود ہے تو کوئی مسئلہ باقی نہیں رہتا۔ لیکن اگر ایسی کوئی نص موجود نہیں تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ تیسری دفعہ کی طلاق سے پہلے عدت کے اندر مرد کو رجوع کا حق ہے۔ لہٰذا بیک وقت دی ہوئی تین طلاقوں کے بعد بھی رجوع کا حق باقی رہتا ہے بالفاظ دیگر تیسری دفعہ کی طلاق دو دفعہ دی ہوئی، طلاق رجعی کے بعد ہی واقع ہوتی ہے نہ کہ بیک وقت۔ اللہ تعالیٰ نے الگ الگ طلاقیں دینے ہی کا اختیار مرد کو دیا ہے جیسا کہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ سے ظاہر ہے لہٰذا جب جمع کرنے کا اختیار ہی نہیں دیا گیا تو آن واحد میں دی جانے والی تین طلاقیں کس طرح تین واقع ہوں گی۔

علامہ ابوبکر جصاص حنفی آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تَضَمَّنَتِ الْاَمْرُ بِاِيْقَاعِ الْاِثْنَتَيْنِ فِيْ مَرَّةٍ فَهُوَ مُخَالِفٌ لِحُكْمِهِمَا. ❶

یعنی آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ دو طلاق دو مرتبہ میں واقع کرنے کے امر کو شامل ہے تو جس نے دو طلاقیں بیک دفعہ ایک طہر میں دے دیں اس نے اس حکم الٰہی کی مخالفت کی۔

محدث ابوالحسن سندھی حنفی تصریح فرماتے ہیں:

قَوْلُهٗ تَعَالٰى اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ اِلٰى قَوْلِهٖ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا فَاِنَّ مَعْنَاهُ التَّطْلِيْقُ

---

❶ احکام القرآن ج ۱ ص ۳۸۰۔

الشَّرْعِيُّ تَطْلِيقَةٌ بَعْدَ تَطْلِيقَةٍ عَلَى التَّفْرِيقِ دُوْنَ الْجَمْعِ وَالْاِرْسَالِ مَرَّةً وَّاحِدَةً وَّلَمْ يَرِدْ بِالْمَرَّتَيْنِ اَلتَّثْنِيَةُ وَمِثْلَهُ قَوْلُهُ تَعَالٰى ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ اَىْ كَرَّةً بَعْدَ كَرَّةٍ لَا كَرَّتَيْنِ اِثْنَاءَ. ❶

یعنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ شرعی طلاق متفرق طور پر ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق ہونی چاہیے۔ نہ کہ ایک ہی بار اکٹھی۔ مَرّتَانِ سے مراد تثنیہ نہیں ہے جیسا کہ آیت ثم ارجع البصر کرتین میں ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ نظر اٹھا کر دیکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مولانا محمد تھانوی مولانا اشرف علی تھانوی کے استاذ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں تقریبا یہی لکھا ہے اور اس معنی کی تعیین وتائید کی ہے۔فرماتے ہیں:

اِنَّ قَوْلَهُ تَعَالٰى اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ مَعْنَاً مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ فَالتَّطْلِيقُ الشَّرْعِيُّ عَلَى التَّفْرِيقِ دُوْنَ الْجَمْعِ وَالْاِرْسَالِ. ❷

''آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق دی جائے، پس طلاق شرعی وہ ہے جو متفرق طور پر متفرق طہروں میں دی جائے نہ کہ بیک وقت ایک مجلس میں۔

مشہور مفسر قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی ﷫ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کی تفسیر میں تصریح فرماتے ہیں۔

وَكَانَ الْقِيَاسُ اَنْ لَّا تَكُوْنَ الطلقتان الْمُجْتَمِعَانِ مُعْتَبِرَةً شَرْعاً وَاِذَا لَمْ يَكُنِ الطَّلْقَتَانِ اَلْمُجْتَمِعَتَانِ مُعْتَبِرَةً لَمْ يَكُنِ الثَّلَاثُ اَلْمُجْتَمِعَةُ مُعْتَبِرَةً بِالطَّرِيقِ الْاَوْلٰى لِوُجُوْدِهِمَا فِيهِمَا.

''قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مجموعی طور پر دی گئی دو طلاقیں معتبر نہ ہوں گی تو تین اکٹھی کا تو بدرجہ اولیٰ اعتبار نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ دونوں مع ایک زائد تین کے اندر موجود ہیں۔

الشیخ ابوبکر جابر الجزائری اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کے تحت لکھتے ہیں:

يُطَلِّقُهَا ثُمَّ يَرُدُّهَا ثُمَّ يُطَلِّقُهَا ثُمَّ يَرُدُّهَا اَىْ يَمْلِكُ الزَّوْجُ الْاِرْجَاعَ فِىْ طَلْقَتَيْنِ اِمَّا اِنْ طَلَّقَ الثَّالِثَةَ فَلَا يَمْلِكُ ذٰلِكَ وَلَا تَرْجِعُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ. ❸

''مرتان کا مطلب یہ ہے کہ ایک مجلس میں ایک طلاق دے، پھر رجوع کرلے، پھر دوسری بار دوسری طلاق دے اور عدت گزرنے سے پہلے رجوع کرلے۔ یعنی ایک مجلس میں ایک ہی طلاق دینے کا حکم ہے ایک ساتھ دو یا تین طلاق دینے کی اجازت نہیں۔ بہرکیف یہ بات بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیات ایک مجلس میں تین طلاق دینے کے بارے میں خاموش ہیں۔

---

❶ حاشیہ سنن النسائی ج ۲ ص ۸۱۔ مطبع انصاری دھلی۔ ❷ حاشیہ سنن النسائی ج ۲ ص ۹۹.

❸ ایسر التفاسیر: ج ۱ ص ۴۱۳.

احادیث

قرآن مجید اور اس کی تفسیر کے بعد اب ہم ان احادیث پر گفتگو کریں گے جن سے ایک ہی مجلس کی اکٹھی تین دفعہ دینے کے جواز پر حجت پکڑی جاتی ہے، ان میں سے چند احادیث درج ذیل ہیں۔

۱۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ طَلَّقَ اِمْرَاَتَهٗ تَطْلِیْقَةً وَّهِیَ حَائِضٌ ثُمَّ اَرَادَ اَنْ یَّتْبَعَهَا بِتَطْلِیْقَتَیْنِ اُخْرَیَیْنِ عِنْدَالْقَرْئَیْنِ الْبَاقِیَیْنِ فَبَلَغَ ذَالِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ یَا ابْنَ عُمَرَ مَا هٰكَذَا اَمَرَكَ اللّٰهُ اِنَّكَ اَخْطَاْتَ السُّنَّةَ اَنْ تَسْتَقْبِلَ الطُّهْرَ فَتُطَلِّقَ لِكُلِّ قَرْءٍ وَّقَالَ فَاَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَرَاجَعْتُهَا ثُمَّ قَالَ اِذَا هِیَ تَطْهُرُ فَطَلِّقْ عِنْدَ ذَالِكَ اَوْاَمْسِكْ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ كُنْتُ طَلَّقْتُهَا ثَلَاثَةً كَانَ یَحِلُّ لِیْ اَنْ اُرَاجِعَهَا قَالَ لَا كَانَتْ تَبِیْنُ تَكُوْنُ مَعْصِیَةً ۔ ●

لَوکنت طلقتها ثلاثا کان یَحِلُّ لی اَنْ اراجعها قال کانت تبین سے استدلال کیا جاتا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاق مغلظ پڑ جاتی ہے۔

جواب اول: اس ٹکڑے سے استدلال درست نہیں: کیونکہ یہ ٹکڑا اس مفہوم میں صریح نہیں۔ کیونکہ طلقتها ثلاثا کا مفہوم تین بار طلاق بھی ہوسکتا ہے۔

جواب دوم: اس ٹکڑے کی استنادی حالت بڑی مشکوک ہے کیونکہ یہ ٹکڑا باقی مستند روایات میں موجود نہیں۔ خود امام بیہقی نے کہہ دیا ہے کہ اس ٹکڑے کے راوی صرف شعیب ہیں۔ امام شوکانیؒ تصریح کرتے ہیں وفی اسناد ها شعیب بن رزیق الشامی وهو ضعیف۔ ''اس کی سند میں شعیب بن رزیق شامی ضعیف'' اس طرح اس حدیث کی سند میں ایک عطاء خراسانی ہیں۔ جنہیں امام بخاری، شعبہ، ابن حبان نے ضعیف اور سعید بن مسیب نے کذاب قرار دیا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ متکلم فیہ ہیں۔ لہٰذا یہ ٹکڑا معرض استدلال میں پیش کرنا درست ہی نہیں بلکہ علم حدیث سے ناواقفی ہے۔ کیونکہ حفاظ کی احادیث میں یہ الفاظ مذکور ہی نہیں۔ ہاں، البتہ مسلم وغیرہ میں ابن رمح کی روایت میں ہے ان كُنْتَ طَلَّقْتَهَا ثَلَاثًا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَیْكَ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجاً غَیْرَكَ وَعَصَیْتَ اللّٰهَ فِیْمَا اَمَرَكَ مِنْ طَلَاقِ امْرَاَتِكَ۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۶۔ صحیح بخاری میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ مگر یہ اضافہ دراصل عبداللہ بن عمر کا ذاتی فتویٰ ہے مرفوع نہیں۔

علاوہ ازیں یہ ٹکڑا ان کنتُ طلقْتّها ثـلاثا ایک مجلس میں تین طلاق دینے میں صریح نہیں طلقتها ثلاثا سے تین بار طلاق بھی ہوسکتی ہے۔

۲۔ قَالَ سَهْلُ بْنُ سَعْدِ السَّاعِدِیُّ فَتَلَاعَنَا وَاَنَا مَعَ النَّاسِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا فَرِغَا قَالَ عُوَیْمِرُ كَذَبْتُ عَلَیْهَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ اَمْسَكْتُهَا فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا قَبْلَ اَنْ یَّاْمُرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ

● السنن الكبرىٰ للبيهقى ج ۷ ص ۳۳۴۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . ❶

اس حدیث کو اس بات کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے کہ جب حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے یکجائی تین طلاقیں دے ڈالیں اور آپ ﷺ نے اس کے اس فعل پر کوئی نکیر نہیں فرمائی تو یکجائی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔

جواب سوم: مگر اس حدیث سے یہ استدلال کسی طرح صحیح نہیں کیونکہ لعان کے بعد از خود تفریق ہو ہی جاتی ہے۔ اور لعان کے بعد رجوع کی گنجائش ہی کہاں باقی رہتی ہے اور نہ کسی صورت میں دوبارہ نکاح کرنے کی۔ حالانکہ طلاق مغلظہ بائنہ کے بعد جب عورت کسی دوسرے مرد سے بسنے کی نیت سے نکاح کرے اور پھر دوسرا خاوند فوت ہو جائے یا وہ کسی پیشگی شرط (حیلہ ملعونہ) کے بغیر اپنے طور پر طلاق دے دے تو عورت عدت گزار کر اپنے پہلے خاوند سے شرعاً نکاح کر کے آباد ہو سکتی ہے۔ پس حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے جو تین طلاقیں دیں وہ محض تو کید اور توثیق کے لئے تھیں گویا انہوں نے اپنی صداقت اور غیرت کے ثبوت میں یہ طلاقیں دی تھیں۔ ورنہ لعان میں اس کے بغیر ہی تفریق ہو جاتی ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اس کارروائی کو عبث قرار دے کر اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی ہوگی۔ چنانچہ امام ابن قدامہ الحنبلی ارقام فرماتے ہیں:

اَمَّا حَدِيْثُ الْمُتَلاَعِنَيْنِ فَغَيْرُ لاَزِمٍ لِاَنَّ الْفُرْقَةَ لَمْ تَقَعْ بِالطَّلاَقِ فَاِنَّهَا وَقَعَتْ بِمُجَرَّدِ لِعَانِهِمَا . ❷

''رہی لعان والی حدیث تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جدائی طلاق کی وجہ سے ہوئی تھی، کیونکہ جدائی تو مجرد لعان سے ہوئی۔''

اس لئے طلاق ایک ہو یا تین سب بے ضرورت تھیں۔ رہی یہ بات کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عویمر عجلانیؓ کو ٹوکا کیوں نہیں۔ تو سرخیل علمائے احناف شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں اس کے دو جواب دیے ہیں۔ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا تَرَكَ الْاِنْكَارَ عَلَى الْعَجْلاَنِيِّ فِي الْوَقْتِ شَفْقَةً عَلَيْهِ لِعِلْمِهٖ اَنَّهٗ بِشِدَّةِ الْغَضَبِ بِمَا لاَ يَقْبَلُ قَوْلَهٗ فَيَكْفُرُ فَاَخَّرَ الْاِنْكَارَ اِلٰى وَقْتٍ اٰخَرَ وَ اَنْكَرَ عَلَيْهِ فِيْ قَوْلِهٖ فَلاَ سَبِيْلَ لَكَ عَلَيْهَا اَوْكَرَهَةً إِيْقَاعِ الثَّلاَثِ لِمَا فِيْهِ مِنْ سَدِّ بَابِ التَّلاَفِيْ مِنْ غَيْرِ حَاجَتِهٖ وَ ذٰلِكَ غَيْرُ مَوْجُوْدٍ فِيْ حَقِّ الْعَجْلاَنِيِّ لِاَنَّ بَابَ التَّلاَفِيْ بَيْنَ الْمُتَلاَعِنَيْنِ مُنْسِدٌ مَّادَامَا مُصِرَّيْنَ عَلَى اللِّعَانِ وَالْعَجْلاَنِيُّ كَانَ مُصِرّاً عَلَى اللِّعَانِ.

اس وقت رسول اللہ ﷺ نے عجلانی کو ٹوکا نہیں۔ یہ بات شفقت کی بنا پر تھی۔ کیونکہ شدت غضب کی بنا پر وہ آپ ﷺ کی بات شاید قبول نہ کرتا اور کافر ہو جاتا۔ اس لئے آپ ﷺ نے دوسرے (مناسب) وقت کے لئے ٹوکنے کو مؤخر رکھا اور اتنا فرما دیا کہ تجھے اب اس پر کوئی اختیار نہیں۔ یا یہ بات ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینا اس لئے مکروہ ہے کہ تلافی کا دروازہ بلا ضرورت بند ہوتا ہے۔ اور عجلانی کے مقدمہ میں یہ بات موجود نہیں کیونکہ لعان کرنے والے جب لعان پر مصر ہوں تو

❶ صحیح البخاری باب من اجاز طلاق الثلاث ج ۲ ص ۷۹۱.   ❷ المغنی ج ۷ ص ۱۰۳.

تلافی کا دروازہ بند ہوتا ہے اور عجلانی لعان پر مصر تھے۔

علامہ انور شاہ کاشمیری حنفی نے اس حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے ایک اور جواب دیا ہے وہ فرماتے ہیں: اَوَّلًا

فَإِنَّ التَّطَابُقَ بَيْنَ الْحِكَايَةِ وَالْمَحْكِيِّ عَنْهُ فِيْ الصِّفَةِ لَيْسَ بِضُرُوْرِيٍّ يُمْكِنُ إِنْ طَلَّقَهَا فِيْ الْخَارِجِ مُتَفَرِّقاً وَ عَبَّرَ عَنْهُ الرَّاوِيْ ثَلَاثاً اَخْذاً بِالْحَاصِلِ وَلَا بُعْدَ فِيْهِ.

پہلا جواب یہ ہے کہ صورت واقعہ اور اس کے بیان کے درمیان صفت واقعہ میں مطابقت ضروری نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ عجلانی نے تین طلاقیں الگ الگ دی ہوں اور راوی نے بطور حاصل کے انہیں تین کہہ دیا ہو اور اس میں کوئی بعد نہیں (فیض الباری) جناب انور شاہ کے اس جواب سے بہت سی متعلقہ احادیث کو صحیح طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔

۳۔ عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ قَالَ أُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَأَتَهُ ثَلٰثَ تَطْلِيْقَاتٍ جَمِيْعاً فَقَامَ غَضْبَانُ ثُمَّ قَالَ اَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ حَتّٰى قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَلَا اَقْتُلُهُ وَ فِيْ بَعْضِ رِوَايَاتٍ وَاَمْضَاهُ عَلَيْهِ وَلَمْ يَرُدَّهُ۔النسائی

جواب چہارم: بعض روایات کا یہ ٹکڑا جو محل استدلال ہے ثابت نہیں۔ مزید یہ کہ ہر چند حضرت محمود بن لبید عہد نبوی میں تولد ہوئے مگر رسول اللہ ﷺ سے ان کا سماع محل نظر ہے۔ امام ابن کثیر سرے سے حدیث کو منقطع ٹھہراتے ہوئے فرماتے ہیں: فيه انقطاع یہ روایت منقطع ہے۔ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ٤٧٧۔

۴۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ طَلَّقَ جَدِّيْ اِمْرَأَةً لَهُ اَلْفَ تَطْلِيْقَاتٍ فَانْطَلَقَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ لَهُ ذٰلِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اتَّقَى اللّٰهَ جَدُّكَ اَمَّا ثَلٰثٌ فَلَهُ وَاَمَّا تِسْعُ مِائَةٍ وَّسَبْعٌ وَّتِسْعُوْنَ فَعُدْوَانٌ وَّظُلْمٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ عَذَّبَهُ وَاِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ۔ (مصنف عبدالرزاق)

جواب پنجم: یہ حدیث سنداً بے حد ضعیف ہونے کی وجہ سے لائق استدلال نہیں۔ اس کے کچھ راوی ضعیف ہیں اور کچھ مجہول اس حدیث کی سند یہ ہے:

عَنْ يَحْيَى بْنِ الْعَلَاءِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْوَلِيْدِ الْوَصَّافِيِّ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ دَاوٗدَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ طَلَّقَ جَدِّيْ.

أُجِيْبَ بِاَنَّ يَحْيَى بْنَ الْعَلَاءِ ضَعِيْفٌ وَّ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْوَلِيْدِ هَالِكٌ وَّ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ مَجْهُوْلٌ فَاَيُّ حُجَّةٍ فِيْ رِوَايَةِ ضَعِيْفٍ عَنْ هَالِكٍ عَنْ مَجْهُوْلٍ ثُمَّ وَالِدُ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ لَمْ يُدْرِكِ الْاِسْلَامَ فَكَيْفَ بِجَدِّهِ. [1]

۵۔ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ طَلَّقَنِيْ زَوْجِيْ ثَلَاثاً لَمْ يَجْعَلْ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

[1] نيل الأوطار ج ٦ ص ٢٣٢.

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُكْنٰى وَلَانَفَقَةً. (مسلم)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایک مجلس کی تین طلاق دینے سے طلاق مغلظ پڑ جاتی ہے، ورنہ رجعی طلاق پڑتی تو بالاتفاق نفقہ کی حقدار ہوتیں۔

جواب ششم: اس حدیث سے زیر بحث مسئلہ کے اثبات میں استدلال صحیح نہیں کیونکہ ثلاثاً کا لفظ اس مطلب کے لئے صریح نہیں کہ یکجائی تین طلاقیں دی ہوں۔ مزید یہ کہ اس حدیث کی دوسری روایات میں یہ تصریح موجود ہے کہ اس سے پہلے دو طلاقیں ہو چکی تھیں اور یہ آخری اور تیسری طلاق تھی وہ روایت یہ ہے:

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ اَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَخْبَرَهُ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ قَيْسٍ اَخْبَرَتْهُ اَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ عَمْرِو بْنِ حَفْصِ بْنِ المغيرة وَطَلَّقَهَا اٰخِرُ ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ. ●

صحیح مسلم ہی میں ایک اور روایت بایں الفاظ آج بھی موجود ہے:

عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُقْبَةَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ حَفْصِ بْنِ الْمُغِيْرَةِ خَرَجَ مَعَ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ اِلَى الْيَمَنِ فَاَرْسَلَ اِلٰى امْرَاَتِهِ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ كَانَتْ بَقِيَتْ مِنْ طَلَاقِهَا۔ مسلم

ان دونوں صحیح احادیث سے ثابت ہوا کہ یہ تیسری طلاق تھی نہ کہ اکٹھی تین طلاقیں تھیں۔ اور اصول حدیث کا مسلمہ قاعدہ الحدیث يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضًا کے مطابق پہلی حدیث طَلَّقَنِيْ زَوْجِيْ ثَلَاثًا مجمل ہے اور یہ دونوں احادیث مفصل ہیں۔ لہٰذا مجمل کو مفصل کی روشنی میں لیا جائے۔ لہٰذا اس حدیث سے متنازعہ فیہ مسئلہ کا استدلال تشبص بالحشيش کا مصداق ہے۔

۲۔ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ اَنَّ عَائِشَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ اِمْرَاَةَ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ جَاءَتْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رِفَاعَةَ طَلَّقَنِيْ فَبَتَّ طَلَاقِيْ وَاِنِّيْ نَكَحْتُ بَعْدَهُ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ الزَّبِيْرِ الْقُرَظِيَّ وَاِنَّمَا مَعَهُ مِثْلُ الْهُدْبَةِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّكِ تُرِيْدِيْنَ اَنْ تَرْجِعِيْ اِلٰى رِفَاعَةَ لَاحَتّٰى يَذُوْقَ عُسَيْلَتَكِ وَتَذُوْقِيْ عُسَيْلَتَهُ. ●

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رفاعہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی۔ جس کو تین طلاقیں تصور کیا گیا اور اس کے نتیجہ میں حضرت رفاعہ پر وہ حرام ہوگئی۔

جواب ہفتم: شیخ الاسلام حافظ ابن حجر صحیح البخاری کی شرح فتح الباری میں اس بودے استدلال پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں؟

وَاسْتَدَلَّ بِقَوْلِهَا بَتَّ طَلَاقِيْ عَلٰى اَنَّ الْبَتَّةَ ثَلَاثُ تَطْلِيْقَاتٍ وَهُوَ عَجَبٌ مِمَّنِ اسْتَدَلَّ بِهِ

● صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۸۴۔ ● صحیح البخاری: باب من طلاق الثلاث الخ ج ۱ ص ۷۹۱۔

فَإِنَّ الْبَتَّةَ بِمَعْنَى الْقَطْعِ وَالْمُرَادُبِهِ قَطْعُ الْعِصْمَةِ وَهُوَ أَعَمُّ مِنْ أَنْ يَكُوْنَ الثَّلَاثُ مَجْمُوْعَةً أَوْبِوُقُوْعِ الثَّالِثَةِ الَّتِي هِيَ آخِرُ ثَلَاثِ تَطْلِيْقَاتٍ وَّسَيَأْتِي فِي اللِّبَاسِ صَرِيْحاً أَنَّهُ طَلَّقَهَا آخِرَ ثَلَاثِ تَطْلِيْقَاتٍ فَبَطَلَ الْإِحْتِجَاجُ. ❶

حافظ ابن حجر نے اپنے اس جواب میں جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے وہ حدیث یہ ہے:

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيَّ طَلَّقَ اِمْرَأَتَهُ فَبَتَّ طَلَاقَهَا فَتَزَوَّجَهَا بَعْدَهُ عَبْدُالرَّحْمَانِ بْنُ الزُّبَيْرِ فَجَاءَ تِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ إِنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَهَا آخِرَ ثَلَاثِ تَطْلِيْقَاتٍ فَتَزَوَّجَهَا بَعْدَهُ عَبْدُالرَّحْمَانِ بْنُ الزُّبَيْرِ. ❷

اس روایت میں پہلے فبت طلاقها کہا، پھر اس کی وضاحت فطلقها آخر ثلاث تطليقات (تو اسے آخری تیسری طلاق دے دی) سے کر دی لہٰذا ثابت ہوا کہ اس حدیث کا مسئلہ زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں۔

۷۔ عَنْ رُكَانَةَ أَنَّهُ طَلَّقَ اِمْرَأَتَهُ الْبَتَّةَ فَأَتَى رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ أَرَدْتَ قَالَ وَاحِدَةً قَالَ آللّٰهِ قَالَ اللّٰهِ وَاحِدَةً قَالَ هُوَ مَا أَرَدْتَّ قَالَ أَبُوْدَرْدَاءُ وَهٰذَا أَصَحُّ مِنْ حَدِيْثِ ابْنِ جُرَيْجٍ أَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَ اِمْرَأَتَهُ ثَلَاثاً لِأَنَّهُمْ أَهْلُ بَيْتِهِ وَهُمْ أَعْلَمُ بِهِ وَحَدِيْثُ ابْنِ جُرَيْجٍ رَوَاهُ مِنْ بَعْضِ بَنِي أَبِي رَافِعٍ .

جواب: نمبر: یہ حدیث درحقیقت ضعیف ہے امام ابوداؤد کا اس کو ابن جریج کی حدیث کے مقابلہ میں اصح کہنا اس کو صحیح قرار دینا صحیح نہیں۔ کیونکہ ابوداؤد جس کو اصح کہہ رہے ہیں وہ بھی ضعیف ہے اس کا ایک راوی زبیر بن سعید ہے:

قَالَ التِّرْمِذِيُّ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّامِنْ هٰذَالْوَجْهِ وَسَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيْلَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ فَقَالَ فِيْهِ إِضْطِرَابٌ هٰذَا آخِرُ كَلَامِهِ وَفِي إِسْنَادِهِ الزُّبَيْرُ بْنُ سَعِيْدِ الْهَاشِمِيُّ وَقَدْ ضَعَّفَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ وَقَالَ أَحْمَدُ إِنَّ طُرُقَهُ ضَعِيْفَةٌ قدوقع الْإِضْطِرَابُ فِي إِسْنَادِهِ وَمَتْنِهِ. ❸

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ دو روایتیں دو علیحدہ علیحدہ واقعات کے متعلق ہیں۔ پہلی روایت رکانہ کے والد عبد یزید کے بارے میں ہے۔ ملاحظہ ہو عون المعبود ج ۲ ص ۲۲۶ اور دوسری رکانہ کی اپنی طلاق کے متعلق ہے ملاحظہ ہو عون المعبود ج ۲ ص ۲۳۱۔ مزید تفصیل عون المعبود میں حافظ ابن قیم کے حوالہ سے ملاحظہ فرمائیں۔

مختصر یہ کہ ابوداؤد کی روایت مضطرب بھی ہے اور ضعیف بھی اس لئے وہ قابل استدلال نہیں۔ مسند احمد کی رکانہ والی حدیث جو آگے آ رہی ہے جس میں طلاق بتہ کے بجائے طلاق ثلاثہ کا ذکر ہے وہ صحیح ہے۔

---

❶ فتح الباري: ج ۹ ص ٤٦٨ باب اذا طلقها ثلاثا ثم تزوجت بعد العدة زوجا غيره فلم يمسها.

❷ صحيح البخاري: باب التبسم والضحك ج ۲ ص ۸۹۹.

❸ عون المعبود ج ۲ ص ۲۳۲.

۸۔ عَنْ عَلِيٍّ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً طَلَّقَ الْبَتَّةَ فَغَضِبَ وَقَالَ تَتَّخِذُوْنَ اٰيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّلَعِباً مَنْ طَلَّقَ الْبَتَّةَ اَلْزَمْنَاهُ ثَلاثًا لاتَحِلُّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ . ❶

جواب دوم: یہ حدیث ضعیف ہے، لہٰذا اسے زیر بحث مسئلہ میں پیش کر کے استدلال کرنا صحیح نہیں۔ امام دارقطنی خود فرماتے ہیں۔ اِسْمَاعِيْلُ بْنُ اَبِيْ اُمَيَّةَ الْقُرَشِيِّ ضَعِيْفٌ مَتْرُوْكُ الْحَدِيْثِ۔ کہ اس روایت کا راوی اسماعیل بن امیہ القرشی ضعیف اور متروک ہے، یہ جھوٹی حدیثیں تیار کرتا ہے۔ اس کا ایک دوسرا راوی عثمان بن قطر ہے، ابن معین نے اس کے بارے میں فرمایا لَا يُكْتَبُ حَدِيْثُهٗ اس کی حدیث نہیں لکھی جاتی۔ ابن حبان نے کہا: يَرْوِيْ مَوْضُوْعَاتٍ عَنِ الثِّقَاتِ ثقہ لوگوں سے موضوع حدیثیں روایت کرتا ہے۔

اس حدیث کا تیسرا راوی عبدالغفور ہے اُن کے بارے میں علامہ محمد طاہر پٹنوی نے کہا ہے يَضَعُ الْحَدِيْثَ۔ حدیث گھڑتا ہے۔ امام ابن تیمیہ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں فِيْ اِسْنَادِهٖ ضُعَفَاءُ وَمَجَاهِيْلُ۔ پس ایسی سخت ضعیف سے استدلال کرنا طفل تسلی سے زیادہ کچھ نہیں۔

۹۔ عَنْ سُوَيْدِ بْنِ غَفْلَةَ قَالَ كَانَتْ عَائِشَةُ الْخَثْعَمِيَّةُ عِنْدَ الْحَسَنِ ابْنِ عَلِيٍّ ﷺ فَلَمَّا قُتِلَ عَلِيٌّ ﷺ قَالَتْ لتهنئك الْخِلَافَةُ قَالَ بِقَتْلِ عَلِيٍّ تُظْهِرِيْنَ الشَّمَاتَةَ اِذْهَبِيْ فَاَنْتِ طَالِقٌ يَعْنِيْ ثَلاثًا فَتَلَفَّعَتْ بِثِيَابِهَا وَقَعَدَتْ حَتّٰى قَضَتْ عِدَّتَهَا فَبَعَثَ اِلَيْهَا بِبَقِيَّةٍ بَقِيَتْ لَهَا مِنْ صِدَاقِهَا وَ عَشَرَةَ اٰلَافٍ صَدَقَةً فَمَا جَاءَهَا الرَّسُوْلُ قَالَتْ (مَتَاعٌ قَلِيْلٌ مِنْ حَبِيْبٍ مُفَارِقٍ) فَلَمَّا بَلَغَهٗ قَوْلُهَا بَكٰى ثُمَّ قَالَ لَوْلَا اَنِّيْ سَمِعْتُ جَدِّيْ اَوْ حَدَّثَنِيْ اَبِيْ اَنَّهٗ سَمِعَ جَدِّيْ يَقُوْلُ اَيُّمَا رَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَاَتَهٗ ثَلاثًا عِنْدَالْاِقْرَاءِ اَوْثَلاثًا مُبْهَمَةً لَمْ تَحِلَّ لَهٗ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهٗ لَرَاجَعْتُهَا (كذالك) رَوٰى عَنْ عَمْرِو بْنِ شِمْرٍ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ مُسْلِمٍ . ❷

اس کا جواب۔ مگر یہ روایت بھی سخت ضعیف ہونے کی وجہ سے مسئلہ زیر بحث میں اس سے استدلال کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ اس حدیث کو حافظ بیہقی نے دو سندوں سے ذکر کیا ہے۔ ان کے متعلق علماء جرح وتعدیل کی آراء پڑھ لیجئے اور پھر فرمایئے کہ یہ روایت حجت ہو سکتی ہے، پہلی سند کا ایک راوی محمد بن حمید الرازی کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں۔ فِيْهِ نَظَرٌ وَكَذَّبَهٗ اَبُوْ ذُرْعَةَ وَعَنِ الْكَوْسَجِ قَالَ اِشْهَدُ اِنَّهٗ كَذَّابٌ قَالَ صَالِحٌ مَارَاَيْتُ اَجْرَاءَ عَلَى اللّٰهِ مِنْهُ كَانَ يَاْخُذُ اَحَادِيْثَ النَّاسِ فَيَنْقَلِبُ بَعْضَهٗ بَعْضًا . ❸

دوسرا راوی سلمہ بن فضل القرشی ہے۔

قَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ مُنْكَرُالْحَدِيْثِ وَقَالَ اَبُوْ ذُرْعَةَ قَالَ عَلِيٌّ خَرَجْنَا مِنَ الرَّيِّ حَتّٰى رَمَيْنَا

❶ دارقطني مع المغني ج ٤ ص ٢٠۔
❷ السنن الكبرى للبيهقي ج ٧ ص ٣٣ ودارقطني ج ٤ ص ٣۔
❸ تهذيب التهذيب، ج ٤، ص ١٣٥۔

بِحَدِيْثِهِ. ❶

دوسری سند کے ایک ہی راوی کا حال بیان کرنا ہی کافی ہے۔ عمران بن مسلم قال ابو احمد الزبیری الرا رافضی کَاَنَّهٗ جرو کَلْبِ۔ جرو کا معنی پلہ اور کلب کا معنی کتا فقرہ خود جوڑ لیجئے۔

یہ ہیں وہ احادیث جن سے یکجائی تین طلاقوں کو طلاق مغلظہ بائنہ قرار دینے کے لئے کھینچا تانی کی جاتی ہے۔ آپ نے دیکھا اس زیر بحث مسئلہ کے بارے میں کوئی صحیح تصریح غیر مبہم حدیث موجود نہیں جو صحیح ہیں وہ صریح نہیں اور جو صریح ہیں ان کا مسئلہ زیر بحث کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

دعویٰ اجماع کی حقیقت

سوال: قرآن و حدیث کے بعد یکجائی تین طلاقوں کے وقوع کے اثبات میں اجماع امت سے بھی استدلال کیا جاتا ہے۔ اور بڑے دھڑلے سے لکھا اور کہا جاتا ہے کہ یکجائی تین طلاق کے طلاق مغلظہ بائنہ ہونے پر اجماع قائم ہو چکا ہے، اس لئے اس کے خلاف فتویٰ دینا اور یکجائی تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق ٹھہرانا غلط اور باطل ہے۔

جواب: یکجائی تین طلاقوں کے تینوں واقع ہو کر مغلظ ہو جانے پر اجماع کا یہ دعویٰ صحیح نہیں۔ اجماع کا کوئی ثبوت فی الواقع موجود نہیں بلکہ واقع یہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کا تین شمار کئے جانے پر امت کا اجماع کبھی بھی نہیں ہوا۔ ہاں طلاق دینے والوں کے حالات کو سامنے رکھ کر کبھی صحابہ نے ایک طہر کی تین طلاقوں کو لازم کر دیا اور کبھی اسے ایک قرار دیا ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف عہد نبوی ﷺ، عہد صدیقی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو تین برسوں تک تو اجماع اسی پر رہا کیا کہ یکجائی تین طلاقیں ایک شمار ہوگی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس تعزیری حکم کے بعد صحابہ کرام طلاق دہندہ کے حالات کے پیش نگاہ رکھ کر کبھی تین کو تین شمار کرتے اور کبھی ایک قرار دیتے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دونوں قسم کا فتویٰ منقول ہے۔ حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم یکبارگی تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق ہی شمار کرتے تھے۔

امام ابوحنیفہ کے دو قول

خود امام ابوحنیفہ سے اس مسئلہ میں دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ ایک رجعی طلاق پڑتی ہے، جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے شاگرد امام محمد بن مقاتل رازی حنفی نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے۔

حَكَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ مَقَاتِلٍ الرَّازِيُّ مِنْ اَصْحَابِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَهُوَاَحَدُ الْقَوْلَيْنِ فِيْ مَذْهَبِ اَبِيْ

❶ تهذيب التهذيب، ج۷، ص ۱۱۳.

حَنِيْفَةَ . ❶

امام مالک کے بھی دوقول ہیں۔مولانا عبدالحی نے طلاق ثلاثہ کے بارے میں چار قول نقل کیے ہیں فرماتے ہیں:

وَالْقَوْلُ الثَّانِيْ اِنَّهُ اِذَا طَلَّقَ ثَلاثاً تَقَعُ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ وَهٰذَا هُوَ الْمَنْقُوْلُ عَنْ بَعْضِ الصَّحَابَةِ وَبِهِ قَالَ دَاوٗدُ الظَّاهِرِيُّ وَاَتْبَاعُهُ وَهُوَ اَحَدُ الْقَوْلَيْنِ لِمَالِكٍ وَّاَصْحَابِ اَحْمَدَ اِنْتَصَرَ لِهٰذَا الْمَذْهَبِ ابْنُ تَيْمِيَّةَ الْحَنْبَلِيُّ فِيْ تَصَانِيْفِهٖ وَ تَلْمِيْذُهٗ فِيْ كِتَابِهٖ زَادِالْمَعَادِ وإغاثة اللهفان وَغَيْرِهِمَا وَمَنْ تَبِعَهُمَا . ❷

لیجئے جناب دعویٰ اجماع میں تو خود حضرت امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے خود دراڑیں پیدا کر دی ہیں۔

۳۔امیر المومنین فی الحدیث سید الفقہاء امام محمد بن اسماعیل بخاری اس زیر بحث مسئلہ کو مختلف فیہ قرار دیتے ہوئے اپنی الجامع الصحیح میں یوں تبویب قائم فرماتے ہیں۔باب من جوز الطلاق الثلاث. صحیح بخاری ج ۲ ص ۔جس نے تین طلاق کو جائز قرار دیا۔حافظ ابن حجر اس کی تشریح کرتے ہوئے تصریح فرماتے ہیں:

وَفِي التَّرْجَمَةِ اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّ مِنَ السَّلَفِ مَنْ لَّمْ يُجِزْ وُقُوْعَ الطَّلَاقِ الثَّلَاثِ۔ فتح الباری ج ۹ ص ۳۶۲۔ اس ترجمہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علماء سلف میں ایسے علماء بھی ہیں جو یکجائی تین طلاقوں کے قائل نہیں۔

پھر اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے آگے ارقام فرماتے ہیں:

اَلرَّابِعُ اَنَّهُ مَذْهَبٌ شَاذٌّ فَلاَ يُعْمَلُ بِهٖ وَاُجِيْبَ بِاَنَّهُ نُقِلَ عَنْ عَلِيٍّ وَّ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَّ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَّالزُّبَيْرِمِثْلَهُ نَقَلَ ذَالِكَ ابْنُ مُغِيْثٍ (فِيْ كِتَابِ الْوَثَائِقِ لَهُ) وَعَزَاهُ لِمُحَمَّدِ بْنِ وَضَّاعٍ وَّ نَقَلَ الفتوىٰ بِذَالِكَ عَنْ جَمَاعَةٍ مِّنْ مَّشَائِخِ قُرْطُبَةَ كَمُحَمَّدِ بْنِ تَقِيِّ بْنِ مُخَلَّدٍ وَّمُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِالسَّلَامِ الْخُشَنِيِّ وَغَيْرِ هِمَا وَ نَقَلَهُ ابْنُ الْمُنْذِرِ عَنْ اَصْحَابِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَكَعْبٍ وَّ طَاوٗسٍ وَّ عُمَرَ بْنِ دِيْنَارٍ وَّ يَتَعَجَّبُ مِنَ ابْنِ التِّيْنِ حَيْثُ جَزَمَ بِاَنَّ لُزُوْمَ الثَّلَاثِ لاَ اِخْتِلَافَ كَمَا تَرٰى . ❸

مَنْ قَالَ اِذَا طَلَّقَ ثَلاثاً مَجْمُوْعَةً وَقَعَتْ وَاحِدَةٌ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْحَاقَ صَاحِبِ الْمَغَازِيْ . ❹

---

❶ اغاثة اللهفان لا بن القيم ص ١٥٧ طبع مصر التعليق المغنى على الدارقطنى ج ٤ ص ٤٨.

❷ عمدة الرعاية ج ٢ ص ٧١.

❸ فتح البارى ج ٩ ص ٣٦٣ طبع قديمى ج٩، ص ٤٥٤.

❹ فتح البارى ج ٩ ص ٣٦٢.

امام طحاوی حنفی شرح معانی الآثار میں تصریح فرماتے ہیں:

فَذَهَبَ قَوْمٌ اِلٰی اَنَّ الرَّجُلَ اِذَا طَلَّقَ اِمْرَاَتَهٗ ثَلَاثًا مَّعًا فَقَدْ وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ اِذَا کَانَ فِیْ وَقْتِ السُّنَّةِ وَذٰلِكَ اَنْ تَكُوْنَ طَاهِرَةً فِیْ غَيْرِ جِمَاعٍ وَّاحْتَجُّوْا فِیْ ذٰلِكَ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ج ۲ ص ۳۱۔

یہ بھی مخفی نہ رہے کہ امام طحاوی امام بخاری کے معاصر اور امام ابن تیمیہ سے پہلے کے محدث ہیں۔ یعنی امام طحاوی کے عہد تک بھی اس مسلک کے قائل اتنے تھے کہ انہیں قوم (یعنی گروہ) سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

نامور مفسر علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں ایک مستقل فصل کے عنوان سے اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

وَذَكَرَ اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ مُغِيْثِ الطُّلَيْطِلِیُّ هٰذِهِ الْمَسْئَلَةَ فِیْ وَثَائِقِهٖ ثُمَّ اخْتَلَفَ اَهْلُ الْعِلْمِ بَعْدَ اِجْمَاعِهِمْ عَلٰی اَنَّهٗ مُطَلِّقٌ لَمْ يَلْزِمْهُ الطَّلَاقُ فَقَالَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَّ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَلْزِمُهُ الطَّلَاقُ وَاحِدَةٌ وَقَالَهٗ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّقَالَ الزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ وَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَّ رَوَيْنَا ذٰلِكَ كُلَّهٗ عَنِ ابْنِ وَضَّاحٍ وَّبِهٖ قَالَ مِنْ شُيُوْخِ قُرْطَبَه ابْنُ زُنْبَيْرٍ هدى وَ مُحَمَّدُ بْنُ تَقِیِّ بْنِ مَخْلَدٍ وَّ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِالسَّلَامِ فَرِيْدُ وَقْتِهٖ عَقَبَةُ عَصْرِهٖ وَاَصْبَغُ بْنُ الْحَبَّابِ وَجَمَاعَتُهٗ سِوَاهُمْ۔ (تفسیر قرطبی پارہ ۲)

امام رازی شافعی اپنی تفسیر کبیر الطلاق مرتان کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں:

ثُمَّ الْقَائِلُوْنَ بِهٰذَا اخْتَلَفُوْا عَلٰی قَوْلَيْنِ الْاَوَّلِ وَهُوَاخْتَارَ كَثِيْرٌ مِّنْ عُلَمَاءِ الدِّيْنِ اَنَّهٗ لَوْ طَلَّقَهَا اثْنَتَيْنِ اَوْثَلَاثًا لَايَقَعُ اِلاَّ الْوَاحِدَةُ وَهٰذَا الْقَوْلُ هُوَالْاَقْيَسُ لِاَنَّ النَّهْیَ يَدُلُّ عَلَی اشْتِمَالِ الْمَنْهِیِّ عَنْهُ عَلٰی مُفْسِدَةٍ رَاجِحَةٍ وَالْقَوْلُ بِالْوُقُوْعِ سَعْیٌ فِیْ اِدْخَالِ تِلْكَ الْمُفْسَدَةِ فِی الْوُجُوْدِ وَاَنَّهٗ غَيْرُ جَائِزٍ فَوَجَبَ اَنْ يُّحْكَمَ بِعَدَمِ الْوُقُوْعِ۔

امام رازی کی اس وضاحت سے دو باتیں کھل کر سامنے آ گئی ہیں۔ ایک یہ مسلک زیادہ قرین قیاس ہے، دوسری یہ شاذ مسلک نہیں بلکہ بہت سے علمائے دین کا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی اس مسلک کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ذَهَبَ طَاؤُسٌ وَّ ابْنُ اِسْحَاقَ وَالْحَجَّاجُ بْنُ اَرْطَاةَ وَالنَّخْعِیُّ وَابْنُ مُقَاتِلٍ وَّالظَّاهِرِيَّةُ اِلٰی اَنَّ الرَّجُلَ اِذَا طَلَّقَ اِمْرَاَتَهٗ ثَلَاثًا مَعًا فَقَدْ وَقَعَتْ عَلَيْهَا وَاحِدَةٌ وَاحْتَجُّوْا بِحَدِيْثِ اَبِی الصَّهْبَاءِ۔ [1]

امام محمد بن علی الشوکانیؒ اس مسلک کے قائلین کے نام پیش کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

ذَهَبَ طَائِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْعِلْمِ اِلٰی اَنَّ الطَّلَاقَ لَا يَتْبَعُ الطَّلَاقَ بَلْ يَقَعُ وَاحِدَةٌ فَقَطْ وَقَدْ حَكَا

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری۔

ذٰلِكَ صَاحِبُ الْبَحْرِ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رِوَایَةً عَنْ عَلِیٍّ وَّ ابْنِ عَبَّاسٍ الخ

کہ اہل علم کا ایک طائفہ اس طرف گیا ہے کہ طلاق پر طلاق، یعنی تابڑ توڑ طلاق واقع نہیں ہوتی۔ صاحب بحر زخار، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت علی، ابن عباس، طاؤس، عطاء، جابر بن زید، ہادی، قاسم، باقر، ناصر، احمد بن عیسیٰ، عبداللہ بن موسیٰ بن عبداللہ، زید بن علی، متاخرین میں سے ابن تیمیہ، ابن قیم اور محققین کی ایک جماعت کا یہی مسلک نقل فرمایا ہے۔ ابن مغیث نے اپنی کتاب الوثائق میں محمد بن وضاح کا یہی مسلک نقل کیا ہے اور مشائخ قرطبہ محمد بن بقی، محمد بن عبدالسلام وغیرھما کا یہی فتویٰ نقل کیا ہے اور ابن منذر نے ابن عباس کے اصحاب عطاء، طاؤس اور عمر بن دینار کا بھی یہی مسلک ذکر کیا ہے۔

(نیل الاوطار ج ٦ ص ٢٣١)

لیجئے جناب یہ ہے اصلیت اس اجماع کی جس پر ہمارے کرم فرما اپنے مسلک کی بنیاد پر مخالفین کے مسلک کو باطل اور خارق اجماع بتلاتے چلے جارہے ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے شیخ الاسلام ابن القیم کی کتاب اعلام الموقعین، اغاثۃ اللفھان اور احمد آباد انڈیا کے سیمینار کی روئیداد اور علمائے احناف اور علمائے حدیث کی متفقہ آراء کی طرف مراجعت فرمائیں۔

اب رہے صحابہ کے مختلف اقوال تو ان کا اصولی جواب یہ ہے کہ فَلَمَّا اخْتَلَفَ الصَّحَابَةُ فَوَجَبَ الرُّجُوْعُ اِلَى الْمَرْفُوْعِ۔ ❶

ایک طلاق رجعی ہونے کی احادیث

اوپر کی تفصیلی گفتگو سے یہ بات صاف ہوچکی کہ یکبارگی تین طلاق دینے سے طلاق مغلظہ بائنہ واقع ہو جاتی ہے۔ یہ بات نہ کتاب اللہ سے ثابت ہے اور نہ سنت رسول اللہ ﷺ سے نہ اس پر کبھی امت کا اجماع ہوا ہے۔ اس کے بعد مزید کسی بحث کی فی الواقع ضرورت باقی نہیں رہتی، تاہم ایجابی طور پر دو حدیثیں ایسی صحیح اور صریح ہیں، جنہوں نے اس متنازعہ فیہ مسئلہ کا فیصلہ کر کے رکھ دیا ہے۔

١۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبِیْ بَكْرٍ وَّ سَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ طَلَاقُ الثَّلٰثِ وَاحِدَةٌ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوْا فِیْ اَمْرٍ كَانَتْ لَهُمْ فِيْهِ اَنَاةٌ فَلَوْ اَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ فَاَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ. ❷

یہ روایت مختلف اسناد سے صحیح مسلم اور دوسری کتب احادیث میں باختلاف یسیر مروی ہے۔ روایتاً اس حدیث کے صحیح ہونے میں کلام کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ حدیث اپنے اس مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد اور خلافت فاروقی رضی اللہ عنہ کے دو برسوں تک (بعض روایتوں میں تین برسوں تک) یکجائی تین طلاقیں ایک

❶ باب الجمعه فی القری ـ فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ٢ ص ٣٠٣.

❷ صحیح مسلم کتاب الطلاق ج ١ ص ٤٧٧۔ مسند احمد بن حنبل ج ٤ ص ٣١٤ و رواہ الحاکم ج ٢ ص ١٩٦ و نیل الاوطار ج ٦ ص ٢٣٢.

رجعی طلاق شمار ہوتی تھی۔ جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی مہلت اور سہولت کا فائدہ اٹھاتے اور مجلس واحد میں ایک طلاق پر اکتفا کرتے۔ انہوں نے اکٹھی تین طلاقیں دینے کو معمول بنا لیا اور طلاق کے غیر شرعی طریقہ پر اصرار کر رہے ہیں تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ لوگوں پر تین طلاقیں نافذ کر دی جائیں۔ پھر انہوں نے بحیثیت خلیفہ ہونے کے یہ حکم جاری کر دیا۔ حدیث کا ظاہری مفہوم یہی ہے اس مفہوم کے مطابق عہد نبوی، عہد صدیقی اور خلافت فاروقی کے ابتدائی دو برسوں کا تعامل سامنے آتا ہے کہ یکبارگی تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق باور کیا جاتا تھا۔

قائلین طلاق ثلاثہ نے اس صحیح حدیث کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔

جواب اول: یہ حکم غیر مدخول کے ساتھ خاص ہے کہ جیسا کہ ابو داؤد نے ایوب سختیانی سے روایت کی ہے، کیونکہ وہاں تصریح ہے یہ حکم غیر مدخول کا تھا اب یہ حکم جو خاص ہے اس کو عام بتانا کسی طرح درست نہیں۔

اس جواب کا رد۔ ایوب سختیانی کی یہ روایت ضعیف ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں

اَمَّا هٰذِهِ الرِّوَايَةُ الَّتِیْ لِاَبِیْ دَاوٗدَ فَضَعِيْفَةٌ رَوَاهَا اَيُّوْبُ عَنْ قَوْمٍ مَجْهُوْلِيْنَ عَنْ طَاوٗسٍ عَنْ عَبَّاسٍ فَلَا يُحْتَجُّ بِهَا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ ❶

جواب ثانی: یہ حدیث منسوخ ہے۔ جواب الجواب!

علامہ مازری کہتے ہیں کہ جن لوگوں کو حقائق کی خبر نہیں ان کا خیال ہے کہ یہ حکم پہلے تھا، پھر منسوخ ہو گیا۔ مازری نے کہا یہ موقف واضح طور پر غلط ہے۔ کیونکہ حضرت عمر منسوخ نہیں کر سکتے اور اگر وہ حاشا وکلا منسوخ کرتے تو صحابہ فوراً انکار کرتے اور اگر قائل کا منشا یہ ہے کہ یہ حکم رسول اللہ کے دور میں منسوخ ہو گیا تھا تو یہ بات غیر ممکن نہیں، لیکن یہ بات ظاہر حدیث کے خلاف جاتی ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو راوی کے لئے جائز نہ ہوتا کہ وہ خلافت ابوبکر و خلافت عمر کے ابتدائی دور میں اس حکم کے باقی اور نافذ رہنے کی خبر دیتا۔ ❷

مزید برآں حضرت عمر کے فیصلہ کے الفاظ اس جواب کو قبول نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا: اِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجِلُوْا فِیْ اَمْرٍ كَانَتْ لَهُمْ فِيْهِ اَنَاةٌ۔

جواب ثالث: ایسا اہم حکم ہو اور صرف ابن عباس اس کے راوی ہوں یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔

جواب الجواب۔ امام محمد بن اسماعیل الامیر الکحلانی اس کے رد میں لکھتے ہیں:

هٰذَا مُجَرَّدُ اسْتِبْعَادٍ فَاِنَّهٗ كَمْ مِّنْ سُنَّةٍ وَّحَادِثَةٍ اِنْفَرَدَهَا رَاوٍ وَلَا يَضُرُّ سِيَّمَا ابْنُ عَبَّاسٍ بَحْرُ الْاُمَّةِ ❸

جواب الجواب ۲۔ حدیث کے الفاظ اس جواب کو قبول نہیں کرتے۔

---

❶ نووی شرح مسلم ص ٤٤٨ ج ١۔ ❷ شرح نووی ج ١ ص ٤٧٨۔
❸ سبل السلام ج ٣ ص ١٧٢۔

اَتَعْلَمُ اِنَّمَا كَانَتِ الثَّلَاثُ تُجْعَلُ وَاحِدَةً قَالَ نَعَمْ ۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۸)

''کیا آپ کو علم نہیں کہ تین طلاق کو ایک طلاق بنا دیا جاتا ہے تو ابن عباس نے فرمایا: ہاں۔'' اگر تین طلاق کا سرے سے رواج ہی نہ تھا تو ایک کیوں بنایا جاتا تھا۔

اس لئے صاحب روح المعانی علامہ محمود آلوسی کو یہ کہنا پڑا فَهُوَ تَاوِيلٌ بَعِيدٌ لا جواب حسن فضلا عن كونه احسن۔ روح المعانی ص ۱۳۷

جواب خامس: اس حدیث میں یہ صراحت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم تھا۔ دلیل تو تب ہوتی کہ رسول اللہ ﷺ کو علم ہوتا۔ اور آپ اس سے منع نہ فرماتے۔

جواب الجواب۔ حافظ ابن حجر اس کے رد میں لکھتے ہیں:

بِاَنَّ قَوْلَ الصَّحَابِيِّ كُنَّا نَفْعَلُ كَذَا فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حُكْمِ الرَّفْعِ عَلَى الرَّاجِحِ حَمْلًا عَلٰى اَنَّهُ اِطَّلَعَ عَلٰى ذٰلِكَ فَاَقَرَّهُ لِتَوَفُّرِ دَوَاعِيْهِمْ عَلَى السُّوَالِ عَنْ جَلِيْلِ الْاَحْكَامِ وَحَقِيْرِهَا ۔ ❶

جواب سادس: اجماع۔ حضرت عمر بن خطاب کے عہد میں یکبارگی تین طلاق تین ہی مانی جائے گی۔

جواب الجواب۔ اجماع کی حقیقت امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام بخاری، امام بن حجر، امام رازی، حافظ عینی حنفی، امام شوکانی اور امام طحاوی حنفی، مولانا عبدالحی حنفی لکھنوی کے حوالہ جات اور تصریحات کے ساتھ اس اجماع کی حقیقت طشت از بام ہو چکی ہے۔

جواب سابع: صحابہ کرام کا عمل اس حدیث کے خلاف ہے۔

جواب الجواب۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت علی، حضرت زبیر بن عوام، ابن مسعود، ابن عباس، حضرت عبدالرحمان بن عوف اور دوسرے ایک ہزار سے زائد صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے قائل ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق شمار ہوتی تھی۔ حافظ ابن قیم فرماتے ہیں:

وَهٰذَا حَالُ كُلِّ صَحَابِيٍّ مِنْ عَهْدِ الصِّدِّيْقِ اِلٰى ثَلَاثِ سِنِيْنَ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةٌ وَهُمْ يَزِيْدُوْنَ عَلَى الْاَلْفِ قَطْعًا ۔ ❷

دوسرا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث کے مقابلہ میں کسی امتی کا قول حجت نہیں۔ لا حجة احد دون رسول الله ﷺ۔ حجته الله البالغه۔ اور یہ ہے حقیقت ہے اس حدیث صحیح کے فرضی اور تار عنکبوت سے کمزور تر جوابات کی والحمدلله علی ذالك

---

❶ فتح الباری ج ۹ ص ۳۶۵۔

❷ اغاثة اللفهان ج ۱ ص ۱۵۷ اور التعلیق المغنی علی دارقطنی ج ۴ ص ۴۷ اور ۴۸۔

حدیث ثانی۔ حَدَّثَنَا سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ حَدَّثَنِي دَاوُدُ بْنُ الْحُصَيْنِ عَنْ عِكْرِمَةَ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَلَّقَ رُكَانَةُ بْنُ يَزِيدَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثاً فِي مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ فَحَزِنَ عَلَيْهَا حُزْناً شَدِيداً قَالَ فَسَأَلَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ طَلَّقْتَهَا؟قَالَ طَلَّقْتُهَا ثَلَاثاً فَقَالَ: فِي مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ؟قَالَ نَعَمْ قَالَ إِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ فَارْجِعْهَا إِنْ شِئْتَ قَالَ فَرَاجَعَهَا۔

''حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو یکجائی تین طلاقیں دے دیں، بعد میں سخت غمگین ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ آپ نے اپنی بیوی کو کیسے طلاق دی؟ تو انہوں نے عرض کیا "طَلَّقْتُهَا ثَلَاثاً" کہ میں نے اسے تین طلاقیں دی ہیں۔ تو آپ ﷺ نے پوچھا "فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ" کہ ایک ہی مجلس میں؟ عرض کیا! ہاں، فرمایا إِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ فَارْجِعْهَا إِنْ شِئْتَ۔ یہ ایک ہی طلاق ہے آپ چاہیں تو رجوع کر سکتے ہو۔'' تو انہوں نے اپنی یکجائی مطلقہ ثلاثہ بیوی سے رجوع کر لیا۔

قَالَ أَحْمَدُ شَاكِرٌ إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ وَ رَوَاهُ أَيْضاً فِي الْمُخْتَارَةِ كَمَا نَقَلَهُ ابْنُ الْقَيِّمِ فِي إِغَاثَةِ اللَّهْفَانِ ص ۱۵۸ وَ رَوَاهُ أَبُو يَعْلَى وَالْبَيْهَقِيُّ۔ مسند احمد مع تعليق احمد شاكر ج ۴ ص ۱۲۳ وَ قَالَ الشَّيْخُ الْإِسْلَامِ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو يَعْلَى وَ صَحَّحَهُ مِنْ طَرِيقِ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحٰقَ وَ هٰذَا الْحَدِيثُ نَصٌّ فِي الْمَسْئَلَةِ لَا يَقْبَلُ التَّأْوِيلَ الَّذِي فِي غَيْرِهِ مِنَ الرِّوَايَاتِ الْآتِي ذِكْرُهَا فتح البارى ج ۹ ص ۳۱۶۔ وطبع جديد ج ۹ ص ۳۶۲۔ وَقَالَ الْإِمَامُ الْمُحَقِّقُ وَ الْمُدَقِّقُ الشَّوْكَانِيُّ أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَ أَبُو يَعْلَى وَ صَحَّحَهُ وَالْحَدِيثُ نَصٌّ فِي مَحَلِّ النِّزَاعِ۔ ❶

یکجائی تین طلاق کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین درج ذیل مسئلہ میں کہ میرے بھائی محمد الیاس نے گھریلو ناچاقی اور اختلافات سے تنگ آ کر اپنی بیوی مسمات زیب النساء کو مورخہ ۹۴۔۱۱۔۵ کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی تھیں، اب وہ اس اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کرنا چاہتا ہے کیا قرآن وحدیث کی روشنی کے مطابق وہ اپنا گھر آباد کر سکتا ہے یا نہیں؟ شرعی فتویٰ صادر فرمائیں۔

نوٹ: میں حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ میرے بھائی نے اس سے پہلے اپنی اس بیوی کو کوئی طلاق نہیں دی۔

(سائل: محمد جاوید ولد محمد الطاف نیو شالا مار ٹاؤن مکان نمبر ۸۷ گلی نمبر ۲ رحمٰن پارک لاہور)

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں صرف ایک

❶ نيل الاوطار ج ٦ ص ١٢٣٣ ـ هذا اخرما اردنا ايراده في مقالتي هذه والحمد لوليه والصلوة والسلام على نبيه و بنعمته تتم الصالحات.

رجعی طلاق واقع ہوئی ہے، قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ، ماہرین شریعت اور محققین علمائے امت کی تصریحات کے مطابق اکٹھی تین طلاقیں شرعاً ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

۱۔ ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ (البقرة : ۲۲۹)

کہ رجعی طلاق دو مرتبہ ہے، پھر یا تو اچھے طریقہ کے ساتھ بیوی کو آباد رکھنا ہے یا پھر بھلے طریقہ کے ساتھ اسے چھوڑ دینا ہے۔ اس آیت شریفہ میں لفظ مَرَّتَانِ مرہ کا تثنیہ ہے اور مرۃ کا معنی ایک دفعہ اور ایک وقت اور ایک مجلس ہے جیسا کہ قرآن مجید کی سورۃ النور میں ہے:

۲۔ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ﴾ (النور: ۵۸)

''اے ایمان والو! تمہارے غلام، لونڈی اور نابالغ لڑکے لڑکیاں تمہارے پاس آنے کے لئے تین وقتوں میں اجازت لے کر آیا کریں۔ ایک فجر کی نماز سے پہلے، دوسرے دوپہر کے وقت جب تم آرام کے لئے کپڑے اتار رکھتے ہو اور تیسرے عشاء کی نماز کے بعد یہ تین وقت تمہاری بے پردگی کے وقت ہیں۔''

اس آیت شریفہ میں ثلث مرات سے مراد صرف تین وقت ہی ہیں۔ تین کا عدد ہرگز نہیں۔ اور قاعدہ القرآن یفسر بعضہ بعضا کے مطابق الطلاق مرتان کا معنی بھی لامحالہ طلاق دو دفعہ ہی ہے، دو طلاقیں ہرگز نہیں، ورنہ قرآن کی عبارت اَلطَّلَاقُ طَلْقَتَانِ ہوتی جب کہ ایسا ہرگز نہیں۔ پس قرآن سے ثابت ہوا کہ یکجائی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق ہوتی ہے۔ اب احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ غیر معللہ ولا شاذ ملاحظہ فرمائیے۔

۳۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبِيْ بَكْرٍ سَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً.[1]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد سے لے کر حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دو برسوں تک اکٹھی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق شمار ہوتی تھی۔'' اس صحیح حدیث کے بعد ایک سچا واقعہ بھی پڑھئے۔

۴۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رُكَانَةَ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّهُ طَلَّقَ اِمْرَاَتَهُ ثَلَاثاً فِيْ مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ فَحَزَنَ عَلَيْهَا حَزْناً شَدِيْداً فَسَاَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ طَلَّقْتَهَا؟ قَالَ ثَلَاثاً فِيْ مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ قَالَ فَقَالَ اِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ فَارْتَجِعْهَا اِنْ شِئْتَ فَرَاجَعَهَا.[2]

---

[1] مسلم كتاب الطلاق ج ۱ ص ۴۷۷۔

[2] اخرجه احمد و ابو يعلى و صححه۔ فتح البارى شرح صحيح البخارى ج ۹ ص ۳۱٦ و نيل الاوطار ج ٦ ص ۲٦۱۔

کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے کر بڑے غمگین ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے دریافت فرمانے پر عرض کیا کہ حضرت! اکٹھی تین طلاقیں دے بیٹھا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو ایک رجعی طلاق واقع ہوئی ہے آپ رجوع کر سکتے ہیں۔ تو انہوں نے اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کر لیا۔

۵۔ ہزار سے زائد صحابہ کا مذہب: حضرت عبداللہ بن عباس، ابوموسیٰ اشعری، زبیر، علی، عبدالرحمان بن عوفؓ اور دوسرے ہزار سے زائد صحابہ کا یہی مذہب اور فتویٰ ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق پڑتی ہے۔ ❶

۶۔ حنفیہ میں سے امام محمد بن مقاتل الرازی (شاگرد امام ابوحنیفہ)، مفتی ظفیر الدین مفتی دارالعلوم دیوبند، علامہ سعید احمد اکبر آبادی حنفی، علامہ عروج قادری حنفی اور مشہور بریلوی عالم پیر کرم شاہ بریلوی بھیروی کی رائے بھی یہی ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔ ❷

۷۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، امام بن قیم، شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی اور شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری کا بھی یہی فتویٰ اور اسی طرح مفتی اعظم سعودی عرب الشیخ عبدالعزیز بن باز کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ ان مذکورہ بالا آیات، احادیث صحیحہ اور محققین علمائے امت اور ماہرین شریعت کی تصریحات سامیہ کے مطابق صورت مسئولہ میں ایک رجعی طلاق واقع ہوئی ہے۔ بشرطیکہ طلاق دہندہ کی یہ پہلی ہی طلاق ہو۔ چونکہ یہ طلاق مورخہ ۹۴۔۱۱۔۵ کو دی گئی ہے، جیسا کہ سوال نامہ کے خط کشیدہ تصریح سے واضح ہے، لہٰذا طلاق موثر ہو کر نکاح سابق ٹوٹ چکا ہے اور مسماۃ زیب النساء اپنے شوہر محمد الیاس ولد عبدالعزیز کے حبالہ عقد سے آزاد ہو چکی ہے، لہٰذا اب رجوع شرعاً ممکن نہیں، ہاں چونکہ یہ طلاق رجعی اور پہلی ہے، اس لئے اب شرعاً جدید نکاح بلا حلالہ کے جائز ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (البقرة: ۲۳۲)

کہ جب تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو ان کو اپنے خاوندوں کے ساتھ دوبارہ نکاح کر لینے سے مت روکو جب وہ آپس میں شریعت کے مطابق راضی ہو جائیں۔

یہ آیت شریفہ اس وقت نازل ہوئی جب حضرت معقل بن یسار نے اپنی ہمشیرہ کو اپنے خاوند سے دوبارہ نکاح کرنے سے روک دیا تھا۔ ❸

پس صورت مسئولہ میں شرعاً نکاح ثانی کی گنجائش اور اجازت ہے۔ حلالہ جیسے لعنتی فعل کی ہرگز ضرورت نہیں۔ یہ جواب بشرط صحت سوال تحریر کیا گیا ہے۔ مفتی کسی عدالتی کارروائی کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

---

❶ التعليق المغني: ج ٤ ص ٤٧۔ ❷ مقالات علمیہ: ص ٢٤٧۔

❸ صحیح بخاری: کتاب الطلاق و کتاب التفسیر۔

طلاق کا لفظ بولنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے

سوال: فلک شیر ولد محمد حنیف قوم کھرل سکنہ ملکہ حاجی تحصیل ننکانہ ضلع شیخوپورہ مورخہ ۹۶-۴-۲ کو اپنی منکوحہ بیوی مقبول بیگم دختر عطا محمد قوم کھرل سکنہ ملکہ حاجی کو طلاق، طلاق، طلاق دے دیتا ہے اور اپنے بچے اپنی والدہ کو پرورش کے لئے دے دیتا ہے۔

عالی جاہ! اس مسئلہ کے بارے میں بتائیں کہ مسماۃ مقبول بیگم زوجہ فلک شیر کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟ جناب سے درخواست ہے کہ اس کا فتویٰ جاری کیا جائے (سائل: رائے منیر احمد ولد رائے عطا محمد قوم کھرل ساکن ملکہ حاجی)

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں ہر ایک مکتب فکر کے نزدیک طلاق واقع ہو چکی ہے اس میں سنی، بریلوی، دیوبندی اور کسی اہل حدیث عالم دین اور مفتی کو قطعاً کوئی اختلاف نہیں کیونکہ طلاق جب شریعت کے مطابق ہو تحریری ہو یا زبانی کلامی ہو۔ بیوی وصول کرے یا نہ کرے، تسلیم کرے یا نہ کرے طلاق بہر حال واقع ہو جاتی ہے۔

احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ قویہ معتبرہ ملاحظہ فرمایئے:

(۱)...... عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ مَاحَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسُهَا مَالَمْ تَعْمَلْ اَوْتَتَكَلَّمْ. ❶

(۲)...... عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِاُمَّتِیْ عَمَّا حَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسُهَا مَالَمْ يَتَكَلَّمُوْا اَوْيَعْمَلُوْا بِهٖ. ❷

ان دونوں احادیث صحیحہ کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دلوں کے خیالات اور وساوس کو نظر انداز کر رکھا ہے جب تک وہ زبان سے بول کر ان کو ادا نہ کرے یا ان پر عمل درآمد نہ کرے۔

اس حدیث نمبر ۱ کے پہلے جملہ مَالَمْ تَعْمَلْ اور حدیث نمبر ۲ کے دوسرے جملہ وَيَعْمَلُوْا اس حقیقت پر دلالت کر رہے ہیں کہ تحریری طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اسی طرح پہلی حدیث کا آخری جملہ اَوْتَتَكَلَّمْ اور دوسری حدیث کا پہلا جملہ مَالَمْ يَتَكَلَّمُوْا اس بات پر صاف صاف دلالت کر رہے ہے کہ زبانی کلامی طلاق بھی بلاشبہ واقع ہو جاتی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن حجر عسقلانیؒ صحیح بخاری کی پہلی حدیث کے پہلے جملہ مَالَمْ تَعْلَمْ کی شرح میں دوٹوک لکھتے ہیں:

---

❶ صحیح البخاری: باب الطلاق فی الاغلاق والکره والنسیان ج ۲ ص ۷۹۳، ۷۹٤.

❷ صحیح مسلم: باب بیان ماتجاوز الله عن حدیث النفس ج ۱ ص ۷۸.

وَاسْتُدِلَّ بِهِ عَلٰی اَنَّ مَنْ کَتَبَ الطَّلَاقَ طُلِّقَتْ اِمْرَاَتُهٗ لِاَنَّهٗ عَزَمَ بِقَلْبِهٖ وَ عَمِلَ بِکِتَابَتِهٖ وَهُوَ قَوْلُ الْجَمْهُوْرِ۔ ❶

یہ حدیث دلیل ہے کہ تحریری طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ جمہور علمائے امت کا یہی فتویٰ اور قول ہے۔ ان دونوں احادیث صحیحہ قویہ معتبرہ غیر معللہ ولاشاذ سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ صورت مسئولہ میں طلاق بلاشبہ واقع ہو چکی ہے اور اس میں کسی بھی مفتی کو ہرگز کوئی اختلاف نہیں۔ مزید سنئے:

مشہور سکالر السید محمد سابق مصری ارقام فرماتے ہیں:

یَقَعُ الطَّلَاقُ بِکُلِّ مَا یَدُلُّ عَلٰی اِنْهَاءِ الْعَلَاقَةِ الزَّوْجِیَّةِ سَوَاءٌ کَانَ ذٰلِکَ بِاللَّفْظِ اَوْ بِالْکِتَابَةِ اِلَی الزَّوْجَةِ اَمْ بِالْاِشَارَةِ مِنَ الْاَخْرَسِ اَوْبِاِرْسَالِ الرَّسُوْلِ وَقَالَ الشَّافِعِیُّ اَلْفَاظُ الطَّلَاقِ الصَّرِیْحَةِ ثَلَاثَةُ الطَّلَاقُ وَالْفِرَاقُ وَالسِّرَاحُ وَهِیَ الْمَذْکُوْرَةُ فِی الْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ۔ ❷

کہ ہر وہ گفتگو یا تحریر جو علاقہ زوجیت کے انقطاع پر دلالت کرنے والی ہوگی اس کے استعمال سے طلاق پڑ جائے گی۔ خواہ زبانی کلامی ہی طلاق کا لفظ بولا جائے یا بیوی کے نام طلاق کی تحریر ہو یا طلاق کی مجلس میں گونگے شوہر کا اشارہ طلاق ہو یا بیوی کی طرف طلاق کا قاصد بھیجا جائے۔ ان چاروں طریقوں میں سے جو طریقہ بھی استعمال کیا جائے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

لہٰذا اس تحریر سے ثابت ہوا کہ طلاق تحریری ہو یا زبانی کلامی ہو بہرحال واقع ہو جاتی ہے۔ پس صورت مسئولہ میں بالاتفاق اور بلاشبہ طلاق واقع ہو چکی ہے اور اگر عدت گزر چکی ہے تو نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ یہ جواب بشرط صحت سوال تحریر کیا گیا ہے۔ مفتی کسی قانونی سقم اور عدالتی کارروائی کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

زبانی طلاق

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں یہ کہ میں مسمی عبدالعزیز ولد فولا قوم گجر محلہ دھوپ سڑی ۲۴۰ موڑ جڑانوالہ ضلع فیصل آباد کا رہنے والا ہوں یہ کہ مجھے ایک شرعی مسئلہ دریافت کرنا مقصود ہے جو ذیل میں عرض کرتا ہوں:

یہ کہ میری حقیقی بھانجی مسمات رابعہ بی بی کا نکاح ہمراہ مسمی سردار ولد رحمہ قوم گجر چک نمبر ۸۶ شمالی تحصیل و ضلع سرگودھا سے عرصہ قریب ۱۴ سال ہوئے کر دیا تھا اور مسمات رابعہ بی بی اپنے خاوند کے ہاں رہ کر حق زوجیت ادا کرتی رہی اس کے بعد دونوں فریقین میں ناچاکی پیدا ہوگئی کیونکہ مذکور سردار ولد رحمہ آوارہ قسم کا آدمی تھا اور اکثر لڑائی جھگڑا کرتا تھا اور میری بھانجی

---

❶ کتاب فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۹ ص ۳۲٤ طبع دیگر ۳۷٥۔ وتحفة الاحوذی شرح الترمذی ج ۲ ص ۲۱٥ و نیل الاوطار ج ٦ ص ۲۷٦۔ طبع ثانی ۲٤٥.

❷ فقه السنة ج ۲ ص ۲۱٦، ۲۱۷۔ طبع مصر.

رابعہ بی بی مذکور کے ہاں نہایت ہی تنگدستی کے دن گزارتی رہی بالآخر مذکور نے میری بھانجی کو مار پیٹ کرا وراسے اپنے نفس پر حرام کہہ کر اور زبانی تین بار طلاق، طلاق، طلاق دے کر اپنے گھر سے باہر نکال دیا ہوا ہے جس کو عرصہ قریب ۱۰ سال کا ہو چکا ہے اور تا حال رجوع نہیں کیا۔ اب علمائے دین سے سوال ہے کہ آیا تین بار طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟ ہمیں شرعاً جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں کذب بیانی کا سائل خود ذمہ دار ہوگا۔ (سائل: عبدالعزیز حقیقی ماموں مسمات رابعہ بی بی)

تصدیق: ہم اس سوال کی حرف بحرف تصدیق کرتے ہیں کہ سوال بالکل صداقت پر مبنی ہے، اگر غلط ثابت ہوا تو ہم اس کے ذمہ دار ہوں گے ہمیں شرعاً فتویٰ دیا جانا درست ہے۔

(سائل محمد ولد نتھا قوم گجر چک نمبر ۸۶ شمالی تحصیل وضلع سرگودھا غلام محمد ولد عبداللہ قوم گجر چک نمبر ۸۶ شمالی تحصیل وضلع سرگودھا)

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: صورت مسئولہ میں بشرط صحت سوال مسئولہ میں بلاشبہ طلاق واقع ہو چکی ہے اور اس میں علمائے اہل حدیث اور علمائے احناف کا قطعاً کوئی اختلاف نہیں۔ ہاں اتنا اختلاف ضرور ہے کہ علمائے احناف کے نزدیک یکجائی تین طلاقیں تینوں واقع ہو کر طلاق مغلظہ بائنہ متصور ہوتی ہے اور اس صورت میں ان کے نزدیک حلالہ کے بغیر کوئی چارہ کار باقی نہیں رہتا۔ جب کہ علمائے اہل حدیث اور محققین علماء شریعت کے نزدیک یکجائی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق شرعاً واقع ہوتی ہے اور عدت کے اندر اندر شوہر کو مطلقہ سے رجوع کر لینے کا شرعاً حق حاصل ہوتا ہے اور بعد از عدت بلا حلالہ کے دوبارہ نکاح ثانی کی اجازت ہوتی ہے۔ تاہم صورت مسئولہ میں بالاتفاق طلاق واقع ہو چکی ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ. (سورۃ البقرۃ: ۲۲۹) کہ (رجعی) طلاقیں دو تک ہیں، پھر بدستور بیوی کو روک رکھنا ہے یا پھر بھلائی سے اس کو رخصت کر دینا ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

اَیْ اِذَا طَلَّقْتَهَا وَاحِدَةً اَوِ اثْنَتَيْنِ فَاَنْتَ مُخَيَّرٌ فِيْهَا مَادَامَتْ عِدَّتُهَا بَاقِيَةً بَيْنَ اَنْ تَرُدَّهَا اِلَيْكَ نَاوِيًا الْاِصْلَاحَ بِهَا وَالْاِحْسَانَ اِلَيْهَا وَ بَيْنَ اَنْ تَتْرُكَهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا فَتَبِيْنَ مِنْكَ. ❶

کہ جب تو اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دے بیٹھے تو عدت کے اندر اندر تجھے یہ اختیار حاصل ہے کہ نیک نیتی اور بیوی کی بھلائی کے ارادے سے رجوع کر کے آباد ہو جائے یا پھر اپنی مطلقہ کو اس کے حال پر چھوڑ دے کہ اس کی عدت پوری ہو جائے تاکہ وہ تجھ سے جدا ہو جائے۔

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت شریفہ اور امام ابن کثیر کی اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ عدت گزر جانے پر نکاح ٹوٹ جاتا ہے: طلاق خواہ رجعی ہی ہو خواہ پہلی ہو یا دوسری طلاق ہو۔

۲۔ ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ (البقرۃ: ۲۲۸)

❶ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۷۲.

''اور مطلقہ عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو ٹھہرائے رکھیں۔'' یعنی نکاح ثانی نہ کریں۔

امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

هٰذا اَمْرٌ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى لِلْمُطَلَّقَاتِ الْمَدْخُوْلِ بِهِنَّ مِنْ ذَوَاتِ الْاِقْرَاءِ بِاَنْ يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ اَىْ بِاَنْ تَمْكُثَ اِحْدَاهُنَّ بَعْدَ طَلَاقِ زَوْجِهَا لَهَا ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ ثُمَّ تَتَزَوَّجُ اِنْ شَاءَتْ ۔ ❶

''اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جب شوہر دیدہ مطلقہ عورت کو حیض آتا ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ تین حیض عدت میں بیٹھے: یعنی طلاق ہو جانے کے بعد تین حیض آ جانے سے پہلے کسی دوسرے آدمی کے ساتھ نکاح نہ کرے۔''

معلوم ہوا کہ طلاق کی عدت گزر جانے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ طلاق دہندہ مسمی سردار ولد رحمہ قوم گجر نے زبانی طلاق ثلاثہ دی ہے تو جواب یہ ہے کہ طلاق زبانی ہو یا تحریری بلاشبہ دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جاتی ہے: اس میں بھی محدثین اور احناف باہم متفق ہیں، چنانچہ شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی کے فتوٰی میں ہے۔

واضح ہو کہ جب شوہر شریعت کے مطابق اپنی زوجہ کو طلاق دے گا زبانی دے یا تحریری تو طلاق خواہ مخواہ پڑ جائے گی۔ طلاق کا واقع ہونا زوجہ کی منظوری پر موقوف نہیں۔ ❷

اور اسی طرح مفتی محمد شفیع آف کراچی حنفی بھی زبانی طلاق کے وقوع کے قائل ہیں ملاحظہ ہو فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۶۵۸۔

فیصلہ صورت مسئولہ میں بشرط صحت سوال اہل حدیث کے نزدیک ایک رجعی طلاق واقع ہوئی ہے اور احناف کے نزدیک تینوں واقع ہو چکی ہیں، تاہم اہل حدیث کے نزدیک بھی نکاح ٹوٹ چکا ہے کیونکہ سوال کی خط کشیدہ عبارت کے مطابق مسمّٰی سردار ولد رحمہ نے اپنی بیوی مسمات رابعہ بی بی بھانجی عبدالعزیز قوم گجر کو آج سے ۱۰ سال پہلے طلاق دی ہے جس کا مطلب ہے کہ عدت گزر چکی ہے پس نکاح ٹوٹ چکا ہے، لہٰذا مسمات رابعہ بی بی شریعت کے مطابق نکاح کر سکتی ہے مفتی کسی قسم کا قانونی ذمہ دار نہ ہوگا۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب

زبانی تین طلاقوں کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں مسمّٰی غلام محمد ولد مہر دین قوم میو موضع ہفت مدر تحصیل ننکانہ ضلع شیخوپورہ کا رہائشی ہوں یہ کہ مجھے ایک شرعی مسئلہ دریافت کرنا مقصود ہے۔ جو ذیل میں عرض کرتا ہوں میری دختر مسمات مختار بی بی کا نکاح ہمراہ مسمّٰی محمد اسلم ولد مہر دین قوم میو موضع نیا پنڈ تحصیل ننکانہ ضلع شیخوپورہ سے ہوا۔ عرصہ قریب ایک سال نو ماہ ہوئے کر دیا تھا۔ مسمات مختار بی بی اپنے خاوند کے ہاں ایک ماہ رہ کر حق زوجیت ادا کرتی رہی۔ دوران آبادگی

❶ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۶۹۔ ❷ فتاوی نذیریہ ج ۳ ص ۷۳۔

مابین فریقین ناچاقی پیدا ہوگئی کیونکہ مذکور آوارہ قسم کا آدمی تھا۔ دوران آبادگی مذکورہ کو مارتا پیٹتا رہتا اور لڑائی جھگڑا کرتا۔ مختار بی بی کو زدوکوب کر کے اپنے والدین کے گھر چھوڑ آتا۔ اس کے بعد مسمی محمد اسلم نے ایک سال سات ماہ قبل روبرو گواہان ذیل کے زبانی کلامی تین بار طلاق، طلاق، طلاق کہہ کر حق زوجیت سے علیحدہ کر دیا اور کوشش مصالحت کے باوجود رجوع نہیں کیا۔ اب علمائے دین سے سوال ہے کہ آیا تین بار زبانی کلامی طلاق کہنے سے طلاق ہو جاتی ہے یا کہ نہیں، ہمیں قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر عنداللہ ماجور فرمائیں۔ کذب بیانی کا سائل خود ذمہ دار ہوگا۔

تصدیق: ہم اس سوال کی حرف بحرف تصدیق کرتے ہیں کہ سوال بالکل صداقت پر مبنی ہے اگر غلط ثابت ہوگا تو ہم اس کے ذمہ دار ہوں گے ہمیں شرعی فتویٰ دیا جانا مناسب ہے۔

(عبدالحمید ولد عبدالمجید قوم راجپوت موضع ہفت مدر تحصیل ننکانہ ضلع شیخوپورہ رانا ولی محمد ولد غلام حیدر قوم راجپوت موضع ہفت مدر تحصیل ننکانہ ضلع شیخوپورہ بذریعہ قاضی احسان الحق چک نمبر ۲۴۰ گ ب جڑانوالہ)

جواب: الجواب بعون الوهاب و منه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال و بشرط صحت واقعہ صورت مسئول میں طلاق واقع ہو چکی ہے کیونکہ زبانی طلاق کے وقوع میں کسی بھی مکتب فکر کے کسی صاحب فتویٰ کو اختلاف نہیں ہے کہ نکاح وطلاق میں شروع اسلام سے یہی طریقہ متوارث چلا آ رہا ہے جیسا کہ ہر صاحب علم پر یہ حقیقت روشن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَ لَا نَحْسِبُ۔ (بخاری ج:۱ ص ۲۵۶) لہٰذا شروع اسلام سے جس طرح گواہوں کے روبرو زبانی نکاح منعقد ہوتا چلا آیا ہے۔ اسی طرح گواہوں کی موجودگی میں زبانی طلاق بھی بلاشبہ واقع ہوتی چلی آ رہی ہے۔ ہاں البتہ تحریری طلاق کے وقوع کے بارے میں اختلاف کا گمان ہوتا ہے۔ تاہم جمہور علمائے امت تحریری طلاق کے وقوع کے بھی قائل ہیں اور یہ بھی بلاشبہ واقع ہو جاتی ہے۔ اب ان دونوں قسم کی طلاقوں کے وقوع کی دلیل ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَاحَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَامَالَمْ تَعْمَلْ أَوْتَتَكَلَّمْ. وَقَالَ قَتَادَةُ إِذَا طَلَّقَ فِي نَفْسِهِ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ۔ ❶

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت کے دل کے خیالات کا محاسبہ معاف کر رکھا ہے جب تک ان پر عمل نہ کرے یا بول کر بیان نہ کرے۔ اس حدیث دو باتیں ظاہر ہوئیں۔

۱۔ کہ زبانی طلاق واقع ہو جاتی ہے جو کہ أَوْتَتَكَلَّمْ کے جملہ سے صاف ظاہر ہے۔ چنانچہ امام ترمذی فرماتے ہیں:
وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ الرَّجُلَ إِذَا حَدَّثَ نَفْسَهُ بِالطَّلَاقِ لَمْ يَكُنْ شَيْئاً حَتّٰى يَتَكَلَّمَ بِهِ۔ ❷

---

❶ صحیح بخاری شرح فتح الباری باب الطلاق فی الاغلاق والکره والسکران والمجنون وامرهما والغلط و النسیان ج ۹ ص ۳۴۰، ۳۴۵.

❷ ترمذی مع تحفة الاحوذی باب ماجاء فی من یحدث نفسه بطلاق امراته ج ۲ ص ۲۱۵.

کہ اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے کہ جب کسی آدمی کے دل میں اپنی بیوی کو طلاق دینے کا خیال پیدا ہو تو جب تک زبان سے طلاق کا لفظ ادا نہ کرے اس وقت تک طلاق واقع نہیں ہوتی۔

امام شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ اور حدیث ابو ہریرۃ:

وَاَوْرَدَ حَدِیْثَ اَبِیْ هُرَیْرَةَ لِلِاسْتِدْلَالِ بِهٖ عَلٰی مَنْ طَلَّقَ زَوْجَةً بِقَلْبِهٖ وَلَمْ یَلْفُظْ بِلِسَانِهٖ لَمْ یَکُنْ لِذٰلِكَ حُکْمُ الطَّلَاقِ لِاَنَّ خَطَرَاتِ الْقَلْبِ مَغْفُوْرَةٌ لِلْعِبَادِ الخ. ❶

کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث یہ بتلانے کے لئے لائے ہیں کہ دل ہی دل میں طلاق دے دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی جب تک زبان سے لفظ طلاق ادا نہ کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلی خیالات کو معاف کر رکھا ہے۔

۲۔ دوسری یہ بات بھی واضح ہوئی کہ تحریری طلاق بھی شرعاً معتبر ہے، جیسا کہ حدیث کے الفاظ مالم تعمل اس پر دلالت کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانیؒ رقمطراز ہیں:

وَاسْتُدِلَّ بِهٖ عَلٰی اَنَّ مَنْ کَتَبَ الطَّلَاقَ طُلِّقَتْ اِمْرَاَتُهٗ لِاَنَّهٗ عَزَمَ بِقَلْبِهٖ وَعَمِلَ بِکِتَابَةٍ وَّهُوَ قَوْلُ الْجَمْهُوْرِ وَ شَرَطَ مَالِكٌ فِیْهِ الْاِشْهَادُ عَلٰی ذٰلِكَ. ❷

یعنی اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تحریری طلاق دے دے تو وہ طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ اس نے دل سے ارادہ کیا اور لکھنے کا عمل کیا۔ جمہور علمائے اسلام کا یہی مذہب ہے۔ تاہم امام مالک گواہوں کی شہادت کی شرط بھی لگاتے ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو: ❸

۲۔ فتاویٰ نذیریہ میں ہے: واضح ہو کہ جب شوہر شریعت کے مطابق اپنی زوجہ کو طلاق دے گا زبانی دے یا تحریری تو طلاق خواہ مخواہ پڑ جاوے چاہے زوجہ اس کو منظور کرے یا نہ کرے۔ ❹

۳۔ مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ زبانی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ❺

صورت مسئولہ میں مندرجہ بالا حدیث صحیح۔ سلف صالحین اور علماء فتاویٰ کی مذکورہ بالا تصریحات کے مطابق مسمات مختار بی بی بنت غلام محمد ولد مہر دین میو ساکن ہفت مدر ضلع شیخوپورہ کو طلاق ہو چکی ہے اور چونکہ سوال کی خط کشیدہ تصریح کے مطابق مسمی محمد اسلم نے یہ طلاق آج سے ایک سال اور سات ماہ یعنی انیس ماہ قبل دی تھی، لہٰذا عدت گزر چکی اور نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ اس لئے مسمات مذکورہ اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کی شرعاً مجاز ہے۔ مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ ھذا ما عندی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

---

❶ نیل الاوطار ج ٦ ص طبع ثانی ٢٤٥.

❷ فتح الباری ج ٩ ص ٣٤٥.

❸ تحفة الاحوذی ج ٢ ص ٢١٥.

❹ فتاوی نذیریه ج ٣ ص ٧٣.

❺ فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ٢ ص ٦٥٨ فیصله.

زبانی طلاق کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں یہ کہ میں مسمی رحمت ولد گھنا قوم میر عالم چاہ باغ والا موضع کھوکھے تحصیل ننکانہ ضلع شیخوپورہ کا رہنے والا ہوں یہ کہ مجھے ایک شرعی مسئلہ دریافت کرنا مقصود ہے جو ذیل عرض کرتا ہوں کہ میری دختر مسمات رضیہ بی بی کا نکاح ہمراہ مسمی محمد اقبال ولد میاں ماہی قوم میر عالم چک نمبر ۵۴۵ گ ب تحصیل سمندری ضلع فیصل آباد سے عرصہ قریب ۴ سال ہوئے کر دیا تھا اور مسمات رضیہ بی بی اپنے خاوند کے ہاں رہ کر تقریباً ایک سال حق زوجیت ادا کرتی رہی بعد میں مابین فریقین میں ناچاقی پیدا ہوگئی کیونکہ مذکور محمد اقبال آوارہ قسم کا آدمی تھا اور اکثر لڑائی جھگڑا کرتا تھا اور زدوکوب بھی کرتا رہتا اس طرح مذکورہ مذکور کے ہاں نہایت ہی تنگدستی کے دن گزارتی رہی جس کی بنا پر خاوند مذکور نے روبرو گواہان ذیل کے مسمات رضیہ بی بی کو تین بار طلاق، طلاق، طلاق کہہ کر اپنے نفس پر حرام کہہ کر گھر یا ہر نکال دیا ہوا ہے اور کوشش مصالحت کے باوجود رجوع نہیں کیا جس کو عرصہ قریب ۳ سال کا ہو چکا ہے اور مذکورہ اب محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتی' دربدر کی ٹھوکریں کھا رہی ہے، اب علمائے دین سے سوال ہے کہ آیا سہ بار زبانی طلاق کہنے سے طلاق ہو جاتی ہے یا نہیں؟ ہمیں قرآن وحدیث کے مطابق جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔ کذب بیانی کا سائل خود ذمہ دار ہوگا۔

(سائل۔رحمت علی و مسمات رضیہ بی بی)

تصدیق: ہم اس سوال کی حرف بحرف تصدیق کرتے ہیں کہ سوال بالکل صداقت پر مبنی ہے اگر کسی وقت غلط ثابت ہوگا تو ہم تصدیق کنندگان اس کے ذمہ دار ہوں گے ہمیں شرعی فتویٰ دیا جانا مناسب ہے۔

حامد علی ولد لال محمد قوم بھٹی موضع کھوکے تحصیل ننکانہ۔

محمد نعیم ولد علی قوم امیر عالم سکنہ چاہ باغ والا موضع کھوکے تحصیل ننکانہ ضلع شیخوپورہ۔

جواب: الجواب بعون الوهاب وهو الملهم للحق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں بلاشبہ طلاق واقع ہو چکی ہے۔ اور اس میں علمائے اہل حدیث اور علمائے احناف کا قطعاً کوئی اختلاف مروی نہیں ۔ ہاں، اتنا اختلاف ضرور ہے کہ علمائے احناف کے نزدیک یکجائی تین طلاقیں واقع ہو کر طلاق مغلظہ بائنہ متصور ہوتی ہے۔ اور اس صورت میں ان کے نزدیک حلالہ کے بغیر کوئی چارہ کار باقی نہیں رہتا۔ جب کہ علمائے اہل حدیث اور محققین علمائے شریعت کے نزدیک یکجائی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق شرعاً واقع ہوتی ہے۔ اور عدت کے اندر اندر شوہر کو اپنی مطلقہ سے رجوع کر لینے کا شرعاً حق حاصل ہوتا ہے ۔ اور بعد از عدت بلا حلالہ کے دوبارہ نکاح ثانی کی اجازت ہوتی ہے۔ تاہم صورت مسئولہ میں بالا اتفاق علماء طلاق واقع ہو چکی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ﴾ (البقرة: ۲۲۹)

''(رجعی) طلاق دو تک ہیں، پھر یا تو بدستور بیوی کو روک رکھنا ہے یا پھر بھلائی سے اس کو رخصت کر دینا ہے۔''

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

اَیْ اِذَا طَلَّقْتَهَا وَاحِدَةً اَوِ اثْنَتَیْنِ فَاَنْتَ مُخَیَّرٌ فِیْهَا مَادَامَتْ عِدَّتُهَا بَاقِیَةٌ بَیْنَ اَنْ تَرُدَّهَا اِلَیْكَ نَاوِیًا الْاِصْلَاحَ بِهَا وَالْاِحْسَانَ اِلَیْهَا وَ بَیْنَ اَنْ تَتْرُكَهَا حَتّٰى تَنْقَضِیَ عِدَّتُهَا فَتَبِیْنُ مِنْكَ ❶

کہ جب تو اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دے بیٹھے تو عدت کے اندر اندر تجھے یہ اختیار حاصل ہے کہ نیک نیتی اور بیوی کی بھلائی کے ارادہ سے رجوع کر کے آباد ہو جائے۔ یا پھر اپنی مطلقہ کو اس کے حال پر چھوڑ دے کہ اس کی عدت پوری ہو جائے تاکہ وہ تجھ سے جدا ہو جائے۔

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت شریفہ اور امام ابن کثیر کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ عدت گزر جانے پر نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ طلاق خواہ رجعی ہو، خواہ پہلی یا دوسری طلاق ہو۔ چنانچہ قرآن میں ہے:

۲۔ ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ (البقرة: ۲۲۸)

''اور مطلقہ عورتیں حیضوں تک اپنے آپ کو ٹھہرائے رکھیں۔'' یعنی نکاح ثانی نہ کریں۔

امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

هٰذَا اَمْرٌ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى لِلْمُطَلَّقَاتِ الْمَدْخُوْلِ بِهِنَّ مِنْ ذَوَاتِ الْاَقْرَاءِ بِاَنْ یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ اَیْ بِاَنْ تَمْكُثَ اِحْدَاهُنَّ بَعْدَ طَلَاقِ زَوْجِهَا لَهَا ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ ثُمَّ تتزوج اِنْ شَاءَتْ. ❷

کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ شوہر دیدہ مطلقہ عورت کو کہ تین آ جانے سے پہلے کسی دوسرے آدمی کے ساتھ نکاح نہ کرے۔

معلوم ہوا کہ طلاق کی عدت گزر جانے پر نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ طلاق دہندہ مسمی محمد اقبال ولد میاں ماہی نے زبانی طلاق ثلاثہ دی ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ طلاق زبانی ہو یا تحریری دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اس میں علماء باہم متفق ہیں۔ چنانچہ شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی کے فتاویٰ میں ہے: ''واضح ہو کہ جب شوہر شریعت کے مطابق اپنی زوجہ کو طلاق دے گا۔ زبانی دے یا تحریری تو طلاق خواہ مخواہ پڑ جائے گی۔ اس کی زوجہ اس کو منظور کرے یا نہ کرے۔ طلاق کا واقع ہونا زوجہ کی منظوری پر موقوف نہیں۔'' (فتاویٰ نذیریہ ج ۳ ص ۴۷) اور اسی طرح مفتی محمد شفیع حنفی آف کراچی بھی زبانی طلاق کے وقوع کے قائل ہیں۔ (ملاحظہ ہو فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد نمبر ۲ ص ۶۵۸)

فیصلہ۔ صورت مسئولہ میں سوال اہل حدیث کے نزدیک ایک رجعی طلاق واقع ہوئی ہے۔ اور احناف کے نزدیک تینوں پڑ چکی ہیں۔ تاہم اہل حدیث کے نزدیک بھی نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ کیونکہ سوال کے مطابق مسمی محمد اقبال نے اپنی بیوی مسمات رضیہ بی بی کو آج سے تقریباً ۳ سال پہلے طلاق دی تھی۔ لہٰذا عدت گزر چکی ہے اور نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ اس لئے مسمات رضیہ بی بی کو

---

❶ تفسیر ابن کثیر: ج ۱ ص ۲۷۲۔ ❷ تفسیر ابن کثیر: ج ۱ ص ۲۶۹۔

شرعاً حق ہے کہ وہ نکاح کر سکتی ہے جس کی اجازت افسر مجاز سے ضروری ہے۔ مفتی کسی قانونی سقم کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں یہ کہ میں مسمی مشتاق احمد ولد حاجی خان محمد قوم کھرل چک نمبر ۳۵۶ تحصیل جڑانوالہ ضلع فیصل آباد کا رہنے والا ہوں یہ کہ مجھے ایک شرعی مسئلہ دریافت کرنا مقصود ہے۔ جو ذیل میں عرض کرتا ہوں۔ یہ کہ مسماۃ جنت بی بی دختر شیر محمد مرحوم قوم ناگی موضع چلے چک نمبر ۳۵٦ تحصیل جڑانوالہ ضلع فیصل آباد کا نکاح ہمراہ مسمی مہابت علی ولد وسایا قوم ناگی موضع ۳۵۴ روڈی تحصیل جڑانوالہ ضلع فیصل آباد سے عرصہ قریب ۹ سال ہوئے کر دیا تھا اور مسمات جنت بی بی اپنے خاوند کے ہاں رہ کر حق زوجیت ادا کرتی رہی اس کے بعد دونوں فریقین میں ناچاکی پیدا ہوگئی کیونکہ مہابت علی آوارہ قسم کا آدمی تھا اور ہر وقت لڑائی جھگڑا کرتا تھا برادری والوں نے کئی بار منانے کی کوشش کی مگر باوجود کوشش کے اس نے کسی کی ایک نہ مانی اور مجھے اپنے گھر سے دھکے مار کر اور زبانی طلاق تین بار طلاق طلاق طلاق دے کر اپنے گھر سے نکال دیا ہوا ہے اور اس لئے اپنے گھر کے دروازے بند کر دیئے ہیں۔ اور الزام بدچلنی کا الٹا مجھ پر لگاتا ہے اور مجھے ۳ سال کا عرصہ گذر چکا ہے میں اپنے والد کے گھر میں رہ کر محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتی ہوں اور میرا ایسا کوئی بھی نہیں ہے کہ جو میرا بوجھ برداشت کر سکے۔ میرا ایک بھائی جو چھوٹا ہے تقریباً ۱۱ سال کی عمر میں ہے وہ میرا بوجھ برداشت نہیں کر سکتا اس کے علاوہ اور میرا کوئی نہیں ہے، اب علمائے دین سے سوال کرتی ہوں کہ ایسی حالت میں مجھے کیا کرنا چاہیے جب کہ میرے خاوند نے تین دفعہ طلاق کہہ کر اپنے گھر سے نکال دیا ہوا ہے؟ ہمیں شرعاً جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں، کذب بیانی کا سائلہ خود ذمہ دار ہوگی۔ (سائل: مشتاق احمد و مسمات جنت بی بی ساکن چک نمبر ۳۵٦ گ ب)

تصدیق: ہم اس کی حرف بحرف تصدیق کرتے ہیں کہ سوال بالکل صداقت پر مبنی ہے اگر کسی وقت غلط ثابت ہوگا تو ہم اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ ہمیں شرعاً فتویٰ دیا جانا مناسب ہے۔

جواب: الجواب بعون الوهاب وهو الملهم للحق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں بلاشبہ طلاق واقع ہو چکی ہے اور اس میں علمائے اہل حدیث اور علمائے احناف کا قطعاً کوئی اختلاف نہیں۔ ہاں اتنا اختلاف ضرور ہے کہ علمائے احناف کے نزدیک یکجائی تین طلاقیں تینوں واقع ہو کر طلاق مغلظہ بائنہ متصور ہوتی ہے اور اس صورت میں ان کے نزدیک حلالہ کے بغیر کوئی چارہ کار باقی نہیں رہتا جبکہ علمائے اہل حدیث اور محققین علمائے شریعت کے نزدیک یکجائی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق شرعاً واقع ہوتی ہے اور عدت کے اندر اندر شوہر کو اپنی مطلقہ سے رجوع کر لینے کا شرعاً حق حاصل ہوتا ہے اور بعد از عدت بلا حلالہ کے دوبارہ نکاح ثانی کی اجازت ہوتی ہے۔ تاہم صورت مسئولہ میں بالاتفاق طلاق واقع ہو چکی ہے۔

۱۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ﴾ (البقرة: ۲۲۹)

کہ (رجعی) طلاقیں دو تک ہیں، پھر یا بدستور بیوی کو روک رکھنا ہے یا پھر بھلائی سے اس کو رخصت کر دینا ہے۔
تفسیر ابن کثیر میں ہے:

اَیْ اِذَا طَلَّقْتَهَا وَاحِدَةً اَوِ اثْنَتَیْنِ فَاَنْتَ مُخَیَّرٌ فِیْهَا مَادَامَتْ عِدَّتُهَا بَاقِیَةٌ بَیْنَ اَنْ تَرُدَّهَا اِلَیْكَ نَاوِیًا الْاِصْلَاحَ بِهَا وَالْاِحْسَانَ اِلَیْهَا وَ بَیْنَ اَنْ تَتْرُكَهَا حَتّٰی تَنْقَضِیَ عِدَّتُهَا فَتَبِیْنُ مِنْكَ . ❶

''جب تو اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دے بیٹھے تو عدت کے اندر اندر تجھے یہ اختیار حاصل ہے کہ نیک نیتی اور بیوی کی بھلائی کے ارادہ سے رجوع کر کے آباد ہو جائے یا پھر اپنی مطلقہ کو اس کے حال پر چھوڑ دے کہ اس کی عدت پوری ہو جائے تا کہ وہ تجھ سے جدا ہو جائے۔''

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت شریفہ اور امام ابن کثیر کی اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ عدت گزر جانے پر نکاح ٹوٹ جاتا ہے طلاق خواہ رجعی ہی ہو، خواہ پہلی ہو یا دوسری طلاق ہو۔

۲۔ ﴿ وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ﴾ (البقرة: ۲۲۸)

''اور مطلقہ عورتیں تین حیضوں تک اپنے آپ کو ٹھہرائے رکھیں۔'' یعنی نکاح ثانی نہ کریں۔

امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

هٰذَا اَمْرٌ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰی لِلْمُطَلَّقَاتِ الْمَدْخُوْلِ بِهِنَّ مِنْ ذَوَاتِ الْاَقْرَآءِ بِاَنْ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ اَیْ بِاَنْ تَمْكُثَ اِحْدَاهُنَّ بَعْدَ طَلَاقِ زَوْجِهَا لَهَا ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ ثُمَّ تَتَزَوَّجُ اِنْ شَاءَ تْ . ❷

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جب شوہر دیدہ مطلقہ عورت کو حیض آتا ہو تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ تین حیض عدت میں بیٹھے۔ یعنی طلاق ہو جانے کے بعد تین حیض آ جانے سے پہلے کسی دوسرے آدمی کے ساتھ نکاح نہ کرے۔

معلوم ہوا کہ طلاق کی عدت گزر جانے پر نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ طلاق دہندہ مسمی مہابت علی ولد وسایا قوم نا گی نے زبانی طلاق ثلاثہ دی ہے تو جواب یہ ہے کہ طلاق زبانی ہو یا تحریری بلاشبہ دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہو جاتی ہے، اس میں بھی محدثین اور احناف باہم متفق ہیں، چنانچہ شیخ الکل فی الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی کے فتویٰ میں ہے۔

واضح ہو کہ جب شوہر شریعت کے مطابق اپنی زوجہ کو طلاق دے گا زبانی دے یا تحریری تو طلاق خواہ مخواہ پڑ جائے گی۔ اس کی زوجہ اس کو منظور کرے یا نہ کرے۔ طلاق کا واقعہ ہونا زوجہ کی منظوری پر موقوف نہیں۔ ❸

اور اسی طرح مفتی محمد شفیع آف کراچی حنفی بھی زبانی طلاق کے وقوع کے قائل ہیں۔ ❹

❶ تفسیر ابن کثیر: ج ۱ ص ۲۷۲.
❷ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲٦۹.
❸ فتاویٰ نذیریہ ج ۳ ص ۷۳.
❹ ملاحظہ ہو فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ٦۵۸ .

فیصلہ صورت مسئولہ میں بشرط صحت سوال اہل حدیث کے نزدیک ایک رجعی طلاق واقع ہوئی ہے اور احناف کے نزدیک تینوں واقع ہو چکی ہیں ۔ تاہم اب اہل حدیث کے نزدیک بھی نکاح ٹوٹ چکا ہے کیونکہ سوال کی خط کشیدہ تصریح کے مطابق مسمی مہابت علی نے اپنی بیوی مسماۃ جنت بی بی دختر شیر محمد نا گی کو آج سے تین سال پہلے طلاق دی تھی۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اب ہر قسم کی عدت گزر چکی ہے۔ لہٰذا نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ اس لئے مسمات جنت مذکورہ جہاں چاہے شریعت کے مطابق نکاح کر سکتی ہے۔ چاہے تو اسی پہلے شوہر کے ساتھ بھی دوبارہ نکاح کر سکتی ہے۔ افسر مجاز سے تصدیق ضروری ہے۔ مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ذمہ دار نہ ہے۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب .

صورت مسئولہ میں طلاق ہو چکی ہے

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرح متین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں یہ کہ مسمی محمد انور ولد خوشی محمد قوم قریشی سکنہ چاہ آنہ تحصیل پنڈی بھٹیاں ضلع حافظ آباد کا رہائشی ہوں یہ کہ مجھے ایک شرعی مسئلہ دریافت کرنا مقصود ہے جو ذیل عرض کرتا ہوں۔

یہ کہ میری بیٹی مسماۃ نصرت بی بی کا نکاح ہمراہ مسمی غلام حسین ولد محمد صدیق قوم قریشی موضع چاہ آنہ تحصیل پنڈی بھٹیاں ضلع حافظ آباد سے عرصہ تقریباً ۵ سال قبل کر دیا تھا۔ جب کہ مسمات مذکورہ اپنے خاوند کے ہاں ساڑھے تین سال وقفہ وقفہ سے آباد رہی۔ دوران آبادگی خاوند مذکور کے نطفہ سے ایک بچہ پیدا ہوا جو حیات ہے اور اس کی عمر تقریباً ۲ سال ہے اور مسمات کے پاس ہے۔ دوران آبادگی خاوند مذکور نے مسمات پر الزام بدچلنی کا لگانا شروع کر دیا اور اپنے بچے کو بنا نطفہ ماننے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے گھر میں اکثر لڑائی جھگڑا رہتا اور خاوند مذکور مسمات کو معمولی معمولی باتوں پر طعنے وغیرہ دیتا اور زدوکوب کرتا۔ آخر کار خاوند مذکور نے مسمات کو مار پیٹ کر گھر سے دھکے دے کر اور تین بار زبانی طلاق طلاق طلاق کہہ کر ہمیشہ کے لئے گھر سے باہر نکال دیا ہے۔ جس کو عرصہ تقریباً ڈیڑھ سال کا ہو چکا ہے اور آج تک رجوع نہیں کیا ہے، حالانکہ برادری والوں نے کئی بار مصالحت کی بے حد کوشش کی جو نا کام رہی۔ اب علمائے دین سے سوال ہے کہ آیا شرعاً سہ بار زبانی طلاق طلاق طلاق واقع ہو چکی ہے یا کہ نہیں؟ ہمیں مدلل شرعاً جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں، کذب بیانی ہوگی تو سائل خود ذمہ دار ہوگا، لہٰذا مجھے شرعی فتویٰ صادر فرمائیں۔

(سائل: محمد انور حقیقی باپ مسمات مذکورہ نصرت بی بی)

تصدیق: ہم اس سوال کی حرف بحرف حلفاً خدا تعالیٰ کو جان کر تصدیق کرتے ہیں کہ سوال بالکل صداقت پر مبنی ہے اگر کسی وقت غلط ثابت ہوگا تو ہم اس کے ذمہ دار ہوں گے، لہٰذا شرعی فتویٰ صادر فرمائیں۔

---

❶ بداية المجتهد ج ٢ ص ٥٥.
❷ ملاحظه فتاوي نذيريه ج ٣ ص ٧٣.
❸ ملاحظہ ہو: فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ٢ ص ٦٥٨.

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه التوفيق للحق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ صورت مسئولہ میں ایک رجعی طلاق واقع ہو چکی ہے۔ کیونکہ طلاق دینے کا تعلق خاوند کی نیت اور زبان سے ہوتا ہے۔ لہٰذا خاوند عاقل بالغ اپنی مرضی سے بلا جبر و اکراہ جب چاہے اور جن الفاظ سے چاہے طلاق دے سکتا ہے، یعنی الفاظ صریح ہوں یا کنائی، تحریری ہو یا زبانی کلامی ہر دو طریق سے طلاق شرعاً واقع ہو جاتی ہے بلکہ اقرار طلاق تو ہمیشہ زبان ہی سے کیا جاتا ہے۔ تحریر تو اس کے اثبات کے لئے ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ اَنْفُسُهَا مَالَمْ تَعْمَلْ اَوْتَتَكَلَّمْ. ❶

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے میری امت کے لوگوں کے خیالات کو معاف کر رکھا ہے جب تک وہ اپنے ان دلی خیالات کو عملی جامہ نہ پہنائیں یا زبان سے بول کر لفظوں میں ادا نہ کریں۔ اور یہ حدیث صحیح مسلم ج ۱ کتاب الایمان میں بھی مروی ہے۔

اس حدیث صحیح کے آخری جملہ اوتتکلم سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ زبانی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے۔

امام ترمذی اپنے دستور کے مطابق اس حدیث کے آخر میں ارقام فرماتے ہیں:

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ اَنَّ الرَّجُلَ اِذَا حَدَّثَ نَفْسَهُ بِالطَّلَاقِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا حَتّٰى يَتَكَلَّمَ بِهِ. ❷

کہ اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے کہ طلاق دہندہ کے دل کے خیال سے اس وقت تک طلاق نہیں پڑتی جب تک وہ زبان سے لفظ طلاق بول کر ادا نہ کرے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ زبانی طلاق بھی شرعاً واقع ہو جاتی ہے۔

امام ابن قدامہ حنبلی ارقام فرماتے ہیں:

وَجُمْلَةُ ذٰلِكَ اَنَّ الطَّلَاقَ لَا يَقَعُ اِلَّا بِلَفْظٍ فَلَوْ نَوَاهُ بِقَلْبِهِ مِنْ غَيْرِ لَفْظٍ لَمْ يَقَعْ فِي قَوْلِ عَامَّةِ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْهُمْ عَطَاءٌ وَّ جَابِرُ بْنُ زَيْدٍ وَّ سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ وَّ يَحْيَى بْنُ اَبِي كَثِيْرٍ، اِمَامٌ شَافِعِيٌّ، اِمَامٌ اِسْحَاقُ، اِمَامٌ قَاسِمٌ، اِمَامٌ سَالِمٌ، اِمَامٌ حَسَنٌ بَصَرِيٌّ، اِمَامٌ عَامِرٌ شَعْبِيٌّ. ❸

امام ابن رشد مالکی لکھتے ہیں:

اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى اَنَّ الطَّلَاقَ يَقَعُ اِذَا كَانَ بِنِيَّةٍ وَ لَفْظٍ صَرِيْحٍ فَمَنِ اشْتَرَطَ فِيْهِ النِّيَّةَ وَاللَّفْظَ الصَّرِيْحَ فَاتِّبَاعًا لِظَاهِرِ الشَّرْعِ. ❹

---

❶ باب الطلاق في الاغلاق والكره والنسيان: ج ۲ ص ۷۹۳، ۷۹۴۔

❷ تحفة الاحوذي ج ۲ ص ۲۱۵ ـ باب ماجاء في من يحدث نفسه بطلاق إمرأته۔

❸ مغني ابن قدامه ج ۷ ص ۲۹٤۔ ❹ بداية المجتهد: ج۲ ص ۵۵۔

''اس بات پر علمائے اسلام کا اجماع ہے جب بیوی کو طلاق دینے کی نیت سے طلاق کا لفظ زبان سے ادا کرے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔''

فَالْمَشْهُوْرُ عَنْ مَالِكٍ اَنَّ الطَّلَاقَ لَا يَقَعُ اِلَّا بِلَفْظٍ وَّ نِيَّةٍ. ❶

''امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ طلاق لفظ اور نیت سے ہی واقع ہوتی ہے۔''

شیخ الکل الامام السید نذیر حسین المحدث الدہلوی اور مفتی عبدالحق ملتانی فرماتے ہیں کہ جب شوہر شریعت کے مطابق اپنی بیوی کو طلاق دے گا تو زبانی دے یا تحریری طلاق خواہ مخواہ پڑ جائے گی۔ ❷

ابوالحسنات عبدالحی حنفی لکھنوی لکھتے ہیں:

فَاِنَّ رُكْنَ الطَّلَاقِ هو اَلتَّلَفُّظُ بِلَفْظٍ يَدُلُّ عَلَيْهِ فَلَا يَقَعُ بِمُجَرَّدِ الْعَزْمِ وَالنِّيَّةِ كَذَا فِي الْبِنَايَةِ. ❸

مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں دیوبندل کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ زبانی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ❹

خلاصہ کلام یہ کہ مذکورہ بالا احادیث صحیحہ صریحہ کی رو سے جمہور علمائے امت کے نزدیک صورت مسئولہ میں ایک رجعی طلاق واقع ہو چکی ہے۔ اور سوال نامہ کی خط کشیدہ تصریح کے مطابق اس طلاق پر عرصہ ڈیڑھ برس کا گزر چکا ہے۔ لہٰذا طلاق موثر ہو کر نکاح ٹوٹ گیا ہے اور مسمات نصرت دختر محمد انور اپنے شوہر کے حبالہ عقد سے آزاد ہو چکی ہے۔ یہ جواب ایک شرعی مسئلہ کا شرعی جواب ہے جو بشرط صحت سوال وصداقت گواہان مذکور بالا تحریر میں لایا گیا ہے۔ مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ نیز عدالت مجاز سے توثیق بھی ضروری ہے۔ هذا ما عندي و اعلم بالصواب.

وقوع طلاق کے لیے نیت اور لفظ طلاق کا ہونا ضروری ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں یہ کہ مسمی محمد صادق ولد فقیر محمد قوم چنگڑ ساکن وارڈ نمبر ۸ شاہ کوٹ تحصیل جڑانوالہ ضلع فیصل آباد کا ہوں یہ کہ مجھے ایک شرعی مسئلہ دریافت کرنا مقصود ہے جو ذیل میں عرض ہے۔

یہ کہ میری بیٹی مسمات زہراں بی بی کا نکاح ہمراہ محمد عارف ولد جان محمد قوم چنگڑ محلہ سلطان آباد بادشاہ روڈ گجرات سے عرصہ تقریباً ۳ سال ۲ ماہ قبل کر دیا تھا جب کہ مسمات مذکورہ اپنے خاوند کے ہاں ایک ماہ وقفہ وقفہ سے آباد رہی۔ اس دوران مابین فریقین گھریلو اختلافات کی وجہ سے ناچاکی پیدا ہوگئی اور خاوند مذکور نے اس گھریلو تنازعہ کی وجہ سے تین بار زبانی طلاق

---

❶ بداية المجتهد: ج ٢ ص ٥٦.
❷ فتاویٰ نذیریہ: ج ۳ ص ۷۳.
❸ عمدة الرعاية ج ٢ ص ٧٢ حاشيه ٧.
❹ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ٦٥٨.

طلاق طلاق کہہ دی ہے جس کو عرصہ تقریباً ۳ سال ایک کا ہو چلا ہے۔ خاوند مذکور نے آج تک رجوع نہ کیا ہے مسمات اس وقت سے اپنے باپ کے پاس رہ رہی ہے، اب علمائے دین سے سوال ہے کہ آیا شرعاً خاوند مذکور کی طرف سے تین بار زبانی کلامی طلاق واقع ہو چکی ہے یا نہیں؟ مجھے مدلل شرعاً جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں، کذب بیانی ہو گی تو سائل خود ذمہ دار ہو گا۔ لہٰذا مجھے شرعی فتویٰ صادر فرمائیں۔ (سائل محمد صادق حقیقی باپ مسماۃ مذکورہ)

جواب: الجواب بعون الوهاب و منه الصداق والصواب: بشرط صحت سوال و بشرط صدق گواہان مذکورہ بالا صورت مسئولہ میں طلاق موثر ہو کر نکاح ٹوٹ چکا ہے کیونکہ طلاق خواہ زبانی کلامی ہو یا تحریر ہو جب شریعت کے مطابق دی جائے تو واقع ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حسب ذیل احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے:

۱۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ مَاحَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسُهَامَالَمْ تَعْمَلْ اَوْتَتَكَلَّمْ. ❶

۲۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِاُمَّتِیْ عَمَّا حَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسُهَا مَالَمْ یَتَكَلَّمُوْا اَوْیَعْمَلُوْا بِهٖ. ❷

ان دونوں احادیث صحیحہ کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ نے میری امت کے قلبی خیالات اور وسوسوں کو معاف کر رکھا ہے جب تک وہ اپنے ارادوں اور وسوسوں کو زبان سے بول کر ادا نہ کرے یا ان پر عمل درآمد نہ کرے۔

یہ دونوں احادیث صحیحہ مرفوعہ، متصلہ، غیر معلل ولاشاذ اپنے مضمون میں بڑی واضح ہیں اور وہ اس مسئلہ کی کھلی دلیل ہیں کہ زبانی طلاق بلاشبہ شرعاً واقع ہو جاتی ہے: جیسا کہ پہلی حدیث کا آخری جملہ اَوْتَتَكَلَّمْ اور دوسری حدیث کا پہلا جملہ مَالَمْ یَتَكَلَّمُوْا اس حقیقت پر دلالت کر رہا ہے۔

۳۔ امام ترمذی اس حدیث پر یہ تصریح فرماتے ہیں:

وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ اَنَّ الرَّجُلَ اِذَا حَدَّثَ نَفْسَهٗ بِالطَّلَاقِ لَمْ یَكُنْ شَیْئًا حَتّٰی یَتَكَلَّمَ بِهٖ. ❸

کہ اہل علم سلف صالحین کا اسی حدیث پر عمل ہے کہ جب تک شوہر کا لفظ طلاق اپنی زبان سے بول کر ادا نہ کرے گا تو طلاق واقع نہ ہو گی مگر جب بول کر لفظ طلاق ادا کرے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

---

❶ صحیح البخاری ج ۲ ص ۷۹٤ باب الاغلاق فی الطلاق والکره والنسیان۔

❷ باب ما تجاوز الله عن حدیث النفس ج ۱ ص ۷۸ ۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۸۔

❸ تحفة الاحوذی شرح ترمذی: ج ۲ ص ۲۱۵.

۴۔امام ابن رشد قرطبی لکھتے ہیں:

أَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلَى أَنَّ الطَّلَاقَ يَقَعُ إِذَا كَانَ بِنِيَّةٍ وَ لَفْظٍ صَرِيْحٍ فَمَنِ اشْتَرَطَ فِيْهِ النِّيَّةَ وَاللَّفْظَ الصَّرِيْحَ فَاتِّبَاعاً لِظَاهِرِ الشَّرْعِ۔ فَالْمَشْهُوْرُ عَنْ مَالِكٍ أَنَّ الطَّلَاقَ لَا يَقَعُ إِلَّا بِلَفْظٍ وَّ نِيَّةٍ. ❶

تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ نیت کے ساتھ جب لفظ طلاق بولا جائے گا تو طلاق پڑ جائے گی اور جن اہل علم نے طلاق میں نیت اور لفظ صریح (الطلاق) کی شرط عائد فرمائی ہے انہوں نے ظاہر شرع کی اتباع کی ہے۔

۵۔امام ابن قدامہ فرماتے ہیں:

وَجُمْلَةُ ذٰلِكَ أَنَّ الطَّلَاقَ لَا يَقَعُ إِلَّا بِلَفْظٍ فَلَوْ نَوَاهُ بِقَلْبِهٖ مِنْ غَيْرِ لَفْظٍ لَمْ يَقَعْ فِيْ قَوْلِ عَامَّةِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْهُمْ عَطَاءٌ وَّ جَابِرُ بْنُ زَيْدٍ وَّ سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ وَّ يَحْيٰى بْنُ أَبِيْ كَثِيْرٍ، إِمَامٌ شَافِعِيٌّ، إِمَامٌ إِسْحَاقُ، إِمَامٌ قَاسِمٌ، إِمَامٌ سَالِمٌ، إِمَامٌ حَسَنٌ بَصَرِيٌّ، إِمَامٌ عَامِرٌ شَعْبِيٌّ. ❷

کہ طلاق زبان سے بول دینے پر واقع ہو جاتی ہے۔صرف دل کی نیت سے واقع نہیں ہوتی۔امام عطاء جابر بن زید، یحیٰ بن ابی کثیر،سعید بن جبیر تابعی امام شافعی،امام اسحاق،امام قاسم،امام سالم،حسن بصری اور شعبی جیسے فقہاء اور عام اہل علم کا یہی مذہب اور فتویٰ ہے۔

۶۔ شیخ الکل فی الکل السید نذیر حسین المحدث الدہلوی اور عبدالحق محدث ملتانی کا بھی یہی فتویٰ اور مذہب ہے۔❸

۷۔ السید محمد سابق مصری ارقام فرماتے ہیں:

يَقَعُ الطَّلَاقُ بِكُلِّ مَايَدُلُّ عَلٰى إِنْهَاءِ الْعِلَاقَةِ الزَّوْجِيَّةِ سَوَاءٌ كَانَ ذٰلِكَ بِلَفْظٍ أَمْ بِالْكِتَابَةِ إِلَى الزَّوْجَةِ أَوْ بِإِشَارَةِ أَخْرَسَ أَوْبِإِرْسَالِ رَسُوْلٍ. ❹

طلاق ہر اس قول وفعل سے واقع ہو جاتی ہے جو میاں بیوی کے باہمی ازدواجی تعلق کے انقطاع پر دلالت کرتا ہو۔ خواہ لفظ طلاق ہو یا بیوی کے نام طلاق کی تحریر ہو یا طلاق کی مجلس میں گونگے انسان کا اشارہ ہو یا قاصد کے ذریعہ بیوی کو طلاق کی اطلاع دی گئی ہو تو ان چاروں صورتوں میں طلاق بلاشبہ پڑ جاتی ہے۔

۸۔مفتی محمد شفیع حنفی دیوبندی بھی زبانی کلامی طلاق کے وقوع کے قائل ہیں۔فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۶۵۸۔

خلاصہ بحث یہ کہ صورت مسئولہ میں بشرط صحت سوال مذکورہ احادیث صحیحہ اور جمہور علمائے امت کی تصریحات او تدقیقات کے مطابق طلاق واقع ہو کر موثر ہو چکی اور نکاح ٹوٹ چکا ہے۔کیونکہ اس طلاق پر عرصہ تین سال کا بیت چکا ہے۔

---

❶ بداية المجتهد: ج ٢ ص ٥٥، ٥٦.
❷ مغني لا بن ابن قدامه: ج ٧ ص ٢٩٤.
❸ فتاوى نذيريه: ج ٣ ص ٧٣.
❹ فقه السنة: ج ٢ ص ٢١٦.

لہٰذا آپ کی بیٹی اپنے شوہر کے حبالہ عقد سے آزاد ہو چکی ہے۔مفتی کسی قانونی سقم اور عدالتی جھمیلہ کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔
هذا ما عندی و اعلم بالصواب.

طلاق بائنہ کبریٰ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں نے مورخہ ۹۱۔۱۱۔۲۴ کو اپنی بیوی مسمات منور سلطانہ کو گھریلو ناچاکی اور اختلاف کی وجہ سے ایک طلاق دے دی تھی اور دوسری طلاق مورخہ ۹۱۔۱۲۔۲۵ کو دے دی اور اس کی عدت گزر جانے پر نکاح ثانی کر لیا تھا، پھر کچھ ماہ بعد اختلاف ختم نہ ہونے کی وجہ سے پھر تیسری طلاق مورخہ ۹۲۔۷۔۱ کو دے دی تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ میں اس مطلقہ ثلاثہ بیوی سے بچوں کے روشن مستقبل کے پیش نظر صلح کر کے اپنا گھر آباد کرنا چاہتا ہوں۔کیا قرآن وحدیث کے مطابق میں اپنی اس بیوی کے ساتھ رجوع یا نکاح کر سکتا ہوں یا نہیں؟ شرعی فتویٰ صادر فرمائیں۔
(سائل ثناء اللہ مکان نمبر ۱۳۱اے گوشہ احباب نمبر ۳ نزد اعوان ٹاؤن لیکسو کالونی روڈ مسجد ریاض الجنۃ اہل حدیث لاہور)

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب. بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں طلاق بائنہ کبریٰ واقع ہو چکی ہے اور بائنہ کبریٰ طلاق یہ ہے۔

اَلطَّلَاقُ الْبَائِنُ (اَلْكُبْرٰی) هُوَ الطَّلَاقُ الْمُكَمِّلُ لِلثَّلَاثِ. ❶

کہ طلاق بائنہ کبریٰ اسے کہتے ہیں جو پہلی دو طلاقوں کو تین طلاق بنا دیتی ہے۔

منہاج المسلم میں ہے کہ مختلف مجالس میں تین طلاقیں یا پہلے سے واقع کردہ دو طلاقوں کے بعد تیسری طلاق دے دے تو یہ (بائنہ کبریٰ طلاق بن جاتی ہے) تو ان (میاں بیوی) کے مابین بینونت کبریٰ بڑی جدائی والی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور یہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہیں جب تک وہ دوسرے کسی شخص کے ساتھ نکاح نہ کرے اور دوسرا خاوند جماع کے بعد بغیر کسی پیشگی معاہدہ کے اپنے طور پر طلاق نہ دے یا فوت نہ ہو جائے۔ ❷

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ. (البقرہ) پھر اگر اس (دو طلاق والی بیوی) کو تیسری طلاق دے دو تو اب اس (خاوند) کے لئے حلال نہیں جب تک وہ عورت اس کے سوا دوسرے سے نکاح نہ کر لے۔

امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اَیْ اَنَّهُ اِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَهُ طَلْقَةً ثَالِثَةً بَعْدَ مَا اَرْسَلَ عَلَيْهَا الطَّلَاقَ مَرَّتَيْنِ فَاِنَّهَا تَحْرُمُ عَلَيْهِ (حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ) اَیْ حَتّٰی يَطَاَهَا زَوْجٌ اٰخَرُ فِیْ نِكَاحٍ صَحِيْحٍ فَلَوْ وَطِئَهَا وَاطِیءٌ فِیْ غَيْرِ نِكَاحٍ وَلَوْ فِیْ مِلْكِ الْيَمِيْنِ لَمْ تَحِلَّ لِلْاَوَّلِ. ❸

❶ فقه السنة ج ٢ ص ٢٣٧. ❷ منهاج المسلم ص ٦٣٩ و ٦٤٠. ❸ تفسير ابن كثير: ج ١ ص ٢٩٧.

یعنی جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے چکنے کے بعد تیسری طلاق بھی دے دے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی یہاں تک کہ وہ دوسرے سے باقاعدہ نکاح کرے، ہم بستری ہو پھر وہ دوسرا خاوند مر جائے یا طلاق دے دے، پس اگر بغیر نکاح کے لونڈی بنا کر وطی بھی کر لے تو بھی اگلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر باقاعدہ نکاح بھی ہو لیکن اس دوسرے خاوند نے مجامعت نہ کی ہو تو بھی پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی۔

فیصلہ:

چونکہ طلاق دہندہ مسمی ثناء اللہ صاحب اپنی بیوی منور سلطانہ کو پہلی طلاق مورخہ ۹۱-۱۱-۲۴ اور دوسری طلاق ۹۱-۱۲-۲۵ کو بعد از عدت نکاح ثانی کے بعد پھر تیسری طلاق ۹۲-۷-۱ کو دے چکے ہیں، لہٰذا یہ طلاق بائنہ کبریٰ واقع ہو چکی ہے، اس لئے جب تک مسمات منور سلطانہ کسی دوسرے شخص کی شرعی بیوی نہیں بن جاتی ہے اس وقت تک ثناء اللہ مذکور پر حرام ہے۔ مفتی کسی قانونی سقم اور عدالتی جھمیلہ میں ہرگز مسؤل نہ ہوگا۔ هذا ما عندي و اعلم بالصواب واليه المرجع والماب في يوم الحساب

طلاق بائنہ صغریٰ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرح متین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں یہ کہ مسمی محمد رمضان ولد فضل دین قوم انصاری سکنہ غلام آباد مکان نمبر ۳۲۸ ڈی تحصیل وضلع فیصل آباد کا ہوں یہ کہ مجھے ایک شرعی مسئلہ دریافت کرنا مقصود ہے جو ذیل عرض ہے۔

یہ کہ میری دختر مسمات نسیم اختر کا نکاح ہمراہ مسمی شاہد ندیم ولد فقیر محمد قوم انصاری سکنہ سید آباد مکان نمبر ۱۷۱ گلی نمبر ۵ فیصل آباد سے ڈیڑھ ماہ قبل کر دیا تھا۔ جب کہ یہ صرف نکاح ہی ہوا تھا۔ نکاح کے دن ناچاکی پیدا ہوگئی کیونکہ برات آئی تو مسمات کے والدین نے کھانا نیچے زمین پر لگایا اور پھر برات والوں کو دعوت دی۔ اس بات پر دولہا ناراض ہو گیا اور کہنے لگا کہ ہم کمی نہیں ہیں کہ نیچے بیٹھ کر کھانا کھائیں اور اس نے بہت سے غلط جملے استعمال کئے، لہٰذا کھانا پھر دوبارہ اسٹینڈ پر لگایا گیا۔ اس کے باوجود خاوند مذکور نے لڑکی والوں سے بہت تکرار کی۔ اور بہت جھگڑا کیا خاوند مذکور نے اسی بنا پر میری بیٹی نسیم اختر کو کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میری طرف سے اس کو طلاق طلاق طلاق ہے، میں اسے اپنے ہاں آباد نہیں کر سکتا۔ برادری والوں نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر اس نے ایک نہ مانی اور برات واپس چلی گئی لڑکی کے باپ نے صلح کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ بلکہ خاوند مذکور نے اعلانیہ طور پر یہ کہہ دیا ہے کہ میں اسے اپنے گھر آباد نہیں کر سکتا لڑکی جو اس وقت سے اپنے والد کے ہاں کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہی ہے اب علمائے دین سے سوال ہے کہ آیا شرعاً مسمات کو یہ طلاق واقع ہو گئی ہے؟ شرعاً جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں، کذب بیانی ہوگی تو سائلہ خود ذمہ دار ہوگی، لہٰذا شرعی فتویٰ صادر فرمائیں۔

(سائل: محمد رمضان حقیقی باپ مسمات مذکورہ نسیم اختر)

تصدیق: ہم اس سوال کی حرف بحرف حلفاً خدا کو حاضر ناظر جان کر تصدیق کرتے ہیں کہ سوال بالکل صداقت پر مبنی ہے اگر کسی وقت غلط ثابت ہوگا تو ہم اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ لہٰذا ہمیں شرعی فتویٰ صادر فرمائیں۔

محمد شریف ولد محمد رمضان قوم انصاری مکان نمبر ۱۲۲۔ حاجی محمد ارائیں ولد خیر دین قوم انصاری محلہ غوثیہ۔

الجواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصوب: بشرط صحت سوال وموافقت سوال بالا باصل واقع صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہو چکی ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ مَاحَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسُهَامَالَمْ تَعْمَلْ اَوْتَتَكَلَّمْ. ❶

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے میری امت کے دل کے خیالات معاف کر رکھے ہیں جب تک میری امت ان خیالات پر عمل نہ کرے یا زبان سے بول کر ادا نہ کرے۔"

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ طلاق خواہ تحریری ہو یا زبانی کلامی ہو دونوں صورتوں میں پڑ جاتی ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث پر ارقام فرماتے ہیں:

وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ اَنَّ الرَّجُلَ اِذَا حَدَّثَ نَفْسَهٗ بِالطَّلَاقِ لَمْ یَكُنْ شَیْئًا حَتّٰى یَتَكَلَّمَ بِهٖ. ❷

"اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے کہ طلاق دہندہ کے دل کے خیال سے اس وقت تک طلاق واقع نہ ہوگی جب تک وہ زبان سے طلاق کا لفظ ادا نہ کرے۔

امام ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں وَجُمْلَةُ ذٰلِكَ اَنَّ الطَّلَاقَ لَا یَقَعُ اِلاَّ بِلَفْظٍ فَلَوْ نَوَاهُ بِقَلْبِهٖ مِنْ غَیْرِ لَفْظٍ لَمْ یَقَعْ فِیْ قَوْلِ عَامَّةِ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْهُمْ عَطَاءٌ وَّ جَابِرُ بْنُ زَیْدٍ وَّ سَعِیْدُ بْنُ جُبَیْرٍ وَ یَحْیٰى بْنُ اَبِیْ كَثِیْرٍ، اِمَامٌ شَافِعِیٌّ، اِمَامٌ اِسْحَاقُ، اِمَامٌ قَاسِمٌ، اِمَامٌ سَالِمٌ، اِمَامٌ حَسَنٌ بَصَرِیٌّ، اِمَامٌ عَامِرٌ شَعْبِیٌّ وَلَنَا قَوْلُ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِاُمَّتِیْ عَمَّا حَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسُهَا مَالَمْ تَتَكَلَّمْ بِهٖ اَوْتَعْمَلْ. ❸

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ طلاق محض دل کے ارادے سے نہیں پڑتی بلکہ اس وقت پڑتی ہے جب طلاق دہندہ لفظ طلاق زبان سے بول کر ادا کرے گا۔ امام عطاءؒ یحییٰؒ جابر بن زید، امام شافعی، امام اسحاق، قاسم، سالم، حسن بصری اور شعبی وغیرہم کا یہی مذہب وفتویٰ ہے۔

---

❶ صحیح بخاری باب الطلاق فی الاغلاق والکرہ والنسیان ج ۲ ص ۷۹۳و ۷۹۴۔

❷ تحفة الاحوذی شرح جامع الترمذی باب ماجا فی من یحدث نفسه بطلاق إمرأته، ج ۲ ص ۲۱۵۔

❸ رواه النسائی والترمذی وقال هذا حدیث صحیح۔ مغنی ابن قدامه ج ۷ ص ۲۹٤۔

امام مالک کا مشہور مذہب بھی یہ ہے کہ جب نیت اور زبان کی موافقت میں طلاق کا لفظ بولا جائے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

فَالْمَشْهُوْرُ عَنْ مَالِكٍ اَنَّ الطَّلَاقَ لَا يَقَعُ اِلَّا بِلَفْظٍ وَّ نِيَّةٍ . [1]

شیخ الکل سید نذیر حسین اور مولانا عبدالحق محدث ملتانی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: ''جب شوہر شریعت کے مطابق عورت کو طلاق دے گا زبانی دے یا تحریری تو طلاق خواہ مخواہ پڑ جائے گی۔'' [2]

مفتی محمد شفیع حنفی آف کراچی کے نزدیک بھی زبانی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ [3]

لہٰذا ان احادیث صحیحہ، جمہور اہل علم، تابعین، ائمہ مجتہدین کے مطابق صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہو چکی ہے کہ طلاق دہندہ مسمی شاہد احمد ولد فقیر محمد انصار نے علی روس الاشہاد بھری مجلس میں طلاق دی ہے۔ اور یہ طلاق چونکہ قبل مساس واقع ہوئی، لہٰذا یہ طلاق بائن صغریٰ ہے اور طلاق بائن صغریٰ میں عدت بھی نہیں نکاح اسی وقت ٹوٹ گیا تھا۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا﴾ (الاحزاب: ٤٩)

''اے ایمان والو! جب تم ایماندار عورتوں سے نکاح کرو اور پھر تم جماع سے پہلے ان کو طلاق دے دو تو تمہارے حق میں ان پر کوئی عدت نہیں جو تم اس کو شمار کرو۔ اس صورت میں ان کو کچھ دے دلا کر فارغ کر دو۔ ہاں، اگر مہر مقرر ہو تو اس صورت میں قبل جماع طلاق دینے پر اس مطلقہ بی بی کو طے شدہ مہر کا نصف مہر بھی ملے گا۔''

جیسا کہ سورۃ بقرۃ میں ہے:

﴿ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ (البقرة: ٢٣٧)

''اگر تم ان کو قبل از وطی طلاق دو اور مہر طے ہو تو آدھا مہر ان کو ملے گا اِلاّ یہ کہ وہ معاف کریں۔ یا شوہر اپنا حصہ معاف کر دے۔''

سید محمد سابق لکھتے ہیں:

يَقَعُ الطَّلَاقُ بِكُلِّ مَا يَدُلُّ عَلٰى اِنْهَاءِ الْعَلَاقَةِ الزَّوْجِيَّةِ سَوَاءٌ كَانَ ذٰلِكَ بِلَفْظٍ اَمْ بِالْكِتَابَةِ اِلَى الزَّوْجَةِ اَوْ بِاِشَارَةِ اَخْرَسَ اَوْ بِاِرْسَالِ رَسُوْلٍ. وَاللَّفْظُ قَدْ يَكُوْنُ صَرِيْحاً وَّقَدْ يَكُوْنُ كِنَايَةً فَالصَّرِيْحُ هُوَ الَّذِيْ يُفْهَمُ مِنْ مَعْنَى الْكَلَامِ عِنْدَ التَّلَفُّظِ بِهٖ مِثْلَ اَنْتِ طَالِقٌ وَّ مُطَلَّقَةٌ وَكُلُّ مَا اشْتُقَّ مِنْ لَفْظِ الطَّلَاقِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَلْفَاظُ الطَّلَاقِ الصَّرِيْحَةِ ثَلَاثَةٌ

---

[1] بداية المجتهد: ج٢ ص ٥٦.
[2] فتاوى نذيريه ج ٣ ص ٧٣.
[3] فتاوى دارالعلوم ديوبند ج ٢ ص ٦٥٨.

اَلطَّلَاقُ وَالْفِرَاقُ وَالسَّرَاحُ وَهِيَ الْمَذْكُورُ فِي الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ وَقَالَ بَعْضُ أَهْلِ الظَّاهِرِ لَا يَقَعُ الطَّلَاقُ إِلَّا بِهٰذِهِ الثَّلَاثِ. ❶

کہ طلاق ہر اس چیز کے ساتھ واقع ہو جاتی ہے جو علاقہ زوجیت کو ختم کرنے والی ہو، خواہ وہ لفظ ہو یا تحریر یا اشارہ یا قاصد جیسے یوں کہنا تجھے طلاق یا تو مطلقہ ہے۔ چونکہ طلاق دہندہ نے یہی الفاظ استعمال کئے ہیں، لہٰذا طلاق ہو چکی اور نکاح ٹوٹ چکا ہے اور اس طلاق میں عدت بھی نہیں کہ طلاق قبل از جماع ہوئی ہے۔ یہ جواب بشرط صحت سوال لکھا ہے۔ جو صرف شرعی مسئلہ کا اظہار ہے۔ مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

اکٹھی تین طلاقیں......الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین، مفتیان شرح متین اس مسئلے کے بارے میں کہ محمد صفدر ولد محمد بشیر نے ۴ اپریل ۱۹۸۱ء کو اپنی بیوی کو بیک وقت تین دفعہ طلاق طلاق طلاق لکھ کر بھیج دیا ہے۔ اس کے بعد وہ آج سے دوبارہ رجوع کرنے کا خواہش مند ہے۔ جبکہ طلاق کو عرصہ ایک ماہ ۱۶ دن گزر چکے ہیں؟ اب اس کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ دے کر مشکور فرمائیں۔ (سائل قمر الدین ۴۶ نکلسن روڈ، منوہر سٹریٹ لاہور)

جواب: الجواب بعون الوھاب ومنہ الصدق والصواب: بشرط صحت اظہار و بشرط صحت سوال واضح ہو کہ یکجائی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق ہوتی ہے۔ اگرچہ اس مسئلے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ صحیحہ مرفوعہ متصلہ کے پیش نظر یہی صحیح ہے کہ مجلس واحد کی اکٹھی تین طلاقیں شفاہی ہوں یا تحریری شرعاً ایک رجعی طلاق ہوتی ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ﴾ (البقرة ۲۲۹)

یعنی طلاق (جس کے بعد خاوند رجوع کر سکتا ہے) دوبار ہے پھر دو طلاقوں کے بعد یا تو دستور کے موافق اپنی بیوی اپنے ہاں آباد رکھے یا اچھی طرح سے رخصت کر دے۔

یعنی طلاق مرۃ بعد مرۃ دینی چاہیے اور صحیح مسلم میں ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ ابْنِ طَاؤُسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ أَبِي بَكْرٍ وَاحِدَةً سَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً. ❷

یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد سے لے کر

❶ فقه السنة: ج ۲ ص ۲۱۶، ۲۱۷.

❷ صحيح مسلم ج ۱ ص ۴۷۷۔ و مسند احمد بن حنبل مع تعليقات احمد شاكر المصرى ج ۴ ص ۳۱۴۔ ونيل الاوطار ج ۶ ص ۲۵۸.

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سال تک یکجائی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق متصور ہوتی تھی۔

۲۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رُكَانَةَ بْنِ يَزِيدَ أَنَّهُ طَلَّقَ إِمْرَأَتَهُ ثَلاثاً فِي مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ فَحَزَنَ عَلَيْهَا حَزَناً شَدِيداً فَسَأَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ طَلَّقْتَهَا؟ قَالَ ثَلاثاً فِي مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ قَالَ فَقَالَ إِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ فَارْتَجِعْهَا إِنْ شِئْتَ فَرَاجَعَهَا. قَالَ اَحْمَدُ شَاكِرُ الْمِصْرِيُّ إِسْنَادُهُ صَحِيحٌ وَرَوَاهُ الضِّيَاءُ فِي الْمُخْتَارَةِ كَمَا نَقَلَهُ ابْنُ الْقَيِّمِ فِي إِغَاثَةِ اللَّهْفَانِ وَرَوَاهُ اَبُو يَعْلَى كَمَا ذَكَرَهُ الشَّوْكَانِيُّ ص ۲۶۱ و ص ۲۶۲ ج ۲ وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ كَمَا فِي الدُّرِّ الْمَنْثُورِ وَهٰذَا الْحَدِيثُ عِنْدِي اَصْلٌ جَلِيلٌ مِنْ اُصُولِ التَّشْرِيعِ. ❶

یعنی حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ ایک ہی مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے بیٹھے۔ بعدازاں اس پر بہت غمگین ہوئے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ تو ایک طلاق ہوئی ہے تم چاہو تو رجوع کر سکتے ہو۔ تو حضرت رکانہ نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا۔"

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی تفسیر میں یوں رقمطراز ہیں:

وَهٰذَا الْحَدِيثُ نَصٌّ فِي الْمَسْئَلَةِ لاَ يُقْبَلُ التَّأْوِيلُ الَّذِي فِي غَيْرِهِ مِنْ رِوَايَاتِ الْاٰتِي ذِكْرُهَا. ❷

کہ یہ حدیث صحیح اس مسئلہ میں نص صریح ہے اور اس میں کسی تاویل کی گنجائش ہرگز نہیں۔

امام شوکانیؒ لکھتے ہیں:

وَهٰذَا الْحَدِيثُ نَصٌّ فِي مَحَلِّ النِّزَاعِ. ❸

یعنی یہ صحیح حدیث اس مسئلہ میں قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔

بہرحال حضرت ابوموسیٰ، حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم طاؤس، عطاء، جابر بن زید، ہادی، قاسم، باقر، امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم اور دوسرے محققین کا یہی مذہب ہے کہ مجلس واحد کی اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔ ❹

علامہ ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

اَلْقَوْلُ الثَّانِي اِنَّهُ اِذَا طَلَّقَ ثَلاثاً تَقَعُ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ وَهٰذَا هُوَ الْمَنْقُولُ عَنْ بَعْضِ الصَّحَابَةِ وَبِهِ قَالَ دَاوٗدُ الظَّاهِرِيُّ وَاَتْبَاعُهُ وَهُوَ اَحَدُ الْقَوْلَيْنِ لِمَالِكٍ وَبَعْضِ اَصْحَابِ اَحْمَدَ وَ

---

❶ مسند احمد بن حنبل مع تعليقات احمد شاكر ج ٤ ص ١٢٣۔ ❷ فتح الباری شرح صحیح بخاری: ج ٩ ص ٣١٦ طبع بیروت۔
❸ نیل الاوطار: ج ٦ ص ٢٦١۔ ❹ نیل الاوطار: ص ٢٦٠ ج ٥۔

اِنْتَصَرَ لِھٰذَا الْمَذْھَبِ ابْنُ تَیْمِیَّۃَ الْحَنْبَلِیُّ فِیْ تَصَانِیْفِہٖ وَتَلْمِیْذُہٗ (ابْنُ الْقَیِّمِ) فِیْ کِتَابِہٖ زَادُ الْمَعَادِ وَاِغَاثَۃُ اللَّھْفَانِ ، عُمْدَۃِ الرِّعَایَۃِ (حاشیہ، شرح وقایہ کتاب الطلاق ربع ثانی)

میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب میں بھی ایک قول یہی ہے کہ مجلس واحد کی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔ چنانچہ امام شمس الحق العظیم آبادی لکھتے ہیں۔

وَحَکَاہُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُقَاتِلِ الرَّازِیِّ مِنْ اَصْحَابِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَھُوَ اَحَدُ الْقَوْلَیْنِ فِیْ مَذْھَبِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ. ❶

امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں سے محمد بن مقاتل رازی کا یہی مذہب ہے اور ابوحنیفہ کے مذہب میں بھی ایک قول کے مطابق اکٹھی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق پڑتی ہے۔

اور فتاویٰ ثنائیہ جلد۲ کے مطابق ایک ہزار سے زائد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا بھی یہی مذہب ہے۔ بہرحال مجلس واحد کی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔ اور رجعی طلاق میں عدت کے اندر رجوع جائز ہوتا ہے۔

﴿وَبُعُوْلَتُھُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّھِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا﴾ (البقرۃ: ۲۲۸)

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَاَمْسِكُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْھُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّلَا تُمْسِكُوْھُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا﴾ (البقرۃ: ۲۳۱)

اور اگر عدت گزر جائے، یعنی طلاق کے بعد تیسرا حیض ختم ہو جائے تو عدت ختم ہو چکی اور نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ ہاں ایسی صورت میں بلا کسی حلالہ وغیرہ نکاح ثانی شرعاً جائز ہوتا ہے۔

چنانچہ فرماتا ہے:

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْھُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَھُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَیْنَھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (البقرۃ: ۲۳۲)

یعنی جب تم عورتوں کو طلاق دو پھر ان کی عدت (تین حیض یا تین ماہ یا وضع حمل) گزر جائے تو ان کو (سابقہ) خاوندوں کے ساتھ نکاح کر لینے سے مت روکو۔ اگر دستور کے موافق رضامندی ہو جائے۔

حضرت معقل بن یسار کہتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ واقعہ یوں ہوا کہ میری بہن کو اس کے خاوند ابوالبداح نے ایک طلاق دے دی اور رجوع نہ کیا حتی کہ عدت گزر گئی۔ پھر دونوں نے باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کرنا چاہا۔ جب وہ میرے پاس پیغام لے کر آیا تو میں نے اسے سخت گرم سست کہا اور قسم کھائی کہ اب تم دونوں کا نکاح نہ ہونے دوں گا۔ اسی پر نے یہ آیت نازل فرمائی، لہٰذا میں نے نکاح کی اجازت دے دی اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔ ❷

---

❶ التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی: ج ٤ ص ٧٨ طبع ملتان.

❷ صحیح بخاری: ص ٦٤٩ ج ٢ تفسیر سورۃ البقرہ.

فیصلہ:

بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں دلائل مذکورہ بالا کے پیش نظر ایک رجعی طلاق واقع ہوئی ہے اور طلاق چونکہ ۴ اپریل ۱۹۸۱ء کو دی گئی جیسا کہ سوال کی عبارت سے ظاہر ہے اور آج ۲۷ مئی ہے کہ آج طلاق کو ایک ماہ چوبیس دن ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اگر ابھی تک تیسرا حیض ختم نہیں ہوا تو سابقہ نکاح بحال قائم رہا اور اس صورت میں بلا نکاح ثانی شرعاً رجوع جائز ہے۔ اور اگر تیسرا حیض ختم ہو چکا ہے تو دوبارہ نکاح پڑھ لیں۔ حلالہ جیسی قبیح حرکت کی ضرورت نہیں۔ اور یہ نکاح ان شاء اللہ شرعی اور صحیح ہوگا۔ مفتی کسی قانونی سقم کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ لعل فیہ کفایۃ لمن لہ ادنی درایۃ۔

سوال: میں نے اپنی زوجہ مسمات پروین اختر دختر فضل کریم ساکن کورنگی نمبر ۵، کراچی کو ۶ جون ۱۹۷۴ء کو طلاق دی تھی، اب میں چاہتا ہوں کہ دوبارہ اپنی مذکورہ بیوی سے رجوع کر لوں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

(سائل ریاض احمد ولد عبدالحکیم مکان نمبر ۱۶ برنی روڈ نمبر ۲۹ گڑھی شاہو لاہور)

جواب: الجواب بعون الوھاب اقول و باللہ التوفیق: بشرط صحت سوال مجلس واحد کی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہیں اور رجعی طلاق کی عدت (تین حیض) کے اندر طلاق دہندہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مطلقہ بیوی کو دوبارہ آباد کر لے اور اگر عدت ختم ہو گئی تو پھر وہ نیا نکاح کرنے کا مجاز ہے۔ اب دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ ﴾ (الطلاق: ۲۸)

"اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دینا چاہو تو ان کی عدت میں طلاق دیا کرو۔"

اب قرآنی الفاظ کا حاصل مطلب یہ ہے کہ طلاق دہندہ باقاعدہ ہر طہر میں بلا جماع وزن شوئی ایک ایک طلاق دے اور ایک مجلس میں ایک لفظ سے یا تین لفظوں کے ساتھ اکٹھی تین طلاقیں دینا منع اور حرام ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ﴾ (البقرۃ: ۲۲۹)

"(رجعی) طلاقیں دو ہیں پھر یا تو دستور کے موافق روک ہے یا بھلائی کے ساتھ رخصت۔"

کے یکے بعد دیگرے الگ الگ طہر (جب عورت کو خون نہ آتا ہو) میں ایک ایک کر کے طلاق دینی چاہیے: پھر ان تین طلاقوں میں یا تو دستور کے مطابق بیوی سے رجوع کر کے اسے آباد کر لے یا پھر بھلے طریق سے آزاد کر دے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبِيْ بَكْرٍ وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ طَلَاقَ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً. [1]

کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد سمیت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اقتدار کے ابتدائی دو سالوں تک مجلس واحد کی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق شمار ہوتی تھی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَبْدِ يَزِيْدَ طَلِّقْهَا فَفَعَلَ قَالَ رَاجِعْ

[1] صحیح مسلم شریف: ج ۲ ص ۴۷۷ کتاب الطلاق۔

اِمْرَاَتَكَ اُمَّ رُكَانَةَ وَاِخْوَاتِهِ فَقَالَ اِنِّيْ طَلَّقْتُهَا ثَلاثًا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَدْ عَلِمْتُ رَاجِعْهَا وَتَلَا يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ . ❶

کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ابو رکانہ صحابی کو اپنی مطلقہ بیوی ام رکانہ سے رجوع کرنے کا حکم دیا تو اس نے کہا کہ حضرت میں تو اسے تین طلاقیں دے چکا ہوں تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مجھے علم ہے، تم رجوع کرلو۔ ازاں بعد آپ ﷺ نے مذکورہ بالا آیت تلاوت فرمائی۔

عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ قَالَ اُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَّجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَاَتَهُ ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ جَمِيْعاً فَقَامَ غَضْبَانُ ثُمَّ قَالَ اَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ حَتّٰى قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَقْتُلُهُ . ❷

کہ جناب محمود بن لبید کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو ایک ایسے آدمی کی اطلاع دی گئی کہ جس نے اکٹھی تین طلاقیں دے دی تھیں تو آنحضرت ﷺ نے ناراض ہو کر فرمایا کہ کیا میری موجودگی میں کتاب اللہ سے کھیلنا شروع کر دیا گیا ہے۔ تب ایک آدمی نے اسے قتل کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ سے اجازت بھی مانگی۔

اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ وَّهُوَ مَنْقُوْلٌ عَنْ عَلِيٍّ وَّ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَّ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَّ الزُّبَيْرِ . ❸

کہ حضرت علی، عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے۔

فقہائے امت کا فیصلہ

علامہ ابن مغیث نے مشائخ قرطبہ، امام عطاء، امام طاؤس اور امام عمرو بن دینار کا یہی مذہب لکھا ہے۔ عون المعبود ج ۲ ص ۲۲۹

مالکی فقہاء کا فتویٰ

اَلْقَوْلُ الثَّانِيْ اِنَّهُ اِذَا طَلَّقَ ثَلَاثًا تَقَعُ وَاحِدَةٌ رَجْعِيَّةٌ وَهٰذَا هُوَ الْمَنْقُوْلُ عَنْ بَعْضِ الصَّحَابَةِ وَبِهِ قَالَ دَاؤُدُ الظَّاهِرِيُّ وَاَتْبَاعُهُ وَهُوَ اَحَدُ الْقَوْلَيْنِ لِمَالِكٍ وَّبَعْضِ اَصْحَابِ اَحْمَدَ . ❹

❶ ابو داؤد ص ۲۹۹ ج ۲ باب نسخ المراجعة بعد التطليقات.

❷ نسائي شريف: ص ۸ ج ۲) ورواته موثقون بلوغ المرام ص ۹۷) وقال ابن كثير اسناده جيد.

❸ عون المعبود و شرح ابي داؤد ص ۲۲۸ ج ۲.

❹ حاشيه شرح وقاية: ص ۷۱ ج ۲.

کہ دوسرا قول یہ ہے کہ مجلس واحد کی تین طلاقیں ایک رجعی (قابل مراجعت) طلاق واقع ہوگی۔ بعض صحابہ کرام کا یہی مذہب ہے، داؤد ظاہری اور ان کے پیرووں کا یہی فتویٰ ہے۔

نوٹ:

راقم کے نزدیک ایک ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی مسلک ہے۔ تفصیل فتاویٰ ثنائیہ والتعلیق المغنی ج ۲ ص ۴۸ میں ملاحظہ فرمائیں۔

فقہائے احناف کا فتویٰ

قَالَ ابْنُ تَیْمِیَّۃَ وَ ھُوَ قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْمُقَاتِلِ الرَّازِیُّ مِنْ اَئِمَّۃِ الْحَنَفِیَّۃِ.

یعنی محمد بن مقاتل رازی حنفی کا یہی مذہب ہے کہ مجلس واحد کی تین طلاقیں، ایک رجعی طلاق واقع ہوگی۔ ❶

اور متاخرین حنفیہ میں سے مفتی کفایت اللہ دہلوی، سید حفیظ الدین احمد حنفی اور حافظ علی بہادر خاں ایڈیٹر، ہلال نو، لکھنو نے بھی مجلس واحد کی تین طلاقوں کو ایک رجعی طلاق قرار دیا ہے۔ ❷

بہرحال ہماری اس تفصیل سے از روئے قرآن و حدیث یہ واضح ہو گیا ہے کہ مجلس واحد کی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔ جس میں خاوند کو (ریاض احمد) اپنی مطلقہ بیوی (مسمات پروین اختر) سے رجوع کا حق حاصل تھا مگر چونکہ طلاق ۲ جون ۱۹۷۳ء کو دی گئی ہے یعنی طلاق کو آٹھ ماہ سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، یعنی عدت رجوع کی بیت چکی ہے، اس لئے اسے سابقہ نکاح کے تحت رجوع کا حق حاصل نہیں ہے۔ البتہ جدید نکاح کرنے کا مجاز ہے کیونکہ قرآن مجید میں رجعی طلاق کی عدت گزر جانے کے بعد جدید نکاح کی بلا حلالہ کے اجازت موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَھُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْھُنَّ اَنْ یَّنْکِحْنَ اَزْوَاجَھُنَّ﴾ (البقرۃ)

کہ جب طلاق دو تم عورتوں کو، پھر وہ پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو اب نہ روکو اس سے کہ وہ نکاح کر لیں اپنے خاوندوں سے جبکہ راضی ہو جاویں آپس میں موافق دستور کے۔

بخاری شریف کتاب التفسیر ص ۶۴۹ ج ۲ اور تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۲ ج ۲ میں ہے کہ حضرت معقل رضی اللہ عنہ بن یسار نے اپنی ہمشیرہ (جمیلہ یا فاطمہ) کا نکاح ابو البداح سے کر دیا تھا، پھر اس نے طلاق دے دی۔ جب عدت گزر گئی تو پھر اس نے رجوع کرنا چاہا تو حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہما از روئے غیرت اس جوڑے کے بحال ہونے میں رکاوٹ بن گئے۔ تب نے یہ آیت شریفہ نازل فرمائی اور اس ٹوٹے ہوئے جوڑے کو دوبارہ نکاح کرنے کی اجازت دے دی۔ بخاری شریف کے الفاظ یہ ہیں۔

عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ اُخْتَ مَعْقَلِ بْنِ یَسَارٍ طَلَّقَھَا زَوْجُھَا فَتَرَکَھَا حَتّٰی انْقَضَتْ عِدَّتُھَا فَخَطَبَھَا فَاَبٰی مَعْقَلٌ فَنَزَلَتْ ﴿فَلَا تَعْضُلُوْھُنَّ اَنْ یَّنْکِحْنَ اَزْوَاجَھُنَّ﴾ ❸

---

❶ فتاوی ثنائیہ: ص ۵۵ ج ۲. ❷ فتاوی: ص ۲۹ ج ۲. ❸ بخاری کتاب التفسیر: ص ٦٩٦ ج ۲.

تفسیر بیضاوی میں اس آیت کے ذیل میں ہے:

اَلْمُخَاطَبُ الْاَوْلِيَاءُ لِمَارُوِیَ اَنَّهَا نَزَلَتْ فِیْ مَعْقَلِ بْنِ يَسَارٍ حِيْنَ عَضَلَ اُخْتَهُ اَنْ تَرْجِعَ اِلٰى زَوْجِهَا الْاَوَّلِ بِالْاِ سْتِيْنَافِ. ❶

کہ جب معقل رضی اللہ عنہ نے اپنی مطلقہ ہمشیرہ کو بعد از عدت دوبارہ نکاح کرنے سے روکا تو یہ آیت (مذکورہ بالا) نازل ہوئی۔ بہرحال حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، ابراہیم نخعی، امام زہری، امام ضحاک کا یہی مذہب ہے کہ رجعی طلاق کی عدت گزرنے کے بعد نیا نکاح ہوسکتا ہے۔ ❷

فیصلہ:

چونکہ مجلس واحد کی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق کے وقوع کے مترادف ہیں اور رجعی طلاق کی عدت (تین خون) کے اندر بلاتجدید نکاح خاوند رجوع کرنے کا مجاز ہے۔ مگر حسب تصریح چونکہ طلاق ۶ جون ۱۹۷۴ء سے واقع ہوچکی اور سابقہ نکاح کے تحت اب عدت گزر جانے کی وجہ سے رجوع نہیں ہوسکتا، اس لئے ریاض احمد اپنی مطلقہ بیوی پروین اختر کے ساتھ بلا حلالہ نکاح کرنے کا مجاز ہے اور یہ نکاح ازروئے شریعت بیضا بالکل جائز اور درست ہوگا۔ دلائل تفصیل سے ذکر کردیے گئے ہیں، تاہم مفتی کا یہ جواب بشرط صحت سوال ہے اور وہ قانونی سقم کا ذمہ دار نہیں۔ واللہ اعلم و علمہ اتم وحکمہ احکم

مسئلہ طلاق ثلاثہ

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان اسلام اس مسئلہ میں کہ میرے حقیقی بڑے بھائی مسمی ذربت خاں ولد میربت خاں سکنہ و ڈاکخانہ بنی افغانان تحصیل و ضلع میانوالی نے گھریلو ناچاکی اور بے اتفاقی کی وجہ سے اپنی منکوحہ بیوی مسمات ستر بی بی دختر مبارک شاہ کو آج سے ایک ماہ پانچ دن قبل ایک ہی مجلس میں اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالی ہیں۔ اب بچوں کی وجہ سے دونوں میاں بیوی صلح کرکے اپنا گھر آباد رکھنا چاہتے ہیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں شرعی فتویٰ مطلوب ہے کیا شرعاً رجوع جائز ہے نہیں یا نیا نکاح کرنا پڑے گا دلائل کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔

میں مسمی عبدالوحید خاں میربت حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ میرے بھائی کی اپنی اس بیوی کو یہ پہلی طلاق ہے اس سے پہلے کوئی زبانی یا تحریری طلاق نہیں دی۔ (سائل: میر عبدالوحید خاں ولد میربت خاں سکنہ و ڈاکخانہ بنی افغانان تحصیل و ضلع میانوالی)

جواب: بشرط صحت سوال و بشرطیکہ طلاق دہندہ ذربت خاں ولد میربت خان کی یہ پہلی طلاق ہے تو قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، فقہائے اسلام، محققین علمائے امت اور ماہرین شریعت کی تصریحات کے مطابق ایک رجعی طلاق واقع ہوئی ہیں اور رجعی طلاق میں عدت کے اندر (تین حیض یا تین ماہ) نکاح قائم اور بحال رہتا ہے اور رجوع شرعاً جائز ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ﴾ (البقرة: ٢٢٩)

❶ بیضاوی: سورة بقرہ ص ١٥٢۔ ❷ تفسیر ابن کثیر: ص ٢٨١، ٢٨٢ ج ١۔

رجعی طلاق دو دفعہ ہے، پھر یا تو نیک ارادہ سے بیوی کو روک لینا ہے یا پھر شائستگی کے ساتھ اس کو چھوڑ دینا ہے۔"
یہاں اس آیت شریفہ میں لفظ مرتان مرۃ کا تثنیہ ہے اور مرۃ کا معنی ایک دفعہ اور ایک وقت ہے۔ جیسا کہ سورۃ النور میں اس کی صراحت موجود ہے فرمایا:

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِّنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ﴾

(النور: ۵۸)

"اے ایمان والو! تمہارے غلام لونڈی اور نابالغ لڑکے لڑکیاں آپ کے پاس آنے کے لئے تین وقتوں میں اجازت حاصل کریں (۱) نماز فجر سے پہلے (۲) اور ظہر کے وقت جب کہ تم اپنے کپڑے اتار رکھتے ہو اور عشاء کی نماز کے بعد، یہ تینوں وقت تمہاری خلوت اور پردے کے ہیں۔"

اس آیت میں ثلث مرات سے مراد ثلث اوقات ہیں، جیسا کہ خود قرآن مجید میں اس کی تصریح آپ کے سامنے ہے اور علم تفسیر کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے القرآن یفسر بعضه بعضا اس قاعدہ کے مطابق اَلطَّلَاقُ مَرَّتَان کا معنی لامحالہ طلاق دو دو دفعہ ہی صحیح ہے۔ دو طلاقیں مراد لینا ہرگز صحیح نہیں کیونکہ قرآن کے الفاظ الطلاق طلقتان ہرگز نہیں۔ پس قرآن سے ثابت ہوا کہ ایک مجلس کی تین یا تین سے زیادہ طلاقیں ایک رجعی طلاق شرعاً واقع ہوتی ہے۔ اب احادیث صحیحہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبِیْ بَكْرٍ وَسَنَتَیْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً. الحديث. ❶

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں اور حضرت عمرؓ کے دور خلافت کے پہلے دو برسوں تک تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھی۔ ایک سچا واقعہ یہ بھی ہے:

۲۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رُكَانَةَ بْنِ یَزِیْدَ اَنَّه طَلَّقَ اِمْرَاَتَهٗ ثَلَاثًا فِیْ مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ فَحَزَنَ عَلَیْهَا حَزَنًا شَدِیْدًا فَسَاَلَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَیْفَ طَلَّقْتَهَا؟ قَالَ ثَلَاثًا فِیْ مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ قَالَ فَقَالَ اِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ فَارْتَجِعْهَا اِنْ شِئْتَ فَرَاجَعَهَا. ❷

شرح صحیح البخاری میں شیخ الاسلام حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِیْثُ نَصٌّ فِی الْمَسْئَلَةِ لَا یَقْبَلُ التَّاْوِیْلُ الَّذِیْ فِی الرِّوَایَاتِ الْاٰتِیْ ذِكْرُهَا. ❸

یعنی رکانہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے کر بڑے غمگین ہوئے رسول اللہ ﷺ کے استفسار پر عرض کیا

---

❶ صحیح مسلم: کتاب الطلاق ج ۱ ص ۴۷۷۔

❷ اخرجه احمد و ابو یعلی و صححه۔ نیل الاوطار: ج ۶ ص ۲۳۲ باب ماجاء فی طلاق البتة و جمع الثلاث۔

❸ فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۹ ص ۳۱۶۔

کہ حضرت! اکٹھی تین طلاقیں دے بیٹھا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ تو ایک طلاق واقع ہوئی ہے آپ رجوع کرلیں۔ تو انہوں نے اپنی یکجائی مطلقہ ثلاثہ بیوی سے رجوع کرلیا۔

ایک ہزار سے زائد صحابہ رضی اللہ عنہم کا مذہب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ، عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے ایک ہزار سے زائد صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی فتویٰ اور مذہب تھا کہ اکٹھی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔

وَهٰذَا حَالُ كُلِّ صَحَابِيٍّ مِنْ عَهْدِ الصِّدِّيْقِ اِلٰى ثَلَاثِ سِنِيْنَ مِنْ خَلَافَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَهُمْ يَزِيْدُوْنَ عَلَى الْاَلِفِ قَطْعاً ۔ ❶

۴۔ امام محمد بن مقاتل رازی حنفی من اصحاب ابی حنیفہ اور ایک قول کے مطابق امام ابوحنیفہ کے مذہب میں بھی یہی فتویٰ ہے۔

وَ حَكَاهُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُقَاتِلِ الرَّازِيِّ مِنْ اَصْحَابِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَهُوَ اَحَدُ الْقَوْلَيْنِ فِيْ مَذْهَبِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ ۔ ❷

۵۔ مفتی اعظم سعودی عرب الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ ایک مجلس کی اکٹھی تین طلاقیں ایک ہی طلاق ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں ان عباس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے اہل علم کی ایک جماعت اور کئی دوسروں نے بھی اس بات کو اختیار کیا ہے اور محمد بن اسحاق صاحب السیرۃ بھی اس بات کے قائل ہیں اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی بات اختیار کی ہے۔ ❸

۶۔ شیخ الکل السید نذیر حسین المحدث الدہلوی اور شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ (فتاوی نذیریہ ج ۳ ص ۴۷) اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں قرآن و حدیث کی نصوص، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علمائے اسلام کے مطابق ایک رجعی طلاق واقع ہوئی ہے اور یہی صحیح ہے اور جس قاری صاحب نے یہ کہا ہے کہ تینوں طلاقیں واقع ہوچکی ہیں ان کی یہ رائے مذکورہ بالا احادیث صحیحہ مرفوعہ غیر معلل ولا شاذ کے مقابل ہرگز صحیح نہیں۔

حنفی حضرات کا فتویٰ:

مزید یہ کہ امام محمد بن مقاتل رازی حنفی کے علاوہ آج کے متعدد مفتیان احناف کی راجح رائے بھی یہی ہے کہ ایک مجلس کی اکٹھی تین یا تین سے زائد طلاقیں ایک رجعی طلاق سمجھنی چاہیے۔ جیسا کہ دارالعلوم دیوبند کے نائب مفتی کفیل الرحمٰن نشاط دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی ظفیر الدین حنفی دیوبندی کا فتویٰ ہے، ملاحظہ ہو کتاب جدید فقہی مسائل از خالد سیف اللہ دیوبندی

❶ التعليق المغني على الدارقطني ج ٤ ص ٤٧۔ ❷ التعليق المغني: ج ٢ ص ٤٨۔

❸ فتاوى سماحة الشيخ عبدالعزيز بن باز ج ١ ص ١٧٦۔

ص ۴۲۴ اور علامہ سعید اکبر آبادی حنفی، علامہ عروج قادری حنفی اور بریلوی مکتبہ فکر کے مشہور عالم دین اور پاکستان کی شرعی عدالت کے سابق جج پیر کرم شاہ بھیروی بریلوی کی رائے بھی یہی ہے۔ ملاحظہ کتاب مقالات علمیہ ص ۲۴۷ و رسالہ فکر و نظر۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں' خلاصہ یہ کہ صورت مسئولہ میں ایک رجعی طلاق واقع ہوئی ہے۔ چونکہ اس طلاق پر خط کشیدہ تصریح کے مطابق آج تک صرف ایک ماہ اور پانچ دن گزرے ہیں، لہٰذا عدت ابھی پوری نہیں ہوئی، اس لئے طلاق دہندہ اپنی بیوی سے رجوع کر کے اپنا گھر آباد رکھ سکتا ہے۔ حلالہ کی قطعاً ضرورت نہیں۔ حلالہ ویسے بھی لعنتی فعل اور بے غیرتی کا مظہر ہے۔ مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔

دو طلاقوں کے بعد رجوع

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرح متین کہ میں محمد انوار ولد شیخ غلام رسول ساکن بلال کالونی داروغہ والا گلی نمبر ۲۲ مکان نمبر ۴۴ اپنی بیوی عابدہ بیگم دختر شیخ معراج دین کو گھریلو جھگڑے کے وجہ سے مورخہ ۹۶-۵-۱۷ کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں ہیں۔ اس سے پہلے اپنی اس بیوی کو کبھی کوئی تحریری یا زبانی کلامی کوئی طلاق نہیں دی۔ اب میں اور میری بیوی اپنا گھر آباد رکھنا چاہتے ہیں قرآن وحدیث کے مطابق کیا ہم اپنا گھر آباد رکھ سکتے ہیں؟ شرعی فتویٰ صادر فرمایا جائے۔

(سائل: محمد انوار ولد شیخ غلام رسول بلال کالونی گلی نمبر ۲۲ مکان نمبر ۴ داروغہ والا لاہور)

الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب۔ بشرط صحت سوال، صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ اگر واقعی طلاق دہندہ کی اپنی اس بیوی کو یہ پہلی طلاق ہے تو یہ ایک رجعی طلاق شرعاً واقع ہوئی اور رجعی طلاق میں عدت کے اندر نکاح بحال اور رجوع شرعاً جائز ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ. (البقرۃ: آیت نمبر ۲۲۹) کہ (رجعی) طلاق دو مرتبہ ہے پھر یا تو خوش اسلوبی کے ساتھ بیوی کو روک لینا ہے یا پھر شائستگی کے ساتھ اس کو چھوڑ دینا ہے۔"

حضرت امام ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فَوَقَّتَ الطَّلَاقَ ثَلَاثًا لَا رَجْعَةَ فِيْهِ بَعْدَ الثَّالِثَةِ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ، (فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ) اَیْ إِذَا طَلَّقْتَهَا وَاحِدَةً اَوِ اثْنَتَيْنِ فَأَنْتَ مُخَيَّرٌ فِيْهَا مَادَامَتْ عِدَّتُهَا بَاقِيَةً بَيْنَ اَنْ تَرُدَّهَا اِلَيْكَ نَاوِيًا الْإِصْلَاحَ بِهَا وَالْإِحْسَانَ اِلَيْهَا وَ بَيْنَ أَنْ تَتْرُكَهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا فَتَبِيْنُ مِنْكَ. ●

کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے چکنے کے بعد تیسری طلاق بھی دے دے تو جب تک وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے پہلے پر حلال نہ ہوگی۔ اور اِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْتَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ کا مطلب یہ

● تفسیر ابن کثیر: ج ۱ ص ۲۹۲۔ طبع کویت۔

ہے کہ جب تو ایک طلاق دے یا دو طلاقیں دے دے تو تجھ کو عدت کے اندر یہ اختیار حاصل ہے کہ اصلاح کی نیت اور بیوی کے ساتھ نیک سلوک کی خاطر اس سے رجوع کر کے اس کو اپنے ہاں آباد رکھ سکتا ہے اور اس کو چھوڑ دینے کا بھی اختیار تجھے حاصل ہے۔

قرآن مجید کی اس واضح اور کھلی نص سے ثابت ہوا کہ دو طلاقوں کے بعد عدت کے اندر شرعاً رجوع جائز ہے کہ عدت کے اندر (تین حیض یا تین ماہ وغیرہ) نکاح سابق بحال اور قائم رہتا ہے، لہٰذا طلاق دہندہ مسمی محمد انوار ولد شیخ غلام رسول اپنی بیوی مسمات عابدہ بیگم سے رجوع کر کے اپنا گھر آباد رکھ سکتا ہے۔ اس مسئلہ میں اہل حدیث اور حنفیوں میں قطعاً کسی قسم کا کوئی اختلاف ہرگز نہیں۔ یہ فتویٰ ایک شرعی مسئلہ کا جواب ہے جو بشرط صحت سوال تحریر کیا گیا ہے، مفتی کسی قانونی سقم اور عدالتی کارروائی کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ هذا ما عندي و اعلم بالصواب۔

مجنوں کی طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال: میرا بہنوئی فوج میں ملازم تھا۔ فوج والوں نے اس کو پاگل قرار دے کر بورڈ کر دیا۔ گھر میں اس کو باندھ کر رکھا گیا کہ اس کا دماغی توازن درست نہیں تھا۔ اگر اس کا دماغی توازن درست ہوتا ہے گھر میں کوئی نقصان نہیں کرتا۔ پھر اس کو فوج کے دفتر میں لے گئے پنشن کے کاغذات پر دستخط کرنے کے لئے کہا گیا تو ہمارے بہنوئی نے دستخط کرنے کی جگہ طلاق کا لفظ لکھ دیا تھا اور کوئی نام نہیں لکھا۔ فوج والوں نے پھر اس سے دستخط نہیں کرائے۔ پھر ہماری بہن ہمارے گھر چلی آئی [illegible] نے کہا کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ گواہ پوچھے تو اس نے ایک آدمی کا نام لیا۔ جس کا نام اشرف تھا ہمارے بہنوئی کے پڑوس میں رہتا ہے۔ تو محمد اشرف نے کہا کہ میں ہر وقت اور ہر جگہ یہ حلف دینے کو تیار ہوں کہ اس نے طلاق نہیں دی۔ ہم اپنی بہن کو کہتے ہیں کہ جا کر اپنا گھر آباد کرو تو وہ کہتی ہے کہ مجھے طلاق ہو چکی ہے۔ اس بات پر آٹھ ماہ گزر چکے ہیں۔ اب ہمارے پڑوس میں تین آدمیوں نے ایک مفتی کے پاس جا کر یہ بیان دیا ہے کہ ہمارے بہنوئی نے ان کے سامنے طلاق دی ہے۔ ان تینوں آدمیوں نے پہلے اپنے گھر ویران کئے ہیں۔ اس لئے ہم ان کی گواہی قبول نہیں کرتے۔ ادھر ہمارے بہنوئی نے بھی قسم اٹھائی کہ میں نے طلاق نہیں دی۔ اور ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ جب میں بیمار تھا اس وقت کا مجھے پتہ نہیں۔ اب وہ تندرست ہے اور کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی۔ آپ کتاب و سنت کے مطابق بتلائیں کہ یہ نکاح دوبارہ ہو گا یا پہلے نکاح میں گھر جائے گی، جب کہ ہمارے گاؤں کا مفتی کہتا ہے کہ یہ نکاح دوبارہ ہوگا؟ (سائل: محمد یوسف ولد میاں امام بخش۔ بمقام گھنگوال ڈاکخانہ خاص براستہ جھاوریاں تحصیل شاہ پور ضلع سرگودھا۔ بذریعہ حضرت مولانا محمد شریف حصاروی بن محمد سلطان خطیب مسجد بیت الحمد و مدیر مدرسہ عمر بن الخطاب ۲/۳۴ شاہ فیصل ٹاؤن کورنگی نمبر ۳ کراچی نمبر ۳۱)

جواب: الجواب بعون الوهاب و منه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ اگر یہ بات درست، سچ اور واقعہ کے مطابق ہے کہ فوج کے محکمہ نے طلاق دہندہ کو پاگل قرار دے کر بورڈ کر دیا ہے تو ظاہر ہے

کہ انہوں نے کوالیفائیڈ ڈاکٹروں کے طبی معائنہ اور رپورٹ کے بعد ایسا کیا ہے جو اس بات کا قوی اور مضبوط ترین قرینہ اور ثبوت ہے کہ یہ شخص واقعی پاگل ہے اور اس کا دماغی توازن سچ مچ بگڑ چکا ہے اور پاگل اور دماغی مریض کا کوئی تصرف طلاق وغیرہ بالاتفاق علمائے شریعت شرعاً معتبر نہیں کیونکہ وقوع طلاق کے لئے شوہر کا عاقل، بالغ اور ہر لحاظ سے بااختیار ہونا شرعاً ضروری ہے۔ جب یہ تینوں شرطیں موجود ہوں گی تو طلاق واقع ہوگی ورنہ لغو اور باطل ہوگی۔ اور ظاہر کہ پاگل آدمی ان تینوں شرطوں سے عاری اور محروم ہوتا ہے لہٰذا اس کی طلاق بھی شرعاً لغو اور باطل ہوگی۔ کیونکہ طلاق ان تصرفات میں سے ایک ایسا تصرف ہے جو زوجین کی زندگی پر گہرا اثر ڈالتا ہے اور گھمبیر نتائج پر مبنی ہوتا ہے۔ اس لئے طلاق کے وقت طلاق دہندہ کا ہر لحاظ سے طلاق کا اہل ہونا ضروری ہے۔ تاکہ اس کا یہ تصرف شرعاً صحیح قرار پائے اور اہلیت کاملہ کے لئے عقل، بلوغ اور اختیار کامل کا ہونا ضروری ہے اگر ان تینوں میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہوگی تو طلاق شرعاً لغو قرار پائے گی۔

فَاتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى اَنَّ الزَّوْجَ الْعَاقِلَ الْبَالِغَ الْمُخْتَارَ هُوَالَّذِيْ يَجُوْزُلَهٗ اَنْ يُطَلِّقَ وَاِنَّ طَلَاقَهٗ يَقَعُ فَاِذَا كَانَ مَجْنُوْنًا اَوْ صَبِيًّا اَوْمُكْرَهًا فَاِنَّ طَلَاقَهٗ يُعْتَبَرُ لَغْوًا لَوْ صَدَرَ مِنْهُ لِاَنَّ الطَّلَاقَ تَصَرُّفٌ مِنْ تَصَرُّفَاتِ الَّتِيْ لَهَا آثَارٌ وَّنَتَائِجُهَا فِيْ حَيَاةِ الزَّوْجَيْنِ وَلَابُدَّ اَنْ يَكُوْنَ الْمُطَلِّقُ كَامِلَ الْاَهْلِيَّةِ حَتّٰى تَصِحَّ تَصَرُّفَاتُهٗ وَاِنَّمَا تَكْمِلُ الْاَهْلِيَّةُ بِالْعَقْلِ وَالْبُلُوْغِ وَالْاِخْتِيَارِ. [1]

علماء کا اتفاق ہے کہ وقوع طلاق کے لئے طلاق دہندہ کا عاقل، بالغ مکمل بااختیار ہونا ضروری ہے، وہ پاگل یا نابالغ اور یا وہ سچ مچ مکرہ (مجبور محض) ہو تو اس کی طلاق لغو یعنی غیر معتبر ہوگی۔ کیونکہ طلاق تیج ہوتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ طلاق دیتے وقت طلاق دینے والا ہر لحاظ سے طلاق کی اہلیت رکھتا ہو اور کامل اہلیت کے لئے عاقل، بالغ اور مختار ہونا ضروری ہے۔

چنانچہ حدیث میں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الصَّغِيْرِ حَتّٰى يَكْبُرَ وَعَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يَعْقِلَ اَوْيَفِيْقَ. [2]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین شخصوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے۔ سوئے ہوئے سے جب تک وہ بیدار نہ ہو اور نابالغ بچے سے جب تک وہ بڑا نہ ہو جائے اور پاگل آدمی سے جب تک وہ تندرست نہ ہو جائے یا اس کو افاقہ نہ ہو جائے۔''

امام محمد بن اسماعیل الامیر الیمانی اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں:

وَفِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ الثَّلَاثَةَ لَا يَتَعَلَّقُ بِهِمْ تَكْلِيْفٌ وَهُوَ النَّائِمُ الْمُسْتَغْرِقُ وَالصَّغِيْرُ الَّذِيْ لَا

[1] فتاوی نذیریہ ج ۳ ص ۷۳، فقه السنة: ج ۲ ص ۲۱۱.

[2] رواه احمد والاربعة الا الترمذی وصححه الحاكم واخرجه ابن حبان، سبل السلام: ج ۳ ص ۱۸۱.

تَمِيزَ لَهُ وَ فِيهِ خِلَافٌ إِذَا عَقَلَ وَ مَيَّزَ وَاَمَّا الْمَجْنُوْنُ فَالْمُرَادُ بِهِ زَائِلُ الْعَقْلِ فَيَدْخُلُ فِيهِ السُّكْرَانُ وَالطِّفْلُ كَمَا يَدْخُلُ الْمَجْنُوْنُ. لِا نْعِقَادِ الْاِجْمَاعِ عَلَى اَنَّ مِنْ شَرْطِ التَّكْلِيفِ الْعَقْلُ وَمَنْ لَايَعْقِلُ مَايَقُوْلُ فَلَيْسَ بِمُكَلَّفٍ. ❶

''اس حدیث میں دلیل ہے کہ ان تینوں پر شرعی احکام لاگو نہیں ہوتے کیونکہ ان میں عقل مفقود ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کے تصرفات طلاق وغیرہ بھی لغو ہوتے ہیں اور بالا جماع لغو ہوتے ہیں، تاہم بچے کے بارے میں اختلاف ہے۔''

امام محی السنۃ البغوی ارقام فرماتے ہیں:

وَاتَّفَقَ اَهْلُ الْعِلْمِ عَلَى اَنَّ طَلَاقَ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُوْنِ لَا يَقَعُ قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ الْقَلَمَ رُفِعَ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يُفِيقَ وَ عَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يُدْرِكَ وَ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ وَيُرْوٰى هٰذَا عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثٍ وَاَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ تَعْلِيقاً. ❷

مگر حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس روایت کا موقوف ہونا راجح ہے کہ اہل علم کا اتفاق ہے کہ بچے اور پاگل کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ حدیث رفع القلم عن ثلاثۃ اس کی دلیل ہے۔

اَبُوْ هُرَيْرَةَ رَفَعَهُ كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ اِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوْهِ وَالْمَغْلُوْبِ عَلٰى عَقْلِهِ. ❸

قَالَ عُثْمَانُ لَيْسَ لِمَجْنُوْنٍ وَلَا لِسُكْرَانٍ طَلَاقٌ صحیح البخاری ج ۲ ص ۷۹۳۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ تَعْلِيقًا۔ حدیث رقم ۴۳۹۹۔ جمع الفوائد ج ۱ ص ۷۲۶۔ وَفِي حَدِيْثِ بُرَيْدَةَ فِي قِصَّةِ مَاعِزٍ اَنَّهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ طَهِّرْنِي قَالَ مِمَّا؟ أُطَهِّرُكَ قَالَ مِنَ الزِّنَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ أَبِهِ جُنُوْنٌ؟ رواه مسلم وفي لفظ البخاری أَبِكَ جُنُوْنٌ؟❹

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے پاک فرمایئے فرمایا کس چیز سے پاک کروں؟ عرض کیا زنا کی نجاست سے تو آپ نے فرمایا کیا یہ شخص پاگل ہے؟ بخاری کے مطابق کیا تو پاگل ہے؟

امام شوکانیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وَفِيهِ دَلِيلٌ عَلٰى أَنَّ الْاِقْرَارَ مِنَ الْمَجْنُوْنِ لَا يَصِحُّ وَكَذٰلِكَ سَائِرُ التَّصَرُّفَاتِ وَالْاِنْشَاتِ وَلَا اَحْفَظُ فِي ذٰلِكَ خِلَافاً. ❺

اس حدیث میں دلیل ہے اس بات کی کہ پاگل کا اقرار شرعاً صحیح نہیں اور یہی حکم ہے اس کے دوسرے تصرفات اور

❶ سبل السلام: ج ۳ ص ۱۸۱۔
❷ شرح السنة ج ٥ ص ١٦١۔
❸ رواه الترمذی: حدیث رقم ٤٣٩٧۔
❹ نيل الاوطار ج ٦ ص ٢٦٥،٢٦٦۔
❺ نيل الاوطار ج.٦ ص ٢٦٦۔

انشائی معاملات کا۔ اس مسئلہ میں مجھے کسی کا خلاف یاد نہیں۔
خلاصہ کلام یہ ہے کہ پاگل آدمی کی طلاق شرعاً واقع نہیں تمام مذاہب اسلام کا یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔ کسی نے اس میں کوئی اختلاف نہیں کیا۔ رہا آپ کی ہمشیرہ کا یہ اصرار کہ مجھے طلاق دے دی گئی ہے تو بظاہر اس کا یہ اصرار جذبات پر مبنی ہے اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں اور رہی تین آدمیوں کی مفتی کے پاس طلاق کے ثبوت میں شہادت۔ تو بلاشبہ اثبات کے گواہ نفی کے گواہوں پر مقدم ہوتے ہیں۔ یعنی ان تینوں گواہوں کی گواہی طلاق کے اثبات میں کافی ہوتی بشرطیکہ یہ گواہ عادل ہوتے، مگر جیسا کہ آپ نے ان پر جرح کرتے ہوئے اپنے سوال نامہ میں لکھا ہے کہ یہ تینوں شخص اپنے گھر ویران کر چکے ہیں۔ جیسا کہ خط کشیدہ تصریح اس بات پر دلالت کر رہی ہے۔ لہٰذا اگر آپ کی یہ جرح حقیقت پر مبنی ہے تو ان کی یہ گواہی شرعاً معتبر نہیں۔ بلکہ کسی مفاد پر مبنی ہے۔ بہر حال فوج کے افسران کا آپ کے بہنوئی کو بورڈ کر دینا بظاہر ایسا قوی قرینہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں آپ کی بہن کا جذباتی اصرار اور ان تینوں گواہوں کی شہادت شرعاً معتبر نہیں۔ اور نکاح سابق شرعاً بحال اور قائم ہے۔ لہٰذا نئے نکاح کی ہرگز ضرورت نہیں۔ یہ ساری بحث تو اس صورت میں ہے کہ آپ کے بہنوئی نے جنون کی حالت میں لفظ طلاق لکھ دیا اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس نے لفظ طلاق سوچ سمجھ کر لکھا تھا اور اب مرض جنون کو بہانہ بنا رہا ہے تو اگر اس نے اس طلاق سے پہلے کبھی طلاق نہیں دی تو یہ اس کی پہلی رجعی طلاق ہے اور چونکہ اس طلاق پر آٹھ مہینے کا عرصہ گزر چکا ہے۔ لہٰذا اب نیا نکاح پڑھنا ناگزیر اور شرعاً ضروری ہے۔ حلالہ وغیرہ کی قطعاً ضرورت نہیں۔

فیصلہ:
بشرط صحت سوال اگر واقعی محکمہ افواج نے آپ کے بہنوئی کو طبی معائنہ کے بعد پاگل قرار دے کر بورڈ کر دیا تھا۔ اور اس نے پنشن کے کاغذات پر بجائے دستخط کے طلاق کا لفظ لکھ دیا تھا تو بلاشبہ اس کی یہ طلاق شرعاً لغو اور باطل ہے اور ہرگز معتبر نہیں۔ ورنہ بصورت دیگر نکاح ثانی کرنا ضروری ہے۔ مفتی کسی قانونی سقم اور عدالتی جھمیلوں کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ هذا ما جاء في فهم هذا الحقير والعلم عندالله اللطيف الخبير۔

دوسری طلاق کے بعد رجوع

سوال: میں مسمات گوہر بانو دختر سردار مرزا کا نکاح مورخہ ۹۰-۸-۱۷ کو ہمراہ محمد سعید ولد محمد یوسف ہوا۔ لیکن بعض وجوہات کی بنا پر محمد سعید نے مجھے ۹۳-۳-۱۲ کو ایک عدد طلاق بھیجی اس دوران مجھے کوئی ماہواری نہ ہوئی۔ اور ہماری صلح بتاریخ ۹۳-۳-۱۷ کو ہوگئی اب دوسری طلاق محمد سعید نے مجھے ۹۳-۶-۲۷ کو بھیجی اور عدالت کے ذریعے ہماری صلح ۹۳-۹-۹ کو ہوگئی۔ اس دوران مجھے دو ماہواریاں ہوئیں۔ اب آپ سے گزارش ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مجھے بتائیں کہ آیا کہ مجھے کتنی طلاقیں ہوئیں؟

جواب: الجواب بعون الوهاب وهو اللهم الحق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں واضح

ہو کہ آپ کو آپ کے اس بیان و اقرار اور تحریر ہذا کی رو سے ۹۳ء میں آپ کو دو رجعی طلاقیں واقع ہو چکی ہیں۔ ایک ۹۳-۴-۱۲ والی اور دوسری مورخہ ۹۳-۶-۲۷ والی۔ کیونکہ قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ کے مطابق یکجائی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ (البقرة: ۲۲۹)

کہ رجعی طلاق دو دفعہ ہے، پھر یا تو بھلے طریق کے ساتھ بیوی کو روک لینا ہے یا پھر اچھے انداز میں چھوڑ دینا ہے۔

کیونکہ مرتان مرۃ کا تثنیہ ہے اور مرۃ کا معنیٰ ایک دفعہ یا ایک وقت ہے۔ جیسے کہ سورۂ نور میں ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِّنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ﴾ (النور: ۵۸)

کہ اے ایمان والو! تمہارے غلام لونڈی اور نابالغ لڑکے لڑکیاں تین وقتوں میں تمہارے پاس آنے کی اجازت لیا کریں۔ (۱) فجر کی نماز سے پہلے (۲) دوپہر کے وقت اور (۳) عشاء کی نماز کے بعد۔ یہ تین وقت تمہاری بے پردگی کے وقت ہیں۔

اس آیت شریفہ نے فیصلہ کر دیا کہ مرات کا معنیٰ اوقات ہیں، لہٰذا القران يفسر بعضه بعضا کے مسلمہ قاعدہ کے مطابق اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کا معنیٰ طلاق دو دفعہ ہے دو عدد طلاق نہیں۔ ورنہ الطلاق طلقتان ہونا چاہیے تھا جب کہ ایسا ہرگز نہیں۔ اب احادیث ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَبِیْ بَكْرٍ سَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً ❶

''رسول اللہ ﷺ کے عہد رسالت میں ابوبکر صدیق کی خلافت میں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں تک یک بارگی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق شرعاً واقع ہوتی تھی۔

۲۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رُكَانَةَ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّهُ طَلَّقَ إِمْرَاَتَهُ ثَلَاثًا فِیْ مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ فَحَزَنَ عَلَيْهَا حَزْنًا شَدِيْدًا فَسَاَلَهُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ طَلَّقْتَهَا؟ قَالَ ثَلَاثًا فِیْ مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ قَالَ فَقَالَهُ إِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ فَارْتَجِعْهَا. ❷

حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے کر بڑے غمگین ہوئے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو ایک رجعی طلاق واقع ہوئی ہے تم رجوع کر سکتے ہو۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عبدالرحمان بن عوف وغیرہ ہزاروں

❶ صحيح مسلم: كتاب الطلاق ج ۱ ص ۴۷۷. ❷ اخرجه احمد و ابو يعلى و صححه - فتح الباري ج ۹ ص ۱۱۶.

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب اور فتویٰ ہے کہ یکبارگی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق واقع ہوتی ہے۔
(التعليق المغني: ج ٤ ص ٢٨)

۴۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، ابن قیم، شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی اور شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری کا بھی یہی فتویٰ ہے۔
خلاصہ کلام یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں آپ کو دو طلاقیں پڑ چکی ہیں۔ لہٰذا اگر واقعی آپ کو اس دوران، یعنی ۹۳۔۶۔۲۷ سے لے کر ۹۳۔۹۔۹ تک تیسرا حیض (ماہوار) نہیں آیا تو پھر نکاح سابق بحال اور قائم تھا اور رجوع عدت کے اندر ہوا ہے۔ جو کہ شرعاً صحیح ہے۔ یہ جواب بشرط صحت اقرار و تحریر لکھا گیا ہے۔ ورنہ اگر آپ واقعی صحت مند ہیں اور حیض باقاعدگی کے ساتھ آ رہا ہے تو پھر مورخہ ۹۳۔۶۔۲۷ سے لے کر ۹۳۔۹۔۹ تک ۷۵ دن بنتے ہیں یعنی پونے تین ماہ کا عرصہ ہے اور عام صحت مند عورتوں کو اتنے دنوں کے اندر اندر عموماً تیسرا حیض آ چکتا ہے اور عورت غسل کر کے فارغ ہو جاتی ہے۔ اگر تیسرا حیض آ چکا تھا اور بعد میں رجوع کیا گیا ہے تو یہ رجوع شرعاً ناجائز ہے کہ نکاح ٹوٹ جانے کے بعد عمل میں آیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر نکاح ثانی کر لیں۔ اور حلالہ کی ضرورت نہیں۔ حلالہ ویسے بھی لعنتی عمل ہے۔ یہ جواب بشرط صحت سوال تحریر کیا گیا ہے۔ جو محض ایک شرعی مسئلہ کا اظہار ہے۔ مفتی کسی قانونی سقم اور عدالتی جھمیلوں کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ هذا ما عندي و اعلم بالصواب واليه المرجع والماب في يوم الحساب

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ میں نے اپنی بیوی بلقیس کو ۱۴ ستمبر کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی تھیں، اب میں اپنی بیوی کی منت سماجت کی وجہ سے طلاق سے رجوع کر کے اپنا گھر آباد رکھنا چاہتا ہوں۔
قرآن و حدیث کے مطابق فتویٰ جاری کیا جائے کہ میں اپنا گھر آباد رکھ سکتا ہوں کہ نہیں؟
میں بحیثیت مسلمان یہ بیان کرتا ہوں کہ میں نے اپنی اس بیوی کو یہ پہلی طلاق دی ہے غلط بیانی کا میں خود ذمہ دار ہوں گا۔
(سائل: اسرار احمد ولد محمد ایوب ساکن کھلابٹ ٹاؤن شپ سیکٹر نمبر ۴ ہری پور ہزارہ حال میواتی محلہ کوٹ لکھپت اکبر شہید روڈ)

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: بشرطیکہ یہ پہلی طلاق ہو اور طلاق نامہ اصل واقعہ کے عین مطابق ہو تو صورت مسئولہ میں ایک رجعی طلاق واقع ہوئی ہے، جیسا کہ صحیح احادیث میں ہے۔

۱۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ أَبِي بَكْرٍ وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً.[1]

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے لے کر حضرت عمر فاروق کی خلافت کے ابتدائی دو برسوں تک اکٹھی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق شمار ہوتی تھی۔"

[1] مسلم: باب الطلاق ج ١ ص ٤٧٧.

۲۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رُكَانَةَ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّهُ طَلَّقَ اِمْرَاَتَهُ ثَلاثاً فِي مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ فَحَزَنَ عَلَيْهَا حَزْناً شَدِيْدًا فَسَاَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ طَلَّقْتَهَا؟ قَالَ ثَلاثاً فِي مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ قَالَ فَقَالَهُ اِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ فَارْتَجِعْهَا فَتَرَاجَعَهَا۔ ●

کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے کر بڑے غمگین ہوئے۔ جناب رسول اکرم ﷺ کے دریافت فرمانے پر عرض کیا کہ حضرت! اکٹھی تین طلاقیں دے بیٹھا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو پھر ایک رجعی طلاق ہوئی ہے آپ رجوع کرلیں تو انہوں نے رجوع کرلیا۔

۳۔ ایک ہزار صحابہ:

حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف و غیرہم ایک ہزار سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی فتویٰ اور مذہب ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق واقع ہوئی ہے۔

۴۔ علمائے احناف میں سے امام محمد بن مقاتل رازی حنفی، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی حنفی، علامہ سعید احمد اکبرآبادی حنفی، محقق شہیر و مؤلف شمس پیرزادہ اور مشہور بریلوی حنفی عالم دین پیر کرم شاہ آستانہ عالیہ بھیرہ کی راجح رائے بھی یہی ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق شرعاً ہوتی ہے۔

۵۔ امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، امام داؤد ظاہری، شیخ الکل السید نذیر حسین دہلوی اور شیخ الاسلام ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری قدس اسرارہم کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ ●

خلاصہ اور فیصلہ:

مذکورہ بالا احادیث صحیحہ معتبرہ قویہ، مرفوعہ، متصلہ اور ایک ہزار سے زائد صحابہ و بعض تابعین اور محققین علمائے امت کے مطابق صورت سوال میں بشرط صحت سوال ایک رجعی طلاق واقع ہوئی ہے اور یہ طلاق حسب وضاحت خط کشیدہ ۲۰۰۲۔۹۔۱۴ کو دی گئی ہے اور آج مورخہ ۲۰۰۲۔۱۰۔۱۵ ہے، لہٰذا عدت باقی ہے اور نکاح سابق قائم اور بحال ہے پس طلاق دہندہ اسرار احمد مذکور اپنی بیوی بلقیس بی بی سے رجوع کرکے اپنا گھر آباد رکھ سکتا ہے۔ حلالہ کی ہرگز ضرورت نہ ہے حلالہ ویسے بھی بحکم رسول مقبول ﷺ لعنتی فعل اور بے غیرتی کا مظہر ہے۔ مفتی کسی قانونی سقم اور عدالتی کارروائی کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ هذا ماعندي والله اعلم بالصواب واليه المرجع والمآب في يوم الحساب۔

تحریری طلاق کا حکم اور اس کی شرطیں

سوال: میری دختر مسمات صدیقہ بی بی کا نکاح ہمراہ مسمی شمیر علی ولد ناظر حسین قوم راجپوت محلہ انور آباد تحصیل جڑانوالہ ضلع فیصل آباد سے عرصہ تقریباً ۲ سال قبل کردیا تھا۔ جب کہ مسماۃ مذکورہ خاوند مذکور کے ہاں ڈیڑھ سال آباد رہی۔ دوران

● اخرجه احمد و ابو یعلی و صححه و نیل الاوطار ج ٦ ص ٢٣٢۔ فتح الباری ج ٩ ص ٣١٦۔

● کتاب مقالات علمیه: ص ٢٣٧ و فتاوی نذیریه: ج ٢ و فتاوی ثنائیه: ج ٢ ص ٢٢٧

آبادی مابین فریقین گھریلو اختلاف کی وجہ سے خاوند مذکور نے مسمات کو مار پیٹ کر اور تین بار تحریر طلاق طلاق لکھ کر اور اپنے نفس پر حرام کہہ کر ہمیشہ کے لئے گھر سے باہر نکال دیا ہوا ہے جس کو عرصہ تقریباً ۲ ماہ کا ہو چکا ہے۔ اور آج تک کوشش مصالحت کے باوجود بھی صلح نہ ہو سکی۔ اب علمائے دین سے سوال ہے کہ آیا شرعاً تین بار طلاق جو کہ خاوند نے تحریری طور پر دی تھی، شرعاً واقع ہو چکی ہے یا نہیں؟ نیز مسماۃ نکاح جدید کی حق دار ہے یا نہیں۔ قرآن وسنت کی روشنی میں مدلل جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں، کذب بیانی ہوگی تو سائل خود ذمہ دار ہوگا لہٰذا ہمیں شرعی فتویٰ صادر فرمائیں۔ (سائل: مسمی شیر محمد حقیقی باپ مسماۃ مذکورہ)

جواب: الجواب بعون الله الوهاب وهو الملهم للحق والصواب: بشرط صحت واقعہ صورت مسئولہ میں مسمات صدیقہ بی بی دختر مسمی شیر محمد ولد محمد دین راجپوت کو ایک رجعی طلاق واقع ہو کر موثر ہو چکی اور نکاح کالعدم قرار پا چکا ہے۔ طلاق تحریری ہو یا زبانی کلامی جب بقائمی ہوش وحواس اور بلا جبر واکراہ غیرے ہو تو بلاشبہ بالاتفاق پڑ جاتی ہے۔ چنانچہ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ مَا حَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسُهَا مَالَمْ تَعْمَلْ اَوْتَتَكَلَّمْ.[1]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے میری امت کے دلوں کے خیالات سے درگزر فرما رکھا ہے جب تک وہ اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنائے یا زبان سے بول کر بیان نہ کرے۔''

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں:

وَاسْتُدِلَّ بِهٖ عَلٰی اَنَّ مَنْ کَتَبَ الطَّلَاقَ طُلِّقَتْ اِمْرَاَتُهٗ لِاَنَّهٗ عَزَمَ بِقَلْبِهٖ وَعَمِلَ بِكِتَابَةٍ وَهُوَ قَوْلُ الْجَمْهُوْرِ وَ شَرَطَ مَالِكٌ فِيْهِ الْاِشْهَادَ عَلٰی ذٰلِكَ.[2]

کہ اس حدیث کے جملہ (مَالَمْ تَعْمَلْ) سے استدلال کیا گیا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تحریری طلاق دے ڈالے تو اس کی بیوی پر طلاق پڑ جائے گی، کیونکہ اس نے دل سے طلاق دینے کا ارادہ کیا اور اس کے ایقاع کے لئے لکھنے کا عمل کیا۔ جمہور علمائے امت کا یہی قول ہے کہ تحریری طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

مولانا ابوالحسنات عبدالحی حنفی لکھتے ہیں:

فَمِنْ رُکْنِ الطَّلَاقِ التَّلَفُّظُ یَدُلُّ عَلَیْهِ فَلَا یَقَعُ بِمُجَرَّدِ الْعَزْمِ النِّیَّةِ کَذَا فِی الْبِنَایَةِ وَیُلْحَقُهٗ مَایَقُوْمُ مَقَامَهٗ کَالْاِشَارَةِ الْمُفْهَمَةِ وَالْکِتَابَةِ.[3]

کہ محض نیت کر لینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی جب تک طلاق کے لئے زبان سے ایسا لفظ ادا نہ کیا جائے جو طلاق پر دلالت کرتا ہو اور اسی طرح واضح اشارہ اور تحریر سے بھی طلاق ہو جاتی ہے۔

السید محمد سابق مصری ارقام فرماتے ہیں:

وَالْکِتَابَةُ یَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ وَلَوْ کَانَ الْکَاتِبُ قَادِراً عَلَی النُّطْقِ فَکَمَا اَنَّ لِلزَّوْجِ اَنْ یُطَلِّقَ زَوْجَةً بِاللَّفْظِ فَلَهٗ اَنْ یَکْتُبَ اِلَیْهَا الطَّلَاقَ وَاشْتَرَطَ الْفُقَهَاءُ اَنْ تَکُوْنَ الْکِتَابَةُ مُسْتَبِیْنَةً

[1] صحيح البخاری باب الطلاق فی الاغلاق والكره الخ ج ۲ ص ۷۹۳، ۷۹٤.

[2] فتح الباری شرح صحيح البخاری ج ۹ ص ۳٤٥.

[3] عمدة الرعاية ج ۲ ص ۷۲ حاشية ۷.

مَرْسُوْمَةٌ وَّ مَعْنٰی کَوْنِهَا مُسْتَبِیْنَةً اَیْ بَیِّنَةً وَاضِحَةً بِحَیْثُ تُقْرَأُ فِیْ صَحِیْفَةٍ وَّنَحْوِهَا وَ مَعْنٰی کَوْنِهَا مَرْسُوْمَةً اَیْ مَکْتُوْبَةً بِعُنْوَانِ الزَّوْجَةِ بِاَنْ یَّکْتُبَ اِلَیْهَا یَافُلَانَةُ اَنْتِ طَالِقٌ فَاِذَا لَمْ یُوَجِّهِ الْکِتَابَةَ اِلَیْهَا بِاَنْ کَتَبَ عَلٰی وَرَقَةٍ اَنْتِ طَالِقٌ اَوْزَوْجَتِیْ طَالِقٌ فَلَا یَقَعُ الطَّلَاقُ اِلَّا بِالنِّیَّةِ لِاِحْتِمَالِ اَنَّهٗ کَتَبَ هٰذِهِ الْعِبَارَةَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّقْصُدَ اِلَی الطَّلَاقِ وَاِنَّمَا کَتَبَهَا لِتَحْسِیْنِ خَطِّهٖ مَثَلًا ❶

کہ تحریری طلاق بھی پڑ جاتی ہے اگر چہ تحریری طلاق دینے والا گونگا نہ بھی ہو، لہٰذا جس طرح طلاق دہندہ کو زبانی طلاق دینے کا حق حاصل ہے، اسی طرح وہ اپنی بیوی کی طرف تحریری طلاق بھیجنے کا بھی مجاز ہے۔ تاہم فقہاء نے تحریری طلاق کے وقوع کے یہ دو شرطیں ضروری قرار دی ہیں۔ کہ طلاق مستبینہ ہو، یعنی خط اتنا واضح ہو کہ وہ صاف پڑھا جاتا ہو۔ دوسرے یہ کہ تحریر کا رخ بیوی کی طرف ہو، یعنی اس میں اپنی بیوی کو خطاب کرتے ہوئے یوں لکھا کہ اے فلاں میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔ ورنہ ان دو شرطوں کے بغیر تحریری طلاق واقع نہ ہو گی۔ کیونکہ یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ کاتب نے صرف خوشخطی کے لئے انت طالق یا زوجتی طالق لکھا ہو اور طلاق کی نیت نہ ہو۔ ہاں اگر طلاق کی نیت سے لکھا تو طلاق پڑ جائے گی۔

مفتی محمد شفیع آف کراچی لکھتے ہیں:

طلاق بذریعہ تحریر بھی جائز ہے۔ اگر طلاق غیر مشروط لکھی ہو تو جس وقت الفاظ طلاق کاغذ پر آئے اسی وقت طلاق پڑ جائے گی۔ بشرطیکہ طلاق نامہ میں اپنی عورت کو خطاب ہو۔ کذا فی الدرالمختار والشامی۔ طلاق نامہ دوسرے شخص کے پاس بھیجے اور وہ عورت کو سنا دے یہ بھی جائز ہے۔ اور طلاق تو لکھنے کے ساتھ ہی پڑ جائے گی، سنائے یا نہ سنائے۔ اور سن کر رسید دے یا نہ دے۔ الخ ❷

فیصلہ:

صورت مسئولہ میں بشرط صحت سوال مسمات صدیقہ بی بی کو ایک رجعی طلاق پڑ چکی ہے۔ اور طلاق نامہ کی خط کشیدہ تصریح کے مطابق آج سے چھ ماہ قبل تحریر کیا گیا تھا۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ عدت (تین حیض) پوری ہو چکی ہے، لہٰذا موثر ہو کر نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ اور مسمات مذکورہ اپنے مستقبل کا فیصلہ کر لینے میں شرعاً مختار ہے۔ مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ذمہ دار نہ ہو گا۔ یہ محض شرعی فتویٰ ہے۔ مجاز اتھارٹی سے توثیق ضروری ہے۔ هذا ما عندي و اعلم بالصواب.

طلاق کنائی

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں نے آج سے تقریباً ڈیڑھ ماہ پہلے غصے میں اپنی بیوی سے کہا

❶ فقه السنة ج ۲ ص ۲۱۹.
❷ فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۶۳۳.

تھا کہ تم مجھے پریشان نہ کرو ورنہ میں نے تجھے طلاق دے دینی ہے اور پھر میں نے آج سے تقریباً پندرہ دن پہلے اپنی بیوی کو بددعا دیتے ہوئے کہا کہ جا تیرا بیڑہ غرق طلاق کے ساتھ ہو اور ان دونوں وقتوں میں سخت غصے میں تھا میں نے دونوں دفعہ یہ الفاظ طلاق کی نیت سے نہیں کہے بلکہ اپنی بیوی کو ڈرانے دھمکانے کی غرض سے کہے تھے تاکہ وہ میری فرمان بردار رہے آپ شریعت کی رو سے فتویٰ صادر فرمائیں کہ یہ طلاق واقع ہو چکی ہے کہ نہیں۔ اور میں حلفاً کہتا ہوں کہ میں نے ان دو موقعوں کے علاوہ کبھی اپنی اس بیوی کو کسی طرح بھی زبانی کلامی طلاق یا تحریری طلاق کبھی نہیں دی۔ اگر میں جھوٹ بولوں تو اس کا میں خود ذمہ دار ہوں گا۔ اور اس فتویٰ کا بوجھ میری گردن پر ہوگا۔ اور اس دوسری طلاق کو تقریباً ۱۳۔۱۲ دن ہو چکے ہیں۔

(سائل خالد جاوید ولد تاج الدین شیخ مکان نمبر ۱۶ علوی سٹریٹ نمبر ۴۰ مین نسبت روڈ، لاہور)

جواب: الجواب بعون الوھاب ومنه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی وہ محض دھمکی ہے اور انشائی کلام ہے۔ لہٰذا یہ شمار نہیں ہوگی، کیونکہ طلاق خبری کلام کے ساتھ واقع ہوتی ہے، یعنی طلاق وہ واقع ہوتی ہے جو جملہ خبریہ، یعنی ماضی کے الفاظ پر مشتمل ہو یعنی میں نے تجھے طلاق دے دی ہے۔ یا طلاق دے چکا ہوں۔ تو مطلقہ ہے وغیرہ جملہ استعمال کرنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ورنہ نہیں۔ یہاں بھی چونکہ طلاق کے لفظ کو مستقبل کے ساتھ متعلق کر دیا ہے۔ لہٰذا طلاق واقع نہیں ہوئی۔ ہاں البتہ دوسری دفعہ چونکہ جملہ خبریہ ماضیہ بولا گیا ہے، یعنی جا تیرا بیڑا طلاق کے ساتھ غرق ہو۔ اس دوسری صورت میں متبادر یہی سمجھ آتا ہے کہ طلاق واقع ہو چکی ہے۔ پس اس جملہ کے بولنے پر لفظ طلاق منہ سے نکل چکا ہے، لہٰذا ایک رجعی طلاق واقع ہو چکی ہے۔ اور رجعی طلاق میں عدت کے اندر رجوع شرعاً جائز ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ﴾ (البقرة: ۲۲۹)

کہ رجعی طلاق دو دفعہ ہے تو یا تو شرافت اور شائستگی کے ساتھ بیوی کو روک لینا ہے یا پھر اچھے طریقہ کے ساتھ اسے چھوڑ دینا ہے۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رجعی طلاق میں طلاق واپس لینا جائز ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے امام ابن کثیر فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْتَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ کی تفسیر کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

اَیْ اِذَا طَلَّقْتَهَا وَاحِدَةً اَوِ اثْنَتَيْنِ فَاَنْتَ مُخَيَّرٌ فِيمَا مَادَامَتْ عِدَّتُهَا بَاقِيَةٌ بَيْنَ اَنْ تَرُدَّهَا اِلَيْكَ نَاوِيًا الْاِصْلَاحَ بِهَا وَالْاِحْسَانَ اِلَيْهَا وَ بَيْنَ اَنْ تَتْرُكَهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا فَتَبِيْنُ.[1]

کہ جب تو ایک طلاق یا دو طلاقیں دے بیٹھے تو تجھے عدت کے اندر اصلاح کی نیت سے اپنی بیوی سے رجوع کر لینے کا اختیار ہے اور اسی طرح چھوڑ دینے کا بھی اختیار ہے تاکہ وہ عدت گزار کر تیرے حبالہ عقد سے آزاد ہو جائے۔ اس تفسیر سے بھی واضح ہوا کہ رجعی طلاق واپس لے لینا شرعاً جائز ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ صورت مسئولہ میں صرف ایک رجعی طلاق واقع ہوئی اور چونکہ سوالنامہ کی خط کشیدہ تصریح کے مطابق اس طلاق پر صرف ۱۲ یا ۱۳ دن گزرے ہیں لہٰذا عدت باقی ہے اور نکاح سابق بحال ہے اس لئے طلاق دہندہ اپنی مطلقہ رجعیہ

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۹۲.

سے رجوع شرعاً کر سکتا ہے اور یہ رجوع بلاشبہ جائز ہے۔ میں نے یہ جواب بشرط صحت اور سائل کی حلف پر اعتماد کرتے ہوئے لکھا ہے۔ اگر سائل نے کذب بیانی کی ہو تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے کیونکہ مفتی کا قلم حلال اور حرام، اور حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔ اور مفتی کسی قانونی سقم اور عدالتی جھمیلوں کا ہرگز ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ هذا ما عندي و اعلم بالصواب .

طلاق ظہار

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ مسمی جلال دین قوم گجر ساکن جوڑا پل ضلع لاہور کے مسماۃ ممتاز بی بی کے بطن سے تین بچے ہیں اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ خوش و خرم زندگی بسر کر رہا تھا۔ لیکن چند دن قبل دو آدمیوں نے مل کر جلال دین کو محبوس کر کے اس کی کنپٹی پر پستول رکھ کر حکم دیا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دو۔ یاد رہے کہ مذکورہ دونوں آدمیوں میں سے ایک آدمی ممتاز بی بی سے شادی کرنا چاہتا ہے اور اس لئے انہوں نے جلال دین کو دھمکی دے کر اس بات پر مجبور کر دیا، لہٰذا جلال دین نے اپنی بیوی کو کہا کہ آج کے بعد تم میری ماں بہن کی طرح ہو۔ فتویٰ جاری فرمائیں کہ کیا ایسی حالت میں اس پر کوئی کفارہ وغیرہ تو نہیں؟ قرآن و حدیث کی روشنی میں فتویٰ جاری فرمائیں۔ اور اگر کفارہ ہے تو کتنا ہے؟ (ایک سائل: بذریعہ ہفت روزہ اہلحدیث لاہور)

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب : بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوئی نہ ظہار ہی ہوا ہے۔ کیونکہ جلال دین گجر صورت مسئولہ میں مُکْرَہ یعنی مجبور تھا کہ پستول اس کی گردن پر رکھ دیا گیا تھا۔ لہٰذا مکرہ کی کوئی کارروائی شرعاً معتبر نہیں۔ کیونکہ آدمی پر شرعی ذمہ داری اس وقت عائد ہوتی ہے جب وہ اپنی کارروائی میں صاحب ارادہ اور باختیار ہو۔ اور یہ دونوں شرعی تکلیف کی بنیاد ہیں اور جب بنیاد ہی نہ ہو تو مجبور اور بے بس ادمی کی کارروائی شرعاً معتبر نہیں۔

وَالْمُكْرَهُ لاَ اِرَادَةَ لَهُ وَلاَ اِخْتِيَارَ وَالْاِرَادَةُ وَالْاِخْتِيَارُ هِيَ اَسَاسُ التَّكْلِيْفِ فَاِذَا انْتَفَيَا اِنْتَفَى التَّكْلِيْفُ وَاعْتُبِرَ الْمُكْرَهُ غَيْرَ مَسْئُوْلٍ عَنْ تَصَرُّفَاتِهِ۔ لِاَنَّهُ مَسْلُوْبُ الْاِرَادَةِ . [1]

اور قرآن مجید میں ہے:

﴿ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ ﴾ (النحل: ۱۰٦)

کہ جو شخص کلمہ کفر بولنے پر مجبور کر دیا جائے جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو وہ اس طرح کافر نہ ہوگا۔ اور

حدیث میں ہے:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ رُفِعَ عَنْ اُمَّتِيَ الْخَطَاءُ وَالنِّسْيَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ ۔ اَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَةَ وَ ابْنُ حِبَّانَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالطَّبْرَانِيُّ وَالْحَاكِمُ وَحَسَّنَهُ النَّوَوِيُّ وَاِلٰى هٰذَا ذَهَبَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ وَاَحْمَدُ وَ دَاوٗدُ مِنْ فُقَهَاءِ الْاَمْصَارِ وَ بِهٖ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَ ابْنُهٗ

[1] فقه السنة ج ۲ ص ۲۱۲.

عَبْدُاللّٰہِ وَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَّ ابْنُ عَبَّاسٍ. ❶

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت سے غلطی، بھول چوک اور اکراہ و مجبوری کے عالم میں وقوع پذیر کارروائی پر کوئی شرعی حکم لاگو نہیں ہوتا۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام داؤد ظاہری اسی طرف گئے ہیں کہ مجبور اور بے بس وغیرہ کی کارروائی شرعاً معتبر نہیں۔ حضرت عمر فاروق، عبداللہ بن عمر، علی اور ابن عباس ؓ کا یہی مذہب ہے۔''

خلاصہ کلام یہ کہ صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوئی ہے اور نہ ظہار ہوا ہے۔ جلال دین گجر اور اس کی بیوی ممتاز بی بی کا نکاح قائم اور بحال ہے۔ اور کوئی کفارہ بھی نہیں۔ ھذا ما عندی و اعلم بالصواب:

طلاق بائنہ کبریٰ

سوال: میرا مسئلہ ہے کہ پچھلے تین سال سے میرے اور میرے خاوند عمران عزیز قریشی ولد عبدالعزیز قریشی کے مابین متواتر جھگڑے چل رہے ہیں۔ پچھلے ڈیڑھ سال کے عرصہ میں کئی بار جھگڑوں کے دوران وہ کہتا کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں کے الفاظ استعمال کر چکا ہے۔ ایک بار جھگڑے کے دوران اس نے یہ بھی کہا کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں میں تمہیں طلاق دیتا ہوں اور تیسری بار خاموش رہا۔ اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد اس نے معافی مانگ کر رجوع بھی کیا۔ اس واقعہ کے تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد پھر جھگڑے شروع کر دیے اور ان میں کئی بار میں تمہیں طلاق دیتا ہوں کے الفاظ کہے تقریباً ۸ ماہ پہلے اس نے ایک جھگڑے کے دوران مجھے پھر یہ کہا میں تمہیں طلاق دیتا ہوں تمہیں طلاق دیتا ہوں تمہیں طلاق دیتا ہوں پھر تقریباً ہر ماہ بعد کبھی دو بار اور کبھی ایک بار میں تمہیں طلاق دیتا ہوں کہتا رہا۔ برائے مہربانی اس مسئلہ کی شرعی حیثیت (اہل حدیث کے موقف کے مطابق) کے بارے میں میری راہنمائی کریں، میں مشکور ہوں گی؟ (سائلہ: غزالہ نازلی بنت غلام نبی ڈارڈیفنس سوسائٹی لاہور چھاؤنی)

الجواب بعون الوھاب ومنه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ رجعی طلاق صرف دو دفعہ ہے اگر شوہر دو دفعہ طلاق کے بعد یعنی دو دفعہ رجوع کرنے کے بعد تیسری دفعہ طلاق دے دیتا ہے تو یہ تیسری طلاق مغلظہ بائنہ ہو جاتی ہے، یعنی پھر اس تیسری طلاق کے بعد نہ رجوع جائز ہوگا اور نہ نکاح ثانی کی شرعاً اجازت اور گنجائش باقی رہتی ہے۔ تیسری طلاق کے فوراً بعد نکاح کالعدم اور بیوی شوہر پر حرام ہو جاتی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں نے فرمایا:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ. (البقرۃ: ۲۲۹)

کہ رجعی طلاق دو دفعہ ہے پھر یا تو نیک نیتی اور گھر بسانے کی غرض سے بیوی کو روک لینا ہے یا پھر بھلے طریقہ کے ساتھ اس کو چھوڑ دینا ہے۔

امام ابن کثیر ؒ اس آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

❶ فقه السنة: ج ٢ ص ٢١٢.

أَيْ إِذَا طَلَّقْتَهَا وَاحِدَةً أَوِ اثْنَتَيْنِ فَأَنْتَ مُخَيَّرٌ فِيهَا مَادَامَتْ عِدَّتُهَا بَاقِيَةً بَيْنَ أَنْ تَرُدَّهَا إِلَيْكَ نَاوِيًا الْإِصْلَاحِ بِهَا وَالْإِحْسَانَ إِلَيْهَا وَ بَيْنَ أَنْ تَتْرُكَهَا حَتَّى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا فَتَبِيْنَ مِنْكَ وَ تُطَلِّقُ سَرَاحَهَا مُحْسِنًا إِلَيْهَا . ❶

کہ جب تم ایک طلاق یا دوسری طلاق دوتو آپ کو اختیار ہے کہ اصلاح کی نیت سے اپنی بیوی کو لوٹا لو اگر وہ عدت کے اندر ہے اور یہ بھی اختیار ہے نہ لوٹاؤ تا کہ اس کی عدت گزر جائے اور وہ کسی اور سے نکاح کرنے کے قابل ہو جائے۔

پھر آگے خلع کے بیان کے بعد فرمایا:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ﴾ (البقرہ: ۲۳۰)

پھر اگر اس کو (تیسری) طلاق دے ڈالے تو اب اس کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ عورت اس کے سوا دوسرے شخص سے نکاح (شرعی) نہ کر لے۔ پھر اگر وہ دوسرا شوہر بھی اس کو طلاق دے دے تو ان دونوں کو میل جول کر لینے میں گناہ نہیں بشرطیکہ یہ جان لیں کہ اللہ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے۔

امام ابن کثیر حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ. کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

أَيْ أَنَّهُ إِذَا طَلَّقَ الرَّجُلُ اِمْرَأَتَهُ طَلْقَةً ثَالِثَةً بَعْدَ مَا أَرْسَلَ عَلَيْهَا الطَّلَاقَ مَرَّتَيْنِ فَإِنَّهَا تَحْرُمُ عَلَيْهَا . ❷

جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے چکنے کے بعد تیسری طلاق بھی دے دے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی۔ جب تک کسی دوسرے مرد سے باقاعدہ شرعی نکاح نہ ہو' ہم بستری ہو پھر وہ دوسرا شوہر مر جائے یا کسی پیشگی معاہدہ کے بغیر اپنی مرضی سے طلاق دے دے تب عدت گزار کر وہ اپنے پہلے شوہر سے نکاح کر سکتی ہے ورنہ نہیں۔ حلالہ کی نیت سے کیا گیا نکاح باطل اور حرام ہے۔ چونکہ آپ کے سوال نامہ کے خط کشیدہ تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کا شوہر عمران عزیز قریشی تین سے زائد مواقع پر وقفہ وقفہ سے متعدد طلاقیں دے بیٹھا ہے، لہٰذا نکاح ٹوٹ چکا ہے اور یہ نکاح اسی وقت ٹوٹ گیا تھا جب اس نے دو رجوعوں کے بعد آپ کو تیسری طلاق دی تھی۔ پس اگر آپ اب بھی اس کے ساتھ بطور بیوی کے آباد ہیں تو یہ ساری کارروائی زنا اور سفاح ہے۔ آپ فوراً اس سے علیحدہ ہو جائیں اور تیسری طلاق سے لے کر اب تک کے میل جول کی اللہ سے معافی مانگیں اور توبہ کریں۔ مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ هذا ما عندي و اعلم بالصواب

طلاق کی ایک عجیب قسم!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو فریقوں کے مابین لڑکی کے اغوا پر اختلاف ہوا جس فریق کے لڑکے

❶ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۹۲۔ ❷ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۹۲۔

نے لڑکی اغوا کی تھی انہوں نے لڑکی والوں کے خلاف لڑکے کے روپوش کرنے کا دعویٰ کر دیا بعدازاں لڑکے والوں کو ایک عدد نعش اس لڑکے سے ملتی جلتی ملی جو انہوں نے اپنی سمجھ کر دفن کر دی اور لڑکی والوں پر قتل کا دعویٰ کر دیا۔ تفتیشی افسر نے تحقیق کے سلسلہ میں لڑکے والوں کو کہا اگر تمہارا لڑکا واقعی قتل ہوا ہے تو حلف کے بجائے اپنی عورتوں کو طلاق دے کر یقین دلاؤ تو انہوں نے یقین دلاتے ہوئے اپنی عورتوں کو تین طلاقیں دے دیں بعدازاں تفتیشی افسر نے ان کا لڑکا زندہ برآمد کر کے مدعی پارٹی کے سامنے پیش کر دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ طلاقیں شرعاً نافذ ہو چکی ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا

(سائل: حافظ محمد حنیف خطیب جامع مسجد اہل حدیث شہباز خیل، میانوالی)

الجواب بعون الوھاب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں بدو وجہ طلاق واقع ہو چکی ہے: اول اس لئے کہ طلاق دینے والوں نے اپنے لڑکے کی روپوشی اور بعدازاں اس لڑکے سے ملتی جلتی نعش ان کے ہاتھ آ گئی تو ان کو ظن غالب بلکہ کافی حد تک یہ یقین ہو گیا کہ لڑکی والوں نے روپوشی کے دعویٰ کی زد سے بچنے کے لئے اور بے گناہی ثابت کرنے کے لئے ہمارے لڑکے کو قتل کر کے نعش پھینک دی ہے اور لڑکی والوں پر قتل کا دعویٰ دائر کر دیا، اس لئے انہوں نے کم از کم ظن غالب کی بنا پر ارادتاً طلاقیں دے ڈالیں تاکہ قتل کا دعویٰ مضبوط ہو جائے۔ اور بعض شرعی امور میں ظن غالب معتبر اور حجت ہوتا ہے جیسے نماز کی ادائیگی کے لئے قبلہ کی صحیح جہت کا پتہ نہ چلے تو آدمی اپنے ظن غالب کی بنیاد کسی بھی جہت میں نماز پڑھ سکتا ہے اور یہ نماز بعدازعلم جہت دہرانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی نماز میں سجدہ سہو کی بنیاد بھی یہی ظن غالب ہی ہوتا ہے۔ ایسے اور بھی کئی مواقع ہیں، پس اسی طرح طلاق بھی ظن غالب کے تناظر میں واقع ہو جاتی ہے۔

ثانی اس لئے کہ طلاق کی دو قسمیں ہیں: اول تنجیز، ثانی تعلیق، تنجیز نہ معلق ہوتی ہے اور نہ مستقبل کی طرف مضاف ہوتی ہے بلکہ طلاق دینے والے کا مقصد وُقُوْعُ الطَّلَاقِ فِی الْحَالِ ہوتا ہے۔ جیسے شوہر اپنی بیوی کو کہے انت طالق. تو یہ طلاق اسی وقت شرعاً واقع ہو جاتی ہے۔

رہی طلاق تعلیق اور یہ وہ طلاق ہے جس کا وقوع کسی شرط کے ساتھ معلق اور مشروط ہوتا ہے۔ جیسے شوہر اپنی بیوی کو یوں کہے اِنْ ذَھَبْتِ اِلٰی مَکَانَ کَذَا فَاَنْتِ طَالِقٌ۔ اور معلق طلاق کے وقوع کی تین شرطیں ہیں۔

۱: کسی امر معدوم کے ساتھ مشروط ہو۔

۲: صدور طلاق کے وقت بیوی طلاق کا محل ہو، یعنی وہ اس کی عصمت میں ہو۔

۳: شرط کے وقوع کے وقت بھی طلاق کا محل ہو۔

پھر طلاق معلق کی دو قسمیں ہیں:

ایک وہ جس سے وہی کچھ مقصود اور مطلوب ہوتا ہے۔ جو مقصد قسم کے ساتھ حاصل ہوتا ہے، یعنی قسم کے ساتھ یا تو کسی کام پر اکسانا اور آمادہ کرنا ہوتا ہے یا کسی فعل سے باز رکھنا ہوتا ہے یا کسی خبر کی تاکید مراد ہوتی ہے۔ ایسی طلاق کو تعلیق القسمی کہا جاتا ہے۔ مثل اَنْ یَّقُوْلَ الزَّوْجُ زَوْجَتَہٗ اِنْ خَرَجْتِ فَاَنْتِ طَالِقٌ مگر ارادہ طلاق کا نہ ہو بلکہ خروج سے منع کرنا

مقصد ہو۔

اور دوسری قسم وہ ہے کہ جس میں حصول شرط پر ایقاع طلاق مقصود ہوتا ہے۔ اس قسم کو التعلیق الشرطی کہتے ہیں۔ جیسے کوئی شوہر اپنی بیوی سے یوں کہے کہ اگر تو نے مجھے اپنا بقایا مہر معاف نہ کیا تو تجھ کو طلاق۔

میرے ناقص فہم اور علم کے مطابق صورت مسئولہ والی طلاق التعلیق القسمی ہے۔ اور طلاق کی یہ دونوں قسمیں جمہور علماء کے نزدیک واقع ہو جاتی ہیں۔

چنانچہ مشہور محقق الشیخ السید محمد سابق مصری رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں:

وَهٰذَا التَّعْلِيْقُ بِنَوعَيْهِ وَاقِعٌ عِنْدَ جَمْهُوْرِ الْعُلَمَاءِ۔ ❶

امام ابن حزم ارقام فرماتے ہیں کہ معلق طلاق واقع ہی نہیں ہوتی۔ شیخین کے نزدیک التعلیق القسمی تو واقع نہیں ہوتی بلکہ اس میں کفارہ یمین واجب، البتہ التعلیق الشرطی ان کے نزدیک بھی ہو جاتی ہے۔ ❷

چونکہ تفتیشی افسر نے یہ سمجھا کہ بعض لوگ مطلب برآری کے لئے جھوٹی قسم کھا لیتے ہیں۔ بعد میں توبہ اور کفارہ وغیرہ ادا کر دیتے ہیں۔ لہٰذا واقعہ کی اصل حقیقت اور مدعی پارٹی کے موقف کی پختگی جانچنے کے لئے قسم پر طلاق کو ترجیح دی کہ عام لوگوں کے لئے جھوٹی قسم کے مقابلہ میں طلاق دینا اور اپنا گھر اجاڑنا مشکل ہوتا ہے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے ظن غالب کی بنیاد پر التعلیق القسمی طلاق دے ڈالی کہ اگر لڑکی والوں نے ہمارا لڑکا قتل نہ کیا ہو تو ہماری بیویوں کو طلاق۔ بعد میں اس افسر نے ان کا لڑکا زندہ برآمد کر کے ان کے پیش کر دیا اور کہا کیا یہ تمہارا لڑکا نہیں، تو انہوں نے کہا کہ ہاں یہ ہمارا لڑکا ہے۔ لہٰذا شرط پائی گئی اور جمہور علماء کے نزدیک طلاق واقع ہو چکی۔ مگر امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم اور امام ابن حزم کے نزدیک طلاقیں واقع نہیں ہوئیں۔ ھذا ما عندی و اللہ اعلم۔

مکرہ کی طلاق شرعاً معتبر نہیں

نوٹ: سائلہ سعدیہ رضی الدین نے اپنے استفتاء میں امام کی تقلید اور جبر کی طلاق ثلاثہ کا شرعی جواب طلب کیا تھا، لہٰذا تقلید شخصی کا شرعی حکم کے بعد اجبری (طلاق مکرہ) طلاق کا جواب پیش خدمت ہے۔

جواب: الجواب بعون الوھاب: جواب سے قبل اکراہ کی شرطوں کو جان لینا مناسب ہے تاکہ مکروہ شخص کی شناخت ہو سکے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اکراہ کی تعریف اور اس کی شرطوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَلْاِكْرَاهُ هُوَ الْاِلْزَامُ الْغَيْرِ بِمَا لَا يُرِيْدُهُ۔ یعنی اکراہ کا مفہوم یہ ہے کہ غیر کو اس چیز پر مجبور کر دینا جس کو چاہتا نہ ہو۔ شروط الاکراہ اربعۃ الاول: اَنْ يَكُوْنَ فَاعِلُهٗ قَادِرًا عَلٰى اِيْقَاعِ مَا يُهَدِّدُ بِهٖ وَالْمَامُوْرُ عَاجِزًا عَنْ دَفْعِ وَلَوْ بِالْفِرَارِ۔

---

❶ فقہ السنۃ ج ۲ ص ۲۲۲ و ۲۲۳۔ ❷ فقہ السنۃ: ج ۲ ص ۲۲۳۔

الثانی:

اَنْ يَغْلِبَ عَلٰى ظَنِّهٖ اَنَّهٗ اِذَا امْتَنَعَ اَوْقَعَ بِذَالِكَ

الثالث:

اَنْ يَكُوْنَ مَا هَدَّدَ بِهٖ فَوْرِيًا فَلَوْ قَالَ اِنْ لَمْ تَفْعَلْ كَذَا ضَرَبْتُكَ غَدًا لَا يُعَدُّ مُكْرِهًا وَيُسْتَثْنٰى مَا اِذَا ذَكَرَ زَمَنًا قَرِيْبًا جِدًّا اَوْجَرَتِ الْعَادَةُ بِاَنَّهٗ لَا يُخْلِفُ الرَّابِعُ۔ اَنْ لَّا يَظْهَرَ مِنَ الْمَامُوْرِ مَا يَدُلُّ عَلَى اخْتِيَارِهٖ. ❶

۱: فاعل (دھمکانے والے) نے جس سزا کی دھمکی دی ہے: اس کے وقوع پر قادر ہو اور مامور جس کو دھمکی دی گئی ہو اس کے دفاع سے بالکل عاجز ہو حتی کہ وہ وہاں سے فرار بھی نہ ہو سکتا ہو۔

۲: مامور کا ظن غالب ہو کر جب اس نے فاعل کا مطالبہ پورا نہ کیا تو سزا ل کر رہے گی۔

۳: جس سزا کی دھمکی دی ہے ہو اس کا وقوع فوری ہو۔ اگر یوں کہا تو نے اس طرح نہ کیا تو تجھے کل سزا دوں گا تو یہ شخص مکرہ تصور نہ ہوگا۔ مگر قریبی زمانہ اس سے مستثنٰی ہے۔ یا فاعل کی عادت معلوم ہو کہ جو اس نے کہا ہے اس کا خلاف نہیں کرے گا۔

۴: مامور سے کسی ایسی بات کا اظہار نہ ہو جو اس کے اختیار پر دلالت کر رہی ہو۔ جس شخص میں یہ چاروں شرطیں موجود ہوں گی وہ شرعی مکرہ ہوگا ورنہ نہیں۔

مکرہ (مجبور) انسان کی طلاق کے وقوع اور عدم وقوع میں فقہاء کے ہاں اختلاف ہے، جمہور سلف و خلف کے نزدیک مکرہ کی (جس کی گردن پر تیز دھار آلہ قتل یا گن پوائنٹ) کی طلاق شرعاً واقع نہیں ہوتی جب کہ فقہائے احناف کے نزدیک مکرہ طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

جمہور علمائے سلف و خلف کے دلائل حسب ذیل ہیں:

مکرہ (مجبور) شخص صاحب ارادہ ہوتا ہے اور نہ صاحب اختیار جب کہ شرعی تکلیف (شرعی حکم کی بجا آوری) کا دارومدار ارادہ اور اختیار پر استوار ہے جب یہ دونوں نہ ہوں گے تو تکلیف (شرعی حکم کی بجا آوری) بھی مکلف پر لاگو نہیں ہوگی اور مکروہ (مجبور شدہ شخص) اپنے تمام تصرفات میں مسئول نہ ہوگا کیونکہ وہ مسلوب الاختیار، یعنی بے بس ہوتا ہے وہ صاحب ارادہ اور اپنی کارروائی میں مختار نہیں ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ جان بچانے کے لئے کلمہ کفر بول دینے یا کفر کا کام کر دینے والا شخص شرعاً کافر متصور نہ ہوگا جبکہ اس کا دل ایمان پر قائم ہو۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾. (النحل ١٠٦)

❶ فتح الباری کتاب الاکراہ ج ١٢ ص ٣٨٥.

''مگر جس شخص پر زبردستی کی جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہو تو اس پر کچھ گناہ نہ ہوگا۔''

تفسیر جلالین میں ہے:

اِلاَّ مَنْ اُکْرِهَ عَلَی التَّلَفُّظِ بِالْکُفْرِ فَتَلَفَّظَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ . (ص: ۲۲۶)

یعنی جس شخص کو کلمہ کفر بولنے پر مجبور کیا جائے اور وہ اپنی زبان سے کلمہ کفر کہہ دے، حالانکہ اس کا دل ایمان پر قائم ہے تو وہ شرعاً کافر نہ ہوگا۔

اسی طرح اگر کوئی زور آور مسلمان کسی کمزور کافر کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرے اور وہ کافر بادل نخواستہ زبان سے اسلام قبول کرلے اور کلمہ شہادتین پڑھ لے تو اس کا اسلام صحیح نہ ہوگا علی ہذا القیاس زبردستی کی طلاق بھی شرعاً معتبر نہیں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنْ اُمَّتِیَ الْخَطَا وَالنِّسْیَانَ وَمَا اسْتُکْرِهُوْا عَلَیْهِ. ❶

''میری امت سے خطا نسیان اور اکراہ کی کارروائی اٹھالی گئی ہے، یعنی ان تینوں حالتوں میں کسی قسم کی کارروائی شرعاً معتبر نہ ہوگی اور اس پر کوئی فرد جرم عائد نہ ہوگی، لہٰذا زبردستی کے ساتھ حاصل کی گئی طلاق شرعی طلاق نہ ہوگی۔''

السید محمد سابق مصریؒ ارقام فرماتے ہیں:

اِلٰی هٰذَا ذَهَبَ مَالِكٌ وَّالشَّافِعِیُّ وَاَحْمَدُ وَ دَاوُدُ وَ فُقَهَاءُ الْاَمْصَارِ وَبِهٖ قَالَ عُمَرُ وَ ابْنُهٗ عَبْدُاللّٰهِ وَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَّ ابْنُ عَبَّاسٍ. ❷

''امام مالک، امام شافعی، احمد، امام داؤد ظاہری رحمہم اللہ جمہور فقہاء امصار کا یہی قول ہے کہ جبر و اکراہ پر مبنی طلاق واقع نہیں ہوتی، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول اور فتویٰ ہے۔

رہے فقہائے احناف تو اگرچہ ان کے نزدیک مکرہ کی طلاق شرعاً معتبر ہے۔ مگر یہ صرف ان کی رائے محض ہے ان کے پاس اپنے اس قول کی کوئی دلیل موجود نہیں، جیسا کہ علماء محققین اور فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے

السید سابق مصری احناف کے اس بودے اور بے بنیاد فتویٰ اور مذہب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَقَالَ اَبُوْ حَنِیْفَةَ وَاَصْحَابُهٗ طَلَاقُ الْمُکْرَهِ وَاقِعٌ وَّلَاحُجَّةَ لَهُمْ فِیْمَا ذَهَبُوْا اِلَیْهِ فَضْلاً عَنْ مُخَالَفَتِهِمْ لِجُمْهُوْرِ الصَّحَابَةِ. ❸

کہ اگرچہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ مکرہ کی طلاق پڑ جاتی ہے، مگر ان کے پاس اپنے اس قول کی کوئی دلیل موجود نہیں سوائے جمہور صحابہ کرام کی مخالفت کے۔

---

❶ ابن ماجة باب طلاق المکره والناسی ص ۱٤۷ و حسنه النووی۔ ❷ فقه السنة: ج ۲ ص ۲۱۲.

❸ فقه السنة: ج ۲ ص ۲۱۲.

مذکورہ آیت قرآنی اور احادیث کے مطابق اور جمہور سلف وخلف کے مذہب وفتاویٰ کے مطابق مکرہ (مجبور و بے بس) انسان کی طلاق شرعاً معتبر نہیں اور یہی صحیح اور صواب ہے۔

وبه يفتىٰ و عليه الفتوى لعل فيه كفاية لمن له أدنى دراية هذا ما عندى و اعلم بالصواب واليه المرجع والمأب فى يوم الحساب.

نشے میں دھت کی طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال نشئی جب کہ نشے کی حالت میں دھت ہو اور اسی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے تو کیا طلاق ہو گئی؟

(سائل: طارق رفیق مکان نمبر ۲۱۰ بلاک نمبر ۱۲ اپی ون ٹاؤن شپ لاہور)

بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ اگر چہ اس مسئلہ میں قدرے اختلاف ہے، تاہم کتاب وسنت پرمبنی ادلۂ قویہ کے مطابق علمائے اسلام اور محققین شرع متین کی تحقیق انیق کے مطابق نشہ کی حالت میں دی گئی طلاق شرعاً واقع نہیں ہوتی بشرطیکہ طلاق دیتے وقت واقعی نشئی آدمی دائیں بائیں، اچھائی، برائی اور زمین وآسمان کا امتیاز کھوئے ہوئے ہو۔ کیونکہ طلاق دینے کی اہلیت کے لئے ضروری ہے کہ طلاق دہندہ کا طلاق دیتے وقت عاقل، بالغ اور مکمل طور پر بااختیار ہو اور مکمل اہلیت یعنی مکمل عقل، بلوغت اور مختار ہونا شرط اساسی ہے۔ السید محمد سابق مصری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَإِنَّمَا تَكْمُلُ الْاَهْلِيَّةُ بِالْعَقْلِ وَالْبُلُوْغِ وَالْاِخْتِيَارِ وَ فِيْ هٰذَا يَرْوِىْ اَصْحَابُ السُّنَنِ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ وَ عَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ وَ عَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰى يَعْقِلَ. [1]

”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تین آدمیوں سے قلم اٹھالی گئی ہے۔ یعنی ان کی کارکردگی شرعاً معتبر نہیں (۱) سویا ہوا آدمی جب تک بیدار نہ ہو جائے (۲) بچہ جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے اور (۳) پاگل آدمی جب تک اس کی عقل بحال نہ ہو جائے۔

اور انہی کے حکم میں نشہ میں دھت اور مدہوش آدمی بھی شامل ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ (النساء: ٤٣).

”اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشہ کی حالت میں ہو حتیٰ کہ تم جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اس آیت کے مطابق جب نشہ کی حالت میں پڑھی ہوئی نماز معتبر نہیں تو پھر نشہ میں دی گئی طلاق شرعاً کیونکہ معتبر ہو سکتی ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

---

[1] فقه السنة: ج ٢ ص ٢١١، صحيح البخارى ج ٢ ص ٧٩٤.

قَالَ كُلُّ طَلاَقٍ جَائِزٌ اِلاَّ طَلاَقُ الْمَغْلُوْبِ عَلٰى عَقْلِهٖ. ❶

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر ایک کی طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر اس آدمی کی طلاق واقع نہیں ہوتی جس کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہو۔''

قَالَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَيْسَ لِمَجْنُوْنٍ وَّلاَ لِسُكْرَانَ طَلاَقٌ. ❷

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پاگل انسان اور نشئی آدمی کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔''

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طَلاَقُ السُّكْرَانِ الْمُسْتَكْرَهِ لَيْسَ بِجَائِزٍ. ❸

''حضرت عبداللہ بن عباس تصریح فرماتے ہیں کہ نشہ میں دھت انسان اور مجبور و مکرہ کی طلاق شرعاً معتبر نہیں۔''

السید محمد سابق مصری تصریح فرماتے ہیں:

ذَهَبَ جُمْهُوْرُ الْفُقَهَاءِ اِلٰى اَنَّ طَلاَقَ السُّكْرَانِ يَقَعُ وَقَالَ قَوْمٌ اَنَّهٗ لَغْوٌ لاَ عِبْرَةَ لَهٗ لِاَنَّهٗ هُوَ وَالْمَجْنُوْنُ سَوَاءٌ اِذَا كُلًّا مِنْهُمَا فَاقِدُ الْعَقْلِ الَّذِيْ هُوَ مَنَاطُ التَّكْلِيْفِ. ❹

''جمہور فقہاء کے نزدیک نشئی کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ جب کہ دوسرے اہل علم کا موقف ہے کہ نشئی کی طلاق لغو اور فضول چیز ہے کیونکہ پاگل اور نشئی کا حکم ایک ہے۔ کیونکہ پاگل کی طرح نشہ کی حالت میں نشئی آدمی بھی عقل سے عاری ہوتا ہے اور شرع عقل پر ہی فیصلہ دیتی ہے۔

جب عقل نہیں تو شریعت بھی اپنا فیصلہ جاری نہیں کرتی۔ اس لئے

ذَهَبَ بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ اَنَّهٗ لاَ يُخَالِفُ عُثْمَانَ فِيْ ذٰلِكَ اَحَدٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ. ❺

بعض اہل علم کی تحقیق کے مطابق کسی صحابی کا حضرت عثمان کے اس فتویٰ پر اختلاف ثابت نہیں گویا صحابہ کا اس فتویٰ عثمانی پر اجماع سکوتی ہو چکا ہے۔

ایک قول کے مطابق امام احمد کا یہی مذہب اور فتویٰ ہے کہ نشہ میں دھت آدمی کی دی ہوئی طلاق شرعاً واقع نہیں ہوتی۔ شافعیہ میں سے علامہ مزنی اور حنفیہ میں سے امام طحاوی، ابوالحسن عبیداللہ الکرخی کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام داؤد ظاہری اور تمام اہل الظاہر کا بھی یہی مذہب اور فتویٰ ہے امام شوکانی رحمہ اللہ کی بھی یہی تحقیق ہے حضرت امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے اور دلائل کی رو سے یہی مذہب مضبوط اور اقرب الی الحق ہے وبہ یفتی وعلیه الفتویٰ کہ نشہ میں مکمل طور پر دھت آدمی کی طلاق شرعاً معتبر نہیں۔ هذا ما عندي و اعلم بالصواب۔

---

❶ رواه الترمذی فقه السنة ج ۲ ص ۲۱۱

❷ صحيح البخاری ج ۲ باب الطلاق فی الاغلاق والكره الخ ص ۷۹۳.

❸ صحيح البخاری ج ۲ ص ۷۹۳.

❹ فقه السنة ج ۱ ص ۲۱۲

❺ فقه السنة ج ۲ ص ۲۱۲.

حمل کی حالت میں طلاق ثلاثہ اور عدت کے اندر رجوع

سوال: کیا حمل کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے؟ (سائل: عبدالجلیل اکبری منڈی لاہور)

جواب: بلاشبہ حمل کی حالت میں حاملہ عورت کو طلاق پڑ جاتی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق: ٤)

''حمل والیوں کی عدت وضع حمل تک ہے۔''

اور عدت طلاق کے بعد والی مدت انتظار کو کہا جاتا ہے۔یعنی عدت طلاق کا نتیجہ ہے اگر حاملہ عورت طلاق کا محل نہ ہوتی تو اس کی عدت بیان کرنا ایک عبث چیز ہوتی جب کہ قرآن عبث کام سے پاک اور مبرا ہے، پس ثابت ہوا کہ حاملہ پر طلاق پڑ جاتی ہے۔

یکجائی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق ہوتی ہے

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میرے داماد ندیم بٹ نے شراب نوشی کی حالت میں اپنی بیوی کو یکبار، یعنی ایک ہی سانس میں تین بار طلاق طلاق طلاق بول دی ہے۔اب وہ اپنی غلطی تسلیم کر کے اور شراب سے تائب ہو کر اپنا گھر آباد رکھنا چاہتا ہے اور بیوی بھی آباد رہنے پر راضی ہے۔

قرآن وحدیث کے مطابق وہ اپنا گھر آباد رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی فتویٰ جاری فرمایا جائے۔

نوٹ: میرے داماد نے اس سے پہلے اپنی اس بیوی کو کبھی زبانی یا تحریری کوئی طلاق نہیں دی۔اور اس طلاق پر صرف تین دن گزرے ہیں۔(سائل: محمد یونس کاشمیری لاہور)

جواب: الجواب بعون الوھاب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں اگر شراب کے نشہ میں دھت ہو کر (یعنی اتنا نشہ ہو کہ زمین آسمان اور دائیں بائیں کی تمیز نہ رہے) طلاق دی تھی تو اس صورت میں طلاق نہیں ہوئی نہ ایک اور نہ تین۔اور اگر نشہ اتنا سخت نہ تھا بلکہ ہوش وحواس قائم تھے تو اس صورت میں قرآن وحدیث کی نصوص صریحہ صحابہ کرام اور ماہرین شریعت کے مطابق ایک رجعی طلاق واقع ہوئی ہے۔چنانچہ قرآن میں ہے:

۱۔ الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ (البقرہ: ۲۲۹)

''طلاق رجعی دو مرتبہ یعنی دو وقتوں میں ہے پھر یا تو بیوی کو روک لینا ہے یا پھر بھلے طریقہ کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔''

اس آیت میں قابل غور لفظ مرتان ہے جو مرۃ کا تثنیہ ہے اور مرۃ کا معنی ایک دفعہ اور ایک وقت ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے:

۲۔﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ مِّن قَبْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُم مِّنَ الظَّهِيرَةِ وَمِن بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ ثَلَاثُ عَوْرَاتٍ

لَّكُمْ﴾ (النور: ۵۸)

"اے ایمان والو! تمہارے غلام لونڈی اور نابالغ لڑکے لڑکیاں تین وقتوں میں تمہارے پاس آنے کے لئے اجازت لے کر آیا کریں: ایک تو فجر کی نماز سے پہلے اور دوسرے دوپہر کے وقت جب تم آرام کے لئے کپڑے اتار رکھتے ہو اور تیسرے نماز عشاء کے بعد یہ تین وقت تمہارے پردے کے وقت ہیں۔"

اس آیت شریفہ میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ مرات کا معنی اوقات: یعنی تین وقت ہیں اور قرآن کی تفسیر کا مسلمہ قاعدہ ہے: اَلْقُرْاٰنُ یُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضاً لِهٰذَا قاعدہ کے مطابق اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کا معنی بھی لامحالہ طلاق دو وقتوں میں ہے نہ کہ دو طلاقیں ورنہ قرآن کی عبارت اَلطَّلَاقُ طَلْقَتَانِ ہوتی جب کہ ایسا ہرگز نہیں۔ پس قرآن سے ثابت ہوا کہ اکٹھی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق ہوتی ہے۔ اس بات کی مزید تفصیل درج ذیل صحیح احادیث میں آ چکی ہے۔

۳۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ قَالَ كَانَ الطَّلَاقُ الثَّلَاثُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ اَبِیْ بَكْرٍ وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةٌ. ❶

"حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اور ابوبکر صدیق کے عہد میں اور پھر حضرت عمر فاروق کی خلافت کے ابتدائی دو برسوں تک اکٹھی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق شریعت میں شمار ہوتی تھی۔ ایک سچا واقعہ بھی پڑھتے چلیے تاکہ ذہن صاف ہو جائے۔"

۴۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رُكَانَةَ بْنِ عَبْدِ يَزِيْدَ اَنَّهٗ طَلَّقَ اِمْرَاَتَهٗ ثَلَاثاً فِیْ مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ فَحَزَنَ عَلَيْهِ حَزْناً شَدِيْداً فَسَاَلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ طَلَّقْتَهَا؟ قَالَ ثَلَاثاً فِیْ مَجْلِسٍ وَّاحِدٍ قَالَ فَقَالَ اِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ فَارْتَجِعْهَا. ❷

"حضرت رکانہ ؓ اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے کر بعد ازاں بڑے غمگین ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے دریافت فرمانے پر عرض کیا کہ حضرت اکٹھی تین طلاقیں یکبار دے چکا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو ایک رجعی طلاق واقع ہوئی ہے، آپ رجوع کرلیں۔

آنحضرت ﷺ کی مطلقہ کا حکم

سوال: نبی پاک ﷺ کی مطلقہ عورت ام المومنین کا درجہ رکھتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو دوسری جگہ نکاح کرانے کا وہ حق رکھتی تھی یا نہیں؟

جواب: اقول و باللہ التوفیق۔ واضح ہو کہ ام المومنین ایسے مقدس لقب کی بنیاد پر رشتہ زوجیت بحال رہنے کے ساتھ مشروط ہے پر ہے اور جب تک یہ رشتہ استوار رہے ام المومنین کا لقب بحال رہے گا، یعنی جب تک کوئی عورت آپ ﷺ

❶ صحیح مسلم کتاب الطلاق ج ۱ ص ۴۷۷۔ ❷ فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۹ ص ۳۱۶۔

کے حرم پاک میں تھی وہ ام المومنین بھی تھی اور ظاہر ہے کہ طلاق موثر ہونے پر رشتہ زوجیت اپنے آپ ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا جوں ہی کوئی عورت آپ ﷺ کی زوجیت سے محروم ہوئی اسی وقت وہ ام المومنین کے مقدس لقب سے بھی محروم قرار پائی شاید یہی وجہ ہو کہ ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دی تھی تا کہ ان کا یہ اعزاز بحال رہے۔ ❶

رہا یہ سوال کہ حضرت پیغمبر ﷺ کی مطلقہ بی بی طلاق موثر ہونے کے بعد دوسری جگہ پر نکاح کر سکتی ہے یا نہیں تو علماء کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں (۱) ایک یہ کہ وہ کہیں نکاح نہیں کر سکتی (۲) دوسرا یہ کہ دوسری جگہ نکاح کرنے کی مجاز ہے۔ ہمارے نزدیک یہی دوسرا قول ہی بوجوہ صحیح اور راجح ہے۔

۱۔ نکاح امر مشروع ہے۔ ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ کے مطابق مطلقہ اور غیر مطلقہ ہر دو کی یہ ضرورت ہے، خواہ پیغمبر کی مطلقہ ہو یا غیر مطلقہ۔ لہٰذا اس کے اس جائز حق پر قدغن لگانا سراسر زیادتی ہے۔

۲۔ کسی خوش نصیب مسلمان عورت کے لئے اس دنیا میں سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ فِدَاهُ اَبِیْ وَاُمِّی کے حرم پاک میں شامل ہو۔ جب کوئی عورت آپ ﷺ کے حرم پاک سے خارج قرار پا گئی تو ظاہر ہے کہ وہ ایک بہت بڑی سعادت سے محروم ہو گئی اور ایسی صورت میں اس کو کسی اور جگہ نکاح کرنے کی اجازت نہ دینا گویا اس کی باقی ماندہ زندگی مزید تلخ کرنا ہے حالانکہ حدیث میں ہے لَاضَرَرَ وَلَاضِرَارَ۔ ارواء التعلیق

۳۔ قرآن مجید سے بھی اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، چنانچہ فرمایا:
يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا. اَیْ اُعْطِيْكُنَّ حَقُوْقَكُنَّ وَاُطْلِقُ سَرَاحَكُنَّ وَقَدِ اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِیْ جَوَازِ تَزَوُّجِ غَيْرِهٖ لَهُنَّ لَوْ طَلَّقَهُنَّ عَلٰى قَوْلَيْنِ اَصَحُّهُمَا نَعَمْ لَوْ وَقَعَ لِيَحْصُلَ الْمَقْصُوْدُ مِنَ السَّرَاحِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ. ❷

جملہ اسرحکن کی تفسیر میں امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ نئی جگہ نکاح کے متعلق علماء کے دو قول ہیں: صحیح یہ ہے کہ وہ نکاح کر سکتی ہے۔ جواز کا پہلو اسرحکن سے نکلتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ طلاق کے بعد وہ بیوی امہات المومنین کے زمرے سے خارج ہے اور اسے کسی دوسری جگہ نکاح کرنے کا حق حاصل ہے۔ واللہ اعلم

ایک رجعی طلاق کے بعد رجوع

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کہ میں نے مورخہ ۲۸-۳-۹۴ کو گھریلو اختلافات کی وجہ سے اپنی منکوحہ

---

❶ ملاحظہ ہو صحیح بخاری: ج ۲ ص ۷۸۵ باب المراۃ تھب یومھا من زوجھا لضرتھا۔

❷ تفسیر ابن کثیر ص ۴۸۱ سورۃ احزاب ج ۳ مصری۔

بیوی مسمات ثریا بی بی دختر سردار محمد قوم جٹ ساکن موضع غازی پور کو طلاق دے دی تھی، اب برادری کے روشن مستقبل کی خاطر ہم آپس میں صلح کر کے اپنا گھر آباد رکھنا چاہتے ہیں کیا کتاب وسنت کے مطابق ہم دوبارہ اپنا گھر آباد کر سکتے ہیں؟ ہماری مرضی سے میری اپنی مطلقہ بیوی سے نکاح ثانی ہو سکتا ہے یا نہیں شرعی فتویٰ جاری فرمائیں

(سائل: شہباز احمد ولد فرزند علی قوم وڑائچ ساکن غازی پور شیخو پورہ بذریعہ محمد یحییٰ اظہر غازی پور)

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: صورت مسئولہ میں بشرط صحت سوال ایک رجعی طلاق واقع ہوئی ہے اور رجعی طلاق میں اندر عدت (تین حیض یا تین ماہ یا وضع حمل) سے پہلے پہلے رجوع کر لینا شرعاً جائز ہوتا ہے اور بعد از عدت بغیر حلالہ کے نکاح ثانی شرعاً جائز ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ﴾ (البقرة: ٢٢٩)

''طلاق دو مرتبہ ہے پھر یا تو اچھائی کے ساتھ روکنا یا شریعت کے مطابق چھوڑ دینا ہے۔''

یعنی وہ طلاق جس میں خاوند کو عدت کے اندر رجوع کا حق حاصل ہے وہ دو مرتبہ ہے پہلی مرتبہ طلاق کے بعد اور دوسری مرتبہ طلاق کے بعد رجوع ہو سکتا ہے، تیسری مرتبہ طلاق کے بعد رجوع کی اجازت نہیں۔ زمانہ جاہلیت میں یہ حق طلاق و رجوع غیر محدود تھا۔ جس سے عورتوں پر بڑا ظلم ہوتا تھا آدمی بار بار طلاق دے کر رجوع کرتا رہتا تھا۔ اس طرح اسے نہ بساتا تھا اور نہ آزاد کرتا تھا۔ اللہ نے اس ظلم کا راستہ بند کر دیا اور پہلی بار یا دوسری طلاق کے بعد سوچنے اور غور کرنے کی سہولت سے محروم نہیں کیا۔ ورنہ اگر پہلی مرتبہ کی طلاق کے بعد ہمیشہ کی جدائی کا حکم دے دیا جاتا تو اس سے پیدا ہونے والی معاشرتی مسائل کی پیچیدگیاں قابو سے باہر ہو جاتیں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے طَلَّقَتَانِ دو طلاقیں نہیں فرمایا بلکہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ (یعنی طلاق دو مرتبہ) فرمایا جس سے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ بیک وقت دو یا تین طلاقیں دینا اور انہیں بیک وقت نافذ کر دینا حکمت الٰہیہ کے خلاف ہے: حکمت الٰہیہ اسی بات کی متقاضی ہے کہ ایک مرتبہ طلاق کے بعد چاہے وہ ایک طلاق یا کئی ایک اور اسی طرح دوسری مرتبہ طلاق کے بعد چاہے وہ ایک طلاق ہو یا کئی ایک مرد کو سوچنے سمجھنے اور جلد بازی یا غصے میں کئے گئے کام کے ازالے کا موقعہ دیا جائے اور یہ حکمت ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک رجعی طلاق قرار دینے میں ہی باقی رہتی ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں ایک طلاق ہو یا تین ایک رجعی طلاق شرعاً واقع ہوئی ہے۔

امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اَیْ اِذَا طَلَّقْتَهَا وَاحِدَةً اَوِ اثْنَتَيْنِ فَاَنْتَ مُخَيَّرٌ فِيْهَا مَادَامَتْ عِدَّتُهَا بَاقِيَةٌ بَيْنَ اَنْ تَرُدَّهَا اِلَيْكَ نَاوِيًا الْاِصْلَاحَ بِهَا وَالْاِحْسَانَ اِلَيْهَا وَ بَيْنَ اَنْ تَتْرُكَهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا فَتَبِيْنُ مِنْكَ۔ ❶

یعنی جب تو اپنی بیوی کو ایک رجعی طلاق دے یا دوسری مرتبہ طلاق دے تو تجھے عدت کے اندر اندر رجوع کر لینے کا اختیار ہے بشرطیکہ تو اپنی بیوی کے ساتھ بھلائی اور احسان کرنا چاہتا ہو اور اسے مزید پریشان کرنے کی نیت نہ

❶ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۹۲۔

ہو۔ یا پھر اس کو چھوڑ دینے کا بھی تجھ کو اختیار ہے تا کہ عدت پوری ہو جانے پر وہ تیرے نکاح سے آزاد ہو جائے۔

محقق شیخ محمد سابق مصریؒ لکھتے ہیں:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ أَيْ أَنَّ الطَّلَاقَ الَّذِيْ شَرَعَهُ اللّٰهُ يَكُوْنُ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ وَإِنَّهُ يَجُوْزُ لِلزَّوْجِ أَنْ يُمْسِكَ زَوْجَتَهُ بَعْدَ الطَّلْقَةِ الْأُوْلٰى بِالْمَعْرُوْفِ كَمَا يَجُوْزُ لَهُ ذٰلِكَ بَعْدَ الطَّلْقَةِ الثَّانِيَةِ وَالْإِمْسَاكُ بِمَعْرُوْفٍ مَعْنَاهُ مُرَاجَعَتُهَا وَرَدُّهَا إِلَى النِّكَاحِ وَ مُعَاشَرَتُهَا بِالْحُسْنٰى۔ ❶

کہ الطلاق مرتان کا مطلب یہ ہے کہ نے بوقت اشد ضرورت جس طلاق کی اجازت دی ہے وہ طلاق ہے جو یکے بعد دیگرے مختلف مجلسوں میں دی جائے اور ایسی طلاق میں عدت کے اندر خاوند کو رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے۔ امساک بالمعروف کا معنی رجوع کر لینا ہے۔ اور بیوی کو نکاح جدید کے ساتھ لوٹا لینا اور اس کے ساتھ اچھی طرح آباد ہونا ہے۔ تکلیف پہنچانا مقصود نہ ہو رجعی طلاق میں عدت کے اندر رجوع کی دلیل یہ آیت ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْ أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَبُعُوْلَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ إِنْ أَرَادُوْا إِصْلَاحًا﴾ (البقرة: ۲۲۹)

''اور طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔ انہیں حلال نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو پیدا کیا ہے اسے چھپائیں اگر انہیں اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان ہو۔ ان کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹا لینے کے پورے حقدار ہیں اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہو۔''

اس آیت شریفہ سے ثابت ہوا کہ رجعی طلاق میں عدت کے اندر (تین حیض وغیرہ) خاوند کو اپنی بیوی سے رجوع کا حق ہے اور آج ۹۶-۱-۱۵ ہے یعنی اس طلاق پر ایک برس نو ماہ اور ستائیس دن گزر چکے ہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ عدت پوری ہو کر طلاق موثر اور نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ چونکہ یہ طلاق رجعی ہے اور رجعی طلاق کی عدت کے بعد نکاح ثانی بغیر حلالہ کے جائز ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (البقرة: ۲۳۲)

کہ جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں، پھر ان کو اپنے سابقہ خاوندوں کے ساتھ نکاح کر لینے سے نہ روکو جب وہ آپس میں شریعت کے راضی ہو جائیں۔

یہ آیت حضرت معقل بن یسار ﷺ کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب انہوں نے اپنی ہمشیرہ کو طلاق کی عدت پوری ہو جانے کے بعد اپنے طلاق دہندہ خاوند سے نکاح ثانی کر لینے سے روک دیا تھا۔ صحیح البخاری کتاب التفسیر ج ۲

❶ فقه السنة: ج ۲ ص ۲۳۳.

ص ۲۴۹ پارہ ۱۸ و کتاب الطلاق۔ اس آیت شریفہ اور صحیح بخاری کی اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ رجعی طلاق میں بعد از عدت نکاح ثانی شرعاً بلاشبہ جائز اور خاوند کا شرعی حق ہے۔ اور حلالہ جیسے لعنتی فعل کی قطعاً ضرورت نہ ہے۔

خلاصہ بحث یہ کہ قرآن وحدیث نصوص صریحہ کے مطابق صورت مسئولہ میں بہر حال ایک رجعی طلاق پڑی ہے اور چونکہ عدت پوری ہو چکی ہے، لہٰذا اب رجوع جائز ہرگز نہیں، تاہم نکاح ثانی شرعاً جائز اور حلال ہے یہ جواب بشرط صحت سوال تحریر کیا گیا ہے۔ مفتی کسی عدالتی جھگڑے کا ذمہ دار نہ ہے۔ هذا ما عندي و اعلم بالصواب۔

زبانی طلاق

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں یہ کہ مسمی نورصمند ولد نواب قوم بھٹی گوٹھ حاجی شاہ محمد آرائیں تحصیل مورا ضلع نواب شاہ کا رہائشی ہوں یہ کہ مجھے ایک شرعی مسئلہ دریافت کرنا مقصود ہے جو ذیل عرض ہے۔

یہ کہ میری حقیقی دختر مسمات معراج بی بی کو اس کے خاوند مسمی محمد علی ولد انور قوم بھٹی موضع گوٹھ حاجی شاہ محمد آرائیں تحصیل مورا ضلع نواب شاہ سے عرصہ قریب ایک سال ہوئے کر دیا تھا جب کہ مسمات معراج بی بی اپنے خاوند مذکور کے ہاں ۳ ماہ رہ کر حق زوجیت ادا کرتی رہی دوران آبادگی مابین فریقین میں ناچاکی پیدا ہو گئی کیونکہ مذکورہ آوارہ رہتا تھا اور ہر طرح کا نشہ وغیرہ کرتا تھا، اس کے علاوہ مذکورہ معراج بی بی کو اکثر زدوکوب کرتا اور مارتا پیٹتا۔ مذکورہ اپنے خاوند کے ہاں نہایت ہی تنگدستی کے دن گزارتی رہی بالآخر مذکور محمد علی نے روبرو گواہان ذیل کے مسمات معراج بی بی کو زبانی تین بار طلاق کہہ کر اور اپنے نفس پر حرام کہہ کر اپنے گھر سے ہمیشہ کے لئے نکال دیا ہوا ہے جس کو عرصہ قریب ۹ ماہ کا ہو چکا ہے اور تا حال رجوع نہیں کیا، حالانکہ مصالحت کی کوشش کی گئی مگر صلح نہیں ہو سکی۔ اب علمائے دین سے سوال ہے کہ وجوہات مذکورہ بالا میں شرعاً خاوند کی طرف سے طلاق ہو چکی ہے یا کہ نہیں۔ ہمیں شرعاً جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں، کذب بیانی کا سائل خود ذمہ دار ہوگا۔

(سائل نورصمند والد مسمات معراج بی بی)

تصدیق:

ہم اس سوال کی حرف بحرف تصدیق کرتے ہیں کہ سوال بالکل صداقت پر مبنی ہے، اگر کسی وقت غلط ثابت ہوگا تو ہم تصدیق کنندگان اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ ہمیں شرعی فتویٰ دیا جانا مناسب ہے۔

۱۔ مولوی نور محمد ولد سلیمان قوم بھٹی موضع جان محمد گوٹھ۔

۲۔ غلام قادر ولد سلیمان قوم بھٹی ٹھٹھہ مقدر کا تحصیل وضلع اوکاڑہ۔

جواب: الجواب بعون الوهاب: صورت مسئولہ میں بشرط صحت سوال و بشرط صحت واقعہ واضح ہو کہ جس طرح تحریری طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ بعینہٖ زبانی طلاق بھی شرعاً واقع ہو جاتی ہے۔ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ شروع اسلام سے نکاح طلاق سب زبانی کلامی منعقد ہوتے چلے آئے ہیں کہ اہل عرب بالعموم لکھنے پڑھنے میں کورے تھے۔ حضرت

عبداللہ بن عمرؓ کی درج ذیل صحیح حدیث اس حقیقت کی نشاندہی کر رہی ہے۔ عن عبدالله بن عمر ﷺ انه قال انا امة امية لا نكتب ولا نحسب۔ باب قول النبیؐ لا نکتب ولا نحسب ۔ صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۵۶ کہ ہم ناخواندہ لوگ ہیں ہم کتابت اور گنتی میں ماہر نہیں۔اس لئے شروع سے زبانی نکاح وطلاق کا عمل متوارث چلا آ رہا ہے، اب ان دونوں قسم کی طلاق کے وقوع کی دلیل ملاحظہ فرمایئے:

۲۔عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِی مَاحَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسُهَامَالَمْ تَعْمَلْ اَوْتَتَكَلَّمْ. قَالَ قَتَادَةُ اِذَا طَلَّقَ فِی نَفْسِهٖ فَلَيْسَ بِشَیْءٍ. ❶

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت سے اس کے دل کے خیالات کا محاسبہ معاف کر رکھا ہے۔ جب تک ان پر عمل نہ کرے یا زبان سے بول کر بیان نہ کرے۔اس حدیث سے دو مسئلے ثابت ہوئے۔

۱۔ کہ تحریری طلاق واقع ہو جاتی ہے گو زبان سے طلاق کا لفظ ادا نہ کرے، جیسا کہ حدیث کے الفاظ (مالم تعمل)اس حقیقت پر دلالت کر رہے ہیں۔ حافظ ابن حجر اس حدیث پر لکھتے ہیں۔

وَاسْتُدِلَّ بِهٖ عَلٰی اَنَّ مَنْ كَتَبَ الطَّلَاقَ طَلَّقَتْ إِمْرَاَتَهٗ لِاَنَّهٗ عَزَمَ بِقَلْبِهٖ وَعَمِلَ بِكِتَابَةٍ وَّهُوَ قَوْلُ الْجَمْهُوْرِ . ❷

کہ اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے۔ جو شخص اپنی بیوی کو تحریری طورر پر طلاق دے دے گا تو اس کو طلاق ہو جائے گی، کیونکہ اس نے اپنے دل سے ارادہ کیا اور ساتھ ہی لکھنے کا عمل کیا۔ جمہور علماء اسلام کا یہی مذہب ہے کہ طلاق واقع ہو گئی۔

۲۔ اس حدیث سے دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ تحریری طلاق کی طرح زبانی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے، جیسا کہ اس حدیث کا آخری جملہ (او تتکلم)اس حقیقت پر دلالت کر رہا ہے۔ چنانچہ امام ترمذیؒ رقمطراز ہیں:

۳۔وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ اَنَّ الرَّجُلَ اِذَا حَدَّثَ نَفْسَهٗ بِالطَّلَاقِ لَمْ يَكُنْ شَيْأً حَتّٰی يَتَكَلَّمَ بِهٖ . ❸

کہ اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے کہ جب تک طلاق دہندہ اپنی زبان سے طلاق کا لفظ ادا نہ کرے گا، طلاق واقع نہ ہوگی محض دل کے خیال سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

۴۔امام شوکانیؒ لکھتے ہیں۔اور حديث ابی هريره

لِلِاسْتِدْلَالِ بِهٖ عَلٰی اَنَّ مَنْ طَلَّقَ زَوْجَتَهٗ بِقَلْبِهٖ وَلَمْ يَلْفُظْ بِلِسَانِهٖ لَمْ يَكُنْ لِذٰلِكَ حُكْمٌ

❶ صحيح البخاری ج ۲ ص ۷۹٤۔ باب الطلاق فی الاغلاق والكره والسكران الخ۔ ❷ فتح الباری ج ۹ ص ۳٤٥۔

❸ جامع الترمذی مع تحفة الاحوذی ج ۲ ص ٤۱٥۔

الطَّلَاقِ لِاَنَّ خَطَرَاتِ الْقَلْبِ مَغْفُوْرَةٌ لِلْعِبَادِ الخ ۔ ❶

معلوم ہوا کہ زبانی طلاق واقع ہو جاتی ہے، جیسا کہ امام شوکانیؒ نے آخر میں امام ترمذی کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے۔

۵۔ امام ابن رشد قرطبی وضاحت فرماتے ہیں:

اَجْمَعَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی اَنَّ الطَّلَاقَ یَقَعُ اِذَا کَانَ بِنِیَّةٍ وَبِلَفْظٍ صَرِیْحٍ۔ فَمَنِ اشْتَرَطَ فِیْهِ النِّیَّةَ وَاللَّفْظَ الصَّرِیْحَ فَاتِّبَاعاً لِظَاهِرِ الشَّرْعِ ۔ ❷

کہ جب طلاق کی نیت سے لفظ طلاق استعمال کیا جائے گا تو بلاشبہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

۶۔ شیخ الاسلام سید نذیر حسین محدث دہلوی بھی زبانی طلاق کے وقوع کے قائل ہیں۔ ملاحظہ فتاویٰ نذیریہ ج ۳ ص ۴۷۔

۷۔ مفتی محمد شفیع آف کراچی کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ زبانی طلاق ہو جاتی ہے۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۶۳۳۔

فیصلہ مذکورہ احادیث صحیحہ، جمہور علماء اسلام کی تصریحات کی روشنی میں بشرط صحت واقعہ مسمات معراج بی بی دختر نور صمند بھٹی ساکن گوٹھ حاجی شاہ محمد ضلع نواب شاہ کو ایک رجعی طلاق واقع ہو چکی ہے۔ اور سوال نامہ کی خط کشیدہ تصریح کے مطابق طلاق کو تقریباً ۹ ماہ ہو چکے ہیں۔ اگر یہ سچ اور صحیح ہے تو پھر مسمات معراج بی بی کا نکاح ٹوٹ چکا ہے کہ نو ماہ کے عرصہ میں طلاق کی عدت پوری ہو چکی اور رجعی طلاقوں میں عدت گزر جانے پر نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ لہٰذا بشرط صحت نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ اور عدالت مجاز کی توثیق انتہائی ضروری ہے۔ هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب و علمه اتم.

دو رجعی طلاقیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ کے بارے میں، میں مسمّی صوفی افتخار احمد ولد صوفی غلام محمد ساکن اکرم منزل فلیٹ نمبر ۸ جمیلہ سٹریٹ نزد ہوتی مارکیٹ کراچی نے اپنی زوجہ مسمات طیبہ بنت صوفی غلام محمد ساکن شیرانوالہ گیٹ نیا محلہ مکان نمبر ۱۲۲۹ جی لاہور کو ۲۵ اپریل ۱۹۹۱ء کو ایک ہی مجلس میں ایک طلاق دے دی تھی۔ اب ہم اپنے اس کئے پر سخت پریشان اور اولاد اور برادری کے الجھے ہوئے مسائل کی خاطر مصالحت پر آمادہ ہیں، لہٰذا کتاب و سنت کی روشنی میں کیا ہم رجوع کر کے دوبارہ اپنا گھر آباد کر سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی فتویٰ صادر فرمائیں۔ یاد رہے کہ میں نے اس سے قبل بھی اپنی زوجہ مذکورہ کو چھ ماہ پہلے ایک طلاق بھی دے دی تھی، یعنی یہ دوسرا چانس ہے۔

(سائل: صوفی افتخار احمد)

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب بشرط صحت سوال و بشرط صحت واقعہ صورت مسئولہ

❶ نیل الاوطار ج ٦ ص ٦ ۔

❷ بدایة المجتهد ج ۲ ص ٥٥۔

میں ایک رجعی طلاق واقع ہوئی ہے۔ اور رجعی طلاق میں بالاتفاق علماء امت اندر عدت رجوع کرنے گھر آباد رکھنا شرعاً جائز ہے۔ اور بعداز عدت (تین حیض یا تین ماہ یا وضع حمل) نکاح جدید بالاتفاق جائز ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان. سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۹۔ کہ رجعی طلاق دو دفعہ ہے۔ پھر اس کے بعد یا تو اچھے طریقہ کے ساتھ بیوی کو آباد رکھنا ہے یا پھر شائستگی کے ساتھ اس کو چھوڑ دینا ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت شریفہ کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ۔ اَیْ اِذَا طَلَّقْتَهَا وَاحِدَةً اَوِ اثْنَتَيْنِ فَاَنْتَ مُخَيَّرٌ فِيْهَا مَادَامَتْ عِدَّتُهَا بَاقِيَةً بَيْنَ اَنْ تَرُدَّهَا اِلَيْكَ نَاوِيًا الْاِصْلَاحَ بِهَا وَالْاِحْسَانَ اِلَيْهَا وَ بَيْنَ اَنْ تَتْرُكَهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا تَبِيْنُ مِنْكَ ـ الخ ۔ ❶

کہ اس آیت شریفہ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دے ڈالو تو عدت کے اندر اندر تم کو یہ اختیار حاصل ہے کہ تم اس مطلقہ رجعیہ سے اصلاح اور نیک نیتی کے ساتھ رجوع کر کے آباد ہو جاؤ یا پھر اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔

نامور مفسر اور اصولی امام محمد بن علی الشوکانیؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اَلْمُرَادُ بِالطَّلَاقِ الْمَذْكُوْرِ هُوَ الرَّجْعِيُّ بِدَلِيْلِ مَا تَقَدَّمَ فِي الْاٰيَةِ اَیْ اَلطَّلَاقُ الَّذِیْ تَثْبُتُ فِيْهِ الرَّجْعَةُ لِلْاَزْوَاجِ هُوَ مَرَّتَانِ اَيِ الطَّلْقَةُ الْاُوْلٰی وَالثَّانِيَةُ اِذْ لَا رَجْعَةَ بَعْدَ الثَّالِثَةِ وَاِنَّمَا قَالَ سُبْحَانَهٗ (مَرَّتَانِ) وَلَمْ يَقُلْ طَلْقَتَانِ اِشَارَةً اِلٰی اَنَّهٗ يَنْبَغِیْ اَنْ يَكُوْنَ الطَّلَاقُ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ لَا طَلْقَتَانِ دَفْعَةً وَّاحِدَةً كَذَا قَالَ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْمُفَسِّرِيْنَ ۔ ❷

کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ میں رجعی (قابل رجوع) طلاق کا حکم بیان فرمایا ہے کہ وہ طلاق جس میں شوہروں کے لئے شرعاً رجوع کر لینا ثابت ہے۔ وہ دو طلاقیں ہیں، یعنی پہلی اور دوسری طلاق ہے کیونکہ تیسری طلاق کے بعد رجوع جائز نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ مرتان فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ طلاق یکے بعد دیگرے دو مجلسوں میں دینی چاہیے۔ اکٹھی دو طلاقیں مراد ہرگز نہیں ورنہ لفظ طلقتان استعمال ہوتا۔ مزید ارقام فرماتے ہیں:

وَاَخْرَجَ الْبَيْهَقِیُّ مِنْ طَرِيْقِ السُّدِّيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَّ نَاسٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلُهٗ۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ قَالُوْا هُوَ الْمِيْقَاتُ الَّذِیْ تَكُوْنُ فِيْهِ الرَّجْعَةُ فَاِذَا طَلَّقَ وَاحِدَةً اَوِ اثْنَتَيْنِ فَاَمَّا اَنْ يُّمْسِكَ بِرَاجِعٍ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَمَّا اَنْ يَّسْكُتَ عَنْهَا حَتّٰی تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا فَتَكُوْنُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا ۔ ❸

---

❶ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۷۲۔ ❷ تفسیر فتح القدیر ج ۱ ص ۲۳۸۔ ❸ فتح القدیر ج ۱ ص ۲۴۰۔

کہ حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود اور بہت سے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت شریفہ میں رجوع کا وقت مقرر کر دیا ہے بس جب کوئی شوہر اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دے گا تو اس کو عدت پوری گزرنے سے پہلے پہلے رجوع کر کے طلاق واپس لینے کا حق حاصل ہے۔

الشیخ معین الدین محمد بن عبدالرحمٰن اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں فامساك بمعروف اى اذا طلقتها واحدة او اثنتين فلك الخيار فى المراجعة و حسن المعاشرة. تفسیر جامع البیان سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۹۔ ص ۵۶۔ کہ آیت فامساك بمعروف کا مطلب یہ ہے کہ جب تو اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دے ڈالے تو تجھے شریعت کی طرف سے یہ اختیار حاصل ہے کہ تو اپنی مطلقہ رجعیہ بیوی سے رجوع کر کے اچھی طرح اور خوش اطواری کے ساتھ گھر آباد کر لے۔

قرآن مجید کی اس نص اور مفسرین کی مذکورہ بالا تصریحات کے مطابق صورت مسئولہ میں صرف ایک رجعی طلاق پڑی ہے۔ اور سوال نامہ کی آخری سطر کی خط زدہ تصریح کے مطابق طلاق دہندہ صوفی افتخار احمد اپنی اس زوجہ کو آج سے چھ ماہ قبل طلاق دے کر اندر رجوع کر چکا ہے، لہٰذا اس طرح اب دو طلاقیں پڑ چکی ہیں۔ چونکہ یہ دوسری طلاق سوال نامہ کی وضاحت کے مطابق ۲۵ اپریل ۹۱ء کو دی تھی اور آج ۱۷ جولائی ۹۱ء ہے۔ یعنی اس طرح اس دوسری طلاق کو ۸۴ دن ہو چکے ہیں۔ چونکہ مسمات طیبہ بنت غلام محمد کی وضاحت کے مطابق وہ والذين يئسن من المحيض میں داخل ہو چکی ہیں لہٰذا ان کی عدت تین حیض کے بجائے اب تین ماہ شرعاً مقرر ہے۔ اس لئے ابھی عدت باقی ہے کیونکہ ابھی صرف ۸۴ دن عدت کے گزرے ہیں۔ جب کہ عدت نوے دن ہے۔ پس ابھی تک نکاح سابق بحال اور قائم ہے لہٰذا رجوع بلاشبہ شرعاً جائز ہے اور حلالہ کی قطعاً ضرورت نہ ہے۔ اس مسئلہ میں قطعاً اختلاف نہیں۔ مفتی کسی قانونی سقم اور عدالتی جھمیلہ کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ هذا ما عندى والله تعالىٰ اعلم بالصواب۔



خلع کا بیان

عدالت کی یک طرفہ ڈگری سے خلع واقع نہیں ہوتا

سوال: ہم نے عرصہ آٹھ سال پہلے شادی کی اور دو سال بعد گھریلو ناچاکی کی وجہ سے میری بیوی اپنے میکے چلی گئی اور ان کے میکے والوں نے عدالت سے رجوع کیا لیکن مجھے کوئی نوٹس یا سمن موصول نہیں ہوا۔ اور نہ ہی میں نے تحریری یا زبانی طلاق دی۔ اور عدالت نے یک طرفہ کارروائی کر کے خلع کا فیصلہ دے دیا۔

عرصہ چھ سال کے بعد اب میری بیوی واپس آنا چاہتی ہے آپ سے سوال یہ ہے کہ کیا اب ہم میاں بیوی کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں یا ہمیں نکاح ثانی کرنا پڑے گا قرآن وحدیث کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔ شکریہ

(سائل: احسان الحق شعیب ابراہیم کیپٹن جمال روڈ مکان نمبر ۱۳ سانده کلاں لاہور)

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال اگر واقعی مسمی احسان الحق نے اپنی بیوی کو زبانی یا تحریری طلاق نہیں دی اور نہ عدالت کی طرف سے اس کو یا اس کے کسی رشتہ دار کو کوئی نوٹس سمن وصول نہیں ہوا اور اس کی مکمل بے خبری میں عدالت مذکور نے یک طرفہ خلع کا فیصلہ سنا دیا ہو تو پھر بظاہر شرعی خلع کی تعریف صادق نہیں آتی۔ کیونکہ شرعی خلع اس گلوخلاصی کو کہتے ہیں جس میں بیوی اپنے شوہر کو ملک نکاح کے عوض مہر وغیرہ واپس کر کے اس کے حبالہ عقد سے آزادی حاصل کرتی ہے جیسا کہ فقہاء اور علماء نے لکھا ہے۔

۱۔ السید محمد سابق مصری خلع کی تعریف میں لکھتے ہیں:

سُمِّيَ الْفِدَاءِ لِأَنَّ الْمَرْأَةَ تَفْتَدِيْ نَفْسَهَا بِمَا تَبْذُلُهُ لِزَوْجِهَا.[1]

کہ خلع کو افتداء اس لئے کہا جاتا ہے کہ عورت اپنی جیب سے کچھ مال مہر وغیرہ خاوند کو ادا کر کے ملک نکاح سے خلاصی حاصل کرتی ہے، یعنی مال کے عوض گلوخلاصی حاصل کرنے کا نام خلع ہے۔

۲۔ الشیخ ابوبکر الجزائری خلع کی تعریف یوں ارقام فرماتے ہیں:

اَلْخُلْعُ وَهُوَ أَنْ تَكْرَهَ الْمَرْأَةُ الْبَقَاءَ مَعَ زَوْجِهَا فَتَخْلَعُ نَفْسَهَا مِنْهُ بِمَالٍ تُعْطِيْهِ إِيَّاهُ عِوَضهَا عَمَّا أَنْفَقَ عَلَيْهَا فِي الزَّوَاجِ بِهَا.[2]

''جب کوئی عورت بطور بیوی اپنے شوہر کے ساتھ رہنا پسند نہ کرے اور اپنی جیب سے خاوند کی طرف سے نکاح پر

[1] فقه السنة ج ٢ ص ٢٥٣.
[2] تفسير ايسر التفاسير ج ١ ص ٢١٥.

اٹھنے والے اخراجات کے عوض مال دے کر ملک نکاح سے آزادی حاصل کر لے تو اس عمل کا نام خلع ہے۔

۳۔ عنایہ شرح ہدایہ میں یہ تعریف لکھی ہے:

هُوَ فِي الشَّرِيعَةِ عِبَارَةٌ عَنْ اَخْذِ مَالِ الْمَرْأَةِ بِإِزَاءِ مِلْكِ النِّكَاحِ بِلَفْظِ الْخُلْعِ . ❶

''لفظ خلع کے ساتھ خاوند کا ملک نکاح کے عوض عورت سے مال لے کر اپنے حبالہ عقد سے آزاد کر دینے کو شریعت میں خلع کہتے ہیں۔''

۴۔ فقہاء کی زبان میں خلع کی تعریف یہ ہے:

فِرَاقُ الرَّجُلِ زَوْجَتَه بِبَدَلٍ يَحْصُلُ لَهُ . ❷

''شوہر کا اپنی بیوی سے کچھ مال لے کر اس سے جدا ہو جانے کو خلع کہتے ہیں۔''

۵۔ ابولوئیس یسوعی لکھتے ہیں خَلَعَ اِمْرَاَتَهٗ، مال کے عوض عورت کو طلاق دینا۔ (منجد: خلع ص ۲۹۱)

۶۔ منہاج المسلم میں ہے:

عورت کا کسی وجہ سے اپنے خاوند کو پسند نہ کرنا اور اس کا مال مہر وغیرہ واپس کر کے اس سے خلاصی حاصل کر لینا خلع کہلاتا ہے۔ (ص: ۴۳۶)

ان تعریفات سے جو حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ شرعی خلع میں عورت کے لئے ضروری ہے کہ خاوند سے وصول شدہ مہر وغیرہ واپس کرے، یعنی عورت کی طرف سے مہر وغیرہ کی واپسی خلع کے تحقق میں بنیادی شرط ہے ورنہ عدم ادائیگی کی صورت میں خلع متحقق نہ ہوگا۔

سید سابق مصری رحمہ اللہ تصریح فرماتے ہیں:

اَلْخُلْعُ كَمَا سَبَقَ اِزَالَةُ مِلْكِ النِّكَاحِ فِيْ مُقَابِلِ مَالٍ فَالْعِوَضُ جُزْءٌ اَسَاسِيٌّ مِّنْ مَفْهُوْمِ الْخُلْعِ فَإِذَا لَمْ يَتَحَقَّقِ الْعِوَضُ لاَ يَتَحَقَّقُ الْخُلْعُ . ❸

''گزشتہ بحث سے ثابت ہوا کہ اپنی بیوی سے مال (مہر وغیرہ) واپس لے کر شوہر کا ملک نکاح کو زائل کرنے کو خلع کہتے ہیں۔''

پس اس اصول سے معلوم ہوا کہ عوض خلع کی صحت کے لئے بنیادی جز ہے، لہٰذا جب تک عوض (عورت کا مہر وغیرہ واپس کرنا) متحقق نہ ہوگا شرعاً خلع متحقق (یعنی صحیح) نہ ہوگا چونکہ صورت مسئولہ میں بشرط صحت سوال عدالت نے یک طرفہ طور پر خلع کا فیصلہ سنا دیا ہے تو ظاہر ہے کہ خاوند مسمی احسان الحق کو اس کی بیوی کی طرف سے خلع کے عوض کوئی چیز ادا نہیں کی گئی، لہٰذا یہ خلع کا فیصلہ صحیح نہیں اور نکاح اپنی جگہ جوں کا توں قائم اور بحال ہے۔

---

❶ حاشیه هداية: باب الخلع ج ۲ ص ٤٠٤.
❷ فقه السنة: ج ۲ ص ۲۵۳.
❸ فقه السنة: ج ۲ ص ۲۵٤.

تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ عدالت کے فیصلہ کو تسلیم کرتے ہوئے، ازسرنو شرعی طریقہ سے یعنی ۲ گواہوں کی موجودگی میں ولی کی اجازت سے نئے مہر کا تعین کر کے نکاح پڑھ لیا جائے۔ کیونکہ خلع کے بعد رجوع کا حق شرعاً ختم ہو جاتا ہے اور بیوی اپنے خاوند کے حبالہ عقد سے آزاد ہو جاتی ہے ہاں اگر عورت کی مرضی ہو تو اپنے اس خاوند سے نیا نکاح شرعاً کر سکتی ہے۔

فقہ السنہ میں ہے:

يَجُوْزُ لِلزَّوْجِ اَنْ يَتَزَوَّجَهَا بِرَضَاهَا فِيْ عِدَّتِهَا وَ يَعْقِدُ عَلَيْهَا عَقْدًا جَدِيْدًا. ●

خلاصہ کلام کہ صورت مسئولہ میں بشرط صحت سوال خلع شرعاً واقع نہیں ہوا کہ یک طرفہ ہوا اور بغیر عوض کے وجود میں آیا ہے، تاہم احتیاطاً عدالت کے فیصلہ کو تسلیم کرتے ہوئے نکاح جدید پڑھ لیا جائے، یعنی نئے گواہوں، نئے مہر اور ولی کی اجازت سے نکاح کیا جائے۔

مفتی کسی قانونی سقم اور عدالتی کارروائی کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔



● ج ٢ ص ٢٥٨، و منهاج مسلم از شیخ ابوبکر جابر الجزائری ص ٦٤٧۔

عدت کا بیان

عدت کے اندر رجوع جائز ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ من مقر نے آج سے دو ماہ پہلے ایک خانگی جھگڑے کی وجہ سے غصے میں آ کر اپنی بیوی کو اکٹھی دو طلاقیں دے دیں تھیں، مگر اس طلاق کے دوسرے دن میں نے اپنے سسرال اور بیوی کے سامنے طلاق واپس لے لی تھی، یعنی میں نے کہا تھا کہ میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں کہ ازروئے شریعت صورت مسئولہ میں شرعاً رجوع ہو چکا ہے یا نہیں؟ کیا میں اپنا گھر آباد کر سکتا ہوں یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں شرعی فتویٰ صادر فرمایا جائے۔

نوٹ: میں نے اس طلاق سے پہلے کبھی کوئی تحریری یا زبانی طلاق نہیں دی ہے۔

(سائل علی اصغر ولد غلام نبی قوم راجپوت ساکن موضع اموال تحصیل وضلع نارووال)

الجواب بعون الوھاب ومنه الصدق والصوب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں ایک رجعی طلاق واقع ہوئی ہے اور رجعی طلاق کی عدت تین حیض یا تین ماہ یا حمل کی صورت میں وضع حمل ہے۔ چونکہ خط کشیدہ سوال کی تصریح کے مطابق طلاق دہندہ مسمی اصغر علی نے اس طلاق کے بعد دوسرے دن طلاق واپس لے لی ہے۔ لہٰذا یہ رجوع عدت کے اندر ہوا ہے۔ لہٰذا نکاح بحال اور قائم ہے۔ اور طلاق دہندہ اپنا گھر بسا سکتا ہے۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ وَّلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ﴾ (البقرۃ: ۲۲۸)

''اور مطلقہ عورتیں تین حیض کی عدت پوری کریں اور ان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے رحموں کے اندر کی چیز کو چھپائیں اگر وہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں۔ اور ان کے شوہر اس عدت کے اندر رجوع کر لینے کے زیادہ حق دار ہیں۔ بشرطیکہ ان کی نیت اصلاح اور سدھار کی ہو۔''

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ عدت کے اندر اندر شوہر کو طلاق واپس لے کر رجوع کا حق حاصل ہے اور سسرال یا بیوی کو شرعاً انکار کرنے کا اختیار حاصل نہیں۔ کیونکہ لفظ اَحَقُّ اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو شوہر کے حق میں استعمال ہوا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ صورت مسئولہ میں طلاق دہندہ مسمی اصغر علی ولد غلام نبی مذکور اپنی مطلقہ بیوی مسمات عصمت بی بی دختر محمد نواز کو اپنے گھر آباد کر سکتا ہے۔ کیونکہ رجوع عدت کے اندر ہوا ہے۔ یہ جواب بشرط صحت سوال تحریر کیا گیا۔ غلط بیانی کا

ذمہ دار خود سائل ہے۔ اگر غلط بیانی ہوگئی تو یہ فتویٰ کام نہیں دے گا۔ مفتی کسی قانونی سقم اور عدالتی کارروائی کا ہرگز ذمہ دار نہ ہو گا۔ هذا ما عندي و اعلم بالصواب.

بعد از عدت رجوع جائز نہیں

سوال: میں مسمی حاجی غلام محمد ولد فتح دین قوم کھوکھر گلی توے شاہ محلہ چوڑ یگران شہر شیخوپورہ بحیثیت مسلمان اللہ کو علم وخبیر جان کر یہ بیان کرتا ہوں کہ آج سے تقریباً ۱۰۔۸ سال قبل میرے داماد محمد مشتاق ولد محمد مالک قوم پٹھان نے اپنی بیوی کشور سلطانہ دختر من مظہر کو تحریری طلاق لکھ دی تھی مگر ہمیں اس کی اطلاع نہیں دی۔ پھر اس طلاق کے تقریباً ۲ سال بعد صلح ہوگئی اس دو سال کے عرصہ میں میری بیٹی میرے گھر ہی گزر بسر کرتی رہی جب صلح ہوگئی تو بعد میں یہ راز کھلا کہ محمد مشتاق نے تو دو سال پہلے تحریری طلاق دے دی تھی۔ اب پھر اس نے عرصہ ڈھائی سال سے اپنی بیوی کو گھر سے نکال دیا ہے۔ اور سامان اٹھا کر چلا گیا ہے۔

مزید یہ کہ گھر سے سامان لے جاتے وقت بھی اس نے متعدد لوگوں کو کہا کہ میں نے اپنی بیوی کشور سلطانہ کو طلاق دے دی ہے اور وہ گواہ اب بھی موجود ہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ مشتاق نے آج سے ڈھائی برس پہلے ہمارے سامنے ''طلاق دے دی ہے'' کے الفاظ کہے تھے۔ اب صورت مسئولہ آپ کے سامنے ہے، لہٰذا کتاب وسنت کی روشنی میں بتلایا جائے کہ طلاق موثر ہوچکی ہے یا نہیں؟ شرعی فتویٰ صادر فرمایا جاوے۔ (سائل حاجی غلام محمد ولد فتح دین قوم کھوکھر گلی توے شاہ محلہ چوڑ یگراں شیخوپورہ)

جواب: الجواب بعون الوهاب و منه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال، یعنی اگر واقعی طلاق دہندہ محمد مشتاق ولد محمد مالک پٹھان نے اپنی بیوی مسمات کشور سلطانہ دختر غلام محمد کو تحریری طلاق لکھ دی تھی اور پھر اس طلاق کے بعد عدت کے اندر رجوع نہیں کیا تھا تو شرعاً یہ طلاق واقع ہوکر موثر ہوچکی اور مسمات مذکورہ اپنے شوہر کے حبالہ عقد سے آزاد ہوگئی تھی۔ لہٰذا اس طلاق کے دو برس بعد ہونے والی مصالحت شرعاً ناجائز اور سراسر معصیت پر مبنی ہے۔ اس کے بعد اس ناکام جوڑے کی ازدواجی زندگی گناہ کی زندگی قرار پائی ہے۔ کیونکہ طلاق زبانی کلامی ہو یا تحریری ہو بیوی کو اطلاع دی جائے یا اطلاع نہ دی جائے شرعاً طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اب اس کی دلیل ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ مَاحَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسُهَامَالَمْ تَعْمَلْ اَوْتَتَكَلَّمْ. قَالَ قَتَادَةُ اِذَا طَلَّقَ فِیْ نَفْسِهٖ فَلَیْسَ بِشَیْءٍ. ●

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے میری امت کے قلبی خیالات کو معاف کر دیا ہے جب تک وہ ان خیالات پر عمل درآمد نہ کرے یا کلام نہ کرے۔ اور حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی اپنے دل میں طلاق دے تو وہ معتبر نہیں ہوگی۔

● صحیح البخاری باب الطلاق في الإغلاق والكره والسكران والمجنون ج ۲ ص ۷۹۳، ۷۹٤.

۲۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِاُمَّتِیْ عَمَّا حَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسُهَا مَالَمْ یَتَكَلَّمُوْا اَوْیَعْمَلُوْا بِهٖ. ❶

ترجمہ وہی ہے جو اوپر لکھا جا چکا ہے۔

ان دونوں صحیح احادیث سے ثابت ہوا کہ جس طرح زبانی کلامی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اسی طرح طلاق تحریری بھی شرعاً معتبر ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح میں ارقام فرماتے ہیں:

وَاسْتُدِلَّ بِهٖ عَلٰی اَنَّ مَنْ كَتَبَ الطَّلَاقَ طَلَّقَتْ اِمْرَاَتَهٗ لِاَنَّهٗ عَزَمَ بِقَلْبِهٖ وَعَمِلَ بِكِتَابَةٍ وَّهُوَ قَوْلُ الْجُمْهُوْرِ وَ شَرَطَ مَالِكٌ فِیْهِ الْاِشْهَادَ عَلٰی ذٰلِكَ. ❷

اس حدیث صحیح سے استدلال کیا گیا ہے کہ جو اپنی بیوی کو طلاق لکھ کر دے تو اس بیوی کی پر طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ اس نے دل سے طلاق کا ارادہ کیا اور لکھ کر عمل کیا۔ جمہور علمائے اسلام کا بھی یہی مذہب اور قول اور فتویٰ ہے۔

فضیلۃ الشیخ والمحقق المشہور السید محمد سابق مصری تصریح فرماتے ہیں:

وَالْكِتَابَةُ یَقَعُ بِهَا الطَّلَاقُ وَلَوْ كَانَ الْكَاتِبُ قَادِراً عَلَی النُّطْقِ فَكَمَا اَنَّ لِلزَّوْجِ اَنْ یُّطَلِّقَ زَوْجَتَهٗ بِاللَّفْظِ فَلَهٗ اَنْ یَّكْتُبَ اِلَیْهَا الطَّلَاقَ . ❸

کہ تحریر سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے اگر چہ تحریر کرنے والا بولنے اور گفتگو کرنے پر قادر بھی ہو۔

پس مذکورہ احادیث صحیحہ، جمہور علمائے اسلام کے نزدیک تحریری طلاق شرعاً معتبر ہے۔ اگر چہ بیوی کو اطلاع نہ دی جائے، تب بھی طلاق کی عدت تحریر کے وقت سے شروع ہو جاتی ہے۔

مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی ایک ایسے ہی سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔ وقوع طلاق کے لئے طلاق نامہ کا عورت تک پہنچنا شرط نہیں۔ صرف لکھنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ❹

خلاصہ کلام یہ کہ مذکورہ احادیث صحیحہ مرفوعہ متصلہ کے مطابق مسمات کشور سلطانہ دختر غلام محمد کو اس وقت ہی طلاق ہو گئی تھی جب اس کے شوہر نے وہ طلاق لکھی تھی۔ اور طلاق کی عدت تین حیض، تین ماہ یا بصورت حمل وضع حمل ہے۔ چونکہ سوال نامہ کی تصریح کے مطابق اس طلاق کے ۲ برس بعد مصالحت ہوئی جب کہ طلاق کی عدت بہر صورت پوری ہو چکی تھی اور نکاح ٹوٹ

---

❶ کتاب صحیح مسلم: باب تجاوز الله تعالیٰ عن حدیث النفس ج ۱ ص ۷۷، ۷۸.

❷ فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۹ ص ۳۱۶ باب الطلاق فی الاغلاق والکرہ والسکران والمجنون، وفتاوی نذیریہ ج ۳ ص ۴۷.

❸ فقه السنة ج ۲ ص ۲۱۹.

❹ فتاوی احسن الفتاوی ص ۴۴۰ ـ طبع کراچی.

چکا تھا۔لہٰذا یہ مصالحت رجوع کی مدت کے بعد وقوع پذیر ہوئی۔ پس اگر چہ یہ مصالحت تجدید نکاح کے بغیر وقوع پذیر ہوئی ہے تو شرعاً معتبر نہیں۔اس غیر شرعی مصالحت کے بعد کی ازدواجی زندگی سراسر سفاح اور گناہ کی زندگی ہے۔اس بی بی کو اب کسی اور طلاق کی ہرگز ضرورت نہیں۔ کیونکہ نکاح تو اس تحریری طلاق کی عدت پوری ہونے پر ٹوٹ گیا تھا۔ یہ جواب بشرط صحت سوال تحریر کیا گیا ہے۔غلط بیانی اور دروغ گوئی کی ذمہ داری شرعاً اور قانوناً سائل پر عائد ہوگی۔مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ هذاما عندي و اعلم بالصواب.

عدت کے بعد عورت آزاد ہو جاتی ہے

سوال: گزارش ہے کہ محمد اسلم ولد سراج دین قوم راجپوت ساکن شہزادہ سٹریٹ سید پور ملتان روڈ لاہور کا نکاح شریعت محمدی کے مطابق بعوض حق مہر مبلغ بیس ہزار روپیہ ہمراہ مسمات غزالہ یاسمین دختر غلام الدین قوم راجپوت ساکن سید پور ملتان روڈ لاہور عرصہ تقریباً ساڑھے چھ سال قبل ہوا تھا اور اسلم مذکور کے نطفہ سے مسماۃ مذکورہ کے بطن سے چار بچے پیدا ہوئے ایک فوت ہو گیا تین زندہ ہیں۔اسلم مذکور نے گھریلو ناچاقی کی وجہ سے مورخہ ۱۳ اکتوبر ۸۹ کو شیخ محمد حسن اشٹام فروش ضلع کچہری لاہور سے ۲۵ روپے کا اشٹام سیریل نمبر ۳۵۶۹ خرید فرما کر اس اشٹام پر اپنی بیوی مسمات غزالہ یاسمین کو ۳۱ اکتوبر ۸۹ء کو تین طلاق، طلاق، طلاق مغلظہ دے کر اپنے نکاح سے آزاد کر دیا ہے اور آج یکم فروری ۹۰ء ہے، لہٰذا آج اس طلاق کو ۹۴ دن ہو گئے ہیں، یعنی ۳ ماہ ۴ دن ہو چکے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا طلاق موثر ہو کر نکاح ٹوٹ چکا ہے یا نہیں؟ اور اگر ٹوٹ چکا ہے تو کیا مسمات غزالہ یاسمین دختر غلام الدین مذکور یہ اپنا نکاح کسی دوسرے مسلمان سے شرعاً کر سکتی ہے یا نہیں؟ یہ بھی یاد رہے کہ مہر کی رقم مبلغ ۲۰۰۰۰ غزالہ یاسمین نے بطور خلع اپنے سابق خاوند محمد اسلم ولد سراج دین مذکور کو چھوڑ دی ہے اندریں صورت شرعی فتویٰ صادر فرمایا جائے۔

(سائل رحمت اللہ ولد کرم الٰہی قوم کمبوہ گلزار کالونی شاہدرہ لاہور سٹیل بازار)، (محمد یوسف ولد رحمت اللہ گلی نمبر ۲ اربن ایریا بلاک نمبر ۲۹ سرگودھا)

جواب: الجواب بعون الوهاب و منه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال و بشرط صحت واقعہ صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ مسمات غزالہ یاسمین دختر غلام الدین راجپوت ساکن سید پور ملتان روڈ لاہور کا نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ کیونکہ سوال نامہ کی خط کشیدہ تصریح اور وضاحت کے مطابق طلاق مورخہ ۸۹-۱۰-۳۱ کو دی گئی ہے اور آج مورخہ ۹۰-۲-۱ ہے جس کا مطلب صاف یہ ہے کہ آج طلاق کو چورانوے دن یعنی ۳ ماہ اور ۴ دن گزر چکے ہیں۔ طلاق کی عدت خالی گود کی صورت میں صرف تین حیض اور فیملی لا پاکستان کے مطابق نوے دن ہے۔لہٰذا عدت مکمل ہو جانے کی وجہ سے یہ طلاق موثر ہو کر شرعاً اور قانوناً نکاح کالعدم ہو چکا ہے اور غزالہ یاسمین اپنے سابقہ شوہر مسمی محمد اسلم ولد سراج دین راجپوت ساکن شہزادہ سٹریٹ سید پور ملتان روڈ لاہور کے حبالہ عقد سے آزاد ہو چکی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْۗءٍ﴾ (البقرة: ۲۲۸)

''اور جن عورتوں کو طلاق دی جائے وہ تین طہر یا تین حیض تک اپنے تئیں روک رکھیں۔''

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ خالی گود مطلقہ عورت کی عدت صرف ۳ حیض ہے، لہٰذا اس آیت کے مطابق مسمات غزالہ یاسمین کی عدت مکمل ہو کر نکاح ٹوٹ چکا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے مستقبل کے بارے میں مختار ہے۔ چونکہ یہ صورت خلع کی بھی ہے کیونکہ مہر مبلغ بیس ہزار روپے غزالہ یاسمین طلاق کے عوض میں چھوڑ دیا ہے اور خلع میں عدت صرف ایک حیض ہے۔

(ملاحظہ ہو فتاویٰ نذیریہ: ج ۳ ص)

غرضیکہ صورت مسئولہ میں طلاق اور خلع دونوں صورتوں میں عدت مکمل ہونے کی وجہ سے نکاح ٹوٹ چکا ہے۔

جواب: جب نکاح ٹوٹ چکا ہے اور اہل حدیث، احناف اور شیعہ سب کے نزدیک نکاح ٹوٹ چکا ہے لہٰذا اب غزالہ یاسمین شریعت کے تقاضے پورے کرتے ہوئے ولی کی اجازت سے کسی بھی شریف مسلمان مرد سے نکاح کر لینے کی شرعاً حق دار ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ ﴾ (البقرة: ٢٢٩)

کہ رجعی طلاق دو مجلسوں میں ہے پھر اس کے بعد یا اچھے طریقہ سے آباد رکھنا ہے یا پھر شائستگی کے ساتھ اسے چھوڑ دینا ہے۔ امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں:

اَیْ اِذَا طَلَّقْتَهَا وَاحِدَةً اَوِ اثْنَتَيْنِ فَاَنْتَ مُخَيَّرٌ فِيْهَا مَادَامَتْ عِدَّتُهَا بَاقِيَةً بَيْنَ اَنْ تَرُدَّهَا اِلَيْكَ نَاوِيًا الْاِصْلَاحَ بِهَا وَالْاِحْسَانَ اِلَيْهَا وَ بَيْنَ اَنْ تَتْرُكَهَا حَتّٰى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا فَتَبِيْنُ مِنْكَ .[1]

کہ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد اصلاح کی نیت کے ساتھ طلاق دہندہ عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کر سکتا ہے لیکن اگر عدت گزر جائے تو بیوی حبالہ عقد سے نکل جاتی ہے۔ یہ فتاویٰ اہل حدیث مسلک کے مطابق لکھا گیا ہے۔ کہ ان کے نزدیک قرآن و حدیث کے مطابق اکٹھی تین طلاقیں ایک رجعی طلاق شرعاً واقع ہوتی ہے اور احناف کے نزدیک چونکہ اکٹھی تین طلاقیں تینوں واقعہ ہوتی ہیں۔ لہٰذا ان کے نزدیک تو عدت کے اندر بھی مسمی محمد اسلم کا اپنی بیوی غزالہ سے رجوع جائز نہ تھا۔

فیصلہ

بشرط صحت سوال مذکورہ بالا آیات شریعہ کے مطابق شرعاً اور قانوناً موثر ہو کر نکاح ٹوٹ چکا ہے کہ عدت گزر چکی ہے، لہٰذا مسمات غزالہ یاسمین مذکور یہ اپنے مستقبل کا فیصلہ کر لینے کی شرعاً مستحقہ ہے۔ اور وہ ولی کی اجازت سے نکاح کر لینے کی حق دار ہے۔ مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ هذا ما عندي و اعلم بالصواب

ایک طلاق کے بعد اندر عدت رجوع جائز ہے

یہ کہ مسمی محمد جیون ولد محمد عبداللہ قوم کمیار موضع ترل کے تحصیل چونیاں ضلع لاہور مسمات خورشید بیگم دختر بگو قوم کمہار موضع

[1] تفسير ابن كثير: ج ١ ص ٢٧٢.

داؤ کے کھدیانہ تحصیل چونیاں ضلع لاہور جو کہ میری منکوحہ بیوی ہے کو بوجہ زبان دراز، بدچلن ہونے کے طلاق دیتا ہوں، میرا اس کے ساتھ اب کسی قسم کا کوئی تعلق از قسم ازدواجی حیثیت نہیں رہا ہے، نوٹ میں نے یہ طلاق مورخہ ۱۰/۳/۴۷ کو دی تھی اس سے پہلے میں نے کوئی طلاق نہیں دی، کیا میں رجوع کرسکتا ہوں۔

(سائل محمد جیون ولد محمد عبداللہ حال موضع اور پانہ ڈاکخانہ پکا سدھار تحصیل پاکپتن ضلع ساہیوال)

جواب: الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب: بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں بشرطیکہ طلاق دہندہ کی یہ طلاق پہلی یا دوسری طلاق ہو ایک رجعی طلاق واقع ہوئی ہے۔ اور جس طلاق (یعنی وہ طلاق جو عدت کے اندر اندر واپس لے کر گھر آباد رکھنے کی شرعاً اجازت ہوتی ہے) میں بالاتفاق عدت کے اندر رجوع کر لینا شرعاً جائز ہے کہ عدت پوری ہونے تک نکاح بحال رہتا ہے۔ اور اگر عدت گزر جائے تو بلا حلالہ کے نکاح جدید کی شرعاً اجازت ہے، قرآن مجید میں ہے۔

﴿ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ﴾ (البقرة: ۲۲۹)

کہ رجعی طلاق دو مرتبہ ہے پھر یا تو اچھے طریقہ کے ساتھ بیوی کو آباد رکھنا ہے یا پھر بھلے طریقے کے ساتھ اس کو چھوڑ دینا ہے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے امام ابن کثیر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں

﴿فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ﴾ اَىْ اِذَا طَلَّقْتَهَا وَاحِدَةً اَوِ اثْنَتَيْنِ فَاَنْتَ مُخَيَّرٌ فِيْهَا مَادَامَتْ عِدَّتُهَا بَاقِيَةً بَيْنَ اَنْ تَرُدَّهَا اِلَيْكَ نَاوِيًا الْاِصْلَاحَ بِهَا وَالْاِحْسَانَ اِلَيْهَا وَ بَيْنَ اَنْ تَتْرُكَهَا حَتّٰى تَنْقَضِىَ عِدَّتُهَا فَتَبِيْنُ مِنْكَ ۔ [1]

یعنی جب تو اپنی منکوحہ بیوی ایک یا دو طلاقیں دے ڈالے تو پھر تجھے عدت کے اندر اندر یہ اختیار حاصل ہے کہ اصلاح اور نیک سلوک کرنے کی نیت سے طلاق واپس لے کر اپنی اس بیوی کو اپنے گھر آباد کر لے یا اس کو چھوڑ دے تاکہ اس کی عدت پوری ہو جائے اور وہ تیرے نکاح سے نکل جائے اور اپنے مستقبل کا کوئی فیصلہ کر سکے۔

اس آیت کریمہ اور اس کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ رجعی طلاق کی عدت (تین حیض یا تین ماہ) پوری ہونے تک نکاح قائم اور بحال رہتا ہے اور رجوع جائز ہوتا ہے۔ مگر چونکہ سوال نامہ کی خط کشیدہ تصریح کے مطابق یہ طلاق مورخہ ۱۰/۳/۴۷ء ۱۹ کو دی گئی تھی۔ اور آج ۱۳/۶/۱۹۹۷ یعنی آج ۲۳ برس اور تین ماہ گزر چکے ہیں۔ لہٰذا نکاح کب کا ٹوٹ چکا ہے اور بیوی حبالہ عقد سے آباد ہو چکی ہے، الہٰذا اب رجوع کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں، ہاں اب نکاح ثانی شرعاً جائز ہے قرآن مجید میں ہے:

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (البقرہ: ۲۳۲)

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۹۲۔

''کہ جب تم اپنی بیوی کو طلاق دے بیٹھو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو ان کو اپنے طلاق دہندہ شوہروں کے ساتھ دوبارہ نکاح کر لینے سے مت روکو جب وہ آپس میں شریعت کے مطابق راضی ہو جائیں۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اپنی مطلقہ ہمشیرہ کو اپنے خاوند کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے سے روک دیا۔

خلاصہ: بحث یہ کہ بشرط صحت سوال صورت مسئولہ میں ایک رجعی طلاق شرعاً واقعہ ہوئی ہے اور چونکہ نکاح ٹوٹ چکا ہے کہ عدت کب کی پوری ہو چکی، لہٰذا اب طلاق دہندہ اپنی اس مطلقہ رجعی سے دوبارہ نکاح کر کے اپنا گھر آباد کر سکتا ہے۔ حلالہ کی قطعاً ضرورت نہیں مفتی کسی قانونی سقم کا ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ هذا ما عندي و الله اعلم بالصواب.



❶ صحیح بخاری کتاب التفسیر و کتاب النکاح.

لباس اور زینت کا بیان

﴿سوال﴾ : داڑھی کی شرعی پوزیشن کیا ہے؟

﴿جواب﴾ : واضح ہو کہ داڑھی انبیاء علیہم السلام کی سنت متوارثہ ہے، جیسا کہ قرآن وحدیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے حضرت ہارون علیہ وعلی نبینا السلام نے داڑھی بارے میں حضرت موسیٰ کو کہا تھا:

﴿ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي ﴾ (طه: ٩٤)

''میرے ماں جائے بھائی نہ پکڑ تو میری داڑھی کو اور نہ میرے سر کے بالوں کو۔''

عَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُوْلِ ﷺ قَالَ عَشَرَةٌ مِنَ الْفِطرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَقَصُّ الْاَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَالسِّوَاكُ وَنَتْفُ الْإِبْطِ والبراجم وَحَلْقُ الْعَانَةِ وانتشاق الْمَاءِ قَالَ مصعب بْنُ شَيْبَةَ وَ نَسِيْتُ الْعَاشِرَةَ الَا اَنْ تَكُوْنَ الْمَضْمَضَةُ۔ ❶

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دس چیزیں سنن انبیاء علیہم السلام سے ہیں۔

ا۔ مونچھیں کاٹنا' ۲۔ ناخن اتارنا۔ ۳۔ انگلیوں کی گرہوں کو دھونا۔ ۴۔ داڑھی کو بڑھانا۔ ۵۔ مسواک کرنا۔ ۶۔ بغلوں کے بال اکھاڑنا۔ ۷۔ موئے زہار کا مونڈنا۔ ۸۔ ناک میں پانی چڑھانا۔ ۹۔ استنجاء کرنا اور منہ کی کلی کرنا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ داڑھی فطرت، یعنی سنت قدیمہ میں شامل ہے۔ بلکہ داڑھی بڑھانے کا حکم ہے' چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللُّحٰى . ❷

کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مونچھوں کو صاف کرو اور داڑھی کو معاف کرو یعنی پوری طرح بڑھنے دو اور صحیح مسلم کی ایک روایت اَوْفُوا اللُّحٰى ۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

وَاِنَّهٗ وَقَعَ عِنْدَ ابْنِ مَاهَانَ اَرْجُوا وجَاءَ فِيْ رِوَايَةِ الْبُخَارِيِّ وَفِّرُوا اللُّحٰى فَحَصَلَ خَمْسُ رِوَايَاتٍ' اعْفُوا وَاَوْفُوْا وَاَرْخُوْا وَاَرْجُوْا وَفِرُوْا وَمَعْنَاهَا كُلِّهَا تَرْكُهَا عَلٰى حَالِهَا هٰذَا هُوَالظَّاهِرُ مِنَ الْحَدِيْثِ الَّذِىْ يَقْتَضِيْهِ اَلْفَاظُهٗ . ❸

---

❶ نسائی مع تعلیقات السلفية: ج ٢٦٩ ج ٢۔ ❷ ص ٨٧٥ ج ٢ صحيح مسلم ص ١٢٩ ج ١۔ ❸ نووى ص ١٢٩ ج ١۔

کہ داڑھی بڑھانے کے متعلق احادیث صحیحہ میں اعفوا' اوفوا' ارخوا' ارجوا اور وفروا پانچ الفاظ آئے ہیں اور ان سب کا معنی ہے کہ داڑھی کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ حدیث کے الفاظ کا بظاہر یہی تقاضا ہے۔

ان صحیح احادیث سے معلوم ہوا کہ داڑھی کو مونڈانا اور کترانا جائز نہیں بلکہ داڑھی کو مونڈانا مجوسیوں کا فعل ہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں خَالِفُوا الْمَجُوْسَ کا حکم ہے اور کسی صحیح حدیث میں داڑھی کو کترانے کی اجازت نہیں آئی۔ البتہ ترمذی میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے ایک روایت ہے:

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَاْخُذُ مِنْ لِحْیَتِهٖ مِنْ عَرْضِهَا وَطُوْلِهَا. ❶

کہ رسول اللہ ﷺ اپنی داڑھی کو طول وعرض سے کاٹ لیتے تھے مگر یہ حدیث صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہے۔ جیسا کہ خود امام ترمذی نے عمر بن ہارون راوی پر امام بخاری کی جرح نقل کر دی ہے:

هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمٰعِیْلَ یَقُوْلُ عُمَرُ بْنُ هَارُوْنَ مُقَارِبُ الْحَدِیْثِ لَا اَعْرِفُ لَهٗ حَدِیْثٌ لَیْسَ لَهٗ اَصْلٌ اَوْ قَالَ یَتَفَرَّدُ بِهٖ اِلاَّ هٰذَا الْحَدِیْثِ. ❷

امام عبدالرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں کہ عمر بن ہارون متروک راوی ہے، بہرحال یہ حدیث ضعیف ہے اور قابل استدلال ہرگز نہیں۔

ہاں صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر کے متعلق لکھا ہے کہ وہ مٹھی سے زائد بال کٹوا دیتے تھے' اسی طرح حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مٹھی بھر سے زائد ایک آدمی کی داڑھی کاٹ دی تھی اور اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی مٹھی سے زائد داڑھی کاٹ دیتے تھے، تاہم علماء نے لکھا ہے کہ کم از کم مٹھی بھر داڑھی رکھنی واجب ہے اور مٹھی سے زائد کٹوانے والے کو برا بھلا نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم داڑھی نہ کٹوانا افضل ہے اور یہی اسلم ہے۔

داڑھی کی مقدار طول کیا ہے

سوال: داڑھی کی مقدار طول کیا ہے؟

جواب: سوال نمبر ا کے جواب میں آ گیا ہے کہ کم از کم ایک مٹھی داڑھی رکھنا واجب ہے۔ اس سے کم داڑھی رکھنا مونڈوانے کے مترادف ہے۔ واللہ اعلم

کیا داڑھی جز ایمان ہے

سوال: کیا داڑھی جز ایمان ہے؟

جواب: جب داڑھی انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور پھر جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف داڑھی بڑھانے کا حکم دیا ہے

❶ ترمذی مع تحفة الاحوذی: ص ۱۱ ج ٤۔ ❷ ترمذی مع تحفہ ص ۱۱ ج ٤۔

بلکہ داڑھی بڑھانے کو مجوسیوں کی مخالفت قرار دیا ہے اور مجوسیوں کی مخالفت جز ایمان ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ داڑھی بھی ان مطلوبہ افعال واعمال میں شامل ہے جن سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اگر پیش امام کے لیے داڑھی ضروری ہے اگر ہے تو اس کی حد......

سوال: کیا داڑھی جز امامت نماز ہے؟ اگر ہے تو اس کی حد کے متعلق مدلل اور مسکت جواب دیں؟ (حکیم محمد ظفر چغتائی کوئٹہ روڈ ڈیرہ غازی خان)

جواب: داڑھی منڈوانا اور مٹھی سے کم داڑھی کو کترانا فسق ہے اور داڑھی منڈوانے والا فاسق ہے اور فاسق کو امام بنانا ہر گز جائز نہیں چنانچہ حدیث میں ہے:

اِجْعَلُوْا اَئِمَّتَکُمْ خِیَارَکُمْ . ❶

''نیک اور متقین لوگوں کو امام بنایا کرو۔''

ہاں اگر داڑھی کترانے والا نماز پڑھا رہا ہو تو اس کے پیچھے اتفاقاً نماز جائز ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

کیا داڑھی کو سیاہ وسرخ مہندی ملا کر لگا سکتے ہیں

سوال: کیا داڑھی کو کالی وسرخ مہندی ملا کر لگانے کی اجازت ہے؟

(سائل قاری محمد رمضان، جامع مسجد اہلحدیث عثمان بن عفان اہلحدیث ڈیرہ غازی خاں)

جواب: الجواب بعون الوھاب: اگر سیاہ خضاب یا سیاہ مہندی پر سرخ مہندی کا رنگ غالب ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضرت ابو قحافہؓ (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد بزرگوار) کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں پیش کیا گیا جب کہ ان کا سر اور داڑھی سفید پھولدار بوٹی کی طرح سفید تھی آپ ﷺ نے فرمایا:

((غَیِّرُوْا ھٰذَا بِشَیْءٍ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ)) ❷

''اس سفیدی کو کسی دوسرے رنگ میں بدل دو اور سیاہ خضاب سے اجتناب کرو۔ رہا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا عمل تو وہ کوئی شرعی دلیل نہیں وہ ان کا ذاتی عمل ہے جیسا کہ ائمہ نے تصریح فرمائی ہے۔

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا:

لَا حُجَّةَ فِیْ قَوْلِ اَحَدٍ دُوْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاِنْ کَثُرُوْا وَلَا فِیْ قِیَاسٍ وَّلَا فِیْ شَیْءٍ وَّمَا ثَمَّ اِلَّا طَاعَةُ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ بِالتَّسْلِیْمِ . ❸

❶ نیل الاوطار ج ۳ ص ۱۶۲۔ ❷ سنن ابی داؤد باب فی الخضاب : ج ۲ ص ۲۲۶۔

❸ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۵۷۔

کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے سامنے کسی کا قول وعمل شرعاً حجت نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ کتنے ہی کیوں نہ ہو نہ قیاس میں نہ کسی اور باب دین میں اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول ﷺ کی اطاعت کوتسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔
ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

مصافحہ ایک ہاتھ سے کرنا کون سی حدیث سے ثابت ہے

سوال: مصافحہ ایک ہاتھ سے کرنا کسی حدیث سے ثابت ہے۔ جواب دے کرعنداللہ ماجور ہوں؟
(سائل: حافظ محمد منیر بنگلہ کمبواں (عمرآباد) قصور)

جواب: ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا حدیث سے ثابت ہے حدیث ملاحظہ فرمائیں:
حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَارِثِ بْنُ سُفْيَانَ قَالَ حَدَّثَنَا قَاسِمُ بْنُ اَصْبَغ حَدَّثَنَا وَضَّاحٌ ثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ كَاسِبٍ ثَنَا مُبَشِّرُ بْنُ اِسْمَاعِيلَ عَنْ حَسَّانِ بْنِ نُوحٍ عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بنُ بُسْرٍ قَالَ تَرَوْنَ يَدِي هٰذِهِ صَافَحْتُ بِهَا رَسُولَ اللّٰهِ . ●
''عبیداللہ بن بسر فرماتے ہیں دیکھتے ہو تم یہ ہاتھ اس کے ساتھ میں مصافحہ کرتا تھا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مصافحہ ایک ہاتھ سے کرنا چاہیے۔ ہاں اگر کوئی دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرے تو یہ بھی جائز ہے امام بخاری نے کتاب الاستیذان باب الاخذ بالیدین ج ۲ ص ۹۲۶ میں عبداللہ بن مسعود کی حدیث سے جواز ثابت کیا ہے۔'' ھذا ما عندی و اعلم بالصواب .



● اخرجه ابن عبدالبر فی التمهید عون المعبود ص ۵۲۱ ج ۴.

تصویر کا بیان اور حکم

جسم کے بعض اعضاء کی فوٹو بنوانا کیسا ہے

سوال: جسم کے بعض اجزء مثلاً: ہاتھ پاؤں کا فوٹو بنانا اور بنوانا جائز ہے یا ناجائز، اگر جائز ہے تو چہرے کے فوٹو میں (جو کہ پورے جسم میں سے ایک جز ہے) کیا حرج ہے؟

جواب: واضح ہو کہ پورے جسم کا یا جسم کے کسی عضو کا فوٹو بنانا یا بنوانا جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں صحیح نہیں ہے، البتہ اکثر علماء کسی ایک عضو کے (سوائے چہرے کے) جواز کے قائل ہیں۔ بہرحال فوٹو گرافروں کو سخت عذاب کی وعید سنائی گئی۔ اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے کلیتاً اجتناب ہی کیا جائے۔ ہاں، اگر شرعی مجبوری ہو، مثلاً: حج وغیرہ کے لئے پاسپورٹ بنوانا ہو تو یہ الگ بات ہے۔ واللہ اعلم

ٹی وی دیکھنا جائز نہیں

سوال: ٹی وی دیکھنا گناہ ہے یا جائز ہے۔ مجھے ٹی وی دیکھنے کا بڑا شوق ہے اور اللہ سے بھی ڈرتی ہوں اور کوئی ڈرامہ دیکھے بغیر میں رہ نہیں سکتی۔ ٹی وی تو شاید آپ کے گھر میں بھی ہو۔ (سائلہ)

جواب: ٹی وی دیکھنا بہرحال گناہ اور حرام ہے۔ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ﴾ الآیۃ کے حکم میں داخل ہے۔ آپ عجیب متقیہ ہیں کہ اللہ سے بھی خوب ڈرتی ہو اور کوئی ڈرامہ خواہ کیسا ہو جنسی اناڑکی والا ہو یا فرضی کہانی جو سراسر جھوٹ پرمبنی ہوتا ہے، اس سے لطف اندوز بھی ہوتی ہو۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی عورت کہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے بہت ڈرتی ہوں مگر زنا بھی نہیں چھوڑ سکتی۔ ایسے تقویٰ اور خوف الٰہی کا ادعا کیسا؟ درحقیقت معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے ہی نہیں۔ گویا۔

حج کعبہ بھی کیا گنگا کیا اشنان بھی
راضی رہے رحمان بھی خوش رہے شیطان بھی

رہی یہ بات کہ ٹی وی تو شاید آپ کے گھر میں بھی ہو تو بی بی صاحبہ آپ کی یہ بدگمانی حقیقت کے خلاف ہے۔ سب کو ایک جیسا مت سمجھیں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے گھر میں تو ٹیپ ریکارڈ بھی نہیں۔ لہٰذا اپنا ریکارڈ درست کرلیں۔

هٰذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب.

حلال و حرام

بولی والی کمیٹی کی آمدنی حرام ہے

سوال: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کوئی ایک شخص خطبہ وامامت کے فرائض سرانجام دیتا ہے اورتجارت بھی کرتا ہے۔اس بازار میں دوکانداروں نے کمیٹی ڈالی ہے۔جس کو بولی والی کمیٹی کہتے ہیں ۔یعنی ہرمہینہ اس کمیٹی کی رقم کی بولی ہوتی ہے۔اوراس منافع کوممبران کمیٹی پرتقسیم کردیا جاتا ہے۔اس خزانچی کے پاس امام صاحب مذکوربھی کمیٹی جمع کرواتے ہیں،لیکن وہ اس منافع کوغلط اور ناجائز سمجھتے ہیں اور منافع نہیں لیتے۔جتنی رقم جمع کرواتے ہیں پوری پوری رقم خزانچی سے وصول کرتے ہیں۔اس شکل میں اس امام کے پیچھے جمعہ نماز پڑھنا جائز ہے یانہیں۔بینوا توجروا

(سائل: رانا مشتاق احمد چھانگا مانگا ضلع قصور)

جواب: الجواب بعون الوهاب: بشرط صحت سوال وبشرط صحت واقعہ بولی والی کمیٹی کی مذکورہ صورت تو واضح طور پر سود کے حکم میں ہے جوکہ سراسر حرام اور ناجائز اور اکل بالباطل کی ایک صورت ہے۔جس سے اجتناب اور گریز لازم ہے۔البتہ دوسری صورت یعنی جب کہ اس خزانچی کے پاس اپنی رقم بطور امانت برائے بچت جمع کروائی جائے اور بولی کی صورت میں حاصل ہونے والی رقم سے حصہ نہ وصول کیا جائے۔ بلکہ اس کو حرام سمجھا جائے اور صرف اپنی باری آنے پر اپنی ہی جمع شدہ رقم وصول کی جائے تو یہ صورت جائز ہے۔جیسا کہ سراسر سودی بینک کے کرنٹ کھاتہ میں حفاظت کی نیت سے پیسہ جمع کرانا جائز ہے تو ایسے یہ دوسری صورت بھی جائز معلوم ہوتی ہے،اور ایسے امام کی اقتدا میں جمعہ،نماز پڑھنا بلاشبہ جائز اور درست ہے کیونکہ اس نے تو اپنی جائز بچت کی غرض سے اس کمیٹی میں شرکت کی ہے۔ نیز بولی کی صورت میں حاصل ہونے والی رقم کو منافع کہنا بھی صحیح نہیں بلکہ وہ سراسر سود کی صورت ہے۔هذا ما عندي والله تعالىٰ اعلم بالصواب۔

بولی والی کمیٹی کے متعلق شرعی حکم

سوال: بولی کی کمیٹی کے متعلق شریعت کیا کہتی ہے۔ایک آدمی ستر ہزار کی پچیس ہزار میں بولی لگا کر اٹھا لیتا ہے۔کیا ایسا طریقہ سود کے زمرے میں تو نہیں آتا؟

جواب: مذکورہ صورت واضح سود اور قمار کی شکل ہے۔اس سے بچاؤ ہرصورت ضروری ہے۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ نوٹ سونے کا بدل ہے۔اس لئے اس کی بیع نقد کمی وبیشی کے ساتھ اور ادھار ہرصورت منع ہے۔ چاہے برابر برابر ہو یا کمی بیشی کے

ساتھ لہٰذا بولی کی کمیٹی ناجائز۔

بنک کی نوکری حرام ہے

سوال: بنک کی نوکری کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ (ع،م جامعہ عائشہ للبنات غازی آباد لاہور)

جواب: بنک کی ملازمت قطعاً جائز نہیں۔ احادیث کی کتابوں میں صاف طور پر بنک کی ملازمت حرام اور ناجائز قرار دی گئی ہے، جامع ترمذی میں کتاب البیوع باب الربا میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ اٰكِلَ الرِّبَاوَ مُوْكِلَهٗ وَ شَاهِدَيْهِ وَ كَاتِبَيْهِ . ●

کہ اللہ تعالیٰ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، سود کے معاملہ میں گواہ بننے والے اور سود کا معاملہ لکھنے والے، یعنی کلرک، منیجر، خازن وغیرہ سب پر لعنت کی ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر قسم کے موجودہ بنکوں میں ہر طرح کی نوکری کرنا حرام، سخت گناہ اور لعنتی عمل ہے۔ هذا ما عندي والله اعلم بالصواب۔

موجودہ دور کے یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ حلال ہے یا نہیں

سوال: موجودہ دور کے یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ حلال ہے یا نہیں، کیا ہم مسلمان کھا سکتے ہیں؟

جواب: الجواب بعون الوهاب: واضح ہو کہ احکام کے لحاظ سے اسلام نے غیر مسلم گروہوں کو دو فرقوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک اہل کتاب دوسرے عام غیر مسلم۔ اہل کتاب سے مراد وہ لوگ ہیں جو کے وجود رسالت اور وحی و الہام کے قائل ہیں اور کسی ایسے نبی اور اس کی کتاب پر ایمان رکھتے ہوں جن کی نبوت کی خود اسلام نے توثیق کی ہو۔ ایسی قومیں دنیا میں دو ہی ہیں۔ یہودی اور عیسائی۔ یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں اور تورات کو کتاب اللہ مانتے ہیں۔ عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کی رسالت کے قائل ہیں اور انجیل کو الہامی کتاب تسلیم کرتے ہیں۔ پھر یہ دونوں وہ شخصیتیں ہیں جن کے نبی ہونے کی خود قرآن شہادت دیتا ہے۔ اس لئے ان دونوں کو ماننے والے اہل کتاب قرار پائے۔ چاہے یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ ہی کیوں نہ ٹھہراتے ہوں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق جو نرمی برتی ہے وہ جانتے اور بوجھتے ہوئے کہ ان کے عقائد و افکار حضرت مسیح کے بارے میں مبالغہ آمیز ہیں، لہٰذا اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ﴾ (المائدة:٥)

”آج کے دن حلال کردی گئی ہیں تمہارے لئے پاک چیزیں اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے اور یہاں طعام سے مراد بالاجماع ذبیحہ ہے۔“

● تحفة الاحوذی شرح ترمذی ج۲ ص۲۲۶۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ' ابوامامہ' مجاہد' سعید بن جبیر' عکرمہ عطاء' حسن بصری' مکحول' ابراہیم نخعی وغیرہ تابعین' سدی' مقاتل بن حیان جیسے اہل علم نے طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُو الْکِتَابَ سے ذبیحہ ہی بیان فرمایا ہے۔ اسی پر اہل علم کا اجماع ہو چکا ہے کہ اہل کتاب (یہود وعیسائی) کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے حلال ہے۔ کیونکہ ان کے اعتقاد میں غیر اللہ کا ذبیحہ حرام ہے؟ اور ذبیحہ پر اللہ کا ہی نام لیتے ہیں، اگر چہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسے عقائد رکھتے ہیں جس سے منزہ اور پاک ہے۔ جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں امام ابن کثیر ارقام فرماتے ہیں:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّ اَبُوْ اُمَامَةَ وَ مُجَاهِدٌ وَّسَعِیْدُ بْنُ جُبَیْرٍ وَّ عِكْرِمَةُ وَ عَطَاءٌ وَالْحَسَنُ وَ مَكْحُوْلٌ وَ اِبْرٰهِیْمُ النَّخْعِیُّ وَالسُّدِیُّ وَ مُقَاتِلُ بْنُ حَیَّانَ یَعْنِیْ ذَبَآئِحَهُمْ وَهٰذَا اَمْرٌ مُّجْمَعٌ عَلَیْهِ بَیْنَ الْعُلَمَاءِ ' اِنَّ ذَبَآئِحَهُمْ حَلاَلٌ لِّلْمُسْلِمِیْنَ لِاَنَّهُمْ یَعْتَقِدُوْنَ تَحْرِیْمَ الذَّبْحِ لِغَیْرِ اللّٰهِ وَلاَ یَذْكُرُوْنَ عَلٰی ذَبَآئِحِهِمْ اِلاَّ اسْمَ اللّٰهِ وَاِنِ اعْتَقَدُوْا فِیْهِ تَعَالٰی مَاهُوَ مُنَزَّهٌ عَنْهُ تَقَدَّسَ وَ تَعَالٰی . ❶

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ اہل کتاب سے مراد وہ یہود ونصاریٰ ہیں جن کے آباؤ اجداد رسول اللہ ﷺ کے عہد میں موجود تھے، وہ چوہڑے جو تشکیل پاکستان کے موقع پر مسیحی بنے ہیں، وہ اہل کتاب ہرگز نہیں، اسی طرح جو مسلمان عیسائی بنتا ہے وہ عیسائی ہرگز نہیں، وہ مرتد اور واجب القتل ہے، لہٰذا نسل در نسل آنے والے یہود ونصاریٰ کا ذبیحہ حلال ہے۔ تاہم ان کے ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے تین شرطوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

اول یہ کہ ذبح کے لئے وہی طریقہ اختیار کیا گیا ہو جو اسلام نے بیان کیا ہے۔

دوسرے اس پر واقعی اللہ کا نام لیا جائے۔ اگر اللہ کا نام نہ لیا جائے اور کسی اور کا یا حضرت مسیح کا نام لیا جائے تو اب اس کا کھانا حلال نہ ہوگا۔ ❷

تیسرے وہ واقعی اہل کتاب ہوں، یعنی حقیقی معنوں میں رسالت اور الہام ووحی وغیرہ کے قائل ہوں۔ مگر وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی ہستی' رسالت اور مذہب کے منکر ہوں تو چاہیے وہ رسماً یہودی وعیسائی ہی کیوں نہ کہلائیں۔ حقیقت میں وہ اہل کتاب نہ ہوں گے اور نہ ان کے ذبیحے مسلمانوں کے لئے حلال ہوں گے۔

ان تفصیلات پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یورپ میں جو لوگ اہل کتاب کہلاتے ہیں عموماً ان کے ذبیحے حلال نہیں ہوتے۔ اول تو ان کی اکثریت الحاد اور دہریت کی قائل ہے اور مذہب الہام ووحی وغیرہ کی سخت منکر ہے۔ وہ تو ان عقائد کا مذاق اڑاتی ہے اور مذہبی دنیا کو اپنے خیال میں توہماتی عقیدوں سے آزاد ہو جانے کی تلقین کرتی پھرتی ہے۔

مزید برآں یہ کہ مذہب سے دوری کی وجہ سے ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا بھی ان کے ہاں متروک ہے۔

پس اہل کتاب (یہود وعیسائی) کا وہ ذبیحہ حلال ہے جو اسلام کے مطابق ذبح کیا گیا ہو اور واقعی اللہ کا نام لے کر ذبح کیا

❶ تفسیر ابن کثیر: ج ۲ ص ۲۲. ❷ الفقه علی المذاهب الاربعة ج ۱ ص ۷۲۶.

گیا ہو۔ یعنی کوئی یہودی یا عیسائی خود یہ وضاحت کرے کہ ہم نے اس کو اللہ کا نام لے کر شرعی طریقہ پر ذبح کیا ہے یا کوئی دوسرا غیر مسلم اس طرح کی خبر دے اور اس کو جھٹلانے کے لئے کوئی واضح وجہ نہ ہو تو اہل کتاب کا ایسا ذبیحہ بلاشبہ مسلمانوں کے لئے حلال ہے، ورنہ اجتناب کرنا چاہیے۔

کیا طوطی حلال ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ طوطی حلال پرندہ ہے یا حرام؟ بینوا توجروا۔ (سائل الحافظ محمد خاں مکان نمبر ۲۶، گلی نمبر ۲ عبداللہ کالونی سرگودھا شہر)

جواب: الجواب ومنه الصدق والصواب: طوطی یا دوسرے پرندوں کے حلال وحرام ہونے کے بارے میں یہ ضابطہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وہی پرندہ حرام ہوگا جس کے بارے میں کتاب وسنت میں نص موجود ہو، یعنی اس کا نام لے کر اسے حرام کہا گیا ہو، مثلاً: کوا، گدھ وغیرہ یا وہ پرندہ جو كُلُّ ذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ کے عام ضابطے میں آتا ہو۔ یعنی ہر وہ پرندہ حرام ہوگا جو پنجے کے ساتھ شکار کرتا ہو یا پھر وہ پرندہ حرام ہوگا جس کو شرعاً مار دینے کا حکم موجود ہے۔ اس ضابطہ کو ذہن میں رکھنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ طوطی کے بارے میں شریعت میں ایسا حکم موجود نہیں جس میں اس کے نصاً حرام یا اس کے مار دینے کا ذکر موجود ہو، اور یہ بات تحقق اور طے شدہ ہے کہ طوطی ذی مخلب بھی نہیں، یعنی پنجے سے شکار نہیں کرتا۔ ہاں پنجے میں دبا کر کھاتا ضرور ہے۔ بہرحال حیواۃ الحیوان للعلامہ الدمیری۔ میں طوطی کے بارے میں اختلاف مذکور ہے۔ بعض کے نزدیک حلال ہے اور بعض کے نزدیک حرام۔ مگر حرام والا قول چنداں قوی نہیں۔ حلال والا قول قوی اور صحیح ہے۔ مزید تفصیل ابن قدامہ کی المغنی اور دوسری کتب متعلقہ میں ملاحظہ فرمائیں، احقر کے نزدیک طوطی حرام نہیں۔ والعلم عند وهو اعلم بالصواب.



حظر واباحت

ذمی رعیت نیا عبادت خانہ تعمیر نہیں کر سکتی

۱۔ قاضی ابو یوسف تصریح فرماتے ہیں:

وَيُمْنَعُوا مِنْ اَنْ يُحْدِثُوا بِنَاءَ بِيعَةٍ اَوْ كَنِيسَةٍ فِي الْمَدِينَةِ اِلَّا مَا كَانُوا صُولِحُوا عَلَيْهِ وَصَارُوا ذِمَّةً وَهِيَ بِيعَةٌ لَهُمْ اَوْ كَنِيسَةٌ فَمَا كَانَ كَذَالِكَ تُرِكَتْ لَهُمْ وَلَمْ تُهْدَمْ. ❶

کہ عیسائیوں کو نیا صومعہ اور گرجا تعمیر کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ البتہ جو معاہدہ کے وقت گرجا موجود ہوگا اس کو گرایا نہ جائے گا۔

وَمَا اُحْدِثَ مِنْ بِنَاءِ بِيعَةٍ اَوْ كَنِيسَةٍ فَاِنَّ ذَالِكَ يُهْدَمُ. ❷

نیا بیعہ اور کنیسہ گرا دیا جائے گا۔

۲۔ امام ابو الحسن علی بن محمد الماوردی المتوفی ۴۵۰ء رقم فرماتے ہیں:

وَلَا يَجُوزُ اَنْ يُحْدِثُوا فِي دَارِ الْاِسْلَامِ بِيعَةً وَلَا كَنِيسَةً فَاِنْ اَحْدَثُوهَا هُدِمَتْ عَلَيْهِمْ. ❸

کہ اہل ذمہ کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ دارالاسلام میں نیا بیعہ یا کنیسہ تعمیر کریں اگر تعمیر کریں گے تو اس کو گرادیا جائے گا۔

۳۔ امام ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف النووی شافعی المتوفی ۶۷۶ھ تصریح فرماتے ہیں:

وَيُمْنَعُونَ مِنْ اِحْدَاثِ الْكَنَائِسِ وَالْبِيَعِ وَالصَّوَامِعِ فِي بِلَادِ الْمُسْلِمِينَ لِمَا رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ قَالَ: اَيُّمَا مِصْرٍ مَصَّرَتْهُ الْعَرَبُ فَلَيْسَ لِلْعَجَمِ اَنْ يَبْنُوا فِيهِ كَنِيسَةً. ❹

مسلمانوں کے شہروں میں ذمیوں کو کنائس، بیع اور صومعے بنانے کی اجازت نہیں کیونکہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس شہر کو مسلمان نئے سرے سے آباد کریں، اس میں غیر مسلم اقلیتوں کو گرجا وغیرہ بنانے کا حق نہیں۔

۴۔ قاضی ابو یعلیٰ حنبلی المتوفی ۴۵۸ھ رقم فرماتے ہیں:

---

❶ کتاب الخراج لابی یوسف: ص ۱۲۷۔

❷ کتاب الخراج لابی یوسف۔ص ۱۵۹۔

❸ الاحکام السلطانیة: ۱۴۶۔

❹ شرح المهذب ج: ۱۹ ص: ۴۱۲ طبع دار الفکر۔

وَلاَ یَجُوْزُ اَنْ یُّحْدِثُوْا فِیْ دَارِالسَّلاَمِ بِیْعَةً وَّ کَنِیْسَةً فَاِنْ اَحْدَثُوْھَا ھُدِمَتْ عَلَیْھِمْ. ●

اس کا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے۔

۵۔ امام محمد بن قدامہ رحمہ اللہ حنبلی اور امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

لاَ نُحْدِثُ فِیْ مَدِیْنَتِنَا کَنِیْسَةً وَّلاَ فِیْمَا حَوْلَھَا دِیْراً وَّلاَ قِلاَیَةً وَّلاَ صَوْمَعَةَ رَاھِبٍ وَّلاَ نُجَدِّدُ مَا خَرِبَ مِنْ کَنَائِسِنَا وَلاَ مَاکَانَ مِنْھَا فِیْ خِطَطِ الْمُسْلِمِیْنَ وَلاَ نَمْنَعُ کَنَائِسَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَنْ یَّنْزِلُوْھَا فِی اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَاَنْ نُّوْسِعَ اَبْوَابَھَا لِلْمَارَّةِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَلاَ نُؤْوِیَ فِیْھَا وَلاَ فِیْ مَنَازِلِنَا جَاسُوْساً. ●

جزیرہ کے ذمیوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ سے جو معاہدہ کیا تھا، اس میں یہ شرط بھی تھی کہ آج کے بعد ہم اپنے شہر اور اس کے گرد دیر اور قلایہ تعمیر نہیں کریں گے اور نہ کسی راہب کے لئے نیا صومعہ بنائیں گے۔ اور ان میں سے جو گر جائے گا۔ اس کو دوبارہ تعمیر نہیں کریں گے اور اس طرح جو گرجا گھر وغیرہ مسلم آبادی میں ہوگا اس کو بھی دوبارہ نہیں بنائیں گے ہم اپنے گرجا گھروں کو مسلمانوں کے لئے رات دن کھلا رکھیں گے اور اسی طرح گزرنے والوں اور مسافروں کے لئے ان کے دروازے وسیع رکھیں گے تاکہ ان میں آرام کر سکیں۔ نہ ہم ان گرجا گھروں اور اپنے گھروں میں کسی جاسوس کو ٹھہرائیں گے۔

۶۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عامل حضرت عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ سے جزیرہ کے عیسائیوں نے ازخود جو معاہدہ کیا تھا اس میں یہ بھی تھا۔

اِنَّ شَرَطْنَا لَکَ عَلٰی اَنْفُسِنَا اَنْ لاَ نُحْدِثَ فِیْ مَدِیْنَتِنَا کَنِیْسَةً وَّلاَ فِیْمَا حَوْلَھَا دِیْراً وَّلاَ قِلاَیَةً وَّلاَ صَوْمَعَةَ رَاھِبٍ وَّلاَ نُجَدِّدُ مَا خَرِبَ مِنْ کَنَائِسِنَا. ●

ترجمہ اس کا اوپر ابن قدامہ کی عبارت میں آ چکا ہے۔

ان ائمہ کرام اور ماہرین قوانین اسلام کی ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ عیسائیوں اور یہودیوں کو جب کہ وہ اہل کتاب بھی ہیں۔ مسلم ممالک میں نئے گرجے اور عبادت خانے تعمیر کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ اور جو گر جائے اس کی تجدید بھی جائز نہیں، جیسا کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

لِمَا رَوٰی کَثِیْرُ بْنُ مُرَّةَ قَالَ سَمِعْتُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لاَ تُبْنَی الْکَنِیْسَةُ فِیْ دَارِالسَّلاَمِ وَلاَ یُجَدَّدُ مَا خَرِبَ مِنْھَا۔ ●

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دارالسلام میں گرجا وغیرہ گر جائے تو اس کی تجدید بھی جائز نہیں۔ جب اہل کتاب عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دارالسلام میں گرجے اور صومعے تعمیر کرنے کی اجازت نہیں دی، حالانکہ وہ

● الاحکام السلطانیة: ص ١٤٢۔ ● المغنی لابن قدامة: ج ٩ ص ٢٨٢۔

● حقوق اهل الذمة: ج ٢ ص ٦٥٩ ـ ٦٦٠ ـ تحقیق الدکتور صبحی صالح ـ طبع دمشق۔ ● شرح المهذب: ج ١٩ ص ٤١٣۔

اہل کتاب ہیں تو پھر قادیانی مرتدوں اور کافروں کو دارالسلام اور مسلمان ملک میں مسجد کے نام سے عبادت خانہ بنانے کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے، اور وہ اپنے مذہبی مرکز کو مسجد کے نام سے کیسے پکار سکتے ہیں۔

کسی کی لڑائی دیکھنا

سوال: کسی کی لڑائی دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ (سائل: مولانا محمد یحییٰ مذکور)

جواب: کسی کی لڑائی کو بطور تماشہ اور ذہنی عیاشی کے دیکھنا قطعاً جائز نہیں۔ بلکہ حکم یہ ہے کہ مظلوم اور ظالم دونوں کی مدد کی جائے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِماً اَوْ مَظْلُوماً۔ ●

صحابہ نے عرض کیا کہ مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے، مگر ظالم کی مدد کا مفہوم و مطلب سمجھ میں نہیں آ رہا تو آپؐ نے فرمایا کہ ظالم کا ہاتھ پکڑ لیا جائے تا کہ وہ مزید ظلم نہ کر سکے۔ قَالَ تَاخُذُ فَوقَ يَدَيْهِ. اسی طرح اسی باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لاَ يَظْلِمُهُ وَلاَ يُسْلِمُهُ۔ ●

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ خود اس پر ظلم ڈھاتا ہے اور نہ اسے ظالم کے رحم و کرم پر چھوڑتا ہے۔''

پس کسی کی لڑائی دیکھنا جائز نہیں بلکہ لڑائی بند کرانے کی مقدور بھر کوشش کرنی چاہیے۔ طاقت کے ہوتے ہوئے لڑنے والوں کو لڑائی سے نہ روکنا بھی اخوت اسلامی اور انسانی ہمدردی کے سراسر خلاف ہے۔ هٰذا ما عندي والله اعلم.

موجودہ دور کے یہود و نصاریٰ کے برتن پاک ہیں یا نہیں

سوال: موجودہ دور کے یہود و نصاریٰ کے برتن پاک ہیں یا نہیں کیا ہم مسلمان ان میں کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: اگر یہود و عیسائی کے برتنوں کے علاوہ برتن میسر نہ ہوں تو ان کو اچھی طرح دھو کر ان میں کھانا پینا جائز ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوثعلبہ خشنی سے روایت ہے۔ آپ ﷺ نے اہل کتاب کے برتنوں کے بارے میں فرمایا:

((اَمَّا مَا ذَكَرْتَ اِنَّكُمْ بِاَرْضِ اَهْلِ كِتَابٍ فَلاَ تَاكُلُوْا فِيْ اٰنِيَتِهِمْ اِلاَّ اَنْ لاَّ تَجِدُوْا بُدًّا فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاغْسِلُوْا وَكُلُوْا)) ●

کہ تو نے یہ جو کہا کہ ہم لوگ بھی اہل کتاب کی زمین میں ہوتے ہیں تو سنو۔ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے برتنوں میں مت کھاؤ پیو۔ ہاں، اگر تم ان کے برتنوں میں کھانے پینے پر مجبور ہو جاؤ تو ان کو دھو کر ان میں کھا پی لو۔

هذا ما عندي و اعلم بالصواب

● كتاب المظالم باب اعن اخاك ظالما او مظلوما۔ ج ۱ ص ۳۳۰۔ ● الحديث صحيح البخاري: ۲۳ ج ۱۔
● صحيح البخاري باب آنية المجوس والميتة ج ۲ ص ۸۲۶۔

کتاب الاقضیة

کتاب وسنت کے خلاف فیصلہ کو تبدیل کرنا شرعاً ضروری ہے

سوال: فوت شدہ امیر کا فیصلہ جو کتاب وسنت سے بالاتر ہو۔ موجودہ امیر حالات کے پیش نظر تبدیل کر سکتا ہے کہ نہیں؟

جواب: کتاب وسنت کے خلاف فیصلہ کو تبدیل کر کے اس کو کتاب وسنت کے مطابق کرنا جائز ہی نہیں بلکہ فرض اور ضروری ہے اور خلاف شرع فیصلہ کو حالات کے تقاضوں اور نزاکتوں کے بہانہ سے قائم رکھنا ہرگز جائز نہیں کہ یہ تحاکم الی الطاغوت ہے جو کہ کسی طرح بھی جائز نہیں۔ کیونکہ غلط فیصلہ برقرار رکھنا طاغوت (شیطان) کی پیروی اور شریعت کی صریح خلاف ورزی ہے اور شریعت کی عملاً خلاف ورزی بحکم ﴿وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا﴾ (الاحزاب: ۳۷) کھلی گمراہی ہے اس لیے قاضی اور مفتی پر شرعاً کم از کم دو پابندیاں عاید ہیں۔ اول یہ کہ وہ فیصلہ کے اجراء اور فتویٰ کے اصرار میں طاغوت کی پیروی سے حتی الامکان محترز رہے اللہ تعالیٰ نے طاغوتی نظام کی مذمت کرتے ہوئے اس کے ساتھ کفر کرنے کا حکم دے رکھا ہے فرمایا: ﴿وَقَدْ أُمِرُوْا أَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ﴾ (النساء ۶۰) یعنی طاغوتی نظام کے ساتھ مکمل بائیکاٹ کا حکم ہے۔

ثانی یہ کہ اسلام کے نظام عدل کے موافق عدل وانصاف پر مبنی فیصلے اور فتاویٰ صادر کیے جائیں: جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے ﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ﴾ (آیت ۵۸) اور جب لوگوں کا (مقدمہ) فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ کرو۔ اللہ تم کو اچھی نصیحت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے واضح ہوا کہ غلط فیصلہ کو صحیح فیصلہ میں ڈھالنا شرعاً فرض ہے اور یہ انبیاء اور صلحاء کی سنت

متوارثہ ہے چند نظائر پیش خدمت ہیں:

(۱) حضرت سلیمان نے اپنے والد بزرگوار حضرت داؤد علیہ السلام کا مندرجہ ذیل اجتہادی فیصلہ تبدیل کر دیا تھا قرآن میں ہے ﴿وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ إِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ﴾ (الانبیاء ۷۸) اے پیغمبر! داود اور سلیمان کو یاد کرو جب وہ دونوں ایک کھیت یا باغ کا فیصلہ کرنے لگے۔ جس میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کے وقت چر پڑی تھیں اور ہم ان کے فیصلے کو دیکھ رہے تھے یا فیصلے کے وقت حاضر تھے۔ ﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ الآیۃ۔ الانبیاء ۷۹۔ پھر ہم نے اس مقدمے کا (ٹھیک) فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے ان دونوں کو فیصلہ کرنے کی سمجھ اور علم دیا تھا۔

اس مقدمے کی تفصیل مفسرین نے عموماً یہ بیان کی ہے کہ حضرت داود اور سلیمان علیہما السلام کے پاس دو آدمی اپنے مقدمہ لے

کرآئے۔ ایک کہنے لگا کہ اس شخص کی بکریاں رات کے وقت میرے کھیت میں گھس کر ساری کھیتی چر چگ گئی ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے نقصان اور بکریوں کی قیمت کا اندازہ لگا کر فیصلہ دیا کہ تم اس کی بکریاں لے لو۔ حضرت سلیمان نے اپنے والد بزرگوار کے اس فیصلہ سے اختلاف کیا اور کہا کہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں کہ وہ ان کے دودھ وغیرہ سے گزر اوقات کرے اور بکریوں والے کو کھیت سپرد کر دیا جائے کہ آبپاشی وغیرہ سے اس کی اصلاح کرے۔ یہاں تک کہ کھیت اپنی پہلی حالت پر آ جائے تو کھیت اور بکریاں اپنے اپنے مالکوں کو واپس کر دیے جائیں۔ اسی فیصلہ کی طرف اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے کہ ہم نے اس مقدمہ کا ٹھیک فیصلہ سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا۔ تفسیر ابن کثیر عربی ج ۳ ص ۱۹۱۔

(۲) رسول اللہ ﷺ نے بھی درج ذیل غلط فیصلہ کو تبدیل کر دیا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ اور زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔ جَآءَ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اِقْضِ بَیْنَنَا بِکِتَابِ اللّٰہِ الحدیث۔ ایک نامعلوم اعرابی رسول اللہ! کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی کتاب کے ساتھ ہمارا جھگڑا نپٹا دیجئے۔ یہ سن کر حریف کھڑا ہوا اور کہنے لگا بے شک یا رسول اللہ! اللہ کی کتاب کے موافق ہمارے جھگڑے کا فیصلہ کر دیجیے۔ وہ اعرابی اب وہ اعرابی کہنے لگا حضرت ﷺ! مقدمہ یہ ہے کہ میرا بیٹا اس کے یہاں نوکر تھا اور اس نے میرے حریف کی بیوی سے زنا کی ہے۔ لوگوں نے مجھے کہا کہ تیرا بیٹا سنگسار کیا جائے گا میں نے اس کو ایک سو بکریاں اور ایک لونڈی دے کر اپنے بیٹے کو چھڑا لیا ہے جب میں نے دوسرے اہل علم سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے کہا (تیرا بیٹا سنگسار نہ ہوگا) سو کوڑے کھائے گا اور ایک برس کے لئے بن باس کیا جائے گا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم دونوں کا فیصلہ اللہ کی کتاب کے موافق کرتا ہوں میرا فیصلہ یہ ہے بکریاں اور لونڈی اپنی واپس لے لو۔ تیرے بیٹے کو سو کوڑے پڑیں گے اور ایک برس کا دیس نکالا ہوگا۔ ❶

زینب بنت کعب کہتی ہیں کہ مجھے ابو سعید خدریؓ کی ہمشیر فریعہؓ بنت مالک نے بتایا کہ جب میرے شوہر کو اس کے باغی غلاموں نے قتل کر دیا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت عرض کی کہ حضرت! میرے شوہر کو ان کے غلاموں نے قتل کر دیا۔ جبکہ میرے شوہر نے کوئی ملکیتی مکان چھوڑا ہے اور نہ نان ونفقہ۔ لہٰذا کیا میں اپنے آبائی گھر میں جا سکتی ہوں تو آپ ﷺ نے مجھے اجازت دے دی۔ جب میں لوٹ کر تھوڑی دور آئی تو آپ ﷺ نے مجھے واپس بلا کر فرمایا کہ جب تک تیری عدت پوری نہ ہو جائے تو والدین کے گھر نہیں جا سکتی، چنانچہ میں نے چار ماہ دس یوم شوہر کے گھر عدت پوری کی۔ ❷

قبیصہ بن ذویب نامی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اپنے پوتے کے ترکہ سے اپنا حصہ طلب کیا تو ابو بکرؓ نے فرمایا

---

❶ صحیح البخاری باب ھل یجوز للحاکم ان یبعث وحدہٗ للنظر فی الامور ج ۲ ص ۱۰۶۷ وباب الاعتراف بالزنیٰ ج ۲ ص ۱۰۰۸۔ مزید تفصیل کے لئے فتح الباری باب ھل یجوز للحاکم ان یبعث وحدہ ج ۱۲ ص ۱۶۵ وباب الاعتراف بالزنا ج ۱۳، ص ۲۲۹ اقضیۃ الرسول ﷺ ص ۱۵۹۔

❷ رواہ مالک والترمذ وابو داؤد والنسائی وابن ماجۃ والدارمی۔ مشکوٰۃ ص ۲۸۹۔

میرے علم کے مطابق کتاب وسنت میں آپ کے حصہ کا کوئی ذکر نہیں، لہٰذا آپ فی الحال واپس چلی جائیں۔ میں آپ کے حصہ کے متعلق اہل علم سے پوچھوں گا۔ جب اہل علم سے بات ہوئی تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دادی کو چھٹا حصہ دیا تھا۔ ابوبکرؓ نے مزید تحقیق کے لئے فرمایا اس وقت آپ کے ساتھ کوئی اور بھی تھا تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر وہی کچھ کہا جو مغیرہؓ نے بیان کیا تھا، تب حضرت ابوبکر نے اپنا فیصلہ واپس لیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ نافذ کر دیا۔ ● جناب مسروق بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ منبر رسول ﷺ پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ کوئی شخص چارسو درہم سے زیادہ مہر نہ باندھے تو ایک عورت نے آیت اٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا سناتے ہوئے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مہر میں ایک خزانہ دینے کی اجازت دے رکھی ہے تو، لہٰذا آپ کو یہ پابندی عائد کرنے کا حق نہیں۔ تو حضرت عمر فاروقؓ نے منبر پر تشریف فرما کر اپنا یہ حکم واپس لے لیا۔ اسنادہ جید قوی۔ ●

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک زانی لایا گیا اور اس نے زنا کا اقرار کیا۔ حضرت علیؓ نے پوچھا کیا تو شادی شدہ ہے۔ اس نے کہا ہاں شادی شدہ ہوں تو حضرت علی نے اس کو جیل بھیج دیا۔ دوپہر کے بعد بلایا اور لوگوں کے سامنے اس کا واقعہ بیان کیا تو حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ اس نے نکاح تو کیا ہے مگر جماع نہیں کیا تو راز کھلنے پر حضرت علیؓ بہت خوش ہوئے اور رجم کا حکم واپس لیتے ہوئے اس کو سو کوڑے لگائے۔ ● اسی طرح کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ نے چند زندیقوں کو آگ میں جلا ڈالا تھا۔ جب حضرت عبداللہ بن عباس کو اس کا علم ہوا تو حضرت علیؓ کے اس غلط فیصلہ پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا کہ علیؓ کو آگ کا عذاب دینے کا حق نہ تھا۔ ان کو قتل کرنا چاہیے تھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ. ●

ہزیل بن شرحبیل کہتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے سوال ہوا کہ ورثا میں ایک بیٹی۔ ایک پوتی اور ایک بہن ہو تو ترکہ کیسے تقسیم ہوگا تو ابوموسیٰ نے کہا کہ آدھا ترکہ بیٹی کو اور دوسرا آدھا بہن کو ملے گا اور پوتی محروم رہے گی اور کہا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مزید تصدیق کر لیں۔ سائل نے جا کر عبداللہ بن مسعود سے جب ابوموسیٰ کا فتویٰ بیان کیا تو انہوں نے کہا لَقَدْ ضَلَلْتُ اِذاً وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ اَقْضِيْ فِيْهَا بِمَا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ اگر میں اس فتویٰ کی تصدیق کرتا ہوں تو میں گمراہ ہو جاؤں گا اور ٹھیک رستہ سے بھٹک چکا ہوں گا میں تو اس مسئلہ میں وہی حکم دوں گا جو نبی ﷺ نے حکم دیا تھا، یعنی بیٹی کو آدھا اور پوتی کو چھٹا تا کہ دوتہائی پوری ہو جائیں اور باقی بہن کو ملے گا۔ صحیح البخاری باب میراث ابنة ابن مع ابنة ج ۲ ص ۹۹۷ ان آٹھ مثالوں پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ ثابت ہوا کہ کتاب وسنت کے خلاف فیصلے اور فتویٰ تبدیل کر دینا فرض ہے خواہ غلط فیصلہ کرنے والا امیر المومنین ہو یا امیر جماعت ہو۔ لاحجة لا حد مع رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ هذا ماعندی والله اعلم بالصواب

● سنن ابی داؤد باب فی الجدة۔ ج ۲ ص ۴۵۔ ● تفسیر ابن کثیر ج ۱ سورة نساء آیت ۲۰ ص ۴۶۷۔

● سنن سعید بن منصور باب ماجاء فی الرجل یزنی ج ۳ ص ۲۱۱ ورحماء بینھم ج ۴ ص ۱۳۷ و ۱۳۸۔

● صحیح البخاری باب حکم المرتد والمرتدة ج ۲ ص ۱۰۲۳۔

